تھوڑا سا آسماں

انتساب!

میرے پیغمبر ﷺ

کے

نام!

جو مجھے زندگی گزارنے کا شعور دیتے ہیں

دیباچہ

آسمان وہ معراج ہے جس کو پانے کی خواہش ہمیں ہمیشہ بے تاب رکھتی ہے۔ ہم سب بھی زندگی میں تھوڑا سا آسمان ضرور تلاش کرتے ہیں۔ اس تلاش میں بہت سے لوگ بہت کچھ کھو دیتے ہیں اور بعض دفعہ اس تلاش میں ہم اپنے پیروں کے نیچے موجود زمین کو ٹھوکر مار دیتے ہیں۔ پھر جب آسمان تک پہنچ نہیں پاتے تو واپس زمین پر آنے کی کوشش کرتے ہیں تب بعض دفعہ زمین ہمیں پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں دیتی۔

اس ناول کے سارے کردار بھی آپ کو اسی تلاش میں سرگرداں نظر آئیں گے۔ یہ تلاش انہیں کہاں لے جاتی ہے اس کا فیصلہ ان کرداروں کو نہیں آپ کو کرنا ہے۔ ہم لوگ ناول پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو ہمیشہ ہیرو ہیروئن یا اچھے کرداروں میں پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں بعض دفعہ ہم ساری زندگی منفی کردار ادا کرتے رہتے ہیں۔

"تھوڑا سا آسمان" کو پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو مثبت کے بجائے منفی کرداروں میں تلاش کرنے کی کوشش کیجئے گا۔ میرا دعویٰ ہے، ہم میں سے ہر ایک اس ناول میں کسی نہ کسی کردار میں اپنی جھلک ضرور دیکھ لے گا۔ پھر جب آپ اس ناول میں خود کو پہچان لیں اور جس کردار میں خود کو پائیں، وہ منفی ہو تو آنکھیں بند مت کریں۔

اس ناول کے کرداروں کے اعمال اور زندگی کو آپ نہیں بدل سکتے۔ وہ صرف میرے ہاتھ میں ہے۔

حقیقی زندگی میں اپنے اعمال اور کردار کو آپ بدل سکتے ہیں۔ وہ صرف آپ کے ہاتھ میں ہے۔

تو کیا آپ دنیا کا سب سے مشکل کام کریں گے؟ زندگی میں اپنی برائیوں اور اس سے ہونے والی دوسروں کی زندگی کی تباہی کو ختم کرنا چاہیں گے؟

اس ناول کو مکمل پڑھنے کے بعد ایک بار پھر ان چند سطروں کو پڑھ کر خود سے پوچھئے کیا آپ نے دنیا کا سب سے مشکل کام کیا؟

آئیں خود کو تلاش کریں۔

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لیے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشر کو کرنی پڑتی ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں میری کتابوں کے حقوق اشاعت حاصل کرنے کے بعد ادارہ **علم و عرفان** نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

عمیرہ احمد

پہلا باب

''آپ ان کاغذات کو ایک بار پھر پڑھ لیں۔''
یتیم خانے کی انچارج نے اپنے لہجے میں حتی المقدور نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات میز کی دوسری طرف بیٹھے ہوئے جوڑے کی طرف کھسکائے۔

مرد نے بہت خاموشی اور سنجیدگی سے ایک بار پھر کاغذات کا تفصیلی مطالعہ شروع کر دیا تھا جبکہ عورت بڑی خاموشی اور بے نیازی سے میز کی سطح کو گھورتی رہی، یتیم خانے کی انچارج گہری نظروں سے کمرے میں موجود تمام لوگوں کے چہروں کو دیکھتی رہی مگر بار بار اس کی توجہ کونے والی کرسی پر بیٹھی اس عورت پر مرکوز ہو جاتی تھی جو اس جوڑے کے ساتھ آئی تھی اور جس کا چہرہ اس کے اندرونی اضطراب کی چغلی کھا رہا تھا۔ ساڑھے چار فٹ قد اور خاصی حد تک بدصورت وہ عورت بہت ہی بے ڈھنگے لباس میں ملبوس تھی وہ بار بار اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر رہی تھی۔ اس کا دایاں اور بایاں ہاتھ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ دایاں ہاتھ بہت کمزور اور نحیف تھا جبکہ بایاں ہاتھ خاصا مضبوط اور جسیم تھا، یوں لگتا تھا جیسے اس نے دو مختلف انسانوں کے بازو اپنے جسم پر لگوائے ہوئے ہیں۔ اس کے سیاہ چہرے پر آنکھوں کی سفیدی اور اس میں حرکت کرتی ہوئی پتلیاں بے حد عجیب لگ رہی تھیں۔ ٹیڑھے میڑھے دانتوں اور بھدی ناک نے اس کی بدصورتی کو مکمل کر دیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بار بار انچارج کی نظریں اس پر اٹھ جاتی تھیں اور ایسا آج ہی نہیں ہر بار ہوتا تھا جب سے وہ جوڑا بچہ گود لینے کے لیے وہاں آ رہا تھا۔

تب سے وہ عورت ہر دفعہ ان کے ساتھ ہوتی تھی اور انچارج ہر بار چاہتے ہوئے بھی اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹا نہیں پاتی تھی، شاید اس نے بدصورتی کو کبھی اتنا مجسم، اتنا مکمل نہیں دیکھا تھا۔ وہ عورت ہر بار اس جوڑے کے ساتھ آتی اور سارا وقت خاموشی کے ساتھ کرسی پر بیٹھی رہتی، اس نے ایک بار بھی کبھی اس جوڑے کی گفتگو میں مداخلت نہیں کی تھی۔ انچارج سے ہمیشہ وہ دونوں ہی باتیں کرتے تھے۔ کئی بار انچارج کا دل چاہا کہ وہ اس عورت کے بارے میں اس جوڑے سے پوچھے کہ اس سے ان کا کیا رشتہ ہے مگر ہر بار وہ پتا نہیں کیا سوچ کر چپ ہو جاتی۔

''ہم نے تمام کاغذات دیکھ لیے ہیں اور میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مجھے تمام شرائط منظور ہیں۔''
کچھ وقت گزرنے کے بعد اس مرد نے کاغذات دوبارہ انچارج کی طرف بڑھا دیئے۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم بچے کی بہت اچھی طرح دیکھ بھال کریں گے۔ اسے اپنی اولاد کی طرح رکھیں گے۔ آپ کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی اور جہاں تک سوال ہے۔ اس بچے کی واپسی کا تو آپ اس کے بارے میں بھی فکر مند نہ ہوں، ہم کبھی بھی اسے واپس کرنے نہیں آئیں گے۔ اگر ہمیں ایسا کرنا ہوتا تو ہم اسے گود لینے کی کوشش ہی کیوں کرتے۔''

اس آدمی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ انچارج نے کچھ بے دلی سے اس آدمی کے چہرے کو دیکھا۔ اس کے لیے یہ سارے الفاظ، یہ ساری یقین دہانیاں اور وعدے نئے نہیں تھے۔ یہاں جو بھی آتا تھا وہ اسی سے ملتے جلتے الفاظ دہراتا

تھا۔ بچہ گود لے لیتا تھا۔ کچھ عرصہ گزر جاتا پھر اگر ان لوگوں کی اپنی اولاد ہو جاتی تو وہ بچہ واپس دے جاتے تھے اگر بچہ واپس لینے سے انکار کر دیا جاتا تو وہی بچہ کسی دوسرے یتیم خانے میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔
یہ سلسلہ شروع سے اسی طرح جاری تھا۔ انچارج اس مرد کے الفاظ سے بھی متاثر نہیں ہوئی۔
''دیکھیں، ہمارے یہاں تو جو بھی آتا ہے وہ شروع میں اسی طرح کی باتیں کرتا ہے، تمام شرائط بھی مان لیتا ہے۔ لمبے چوڑے وعدے بھی کرتا ہے مگر پھر بھی یہاں سے لے جانے والے بچوں کو اپنی اولاد کی طرح کوئی نہیں رکھتا۔ اگر کوئی رکھنے کی کوشش کرے تب بھی یہ سب صرف اسی وقت تک ہی ہوتا ہے جب تک کہ ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہو جاتی جب اپنی اولاد ہو جاتی ہے تو پھر انہیں ایسے بچے بوجھ لگنے لگتے ہیں۔ اول تو انہیں پھر کوئی ساتھ رکھنے پر تیار ہوتا نہیں اور جو رکھتے ہیں، وہ اولاد کی طرح نہیں ملازموں کی طرح رکھتے ہیں۔''
انچارج بڑے صاف اور کھرے انداز میں بولتی گئی تھی۔
''لیکن آپ ہمیں ایسے لوگوں میں شامل نہ کریں، آپ جانتی ہیں، ہم بے اولاد نہیں ہیں۔ ہماری پہلے ہی ایک بیٹی ہے اور اگر ہم پھر بھی اس بچے کو گود لینا چاہ رہے ہیں تو ظاہر ہے۔ یہ ہماری مجبوری تو ہو نہیں سکتی۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے اور ایک بار پھر کہہ دیتا ہوں کہ میں یہ بچہ کبھی واپس کرنے نہیں آؤں گا۔ آپ اس سلسلے میں فکرمند نہ ہوں، میں اس کی پرورش اپنے بیٹے کی طرح کروں گا۔''
وہ آدمی ایک بار پھر یقین دہانیوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس بار انچارج نے کچھ نہیں کہا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اس آدمی کے الفاظ سے متاثر ہوئی تھی۔ وہ بس اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتی تھی۔ اس جوڑے کے ساتھ آئے ہوئے وکیل نے کاغذی کارروائی مکمل کرنا شروع کی، کاغذات پر دستخط کیے گئے۔ اس کے بعد یتیم خانے کو وہ روپے دیے گئے جو طے کیے گئے تھے۔ تمام کارروائی مکمل کرنے کے بعد انچارج نے گھنٹی بجائی، ایک عورت اندر داخل ہوئی۔ انچارج نے اسے مطلوبہ بچہ لانے کے بارے میں ہدایات دیں۔ وہ عورت سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔
کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ ایک چہرے کے سوا کسی اور چہرے پر اضطراب تھا نہ بے چینی، وہ چہرہ اس بدصورت عورت کا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ انچارج کی نظریں اب بھی بار بار اسی کی طرف بھٹک رہی تھیں، اس کی بے چینی بھی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ ایک بار پھر اس کا جی چاہا تھا، وہ اس عورت کے بارے میں اس جوڑے سے پوچھے۔ ایک بار پھر اس نے اپنی خواہش کو دبا لیا تھا۔ چند منٹ بعد وہ عورت بچہ لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور انچارج کے پاس چلی گئی تھی۔ انچارج نے کھڑے ہو کر اس ڈھائی سالہ بچے کو گود میں اٹھا لیا، پھر وہ اس مرد کے پاس چلی آئی، وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ انچارج نے خاموشی کے ساتھ اس بچے کو مرد کے حوالے کر دیا۔ مرد نے بڑی احتیاط اور محبت سے اس سرخ و سفید بچے کو اٹھایا تھا۔ اپنی گود میں اسے اٹھاتے ہی اس نے بڑی نرمی سے بچے کے گال کو چوما تھا۔ بچہ یک دم گھبرا کر رونے لگا، مرد کے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت نے کھڑے ہو کر اس بچے کو مرد سے لے لیا۔ بچہ اب زور و شور سے رونے لگا تھا۔ وہ عورت اسے ہلاتے ہوئے پچکارنے لگی۔
''اچھا جی، ہمیں اجازت دیجیے۔''
مرد نے انچارج سے کہا تھا اور اس کے بعد خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے پیچھے اس کی بیوی، وکیل اور بدصورتی کا وہ مجسمہ تھا انچارج کو یک دم اس سے کراہیت محسوس ہوئی تھی۔ وہ بھی اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے خدا حافظ کہہ گئی تھی۔ اس کے کمرے سے نکلتے ہی انچارج نے سکون کا سانس لیا تھا۔
''عجیب چیز تھی، ہے نا سکینہ؟'' انچارج نے بچہ لانے والی عورت سے پوچھا تھا۔ اس کا اشارہ کس کی طرف تھا۔ عورت جان گئی تھی۔
''ہاں جی، عجیب ہی چیز تھی۔ دیکھ لیں پھر خدا دنیا میں کیسی کیسی چیزیں بنا دیتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا اب اس عورت سے

کسی کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ یہ کسی کے کیا کام آ سکتی ہے۔''
سکینہ نے لمبی بات شروع کر دی تھی۔ انچارج کوئی جواب دینے کے بجائے آفس کی کھڑکی میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہاں سے وہ چاروں لوگ بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ بیرونی دروازہ کے پاس پہنچ کر بچہ اٹھانے والی عورت رک گئی۔ اس نے اس بدصورت عورت کے پاس آنے پر وہ بچہ اسے تھما دیا۔ اور پھر خود دروازہ پار کر گئی۔ اس بدصورت عورت نے بچے کو اس طرح اٹھایا جیسے وہ کوئی خزانہ تھا اور کوئی وہ خزانہ اس سے چھیننے والا تھا۔ بچے کو اٹھانے کے بعد وہ اور مضحکہ خیز لگنے لگی تھی۔
روتے ہوئے بچے کو اٹھائے ہوئے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ بھی دروازہ کراس کر گئی۔ انچارج ایک گہری سانس لے کر کھڑکی سے ہٹ گئی۔
''میرا خیال ہے یہ عورت اس جوڑے کے گھر کام کرتی ہے، نوکرانی ہے۔''
اس نے آخری تبصرہ کیا تھا۔ شاید سکینہ کی معلومات میں اضافہ سے زیادہ اسے اپنے ذہن کی گتھی سلجھانے میں دلچسپی تھی۔
''اچھا...... تم ذرا عابدہ کو بلا کر لاؤ۔''
انچارج نے سکینہ کا جواب سننے سے پہلے ہی موضوع بدل دیا تھا۔ سکینہ سر ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ منصور علی نے پہلی بار اپنے نومولود بیٹے کو گود میں اٹھایا تھا اور اسے گود میں اٹھانے کے بعد بہت دیر تک وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہے تھے۔ بیٹے کے وجود نے ان کی زندگی مکمل نہیں کی تھی بلکہ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ننھے وجود نے ان کے قد کاٹھ میں بے تحاشا اضافہ کر دیا تھا۔ اپنے ہاتھوں میں اسے اٹھا کر انہوں نے چہرے کے پاس کیا تھا اور اس ننھے سے وجود نے انہیں پہلے سے بھی زیادہ مبہوت، زیادہ مسحور کر دیا تھا۔ وہ اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں کھولے اردگرد کی چیزوں پر نظریں جمانے کی کوشش میں مصروف تھا اور اس کی آنکھوں کی چمک منصور علی کے چہرے پر جھلک رہی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر نرمی سے اس کا ماتھا چوما، ایسا نہیں تھا کہ وہ ان کا پہلا بچہ تھا۔ اس سے پہلے ان کی دو بیٹیاں تھیں۔ مگر دونوں بیٹیوں کی پیدائش پر ان کے تاثرات اور جذبات بہت عام تھے۔ انہیں شروع سے ہی بیٹے کی آرزو تھی۔ اور بیٹیوں کی پیدائش نے جہاں انہیں مایوس کیا تھا، وہاں ان کی اس آرزو کو اور شدید کر دیا تھا اور اب جب وہ بیٹے کو ہاتھوں میں تھامے ہوئے تھے تو انہیں پوری دنیا یک دم بہت مکمل، بہت خوبصورت نظر آنے لگی تھی۔ منیزہ اپنے شوہر کے احساسات اور جذبات سے بے خبر نہیں تھیں۔ وہ ان کی موجودہ کیفیت کو مکمل طور پر سمجھ رہی تھیں۔ اور جس قدر فخر ان کے شوہر کو اس ننھے وجود پر تھا۔ اس سے کہیں زیادہ فخر منیزہ منصور علی کو اس پر تھا۔
اس وقت بھی وہ فخریہ نظروں سے شوہر کو دیکھ رہی تھیں جو اس ننھے وجود کو ہاتھوں میں لیے مکمل طور پر گم نظر آ رہے تھے۔
''منیزہ! تم نے اس کے لیے کوئی نام سوچا؟'' بالآخر منصور علی نے اپنی خاموشی توڑ دی تھی۔
''ہاں، بہت سے نام سوچے ہیں لیکن میرا خیال ہے، حذیفہ سب سے بہتر ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے، اس کے لیے حذیفہ نام کیسا رہے گا؟'' منیزہ نے شوہر کی رائے لی تھی۔
''نہیں منیزہ! اپنے بیٹے کا نام میں خود رکھوں گا اور اس کا نام حذیفہ نہیں روشان ہوگا۔ روشان منصور علی۔ تم دیکھنا یہ واقعی روشان ثابت ہوگا میرے لیے، یہ کوئی عام بچہ نہیں ہے منیزہ! یہ منصور علی کا بیٹا ہے۔ میں اس کو اس کے مانگنے سے پہلے دنیا کی ہر چیز لا کر دوں گا۔ دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں ہوگی جو روشان منصور علی کی رسائی سے باہر ہو، جو اس کے پاس نہ ہوگی۔''
وہ زندگی ہوئی آواز اور پرجوش لہجے میں کہتے جا رہے تھے۔ منیزہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کے چہرے کو دیکھتی جا رہی تھیں۔
''تم دیکھنا منیزہ! میرا بیٹا کس طرح میرا دایاں بازو بنے گا۔ یہ کس طرح میرے کاروبار کو زمین سے آسمان تک لے

جائے گا۔ لوگ مجھ پر رشک کریں گے کہ میں ایسے بیٹے کا باپ ہوں، مگر خدا ایسی اولاد ہر کسی کو نہیں دیتا۔ روشان منصور علی روز روز تو پیدا نہیں ہوتا۔"

منیزہ پہلی بار منصور علی کو اس رنگ میں دیکھ رہی تھیں۔ پہلی دفعہ وہ اس قدر جذباتی ہوئے تھے۔

"منصور! اتنی ڈھیروں توقعات، اتنے بڑے بڑے خواب، وہ بھی اس ننھے سے بچے سے۔"

منیزہ نے ان کے جذبات پر جیسے بند باندھنے کی کوشش کی تھی مگر ان کی کوشش ناکام ہوئی، منصور علی کی آواز میں اور جوش اور کھنک آ گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے منیزہ! کیا میرے خواب پورے نہیں ہوں گے، کیا میری توقعات غلط ثابت ہوں گی۔ کیا آج تک ایسا ہوا ہے کہ منصور علی نے جو چاہا، جو سوچا ہے، اس کے برخلاف ہو جائے۔ تم دیکھنا اب بھی وہی ہوگا جو میں کہہ رہا ہوں۔"

آج ان پر کچھ اور ہی عالم تھا منیزہ خاموش ہو گئیں، انہوں نے بھی بحث نہیں کی۔ کافی دیر تک وہ روشان کو گود میں لیے منیزہ سے باتیں کرتے رہے پھر اٹھ کر چلے گئے۔ اس دن انہوں نے پورے ہاسپٹل میں منوں کے حساب سے مٹھائی بانٹی تھی اور جہاں مٹھائی نہیں دی تھی، وہاں اسی فیاضی سے روپے بانٹے تھے، پہلی نرینہ اولاد کا استقبال انہوں نے ویسے ہی کیا تھا۔ جس طرح ان کے خاندان میں کیا جاتا تھا۔ خوب دھوم دھڑکے سے، اچھی طرح روپیہ لٹا کر، خوب صدقہ خیرات کر کے۔ روشان منصور علی کو اپنی زندگی کا پہلا دن کبھی یاد نہیں رہتا تھا مگر بہت سے لوگوں کو وہ دن نہیں بھولنا تھا۔ نہ منیزہ اور منصور علی کو نہ امبر کو اور نہ ہی ان سب لوگوں کو جنہیں منصور علی نے اس دن بے تحاشا نوازا تھا۔

منصور علی پچھلے دس سال سے شارجہ میں مقیم تھے اور مختلف کرنسیز کی ایکسچینج کے کام سے منسلک تھے، روشان سے بڑی ان کی دو بیٹیاں تھیں امبر اور صبغہ۔ منیزہ سے ان کی شادی کو سات سال ہونے والے تھے۔ شادی کے چند ماہ بعد ہی وہ منیزہ کو اپنے ساتھ شارجہ لے آئے تھے۔ ان کا باقی خاندان پاکستان میں ہی مقیم تھا جس خاندان سے منصور علی کا تعلق تھا، وہاں بیٹے کی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے جو ہمیشہ رہتی ہے اس اہمیت کو وقت کم کرتا ہے نہ حالات۔ منصور علی بھی اسی ذہنیت کو لیے آگے چل رہے تھے۔

دو بیٹیوں کی پیدائش نے انہیں کچھ مایوس اور بددل کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ بیٹے کی آس لگائے بیٹھے تھے لیکن اس مایوسی اور بددلی کے باوجود انہوں نے بیٹیوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ خاص طور پر بڑی بیٹی امبر ان کی زیادہ ہی لاڈلی تھی۔ ظاہر ہے پہلی اولاد تھی اور پھر بے تحاشا خوبصورت تھی، خوبصورت صبغہ بھی تھی مگر امبر کی کچھ اور ہی بات تھی۔ اسے خدا نے کسی کمی کا شکار نہیں رکھا تھا۔ رنگت سے آنکھوں تک وہ کمال حسن تھی۔ منصور علی کو شروع میں اس سے انس تھا۔ بعد میں یہ انس شدید قسم کی محبت میں بدل گیا تھا۔

انہوں نے امبر کی ہمیشہ ہر فرمائش پوری کی تھی، ان میں شاید اتنا حوصلہ ہی نہیں تھا کہ امبر کچھ مانگتی اور وہ اسے انکار کرتے۔ وہ شوخ تھی، شرارتی تھی۔ ہر وقت کھلکھلاتی رہتی۔ ہر وقت ایک طوفان اٹھائے رکھتی صبغہ مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے اس سے بہت مختلف تھی۔ اس کی پیدائش پر ہی یہ پتا چل گیا تھا کہ اس کے دل میں سوراخ ہے۔ ایک سال کا ہونے پر لندن میں اس کے دل کا آپریشن ہوا تھا جو پوری طرح کامیاب رہا تھا لیکن مکمل طور پر صحت مند ہونے کے بعد بھی وہ فطرتاً بہت کم گو تھی۔

منیزہ کو اس نے کبھی تنگ نہیں کیا تھا۔ وہ اسے جہاں بٹھا دیتیں، وہ وہیں بیٹھی رہتی پھر چاہے گھنٹوں گزر جاتے مگر وہ بھی ماں کے لیے روتی نہ چلاتی، بس خاموشی سے اپنی جگہ پڑی رہتی۔ جب کہ امبر کو منٹ منٹ بعد ماں کی یاد ستاتی تھی۔ منیزہ میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ امبر کو صبغہ کی طرح کہیں کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں۔ وہ کچھ دیر ماں کے نظر نہ آنے پر ہنگامہ کھڑا کر دیتی تھی۔ اسے ہر وقت ماں کی توجہ چاہیے تھی۔ خود منیزہ بھی اس کے بغیر خود کو ادھورا محسوس کرتی تھیں۔

وہ صبغہ کو دیکھے بغیر رہ سکتی تھیں لیکن امبر کو دیکھے بغیر ان سے ایک گھنٹہ گزارنا بھی مشکل ہوتا تھا کچھ یہی حال منصور علی کا تھا، صبغہ کو وہ صرف دور سے ہی پچکارتے تھے لیکن امبر کو گھر آتے ہی اٹھا لیتے۔ وہ رات کو سوتی بھی باپ کے پاس تھی، اور اگر

کبھی وہ ناراض ہو کر ان کے پاس نہ آتی تو منصور علی کی جیسے جان پر بن آتی۔

وہ اس کے آگے پیچھے پھرتے۔ اس کی منتیں کرتے۔ اس کے لیے کھلونوں کا ایک نیا انبار خرید لاتے پھر کہیں وہ بڑی مشکل سے دوبارہ ان سے بات کرتی، ان کے پاس آتی۔ روشان کی پیدائش نے بھی امبر کی اس حیثیت اور اہمیت کو متاثر نہیں کیا تھا، وہ پہلے بھی منیزہ اور منصور علی کے دل پر راج کر رہی تھی۔ اب بھی اسی کی حکومت تھی۔ ہاں نظر انداز کوئی ہونے لگا تھا تو وہ صبغہ تھی مگر وہ ابھی اتنی چھوٹی تھی کہ اسے التفات جیسے الفاظ کا مفہوم ہی پتا نہ تھا۔ اس کی کمی کی شکایت تو دور کی بات تھی۔

☆☆☆

"دیکھو عدیلہ! بعض چیزوں کے بارے میں میرا نقطہ نظر بہت صاف ہے، ہم لوگ جس کلاس سے تعلق رکھتے ہیں اور جس سوسائٹی میں موو کرتے ہیں وہاں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جو ایک مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے کے لیے تو بہت قابل اعتراض ہوتی ہیں لیکن وہ ہمارے لیے قابل قبول ہوتی ہیں۔ ہم لوگ مڈل کلاس کی طرح نام و نہاد اخلاقی اقدار کے انبار سر پر لے کر نہیں چلتے اور پھر اخلاقیات ان چیزوں میں سے ایک ہے جس کی تعریف پر کبھی دو آدمی تک متفق نہیں ہوتے۔ ہم خاموشی سے یہ مان کیوں نہیں لیتے کہ نئی دنیا کے ساتھ چلنے کے لیے ہمیں ان فرسودہ قسم کی اقدار سے باہر نکلنا پڑے گا۔ آگے جانے کے لیے بہت کچھ بدلنا پڑے گا۔ آزادی دینی پڑے گی۔ ہر قسم کی آزادی اور ہر شخص کو چاہے وہ عورت ہو یا مرد۔"

شائستہ کمال عدیلہ فیاض کو چائے کا کپ تھماتے ہوئے اپنے نظریات بھی ٹرے میں سجا کر پیش کر رہی تھیں۔

"ہم زمانہ قبل از مسیح میں نہیں رہ رہے، آج کی دنیا میں رہ رہے ہیں۔ اب تو اخلاقیات کو کوئی ٹوکری میں ڈال کر بازار میں بیچے تو بھی اسے کوئی نہ خریدے کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے آج کے انسان کو۔ جب ہر انسان ایک دوسرے کو آزادی کا حق دے دے گا تو اخلاقی اقدار کی ضرورت ہی کہاں پڑے گی۔ کم از کم ہماری اور آپ کی کلاس کے لوگوں کو تو قطعاً اس کی ضرورت نہیں ہے، ہم ان اقدار کے بغیر ہی بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔"

وہ بولتی جا رہی تھیں، عدیلہ فیاض چائے کے کپ لیتے ہوئے بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"اب تم جس مسئلے کی وجہ سے اتنی پریشان ہو۔ وہ ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ شوہر کسی دوسری عورت میں دلچسپی لینے لگا ہے۔ بھئی وہ دوسری عورت کون ہے۔ فیاض صاحب کی سیکرٹری تو پھر مسئلہ رہ ہی کیا جاتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ مرد یہ پی اے اور سیکریٹریز واقعی اپنی مدد کے لیے اپائنٹ کرتے ہیں، نہیں عدیلہ! تم اور میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے تو پھر ہمیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھیں، میں تو ہارون کے بارے میں بالکل پریشان نہیں ہوتی۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ اس کے اپنی ہر سیکریٹری کے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں اور یہ سب صرف سیکریٹری تک محدود نہیں ہے۔ ایسی اور بھی بہت سی عورتیں ہیں جن کے ساتھ اس کی اچھی خاصی راہ و رسم ہے تو پھر میں نے کیا کیا ہے۔ یقین کیجیے، میں تو بالکل پریشان نہیں ہوں، آدمی تو یہ سب کرتے ہی ہیں۔ میں نے ہارون سے بس یہ کہہ رکھا ہے کہ وہ کس کے ساتھ پھرتا ہے یا افیئر چلاتا ہے، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ایک کے بجائے سو عورتوں کے ساتھ پھرے لیکن مسز ہارون کا نام کسی دوسری عورت کے پاس نہیں جانا چاہیے، بیوی صرف مجھے ہی رہنا چاہیے اور آپ دیکھ لیجیے کہ میں کتنی مطمئن ہوں کیونکہ جانتی ہوں، وہ افیئر کسی کے ساتھ بھی چلائے۔ شادی کسی کے ساتھ نہیں کرے گا اور دوسری شادی نہ کرنے کے بدلے میں میں اسے کسی چیز سے روکنے کی کوشش نہیں کرتی، میں نے اس پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی، کیا حرج ہے اگر وہ ان مڈل کلاس لڑکیوں کو کچھ تحفے تحائف دے کر کچھ اچھا وقت گزار لیتا ہے۔ مجھے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہم دونوں کے آپس میں بہت اچھے تعلقات ہیں۔ میں خوامخواہ اس پر پابندیاں لگا کر اسے خود سے متنفر کیوں کروں، اپنا سکون کیوں برباد کروں اور میں تم کو بھی یہی مشورہ دیتی ہوں، فیاض صاحب گھر سے باہر جو کرتے ہیں۔ انہیں کرنے دو۔ ہماری کلاس کے آدمی مڈل کلاس کے آدمیوں کی طرح خود پر پابندیاں لگواتے ہیں۔ نہ برداشت کرتے ہیں۔ میری طرح تم بھی فیاض صاحب سے ایک بار اس مسئلے پر کھل کر بات کرلو۔ اس کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے

گا۔ تم ان کی گھر سے باہر کی زندگی میں مداخلت نہ کرو تو گھر کے اندر کی زندگی خود بخود ہی اچھی ہو جائے گی۔''

شائستہ بڑے اطمینان سے اسے اپنی زندگی کے تمام فارمولے بتاتی جا رہی تھیں۔ عدیلہ عجیب نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''تم عجیب ہو، بہت عجیب ہو، شائستہ کتنا حوصلہ ہے تمہارا کہ اپنے شوہر کو کسی دوسری عورت کے ساتھ دیکھ کر بھی تمہیں کچھ نہیں ہوتا۔ میں تو برداشت نہیں کر سکتی۔ میں فیاض سے محبت کرتی ہوں، اپر کلاس یا مڈل کلاس میں ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ بعض چیزیں کبھی نہیں بدلتیں۔ اگر وہ چیزیں بدل جائیں تو پھر سارا سوشل اسٹرکچر تباہ ہو جائے گا۔ سارے رشتے ناتے ختم ہو جائیں گے۔ کیا بیوی شوہر کو غلط حرکتوں سے نہ روکے۔ اسے اجازت دے دے کہ وہ جو چاہے کرے بس کسی دوسری عورت سے شادی نہ کرے، میرا خیال ہے کسی دوسری عورت کے ساتھ دوسری شادی اتنی خطرناک نہیں ہے جتنا درجنوں عورتوں کے ساتھ پھرنا تمہیں پتا ہے شائستہ اس سے ڈھیروں زندگیاں تباہ ہوتی ہیں، دل اجڑتے ہیں۔''

شائستہ نے بے نیازی سے ہاتھ لہرایا۔

''کم آن عدیلہ! اتنا اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسی احمقانہ باتیں مت کرو۔ دل اجڑتے ہیں، زندگیاں تباہ ہوتی ہیں۔ بھئی دل اجڑتے ہیں تو اجڑنے دو، زندگیاں تباہ ہوتی ہیں تو ہونے دو، نہ وہ دل ہمارے ہوتے ہیں نہ زندگیاں۔ ہمارا تو سب کچھ محفوظ رہتا ہے کسی دوسرے کی زندگی اور دل سے ہمارا کیا تعلق جن کی زندگی اور دل ہے، وہ خود جانیں۔ ہمیں اپنی زندگی سے مطلب ہے۔ اپنے گھر کی پروا ہونی چاہیے۔''

عدیلہ بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں فیاض کے معاملے میں بہت پوزیسو ہوں۔ میں کبھی بھی تمہاری طرح اپنے شوہر کو سب کچھ کرنے کی آزادی نہیں دے سکتی۔''

''تو پھر تم بہت پچھتاؤ گی۔ فیاض کو تم راہ راست پر کبھی نہیں لا سکتیں۔ اور اپنا گھر بھی بالآخر تباہ کر لو گی۔ پھر جب یہ سب ہو گا تو تمہیں یاد آئے گا کہ شائستہ کمال کتنی سمجھدار تھی اور تم نے پھر بھی اس کی باتوں پر عمل نہیں کیا۔'' وہ آرام سے صوفے پر بیٹھے بولتی جا رہی تھیں۔ عدیلہ نے کچھ نہیں کہا وہ خاموشی سے اپنا بیگ لے کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئی، لیکن باہر پورچ تک آتے آتے شائستہ کے جملے اس کے کانوں میں لہراتے رہے تھے۔

''فیاض صاحب جو کرتے ہیں، انہیں کرنے دو ہماری کلاس کے مرد مڈل کلاس کے مردوں کی طرح خود پر پابندیاں لگواتے ہیں نہ برداشت کرتے ہیں میری طرح تم بھی فیاض صاحب سے ایک بار کھل کر بات کر لو۔ اس کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ان کی گھر سے باہر کی زندگی میں مداخلت نہ کرو تو گھر کے اندر کی زندگی خود بخود ہی اچھی ہو جائے گی۔''

شائستہ ہارون کمال کا ایک ایک لفظ سیسے کی طرح بار بار اس کے کانوں میں اترتا جا رہا تھا۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ وہ دوبارہ بھی شائستہ کے پاس آنا نہیں چاہتی تھی۔ شائستہ کے لیے ہارون سب کچھ نہیں تھا۔ اس کے لیے فیاض ہی سب کچھ تھا۔ شائستہ کے لیے ہارون کے بغیر بھی زندگی زندگی ہی تھی اس کے لیے فیاض کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس نے ڈرائیور کو چلنے کے لیے کہا اور پھر سیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

اندر ڈرائنگ روم میں شائستہ کمال اب بھی اطمینان سے چائے پینے میں مصروف تھی۔ عدیلہ اس کی بہترین دوستوں میں سے ایک تھی اور اس کا شوہر ہارون سے اچھی خاصی واقفیت رکھتا تھا۔ عدیلہ کے ساتھ شائستہ کی اچھی خاصی انڈرسٹینڈنگ تھی۔ دونوں شروع سے اکٹھے پڑھتی رہی تھیں۔ دونوں کی فیملیز کا بھی ایک دوسرے کے ہاں کافی آنا جانا تھا، عدیلہ اکثر کام کرنے سے پہلے اس سے مشورہ ضرور لیا کرتی تھی اور پھر اس پر عمل بھی ضرور کرتی تھی مگر آج وہ اس کی باتیں سن کر جس طرح اٹھ کر بھاگی تھی۔ اس نے شائستہ کو کچھ حیران ضرور کیا تھا کیونکہ یہ وہی باتیں تھیں جو وہ اکثر عدیلہ کے سامنے دوہرایا کرتی تھی، ہاں تب عدیلہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتی تھی اور اب وہ یک دم اس کے خلاف بولنے لگی تھی تو شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وہ خود کچھ

ایسے حالات کا شکار ہوگئی تھی جہاں وہ شائستہ کی تھیوریز کو استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی۔ باتوں اور عمل میں واقعی بہت فرق ہوتا ہے اور یہ فرق عدیلہ کو آج محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

''میرے لیے زندگی میں سب سے اہم چیز روپیہ ہے۔ یہ آپ کے پاس ہو تو سمجھو دنیا پاؤں کے نیچے ہے، یہ ہاتھ میں نہ ہو تو سمجھو، آپ زمین پر نہیں پاتال میں رہتے ہیں۔ میرے لیے انسانی رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے یہ بے کار کے بندھن اور پھندے کم از کم میرے جیسا پریکٹیکل آدمی افورڈ نہیں کر سکتا۔ میرے لیے ایسی چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور میری کامیابی کا راز بھی یہی ہے۔ تم نے بہت سے کامیاب لوگ دیکھے ہوں گے۔ بعض کہتے ہوں گے ان کی کامیابی کے پیچھے کسی کی دعائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں ان کی کامیابی کی محنت کا نتیجہ ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ پراپر پلاننگ کا کمال ہے مگر میں کچھ اور ہی کہتا ہوں ہاں جاوید! میری کامیابی کا راز میری خود غرضی اور بڑی حد تک ریشنل ہونا ہے۔''

وہ آج پھر اسے کامیابی کے آزمودہ نسخے بتا رہا تھا۔

''ہارون! تم اگر یہ سب نہ بھی کہو تو بھی میں جانتا ہوں کہ روپے کی تمہاری زندگی میں بہت اہمیت ہے۔ اور صرف تمہاری زندگی میں کیوں ہم سب کی زندگی میں اس کی اہمیت ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے، دنیا میں روپے کو اتنی اہمیت دینے والے کیا تم واحد آدمی ہو۔'' جاوید اس کی باتوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوا تھا، ہارون یک دم کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''نہیں جاوید! روپے کے معاملے میں میں جتنا شدید ہوں، اتنا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور مجھے روپے سے جتنی محبت ہے۔ روپے کو مجھ سے اس سے زیادہ محبت ہے۔''

اس کے لہجے میں واضح طور پر تفاخر تھا۔ جاوید نے اس آج کے سکندر اعظم کو دیکھا جو ہر وقت اپنی فتوحات کی کہانیاں رقم کرتا رہتا تھا۔ گالف کی ٹی کو زمین میں لگاتے ہوئے وہ رک گیا۔ اسے ہارون کمال پر بے اختیار رشک آیا اس نے جو کہا تھا سچ کہا تھا۔ بہت سے لوگ اتنے مکمل ہوتے ہیں کہ ان کی اکملیت پر کبھی کبھار یقین نہیں آتا۔ ہارون کمال بھی ایسا ہی ایک بندہ تھا۔ جاوید پچھلے سات سال سے اسے جانتا تھا اور اس کے ساتھ ہونے والی ہر ملاقات اسے مزید ہارون کمال کا اسیر کرتی جا رہی تھی۔ اس میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ جو بھی ایک بار اس سے ملتا وہ دوسری بار ملنے کی خواہش ضرور رکھتا۔ وہ کوئی سچا اور کھرا آدمی نہیں تھا اور اس نے کبھی اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا تھا وہ دو اور دو ۲۲ پر یقین رکھنے والا آدمی تھا، پھر بھی اس کی مادیت پرستی لوگوں کو اس سے متنفر نہیں کرتی تھی بلکہ مسحور کر دیتی تھی۔ ہر ایک کو ہارون کمال بننے کی چاہ ہونے لگتی تھی۔

اسے بہت عادت تھی اپنے بارے میں بات کرنے کی۔ اپنے وجود کے بارے میں، اپنی زندگی کے بارے میں، اپنی کامیابیوں کے بارے میں، اپنے منصوبوں کے بارے میں اور اپنی خواہشات کے بارے میں اس کا پورا وجود صرف ''میں'' بن کر رہ گیا تھا اور حیرت کی بات ہے کہ لوگ پھر بھی اس ''میں'' سے بیزار ہوتے تھے نہ نفرت کرتے تھے۔

شاید ہارون کمال جس طبقے سے تعلق رکھتا تھا، وہاں صرف اپنا وجود ہی نظر آتا ہے۔ کسی دوسرے کی ذات اور ہستی کے بارے میں سوچنے کی روایت ہی نہیں ہے، اس نے بھی اپنی کلاس کے لوگوں کی طرح آنکھوں پر ''بلائنڈز'' لگوائے تھے۔ جو اسے اپنے علاوہ کسی دوسرے کے اندر جھانکنے ہی نہیں دیتے تھے۔

''میں بعض دفعہ یہ سوچتا ہوں ہارون! کہ کیا تم سے کبھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ آئی مین کوئی ایسا کام جسے کر کے تم پچھتاؤ یا جس کی وجہ سے تم کو نقصان اٹھانا پڑے، فوری طور پر نہ سہی دیر سے ہی سہی۔ لیکن پھر مجھے خیال آتا ہے کہ تم سے کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ تم ہر چیز بہت کیلکولیٹ کر کے کرتے ہو، تم کو اپنے ہر عمل کے آگے، پیچھے کا بہت اچھی طرح پتا ہوتا ہے اسی لیے تو تم دوسروں سے اتنا آگے ہو، میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا کہ تم کبھی کہیں کوئی ٹھوکر کھاؤ گے۔''

جاوید نے کہا، ہارون نے اس کی بات پر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''تو تم اس انتظار میں ہو کہ میں کوئی غلطی کروں اور منہ کے بل گروں۔ ہے نا؟'' اس نے گیند کو ہٹ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ میں نے یہ کب کہا ہے، تم میری بات ہی نہیں سمجھے۔ میں تو یہ......'' جاوید نے وضاحت دینے کی کوشش کی تھی۔

''میں تمہاری بات کو بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں دیکھو جاوید! یہ واقعی صحیح ہے کہ میں غلطی بہت کم کرتا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں غلطی کی گنجائش بہت کم رکھی ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو میں تمہاری طرح اس پر پچھتانے نہیں بیٹھتا، میری ڈکشنری میں پچھتاوے کا لفظ نہیں ہے۔ میں اپنے گلے میں اس قسم کے پھندے ڈال کر نہیں چلتا، زندگی ہے تو غلطی بھی ہوگی اور غلطی ہو تو پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے۔ بس اس غلطی کو اپنے ماضی سے کاٹ کر پھینک دینا چاہیے۔ ذہن کے قبرستان میں کہیں دفن کر دینا چاہیے۔ جس شخص کو یہ گر آ جاتا ہے۔ سمجھو اسے دنیا میں جینے کا طریقہ آ جاتا ہے پھر زندگی کی ریس میں اس سے کوئی بھی نہیں جیت سکتا۔''

وہ جاوید کے ساتھ گولف کورس پر چلتا ہوا اسے اپنی زندگی کی فلاسفی بتا رہا تھا۔ جاوید چہرے پر مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ویسے یار! ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ واقعی تم کبھی غلطی کرتے ہو؟ کیا زندگی میں کبھی تم نے غلطی کی ہے؟''

ہارون نے اس کی بات پر ایک بار پھر قہقہہ لگایا۔ ''میں نے تم سے کہا ہے نا کہ میں اپنی غلطیاں بھول جایا کرتا ہوں اور جس چیز کو انسان اپنی مرضی سے بھلا دے، وہ بھلا کیسے یاد آ سکتی ہے۔ اسی لیے مجھے بھی اپنی کوئی غلطی یاد نہیں ہے۔ ویسے بھی میں اپنے سے زیادہ دوسروں کی غلطیوں کو یاد رکھتا ہوں۔ اس سے مجھے کافی فائدہ ہوتا ہے۔''

اس کے لہجے میں وہی پرانا تفاخر تھا جو لوگوں کو مرعوب کر دیا کرتا تھا۔ جاوید بھی بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

''تمہارے لیے ہم نے بہت بڑا رسک لیا ہے فاطمہ یہ سب کرتے ہوئے ہمیں اچھا تو نہیں لگا مگر بس پھر ہم مجبور ہو گئے۔ اب بس دعا کرنا کہ یہ بات راز ہی رہے۔ کبھی کسی کو پتا نہ چلے ورنہ تمہیں تو کچھ نہیں ہوگا لیکن ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔''

آسیہ جانے سے پہلے اس سے کہہ رہی تھی۔

فاطمہ نے ممنونیت سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ ''تمہیں یہ سب کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ کیا تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں تمہارے اعتماد کا خون کروں گی۔ میں احسان نہیں بھلاتی، آسیہ! احسان کبھی نہیں بھلاتی اور تم نے جو میرے لیے کیا ہے۔ وہ تو احسان سے بھی بڑھ کر ہے۔ اپنا غلام بنا لیا ہے۔ مجھے خرید لیا ہے۔ غلام کبھی آقاؤں کو دھوکا نہیں دیا کرتے پھر تمہیں یہ کیوں لگ رہا ہے کہ میں ایسا کچھ کروں گی جس سے تمہاری عزت پر حرف آئے گا۔ اور میں اس راز کو ظاہر کروں گی بھی کیوں اگر اس سے تمہاری بدنامی ہوگی تو میری تو زندگی برباد ہو جائے گی۔ اپنے ہاتھوں اپنی قبر کوئی کھودتا ہے کیا؟''

وہ بڑی لجاجت سے آسیہ کو تسلیاں دے رہی تھی یقین دہانی کرا رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں فاطمہ! تم مجھے دھوکا نہیں دوگی۔ تم کسی کو بھی دھوکا نہیں دے سکتیں لیکن ایک خدشہ سا لگا ہوا ہے حالانکہ ہم نے نہ چوری کی ہے نہ ڈاکہ ڈالا ہے مگر پھر بھی پریشانی ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی۔ خیر کچھ وقت گزرنے کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور ویسے بھی چند ماہ تک میں باہر چلی جاؤں گی پھر مجھے کوئی پریشانی نہیں رہے گی۔ مگر جب تک پاکستان میں ہوں مجھے ہر وقت اس راز کے کھلنے کا خوف رہے گا۔''

وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے اپنی تشویش سے آگاہ کر رہی تھی۔ فاطمہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''تم خوامخواہ فکرمند ہو رہی ہو آسیہ! کچھ نہیں ہوگا کسی کو پتا چل بھی گیا تو بھی کیا ہوگا۔ میں سب ہینڈل کر لوں گا۔ ہمارے پاس نہ سہی فاطمہ کے پاس ہی سہی مگر بچہ ہے تو صحیح سلامت اور مجھے یقین ہے فاطمہ جو کہہ رہی ہے کر کے دکھائے گی۔ اس کا بہت خیال رکھے گی۔ یہ تو فضول پابندیاں ہیں جو یتیم خانے والوں نے لگائی ہوئی ہیں۔''

اظہر نے آسیہ کو بہلانے کی کوشش کی تھی۔

''بہرحال اب ہم جا رہے ہیں تم اپنا خیال رکھنا اور بچے کا بھی اور کبھی بھی ہماری ضرورت پیش آئے تو جھجکنا مت۔ فوراً کہہ دینا ہم فوراً آ جائیں گے۔ میں نے اگر تمہیں دوست کہا ہے تو دوست سمجھتی بھی ہوں۔ یہ تمہاری ضد ہے کہ دوسرے شہر جاؤں گی اس لیے میں نے تمہیں یہاں آنے دیا ورنہ کبھی نہ آنے دیتی مگر اب دوسرے شہر آنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھے بھول ہی جاؤ۔ سارے رابطے ہی منقطع کر دو۔''

اس نے فاطمہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں تم سے ملنے آتی رہوں گی اور خط بھی لکھتی رہوں گی۔ تم بھی مجھے جواب بھیجتی رہنا۔''

فاطمہ نے گرمجوشی سے اس سے ملتے ہوئے کہا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔ پھر وہ دونوں چلے گئے۔ وہ باہر تک انہیں چھوڑنے آئی، پھر گلی کے آخری سرے تک انہیں جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ گلی کا موڑ مڑ کر نظر سے اوجھل ہو گئے تو وہ اندر آ گئی۔ شبیر چارپائی، پر گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ بے حد خوبصورت تھا۔ اسے خوبصورتی سے نفرت تھی مگر عجیب بات تھی کہ اسے شبیر سے نفرت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی ہر سانس کے ساتھ فاطمہ کو اپنا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے شبیر سے نظر ہٹا لی تھی۔ پھر وہ کھڑی ہو کر کمرے کے چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی۔ چھوٹے سے کمرے میں ہر چیز بہت معمولی لگ رہی تھی۔ مگر اسے آج پہلی دفعہ اپنی دنیا مکمل لگ رہی تھی۔ وہ اکھڑے ہوئے پلستر اور کھردرے فرش والا کمرہ اسے یک بیک تاج محل جیسا لگنے لگا تھا۔ اسے عجیب سی آزادی کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ ہفت اقلیم کی دولت آ گئی ہو۔

آج پہلی دفعہ اس کے دل میں کوئی خواہش امنڈ رہی تھی۔ نہ کوئی شکوہ، کمرے میں سامان ادھر ادھر بکھرا ہوا تھا۔

پھر بھی اسے ہر چیز سنوری ہوئی لگ رہی تھی۔

اپنا شہر چھوڑ کر آج وہ اس بڑے شہر میں آ گئی تھی۔ کرائے کا یہ کمرہ اسے آسیہ کے شوہر اظہر کی کوششوں سے ملا تھا اور آج صبح ہی وہ آسیہ اور اظہر کے ساتھ اپنا ضرورت کا سامان لے کر یہاں آ گئی تھی۔ آسیہ اور اظہر کے جانے کے بعد اب وہ پہلی بار کمرے کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھی۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ چیزوں کو ترتیب سے رکھنا شروع کر دیا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ کمرے میں کوئی آواز پیدا نہ ہو تاکہ شبیر آواز سن کر نیند سے بیدار نہ ہو جائے۔ آدھ گھنٹہ کے اندر وہ کمرے میں سامان کو ترتیب دے چکی تھی، اس کے پاس سامان تھا ہی اتنا مختصر کہ اس کو رکھنے میں اس سے زیادہ وقت نہیں لگ سکتا تھا، اس میں بھی زیادہ تر سامان اسے آسیہ اور اظہر نے دیا تھا۔ سامان کو ترتیب دینے کے بعد وہ کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئی اور ان چیزوں کی فہرست تیار کرنے لگی، جن کی اسے مزید ضرورت تھی۔ ایک لمبی فہرست بنانے کے بعد اس نے ایک بار پھر فہرست کی اشیاء پر نظر ڈالی۔ ان میں سے زیادہ تر چیزیں شبیر کی ضرورت کی تھیں۔ اس کے پاس بیگ میں اچھی خاصی رقم تھی۔ اور اس فہرست کی آدھی سے زیادہ چیزیں کسی پریشانی کے بغیر خریدی جا سکتی تھیں۔

وہ اس وقت فہرست کی چیزوں پر ایک حتمی نظر ڈالنے میں مصروف تھی جب دروازے پر کسی نے دستک دی تھی۔ وہ اٹھ کر دروازے تک آئی۔ اور دروازہ کھول دیا، باہر مالک مکان کی بیوی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں کھانے کی ایک ٹرے تھی۔

''میں تمہارے لیے کھانا لے کر آئی ہوں۔ ابھی دو چار دن تک کھانا میں ہی لایا کروں گی کیونکہ تم نئی ہو، ابھی تمہیں بہت سے کام ہوں گے۔''

مالک مکان کی بیوی نے اندر آتے ہوئے کہا۔ فاطمہ کے دل میں بے اختیار تشکر کے جذبات ابھرے۔ مالک مکان کی بیوی سے وہ آتے ہی مل چکی تھی اور وہ اپنی بات چیت سے بہت اچھی عورت لگتی تھی۔ اس نے فاطمہ کو گھورنے کی کوشش کی تھی نہ ہی اس کے بازو کے بارے میں پوچھا تھا۔ بس حال چال ہی دریافت کرتی رہی اور اب وہ خود ہی فاطمہ کے لیے کھانا لے کر آ گئی تھی۔ ٹرے کو اس نے تپائی پر رکھ دیا پھر شبیر کو دیکھنے لگی۔

''سو گیا ہے؟''

"جی۔"

"کتنی عمر ہے اس کی؟"

"ڈھائی سال کا ہے۔"

"بہت پیارا ہے، دل چاہتا ہے، دیکھتی ہی رہوں اس کو، جب تم آئی تھیں، تب بھی میرا دل اس سے نظر ہٹانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔"

وہ فاطمہ سے کہہ رہی تھی اور فاطمہ کا دل خوشی سے یوں مسرور ہو رہا تھا جیسے وہ واقعی اس کا بیٹا تھا اور اس کی خوبصورتی میں سارا کمال اس کا تھا۔

کمرہ کرائے پر لیتے ہوئے مالک مکان کو یہی بتایا گیا تھا کہ فاطمہ کا شوہر ایک سال پہلے مر چکا ہے اور اب وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اکیلی رہتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مالک مکان کی بیوی کو اس پر اور شبیر پر کچھ زیادہ ہی رحم آ رہا تھا مگر رحم کے ساتھ ساتھ اسے حیرانی بھی ہو رہی تھی۔ کہ فاطمہ جیسی عورت کا بچہ اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے اور اس کی شکل ماں سے کیوں نہیں ملتی۔ لیکن پھر اس نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ ہو سکتا ہے فاطمہ کا شوہر اچھی شکل وصورت کا مالک ہو۔ لیکن یہ سوچتے ہی اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ جو مرد اچھی شکل وصورت کا مالک ہوگا، وہ فاطمہ جیسی عورت سے شادی کیوں کرے گا۔ اپنی بار بار کی کوشش کے باوجود اپنی ذہنی الجھن دور کرنے میں ناکام رہی تھی۔ جی تو اس کا چاہ رہا تھا وہ یہ سارے سوال فاطمہ سے پوچھ ہی ڈالے مگر پھر اس نے یہ سوچ کر خود پر ضبط کر لیا کہ پہلے ہی دن اس قسم کے سوالات کرائے دار کو نہ صرف پریشان کر سکتے ہیں بلکہ ناراض بھی کر سکتے ہیں۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے اپنے تجسس پر قابو پا لیا۔

وہ کچھ دیر فاطمہ سے باتیں کرتی رہی پھر دوبارہ آنے کا کہہ کر چلی گئی۔ فاطمہ اس کے جاتے ہی کھانے کی ٹرے آگے رکھ کر کھانا کھانے لگی۔ وہ ابھی کھانا کھا ہی رہی تھی کہ شبیر اٹھ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اس نے بڑی محبت سے شبیر کی جانب بازو پھیلائے۔

☆☆☆

"منصور کا فون آیا تھا، وہ اگلے ہفتے پاکستان آ رہا ہے۔"

مسعود علی نے شبانہ کو دیکھتے ہی کہا وہ ابھی ابھی شاپنگ کرکے واپس گھر آئی تھی۔

"اچھا اکیلا آ رہا ہے یا بیوی بچوں کو بھی لائے گا۔"

"شبانہ نے ڈبوں کو میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں اکیلا تو نہیں آ رہا، بیوی بچوں کو بھی ساتھ لا رہا ہے۔" مسعود علی نے کہا۔

شبانہ صوفہ پر بیٹھ گئی "چلو اچھا ہے۔ ہم بھی روشان کو دیکھ لیں گے۔ ابھی تک تو تصویریں ہی دیکھی ہیں۔" شبانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ پورے خاندان کو کھانے پر بلائے گا۔ روشان کی پیدائش کی خوشی میں کافی بڑے پیمانے پر دعوت کرنا چاہتا ہے۔" مسعود علی نے مزید تفصیلات بتائیں۔

"ہاں بھئی کر سکتا ہے بڑی بڑی دعوتیں، اتنا روپیہ ہے۔ کسی نہ کسی طرح تو خرچ کرنا ہی ہے۔ اسی طرح سہی۔" شبانہ کے لہجے میں رشک آمیز حسد تھا۔

"تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے اور دعوتیں منعقد کروانے کا تو تمہیں بھی بہت شوق ہے۔" مسعود علی نے جیسے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں ہمارے پاس بھی بہت کچھ ہے مگر منصور علی والی بات نہیں۔ ہم اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

اس بار شبانہ کی آواز میں صرف حسد تھا۔

"کیا بات ہے بھئی۔ آج تو کچھ زیادہ ہی پریشان لگ رہی ہو۔ کوئی زیور پسند آ گیا تھا بازار میں جسے خرید نہیں سکیں۔"

مسعود علی نے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پتا نہیں آپ ہر وقت یہی کیوں سوچتے رہتے ہیں کہ مجھے ضرور کسی نہ کسی زیور کی ہی یاد ستا رہی ہوگی۔ آپ کا کیا خیال ہے کیا میں صرف اس وقت سوچتی ہوں جب مجھے کوئی چیز بازار میں سے پسند آ جائے اور میں اسے خرید نہ سکوں، جی نہیں۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔"

"مجھے لگ رہا ہے، منصور علی سے تمہارے حسد میں اور اضافہ ہو گیا ہے پہلے تو اس کی صرف بیٹیاں تھیں۔ اب بیٹا بھی ہو گیا ہے۔"

مسعود علی کا موڈ اب بھی خوشگوار ہی تھا۔

"حسد...... مجھے بھلا کس چیز کا حسد ہوگا اور مجھے ضرورت ہی کیا ہے کسی سے حسد کرنے کی، یہ سب باتیں تو میں صرف برسبیل تذکرہ کر رہی ہوں ورنہ مجھے کسی سے حسد ہے نہ ہی میں کوئی مطالبہ کر رہی ہوں۔ آخر منصور اور منیزہ سے میرا بھی کوئی رشتہ ہے۔ ٹھیک ہے۔ آپ کے سگے بھائی ہیں مگر سوتیلا تو میں بھی انہیں نہیں سمجھتی پھر حسد کا سوال ہی کہاں اٹھتا ہے۔ میں تو خوش ہوں کہ وہ سب پاکستان آ رہے ہیں۔ یہاں ہمارے پاس رہیں گے جیسے وہ ہر بار رہتے ہیں۔"

شبانہ نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا مسعود نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا بلکہ خاموشی سے اخبار دیکھتے رہے۔ شبانہ کچھ دیر خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی پھر بولی۔

"مسعود! میں ایک بات سوچ رہی تھی۔ بہت دنوں سے۔ میرا خیال ہے اب وقت آ گیا ہے کہ آپ سے یہ بات کہہ بھی دوں۔" اس کا لہجہ کافی پراسرار تھا۔ مسعود علی نے اخبار کو چہرے کے سامنے سے ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

"ایسی بھی کون سی بات ہے جس پر تمہیں اتنا غور کرنا پڑ گیا ہے۔"

شبانہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس صوفہ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"دیکھیں مسعود! آپ جانتے ہیں ہمارے خاندان میں بچوں کی بہت چھوٹی عمر میں ہی نسبت طے کر دی جاتی ہے۔ اس وقت بھی خاندان میں صرف چند ہی لوگ ہیں جنہوں نے ابھی تک اپنے بچوں کی نسبتیں طے نہیں کیں۔ ان میں ہم اور منصور علی بھی شامل ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ ہم منصور کی دونوں بیٹیوں کے رشتے اپنے بیٹوں کے لیے مانگ لیں اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا اس معاملے میں ہم سے سبقت لے جائے۔ میں آپ کو یہ صاف صاف بتا رہی ہوں کہ خاندان کے بہت سے لوگوں کی ان رشتوں پر نظر ہے، اور اس بار تو آپ دیکھ لیجئے گا۔ کوئی نہ کوئی اس بارے میں منصور علی اور منیزہ سے بات ضرور کرے گا۔ اور اگر ایسا ہوا اور منصور علی نے اپنی بیٹیوں کے لیے کسی اور کے رشتے قبول کیے تو ہاتھ آئی دولت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ منصور علی کی بیٹیوں کے رشتے اپنے بیٹوں سے طے کرنے کے بعد آپ کا بزنس کہیں سے کہیں جا سکتا ہے کیونکہ آپ منصور علی کو اپنی مدد کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔"

وہ شبانہ کی گفتگو پر کچھ حیران ہوئے تھے۔ انہوں نے واقعی ابھی تک اس بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔ لیکن تمہارا کیا خیال ہے منصور طلحہ اور اسامہ کے رشتے قبول کرے گا۔" انہوں نے پرسوچ انداز میں کہا تھا۔

"ارے بھئی، کیوں قبول نہیں کرے گا۔ بھتیجے ہیں وہ اس کے اور پھر وہ ان سے بہت پیار کرتا ہے اور ویسے بھی اگر طلحہ اور اسامہ سے نہیں تو پھر وہ اپنی بیٹیوں کی شادی خاندان میں اور کہاں کرے گا۔ ہمارے بیٹوں سے زیادہ مناسب رشتے اسے کہاں ملیں گے۔"

شبانہ نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا تھا۔ مسعود اس کی بات پر اور سوچ میں پڑ گئے۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہمیں واقعی منصور سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے، ویسے میں حیران ہوں مجھے کبھی ان باتوں کا خیال کیوں نہیں آیا۔"

وہ کچھ دیر بعد مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

"بس دیکھ لیں اگر میں نہ ہوں تو آپ کو کیا کیا بھول جائے۔ ویسے آپ کو مان لینا چاہیے کہ عورت سے زیادہ ذہین مخلوق اور کوئی نہیں ہے۔ ایسے ہی تو نہیں کہا جاتا کہ ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔"

شبانہ نے بڑے فخریہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ مسعود علی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ لہرا گئی۔

"پہلے سے قائل شدہ کو قائل کرنے کی کوشش کیوں فرما رہی ہیں آپ۔ میں تو پہلے ہی مانتا ہوں کہ میری کامیابیوں میں آپ کا بڑا ہاتھ ہے کیونکہ مجھے کم از کم اپنا دماغ آپ کی طرح استعمال کرنا نہیں آتا۔"

شبانہ نے مسعود علی کی بات پر ایک زبردست قہقہہ لگایا۔

مسعود علی تین بھائی اور ایک بہن تھے منصور علی ان سے چھوٹے تھے اور اشعر علی سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے والد علی اکبر ایک نامور ایکسپورٹر تھے ان کی بنیادی ایکسپورٹ اگرچہ قالین تھے لیکن اس کے علاوہ بھی وہ بہت سی چیزیں ایکسپورٹ کرتے تھے۔ مسعود علی نے بھی اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد باپ کے بزنس میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے باقاعدہ طور پر باپ کا بزنس سنبھال لیا۔ منصور علی فطرتاً کچھ اور طرح کے تھے، شروع شروع میں انہوں نے بھی بزنس میں ہاتھ بٹانے کی کوشش کی مگر پھر وہ جلد ہی اکتا گئے۔ کچھ عرصے بعد وہ اپنے ایک دوست کے پاس شارجہ چلے گئے۔ جو فارن کرنسی کی خرید و فروخت کا کام کرتا تھا۔ یہ کام انہیں بھی کافی دلچسپ لگا اور انہوں نے باپ سے کچھ رقم منگوا کر خود بھی یہی کام شروع کر دیا، مختی وہ شروع سے تھے اور یہ کام بھی ان کی اپنی پسند کا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت کم عرصے میں وہ نہ صرف اپنا کاروبار اچھی طرح جمانے میں کامیاب ہو گئے بلکہ اچھا خاصا روپیہ بھی کمانے لگے۔

کچھ وقت مزید گزرنے کے بعد ان کے پاس اتنا روپیہ آ گیا تھا کہ پورا خاندان ان پر رشک کرنے لگا تھا اس کے باوجود کہ ان کا پورا خاندان شروع ہی سے بزنس سے وابستہ تھا اور خاندان کا ہر فرد اچھا خاصا روپیہ کماتا تھا لیکن اس حقیقت کے باوجود منصور علی کی کامیابی سب کے لیے قابل رشک تھی۔ کیونکہ انہوں نے بہت کم وقت میں بہت زیادہ کامیابی حاصل کی تھی۔ اپنے دونوں بھائیوں کی طرح منصور علی کی شادی بھی خاندان میں ہی ہوئی تھی، منیزہ ان کی فرسٹ کزن تھیں۔ زیادہ پڑھی لکھی تو نہیں تھیں لیکن بے حد خوبصورت تھیں۔ منصور علی کی ان سے اچھی طرح انڈراسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ منصور علی کو اگر روپیہ کمانے کا شوق تھا تو منیزہ کو روپیہ اڑانے کا، روپے کے معاملے میں منصور علی نے ان پر کبھی کوئی روک ٹوک نہیں کی تھی۔ وہ جب چاہتیں، جتنا چاہتیں خرچ کرتیں۔ منصور علی نے کبھی اس معاملے میں ان سے حساب کتاب نہیں لیا تھا۔

مسعود علی کے ساتھ منصور کی کافی دوستی تھی۔ وہ ان کے لیے صرف بڑا بھائی نہیں تھا بلکہ اور بھی بہت کچھ تھا۔ انہوں نے مسعود علی سے بہت کچھ سیکھا تھا اور وہ ان کی بہت عزت کرتے تھے جہاں تک مسعود علی کا تعلق تھا۔ محبت تو انہیں بھی منصور سے تھی مگر اس محبت کے ساتھ ساتھ ان کے دل میں منصور کے لیے نامعلوم طور پر کچھ حسد بھی پیدا ہو گیا تھا، کیونکہ جس رفتار سے منصور علی ترقی کر رہے تھے، اس رفتار سے وہ ترقی نہیں کر پا رہے تھے۔ منصور علی کے ہاتھ تو جیسے پارس لگ گیا تھا جس چیز کو چھوتے سونا بنا ڈالتے اور مسعود علی کم از کم اس معاملے میں منصور علی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے چار بچے تھے دو بیٹے اور دو بیٹیاں اور اب ان دو بیٹیوں کی شادی وہ منصور علی کی بیٹیوں سے کرنے کی سوچ رہے تھے۔ انہیں واقعی کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ اس طریقے سے وہ منصور علی سے کافی کچھ حاصل کر سکتے ہیں اور اب جب بیوی کے یاد دلانے پر انہیں خیال آیا تھا تو وہ بہت خوش تھے انہیں یوں محسوس ہوا تھا جیسے ان کی لاٹری لگ گئی تھی۔

بزنس کے بارے میں وہ بڑے بڑے منصوبے جو وہ بناتے رہتے تھے اور جو صرف سرمایے کی کمی کی وجہ سے ایسے ہی پڑے رہتے تھے۔ انہیں یوں لگا تھا جیسے اب انہیں شرمندۂ تعبیر کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ منصور علی کے پاس بہت

فالتو روپیہ ہے اور اگر وہ ان سے کاروبار کو مزید وسعت دینے کے لیے روپیہ مانگیں گے تو منصور علی سو بہانے بنائیں گے لیکن یہ دونوں رشتے طے ہونے کے بعد وہ اتنی آسانی سے انہیں انکار نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں اپنی بیوی کی ذہانت پر رشک آیا تھا۔ جو اتنی دور کی کوڑی ڈھونڈ کر لائی تھی۔ منصور علی جیسا عروج اب انہیں بہت دور کی چیز نہیں لگنے لگا تھا۔

☆☆☆

"میرا کیا قصور ہے، مجھے بتائیں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے خدا سے کہا ہے میرا قد چھوٹا بنانا۔ میں نے اس سے کہا تھا۔ میرا رنگ سیاہ رکھنا۔ میں نے اس سے کہا تھا میرے بازو میں یہ نقص دے دینا مجھے اگر اس نے خامیوں کا مجموعہ بنا کر بھیج دیا ہے تو اس میں میری کیا غلطی ہے۔ کیوں آپ سب مل کر مجھے یوں تماشا بنا رہے ہیں۔ جیسے میں کوئی فٹ بال ہوں، کوئی پتھر ہوں جس کو ٹھوکر لگا کر ہی سب کو تسلی ہوتی ہے۔ مجھے انسان نہ سمجھیں، جانور سمجھ کر ہی بخش دیا کریں۔"

وہ ایک بار پھر گلا پھاڑنے لگی تھی۔

"جانور بے زبان ہوتے ہیں اور فاطمہ! تو بے زبان نہیں ہے۔ تو اتنی بدزبان نہ ہوتی تو شاید تو اب تک یوں ہمارے سینے پر بیٹھی مونگ نہ دل رہی ہوتی۔ کوئی نہ کوئی تجھے بیاہ کر لے ہی جاتا مگر اب تو چار چار بچوں کے باپ بھی تجھے بیاہنے سے کترا رہے ہیں اور یہ سب تیری زبان کی وجہ سے ہے۔"

اس کی ماں نے دانت پیستے ہوئے اس سے کہا۔ وہ ان کی بات پر آگ بگولہ ہو گئی۔

"آپ لوگوں نے مل کر بدزبان کیا ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں، میں چپ رہوں۔ پتھر کے بت کی طرح سب کچھ برداشت کرتی رہوں مگر میں چپ کیوں رہوں میں۔ کیوں نہ بولوں، میں آپ پر بوجھ نہیں ہوں۔ آپ میں سے کسی کا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے میں اپنی روزی خود کماتی ہوں۔"

"چار پیسے کما کر تم ہم پر کوئی احسان نہیں کرتیں۔ اپنا ہی جہیز جوڑتی ہو۔ ہمارے لیے کون سے تاج محل بنا دیے ہیں جو تم اس طرح منہ پھاڑ کر بکواس کرنے لگی ہو۔"

اس کی بھابھی یک دم اپنے کمرے سے باہر آ گئی تھیں۔

"تم لوگوں کے لیے تاج محل میں کیوں بناؤں۔ تم لوگوں نے میرے لیے کیا کیا ہے؟"

"جو کر سکتے ہیں، کر رہے ہیں۔ اب کوئی تمہارے جیسی کو قبول کرنے پر تیار نہیں ہو رہا تو ہم کیا کریں۔ ہمارا بس چلے تو یہ عذاب آج گلے سے اتار کر پھینک دیں۔"

فریدہ بھابھی کے لہجے میں کراہیت تھی اور اپنے لیے عذاب کا لفظ سن کر وہ جیسے واقعی جھلس کر رہ گئی تھی پھر جو اس کے دل میں آیا۔ اس نے کہہ ڈالا۔ اس کی امی اور بھابھی بھی چپ نہیں رہی تھیں انہوں نے بھی اسے بے نقط سنائی تھیں۔ جھگڑے کا انجام آخر کار وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا تھا، فاطمہ روتی چیختی چلاتی اپنے کمرے میں گھس گئی۔ امی بہت دیر تک صحن میں بولتی رہیں اور بھابھی بلند آواز سے اپنی قسمت کے پھوٹنے کے رونے روتی رہیں۔ جھگڑے کی وجہ وہی تھی کہ فاطمہ کے لیے ایک رشتہ آیا تھا۔ لڑکے کی پہلی بیوی فوت ہو چکی تھی۔ اور اس کے دو بچے تھے۔ لیکن حسب معمول فاطمہ کو دیکھتے ہی انہوں نے واضح انکار کر دیا تھا۔

ان لوگوں کے جاتے ہی اس کی امی بلند آواز میں صحن میں آ کر اپنے آپ کو اور فاطمہ کو کوسنے لگی تھیں اور فاطمہ کے بھڑکنے کے لیے اتنا کافی تھا۔ ہر بار ایسا ہی ہوتا تھا۔ رشتہ دیکھنے والے آتے اور انکار کر جاتے ہر بار ان کے گھر میں ان لوگوں کے جانے کے بعد ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا۔ بھابھی کی بڑبڑاہٹ کئی دنوں تک جاری رہتی۔ امی کی آہیں اور کوسنے الگ شروع رہتے اور وہ بہانے بہانے سے ہر ایک سے الجھتی۔

فاطمہ چھ بہنوں اور ایک بھائی میں سب سے چھوٹی تھی۔ باقی پانچوں بہنیں بہت کم عمری میں بیاہی جا چکی تھیں۔ اور وہ بتیس سال کی ہونے کے باوجود ابھی تک بن بیاہی بیٹھی تھی۔ ایک وجہ اگر اس کی شکل و صورت تھی تو دوسری وجہ اس کا قد تھی اور

جن کی نظریں ان دونوں وجوہات کو نظرانداز کر دیتیں۔ وہ اس کے ہاتھ میں پائے جانے والے نقص پر اعتراض کر دیتے اور اگر کوئی اتنی ہمت کر ہی لیتا کہ وہ ان تینوں کو نظرانداز کر دے تو وہ اس کی بدزبانی کی داستانیں سن کر راستہ بدل دیتا۔

وہ واقعی بدصورت تھی۔ سیاہ رنگت، بھدے ہونٹ، ٹیڑھے میڑھے دانتوں اور چھوٹے قد نے اسے ایک عجیب سی مخلوق بنا دیا تھا اور جو کسر رہ گئی تھی وہ بچپن میں تین چار بار دایاں بازو تڑوانے کی وجہ سے پوری ہو گئی، بار بار سیڑھیوں سے گرنے کی وجہ سے اس کا دایاں بازو ایک ہی جگہ سے دو بار ٹوٹ گیا تھا اور پھر ٹھیک طرح سے جڑ نہ سکا۔ ماں باپ کے پاس اتنے روپے نہیں تھے کہ وہ اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا پاتے، اور نہ ہی انہیں اس مریل مخلوق میں کوئی دلچسپی تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا بازو ٹھیک طرح سیدھا ہو سکتا تھا نہ وہ اس سے کوئی وزنی چیز اٹھا سکتی تھی۔ ماں باپ کو شاید شروع ہی سے اس کی قسمت اور مستقبل کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے شروع ہی سے اسے تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف ہنر سکھانے شروع کر دیے تھے۔ تاکہ وہ کم از کم اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے۔ اور فاطمہ کے بارے میں ان کے سارے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔

اس کی بدصورتی اس کی شادی کی راہ میں ایک بڑا پتھر بن کر اٹک گئی تھی۔ جہاں فاطمہ کی دوسری بہنوں کی شادیاں ان کے میٹرک کرنے سے بھی پہلے ہو گئی تھیں، وہاں فاطمہ رینگتے رینگتے بی اے تک آ پہنچی تھی مگر دور دور تک کسی کا رشتہ امکان نہیں نظر آ رہا تھا۔ بی اے کے بعد اس نے بی ایڈ کیا اور پھر بڑی خاموشی سے ایک سرکاری اسکول میں ملازمت کر لی۔ شروع میں اس کے لیے رشتہ تلاش کرتے ہوئے اس کے والدین کے ذہن میں لڑکے کے لیے ایک خاص معیار تھا لیکن اس کی عمر کے ڈھلنے کے ساتھ ساتھ وہ سارے معیار ایک ایک کر کے ختم ہوتے گئے۔ اب انہیں نہ لڑکے کی شکل وصورت سے غرض تھی نہ اسکے قد وقامت سے، نہ انہیں اس کے گھر بار سے سروکار تھا نہ اس کے خاندان سے پھر بھی فاطمہ کے لیے بر ملنا جوئے شیر جیسا کام ہو گیا تھا۔ باپ کی وفات اور بھائی کی شادی کے بعد تو لڑکے کے کنوارے ہونے کی شرط بھی ختم ہو گئی تھی۔ اب تو صرف ایک ایسے آدمی کی ضرورت رہ گئی تھی جو فاطمہ سے شادی کر کے ان کے خاندان کا بوجھ کم کر دے۔

اور ایسا ''دردِ دل'' رکھنے والا آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

سولہ سال سے اس کے لیے رشتے تلاش کیے جا رہے تھے۔ سولہ سال سے وہ مسترد کی جا رہی تھی جس عمر میں لڑکیوں کے دل اور دماغ میں چاہت کے شگوفے کھلنا شروع ہوتے ہیں۔ اس عمر میں اس کے اندر کیکر کے کانٹوں بھرے درختوں نے سر ابھارنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی ہر کمی، ہر خامی، ہر بدصورتی سے واقف تھی۔ اور وہ...... وہ پوری دنیا کو اندھا کر دینا چاہتی تھی۔ ہر ماہ چھ ماہ کے بعد کہیں نہ کہیں سے ایک رشتہ اس کے لیے ڈھونڈ نکالا جاتا۔ ہر ماہ وہ نئی امید، نئی خواہش اور نئی آس کے ساتھ بن سنور کر ان لوگوں کے سامنے پیش ہوتی۔ ہر بار اسے مسترد کر دیا جاتا۔ پسندیدگی کی کوئی جھلک کسی کے چہرے پر جھلکتی، نہ کسی کی آنکھوں میں لہراتی ہر ریجیکشن اس کے دل کو اور بنجر، وجود کو اور بے مصرف اور زبان کو اور کڑوا کر جاتی۔ بتیس سال کی ہوتے ہوتے وہ سراپا زہر بن چکی تھی۔ کیکر کے پودے اب درخت بن چکے تھے۔ کانٹوں سے بھرے ہوئے ٹنڈ منڈ درخت جن پر کبھی بھول کر بھی سبز رنگ کا کوئی پتا نمودار ہوتا تھا، نہ کوئی کونپل کھلتی تھی۔ فاطمہ مختار لڑکی سے عورت کہلانے لگی تھی۔ جوانی سے ادھیڑ عمری کا سفر طے کرنے لگی تھی۔

پچھلے سولہ سال سے مسترد ہونے والا وجود اب ریجیکشن کا پورٹریٹ بن چکا تھا۔ ایک ماسٹر پیس بن چکا تھا، ذلت، بے عزتی، بے قدری اور بے حسی کا بس فرق یہ تھا کہ یہ پورٹریٹ ایک زندہ انسان کا تھا جس پر سولہ سال سے لگائے جانے والے ہر رنگ کے اسٹروک خشک ہونے کے بعد سیاہ رنگ میں بدل جاتے تھے۔ اور اب یہ پورٹریٹ وہی سیاہ رنگ دنیا میں موجود ہر انسان کے وجود پر لگا دینا چاہتا تھا جو لوگ فاطمہ مختار کو جانتے تھے، ان میں سے کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔

اس کی سیاہ رنگت، ٹیڑھے دانت، چھوٹا قد اسے ناپسند کیے جانے کی وجہ تھے۔ مگر بنیادی وجہ اس کی زبان تھی۔ وہ کڑوی تلخ اور زہریلی زبان جسے وہ ہمیشہ ایک نشتر کی طرح استعمال کرتی تھی۔ اسے کسی کی پروا نہیں تھی نہ کسی کا لحاظ، وہ غصے میں آتی تو

چیخ چلاتی گالیاں بکتی جاتی۔ اتنا چیختی کہ اس کی بدصورتی یک دم دوگنی ہو جاتی۔ وہ گالی سے بہتان اور بہتان سے بددعا تک ہر نشتر، ہر ہتھیار، ہر حربہ استعمال کرتی۔ زبان کے استعمال میں کوئی بھی اسے ہرا نہیں سکا۔ لوگوں نے آہستہ آہستہ اس سے دور رہنا شروع کر دیا تھا، وہ یہی چاہتی تھی۔ لوگ پاس ہوتے تو بہت کچھ کہتے تھے۔ اس بہت کچھ میں ایک بھی ایسی چیز، ایسا لفظ نہیں ہوتا تھا جو فاطمہ مختار کو خدا کی بنائی ہوئی ایک چیز سمجھ کر کہا جاتا تھا، جو بھی کہا جاتا وہ اللہ کی طرف سے اسے چوک کر بنانے والی چیز سمجھ کر کہا جاتا۔ لوگ اس سے دور ہٹتے گئے۔ وہ اپنے خول میں سمٹتی گئی۔ ایک...... دو...... تین اس نے یکے بعد دیگرے اپنے وجود کے اردگرد بہت سی دیواریں چننا شروع کر دی تھیں۔ ہر دیوار پہلے سے زیادہ سخت، پہلے سے زیادہ بے ڈھنگی تھی مگر فاطمہ مختار خوش تھی۔

لوگ کسی شخص کے پاس رہیں یا دور رہیں وہ چپ کبھی نہیں رہتے۔ انہیں بات تو کرنی ہی ہوتی ہے۔ انہیں کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی ہوتا ہے اور فاطمہ مختار جیسے وجود تبصرہ کے لیے سب سے اچھا موضوع ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں ہر قسم کی بات کی جاسکتی ہے، چاہو تو ان کے ظاہری وجود کے بارے میں بات کرو، چاہو تو ان کے باطنی وجود کے بارے میں بات کرو، چاہو تو ان کا مذاق اڑاؤ چاہو تو ان کا تماشا بناؤ جتنی ورائٹی فاطمہ مختار میں تھی، کسی اور میں نہیں تھی۔ ترس سے لے کر طنز تک لوگ اس کے لیے ہر چیز، ہر جذبہ استعمال کر سکتے تھے ماسوائے ایک چیز کے، ماسوائے ایک جذبے کے...... محبت کے۔

بتیس سال کی عمر تک وہ اپنے ہر رول میں ناکام رہی تھی۔ اگر بیٹی، بہن، نند، پھوپھی، خالہ، ہر رشتے میں وہ دوسروں کے لیے باعث تکلیف رہی تھی تو اتنی ہی تکلیف اور اذیت اس نے ان رشتوں سے پائی بھی تھی اگر وہ خاندان میں ناقبول اور ناقابل برداشت تھی تو اسکول میں بھی اتنی ہی قابل نفرت شے تھی۔ اسکول میں کبھی کسی نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔ وہ میٹرک کی لڑکیوں کو حساب پڑھاتی تھی اور جی بھر کر ان کی تذلیل کیا کرتی تھی۔ وہ معمولی غلطی پر بچیوں کی بری طرح پٹائی کرتی۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ مس فاطمہ کی کلاس میں سوال پوچھنے کی ہمت کرے یا کسی قسم کی لاپروائی کا مظاہرہ کرے۔ اس کے سامنے لڑکیوں کو جیسے سانپ سونگھ جاتا اور جب وہ کلاس سے نکلتی تو پوری کلاس میں جیسے زندگی لہرانے لگتی تھی۔ لڑکیاں اس کی عدم موجودگی میں جی بھر کے اس کی برائیاں کرتیں۔ اس کا مذاق اڑاتیں۔ اس کی نقلیں اتارتیں اور پھر سب مل کر دعا کرتیں کہ خدا جلد از جلد انہیں مس فاطمہ مختار سے نجات دلوائے۔

یہ سب باتیں فاطمہ سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ وہ سب کچھ جانتی تھی، ہر بات سے باخبر تھی مگر پھر بھی وہ اپنے آپ میں کوئی تبدیلی لانے کو تیار نہیں تھی۔ شاید ایسا کرنا اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا جس طرح وہ اپنے چھوٹے قد کو لمبا نہیں کر سکتی تھی، جس طرح وہ اپنے ٹیڑھے میڑھے دانتوں کو ہموار نہیں کر سکتی تھی، جس طرح وہ اپنے کولتار جیسے سیاہ چہرے کو اجلا نہیں کر سکتی تھی جس طرح وہ اپنے دائیں بازو کو ٹھیک نہیں کر سکتی تھی۔ بالکل اسی طرح وہ اپنی زبان کی تلخی کو بھی کم نہیں کر سکتی تھی۔ ختم کرنا تو شاید ناممکنات میں سے تھا۔

اسکول میں سارا دن سر کھپانے کے بعد وہ گھر آتی اور اپنے ڈربہ نما کمرے میں دبک کر بیٹھ جاتی۔ کاپیوں کا ڈھیر چیک کرتی رہتی۔ اپنے لیے کپڑے سیتی۔ کپڑوں پر کڑھائی کرتی، جب ان سے فارغ ہوتی تو کوئی رسالہ لے کر بیٹھ جاتی۔ پھر شام کو کمرے سے نکلتی۔ رات کا کھانا بناتی۔ کسی نہ کسی بات پر ماں کی صلواتیں سنتی۔ اپنا غصہ بہانے بہانے سے بھتیجے بھتیجیوں پر نکالتی۔ بھابھی سے تکرار کرتی اور پھر واپس غصے میں بھری ہوئی اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ یہ سب اس کے معمولات میں شامل تھا اور پچھلے کئی سالوں سے ان معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس کے اردگرد رہنے والوں نے فاطمہ کے ساتھ اپنے سلوک میں وقت گزرنے کے ساتھ کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔

وہ بعض دفعہ پوری پوری رات آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے وجود پر نظریں جمائے رکھتی۔ خود کو گھورتی رہتی پھر سوچتی، کیا دنیا میں میری ضرورت تھی۔ میرے وجود کے بغیر دنیا میں کون سی کمی واقع ہو جاتی۔ ہاں شاید لوگوں کو تماشا بنانے کے لیے، مذاق اڑانے کے لیے میرے جیسی مضحکہ خیز چیز نہ ملتی۔ وہ ایک زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ سوچتی پھر اپنے ڈربہ جیسے تنگ کمرے میں

پھر نے لگتی۔ کیا اللہ مجھے بتا سکتا ہے، اس نے دنیا میں میرے لیے سزا کے علاوہ کیا رکھا ہے؟ ذلت کے علاوہ اور کیا مخصوص کیا ہے؟ کیا خدا بتا سکتا ہے، اس نے میرے جیسے بے کار اور ناکارہ وجود کو دنیا میں کون سے انقلاب کے لیے پیدا کیا ہے؟ کیا خدا بتا سکتا ہے۔ میرے نہ ہونے سے کون کس چیز سے محروم ہو جاتا؟ کیا خدا بتا سکتا ہے اس نے میرے جیسا عذاب دنیا پر کیوں نازل کیا؟

وہ پاگلوں کی طرح ساری ساری رات خدا سے سوال کرتی رہتی مگر جواب...... جواب نہیں ملتا تھا۔

☆☆☆

آج اسے پھر نیند نہیں آ رہی تھی۔ بہت دیر تک آنکھیں بند کیے وہ سونے کی کوشش کرتی رہی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ تھک ہار کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں ہلکی سبز نائٹ بلب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے بیڈ پر بیٹھ کر دائیں طرف نظر دوڑائی، ہارون کمال بہت گہری نیند سو رہا تھا وہ آہستگی سے بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ٹیرس کا دروازہ کھول کر وہ ٹیرس پر آ گئی۔ ہر طرف عجیب سا سکوت چھایا ہوا تھا۔ وہ ٹیرس سے نیچے لان میں جھانکنے لگی۔ پورا لان دودھیا چاندنی میں نہایا ہوا تھا، فضا میں مختلف پھولوں کی مہک محسوس کی جا سکتی تھیں اس نے چند گہرے سانس لے کر اس مہک کو اندر تک اتارنے کی کوشش کی پھر وہ آہستہ آہستہ ٹیرس پر ٹہلنے لگی۔

رات کی خوبصورتی اور فسوں نے اس کی بے چینی اور اضطراب میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ چند منٹ وہ وہیں بیٹھی رہی اور پھر یک دم جیسے گھبرا کر اندر کمرے میں آ گئی، ہارون ابھی بھی اسی طرح پرسکون انداز میں سویا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر اپنے بیڈ پر بیٹھ کر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر بیڈ سائیڈ ٹیبل کی اوپری دراز کھولی اور سلیپنگ پلز کی شیشی نکال لی۔ وہ ہتھیلی میں گولی لیے گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی۔ جب اس نے ہارون کی آواز سنی۔

''کیا بات ہے شائستہ، نیند نہیں آ رہی؟'' اس نے ہاتھ روک کر پیچھے مڑ کر دیکھا وہ اپنے بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ چکا تھا اور ٹیبل لیمپ آن کر رہا تھا۔

شائستہ نے گردن موڑی ''نہیں، پتا نہیں کیوں نیند نہیں آ رہی۔'' اس نے پانی کے ساتھ گولی نگلتے ہوئے کہا۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' ہارون کے لہجے میں کچھ فکرمندی جھلکی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک بے جان مسکراہٹ ابھری۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں، مگر پتا نہیں اب اکثر رات کو نیند کیوں نہیں آتی؟''

''تم نے ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا؟''

''ہاں ڈاکٹر کہتے ہیں، سب کچھ نارمل ہے صرف **Anxiety** ہے۔''

وہ تھکے تھکے لہجے میں کہتے ہوئے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''کس چیز کی بے چینی ہے۔ کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے یا پھر تم پریشان ہو؟''

وہ ہارون کی بات پر چپ رہی، بس خالی خالی نظروں سے سامنے نظر آنے والی کھڑکیوں کو دیکھتی رہی۔

''شائستہ! کیا تمہیں کوئی پریشانی ہے؟'' ہارون نے اس بار بہت نرم آواز میں پوچھا تھا۔

''نہیں، کوئی پریشانی نہیں ہے۔ مجھے بھلا کس چیز کی پریشانی ہو سکتی ہے۔''

اس کی آواز بہت کھوکھلی تھی۔ ہارون نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا، یوں جیسے وہ اس کے چہرے پر کچھ تلاش کرنا چاہتا تھا۔

''کس چیز کی ضرورت ہے تمہیں؟ جیولری کی، روپے کی، کسی نئی گاڑی کی یا پھر فارن ٹور کی؟ کچھ چاہیے تمہیں۔''

ہارون نے عجیب سی آواز میں اس سے پوچھا تھا۔ اس بار شائستہ نے اس کے چہرے پر کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر وہ پھر مایوس رہی اس نے بے جان انداز میں سر ہلا دیا۔

''مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ سب کچھ تو ہے میرے پاس۔ میرے۔ لاکرز جیولری سے بھرے ہوئے ہیں۔ بینک اکاؤنٹ میں کتنا روپیہ ہے، مجھے یاد ہی نہیں۔ بہت سی گاڑیاں ہیں۔ باہر بھی بہت دفعہ جا چکی ہوں، اب اس میں سے کسی بھی چیز کی اس وقت مجھے ضرورت نہیں ہے نہ ہی ان میں سے کوئی چیز مجھے پریشان کر رہی ہے۔ ان چیزوں میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ یہ مجھے پریشان کر سکیں۔''

وہ جیسے خود کلامی کر رہی تھی، ہارون اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا۔

''میں جانتا ہوں، تمہیں کیا چیز پریشان کر رہی ہے؟ کیا چیز ہے جو سونے نہیں دیتی؟''

شائستہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں پھر دونوں نے ایک دوسرے سے نظریں چرا لیں۔

کمرے میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس خاموشی کو ہارون نے توڑا۔

''شائستہ! وہ سب کچھ بھول جاؤ، اب بہت وقت گزر گیا ہے۔ ماضی کو یاد کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔''

شائستہ کو لگا تھا، اس نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''ہارون! بھولنا آسان نہیں ہوتا۔ بھولنا ہی تو آسان نہیں ہوتا۔'' وہ ایک بار پھر خود کلامی کرنے لگی تھی۔

''کیوں آسان نہیں ہوتا، وہ سب کچھ اتنا اہم نہیں ہے کہ تمہیں اسے بھولنے میں دقت ہو۔ زندگی میں ایسی ایسی چیزیں ہوتی رہتی ہیں، وہ بھی ایسی ہی ایک عام بات تھی مگر پتا نہیں تم نے کیوں اس کو اتنا بڑا ہوا بنا کر دماغ پر سوار کر لیا ہے۔''

اس بار ہارون کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔ شائستہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ پھر اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''وہ معمولی بات نہیں تھی ہارون! وہ بالکل بھی معمولی بات نہیں تھی۔''

ہارون بے تاثر چہرے کے ساتھ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''اچھا تو پھر کیا کیا جائے اگر وہ معمولی بات نہیں تھی تو تمہیں بار بار ماضی کو کریدنے سے کیا ملتا ہے۔ ماضی پرست کیوں ہو تم؟ مستقبل کے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں، آج کے بارے میں کیوں نہیں سوچتیں اس طرح ماضی لے کر کیوں بیٹھ جاتی ہو۔ یہ چیز اہم ہے وہ نہیں۔ یہ چیز معمولی ہے وہ نہیں۔ کیا تم ان سب باتوں سے باہر نکل کر نہیں سوچ سکتیں۔ ساری عمر کیا تم کنویں کے مینڈک کی طرح ایک ہی جگہ اچھلتی رہو گی۔ یہ تھرڈ کلاس سوچیں تمہارے جیسی عورتوں کو زیب نہیں دیتیں۔ تم کل کی عورت نہیں ہو، آج کی عورت ہو۔ آج میں جینا سیکھو، اپنے وجود کو ان ماضی کے پھندوں اور یادوں سے نکال لو۔ کم از کم میرے ساتھ رہتے ہوئے تو تمہیں ان سب چیزوں سے جان چھڑا لینی چاہیے۔ فضول باتوں پر راتوں کو جاگنا اور دوسروں کی نیند خراب کرنا، یہ کام تمہارے لیے نہیں ہیں یہ مڈل کلاس کی چادر اور چار دیواری میں قید عورتوں کے لیے ہیں۔ انہیں ان ہی کے لیے رہنے دو۔ تم مسز ہارون کمال ہو شہر کے ایک بزنس ٹائیکون کی بیوی، ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت ایک دنیا جس کی دیوانی ہے، ایک دنیا جس کی اسیر ہے۔ تمہارے پاس اتنا وقت کہاں سے آ جاتا ہے کہ تم اسے ماضی کے ڈراؤنے خواب کے بارے میں سوچنے پر لگا دو۔''

وہ پتہ نہیں اسے کیا سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اس کا ہر لفظ اس کے اضطراب کو بڑھا رہا تھا۔ وہ اس کی باتوں سے شرمندہ نہیں ہوئی تھی۔

''میں کوشش کرتی ہوں ہارون! میں سب کچھ بھول جاؤں لیکن یہ سب آسان نہیں ہے۔ میں ماضی کے بارے میں نہیں سوچتی، ماضی مجھے سوچتا ہے۔ پھر میں اس کے چنگل سے کیسے نکلوں۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''کیا تم خوش نہیں ہو؟'' ہارون نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بہت تیکھے لہجے میں سوال کیا تھا۔

''میں نے کب کہا، میں خوش نہیں ہوں، میں خوش ہوں، بہت خوش ہوں۔ یہ وہی زندگی ہے جس کے میں نے خواب دیکھے تھے جس کی تمنا کی تھی ایسی ہی زندگی بسر کرنا چاہتی تھی میں پھر ناخوش ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اپنی مرضی کی دنیا میں رہ کر کوئی ناخوش کیسے رہ سکتا ہے۔''

اس بار شائستہ کی آواز میں پہلی سی افسردگی نہیں تھی۔

"یہی میں تمہیں بتانا چاہ رہا ہوں۔ یہ سب کچھ تمہاری اپنی مرضی سے ہو رہا ہے۔ جب سب کچھ اپنی مرضی سے ہو رہا ہو تو پھر ماضی کے بارے میں نہیں مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ ماضی میں کیا ہوا کیا نہیں۔ اچھا ہوا یا برا جو بھی تھا، اسے بھول جاؤ۔ اپنے ذہن کو ایسی سوچوں اور پچھتاوؤں سے نکال لو، ورنہ آہستہ آہستہ ہی سہی مگر تم اس دنیا میں رہنے کے طور طریقے بھول جاؤ گی۔"

اس بار ہارون اسے بہت نرمی سے سمجھا رہا تھا اس نے آنکھیں موند لیں۔

"میں کوشش کروں گی ہارون کہ میں وہ سب کچھ بھول جاؤں۔ ایک بار پھر کوشش کروں گی۔" اس کی آواز پر غنودگی غالب تھی۔

☆☆☆

اس روز اس کے لیے ایک اور رشتہ آیا ہوا تھا۔ پچپن سالہ اس شخص کی پہلی بیوی کی وفات ہو چکی تھی۔ اس کے پانچ بچے تھے جن میں سے تین بیٹیوں کی شادیاں وہ کر چکا تھا اب صرف دو بیٹے رہ گئے تھے۔ وہ دوسری شادی کے لیے کوئی ایسی عورت چاہتا تھا جو اس کا گھر اچھی طرح سنبھال لے۔ سگھڑ اور سلیقہ مند ہو اور بچوں کی خواہش مند نہ ہو۔ اس کے علاوہ اس کی کوئی شرط نہیں تھی نہ شکل کے بارے میں اور نہ ہی عمر کے بارے میں۔

اس آدمی کے خاندان کی کچھ عورتیں فاطمہ کو دیکھنے آئی تھیں۔ تب تک فاطمہ کو اس آدمی کے کوائف کا کچھ پتا نہ تھا۔ اسے امی نے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آنے کے لیے کہا تھا۔ بجھے ہوئے دل سے کپڑے بدل کر اور بال وغیرہ سنوار کر وہ مہمانوں کے سامنے جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ جانتی تھی کہ مہمان اسے ٹھکرا کر چلے جائیں گے اور یہ سب جاننے کے باوجود وہ خاموشی سے اپنے گھر والوں کے اشاروں پر چلنے پر مجبور تھی، بعض دفعہ اس کا دل چاہتا وہ چیخ چیخ کر ہر ایک سے کہہ دے کہ اسے شادی نہیں کرنی۔ اب اسے تماشا بنانا چھوڑ دیں ہر بار وہ اپنا منہ بند رکھنے پر مجبور ہو جاتی۔

وہ جانتی تھی کہ گھر والے ہر قیمت پر اس کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی شادی کر دینا چاہتے ہیں اور وہ یہ سب جانتے ہوئے بھی اب لوگوں کے سامنے پیش ہونے سے تنگ آ چکی تھی۔

چائے کی ٹرے لے کر وہ مردہ دلی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ کچھ دیر تک وہ عورتیں اسے اپنے پاس بٹھا کر باتیں کرتی رہیں پھر وہ اپنی امی کے اشارے پر اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اسے حیرت ہوئی تھی جب خلاف توقع وہ عورتیں دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھی رہی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد امی بہت خوشی کے عالم میں اس کے پاس آئیں۔ وہ اس وقت کچن میں برتن صاف کر رہی تھی۔

"فاطمہ! ان لوگوں کو تم پسند آ گئی ہو۔ انہوں نے رشتہ طے کر دیا ہے۔"

وہ امی کی بات پر ہکا بکا سی ان کا چہرہ دیکھتی رہی، یوں جیسے اسے ان کی بات پر یقین ہی نہیں آیا تھا۔

"امی! میری سمجھ میں نہیں آیا آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس نے کچھ گڑبڑا کر امی سے پوچھا۔

وہ یک دم کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ "تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے میں نے۔ پرسوں تمہارے سسرال والے تاریخ لینے آئیں گے۔"

وہ چپ چاپ امی کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے خلاف توقع اپنی امی سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا اور جب اس کی امی نے رشتہ کی تفصیلات بتائیں تو وہ جیسے بھڑک اٹھی تھی۔

"اماں! پوری دنیا میں آپ کو میرے لیے بس یہی ایک رشتہ ملا تھا۔"

"کیوں؟ آخر اس لڑکے میں کیا خرابی ہے۔ منڈی میں آڑھت کا اچھا خاصا کاروبار ہے۔ اپنا گھر ہے، زمین ہے، تمہیں اور کیا چاہیے۔" اس کی امی نے خلاف معمول نرم لہجے میں کہا۔

"اماں! اس کو آپ لڑکا کہتی ہیں۔ اس بوڑھے کو آپ لڑکا کہہ رہی ہیں۔" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"وہ بوڑھا ہے تو، تو کون سی جوان ہے۔ بتیس سال کی ہونے والی ہے اور پھر ہے کیا تجھ میں، جو تجھے کوئی شہزادہ گلفام بیاہنے آئے گا۔ شکر ہے کہ وہ لوگ مان گئے ہیں ورنہ اب تو تیرے لیے دوہاجو ڈھونڈنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔" اس کی امی کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"میں نے آپ سے کب کہا ہے کہ میرے لیے کوئی شہزادہ گلفام ڈھونڈیں مگر میری کوئی دسویں شادی تو نہیں ہو رہی کہ آپ نے لڑکے کے لیے کوئی معیار ہی نہیں رکھا۔ اس میں کچھ دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"کیا چاہتی ہو۔ کیا دیکھنا چاہیے تھا مجھے لڑکے میں؟"

"اماں! کچھ تو دیکھنا چاہیے تھا۔ کچھ تو دیکھنا چاہیے تھا۔

آپ سب کو مجھ پر اعتراض ہے۔ آپ کو مجھ سے نفرت ہے۔ میرے اس پستہ قامت وجود سے۔ اس سیاہ چہرے سے، اس ناکارہ بازو سے اتنی نفرت ہے آپ کو میری بدصورتی سے۔"

"تو اپنی زبان کو لگام دے۔ تیری بہت بکواس سن چکی ہوں۔ میں پچھلے کئی سالوں سے یہی بکواس تو سنتی آ رہی ہوں۔ مگر اب حد ہو چکی ہے۔ تیرا صرف وجود بدصورت نہیں ہے دل بھی بدصورت ہے زبان بھی بدصورت ہے۔ ارے میں کہتی ہوں کہ تو اپنی زبان کو قابو کیوں نہیں کر سکتی۔ دیکھ لینا فاطمہ! اس زبان کے ساتھ تو ہمیشہ ہر جگہ ذلیل ہی ہوتی رہے گی، جوتے ہی کھاتے رہے گی۔ پھر تجھے یاد آئے گا کہ میں تجھے کیا کہتی تھی۔"

"اماں! ساری عمر بددعائیں ہی دیتی رہی ہو۔ کبھی بھولے سے دعا دے دیتیں تو شاید میری زندگی یوں میرے اور آپ سب لوگوں کے لیے تماشا نہ بنتی۔"

"میں نے کہا نا اب مجھے تیری بکواس نہیں سننی ہے۔ پرسوں میں نے ان لوگوں کو شادی کی تاریخ طے کرنے کے لیے بلایا ہے اور میں اسی ماہ تیری شادی کر دوں گی۔"

"میں بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ میں یہاں پر شادی نہیں کروں گی۔ چاہے آپ ان لوگوں کو کل بلائیں یا پرسوں میں اپنے انکار کو نہیں بدلوں گی۔" وہ بھی ماں کی طرح اپنی بات پر قائم تھی۔

اس کی بھابھی صحن میں دونوں ماں بیٹی کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سن رہی تھیں، اور دل ہی دل میں اس کی ہٹ دھرمی پر پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیتیں۔ وہ کچھ ایسا ہی بوجھ بن چکی تھی اور اب جب خدا خدا کر کے اس بوجھ سے نجات حاصل کرنے کی کچھ سبیل بنی تھی تو وہ پھر اکڑ گئی تھی۔ وہ منہ ہی منہ میں اسے جی بھر کر گالیاں دے رہی تھیں۔

کمرے کے اندر ابھی بھی وہ زور و شور سے ماں سے بحث کر رہی تھی۔ اس کی آواز بہت بلند تھی اور باہر صحن تک آ رہی تھی۔ تب ہی اس کا بڑا بھائی جواد آفس سے واپس گھر آیا تھا۔ صحن میں آتے ہی اس نے کمرے سے آتی ہوئی آوازیں سن لی تھیں۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ کچھ دیر تک وہ اس شور کو سنتا رہا پھر اس نے بیوی سے اس بارے میں پوچھا اور فاطمہ کی بھابھی نے اپنے مخصوص انداز میں مرچ مسالا لگا کر پوری بات بتا دی۔ وہ سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ وہیں کھڑے ہو کر اندر سے آنے والی آوازوں کو سنتا رہا۔

"دیکھ فاطمہ! میں تجھ سے کہہ رہی ہوں، اپنی یہ ہٹ دھرمی چھوڑ دے۔ اب میں تیری کوئی بات سننے والی نہیں ہوں۔ ہوگا وہی جو میں چاہوں گی۔ پرسوں وہ لوگ آئیں گے اور میں ان کو تاریخ دے دوں گی پھر دیکھوں گی تو کیا کرتی ہے۔" اس کی ماں اس سے کہہ رہی تھی۔

"آپ ایسا کریں گی تو بہت پچھتائیں گی۔ زبردستی آپ لوگ کبھی بھی میری شادی نہیں کر سکتے۔ آپ اگر ان لوگوں کو انکار نہیں کریں گی تو میں خود کر دوں گی۔ میں بتا دوں گی کہ مجھے یہ رشتہ قبول نہیں ہے۔"

"تو ہمارے منہ پر کالک پھیر دینا چاہتی ہے رسوا کروے گی ہمیں۔"

"مجھے آپ کی رسوائی کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر آپ کو میری زندگی کی پروا نہیں ہے تو میں آپ کی عزت اور بے عزتی کی فکر کیوں کروں۔" اس کی ماں کو اس کی بات پر اور اشتعال آیا۔

"میں دیکھوں گی تو کیسے یہ سب کرتی ہے۔ میں پرسوں ہی ان لوگوں کو کہتی ہوں کہ وہ چار کپڑوں میں نکاح کر کے اسی دن تجھے لے جائیں۔" اس کی ماں کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

"آپ بلوا لیں ان لوگوں کو، میں بھی نکاح کے وقت انکار کر دوں گی۔ بتا دوں گی سب لوگوں کو کہ آپ سب مجھ پر کتنا ظلم کر رہے ہیں۔ میں آپ کو......"

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کر پاتی کمرے کا دروازہ کھول کر اس کا بھائی اندر آ گیا اور بجلی کی تیزی کے ساتھ

"کس قدر بے حیا ہے تو فاطمہ! کتنی لمبی زبان ہے تیرے منہ میں، کس طرح بکواس کر رہی ہے۔ لڑکیاں کہاں اپنی شادی کے بارے میں کچھ بولتی ہیں اور تو تیرا تو منہ ہی بند نہیں ہو رہا۔ ہمیں سکھا رہی ہے کہ رشتہ کرتے ہوئے لڑکے میں کیا دیکھنا چاہیے۔ اگر ہم لڑکے میں کچھ دیکھتے تو وہ بھی تجھ میں بہت کچھ دیکھتے۔ ہے کچھ تجھ میں کہ کوئی مرد کسی مجبوری کے بغیر تجھ سے شادی پر تیار ہو جائے۔ بتا ہے کچھ؟"

اس کی امی اب طعنوں پر اتر آئیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"ہاں کچھ نہیں ہے مجھ میں، تو پھر رشتے تلاش کیوں کر رہی ہیں میرے لیے۔ رہنے دیں جہاں بتیس سال روتے دھوتے گزار لیے ہیں، وہاں باقی زندگی بھی گزار لوں گی۔"

"کیوں؟ ہم تمہیں ساری عمر اپنے گلے میں کیوں لٹکائے پھریں۔ تم چاہتی ہو۔ ساری عمر تمہارا بھائی تمہارا بوجھ اپنے سر پر لادے رکھے نہ بی بی! یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارے لیے رشتہ ڈھونڈ لیا ہے، اب تم بیاہ کر اپنے گھر جاؤ، ہماری جان چھوڑو۔"

اس کی امی نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں اس کے سامنے ہاتھ باندھ دیے۔

"میں نے آپ سے کہہ دیا ہے، مجھے اس شخص سے شادی نہیں کرنی۔ آپ میرے لیے کوئی اچھا رشتہ نہیں ڈھونڈ سکتیں تو نہ ڈھونڈیں۔ بس اس تماشے کو ختم کر دیں۔"

فاطمہ ان کی اس حرکت پر ایک بار پھر غصے میں آ گئی تھی۔

"شادی تو تمہاری اگر ہوگی تو یہیں ہوگی، کوئی اور رشتہ تو میں نہیں ڈھونڈوں گی۔ اتنی ہمت نہیں ہے مجھ میں اور شادی بیاہ کے فیصلے کرنا ماں باپ کا کام ہوتا ہے اولاد کا نہیں ہمیں نے تمہارے سب بہن بھائیوں کی شادیاں اپنی مرضی سے کی ہیں۔ مجال ہے کسی نے پوچھا بھی ہو اور تم میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی ہے کہ اپنی شادی کے بارے میں رائے دینے اٹھ کھڑی ہوئی ہو۔ میرا جہاں جی چاہے گا میں تمہیں بیاہ دوں گی۔ دیکھوں گی تم کرتی کیا ہو۔" اس کی ماں نے جیسے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"بہن بھائی اس لیے کچھ نہیں بولے تھے کیونکہ آپ نے ان سب کی شادیاں بہت دیکھ بھال کر کی تھیں۔ بہت کچھ دیکھا تھا ان کے رشتے طے کرتے ہوئے۔ میرے لیے تو آپ اتنی سی زحمت کرنی بھی نہیں چاہ رہیں۔ بس گھر سے نکال دینا چاہتی ہیں۔ مجھے سر سے بوجھ کی طرح اتار کر پھینک دینا چاہتی ہیں۔ میں کیسے چپ رہوں۔ اللہ نے تو میرے ساتھ ناانصافی کی ہے اب کیا آپ بھی وہی کریں گی؟" وہ بات کرتے کرتے آبدیدہ ہو گئی۔

"تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہو رہی، تمہیں وہی مل رہا ہے جو تمہاری قسمت میں ہے۔ تمہارے بہن بھائیوں کو وہ ملا تھا جو ان کی قسمت میں تھا اور شاید تمہیں جو کچھ مل رہا ہے وہ بھی تمہاری اوقات سے زیادہ ہے۔ پچھلے کئی سالوں سے تم نے ہمارے گھر کو جہنم بنا کر رکھ دیا ہے۔ اب تمہیں برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رہا نہ مجھ میں نہ کسی اور میں۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم اس رشتہ کے لیے ہاں کر دو۔"

"میں اس رشتہ کے لیے کبھی ہاں نہیں کروں گی۔ اماں! میں اس رشتہ کے لیے کبھی ہاں نہیں کروں گی، ساری عمر آپ نے

مجھے تماشا بنا کر رکھا۔ ساری عمر مجھے بوجھ کہتی رہیں۔ میں آپ کے سر پر دنیا کا واحد بوجھ ہوں کیا لیتی ہوں میں آپ سے؟ کیا مانگا ہے میں نے آپ سے؟ پچھلے بتیس سال میں آپ نے میرے لیے کیا کیا ہے؟ کیا دیا ہے؟ آپ نے تو مجھے کبھی محبت تک نہیں دی، کسی اور چیز کی تو بات ہی کیا میں نے آپ کے لیے کیا نہیں کیا۔ بتیس سال اسی طرح گزارے جس طرح آپ سب چاہتے رہے۔ وہی کرتی رہی جو آپ سب کہتے رہے۔ جب سے میں نے ملازمت کی ہے۔ کبھی آپ سے ایک روپیہ نہیں لیا اور اماں پچھلے بارہ سال سے میں ملازمت کر رہی ہوں۔ بارہ سال سے آپ کو میرے لیے ایک روپیہ خرچ نہیں کرنا پڑا، پھر بھی آپ سب مجھ سے خوش نہیں ہیں۔ پھر بھی وہ اس کی طرف آیا اور اسی تیزی کے ساتھ اس نے فاطمہ کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔

"کیا کرو گی تم؟ بولو کیا کرو گی تم؟ سمجھتی کیا ہو تم اپنے آپ کو۔ بلا کی طرح پچھلے بتیس سالوں سے ہمیں چمٹی ہوئی ہو اور اب بھی جان چھوڑنے پر تیار نہیں۔ تمہیں اس خاندان کی عزت کا خیال نہیں ہے تو اس گھر میں کیوں رہتی ہو۔ دفع ہو جاؤ اپنی یہ منحوس شکل اس گھر سے لے کر۔"

اس نے بات کرتے کرتے اس کے منہ پر دو اور تھپڑ مار دیے۔ فاطمہ نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تھی نہ اس کے سامنے سے ہٹنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی ماں نے بیٹے کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس نے ماں کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"آج مجھے چھوڑ دیں اماں! میں نے بہت برداشت کیا ہے اس کی بدزبانی کو۔ پورے گھر کو اس نے ایک عذاب میں ڈال رکھا ہے لیکن اب میں برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ یا اس رشتہ کو قبول کرے گی یا پھر یہاں سے دفع ہو جائے۔ اس گھر میں اس بلا کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ میری اپنی اولاد بڑی ہو رہی ہے۔ میں ان کی ذمہ داری اٹھاؤں یا اسے سر پر لادے پھروں۔"

وہ بلند آواز میں دھاڑا۔ وہ ہاتھ لہرا لہرا کر انگارے پھینک رہا تھا۔ فاطمہ جیسے سکتے کے عالم میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس کے بھائی نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور وہ بھی کس بات پر۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس نے تھپڑ نہیں مارے بلکہ اس کے وجود کو زندہ زمین میں گاڑ دیا تھا۔ وہ اب بھی چلا رہا تھا۔

"میرا دل چاہتا ہے میں تمہاری زبان کاٹ دوں یا پھر تمہیں ہی قتل کر دوں تاکہ تم سے نجات تو ملے۔ سارے جہاں کے عذاب میرے لیے ہی رہ گئے ہیں۔" وہ قطرہ قطرہ زہر اس کے کانوں میں ٹپکا رہا تھا۔

"لیکن اب بہت ہو چکا میں نے پوری دنیا کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا، اس گھر میں جس کو رہنا ہے، وہ میرے طریقے سے رہے گا ورنہ یہاں نہیں رہے گا اور تم سے بھی صاف صاف کہہ رہا ہوں۔ جہاں اماں تمہاری شادی کی بات طے کر رہی ہیں، وہاں انہیں بات طے کرنے دو اور اگر تم نے ان کی بات نہ مانی تو پھر تمہیں یہاں رہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا سامان لینا اور یہاں سے نکل جانا۔ جہاں چاہے چلی جانا بس دوبارہ مجھے نظر نہ آنا۔ میں تمہارے وجود کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"دیکھا۔ میں سمجھاتی تھی ناں تجھے کہ اس زبان پر قابو رکھ ورنہ یہ تجھے ہر جگہ ذلیل کروائے گی۔ تسلی ہو گئی بے حیا اب بھائی کے ہاتھوں پٹ کر۔ کیا سوچتا ہو گا وہ میرے بارے میں کہ میں ایک لڑکی پر قابو نہیں رکھ سکتی۔"

بھائی کے جانے کے بعد اب اماں شروع ہو گئی تھیں مگر وہ اب بالکل خاموش تھی۔ کچھ نہیں بول رہی تھی۔ بولنے کے لیے کچھ باقی رہا ہی نہیں تھا۔

"میں نے تجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ سب لوگ تجھ سے تنگ آ چکے ہیں۔ ہمارا بس چلے تو ہم آج تجھے اس گھر سے نکال دیں۔ تو نے ہماری زندگی کو عذاب بنا کر رکھ دیا ہے۔ جواد نے تو بہت صبر کیا کہ آج تک تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھایا ورنہ جس طرح تو رات دن مجھ سے اور اس کی بیوی سے زبان چلاتی رہتی ہے۔ کوئی اور ہوتا تو کب کا تجھے گھر سے نکال چکا ہوتا۔"

اماں کا فضیحتہ اب بھی جاری تھا وہ اب بھی چپ تھی۔ وہ اب بھی اسی دروازے کو دیکھے جا رہی تھی جہاں سے جواد گیا تھا۔

"پرسوں وہ لوگ آئیں گے۔ میں انہیں تاریخ دے دوں گی اور کہہ دوں گی کہ بس دس بارہ لوگ آ کر سادگی سے نکاح کریں اور تمہیں لے جائیں۔ کسی دھوم دھڑکے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے لوگوں کو اکٹھا کیا تو تمہارے سارے پول پہلے ہی تمہارے سسرال والوں کے سامنے کھل جائیں گے اور ہماری رسوائی ہوگی۔ اچھا ہے چپ چپاتے سارا کام ہو جائے۔"

اماں کہتی جا رہی تھیں، اس نے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ اس نے اب بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ بعض دفعہ خاموشی کے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ یہ آپ سے بڑے بڑے فیصلے لمحوں میں کروا لیتی ہے وہ فیصلے جو ویسے کرتے ہوئے شاید بہت وقت لگ جائے۔

☆☆☆

"ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو ہمیں اس بار پاکستان جا کر امبر اور صبغہ کی نسبت ضرور طے کر دینی چاہیے۔ خاندان میں پہلے ہی بہت کم اچھے رشتے ہیں اور کچھ وقت اور گزرا تو پھر وہ رشتے بھی نہیں رہیں گے۔ پورے خاندان میں ہمیں کوئی اچھا رشتہ نہیں ملے گا۔ اور خاندان سے باہر شادی کرنا اور وہ بھی بیٹی کی تو بہت ہی مشکل کام ہے۔ کم از کم میرے خاندان میں تو اس بات پر ہنگامہ مچ جائے گا۔ لیکن ابھی بھی وقت نہیں گزرا ہے۔ اچھا کیا تم نے مجھ سے اس بات کا ذکر کر دیا۔ اس بار پاکستان جا کر یہ مسئلہ بھی حل کر ہی لیں گے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے امبر اور صبغہ کے لیے خاندان میں کون سے لڑکے سب سے موزوں ہوں گے۔"

منصور علی اس رات کافی فکر مند انداز میں منیزہ سے بات کر رہے تھے۔ اگلی دوپہر کو ان کی فلائٹ تھی اور سامان کی پیکنگ کے بعد منیزہ حسب عادت سونے کے بجائے ان کے پاس بیٹھ گئیں اور پھر انہوں نے پہلی بار انہیں اپنی مستقبل کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جو امبر اور صبغہ کی صورت میں ان کے کندھوں پر تھیں۔ وہ کافی دنوں سے اس بارے میں سوچ رہی تھیں اور انہیں حیرت بھی تھی کہ ایسے خاندان میں جہاں بچوں کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کے مستقبل کا فیصلہ بھی کر دیا جاتا تھا وہاں امبر اور صبغہ کی پیدائش سے لے کر اب تک انہیں یا منصور علی کو اس بات کا خیال کیوں نہیں آیا اور اب وہ اپنی پریشانی کو منصور علی کے ساتھ شیئر کر رہی تھیں۔

منصور علی کے سوال پر وہ کچھ دیر تک سوچتی رہیں۔

"دیکھیں، خاندان میں رشتے تو بہت سے ہیں۔ بہت سے بچے ایسے ہیں۔ جن کے بارے میں ان کے والدین نے ابھی کچھ طے نہیں کیا۔ مسعود بھائی کے بیٹے ہیں۔ ثریا کا بیٹا ہے پھر آمنہ کے بچے بھی ہیں۔ خاندان میں کچھ اور بھی بچے ہیں۔ اب یہ تو آپ کو طے کرنا ہے کہ کہاں امبر اور صبغہ سب سے زیادہ خوش رہ سکیں گی۔"

کچھ دیر سوچنے کے بعد منیزہ نے بڑی رسانیت سے شوہر سے بات کرتے ہوئے آخری فیصلے کا حق انہیں سونپ دیا۔

"پھر بھی تمہاری بھی تو کوئی رائے ہوگی۔ تمہیں بھی تو بتانا چاہیے کہ کون سے گھر ہماری بیٹیوں کے لیے سب سے مناسب رہیں گے۔ میں اکیلا تو ایسے فیصلے نہیں کر سکتا۔ یہ بہت نازک معاملات ہوتے ہیں ساری زندگی کا دارومدار ہوتا ہے ان فیصلوں پر۔ صرف ایک شخص اپنے بل بوتے پر ایسے فیصلے نہیں کر سکتا بلکہ کسی کو کرنے چاہئیں بھی نہیں۔ میں بھی اپنی اولاد کے بارے میں ہر فیصلہ خود ہی نہیں کرنا چاہتا۔ چاہتا ہوں کہ تم بھی اس معاملہ میں میری مدد کرو۔" منصور علی نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"اگر آپ میری رائے چاہتے ہیں تو فی الحال تو میری اس معاملے میں کوئی رائے نہیں ہے۔ میں نے امبر اور صبغہ کے رشتوں کے بارے میں ضرور سوچا ہے لیکن خاندان کے لڑکوں پر ابھی غور نہیں کیا لیکن میرا خیال ہے ہمیں مسعود بھائی کے بیٹوں کے لیے ان سے بات کرنی چاہیے اگر یہ رشتے ہو جائیں تو سب سے زیادہ موزوں رہیں گے، ایک تو وہ آپ کے بڑے بھائی ہیں پھر ان کی مالی حیثیت بھی اچھی ہے ویسے بھی شبانہ اور مسعود بھائی دونوں مزاج کے بہت اچھے ہیں۔ خود غرض نہیں ہیں اور نہ ہی زیادہ چالاک ہیں، یہی خصوصیات ان کے بچوں میں بھی آئی ہوں گی۔ ویسے بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارا ہمیشہ کتنا خیال رکھتے ہیں۔ تبھی پروا کرتے ہیں اور اگر ہماری پروا کرتے ہیں تو کیا کل کو ہماری بیٹیوں کی پروا نہیں کریں گے۔"

منیزہ نے اپنی رائے دی۔ منصور علی ان کی بات پر سوچ میں پڑ گئے، مسعود علی سے تعلقات ان کے واقعی ہی بہت اچھے

تھے لیکن اب ان کے بارے میں ایک نئے زاویے سے سوچتے ہوئے وہ خدشات کا شکار ہوئے۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ واقعی مسعود بھائی کے بیٹے امبر اور صبغہ کے لیے سب سے موزوں رہیں گے مگر کیا وہ واقعی اس شادی پر تیار ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے بچوں کے رشتے کہیں اور کرنا چاہتے ہوں۔"

"ابھی تک تو شبانہ نے کبھی مجھ سے اس سلسلے میں بات نہیں کی کہ وہ طلحہ اور اسامہ کے رشتے کہیں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اگر ان کا ایسا ارادہ ہوتا تو وہ مجھے ضرور بتا دیتیں اور بالفرض اگر وہ اپنے بچوں کا رشتہ کہیں اور کرنا چاہتے ہوں گے تو پھر کیا ہے ہم کون سا انہیں مجبور کر رہے ہیں، وہ جہاں جی چاہے اپنے بچوں کے رشتے طے کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن امبر اور صبغہ کے لیے ان سے بات تو کرنی چاہیے۔ اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے پھر اگر وہ انکار بھی کر دیں گے تو کیا ہوگا کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔ خاندان میں اور بھی اچھے رشتے ہیں ہم وہاں کہیں امبر اور صبغہ کی نسبت طے کر دیں گے۔" منیزہ نے بڑی سنجیدگی سے انہیں کہا۔

"لیکن منیزہ! ہم خود کیسے اس سلسلے میں بات کریں گے۔ یہ تو بہت آکورڈ سی سچویشن ہو جائے گی۔" منصور علی نے ان کی بات سن کر کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"لیں بھلا اس میں ایسی کون سی بات ہے۔ مسعود بھائی کون سے غیر ہیں اور امبر صبغہ بھی ان کی بھتیجیاں ہیں، اگر ہم اسی طرح شرماتے رہے تو کوئی اور ہم سے پہلے ان کے گھر اپنے بچوں کا رشتہ لے کر پہنچ جائے گا اور ہم منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔" منیزہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو بس تو پھر طے ہے کہ اس بار پاکستان جاتے ہی ہم مسعود بھائی اور شبانہ بھابھی سے اس سلسلے میں بات کریں گے۔" منصور علی جیسے کسی فیصلہ پر پہنچ گئے۔

☆☆☆

"دیکھو ہارون! مجھے تمہاری کسی سرگرمی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ نہ میں نے پہلے کبھی کیا ہے اور نہ ہی آئندہ کبھی کروں گی۔ لیکن یہ سب کچھ گھر تک نہیں آنا چاہیے، تم باہر کیا کرتے ہو کیا نہیں مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی میں نے تم پر کبھی اس سلسلے میں پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ایسی عورتوں کو یہاں اس گھر میں نہیں آنا چاہیے۔ تم انہیں ایک تھرڈ کلاس Commodity کے طور پر استعمال کرتے ہو تو انہیں تھرڈ کلاس ہی رہنے دو۔ وہ اس گھر میں آنے کے قابل ہوتی ہیں نہ ہماری سوسائٹی میں موو کرنے کے، اس لیے ایسے دم چھلوں کو تم ہر جگہ اپنے ساتھ لگا کر مت آ جایا کرو۔"

"ایک تو تمہیں معمولی معمولی باتوں پر غصہ آ جاتا ہے۔ یار! میں کب ایسی چیزوں کو گھر تک لانے کا قائل ہوں مگر بس وہ بے وقوف خود ہی یہاں آ گئی۔ اب ظاہر ہے یہاں آ گئی تھی تو میں اسے دھکے دے کر تو نکال نہیں سکتا تھا۔ ابھی اس کے تھرو اس کے باس سے بہت سے کام کروانے ہیں۔ اس لیے مجھے اس کی اتنی خاطر مدارت کرنی پڑی۔ اس ایک کیس کے علاوہ آج تک میں ایسی ویسی کسی لڑکی کو یہاں لایا ہوں۔ تم بتاؤ پہلے کبھی تمہیں اس بارے میں شکایت ہوئی ہے۔"

ہارون نے بڑی نرمی اور محبت سے اس سے پوچھا۔ وہ بڑے سکون سے اپنے ناخنوں پر کیوٹیکس لگانے میں مصروف رہی۔

"کیا تمہارا غصہ ابھی بھی ختم نہیں ہوا؟ ابھی بھی ناراض ہو؟" ہارون نے ایک بار پھر اس سے پوچھا۔

اس نے مسکراتے ہوئے اپنے کندھے سے نیچے لٹکتے ہوئے تراشیدہ بالوں کو جھٹکا دیا اور اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"میں نے پہلے بھی تم سے کہا ہے کہ میں تم سے ناراض ہوں نہ ہی مجھے غصہ آیا ہے۔ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر میں کبھی ناراض نہیں ہوتی، لیکن اس عورت کے بات کرنے کا طریقہ مجھے پسند نہیں آیا۔ وہ میرے سامنے بھی اس طرح ناز نخرے دکھا رہی تھی جیسے تمہاری بیوی میں نہیں وہ ہے۔ اس کا بس چلتا تو وہ شاید مجھے گھر سے ہی نکال دیتی۔ ویسے مجھے اس پر ہنسی بھی آ رہی تھی

میں سوچ رہی تھی کہ اس کا خیال ہوگا کہ ہارون کمال اس پر بری طرح مرمٹا ہے اور اس حد تک اس کے عشق میں غرق ہو گیا ہے کہ اپنی بیوی کے سامنے بھی اس کے ناز و انداز دیکھ رہا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتی کہ یہ تو ہارون کمال کی عادت ہے جب کچھ عرصے بعد یہ راز کھلے گا کہ ہارون کمال نے اسے استعمال کیا ہے تو پھر میں ایک بار اس عورت سے مل کر اس کا شکریہ ادا کرنا ضرور چاہوں گی کہ وہ میرے شوہر کے بہت کام آئی۔"

اپنی بات کے اختتام پر شائستہ نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ہارون کمال بھی مسکرانے لگا۔

"ویسے بعض دفعہ میں سوچتا ہوں شائستہ کہ تم جیسی عورتیں بہت کم ہوتی ہیں۔ خوبصورت، ذہین، سمجھدار۔ اگر مجھے تم جیسی بیوی نہ ملتی تو میرا تو واقعی بیڑا غرق ہو جاتا۔ مجھ جیسا بندہ تو کسی عام عورت کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتا۔ مجھے تو ہمیشہ زندگی میں ہر چیز خاص ہی چاہیے۔ چاہے وہ گھر میں رکھا ہوا کوئی ڈیکوریشن پیس ہو یا پھر لائف پارٹنر۔ میرے لیے تو سب کچھ سب سے جدا ہی ہونا چاہیے اور خدا کا شکر کہ میری زندگی میں سب کچھ ایسا ہی ہے۔"

ہارون کمال نے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ شائستہ کے ہونٹوں پر ایک فخریہ مسکراہٹ لہرائی تھی، لیکن وہ کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے اپنے کیوٹکس لگے ناخنوں کو خشک کرتی رہی۔

"پتا ہے شائستہ! میں تمہیں جس طرح دیکھنا چاہتا تھا۔ تم بالکل ویسی ہی ہو گئی ہو۔ یہ سمجھ لو کہ میرے خوابوں کی عورت ہو گئی ہو۔ تم سے شادی کرتے وقت میں نے تم سے بہت سی توقعات وابستہ کی تھیں اور ہمیشہ کی طرح میری تمام توقعات پوری ہو گئی ہیں۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ شائستہ کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"کیا توقعات تھیں تمہیں مجھ سے؟ پہلے، تو کبھی تم نے مجھے بتایا نہیں۔" اس نے اپنے ناخنوں پر پھونک مارتے ہوئے ہارون سے پوچھا۔

وہ ایک گہری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ "بہت سی توقعات تھیں۔ ایک براڈ مائنڈڈ، بولڈ اور گلیمرس لائف پارٹنر کی۔ جو میرے شانہ بشانہ چل سکے۔ میری سوسائٹی، میرے سوشل سرکل میں موو کر سکے Independent (خودمختار) ہو اپنے فیصلے خود کرنے کی طاقت رکھتی ہو۔ مڈل کلاس عورتوں کی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر بحث نہ کرتی ہو۔ مجھے میری زندگی جینے دے اور خود اپنی زندگی جیے۔ مجھے اپنی مٹھی میں بند کرنے کی کوشش نہ کرے اور تم...... شائستہ! تم بالکل ویسی ہی ہو جیسا میں نے سوچا تھا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"یعنی پھر میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ تمہیں تمہارا آئیڈیل مل گیا ہے...... ہے نا؟" شائستہ نے کچھ شرارتی انداز میں کہا۔

ہارون نے ایک قہقہہ لگایا۔ "آئیڈیل خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ویسے مجھے حیرت ہوئی ہے کہ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہارون کمال آئیڈیلسٹ ہوگا اگر ہارون کمال آئیڈیلسٹ ہوتا تو پھر کوئی شاعر ہوتا۔ وہ دو سو روپے لے کر مشاعرے پڑھ رہا ہوتا۔ ایک کمرے کے ایک مکان میں رہتا جس کی دیواریں اور چھت ہر برسات میں ٹپکتی۔ لوگوں سے ادھار لے کر گھر کا خرچ چلاتا اور پھر جب لوگ قرض واپس مانگنے آتے تو باہر سے تالا لگا کر خود کہیں چھپ کر بیٹھ جاتا۔ نہیں شائستہ! ہارون کمال آئیڈیلسٹ کبھی نہیں رہا۔ میں ایک پریکٹیکل اور حقیقت پسند آدمی ہوں۔ ہر چیز کو خود سے وابستہ کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح جانچ لیتا ہوں، اس کے بعد اسے خود سے وابستہ کرتا ہوں تمہیں بھی بہت اچھی طرح جانچا اور پرکھا تھا میں نے شادی سے پہلے، تب کہیں جا کر اس گھر میں لانے پر تیار ہوا تھا لیکن میری توقعات کو تم آئیڈیلزم کا نام مت دو۔ آئیڈیلزم کچھ اور ہی چیز ہوتی ہے۔ اس میں اور توقعات میں بہت فرق ہوتا ہے، جیسے بازار میں کوئی چیز خریدنے سے پہلے ہم اس میں بہت کچھ دیکھتے ہیں اس کے بعد اسے خرید لیتے ہیں تو کیا تم اسے آئیڈیلزم کہو گی؟" ہارون کمال یک دم کافی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"ویسے ہارون! بعض دفعہ تم فلسفہ بولنے لگتے ہو، بالکل کسی فلاسفر کی طرح یوں جیسے تم نے بہت سی کتابیں پڑھی ہوں۔"

شائستہ نے اس سے کہا۔

"میں نے کتابوں کو نہیں پڑھا مگر زندگی کو بہت پڑھا ہے اور میں تم کو ایک بات بتاؤں۔ زندگی میں وہی کامیاب ہوتے ہیں جنہیں زندگی کا پتا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ علم ہوتا ہے۔ جنہیں صرف کتابوں کا علم حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ زندگی انہیں بہت بری طرح سے ضائع کرتی ہے۔"

وہ آج واقعی کسی اسکالر کی طرح گفتگو کر رہا تھا۔ شائستہ کو اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ایسی باتیں ہمیشہ اس کے سر سے گزر جاتی تھیں۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ وہ ہارون کی گفتگو سے بور ہونے لگی تھی۔ اس لیے اس نے بات کا موضوع بدل دیا۔ مگر بات کا موضوع بدلنے کے باوجود اپنے لیے ہارون کے ادا کیے ہوئے تعریفی کلمات اس کے دماغ سے نہیں نکلے تھے۔ اس کی آواز بار بار اس کے دماغ میں لہرا رہی تھی اور اس کی خوشی بڑھتی جا رہی تھی۔ ہارون جیسے بندے کی توقعات پر پورا اترنا کوئی معمولی کام نہیں تھا اور وہ خوش تھی کہ یہ غیر معمولی کام اس نے کیا ہے۔

☆☆☆

یتیم خانے کی انچارج نے اپنے دفتر میں داخل ہونے والی عورت کو دیکھا اور پھر بے اختیار اپنی سیٹ سے کھڑی ہو گئی۔ اس عورت میں کچھ ایسی ہی بات تھی۔ شیفون کی سیاہ ساڑھی میں اس کا دراز قد اور بھی نمایاں ہو گیا تھا۔ سلیولیس کھلے گلے کا بلاؤز اس کے جسم کو ڈھانپنے میں مکمل طور پر ناکام رہا تھا۔ اس نے اپنے بالوں کا اونچا سا جوڑا بنایا ہوا تھا اور جوڑے سے نکلی ہوئی کچھ لٹیں ہلتے ہوئے اس کے گالوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ کانوں میں پہنے ہوئے لمبے آویزوں کے سرے اس کے برہنہ کندھوں تک آ رہے تھے۔ اس کا سراپا جتنا دلکش تھا۔ چہرہ بھی اتنا ہی خوبصورت تھا۔ سیاہ آنکھوں اور تیکھے نقوش کو اس کی سرخ و سفید رنگت نے جیسے دو آتشہ کر دیا تھا۔

انچارج مبہوت ہو کر اسے کمرے کے اندر آتے دیکھتی رہی۔ اس عورت نے میز کے پاس آ کر اپنا شولڈر بیگ کندھے سے اتارا اور میز پر رکھ دیا۔ پھر ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اس نے انچارج کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"میرا نام عالیہ ہے، میں ایک ضروری کام سے آپ کے پاس آئی ہوں۔"

اس کی نرم آواز اور دلکش مسکراہٹ نے انچارج پر ہونے والے جادو کو مکمل کر دیا تھا۔

"آپ بیٹھیں نا!" اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے اس عورت سے کہا۔

وہ عورت سر ہلاتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"جی فرمائیے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔"

انچارج کی آواز میں حد سے زیادہ مٹھاس تھی۔ اس عورت نے ایک گہرا سانس لیا پھر اپنے بیگ کو میز سے اٹھا کر کھول لیا۔ کچھ دیر تک وہ بیگ کے اندر کچھ ڈھونڈتی رہی۔ پھر اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر انچارج کے سامنے رکھ دیا۔

"تقریباً تین سال پہلے آپ کے پاس اس ہاسپٹل سے صفیہ نام کی ایک عورت ایک بچہ لے کر آئی تھی۔ میں اس بچے کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

اس عورت نے بغیر کسی تمہید کے اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔ انچارج کچھ حیران اور قدرے مایوس ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید یہ عورت بھی کوئی بچہ گود لینے آئی ہے، مگر یہاں تو صورت حال ہی مکمل طور پر الٹ گئی تھی۔ قدرے ہچکچاتے ہوئے اس نے کاغذ کا وہ ٹکڑا اٹھا لیا۔ ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر اس عورت سے کہا۔ "پچھلے تین سال میں یہاں بہت سے بچے لائے گئے ہیں۔ آپ کس بچے کے بارے میں جاننا چاہ رہی ہیں۔ یہاں بیٹھے بیٹھے تو میرے لیے یہ بتانا کافی مشکل ہو جائے گا۔"

"نہیں، آپ اپنا ریکارڈ دیکھ لیں میں جانتی ہوں۔ اس میں کچھ وقت لگے گا مگر میں انتظار کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

اس عورت نے انچارج کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

انچارج مزید شش و پنج میں پڑ گئی۔ "دیکھیں یہاں بہت سے بچے آتے رہتے ہیں اور اکثر بچوں کو بے اولاد جوڑے گود

لے لیتے ہیں پھر یہ تو ہے بھی تین سال پرانی بات۔''

انچارج نے مزید وضاحت دینے کی کوشش کی تھی۔ وہ عورت قطعاً بددل نہیں ہوئی، اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔

''مجھے پتہ ہے تین سال ایک لمبا عرصہ ہے مگر بہت لمبا تو نہیں، لوگ تو تیس تیس سال پرانا ریکارڈ چیک کر دیتے ہیں۔''

اس نے جیسے انچارج کو اکسانے کی کوشش کی تھی۔

''ٹھیک ہے میں مانتی ہوں ہم نے پورا ریکارڈ رکھا ہوتا ہے، لیکن پھر بھی ہم یوں ہی ہر آنے جانے والے کے کہنے پر ریکارڈ چیک کرنے نہیں بیٹھ جاتے۔ میں نہیں جانتی آپ کون ہیں؟ بچے کے بارے میں کیوں جاننا چاہتی ہیں؟ اس سے آپ کا کیا تعلق ہے؟ ان سب سوالوں کے جواب دیئے بغیر تو میں اس بچے کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔'' اس بار انچارج نے صاف صاف کہا۔

''آپ پہلے بتائیں۔ آپ کون ہیں اس بچے سے آپ کا کیا تعلق ہے؟''

اس عورت نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی، پہلی بار اس کے چہرے پر پریشانی کے کچھ اثرات نمودار ہوئے تھے۔

''کیا یہ بتائے بغیر آپ میری مدد نہیں کرسکتیں؟'' اس نے انچارج سے پوچھا۔

''دیکھیں، میں اگر آپ کی مدد کرنا چاہوں تو بھی ہر ادارے کے کچھ قواعد وضوابط ہوتے ہیں، ان کی پابندی کرنا ہی پڑتی ہے۔ یہ معلومات حاصل کیے بغیر میں کسی بھی طرح اس بچے کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔'' انچارج کا لہجہ اس بار بھی نرم تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کی مجبوری سمجھ سکتی ہوں۔ میں آپ کو سب کچھ بتا دیتی ہوں۔''

اس عورت نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ کچھ دیر تک وہ سوچتی رہی یوں جیسے بات شروع کرنے کے لیے لفظ ڈھونڈ رہی ہو پھر اس نے بولنا شروع کیا۔

''یہ میری بہن کا بیٹا ہے۔ اس کا نام صاعقہ تھا۔ تقریباً پانچ سال پہلے اس نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف گھر سے بھاگ کر ایک آدمی کے ساتھ شادی کرلی ہم سب نے اس سے ہمیشہ کے لیے تمام روابط ختم کر دیے۔ دو تین بار اس نے گھر آکر مصالحت کرنے کی کوشش کی لیکن میرے پاپا نے اسے گھر آنے نہیں دیا۔ انہوں نے اسے صاف کہہ دیا کہ وہ ہمارے خاندان کے لیے مرچکی ہے۔ اب وہ صرف اس شخص کے ساتھ رہے جس کے لیے اس نے گھر سے بھاگ کر ہمارے خاندان کو رسوا کر دیا تھا۔ جب دو تین بار گھر آنے پر اس طرح اس کی بے عزتی کی گئی تو پھر اس نے گھر آنا چھوڑ دیا۔ ان ہی دنوں میری شادی ہوگئی اور میں امریکہ چلی گئی۔ صاعقہ اس شخص کے ساتھ کیسی زندگی گزارتی رہی ہمیں اس کے بارے میں کبھی کچھ پتا نہیں چلا یا آپ یہ سمجھ لیں کہ ہم نے کبھی پتا چلانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ہم سب اپنی مصروفیات میں گم رہے۔ چار سال کے بعد اب جب میں امریکہ سے واپس پاکستان آئی تو میرا جی چاہا کہ میں صاعقہ سے ملوں کیونکہ وہ میری اکلوتی بہن تھی۔ اس کا پتا کرنے کی کوشش کی تو شاک لگا یہ جان کر کہ تین سال پہلے بچے کی پیدائش کے دوران اس کا انتقال ہوگیا تھا۔ اس کا شوہر انکلیٹ ذلیل انسان تھا اس نے صاعقہ کو صرف اسی لیے اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسایا تھا کہ وہ ایک بڑے گھرانے کی لڑکی تھی اور اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ بھی اونچی سوسائٹی میں شامل ہونے میں کامیاب ہو جائے گا، لیکن جب پاپا کے صاعقہ کو جائیداد سے عاق کر دینے کی وجہ سے اس کے یہ سارے خواب چکنا چور ہوگئے تو اس نے صاعقہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ کوئی مستقل کام نہیں کرتا تھا اور صاعقہ کو مجبور کرتا تھا کہ وہ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے خود کوئی کام کرے۔ پھر جب وہ مختلف کام کر کے روپے لاتی تو وہ اس سے روپے چھین لیتا اور نہ دینے پر اس کی پٹائی کرتا۔ صاعقہ کے مرنے کے بعد اس نے بچے کو خود پالنے کے بجائے بچے کو ہاسپٹل میں ہی چھوڑ دیا۔ مجھے جب یہ ساری معلومات حاصل ہوئیں تو میں اس ہاسپٹل گئی اور وہاں سے مجھے اس یتیم خانے کا پتہ چلا۔ اب میں چاہتی ہوں کہ وہ بچہ مجھے دے دیا جائے۔ وہ ہمارے خاندان کا

ہے میں خود اسے پالوں گی۔ اگر آپ وہ بچہ اس طرح میرے حوالے نہیں کرسکتیں تو پھر میں اسے قانونی طور پر گود لینے کے لیے تیار ہوں۔''

بات کے اختتام تک وہ بہت جوش میں آچکی تھی۔ انچارج نے بڑی ہمدردی سے اس عورت کو دیکھا جس کی آنکھوں میں اس وقت ہلکی ہلکی نمی تیرنے لگی تھی۔

''آپ کی کہانی سن کر بڑا افسوس ہوا لیکن کیا کیا جاسکتا ہے، زندگی ہوتی ہی ایسی ہے میں ریکارڈ سے اس بچے کے بارے میں معلوم کرتی ہوں اگر تو وہ بچہ ابھی یہیں ہوا جو کہ تقریباً ناممکن ہے تو پھر آپ اس بچے کو اپنی تحویل میں لے سکتی ہیں، لیکن اگر وہ بچہ پہلے ہی کوئی دوسرا جوڑا لے جاچکا ہوا تو پھر میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکوں گی۔''

انچارج نے بیل بجاتے ہوئے کہا۔ ایک عورت کمرے کے اندر آئی انچارج نے اسے ریکارڈ لے کر آنے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ عورت ایک بڑا رجسٹر لے کر اندر آئی۔ انچارج نے رجسٹر اس سے لے لیا اور میز پر اسے رکھ کر اس کے صفحے الٹنے لگی۔ اس دوران وہ عورت بڑی بے چینی سے اس رجسٹر کو دیکھے جارہی تھی۔ پانچ دس منٹ کے بعد ایک صفحے پر انچارج کی نظریں ٹک گئیں۔

''جی آپ یہ بتائیں کہ یہ بچہ یہاں کب لایا گیا تھا؟''

انچارج نے اس عورت سے پوچھا۔ اس عورت نے اندازے سے دو تین تاریخیں بتائیں۔ انچارج نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں اس تاریخ کو اس نام کی ایک عورت ایک بچہ لے کر آئی تھی۔ مگر وہ بچہ اب اس یتیم خانہ کی تحویل میں نہیں ہے۔ وہ ایک بے اولاد جوڑے کو تقریباً چھ ماہ پہلے دے دیا گیا ہے۔''

انچارج نے اسی صفحے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ عورت کے چہرے پر یک دم مایوسی لہرائی۔

''کیا آپ مجھے اس جوڑے کا اتا پتا دے سکتے ہیں۔ میں خود ان سے بات کرلوں گی۔'' کچھ سوچنے کے بعد اس عورت نے کہا۔

''نہیں۔ یہ تو کسی صورت نہیں ہوسکتا، یہ ہمارے رولز کے خلاف ہوگا۔ ہم بچہ لینے والوں کے نام اور پتے ہمیشہ راز میں رکھتے ہیں اس لیے ان کے بارے میں تو میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔'' انچارج نے رجسٹر بند کرتے ہوئے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

عالیہ نے مایوسی سے سر ہلایا۔

''دیکھیں آپ بہت ظلم کر رہی ہیں ہمارے خاندان پر بھی اور اس بچے پر بھی۔ ہم لوگ اس غلطی کی تلافی کرنا چاہتے ہیں جو ہم نے صاعقہ کو نظر انداز کر کے کی، لیکن یہ اسی صورت ہوسکتا ہے کہ اگر آپ یہ بچہ واپس دلوانے میں میری مدد کریں اور اگر آپ اس کام میں میری مدد نہیں کرسکتیں تو کم از کم آپ یہ تو کریں کہ مجھے ان لوگوں سے ملوا دیں۔ شاید جو بات میں آپ کو نہیں سمجھا سکی وہ ان کو سمجھا دوں۔''

''میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے کہ مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے مگر میں مجبور ہوں۔ ہمیں کچھ چیزوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جب بھی بچے بے اولاد جوڑوں کو دیے جاتے ہیں تو پوری قانونی کارروائی ہوتی ہے کاغذات تیار کیے جاتے ہیں جنہیں سائن کیا جاتا ہے اور ان ہی کاغذات کی رو سے ہم مجبور ہیں کہ کسی بچے کے اصلی لواحقین کے ملنے کے بعد بھی انہیں بچے کا پتا نہ دیں، لیکن آپ فکر مت کریں۔ بچہ محفوظ ہاتھوں میں ہے، ہم بچے دینے سے پہلے پوری تحقیق کرتے ہیں تب ہی بچے دیتے ہیں۔ آپ کو تو اس کا اچھا مستقبل چاہیے۔ اب وہ چاہے آپ کے پاس رہ کر ہو یا کسی اور کے پاس رہ کر۔ میرا خیال ہے، آپ میرا مطلب اور میری مجبوری سمجھ چکی ہوں گی۔''

انچارج نے بڑے دھیمے لہجے میں اس عورت کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

کچھ دیر تک وہ عورت سرد نظروں سے انچارج کو گھورتی رہی، پھر اس نے ایک بار پھر میز سے اپنا بیگ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا پھر اسے کھول کر اس نے نوٹوں کی دو گڈیاں نکال کر انچارج کے سامنے میز پر رکھ دیں۔ انچارج اس کی اس حرکت پر ہکا بکا رہ گئی۔ اس کی نظریں چند لمحوں کے لیے ان نوٹوں پر جمی رہیں پھر اس نے کچھ الجھے ہوئے انداز میں سامنے بیٹھی ہوئی عورت کو دیکھا جواب بڑے اطمینان سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے کرسی کے بازوؤں پر کہنیاں جمائے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر سرد نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ روپے کس لیے آپ نے میری میز پر رکھے ہیں؟" انچارج کی آواز بہت کھوکھلی تھی۔

"یہ بیس ہزار روپے میں نے آپ کے لیے رکھے ہیں یہ آپ کے ہو سکتے ہیں اگر آپ مجھے اس بچے تک پہنچا دیں۔ آپ نہیں جانتیں اس بچے تک پہنچنا میرے لیے کتنا ضروری ہے۔"

اس عورت نے ایک بار پھر بے تاثر چہرے کے ساتھ انچارج سے کہا۔ اس بار انچارج خاصی گڑبڑائی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ فوری طور پر کیا کرے۔ ایک معمولی سے کام کے عوض اسے بیس ہزار روپے مل رہے تھے اور بیس ہزار روپے اس کے بہت سے مسائل حل کر سکتے تھے۔ وہ کوئی ایماندار عورت نہیں تھی۔ چھوٹی موٹی بے ایمانیاں اور چکر بازیاں کرتی رہتی تھی اور ان کے بدلے چھوٹے موٹے فائدے بھی حاصل کرتی رہی تھی۔ مگر اس بار اسے پہلی مرتبہ اتنا بڑا ہاتھ مارنے کا موقع مل رہا تھا۔

وہ کچھ دیر تک گھبرائی ہوئی چور نظروں سے نوٹوں کو اور اس عورت کو دیکھتی رہی اور پھر وہ جیسے ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔

"دیکھیں، آپ اتنا مجبور کر رہی ہیں تو ٹھیک ہے۔ میں آپ کو ان کا ایڈریس دے دوں گی یا پھر ایک کام اور ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ میں خود ان سے رابطہ کروں اور انہیں آپ کا مسئلہ بتا کر بچہ واپس لینے کی کوشش کروں۔ اس طرح آپ کو کسی پریشانی کے بغیر بچہ واپس مل جائے گا۔" انچارج نے پست آواز میں کہا تھا۔

وہ عورت کچھ دیر تک انچارج کی بات پر غور کرتی رہی پھر یک دم وہ جیسے کسی فیصلہ پر پہنچ گئی۔

"ٹھیک ہے، آپ خود ہی ان لوگوں سے رابطہ کریں اور انہیں پورے مسئلے کے بارے میں بتا دیں۔ اگر تو وہ آرام سے بچہ لوٹانے پر تیار ہو جائیں تو ٹھیک ہے اور اگر وہ بچہ واپس لوٹانے پر تیار نہ ہوں تو آپ انہیں میری طرف سے آفر دیجئے گا کہ وہ جتنی رقم چاہیں لے لیں لیکن یہ بچہ واپس کر دیں۔ ایسی آفر انہیں زندگی میں دوبارہ کبھی نہیں ملے گی۔"

☆☆☆

"کیا بات ہے فاطمہ! کیا ہوا ہے؟ کیوں رو رہی ہو اس طرح؟"

آسیہ اسے اس طرح روتے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ ان دونوں کی دوستی پچھلے چھ سال سے تھی۔ آسیہ بھی اسی اسکول میں پڑھاتی تھی جس میں فاطمہ پڑھاتی تھی مگر شادی کے بعد اس نے پڑھانا چھوڑ دیا۔ اس کا گھر فاطمہ کے گھر کے پاس تھا اور فاطمہ اکثر اس کے پاس جایا کرتی تھی۔ شادی کے بعد بھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ آسیہ کا شوہر دوبئی میں ہوتا تھا اور آسیہ زیادہ تر اپنے میکے ہی میں رہتی تھی۔ فاطمہ جب زیادہ پریشان ہوتی تو اس کے پاس چلی جاتی۔ وہ اس کا حوصلہ بندھاتی اسے تسلیاں دیتی اور فاطمہ کے ڈپریشن کو کم کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

فاطمہ سے دوستی بھی آسیہ نے خود ہی کی تھی، ورنہ فاطمہ نے خود پر ایسا خول چڑھایا ہوا تھا جس کے اندر جھانکنے کی کسی کو ہمت ہی نہیں ہوتی تھی اور جب آسیہ نے ہمت کر کے اس خول کے اندر جھانک لیا تھا تو اسے ایک بدزبان، لڑاکا لڑکی کے بجائے ایک سہمی ہوئی کمزور اور بزدل لڑکی نظر آئی تھی۔ اسکول میں سب ان کی دوستی پر حیران ہوتے تھے کیونکہ فاطمہ تو کسی کو اپنے پاس آنے ہی نہیں دیتی تھی اور اب وہ آسیہ کے آگے پیچھے پھرتی تھی۔

اس واقعہ کے دوسرے دن فاطمہ معمول کے مطابق اسکول گئی تھی اور پھر اسکول سے گھر جانے کے بجائے آسیہ کی طرف آ گئی تھی اور اب وہ بلک کر رو رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے فاطمہ؟ دیکھو میں بہت پریشان ہو گئی ہوں۔ مجھے بتاؤ، کیا ہوا ہے تمہیں۔ گھر میں تو سب خیریت ہے نا؟"

آسیہ واقعی بہت پریشان ہو گئی تھی۔

"دنیا میں سب کچھ ٹھیک ہے بس اگر کوئی ٹھیک نہیں ہے تو میں ٹھیک نہیں ہوں۔ آسیہ! اللہ تعالیٰ مجھ جیسے لوگ کیوں بنا دیتا ہے؟" وہ بلکتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ "دنیا میرے بغیر بھی مکمل تھی۔ میرے نہ ہونے سے بھی کسی کو کوئی فرق نہیں پڑنا تھا پھر مجھے اپنے اور دوسروں کے لیے عذاب بنا کر کیوں بھیج دیا۔"

"فاطمہ! چپ ہو جاؤ کیا ہو گیا ہے۔ کیوں اس طرح کی باتیں کر رہی ہو؟" آسیہ نے اسے چپ کروانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے بولنے دو آسیہ! مجھے کہنے دو۔ میں کہوں گی نہیں تو مر جاؤں گی۔ یہ کوئی زندگی ہے جو میں گزار رہی ہوں۔ سڑک پر پڑا ہوا پتھر تک مجھ سے بہتر ہے۔ وہ کم از کم ٹھوکر کو محسوس تو نہیں کر سکتا اور میں میں کیا ہوں۔ بوجھ، عذاب، مصیبت کس کو فائدہ ہے میرے وجود سے۔ کس کو فائدہ ہے۔ میں نہ اچھی بیٹی ہوں نہ اچھی بہن، نہ اچھی استاد، لوگ میری عزت نہیں کرتے۔ محبت تو دور کی بات ہے مجھ سے ہر کوئی بھاگتا ہے یوں جیسے میں گندگی ہوں، کچرا ہوں، میں کیا بن گئی ہوں آسیہ میں کیا بن گئی ہوں؟"

آسیہ نے پہلی بار اسے اس طرح بے تحاشا روتے دیکھا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔

"کون محبت نہیں کرتا تم سے، سب کرتے ہیں، میں بھی کرتی ہوں۔"

"کوئی نہیں کرتا آسیہ! کوئی نہیں کرتا۔ محبت اس چیز سے کی جاتی ہے جس کی ضرورت ہو۔ میری کسی کو ضرورت نہیں ہے۔ پتا نہیں میں مر کیوں نہیں جاتی۔ میں ختم کیوں نہیں ہو جاتی۔"

آسیہ کو اب اس پر رحم آنے لگا تھا وہ جان چکی تھی کہ کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے ورنہ فاطمہ اس طرح رویا نہیں کرتی تھی۔ وہ اسے بڑی دیر تک تسلی دیتی رہی پھر آہستہ آہستہ فاطمہ نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"میں وہاں نہیں رہنا چاہتی ہوں آسیہ! میں اب کبھی کسی قیمت پر بھی اس گھر میں نہیں رہنا چاہتی ہوں۔ میں وہاں سے چلی جانا چاہتی ہوں۔" وہ ایک ننھے بچے کی طرح اس کا ہاتھ تھام کر کہہ رہی تھی۔

"یہ آسان نہیں ہے فاطمہ! لڑکی ہوتے......"

فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ "میں لڑکی نہیں ہوں آسیہ، میں لڑکی نہیں ہوں۔ میں بتیس سال کی عورت ہوں۔"

"پھر بھی فاطمہ اکیلے رہنا آسان نہیں ہے۔ بتیس سال کی عمر وہ میچورٹی کبھی نہیں لاتی جو ایک اکیلی عورت کو دنیا سے لڑنے کے لیے چاہیے۔" اس نے فاطمہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"مجھے لوگوں کی نظروں اور ٹھوکروں نے بہت میچور کر دیا ہے۔ مجھے اکیلے رہنے میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا اور اگر آئے گا بھی تو میں اسے حل کر لوں گی۔"

"فاطمہ! اس وقت تم جذباتی ہو رہی ہو، شاید غصے میں بھی ہو۔ اس طرح گھر سے چلے جانا آسان کام نہیں ہے۔ اول تو تمہارے گھر والے تمہیں کبھی گھر چھوڑنے ہی نہیں دیں گے اور اگر انہوں نے تمہیں گھر سے جانے دیا تو پھر دوبارہ کبھی وہ تمہیں وہاں نہیں آنے دیں گے۔ تم کیا ساری عمر ان کے بغیر رہ سکتی ہو؟" آسیہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"ہاں میں رہ سکتی ہوں اور میں رہ لوں گی کچھ بھی مشکل نہیں رہے گا سب کچھ آسان ہو جائے گا۔ آسیہ! میں ایک بار پھر سے اپنی زندگی دوبارہ شروع کرنا چاہتی ہوں جو میں اس گھر میں رہ کر نہیں کر سکتی۔ میں ایک اچھے انسان کے طور پر اس دنیا میں رہنا چاہتی ہوں وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ میں ان کو نہیں بدل سکتی مگر خود کو بدل سکتی ہوں اور میں خود کو بدلنا چاہتی ہوں۔ میں ساری عمر اس طرح نہیں گزارنا چاہتی کہ لوگ مجھ سے خوف کھائیں۔ مجھ سے نفرت کریں۔" وہ بے بس ہو کر بولتی رہی۔ آسیہ کو اس پر ترس آنے لگا۔

''فاطمہ! اس طرح اکیلے تم نہیں رہ پاؤ گی، ایک وقت آئے گا جب تم بوڑھی ہو جاؤ گی پھر تمہیں یہ سب رشتے یاد آئیں گے۔ ان کی ضرورت پڑے گی پھر تم کیا کرو گی۔ محتاج بن کر زندگی کیسے گزارو گی۔ بڑھاپے میں کیا کرو گی۔''

''میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ میں بڑھاپے میں اکیلی نہیں رہوں گی میں ایک بچہ گود لے لوں گی۔ اسے پالوں گی۔ وہ میرا سہارا بنے گا۔''

آسیہ اس کی بات پر دم بخود رہ گئی تھی۔ ''تم پاگل ہو گئی ہو فاطمہ! کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا ایسا ممکن ہے؟''

''کیوں ممکن نہیں ہے، کیا لوگ بچے گود نہیں لیتے۔''

''لیتے ہیں لیکن تم شادی شدہ نہیں ہو۔ تمہارا کوئی گھر بار نہیں ہے پھر تم عورت ہو بچہ کیسے گود لو گی اور کیسے پالو گی۔''

''میں پال لوں گی۔ میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے ہر چیز طے کر لی ہے۔'' فاطمہ کا لہجہ قطعی تھا۔

''فاطمہ! تم جس امید پر بچہ گود لینے کا سوچ رہی ہو۔ ضروری نہیں کہ وہ پوری بھی ہو۔ اپنا خون اپنا ہی ہوتا ہے یہ گود لیے بچے زندگی میں کسی کام نہیں آتے ان کا خون کا رشتہ نہیں ہوتا ہے اس لیے یہ اپنے والدین کی خواہشات کی پروا نہیں کرتے۔ بڑی آسانی سے ماں باپ کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ تمہارے ساتھ اگر ایسا ہوا تو تم کیا کرو گی؟'' آسیہ اسے حقیقت پسندانہ طریقے سے سمجھا رہی تھی۔

''نہیں چھوڑے گا۔ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا اور اگر چھوڑے گا تو بھی کیا ہوگا۔ اگر خون کے رشتوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے تو اس کے چھوڑنے سے کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ مگر آسیہ! میں تم سے کہتی ہوں۔ میری بات یاد رکھنا، میرا بیٹا کبھی مجھے نہیں چھوڑے گا۔''

آسیہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ وہ تو جیسے سب کچھ طے کر کے آئی تھی پھر بہت دیر تک دونوں میں اسی موضوع پر بحث ہوتی رہی مگر کوئی حل نہیں نکلا۔ آسیہ اب بھی اسے سمجھا رہی تھی مگر وہ سمجھنے پر تیار نہیں تھی۔ سہ پہر کو وہ گھر چلی گئی۔ جانے سے پہلے وہ آسیہ سے ایک مطالبہ کر گئی تھی اور اس مطالبے نے آسیہ کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ آسیہ اسے کوئی بچہ گود لے دے اور آسیہ کو یہ کام پہاڑ جتنا بڑا لگ رہا تھا۔ چند دنوں تک اس کا شوہر باہر سے آنے والا تھا اور وہ اب اس الجھن میں گرفتار ہو گئی تھی کہ اس سے بات کیسے کرے گی۔ یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔

فاطمہ خود کوئی بچہ گود نہیں لے سکتی تھی کیونکہ وہ شادی شدہ نہیں تھی اور نہ ہی اسے اپنی فیملی کی سپورٹ حاصل تھی۔ یتیم خانے والے بہت سے اعتراضات کرتے اور فاطمہ ان سب اعتراضات کے جواب نہیں دے سکتی تھی۔ اس لیے اس سلسلے میں اس نے آسیہ سے مدد مانگی تھی کیونکہ اگر آسیہ اور اس کا شوہر یتیم خانے سے بچہ گود لینے کی کوشش کرتے تو انہیں آسانی سے بچہ مل جاتا۔ مگر فاطمہ یہ سب جتنا آسان سمجھ رہی تھی یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔

☆☆☆

''بس تو بھائی صاحب! ہم اگلے ہفتے بچوں کی منگنی کر دیتے ہیں تاکہ خاندان میں سب کو علم ہو جائے۔'' منصور علی نے بڑے پرجوش انداز میں کہا اور مسعود علی نے اس کی بات پر سر ہلا دیا۔

پاکستان آنے کے دوسرے ہی دن منصور علی نے اپنے بڑے بھائی اور بھابھی سے ان رشتوں کی بات کی تھی اور مسعود علی اور شبانہ کے دل میں جیسے لڈو پھوٹ پڑے تھے۔ سونے کی چڑیا ان کی کسی کوشش کے بغیر ہی ان کے ہاتھ آ گئی تھی انہوں نے بغیر کسی پس و پیش کے یہ رشتے قبول کر لیے تھے اور اس بات نے جہاں خود انہیں اور شبانہ کو خوش کیا تھا وہاں منصور علی اور منیزہ بھی بہت مسرور ہو گئے تھے اور اب وہ چاروں منگنی کے فنکشن کو طے کر رہے تھے۔

''تم نہیں جانتے منصور! تم نے میری کتنی بڑی خواہش پوری کر دی ہے۔'' مسعود علی نے بڑی ممنونیت سے منصور سے کہا تھا۔

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی صاحب! یہ صرف آپ کی ہی نہیں ہماری بھی خواہش تھی بلکہ یہ تو ہماری خوش قسمتی

ہے کہ آپ نے ہماری بات مان لی ہمیں مایوس نہیں کیا۔'' منصور علی نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔

''منصور بھائی! خوش قسمتی تو یہ ہماری ہوگی کہ ہمارے گھر امبر اور صبغہ بہو بن کر آئیں گی۔ ہمارا رشتہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔'' اس بار شبانہ نے منصور کی بات کے جواب میں کہا تھا۔ منیزہ اور منصور دونوں شبانہ کی بات پر مسکرانے لگے۔

ایک ہفتے بعد بڑی دھوم دھام سے منگنی کی رسم ادا کی گئی تھی۔ منصور اور منیزہ نے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا تھا۔ وہ جب بھی پاکستان آتے تو دو چار دعوتوں کا اہتمام ضرور کرتے تھے اور ان دعوتوں پر وہ پیسہ پانی کی طرح بہاتے تھے۔ اگر عام دعوتوں پر وہ اس طرح روپیہ خرچ کر سکتے تھے تو اپنی بیٹیوں کے لیے تو وہ اس سے بھی آگے بڑھ سکتے تھے۔ روپیہ خرچ کرنے میں مسعود علی نے بھی کنجوسی نہیں کی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ سب کچھ جو وہ خرچ کریں گے یہ فیوچر انویسٹمنٹ ہوگی انہیں منصور علی سے اس کے بدلے بہت کچھ حاصل کرنا تھا۔ اس لیے انہوں نے بھی آنکھ بند کر کے روپیہ خرچ کیا تھا۔ صبغہ اور امبر کی منگنی کے لیے جو ملبوسات تیار کیے گئے تھے۔ ان پر سونے کے تاروں سے کام کروایا گیا تھا۔ حتیٰ کہ کھسوں پر بھی تلے کے بجائے سونے اور چاندی کے تاروں کا ہی کام کروایا گیا تھا۔ وہ ان دونوں کے لیے سونے کے بجائے ہیرے کے سیٹ لے کر گئے تھے۔ اس کے بدلے میں منصور علی نے دونوں لڑکوں کو ایک ایک لاکھ روپیہ دیا تھا اور شبانہ کو بیس تولے کے کنگن دیئے تھے۔ ان کے خاندان میں نسبت اور شادی اسی دھوم دھڑکے سے کی جاتی تھی اور روپیہ بھی اسی طرح لٹایا جاتا تھا مگر اس کے باوجود پورا خاندان ان دو نسبتوں سے بہت مرعوب ہو گیا تھا۔ ہر ایک کو ان چاروں بچوں کی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔

☆☆☆

''اسد کہاں ہے؟'' ہارون کمال کو بریف کیس رکھتے ہوئے اچانک اس کا خیال آیا۔ ''وہ آیا کے پاس ہے ابھی سو کر اٹھا ہے۔ آیا اسے فیڈ کرا رہی ہے۔''

شائستہ نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھے ہوئے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ایک اور تہہ جماتے ہوئے کہا۔

''اب بخار ٹھیک ہو گیا ہے اس کا؟'' اس نے شرٹ کے کف کھولتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔ اب بخار اتر گیا ہے۔ آیا بتا رہی تھی صبح کافی دیر تک روتا رہا دودھ بھی نہیں پی رہا تھا۔ اس وقت بخار بھی تیز تھا لیکن سہ پہر تک اس کا بخار بھی اتر گیا اور دودھ پینے کے بعد وہ خاموشی سے سو گیا۔ میں نے کلب سے دو تین بار فون کر کے آیا سے اس کے بارے میں پوچھا جب اس کی طبیعت سنبھلی تب ہی میں نے تاش کھیلنا شروع کیا ورنہ پہلے تو میرا دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ بہت فکر مند تھی میں۔''

شائستہ اب پرفیوم لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''پہلے تو میرا دل چاہا میں کلب سے واپس آ جاؤں لیکن بس پھر پتا ہی نہیں چلا۔ وقت کیسے گزر گیا۔ ویسے بھی آج کلب میں ممبرز کی میٹنگ تھی ورنہ میں شاید نہ جاتی۔''

اس نے پرفیوم رکھتے ہوئے کہا۔ ''کیوں بھئی یہ جذباتیت کہاں سے آ گئی ہے تم میں، ٹھیک ہے اسد کو بخار تھا مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مڈل کلاس عورتوں کی طرح اس کے پاس بیٹھ جاؤ۔ اپنی باقی مصروفیات کو نظر انداز کر دو۔''

ہارون کمال نے شوز کے تسمے کھولتے ہوئے اس سے کہا۔

''نہیں، میں جذباتی تو نہیں ہو رہی بس ایسے ہی مجھے اس کا خیال آ رہا تھا اور میں نے اس کے لیے کون سے کام چھوڑ دیئے ہیں، میں اپنے کاموں میں مصروف رہی تھی۔''

اس نے جیسے ہارون کمال کو وضاحت دی۔ وہ شوز کھولنے میں مصروف رہا۔

''شائستہ! بچوں کو ویسے بھی خود سے کچھ دور ہی رکھنا چاہیے۔ ماں یا باپ کی زیادہ توجہ انہیں خراب کر دیتی ہے۔ میں نے اسی لیے اسد کے لیے شروع سے آیا کا انتظام کر دیا ہے تاکہ تمہیں اس کی کوئی ذمہ داری نہ اٹھانی پڑے اور تم بے فکر ہو کر زندگی کو میرے ساتھ انجوائے کر سکو۔''

ہارون کمال نے اس سے کہا۔ وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ اسے ہارون کی کسی بات پر اعتراض نہیں تھا۔ وہ اس کی باتوں کو نہ صرف دل سے مانتی تھی بلکہ ان پر عمل بھی کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بڑے انہماک سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''تم دیکھو۔ میرے پاپا نے ہمیشہ مجھے خود سے کچھ فاصلے پر رکھا اور اس فاصلے نے مجھے بہت مضبوط بنا دیا۔ تم خود دیکھ لو میں زندگی میں کتنا کامیاب ہوں اور میں چاہتا ہوں۔ یہی کامیابی میرے بیٹے کے حصے میں بھی آئے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب تم میری بات مان کر اسی طرح کرو جیسا میں چاہتا ہوں'' وہ آہستہ آہستہ ایک بار پھر اس کی برین واشنگ کر رہا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کیا میں تمہاری باتوں پر عمل نہیں کرتی؟'' اس نے یک دم ہارون کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں خیر میں نے یہ تو نہیں کہا۔ تم بات مانتی ہو، یہی تو...... خوبی ہے تم میں۔ تم بحث نہیں کرتی ہو اور مجھے بحث کرنے والی عورتیں زہر لگتی ہیں۔ مرد کی بات ہر صورت میں ماننی چاہیے۔ وہ چاہے صحیح کہہ رہا ہو یا غلط عورت کو اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔ اس پر کوئی پابندی لگانی چاہیے نہ اس کی کسی بات سے انکار کرنا چاہیے تم جانتی ہو شائستہ! یہ مڈل کلاس کی عورت کیوں اپنے شوہر کے دل میں کبھی جگہ نہیں بنا سکتی۔ صرف اس لیے کہ اس کلاس کی عورت بحث بہت کرتی ہے، بہت ویلیوز لے کر چلتی ہے، مرد کو اخلاقیات سکھانا چاہتی ہے، تم تصور کر سکتی ہو۔ آدمی کو بتانا چاہتی ہے کہ انہیں کیسی زندگی گزارنا چاہیے۔ گھر کے اندر کس طرح رہنا چاہیے اور باہر کس طرح رہنا چاہیے۔ مرد کو ان گھسے پٹے طور طریقوں کی ضرورت ہوتی ہے نہ ہی اس فرسودہ قسم کی اخلاقیات کی۔ آج کی دنیا میں یہ دسویں صدی کی اخلاقیات مرد کو باندھ نہیں سکتیں۔''

وہ ایک بار پھر بات کرتے کرتے اس موضوع پر بولنے لگا تھا جس پر وہ اکثر بولتا تھا۔ شائستہ بہت غور سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ وہ سمجھنا چاہ رہی تھی۔ وہ اب اور کیا چاہتا ہے اور کون سی آزادی اسے درکار ہے؟ وہ اپنی باتوں سے ہمیشہ اسے چپ کرا دیا کرتا تھا۔ اسے وکیل کے ساتھ بات کرنی آتی تھی اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی شائستہ کمال جو اس کے عشق میں گرفتار تھی۔ وہ وہی کرتی جو وہ اسے کہتا۔

''پتا نہیں کیوں لیکن ہارون! بعض دفعہ مجھے لگتا ہے کہ تم مجھ سے خوش نہیں ہو، تمہیں مجھ میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور نظر آئی ہے جسے تم ہر وقت ختم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔''

اس نے بہت عجیب سے انداز میں ہارون سے کہا تھا۔ وہ جواباً ایک گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''مجھے اگر تم میں کوئی کمی نظر آتی تو میں تمہیں چھوڑ دیتا۔ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو کمیوں اور خامیوں کے ساتھ گزارا کرتے ہیں میں Perfectionist ہوں اور مجھے ہر چیز ہی پرفیکٹ چاہیے وہ چائے کا ایک کپ ہو یا بیوی۔ میں بہترین سے کم پر کمپرومائز کرنے والا نہیں ہوں۔ تم اب تک میرے ساتھ میری بیوی کی حیثیت سے ہو تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مجھے تم میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ میں نے تمہیں اپنی زندگی میں بہت سوچ سمجھ کر شامل کیا تھا یہ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں تھا۔ اس لیے تم اپنے ذہن سے ایسے احمقانہ اور فضول سوالات نکال دو۔ یہ سب کچھ جو تمہیں بتاتا رہتا ہوں یہ تمہارے ہی فائدے کے لیے ہے۔ کیا پراپر رہنمائی کے بغیر تم زندگی گزار لو گی اور وہ بھی میرے جیسے Perfectionist کے ساتھ؟ نہیں ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی لیے میں تمہیں گائیڈ لائنز دیتا رہتا ہوں تاکہ تمہیں یاد رہے کہ ہارون کمال کی بیوی کو کیسا ہونا چاہیے اور کیسی زندگی گزارنی چاہیے۔ میں چاہتا ہوں تم بھی میری طرح، ہارون کمال کی طرح سوچو زندگی کو صرف بسر نہ کرو بلکہ اسے جیو۔''

وہ اب صوفے پر بیٹھ کر بڑی سنجیدگی سے اسے یہ سب سمجھا رہا تھا۔ وہ پہلے کی طرح خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اب اس کا سنگھار جو کچھ دیر پہلے جاری تھا رک گیا تھا۔

''مجھے تو دیر ہو رہی ہے۔ میں بھی اس وقت کس ٹاپک کو لے کر بیٹھ گیا۔ اس پر تو کبھی بھی لمبی بحث ہو سکتی ہے۔ اس وقت تو ہمیں پہنچنا ہے دعوت کے لیے۔ کیا تم تیار ہو؟''

بات کرتے کرتے اس نے گھڑی دیکھی تھی اور یک دم جیسے اسے ہوش آ گیا تھا۔

''ہاں میں تو تقریباً تیار ہوں بس تمہیں ہی کپڑے بدلنے ہیں۔'' شائستہ نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے دیکھ کر اس سے کچھ اور نہیں کہا تھا بلکہ خود بھی بڑی صفائی سے بات بدل دی تھی۔ وہ اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔

☆☆☆

اس نے دروازے پر دوسری بار دستک دی۔ اس بار پہلے کی طرح اسے انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دروازے کی دوسری جانب اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ پھر وہ چاپ دروازے کے پاس آ گئی اور کسی نے دروازہ کھول دیا، دروازہ کھولنے والی عورت نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''یہ اظہر منور کا گھر ہے؟'' اس نے دروازہ کھلتے ہی پوچھا تھا۔ دروازہ کھولنے والی عورت نے کچھ الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''نہیں جی، یہ اظہر منور کا گھر تو نہیں ہے۔''

وہ اس جواب پر کچھ چونکی تھی، پھر اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذ پر ایک اور نظر دوڑائی اور پھر نیم پلیٹ کو دیکھا۔

''آپ اس کاغذ کو دیکھ کر بتائیں کیا یہ اسی گھر کا ایڈریس ہے؟''

اس نے دروازہ کھولنے والی عورت کی طرف ہاتھ میں پکڑا ہوا وہ کاغذ بڑھا دیا۔ اس عورت نے کچھ جھجکتے ہوئے وہ کاغذ پکڑ لیا۔ کچھ دیر وہ کاغذ پر نظریں دوڑاتی رہی، پھر اس نے کاغذ دوبارہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ اسی گھر کا ایڈریس ہے لیکن یہاں کوئی اظہر منور نہیں رہتے۔ ہاں ہو سکتا ہے پہلے رہتے ہوں۔ آپ کو یہ ایڈریس کب دیا گیا؟''

اس عورت نے پوچھا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

''تقریباً سات آٹھ ماہ پہلے۔''

''ہاں پھر تو ٹھیک ہے، ہم نے یہ مکان تقریباً چار ماہ پہلے خریدا ہے۔ مجھے تو اس کے پہلے مالک مکان کا پتا نہیں لیکن میرے شوہر کو ان کے نام کا ضرور پتہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہی اظہر منور ہوں۔''

اس عورت نے اس بار تفصیل سے کہا تھا۔ وہ کچھ پریشان ہو گئی۔

''آپ کے پاس ان صاحب کا نیا پتا ہوگا؟''

''دیکھیں جی، میں نے آپ کو بتایا ہے ناکہ مجھے تو ان کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے، ہاں میرے شوہر کو ضرور پتا ہوگا۔ ہاں بس یہ یاد ہے کہ وہ لوگ مکان بیچ کر باہر چلے گئے تھے، لیکن آپ ٹھہریں۔ میں اپنے شوہر سے پوچھ کر آتی ہوں۔''

وہ عورت بات کرتے کرتے کچھ یاد آنے پر اندر چلی گئی تھی۔ وہ پریشانی اور اضطراب کے عالم میں وہیں کھڑی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ عورت دوبارہ نمودار ہوئی تھی مگر اس بار اس کے ساتھ اس کا شوہر بھی تھا۔ رسمی سلام دعا کے بعد اس نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

''ہاں رافعہ مجھے بتا رہی تھی۔ جن صاحب سے میں نے یہ گھر خریدا ہے ان کا نام اظہر منور ہی تھا لیکن مجھے ان کے گھر کا پتا نہیں ہے ایک دوست کے ذریعے میں نے ان سے یہ گھر خریدا تھا۔ ویسے یہ مجھے پتا ہے کہ وہ یہ گھر بیچ کر دوبئی چلے گئے تھے، وہ آئے بھی باہر سے ہی تھے۔''

اس آدمی نے تفصیل سے اسے بتایا تھا وہ اب واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

''آپ مجھے اس دوست کے پاس لے کر جا سکتے ہیں؟'' اس نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد پوچھا۔

''آپ کس لیے اظہر منور سے ملنا چاہتی ہیں؟'' اس آدمی نے عقابی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ کچھ دیر گومگو کے عالم میں رہی اور پھر اس نے بولنا شروع کر دیا۔

''انہوں نے ہمارے یتیم خانے سے ایک بچہ گود لیا تھا، مجھے اسی سلسلے میں ان سے ملنا تھا، کیا آپ مجھے اس دوست کے

پاس لے کر جا سکتے ہیں؟" اس نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں آپ کو ضرور لے جاتا، لیکن تقریباً دو ماہ پہلے کار کے ایک حادثے میں میرے دوست کا انتقال ہو گیا۔"

وہ کچھ دیر اس آدمی کے چہرے کو دیکھتی رہی جواب کچھ افسردہ نظر آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، آپ کا بہت بہت شکریہ۔" اس نے کہا اور پھر واپس مڑ گئی۔

وہ آدمی اور اس کی بیوی کچھ دیر تک اسے جاتا دیکھتے رہے پھر دروازہ بند کر کے اندر چلے آئے۔

"تم دھیان رکھنا۔ ہو سکتا ہے یہ یا یتیم خانے سے کوئی اور دوبارہ اظہر کا پتا پوچھنے آئے، تو وہی کہنا جو میں نے کہا ہے بھی بھولے سے بھی اظہر کے بارے میں کچھ مت بتانا۔"

اس آدمی نے اندر جاتے ہی اپنی بیوی کو ہدایات دی تھیں۔ اس عورت نے سر ہلا دیا۔

"اور گھر میں باقی سب کو بھی کہہ دینا ایک بار پھر سے۔" اس آدمی کو تھوڑی دیر بعد یاد آیا۔

"آپ فکر نہ کریں، کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا میں سب کو کہہ دوں گی وہ محتاط رہیں گے۔ ویسے اگر اظہر کے بارے میں ان کو پتا چل بھی گیا تو یہ کیا کر سکتے ہیں۔ وہ تو واقعی باہر ہے، اب کیا یہ اس کے پیچھے باہر جائیں گے؟" وہ عورت کہہ رہی تھی۔

"ابھی یہ تو مجھے پتا نہیں لیکن تم محتاط رہنا، کہیں اور سے انہیں اظہر کے ایڈریس کا پتا چلے یا نہ چلے لیکن یہاں سے نہیں پتا چلنا چاہیے، اس بے وقوف آدمی کو پتا نہیں ایسی حماقت کرنے کا شوق کیسے پیدا ہو گیا۔ اچھا بھلا زندگی گزار رہا تھا مگر پتا نہیں کیسے اس فضول کام میں کود پڑا۔" اس آدمی نے کچھ تشویش سے کہا تھا۔

"بس جب دماغ خراب ہو جاتا ہے تو بندہ ایسے ہی کام کرتا ہے۔ اظہر کا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے، خوامخواہ مصیبتیں گلے ڈال کر بیٹھ جاتا ہے، اس قسم کی نیکیوں کے نتائج ہمیشہ برے ہی ہوتے ہیں۔ خیر اب ہو کیا سکتا ہے اس نے کون سا ہماری بات مانی ہے۔"

وہ عورت آہستہ آہستہ بڑبڑا رہی تھی۔

☆☆☆

"پھر کیا کیا آپ نے میرے کام کے بارے میں؟" وہ عورت ایک ہفتہ بعد دوبارہ یتیم خانے آئی اور اس نے آتے ہی بغیر کسی تمہید کے انچارج سے پوچھنا شروع کر دیا تھا۔

"پچھلے ایک ہفتہ سے آپ کے کام کے سلسلے میں ہی مصروف رہی تھی۔"

انچارج نے کہنا شروع کیا پہلی ملاقات کی طرح آج بھی اس کی آواز میں مرعوبیت تھی مگر اس مرعوبیت کے ساتھ عاجزی کا بھی اضافہ ہو چکا تھا۔ بیس ہزار لینے کے بعد آواز اور لہجہ میں ایسی عاجزی اس پر لازم تھی۔

"میں نے اس آدمی کے دیئے ہوئے پتے پر خود جا کر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ آدمی اپنا گھر بیچ کر جا چکا ہے۔"

اس کے جملے پر وہ عورت یک بیک اپنی کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی اس کی آنکھوں اور چہرے پر اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔

"اس گھر کا نیا مالک اس کے پتے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ وہ باہر جا چکا ہے، دوہی اس نے یہ مکان اپنے جس دوست کے ذریعے خریدا تھا۔ وہ دوست دو ماہ پہلے کار کے ایک حادثہ میں انتقال کر گیا۔ اس لیے ظاہر ہے وہ بھی مجھے اظہر منور تک نہیں پہنچا سکا۔ وہاں سے مایوس ہونے کے بعد میں اس وکیل کے پاس گئی جس نے ساری قانونی کارروائی پوری کی تھی مگر وہ بھی اظہر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اظہر نے اسے صرف اس مقصد کے لیے ہی ہائر کیا تھا۔ جن لوگوں نے گارنٹی دی تھی اور سائن کیے تھے ان پیپرز پر گارنٹرز کے طور پر ان کا انتظام بھی اس وکیل نے ہی کیا تھا اور وہ بھی اظہر کے بارے

میں کچھ نہیں بتا سکے۔"

انچارج نے دھیمی آواز میں شرمندگی کے تاثرات کے ساتھ پورا قصہ اس عورت کو سنا دیا۔ اس عورت کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"تو اب آپ کیا کر رہے ہیں میرے بھانجے کے لیے؟" اس نے تیز آواز میں انچارج سے کہا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں، اگر وہ پاکستان میں ہوتا تو شاید اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ مگر اب تو وہ ملک سے باہر ہے۔ ایسی صورت حال میں ہم اس سے رابطہ کیسے کر سکتے ہیں۔" انچارج نے اپنی مجبوری کو جتا دیا۔

"آپ کا مطلب ہے۔ مجھے اپنے ذہن سے اپنے بھانجے کا خیال نکال دینا چاہیے، یہی کہنا چاہ رہی ہیں نا آپ؟" وہ عورت بگڑے تیوروں کے ساتھ اب اسے گھور رہی تھی۔

"دیکھیں، میں کیا کہہ سکتی ہوں میرے بس میں جو کچھ تھا۔ وہ میں کر چکی ہوں۔ اب اور کیا کر سکتی ہوں۔" انچارج نے ایک بار پھر اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"میں اپنے بھانجے کو نہیں بھول سکتی وہ میری بہن کی واحد نشانی ہے اور آپ لوگوں نے لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بات کی پروا نہیں کی کہ اس کی خبر گیری کرتے رہتے۔ کیا اس طرح بچے بانٹتے پھرتے ہیں آپ۔"

اس بار انچارج کو اس کا لہجہ قدرے تلخ لگا۔

"آپ ایک فضول ضد کر رہی ہیں، آپ یہ یقین رکھیں کہ وہ ایک بہت اچھے خاندان کے پاس ہے اگر آپ اس لیے اس کی واپسی پر اصرار کر رہی ہیں کہ کہیں اس کی پرورش اچھی نہ ہو تو آپ تسلی رکھیں۔ ہم بہت چھان پھٹک کر بچے دیتے ہیں اور جن لوگوں کو بچے دیتے ہیں وہ ان کی بہت اچھی طرح دیکھ بھال کرتے ہیں اور یہاں تو مسئلہ یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو ڈھونڈ نہیں پا رہے۔ جنہوں نے بچہ لیا ہے پھر آپ کس طرح اس بچے کو واپس لے سکتی ہیں اس لیے میرا مشورہ تو یہی ہے کہ آپ اس بچے کی تلاش کا کام ختم کر دیں اور اسے وہیں پلنے دیں جہاں وہ ہے۔"

اس بار انچارج کی بات پر وہ عورت چپ رہی تھی۔ کافی دیر تک کچھ کہے بغیر وہ اضطراب کے عالم میں چاروں طرف نظریں دوڑاتی رہی پھر یک دم اٹھی اور کچھ کہے بغیر اس آفس سے نکلنے لگی۔ انچارج نے آواز دے کر اسے روکا۔

"آپ یہ روپے تو لے لیں۔ میں آپ کی مدد نہیں کر سکی۔"

اس عورت نے پیچھے مڑے بغیر ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے میں دی جانے والی چیزیں واپس نہیں لیا کرتی۔"

وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ انچارج حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"اماں! میری شادی کی تاریخ طے مت کریں، میں گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔"

اس نے بڑے سکون سے صور پھونکا۔ اس کی ماں اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔ پچھلے بتیس سالوں میں پہلی بار انہوں نے اس کے چہرے پر بے تحاشا سکون دیکھا تھا۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے ایک بار پھر دورہ پڑ گیا ہے تجھے؟" اس کی ماں حسب عادت چلائی۔

"نہیں اماں! کوئی دورہ نہیں پڑا نہ ہی میں پاگل ہوئی ہوں ہاں یہاں کچھ دن اور رہی تو پاگل ضرور ہو جاؤں گی۔"

"تیری زبان ایک بار پھر چلنے لگی ہے۔" اس کی ماں نے تپ کر اس سے کہا۔

"نہیں اماں! اب کچھ نہیں چلے گی۔ نہ زبان نہ کچھ اور، ان چیزوں کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ آپ کو اب مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔" وہ سنجیدگی اور تحمل سے بولی۔

"تو چاہتی ہے۔ ایک بار پھر بھائی ہاتھ اٹھائے، پورے گھر کے سامنے تیری بے عزتی کرے۔" اس کی ماں نے اسے

سمجھانے کی کوشش کی۔

"بھائی نے ہی مجھے حق دیا تھا کہ میں چاہوں تو شادی کرلوں اور اگر یہ نہ کروں تو پھر گھر چھوڑ دوں اور میں گھر چھوڑ رہی ہوں۔ یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔" وہ اسی سنجیدگی سے بولی۔

"کاش فاطمہ! تو میرے گھر پیدا ہی نہ ہوتی یا اللہ کرے تو اب ہی مر جائے۔ اب کتنا ذلیل کرے گی مجھے، کتنا خوار کرے گی اپنے پیچھے۔ تماشا بنا کے رکھ دیا ہے تو نے اس گھر کو، ہم لوگوں کو۔"

"تماشا تو اماں آپ نے بنا دیا ہے مجھے۔ میری کب خواہش تھی کہ میں پیدا ہوتی۔ میرا بس چلتا تو میں کبھی اس دنیا میں نہ آتی۔ یہاں میرے لیے رکھا ہی کیا ہے۔ لعنتیں، ملامتیں، نفرتیں میرا دل چاہتا ہے اماں! میرے پاس کوئی ایسی چیز آجائے جس سے میں اور کسی کو نہیں بس تمہیں خوش کر دوں۔ ایک بار تو تمہارے لیے کچھ ایسا کروں کہ تم میرے لئے بددعا نہ کرو۔ بھول کر غلطی سے مجھے دعا دے دو اسی طرح، جس طرح باقی سب کو دیتی ہو، مگر اللہ میری خواہش کہاں پوری کرتا ہے۔ مجھے تو ترسنے کے لیے بھیجا ہے اس نے۔ پر اماں کبھی تو سوچو اللہ نے تو میرے ساتھ جو کیا ہے۔ وہ کیا ہے تم لوگ کیوں مجھ پر ترس نہیں کھاتے۔ میرے جیسے بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ دنیا میں معذور، بدصورت، بدقسمت، محتاج پر ان سے طرح کوئی نفرت تو نہیں کرتا۔ جس طرح تم لوگ مجھ سے کرتے ہو۔ میں تو کچھ مانگتی نہیں ہوں تم سے، پھر بھی میرا وجود تم لوگوں کی نظروں میں کھٹکتا ہے۔ میرا مذاق اڑاتے ہو۔ مجھ پر ہنستے ہو مجھے منحوس کہتے ہو، بلا کہتے ہو، اب اگر تم لوگوں کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں تو بھی خوش نہیں ہو۔ مجھے بتاؤ اماں! میں کیا کروں کہ تم لوگوں کو میرا کوئی کام کوئی چیز پسند آجائے۔"

وہ آج کسی اور ہی لہجے میں بات کر رہی تھی۔ آج آواز بھی بھلی تھی۔ لہجہ بھی شکست خوردہ تھا۔ کندھے بھی جھکے ہوئے تھے۔ آج اس میں کچھ بھی فاطمہ والا نہ تھا آج وہ کوئی اور تھی۔

"میں تیری بکواس سننا نہیں چاہتی ہوں۔ بس تجھے جو کہا ہے وہی کر۔"

اس کی ماں کو کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی تھی وہ اب بھی بیزار تھی۔

"کہاں! جہاں مجھے بیاہنا چاہتی ہو، وہ کیا تم لوگوں سے بہتر ہوں گے۔ میرے قد، میری رنگت، میری شکل، میری معذوری کو نہیں دیکھیں گے؟ طعنے نہیں دیں گے؟ مذاق نہیں اڑائیں گے؟ ہنسیں گے نہیں؟ میں بہت ذلیل، بہت رسوا ہو چکی ہوں اماں اور رسوا مت کرواؤ، مجھے زندگی گزارنے دو، ویسے جیسے گزر رہی ہے، جیسے میں گزارنا چاہتی ہوں۔ مجھے سرکس کا جانور مت بناؤ۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ تماشا بننے کے لیے مت بھیجو۔" وہ اب رونے لگی۔

"یہ آنسو میرے سامنے مت بہا، مجھ پہ ان کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ میں تیرے ڈراموں سے اچھی طرح واقف ہوں، میرے سامنے اپنی چالبازیاں چھوڑ دے۔"

اس کی ماں تلخی سے بولی۔

اس بار وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ چند لمحے اپنی ماں کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے اپنی الماری میں سے اپنی چیزیں نکالنا شروع کر دیں تھیں۔ اس کی ماں نے ایک بار پھر بولنا شروع کر دیا۔ مسلسل بولنے کے باوجود کوئی جواب نہ پا کر اس کی اماں ڈر گئی تھی اور پھر کمرے سے نکل گئی۔ وہ اس کی غیر موجودگی میں اپنی چیزوں کو بیگ میں رکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی ماں اپنی بہو کو لے کر اس کے کمرے میں گئی۔

"یہ کیا تماشا شروع کر دیا ہے تم نے؟ کہاں جانا چاہتی ہو تم؟" اس کی بھابھی نے اندر داخل ہوتے ہی اس سے کہا۔

"بھائی نے ہی کہا تھا کہ اگر میں یہ رشتہ قبول نہیں کرتی تو پھر یہاں سے چلی جاؤں۔ اب میں جا رہی ہوں۔" اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"لیکن تم جا کہاں رہی ہو، اس طرح منہ اٹھا کے؟"

"میں جہاں بھی جا رہی ہوں۔ وہ اچھی جگہ ہے، آپ پریشان نہ ہوں۔" وہ اسی طرح تھی۔

"تم جانتی ہو کہ تمہارے اس طرح جانے سے ہماری کتنی بدنامی ہوگی۔ لوگ پہلے ہی تمہارے بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں، اب ان کی زبان اور بھی زہریلی ہو جائے گی۔" اس کی ماں کو پہلی دفعہ صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔

"لوگوں کو باتیں کرنے دیں باتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ میں ساری عمر کسی حجرے میں بھی بیٹھی رہوں تب بھی وہ میرے بارے میں کوئی اچھی بات نہیں کریں گے۔"

"تم لڑکی ہو، کوئی مرد نہیں ہو اس طرح اکیلے کہاں جاؤ گی، کہاں رہو گی۔ دنیا بہت خراب ہے۔"

وہ ماں کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ "اماں میں لڑکی ہوں لیکن سولہ سال کی نہیں بتیس سال کی۔ مجھے لوگوں سے ڈر لگتا ہے نہ دنیا سے۔ میں اکیلی رہ لوں گی۔"

"تیرا بھائی تجھے اس طرح جانے نہیں دے گا۔" اس کی ماں نے کہا۔

وہ ہلکے سے ہنس دی۔

"وہ کچھ نہیں کہے گا اماں! وہ تو شکر کرے گا اس کے سر سے بوجھ اتر جائے گا۔ ایک کمرہ اور مل جائے گا اس کے بچوں کے رہنے کے لیے، میرے جیسی بلا کا چہرہ نہیں دیکھنا پڑے گا اسے ہر روز، گھر میں میری وجہ سے روز روز ہونے والے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ ہر ایک کو سکون مل جائے گا۔"

اس کی آواز میں اب کوئی شیشہ ترخنے لگا تھا۔ وہ ایک بار پھر اپنا سامان پیک کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اس کی بھابھی اور ماں دیر تک اس پر لعنت و ملامت کے ڈونگرے برساتی بھیجتی رہیں مگر وہ زندگی میں پہلی دفعہ بڑی خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہی پھر تیار ہونے کے بعد وہ جب باہر کے دروازے تک آئی تو اندر سے بھابھی اور اس کی ماں کی بلند آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ اب اسے گالیاں دے رہی تھیں مگر اسے روکنے کے لیے کچھ نہیں کر رہی تھیں وہ خاموشی سے اپنا بیگ لے کر گھر سے باہر آ گئی۔

بیگ ہاتھ میں تھامے ہوئے اس نے گلی پار کی تھی اور پھر سڑک پر آ گئی۔ سنسان سڑک پر دور دور تک کوئی نہیں تھا ایک عجیب سی خاموشی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ وہ اب بھی آگ برسا رہا تھا۔ سر جھکائے بیگ گھسیٹتے ہوئے وہ سڑک پر چلنے لگی۔ اس کا چہرہ کسی چیز سے بھیگنے لگا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ آنسو اس کے گریبان کو بھگونے لگے تھے۔

"کیا دنیا میں کوئی انسان ایسا ہوگا، جو اگر کبھی روئے تو کوئی اس سے یہ بھی نہ پوچھے کہ وہ کیوں رو رہا ہے؟"

اس نے سوچا تھا اور ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی۔

"دنیا میں ایک ہی تو ایسا انسان ہے جس کے آنسو کسی کو یہ سوال کرنے پر مجبور نہیں کرتے اور وہ انسان فاطمہ مختار ہے۔"

اس نے سوچا تھا اور پھر سر اٹھا کر سامنے نظر آنے والی طویل سنسان سڑک کو دیکھا۔ "اور میں اگر خدا سے کہوں کہ اس نے میرے وجود کو بے کار بنایا ہے تو کیا یہ غلط ہوگا، مجھ پر کبھی کوئی محبت کی نظر نہیں ڈالے گا دیکھے گا تو ترس کی نظر سے، ڈالے گا تو نفرت کی نگاہ اور پھر بھی اللہ کیا میں یہ سمجھوں کہ میں دنیا کے لیے بہت ضروری تھی۔"

اس کے بہتے آنسوؤں کی شدت میں اور اضافہ ہو چکا تھا۔

"جب اور کچھ نہیں دیا تو پھر دل بھی کیوں دیا جو محسوس کرتا ہے دماغ کیوں دیا جو سوچتا ہے یہ نہ دیتا تو زندگی اچھی گزر جاتی، کسی خواہش کسی خواب کے بغیر۔ اللہ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اس پوری دنیا میں تم نے میرے لیے کیا رکھا ہے، کہاں رکھا ہے۔ بتیس سال میں کچھ ملا۔ کیا آنے والے سالوں میں کچھ مل سکے گا۔ کوئی ایسی چیز جس پر میں بھی فخر کر سکوں۔ کوئی ایسی شے جو میرے لیے ہو۔ کچھ ایسا جو میرے وجود کے قد و قامت کو بڑھا دے۔ میرے چہرے کی سیاہی کو چھپا دے میرے ہاتھ کی معذوری کو کم کر دے۔ میں زمین پر چلنے والی چیونٹی نہ رہوں۔ اللہ کیا تمہارے پاس فاطمہ مختار کے لیے کچھ ہے، کوئی ذرہ، کوئی وجود۔ کیا تم کو میری آواز آ رہی ہے؟"

وہ سڑک پر چلتے ہوئے اب بڑبڑانے لگی۔ آسمان ابھی بھی آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ زمین ابھی بھی الاؤ کی طرح

جل رہی تھی اس کا وجود ابھی بھی موم کی طرح پگھل رہا تھا۔ کہیں پر کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بار بار خدا کو آوازیں دے رہی تھی یوں جیسے اس کا جواب سننا چاہتی ہو۔ اس کی آواز سننا چاہتی ہو۔ مگر کہیں پر کوئی آواز نہیں تھی نہ خدا کی نہ انسان کی۔ وہاں کوئی انسان نہیں تھا مگر خدا تھا وہ سن رہا تھا، وہ دیکھ رہا تھا۔ سیاہ سڑک پر چلتا وہ بھدّا وجود بھی اسی کی تخلیق تھا، اسی کے سانچے میں گھڑا ہوا، اسی کے ہاتھوں سے تراشا ہوا، پھر وہ وجود زمین پر بھیج دیا گیا تھا اتنی ہی چاہت کے ساتھ جتنی چاہت کے ساتھ دوسرے وجود بھیجے گئے تھے۔ پھر انسان نے اسے دیکھا تھا اور...... اور ہنس پڑا تھا۔ خدا کی تخلیق پر اسے ہنسی آئی تھی۔

"یہ کیا چیز ہے؟" اس نے سوچا تھا اور ایک بار پھر ہنس پڑا تھا۔ اللہ نے اس ہنسی پر بجلی گرائی تھی نہ انسان کی بینائی چھینی تھی۔ بس ایک گہری سوچتی ہوئی نظر سے اسے دیکھا تھا پھر کہیں...... کہیں کچھ لکھ لیا تھا۔ اب وہ بھدّا وجود خدا کو بتا رہا تھا کہ انسان اس پر ہنستا ہے، اس پر ترس کھاتا ہے، اسے مسترد کرتا ہے۔ اللہ کی تخلیق کو اس کے فن کو، اس کے ہنر کو، اللہ خاموش تھا مگر سن رہا تھا اور وہ خوب سننے والا ہے۔

☆☆☆

دوسرا باب

"بابا! کیسے ہیں اب؟" شائستہ نے لاؤنج میں ماں کو دیکھتے ہی سلام دعا کیے بغیر پوچھا۔

"وہ ٹھیک ہیں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے ہاسپٹل جانا پڑا۔ بہرحال اب وہ بہتر ہیں اور گھر پر ہی ہیں۔" انہوں نے اسے تفصیل بتائی۔

"لیکن پھر بھی آپ کو مجھے انفارم تو کرنا چاہیے تھا۔ آپ نے تو مجھے بتانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی...... اگر سلمیٰ مجھے نہ بتاتی اور میں خود آپ کو فون نہ کرتی تو آپ تو شاید مجھے سرے سے ہی بے خبر رکھتیں۔" اس نے تیز آواز میں شکوہ کیا۔

"میں نے تم سے کہا نا، وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ ایسی چھوٹی موٹی بیماریاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ اب کیا ہر بیماری میں تمہیں بلایا جائے گا۔ دن میں اگر دس دفعہ بلڈ پریشر ہائی ہو تو کیا دس دفعہ تمہیں بلایا جائے۔ وہ تو ویسے بھی ہائی بلڈ پریشر کے پرانے مریض ہیں۔ یہ مسئلہ تو ان کے ساتھ ہمیشہ ہی رہتا ہے۔" اس بار اس کی ماں نے بیزاری سے کہا...... انہیں شائستہ کا شکوہ اچھا نہیں لگا تھا۔

"پھر بھی آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔" اس کا شکوہ اب بھی وہیں تھا۔

"ٹھیک ہے اب تو پتا چل گیا ہے نا تو اب جا کر ان کی خیریت پوچھ لو اور ہاں اندر جانے سے پہلے اس گردن میں لٹکائی ہوئی کپڑے کی دھجی کو اچھی طرح اوڑھ لو۔ تم جانتی ہو، تمہارے باپ کو تمہارا حلیہ پسند نہیں ہے۔ شادی ہو گئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم گھٹیا عورتوں جیسا حلیہ اپنا لو حیا نام کی چیز ہی تمہیں یاد نہ آئے۔"

اس کی امی نے جسم سے چپکے ہوئے لباس کے اوپر گلے میں چنا ہوا دوپٹہ دیکھ کر اعتراض کیا۔

"امی! پتا نہیں آپ کا ذہن کب بدلے گا۔ دنیا دیکھیں، کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے، مگر آپ کا دماغ وہیں...... بارہویں صدی میں۔ یہ دوپٹہ وغیرہ آج کے زمانے میں نہیں چلتا آپ کیا یہ شکر نہیں کرتیں کہ میں یہ دوپٹہ لے کر آئی ہوں ورنہ اب اس کا رواج نہیں رہا۔ خاصی آؤٹ ڈیٹڈ قسم کی چیز ہے۔" اس نے ماں کے سامنے دوپٹے کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

اس کی ماں چند لمحوں تک خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی پھر وہ جیسے غصے میں بھڑک اٹھیں۔ "تمہاری ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تمہارے بابا تمہیں پسند نہیں کرتے۔ تمہیں اپنے خاندان کی عزت کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ اس طرح پھرتی رہتی ہو۔ کبھی سوچا ہے۔ لوگ کیا کہتے ہوں گے تمہارے بارے میں۔"

"مجھے لوگوں کی پروا نہیں ہے، جن لوگوں کی آپ بات کر رہی ہیں وہ دقیانوسی اور چھوٹے ذہنوں کے لوگ ہیں۔ انہیں کیا پتا زندگی کیا ہوتی ہے۔ آزادی کس چیز کو کہتے ہیں۔ وہ تو اپنے دو ہزار سال پہلے کے خیالات اور روایتوں کو لے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے ایسے لوگوں کی پروا نہیں ہے کیونکہ میرا میل جول ایسے لوگوں سے نہیں ہے اور جن لوگوں سے میرا میل جول ہے، وہ روشن خیال اور روشن دماغ لوگ ہیں۔ آزادی کا احترام کرنے والے، خواہشات کو اہمیت دینے والے اور امی! آپ یہ سن لیں کہ وہ لوگ میری عزت کرتے ہیں ان کے نزدیک میں اہم ہوں، وہ میری شخصیت کو مانتے ہیں، آپ جیسی باتیں نہیں کرتے،

نہ آپ کی طرح سوچتے ہیں تو پھر مجھے کیا پروا ہے کہ آپ کے کچھ واقف کار مجھے اچھا نہیں سمجھتے۔''

اس نے اپنے کندھے جھٹکتے ہوئے بے پروائی سے کہا تھا۔ اس کی امی اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئیں۔

''میں تم سے اس وقت بحث نہیں کرنا چاہتی ورنہ تمہیں بتاتی شائستہ! کہ تم کس طرح بربادی کی طرف قدم بڑھا رہی ہو۔ یہ جن روشن خیال لوگوں کی مثالیں تم دے رہی ہو۔ یہ روشن خیال انسان نہیں بھیڑیے ہیں۔ خون چوسنے والی جونکیں ہیں، تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ تمہارے جیسی عورت کو بہت پسند کرتے ہیں، تمہارے طور طریقوں کو سراہتے ہیں۔ ایک چیز ہو تم ان کے لیے بس ایک چیز۔ جیسے ڈرائنگ روم میں پڑا ہوا کوئی ڈیکوریشن پیس ہے یا پھر برآمدے میں رکھا ہوا کوئی پودا۔ دونوں کا کام دل خوش کرنا ہوتا ہے۔ تم بھی ایسی ہی چیز ہو شائستہ! مرد جس عورت کو چاہتا ہے۔ اسے چھپا کر رکھنا چاہتا ہے۔ جس پر کسی دوسرے کی نظر نہیں پڑنے دینا چاہتا اور جس عورت کو وہ لوگوں کی نظروں سے چھپاتا نہیں۔ وہ اس کے دل میں اتری نہیں ہوتی۔ اسے وہ صرف استعمال کرتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کر کے اپنی ویلیو بڑھانے کے لیے، یہ دکھانے کے لیے کہ اس کے پاس ایک اچھی چیز ہے۔ ایک ایسی چیز جو نظر کو اچھی لگتی ہے۔ دل کو بھاتی ہے۔ پھر وہ عورت ساری عمر ایک ایسی ہی چیز بنی رہتی ہے جسے مرد اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتا رہتا ہے۔ تم بھی ایسی ہی عورت بن چکی ہو شائستہ! مگر تمہیں احساس نہیں ہے۔ میں بعض دفعہ سوچتی ہوں کہ میری تربیت میں کیا خرابی تھی۔ کیا کوتاہی تھی جو تم نے بیس سال جو میرے گھر میں گزارے تھے۔ انہیں بھول کر کمال کے رنگ میں رنگ گئی ہو۔ وہ چھوٹے چھوٹے موتی جو میں بیس سال تمہارے پلو سے باندھتی رہی تھی۔ تم نے انہیں پھینک کر اپنی گود بڑے بڑے پتھروں سے بھرنی شروع کر دی ہے۔ تم میری اولاد نہ ہوتیں تو میں کبھی تمہیں سمجھانا پسند نہ کرتی مگر اب تمہیں اس طرح زندگی گزارتے دیکھ کر میرا دل کٹتا ہے۔ کل کو خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تو نے شائستہ کو کیا سمجھایا تو میں اسے کیا جواب دوں گی۔ کس طرح اس کے سامنے جاؤں گی۔ اولاد اپنے لیے دوزخ بنا رہی ہو تو ماں کے قدموں کی جنت کو بھی آگ لگ جاتی ہے۔ میں کہتی ہوں شائستہ! ابھی بھی وقت ہے۔ سنبھل جاؤ۔ زندگی اس طرح مت گزارو، عورت کو خدا نے اس کردار کے لیے نہیں بنایا۔''

اس کی امی بات کرتے کرتے سسکنے لگی تھیں، مگر اس کی بیزاری میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ ہر دفعہ اس کی آمد پر یہی ہوتا تھا۔ ہر کوئی اسے سمجھانے بیٹھ جاتا تھا۔

''پتہ نہیں امی! آپ کو مجھ میں کون سے کیڑے نظر آتے ہیں۔ جو آپ نصیحتوں کا ایک انبار لے کر میرے سامنے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ میں نے ایسا بھی کیا کر دیا ہے کہ آپ نے فتوے دینا شروع کر دیے ہیں۔ یہ میری زندگی ہے۔ مجھے حق ہے۔ میں اسے جیسے چاہوں گزاروں پھر ہارون کو میری کسی بات پر اعتراض نہیں ہے۔ میں نے اپنے آپ کو اس کی پسند اور مرضی کے مطابق ڈھالا ہے۔ میں وہی کرتی ہوں جو وہ چاہتا ہے۔ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ بیوی کو شوہر کا ہر حکم ماننا چاہیے۔ اس کی وفادار اور تابعدار ہونا چاہیے۔ میں آپ کی اسی بات پر عمل کر رہی ہوں۔ میرا شوہر مجھے جو طور طریقے سکھانا چاہتا ہے، میں وہی سیکھتی ہوں کیونکہ مجھے زندگی اس کے ساتھ گزارنی ہے۔ آپ کے ساتھ نہیں اور پھر میں کوئی ایسی زندگی نہیں گزار رہی جس پر مجھے شرمندگی ہو۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں پوری طرح سوچ سمجھ کر کر رہی ہوں۔ میں نے ایسی ہی زندگی ہمیشہ چاہی تھی۔ تب بھی جب میں آپ کے گھر میں تھی۔ میں آپ سے کہنا تو نہیں چاہتی امی! مگر آپ نے اپنی باتوں سے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں یہ سب کہہ دوں۔ مجھے کبھی بھی آپ کی باتوں، نصیحتوں اور اقوال میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ آپ اور بابا جیسی زندگی گزار رہے ہیں، میں ایسی زندگی سے نجات چاہتی تھی۔ آپ دونوں کے خیالات بہت فرسودہ اور دقیانوسی ہو چکے ہیں۔ آپ انہیں بدلنے کو تیار نہیں ہیں اور آج کی دنیا میں ان خیالات کی کوئی ویلیو نہیں ہے۔ دنیا بدل چکی ہے۔ اب مرد عورت کو بقول آپ کے اس عورت کو جس سے وہ محبت کرتا ہے گھر کے اندر چھپا کر نہیں رکھنا چاہتا بلکہ وہ اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ لوگوں کے سامنے اور ہر ایک پر یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہے کہ یہ وہ عورت ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ پھر کیا برا ہے۔ اگر وہ پھر چاہے کہ عورت دوسرے لوگوں کے سامنے اسی طرح سج سنور کر جائے جس طرح وہ اس کے لیے سجتی ہے۔ ہم جس چیز سے محبت کرتے ہیں۔ اسے ہمیشہ اچھا

دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کو میری سوسائٹی کے لوگ بھیڑیے لگتے ہیں؟ کیوں بھیڑیے لگتے ہیں بغیر ملے بغیر دیکھے، بغیر جانے آپ ایسی رائے کیسے قائم کر سکتی ہیں۔ آپ اور بابا دنیا کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں۔ میں دنیا کو اپنی نظر سے دیکھتی ہوں۔ آپ آگے بڑھنے پر تیار نہیں ہیں۔ میں پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہیں ہوں تو پھر بہتر ہے ایک دوسرے کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، میں آپ کو اپنے طور طریقے اپنانے پر مجبور کرتی ہوں نہ آپ کے طور طریقے چھوڑنے پر پھر آپ مجھ سے اس طرح کی باتیں کیوں کرتی ہیں۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے ماں کی تمام باتوں کا جواب دیا۔

''ہم مجبور ہیں ہمیں تو کہنا ہی ہے۔ ہمیں تو تمہیں روکنا ہی ہے۔ کیونکہ ماں باپ ہیں اولاد کو کنویں میں گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ تم غلط کام کرو گی تو کل قیامت کے دن ہماری پکڑ ہو گی۔ ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔''

''آپ جواب دہ مت ہوں۔ میں خود جواب دے لوں گی۔ آپ کو اس لحاظ سے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے ایک بار پھر تیز آواز میں ماں سے کہا۔

ماں کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

شائستہ باپ کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے گلے میں رسی کی طرح پڑے ہوئے دوپٹے کو پھیلا کر سینے اور سر پر ڈال لیا تھا۔ اگرچہ اب بھی وہ کوئی بہت باپردہ اور باوقار نظر نہیں آ رہی تھی، مگر وہ بغیر کسی دھڑکے کے باپ کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

اکبر اپنے بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے ایک کتاب پڑھ رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر انہوں نے دروازے کی جانب دیکھا تھا اور پھر ان کے ماتھے پر چند ہلکے سے بل پڑ گئے تھے۔ انہوں نے شائستہ کو اندر آتے دیکھ لیا تھا۔ مگر کتاب بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے وہ اسی طرح کتاب پڑھتے رہے۔ شائستہ کو اپنے اس طرح نظر انداز کیے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ مستحکم قدموں سے چلتی ہوئی باپ کے پاس آ گئی اور پھر بیڈ کے پاس پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم بابا۔'' اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے باپ سے کہا۔

''وعلیکم السلام۔'' انہوں نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر معمول کے انداز میں سلام کا جواب دیا تھا۔ شائستہ کچھ دیر خاموشی سے باپ کو کتاب پڑھتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے بابا؟''

اکبر صاحب نے اس بار بھی کتاب سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ ''اللہ کا شکر ہے۔'' انہوں نے ایک بار پھر اسی لہجے میں جواب دیا۔ وہ چند لمحے خاموشی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

''مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں کہ آپ ہاسپٹل میں داخل تھے۔''

''تمہیں اگر بتا دیا جاتا تو تم کیا کر لیتیں، اچھا ہی کیا سب نے تمہیں نہیں بتایا۔'' اس بار پہلی دفعہ انہوں نے کتاب سے نظر ہٹا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''میں کچھ نہ کرتی کم از کم آپ کو دیکھنے تو آتی۔ اتنا تو حق بنتا ہے میرا۔''

''نہیں، اس قسم کے کوئی حق نہیں بنتے تمہارے، مجھے ویسے بھی تمہارے آنے یا نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی، ان کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''پتا نہیں بابا! آپ پرانی باتوں کو بھول کیوں نہیں جاتے۔ کیوں ایک ہی بات کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ماں باپ کے نزدیک اولاد کی خوشی سب سے اہم ہونی چاہیے، انہیں اپنی انا کو اس معاملے میں آگے نہیں لانا چاہیے۔ مگر آپ تو پتہ نہیں کیوں پرانی باتوں کو دل سے نہیں نکال رہے۔'' اس نے یک دم صاف گوئی سے کہا۔ مگر اکبر صاحب کا ردعمل بہت جارحانہ تھا۔

''میں نے تمہیں اس کمرے کے اندر ان تقریروں کے لیے نہیں آنے دیا۔ تم جو کچھ کر چکی ہو اس کے بعد بھی اگر اس گھر

میں آ جا رہی ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں نے اپنے دل کو بڑا ہی رکھا ہے ورنہ مجھے تو تم سے سارے تعلقات ختم کر لینے چاہیے تھے۔ جہاں تک تعلق ہے پرانی باتوں کا تو میں ساری پرانی باتیں بھول چکا ہوں مگر جو کچھ تم اب کر رہی ہو اسے بھولنا اور نظر انداز کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

اکبر صاحب نے کتاب بند کرتے ہوئے تلخ لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"پتا نہیں آپ سب میرے پیچھے ہی کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ اس طرح تو لوگ چور ڈاکوؤں کو بھی ملامت نہیں کرتے، جس طرح آپ سب مجھے کرتے رہتے ہیں۔ بابا! میں وہی کر رہی ہوں جو میرے شوہر کو پسند ہے اور اگر وہ اس پر اعتراض نہیں کرتا تو کسی اور کو بھی اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے شوہر کی مرضی کے مطابق زندگی نہ گزاروں اور اپنا گھر اجاڑ لوں، پھر کیا آپ خوش ہو جائیں گے۔"

"تمہیں یہاں بیٹھ کر اس طرح کی فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں یہاں کسی نے دعوت دے کر نہیں بلایا، تم خود آئی ہو۔ اگر تمہیں ہماری باتوں پر اعتراض ہوتا ہے تو یہاں مت آیا کرو۔"

"میں پہلے ہی کون سا یہاں آتی ہوں۔ دو دو، تین تین ماہ گزر جاتے ہیں۔ تب کہیں آپ کو اپنا چہرہ دکھاتی ہوں اور پھر بھی آپ لوگ میرے آتے ہی نصیحتوں کا پٹارہ کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ میں کوئی ننھی بچی نہیں ہوں جو آپ کی انگلی پکڑے بغیر چل نہیں سکتی۔ میں اپنا اچھا برا اچھی طرح جانتی ہوں، جانتی ہوں میں کیا کر رہی ہوں۔"

وہ اس بار بری طرح تپ گئی۔ اکبر صاحب نے تیز آواز میں اس سے کہا۔

"تمہارے اس "جاننے" نے ہی تو سارا مسئلہ کھڑا کیا ہے۔ خود کو عقل کل سمجھنے والے لوگ زندگی میں بار بار ٹھوکر کھا کر گرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہی نہیں رہتے۔"

"آپ کیا سمجھانا چاہتے ہیں مجھے؟"

"تمہیں کوئی کیا سمجھا سکتا ہے۔ میں تو صرف خدا سے دعا ہی کر سکتا ہوں کہ وہ تمہیں کچھ عقل عطا کرے اور تم سیدھے رستے پر آ جاؤ۔"

"بابا! مجھے کسی سیدھے رستے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں پہلے ہی سیدھے رستے پر ہوں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ رستہ مجھے کہاں لے کر جائے گا۔ آپ کی ساری باتیں مجھے بے معنی لفظ لگتے ہیں اور مجھے افسوس ہوتا ہے کہ آپ یہ لفظ مجھ پر ضائع کرتے ہیں جسے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ جانے سے پہلے آپ کو ایک بار پھر کہہ رہی ہوں کہ میں اپنی زندگی سے بہت خوش ہوں۔"

اس نے کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور پھر دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ اس کے چلے جانے کے بعد بابا بہت دیر تک سر ہاتھوں میں لیے بیٹھے رہے تھے۔

☆☆☆

"پھر تم نے کیا سوچا اس بارے میں؟" مسعود علی نے منصور سے پوچھا۔

"بھائی جان! میں نے اس سارے منصوبے پر غور کیا ہے اور میں اس سے کافی مطمئن ہوں۔ ایک بڑا رسک تو ہے یہ مگر پھر بھی میں یہ رسک لینے کے لیے تیار ہوں۔" منصور علی نے اپنی بات واضح کر دی۔ مسعود علی کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے منصور علی سے ہاتھ ملایا۔

"تم نے میرا سارا مسئلہ حل کر دیا۔ تم دیکھ لینا۔ ایک دن یہ بزنس تمہارے لیے کتنا منافع بخش ثابت ہوگا۔ جب تم مستقل پاکستان سیٹل ہو گئے تو تب تک یہ کاروبار مکمل طور پر اسٹیبلش ہو جائے گا اور تمہیں اسے سنبھالنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"ہاں، اسی لیے تو میں نے اس فیکٹری میں سرمایہ لگانے کا سوچا ہے۔ ظاہر ہے ساری عمر باہر تو نہیں رہنا کبھی نہ کبھی تو

واپس آنا ہی ہے۔ اچھا ہے ابھی سے کوئی بزنس یہاں بھی شروع کر دوں تاکہ جب واپس آنے کا سوچوں تو یہ پریشانی نہ ہو کہ واپس جا کر کروں گا کیا؟ کون سا کام شروع کرنا چاہیے۔" منصور علی نے اپنے بھائی سے کہا۔

"تمہیں بالکل فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں ہوں نا ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے کے لیے۔ میں سب کچھ بہت اچھے طریقے سے طے کر لوں گا۔ تم بس وقتاً فوقتاً آ کر معاملات دیکھتے رہنا۔ اس طرح ایک تو تمہیں فیکٹری کے بنیادی معاملات سے تھوڑی آگاہی ہو جائے گی اور پھر تمہیں بزنس کا بھی پتا چلتا رہے گا پھر جب تم واپس آ کر فیکٹری سنبھالو گے تو تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" مسعود علی نے منصور کو تسلی دی۔

"ہاں آنا جانا تو میں رہوں گا، بھئی اب تو ویسے بھی زیادہ آنا جانا پڑے گا، کیونکہ ایک اور رشتے کا اضافہ ہو گیا ہے۔" منصور علی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"اچھا ہے آپ آتے جاتے رہیں گے تو ہمیں بھی اپنی بچیوں کی خیر خیریت کا پتا چلتا رہے گا ورنہ تو آپ بھابھی کو سال میں ایک بار ہی لے کر آتے ہیں۔" شبانہ نے اس کی بات پر مسکرا کر کہا۔

"نہیں اب تو میں آتی جاتی رہوں گی۔ سال میں دو تین چکر لگایا کروں گی لیکن صبغہ اور امبر کی اسکول کی چھٹیوں میں، کیونکہ اب بڑی ہو رہی ہیں دونوں، پڑھائی بھی ذرا مشکل ہوتی جائے گی۔" منیزہ نے شبانہ کی بات پر کہا پھر چاروں معمول کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆

"اماں میں نے سوچ لیا ہے اب وہ اس گھر میں نہیں آئے گی نہ ہی کوئی اسے منانے جائے گا۔ میں اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ویسے بھی وہ کوئی کم عمر لڑکی نہیں ہے کہ آپ کو یا مجھے پریشانی ہو۔ تیس سال سے اوپر کی ہو چکی ہے۔ نوکری کرتی ہے اچھا ہے اسے خود اپنا گھر بنانے دیں اسے پتا تو چلے کہ یہ کتنا مشکل ہے۔ یہاں رہ کر تو اسے کسی احسان کی قدر ہی نہیں تھی۔ اسے اپنا شوق پورا کرنے دیں۔"

فاطمہ کے بھائی نے شام کو آ کر ماں اور بیوی سے اس کے گھر چھوڑ جانے کا قصہ سن لیا تھا اور اس نے ماں سے صاف کہہ دیا تھا کہ اب وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے تو دوبارہ کبھی یہاں نہ آئے کیونکہ وہ اب اسے گھر نہیں آنے دے گا۔ لیکن چند دن گزرنے پر فاطمہ کی ماں کو تشویش ہونے لگی تھی۔ وہ ایک دن اس کے اسکول گئی تھی اور وہاں سے اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ مسلسل اسکول آ رہی ہے اور اپنی کسی دوست کے گھر رہتی ہے۔ پھر انہوں نے اپنے بیٹے سے بات کرنے کا سوچا تاکہ اسے ایک بار پھر گھر لایا جائے مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ وہ اپنے سر پر یہ بوجھ دوبارہ لادنا نہیں چاہتا تھا۔

"مگر تم یہ سوچو کہ خاندان اور آس پڑوس والے کیا کہیں گے۔ ابھی تو زیادہ لوگوں کو یہ پتا نہیں ہے کہ وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے، مگر جب کچھ اور وقت گزرے گا تو سب کو ہی پتا چل جائے گا پھر لوگ بہت باتیں کریں گے کہ تم بہن کو پاس نہیں رکھ سکے۔ اسے گھر سے نکال دیا۔"

اس کی ماں نے اسے آنے والے دنوں کے بارے میں اپنے خدشات سے آگاہ کیا۔

"مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ لوگ باتیں کریں گے تو میں ان کی باتیں سن لوں گا، مگر اسے دوبارہ اپنے گھر نہیں لاؤں گا۔ اس نے گھر نہیں چھوڑا ہے، وہ میرے لیے مر گئی ہے۔ سمجھیں، ہم نے اسے دفنا دیا ہے۔" اس کے بھائی کے غصے میں کمی نہیں آئی۔

"مگر بیٹا! تم دیکھو کہ لوگ بہت باتیں بنائیں گے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ وہ اس کے گھر سے چلے جانے کے بارے میں کیا کیا کہیں گے، ہماری بہت بدنامی ہوگی۔"

"کچھ نہیں ہوگا اماں بالکل بھی کچھ نہیں ہوگا۔ اسے سب بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کس طرح تماشے کھڑے کرتی رہتی ہے۔ کون ہے جسے اس کی بدزبانی کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ سب کو ہم سے ہی ہمدردی ہوگی۔ اس لیے

آپ یہ مت سوچیں کہ اس کے گھر سے چلے جانے سے کوئی آسمان سر پر ٹوٹ پڑے گا۔ اس گھر کے لیے اس کا وجود ضروری نہیں تھا۔ اچھا ہوا ہے کہ وہ خود ہی چلی گئی ہے ورنہ جس طرح کی اس کی حرکات ہیں۔ مجبوراً مجھے خود اس کو نکالنا پڑتا۔" اس کا بھائی قطعاً اس کی واپسی پر تیار نہیں تھا۔ اس کی ماں بیٹے کے تیور دیکھ کر چپ ہوگئی۔

☆☆☆

"کیا بات ہے بیگم صاحب؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟" ملازمہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

وہ گھر کے اندر آتے ہوئے بائیں ہاتھ سے اپنی کنپٹی کو مسل رہی تھی۔ اس نے ملازمہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے پرس کو اس نے صوفہ پر اچھال دیا اور پھر خود بھی صوفہ پر بیٹھ گئی۔ ملازمہ اب اس کے پاس آ گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، تم مجھے چائے کا ایک کپ لا دو۔" اس سے پہلے کہ ملازمہ اس سے دوبارہ وہی سوال کرتی اس نے اسے ہدایات دیں۔

"اچھا جی، میں ابھی لاتی ہوں۔" ملازمہ سر ہلاتی ہوئی تیز قدموں سے لاؤنج سے نکل گئی۔

شائستہ نے صوفہ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ہر بار اپنے میکے سے آنے کے بعد اس کا یہی حال ہوتا تھا اور ہر بار وہ تہیہ کر لیتی کہ دوبارہ وہاں نہیں جائے گی، مگر ہر بار وہ دل سے مجبور ہو کر وہاں چلی جاتی۔

"کیا بات ہے بھئی، اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟"

وہ ہارون کی آواز پر چونک اٹھی، وہ بریف کیس سینٹر ٹیبل پر رکھ رہا تھا اس نے گہری سانس لے کر پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اسے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ ہارون کے آنے کا وقت ہو چکا ہے۔

"بس سر میں کچھ درد ہے۔" اس نے ہلکی آواز میں کہا۔

"تو یار، کوئی میڈیسن لے لیتیں یا پھر ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤ۔" اس نے مشورہ دیا۔

"نہیں اب اتنا بھی درد نہیں ہے، ابھی چائے پی لوں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔" ہارون کچھ دیر تک کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر بریف کیس اٹھاتے ہوئے بولا "شیور!"

اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول دیں ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا "جی!"

"آل رائٹ، میں بیڈ روم میں جا رہا ہوں۔ مجھے ابھی تھوڑی دیر میں ڈنر کے لیے کہیں جانا ہے۔"

وہ بریف کیس اٹھا کر اندر چلا گیا۔ وہ اسے جاتا دیکھتی رہی پھر لاشعوری طور پر اٹھ کر خود بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔ وہ اس وقت واش روم میں جا چکا تھا۔ وہ بیڈ پر نیم دراز ہوگئی۔ وہ تھوڑی دیر بعد باہر نکلا تو کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔ صوفہ پر بیٹھ کر اس نے بوٹ پہنے۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"ہارون! میں آج بابا کی طرف گئی تھی۔" ہارون ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ لگا رہا تھا جب اس نے کہا۔

"میں جانتا تھا یہ حالت تمہاری وہاں جانے کے بعد ہی ہوتی ہے۔" وہ ہمیشہ کی طرح باخبر تھا، بڑے نارمل طریقے سے ٹائی باندھتا رہا۔

"اگر بابا بیمار نہیں ہوتے تو میں کبھی وہاں نہیں جاتی۔"

"کیا ہوا ہے انکل کو؟" اس کا لہجہ اس بار بھی نارمل تھا۔

"وہی بلڈ پریشر اور ہارٹ پرابلم، مگر اس بار ہاسپٹل لے جانا پڑا اور کسی نے مجھے بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ جب میں نے شکایت کی تو بابا نے کہا کہ اچھا ہوا ہے کہ مجھے اطلاع نہیں دی گئی۔ پھر وہی باتیں، وہیں اقوال زریں، وہی نصیحتیں اور ہدایتیں میں یہ سب سنتے سنتے تھک گئی ہوں۔" اس کی آواز میں بیزاری جھلک رہی تھی۔

"ٹیک اٹ ایزی۔ یار! تم ان لوگوں کو بدل نہیں سکتیں، بعض لوگوں کے دماغ میں پیدائشی خرابی ہوتی ہے، تمہارے گھر والے بھی ان میں سے ہیں۔ ایسے لوگ ساری زندگی کتابیں پڑھ پڑھ کر گزار دیتے ہیں یا مصلح بن جاتے ہیں نام نہاد ریفارمر۔ جس کو دیکھیں، نصیحت کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور ان کو اس بات کی بھی پروا نہیں ہوتی کہ لوگوں کو ان کے لمبے چوڑے خطبوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ تمہارے بابا کہنے کو تو میرے چچا ہیں مگر ان میں اور میرے پاپا میں کبھی بھی، کچھ بھی کامن نہیں رہا۔ انکل تو ہمیشہ کسی یوٹوپیا میں رہتے رہے ہیں۔ میرے پاپا کو دیکھو، بزنس کو کہاں سے کہاں لے گئے ہیں اکٹھے ہی شروع کیا تھا نا سب کچھ۔ مگر تمہارے بابا ابھی بھی وہی ایک چھوٹی سی فیکٹری لے کر بیٹھے ہیں۔ زندگی بھر نہ انہوں نے خود ترقی کی ہے نہ اپنی اولاد کو آگے بڑھنے دیا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ وہ تم سے جیلس ہیں تو کچھ غلط نہیں ہوگا۔ جانتے ہیں نا کہ تم زندگی میں آگے بڑھتے بڑھتے کے سارے گر سیکھ چکی ہو، تو اب انہیں تم سے خوف آنے لگا ہے کہ اتنے لوگ اس شہر میں اکبر صاحب کو نہیں جانتے ہوں گے جتنے شائستہ کمال کو جانتے ہیں۔ مجھے تو بعض دفعہ حیرت ہوتی ہے کہ تم جیسی پروگریسو لڑکی کو اللہ نے اس گھر میں کیوں پیدا کر دیا۔"

اس کا سر درد آہستہ آہستہ غائب ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اب ہارون کی باتوں پر مسکرانے لگی تھی، جو اپنے بال بناتے ہوئے مسلسل بول رہا تھا۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا وہ اپنے گھر سے جب بھی آتی پریشان ہوتی اور پھر ہارون اسے بڑی مہارت سے ہینڈل کرتا تھا۔

"تمہارے بابا کی یہی ساری باتیں ہیں۔ جنہوں نے ان کے اور ہمارے درمیان اتنی بڑی خلیج کھڑی کر دی ہے۔ میں اسی لیے ان کے پاس نہیں جاتا، پتا نہیں انہیں نظر کیوں نہیں آتا کہ دنیا میں ان ان نام نہاد اقدار کی ضرورت نہیں رہی۔ جن کے وہ علمبردار بن کر پھرتے رہتے ہیں۔ ہماری سوسائٹی جو اتنے بڑے کرائسس کا شکار ہے وہ ان ہی لوگوں کی وجہ سے ہے۔ یہ خود لبرل ہوتے ہیں نہ دوسروں کو ہونے دیتے ہیں۔ ہر چیز میں مذہب کو لانے کے عادی ہیں ایموشنل بلیک میلنگ نہیں کرتے، بلکہ مذہبی بلیک میلنگ کرتے ہیں۔ مغرب کو دیکھو انہوں نے مذہب کو ایک طرف رکھ دیا ہے اور کیا ہے جو ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ ذہن استعمال کرتے ہیں دل نہیں۔ ہمارے یہاں رونا ہی دل کا پڑا ہوتا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ مذہب بھی دل سے تعلق رکھتا ہے۔ دماغ اور ذہن میں اس کی کوئی جگہ نہیں بنتی۔ مگر یہ لوگ اسی کا سہارا لے کر بلیک میل کرتے ہیں۔ تم انکل کی باتوں پر دھیان مت دیا کرو۔ ایک کان سے سنو، دوسرے سے نکال دو۔ وہ اپنی زندگی اپنے زمانے میں گزار چکے ہیں۔ یہ ہماری زندگی ہے اور ہمارا زمانہ ہے۔ ہم جانتے ہیں یہاں کس طرح رہنا ہے، کیسے زندگی گزارنی ہے۔"

وہ اب بڑی حد تک پرسکون ہو چکی تھی۔ کچھ دیر پہلے اس کے ذہن میں جو باتیں گونج رہی تھیں، وہ اب غائب ہو چکی تھیں۔ "میں نے تمہارا انتخاب ایسے ہی تو نہیں کیا تھا۔ کچھ تو تھا تم میں جس نے مجھے تمہاری جانب آنے پر مجبور کیا تھا۔ کوئی تو ایسی بات تھی تم میں ہارون کمال! کہ میں ایک بار تمہارے ٹرانس میں آنے کے بعد دوبارہ کبھی اس سحر سے نکل نہیں سکی ہوں۔" اس نے ہارون کمال کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ اب پرفیوم لگا رہا تھا۔

وہ آج بھی اسی طرح تھا۔ دراز قد، ہینڈسم، دلکش، دلیل کے ساتھ بات کرنے والا، دوسروں کو قائل کر لینے والا۔ شائستہ کو یاد آیا تھا اسے کس طرح اس سے محبت ہوئی تھی، محبت نہیں شاید عشق ہوا تھا۔ عشق نہیں بلکہ جنون تھا اور جب یہ جنون ختم ہوا تھا تو وہ مسز ہارون کمال تھی۔ شہر کے سب سے بڑے بزنس ٹائیکون کی بیوی۔

"میں جا رہا ہوں رات کو لیٹ آؤں گا۔ تم اپنا خیال رکھنا گڈ بائے!"

وہ اپنا کوٹ پہن کر کمرے سے نکل گیا۔ شائستہ اس دروازے کو دیکھتی رہی جسے بند کر کے وہ باہر نکلا تھا۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ پہلی بار کب ہارون کمال کو دیکھ کر اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔ آنکھیں بند کر کے اس نے ماضی میں اترنے کی کوشش کی۔ اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔

ہارون کمال اس کے تایا کا بیٹا تھا۔ دو بھائیوں اور دو بہنوں میں سب سے بڑا۔ شائستہ کے والد کے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ تعلقات کبھی بھی اچھے نہیں رہے تھے۔ ان دونوں کا ذہن اور زندگی کے بارے میں نظریات بہت مختلف تھے۔ اکبر عباس

اگر زمین کی بات کرتے تھے تو کمال عباس آسمان سے نیچے کہیں رکتے ہی نہ تھے۔

"روپیہ کمانا ایک آرٹ ہوتا ہے، یہ آرٹ ہر شخص کو نہیں آتا جن کو یہ آرٹ نہیں آتا، وہ پھر ساری زندگی یہ کہہ کر خود کو تسلیاں دیتے رہتے ہیں کہ وہ رزق حلال کما رہے ہیں اور رزق حلال میں برکت ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں ایسا نہیں ہے۔ دنیا میں کہیں کوئی رزق حلال یا رزق حرام نہیں ہوتا۔ رزق رزق ہوتا ہے اسے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ محنت کرنی پڑتی ہے اور جس چیز میں محنت کرنی پڑے وہ بری کیسے ہو سکتی ہے۔"

وہ ہر بار اکبر عباس سے ملنے پر ہوانا کے سگار کے کش لگاتے ہوئے اپنے نظریات ان کے کانوں میں انڈیلتے۔ ہر بار اکبر عباس طیش میں آجاتے۔

"آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے زندگی سے کچھ سیکھا ہے، نہ کتابوں سے آپ نے سب کچھ روپے سے سیکھنے کی کوشش کی ہے اور روپیہ کبھی اخلاقیات نہیں سکھاتا، یہ صرف بھاگنا سکھاتا ہے صرف اپنے پیچھے اور اس ریس میں شامل ہونے کے بعد انسان سارے اصول اور ضابطے ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ آپ بھی اسی ریس میں شریک ہیں۔ میں آپ کو کیا سمجھا سکتا ہوں۔ شاید اپنے مذہب کے بارے میں کچھ علم رکھتے تو ایسی باتیں نہ کرتے۔"

اکبر عباس ہر بار ان سے بات کرتے ہوئے افسردہ ہو جاتے۔ ان کی باتوں اور طنز کے جواب میں کمال عباس ایک زوردار قہقہہ لگاتے۔

"بھئی، اکبر! تم باتیں بڑی اچھی کرتے ہو فلسفیوں والی باتیں، جنہیں نہ کوئی سمجھنے کی کوشش کرے نہ سمجھ سکے۔"

اکبر ان باتوں پر بھڑک اٹھتے تھے۔ پھر وہ ہر بار ان کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے۔ باپ کی وفات کے بعد دونوں نے ایک ساتھ ہی ان کی فیکٹری کو سنبھالا تھا۔ وہ فارماسیوٹیکل کا کاروبار کرتے تھے۔ کمال نے کچھ عرصے کے بعد ہی اپنا حصہ الگ کر لیا تھا اور بزنس الگ کرنے کے بعد ان کے بزنس کو جیسے پر لگ گئے تھے۔ وہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہے تھے۔ پورا خاندان اور حلقہ احباب ان کی ترقی پر رشک کرتا تھا۔ اگر کسی شخص کو رشک یا حسد محسوس نہیں ہوتا تھا تو وہ اکبر عباس تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس دن دوگنی رات چوگنی ترقی کا راز کیا ہے۔ کمال عباس کے پاس کون سا پارس آ گیا ہے۔ وہ اس سے بھی واقف تھے۔ چند ہی سالوں میں کمال عباس کہیں سے کہیں پہنچ گئے تھے۔ ان کی ایک فیکٹری اب چار فیکٹریوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔ شہر کے بہت سے اہم اور مصروف مقامات پر ان کے پلازے کھڑے تھے۔ ان کے گھر والوں کے نام درجنوں پلاٹ تھے۔ دوسری طرف اکبر عباس ابھی بھی وہی پرانی فیکٹری سنبھالے ہوئے تھے۔ ان کے پاس کمال عباس جتنا روپیہ نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ پرآسائش زندگی گزار رہے تھے۔ ایسی کوئی چیز نہیں تھی، جس کی ان کے پاس کمی تھی۔ انہوں نے کمال عباس کی طرح کبھی روپیہ کے پیچھے بھاگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نہ ہی ان جیسے ہتھکنڈے استعمال کیے تھے۔ مگر آہستہ آہستہ انہوں نے کمال عباس سے میل جول ختم کر لیا تھا۔ وہ بعض معاملات میں بہت کٹر قسم کے مسلمان تھے اور کمال عباس کے گھر کا ماحول اب ان کے نزدیک اس قابل نہیں رہا تھا کہ وہاں وہ یا ان کے بیوی بچے جاتے۔ کمال عباس اور ان کی بیوی کو بھی اس بات کی زیادہ پروا نہیں تھی کہ اکبر نے ان کے گھر آنا ختم کر دیا ہے۔ جب انہوں نے ان کے گھر آنا ختم کر دیا تو کمال عباس نے بھی ان کے گھر جانے کا سلسلہ ختم کر دیا۔

"اچھی بات ہے وہ یہاں نہیں آنا چاہتا تو نہ آئے۔ یہاں آ کر اس نے کرنا بھی کیا ہے، وہی مولویوں والے خطبے دیتے ہیں۔ ہدایات اور نصیحتوں کے ٹوکرے ہی اٹھا کر لاتے ہیں۔ وہ خود ترقی کر نہیں سکتا اور میری ترقی دیکھ نہیں سکتا۔ بہتر ہے وہ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے۔"

کمال عباس نے جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو کچھ عرصے کے بعد پڑھنے کے لیے باہر بھجوا دیا تھا۔

ہارون کمال نے تقریباً دس سال انگلینڈ میں گزارے تھے اور ان دس سالوں نے اس کی مکمل برین واشنگ کر دی تھی۔ گھر

کا ماحول پہلے بھی مذہبی نہ تھا اور باہر سے آنے کے بعد تو مذہب سے اس کا تعلق بالکل ختم ہو گیا تھا۔ اب وہ مذہب کو بالکل دوسرے انداز سے دیکھتا تھا۔ اس نے بہت سی چیزوں کو آؤٹ ڈیٹڈ اور آؤٹ آف فیشن قرار دے دیا تھا۔ اس کے خیال میں آج کی دنیا میں اگر مسلمان بن کر اپنا وجود برقرار رکھنا ہے تو پھر ایک پروگریسو مسلمان بن کر رہنا پڑے گا، اور اس کے نزدیک ایک پروگریسو مسلمان کی تعریف یہ تھی کہ وہ مذہب پر کبھی بات نہیں کرتا۔ نہ اس کی باتوں اور حلیے سے اسلام جھلکتا ہے۔ اور ہارون کمال ایسا ہی پروگریسو مسلمان تھا۔ وہ انگلینڈ میں رہتا تھا اور ان ہی کی طرح رہتا، جیتا اور سوچتا تھا اور ایسا کرنے میں اسے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ کمال عباس اولاد کو آزادی دینے کے قائل تھے اور ہارون کمال کو بھی یہ آزادی اور خود مختاری حاصل تھی۔ وہ سب سے بڑی اولاد تھا۔ اس لیے زیادہ لاڈلا تھا۔ پھر لڑکا تھا اور اس بات نے اس کی اہمیت اور بھی بڑھا دی تھی۔ دس سال اس نے انگلینڈ میں زندگی اپنے ڈھنگ سے گزاری تھی اور دس سال کے بعد جب وہ پاکستان آیا تھا تو صرف بزنس مینجمنٹ کی ایک ڈگری ہی نہیں لایا تھا بلکہ زندگی گزارنے اور ترقی کرنے کے نئے طریقے لے کر آیا تھا۔

بچپن میں وہ شائستہ کے گھر آتا جاتا رہا تھا اور دوسرے کزنز کی طرح اس سے بھی ملتا رہتا تھا۔ لیکن بعد میں اکبر عباس اور کمال عباس کے درمیان کوئی باقاعدہ جھگڑا نہ ہونے کے باوجود جب ان کا آپس میں میل جول ختم ہو گیا تو اس نے بھی ان کے گھر آنا جانا بند کر دیا۔ وہ عمر میں شائستہ سے آٹھ سال بڑا تھا۔

پاکستان آنے کے بعد شائستہ سے اس کی پہلی ملاقات ایک شادی کی تقریب میں ہوئی تھی۔ شائستہ کی پھوپھو کی بڑی بیٹی کی شادی تھی اور اس تقریب میں اکبر عباس اور کمال عباس بھی اپنے خاندان کے ساتھ شرکت کر رہے تھے۔ مہندی کی تقریب تھی۔ لڑکے والے ابھی مہندی لے کر نہیں آئے تھے۔ شائستہ بڑے کمرے میں اپنی کزنز کے ہجوم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ باری باری سب کے ہاتھ دیکھ رہی تھی، پھر پیش گوئی کرتی بعض پیش گوئیوں پر زوردار قہقہے بلند ہو رہے تھے، مگر پھر بھی کوئی وہاں سے ہٹنے پر تیار نہیں تھا۔ ہارون کمال اسی وقت کمرے میں داخل ہوا۔

"یہ ہارون ہے۔ کمال بھائی کا بڑا بیٹا، پرسوں انگلینڈ سے واپس آیا ہے۔"

پھوپھو نے کمرے میں لا کر اس کا تعارف کروایا، پھر فرداً فرداً وہاں بیٹھے سب لوگوں کا تعارف اس سے کروایا۔ شائستہ بہت دیر تک اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکی تھی۔ وہ بہت ویل گرومڈ، ریفائنڈ اور کمپوزڈ نظر آ رہا تھا۔ بڑے کمرے میں موجود سب کزنز ہی اس سے مرعوب نظر آ رہے تھے۔ وہ فرش پر قالین پر بیٹھنے کے بجائے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شائستہ نے ایک بار پھر ہاتھ دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ کافی دلچسپی سے یہ ساری سرگرمی دیکھتا رہا۔ پھوپھو نے اسے چائے کا کپ لا کر دیا اور وہ کافی دیر تک کسی سے گفتگو کیے بغیر چائے کے سپ لیتا ہوا وہاں بیٹھا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔

شادی والے دن وہ تیار ہونے کے بعد بارات کا استقبال کرنے کے لیے اپنی کزنز کے ساتھ نیچے اتر رہی تھی، جب اسے ایک بار پھر وہ نظر آیا۔

"ایک منٹ شائستہ!" اس نے اسے روکا۔ شائستہ کا دل بہت زور سے اچھلا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ وہ اس سے مخاطب ہے۔

"آپ میرا ہاتھ دیکھیں گی؟" شائستہ اپنے قہقہے پر کنٹرول نہیں رکھ سکی، مگر وہ اسے اسی طرح ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتا رہا۔

"آپ ان باتوں پر یقین کرتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔"

"مگر باہر سے آنے والے لوگ تو ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔"

"یہ آپ سے کس نے کہا؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"کسی نے نہیں، میں نے خود ہی سوچا۔"

"میں یقین رکھتا ہوں۔"

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ فرنچ کلون سے مہکتا ہوا اس کا وجود اس کے دل کو جیسے اپنی گرفت میں لینے لگا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر خود پر قابو پایا۔

"آپ کیا جاننا چاہتے ہیں اپنے بارے میں؟" ہارون نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا۔

"جو بھی آپ بتا سکیں۔"

"دیکھیں، میں کوئی اچھی پامسٹ نہیں ہوں، یہ تو بس ایسے ہی......" ہارون نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کوئی بات نہیں، آپ پھر بھی میرا ہاتھ دیکھیں۔" شائستہ نے اس کے ہاتھ پر نظر دوڑائی۔ اس نے ہاتھ نہیں تھاما تھا۔ جلدی جلدی اس نے ہارون کو چند باتیں بتائیں۔ وہ بے حد دلچسپی سے سن رہا تھا۔ اس نے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ سوال بھی کیے۔ شائستہ نے ہاتھ دیکھتے ہوئے جواب دیے۔

"اب ایک مشکل سوال پوچھنا چاہتا ہوں؟" وہ ہاتھ پر نظر دوڑا رہی تھی جب ہارون نے کہا۔

"کوئی بات نہیں پوچھیں۔"

اس نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ ہارون نے فوری طور پر کچھ نہیں کہا۔ وہ اس کے سوال کی منتظر رہی۔

"یہ بتائیں کہ میرا ہاتھ دیکھنے والی لڑکی سے میری شادی کب ہوگی؟"

اس کے دل کی دھڑکن رک گئی۔ اس کے ہاتھ پر نظریں جمائے رکھنا یا سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھنا دونوں کام اس کے لیے مشکل ہو گئے تھے۔

"کیوں بھئی آپ کی پامسٹری کو کیا ہوا؟ کل تو آپ دھڑا دھڑ سب کو ان کی متوقع شادیوں اور منگنیوں کے بارے میں بتا رہی تھیں پھر اب کیا ہوا؟"

وہ اس کا چہرہ دیکھے بغیر بھی جانتی تھی کہ وہ اس وقت مسکرا رہا ہوگا۔ اس کی ٹانگیں اب کانپنے لگیں۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق وہ اس کی ہتھیلی کے بجائے اب جوتوں پر نظر جمائے کھڑی تھی۔

"ہائے داوے، میں جب چاہوں اپنے ہاتھ کی لکیروں کو بدل سکتا ہوں اور مجھ سے بہتر یہ کوئی نہیں جانتا کہ میرا مستقبل کیسا ہے۔" اس نے اپنا ہاتھ اب بھی پیچھے نہیں ہٹایا۔

"ہاں اگر کسی چیز کے بارے میں شبہ ہے تو وہ وہی ایک چیز ہے جس کے بارے میں، میں نے آپ سے پوچھا ہے...... آپ سوال کا جواب دینا نہیں چاہتیں؟...... اچھا چلیں، آپ اپنا ہاتھ دکھا دیں۔"

وہ بہت نرم آواز میں کہہ رہا تھا۔ شائستہ کے ہاتھ بھی کانپنے لگے۔ ہارون نے اب اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا تھا اور چند لمحوں کے بعد اس نے بڑی بے خوفی اور اطمینان سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ شائستہ اتنی نروس ہو چکی تھی کہ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اب اس کا ہاتھ کھول کر ہتھیلی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر اس کا ہاتھ دیکھتے رہنے کے بعد اسی اطمینان کے ساتھ اپنی جیب سے ایک انگوٹھی نکالی اور اس کے ہاتھ میں پہنا دی۔

"ہاتھ میں شادی کی لکیر کہاں ہوتی ہے، یہ تو میں نہیں جانتا مگر انگیجمنٹ رنگ کہاں پہنائی جاتی ہے، یہ ضرور جانتا ہوں۔ اگر مشرقی لڑکی کی خاموشی ہی اس کا اقرار ہوتی ہے تو پھر آپ اقرار کر چکی ہیں۔"

اس نے دھیمی آواز میں کہتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑا اور سیڑھیاں اتر گیا۔ وہ بت کی طرح ساکت اپنے ہاتھ کو دیکھتی رہی، اور یہ سکتہ صرف اسے ہی نہیں اس کے پاس کھڑی اس کی کزنز کو بھی ہوا تھا۔ وہ سب خاموشی کے ساتھ ایک دوسرے کے چہرے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے خاندان میں آج تک کسی نے اتنی بے خوفی اور آزاد خیالی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور اب...... ہارون کمال...... شاید وہ...... وہ سب کرنے آیا تھا جو پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

اگلے چند گھنٹوں میں اس واقعہ کی خبر شادی کے اجتماع میں موجود خاندان کے تمام افراد کو ہو چکی تھی اور مختلف لوگ اس واقعہ پر مختلف انداز میں تبصرے کر رہے تھے۔

اس رات شائستہ کے گھر میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ وہ واقعہ اس کے گھر والوں کے علم میں بھی آ چکا تھا۔ اگر ایک طرف وہ ہارون کمال کی جرأت پر پیچ و تاب کھا رہے تھے تو دوسری طرف وہ اس بات پر شاکڈ تھے کہ شائستہ نے وہ انگوٹھی اس کے منہ پر مارنے کی بجائے اس سے لے لی تھی۔

اپنے امی ابو کے پوچھنے پر اس نے جھوٹ بول دیا تھا کہ ہارون نے وہ انگوٹھی زبردستی اسے پکڑا دی تھی۔ اس نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہارون نے وہ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہنائی تھی۔ وہ یہی کہتی رہی کہ اس نے وہ انگوٹھی گفٹ کے طور پر دی تھی۔ اس کے ماں باپ کے لیے یہ چیز بھی قابل قبول نہیں تھی۔

"وہ ہوتا کون ہے تمہیں تحفے دینے والا اور تم نے کیا سوچ کر اس سے تحفہ لیا۔ کیا تمہیں نہیں پتا کہ ہم لوگوں کا ان سے میل جول تک نہیں ہے۔" اس کی امی بہت غصہ میں تھیں۔

"امی! میں کیا کرتی...... اس نے زبردستی......"

"زبردستی کی بچی...... تمہیں وہ انگوٹھی اس کے منہ پر مارنی چاہیے تھی...... اب پورے خاندان میں تمہارے اور اس خبیث کے بارے میں جو باتیں ہو رہی ہیں، وہ سنو جا کر...... ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔" اس کی امی غم و غصہ سے بے حال ہو رہی تھیں۔

وہ بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ اپنے گھر والوں کے برعکس وہ نہ تو شرمندہ تھی اور نہ ہی پریشان بلکہ وہ اندر ہی اندر بے تحاشا خوش اور مسرور تھی۔

سترہ سال کی عمر میں وہ بھی ٹین ایج کے اس سراب کا شکار ہو چکی تھی۔ جس میں ہر چمکتی چیز سونا نظر آتی تھی اور اس وقت ہارون کمال اسے وہی سونا نظر آ رہا تھا۔ اپنے دوسرے بہن بھائیوں کے برعکس اسے کبھی بھی تایا کا خاندان برا نہیں لگا تھا اور نہ ہی اس نے ان کے لائف اسٹائل پر کبھی کوئی اعتراض کیا تھا۔ بلکہ اندر ہی اندر وہ اپنے تایا کے خاندان سے بہت مرعوب تھی اور ان پر رشک بھی کرتی تھی۔ ان کے گھرانے کی آزاد خیالی جو اس کے ماں باپ کے لیے قابل نفرت تھی، اس کے لیے قابل رشک تھی۔

وہ تین بہنوں اور دو بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ اس کی دو بہنوں اور ایک بھائی کی شادی ہو چکی تھی اور وہ خود ایف اے میں تھی۔ اس کے گھرانے میں پردے کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی، بلکہ پورے خاندان میں ہی سوائے تایا کے گھرانے کے...... جہاں نہ صرف اس کی تائی بہت عرصہ پہلے پردہ ترک کر چکی تھیں۔ بلکہ ان کی دونوں بیٹیاں بھی ہر وقت بہت جدید تراش خراش کے ملبوسات میں ملبوس رہتی تھیں۔

ان کے گھر میں ہونے والی پارٹیز کا احوال سن کر جہاں اس کے ماں باپ تایا پر تنقید کرتے وہاں شائستہ اکبر کو تایا کا خاندان کسی دوسرے سیارے سے آئی ہوئی مخلوق لگتا۔

ایسا نہیں تھا کہ اس کا اپنا گھرانہ کسی مالی ناآسودگی کا شکار تھا، مگر شائستہ کے لیے سب کچھ وہ آزادی تھی جو تایا کی بیٹیوں کو حاصل تھی...... اسے اپنے بہن بھائیوں کے برعکس اپنے ماں باپ کی باتوں اور نصیحتوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ بعض دفعہ وہ چڑ جاتی تھی۔ اسے اس برقعہ سے نفرت تھی جو کالج جاتے ہوئے اسے اوڑھنا پڑتا تھا۔

ساٹھ کی دہائی کے ان آخری چند سالوں میں معاشرے میں بہت زیادہ تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ اور یہ تبدیلیاں نہ صرف لوگوں کی سوچ کو بدل رہی تھیں بلکہ ان کے رہنے سہنے کے طریقوں کو بھی بڑی حد تک متاثر کر رہی تھیں۔

وہ کالج میں لڑکیوں کے یونیفارم کی شرٹس میں ہونے والی نت نئی تبدیلیوں اور بالوں کے ہیئر اسٹائلز دیکھتی اور کڑھتی رہتی۔ کیونکہ اسے سادہ چہرے، سیدھی چٹیا اور ڈھیلے ڈھالے یونیفارم میں کسی تبدیلی کی اجازت نہیں تھی۔

اس کی بڑی دونوں بہنوں کی شادی ایف اے کے بعد ہوئی تھی اور وہ جانتی تھی کہ خود اس کی شادی بھی ایف اے کے بعد ہو جائے گی۔ اسے تعلیم میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی وہ خود بھی شادی ہی کرنا چاہتی تھی، مگر جس آزادی کی اسے خواہش اور چاہ تھی، وہ آزادی اسے شادی کے بعد بھی نہیں مل سکتی تھی۔ اس کی دونوں بہنوں کی شادیاں اگرچہ مالی طور پر آسودہ گھرانوں میں ہوئی تھیں۔ مگر وہ گھرانے اور اس کے دونوں بہنوئی اتنے ہی کنزرویٹو تھے جتنے خود اس کے بابا اور بھائی تھے اور وہ جانتی تھی کہ خود اس کے لیے بھی اس قسم کے گھرانے کا انتخاب کریں گے اور یہ چیز اسے کسی حد تک پریشان بھی کر رہی تھی۔

اس کی دونوں بہنیں اپنے گھروں میں بہت خوش تھیں اور وہ حیران ہوتی تھی کہ وہ اتنے گھٹن زدہ ماحول میں کس طرح خوش اور مطمئن ہیں؟ شاید ہارون کمال اگر خود اس کی طرف اس طرح پیش رفت نہ کرتا تو وہ بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوتی، اگرچہ وہ بری طرح اس سے متاثر ہو چکی تھی۔ وہ بہت زیادہ خوبصورت تھا مگر اس خوبصورتی سے بڑھ کر جو چیز شائستہ کو اس کی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ وہ اس کے گھرانے کی آزاد خیالی تھی۔ اسے ہارون کمال کی شکل میں وہ روزن نظر آ گیا تھا۔ جس کے ذریعے وہ اپنے گھرانے کی روایات، پابندیوں اور اخلاقیات سے فرار ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے ماں باپ کی ڈانٹ ڈپٹ اور غصے کے باوجود ہارون کمال کا خیال اس کے دماغ سے غائب نہیں ہوا۔

"پورے خاندان میں سے اگر اس نے مجھے چنا ہے تو مجھ میں یقیناً کوئی ایسی بات تو ضرور ہوگی جو اور کسی میں نہیں تھی۔" وہ بار بار سوچ رہی تھی۔ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھی کہ وہ بہت زیادہ خوبصورت ہے مگر پہلی بار کسی مرد نے اس کی خوبصورتی کو اس طرح سراہا تھا۔ ٹین ایج میں اس طرح کی ستائش انسان کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیتی ہے اور شائستہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔

☆☆☆

تیسرے دن کمال عباس اپنی بیوی کے ساتھ اکبر عباس کے گھر موجود تھے۔ اکبر عباس اور ان کی بیوی نے خاصی رکھائی کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا۔ ہارون کمال والے واقعہ کے بعد ان کا دل کمال عباس کی طرف سے اور بھی کھٹا ہو گیا تھا۔ انہیں یقین تھا ہارون نے یہ حرکت ان ہی کے ایما پر کی ہوگی اور اس وقت ان کے اس خیال کی تصدیق ہو گئی تھی جب کمال عباس نے ہارون کے لیے شائستہ کا رشتہ مانگا تھا۔

اکبر عباس ان کی بات پر بھڑک اٹھے۔

"آپ نے اتنی بڑی بات کہنے کی ہمت کیسے کی...... کیسے جرأت ہوئی آپ کو کہ آپ میری بیٹی کا رشتہ لینے چل پڑے؟"

"اتنے غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے اکبر! کیا تم نے بیٹی نہیں بیاہنی ہے۔ بیٹیوں والے گھروں میں کوئی بھی آ سکتا ہے۔" کمال عباس ان کے غصے سے بالکل متاثر ہوئے بغیر بولے۔

"مگر کسی حرام کمانے اور کھانے والے کو میرے گھر آنے کی ضرورت نہیں ہے...... نہ ہی میں کسی ایسے گھر میں اپنی بیٹی بیاہوں گا جو حرام کی کمائی سے بنا ہو۔"

کمال عباس کا چہرہ چند لمحوں کے لیے سرخ ہوا۔ "میں پورے خاندان کو چھوڑ کر تمہارے گھر آیا ہوں اور تم......"

اکبر عباس نے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ خاندان میں جہاں چاہیں جائیں مگر اس مقصد کے لیے میرے گھر آنے کی زحمت دوبارہ نہ کریں۔"

"تمہیں مجھ پر اور میرے کاروبار پر اعتراض ہے مگر میرے بیٹے میں کیا خامی نظر آ رہی ہے؟" کمال عباس نے ہمت نہیں ہاری۔

"آپ کے بیٹے میں کیا خرابی ہے؟ اس لفنگے کا نام میرے سامنے دوبارہ مت لیجیے گا...... حرام کی کمائی پر پلنے والی اولاد وہی سب کچھ کرتی ہے جو اس نے کیا...... پورے خاندان میں اس نے میری بیٹی کو بدنام کر دیا...... سب کے سامنے کسی لحاظ، کسی شرم کے بغیر اس نے میری بیٹی کو انگوٹھی پہنائی...... کیا سمجھا اس نے مجھے یا میری بیٹی کو...... جن لوگوں میں غیرت ہو وہ اس طرح

کے کام نہیں کرتے، اور میں اس کمینے کو اپنا داماد بنالوں۔ وہ آپ کا بیٹا نہ ہوتا تو ایسی حرکت کے بعد میں اسے جان سے مار دیتا، اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے اسے صحیح سلامت چھوڑ دیا۔"

اکبر عباس بہت کم غصے میں آتے تھے مگر جب وہ غصے میں آتے تھے تو پھر انہیں ٹھنڈا کرنا خاصا مشکل کام ہوتا تھا اور اس وقت کمال عباس بھی اسی مشکل کا سامنا کر رہے تھے۔

"میں ہارون کی حرکت پر شرمندہ ہوں۔ اس سے غلطی ہو گئی، ابھی وہ نیا نیا باہر سے آیا ہے۔ اسے یہاں کے ماحول کا پتا نہیں ہے، میں اسے سمجھا دوں گا وہ ٹھیک ہو جائے گا دوبارہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔"

"دوبارہ وہ ایسی حرکت کرے گا تو اپنے پیروں پر چل کر واپس نہیں جا سکے گا۔"

"اکبر! اتنا غصہ تمہارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ ذرا سوچو، اس رشتہ کی وجہ سے دونوں گھرانے ایک بار پھر ایک دوسرے کے قریب آ جائیں گے۔ پچھلے بہت سے سالوں میں ہم دونوں کے درمیان موجود تعلق میں جو دراڑ آ گئی ہے۔ شائستہ اور ہارون کا رشتہ اس دراڑ کو پر کر دے گا۔ تمہاری بیٹی میرے گھر بہت خوش رہے گی۔"

کمال عباس نئے سرے سے انہیں منانے کی کوشش کر رہے تھے مگر اکبر عباس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ "میرے اور آپ کے درمیان موجود رشتہ میں دراڑ آپ کے ان نظریات نے پیدا کی ہے۔ جنہیں آپ نے اپنی زندگی گزارنے کے لیے چنا ہے اور کوئی نیا رشتہ اس دراڑ کو پر نہیں کر سکتا...... نہ آج، نہ ہی آئندہ کبھی، میں نے اپنی اولاد کو رزق حلال کھلا کر بڑا کیا ہے اور اب میں انہیں حرام کھانے کی عادت نہیں ڈالنا چاہتا۔ اس لیے آپ میرے گھر سے چلے جائیں اور اپنے بیٹے سے یہ بات کہہ دیں کہ میں اپنی بیٹی کو ساری عمر اپنے گھر تو بٹھا کر رکھ سکتا ہوں مگر اس جیسے شخص کے ساتھ شادی کبھی نہیں کروں گا۔"

اکبر عباس قطعی لہجے میں کہتے ہوئے اٹھ کر ڈرائنگ روم سے نکل گئے۔

☆☆☆

کمال عباس نے اپنے بھائی کی تمام باتیں بلاکم و کاست واپس گھر جا کر ہارون کو بتا دی تھیں۔

ہارون نے دو دن پہلے جب ان سے شائستہ کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے گھر رشتہ لے جانے کے لیے کہا تھا تو کمال عباس نے اکبر عباس کے متوقع ردعمل کے بارے میں پہلے ہی اسے مطلع کر دیا تھا۔ مگر ہارون پر ان کی اس تنبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس نے نہ صرف شائستہ کو انگوٹھی پہنائی تھی بلکہ انہیں اس کے گھر رشتہ لے کر جانے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔

اپنے باپ کے منہ سے اس نے اکبر عباس کی ساری باتیں چہرے پر کوئی تاثر لائے بغیر بڑی خاموشی کے ساتھ سنی تھیں۔ اپنی بات کے اختتام پر کمال عباس نے اسے جیسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... میرے بہت سے دوستوں کی بیٹیاں شائستہ سے بہتر ہیں۔ تم دیکھنا، ہم تمہارے لیے کیسی بیوی لے کر آتے ہیں، پورا خاندان دیکھے......"

ہارون کمال نے ان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔ "نہیں میری بیوی بن کر اس گھر میں صرف شائستہ ہی آئے گی۔"

"مگر اکبر اس رشتہ پر رضامند نہیں ہے۔" کمال عباس نے بیٹے کو یاد دلایا۔

"تو پھر کیا؟...... اگر اکبر رضامند نہیں ہے تو تمہاری شادی شائستہ سے کیسے ہو سکتی ہے؟"

"شادی کے لیے صرف لڑکی کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ اس کے باپ کی نہیں...... اور شائستہ رضامند ہے۔" ہارون نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تم اس کو گھر سے بھگا کر اس کے ساتھ شادی کرو گے؟ تم اکبر کو نہیں جانتے اس کی اولاد کی تربیت ایسی نہیں ہوئی کہ وہ اس طرح کا قدم اٹھائیں یا باپ کے فیصلوں کے خلاف چلیں...... اور پھر اس کی بیٹی ایسا کام کرے، یہ تو بالکل ہی ناممکن ہے۔" کمال عباس اس کی بات پر پریشان ہو گئے تھے۔

"میں بھی تو دیکھنا چاہتا ہوں پاپا...... ایسی بھی کون سی تربیت کر دی ہے انہوں نے اپنی اولاد کی، جسے وہ اس قدر جتاتے رہتے ہیں۔ مجھے بھی تو پتا چلے وہ کون سا "رزق حلال" ہے جس نے ان کی اولاد کو کسی دوسرے سیارے کی مخلوق بنا دیا ہے۔ اتنا فخر اور غرور آخر انہیں کس چیز پر ہے۔ جو شخص ترقی کرنے کے فن سے واقف نہیں۔ وہ دوسروں کی ترقی پر تبصرہ کرنے کا حق کیسے رکھتا ہے۔"

"ہمیں کسی جھگڑے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، نہ ہی تمہیں ایسی کوئی حرکت کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے تمہیں کہا نا کہ دنیا میں شائستہ سے بہتر لڑکیاں موجود ہیں اور......"

ہارون نے ایک بار پھر کمال عباس کی بات کاٹ دی۔ "مگر اکبر عباس کی صرف ایک ہی بیٹی کا نام شائستہ ہے اور مجھے اسی سے شادی کرنی ہے۔ کیونکہ وہ مجھے بہترین لگی ہے۔"

"مگر اکبر کو تم پسند نہیں ہو۔"

"ہاں اکبر عباس کو میں بدترین لگا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ انہیں بدترین شخص داماد کے طور پر ملے۔ انہوں نے کہا تھا وہ اپنی بیٹی کو ساری عمر گھر میں بٹھا کر تو رکھ سکتے ہیں مگر میرے ساتھ اس کی شادی نہیں کر سکتے۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"انہوں نے ٹھیک کہا تھا۔ مگر سات پردوں میں چھپی ہوئی رزق حلال پر پرورش پانے والی ان کی یہ بیٹی خود تو باہر آ کر مجھ سے شادی کر سکتی ہے نا...... پھر آپ کے بھائی کیا کریں گے، یا کیا کر سکیں گے۔ دیوار میں نقب لگانے والے چور کو صرف ایک کچی اینٹ کی ضرورت ہوتی ہے پھر دیوار توڑنے میں دیر نہیں لگتی اور شائستہ انکل اکبر کی دیوار کی وہی کچی اینٹ ہے اور کچی اینٹ چاہے مسجد میں ہی کیوں نہ لگائی گئی ہو وہ چور کو اندر آنے سے روک نہیں پاتی۔"

ہارون کی مسکراہٹ بہت گہری ہو گئی تھی...... کمال عباس نے اپنے چھ فٹ تین انچ لمبے بیٹے کو کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھا...... اور انہیں اس پر فخر ہوا تھا۔

☆☆☆

"سکینہ ذرا اس میز کو دیکھو...... جگہ جگہ گرد موجود ہے یوں لگتا ہے جب سے میں چھٹی پر گئی ہوں تم نے میز کو صاف ہی نہیں کیا۔"

یتیم خانے کی انچارج تین دن کی چھٹی کے بعد آج ہی واپس آئی تھی اور اپنے آفس میں آتے ہی میز پر موجود گرد کی تہہ نے اس کا پارہ ہائی کر دیا تھا۔

"نہیں، میں تو ہر روز باقاعدگی سے کمرے کی صفائی کرتی رہی ہوں۔"

سکینہ نے فوراً سے پیشتر اپنے دوپٹے کے پلو کے ساتھ میز کو صاف کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی جیسے اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

"مجھے نظر آ رہا ہے یہاں کتنی باقاعدگی سے صفائی ہوتی رہی ہے...... جلدی جلدی میز صاف کرو اور آج کا اخبار لے کر آؤ۔" انچارج نے ناگواری سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

سکینہ نے برق رفتاری سے میز صاف کی اور پھر اسی تیزی کے ساتھ دفتر سے باہر نکل گئی۔ چند منٹوں کے بعد وہ ایک بار پھر دفتر میں آئی تھی اس بار اس کے ہاتھ میں اخبار تھا جسے اس نے انچارج کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

"ذرا پچھلے تین دن کے اخبار بھی لے کر آؤ۔"

انچارج نے اخبار کھولتے ہوئے کہا۔ سکینہ ایک بار پھر دفتر سے نکل گئی۔ جبکہ انچارج نے اخبار کھول کر اپنے سامنے پھیلا لیا۔ سرسری نظر کے ساتھ اخبار کی سرخیوں پر نظر ڈالتے ہوئے وہ اندرونی صفحات پر پہنچ گئی جہاں صوبائی دارالحکومت میں ہونے والی سوشل ایکٹیویٹیز کی خبریں اور تصویریں تھیں۔

وہ تصویروں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال رہی تھی جب ایک تصویر نے اچانک اسے ٹھٹک جانے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن اور ماتھے پر کچھ سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ اخبار کی اس تصویر اور تصویر کے نیچے موجود کیپشن کو اس نے زیر لب دو تین

بار پڑھا تھا اور پھر جیسے اس کی الجھن میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

"سکینہ! ذرا اس تصویر کو دیکھو۔" چند منٹوں کے بعد سکینہ کے دوبارہ کمرے میں آنے پر انچارج نے اخبار اس کے سامنے میز پر پھیلا کر اس تصویر کے نیچے انگلی رکھ دی۔ سکینہ نے آگے جھک کر بڑے تجسس کے عالم میں اس تصویر کو دیکھا۔

"یہ وہی عورت نہیں ہے جو کچھ ہفتے پہلے یہاں آئی تھی...... یاد ہے نا تمہیں، بڑی خوبصورت سی ساڑھی باندھی ہوئی تھی اس نے، بالکل اسی انداز میں، جیسی اس تصویر میں باندھی ہوئی ہے۔" انچارج نے جیسے تصدیق کرنے والے انداز میں پوچھا۔

"ہاں جی، یہ وہی عورت ہے۔ اسے پہچاننے میں کیا دیر لگنی ہے۔ روز روز تو اتنی خوبصورت عورتیں نظر نہیں آتیں نا، وہی ہے بالکل وہی ہے، مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" سکینہ نے تصویر پر ایک نظر ڈالتے ہی کہا تھا۔

"ہاں مجھے بھی یقین تھا کہ یہ وہی عورت ہے...... مجھے حیرانی ہے کہ یہ لاہور سے یہاں کیسے آ گئی ایک بچے کے پیچھے اور پھر اخبار میں اس کی تصویر اور نیچے لکھی ہوئی عبارت نے مجھے حیران کر دیا ہے، میں نہیں جانتی تھی، یہ اتنی مشہور و معروف عورت ہے۔"

انچارج اب بھی الجھے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہمیں کیا جی، جتنی مرضی مشہور عورت ہو، آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟" سکینہ نے کچھ حیرانی سے انچارج کو دیکھا۔

"میں صرف اس بات پر حیران نہیں ہو رہی کہ یہ عورت اتنے بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے یا بہت نامور ہے۔ مجھے تو اس کی غلط بیانی نے حیران کیا ہے۔"

"غلط بیانی؟"

"ہاں غلط بیانی اس عورت نے مجھے اپنا نام عالیہ بتایا تھا۔ اور اس تصویر میں اس کا نام......"

☆☆☆

ہارون کی چھوٹی بہن نیلوفر شائستہ کے کالج میں پڑھتی تھی...... شائستہ کا اکثر اس سے آمنا سامنا ہوتا رہتا تھا، مگر وہ ہمیشہ اسے نظر انداز کر کے گزر جایا کرتی تھی۔ شائستہ بھی یہی کرتی...... والدین کے درمیان پائی جانے والی تلخی نے بچوں کو بھی ایک دوسرے سے خاصا دور کر دیا تھا۔

نیلوفر کو نظر انداز کرنے کے باوجود شائستہ اس سے بہت مرعوب تھی، اور مرعوبیت کی وجہ اس کا حلیہ اور لائف اسٹائل تھا۔ نیلوفر کی کمپنی میں ساری لڑکیاں اسی کی طرح لبرل تھیں۔ اس زمانے میں ان کا گروپ کالج کے ان چند گروپس میں سے تھا جو بہت نمایاں تھے اور اس کی بنیادی وجہ ان کی آزاد خیالی اور جدت پسندی تھی۔ ان کے گروپ میں سے کوئی بھی پردہ نہیں کرتا تھا اور شائستہ کو متاثر اور مرعوب کرنے کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا۔ نیلوفر کے تراشیدہ شانوں پر جھولتے ہوئے خوبصورت بال شائستہ کے نزدیک اس کی ایک اور خوبی تھی۔ وہ کالج آنے والی ان چند لڑکیوں میں سے ایک تھی جو اپنی ذاتی کار کو خود ڈرائیو کر کے آتی تھیں اور شائستہ کی فرسٹریشن میں اضافے کا باعث بنتی تھیں۔

وہ خود اس گاڑی میں کالج آتی تھی جسے اس کا بھائی ڈرائیو کرتا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اس کی زندگی میں کبھی بھی وہ دن نہیں آئے گا...... کم از کم اس گھر میں، جب وہ اپنی گاڑی کو خود ڈرائیو کر کے کالج آئے۔

اپنے باپ کی توجیہات اور تاویلات اس کی سمجھ سے بالاتر تھیں یا پھر وہ انہیں سمجھنا چاہتی ہی نہیں تھی۔ اس کی دوستیں نیلوفر سے اس کا رشتہ جانتی تھیں اور وہ اکثر اس سے نیلوفر کی بے اعتنائی کی وجہ بھی پوچھتی تھیں...... شائستہ ہر بار فیملی پرابلم کا بہانہ بنا دیتی اور جب اس کی دوستیں اس بات پر حیرانی کا اظہار کرتیں کہ ایک ہی فیملی کا حصہ ہونے کے باوجود نیلوفر اتنی آزاد خیال کیسے ہے تو شائستہ بالکل خاموش رہتی۔ وہ کبھی بھی اس طرح نیلوفر کے لائف اسٹائل کو تنقید کا نشانہ نہ بناتی جس طرح اس کے والد اکبر عباس اپنے بھائی اور اس کے خاندان کو بناتے تھے۔

اس دن پہلی بار نیلوفر اس کے پاس آئی۔

"ہیلو شائستہ کیسی ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' شائستہ جیسے حیرت کے غوطے کھانے لگی۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے اگر تم چند لمحوں کے لیے میرے ساتھ آ سکو؟'' نیلوفر نے اس کی دوستوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت حلیمہ اور عارفہ اس کے ساتھ تھیں۔

''ہاں ٹھیک ہے...... میں ابھی آتی ہوں۔'' شائستہ اپنی دوستوں سے کہتے ہوئے نیلوفر کے ساتھ چل پڑی۔

وہ اسے چند قدم دور کالج کے لان کے ایک سنسان گوشے میں لے آئی۔ کچھ کہے بغیر اس نے اپنا بیگ کھول کر کچھ تلاش کرنا شروع کر دیا اور پھر چند لمحوں کے بعد مسکراتے ہوئے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ شائستہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''یہ ہارون بھائی نے دیا ہے۔'' اس نے جیسے شائستہ کی حیرت دور کی۔

''مجھے؟'' شائستہ کی حرانی اب بھی کم نہیں ہوئی۔

''ہاں...... اور وہ کہہ رہے تھے کہ انہیں اس خط کا جواب چاہیے۔'' شائستہ کی نظریں اس خط پر ٹکی رہیں...... اس کا دماغ اس وقت کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر آہستگی سے اس نے نیلوفر سے وہ لفافہ لے لیا۔

''میں کل دوبارہ تمہارے پاس آؤں گی...... یہیں پر۔'' نیلوفر جاتے ہوئے کہا شائستہ نے سر ہلا دیا۔ نیلوفر کے جانے کے بعد اس نے وہیں کھڑے کھڑے اپنا بیگ کھولا اور خط اندر رکھ دیا۔

''کیوں بھئی، کیا آج تمہاری کزن کو تمہارا خیال کیسے آ گیا؟'' اس کے واپس آتے ہی حلیمہ نے اس سے پوچھا۔

''اور وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی تم سے؟'' اس بار عارفہ نے کہا۔

''جس کے لیے اتنی رازداری کی ضرورت تھی؟'' حلیمہ نے عارفہ کے سوال میں اضافہ کیا۔

''کچھ نہیں وہ بس ہمارے گھر آئے تھے نا کچھ دن پہلے...... تو اپنے گھر آنے کے لیے کہہ رہی تھی۔'' شائستہ نے فوراً بہانا گھڑا۔

''اچھا تم لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا ایک دوسرے کے گھر؟...... پہلے تو خاصے عرصے سے ناراضی تھی نا تم لوگوں کے گھر والوں کے درمیان؟'' حلیمہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہاں، وہ پچھلے دنوں پھوپھو کے گھر شادی تھی نا تو وہیں پر سب نے کچھ صلح صفائی کروا دی۔'' اس نے نظریں ملائے بغیر جھوٹ بولا۔

''چلو اچھا ہوا، جھگڑا تو ختم ہوا۔'' حلیمہ نے خوشی کا اظہار کیا۔

''کلاس شروع ہونے والی ہے چلنا چاہیے۔'' عارفہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، چلتے ہیں۔'' شائستہ نے موضوع بدلے جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

اس دن وہ باقی سارا وقت کالج میں غائب دماغ رہی...... اس کے ذہن میں صرف وہ خط تھا۔ اس خط میں کیا تھا؟ ہارون نے وہ کیوں بھیجا تھا؟ ساری کلاسز اس نے ان ہی دو سوالوں کے جواب سوچتے ہوئے لیں۔

گھر آ کر کھانا کھائے بغیر وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ دروازہ لاک کرنے کے باوجود اسے یوں ہی لگ رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی اندر ضرور آ جائے گا۔ کانپتے ہاتھوں اور خشک ہونٹوں کے ساتھ اس نے بیگ میں سے وہ لفافہ نکالا اور اسے کھول کر اندر موجود رقعہ باہر نکال لیا۔

پیاری شائستہ!

میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔

ہمیشہ تمہارا

ہارون کمال

وہ کالج میں سارا دن اس خط میں جس قسم کے پیغام کی توقع کر رہی تھی...... خط میں ویسا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا

وہ اپنے خط میں اس سے اظہار محبت کرے گا اور اپنے والدین کے ساتھ اس طرح کے سلوک پر ناراضی کا اظہار کرے گا...... اور شائستہ سوچ چکی تھی کہ وہ خط کے جواب میں خود بھی اس کے لیے پسندیدگی کا اظہار کرے گی اور اپنے والدین کے رد عمل پر معذرت کر لے گی...... مگر خط میں موجود تحریر نے اسے ہکا بکا کر دیا۔ وہ کتنی ہی دیر خط اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھی رہی پھر دروازے پر دستک ہونے لگی اور اس نے گڑبڑا کر خط اپنے بیگ میں ٹھونس لیا۔

''شائستہ کھانا کھا لو۔'' اس نے دروازے پر اپنی امی کی آواز سنی۔

''میں کپڑے تبدیل کر رہی ہوں۔ ابھی آتی ہوں۔'' اس نے دروازہ کھولے بغیر بلند آواز میں کہا۔

☆☆☆

اس رات وہ دیر تک جاگتی رہی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہارون کو کیا جواب دے۔ وہ ہارون سے چاہتے ہوئے بھی ملنا نہیں چاہتی تھی، مگر اسے خوف تھا کہ اگر اس نے ہارون سے ملنے سے انکار کر دیا تو شاید ہارون دوبارہ اس سے کبھی رابطہ نہ کرے اور وہ ہارون کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اسے کھو سکتی ہی نہیں تھی...... اسے پہلی بار اپنے ماں باپ سے نفرت اور الجھن محسوس ہو رہی تھی...... اگر وہ ہارون کمال کے والدین کے لائے ہوئے پرپوزل کو قبول کر لیتے تو آج اسے اس آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا۔

اسے خوف تھا کہ اگر وہ ہارون سے ملنے گئی اور کسی نے اسے دیکھ لیا تو...... اور وہ ہر قیمت پر ہارون سے ملنا بھی چاہتی تھی۔ اس کے پاس ہارون کی دی ہوئی وہ انگوٹھی ابھی تک تھی جس کے بارے میں اس نے اپنے والدین سے کہا تھا کہ وہ اسے کہیں پھینک چکی ہے۔

اپنی ہتھیلی پر اس انگوٹھی کو رکھے وہ بہت دیر اسے دیکھتی رہی اور پھر جیسے وہ ایک فیصلے پر پہنچ گئی۔

''میں کسی صورت بھی اس شخص کو نہیں چھوڑ سکتی۔''

اپنے جیولری باکس میں اس رنگ کو رکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

☆☆☆

اگلے دن کالج میں نیلوفر کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ اپنی دوستوں کو چھوڑ کر اس کی طرف بڑھ آئی۔

''ہارون مجھ سے ملنا چاہتے ہیں...... آپ انہیں بتا دیں کہ میں ان سے کبھی بھی کسی بھی جگہ ملنے کو تیار ہوں، لیکن کالج سے جانے کے بعد میں کہیں بھی اکیلے نہیں جا سکتی۔''

اس نے نیلوفر کو بتا دیا۔ نیلوفر کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

''میں تمہیں کالج آورز کے دوران اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔''

''لیکن کالج سے جانے کی اجازت کیسے ملے گی؟''

''وہ میں کر لوں گی۔'' نیلوفر نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

اس دن پہلی بار اس نے بازار سے خریداری کرتے ہوئے خوشی محسوس کی...... اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ ایک کمرے کے لیے نہیں، اس گھر کے لیے خریداری کر رہی ہے جس کی اس نے ہمیشہ خواہش کی تھی...... وہ گھر جو اس کا اپنا تھا۔ جہاں کی ہر چیز اس کی اپنی تھی...... جس پر اسے مکمل اختیار تھا جو اس کی ذمہ داری تھا۔

پہلی بار اسے اپنی زندگی کا کوئی مقصد نظر آیا تھا...... شہیر کو اٹھائے وہ بازار میں پھرتی رہی...... لوگوں کی نظروں کے تمسخر اور ہونٹوں پر پھیلتی مسکراہٹ نے پہلی بار اسے خوفزدہ نہیں کیا۔ وہ شہیر کی صورت میں جیسے کوئی اسم اعظم لیے پھر رہی تھی جس نے اسے ہر نظر، ہر طنز، ہر تحقیر سے محفوظ کر دیا تھا۔

واپس گھر آ کر وہ گھر میں سامان لگانے میں جت گئی...... اگلے چند دن وہ اسی کام میں مصروف رہی۔ اسکول سے واپس آنے کے بعد اس کمرے کے لیے کچھ نہ کچھ خریدتی اور بناتی رہی...... اس نے کمرے میں سفیدی کروائی

کھڑکیوں اور دروازے کے لیے پردے بنائے...... فرش کے لیے دری خریدی...... بستر کی چادریں اور تکیے کے غلاف سیے...... کمرے کے ایک کونے کو کچن کی شکل دی...... باہر چھوٹے سے صحن کے لیے کچھ پودے خریدے...... پرانے فرنیچر کی ایک دکان سے چند کرسیاں، ایک میز اور ایک پلنگ خریدا...... کچن کے لیے سامان لے کر آئی۔

ایک ہفتہ کے بعد وہ کمرہ ایک مکمل گھر بن چکا تھا۔ دو مکینوں پر مشتمل ایک ایسا گھر جس کی بنیاد خوابوں اور خواہشوں سے تعمیر کی گئی تھی اور جس کی چھت امیدوں سے بنائی گئی تھی۔

شہیر کو وہ اپنے ساتھ ہی اسکول لے جایا کرتی تھی، اسکول کی ہیڈ مسٹریس کو اس نے شہیر اور اپنے بارے میں وہی بتایا جو وہ سب کو بتا رہی تھی...... اور ہیڈ مسٹریس نے اس پر جیسے ترس کھاتے ہوئے اسے شہیر کو اپنے ساتھ اسکول لانے دیا۔ شہیر وہاں اسکول میں کام کرنے والی ایک آیا کے پاس رہتا اور فاطمہ فرصت کے اوقات میں اسے دیکھتی رہتی۔

شہیر اس کے لیے ایک بہت ہی صابر بچہ ثابت ہوا تھا...... یتیم خانے سے فاطمہ کے پاس آنے کے بعد اس نے فاطمہ کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا۔

شہیر کو اسے پہلے بھی دو فیملیز ایڈاپٹ کر چکی تھیں...... پہلی بار اسے چھ ماہ کی عمر میں ایک بے اولاد جوڑے نے گود لیا۔ مگر ایک ہفتہ بعد ہی وہ شہیر کو واپس چھوڑ گئے کیونکہ ان کے گھر کے بڑوں نے شہیر کی ایڈاپشن پر بہت سارے اعتراضات اور تنقید کی تھی۔

دوسری بار ڈیڑھ سال کی عمر میں ایک اور بے اولاد جوڑے نے اسے گود لیا۔ چھ ماہ تک انہوں نے شہیر کو اپنے پاس رکھا۔ پھر اس جوڑے کے اپنے ہاں شادی کے پندرہ سال بعد اولاد کی امید پیدا ہو گئی اور معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ بھی شہیر کو واپس وہیں چھوڑ گئے۔

فاطمہ شہیر کے اس بیک گراؤنڈ سے واقف تھی اور اگر ایک طرف اس کی خوبصورتی نے اسے اپنی طرف راغب کیا تھا تو دوسری طرف اس ریجیکشن نے بھی اس کے دل میں شہیر کے لیے ایک خاص گوشہ پیدا کر دیا۔ شاید لاشعوری طور پر وہ اپنے آپ کو اور شہیر کو Relate کرنے لگی تھی۔

کسی بچے کو پالنا کتنا مشکل کام ہے...... خاص طور پر تب جب کوئی شخص بہت عرصے سے اپنے علاوہ کسی دوسرے کی ذمہ داری اٹھانے یا نبھانے کا عادی ہی نہ رہا ہو، شہیر رونے یا تنگ کرنے کا عادی نہیں تھا مگر اس کے باوجود اس کو اپنی روٹین لائف میں شامل کرنا شروع میں فاطمہ کو خاصا مشکل لگا...... پھر آہستہ آہستہ وہ اس کی عادی ہونے لگی۔ شہیر نے اس کی تنہائی کو جیسے بالکل ختم کر دیا تھا۔

بعض دفعہ اسے اپنے گھر والوں کا خیال آتا۔ کوئی زخم جیسے ایک بار پھر سے ہرا ہونے لگتا۔

''کیا میں واقعی اتنی بے قیمت اور غیر ضروری شے تھی کہ انہوں نے مجھے منانے واپس لے جانے کی کوشش ہی نہیں کی؟'' وہ کبھی کبھار خود سے سوال کرتی اور اس کی افسردگی بڑھ جاتی...... شاید اس کے لاشعور میں کہیں اب بھی یہ خواہش یا توقع موجود تھی کہ اس کے گھر کا کوئی فرد اس سے رابطہ کرے۔ اس کی ناراضی کی وجہ جاننے کی کوشش کرے۔ اسے ایک بار پھر سے واپس لوٹنے کا کہے۔ وہ واپس جائے یا نہ جائے مگر وہ ان سے رابطہ ضرور رکھے۔

اس کی توقع صرف توقع ہی رہی...... کسی نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، نہ ہی اس کے پیچھے آنا چاہا۔

وہ اگرچہ اپنا شہر چھوڑ آئی تھی مگر اسے ڈھونڈنا اس کے گھر والوں کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ سرکاری ملازمت میں تھی۔ اس کی ٹرانسفر ہو چکی تھی مگر اس کے پرانے اسکول کے ذریعے اسے ٹریس آؤٹ کیا جا سکتا تھا۔ بہت دن تک لاشعوری طور پر اسکول آنے والے ہر وزیٹر میں اپنے بھائی اور ماں کو تلاش کرتی رہی...... پھر آہستہ آہستہ اس نے اس تکلیف دہ حقیقت کو قبول کر لیا کہ اسے بھلا دیا گیا ہے۔

☆☆☆

تیسرا باب

"برقع کے کچھ فائدے ہیں یہ مجھے آج پتا چلا ہے۔" وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا شوخی سے کہہ رہا تھا۔
"مگر اس کے نقصانات بہرحال زیادہ ہیں یہ حسن کو چھپا دیتا ہے اور دنیا میں حسن ہی تو دکھانے والی چیز ہے۔"
اس نے اب راوی کے کنارے گاڑی روک لی۔
"اور تم صرف حسن نہیں سراپا حسن ہو۔" اب وہ اس کی طرف گردن موڑے کہہ رہا تھا۔
شائستہ ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتی رہی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ہارون کمال سے نظریں ملا سکتی۔
"تو بات گاڑی سے باہر چلتے پھرتے ہوگی؟ یا پھر......" اس نے پہلی بار ہارون کی بات کاٹی۔
"نہیں یہیں بات کر لیتے ہیں۔" برقع اوڑھنے کے باوجود شائستہ کو خوف تھا کہ گاڑی سے باہر نکلنے پر کوئی نہ کوئی اسے دیکھ لے گا اور پہچان لے گا اور وہ اسی شناخت سے خوفزدہ تھی۔
"ٹھیک ہے یہیں بات کر لیتے ہیں...... سب سے پہلے تو چہرے سے یہ نقاب ہٹا دو، کیونکہ میں چہرے پر نقاب کے ساتھ بات نہیں کروں گا۔" ہارون نے دوٹوک انداز میں کہا۔
"لیکن اگر کسی نے دیکھ لیا تو میرے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔"
"میں تمہیں راوی کے کنارے شہر سے تقریباً باہر لے آیا ہوں...... یہاں تمہیں کون دیکھ سکتا ہے اور اگر کوئی دیکھ بھی لیتا ہے تو میں سب کچھ ہینڈل کر لوں گا۔"
ہارون نے متاثر ہوئے بغیر کہا۔ شائستہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے آہستہ آہستہ چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ ہارون کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"تم نے میری رنگ نہیں پہنی؟" اس نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔
"نہیں...... مجھے چھپا کر رکھنا پڑی کیونکہ سب کو اس واقعہ کا پتا چل گیا تھا اور امی اور بابا بہت ناراض تھے۔" سر جھکائے شائستہ نے جواب دیا۔
"کیوں؟" ہارون نے بڑے تیکھے انداز میں پوچھا۔
"انہوں نے اپنی بے عزتی محسوس کی۔"
"جس کا بدلہ انہوں نے میرے والدین کو بے عزت کر کے لیا۔"
"میں اس کے لیے معذرت......" ہارون نے شائستہ کی بات کاٹ دی۔
"میں نے تمہیں یہاں کسی معذرت کے لیے نہیں بلوایا۔ تمہارا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔"
شائستہ نے اس کی بات پر سکون کا سانس لیا۔
"تمہارے گھر والے بہت عجیب ہیں شائستہ......! غاروں میں رہنے والے لوگ ہوتے تھے نا اس طرح کی Breed

ہے تمہارے گھر میں...... پتہ نہیں کون سی صدی میں جیتے ہیں انکل۔"

اس کے لہجے میں تمسخر اور تحقیر تھی اور شائستہ کو یہ دونوں چیزیں بری نہیں لگیں۔

"تمہارا دم نہیں گھٹتا اس گھر میں؟" اس نے شائستہ سے پوچھا۔

وہ خاموش رہی۔ "تم جیسی لڑکی کو اس گھر میں نہیں ہونا چاہیے۔"

شائستہ کو لگا جیسے ہارون کو اس پر ترس آ رہا ہو۔

"اور میں نے اسی لیے تمہیں اس گھر سے نکال لانے کی کوشش کی...... مگر تمہارے ماں باپ...... ڈوبنے والا شخص اپنے ساتھ ڈوبنے والے کو بھی بچنے نہیں دیتا...... وہ چاہتا ہے وہ بھی اسی کی طرح پانی میں غوطے کھاتا رہے اور انکل بھی یہی چاہتے ہیں وہ خود جس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں ویسی ہی زندگی وہ اپنی اولاد پر بھی تھوپ دینا چاہتے ہیں بلکہ تھوپ چکے ہیں...... اب بس تم رہ گئی ہو اور وہ تمہیں بھی چھوڑنا نہیں چاہتے۔"

شائستہ کو بے اختیار خود پر ترس آیا۔

"تم خود سوچو۔ کون سا باپ ہوگا جو میرے جیسے بندے کے پرپوزل کو اس طرح اپنی بیٹی کے لیے رد کر دے گا۔ کس چیز کی کمی ہے مجھ میں؟ کیا میں خوبصورت نہیں؟ دولت مند نہیں؟ تعلیم یافتہ نہیں؟ ان کے پہلے دونوں دامادوں سے بہتر نہیں؟ پھر بھی وہ اس پرپوزل کو ٹھکرا رہے ہیں...... صرف اپنی ضد کی خاطر...... میرے باپ سے ان کے اختلافات ہو سکتے ہیں، مگر مجھ سے ان کا کیا اختلاف ہے۔ یہ میری سمجھ سے بالاتر ہے...... وہ انا کے مارے ہوئے ہیں یا حسد کے...... یا پھر دونوں کے یہ میں نہیں جانتا لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ تمہاری زندگی برباد کر دیں گے۔ انہیں تمہاری پسند، ناپسند سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

وہ مسلسل بولتا جا رہا تھا اور شائستہ اسی خاموشی سے سن رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اسے روکنے یا اس کے کسی تبصرے پر اعتراض نہیں کیا۔ اس وقت اسے ہارون کی باتوں میں سچ اور صرف سچ نظر آ رہا تھا۔

"جس شخص کو اپنی اولاد سے محبت ہو۔ وہ اپنی اولاد کی زندگی کے سارے فیصلے خود کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کیا انہوں نے تم سے پوچھا کہ تمہاری میرے بارے میں کیا رائے ہے؟ تم کیا چاہتی ہو؟ نہیں انہوں نے نہیں پوچھا ہوگا۔ انہوں نے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی ہوگی، یہ سوال تو وہ شخص اپنی بیٹی سے پوچھتا جس شخص کو اپنی بیٹی کی خوشیاں عزیز ہوتیں مگر انکل اکبر جیسا شخص جسے اپنی ناک کے علاوہ دنیا میں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ وہ ایسی باتوں کی پروا کیوں کریں۔ مجھے حیرت تم پر ہے شائستہ! تم میں تو اتنی جرأت ہونی چاہیے تھی کہ تم انکل اکبر کے سامنے آ کر اپنی پسند کا اظہار کر دیتیں...... انہیں بتاتیں کہ تمہیں یہ پرپوزل قبول ہے اور تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

"یہ سب کرنا بہت مشکل ہے۔" شائستہ نے پہلی بار اس گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں مشکل ہے؟" اس نے تنک کر کہا۔

"ہمارے گھر میں لڑکیوں کو اتنی آزادی نہیں ہے کہ وہ اپنی پسند یا ناپسند بتاتی پھریں یا کسی ایسے پرپوزل کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں جسے ماں باپ رد کر چکے ہوں۔"

"یعنی تم بھی خاموشی سے وہاں شادی کر لو گی جہاں تمہارے والدین چاہیں گے چاہے وہ شخص تمہیں پسند ہو یا نہ ہو؟"

وہ خاموش رہی۔ ہارون نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں نہیں جانتی۔" شائستہ نے بے بسی سے کہا۔

"اپنی زندگی کے بارے میں تم نہیں جانتیں تو پھر کون جانتا ہے انکل اکبر؟" وہ ایک بار پھر ہنسا۔

"ویسے میرے پرپوزل کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

وہ چپ رہی۔

"ایک بار پھر خاموشی...... وہی خاموشی...... اور میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں خاموشی کو ہمیشہ اقرار سمجھتا ہوں۔

اس کا مطلب ہے کہ تمہیں میرے پرپوزل پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

وہ پھر خاموش رہی، ہارون نے ایک گہری سانس لی۔

"تو پھر تم اپنے والدین سے بات کیوں نہیں کرتیں۔ انہیں بتاؤ کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

"یہ نہیں کر سکتی۔ یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں ممکن نہیں ہے؟ تم کوئی گائے بھینس تو نہیں ہو، جس کی کوئی رائے ہی نہ ہو یا پھر میں یہ سمجھوں کہ تمہیں مجھ سے محبت ہی نہیں ہے اور میں کسی خوش فہمی کا شکار ہوں۔"

"ایسا نہیں ہے...... لیکن آپ سمجھتے کیوں نہیں میں مجبور ہوں۔" شائستہ نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"مجھے نفرت ہے ان لڑکیوں سے جو محبت کسی سے کرتی ہیں اور شادی کسی سے۔ یا انسان محبت نہ کرے یا پھر شادی بھی اسی بندے سے کرے جس سے اسے محبت ہو اور بکواس کرتا ہے وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ وہ مجبور ہے اگر کوئی محبت کرتے ہوئے مجبور نہیں ہے تو شادی کرتے ہوئے کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے تم سے محبت ہے اور میں کسی دوسری جگہ شادی نہیں کروں گا، دنیا کی کوئی طاقت کسی دوسری لڑکی کو میری بیوی نہیں بنا سکتی۔ حتیٰ کہ کوئی بڑی سے بڑی مجبوری بھی...... اور تم...... تم یہاں میرے سامنے بیٹھ کر محبت کا اقرار کر رہی ہو اور ساتھ یہ کہہ رہی ہو کہ تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں کیونکہ تم مجبور ہو...... ویری فنی۔"

"عورت میں اتنی جرأت ہونی چاہیے کہ وہ جس مرد سے محبت کا اقرار کرے اسی کی بیوی بنے یا پھر کبھی شادی نہ کرے۔ کم از کم اپنی مجبوریوں کے رونے کبھی نہ روئے۔" شائستہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے کی شوخی اور شگفتگی کا نام و نشان بھی نہیں تھا اس کے چہرے پر۔

"میرے لیے وہ کام بہت مشکل ہے جو آپ چاہتے ہیں۔" شائستہ نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"تمہارا اس طرح یہاں آنا بھی بہت مشکل تھا تم نے یہ مشکل کام کیا تو وہ بھی کر سکتی ہو۔" ہارون اس کے لہجے کی بے بسی سے متاثر نہیں ہوا۔

"بابا انکل کمال کو پسند نہیں کرتے اور وہ کبھی بھی آپ کا پرپوزل قبول نہیں کریں گے۔"

"میرے باپ کو کیوں ناپسند کرتے ہیں وہ۔ کیا صرف اس لیے کہ میرا باپ ان سے زیادہ ترقی کر گیا ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں میرے باپ نے انہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔" وہ خاموش رہی۔ "بہر حال وہ میرے باپ کو پسند کرتے ہیں یا نہیں یا میں انہیں اچھا لگتا ہوں یا نہیں لیکن مجھے شادی تم ہی سے کرنی ہے۔ مجھ میں اتنی غیرت ضرور ہے کہ جس سے میں محبت کروں اسے کسی دوسرے کی بیوی نہ بننے دوں۔ تمہارے نام کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا نام میں نہیں لگنے دوں گا۔ اس لیے تم گھر میں اپنے علاوہ اپنے ماں باپ سے میرے بارے میں بات کرو اور میں اپنے ماں باپ کو ایک بار پھر تمہارے گھر بھیجوں گا۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ شائستہ صرف اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

ہارون سے یہ اس کی آخری ملاقات نہیں تھی۔ دو تین دن بعد ایک بار پھر نیلوفر پہلے کی طرح کالج سے اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ پہلے سے مقررہ جگہ پر ہارون اس کا انتظار کر رہا تھا وہاں سے وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا اور ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو کے دوران مسلسل اس کی برین واشنگ کرتا رہا۔

ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد وہ اسی طرح نیلوفر کے ساتھ کالج واپس آ گئی لیکن پچھلی بار کی طرح اس بار وہ عارفہ کو دھوکہ نہیں دے سکی۔ حلیمہ اور عارفہ کو شائستہ نے ایک بار پھر یہی بتایا تھا کہ وہ کالج میں ہی نیلوفر کی کچھ فرینڈز سے ملنے گئی تھی اور اسی وجہ سے کلاسز اٹینڈ نہیں کر سکی۔ حلیمہ نے پچھلی دفعہ کی طرح اس کی بات پر سر ہلا دیا، مگر عارفہ کچھ کہے بغیر صرف خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر شائستہ اور حلیمہ کسی اور موضوع پر بات کرنے لگیں مگر عارفہ خاموش ہی رہی۔

کچھ دیر بعد حلیمہ اکنامکس کی کلاس لینے چلی گئی اور وہ دونوں اکیلی رہ گئیں، جب عارفہ نے بڑی سنجیدگی سے اس سے

پوچھا۔

"تم کالج سے کہاں گئی تھیں؟"

شائستہ نے اپنے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا "کہیں بھی نہیں..... بھلا کالج سے کہاں جانا ہے مجھے..... میں نے بتایا نا میں نیلوفر اور اس کی فرینڈز کے ساتھ تھی۔"

"میں نے تمہیں نیلوفر کے ساتھ گیٹ سے باہر جاتے دیکھا تھا پھر میں نیلوفر کی فرینڈز کے پاس گئی اور نیلوفر کے بارے میں پوچھا۔ ان کا کہنا تھا کہ تم نیلوفر کے ساتھ اس کے بھائی سے ملنے گئی ہو۔"

شائستہ کچھ دیر کے لیے سانس بھی نہیں لے سکی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ نیلوفر نے کالج سے جانے کی وجہ اپنی فرینڈز کو بتا دی ہوگی۔

"اس دن بھی تم نیلوفر کے ساتھ ہی ہو گی ہو گی اور مجھ سے اور حلیمہ سے تم مسلسل جھوٹ بول رہی ہو کہ تم نیلوفر کی فرینڈز کے ساتھ تھیں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ سب کیا ہے..... تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟"

عارفہ کی آواز میں سنجیدگی اور چہرے پر تشویش تھی۔

"نیلوفر کے بھائی سے کیوں ملنے جاتی ہو تم؟ اور وہ بھی اس طرح کالج سے۔"

شائستہ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی، پھر آہستہ آہستہ اس نے عارفہ کو ہارون کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ انگوٹھی کے واقعہ سے لے کر اس کا پروپوزل آنے تک اور پھر آج کی ملاقات کی روداد۔

اپنی بات کے اختتام پر وہ عارفہ کا ردعمل دیکھنے کے لیے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ عارفہ بالکل شاکڈ تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر جیسے بے یقینی کے عالم میں شائستہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنی بے وقوف ہو سکتی ہو۔" بہت دیر بعد اس نے اپنی خاموشی توڑی۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں بہت سوچ سمجھ کر کر رہی ہوں۔" شائستہ نے اپنے لہجے کو حتی الامکان پرسکون رکھتے ہوئے کہا۔

"تم سوچ سمجھ کر دوسروں کے ہاتھ کا کھلونا بنی ہوئی ہو۔"

"نہیں میں کسی کے ہاتھ کا کھلونا نہیں ہوں۔ ہارون مجھ سے محبت کرتا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور میں بھی اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور محبت کرنا یا شادی کی خواہش رکھنا کوئی غلط بات نہیں ہے۔"

"یہ محبت نہیں ہے، تم اپنے ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہو، ان کے اعتبار کا خون کر رہی ہو۔"

"انہوں نے مجھے یہ کرنے پر خود مجبور کیا ہے۔ جب ہارون نے اپنا پروپوزل بھجوایا تو انہوں نے کیوں مجھ سے پوچھے بغیر انکار کیا۔ میں انسان ہوں، اپنا اچھا برا سوچ سکتی ہوں اپنے لیے خود فیصلہ کر سکتی ہوں۔ ماں باپ اولاد کو جانور کیوں سمجھتے ہیں اپنے فیصلے کیوں مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے کیوں نہیں پوچھتے کہ مجھے زندگی کس شخص کے ساتھ گزارنی ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ یہ سب کچھ اپنے ماں باپ سے کہو۔ وہ ان کے سامنے بیٹھو اور اپنا پوائنٹ آف ویو ان کے سامنے رکھو انہیں بتاؤ کہ تم کیوں اس شخص سے شادی کرنا چاہتی ہو، ان سے بات کرو انہیں قائل کرو۔"

"میں یہ سب نہیں کر سکتی۔ مجھ میں بابا سے اس بارے میں بات کرنے کی ہمت نہیں ہے، انہیں خود سمجھنا چاہیے۔"

"تم ایک شخص کو اتنی ہمت دلا سکتی ہو کہ وہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں رنگ پہنا دے، اس کے ساتھ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر پھرنے کے لیے جا سکتی ہو لیکن تمہارے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ تم اپنے ماں باپ کو یہ بتا سکو کہ تم کس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو۔"

"وہ اس پروپوزل کو ٹھکرا چکے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے پھر لعنت بھیجو اس پر۔"

"یہ بات دوبارہ مت کہنا۔ میں ہارون سے محبت کرتی ہوں اور میں اس کے بارے میں کوئی فضول بات برداشت نہیں کروں گی۔" شائستہ نے تلخی سے کہا۔

"اگر تمہارے گھر والوں کو اس بات کا پتا چل گیا تو تم کیا کرو گی؟" شائستہ خاموش رہی۔

"دوبارہ وہ کبھی تم پر اعتبار کر سکیں گے یا تم کبھی ان کے سامنے سر اٹھا کر کھڑی ہو سکو گی؟"

"میں اپنے گھر کے ماحول سے تنگ آ چکی ہوں، زندگی صرف دین نہیں ہوتی، ہر وقت مذہب، یہ حلال ہے یہ حرام ہے، یہ اسلامی ہے، یہ غیر اسلامی ہے، میں تنگ آ چکی ہوں اس تکرار سے۔ میرے باپ کے لیے دنیا کی ہر آسائش غیر اسلامی اور حرام ہے۔ ہر وہ کام جس سے خوشی مل سکے۔ وہ غلط ہے۔ میں بھی نماز پڑھتی ہوں میں بھی روزے رکھتی ہوں۔ کلمہ پر بھی یقین ہے مجھے لیکن عبادت کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان زندگی کی ہر خوشی اور آرام کو خود پر حرام کر لے۔ چوبیس گھنٹے آیتیں اور حدیثیں، چوبیس گھنٹے علما کے اقوال، حد ہوتی ہے ہر چیز کی۔ کیا سارا دین میرے ہی گھر کے لیے رہ گیا ہے اور وہ کل کو مجھے ایسے ہی ایک اور گھر میں بھیج دیں گے۔ وہاں بھی یہی سب کچھ ہوگا یہاں بابا نے زندگی تنگ کر رکھی ہے وہاں شوہر جینا حرام کر دے گا۔ مجھے نفرت ہے اس چادر اور چار دیواری سے جس کے اندر میں زندگی گزار رہی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میرے پر کاٹ کر کسی نے مجھے ایسے پنجرے میں قید کر دیا ہو جس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہ ہو اور میں اب یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔ میں ہارون کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں ویسی زندگی جو وہ اور تایا کی فیملی گزار رہے ہیں اور میں کچھ بھی غلط نہیں چاہتی۔ ہارون ٹھیک کہتا ہے دین یہ حق دیتا ہے مجھے کہ میں وہاں شادی کروں جہاں میں چاہتی ہوں اور مجھے اس سلسلے میں کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ شریعت مجھے حق دیتی ہے کہ میں اس شخص کو دیکھوں، جس سے میں شادی کرنا چاہتی ہوں اور میں اور ہارون اس طرح مل کر کوئی غلط کام نہیں کر رہے۔ وہ میرا کزن بھی ہے اور اسے مجھ سے محبت بھی ہے اور اس نے اس محبت کو کسی سے نہیں چھپایا۔ اس نے سب کے سامنے مجھے انگوٹھی پہنائی۔ اپنے ماں باپ کو میرے گھر بھیجا۔ اپنی بہن کے ذریعے مجھ سے ملنے کی خواہش کی اور وہ دوبارہ اپنے ماں باپ کو میرے گھر بھیجنے پر تیار ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر اس کی محبت کا کوئی ثبوت ہو سکتا ہے؟"

وہ چیلنج کرنے والے انداز میں عارفہ سے کہتی گئی۔

"ہو سکتا ہے تمہیں وہ فراڈ لگتا ہو، مگر محبت سچی یا جھوٹی نہیں ہوتی محبت یا ہوتی ہے یا پھر نہیں ہوتی اور اسے مجھ سے محبت ہے وہ میرے علاوہ کسی اور سے شادی پر تیار نہیں ہے اور اسے کوئی خوف نہیں ہے وہ ہر ایک کے سامنے میرے لیے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کچھ بھی چھپا کر نہیں کر رہا، اگر کچھ چھپا رہی ہوں تو میں چھپا رہی ہوں اور اس کے کہنے پر نہیں، اپنی مرضی سے۔ جس کے دل میں چور ہوتا ہے وہ مرد محبت کا اظہار کرتے ہوئے ڈرتا ہے خوفزدہ رہتا ہے جھوٹ بولتا ہے ہارون کمال جیسا بے خوف بندہ نہیں۔"

شائستہ کے لہجے میں فخر تھا اور اس فخر نے عارفہ کو ملال میں مبتلا کیا۔

"دین اور شریعت تمہیں یہ شخص سکھائے گا جو خود اخلاقیات سے عاری ہے، جو خود کسی اسلامی طور طریقے پر نہیں چلتا وہ تمہیں بتائے گا کہ اسلام تمہیں کیا حق دیتا ہے اور کیا نہیں جس شخص کا اسلام اس کے ایک ہاتھ کی انگلیوں سے شروع ہو کر دوسرے ہاتھ کی پوروں پر ختم ہو جائے۔ اس شخص کی کوئی دلیل مجھے مت دو۔ یہ شخص تمہیں تمہارے حقوق پر لیکچر دیتا ہے۔ تمہیں بتاتا ہے کہ دین تمہیں اپنی مرضی سے شادی کا حق دیتا ہے۔ یہ شخص تمہیں یہ کیوں نہیں بتاتا کہ تمہارا حق تو یہ بھی ہے کہ تم سے شادی کی خواہش رکھنے والا یہ شخص تمہارے خاندان کی عزت کرے۔ تمہارے باپ کی باتوں کا مذاق نہ اڑائے، یہ بھی تو دین ہی کہتا ہے کہ سسر باپ جیسا ہوتا ہے اور دین تو پھر تمہیں یہ حق دیتا ہے کہ شادی سے پہلے کسی رشتہ کے بغیر بھرے مجمع میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں انگوٹھیاں نہ پہنائی جائے۔ یہ شخص تمہیں صرف ایک حق کیوں یاد دلاتا ہے باقیوں کی بات کیوں نہیں کرتا۔" وہ سرد اور پرسکون انداز میں بول رہی تھی۔

"دہلیز کا ایک نیا چارہ باہر سے لے کر آنے والا یہ تعلیم یافتہ، روشن خیال، دولت مند اور خوبصورت شخص تمہیں پہلی نظر

دیکھتے ہی تم پر مرمٹا بقول تمہارے اس کو تم سے عشق ہو گیا۔ ہیر رانجھا اور سوہنی مہینوال کا ایک اور ورژن ایسی لازوال اور طوفانی محبت کہ دوسرے دن اس شخص نے تمہیں پرپوز کر کے انگوٹھی پہنا دی اور پانچویں دن اپنے ماں باپ کو تمہارے گھر بھجوا دیا۔ آٹھ دن میں ہونے والی یہ محبت آٹھ دن میں ختم نہیں ہو جائے گی۔ اس کی کیا گارنٹی ہے تمہارے پاس؟ جو شخص تمہیں دیکھتے ہی تم پر عاشق ہو گیا وہ اس سے پہلے کتنوں پر عاشق ہوا ہوگا اور تمہارے بعد کتنوں پر ہوگا تمہیں حساب رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ جو شخص اپنے معاشرے میں اپنے خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ اس طرح سلوک کرتا ہے وہ باہر کیا نہیں کرتا رہا ہوگا۔"

"مجھے اس کے ماضی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" شائستہ نے اس کی بات کاٹ کر برہمی سے کہا۔

"کیوں تمہیں اور اسے تم سے محبت ہے۔ ہے نا۔" عارفہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسی۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ محبت یا ہوتی ہے یا نہیں ہوتی مگر ہر شخص محبت کے قابل ہوتا ہے نہ ہر شخص محبت کر سکتا ہے کیونکہ ہر شخص محبت کے تقاضے پورے کرنے کے قابل نہیں ہوتا محبت تو انسان کو قلندر بنا دیتی ہے۔ اس شخص کا نام تک آپ احترام سے لینے لگتے ہیں جس سے آپ کو محبت ہوتی ہے اس کو پہنچنے والی تکلیف آپ کے اپنے وجود کو گھائل کرتی ہے۔ ایک پتھر تک آپ اس کے رستے میں نہیں دیکھ سکتے۔ دنیا اٹھا کر آپ اس کو دے دینا چاہتے ہیں اور یہ شخص تم سے کہتا ہے کہ اگر تمہاری شادی اس سے نہیں ہوئی تو وہ کسی سے بھی تمہاری شادی نہیں ہونے دے گا۔ تم ساری عمر اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھی رہو گی کیوں؟ کیا تم اس کی جاگیر ہو یا ملکیت یا پھر اس نے کس منڈی سے خریدا ہے تمہیں جسے تم اس کی محبت کہتی ہو وہ مکاری اور فریب کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی یہ بے خوفی جو تمہیں متاثر کر رہی ہے یہ تمہاری تذلیل اور تحقیر ہے۔ سب کے سامنے اس نے تمہیں انگوٹھی اس لیے نہیں پہنائی کہ وہ تمہارے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا بلکہ اس لیے پہنائی تاکہ خاندان میں تمہارا نام بدنام ہو جائے کوئی دوسرا تمہارے لیے پرپوزل نہ بھجوائے۔ اس کی بہن دھڑلے سے تمہیں کالج سے لے جاتی ہے۔ چار دن کے بعد اسی کالج میں تم پر انگلیاں اٹھ رہی ہوں گی۔ لوگ اندھے ہوتے ہیں نہ بے وقوف اور نہ ہی انہیں ایسا سمجھنا چاہیے۔ ہارون اس لیے اتنا بے خوف ہے، کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی تم دونوں کو اکٹھا دیکھے اور ایشو بنے، وہ مرد ہے اس کا کیا جائے گا۔ مگر تم مرد نہیں ہو نہ ہی یہ سب افورڈ کر سکتی ہو۔ اگر تمہیں اپنے ماں باپ جن سے تمہارا خونی رشتہ ہے۔ وہ مخلص نہیں لگتے تو پھر یہ شخص کیسے لگ سکتا ہے اور تم اگر مذہب سے تنگ آئی ہو تو مت کرو عبادات...... نہ پڑھو نمازیں مگر یہ ضرور سمجھنے کی کوشش کرو کہ مذہب تمہیں جو کچھ سکھانے کی کوشش کر رہا ہے وہ تمہاری اپنی حفاظت کے لیے ہے۔"

"ہاں تمہیں تو لگتا ہے کہ میں گناہ کر رہی ہوں۔" شائستہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں تمہارے گناہ اور ثواب کا فیصلہ کرنے تمہارے پاس نہیں آئی ہوں نہ ہی مجھے یہ کام کرنے کا حق ہے۔ میں تو تمہیں صرف صحیح اور غلط کا فرق بتا رہی ہوں کیونکہ یہ کام میں کر سکتی ہوں اور تم صحیح رستے پر نہیں ہو۔"

"میں صحیح رستے پر ہوں یا نہیں مگر مجھے ہارون کمال کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرنی ہے۔ چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔" اس کی کسی بات نے شائستہ پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔

"شادی صرف محبت کے ستونوں پر تعمیر نہیں ہوتی۔ اس کو عزت کی چاردیواری بھی چاہیے، کم از کم اس معاشرے میں جہاں ہم رہتے ہیں۔"

"میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔ وہ مجھے بلائے گا میں جاؤں گی۔"

اس نے قطعی انداز میں کہا۔ عارفہ کچھ دیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے اپنی کتابیں اپنے بیگ میں رکھ کر بیگ بند کر لیا۔

"اگر ایسا ہے تو پھر آج کے بعد میں تم سے دوبارہ کبھی نہیں ملوں گی۔ میں کبھی یہ نہیں چاہوں گی کہ تمہاری وجہ سے مجھے کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔" شائستہ یک دم طنزیہ انداز میں ہنسی۔

"تم صرف اچھے وقتوں کی دوست ہو۔ برے وقت میں کام نہیں آؤ گی۔"

"تم پر برا وقت ابھی نہیں آیا مگر آ جائے گا اور یہ برا وقت لانے میں تمہارے علاوہ کسی کا ہاتھ نہیں ہوگا تم اگر کسی گٹر میں اپنی مرضی سے گرنا چاہتی ہو تو میں تمہارا ہاتھ صرف اس لیے پکڑے نہیں رکھوں گی کہ میں تمہاری دوست ہوں اور دوستی کا حق تب ادا ہوگا جب میں بھی تمہارے ساتھ غلاظت میں اتر جاؤں۔ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کروں گی لیکن اگر تم پھر بھی گٹر میں اترنے پر مصر رہیں تو میں تمہارا ہاتھ چھوڑ دوں گی اور میں نے یہی کیا ہے۔ میں نے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ تم اگر بات سننے پر تیار نہیں ہو تو میں تمہارے ساتھ مزید آگے جانے پر تیار نہیں ہوں۔ جب تم اس گٹر سے باہر نکل آؤ تو پھر میرے پاس آ سکتی ہو۔ ہم دوستی وہیں سے شروع کریں گے جہاں سے ختم کر رہے ہیں۔" عارفہ اب کھڑی ہو چکی تھی۔

"تم حسد کر رہی ہو عارفہ! تمہیں حسد ہو رہا ہے کہ ہارون کمال جیسا شخص تمہاری زندگی میں کیوں نہیں آیا۔ اگر وہ تمہاری زندگی میں آتا تو تم بھی یہی سب کچھ کرتیں۔"

شائستہ نے سر اٹھا کر تحقیر بھرے انداز میں کہا۔

"تم اور ہارون کمال کسی رشک اور حسد کے قابل نہیں ہو۔ تم لوگوں پر مجھے صرف ترس آتا ہے اور ہاں میری زندگی میں کبھی کوئی ہارون کمال آئے گا بھی نہیں۔ تمہاری طرح مجھے اپنے مذہب سے فرار چاہیے نہ ہی میں دنیا کو اپنی مٹھی میں لے کر پھرنا چاہتی ہوں۔ خدا حافظ۔"

شائستہ اسے دور جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

"بھئی، مجھے تو عبادت میں بڑا سکون ملتا ہے۔ سارا دن اور ساری رات میں ہوتی ہوں اور تسبیح...... شبانہ! رضیہ کی تنخواہ کاٹ لینا، یاد ہے نا پچھلا پورا ہفتہ نہیں آئی۔ بیماری کا ڈھونگ کر کے گھر پڑی رہی اب پہلی تاریخ آئی ہے تو ساری بیماری رفو چکر ہو گئی ہے۔ ان نوکروں کا بس چلے تو لوٹ کر کھا جائیں مالکوں کو۔"

تسبیح کے دانے اب بھی مسلسل گر رہے تھے مگر اماں جی کی زبان اب کچھ اور قصیدے پڑھنے میں مصروف تھی۔

"آپ فکر نہ کریں اماں جی! میں بھی پوری تنخواہ دینے والی تو نہیں ہوں۔" ان کی بہو شبانہ نے ان کے پاس سے جاتے ہوئے انہیں یقین دلایا۔

اماں جی ایک بار پھر اپنے پاس کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی زرینہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"میں کیا کہہ رہی تھی بھلا؟" انہوں نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

"ہاں میں تمہیں بتا رہی تھی کہ میرا تو سارا وقت عبادت میں ہی گزر جاتا ہے۔ اب خیر سے منصور آنے والا ہے اور اس کے آتے ہی امبر اور صبغہ کے نکاح کی تیاریاں شروع ہو جائیں گی۔ ایک ڈیڑھ ماہ تو اسی میں گزر جائے گا۔ تمہیں تو پتہ ہی ہے ہمارے خاندان کی شادیوں کا...... دو دو ہفتے پہلے تقریبات شروع ہو جاتی ہیں...... سارا خاندان اکٹھا ہوتا ہے۔ چند دن تک ویسے بھی مسعود گھر میں رنگ روغن کروانے والا ہے۔ مجھے پھر صبیحہ کی طرف جانا ہوگا۔ تمہیں میں نے اسی لیے بلوایا ہے کہ جانے سے پہلے دوپٹے کڑھائی کے لیے دے دوں۔ اب تم وہاں کہاں آتی پھرو گی۔" اماں جی نے تسبیح گھماتے ہوئے تفصیلی پروگرام نشر کیا۔

"آپ نے ٹھیک کیا۔" زرینہ نے اس لمبے خطاب کا اتنا ہی مختصر جواب دیا۔

"اب ان دوپٹوں پر کڑھائی بہت اچھی اور صفائی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ کوئی نقص نہیں ہونا چاہیے۔"

"نہیں ہوگا۔" زرینہ نے یقین دہانی کروائی۔

"اور جاتے ہوئے رضیہ سے کپڑے لے جانا میں نے تمہارے لیے نکلوا کر رکھے ہوئے تھے...... شبانہ اور میرے ہیں، کچھ تو زیادہ استعمال بھی نہیں کیے گئے۔ تم چاہو تو شکیلہ اور نسیم کے لیے رکھ چھوڑو۔"

"اماں جی! آپ نے مسعود بھائی سے بات کی؟" ان کی بات کے جواب میں کچھ ہچکچاہٹ کے ساتھ زرینہ نے ان سے پوچھا۔

''کون سی بات؟'' اس طرف سے کمال بے نیازی کا مظاہرہ کیا گیا۔ زرینہ کچھ چپ سی ہوگئی۔

''میں نے شکیلہ اور نسیم کے رشتوں کے بارے میں کہا تھا۔'' مدھم آواز میں انہوں نے اماں جی کو یاد دلایا۔

''مگر میں نے تو تم سے کہا تھا کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ اپنی ذمہ داری پر تمہاری کسی بیٹی کا رشتہ کروانا اور بعد میں کوئی مسئلہ ہوا تو ہم پر ہی الزام دھرا جائے گا۔ نہیں بھئی، یہ کام ہم نہیں کر سکتے۔'' انہوں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی آپ مسعود بھائی سے بات تو کرتیں، ان کی بہت جان پہچان ہے۔''

''مسعود کے پاس تو میرے پاس بیٹھنے کے لیے وقت نہیں ہوتا، وہ تمہاری بیٹیوں کے رشتوں کے لیے وقت کہاں سے نکالے گا۔ اور پھر وہ ویسے بھی ان چکروں میں نہیں پڑتا۔ تم خود کوئی رشتہ ڈھونڈو، شادی پر کچھ مالی امداد میں کر دوں گی مگر اس سے زیادہ توقع مت کرو۔'' اس بار انہوں نے خاصی سرد مہری سے کہا۔

''اماں جی! ساری عمر میں نے گھر کی چار دیواری کے اندر گزاری ہے۔ شوہر کے مرنے کے بعد بھی گھر کے اندر ہی رہی۔ باہر کی دنیا میں بیٹی کے لیے رشتہ ڈھونڈ بھی لوں تب بھی تحقیق کیسے کرواؤں۔ میرا نہ کوئی باپ ہے نہ بھائی۔ صرف رشتے کے بھائی ہی ہیں ان سے نہ کہوں تو پھر کس سے کہوں۔'' ان کے لہجے میں افسردگی تھی۔

''اچھا ابھی تم دوپٹوں کا کام تو کرو، پھر بعد میں دیکھیں گے۔ مسعود تو ویسے بھی ابھی مصروف ہے۔'' اماں جی نے ٹالتے ہوئے کہا۔ زرینہ اپنا برقعہ پکڑتے ہوئے کھڑی ہوگئیں۔

زرینہ مسعود اور منصور کے باپ کی ایک کزن تھیں۔ شادی کے چند سالوں بعد ہی ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت ان کی دونوں بیٹیاں بہت چھوٹی تھیں۔ وہ تعلیم یافتہ بھی نہیں تھیں۔ نہ ہی ان کے والد اور بھائی تھے۔ گھر کا خرچ چلانے کے لیے انہوں نے سلائی کڑھائی شروع کر دی۔

اماں جی اپنے کپڑے ان ہی سے سلواتی تھیں اور صدقے اور زکوٰۃ کی رقم بھی اکثر انہیں ہی دیا کرتیں لیکن وہ بار بار اپنے احسانات جتانا نہیں بھولتی تھیں اور کچھ یہی حال شبانہ کا بھی تھا۔

زرینہ نے اپنی بیٹیوں کو بھی تعلیم نہیں دلائی تھی اس نے انہیں بھی سلائی کڑھائی ہی سکھائی۔ اب اس کی دونوں بیٹیاں بڑی ہو چکی تھیں اور وہ ان کی شادی کے لیے فکر مند تھیں۔ انہوں نے ان کے رشتوں کے سلسلے میں اماں جی سے مدد چاہی تھی اور اماں جی نے خاصی بے رخی سے انکار کر دیا۔

اماں جی عورتوں کی اس قسم میں سے تھیں جن کے نزدیک دین صرف حقوق اللہ تک محدود ہوتا ہے۔ وہ مسجد سے بلند ہوتی ہوئی پانچ وقت کی اذان میں محمد ﷺ کا نام آنے پر انگوٹھوں اور انگلیوں کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا فرض سمجھتی تھیں مگر تین وقت کسی بھوکے کو کھانا کھلانے کے خیال پر ان کا دل کانپنے لگتا تھا۔

اپنی اولاد کو دیے جانے والے اسباق میں سے سب سے پہلا سبق انہوں نے اسٹیٹس پر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کے دماغ میں یہ بات نقش کر دی تھی کہ وہ خاندان میں سب سے بہتر اور برتر ہیں، کیونکہ ان کے پاس بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو اس خاندان کے بہت سے لوگوں کے پاس نہیں ہیں۔ اماں جی نے اپنی پوری زندگی خاندان کے ایسے لوگوں کو ایک فاصلے پر رکھا جو مالی مسائل کا شکار تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے لوگوں کو زیادہ قریب کرنے سے وہ سر چڑھ جاتے ہیں اور عزت کرنا بھول جاتے ہیں۔

مسعود علی اور منصور علی کو بھی انہوں نے ان ہی لیکچرز کے ساتھ پالا تھا۔

ان کے بیٹے ان سے بڑھ کر مادہ پرست تھے اور اماں جی کو اس بات پر فخر تھا کہ ان پر اللہ کا بہت ''کرم'' ہے۔ ان کے بیٹے دوسروں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں انہیں اس کی پروا نہیں تھی۔ ان کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ دونوں ان کے فرمانبردار تھے۔

بعض مائیں اولاد پر آیات بھی پھونکتی ہیں اور ان کے لیے وظیفے بھی کرتی ہیں مگر زندگی میں کبھی انہیں سیدھا رستہ دکھاتی

ہیں نہ سیدھے رستے پر چلنے دیتی ہیں۔ وہ ان کی آنکھوں پر پٹی چڑھا کر اور ان کے گلے میں اپنی فرمانبرداری کا پٹہ ڈال کر انہیں دوزخ کے دروازے پر لے جاتی ہیں پھر جب آنکھوں سے یہ پٹی اترتی ہے تو اولاد آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھی ہو چکی ہوتی ہے نہ وہ آگے جا سکتی ہے نہ پیچھے مڑ پاتی ہے۔

وہ اپنے آپ کو اولاد کے لیے کعبہ بنا دیتی ہیں اور اولاد کی ساری زندگی اس کعبے کے گرد طواف کرتے گزر جاتی ہے۔ ایسہ خاتون بھی ایسی ہی ماں تھیں۔

دولت سے محبت کا پہلا سبق مسعود اور منصور نے اپنی ماں کی گود میں ہی لے لیا تھا۔

☆☆☆

ایک ہفتہ کے بعد ہارون نے ایک بار پھر اپنے ماں باپ کو شائستہ کے گھر بھجوایا۔ اکبر عباس نے اس بار پہلے سے زیادہ برے طریقے سے کمال عباس کے لائے ہوئے رشتہ کو ٹھکرایا تھا۔

اگلے دن شائستہ دوبارہ کالج سے اس کے ساتھ چلی گئی۔ ہارون بہت زیادہ سنجیدہ اور شائستہ افسردہ تھی۔

''تمہارے حسب خواہش میں نے دوبارہ پرپوزل بھجوایا اور تم اس کا نتیجہ دیکھ چکی ہو۔'' ہارون نے ایک لمبی خاموشی کے بعد بات شروع کی۔

''کیا تم نے اپنے گھر والوں سے بات کی تھی؟''

''نہیں۔'' شائستہ نے مدھم آواز میں کہا۔

''کیا مطلب ہے نہیں۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم صاف صاف انہیں بتا دو کہ تم میرے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرو گی۔''

''میں بتانا چاہتی تھی، مگر یہ سب بہت مشکل ہے۔ بابا تمہارے گھر والوں کے بارے میں کوئی بات کرتے ہیں نہ ہی سننا چاہتے ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا میں ان سے کیا کہوں۔'' شائستہ نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

''اگر تم انہیں نہیں بتا سکتیں تو میں انہیں بتا دیتا ہوں کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔''

''پلیز ہارون! ایسا کبھی مت کرنا...... بابا تو مجھے جان سے مار دیں گے۔''

''اتنا ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کچھ نہیں کریں گے۔''

''تم انہیں نہیں جانتے۔''

''میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا کوئی بری بات نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ تم میں اعتماد ہو...... مجھے ڈری سہمی ہوئی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں۔'' ہارون کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہونے لگی تھیں۔

''میں آج امی سے بات کروں گی، ہو سکتا ہے وہ مان جائیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ ''ہو سکتا ہے کہ وہ مان جائیں'' سے؟ فرض کرو۔ وہ نہیں مانتیں تو؟'' ہارون نے تنگ کر کہا۔

''میں تو بس کوشش ہی کر سکتی ہوں نا۔''

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں اگر وہ نہیں مانیں تو؟'' ہارون نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر پوچھا۔

''میں نہیں جانتی تب کیا ہوگا۔''

''لیکن میں جانتا ہوں۔'' ہارون نے سنجیدگی سے کہا۔ شائستہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تم اپنی امی سے بات کرو، اگر ان کا رسپانس پازیٹو نہیں ہوا تو پھر ہم دونوں کورٹ میرج کر لیں گے۔''

شائستہ کا سانس رک گیا۔ ہارون کے لہجے میں حد درجہ اطمینان تھا۔

''کورٹ میرج؟'' اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

''ہاں کورٹ میرج۔''

"مگر یہ بہت بڑا قدم ہے۔"

"ہر قدم اٹھانے کے بعد چھوٹا ہو جاتا ہے۔"

"مگر میں ابھی اٹھارہ سال کی نہیں ہوئی ہوں اور......"

"اس بارے میں، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، وہ میں سب انتظام کر لوں گا۔"

"نہیں مگر...... اس طرح...... یہ تو بہت مشکل ہے۔" شائستہ کو پہلی بار صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔

"تو پھر تم کیا چاہتی ہو؟ کسی دوسرے سے شادی کرنا؟"

"میں نے یہ نہیں کہا مگر اس طرح کورٹ میرج کرنے سے تو بہت زیادہ پرابلمز پیدا ہوں گے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"تم اپنے پیرنٹس کو منا لو ہم کورٹ میرج نہیں کرتے۔ باقاعدہ طریقے سے شادی کر لیتے ہیں مگر انکل اکبر اور تمہارے بھائیوں کی جو ذہنیت ہے، وہ میں جانتا ہوں۔ انہوں نے اس شادی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ وہ کبھی بھی تمہاری شادی مجھ سے نہیں کریں گے اور میں کسی صورت بھی تمہیں کھونے پر تیار نہیں ہوں۔ تم خود سوچو کیا تم میرے بغیر رہ سکتی ہو؟" ہارون بڑی سنجیدگی سے کہتا جا رہا تھا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔" شائستہ نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"تم میرے ساتھ کورٹ میرج کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟ کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔ تمہیں کوئی گارنٹیز چاہئیں تو میں وہ بھی دینے کو تیار ہوں۔" ہارون نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت دیں، میں اتنی جلدی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔" شائستہ کا تذبذب ابھی بھی برقرار تھا۔

"ٹھیک ہے تم اچھی طرح سوچ لو۔ آخر یہ تمہاری زندگی ہے۔" ہارون نے گاڑی بڑھاتے ہوئے بڑی لاپروائی سے کہا۔

☆☆☆

"ہاں جی یہ وہی عورت ہے۔" سکینہ نے تصدیق کی۔ "کوئی خاص بات ہے؟" اس بار سکینہ نے تجسس کے عالم میں پوچھا۔

"ہاں خاص بات ہے...... اس عورت نے مجھے اپنا نام عالیہ بتایا تھا مگر اس تصویر میں اس کا نام......" انچارج کہتے کہتے کچھ الجھے ہوئے انداز میں رک گئی۔ وہ اب کچھ پریشان نظر آ رہی تھی۔ "مجھے اگر پتا ہوتا کہ یہ اتنی مشہور عورت ہے تو میں اس سے کبھی بھی...... ہاں ٹھیک ہے سکینہ تم جاؤ۔"

بات کرتے کرتے انچارج کو سکینہ کا خیال آیا اور اس نے بات ادھوری چھوڑ کر سکینہ کو جانے کے لیے کہا۔

سکینہ کچھ کہے بغیر دفتر سے باہر نکل گئی۔ انچارج اب بھی اخبار سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس عورت نے اسے ایک غلط نام کیوں بتایا اور وہ بچہ...... وہ بچہ وہ کیوں لینا چاہتی تھی؟ اس عورت سے بچے کا کیا رشتہ تھا؟ کیا بچہ واقعی اس کی بہن کا بیٹا تھا جیسا کہ اس نے بتایا؟ یا پھر نام کی طرح اس نے اس معاملے میں بھی اس سے غلط بیانی کی تھی؟ سوالوں کا ایک انبار اس کے ذہن میں اکٹھا ہونے لگا۔

☆☆☆

میرے لیے معذوری کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ تم یہ سمجھ لو کہ یہ میری زندگی کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ میں نے اپنی ماں کو اپنی ساری زندگی وہیل چیئر پر گزارتے دیکھا ہے۔ ایک حادثے میں ان کی دونوں ٹانگیں ضائع ہو گئی تھیں۔ اس لیے معذوری میرے لیے کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے نہ ہی دوسرے لوگوں کی طرح مجھے معذور لوگ کسی اعتبار سے کم اہم یا نامکمل لگتے ہیں۔"

ربیعہ مراد نے اس سے کہا "اس لیے تم یہ کبھی مت سمجھنا کہ تم سے ہونے والی یہ گفتگو تم پر ترس کھا کر کی جا رہی ہے یا ہمدردی میں ملنے والی لفظوں کی بھیک ہے۔ تم میری باتوں کو نصیحت بھی مت سمجھنا کیونکہ میں نصیحت کرنے پر یقین نہیں رکھتی۔ ہم

سب لوگ زندگی کے راستے پر گاڑیوں پر سفر کرنے والے لوگ ہیں۔ اس راستے پر سفر کرتے بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کسی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو جاتا ہے اور کبھی کوئی گاڑی سڑک سے اتر جاتی ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گاڑی سڑک پر موجود کسی گڑھے میں پھنس جاتی ہے۔ اس وقت اس سڑک پر سفر کرنے والی دوسری گاڑیوں میں سے کسی نہ کسی کو اس گاڑی کے پاس رک جانا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ دوسرے کی گاڑی کو کس طرح سڑک پر واپس لایا جا سکتا ہے یا گڑھے میں سے نکالا جا سکتا ہے۔ اس وقت چند لمحوں کے لیے ہمارا اپنا سفر روک کر وہاں رک جانا دوسرے کو ٹریک پر لے آتا ہے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں دوسرے کی گاڑی ہمیشہ اس گڑھے میں پھنسی رہتی ہے۔

"تم اور میں بھی ایسی ہی دو گاڑیوں کے مسافر ہیں۔ مجھے لگا کہ تمہاری گاڑی کا ٹائر کسی گڑھے میں پھنس گیا ہے اور میں چاہتی ہوں تم میری مدد سے اس میں سے نکل آؤ۔ عین ممکن ہے۔ زندگی کے اس راستے پر کہیں آگے چل کر میری گاڑی کا ٹائر بھی کسی گڑھے میں پھنس جائے اور ہو سکتا ہے۔ اس وقت میرے لیے رکنے والی فاطمہ مختار ہو، ہو سکتا ہے نا؟"

فاطمہ مختار کسی سحر زدہ معمول کی طرح ربیعہ مراد کی باتیں سن رہی تھی۔ ربیعہ کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اس مگ کے اردگرد پھیلی ہوئی تھیں جو اس نے تھاما ہوا تھا۔ اس نے زندگی میں بہت کم ایسے خوب صورت ہاتھ اور انگلیاں دیکھی تھیں۔ سیاہ چمک دار مگ کے گرد سفید مخروطی انگلیاں جس کے ناخنوں پر سرخ رنگ کی کیوٹکس لگی ہوئی تھی۔

وہ ربیعہ مراد کی باتیں سنتے ہوئے مسلسل اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

ربیعہ مراد کے ساتھ ہونے والی یہ اس کی پانچویں ملاقات تھی۔ وہ ایک انٹرنیشنل ڈونر ایجنسی کے ساتھ منسلک تھی اور موسم گرما کی چھٹیوں کے دوران لاہور کے کچھ منتخب گورنمنٹ اسکولز کے ٹیچرز کے لیے منعقد کی جانے والی ایک پندرہ روزہ ورکشاپ کی کوآرڈی نیٹر تھی۔ جبکہ فاطمہ اپنے اسکول کے بہت سے ٹیچرز کے ساتھ اس ورکشاپ کو اٹینڈ کر رہی تھی۔

ورکشاپ صبح آٹھ سے شام چار بجے تک چلتی اور فاطمہ اتنے لمبے وقت کے لیے شہیر کو کہیں نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اس لیے وہ شہیر کو بھی اپنے ساتھ وہاں لے آتی۔

ورکشاپ کے پہلے ہی دن اس نے ربیعہ مراد کو کیفے ٹیریا میں ٹی بریک کے دوران مختلف ٹیبلوں پر ٹیچرز کے پاس جا کر گفتگو کرتے دیکھا۔

لنچ بریک کے دوران ربیعہ مراد اس ٹیبل پر آئی، جہاں فاطمہ مختار اپنے اسکول کولیگز کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ تقریباً دس منٹ وہ ان کی ٹیبل پر رکی اور اس دوران اس نے انتہائی بے تکلفی کے ساتھ اپنا تعارف کروانے کے ساتھ ساتھ وہاں بیٹھے تمام لوگوں کا بھی تعارف لیا۔

"یہ آپ کا بیٹا ہے؟" اس نے فاطمہ سے تعارف لیتے ہوئے اس کے پاس بیٹھے ہوئے شہیر کا گال چھوتے ہوئے کہا۔

فاطمہ کے اثبات میں سر ہلانے کے بعد اس نے کہا۔

"بہت خوبصورت ہے۔"

پھر وہ انتہائی بے تکلفی کے ساتھ فاطمہ سے سوال جواب کرنے لگی۔ فاطمہ اس کی موجودگی اور بے تکلفی سے نروس ہو رہی تھی۔ شاید ان دونوں چیزوں سے زیادہ پریشان کن اس کے لیے یہ بات تھی کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی نہ ہی اس کے لہجے میں اس کے لیے وہ ترس اور ہمدردی تھی، جس کی وہ عادی ہو چکی تھی۔ وہ اس سے بھی اسی طرح بات کر رہی تھی جس طرح ٹیبل ہوئی باقی کولیگز سے بات کر رہی تھی۔

اس کے سوال بھی اس کے کام سے متعلق تھے۔ فاطمہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ اس کی باتوں کا جواب میں کس ردعمل کا اظہار کرے۔

دوسرے دن ورکشاپ کے دوران ایک دفعہ پھر ربیعہ سے اس کی ملاقات ہوئی اور باتوں کے دوران ہی اسے پتا چلا کہ یہ ربیعہ کی آخری ورکشاپ ہے اور اس ورکشاپ کے ختم ہونے کے بعد وہ استعفیٰ دے گی۔

ٹیبل پر بیٹھی ہوئی اس کی کولیگز میں سے ایک نے اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ربیعہ سے اس کی جاب چھوڑنے کے بارے میں پوچھا۔

"آپ اتنے بڑے ادارے کے ساتھ منسلک ہیں۔ اتنی سہولیات حاصل ہیں۔ آپ کو پھر جاب کیوں چھوڑ رہی ہیں۔؟"

ربیعہ نے اپنی پلیٹ میں کچھ چاول نکالتے ہوئے ایک مسکراہٹ کے ساتھ سوال سنا اور اسی اطمینان کے ساتھ کہا۔

"دراصل میری مدر ان لا (ساس) چند ماہ پہلے نابینا ہوگئی ہیں۔ ظاہر ہے میں انہیں گھر میں اکیلا چھوڑ کر تو نہیں آ سکتی۔ میں نے کوشش کی تھی کہ سب کچھ Manage کرلوں۔ لیکن میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ اس لیے جاب چھوڑ رہی ہوں۔"

فاطمہ کچھ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آپ کے شوہر نے مجبور کیا ہوگا کہ آپ جاب چھوڑ دیں؟" اسی کولیگ نے دوبارہ پوچھا۔

"نہیں۔ میرے شوہر نے مجھ سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا، میں اپنی مرضی سے جاب چھوڑ رہی ہوں۔"

"آپ کے شوہر کے کوئی بھائی نہیں ہیں جن کے پاس وہ رہ سکیں۔"

"دو بھائی ہیں ان کے لیکن میری مدر ان لا ہمیشہ سے میرے شوہر کے پاس رہتی رہی ہیں۔ میرے شوہر کے ساتھ بہت اٹیچمنٹ ہے ان کی کیونکہ وہ سب سے چھوٹے ہیں۔" ربیعہ نے سلاد کی ڈش کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی اپنے کیریئر کو چھوڑ دینا بہت مشکل کام ہوتا ہے، خاص طور پر ایسا کیریئر جیسا آپ کا ہے۔" فاطمہ کی اس کولیگ نے دوبارہ کہا۔

"جہاں فیملی آجائے وہاں کیریئر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عورت میں یہ خوبی ضرور ہونی چاہیے کہ وہ اپنی فیملی سے بڑھ کر کسی چیز کو اہمیت نہ دے اور میں نے اپنی اسی خوبی کا استعمال کیا ہے۔"

چند لمحوں کے لیے ٹیبل پر اس کے جواب نے خاموشی طاری کردی۔

اسی دن سہ پہر کے سیشن کے بعد ہال سے نکلتے ہوئے فاطمہ کا ربیعہ سے پھر آمنا سامنا ہوا۔ ربیعہ نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ شبیر کے گال چھوتے ہوئے اس کا نام لیا اور پھر آگے بڑھ گئی۔

اس دن فاطمہ گھر جا کر بہت دیر تک ربیعہ کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس کی شخصیت نے فاطمہ پر ایک عجیب سا تاثر چھوڑا تھا۔

تیسرے دن اسے ایک بار پھر اسے ربیعہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا، اس بار اس کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ ربیعہ شبیر کے ساتھ باتیں کرنے کی کوشش کرنے لگی اور پتا نہیں کیوں مگر فاطمہ نے اسے یہ بتا دیا کہ شبیر اس کا بیٹا نہیں ہے۔ ربیعہ نے صرف ایک بار سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اچھا کہہ کر دوبارہ شبیر کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ فاطمہ کو یوں لگا جیسے اس کے انکشاف نے اسے حیران نہیں کیا یا پھر وہ پہلے ہی توقع کر رہی تھی۔

فاطمہ کو کچھ مایوسی ہوئی۔ وہ ربیعہ کے چہرے پر جیسے تاثرات اور جیسا ردعمل اس سے چاہتی تھی وہ اسے نہیں ملا۔

"آپ کو حیرت نہیں ہوئی کہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا؟"

"مجھے ایسی کسی حیرت کا حق نہیں ہے۔" اس کے جواب نے فاطمہ کو چند لمحوں کے لیے خاموش کردیا۔

"اور جہاں تک آپ کے جھوٹ بولنے کا تعلق ہے تو آپ کو حق ہے کہ آپ اپنے بارے میں جو چھپانا چاہتی ہیں چھپالیں، اس لیے آپ نے شبیر کے معاملے میں کچھ چھپانے کے لیے جھوٹ بولا تو ٹھیک کیا۔ میں یا کوئی بھی آپ کے اس حق کو چیلنج نہیں کرسکتا۔"

اس نے چند ہی جملوں میں اس کے احساس جرم کو مٹا دیا۔

"شبیر کو بخار ہے؟" اس نے فاطمہ سے پوچھا۔

"ہاں، پچھلے کچھ دنوں سے دن کے وقت تو بہت ہلکا ہوتا ہے، البتہ رات کو تیز ہوجاتا ہے۔" فاطمہ نے بتایا۔

"آپ نے ڈاکٹر کو دکھایا؟"

"ہاں میں ان کی بتائی ہوئی میڈیسن اسے دے رہی ہوں۔ لیکن زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ اس کا گلا ویسے ہی خراب ہے۔"

"میرے والد چائلڈ اسپیشلسٹ ہیں۔ آپ چاہیں تو آج واپسی پر یہاں سے میرے ساتھ چلیں۔ وہ شبیر کا چیک اپ کرلیں گے۔"

ربیعہ نے فوراً اسے پیشکش کی۔ فاطمہ نے کچھ تامل کیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس پیشکش کو قبول کرے یا نہ کرے۔

ربیعہ اس کے کشمکش کو بھانپ گئی۔ "آپ اسے کوئی احسان مت سمجھیں۔ میرے والد کو بچوں سے خاصی محبت ہے۔ جہاں وہ رہتے ہیں۔ اس کالونی میں کسی کے بچے کو بھی کوئی تکلیف ہو، وہ ان ہی کے پاس لے کر آتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو میرے والد خاصے ناراض ہوتے ہیں۔" اس کا لہجہ اتنا دوستانہ تھا کہ اس بار فاطمہ پہلے کی طرح خاموش نہیں رہ سکی۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" اس نے ہامی بھرلی۔ ربیعہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

"امی! مجھے یہ لوگ پسند نہیں ہیں۔" شائستہ نے رات کو اپنی امی سے کہا۔

ہارون کے گھر والوں کے بار بار ان کے گھر کے چکر لگانے پر شائستہ کے گھر والے ناراض ہو رہے تھے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شائستہ کے امی، ابو نے اس کے لیے وقت سے پہلے ہی رشتہ کی تلاش شروع کردی۔

شائستہ نے اس بات کا علم ہونے پر پہلی بار اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ لیکن اس کی امی نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور اس بات نے شائستہ کی پریشانی میں اضافہ کردیا۔

اس پریشانی نے اس وقت خاصی سنگین صورت اختیار کرلی۔ جب اس کے ابو کے ایک دوست کی فیملی اپنے بیٹے کے لیے اسے دیکھنے آئی اور نہ صرف اسے دیکھنے آئی، بلکہ انہوں نے فوری طور پر اس کے لیے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے ملنے کی پیشکش کردی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد اس نے اپنے والدین کو خاصا خوش اور مطمئن دیکھا اور اس چیز نے اسے پریشان کردیا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد اس رات اس نے دبے لفظوں میں اپنی امی سے اس رشتہ کے لیے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ناپسندیدگی کے اس اظہار نے اس کی امی کو حیران کردیا۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ شائستہ اس رشتہ پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے گی۔

"کیوں پسند نہیں آئے تمہیں یہ لوگ؟" اس کی امی نے اس سے دریافت کیا۔

"پتا نہیں مگر مجھے یہ لوگ اچھے نہیں لگے۔"

"میں یہی تو جاننا چاہتی ہوں کہ تمہیں ان میں کیا بات بری لگی ہے؟"

"میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ ابھی تم ان لوگوں کے لیے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھیں۔ ابھی تم شادی ہی نہیں کرنا چاہتیں۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "کیا یہ ٹھیک نہیں تھا کہ جب ہارون نے اتنی بار رشتہ بھجوایا ہے تو آپ اس کے بارے میں غور کرتے۔"

اس کی امی اس کی بات پر ساکت ہوگئیں۔ شاید انہیں شائستہ سے اس جملے کی توقع نہیں تھی۔

"کیا غور کرتے؟" انہوں نے کچھ بے یقینی سے کہا۔

"ہارون اچھا ہے اور جب تایا ابو اتنا اصرار کر رہے ہیں تو......"

اس کی امی نے اس بار اس کی بات کاٹ دی۔

ٹیبل پر بیٹھی ہوئی اس کی کولیگز میں سے ایک نے اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ربیعہ سے اس کی جاب چھوڑنے کے بارے میں پوچھا۔

''آپ اتنے بڑے ادارے کے ساتھ منسلک ہیں۔ اتنی سہولیات حاصل ہیں۔ آپ کو پھر جاب کیوں چھوڑ رہی ہیں۔؟''

ربیعہ نے اپنی پلیٹ میں کچھ چاول نکالتے ہوئے ایک مسکراہٹ کے ساتھ سوال سنا اور اسی اطمینان کے ساتھ کہا۔

''دراصل میری مدر ان لا (ساس) چند ماہ پہلے نابینا ہو گئی ہیں۔ ظاہر ہے میں انہیں گھر میں اکیلا چھوڑ کر تو نہیں آ سکتی۔ میں نے کوشش کی تھی کہ سب کچھ Manage کر لوں۔ لیکن میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس لیے جاب چھوڑ رہی ہوں۔''

فاطمہ کچھ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''آپ کے شوہر نے مجبور کیا ہو گا کہ آپ جاب چھوڑ دیں؟'' اسی کولیگ نے دوبارہ پوچھا۔

''نہیں۔ میرے شوہر نے مجھ سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا، میں اپنی مرضی سے جاب چھوڑ رہی ہوں۔''

''آپ کے شوہر کے کوئی بھائی نہیں ہیں جن کے پاس وہ رہ سکیں۔''

''دو بھائی ہیں ان کے لیکن میری مدر ان لا ہمیشہ سے میرے شوہر کے پاس رہتی رہی ہیں۔ میرے شوہر کے ساتھ بہت اٹیچمنٹ ہے ان کی کیونکہ وہ سب سے چھوٹے ہیں۔'' ربیعہ نے سلاد کی ڈش کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی اپنے کیریئر کو چھوڑ دینا بہت مشکل کام ہوتا ہے، خاص طور پر ایسا کیریئر جیسا آپ کا ہے۔'' فاطمہ کی اس کولیگ نے دوبارہ کہا۔

''جہاں فیملی آ جائے وہاں کیریئر کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عورت میں یہ خوبی ضرور ہونی چاہیے کہ وہ اپنی فیملی سے بڑھ کر کسی چیز کو اہمیت نہ دے اور میں نے اپنی اسی خوبی کا استعمال کیا ہے۔''

چند لمحوں کے لیے ٹیبل پر اس کے جواب نے خاموشی طاری کر دی۔

اسی دن سہ پہر کے سیشن کے بعد ہال سے نکلتے ہوئے فاطمہ کا ربیعہ سے پھر آمنا سامنا ہوا۔ ربیعہ نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ شبیر کے گال چھوتے ہوئے اس کا نام لیا اور پھر آگے بڑھ گئی۔

اس دن فاطمہ گھر جا کر بہت دیر تک ربیعہ کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس کی شخصیت نے فاطمہ پر ایک عجیب سا تاثر چھوڑا تھا۔

تیسرے دن اسے ایک بار پھر اسے ربیعہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا، اس بار اس کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ ربیعہ شبیر کے ساتھ باتیں کرنے کی کوشش کرنے لگی اور پتا نہیں کیوں مگر فاطمہ نے اسے یہ بتا دیا کہ شبیر اس کا بیٹا نہیں ہے۔ ربیعہ نے صرف ایک بار سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اچھا کہہ کر دوبارہ شبیر کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ فاطمہ کو یوں لگا جیسے اس کے انکشاف نے اسے حیران نہیں کیا یا پھر وہ پہلے ہی توقع کر رہی تھی۔

فاطمہ کو کچھ مایوسی ہوئی۔ وہ ربیعہ کے چہرے پر جیسے تاثرات اور جیسا ردعمل اس سے چاہتی تھی وہ اسے نہیں ملا۔

''آپ کو حیرت نہیں ہوئی کہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا؟''

''مجھے ایسی کسی حیرت کا حق نہیں ہے۔'' اس کے جواب نے فاطمہ کو چند لمحوں کے لیے خاموش کر دیا۔

''اور جہاں تک آپ کے جھوٹ بولنے کا تعلق ہے تو آپ کو حق ہے کہ آپ اپنے بارے میں جو چھپانا چاہتی ہیں چھپالیں، اس لیے آپ نے شبیر کے معاملے میں کچھ چھپانے کے لیے جھوٹ بولا تو ٹھیک کیا۔ میں یا کوئی بھی آپ کے اس حق کو چیلنج نہیں کر سکتا۔''

اس نے چند ہی جملوں میں اس کے احساس جرم کو مٹا دیا۔

''شبیر کو بخار ہے؟'' اس نے فاطمہ سے پوچھا۔

''ہاں، پچھلے کچھ دنوں سے دن کے وقت تو بہت ہلکا ہوتا ہے، البتہ رات کو تیز ہو جاتا ہے۔'' فاطمہ نے بتایا۔

''آپ نے ڈاکٹر کو دکھایا؟''

''ہاں میں ان کی بتائی ہوئی میڈیسن اسے دے رہی ہوں۔ لیکن زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ اس کا گلا ویسے ہی خراب ہے۔''

''میرے والد چائلڈ اسپیشلسٹ ہیں۔ آپ چاہیں تو آج واپسی پر یہاں سے میرے ساتھ چلیں۔ وہ شبیر کا چیک اپ کر لیں گے۔''

ربیعہ نے فوراً اسے پیشکش کی۔ فاطمہ نے کچھ تامل کیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس پیشکش کو قبول کرے یا نہ کرے۔

ربیعہ اس کے شش و پنج کو بھانپ گئی۔ ''آپ اسے کوئی احسان مت سمجھیں۔ میرے والد کو بچوں سے خاصی محبت ہے۔ جہاں وہ رہتے ہیں۔ اس کالونی میں کسی کے بچے کو بھی کوئی تکلیف ہو، وہ ان ہی کے پاس لے کر آتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو میرے والد خاصے ناراض ہوتے ہیں۔'' اس کا لہجہ اتنا دوستانہ تھا کہ اس بار فاطمہ پہلے کی طرح خاموش نہیں رہ سکی۔

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔'' اس نے ہامی بھر لی۔ ربیعہ کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

''امی! مجھے یہ لوگ پسند نہیں ہیں۔'' شائستہ نے رات کو اپنی امی سے کہا۔

ہارون کے گھر والوں کے بار بار ان کے گھر کے چکر لگانے پر شائستہ کے گھر والے ناراض ہو رہے تھے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شائستہ کے امی، ابو نے اس کے لیے وقت سے پہلے ہی رشتہ کی تلاش شروع کر دی۔

شائستہ نے اس بات کا علم ہونے پر پہلی بار اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ لیکن اس کی امی نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور اس بات نے شائستہ کی پریشانی میں اضافہ کر دیا۔

اس پریشانی نے اس وقت خاصی سنگین صورت اختیار کر لی۔ جب اس کے ابو کے ایک دوست کی فیملی اپنے بیٹے کے لیے اسے دیکھنے آئی اور نہ صرف اسے دیکھنے آئی، بلکہ انہوں نے فوری طور پر اس کے لیے پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے ملنے کی پیشکش کر دی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد اس نے اپنے والدین کو خاصا خوش اور مطمئن دیکھا اور اس چیز نے اسے پریشان کر دیا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد اس رات اس نے دبے لفظوں میں اپنی امی سے اس رشتہ کے لیے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ناپسندیدگی کے اس اظہار نے اس کی امی کو حیران کر دیا۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ شائستہ اس رشتہ پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرے گی۔

''کیوں پسند نہیں آئے تمہیں یہ لوگ؟'' اس کی امی نے اس سے دریافت کیا۔

''پتا نہیں مگر مجھے یہ لوگ اچھے نہیں لگے۔''

''میں یہی تو جاننا چاہتی ہوں کہ تمہیں ان میں کیا بات بری لگی ہے؟''

''میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔ ابھی تم ان لوگوں کے لیے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھیں۔ ابھی تم شادی ہی نہیں کرنا چاہتیں۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ ''کیا یہ ٹھیک نہیں تھا کہ جب ہارون نے اتنی بار رشتہ بھجوایا ہے تو آپ اس کے بارے میں غور کرتے۔''

اس کی امی اس کی بات پر ساکت ہو گئیں۔ شاید انہیں شائستہ سے اس جملے کی توقع نہیں تھی۔

''کیا غور کرتے؟'' انہوں نے کچھ بے یقینی سے کہا۔

''ہارون اچھا ہے اور جب تایا ابو اتنا اصرار کر رہے ہیں تو ......''

اس کی امی نے اس بار اس کی بات کاٹ دی۔

"ہارون اچھا ہے؟ کیا اچھا ہے اس میں شکل کے علاوہ؟ وہ اصرار نہیں کر رہے وہ ہمیں مجبور کر رہے ہیں۔ پورے خاندان میں کوئی ایک بھی ہارون کی وجہ سے تمہارا رشتہ لینے پر تیار نہیں ہے۔ انگوٹھی والا واقعہ ہر ایک کی زبان پر ہے۔ وہ لوگ جو پہلے بار بار تمہارے رشتہ کے لیے چکر لگاتے تھے۔ اب یک دم پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ حیلے بہانے بنا رہے ہیں، ہر ایک یہی سوچ رہا ہے کہ شاید تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو اور ہم لوگ جان بوجھ کر ہارون کا رشتہ قبول نہیں کر رہے۔"

"ہارون میں کیا برائی ہے صرف اس کے علاوہ کہ وہ تایا ابو کا بیٹا ہے اور بابا تایا ابو کو پسند نہیں کرتے۔" اس بار اس نے کھل کر کہا۔

"بات صرف تمہارے تایا ابو اور ان کے گھرانے کو ناپسند کرنے کی نہیں ہے۔ ہارون اور تمہارے درمیان کوئی بھی قدر مشترک نہیں ہے۔ ہم لوگوں کے ماحول میں بہت فرق ہے۔ ذہنیت ایک جیسی نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہارے بابا اپنی اولاد کی شادی کسی ایسے گھر میں نہیں کریں گے، جہاں لوگ حرام کماتے اور کھاتے ہوں۔" اس کی امی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"امی! یہ کیا بات ہوئی؟ تایا ابو جو بھی کرتے ہیں وہ ان کا مسئلہ ہے ہمارے پاس کوئی گارنٹی ہے کہ وہ واقعی حرام کماتے ہیں اور پھر اگر ایسا ہے بھی تو ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کا مسئلہ ہے پھر ہارون کو ہم اس میں شامل کیوں کر رہے ہیں۔ وہ تو ابھی باہر سے آیا ہے۔"

اس کی امی اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گئیں۔

"تم ہارون کی اتنی وکالت کیوں کر رہی ہو؟" وہ ماں کے اس سیدھے سوال پر گڑبڑا گئی۔

"کیا جانتی ہو تم اس کے بارے میں کہ تمہیں یہ یقین ہے کہ وہ ایسا نہیں ہے؟"

"میں کیا جان سکتی ہوں اس کے بارے میں؟ میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔"

"پھر بہتر ہے، کچھ مت کہو۔ یہ لوگ اچھے ہیں۔ ان کا بیٹا تمہارے بابا کو بھی پسند ہے۔ کچھ دنوں تک ہم اور وہ باقاعدہ طور پر نسبت طے کر دیں گے، جہاں تک ہارون اور اس کے گھر والوں کی بات ہے تو وہ لوگ اپنے جیسا کوئی خاندان ڈھونڈ ہی لیں گے۔ ان جیسے لوگوں کی کمی نہیں ہے یہاں۔ مگر ہم لوگ ان سے کوئی نیا رشتہ قائم نہیں کر سکتے۔ ساری عمر اپنی اولاد کو حلال کھلا کر اور اچھائی برائی میں فرق بتاتے رہنے کے بعد یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جوان ہونے پر ہم آنکھیں بند کر کے اپنی اولاد ایسے لوگوں کو دے دیں۔ جو اپنے گھر میں دوزخ کا ایندھن اکٹھا کر رہے ہیں۔"

وہ قطعی لہجے میں کہہ کر اس کے پاس سے چلی گئیں۔ لیکن شائستہ غصہ میں بری طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

"دوزخ کا ایندھن؟ پتا نہیں میرے ماں باپ کس دور میں جی رہے ہیں؟ ان کے لیے زندگی کی تمام آسائشیں دوزخ کا ایندھن ہیں حرام، حلال، اچھائی برائی زندگی میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتے کہ میں ہارون اور ہارون کے گھر والوں کے ساتھ بہت خوش رہ سکتی ہوں۔ میں ان جیسی زندگی گزارنا چاہتی ہوں آزادی اور بے فکری کی زندگی۔ ان روایات اور بے ہودہ اخلاقیات سے چھٹکارا پانا چاہتی ہوں میں۔" اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"کیا تم وہاں شادی کر لو گی، جہاں تمہارے پیرنٹس چاہتے ہیں؟" وہ ایک بار پھر ہارون کے ساتھ تھی اور ہارون اس سے بہت سنجیدگی کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔ میں کبھی بھی وہاں شادی نہیں کروں گی۔" شائستہ نے بڑے مستحکم انداز میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

"تو پھر اس سارے تماشے کی کیا ضرورت ہے۔ صاف صاف اپنے پیرنٹس کو بتا دو کہ تم وہاں شادی نہیں کرو گی۔"

"میں ایسا کر چکی ہوں۔"

"پھر ان کا ردعمل کیا تھا؟" ہارون کی دلچسپی بڑھ گئی۔

شائستہ خاموش رہی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں؟" ہارون نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"وہ میری شادی وہیں کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے کچھ مدھم آواز میں کہا۔

"تم نے انہیں یہ بتایا کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو؟" ایک گہری سانس لیتے ہوئے ہارون نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"پھر؟"

"میں نے امی سے بات کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا پرپوزل وہ قبول نہیں کر سکتے۔"

"تم نے ان سے وجہ پوچھی؟"

"وہ پھر وہی بات کہتے ہیں کہ تم اور تمہاری فیملی اچھی نہیں ہے۔"

"اور ہم میں نظر آنے والی واحد برائی ہماری آزاد خیالی اور بقول تمہارے والد صاحب کے حرام کی کمائی ہے۔ ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟"

اس نے کچھ تلخ انداز میں دریافت کیا۔ شائستہ کچھ بول نہیں پائی۔

"شائستہ! تمہاری ذاتی رائے کیا ہے ہماری فیملی کے بارے میں؟" چند لمحے اس نے خاموش رہنے کے بعد شائستہ سے اچانک پوچھا۔

"میری ذاتی رائے؟" وہ کچھ حیران ہوئی۔

"ہاں تمہاری ذاتی رائے۔ کیا تم بھی یہی سمجھتی ہو کہ ہماری آزاد خیالی یا آمدنی ہماری ایسی برائیاں ہیں جو واقعی ہمیں لوگوں کے لیے ناقابل قبول بنا دیتی ہیں؟"

"نہیں۔ میں ایسا نہیں سمجھتی۔" اس نے فوراً کہا۔

"تمہیں ان دونوں چیزوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟" وہ ہارون کے سوال پر کچھ گڑبڑائی۔

"ہماری فیملی کی آزاد خیالی تمہیں قابل اعتراض کیوں نہیں لگتی؟"

"میں نہیں جانتی' ایسا کیوں ہے' مگر یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ آزاد خیالی کوئی بری چیز نہیں ہے۔ زندگی کا وژن اور ویلیوز جو میرے بابا لیے پھرتے ہیں' وہ بہت پرانا ہو چکا ہے۔ ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے میرا دم گھٹتا ہے۔ کم از کم میں بھی ان کے خیالات سے اتفاق نہیں کر سکتی۔ تایا ابو نے آج سے بہت سال پہلے جو راستہ اختیار کیا' وہ ٹھیک ہے۔ زندگی کے بارے میں ان کی اپروچ بیلنسڈ ہے...... کتنی زندگی مل سکتی ہے کسی انسان کو۔ پچاس سال؟ ساٹھ سال؟ اوسط عمر تو یہی ہوتی ہے اور پچاس ساٹھ سال میں بھی انسان ایک عذاب میں سے دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے سے گزرتا رہے۔

اپنی خواہشات کو انسان مذہب کے ڈبے میں ڈالتا رہے اور جب یہ ڈبہ بھر جائے تو اسے گڑھا کھود کر دفن کر دے اور پھر ہمالیہ کی ایک چوٹی پر بیٹھ کر جنت ملنے کا انتظار کرتا رہے اور اگر وہ جنت پھر بھی نہ ملی تو بابا کو کیا یقین ہے کہ ان کی پارسائی اور راست بازی جس نے ان سمیت ہم سب کو عذاب میں ڈال رکھا ہے۔ مرنے کے بعد انہیں جنت میں لے جائے گی' اس زندگی میں حاصل ہونے والی چیزوں اور آسائشوں کو وہ اگلی دنیا میں ملنے والی جنت کی آس یا خواب میں گنوا رہے ہیں اور پھر بھی انہیں مجھے یا کسی کو بھی یہ یقین نہیں ہے کہ انہیں جنت مل پائے گی پھر اس زندگی کا کیا فائدہ؟"

اس کی زبان پر ہارون کمال والا لہجہ تھا اور ہارون کمال اسے فخریہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اتنی آزادی تو ہونی چاہیے زندگی میں کہ میں اگر سڑک پر چلتے ہوئے اپنا سر نہ ڈھانپنا چاہوں تو نہ ڈھانپوں' اپنے بال

کھلے رکھنا چاہوں تو رکھ سکوں۔ اپنے جسم پر اپنی مرضی کا لباس پہن سکوں چاہے وہ لباس کیسا بھی کیوں نہ ہو لیکن کسی دوسرے کو میرے لیے کسی لباس کو منتخب کرنے کا حق نہیں ہے۔ والدین کو بھی نہیں۔ ساری عمر میں ان کی انگلی پکڑ کر چلنا نہیں چاہتی۔ میں ویسی زندگی گزارنا چاہتی ہوں جیسی آپ کے گھر والے گزار رہے ہیں۔ میں ہر جگہ اپنی مرضی سے جانے کا حق چاہتی ہوں بالکل ویسے جیسے آپ کی بہنوں کو حاصل ہے۔

بابا آپ کی فیملی کی جس آزاد خیالی پر اعتراض کرتے ہیں۔ میری خواہش وہی آزاد خیالی ہے اور میں جانتی ہوں کہ میرے بابا اگلے پچاس سالوں میں بھی مجھے وہ آزادی کبھی نہیں دیں گے۔ زندگی صرف گھر کی وہ چار دیواری تو نہیں ہوتی جسے ہم طوق کی طرح گلے میں لٹکائے پھر رہے ہیں اور بھی بہت سی چیزیں زندگی میں شامل ہیں۔

بابا کو اگر اس بات پر اعتراض ہے کہ تایا ابو جائز ذرائع سے روپیہ نہیں کما رہے تو میں ان کی اس بات سے بھی اتفاق نہیں کرتی، ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہے اپنے لیے روپیہ کمائے بابا ترقی پر یقین نہیں رکھتے۔ میں رکھتی ہوں اور ترقی کی ایک قیمت ہوتی ہے، مجھے تایا ابو پر رشک آتا ہے۔ پچھلے پندرہ سالوں میں وہ اپنے بزنس کو زمین سے آسمان پر لے گئے ہیں۔ صحیح طریقے سے یا غلط طریقے سے مگر انہوں نے ترقی کی ہے۔ منزل پر پہنچ جانے والے شخص سے کبھی کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ وہ وہاں کیسے پہنچا ہے۔ کس راستہ پر چل کر آیا ہے، کہاں سے گزرا ہے۔ کتنی دیر میں آیا ہے۔ یا کتنی جلدی پہنچا ہے لوگ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ شخص اپنی منزل پر پہنچ گیا ہے، میرے نزدیک بھی تایا ابو ایسے ہی شخص ہیں اور ایسے شخص کی فیملی کے بارے میں میں کوئی غلط رائے کبھی نہیں رکھ سکتی۔ کم از کم آپ مجھے اور بابا کو اس معاملے میں ایک دوسرے کے بالمقابل پائیں گے۔'' وہ اب بہت سنجیدہ ہو چکی تھی۔

ہارون اب سگار سلگا رہا تھا۔ ''میرے ساتھ تم صرف پانچ سال رہو گی تو تم ایک ایسا نام بن جاؤ گی۔ جس کے بارے میں بات کرنے میں لوگ فخر محسوس کریں گے۔ تم میں اتنی خوبیاں ہیں۔'' اس کی بات ختم ہونے پر ہارون نے اسے سراہا۔

''عورت کے ہاتھ میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ خوب صورت اور ذہین عورت کے ہاتھ میں، سکندر اعظم نے جتنے عرصہ میں آدھی دنیا فتح کی تھی، ایک خوبصورت اور ذہین عورت اتنے ہی عرصہ میں اس دنیا کو سو بار فتح کر سکتی ہے اور میں تمہیں ایسی ہی ایک عورت بنانا چاہتا ہوں۔ اس گھر سے نکل آؤ، وہاں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔ تمہارے خوابوں کی تعبیر میرے گھر میں ہے۔ جتنی کوشش میں کر سکتا تھا کر چکا ہوں مگر انکل اور تمہارے گھر والے کبھی بھی اس پرپوزل پر تیار نہیں ہوں گے۔ اپنے بارے میں میری Sincerity تم جانتی ہو۔ تمہارے لیے میں ہر آخری حد تک جانے پر تیار ہوں اور وہ آخری حد کورٹ میرج ہے۔''

شائستہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ابھی بھی یہ کام بہت مشکل لگ رہا ہے۔'' شائستہ نے اپنی بے بسی کا اعتراف کیا۔

''کیوں مشکل لگ رہا ہے؟''

''اس طرح گھر چھوڑ آنا آسان نہیں ہوتا۔''

''جانتا ہوں، یہ آسان نہیں ہے، مگر کچھ نہ کچھ تو تمہیں کرنا ہی ہے۔''

''مجھے خوف آتا ہے۔ ایسا کوئی قدم اٹھانے پر بابا اور میرے بھائی ہم دونوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

''مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ ایسی کوئی حرکت کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر پھر بھی تمہیں کوئی خوف ہے تو ہم دونوں کچھ عرصہ کے لیے انگلینڈ چلے جائیں گے، پھر جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو واپس آ جائیں گے۔'' ہارون نے تجویز پیش کی۔

''یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا آپ کو لگ رہا ہے۔ آپ میرے بابا اور بھائیوں کو نہیں جانتے۔ وہ اتنی آسانی سے سب کچھ بھلا دینے والوں میں سے نہیں ہیں۔''

''تمہیں ان کی پروا کیوں ہے؟''

''بات پروا کی نہیں ہے، خونی رشتوں کو اس طرح توڑ دینا آسان نہیں ہوتا میں جانتی ہوں اگر میں نے ایسا کوئی قدم اٹھایا تو دوبارہ اپنے گھر والوں کے ساتھ تعلقات بحال ہونے کی امید رکھنا ناممکن ہوگا۔ بابا اگر اپنی ویلیوز کے لیے بھائی کو چھوڑ سکتے ہیں تو بیٹی کو بھی چھوڑ سکتے ہیں۔''

''اپنی زندگی اور خوابوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھو اور انکل اور ان کی ویلیوز کو دوسرے میں اس کے بعد دیکھ لو کہ تمہیں کون سا پلڑا بھاری لگتا ہے۔ اگر اپنی زندگی اور خوابوں کا پلڑا بھاری لگے تو پھر کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر وہی کرو جو میں تمہیں بتا رہا ہوں اور اگر تمہیں دوسرا پلڑا بھاری لگے تو پھر اپنی بہنوں کی طرح تم بھی کسی قبر میں اترنے کے لیے تیار ہو، ایک شوہر اور بڑا گھر تو تمہیں مل ہی جائے گا۔

خواب لیں یا نہ لیں جس زندگی کی تم تھوڑی دیر پہلے بات کر رہی تھیں اس زندگی کو ہر عورت نہیں پا سکتی کچھ خاص صفات ہوتی ہیں ویسی زندگی گزارنے والی عورتوں میں، اور ان صفات میں سے ایک حوصلہ بھی ہے تم طے کر لو کیا واقعی تم میں وہ صلاحیتیں ہیں یا پھر یہ سب میرا فریب نظر ہے۔''

ہارون کمال نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ شائستہ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

☆☆☆

اس کی امی نے اس دن جو کہا تھا۔ وہی ہوا تھا ایک ڈیڑھ ہفتہ وہ لوگ مسلسل ان کے گھر آتے جاتے رہے۔ خود اس کی امی اور بہنیں بھی کئی بار ان لوگوں کے گھر گئیں۔

پھر ایک دن وہ جانے سے پہلے شائستہ کو ایک انگوٹھی اور کچھ رقم تھما گئے۔ شائستہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ لوگ منگنی میں اتنی جلدی کریں گے۔

اس دن پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس کی امی نے ان کی گفتگو کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا اور ظاہر ہے، انہوں نے اس پر غور بھی نہیں کیا ہوگا۔ اسی دن اسے ہارون کی باتیں اور رائے کچھ اور بھی ٹھیک لگنے لگیں۔ اس کے گھر والوں کے بارے میں اس کے سارے اندازے صحیح ثابت ہوئے تھے۔

ڈرائنگ روم سے اپنے کمرے تک آتے آتے اس کے اندر جیسے کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا تھا۔ ''میری زندگی کے سب سے اہم معاملے کے بارے میں دوسرے فیصلے کرنے والے کون ہوتے ہیں، وہ کیوں یہ طے کرتے ہیں کہ مجھے کس کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ انہیں کیا حق حاصل ہے کہ وہ مجھے اس شخص سے محروم کر دیں جس سے میں محبت کرتی ہوں بابا دین کی بات کرتے ہیں۔ شریعت کا راگ الاپتے رہتے ہیں کیا انہیں یہ یاد نہیں کہ شریعت مجھے میری مرضی سے شادی کا حق دیتی ہے، ان کا اسلام صرف ان کی نمازوں اور حرام حلال تک کیوں محدود ہو کر رہ گیا ہے، باقی چیزوں کے بارے میں یہ وہ کیوں نہیں کرتے جو اسلام کہتا ہے۔ بیٹی انسان نہیں بھیڑ بکری ہوتی ہے جہاں چاہے باندھ دی۔ جس کو چاہے تھما دی اس کی اپنی کوئی مرضی ہی نہیں ہے کس حد تک ماں باپ کی اطاعت کرنی چاہیے؟ آخر کس حد تک؟

صرف ماں باپ ہونا انہیں یہ حق کیسے دے دیتا ہے کہ وہ میری پوری زندگی کو اپنے اختیار میں لے لیں۔ مجھے انسان ہی نہ سمجھیں۔ میری جگہ اگر ان کا بیٹا ہوتا تو کیا وہ اس کے ساتھ بھی یہی کرتے اس کے ساتھ بھی زبردستی کرتے۔ نہیں وہ کبھی اس کے ساتھ ایسا نہ کرتے۔ وہ تو ان کا بیٹا ہوتا نا اسے تو ہر حق دیتے، دوہرے معیار تو صرف میرے لیے ہیں۔''

اس کا صدمہ اور غصہ اسے اس فیصلے کی طرف لے جا رہا تھا جو پہلے اسے مشکل نظر آتا تھا۔

☆☆☆

''زندگی میں بہت سی چیزوں کو خواب سے حقیقت بنتے بہت وقت لگتا ہے اور بعض دفعہ خواب کو حقیقت بنتے کچھ لمحوں سے زیادہ نہیں لگتے، کم از کم شائستہ کو اس دن ایسا ہی محسوس ہوا تھا To be or not to be کی جس کشمکش سے وہ دوچار تھی۔

اس نے اس کا حل نکال لیا تھا۔

ہارون کمال اس کے ہاتھ لگنے والا پارس تھا جس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ وہ اسے ہاتھ میں لینے کے بعد اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو سونا بنا سکے گی۔ ہر چیز کو۔ سونے کی چمک انسان کی آنکھوں کو نہیں دل کو اندھا کرتی ہے۔ اس کی قیمت کے سامنے دنیا کی ہر چیز بے مول لگنے لگتی ہے۔ شائستہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ ہاتھ میں لیے ہوئے اس پارس کے ساتھ چیزوں کو سونے میں بدلتے بدلتے وہ صرف ایک بات بھول گئی تھی۔ سونا کتنا بھی چمک دار اور انمول کیوں نہ ہو، اس میں زندگی نہیں ہوتی۔ وہ بے جان ہوتا ہے۔ بے جان رہتا ہے اور بے جان چیزیں جان دار چیزوں پر کبھی انحصار نہیں کرتیں۔ وہ کسی بھی چیز پر انحصار نہیں کرتیں۔ کیونکہ انہیں کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس کے ہاتھ میں آیا ہوا پارس دراصل ایک ایسی بے جان چیز تھا جسے شائستہ کی ضرورت نہیں تھی اور ایک دن وہ شائستہ کے لیے پارس سے پتھر بن کر اسے ایک ایسی ٹھوکر دینے والا تھا جس کے بعد اس کے سامنے آنے والی پستی اسے آسمان سے پاتال میں لے جانے والی تھی۔ آسمان اور پاتال کے درمیان کہیں بھی زمین نہیں ہوتی۔ زمین کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ پاتال تک پہنچتے پہنچتے پیر کٹ چکے ہوتے ہیں۔

☆☆☆

"میں آپ کے ساتھ کورٹ میرج کرنا چاہتی ہوں۔"

ہارون کمال کے چہرے پر بے اختیار ایک مسکراہٹ لہرائی "تو تم نے فیصلہ کر لیا۔"

"میرے والدین نے میرے پاس کوئی دوسری چوائس ہی نہیں چھوڑی۔" شائستہ نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "انہوں نے میری منگنی کر دی ہے۔"

"کیا؟" ہارون کو شاک لگا، شائستہ اس سے نظریں نہیں ملا سکی "کب؟"

"پرسوں۔"

"کہاں؟"

"پاپا کے اسی دوست کے بیٹے کے ساتھ جن کے گھر والے کچھ عرصے سے ہمارے گھر آ رہے ہیں۔"

"تم نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔"

"میں نہیں جانتی تھی کہ وہ اس طرح اچانک نسبت طے کر دیں گے اور نہ ہی امی یا بابا نے اس بارے میں مجھے بتایا تھا۔ پرسوں شام کو وہ لوگ ہمارے گھر آئے اور مجھے انگوٹھی پہنا کر چلے گئے۔"

"تم نے انکار نہیں کیا؟"

"میں اس وقت کیا کرتی۔ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ میں تو کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔ اب اس رشتہ سے بچنے کے لیے ہی تو میں آپ سے کورٹ میرج کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا تمہارے گھر والوں نے شادی کی تاریخ طے کر دی ہے؟"

"نہیں۔ مگر مجھے لگتا ہے، وہ چند ہفتوں تک یہ بھی کر دیں گے۔"

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کورٹ میرج کا انتظام کر لیتا ہوں۔ دو تین دن کے اندر ہماری شادی ہو جائے گی۔" ہارون نے اسے تسلی دی۔

"میں کورٹ میرج کے بعد واپس اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔"

"کیا؟"

"ہاں، میں یہ کورٹ میرج صرف اپنے گھر والوں پر دباؤ ڈالنے کے لیے کرنا چاہتی ہوں۔ کورٹ میرج ہو جائے گی تو وہ لوگ میری کہیں اور شادی نہیں کر سکیں گے۔ ہو سکتا ہے پھر وہ آپ کو قبول کر لیں۔" وہ اس کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کر رہی تھی۔

ہارون خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔ جب شائستہ نے اپنی بات ختم کر لی تو اس نے کہا۔

"اگر کورٹ میرج کا پتا چلنے پر تمہارے گھر والوں نے زبردستی اسے ختم کرنے کی کوشش کی تو؟"

"میں کبھی یہ شادی ختم ہونے نہیں دوں گی۔" شائستہ نے فوراً کہا۔

"اپنے گھر والوں کا دباؤ برداشت کر سکو گی؟"

"ہاں، کیوں نہیں۔"

"لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ تم ایسا کر پاؤ گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ کورٹ میرج کے بعد تم ہمیشہ کے لیے میرے گھر چلی آؤ؟" ہارون نے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔

"میں ایک آخری کوشش کر لینا چاہتی ہوں۔ ہو سکتا ہے کوئی بہتر صورت نکل آئے لیکن اگر مجھے ایسا ہوتا نظر نہ آیا تو میں وہ گھر چھوڑنے میں دیر نہیں کروں گی۔ آپ کو مجھ پر یقین ہونا چاہیے۔" ہارون کچھ سوچنے لگا۔

☆☆☆

اس شام وہ ربیعہ کے ساتھ اس کے گھر گئی۔ ایک پرانے طرز کی حویلی نما عمارت کے گیٹ سے گاڑی پر اندر جاتے ہوئے وہ بہت زیادہ مرعوب ہو چکی تھی اور شاید کسی حد تک خوفزدہ بھی۔

ربیعہ اسے ساتھ لے کر اندر لاؤنج میں آ گئی اور وہاں اسے بٹھا کر غائب ہو گئی۔ چند منٹوں کے بعد وہ ایک بوڑھے آدمی کے ساتھ دوبارہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔ ان کے چہروں پر پائی جانے والی مشابہت سے فاطمہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ شخص ہی ربیعہ کے والد ہیں۔

"یہ فاطمہ مختار ہیں اور یہ ان کا بیٹا شہیر۔ فاطمہ! یہ میرے والد ہیں رضا علی۔" اس نے اندر آتے ہی فاطمہ سے اپنے باپ کا تعارف کروایا اور پھر شہیر کو رضا علی کے قریب کر دیا۔ رضا علی شہیر سے باتیں کرتے ہوئے اس کا چیک اپ کرنے لگے اور پھر انہوں نے ربیعہ سے اپنا بیگ لانے کے لیے کہا۔ ربیعہ لاؤنج سے نکل گئی۔

کچھ دیر بعد وہ دوبارہ ایک بیگ کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئی اور اس نے وہ بیگ رضا علی کے پاس میز پر رکھ دیا۔

فاطمہ خاموشی سے ان کی سرگرمیاں دیکھتی رہی۔

چند منٹوں کے اندر رضا علی شہیر کا اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد اسے ایک انجکشن دے چکے تھے۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ معمولی انفیکشن ہے چند دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا میں جو میڈیسنز لکھ رہا ہوں، یہی اسے دیں۔"

انہوں نے ایک Prescription note اس کی طرف بڑھا دیا۔ فاطمہ نے ممنونیت کے عالم میں وہ کاغذ پکڑ لیا۔

وہ کاغذ پکڑ کر اٹھنے لگی جب ربیعہ نے اسے روک دیا۔

"چائے پیے بغیر تم کیسے جا سکتی ہو؟"

"نہیں۔ میں چائے نہیں پیوں گی، بہت دیر ہو جائے گی۔" فاطمہ نے انکار کر دیا۔

"کوئی بات نہیں، ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا۔" پھر فاطمہ کے انکار کے باوجود اس نے فاطمہ کو جانے نہیں دیا۔

وہ دونوں چائے پی رہی تھیں جب فاطمہ نے اس سے کہا۔

"آپ اپنے والد کے پاس رہتی ہیں؟"

"نہیں؟ وقتی طور پر میں یہ ورکشاپ کروانے یہاں آئی ہوں، اس کے بعد واپس چلی جاؤں گی۔" ربیعہ نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟"

"کراچی؟"

"آپ کے شوہر وہاں ہوتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"اور آپ کے والدین یہاں لاہور میں رہتے ہیں؟"

"والدین نہیں صرف والد۔ میری والدہ کی چند سال پہلے ڈیتھ ہو چکی ہے۔"

"اوہ!" فاطمہ نے بے اختیار کہا۔ "آپ کے والد اکیلے ہوتے ہیں یہاں؟"

"ہاں کہنے کو اکیلے ہوتے ہیں مگر جتنی مصروفیات انہوں نے پال رکھی ہیں، شاید ان مصروفیات کی موجودگی میں انہیں اکیلا کہنا ٹھیک نہیں۔" ربیعہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"آپ کے کوئی بھائی نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ ہم دو بہنیں ہیں۔"

"دوسری بہن وہ لاہور میں ہوتی ہیں؟"

"نہیں۔ وہ انگلینڈ میں ہوتی ہیں۔"

"آپ کی یہ آخری ورکشاپ ہے۔ آپ کو افسوس نہیں ہوگا کہ باہر سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی آپ اپنا کیریئر ختم کر رہی ہیں۔ کیا سب کچھ چھوڑ دینا اتنا آسان ہوتا ہے۔"

ربیعہ اسے دیکھ کر کچھ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ "نہیں۔ بہت آسان تو نہیں ہے لیکن بس ایک بار بیٹھ کر خود کو سمجھانا پڑتا ہے جب بندہ خود کو سمجھا لیتا ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں رہتا اور میں خود کو سمجھا چکی ہوں۔"

"آپ اپنی ساس کے لیے کوئی کل وقتی ملازمہ بھی تو رکھ سکتی ہیں۔"

"ہاں ایسا کر سکتی ہوں لیکن ملازمہ میرا متبادل نہیں ہو سکتی۔"

"آپ کی ساس تو بہت محبت اور قدر کرتی ہوں گی آپ کی؟"

"نہیں۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتیں۔"

فاطمہ کو اس کے جواب پر شاک لگا۔ "پسند نہیں کرتیں؟ کیوں؟"

ربیعہ بہت دلکش انداز میں مسکرائی "دراصل میں نے اور مراد نے اپنی پسند سے شادی کی تھی اور میری ساس اس شادی پر رضامند نہیں تھیں۔ ہمارے ساتھ رہنے کے باوجود انہوں نے ابھی اس شادی کو قبول نہیں کیا اور وہ ابھی بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔"

"پھر بھی آپ ان کے لیے جاب چھوڑ رہی ہیں؟" وہ حیران ہو رہی تھی۔

"مراد کو بہت پیار ہے اپنی ماں سے اور مجھے مراد سے بہت محبت ہے شاید اس لیے، مجھے اپنی ساس سے بھی محبت ہو گئی ہے۔ اصل میں میں سارا دن گھر سے باہر رہتی ہوں تو مجھے ہر وقت یہ فکر لگی رہتی ہے کہ میری عدم موجودگی میں انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ گھر میں ملازم ہیں لیکن پھر بھی مجھے ان کے بارے میں پریشانی ہوتی ہے۔ شاید میں کچھ عرصہ اور جاب کرتی، مگر دو ماہ پہلے وہ کمرے سے نکلتے ہوئے کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑیں۔ ان کے گھٹنے پر چوٹ لگی۔ میں جب شام کو گھر آئی تو وہ اپنے کمرے میں بیٹھی رو رہی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کوئی شکایت نہیں کی نہ ہی مجھے برا بھلا کہا۔ بس خاموشی سے روتی رہیں۔ میری دس سالہ ازدواجی زندگی میں یہ پہلی بار ہوا کہ انہوں نے اپنے غصہ کا اظہار نہیں کیا۔ بہت بے عزتی کا احساس ہوا مجھے۔ میں نے سوچا کہ میں اپنے شوہر سے محبت کے دعوے کرتی ہوں اور میرے شوہر کی ماں میرے ہی گھر میں ٹھوکریں کھاتی پھرے اور مجھے احساس ہوا کہ میری بیرون ملک سے لی جانے والی ان ڈگریز کا کوئی فائدہ نہیں ہے اگر میں اپنے ہی گھر میں موجود لوگوں کی زندگی کو آرام دہ نہیں بنا سکتی۔ ان کی معذوری اور بڑھاپے میں میرا کوئی قصور نہیں ہے مگر اگر وہ میرے ہی گھر میں ٹھوکریں کھاتی پھریں تو میرے لیے اس سے زیادہ شرمناک اور قابل نفرت چیز کوئی اور نہیں، اس لیے میں نے اگلے دن آفس جا کر نوٹس دے

دیا۔ میں ویسے بھی آج کل بریل سیکھ رہی ہوں۔ جاب چھوڑنے کے بعد ان کو سکھا سکوں گی، پھر بریل میں لکھی ہوئی کتابیں وغیرہ پڑھتے ہوئے وہ اتنی ڈپریس نہیں رہا کریں گی جتنی آج کل رہتی ہیں۔"

"آپ کی فطرت میں بہت ایثار ہے۔"

"نہیں، ایثار نہیں ہے بس مجھے اپنے حقوق و فرائض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان پر عمل کرنا سکھایا ہے۔"

ربیعہ اتنے نارمل اور معمول کے انداز میں بات کر رہی تھی جیسے اپنے بجائے کسی دوسرے شخص کی بات کر رہی ہو" اور ویسے بھی کچھ سالوں کے بعد ساس کی وجہ سے نہیں تو شوہر کی وجہ سے یا پھر بچوں کی وجہ سے جاب چھوڑنا پڑتی۔"

"کیوں؟"

ربیعہ چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "کیونکہ میرے شوہر بھی نابینا ہو جائیں گے۔"

فاطمہ چند لمحوں کے لیے سانس نہیں لے سکی۔ "نابینا ہو جائیں گے؟" اس نے بمشکل کہا۔

"ہاں، ان کی فیملی میں موروثی طور پر یہ بیماری چلی آ رہی ہے اور کچھ سالوں تک وہ بھی نابینا ہو جائیں گے۔"

"کیا شادی سے پہلے انہوں نے آپ کو یہ سب نہیں بتایا تھا؟"

"نہیں، انہوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔" ربیعہ نے بڑے مطمئن انداز میں کہا۔

"پھر بھی آپ نے ان سے شادی کر لی؟" فاطمہ کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں، کیونکہ مجھے محبت تھی ان سے۔"

فاطمہ کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ کس ردعمل کا اظہار کرے۔ "یہ جاننے کے باوجود کہ وہ نابینا ہو جائیں گے۔ آپ نے ان سے صرف اس لیے شادی کر لی کیونکہ آپ کو ان سے محبت تھی؟"

"فاطمہ! میری مراد کے ساتھ اتنی انڈر اسٹینڈنگ تھی کہ میں کسی دوسرے شخص کے ساتھ خوش رہنا تو دور کی بات، رہ ہی نہیں سکتی تھی۔"

"آپ کے گھر والوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا؟"

"مراد بڑے سالوں سے ہمارے گھر آ رہا تھا۔ میرے فادر کے اسٹوڈنٹس میں سے تھا۔ پھر بعد میں کچھ عرصہ ان کے پرائیویٹ کلینک پر بھی کام کرتا رہا۔ اس لیے میرے فادر اس کو بہت اچھی طرح جانتے تھے بلکہ ان کی اس موروثی بیماری کے بارے میں بھی۔ جب اس نے مجھے سب کچھ بتایا اور پھر پرپوز کیا۔ تو میں نے خاصا سوچا اور پھر مجھے احساس ہوا کہ مجھے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کی آنکھیں ہوں یا نہ ہوں۔ میرے فادر نے بھی میری امی کے ساتھ خاصی مخالفتوں کے بعد شادی کی تھی۔ او میں نے تمہیں شاید یہ نہیں بتایا کہ میری امی معذور تھیں۔ ٹانگیں نہیں تھیں ان کی۔"

فاطمہ اس کے انکشاف پر اب نہیں چونکی تھیں۔ اس کے سامنے جو عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی ہر بات چونکانے والی تھی اور اب وہ اس سے کسی بھی چیز کی توقع کر سکتی تھی۔

"میرے فادر جسمانی طور پر بالکل ٹھیک تھے اور مجھے کئی بار حیرت ہوتی تھی کہ ان دونوں کی شادی کیسے ہو گئی۔ انہوں نے میری امی سے اتنی لمبی چوڑی مخالفت کے باوجود کیوں شادی کی۔ ایسی کیا خاص بات تھی ان میں۔ میری امی زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھیں۔ ایف اے کیا تھا انہوں نے۔ بڑی حسین و جمیل بھی نہیں تھیں، ہاں یہ تھا کہ پہننے اوڑھنے اچھی لگتی تھیں۔ گریس تھا ان میں اور شائستگی بھی مگر وہ معذور تھیں۔ میرے فادر کے پاس علاج کے لیے کچھ عرصہ آتی رہیں، شاید چند ہفتے، میرے فادر تعریف کیا کرتے تھے ان کی ذہانت کی اور ایک دن انہوں نے ایسے ہی تعریف کی تو میری امی نے کہا۔

"تقریریں نہ کریں۔ آپ کے بقول معذوری کے باوجود میری جرأت اور اعتماد متاثر کن ہے اور میری شخصیت عام لڑکیوں سے زیادہ نمایاں ہے تو شادی کیوں نہیں کر لیتے آپ مجھ سے مگر یہ کام آپ کبھی نہیں کریں گے کیونکہ ڈاکٹر کا کام وکیل کی طرح صرف جھوٹ بولنا ہوتا ہے اور آپ اگر میری تعریفیں اس لیے کرتے رہتے ہیں تاکہ معذوری کی وجہ سے ہونے والی

ٹینشن یا ڈپریشن ختم ہو جائے تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کو ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے اپنی معذوری سے کوئی ڈپریشن نہیں ہے نہ ہی مجھے اپنی ٹانگیں دیکھ دیکھ کر ہول آتا ہے۔ میں اپنی معذوری کو تسلیم کر چکی ہوں۔ سمجھوتا کر چکی ہوں اس کے ساتھ اور یہ کام آپ جیسے لوگوں کے دلاسوں اور تسلیوں کے بغیر کیا ہے۔ میں نے، اس لیے آپ اپنے قیمتی لفظ مجھ پر ضائع نہ کریں۔

اس کے بعد میرے فادر نے چند دنوں کے بعد ان کے گھر پرپوزل بھیج دیا۔ میرے والد اکلوتے تھے، اور میری امی سے عمر میں دس بارہ سال بڑے تھے اکلوتے ہونے کی وجہ سے میرے ددھیال والوں کے لیے یہ بات ناقابل قبول تھی کہ وہ کسی معذور لڑکی سے شادی کر لیتے۔ مخالفت کا ایک لمبا چوڑا طوفان اٹھا۔ خاندان کے ہر بڑے نے انہیں سمجھایا۔ لیکن میرے فادر کی ایک ہی رٹ تھی کہ مجھے جیسی لڑکی چاہیے تھی، وہ مجھے مل چکی ہے۔ کوئی شخص ٹانگوں، ہاتھوں، آنکھوں سے شادی نہیں کرتا۔ مجھے لگتا ہے اس کے ساتھ میری زندگی اچھی گزر جائے گی۔ اس لیے میں اسی سے شادی کروں گا۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا تیس سال وہ لوگ اکٹھے رہے اور میں نے اپنے ماں باپ سے زیادہ مطمئن کپل آج تک نہیں دیکھا۔ کوئی عجیب سی کیمسٹری تھی دونوں کے درمیان۔ میرے فادر ہر فنکشن میں امی کو ساتھ لے کر جایا کرتے تھے ان کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے اور میں نے کبھی انہیں اس چیز سے اکتاتے یا اس پر شرمندگی محسوس کرتے نہیں دیکھا۔ اسپشلائزیشن کے لیے وہ باہر گئے تب بھی امی ان کے ساتھ تھیں پھر کچھ سالوں بعد واپس آئے تو بہت زیادہ مصروف ہو گئے۔ اتنے مصروف کہ بعض دفعہ صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے لیے گھر آتے تھے پھر واپس چلے جاتے تھے۔ مگر امی کو ہر چیز کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ ہم دونوں بہنیں اکثر سوچتی تھیں کہ ان کی کامیابی میں امی کا کتنا ہاتھ ہے اور ایک بار ہم نے ان سے پوچھا بھی۔

"میں جو کچھ بھی ہوں، تمہاری امی کی وجہ سے ہوں۔ میں چوبیس گھنٹے جاگ کر کام کر سکتا ہوں اور اس کے بعد بھی پرسکون رہوں گا مجھے کوئی ٹینشن نہیں ہو گی اگر ہو گی تو میں تمہاری امی سے بات کروں گا پانچ منٹ، دس منٹ۔ جو چیز مجھے پریشان کر رہی ہو گی۔ میں انہیں بتاؤں گا۔ وہ دو منٹ میں اس کا حل پیش کر دے گی یا کچھ نہ کچھ ایسا ضرور کہہ دے گی کہ مجھے اپنے کندھوں سے ہر بوجھ ہٹتا محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد میں پھر اگلے چوبیس گھنٹے لگاتار کام کرنے کے لیے تیار ہوں گا، میری زندگی میں جتنی کامیابیاں ہیں ان کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں بے سکون نہیں ہوں۔ تمہاری امی کی صورت میں سکون کا ایک زمینی ذریعہ ہے میرے پاس جو میرے ساتھ کے اور لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ بہت سارے کولیگز ایسے ہیں میرے جو مجھ سے زیادہ اچھے ڈاکٹرز ہیں، مجھ سے زیادہ کوالیفکیشن ہے ان کے پاس، لیکن ان کی زندگی میں اطمینان اور سکون نہیں ہے اور ان چیزوں کی عدم موجودگی پورے وجود کو جس انتشار میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کا اندازہ بھی تم لوگ نہیں کر سکتے شادی سے پہلے مجھے بھی وہ ڈپریشن تھا۔ عجیب سی meaninglessness (بے معنی) تھی زندگی میں پھر زینب سے ملاقات ہوئی میری۔ عجیب سا سکون ملتا تھا مجھے اس سے بات کر کے، یوں لگتا تھا اس کے پاس ہر بات کا جواب ہے۔ ہر مسئلے کا حل ہے مجھے لگتا تھا میں اس سے ملتا ہوں تو جیسے کسی سائیکالوجسٹ سے مل رہا ہوں، میں انتظار کرتا رہتا تھا کہ وہ ہاسپٹل آئے۔ میں اس سے بات کروں اور میں پریشان رہتا تھا کہ جب یہ آنا چھوڑ دے گی تو کیا ہو گا پھر جب زینب نے شادی کا کہا تو مجھے بڑی ہنسی آئی کہ میں نے اس چیز کے بارے میں کیوں نہیں سوچا اور تب مجھے احساس ہوا کہ ہاں یہ لڑکی اگر میری زندگی میں آ جائے تو میں اپنی فیلڈ میں بہت آگے جا سکتا ہوں اور میرا یہ اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ میری اماں کہا کرتی تھیں۔ "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے معذور لڑکی سے شادی کر رہے ہو۔ تمہارے ساتھ چل پھر نہیں سکتی۔ کیا کرو گے تم؟ تمہیں سنبھالنے کے بجائے الٹا خود تمہیں اسے سنبھالنا پڑے گا۔ رضا عقل سے کام لو" اور میں ان سے کہتا تھا کہ "اماں بیوی صرف ساتھ چلنے پھرنے یا کام کرنے اور کروانے کے لیے نہیں ہوتی" میری بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، کیونکہ میں اپنے اور زینب کے تعلق کو انہیں سمجھا نہیں پاتا تھا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح زینب میری زندگی میں آ گئی اور پھر میری زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا......"

فاطمہ کسی بت کی طرح ربیعہ کی باتیں سن رہی تھی۔

"میں پھر بھی اپنے فادر سے یہ کہا کرتی تھی کہ معذور لڑکی سے شادی کے لیے خاصی جرأت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ کہتے تھے کہ محبت میں ایک وقت وہ آتا ہے جب آپ کو اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ جس سے آپ محبت کرتے ہیں، اس کے ہاتھ، کان، ناک، پاؤں، آنکھیں ہیں یا نہیں۔ تب آپ کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ وہ شخص ہے۔ مجھے ان کی بات پر بھی یقین نہیں آیا لیکن جب مجھے مراد سے محبت ہوئی تب مجھے پہلی بار پتا چلا کہ ہاں واقعی ایسا ہوتا ہے۔ میں نے جب اپنے والدین سے مراد کے بارے میں بات کی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ ہاں میری امی نے مجھ سے یہ ضرور کہا کہ میں اپنے فیصلے پر اچھی طرح سوچ لوں، بعد میں میرا کوئی پچھتاوا میرے ساتھ ساتھ بہت سی دوسری زندگیوں کو بھی عذاب بنا دے گا۔ میں نے خاصا سوچا مگر اتنے لمبے چوڑے غور و خوض نے بھی میرے فیصلے کو نہیں بدلا، پھر ماسٹرز کے بعد مجھے اسکالرشپ مل رہا تھا تو میرے والدین نے مجھ سے کہا کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں اپنا کیریر بنانے کے لیے یہ ضروری تھا۔ کل کو مراد کی معذوری کی صورت میں میں فیملی کو سپورٹ کر سکوں گی۔"

"اور اب آپ وہ کیریر چھوڑ رہی ہیں؟"

"زندگی میں بہت سی چیزیں ہماری پلاننگ کے بغیر ہوتی ہیں۔ ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے، سوائے انہیں قبول کرنے کے۔ ابھی مراد ٹھیک ہے۔ اسپشلائزیشن کے بعد ایک بڑے ہاسپٹل میں کام کر رہا ہے۔ ابھی اگر میں جاب نہیں بھی کروں تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔ بس یہ ہو گا کہ ایک دو ملازم کم ہو جائیں گے اور گھر کے کچھ کام مجھے اپنے ذمہ لینا پڑیں گے مگر میں اس قابل ضرور ہو جائیں گی کہ اپنی ساس کے ساتھ کچھ وقت گزار سکوں، انہیں اس قابل کر دوں کہ وہ اس معذوری کے ساتھ ایڈجسٹ ہو جائیں پھر باقی کی زندگی وہ آسانی سے گزار لیں گی۔"

فاطمہ نے اپنے اس بازو کو دیکھا جس سے اسے نفرت تھی۔

☆☆☆

ہارون نے تین دنوں کے اندر تمام انتظامات کر لیے تھے۔ چوتھے دن وہ شائستہ کو ایک مقررہ وقت پر کورٹ لے گیا۔ دو گھنٹے کے بعد کورٹ سے باہر آتے ہوئے شائستہ کسی اور جہاں میں تھی۔ شائستہ اکبر سے شائستہ کمال کا سفر اس نے جس جرأت سے طے کیا تھا اسے اس پر خود بھی حیرت ہو رہی تھی۔

واپس گاڑی میں آ کر بیٹھتے ہوئے اس نے ہارون سے پوچھا۔

"کیا تایا ابو کو اس شادی کے بارے میں آپ نے بتایا ہے؟"

"ہاں!" ہارون نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مختصراً جواب دیا۔

"ان کا کیا ردعمل تھا؟" شائستہ نے محتاط انداز میں پوچھا۔

"وہی جو ہونا چاہیے، وہ بہت خوش ہیں بلکہ میرے تمام گھر والے ہی خوش ہیں۔"

"انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا؟"

"کیوں کرتے؟ اور اگر کرتے بھی تو میں کسی اعتراض کی پروا نہیں کرتا۔"

"پھر بھی اس طرح مجھ سے شادی کرنے پر وہ زیادہ خوش تو نہیں ہوں گے؟" شائستہ کے خدشات میں کمی نہیں ہوئی۔

"میرے گھر والے تمہارے گھر والوں کی طرح نہیں ہیں۔ وہ لبرل ہیں۔ دوسروں کی آزادی اور حقوق کا احترام کرتے ہیں۔ چاہے وہ اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ اسے مٹھی میں بند کر کے نہیں رکھتے۔" شائستہ نے اس بار اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

گاڑی چلتی رہی۔ شائستہ کا خیال تھا، وہ اسے واپس کالج چھوڑنے جا رہا ہے۔ مگر گاڑی ایک رہائشی علاقے میں مڑ گئی۔ شائستہ کوئی سوال کیے بغیر دلچسپی سے اس پوش علاقے کو دیکھتی رہی۔ پھر ایک گھر کے سامنے اس نے ہارون کو گاڑی موڑتے اور ہارن دیتے دیکھا۔ اس نے کچھ حیرانی سے ہارون سے پوچھا۔

ٹینشن یا ڈپریشن ختم ہو جائے تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کو ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے اپنی معذوری سے کوئی ڈپریشن نہیں ہے نہ ہی مجھے اپنی ٹانگیں دیکھ دیکھ کر ہول آتا ہے۔ میں اپنی معذوری کو تسلیم کرچکی ہوں۔ سمجھوتا کرچکی ہوں اس کے ساتھ اور یہ کام آپ جیسے لوگوں کے دلاسوں اور تسلیوں کے بغیر کیا ہے۔ میں نے، اس لیے آپ اپنے قیمتی لفظ مجھ پر ضائع نہ کریں۔

اس کے بعد میرے فادر نے چند دنوں کے بعد ان کے گھر پر پوزل بھیج دیا۔ میرے والد اکلوتے تھے، اور میری امی سے عمر میں دس بارہ سال بڑے تھے اکلوتے ہونے کی وجہ سے میرے ددھیال والوں کے لیے یہ بات ناقابل قبول تھی کہ وہ کسی معذور لڑکی سے شادی کرلیتے۔ مخالفت کا ایک لمبا چوڑا طوفان اٹھا۔ خاندان کے ہر بڑے نے انہیں سمجھایا۔ لیکن میرے فادر کی ایک ہی رٹ تھی کہ مجھے جیسی لڑکی چاہیے تھی، وہ مجھے مل چکی ہے۔ کوئی شخص ٹانگوں، ہاتھوں، آنکھوں سے شادی نہیں کرتا۔ مجھے لگتا ہے اس کے ساتھ میری زندگی اچھی گزر جائے گی۔ اس لیے میں اسی سے شادی کروں گا۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا تیس سال وہ لوگ اکٹھے رہے اور میں نے اپنے ماں باپ سے زیادہ مطمئن کپل آج تک نہیں دیکھا۔ کوئی عجیب سی کیمسٹری تھی دونوں کے درمیان۔ میرے فادر ہر فنکشن میں امی کو ساتھ لے کر جایا کرتے تھے ان کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے اور میں نے کبھی انہیں اس چیز سے اکتاتے یا اس پر شرمندگی محسوس کرتے نہیں دیکھا۔ اسپشلائزیشن کے لیے وہ باہر گئے تب بھی امی ان کے ساتھ تھیں پھر کچھ سالوں بعد واپس آئے تو بہت زیادہ مصروف ہو گئے۔ اتنے مصروف کہ بعض دفعہ صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے لیے گھر آتے تھے پھر واپس چلے جاتے تھے۔ مگر امی کو ہر چیز کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ ہم دونوں بہنیں اکثر سوچتی تھیں کہ ان کی کامیابی میں امی کا کتنا ہاتھ ہے اور ایک بار ہم نے ان سے پوچھا بھی۔

''میں جو کچھ بھی ہوں، تمہاری امی کی وجہ سے ہوں۔ میں چوبیس گھنٹے جاگ کر کام کرسکتا ہوں اور اس کے بعد بھی پرسکون رہوں گا مجھے کوئی ٹینشن نہیں ہوگی اگر ہوگی تو میں تمہاری امی سے بات کروں گا پانچ منٹ، دس منٹ۔ جو چیز مجھے پریشان کر رہی ہوگی۔ میں انہیں بتاؤں گا۔ وہ دو منٹ میں اس کا حل پیش کر دے گی یا کچھ نہ کچھ ایسا ضرور کہہ دے گی کہ مجھے اپنے کندھوں سے ہر بوجھ ہٹتا محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد میں پھر اگلے چوبیس گھنٹے لگاتار کام کرنے کے لیے تیار ہوں گا، میری زندگی میں جتنی کامیابیاں ہیں ان کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں بے سکون نہیں ہوں۔ تمہاری امی کی صورت میں سکون کا ایک ذریعہ ہے میرے پاس جو میرے ساتھ کے اور لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ بہت سارے کولیگز ایسے ہیں میرے جو مجھ سے زیادہ اچھے ڈاکٹرز ہیں، مجھ سے زیادہ کوالیفکیشن ہے ان کے پاس، لیکن ان کی زندگی میں اطمینان اور سکون نہیں ہے اور ان چیزوں کی عدم موجودگی پورے وجود کو جس انتشار میں مبتلا کردیتی ہے۔ اس کا اندازہ بھی تم لوگ نہیں کرسکتے شادی سے پہلے مجھے بھی وہ ڈپریشن تھا۔ عجیب سی meaninglessness (بے معنی) تھی زندگی میں پھر زینب سے ملاقات ہوئی میری۔ عجیب سا سکون ملتا تھا مجھے اس سے بات کرکے، یوں لگتا تھا اس کے پاس ہر بات کا جواب ہے۔ ہر مسئلے کا حل ہے مجھے لگتا تھا میں اس سے ملتا ہوں تو جیسے کسی سائیکالوجسٹ سے مل رہا ہوں، میں انتظار کرتا رہتا تھا کہ وہ ہاسپٹل آئے۔ میں اس سے بات کروں اور میں پریشان رہتا تھا کہ جب یہ آنا چھوڑ دے گی تو کیا ہوگا پھر جب زینب نے شادی کا کہا تو مجھے بڑی ہنسی آئی کہ میں نے اس چیز کے بارے میں کیوں نہیں سوچا اور تب مجھے احساس ہوا کہ ہاں یہ لڑکی اگر میری زندگی میں آجائے تو میں اپنی فیلڈ میں بہت آگے جاسکتا ہوں اور میرا یہ اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ میری اماں کہا کرتی تھیں۔ ''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے معذور لڑکی سے شادی کر رہے ہو۔ تمہارے ساتھ چل پھر نہیں سکتی۔ کیا کرو گے تم؟ تمہیں سنبھالنے کے بجائے الٹا خود تمہیں اسے سنبھالنا پڑے گا۔ رضا عقل سے کام لو'' اور میں ان سے کہتا تھا کہ ''اماں بیوی صرف ساتھ چلنے پھرنے یا کام کرنے اور کروانے کے لیے نہیں ہوتی'' میری بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، کیونکہ میں اپنے اور زینب کے تعلق کو انہیں سمجھا نہیں پاتا تھا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح زینب میری زندگی میں آگئی اور پھر میری زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا.....''

فاطمہ کسی بت کی طرح ربیعہ کی باتیں سن رہی تھی۔

''میں پھر بھی اپنے فادر سے یہ کہا کرتی تھی کہ معذور لڑکی سے شادی کے لیے خاصی جرأت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ کہتے تھے کہ محبت میں ایک وقت وہ آتا ہے جب آپ کو اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ جس سے آپ محبت کرتے ہیں، اس کے ہاتھ، کان، ناک، پاؤں، آنکھیں ہیں یا نہیں۔ تب آپ کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ وہ شخص ہے۔ مجھے ان کی بات پر کبھی یقین نہیں آیا لیکن جب مجھے مراد سے محبت ہوئی تب مجھے پہلی بار پتا چلا کہ ہاں واقعی ایسا ہوتا ہے۔ میں نے جب اپنے والدین سے مراد کے بارے میں بات کی تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ ہاں میری امی نے مجھ سے یہ ضرور کہا کہ میں اپنے فیصلے پر اچھی طرح سوچ لوں، بعد میں میرا کوئی پچھتاوا میرے ساتھ ساتھ بہت سی دوسری زندگیوں کو بھی عذاب بنا دے گا۔ میں نے خاصا سوچا مگر اتنے لمبے چوڑے غور و خوض نے بھی میرے فیصلے کو نہیں بدلا، پھر ماسٹرز کے بعد مجھے اسکالرشپ مل رہا تھا تو میرے والدین نے مجھ سے کہا کہ میں اس سے فائدہ اٹھاؤں اپنا کیریر بنانے کے لیے یہ ضروری تھا۔ کل کو مراد کی معذوری کی صورت میں میں فیملی کو سپورٹ کرسکوں گی۔''

''اور اب آپ وہ کیریر چھوڑ رہی ہیں؟''

''زندگی میں بہت سی چیزیں ہماری پلاننگ کے بغیر ہوتی ہیں۔ ہم ان کے بارے میں کچھ نہیں کرسکتے، سوائے انہیں قبول کرنے کے۔ ابھی مراد ٹھیک ہے۔ اسپشلائزیشن کے بعد ایک بڑے ہاسپٹل میں کام کر رہا ہے۔ ابھی اگر میں جاب نہیں بھی کروں تو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ بس یہ ہوگا کہ ایک دو ملازم کم ہو جائیں گے اور گھر کے کچھ کام مجھے اپنے ذمہ لینا پڑیں گے مگر میں اس قابل ضرور ہو جائیں گی کہ اپنی ساس کے ساتھ کچھ وقت گزار سکوں، انہیں اس قابل کردوں کہ وہ اس معذوری کے ساتھ ایڈجسٹ ہو جائیں پھر باقی کی زندگی وہ آسانی سے گزار لیں گی۔''

فاطمہ نے اپنے اس بازو کو دیکھا جس سے اسے نفرت تھی۔

☆☆☆

ہارون نے تین دنوں کے اندر تمام انتظامات کرلیے تھے۔ چوتھے دن وہ شائستہ کو ایک مقررہ وقت پر کورٹ لے گیا۔ دو گھنٹے کے بعد کورٹ سے باہر آتے ہوئے شائستہ کسی اور جہاں میں تھی۔ شائستہ اکبر سے شائستہ کمال کا سفر اس نے جس جرأت سے طے کیا تھا اسے اس پر خود بھی حیرت ہو رہی تھی۔

واپس گاڑی میں آکر بیٹھتے ہوئے اس نے ہارون سے پوچھا۔

''کیا تایا ابو کو اس شادی کے بارے میں آپ نے بتایا ہے؟''

''ہاں!'' ہارون نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مختصراً جواب دیا۔

''ان کا کیا ردعمل تھا؟'' شائستہ نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''وہی جو ہونا چاہیے، وہ بہت خوش ہیں بلکہ میرے تمام گھر والے ہی خوش ہیں۔''

''انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا؟''

''کیوں کرتے؟ اور اگر کرتے بھی تو میں کسی اعتراض کی پروا نہیں کرتا۔''

''پھر بھی اس طرح مجھ سے شادی کرنے پر وہ زیادہ خوش تو نہیں ہوں گے؟'' شائستہ کے خدشات میں کمی نہیں ہوئی۔

''میرے گھر والے تمہارے گھر والوں کی طرح نہیں ہیں۔ وہ لبرل ہیں۔ دوسروں کی آزادی اور حقوق کا احترام کرتے ہیں، چاہے وہ اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ اسے مٹھی میں بند کرکے نہیں رکھتے۔'' شائستہ نے اس بار اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

گاڑی چلتی رہی۔ شائستہ کا خیال تھا، وہ اسے واپس کالج چھوڑنے جا رہا ہے۔ مگر گاڑی ایک رہائشی علاقے میں مڑ گئی۔ شائستہ کوئی سوال کیے بغیر دلچسپی سے اس پوش علاقے کو دیکھتی رہی۔ پھر ایک گھر کے سامنے اس نے ہارون کو گاڑی موڑتے اور ہارن دیتے دیکھا۔ اس نے کچھ حیرانی سے ہارون سے پوچھا۔

"آپ مجھے کہاں لے کر آئے ہیں؟" ہارون کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"یہ تمہارا گھر ہے۔" ایک چوکیدار اب گیٹ کھول رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ میرا گھر ہے۔" ہارون اب گاڑی اندر لے کر جا رہا تھا۔

"لیکن آپ مجھے یہاں لے کر کیوں آئے ہیں؟"

"کیونکہ اب تم میری بیوی ہو اور میں تمہیں یہاں لانے کا حق رکھتا ہوں۔"

گاڑی اب پورچ میں رک چکی تھی۔

"مگر ہارون! میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں اس طرح گھر چھوڑنا نہیں چاہتی۔ ہم کورٹ میرج کر چکے ہیں۔ کچھ عرصہ تک ہم اس کورٹ میرج کو خفیہ رکھ سکتے ہیں۔ اتنے عرصہ میں میں اپنے والدین کو آپ کے بارے میں رضامند کرنے کی کوشش کروں گی۔" شائستہ نے اس سے کہا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہے، تم ایسا کرتی رہنا۔ میں نے تمہیں منع نہیں کیا۔" ہارون نے اطمینان اور لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔ کیا آپ مجھے یہ گھر دکھانا چاہتے ہیں؟" شائستہ نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"نہیں۔ میں تمہیں یہ گھر دکھانے کے لیے یہاں نہیں لایا اور نہ ہی پہلی اور آخری بار یہاں لایا ہوں۔ میں تمہیں اب اکثر یہاں لاتا رہوں گا....." اس کے لہجے میں سنجیدگی کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز ضرور تھی جس نے شائستہ کو چونکا دیا۔

"تب تک جب تک تم اپنے پیرنٹس کو اس شادی کے بارے میں نہیں بتا دیتیں۔"

شائستہ کے ماتھے پر پسینہ آنا شروع ہو گیا۔ وہ اسے وہاں کس لیے لے کر آیا تھا۔ وہ اب اندازہ کر سکتی تھی۔

"لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ ہکلائی۔

"کس لحاظ سے؟" وہ اب سیدھا اسے دیکھ رہا تھا۔

"قانون کے لحاظ سے ہے؟" وہ پرسکون تھا۔ "یا شریعت کے لحاظ سے؟"

وہ تھوک نگل کر رہ گئی۔

"تم یقیناً ان ہی تینوں چیزوں کی بات کرو گی۔ مگر کوئی مذہب، قانون اور شریعت کسی شوہر اور بیوی کو ملنے سے نہیں روک سکتے۔"

اس کے پاس ہر بار کی طرح اس بار بھی منطق تھی وہی منطق جو شائستہ کو ہمیشہ لاجواب کر دیتی تھی۔

"میں چاہتا ہوں جب تمہارے گھر والوں کو اس کورٹ میرج کے بارے میں پتا چلے تو وہ اسے کاغذ کا صرف ایک ٹکڑا سمجھ کر تمہیں اس سے چھٹکارا دلوانے کی کوشش نہ کریں۔" وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"وہ یہ جان جائیں کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے اور بقول انکل! لڑکیوں کی شادی ایک بار ہی ہوتی ہے۔ بار بار نہیں۔ اس لیے بہت سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے۔ میں چاہتا ہوں انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تم اس سوچ اور سمجھ کا اپنی مرضی سے استعمال کر چکی ہو۔ میں چاہتا ہوں وہ مجھے اپنے داماد کے طور پر قبول کریں اور یہ سب کورٹ میرج کے کاغذ کے ایک ٹکڑے سے نہیں ہو گا۔"

وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"مگر ہارون....." شائستہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ہارون نے بایاں ہاتھ اٹھا کر مدھم مگر مستحکم آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے بحث کرتی ہوئی عورتیں اچھی نہیں لگتیں اور اپنی بیوی کو بحث کرتے تو بالکل پسند نہیں کروں گا۔ مجھے ایسی عورتیں

اچھی لگتی ہیں جن میں Obedience (تابعداری) ہو۔"

شائستہ نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا۔ ہارون کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

"یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ ہارون کمال کو عورتوں کی کمی نہیں تھی پھر بھی اس نے اگر تمہارا انتخاب کیا ہے تو وہ تمہیں ان تمام عورتوں سے بہتر اور برتر دیکھنا چاہتا ہے۔"

وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"میں تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف یہاں لایا ہوں نہ تم سے کوئی زبردستی کروں گا۔ تمہیں اختیار ہے چاہو تو میری بات مانو یا مت مانو مگر یہ ضرور سوچ لو کہ میرے ساتھ تمہیں وہ زندگی گزارنی ہے جس کے بارے میں تم خواب دیکھتی آئی ہو۔ خوابوں میں نظر آنے والی چیزوں کو مٹھی میں لینے کے لیے ہاتھ کی گرفت کو بہت مضبوط ہونا چاہیے۔" وہ اب اسے دیکھنے کے بجائے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"تم اگر آج میری بات نہیں بھی مانتیں، تب بھی میری بیوی بہرحال تم ہی ہو گی مگر ہمارا رشتہ شاید اتنا مضبوط کبھی نہ ہو سکے، جتنا ہم دونوں کو توقع ہے۔" شائستہ نے سر جھکا لیا۔

"میرے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں قدم قدم پر ایسے بہت سے فیصلے کرنے پڑیں گے جن پر تمہارے باپ کی اخلاقیات بہت سے فتوے عائد کر دے گی۔ مگر وہ سب کچھ ہارون کمال کی زندگی کا حصہ ہے اور میں ان چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اب اگر تم چاہو تو میں تمہیں واپس کالج چھوڑ آتا ہوں۔" اس نے گیند اس کے کورٹ میں پھینک دی۔

شائستہ کچھ بول نہیں سکی۔ ہارون اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شائستہ نے ونڈو سے باہر لان میں نظر دوڑائی۔ دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ اس نے ونڈ اسکرین سے اپنے سامنے کھڑی عمارت کو دیکھا، اس نے اپنے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا۔

اس نے چند لمحے آنکھیں بند کر کے کچھ سوچا۔ اس کے تین طرف پرفیکشن تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا وہ ایک چوکور کا وہ چوتھا کونہ ہے جو پرفیکٹ نہیں ہے مگر پرفیکٹ ہو سکتا ہے۔ آنکھیں بند کیے ہوئے اس کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کے وجود سے اٹھتے ہوئے کولون کی مہک اس کے حواس کو متاثر کرنے لگی۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے نظر آنے والی عمارت اس کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔

اس نے بائیں جانب سر گھمایا۔ دور تک پھیلا ہوا سبزہ اس کے دل و دماغ کو عجیب سا سکون پہنچانے لگا۔ وہ سحر زدہ ہونے لگی۔ اس کے تین طرف پرفیکشن تھی۔ **Perfection begets perfection** اس نے سرگوشی کی۔ چوکور کے تین کونے خواب زار۔ ایک قدم۔ جنت ارضی۔

اس نے بایاں ہاتھ ہینڈل پر رکھا اور دروازہ کھول دیا۔ چوکور کے چوتھے نامکمل کونے نے **Perfection** تلاش کر لی تھی۔

گاڑی اب خالی تھی وہاں کوئی ذی نفس نہیں تھا صرف خاموشی تھی تنہائی تھی۔

تھوڑا سا آسماں
تھوڑا سا آسماں
ایک لمبی سانس ہو
اور ایک آسماں
ایک آنچ درد کی
اور ہلکا سا دھواں
تھوڑا سا آسماں

ہوا کے دوش پر رکھ دو
یا اس کو آنچ پر رکھ دو
یہ چند اڑتے ہوئے تنکوں کا
میرا آشیاں دیکھو
میں اس کو اوڑھوں یا بچھاؤں
یا میں اس کو بانٹ دوں
میرے حصے کا جتنا بھی ہے
میرا آسمان دے دو
تھوڑا سا آسماں
تھوڑا سا آشیاں
تھوڑا سا یہ جہاں

☆☆☆

"ربیعہ! کیا یہ فیصلہ مشکل نہیں تھا کہ ایک معذور شخص کو جانتے بوجھتے زندگی کا حصہ بنا لیا جائے۔" فاطمہ نے اس سے پوچھا۔ "بہت حوصلہ چاہیے ایسے فیصلوں کے لیے۔ ہے نا؟"

"نہیں بات حوصلے کی نہیں ہے، بات پسند کی ہے، مراد کے ساتھ میری جس طرح کی انڈرسٹینڈنگ ہو چکی تھی وہ اگلے پچاس سال کسی دوسرے شخص کے ساتھ گزارنے پر بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ ہماری پسند ناپسند ایک جیسی تھی۔ رائٹرز سے لے کر ایکٹرز تک اور کلرز سے لے کر پرفیومز تک سب کچھ مشترک تھا۔ ہم ایک دوسرے کے چہرے کے تاثرات سے یہ جان جاتے تھے کہ دوسرا کیا کہنا چاہتا ہے پھر فیصلہ کرتے ہوئے حوصلے کی ضرورت کہاں پڑتی ہے۔"

اس کے لہجے میں عجیب سا اطمینان تھا۔

"پھر بھی؟" فاطمہ نے اصرار کیا۔

"زندگی بہت Unpredictable (ناقابل اعتبار) چیز ہے۔ ہم نہیں جانتے، آج ہم جہاں ہیں کل ہم وہاں ہوں گے یا نہیں۔ کیا گارنٹی ہوتی اگر مراد کے بجائے کسی دوسرے شخص کے ساتھ شادی کرتی کہ وہ کبھی معذور نہیں ہوگا۔ ایک چھوٹا سا حادثہ سب کچھ بدل دیتا پھر کیا میں اس شخص کو بھی چھوڑ دیتی۔ جب اتنی بے یقینی ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ مراد ہی کیوں نہیں۔"

"لیکن کیا یہ سوچ کر تکلیف نہیں ہوتی کہ آپ کی اولاد بھی، میرا مطلب ہے۔" فاطمہ کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ کیسے اپنی بات مکمل کرے۔

"دیکھو، ایک چیز طے ہے اگر میری اولاد کو معذور ہونا ہے تو وہ ہوگی، چاہے میں مراد سے شادی کرتی یا نہ کرتی۔ ہم اپنے مقدر سے واقف نہیں ہوتے اور اگر اللہ نے میری اولاد کو ٹھیک رکھنا ہے تو میری اسی اولاد کو ٹھیک رکھے گا۔ میں معجزوں پر یقین رکھنے والی عورت ہوں اور دعا کی طاقت پر ایمان رکھتی ہوں اور میں اپنے بچوں اور شوہر کے لیے روز دعا کرتی ہوں۔ ہو سکتا ہے مراد کی بینائی نہ جائے۔ ہو سکتا ہے میرے بچے بھی بالکل ٹھیک رہیں۔ ہو سکتا ہے نا؟" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

فاطمہ چپ چاپ اس عورت کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"آپ کے والدین نے آپ کے ہر فیصلے کی حمایت کی؟"

"ہاں، کیونکہ وہ جانتے تھے میں غلط فیصلہ نہیں کر رہی ہوں۔"

"بہت زیادہ ایثار ہے آپ کے اندر۔"

"ایثار نہیں ہے۔ زندگی گزارنے کا سلیقہ ہے۔ لوگوں سے تعلق بنانا اور نبھانا آتا ہے مجھے اور اس میں میرا کمال نہیں ہے

ہاں آپ سے سیکھا ہے یہ سب۔" اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

"آپ بہت خوش قسمت ہیں۔" اس نے بے اختیار ربیعہ سے کہا۔

"ہم سب خوش قسمت ہیں۔ زمین پر انسان بنا کر بھیجا جانا ہی ہماری خوش قسمتی کی علامت ہے۔"

"نہیں، صرف انسان ہونا کافی نہیں ہوتا۔ ان سب چیزوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو آپ کے پاس ہیں۔" فاطمہ نے اس سے اختلاف کیا۔

"میرے پاس کیا ہے؟"

"ہر چیز، خوبصورتی، اچھا خاندان، دولت، پیار کرنے والے ماں باپ، شوہر، گھر، تعلیم، بچے، کیریئر، سکون سب کچھ ہی تو ہے۔"

ربیعہ نے اس کی بات پر بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"لوگ چیزوں کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح ہم انہیں دکھاتے ہیں۔ میں نے تم سے یہ کہا کہ میں اپنی زندگی اور اس میں موجود چیزوں سے خوش اور مطمئن ہوں تو تم میری زندگی پر رشک کرنے لگیں۔ مجھے خوش قسمت قرار دینے لگیں۔ میں اگر اس کے برعکس تم سے یہ کہتی کہ میں اپنی زندگی سے خوش نہیں ہوں تو تم مجھ پر ترس کھاتیں۔ فرض کرو۔ میں کہتی مجھے ایک معذور ساس کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے جو مجھے ناپسند کرتی ہے۔ اس کے لیے مجھے اپنا کیریئر بھی چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ میرا شوہر بھی کچھ عرصے تک بینائی کھوئے گا اور پھر شاید بچے بھی اور تب ان لوگوں کو سپورٹ کرنے کے لیے مجھے کام کرنا پڑے گا۔ میری اپنی ماں بھی معذور تھیں۔ کوئی بھائی نہیں صرف ایک بہن ہے وہ بھی اتنی دور کہ میں اس سے کچھ بھی شیئر نہیں کر سکتی۔ باپ بھی دوسرے شہر میں ہیں تم نے خوبصورتی کی بات کی تو میں کوئی الزبتھ ٹیلر نہیں ہوں۔ شاید کسی حد تک خوبصورت ہوں مگر کیا یہ خوبصورتی میرے گھریلو مسائل کا حل پیش کر سکتی ہے، تم نے کہا میرے پاس دولت ہے، دولت مند نہیں ہوں میں، ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی حد تک مالی طور مستحکم ہوں مگر ایسی کسی فیملی سے تعلق نہیں ہے میرا کہ میری سات پشتیں آرام سے گھر بیٹھے عیش کرتی رہیں تم نے کیریئر کی بات کی تو کیریئر تو چھوڑ ہی رہی ہوں اور سکون جب اتنے بہت سے مسائل ہوں تو کیا سکون ہو سکتا ہے۔ اب مجھے بتاؤ۔ کیا اب بھی خوش قسمت سمجھتی ہو تم مجھے؟"

وہ عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ فاطمہ جواب دینے کے بجائے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں نے تم سے کہا نا جو ورژن آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لوگ اسی کے مطابق آپ کی خوش قسمتی اور بدقسمتی کا تعین کرتے ہیں۔ آپ کی خوشی اور ناخوشی کا اندازہ کرتے ہیں۔"

"لیکن آپ مجھ سے بہتر تو ہیں نا۔" اس نے بے اختیار کہا۔

ربیعہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ "ہر انسان کی زندگی میں تین Phases (ادوار) ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم کہتے ہیں ماضی، حال، مستقبل ہمارا ماضی ہمارے خاندان سے وابستہ ہوتا ہے۔ ہمارے ماں باپ سے۔ ان کی کامیابیوں سے، ان کی ناکامیوں سے، ان کی سماجی حیثیت سے، ان کی مالی استطاعت سے، ان کی خامیوں سے، ان کی خوبیوں سے، ہم ان کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔"

وہ اب بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"پھر ہمارا حال شروع ہوتا ہے۔ ہماری اپنی شخصیت، ہماری خوبیاں، ہماری خامیاں، ہماری خوبصورتی یا بدصورتی، ہماری تعلیم، ہمارا کیریئر پھر وہ شخص جو ہماری زندگی میں آتا ہے اگر آتا ہے تو۔"

وہ پلکیں جھپکے بغیر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"اس شخص کی خوبیاں، خامیاں، شخصیت، کامیابیاں، سماجی حیثیت، اسٹیٹس اس سے منسلک ہر چیز ہم سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہمارا حال ہوتا ہے۔"

وہ مدھم، پرسکون مگر مدلل انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔

"آخری فیز ہمارا مستقبل ہے یعنی ہماری اولاد اور ان سے وابستہ ہر چیز، ان کی شخصیت، ان کا کیریئر اور زندگی میں سب سے اہم یہ تیسرا فیز ہوتا ہے کیونکہ یہ سب سے لمبا ہوتا ہے۔ جب ہم لوگوں میں موازنہ کرتے ہیں تو ان ہی تینوں Phases کی بنیاد پر کر رہے ہوتے ہیں۔ ابھی تم نے کہا کہ میں تم سے بہتر ہوں۔ کس Phase میں پہلے Phase میں؟ ہاں، ٹھیک ہے، اس میں تم سے بہتر ہوں۔ دوسرے میں؟ ہاں مان لیتے ہیں۔ میں اس میں بھی تم سے بہتر ہوں، مگر تیسرے اور سب سے اہم فیز کے بارے میں نہ میں کچھ جانتی ہوں نہ تم...... نہ میں کچھ کہہ سکتی ہوں نہ تم...... یہ بچہ تمہارا بچہ نہیں ہے پھر بھی تم اس کی ماں ہو۔ اس کی پرورش کر کے تم آئندہ پچیس سال کے بعد اسے کہاں لا کھڑا کر دیتی ہو، میں نہیں جانتی۔ میں اپنے بچوں کو کہاں تک لے جا سکتی ہوں۔ وہ بھی مجھے نہیں پتا، مقابلہ اس بات کا نہیں ہے کہ میں مالی لحاظ سے اپنے بچوں کو کتنا مستحکم کر دیتی ہوں، کتنی ڈگریز دلوا دیتی ہوں، یا افسر بنا دیتی ہوں، مقابلہ تو اس چیز کا ہے کہ کیا میں انہیں اچھا انسان بنا پاتی ہوں اور یہ چھوٹا سا لفظ اچھا انسان۔" اپنے اندر ایک پوری ڈکشنری کا مفہوم رکھتا ہے...... شہیر ثوبان سمیع میری کسی بھی اولاد سے زیادہ بہتر اور اچھا انسان ہو۔ اس وقت تمہارا مستقبل تمہارا ماضی بھی ہوگا اور حال بھی۔"

"یہ بہت مشکل کام ہوگا۔" فاطمہ نے اعتراف کیا۔

"آسان کام کیا ہے زندگی میں؟" وہ اب جیسے اسے چیلنج کر رہی تھی۔

"دنیا آپ سے آپ کی Worth مانگتی ہے، وہ آپ سے پوچھتی ہے کہ آپ اسے کیا دے سکتے ہیں، اس کے بعد وہ آپ کی جگہ اور اہمیت کا تعین کرتی ہے۔ یہ طے کرتی ہے کہ اسے آپ کو کتنی عزت دینی ہے۔ اگر دنیا کو یہ احساس ہو جائے کہ آپ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو وہ آپ کو آپ کی ساری خوبیوں سمیت اٹھا کر باہر پھینک دیتی ہے۔"

"اور میری کوئی...... Worth نہیں ہے، دنیا کو دینے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"ابھی یہ بات تم نہیں کہہ سکتیں ابھی تمہیں اپنی پوری زندگی گزارنی ہے۔ ابھی تو تم کو یہ طے کرنا ہے کہ تمہیں اور کتنا عرصہ Worthless رہنا ہے۔"

"کامیاب ہونے کے لیے کچھ تو ہونا چاہیے، کچھ تو ہونا چاہیے، کچھ تو پاس ہونا چاہیے۔ خالی ہاتھ کوئی کتنی دیر لڑ سکتا ہے اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ماضی، حال، مستقبل کچھ بھی نہیں۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے، میں دھند میں کھڑی ہوں وہ راستہ نظر نہیں آتا جہاں مجھ کو جانا ہے۔"

فاطمہ کو اپنے گالوں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کا احساس ہوا۔

"دھند میں راستہ کبھی نظر نہیں آتا لیکن آپ قدم بڑھاتے رہیں تو آپ کی آنکھیں نہ سہی مگر پیر اپنے نیچے زمین ضرور پالیتے ہیں۔"

فاطمہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے ایک عجیب سا ڈپریشن ہونے لگا تھا۔

"آپ میرے بارے میں بہت کم جانتی ہیں۔ آپ کو میرے بارے میں اور جاننا چاہیے۔ آپ کو میرے بارے میں سب کچھ پتا ہونا چاہیے۔"

وہ اب ربیعہ کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اب صرف بول رہی تھی۔

☆☆☆

فون کی گھنٹی بجنے لگی اور اس گھنٹی نے شائستہ کمال کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر نیچے رکھ دیا کم از کم اس وقت وہ کسی سے بھی بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔

ہارون کمال جا چکا تھا۔ کمرے میں اب اندھیرا تھا۔ اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا لیمپ آن کر دیا۔ اس کے سر میں عجیب سا درد ہونے لگا تھا۔ ہر بار ایسا ہی ہوتا تھا۔ ان تمام واقعات کی یاد اسے اسی کیفیت سے دوچار کر دیتی تھی جس میں وہ اب

تھی۔ اسے کمرے میں اب عجیب سی گھٹن ہونے لگی تھی۔ وہ بے چینی کے عالم میں اٹھ کر باہر ٹیرس پر نکل گئی۔ مگر اس کے اضطراب اور بے چینی میں کمی نہیں آئی۔ وہ واپس کمرے میں چلی آئی سائیڈ ٹیبل کی دراز سے اس نے ایک سگریٹ نکالا اور اسے سلگانے لگی۔ بیڈ پر نیم دراز ہو کر وہ سگریٹ کے لمبے لمبے کش لینے لگی۔ اس کی بے چینی میں ابھی بھی کوئی کمی نہیں آئی۔ اسے اپنے بیٹے کا خیال آنے لگا۔ چند لمحوں کے لیے اس کی توجہ بٹی مگر پھر یک دم وہ بھی اس کے ذہن سے غائب ہو گیا۔ چند منٹوں میں اس نے سگریٹ ختم کر دیا۔ ایش ٹرے میں اسے پھینکتے ہوئے اس نے ایک اور سگریٹ سلگا لیا۔ آنکھیں بند کیے سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔ وہ یاد نہیں کر سکی۔ بعض یادیں کانٹوں کی طرح ہوتی ہیں اور اس وقت وہ بھی کانٹوں کے ایسے ہی جنگل میں کھڑی تھی۔

وہ کورٹ میرج آٹھ ماہ تک چھپی رہی اور وہ آٹھ ماہ اس کی زندگی کے بدترین ماہ تھے۔ پھر اس کے بعد کے چھ ماہ۔ جب وہ...... اور پھر وہ مینٹل ڈس آرڈر...... اور وہ چہرہ جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا اور اس کا تصور...... شائستہ کو اچانک احساس ہوا اس کا جسم پسینے سے بھیگا ہوا ہے۔ اس نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں اچھال دیا۔ چند گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔ اسے اپنے پورے جسم میں عجیب سے درد کا احساس ہونے لگا سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا فون اس نے اپنے نزدیک کھینچ لیا اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگی۔ نمبر ڈائل کرنے کے بعد اس نے کچھ دیر تک ریسیور اٹھائے جانے کا انتظار کیا۔ پھر وہ کسی سے بات کرنے لگی۔

"میں شائستہ کمال ہوں۔" اس نے فون پر کسی سے اپنا تعارف کروایا۔

"میں آپ سے ابھی ملنا چاہتی ہوں۔"

دوسری طرف سے جواب سننے کے بعد اس نے کہا۔

"میں ذہنی طور پر بہت ڈسٹربڈ ہوں۔ مجھے آپ سے ابھی اپائنٹمنٹ چاہیے۔" وہ اب الجھی ہوئی نظر آنے لگی۔

"میں نے کچھ بھی یاد کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مگر مجھے لگتا ہے میں یہ سب کچھ کبھی بھی بھول نہیں پاؤں گی۔" وہ اب اپنی بے بسی کا اظہار کر رہی تھی۔

"تھینک یو ویری مچ۔ میں کچھ دیر میں آپ کے پاس پہنچ جاتی ہوں۔" اس نے فون بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر اب کچھ اطمینان جھلکنے لگا تھا۔

☆☆☆

چوتھا باب

زرقا نے سامنے فون پر باتیں کرتے ہوئے شخص کو دیکھا اور اسے ایک بار پھر اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ وہ کسی طرح بھی اس شخص کے ساتھ اپنا موازنہ نہیں کر سکتی تھی جہاں موازنہ کرنا بھی ممکن نہ ہو، وہاں تعلق جوڑنا اور اس طرح کا تعلق جوڑنا جیسا وہ چاہتی تھی میرا فیصلہ غلط تھا۔ اس نے چند لمحے پہلے اس شخص کے منہ سے نکلے ہوئے لفظوں کو یاد کیا ہاں اسے غلط فیصلے کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ مگر اب پچھتانے کا وقت گزر چکا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر دوبارہ اس شخص کو دیکھا۔ وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ فون پر باتیں کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ اس کی آنکھیں سرد تھیں۔

اس نے اپنی اٹھائیس سالہ زندگی میں بہت سے مرد دیکھے تھے مگر کوئی بھی سامنے بیٹھے ہوئے شخص جیسا نہیں تھا اور ہر بار اس پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ اسی احساس سے دوچار ہوتی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو کھنگالنے کی کوشش کی جو کچھ وہ کچھ دیر پہلے اس سے کہہ چکا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ اس سے نفرت محسوس نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے دوسری کرسی پر بیٹھی ہوئی اپنی ماں کو دیکھا ان کی پوری توجہ بھی اسی شخص پر مرکوز تھی مگر زرقا کے برعکس وہ خاصی اکھڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ان کے ماتھے کے بل با آسانی گنے جا سکتے تھے اور ان کی نظروں کی چبھن کوئی بھی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اب اپنے منہ میں دوسرا پان رکھ رہی تھیں۔

سامنے ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا شخص فون پر بات کرتے کرتے لاشعوری طور پر زرقا کو دیکھنے لگا۔ چند لمحوں کے لیے دونوں کی نظریں ملیں پھر برق رفتاری سے اس نے نظر چرائی۔ زرقا بے اختیار مسکرائی۔ یہ وہی نظر تو تھی جس نے پچھلے چھ ماہ سے اسے مفلوج کیا ہوا تھا۔ ورنہ اس کی قبیل کی عورتیں محبت میں کہاں گرفتار ہوتی ہیں اور ایسی حماقت تو بالکل بھی نہیں کرتیں جیسی اس نے کی تھی۔

زرقا نے پانچ ماہ پہلے اس شخص کو اپنی کزن شینا کے گھر ایک پارٹی پر دیکھا تھا۔ شینا فلم انڈسٹری کی ایک ابھرتی ہوئی ڈانسر تھی، جس نے پچھلے دو سال سے اپنے ڈانس نمبرز سے فلم انڈسٹری میں ایک طوفان اٹھایا ہوا تھا۔ جس فلم میں اس کا ایک ڈانس شامل ہوتا باکس آفس پر اس فلم کی کامیابی بھی یقینی ہوتی تھی۔

اس نے ایک طوفانی رفتار سے اپنی کامیابیوں کا سفر شروع کیا تھا اور بہت ہی کم عرصے میں شہر کے ایک پوش علاقے میں اس کا گھر ان بڑی بڑی پارٹیز کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا جن میں سیاست دانوں سے لے کر سرکاری افسران اور ایکٹرز سے لے کر صنعت کاروں تک ہر طبقے کے لوگ شرکت کرتے تھے۔ وہاں صرف ناچ گانا نہیں ہوتا تھا بلکہ بڑی بڑی بزنس ڈیلز بھی ہوتی تھیں اہم فائلز جنہیں سرکاری دفاتر میں آگے جانے کے لیے مہینوں لگ جاتے وہاں ایک ہی رات میں Approve کر دی جاتی تھیں۔ جن وزیروں سے ملنے کے لیے چھ چھ ماہ پہلے اپائنٹمنٹ لینا پڑتی تھی وہاں ہر قسم کے تکلفات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان سے ملا جا سکتا تھا صرف بریف کیس میں روپیہ ہونا ضروری تھا۔

شینا کا گھر ہر شکل کے لیے کھل جا سم سم بن چکا تھا۔ وہ زمین پر وہ جنت ارضی تھی جس میں انسان صرف رات کو داخل ہونا چاہتے تھے۔

اور اسی جنت ارضی میں زرقا نے ایک رات اس شخص کو بھی دیکھا تھا۔ بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی شراب پی رہا تھا۔ زرقا کی نظر ایک بار اس پر پڑنے کے بعد اس سے ہٹ نہیں سکی۔

وہ ان دنوں فلموں میں چھوٹے موٹے رول کیا کرتی تھی اور پچھلے بارہ تیرہ سال سے وہ یہی کرتی آرہی تھی اس سے آگے بڑھ نہیں پائی۔

شاید، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بری اداکارہ تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ بناوٹ تھی جو بھی تھا وہ فلم انڈسٹری میں ایک ایکسٹرا سے آگے نہیں بڑھ پائی اگرچہ اس کا چہرہ بھی خوبصورت تھا اور جسم بھی، اس کی آواز بھی خوبصورت تھی اور اسے لباس پہننے کا بھی سلیقہ تھا۔ اس کے باوجود اس کی قسمت نے یاوری نہیں کی۔ اس کی تمام کزنز اس کی طرح فلمز میں چھوٹے چھوٹے رول کرتی آہستہ آہستہ لائم لائٹ میں آنے لگی تھیں۔ اگرچہ ان میں سے کوئی بھی شینا جیسی طوفانی مقبولیت حاصل نہیں کرسکی تھی مگر زرقا کی طرح گمنام بھی نہیں تھیں۔

اور اب ایک لمبے عرصے کے بعد زرقا اپنا شعبہ بدلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایکسٹرا سے گلوکارہ...... گلوکاری اس کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ فلموں میں ایکسٹرا کے طور پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ وہ نجی محفلوں میں رقص کرنے کے ساتھ ساتھ گایا بھی کرتی تھی اور وہ جانتی تھی کہ اس کی آواز میں وہ لوچ اور نغمگی تھی جو اس زمانے میں کسی بھی گلوکارہ کو لائم لائٹ میں لاسکتی تھی۔

مگر ساری بات اسی ایک موقع کی تھی جو اسے مل نہیں پا رہا تھا۔ نور جہاں کی آواز اس دور میں فلموں میں راج کر رہی تھی کسی بڑے سے بڑے موسیقار میں یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ نور جہاں اور چند دوسری نامور گلوکاراؤں کے علاوہ کسی نئی لڑکی کو چانس دے کیونکہ اس کا فوری نتیجہ نور جہاں کی ناراضگی کی صورت میں ہوتا اور نور جہاں کا کسی بھی موسیقار کے ساتھ کام کرنے سے انکار اس کے کیریئر کے خاتمے کے مترادف تھا۔

کچھ یہی حال فلم پروڈیوسرز کا بھی تھا۔ نور جہاں کی ناراضگی کسی کو بھی گوارا نہیں تھی کیونکہ نور جہاں کے گانوں کے بغیر کوئی بھی فلم کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔

زرقا اپنے کیریئر کی اس اسٹیج پر تھی جہاں اسے کامیابی کی اشد ضرورت تھی۔ اداکارہ کے طور پر وہ کامیاب نہیں ہوسکتی تھی یہ وہ جان چکی تھی اور گلوکارہ کے طور پر آگے آنے کے لیے اسے کسی گاڈ فادر کی ضرورت تھی جو اسے ایسا موقع فراہم کرے جسے وہ کیش کرواسکتی اور شینا کے پاس وہ یہی موقع تلاش کرنے آئی تھی۔ شینا اس کی خالہ زاد تھی۔ زرقا کی ماں شمشاد بیگم کی منت سماجت پر شینا نے ان دونوں ماں بیٹی کو اس وقت تک اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی تھی جب تک کہ زرقا گلوکارہ کے طور پر کچھ گانے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو جاتی۔ وہ زرقا کو ہر رات پارٹی میں نہ صرف گانے کا موقع فراہم کرتی بلکہ اسے بڑے بڑے فلم میکرز سے بھی ملواتی۔ مگر زرقا ابھی تک وعدوں کے علاوہ کسی بھی فلم میکر سے کچھ حاصل نہیں کر پائی تھی۔

اور اسی دوران وہ اس شخص سے ٹکرا گئی۔ شینا اس شخص کو غیر معمولی توجہ دے رہی تھی اور اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ وہ مالی طور پر بہت بڑی آسامی تھا اور شینا کو اس سے اچھی خاصی رقم کی توقع تھی۔

پھر وہ اکثر پارٹیز میں وہاں آنے لگا اور ایسی ہی ایک پارٹی میں شینا نے ان دونوں کو آپس میں ملوایا۔

"آپ ساڑھی بہت اچھی باندھتی ہیں۔" تعارف کے فوراً بعد اس کے تبصرے نے اسے کچھ حیران کیا۔

"مجھ سے زیادہ اچھی باندھتی ہیں؟" شینا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے خاص ادا سے پوچھا۔

اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ بس دونوں کو دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا اور اس گلاس میں سے شراب پینے لگا جو اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

شینا کو اچانک کوئی نظر آیا اور وہ بجلی کی تیزی سے وہاں سے غائب ہوگئی اور زرقا اس کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔

''آپ نے گانا سنا میرا؟'' زرقا نے بات شروع کرنے کے لیے پوچھا۔
''گانا'' وہ جیسے چونکا۔
''ہاں، ابھی کچھ دیر پہلے گایا میں نے؟'' زرقا نے اسے یاد دلایا۔
''نہیں۔''
''کیوں؟''
''میں ابھی آیا ہوں۔''
''لیکن آپ یہاں اکثر آتے ہیں اور میں تو روز ہی گاتی ہوں۔'' زرقا نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔
''نہیں میں نے کبھی آپ کا گانا نہیں سنا۔''
''کیوں؟'' زرقا نے اس بار کچھ حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔
''یہاں گانا سننے کون آتا ہے؟''
وہ اس کی بے باکی پر حیران ہوا، یا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''ٹھیک کہا آپ نے، یہاں گانا سننے کوئی بھی نہیں آتا پوچھ سکتی ہوں آپ یہاں کس لیے آتے ہیں؟'' زرقا نے اتنی ہی برجستگی سے کہا۔
''آپ کے لیے آتا ہوں۔'' وہ جانتی تھی یہ مذاق تھا لیکن اس کا دل چاہا یہ مذاق نہیں حقیقت ہو۔
ان کی گفتگو کا سلسلہ طویل ہوتا گیا۔

اور اس رات اس نے کئی گھنٹے اس شخص کے ساتھ رقص کیا اور بات صرف رقص تک محدود نہیں رہی۔ وہ جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی، وہاں کچھ بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وہ شخص خوبصورت تھا۔ یہ اہم بات نہیں تھی اچھے اور اونچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ بھی ایسی قابل غور چیز نہیں تھی۔ اس کے پاس بے تحاشا روپیہ تھا اور وہ کسی پر بھی یہ روپیہ لٹانے پر تیار رہتا تھا یہ وہ قابل ذکر چیز تھی جس نے زرقا کو کسی مقناطیس کی طرح اس کی طرف کھینچا تھا۔ اس کا خیال تھا اسے جس گاڈ فادر کی تلاش ہے وہ اسے مل گیا ہے۔

اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ اس شخص سے وابستہ ہو کر وہ اس سنہری موقع کو حاصل کر سکتی تھی جو آج تک اس کے ہاتھ نہیں آیا اور یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں تھی۔ اس کے طبقے کی اکثر عورتیں یہی کرتی تھیں کسی ایک بڑے شخص سے وابستہ ہو جاتیں اور پھر جتنے فوائد حاصل کر سکتیں کرتیں۔ خود شینا کی اس چکا چوند کر دینے والی کامیابی کی وجہ ایک بڑا سیاست دان تھا جو اپنا کالا دھن فلمز بنا کر سفید کر رہا تھا اور اس کی بنائی جانے والی ہر فلم میں شینا ضرور شامل ہوتی۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زرقا کو احساس ہوا کہ وہ بہت زیادہ عرصہ تک اس شخص کو اپنی مٹھی میں نہیں رکھ سکتی۔ وہ ایک اصطبل پر بندھا رہنے والا گھوڑا نہیں تھا۔ اسے ہر جگہ منہ مارنے کی عادت تھی اور زرقا کو احساس بھی ہو گیا کہ وہ اس کی محبت میں اس طرح گرفتار نہیں ہے جس طرح وہ سمجھ رہی ہے۔

اور تب ہی اس نے سوچا تھا کہ شادی کے بغیر وہ بہت عرصے تک اس کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکے گی اور اس کی اس سوچ نے اس کی ماں کو ہولا دیا تھا۔

''شادی؟ تم شادی کرو گی؟ پوری زندگی، پورا کیریئر تمہارے سامنے پڑا ہے اور تم شادی کرلو گی۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے زرقا؟''

یہ ان کا فوری ردعمل تھا لیکن پھر زرقا نے اپنی ماں کے سامنے وہ کیلکولیشن رکھنا شروع کر دیں جو وہ اتنے لمبے عرصے سے کرتی آ رہی تھی۔

اس شخص سے شادی مالی طور پر انہیں اتنا مستحکم ضرور کر دیتی کہ ایک لمبے عرصے تک انہیں مالی ضروریات سے بے نیاز ہونا پڑتا۔ مالی استحکام شاید اس کے کیریئر کو بھی سہارا دے دیتا اور اگر یہ سب نہ بھی ہو پاتا تب بھی وہ اس قابل ضرور ہو جاتی کہ ایک

شادی شدہ زندگی گزارتی۔ قابل عزت نہ سہی مگر شادی شدہ زندگی وہ اٹھائیس سال کی ہو رہی تھی اور عمر کے ڈھلنے کے ساتھ ساتھ اس کے امکانات اور بھی محدود ہوتے جا رہے تھے۔ اس بااثر شخص سے شادی اس کے پیروں کے نیچے موجود کچے فرش کو پکا کر سکتی تھی۔

"مگر کیا وہ تم سے شادی کرے گا؟" اس کی ماں نے کچھ جز بز ہوتے ہوئے پوچھا "وہ تو پہلے سے شادی شدہ ہے۔ میرا خیال ہے، اولاد بھی ہے اس کی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ شادی شدہ ہے یا اس کی اولاد ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ مجھ سے شادی کرے گا۔" زرقا نے پراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "جس مرد کی جیب میں روپیہ ہو اس کے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ اس کے دماغ میں بھی سوراخ ہوتا ہے۔"

اس نے بڑے فخر کے ساتھ اپنی ماں سے کہا تھا۔

مگر اس وقت اس شخص کے سامنے بیٹھے اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کا یہ اندازہ غلط تھا۔ وہ اب فون رکھ کر ایک بار پھر ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں جو بات کرنی تھی، ہم کر چکے ہیں۔ اب آپ دونوں یہاں سے جا سکتی ہیں۔"

اس نے آفس ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے سرد آواز میں ان دونوں سے کہا۔

"ہم لوگ مصالحت کے لیے آئی ہیں کوئی درمیانی راستہ تو نکالنا چاہیے۔" شمشاد بیگم نے کچھ التجائیہ انداز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ میرے آپ کے ساتھ اتنے قریبی تعلقات ہیں کہ جن کے ختم ہونے کی صورت میں مصالحت کی ضرورت پڑے اور درمیانی راستہ تو بہت آگے کی بات ہے۔"

زرقا کو اب اندازہ ہوا تھا کہ وہ بے باک اور صاف گو نہیں صرف خود غرض ہے مگر اب خاصی دیر ہو چکی تھی۔

"اس طرح تو نہ کہیں، بہت گہرے تعلقات نہ سہی مگر ہمارے آپ کے ساتھ تعلقات تو تھے۔ خاص طور پر اب جب......"

اس نے شمشاد بیگم کی بات کاٹ دی۔

"یہ تعلقات تو آپ کی بیٹی کے اور بھی بہت سے مردوں کے ساتھ ہوں گے۔ ان میں تجدید اور مصالحت کہاں سے ہوتی ہے، میں نے جتنا وقت آپ کی بیٹی کے ساتھ گزارا۔ اس کی بہت اچھی قیمت ادا کی، اس سے زیادہ بڑی قیمت جتنی آپ کی بیٹی ڈیزرو کرتی ہے، قیمت وصول کرنے کے بعد اب آپ مجھ سے اور کیا چاہتی ہیں۔ جس طبقے سے آپ دونوں کا تعلق ہے۔ اس طبقے کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اچھی طوائف گاہک کے گلے کا ہار بھی کبھی نہیں بنتی اور آپ میرے پاؤں کی بیڑی بننا چاہتی ہیں۔"

وہ اب عجیب انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"میں ایک ایسی عورت سے شادی کر لوں جسے کوئی بھی کچھ سکے دے کر خرید سکتا ہو اور صرف شادی ہی نہ کروں ایسی عورت کی اولاد کو اپنی اولاد بھی تسلیم کروں! What a joke (کیا مذاق ہے) کیا میں آپ دونوں کو شکل سے اتنا ہی بے وقوف لگا تھا کہ آپ نے اپنے باقی سارے گاہکوں کو چھوڑ کر یہ مصیبت میرے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی یا پھر آپ لوگوں کا طریقہ واردات ہی یہ ہے۔"

"یہ جھوٹ نہیں ہے سچ ہے۔ زرقا واقعی تمہارے بچے۔"

اس بار اس نے بڑی برہمی سے ان کی بات کاٹی I damn care کہ وہ کس کے بچے کی ماں بننے والی ہے، مجھے نہ بیوی کی ضرورت ہے نہ بچے کی آپ کو یہ غلط فہمی کیسے ہوگئی کہ میں آپ کی بیٹی کی اولاد کو اپنی اولاد تسلیم کر لوں گا اور اس کے نتیجے میں اس سے شادی بھی کر لوں گا۔ یہ کوئی فلم نہیں ہے۔ زندگی ہے جو عورت شادی کے بغیر یہ رسک لیتی ہے۔ اس کی اولاد اسی کی

ہوتی ہے۔ اسے اس کا باپ ڈھونڈنے کی بے وقوفی نہیں کرنی چاہیے یہ میرا بچہ ہوتو بھی میں اسے کبھی اپنی اولاد تسلیم نہیں کروں گا بہتر ہے آپ اس کا ابارشن کروا دیں، یا کسی یتیم خانہ کو دے دیں یا پھر پال لیں۔ آپ کو آزادی ہے جو چاہیں کریں آپ جیسی عورتوں کے لیے یہ سب چیزیں نئی نہیں ہیں۔ بہت اچھی طرح ہینڈل کر سکتی ہیں آپ ایسے معاملات کو مگر دوبارہ میرے پاس کبھی مت آئیں۔"

وہ اپنے والٹ میں سے کچھ کرنسی نوٹ نکال رہا تھا۔ وہ رقم اس نے شمشاد بیگم کے سامنے میز پر پھینک دی۔

"یہ کچھ رقم ہے، ضرورت ہو تو لے جائیں اگرچہ مجھے آپ کو یہ نہیں دینی چاہیے۔ اب آپ لوگ جا سکتی ہیں مجھے کچھ ضروری کام ہے۔"

شمشاد بیگم نے میز پر پڑے ہوئے نوٹ اٹھا لیے۔

مزید کچھ کہے بغیر وہ دونوں وہاں سے نکل آئیں۔ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے زرقا نے ایک بار مڑ کر اسے دیکھا وہ ایک بار پھر فون پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس لمحے اسے پہلی بار خود سے نفرت محسوس ہوئی۔ اپنے آپ سے، اپنی ماں سے، اپنی زندگی سے، سامنے بیٹھے ہوئے اس شخص سے، اپنے جسم پر لپٹی ہوئی اس ساڑھی سے جس نے اسے اس کی نظروں کا مرکز بنایا تھا اور اس شخص کی اس اولاد سے جو ابھی تک اس دنیا میں نہیں آئی تھی، نفرت کا وہ لمحہ اس کے پورے وجود کو کھا گیا تھا۔

☆☆☆

شائستہ سائیکو انالسٹ کے سامنے کاؤچ پر نیم دراز تھی۔ ایک طویل عرصے سے وہ اس پارسی ڈاکٹر کے زیر علاج تھی۔ ہر ماہ ایک دن ایسا ضرور ہوتا تھا جب اس کا ڈپریشن اور احساسِ جرم ناقابل برداشت ہو جاتا تھا اور اس وقت وہ اسی طرح ڈاکٹر سدھوا کی طرف بھاگا کرتی تھی۔

"بعض دفعہ مجھے اپنا بیٹا اچھا نہیں لگتا۔ میں اسے دیکھتی ہوں اور مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس سے الجھن ہونے لگتی ہے۔"

"کیوں؟"

"آپ جانتے ہیں۔"

"آپ اس سے نفرت نہیں کرتیں۔"

"نہیں۔"

"آپ اس سے محبت کرتی ہیں؟"

"پتا نہیں۔"

"وہ آپ کا بیٹا ہے۔"

"جانتی ہوں۔"

"اکلوتا بیٹا۔"

وہ اس بار ڈاکٹر کی بات پر خاموش رہی۔

"وہ آپ کا اکلوتا بیٹا ہے؟"

وہ اس بار چلائی "جانتی ہوں۔ کتنی بار کہیں گے پھر بھی مجھے وہ اچھا نہیں لگتا۔ آپ اس کے بجائے کسی اور چیز پر بات کریں۔"

وہ بری طرح جھنجھلا رہی تھی۔

"مسز ہارون! آپ سب کچھ بھلا دیں۔ وہ سب کچھ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اب آپ کی زندگی میں اس سے زیادہ اہم چیزیں ہیں۔ کبھی آپ نے اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے۔" وہ اب بھی خاموش تھی۔

"آپ کا شمار اس شہر کی خوبصورت ترین عورتوں میں ہوتا ہے۔"

شائستہ کے چہرے پر پہلی بار ایک مسکراہٹ ابھری۔

"شہر کے ایک بڑے صنعت کار گھرانے کی بہو، ایک چاہنے والے شوہر کی بیوی۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔ "شہر کی ہر تقریب میں جس کا انتظار کیا جاتا ہے اور جہاں وہ چلی جائے وہاں اس کے علاوہ کسی دوسری عورت کو دیکھا جاتا ہے نہ سراہا جاتا ہے۔"

ڈاکٹر سدھوا دھیمے اور پرسکون انداز میں بڑی مہارت کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔

"جس کے پاس کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔"

شائستہ کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ ڈاکٹر سدھوا نے اپنی گفتگو جاری رکھی۔

"ہر غلطی ماضی کا حصہ بن جاتی ہے اور ماضی یاد رکھنے کے لیے ہوتا ہے نہ ہی پریشان ہونے کے لیے، جو چیز تکلیف دہ ہو جائے اسے بھلا دینا چاہیے۔"

"مگر مجھے وہ سب کچھ بھلانا بہت مشکل لگتا ہے۔" اس نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"کوشش کرنے سے سب کچھ ممکن بنایا جا سکتا ہے۔"

"میں کوشش کرتی ہوں مگر کچھ چیزیں مجھے ہر وقت وہ سب کچھ یاد دلاتی رہتی ہیں۔"

"آپ ان تمام چیزوں کو اگنور کرنے کی کوشش کریں جو آپ کو ان تمام واقعات کی یاد دلاتی ہیں۔"

"میں اگنور نہیں کر سکتی۔" اس نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"کیوں؟ وہ کیا ہے جسے آپ اگنور نہیں کر سکتیں؟" ڈاکٹر نے نرم آواز میں پوچھا۔

کمرے میں خاموشی رہی۔

"وہ کیا ہے جسے آپ اگنور نہیں کر سکتیں جو آپ کو سب کچھ یاد دلانے کا باعث بنتا ہے؟" ڈاکٹر سدھوا نے نرم آواز میں ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"ہارون کمال۔" شائستہ نے ایک طویل خاموشی کے بعد کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "مجھے اس سے......"

وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکی، کمرے میں انٹرکام بجنے لگا۔ ڈاکٹر سدھوا نے انٹرکام پر دوسری طرف کی بات سنی اور انٹرکام بند کر دیا۔

"ہارون کمال آپ کو لینے آئے ہیں مسز کمال!"

انہوں نے شائستہ کو بتایا۔ ڈاکٹر سدھوا نے اپنے دس سالہ کیریئر میں اپنے کسی مریض کی آنکھوں میں اتنی وحشت اور خوف نہیں دیکھا جتنا انہیں اس وقت شائستہ کی آنکھوں میں نظر آیا تھا۔ وہ اب رونا بند کر چکی تھی۔

"ایک وقت ایسا آئے گا جب میں......"

وہ ایک بار پھر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ ڈاکٹر سدھوا نے پرسوچ انداز میں اسے دیکھا۔

☆☆☆

فاطمہ کو اندازہ نہیں وہ کتنی دیر بولتی رہی، وہ صرف یہ جانتی تھی کہ اس نے ربیعہ مراد کو اپنے بارے میں کچھ بتا دیا۔ اس کے ذہن اور دل میں جو کچھ تھا، اس نے جیسے اگل دیا، بچپن سے لے کر بتیس سال تک کی کہانی اسے سنا ڈالی۔

ربیعہ مراد بے حد خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی، اس نے فاطمہ کو ایک بار بھی ٹوکنے کی کوشش نہیں کی، جب بہت دیر بعد فاطمہ خاموش ہوئی تو ربیعہ نے اس سے کہا۔

"اور ان سب حالات سے گزرنے کے بعد تم کو احساس ہونے لگا کہ تم ایک ایسی چیز ہو، جو بے مصرف ہے۔ بے کار ہے، اللہ کی Scheme of work میں اس کے لیے کہیں بھی کوئی جگہ نہیں ہے؟"

"کیا مجھے ایسا نہیں سمجھنا چاہیے؟"

"اگر کسی مرد یا عورت کی شادی نہ ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی زندگی برباد ہو گئی۔ اگر واقعی یہ سمجھ لیا جائے کہ شادی ہو جانے کا مطلب ہے کہ آپ کی زندگی بے کار نہیں ہے اور آپ کی زندگی برباد بھی نہیں ہوئی تو پھر طلاقیں کیوں ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگوں کے شوہر اور بیویاں کیوں مر جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان میں سے بہت سے دوسری شادی نہیں کرتے، کیا ان کی زندگی برباد ہو گئی یا بے کار ہے۔ زندگی کے بے کار ہونے کا تعلق صرف شادی سے نہیں ہوتا۔ میں تمہیں ایسے سو لوگوں سے ملوا سکتی ہوں جن کا خیال ہے کہ شادی نے ان کی زندگی تباہ کر دی، زندگی کی بربادی کا تعلق صرف شادی سے نہیں ہوتا۔ اللہ نے صرف شادیاں کروانے کے لیے انسانوں کو پیدا نہیں کیا ہوگا۔ اس شخص میں خوبیاں اور خامیاں دونوں مخصوص تعداد میں ڈال دی ہوں گی۔"

فاطمہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ربیعہ بہت زیادہ سنجیدہ ہو چکی تھی۔

"اس کے بعد اللہ ہر انسان کو زمین پر بھیج دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہاری آزمائشیں ہیں اور یہ تمہاری عمر کی حد ہے، تم کو اتنے سال زمین پر اس طرح کے حالات کے ساتھ رہنا ہے، یہ، یہ مسائل ہیں جو تمہیں زندگی میں پیش آئیں گے۔ اب رو کر ان کا سامنا کرو یا ہنس کر ان کا حل سوچنے کی کوشش کرو یا ان پر اور اپنی زندگی پر ماتم کرنا شروع کر دو۔ یہ سب تمہارے ہاتھ میں ہے، بہر حال تم کو اس سب کا سامنا تو کرنا ہی ہے۔ جن لوگوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ ان کے لیے آزمائشیں اور طرح کی ہوتی ہیں۔ ہم زندگی کے امتحانی کمرے میں بیٹھ کر پیدائش سے موت تک مختلف قسم کے ٹیسٹ دینے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر رہے ہوتے، ہر ٹیسٹ کا دورانیہ الگ ہوتا ہے، اس کی ٹائپ الگ ہوتی ہے۔ بعض کو سوال نامہ ذرا آسان مل جاتے ہیں، بعض کو خاصا مشکل، بعض کا سوال نامہ سلیبس پر پھیلا ہوا ہوتا ہے، بعض کا مختصر جوابات مانگتا ہے بعض کا طویل، بعض پیپرز خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں کرتے ہیں بعض بہت گندی لکھائی میں کرتے ہیں۔ مگر ایک بات تو طے ہے کہ ہم سب وہ پیپرز ہی رہے ہیں اور یہ پیپرز کیسے بھی کیوں نہ ہوں، ان کا مارکر ایک ہی ہوتا ہے، اس کے پاس ہمارا پورا پروفائل ہوتا ہے ہمارے سارے کوائف ہوتے ہیں۔ ہر ضروری اور غیر ضروری خبر ہوتی ہے ہمارے بارے میں اور وہ میرٹ پر پوری دیانت کے ساتھ ہمیں مارکس دے دیتا ہے۔ اور وہ مارکر اللہ ہے۔

کمرۂ امتحان میں آنے کے بعد یہ شور مچانے کے بجائے کہ فلاں کا پیپر آسان ہے، فلاں کو فلاں نقل کروا رہا ہے۔ فلاں کو کم سوال حل کرنے کے لیے دیئے گئے ہیں، فلاں کو زیادہ وقت دیا جا رہا ہے۔ فلاں کو زیادہ شیٹس دے دی گئی ہیں۔ فلاں کا پیپر کوئی اور حل کر رہا ہے۔ فلاں کو دی جانے والی شیٹ اور قلم مجھ سے بہتر ہے۔ فلاں کو پانی اور دوسری سہولیات دی جا رہی ہیں۔ فلاں کو کیلکولیٹر استعمال کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ فلاں نے کتاب کھولی ہوئی ہے۔ کیا بہتر نہیں ہے کہ ہم صرف اپنے کونسچن پیپر پر توجہ دیں۔ اس کو حل کریں یہ دیکھیں کہ اس میں سے کتنے سوال ہمیں آتے ہیں اور کتنے نہیں۔ جو سوال آتے ہیں، ان کا جواب ہم کتنی اچھی طرح دے سکتے ہیں اور جو نہیں آتے ان کا جواب لکھنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اگر ہمیں پیپر کرنے کے لیے قلم نہیں ملا تو ہم اور کیا چیز استعمال کر سکتے ہیں، پینسل سے کر لیتے ہیں، کوئلہ استعمال کر لیتے ہیں، یا پھر اپنے خون سے کر لیتے ہیں، پانی نہیں دیا گیا تو پھر اس میں پیاس برداشت کرتے ہوئے بھی اپنا دھیان پیپر پر ہی رکھنا ہے۔ جتنی دیر ہم پیاس برداشت کر سکتے ہیں ہم کو کرنی ہے۔ مگر پیپر خالی نہیں چھوڑنا۔

خالی پیپر دیکھ کر کوئی ہمیں مارکس نہیں دے گا اور نہ ہی ہمارا یہ عذر مانا جائے گا کہ قلم نہیں تھا۔ پیاس لگ رہی تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ یہ بہتر تھا کہ تم اس جگہ پر شادی کر لیتیں جہاں تمہارے گھر والے چاہتے تھے، کم از کم پھر تمہیں کچھ چیزوں کے بارے میں شکایت نہ ہوتی۔"

فاطمہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں نے کوئی لمبے چوڑے خواب نہیں دیکھے شادی کے بارے میں، خوابوں اور خواہشوں کی کوئی فہرست نہیں بنائی۔ مجھے اپنی خامیوں کا بہت اچھی طرح پتا تھا، اگر مجھے یہ توقع ہوتی کہ جس شخص کے ساتھ میری شادی کر رہے ہیں، وہ مجھے

عزت اور محبت دے گا تو میں اس سے شادی کر لیتی مگر ایسا نہیں تھا۔ ایک خالی جگہ تھی جو وہ پر کرنا چاہتا تھا۔ بے عزتی اور ذلت کی بھی تو ایک حد ہوتی ہے میں نے زندگی میں کبھی کسی سے یہ نہیں سنا کہ کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے یا کسی کو میں پسند ہوں۔ میں نے اپنے سارے زندگی میں کبھی نہیں سنے، کسی مرد کو تو چھوڑیں، میں نے کبھی اپنے ماں باپ سے ایسا نہیں سنا، گھر کے کسی شخص سے بھی نہیں سنا، اور میں باقی زندگی بھی ایک ایسے شخص کے ساتھ گزارتی جو صرف یہ سمجھتا کہ اس نے مجھ پر احسان کیا ہے شادی کر کے۔ ایک نیکی کمائی ہے۔ وہ بھی کبھی مجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔"

اس کی آنکھ سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے۔

"آپ کو احساس نہیں ہے ربیعہ! مگر یہ سچ ہے بھوک صرف کھانے کے لیے نہیں لگتی، بعض دفعہ لفظوں کے لیے بھی لگتی ہے۔ اس ایک جملے کے لیے بھی لگتی ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے آپ کو پتا ہے، لڑکیاں کیوں گھروں سے بھاگ جاتی ہیں، وہ اس ایک جملے کے لیے بھاگ جاتی ہیں۔ صرف اس لیے کیونکہ انہوں نے اپنے گھر میں کبھی کسی سے یہ جملہ نہیں سنا ہوتا۔ ماں باپ، بہن بھائی، کوئی بھی ان سے یہ نہیں کہتا کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں، کسی کو ان کی ضرورت ہے۔ ان میں کوئی خوبی ہے جو انہیں اچھی لگتی ہے۔ جب ساری عمر انسان خود پر انگلیاں اٹھتے دیکھتا ہے تو پھر ایک لمحہ وہ آتا ہے جب وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہے۔ ایک وقت ایسا ہوتا ہے جب آپ سے کچھ بھی برداشت نہیں ہوتا۔" وہ بے حد تھکی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

"گھر میں غربت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ اپنی اولاد سے کبھی یہ بھی نہ کہیں کہ آپ کو اس سے محبت ہے۔ میرے نزدیک رشتوں کی ایک کورے کاغذ جیسی بھی اہمیت نہیں ہے۔ میں نے اپنی بیس سالہ زندگی میں خون کو پانی بنتے دیکھا ہے۔ ماں باپ بہن بھائی، مجھے یہ سب لفظ لگتے ہیں۔ رشتے نہیں لگتے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو کیا میں خود کو ایسا بناتی۔ میرے اختیار میں ہوتا تو میں تو خود کو بناتی ہی نا، مجھ کو اگر یہ اختیار مل جاتا کہ میں خود کو جیسا چاہوں بنا لوں تو میں تو تب بھی خود کو کبھی نہ بناتی۔ گھر سے دنیا میں آنے کے بعد مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں تو کبھی گھر میں تھی ہی نہیں، میں تو پہلے بھی کچھ لوگوں کے ساتھ بس کسی ایک جگہ رہ رہی تھی۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں۔ آپ کی ماں معذور تھیں مگر انہوں نے آپ کو جینا سکھایا۔ دوسروں کا ہاتھ پکڑ کر ان کی مدد کرنا، انہیں چلانا سکھایا۔ میری ماں معذور نہیں تھیں، میں معذور تھی۔ مگر میری ماں نے تو مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا۔ زمین پر پیر تک جمانے نہیں سکھائے۔

ماں کرتی ہے نا یہ سب کچھ، وہ اولاد کو سکھاتی ہے کہ وہ اپنی خامیوں کے ساتھ زندگی کو کس طرح بہتر طریقے سے گزارے۔

میرے پاس بچپن یا جوانی کی ایسی کوئی یاد نہیں ہے جو مجھے خوشی دیتی ہو۔ یقین کریں ربیعہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھ سے آج تک کسی نے اس طرح بھی بات نہیں کی جس طرح آپ نے کی ہے۔ جو لوگ ہمیں کڑوے اور تلخ نظر آتے ہیں ان کے اندر بھی مٹھاس ہوتی ہے۔ مجھے لگتا ہے میں زندگی میں کبھی کچھ نہیں کر سکتی۔ شہیر کو ایڈاپٹ کرنے کے بعد بھی مجھے اتنے خوف ہیں کہ، کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ آپ کو پتا ہے، میں اس بچے سے ڈرتی ہوں، مجھے لگتا ہے کہ کل کو یہ بھی مجھ سے نفرت کرنے لگے گا۔ اگر اس نے مجھ سے اپنی وابستگی جھٹلا دی تو۔"

ربیعہ نے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تم زندگی کو دوبارہ سے شروع کرو۔ تم میں ایسی کوئی خامی، کوئی برائی نہیں ہے جس کو تم ختم نہ کر سکو، ماضی کے بارے میں مت سوچو، اسے بھول جاؤ۔ اپنی اچھائیوں کو دیکھو، اپنے اسٹرونگ پوائنٹس کو دیکھو۔"

"کیا میرے اندر کوئی اچھائی ہے؟" اس نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"مجھ سے مت پوچھو، تم خود اپنے آپ کو دریافت کرو، دیکھو، تمہارے اندر کیا کیا ہے۔ میں تم کو کیوں بتاؤں کہ تم میں کیا کیا خوبی ہے تم مجھ کو بتاؤ کہ تمہارے اندر کون کون سی خوبی ہے۔ دیکھو کانٹوں والا ایک درخت ہوتا ہے۔ اس کے کانٹے سب کو

چبھتے ہیں۔ کانٹوں کو کوئی استعمال نہیں کرتا۔ مگر اس درخت میں صرف کانٹے ہی تو نہیں ہوتے پتے ہیں، پھل ہوتا ہے، پھول ہوتے ہیں، اس کی جڑیں ہوتی ہیں، تنا ہوتا ہے، لکڑی ہوتی ہے، کانٹے نقصان دہ ہوتے ہیں مگر باقی چیزیں تو نہیں۔ تم دیکھو، تمہارے اندر کیا ہے۔ فاطمہ مختار کی شخصیت کے صرف تاریک پہلو تو نہیں ہوں گے۔ دنیا میں کسی انسان کو صرف خوبیوں یا صرف خامیوں کے ساتھ پیدا نہیں کیا گیا۔ ہر شخص میں دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ مگر جس طرح کوئی اپنے دائیں ہاتھ کا زیادہ استعمال کرتا ہے اور کوئی بائیں ہاتھ کا۔ اسی طرح کسی کی خامیاں اس کی پرسنالٹی پر غالب آجاتی ہیں۔ اور کسی کی خوبیاں۔"

"ربیعہ! کیا آپ میں خامیاں ہیں؟"

ربیعہ اس کے سوال پر بے اختیار ہنسی۔

"تم میری ساس سے پوچھو۔ وہ تمہیں میرے بارے میں اصل معلومات دیں گی۔"

"وہ تو آپ کے بارے میں جان بوجھ کر ایسی باتیں کہیں گی۔ وہ آپ کو پسند نہیں کرتیں اس لیے مگر کیا آپ میں خامیاں ہیں؟"

"نہیں بھئی، ساس بڑی پیاری چیز ہوتی ہے، ہر بات تو وہ غلط نہیں کہتی۔ کچھ ایسی خامیاں ہیں مجھ میں، جن کی وہ نشان دہی کرتی ہیں اور وہ تب بالکل ٹھیک ہوتی ہیں۔ تم مراد سے پوچھو، وہ میری خامیوں کی ایک لمبی فہرست تمہارے سامنے رکھ دے گا۔"

وہ اپنے شوہر کا نام لے رہی تھی، فاطمہ نے اس کی آنکھوں میں چمک دیکھی۔

"تم میرے بچوں سے پوچھو...... تو وہ دس گھنٹے میری خامیوں کے بارے میں بولیں گے۔ دنیا میں کوئی شخص صرف خوبیوں کا مجموعہ بن کر نہیں آتا۔ لیکن اگر تم یہ چاہو کہ میں اپنی خامیاں تمہیں گنوانا شروع کر دوں تو وہ میں کبھی نہیں کروں گی۔ میں اپنی کمزوریاں تمہارے ہاتھ میں کیوں تھما دوں، اور یار! مجھے اپنے آپ سے پیار ہے۔ میں یہ تو کہتی ہوں کہ مجھ میں خامیاں ہیں مگر وہ گنوا نہیں سکتی۔ بالکل ویسے ہی جیسے میں یہ کہتی ہوں کہ مراد میں خامیاں ہیں مگر مجھے اس سے پیار ہے، میں ان خامیوں کو گنوا نہیں سکتی۔ بالکل ویسے ہی جیسے مجھے اپنے بچوں سے پیار ہے اور میں ان کی خامیاں نہیں گنوا سکتی یا جیسے مجھے اپنی ساس سے پیار ہے اور یہ کہنے کے باوجود کہ ان میں خامیاں ہیں میں ان کی خامیاں نہیں گنوا سکتی۔"

فاطمہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، اس کے چہرے پر بے تحاشا سکون اور اطمینان تھا۔

"لوگوں کے سامنے اپنی غلطیاں ضرور تسلیم کرلو۔ اور معذرت بھی کرلو۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں مگر ان کے سامنے اپنی خوبیوں یا خامیوں کو گنوانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کو خود اپنے بارے میں اندازہ لگانے دو۔ اپنے آپ پر کھنے دو۔"

فاطمہ یک دم مسکرا دی۔ "آپ بہت، بہت عجیب ہیں۔" ربیعہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

"میں تمہیں بتاؤں فاطمہ! کہ پہلی دفعہ جب میں نے تمہیں دیکھا تو مجھے تم بھی بہت عجیب، بہت مختلف لگیں۔ تم میں بھی کوئی چیز کوئی بات ایسی ہے جو اسٹرائک کرتی ہے، میں ہر ایک کو اس طرح پکڑ پکڑ کر سمجھانے نہیں بیٹھتی مگر تم ...... تم میں بھی کچھ ہے ضرور ...... یہ جو اتنی بھاری ذمہ داری تم نے اپنے کندھوں پر لی ہے، یہ ہر کوئی نہیں لیتا اور کم از کم اتنی فرسٹریشن یا ڈپریشن میں نہیں، جتنی میں تم نے اس بچے کو گود لیا۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے ابھی خواب دیکھنے چھوڑے نہیں ہیں زندگی کو گزارنے کی امنگ ہے تمہارے اندر۔ اور یہ ہر انسان میں نہیں ہوتی۔ بڑے فیصلے کرنے سے پہلے بہت زیادہ سوچنا چاہیے اور جب ایک بار فیصلہ کرلیں تو اس پر جم جانا چاہیے پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ ایک دن گھر میں بیٹھ کر اپنی زندگی کا تجزیہ کرنا اپنے لیے مقاصد طے کرنا، اپنی خامیوں کے ساتھ سمجھوتہ کرنا کہ ہاں ٹھیک ہے اس چیز میں میں پیچھے ہوں یا یہ چیز میرے پاس نہیں ہے۔ اپنی خامیوں کا جائزہ لینا ان عادتوں سے فوراً پیچھا چھڑا لینا جو تمہاری شخصیت کو مسخ کر رہی ہیں۔ مگر جہاں تک چھوٹی موٹی خامیوں کی بات ہے تو ٹھیک ہے کوئی مسئلہ نہیں۔

تمہیں غصہ آتا ہے بالکل نارمل چیز ہے۔ کوئی پریشانی والی بات نہیں اگر صحیح بات پر آتا ہے مگر اگر ہر بات پر آتا ہے تو پھر کچھ غلط ہے۔ لوگوں سے تم کو نفرت ہے، یہ نفرت تمہیں کم کرنی ہوگی۔ لوگ صرف برے ہی نہیں اچھے بھی ہوتے ہیں۔ مستقبل

صرف تمہارے لیے ہی نہیں سب کے لیے ایک سوالیہ نشان ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں پریشان اور خوفزدہ ہونا چھوڑ دو۔ آسکر وائلڈ نے کہا ہے جو لمحہ گزر گیا اس پر پچھتائیں مت، جو آنے والا ہے، اس کے بارے میں پریشان نہ ہوں۔ صرف اس پل کے بارے میں سوچیں، جس میں آپ جی رہے ہیں۔ میں ایک دو دن تک کراچی واپس چلی جاؤں گی۔ دوبارہ لاہور آنا کب ہو، میں نہیں جانتی۔ کوشش کروں گی تم سے دوبارہ ملوں، یہ بھی ممکن ہے دوبارہ کبھی ملاقات نہ ہو، مگر تم میری باتوں پر غور ضرور کرنا۔ میرے والد یہاں ہیں تمہیں جب بھی کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو تم ان کے پاس آسکتی ہو۔ چاہو تو مجھ سے رابطہ بھی کر سکتی ہو۔ مگر یہ ضرور یاد رکھنا کہ اپنی زندگی کے راستے تمہیں خود ہی طے کرنے ہیں۔ لوگ تمہیں رستہ دکھا سکتے ہیں مگر تمہارا ہاتھ پکڑ کر منزل پر کوئی نہیں لے کر جائے گا۔ تم سے بہت ساری باتیں ہوئیں۔ اب بس آخری بات کیونکہ ہم الگ ہو رہے ہیں، اور الگ ہونے سے پہلے ایک دوسرے کے بارے میں اچھی باتیں کہنی چاہئیں۔ میں نہیں جانتی کہ ان چند ملاقاتوں میں تم نے مجھ سے کچھ سیکھا ہے یا نہیں مگر میں نے تم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

فاطمہ کے چہرے پر حیرانی دوڑ گئی۔ "مجھ سے؟"

"ہاں تم سے، دنیا میں صرف اسکالرز سے نہیں سیکھا جاتا، ہر شخص سے آپ کچھ نہ کچھ سیکھتے ہیں۔ اگر آپ سیکھنا چاہتے ہیں تو...... اور...... میں ہمیشہ لوگوں سے سیکھنا چاہتی ہوں۔ میں نے ورکشاپ میں تمہارا کام دیکھا۔ تمہارا فائل ورک بہت آرگنائزڈ اور اچھا ہے۔ تمہاری ہینڈ رائٹنگ بہت اچھی ہے۔ تم میتھس پڑھاتی ہو اور اس کے حوالے سے تمہاری Presentation بہت اچھی تھی۔ اگر تم اپنے پروفیشن کو پروفیشنل طریقے سے لو تو تم اس میں بہت آگے جا سکتی ہو۔" فاطمہ خوشگوار حیرت کے ساتھ اس کا تجزیہ سنتی رہی۔

"یہ تو ہوگئی پروفیشنل سائڈ، اب ذاتی حوالے پر آجاؤ۔ شبیر کے بارے میں تم بہت کیئرنگ ہو ورکشاپ میں بھی تم اسے بہت اچھے طریقے سے ہینڈل کرتی رہیں، حالانکہ تمہیں بچے پالنے یا سنبھالنے کا کوئی لمبا چوڑا تجربہ نہیں ہے۔ پھر جب تم نے مجھے اپنے بارے میں بات کی تو سب کچھ بتا دیا۔ کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی۔ تم خوددار رہو۔ بہت کم لوگوں میں یہ خوبی پائی جاتی ہے۔ اور ہاں تم نے اپنے لیے جو فولڈر خود بنایا تھا میں اس سے بہت متاثر ہوئی۔ میں بھی اس جیسا فولڈر اپنے لیے بناؤں گی اور جب کوئی اس کے بارے میں پوچھے گا تو میں اسے بتاؤں گی کہ یہ میں نے فاطمہ مختار سے سیکھا یا ان کو کاپی کیا۔"

وہ اب ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"اور تم جیسے مجھے بتا رہی تھیں کہ تم ساری سلائی خود کرتی ہو۔ اور میں ورکشاپ میں بھی تمہارے کپڑے دیکھتی رہی، وہ اتنے اچھے سلے ہوئے ہیں کہ مجھے تم پر رشک آیا۔ اگر میری امی زندہ ہوتیں اور اس وقت یہاں ہوتیں تو وہ اس بات پر مجھے جوتے مارتیں۔ وہ مجھے تمہاری مثالیں دیتیں، ہر لڑکی تو سگھڑ نہیں ہوتی اور جیسے پھول تم نے اپنی قمیص پر کاڑھے ہوئے ہیں۔ میں پانچ سو سال مسلسل سیکھنے پر بھی کاڑھ نہیں سکتی۔ تمہارے ہر کام میں، میں نے بہت نفاست اور نزاکت دیکھی ہے، تمہاری زبان میں تلخی ہو سکتی ہے مگر تمہارے کام میں کوئی تلخی نہیں ہے۔"

ربیعہ نے بہت نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اور تم سے اگر آج تک کسی نے نہیں کہا تو کوئی بات نہیں، میں تم سے کہتی ہوں، مجھے پیار ہے تم سے۔ میں محبت کرتی ہوں تم سے۔" اس نے فاطمہ کا ہاتھ چوما اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

شبیر محبت کرتا ہے تم سے...... آج یہ جملہ میں کہہ رہی ہوں، کل وہ تم سے کہے گا۔"

فاطمہ کی آنکھیں ایک بار پھر پانی سے بھرنے لگیں، مگر اس بار اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پانی اندر سے بہت سا زہر بہا لے جا رہا ہو۔ اس کو زندگی میں پہلی بار اپنا وجود بہت ہلکا پھلکا لگا تھا۔

☆☆☆

"روپے کو محفوظ کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اسے سونے کی شکل میں تبدیل کر لیا جائے۔"

منیزہ شبانہ کو اپنی سونے کی تین نئی چوڑیاں دکھاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"میں تو یہی کرتی ہوں، جب کچھ روپے اکٹھے ہوتے ہیں، میں فوراً زیورات خرید لیتی ہوں، ادھر ویسے بھی رواج ہی یہ ہے کہ روپے کے بجائے زیورات بنوائے جائیں۔"

شبانہ خاصے رشک آمیز تاثرات کے ساتھ منیزہ کی چوڑیوں کو دیکھ رہی تھیں خود ان کے پاس بھی زیورات کی کمی نہیں تھی، مگر جس روانی اور فراوانی کے ساتھ منیزہ زیورات کی خریداری کرتی تھیں۔ وہ شبانہ کے لیے قابل رشک تھا، ہر بار پاکستان آنے پر وہ مکمل طور پر نئے زیورات کے ساتھ تشریف لاتیں۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

امبر اور صبغہ کا نکاح بہت دھوم دھام سے کر دیا گیا تھا اور منیزہ اور منصور ابھی واپس نہیں گئے تھے۔

"بہت زیادہ زیورات بنانے پر ایک مسئلہ یہ ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ بہت نکالنی پڑتی ہے اور پھر ہر سال، بس میں تو اسی وجہ سے زیادہ زیورات نہیں بنواتی۔" شبانہ نے چوڑیاں انہیں واپس کرتے ہوئے ایک تاویل پیش کی۔

"لو کتنی زکوٰۃ دینی پڑ سکتی ہے۔ میں تو بس یہ کرتی ہوں کہ ہر سال کچھ مخصوص رقم دے دیتی ہوں...... اب سارے زیورات پر باقاعدہ حساب لگا کر زکوٰۃ نکالیں تو وہ تو ہزاروں میں چلی جائے گی۔ اتنے پیسے بن جائیں گے کہ اس سے مزید کئی تولے سونا خریدا جا سکتا ہے۔ نہیں بھئی، میں یہ تو نہیں کر سکتی۔ تھوڑی بہت رقم ہے جو ہر سال دے دیتے ہیں۔ اور ویسے بھی سارا سال تھوڑا بہت تو دیتے ہی رہتے ہیں۔ وہ زکوٰۃ ہی ہوئی نا؟"

منیزہ نے زکوٰۃ کو ایک نیا مفہوم پہنایا۔

"ہاں، یہ تو آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ سارا سال دی جانے والی رقم اکٹھی کر لیں تو وہ شاید زکوٰۃ سے بھی زیادہ ہو جائے، اب دیکھیں، ملازموں کی کئی دفعہ مدد کرنی پڑتی ہے، پھر غریب رشتے دار ہیں، ان کو تھوڑا بہت دینا پڑتا ہے، مسعود فیکٹری میں ورکر کی کئی بار مدد کر دیتے ہیں، وہ بھی تو زکوٰۃ ہی ہوئی نا؟"

"اور کیا...... ویسے منصور اب سوچ رہے ہیں کہ کچھ سالوں تک پاکستان شفٹ ہو جائیں۔" منیزہ نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں، انہوں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا۔"

"ابھی فوراً تو ہم لوگ شفٹ نہیں ہوں گے۔ فیکٹری بن جائے، ٹھیک سے چلنے لگے پھر ہم ادھر آ جائیں گے۔ منصور سوچ رہے ہیں اس بار جانے سے پہلے کوئی پلاٹ خرید لیں۔"

"پلاٹ کس لیے؟" شبانہ نے پوچھا۔

"ظاہر ہے گھر کے لیے، گھر بھی تو بنوانا ہے۔" منیزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیں گھر بنوانے کی کیا ضرورت ہے، یہ گھر تو ہے کبھی یہاں آ کر رہیں، بہت جگہ ہے یہاں۔" شبانہ نے فوراً پیشکش کی۔

منیزہ مسکرانے لگی۔ "ہاں، جگہ تو بہت ہے مگر اب بیٹیوں کے سسرال میں تو نہیں رہ سکتے۔"

"لو بیٹیوں کا سسرال کیا ہوا، تم لوگوں کا اور کوئی رشتہ نہیں ہے ہم سے۔"

"ہے مگر پھر بھی ذرا نامناسب لگتا ہے۔ چند دنوں یا ہفتوں کے لیے تو ٹھیک ہے، مگر مستقل تو یہاں نہیں رہا جا سکتا ویسے بھی کبھی نہ کبھی اپنا گھر تو بنانا ہی ہے۔"

"ٹھیک ہے، گھر تو بنانا ہے مگر تب تک تو یہاں رہ سکتے ہیں جب تک گھر نہیں بنوا لیتے۔"

"گھر بننے میں بھی بہت وقت لگ جائے گا۔ اتنا لمبا عرصہ آپ کے ساتھ کیسے رہیں۔ منصور نے تو گھر کے لیے لمبی چوڑی پلاننگ کی ہے، سال ڈیڑھ سال تو لگے گا گھر کو بنتے ہوئے۔ پھر جو اس کی آرائش کا سوچ رہے ہیں وہ...... چھ ماہ اور نکل گئے۔ اب دو سال آپ کے گھر پر تو پڑے نہیں رہ سکتے۔"

منیزہ نے فخر سے اپنے شوہر کے منصوبے ڈسکس کرتے ہوئے کہا۔

''مسعود نے گلبرگ میں پچھلے سال ایک گھر خریدا تھا بہت اچھا ہے...... تم لوگ ادھر رہ لینا۔''

''ہاں، یہ ہو سکتا ہے۔'' منیزہ نے فوراً ہامی بھر لی۔

''ویسے منصور کا کب تک ارادہ ہے گھر شروع کرنے کا؟''

''ابھی چار پانچ سال تو ہیں، پہلے تو فیکٹری کا ہی سوچ رہے ہیں جو مسعود بھائی کے ساتھ لگانی ہے۔ جب فیکٹری اچھے طریقے سے اسٹیبلش ہو جائے گی تو پھر پاکستان آئیں گے اور پھر سال چھ مہینے کے بعد گھر کا کام شروع کریں گے۔''

''اور امبر اور صبغہ کی رخصتی کب کرو گے؟'' شبانہ نے شگفتگی سے کہا۔

''یہ تو ابھی خاصی دور کی بات ہے، گریجویشن کے بعد، ابھی تو بہت چھوٹی ہیں دونوں اور پھر طلحہ اور اسامہ بھی تو پڑھنے کے لیے باہر جائیں گے۔ ابھی تو انہیں بھی اپنا کیریئر بنانا ہے۔''

''مگر میں سوچ رہی تھی کہ ان دونوں کو باہر بھیجنے سے پہلے رخصتی کروا لوں، بہتر ہے امبر اور صبغہ ان کے ساتھ ہی جائیں۔'' شبانہ نے تجویز پیش کی۔

''اس میں بھی بڑا وقت ہے بھابی! جب وقت آئے گا تب دیکھیں گے۔ ہیں تو وہ آپ ہی کی امانت...... چند سال پہلے یا بعد سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' منیزہ نے خوش دلی سے کہا۔

''میرے پاؤں تو اس دن سے زمین پر نہیں پڑ رہے جب سے یہ رشتہ ہوا ہے۔'' شبانہ نے ڈرامے کا پہلا سین پیش کیا۔

''بس آپ کو تو جو خوشی ہے...... مگر میرے جذبات کا تو آپ پوچھیے ہی نا۔'' منیزہ نے جوابی پرفارمنس دیتے ہوئے کہا۔

''پورے خاندان میں سب سے زیادہ خوبصورت دلہنیں ہوں گی میرے بیٹوں کی۔''

شبانہ نے اپنی ایکٹنگ میں کچھ اور نکھار لاتے ہوئے کہا۔

''میری بیٹیوں کے شوہر بھی تو سب سے زیادہ خوبصورت ہوں گے۔ چاند اور سورج کی جوڑی ہے دونوں کی۔''

منیزہ نے بھی اپنی لفاظی بڑھائی، پھر دونوں خوش دلی اور شگفتگی سے ہنسنے لگیں۔ دونوں کا خیال تھا کہ وہ ایک دوسرے کو اپنے لفظوں اور چہرے کے تاثرات سے متاثر کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔

☆☆☆

منصور اور مسعود ان دنوں فیکٹری کے پیپر ورک میں مصروف تھے، اس دن وہ دونوں اپنے وکیلوں کے ساتھ فیکٹری کے شیئرز میں اپنے اپنے حصے کی تفصیلات طے کر رہے تھے، مسعود کی خواہش تھی کہ فیکٹری میں وہ ففٹی پرسنٹ کا شریک ہو۔

''دیکھو منصور! ٹھیک ہے فیکٹری میں تمہارا سرمایہ لگے گا مگر تم تو صرف سلیپنگ پارٹنر ہو، ورکنگ پارٹنر تو میں ہوں گا، اور کتنی دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے۔ کسی بھی نئے بزنس کو شروع کرنے میں، اس کا اندازہ تو تم لگا ہی سکتے ہو، اس لیے میرا مطالبہ کوئی ایسا نامناسب نہیں ہے۔'' مسعود اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''آپ کی بات ٹھیک ہے بھائی جان لیکن...... ہمیشہ کے لیے تو میں سلیپنگ پارٹنر نہیں رہوں گا۔ واپس پاکستان آنے کے بعد میں اسی فیکٹری کو سنبھالوں گا، اور یہ صرف چار پانچ سال کی بات ہے۔ پھر یہ تو نہیں ہو سکتا ناں کہ میں اپنا سارا بزنس وہاں ختم کر کے واپس آ جاؤں اور یہاں ایک فیکٹری میں آدھے شیئرز لے لوں، مجھے تو پھر یہ پروجیکٹ ہی نہیں کرتا۔ یہ بہتر نہیں ہے کہ میں چار پانچ سال اس پروجیکٹ کو ملتوی کروں اور پھر جب پاکستان آؤں تب خود یہ سب کچھ شروع کروں۔''

مسعود انہیں گھورنے لگے، انہیں اپنے چھوٹے بھائی سے اتنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔

''مگر تم یہ بھی تو دیکھو کہ تمہیں فیکٹری کو اسٹیبلش کرتے کرتے کتنے سال لگ جائیں گے اور......''

''بھائی جان! جتنے بھی سال لگیں، کم از کم فیکٹری مکمل طور پر تو میری ہوگی۔ آخر مجھے بھی تو اپنے بیٹے کے لیے کچھ بنانا

ہے۔'' منصور نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''پھر تم کیا آفر کرتے ہو؟'' مسعود نے ان سے کہا۔

''بیس پرسنٹ۔'' مسعود کو جیسے ایک جھٹکا لگا۔

''بیس پرسنٹ، کیا کہہ رہے ہو تم، یہ تو کوئی ڈیل نہ ہوئی۔ اب اس قدر قریبی رشتہ داری کے بعد بھی۔''

منصور کچھ دیر ان کا چہرہ دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''بھائی جان! بہتر ہے ہم کاروبار میں کسی رشتہ داری کو نہ لائیں، کیا آپ نے اس لیے رشتہ کیا تھا کہ.....''

مسعود نے جلدی سے ان کی بات کاٹ دی۔ ''کیسی بات کر رہے ہو منصور! میں نے تو ویسے ہی کہا ہے۔ تم غلط مطلب مت لو۔''

''یہ بہتر ہے کہ ہم دوبارہ اس رشتہ داری کے بارے میں بات نہ کریں۔ کم از کم کاروبار کے بارے میں بات کرتے ہوئے، یہ فیکٹری میں روشان کے لیے لگا رہا ہوں۔ اور میں بیٹے کی چیز بیٹیوں کی خاطر تو کسی کو نہیں دے سکتا۔ میں آپ کو آفر کر رہا ہوں، ٹھیک ہے بیس نہیں تیس مگر اس سے زیادہ نہیں۔ اگر آپ کو یہ قبول ہے تو ٹھیک ہے، اگر نہیں تو پھر اس پروجیکٹ کو چھوڑیں اور اس پروجیکٹ کی وجہ سے اگر کوئی رشتہ Suffer کرتا ہے تو کرنے دیں۔ ٹھیک ہے میں نے امبر اور صبغہ کا نکاح کر دیا ہے۔ لیکن ان کے لیے آج بھی رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے، مجھے ایک کے بجائے دس رشتے مل جائیں گے۔ اور خاندان سے ہی۔''

مسعود کے ہاتھ پیر پھولنے لگے، انہوں نے منصور کو کبھی اس موڈ میں نہیں دیکھا تھا، وہ ہمیشہ ہی بڑے ادب اور لحاظ سے ان سے بات کرتے تھے اور شاید اسی لیے انہیں غلط فہمی ہو گئی تھی کہ وہ بڑی آسانی سے اسے اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتے ہیں، مگر یہ انہیں آج پتا چلا کہ وہ بزنس کے معاملے میں خاصے بے لحاظ واقع ہوئے ہیں اور شاید بزنس میں ان کی شاندار کامیابی کی وجہ بھی یہی تھی، اب وہ اپنے سامنے منصور علی کا ایک نیا روپ دیکھ رہے تھے۔

''نہیں، نہیں ٹھیک ہے۔ رشتوں کی تو بات ہی الگ ہے۔ ان کا بزنس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کو چھوڑ دو۔ کیا تم اپنی آفر بڑھا نہیں سکتے۔ 40-60؟'' مسعود نے اس سے کہا۔

''70-30'' منصور نے بے تاثر چہرے کے ساتھ حتمی لہجے میں کہا۔

مسعود کچھ دیر سوچتے رہے، ''ٹھیک ہے---- 70-30'' انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ منصور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

ربیعہ کے ساتھ ہونے والی یہ فاطمہ کی آخری ملاقات ثابت ہوئی، وہ اس سے دوبارہ کبھی نہیں ملی، مگر اس کے ساتھ ہونے والی چند ملاقاتوں نے اس کی زندگی کو ایک نئی سمت ضرور دکھا دی تھی۔

زندگی میں پہلی بار فاطمہ مختار نے اپنے آپ کو احساس کمتری کے اس تابوت سے باہر نکال کر دیکھا تھا، جس میں پچھلے بیس سال سے اس نے خود کو بند کر رکھا تھا۔ اور اسے خوشگوار حیرت ہوئی جب اسے احساس ہوا کہ سب کچھ واقعی اتنا تباہ حال نہیں ہے۔ جتنا اس کا خیال تھا۔

اس کے پاس بہت کچھ ایسا تھا جس کو اس نے کبھی استعمال ہی نہیں کیا تھا۔ اس کے پاس بہت کچھ ایسا تھا جو بہت سے دوسرے لوگوں کے پاس نہیں تھا یا کم از کم ان لوگوں کے پاس نہیں تھا جو اس کے اردگرد تھے۔

ربیعہ سے ملاقات کے بعد اگلے چند ہفتوں میں اس نے پہلی بار اپنی زندگی کو پلان کیا، پہلی بار اس نے اپنے لیے مقاصد طے سیٹ کیے۔ مگر آنے والے دنوں میں اس کے لیے کچھ اور تھا۔

☆☆☆

وہ ہارون کے ساتھ گھر آ گئی۔ ہارون بے حد خاموش تھا، اس نے پورا رستہ اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ شائستہ کو

اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہے، مگر موڈ خراب ہونے کی وجہ کیا ہے۔ یہ وہ نہیں جانتی تھی، اس نے ہارون سے گاڑی میں کچھ بھی پوچھنے کی کوشش نہیں کی، وہ خود بھی اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

ڈریسنگ میں کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ جب واپس بیڈروم میں آئی تو اس نے ہارون کو کمرے میں ٹہلتا پایا۔ وہ بیئر کا ایک کین لیے ٹہلتے ہوئے اس کے سپ لے رہا تھا، اس کا کوٹ بے ترتیبی سے صوفہ پر پڑا ہوا تھا جب کہ اس کی ٹائی ڈھیلے ڈھالے انداز میں گلے میں ہی لٹکی ہوئی تھی۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ملیں اور پھر شائستہ اپنے بیڈ پر جا کر لیٹ گئی، پھر اسے یاد آیا آج اس نے چہرے کو کلینزز کے ساتھ صاف نہیں کیا۔ وہ ایک بار پھر اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پر جا بیٹھی۔

ہارون ابھی بھی اسی طرح کمرے میں ٹہل رہا تھا، وہ اپنے چہرے کو صاف کرنے کے بعد ایک کریم کے ساتھ مساج کرنے لگی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں خود کو دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ ہارون بھی وقتاً فوقتاً اس پر نظریں دوڑا رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہی۔

کچھ دیر بعد وہ یک دم اس کی پشت پر آ کر کھڑا ہوگیا اور اس نے بڑی نرمی سے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا، ان دونوں کی نظریں ملیں۔

"کیا کرنا چاہتی ہو شائستہ تم؟" اس نے نرمی سے پوچھا۔

شائستہ اس کے سوال پر حیران ہوئی، وہ اس کا چہرہ ابھی بھی اسی طرح اٹھائے ہوئے تھا۔

"کیا کرنا چاہتی ہوں میں؟...... میں نارمل ہونا چاہتی ہوں، ڈپریشن سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اسی لیے ڈاکٹر سدھوا کے پاس گئی تھی۔ وہاں جا کر مجھے سکون ملتا ہے۔"

وہ اسی طرح گردن اوپر کیے اسے بتاتی رہی، ہارون کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"میں ڈاکٹر سدھوا کی بات نہیں کر رہا۔"

"تو پھر اور کیا ہے؟" وہ الجھی۔

"تم راولپنڈی گئی تھیں؟"

وہ بالکل ساکت ہوگئی پھر اس نے ہارون کا ہاتھ ہٹا دیا مگر وہ اب بھی اس سے اپنا چہرہ نہیں چھپا سکتی تھی، وہ اب اس کی پشت پر کھڑا آئینے میں اسے دیکھ رہا تھا وہ ڈریسنگ ٹیبل سے ٹشو لے کر اپنا چہرہ پونچھنے لگی، کوئی اور چیز اس وقت اسے اس سے زیادہ بہتر محسوس نہیں ہوئی۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟" وہ وہیں تھا۔

"میں نہیں گئی۔" وہ اس سے نظریں ملائے بغیر اپنا چہرہ پونچھتی رہی...... "اچھا......" وہ ہنسا۔

"اگر تم جانتے ہو کہ میں وہاں گئی تھی تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ اس کی ہنسی پر برہم ہوئی۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم وہاں کیوں گئی تھیں؟ میں نے تمہیں منع کیا تھا۔"

وہ خاموش رہی۔

"تمہارے پاس میرے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں ہے؟"

"تم ہر سوال کا جواب خود جانتے ہو۔ مجھ سے کچھ مت پوچھو۔" وہ اب اپنے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ وہ یک دم اس کے سامنے آ کر ڈریسنگ ٹیبل پر بیٹھ گیا۔

"میں تم سے جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے یا نہیں رہنا؟" اس کی آواز بلند نہیں تھی مگر تلخ تھی۔

وہ اسے دیکھنے لگی۔

"کبھی تم نے سوچا ہے کہ میں تمہیں کہاں لے جانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم...... تم اپنے ساتھ کیا کر رہی ہو؟ کیا کرنا چاہتی ہو تم اپنی زندگی کے ساتھ؟

"ہارون! میں بہت پریشان ہوں آج اور میں تم سے لڑنا چاہتی ہوں نہ ہی کوئی بحث کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ پریشانی تم نے خود مول لی ہے۔"

شائستہ نے کریم ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخ دیا۔

"تم بھی میرے ساتھ حصہ دار ہو۔" اس کی آواز بلند تھی۔

"او کے فائن، پھر.....؟" وہ اب سرد نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شائستہ نے ایک جھٹکے سے اٹھنے کی کوشش کی مگر ہارون نے اسی تیزی کے ساتھ اسے واپس کھینچ کر بٹھا دیا۔

"میں دیواروں سے بات نہیں کر رہا ہوں، تم سے بات کر رہا ہوں۔" اس بار ہارون نے بلند آواز میں کہا۔

"چلانے کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہاری آواز سن سکتی ہوں۔"

"میری بات صرف سنو مت، سمجھنے کی بھی کوشش کرو۔ چار سال ہونے والے ہیں ہماری شادی کو، چار سال کافی عرصہ ہوتا ہے، ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے۔ مگر بعض دفعہ مجھے احساس ہوتا ہے کہ تم اور میں دو الگ الگ دنیاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔" وہ ایک بار پھر چیخنے لگا۔

"بہرحال، میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے چند ماہ کے لیے امریکہ میں تمہارے قیام کا بندوبست کیا ہے۔"

"کیا.....؟" وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"ہاں، پرسوں تمہاری فلائٹ ہے، اسد اور گورنس بھی تمہارے ساتھ جا رہے ہیں شاہانہ اور ابصار تمہیں وہاں ریسیو کر لیں گے۔ چند ماہ وہاں رہو، اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کرو اور جب ٹھیک ہو جاؤ تو واپس آ جاؤ۔ مگر واپس آنے سے پہلے سب کچھ دفن کر کے آنا اور اگر تمہیں ایسا محسوس ہو کہ تم ایسا نہیں کر سکتیں تو پھر میرے پاس واپس آنے کے بجائے اپنے والدین کے پاس چلی جانا۔" وہ..... آخری سپ لے رہا تھا۔

"میں امریکہ جانا نہیں چاہتی۔ میں بالکل نارمل ہوں۔" اس بار شائستہ کا لہجہ کمزور تھا۔

"میں نے تم سے رائے نہیں مانگی، میں تمہیں صرف بتا رہا ہوں کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔" اس نے انگلی اٹھا کر شائستہ سے کہا۔

"مجھے امریکہ نہیں جانا..... اور تم مجھے زبردستی یہاں سے کہیں نہیں بھیج سکتے۔" شائستہ نے یک دم بلند آواز میں کہا، ہارون نے بہت تیزی سے دائیں ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔

"مجھے وہ عورتیں اچھی نہیں لگتیں جو چلاتی ہیں۔ تم اگر مجھ سے جھوٹ بول کر راولپنڈی جا سکتی ہو تو پھر میں تمہیں امریکہ بھی بھجوا سکتا ہوں۔ ہارون کمال کے ساتھ جھوٹ بولنا اور اسے دھوکا دینا آسان نہیں ہے۔ کم از کم تم یہ کام دوبارہ بھی کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اسے دھکیل کر ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھ گیا۔ شائستہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھنے لگی، اس کی گردن پر ہارون کی انگلیوں کے نشانات تھے، وہ یک ٹک دم سادھے انہیں دیکھتی رہی۔ بائیں ہاتھ سے اس نے اپنی گردن پر ان نشانوں کو چھوا۔ انہوں نے اسے جیسے ایک بار پھر بہت پیچھے دھکیل دیا تھا۔

☆☆☆

"مجھے ہارون کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرنی۔"

وہ اس دن پھر اپنی امی سے کہہ رہی تھی پچھلے کئی ماہ سے وہ مسلسل ایک ہی بات اپنی امی سے کہہ رہی تھی اور وہ ہمیشہ اس کی باتوں کو نظر انداز کر دیتی تھیں۔

"اور میں تمہیں بہت عرصہ پہلے کہہ چکی ہوں کہ ہارون سے تمہاری شادی نہیں ہو سکتی ویسے بھی اب تمہاری منگنی ہو چکی

ہے۔ کچھ ماہ تک ہم تمہاری شادی کی تاریخ طے کر دیں گے۔"

اس کی امی اسے اتنے نارمل انداز میں بتا رہی تھیں جیسے یہ سب کچھ اس کی مرضی سے ہو رہا تھا۔

"میری مرضی کے بغیر آپ نے میری منگنی کی ہے مگر میری شادی نہیں کر سکتے۔ میں عین نکاح کے وقت انکار کر دوں گی۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"اچھا.....!" اس کی امی ایک بار پھر اس دوپٹے کی طرف متوجہ ہو گئیں جس پر وہ کڑھائی کر رہی تھیں۔

"امی.....! آپ میری باتوں کو سنجیدگی سے لیں۔ میں واقعی ہارون کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی۔"

"تم یہ بات اپنے بابا کو بتا دو۔" وہ ان کی بات پر شپٹا گئی۔

"آپ خود بتائیں..... میں آپ کو تو بتا رہی ہوں۔"

"نہیں، میں نہیں بتا سکتی۔ تم بتا سکتی ہو تو بتا دو....."

"ٹھیک ہے، میں بابا سے کہہ دیتی ہوں کہ مجھے ہارون سے شادی کرنی ہے۔" وہ یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

اس کی امی نے اس بار دوپٹہ ایک طرف رکھ دیا۔

"ہارون نہ مجھے پسند ہے نہ تمہارے بابا کو۔ پھر بھی تم چاہتی ہو کہ ہم تمہاری شادی اس سے کر دیں۔"

"ہاں، میں پھر بھی چاہتی ہوں۔" اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"وہ اچھا نہیں ہے۔"

"وہ اچھا ہے یا برا، مجھے شادی اسی سے کرنی ہے۔"

"پورا خاندان تمہاری نسبت کے بارے میں جانتا ہے۔ ہارون کے گھر والے تک جانتے ہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ ہم یہ نسبت ختم کر دیں تو بھی وہ تم سے ہارون کی منگنی کریں۔"

"امی! وہ میرا کام ہے، آپ صرف میری یہ منگنی ختم کر دیں۔" اس کی امی اس کی بات پر چونک اٹھیں۔

"اور تم یہ کیسے کرو گی؟" وہ ان کے سوال پر گڑبڑا گئی۔ کچھ دیر کے لیے وہ بول نہیں سکی۔

"شائستہ! تمہارا ہارون کے ساتھ رابطہ ہے؟"

شائستہ کا رنگ اڑ گیا۔ "میرا..... میرا رابطہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں تو کبھی تایا ابو کے گھر بھی نہیں گئی۔"

"ہاں مگر نیلوفر تو تمہارے کالج میں ہی پڑھتی ہے۔"

شائستہ کچھ بول نہیں سکی، اس کی امی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں، میرا رابطہ ہے۔" اس نے یک دم سچ بولنے کا فیصلہ کیا۔ "میں نے آپ سے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ مجھے ہارون کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرنی مگر آپ....."

اس کی امی نے بلند اور تیز آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔ "ملنے آتا ہے وہ تم سے؟"

"ہاں....."

"اور تم اس کے ساتھ جاتی ہو؟"

"ہاں....."

اگلے ہی لمحے شائستہ کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ پڑا۔

"وہ دنیا کا سب سے بے شرم انسان ہے اور تم اس سے زیادہ بے شرم ہو۔ میں فون کرتی ہوں کمال بھائی کو، پوچھتی ہوں ان سے یہ سکھایا ہے انہوں نے اپنے بیٹے کو..... کہ وہ خاندان کی عزت اس طرح اچھالتا پھرے۔ ٹھیک ہے۔ تعلقات اچھے نہیں ہیں ہمارے مگر ہے تو وہ اسی خاندان کا، اسے شرم نہیں آئی دوسروں کی منگیتر کو ساتھ لیے پھرتا ہے۔ اور تم..... تم کو تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گی۔" اس کی امی کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

"امی! بات تو سنیں پلیز...... بات تو......"

اس نے اپنی امی کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ کمرے سے جا چکی تھیں۔ شائستہ کے پیروں تلے سے پہلی بار زمین نکلی، اسے خوف آنے لگا کہ اگر امی نے ہارون کے گھر کسی سے بات کی تو وہ کہیں انہیں اس کی ہارون کے ساتھ کورٹ میرج کے بارے میں نہ بتا دیں۔

وہ بجلی کی تیزی کے ساتھ اپنی امی کے پیچھے آئی مگر اس کے باوجود وہ اپنی امی کو فون ملانے سے نہ روک سکی۔

اس کی امی نے جب کال ملائی اس وقت ہارون گھر پر ہی تھا اور اس وقت اتفاقاً وہ فون کے قریب تھا۔ اس نے فون کی گھنٹی بجنے پر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو......؟" شائستہ کی امی نے اس کی آواز فوراً پہچان لی اور ان کا غصہ کچھ اور بڑھ گیا۔

"ہارون ہو نا تم......؟" ہارون نے ان کی آواز پہچان لی۔

"ہاں، میں ہارون ہی ہوں، آپ کیسی ہیں؟" اس نے بڑے نارمل سے انداز میں ان سے پوچھا۔

"میرا دل چاہتا ہے ہارون! تم اس وقت میرے سامنے ہوتے اور میں تمہیں ہزار جوتے مارتی۔"

"یعنی میں آپ کی طرف آ جاؤں۔" وہ جیسے ان کی بات پر محظوظ ہوا۔

"تم ایک انتہائی ذلیل اور کمینے انسان ہو...... ماں باپ نے شرم حیا یا عزت غیرت نام کی کوئی چیز تو تمہارے اندر ڈالی ہی نہیں۔"

"آپ مجھے گالیاں نہ دیں، صرف یہ بتائیں کہ ہوا کیا ہے؟" وہ اس بار سنجیدہ ہو گیا۔

"میں بتاؤں کہ ہوا کیا ہے...... ذلیل انسان! تم کس منہ سے شائستہ کے کالج اس سے ملنے جاتے ہو، جب ایک بار ہم تمہارے گھر والوں کو انکار کر چکے ہیں تو پھر تم لوگوں کو شرم کیوں نہیں آتی۔"

"اتنا غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ آرام و سکون سے بات کریں۔ ہاں، میں ملتا ہوں آپ کی بیٹی سے اور اس میں کوئی نامناسب بات نہیں ہے۔"

شائستہ کی امی کو اس کی ڈھٹائی پر اور غصہ آیا 'یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔'

"اس کی مرضی سے ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو مگر یہ منگنی ہماری مرضی سے ضرور ہوئی ہے اور آئندہ اگر تم میری بیٹی سے ملنے آئے تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گی۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ کی بیٹی مجھ سے یہ کہہ دے کہ میں اس سے ملنے نہ آؤں تو میں دوبارہ کبھی اس سے ملنے نہیں آؤں گا اور ایسی منگنی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جس میں لڑکی کی مرضی شامل نہ ہو۔"

"تم سے میں کہہ رہی ہوں نا کہ تم اس سے ملنے مت آنا......"

"آپ کی بات کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔" اس نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

"اچھا تو پھر بلواؤ ذرا اپنے ماں باپ کو، میں ان کو تمہارے کرتوت بتاؤں گی۔ تمہاری حرکتوں کا پتا تو چلنا چاہیے انہیں، میں پورے خاندان کو تمہاری حرکتوں کے بارے میں بتاؤں گی۔" اس کی امی کا اشتعال ہارون کے لب و لہجہ پر بڑھ گیا۔

"یو آر موسٹ ویلکم، جس کو چاہیں بتائیں، مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ پورا گھر تو لائن پر نہیں آ سکتا۔ آپ بتا دیں کس سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ میرے باپ سے یا میری ماں سے۔"

"اپنی ماں کو بلواؤ......" شائستہ کی امی نے اسے اپنی امی کو آواز دیتے سنا۔ شائستہ ان سے کچھ فاصلے پر کھڑی کانپ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ ہارون نے ان سے کیا کہا تھا، مگر وہ یہ ضرور جان گئی تھی کہ کہی جانے والی باتیں زیادہ مناسب نہیں تھیں۔

چند منٹ بعد ہارون کی امی لائن پر آ گئیں۔

"تمہارا ذلیل بیٹا میری بیٹی سے ملنے کالج جاتا ہے...... یہ سکھایا ہے تم نے اسے...... پورے خاندان کی عزت اچھال رہا ہے۔" انہوں نے کسی سلام دعا کے بغیر ہارون کی امی سے کہا۔

"اتنا شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے، میرا بیٹا تمہاری بیٹی سے ملنے اس لیے جاتا ہے کیونکہ تمہاری بیٹی اس سے ملنا چاہتی ہے۔ اگر تمہاری بیٹی اس سے نہ ملے تو وہ کبھی وہاں نہ جائے۔"

تائی امی کے لہجے میں بھی وہی اطمینان تھا جو ہارون کی آواز میں تھا۔ شائستہ کی امی کو بے اختیار ہتک کا احساس ہوا۔

"میرے بیٹے پر چیخنے چلانے کے بجائے تم اپنی بیٹی کو منع کر دو کہ وہ اس سے نہ ملے...... میں تو اپنے بیٹے سے کبھی کچھ نہیں کہوں گی۔ وہ جو چاہے کرے۔ اور جہاں تک عزت اچھالے جانے کی بات ہے تو اس کا احساس اور فکر تمہاری بیٹی کو ہونا چاہیے۔ میرے بیٹے کو نہیں، تم لوگ ہمارا خاندان نہیں ہو؟"

شائستہ کی امی کو جیسے ایک چپ لگ گئی تھی۔

"اگر میں یہ کہوں گی کہ تمہاری بیٹی میرے بیٹے کو ملنے کے لیے مجبور کرتی ہے تو تمہیں برا لگے گا۔ مگر سچ یہی ہے کہ میرا بیٹا تمہاری بیٹی کے مجبور کرنے پر جاتا ہے۔" تائی امی نے بات جاری رکھی۔ "خاندان میں تم میرے بیٹے پر جتنی بھی کیچڑ اچھالنا چاہو، اچھالو مگر سچ تو یہ ہے کہ تم نے اپنی بیٹی کی تربیت اچھی نہیں کی۔ تربیت اچھی کی ہوتی تو وہ کیوں کسی کے بہکاوے میں آتی۔ آخر میری بیٹیاں بھی تو ہیں۔ اسی کالج میں پڑھتی ہیں، وہ کبھی کسی سے ملنے نہیں گئیں۔ تمہاری بیٹی ہی کیوں جاتی ہے۔ اور مجھے کیا پتا کہ میرے بیٹے سے ہی ملتی ہے یا اور کسی سے بھی...... یہ تو ہارون کی ضد تھی کہ اس کو شائستہ سے شادی کرنی ہے، جس پر ہم لوگ تمہارے گھر آئے ورنہ میرے ہارون کو لڑکیوں کی کمی نہیں، بھئی، شائستہ جیسی تو لاکھوں پڑی ملتی ہیں۔ دوبارہ اگر کبھی مجھے فون کرو...... تو تمیز اور تہذیب کے دائرے میں رہ کر کرنا جب اپنی اولاد میں خامی ہو تو پھر دوسروں کی اولادوں کے عیب گنوانے سے پہلے سو بار سوچ لینا چاہیے۔"

تائی امی نے بہت سکون اور اطمینان سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

"اور کتنی بیٹیاں اکٹھی کرو گے۔ اس عورت کو طلاق دے کر فارغ کرو...... یہ تمہیں بیٹا نہیں دے سکتی۔ فضل کی بیوی کو دیکھو۔ تمہارے بعد شادی ہوئی۔ دو اولادیں ہوئیں۔ دونوں بیٹے اور صاعقہ! یہ تو مقدر میں ہی بیٹیاں لے کر آئی ہے۔ اب اور کتنے موقعے دو گے اسے...... کیوں اپنی زندگی خراب کرتے ہو۔ کیسے بیاہو گے ان بیٹیوں کو۔ اپنی بہنوں کو نہیں دیکھ رہے، ابھی بمشکل ایک کو بیاہ سکے ہیں۔ وہ بھی ہر چوتھے دن میکے آ جاتی ہے۔ ارے دفع کرو اس عورت کو۔ جو عورت مرد کی نسل چلانے کے لیے ایک بیٹا نہ دے سکے۔ وہ عورت ویسے ہی منحوس ہوتی ہے۔"

ظفر چپ چاپ اپنی ماں کے "فرمان" سن رہا تھا۔ اس کی بیوی صاعقہ کے ہاں مسلسل چوتھی بار بیٹی ہوئی تھی اور وہ جتنا مشتعل تھا، سو تھا۔ اس کے گھر والے اس سے زیادہ اشتعال میں نظر آ رہے تھے۔

"پھر بیٹی......" اس کی شادی شدہ بہن نے اس کے گھر آتے ہی کہا تھا اور ساتھ ہی دوپٹہ پکڑ کر رونا شروع کر دیا۔ ظفر کے کندھے کچھ اور جھک گئے۔

"ہائے ظفر بھائی بے چارے کیا کریں گے۔ بھابھی نے بھی بیٹیوں کی قطار لگا دی ہے۔"

اس نے اپنی منجھلی بہن کو کچن میں بولتے سنا۔ صاعقہ سے اس کی نفرت کچھ اور بڑھ گئی۔

اس کی اور صاعقہ کی شادی کو پندرہ سال ہوئے تھے اور ان پندرہ سالوں میں صاعقہ کے ہاں یکے بعد دیگرے چھ بیٹیاں پیدا ہوئیں جن میں سے دو پیدائش کے فوراً بعد مر گئیں۔ چار بیٹیوں کی پیدائش پر اتنی خوشی نہیں منائی گئی تھی جتنی ان دو بیٹیوں کی وفات پر...... صاعقہ کے میکے اور سسرال میں ہر جگہ اسے ان بیٹیوں کی وفات پر مبارکباد دی گئی تھی۔ خود صاعقہ نے بھی اطمینان محسوس کیا کہ بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں حاصل ہونے والی نفرت اس کی موت کے بعد ہمدردی میں بدل جاتی...... اسے پھر

ایک اور موقع دیا جاتا۔

بیسویں صدی کی لوئر مڈل کلاس کی وہ عورت جس کی ساری عمر شطرنج کی بساط پر چلی جانے والی بازی ہوتی ہے۔ مہروں کو آگے پیچھے دائیں بائیں کرتے کب وہ بساط کو پار کر جاتی ہے، اسے پتا ہی نہیں چلتا۔ لوئر مڈل کلاس کی عورت کے مہرے مرد کے ساتھ کھیلتے ہوئے بار بار پٹتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اس کو اپنی ہار اپنا مقدر نظر آنے لگتی ہے جسے وہ بخوشی قبول کرتی رہتی ہے۔

صاعقہ ابراہیم بھی ایسی ہی لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی عورت تھی۔ وہ خود آٹھ بہنیں تھیں۔ بیٹے کی تلاش میں اکٹھی کی جانے والی آٹھ لڑکیاں، نتیجتاً صاعقہ کی شادی پندرہ برس کی عمر میں اس سے دس سال بڑے ظفر سے کر دی گئی۔ وہ اس کا چچا زاد تھا اور ایک سینما میں بکنگ کلرک تھا۔ صاعقہ نے صرف مڈل تک تعلیم حاصل کی ہوئی تھی جبکہ ظفر نے دو تین کوششوں کے بعد ایف اے کیا تھا۔ ایف اے کے فوراً بعد اسے ایک دوست کے توسط سے سینما میں وہ نوکری مل گئی۔ ماں باپ اپنے بیٹے کے "افسر" بننے پر پھولے نہ سمائے۔

بیٹے کے "افسر" بنتے ہی اس ماں کی ایک امیر بہو گھر لانے کی خواہش کرنے لگی۔ ایسی بہو جو اس کے تین کمروں کے ایک چھوٹے سے غربت زدہ گھر کو اپنے جہیز کی جادو کی چھڑی سے کسی ونڈر لینڈ میں تبدیل کر دیتی۔

ایک لمبی چوڑی جدوجہد کے بعد اسے احساس ہوا کہ ایک سینما کے بکنگ کلرک کے جس عہدے کو وہ لاٹری کا جیک پاٹ ہٹ کرنے والا ٹکٹ سمجھی تھی، وہ دنیا میں چلنے والا ایک معمولی سکہ تھا۔ ظفر کی ماں نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری، اس نے رشتے کروانے والی کے توسط سے ہر اس گھر کی خاک چھان ماری جہاں اس کے خیال میں "بے وقوف" بستے تھے۔ ناکامی ایک بار پھر اس کا مقدر رہی۔

اس کے بیٹے کی "اعلیٰ تعلیم اور شاندار عہدہ" بھی کسی اچھے خاندان کو اگر اس کی طرف راغب نہیں کر سکا تو اس کی بنیادی وجہ ظفر کی وہ عادات تھیں جن کی وجہ سے وہ جانا جاتا تھا۔ وہ پان اور سگریٹ کا شوقین تھا۔ جس جگہ سے منسلک تھا وہاں ناچ گانے سے لطف اندوز ہونے کے بھی خاصے مواقع دستیاب رہتے۔ ٹکٹوں کو بلیک کر کے وہ تنخواہ کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ کماتا رہتا اور ہاں گالیاں دینے میں بھی وہ کمال کی مہارت رکھتا تھا۔ یہ فن اس نے ماں باپ سے ورثے میں لیا تھا اور یہ وہ "ورثہ" ہے جو لوئر مڈل کلاس کا ہر گھرانہ اپنی آنے والی نسلوں تک کسی رد و بدل کے بغیر بڑی حفاظت اور ایمانداری سے پہنچاتا رہتا ہے۔ گالی اس ڈپریشن، ٹینشن اور فرسٹریشن کی "ڈی کوڈنگ" ہے جو غربت، بھوک، بیماری اور جہالت لوئر مڈل کلاس کے لیے پیدا کرتے رہتے ہیں۔

ظفر بھی اس سارے اثاثے کے ساتھ پروان چڑھا تھا اور اس کی اس "شہرت" نے حفیظ بانو کے اپنے سے اوپر کے خاندان تک پہنچنے کے سارے منصوبوں کو راکھ کر دیا۔ پھر ظفر اور اس کے باپ کی فرمائش پر صاعقہ پر اس کی نظر ٹھہر گئی۔ صاعقہ اپنی بہنوں کی طرح بہت خوبصورت تھی۔ لوئر مڈل کلاس کی عورت کے لیے خوبصورتی وہ کند چھری ثابت ہوتی ہے جس سے اسے بار بار ذبح کیا جاتا ہے۔ صاعقہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ ماں باپ اور بہنوں نے اس کے مقدر پر رشک کیا۔ ظفر کی شہرت اور اس کے گھر والوں کے طور طریقوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک پڑھا لکھا نوکری پیشہ آدمی۔ ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں ایسا شخص کوئلے کی کان سے نکلنے والا ہیرا سمجھا جاتا تھا۔ صاعقہ نے ظفر کو بھی یہی سمجھا تھا۔

"پان کھاتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں، میں چھڑوا دوں گی۔"

"سگریٹ پیتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے سمجھا دوں گی۔"

"طوائفوں کے ہاں جاتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں، شادی ہوگی تو ٹھیک ہو جائے گا۔"

"جھگڑالو ہے۔"

"کوئی بات نہیں میں برداشت کر لوں گی۔"

"گالی دیتا ہے۔"

"ذمہ داری پڑے گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔"

"معمولی شکل و صورت کا ہے۔"

"کوئی بات نہیں بھلا مرد کی شکل کب دیکھی جاتی ہے۔"

"گھر والے لڑاکا ہیں۔"

"کوئی بات نہیں، میں گزارا کر لوں گی۔"

"کوئی بات نہیں۔" لوئر مڈل کلاس کی عورت کا وہ ورد اور وظیفہ ہوتا ہے جسے وہ بچپن سے ہی سیکھ لیتی ہے اور پھر ساری عمر یہی ورد اسے ہر مصیبت کی گرفت میں رکھتا ہے۔

صاعقہ بھی اپنی بہنوں کی طرح جہیز میں یہی ورد لے کر گئی تھی۔ اس ورد کے بجائے وہ اگر جہیز لے جاتی تو حفیظ بانو اور ظفر کے گھر میں اس کی زیادہ قدر ہوتی۔

شادی کا شروع کا کچھ عرصہ بہت اچھا گزرا۔ ظفر نے اس کے حسن میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے پھر آہستہ آہستہ وہ آسمان سے زمین پر اتر آیا۔ آخر بیوی سے کوئی کتنی دیر تک محبت کا اظہار کر سکتا ہے، وہ کوئی محبوبہ تو نہیں ہوتی جو کبھی بھی چھوڑ کر چلی جائے گی۔ ظفر کو یہ سب کچھ بہت جلد یاد آ گیا تھا اور "یادداشت" واپس آتے ہی اس کی تمام پرانی عادتیں بھی لوٹ آئیں۔ پان، سگریٹ، کبھی کبھار شراب اور طوائف کا کوٹھا۔ ہاں زندگی تو دراصل یہ تھی۔

اس کی یادداشت کے واپس آتے ہی حفیظ بانو کی یادداشت بھی واپس آ گئی۔ انہیں یاد آنا شروع ہو گیا کہ وہ جہیز کے نام پر چند تنکے لائی ہے جن سے گھر تعمیر کرنا تو در کنار چولہا جلانا تک ممکن نہیں۔ انہیں وہ تمام بڑے بڑے لوگ اور خاندان یاد آنے لگے جو ان کے "ہونہار" سپوت کے لیے کئی سال ان کے آگے پیچھے پھرتے رہے۔ اپنی کروڑوں اور اربوں کی جائیدادیں اور اپنی پری زاد بیٹیاں جھولی میں لیے ہوئے۔ مگر حفیظ بانو خدا ترس عورت تھیں (حالانکہ ایسے لوگوں پر خدا بہت کم ترس کھاتا ہے) رشتہ داروں کا خیال رکھنے والی چنانچہ انہوں نے اپنی عاقبت کا خیال کرتے ہوئے اپنے بیٹے کے لیے اپنے دیور کی بیٹیوں کی قطار میں سے ایک کے گلے میں بر مالا ڈال دی۔

شروع میں صاعقہ واقعی اپنی تائی کی بہت مشکور رہی۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس احسان سے تنگ آنے لگی جو زبردستی اس پر کیا گیا تھا۔

شادی کے پہلے سال بیٹی کی پیدائش نے گھر بھر میں مایوسی کی لہر دوڑا دی۔ صاعقہ کی اپنی مایوسی بھی کم نہیں تھی۔ حفیظ بانو کی زبان کا زہر وقت کے ساتھ ساتھ بڑھنے لگا۔ ان کی چھوٹی دونوں بیٹیوں کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی تھی اور انہیں خوف ہو رہا تھا کہ اولاد اور بیوی ظفر کے دل کو ماں اور بہنوں کے لیے تنگ کر دیں گے۔

شاید ہر ماں بیٹے کی بیوی اور اولاد کے لیے ایسا ہی سوچتی ہے۔ بیٹا مشرق کی عورت کا وہ اثاثہ ہوتا ہے جس میں وہ جسمانی، جذباتی، نفسیاتی، معاشی ہر طرح کی سرمایہ کاری کرتی رہتی ہے اور جوان ہونے تک اس بیٹے کے وجود میں ہونے والی یہ سرمایہ کاری اتنی زیادہ ہو چکی ہوتی ہے کہ اس سے الگ ہونا یا اسے کسی دوسری عورت کو سونپ دینا ماں کے لیے ممکن ہی نہیں ہوتا۔ خاص طور پر لوئر مڈل کلاس کی عورت کے لیے جو ہر بار شوہر سے پٹنے کے بعد اپنے بیٹے کو تصوراتی آنکھوں سے اس مارنے والے ہاتھ کو روکتے ہوئے دیکھتی ہے۔

ہر بار شوہر کے گھر کا خرچ دینے سے انکار پر بیٹے کو اپنے لیے مستقبل میں نوٹوں کے درخت اگاتے دیکھتی ہے۔

ہر بار گالیاں کھانے اور بے عزت ہونے کے بعد بیٹے کو اپنے تصور میں ماں کے قدموں میں بیٹھا اس کے قصیدے گاتا

دیکھتی ہے۔ اور یہ خواب اس دن ٹوٹتا ہے جب وہ بیٹے کے لیے ایک دوسری عورت لاتی ہے اور بیٹے کو وہ سب کچھ اس کے لیے کرتا دیکھتی ہے۔ حفیظہ بانو بھی ایسی ہی عورت تھی۔

دوسری بیٹی کی پیدائش پر صاعقہ کا رتبہ کچھ اور کم ہو گیا۔ ایک بیٹی، دوسری دو بیٹیاں، پوری دو بیٹیاں۔ اس سے بڑی قیامت کسی لوئر مڈل کلاس کے گھرانے کے لیے کیا ہو سکتی تھی۔

ظفر اب صاعقہ پر ہاتھ اٹھانے لگا تھا۔ وہ اسے ہر بات پر پیٹتا اور ہر بار ناراض ہونے پر اسے ایک ایک روپے کے لیے ترسا دیتا۔ مرد کا سب سے بڑا ہتھیار "عورت کو بھوک اور ذلت دو۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" وہ جس کمپنی میں بیٹھتا تھا، وہاں بیویوں کو قابو میں رکھنے کے ایسے ہی فارمولے ایجاد کیے جاتے تھے۔

وہ اپنے سینما میں لگنے والی ہر فلم دیکھتا۔ کئی بار ان فلمز کی ہیروئینز بھی اپنی فلمز کا پہلا شو دیکھنے وہاں آ گئیں۔ تب منیجر اور سینما کے دوسرے عملے کے ساتھ اسے بھی ان ہیروئینز سے ملنے کا، انہیں قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوتا۔ وہ ان کے سامنے عاجزی سے تقریباً رکوع کی حالت میں ان کی تعریف کرتا۔ ان کی خوبصورتی کی، ان کے رقص کی، ان کی اداکاری کی، فلم میں ان ہیروئینز پر عکس بند ہونے والے ایسے سینز کی تعریفیں کرتا جس میں ہیروئن پر ماں بیوی یا بہن کے روپ میں ظلم ڈھایا جاتا......

اور ایسی ہر ملاقات کے بعد وہ گھر پہنچتے ہی صاعقہ کو بہت پیٹتا، اسے اس وقت صاعقہ اور اپنی دونوں بیٹیوں سے زیادہ مکروہ اور قابل نفرت اور کوئی نہیں لگتا تھا صرف حلال کھانے والے شخص کو حرام سے گھن نہیں آتی۔ حرام کھانے والے شخص کو بھی حلال سے اسی طرح گھن آتی ہے۔ بعض لوگ حرام کھاتے اور پیتے ہیں اور بعض لوگ حرام زندگی جیتے ہیں۔ انہیں ہر حلال چیز سے گھن آتی ہے۔ چاہے وہ بیوی اور اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے مقدر میں صرف حرام لکھا ہوتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے گدھ ہمیشہ مردار ہی کھاتے ہیں۔ شکار کر کے کھانا ان کے مقدر میں نہیں ہوتا۔

صاعقہ کو حیرت ہوتی اگر خوبصورتی عورت کو مرد کے دل پر راج کرواتی تھی تو وہ ہزاروں نہیں لاکھوں عورتوں میں خوبصورت تھی اگر عورت کا سلیقہ اسے گھر کی ملکہ بناتا ہے تو اس سے بڑھ کر سگھڑ اور کوئی نہیں تھا۔ پھر بھی وہ نہ اپنے شوہر کے دل پر راج کر پائی تھی نہ اپنے گھر پر اور اسے اس کی بنیادی وجہ وہی دونوں بیٹیاں نظر آئی تھیں جو شادی کے ابتدائی کچھ سالوں میں ہی اس کی گود میں آ گئی تھیں۔

بیٹی سے نفرت لوئر مڈل کلاس عورت کے سیلز میں جینز کی طرح چلتی ہے، جو نسل در نسل کسی تبدیلی کے بغیر آگے بڑھتی رہتی ہے۔ اسے بیٹی کے مقدر سے خوف نہیں آتا۔ اس مرد سے خوف آتا ہے جو اس کے مقدر میں لکھا ہوتا ہے۔ صاعقہ کو بھی یہی نفرت ورثے میں ملی تھی۔

تیسری اور چوتھی بیٹی کے بعد دیگرے فوت ہو گئی تھیں، شادی سے پہلے کسی بھی عمر میں لڑکی کی موت ہمارے معاشرے میں آسودگی کی علامت کے طور پر آتی ہے۔ لوئر مڈل کلاس والے ایسی اموات کا خاص طور پر انتظار کرتے ہیں۔ صاعقہ نے بھی یہی کیا تھا۔

"اگر بیٹی پیدا ہو تو وہ زندہ نہ رہے، مر جائے۔" وہ ہر بار اولاد کی پیدائش سے پہلے یہی دعا کرتی تھی، اس کی دعائیں ذرا تاخیر سے رنگ لانا شروع ہوئیں مگر رنگ ضرور لائیں۔ آخر اولاد کے حق میں ماں کی بددعا قبول نہیں ہوتی۔ مگر دعا تو ضرور قبول ہوتی ہے اور صاعقہ نے ان کے لیے بددعا نہیں دعا کی تھی۔

پانچویں بیٹی طلعت ایک بار پھر اس دعا سے بچ گئی اور اس کی پیدائش پر صاعقہ کو ایک طلاق دے کر گھر بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد وہی ہوا جو ہوتا ہے۔ صاعقہ کے ماں باپ نے خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ مل کر ظفر اور اس کے گھر والوں کے سامنے ہاتھ جوڑے منتیں کیں۔ اپنی بیٹی کے اس پیدائشی گناہ کے لیے بار بار معافیاں مانگیں۔ "اگلی بار بیٹا ہو گا۔" جیسے عہد کیے۔ حفیظہ بانو اس سب کے باوجود اسے پھر بھی واپس لانے پر تیار نہیں تھیں مگر ظفر کا باپ اپنے بھائی کی محبت میں مجبور ہو گیا۔ وہ حفیظہ اور ظفر کے ساتھ لمبی چوڑی بحث کے بعد صاعقہ کو اس کی بچیوں سمیت گھر لے آیا تھا۔

"اگلی بار بیٹی ہوئی تو میں اسے یہاں رہنے نہیں دوں گی چاہے تم ہاتھ جوڑو یا پاؤں پڑو۔" حفیظہ بانو نے واضح انداز میں اپنے شوہر کو بتایا۔ "میں اپنے بیٹے کی دوسری شادی کرواؤں گی...... ماشاء اللہ وہ کون سا بوڑھا ہو گیا ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی اسے مل جائے گی۔" حفیظہ بانو نے ظفر کو کچھ اور سبز باغ دکھائے۔ ایسے موقع پر وہ جھوٹی حدیثیں سنانے سے بھی نہ چوکتیں۔ "اللہ رسول ﷺ کا حکم ہے کہ بیٹیاں پیدا کرنے والی عورت کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہ منحوس ہوتی ہے۔ اس لیے تو چار شادیوں کا حکم دیا گیا ہے۔" حفیظہ بانو نے اسلام کے بارے میں اپنی "مفصل" معلومات کا استعمال کیا۔

وہ اکثر ایسا ہی کیا کرتی تھیں اگرچہ وہ خود ان پڑھ تھیں اور انہوں نے قرآن پاک ترجمے سے نہیں پڑھا تھا۔ وہ نماز کی بھی کوئی ایسی شوقین اور پابند نہ تھیں مگر انہیں ہر اہم معاملے میں خدا اور رسول ﷺ ضرور یاد آ جاتے تھے پھر وہ اپنی مرضی کے سنے قرآنی احکامات کو اپنی مرضی کا مفہوم پہنا کر دوسروں کے منہ بند کر دیتیں۔

ایسا کرنے میں وہ اکیلی نہیں تھیں۔ ہم سب یہی کرتے ہیں، اپنی جیبوں میں اپنی مرضی کا اسلام لیے پھرتے ہیں۔ اپنی مرضی کی احادیث اور آیات رٹے ہوتے ہیں۔ مرد کا اسلام چار شادیوں، اپنی برتری اور عورتوں کے پردہ سے آگے نہیں بڑھتا۔ عورت کا اسلام حق مہر اور مردوں پر عائد ذمہ داریوں سے آگے نہیں بڑھتا۔ حفیظہ اور ظفر بھی اپنی جیبوں میں ایسا ہی اسلام لیے پھر رہے تھے۔

اور اب چوتھی بیٹی...... صاعقہ اور اس کے گھر والوں کی ہر دعا کے باوجود ایک قیامت کی طرح نازل ہو گئی تھی بس فرق یہ تھا کہ یہ قیامت انسان کی خود ساختہ قیامت تھی اور بعض دفعہ ایسی قیامتیں کھڑی کرنے والے لوگوں کے پورے وجود کو اللہ حشر کا میدان بنا دیتا ہے جس پر چٹیل میدان اور کھردری خشک زمین ہوتی ہے۔

☆☆☆

فون رکھتے ہی شائستہ نے اپنی امی کو روتے دیکھا۔ وہ ایک نظر بھی شائستہ کی طرف دیکھے بغیر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ ہارون کی امی کے لفظ انہیں نیزے کی انی کی طرح چبھ رہے تھے۔ سارا الزام ان کی تربیت کو دیا گیا تھا، ان کا جی چاہا وہ اس وقت شائستہ کا گلا دبا دیں۔

شائستہ کچھ دیر وہیں خائف سی کھڑی رہی مگر پھر تشویش اور بے بسی کے عالم میں وہ امی کے کمرے میں گئی۔ وہ اسے دیکھتے ہی بھڑک اٹھیں۔

"تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" میں تمہاری شکل تک دیکھنا نہیں چاہتی۔"

"امی! مگر ہوا کیا ہے؟" وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"ہوا کیا ہے؟ تم پوچھ رہی ہو، ہوا کیا ہے، ساری عمر جو عورت میرے سامنے نظریں اونچی کر کے بات نہیں کر سکی۔ آج وہ مجھے اولاد کی تربیت کے طعنے دے رہی تھی۔ بیٹیوں کے اچھے کردار کی بات کر رہی تھی اور یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" وہ غراتے ہوئے بولیں۔

"میں نے آپ کو منع کیا تھا فون کرنے سے۔ مگر آپ نے پھر بھی فون کیا اور آپ نے بھی تو کوئی کسر نہیں رکھی۔ انہیں بہت برا بھلا کہا" امی صدمے کے عالم میں اسے دیکھتی رہیں۔

"تمہیں ماں کی بے عزتی کا کوئی افسوس نہیں ہے، تمہیں ان لوگوں کو برا بھلا کہنے کا دکھ ہے۔"

"امی! آپ جس طرح کی باتیں کہہ رہی تھیں۔ انہوں نے آگے سے کچھ تو کہنا ہی تھا۔"

"ہارون کی ماں نے کہا ہے کہ جو لڑکی میرے بیٹے سے ملنے کالج سے چلی جاتی ہے، وہ پتا نہیں اور کتنوں کے ساتھ جاتی ہو گی۔" شائستہ بالکل چپ سی ہو گئی۔

"اب اگر تم میں اپنی عزت کا ذرا بھی پاس ہو تو تم دوبارہ اس لڑکے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو۔" امی نے اسے شرم دلانے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے، میں اس سے نہیں ملوں گی۔ مگر شادی مجھے پھر بھی اسی کے ساتھ کرنی ہے۔" وہ ان کے لفظوں سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔ امی بے اختیار اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"میرے ہاں اس طرح کی اولاد کیوں پیدا ہوگئی؟" وہ بڑبڑائیں۔ شائستہ کو ان کی بات بری لگی۔

"ٹھیک ہے اگر میں آپ کو اتنی ہی بری لگتی ہوں تو آپ مجھے ہارون سے بیاہ دیں پھر چاہے ساری عمر میری شکل نہ دیکھیں۔" وہ تیز لہجے میں کہہ کر امی کے کمرے سے نکل آئی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ صبح کالج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی جب امی اس کے کمرے میں آئیں۔ "کہاں جا رہی ہو؟" وہ بال بناتے ہوئے ان کے سوال پر حیران ہوئی۔

"کالج..... آپ تو جانتی ہیں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں کہیں بھی جانے کی۔ ہمارا جتنا نام روشن کر چکی ہو، وہ کافی ہے۔ اب گھر پر بیٹھو۔" امی نے خاصے ترش لہجے میں کہا۔

"میں نے آپ سے کہا ہے، میں ہارون سے نہیں ملوں گی۔ کیا یہ کافی نہیں ہے۔" شائستہ نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا۔

"تم جتنی دھول جھونک چکی ہو اس کے بعد تم پر اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ تمہیں تعلیم حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آرام سے گھر پر بیٹھو۔ میں بہت جلد تمہاری شادی کی تاریخ طے کرنے والی ہوں۔"

"امی! اگر آپ نے مجھے کالج جانے سے روکا یا مجھ پر کوئی پابندی لگائی تو میں گھر سے بھاگ جاؤں گی پھر آپ پچھتائیں گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ مجھے کالج جانے سے نہ روکیں۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو میں ہارون کے علاوہ کسی دوسرے سے شادی نہیں کروں گی۔ آپ زبردستی کریں گے تو میں نکاح کے وقت انکار کر دوں گی پھر آپ کیا کرلیں گی۔ بہتر ہے کہ میں جو کہہ رہی ہوں، اس پر غور کریں۔ بابا کو بتا دیں۔ اگر آپ نہیں بتا سکتیں تو ٹھیک ہے، میں خود بتا دوں گی۔"

وہ پہلی بار ان کے سامنے کھلے عام بغاوت کر رہی تھی، شاید وہ خود بھی اس آنکھ مچولی سے تنگ آچکی تھیں اس کی امی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔ وہ فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہیں، شاید انہیں خواب میں بھی اس سے یہ سب کچھ سننے کی توقع نہیں تھی۔ شائستہ ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی۔

☆☆☆

"آپ کی امی نے میری امی کی بہت بے عزتی کی ہے۔" وہ کالج جانے کے بجائے ایک بار پھر ہارون کے گھر موجود تھی۔

اس کے وہاں آنے کے تھوڑی دیر بعد ہارون بھی طے شدہ پروگرام کے مطابق وہاں آ گیا۔ شائستہ کو پہلی بار اس نے ناراض دیکھا تھا اور وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ پرسکون انداز میں اس کی باتیں سنتا رہا۔

"میری ممی نے تمہاری امی کی کوئی بے عزتی نہیں کی۔ انہوں نے جو بات کی تھی میرے سامنے کی تھی اور مجھے اس میں کچھ بھی قابل اعتراض نہیں لگا۔" ہارون نے بڑی بے نیازی سے کہا۔ شائستہ کو ایک جھٹکا لگا۔

"کچھ بھی قابل اعتراض نہیں لگا؟ آپ کی امی نے میرے بارے میں فضول اور بے ہودہ باتیں کیں، آپ کو وہ بھی بری نہیں لگیں؟"

"کون سی فضول اور بے ہودہ باتیں؟"

"انہوں نے یہ کہا کہ میں آپ سے ملتی ہوں تو پتا نہیں اور کتنے لوگوں سے ملتی ہوں گی۔"

"ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔" ہارون مسکرایا۔

شائستہ کو بے اختیار غصہ آیا۔ "مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ان کا واقعی ایسا مطلب تھا یا نہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ انہوں نے میرے بارے میں ایسی بے ہودہ بات کیوں کی اور آپ نے انہیں روکا کیوں نہیں؟"

"تمہاری امی نے بھی میرے بارے میں بہت سی بے ہودہ باتیں کی تھیں۔ تم نے انہیں کیوں نہیں روکا؟" شائستہ ٹھنڈی پڑ گئی۔

"میری ممی کی باتیں جتنی بری تمہیں لگی ہیں اتنی ہی بری تمہاری امی کی باتیں مجھے لگی تھیں۔ حساب برابر ہوا۔ اس لیے یہ سب کچھ بھول جاؤ۔" ہارون نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ شائستہ نے ایک لمبا سانس لیا۔

"ٹھیک ہے، میں سب کچھ بھول جاتی ہوں مگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ اپنے گھر والوں کو میرے گھر کب لائیں گے؟"

"میں کئی بار بتا چکا ہوں۔"

"میں اب کی بات کر رہی ہوں۔"

"اب میں انہیں نہیں بھیجوں گا۔"

"کیوں؟" وہ تقریباً چلائی۔

"کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تمہارے گھر والے میرے رشتے کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں۔"

"میں نے اپنی امی سے صاف کہہ دیا ہے کہ میں آپ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی اور میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ میری بات بابا تک پہنچا دیں۔" شائستہ نے اسے بتایا۔

"ویری گڈ..... کیا کہا انہوں نے؟"

"فی الحال تو کچھ نہیں کہا۔ مگر ایک دو دن تک کچھ نہ کچھ کہہ دیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ مان ہی جائیں۔ آپ اپنے پیرنٹس کو ایک بار پھر ہمارے ہاں بھیجیں۔"

"یہ میں نہیں کروں گا۔ پہلے تم اپنے ماں باپ سے صاف صاف بات کرو، اس کے بعد اس بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔"

"مگر....." ہارون نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس اگر مگر کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں اپنے ماں باپ کو نہیں بھیجوں گا۔ پہلے تمہارے ماں باپ اس جگہ تمہاری منگنی ختم کریں اس کے بعد آگے کچھ بھی طے کیا جائے۔" ہارون نے حتمی لہجے میں کہا۔ وہ اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

"تمہارے بابا بلا رہے ہیں تمہیں۔" اس رات امی نے اس کے کمرے میں آ کر اس سے کہا۔ چند لمحوں کے لیے شائستہ کا حلق خشک ہو گیا۔

"میں آتی ہوں۔" اس نے اپنے اندر کے خوف کو چھپاتے ہوئے بظاہر نارمل انداز میں ماں سے کہا۔ امی چلی گئیں۔

جس وقت شائستہ اپنے باپ کے کمرے میں داخل ہوئی، اس وقت وہ بے چینی سے کمرے کے چکر کاٹنے میں مصروف تھے۔ شائستہ کی امی ایک کونے میں پڑے ہوئے صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ شائستہ کو دیکھ کر اکبر کے پاؤں تھم گئے۔

"بیٹھو۔" انہوں نے خاصے درشت لہجے میں کہا اور خود بیڈ پر بیٹھ گئے۔ شائستہ دھڑکتے دل کے ساتھ صوفہ پر بیٹھ گئی۔

"تم نے اپنی امی سے کیا کہا ہے؟" انہوں نے کسی تمہید کے بغیر موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"امی نے آپ کو بتا دیا ہوگا۔"

"ہاں، انہوں نے مجھے بتا دیا ہے مگر میں تم سے سننا چاہتا ہوں۔" وہ کچھ دیر خاموشی سے لفظوں کا انتخاب کرتی رہی۔

"بابا! میں وہاں شادی کرنا نہیں چاہتی جہاں آپ نے میری نسبت طے کی ہے۔"

"کیوں؟"

"مجھے وہ لڑکا پسند نہیں ہے۔"

"تم نے پہلے اس کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں کیا؟"

"میں نے امی کو بتا دیا تھا مگر امی نے زبردستی میری منگنی طے کر دی۔"

"کیا برائی ہے اس لڑکے میں؟" وہ خاموش رہی۔

پڑھا لکھا نہیں؟"

وہ کچھ نہیں بولی۔

"اچھی شکل و صورت کا نہیں؟"

"اچھے خاندان کا نہیں؟"

"دولت مند نہیں؟ برائی کیا ہے اس میں؟"

"کوئی برائی نہیں ہے، بس میں اس سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔" اس نے سر جھکائے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر کس سے شادی کرنا چاہتی ہو؟"

"ہارون سے۔" اکبر یک دم مشتعل ہو گئے۔

"اس ذلیل اور گھٹیا شخص سے جس کو تہذیب چھو کر نہیں گزری۔"

"بابا! جو بھی ہے، وہ مجھے پسند ہے۔"

"انگوٹھی والی گھٹیا حرکت کے بعد بھی۔"

"بابا! اس نے کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی تھی، اس نے مجھے صرف انگوٹھی پہنائی تھی اور وہ بھی اس لیے کیونکہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔"

اکبر اسے دیکھتے رہ گئے۔ یہ ان کی وہ بیٹی تھی جس کے منہ میں زبان ہی نہیں ہوتی تھی اور آج وہ......

"وہ اچھا لڑکا نہیں ہے۔" انہوں نے اپنا غصہ دباتے ہوئے آواز ہلکی کی۔

"کیوں اچھا نہیں ہے۔ اس میں کیا کمی ہے؟ وہ پڑھا لکھا ہے، خوبصورت ہے، اچھے خاندان کا ہے، دولت مند ہے۔"

"اچھا خاندان؟...... اس کا خاندان اچھا ہے؟ اس کا باپ فارماسیوٹیکلز کا کام کرتا ہے۔ دو نمبر کا مال بازار میں بھجوا کر نوٹ کما رہا ہے۔" اکبر نے تلخی سے کہا۔

"بابا! وہ ہیں تو ہمارے ہی خاندان کا حصہ۔"

"وہ ہمارے خاندان کا حصہ نہیں ہے۔ غلط کام کرنے والا اور حرام رزق کمانے والا میرے خاندان کا حصہ نہیں ہو سکتا۔" اکبر نے حتمی لہجے میں کہا۔

"آپ باپ کی سزا بیٹے کو کیوں دے رہے ہیں۔ ہارون مختلف ہے۔"

"سانپ کا بیٹا سنپولیا ہوتا ہے۔ ہارون نے آ کر اسی کاروبار کو سنبھالا ہے۔ وہ بھی باپ جیسے حربے استعمال کر رہا ہے۔"

"بابا! مجھے ان کے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، مجھے تو اس سے شادی کرنی ہے، اس کے بزنس سے نہیں۔"

"ان کے گھر کا ماحول دیکھا ہے تم نے؟...... کس طرح کے مرد اور عورتیں وہاں آتے ہیں۔ اس کی بہنوں کو دیکھا ہے۔ کس طرح کے لباس پہنے پھرتی ہیں وہ۔" اکبر یک دم چلائے۔ "میں تمہیں خود دوزخ میں بھیج دوں؟"

شائستہ یک دم رونے لگی۔ "بابا! آپ مجھ پر اپنی مرضی کیوں مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ میری زندگی کے فیصلے آپ کیوں کرنا چاہتے ہیں جو حق مجھے دین دیتا ہے، وہ آپ کیوں نہیں دے رہے مجھے؟"

"میں تمہیں کون سا حق نہیں دے رہا۔"

"مرضی سے شادی کا...... کوئی دس بارہ شادیاں تو نہیں کرنی ہوتیں زندگی میں ایک شادی کرنی ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنی مرضی سے نہ کریں کسی بھی ایسے شخص کے ساتھ پوری زندگی گزار دیں جو پسند ہی نہیں ہے۔" وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "آپ تو بڑے دین دار بنتے ہیں ہر وقت نمازیں پڑھتے ہیں۔ دین کی باتیں کرتے رہتے ہیں جب بیٹی اپنی مرضی سے شادی کا حق مانگ رہی ہے تو آپ وہ دینے پر تیار نہیں ہیں۔ اولاد کی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ آپ اپنی مرضی سے کیوں کر دیتے ہیں۔ اتنی کم عقل تو نہیں ہوتی اولاد...... میں اگر اسے پسند کر رہی ہوں تو کچھ نہ کچھ تو اچھا ہوگا اس میں...... آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ ہر کوئی چیزوں کو آپ کی نظر سے دیکھے۔ میں آپ کے ذہن کو سمجھ نہیں پائی۔ کیا دین صرف باتیں کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ عمل کے لیے نہیں...... یہ قول و فعل کا تضاد نہیں کہ آپ بات دین کی کرتے ہیں مگر اولاد کو اپنی ذاتی پسند اور ناپسند پر چلانا چاہتے ہیں۔" وہ بنا رکے بولتی جا رہی تھی۔

"میں کیسے ایک ایسے شخص کی بیوی بن کر رہوں جسے میرا دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ اس کو دیکھ کر مجھے ہارون یاد آیا کرے گا تو گناہ کسے ہوگا مجھے یا آپ کو...... وہ اچھا ہے یا برا مجھے اس سے محبت ہے۔ حرام کماتا ہے یا حلال کماتا ہے، مجھے کسی بھی چیز پر اعتراض نہیں ہے۔ مگر میں آپ کی پسند کے مطابق شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے بات ختم کر دی کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔

"تمہیں منگنی سے پہلے مجھ سے یہ سب کچھ کہنا چاہیے تھا۔ اسی طرح جس طرح آج کہا۔"

"ان سے پوچھیں، میں نے ان سے کہا تھا۔ انہوں نے میری بات نہیں سنی۔" اس نے اپنی ماں کی طرف اشارا کرتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں تمہاری شادی ہارون سے کر دیتا ہوں مگر کل کو اگر وہ تمہیں تنگ کرے یا چھوڑ دے تو میرے گھر مت آنا۔ کبھی بھی اس کی کوئی شکایت لے کر میرے گھر مت آنا......" شائستہ کے آنسو تھم گئے۔

"ٹھیک ہے۔"

"ہارون سے کہو اپنے ماں باپ کو یہاں بھجوائے۔" شائستہ بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی۔ اسے توقع نہیں تھی وہ اتنی آسانی سے اس کی بات مان لیں گے مگر انہوں نے اس کی بات مان لی تھی۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے پاؤں زمین پر نہیں آسمان پر پڑ رہے تھے۔

☆☆☆

اس نے دوسرے دن ہارون کو فون پر یہ سب کچھ بتا دیا۔ وہ بڑی خاموشی سے اس کی ساری گفتگو سنتا رہا پھر اس نے کہا۔

"بہت اچھی بات ہے...... اچھا کیا تمہاری فیملی نے۔"

"پھر اب آپ کب اپنے گھر والوں کو بھجوا رہے ہیں؟" شائستہ نے مسرور ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس بار میرے گھر والے نہیں آئیں گے۔ تم اپنے گھر والوں سے کہو کہ وہ تمہارا رشتہ لے کر ہمارے گھر آئیں۔" وہ اس کی بات پر ہکا بکا رہ گئی۔

"مگر ہارون! یہ کیسے ممکن ہے۔ لڑکی والے تو رشتہ لے کر نہیں جاتے۔"

"یہاں لڑکی یا لڑکے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ دونوں فیملیز رشتے دار ہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا اگر اس بار تمہارے گھر والے ہمارے ہاں آ جائیں۔"

"مگر یہ مناسب نہیں ہے۔"

"کیوں مناسب نہیں ہے اگر میرے گھر والے اتنی بار تمہارے گھر ذلیل و خوار ہو کر آ سکتے ہیں تو پھر تمہارے گھر والے بھی میرے گھر آ سکتے ہیں۔"

"تم بدلہ لینا چاہتے ہو؟"

"کس چیز کا بدلہ؟...... میں نے ایسا کچھ سوچا ہے نہ ہی کہا ہے۔"

"تو پھر تم اپنے گھر والوں کو ہمارے ہاں کیوں نہیں بھجوا رہے۔" وہ یک دم چلائی۔

"چلانے کی ضرورت نہیں ہے شائستہ! میں نے جتنی بار اپنے گھر والوں کو تمہارے ہاں بھیجا ہے۔ تم جانتی ہو، اب ایک بار ان کو بھی تو ہمارے ہاں آنا چاہیے اور میرے ماں باپ کم از کم تمہارے ماں باپ کے ساتھ وہ سلوک نہیں کریں گے جو انہوں نے کیا تھا۔ وہ پرپوزل لے کر آئیں ہم پرپوزل قبول کر لیں گے۔"

"ہارون! میں نے اتنی مشکل سے اپنے گھر والوں کو رضامند کیا ہے اب اگر میں نے یہ بات ان سے کہی تو بابا دوبارہ ناراض ہو جائیں گے۔" شائستہ نے منت بھرے انداز میں کہا۔

"یہ تمہارا اور ان کا معاملہ ہے۔ یہ تم کو ہینڈل کرنا ہے۔" ہارون کا لہجہ بہت پرسکون تھا۔

"وہ میری شادی تم سے نہیں کریں گے۔"

"تو نہ کریں۔" وہ ہارون کی بات پر ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

"تمہیں میرے گھر والوں کی عزت کا کوئی خیال نہیں ہے؟" وہ روہانسی ہو گئی۔

"تمہارے گھر والے میرے گھر والوں سے زیادہ عزت والے نہیں ہیں۔" اس نے اس بار اکھڑ لہجے میں کہا۔

"اگر وہ بار بار تمہارے باپ کے سامنے بے عزت ہونے جا سکتے ہیں تو تمہارا باپ کیوں نہیں آ سکتا۔ ویسے بھی چھوٹا بھائی ہے وہ میرے باپ کا...... اب میں فون بند کرنے لگا ہوں۔ مجھے کہیں جانا ہے۔" دوسری طرف سے کال ختم کر دی گئی۔ شائستہ بے یقینی سے ریسیور کو ہاتھ میں لیے گھورتی رہی۔

☆☆☆

"صرف تیس پرسنٹ شیئرز!" شبانہ چلا اٹھی۔ "یہ بھیک لینے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"اس سے تو بہتر تھا، تنخواہ لے کر اس فیکٹری میں کام کر لیتے، کم از کم کوئی مخصوص ورکنگ آورز تو ہوتے اور فیکٹری کے نفع نقصان کی ذمہ داری بھی آپ پر نہ ہوتی۔"

"منصور تیار ہی نہیں تھا اس سے زیادہ دینے پر...... تو میں کیا کرتا۔ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہوتا ہے۔" مسعود نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"واہ واہ...... کیا بہتری ہے۔ چھوٹا بھائی ہو کر اس نے آپ کا لحاظ کیا ہے نہ ہی دوسرے رشتے کا۔"

"اب یہ رشتوں کی بات اس سے یا منیزہ سے مت کرنا، وہ تو مجھ سے بالکل اکھڑ ہی گیا تھا جب میں نے رشتوں کا حوالہ دیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ رشتوں کے درمیان کاروبار کو مت لائیں اور اگر لانا ہی چاہتے ہیں تو پھر بہتر ہے یہ رشتے ختم کر دیں۔"

شبانہ حیران رہ گئی۔

"اس نے اس طرح بات کی آپ سے؟"

"ہاں۔"

"اگر کاروبار کو رشتوں سے الگ ہی رکھنا ہوتا تو پھر منصور کی بیٹیاں لینے کی کیا ضرورت تھی ہمیں۔ خاندان میں اور لڑکیاں کم تھیں، کم از کم منصور سے زیادہ بامروت اور لحاظ والے لوگوں کے ہاں رشتہ ہوتا۔" شبانہ کا اشتعال اور بڑھ گیا۔

"اب یہ سب چھوڑو، آفس میں بھی سارا دن ٹینس رہا ہوں، اب تم یہاں بھی وہی سب کچھ دوبارہ کھول کر بیٹھ گئی ہو۔ میں تو خود خاصا مایوس ہوا ہوں مگر کیا کر سکتا ہوں۔ اس نے تو طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔" مسعود نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ٹائی کی ناٹ کھولی۔

"تو ٹھیک ہے پھر آپ بھی دفع کریں فیکٹری کو۔ ہم کہیں اور رشتے کر لیتے ہیں طلحہ اور اسامہ کے۔" مسعود یک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"تم ایک انتہائی بے صبر اور بے وقوف عورت ہو، جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں نکاح کیے اور انہیں ختم کرنے پر پورے خاندان کے بوتے کون کھائے گا تم یا میں...... اور تمہارا کیا خیال ہے، خاندان میں سے دوبارہ کوئی دے گا ہمارے بیٹوں کے لیے رشتے...... جہاں تک فیکٹری کا تعلق ہے تو تیس بھی بہت ہے، ابھی تو ابتدا ہے۔ روشان تو بہت چھوٹا ہے۔ جب طلحہ اور اسامہ فیکٹری کو جوائن کر لیں گے تو پھر ہم مجبور کریں گے منصور کو شیئرز بڑھانے پر۔ تب وہ اس طرح انکار نہیں کر سکے گا جس طرح اس نے اب کیا ہے۔" مسعود علی نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

شبانہ کو اطمینان ہوا یا نہ ہوا مگر وہ خاموش ضرور ہو گئی تھی۔ منصور علی کے خلاف اس کے دل میں پڑنے والی یہ پہلی گرہ تھی اور اس رنجش کو دل میں جگہ دینے والی وہ اکیلی نہیں تھی۔ مسعود علی بھی منصور کے خلاف کچھ ایسے ہی جذبات کا شکار ہو رہا تھا۔

☆☆☆

فاطمہ شبیر کو سلانے کے بعد خود سونے کی تیاری کر رہی تھی، جب اسے باہر گلی میں عجیب سے شور کی آواز سنائی دی۔ اس نے گھڑی پر نظر دوڑائی۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ اس وقت عام طور پر گلی میں مکمل خاموشی چھا جاتی تھی، بہت کم ہی کسی کے گزرنے کی آواز سنائی دیتی مگر آج رات کو اس وقت بھی گلی میں موجود گھروں کے دروازوں کے کھلنے اور عورتوں اور مردوں کے بلند آواز میں بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے اپنے مالک مکان اور اس کی بیوی کی آوازیں سنیں۔ وہ بھی دروازہ کھول کر گلی میں نکل گئے تھے۔ فاطمہ کو تجسس ہوا۔ وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ گلی کے کونے پر موجود کوڑے کے ایک بہت بڑے ڈرم کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ لوگ ڈرم کے گرد جیسے گھیرا ڈالے کھڑے تھے مگر کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ کچھ عورتیں افسوس کرتی ہوئی واپس آ رہی تھیں، ان میں مالک مکان کی بیوی بھی تھی۔

"کیا ہوا؟" فاطمہ نے اس سے پوچھا۔

"بس قرب قیامت کی علامت ہے اور کیا ہے......" ایک عورت نے مالک مکان کی بیوی کے بولنے سے پہلے ہی کہا۔

"وہاں کوڑے کے ڈرم میں کیسوں کے ایک تھیلے کے اندر دو نوزائیدہ بچے کوئی پھینک گیا ہے۔ ایک بچہ تو مر چکا ہے جبکہ دوسرے بچے کو چوہوں نے کتر دیا ہے مگر وہ ابھی رو رہا ہے چند سانس باقی ہیں اس کے۔" وہ دم بخود سب کچھ سنتی رہی۔

"تو اس کو ہاسپٹل لے جائیں۔" فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

"پولیس کو فون کیا ہے...... پولیس کے آنے سے پہلے کوئی پاس جانا نہیں چاہتا۔ مگر انہوں نے چوہوں کو ہٹا دیا ہے۔ ویسے بھی ایسے بچوں کو بچا کر کیا کرنا ہوتا ہے۔ جنہیں پیدا کرنے والے پھینک جاتے ہیں۔ انہیں دنیا کیسے اٹھائے۔ اچھا ہے وہ بچہ مر جائے۔ ذلت اور خواری کی زندگی سے بہتر ہے۔" ایک عورت نے کچھ افسردہ سے انداز میں کہا۔

فاطمہ وہاں نہیں رکی۔ وہ تیز قدموں سے کوڑے کے ڈھیر کی طرف بڑھ گئی۔ لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے وہ آگے بڑھ آئی۔ باقی لوگوں کی طرح ڈرم میں صرف جھانکنے کے بجائے اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ تھیلا نکال لیا۔ جس میں ہلکی ہلکی حرکت کے ساتھ بچہ رونے کی نحیف سی آواز آ رہی تھی۔

"ارے...... ارے یہ کیا کر رہی ہو بی بی! ہاتھ مت لگاؤ۔ پولیس کو آنے دو۔" اس کے پیچھے کھڑے محلے کے ایک آدمی نے کہا۔

"اور پولیس کے آنے تک یہ مر گیا تو......؟"

"اچھا ہے مر جائے۔ اس طرح کی غلاظت......" ایک بزرگ بڑبڑائے۔

وہ ان کی بات پر توجہ دیے بغیر گلی میں لگے ہوئے بلب کے نیچے اس تھیلے کو لے آئی۔ تمام لوگ اب اس کے گرد جمگھٹا بنانے لگے۔ فاطمہ نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ تھیلے کے اندر سے وہ نحیف سا وجود نکالا اور وہ جیسے دھک سے رہ گئی۔ اس بچے کا ایک پاؤں کندھا خون سے بری طرح لت پت تھا اور وہاں سے گوشت بھی نظر آ رہا تھا۔ بچے کے جسم پر کوئی کپڑے نہیں تھے،

صرف ایک کپڑے کے ٹکڑے سے اسے لپیٹا گیا تھا۔ فاطمہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

زمین پر آلتی پالتی مارتے ہوئے اس نے اس بچے کو گود میں ڈال لیا اور ہاتھ تھیلے کے اندر ڈال کر دوسرے بچے کو بھی باہر نکالا۔ اس بچے کو بھی اسی طرح کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹا گیا تھا۔ وہ چوہوں کی دسترس سے مکمل طور پر محفوظ تھا۔ اس کا جسم سرد اور نیلا تھا۔ دیکھنے میں یونہی لگ رہا تھا جیسے وہ مر چکا تھا۔ فاطمہ نے اس کے دل کی دھڑکن تلاش کرنے کی کوشش کی اور دل کی دھڑکن تلاش کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ بچہ بھی مردہ نہیں تھا، اس کا سانس بہت نامحسوس انداز میں چل رہا تھا۔ چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ اس کے دل کی دھڑکن کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

تھیلا پھینکتے ہوئے وہ ان دونوں بچوں کو بازوؤں میں پکڑتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''فاطمہ! کیا کر رہی ہو؟'' مالک مکان کی بیوی نے اس سے پوچھا۔

''میں ان دونوں کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہی ہوں۔ یہ دونوں ابھی زندہ ہیں۔'' اس نے قدم اپنے گھر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بی بی! تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ ابھی پولیس آنے والی ہے...... کہاں لے کر جاؤ گی اس وقت ان بچوں کو۔ دفع کرو انہیں۔'' ایک بوڑھے آدمی نے بلند آواز میں اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

''کیوں دفع کروں...... جو کوڑے پر پھینک کر گیا ہے، اس میں اور مجھ میں کیا فرق رہ جائے گا، وہ بھی مرنے کے لیے پھینک گیا ہے۔ میں بھی مرنے دوں۔ اپنی آنکھوں کے سامنے ایڑیاں رگڑتے ہوئے، حرام کے بچے سہی مگر انسان تو ہیں۔ آپ کے اور میرے جیسے انسان......'' وہ بولتے ہوئے اپنے گھر کی طرف بڑھتی گئی۔ کچھ عورتیں اس کے پیچھے آگئیں۔

فاطمہ نے الماری سے اپنا بیگ نکالا اور ایک موٹی سی شال میں ان دونوں کو لپیٹ لیا۔

''میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔'' مالک مکان کی بیوی نے اس سے کہا۔ مالک مکان کی بیوی نے اس کا بیگ پکڑ لیا۔

باہر گلی میں اب بھی لوگ کھڑے تھے مگر وہ اب خاموش تھے۔ اسے باہر نکلتے دیکھ کر ایک آدمی اور دو عورتیں اس کی طرف بڑھ آئیں۔

''ہم بھی چلتے ہیں۔'' فاطمہ نے احسان مندی سے انہیں دیکھا۔

فاطمہ نے زندگی میں اپنے وجود سے زیادہ کسی دوسری شے کو بے مصرف نہیں سمجھا تھا۔ مگر اس رات ان بچوں میں سے ایک کو گود میں لیے، گیلی آنکھوں کے ساتھ اس کے جسم پر چپکی ہوئی چیونٹیوں کو اتارتے ہوئے اس کے ذہن میں پہلی بار اپنے علاوہ کسی دوسرے کے لیے یہی سوال ابھر رہا تھا۔

آخر ان بچوں کی زندگی کا کیا مصرف تھا؟ کوڑے کے ایک ڈھیر پر، گندگی میں پڑے ہوئے یہ بچے کیسی زندگی لے کر آئے ہیں؟ چوہوں اور چیونٹیوں کا نشانہ بننے کے لیے؟

یہ زندگی آخر کیا چیز ہے؟ اتنی تکلیف دہ کیوں بن جاتی ہے یا بنا دی جاتی ہے؟ اور بنانے والا کیا اللہ ہوتا ہے؟...... کیا واقعی تکلیف اللہ ہی دیتا ہے؟ یا پھر وہ ہمیں زندگی کو تکلیف دہ بنانے یا نہ بنانے کے بارے میں اختیار دیتا ہے؟

ہاسپٹل جانے تک وہ سارا راستہ ان ہی سوچوں میں الجھتی رہی تھی۔

ہاسپٹل میں ایک لمبی دوڑ دھوپ کے بعد ان بچوں کو داخل کرلیا گیا تھا۔ دونوں بچوں کی حالت نازک تھی۔ ان جڑواں بچوں میں سے ایک لڑکا اور دوسری لڑکی تھی۔

جس بچے کے کندھے کو چوہوں نے اکثر کتر ڈالا تھا۔ وہ لڑکا تھا۔ جبکہ مردہ سمجھا جانے والا دوسرا بچہ ایک لڑکی تھی۔

ہاسپٹل کی انتظامیہ نے ان بچوں کو داخل کرنے سے پہلے فاطمہ اور اس کے ساتھ آنے والے لوگوں سے لمبی چوڑی بحث کی تھی۔ وہ دونوں کون تھے؟ کس کی اولاد تھے؟ کوڑے پر کیوں پھینک دیے گئے تھے؟ ان سوالوں پر اتنا زور نہیں دیا گیا تھا جتنا

اس سوال پر فاطمہ انہیں وہاں کیوں لائی تھی؟

پہلی بار ایمرجنسی یونٹ میں موجود نرس کے بیزاری سے پوچھے جانے والے اس سوال پر فاطمہ نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیوں؟..... ان کی زندگی بچانے کے لیے۔''

نرس کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر اس کی بیزاری میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔

''چلو جی، اب اس طرح کے بچوں کی بھی زندگی بچائی جائے گی پھر تو ہم بس ہاسپٹلز میں یہی کام کریں گے۔ کوڑے کے ڈھیر سے ایسے بچوں کو اٹھاتے اور ہاسپٹلز کے وارڈز ان سے بھرتے رہیں گے۔''

اس نرس کی آواز میں تمسخر، آنکھوں میں تحقیر اور چہرے پر بیزاری تھی۔ فاطمہ نے اپنے ساتھ آنے والے لوگوں کو دیکھا اور وہاں کھڑے ان کے چہروں پر نظر ڈالتے ہی اسے احساس ہوگیا کہ اس کے ساتھ آنے والا ہر شخص دردِ دل رکھنے والا ہے نہ خوفِ خدا۔ بعض صرف گلی کے کوڑے کے ڈھیر پر شروع ہونے والے اس ڈرامے کا اگلا ایکٹ دیکھنے آئے تھے یا پھر تماشے کا بقیہ حصہ۔

''زندگی میں ہمارے ساتھ چلنے والا ہر شخص اس لیے نہیں ہوتا کہ ہم ٹھوکر کھا کر گریں اور وہ ہمیں سنبھال لے ہاتھ تھام کر، گرنے سے پہلے یا بازو کھینچ کر گرنے کے بعد۔ بعض لوگ زندگی کے اس سفر میں ہمارے ساتھ صرف یہ دیکھنے کے لیے ہوتے ہیں کہ ہم کب کہاں اور کیسے گرتے ہیں۔ لگنے والی ٹھوکر ہمارے گھٹنوں کو زخمی کرتی ہے یا ہاتھوں کو خاک ہمارے چہرے کو گندا کرتی ہے یا کپڑوں کو۔''

چند ہفتے پہلے ربیعہ مراد کے منہ سے سنے جانے والے جملے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ اس نے ربیعہ مراد کی صورت میں پہلی قسم کے لوگوں کو دیکھ لیا تھا، وہ آج دوسری قسم کے لوگوں سے مل رہی تھی۔

اس نے ان لوگوں کے چہروں پر نظر دوڑائی۔ وہاں صرف ایک ہی سوال تحریر تھا۔ ''کیوں؟''

چند لمحوں کے لیے اسے خوش فہمی ہوئی کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور بولے گا۔ وہ سب خاموش تھے۔

''ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی میں ایک جنگ لڑتا ہے اور وہ جنگ ہر ایک کو خود ہی لڑنی پڑتی ہے۔ کوئی دوسرا آپ کے لیے لڑتا ہے نہ آپ کو کسی دوسرے سے یہ توقع ہونی چاہیے۔'' اسے ربیعہ مراد کے اگلے جملے یاد آنے لگے۔

''ٹھوکر لگنے پر گرنے کے بعد صرف ایک کام کرنا چاہیے، دوبارہ کھڑے ہو جانا چاہیے۔ ہر بار گرنے پر یہی کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں جہاں آپ پہنچنا چاہتے ہیں۔''

اسے اس وقت ربیعہ کی باتیں فلسفہ لگی تھیں...... مگر اب، اب...... اس نے نظر ان لوگوں سے ہٹالی۔

''ہاسپٹلز اگر انسانوں کے علاج کے لیے ہوتے ہیں تو یہ انسان ہیں۔ کوڑے کے ڈھیر سے اٹھائے جانے کی واحد وجہ بھی یہی تھی کہ یہ مجھے انسانوں جیسے لگے تھے۔ دو ہاتھوں، دو پیروں، دو آنکھوں والے...... اس لیے میں نے سوچا میں ان کی زندگی بچاؤں۔''

نرس نے اس کی بات پر یوں اسے دیکھا جیسے اسے فاطمہ کا ذہنی توازن صحیح ہونے پر شک ہو۔

اگلے ایک گھنٹے میں اس نے کتنے لوگوں کو اپنے اس عمل کی وضاحتیں دی تھیں، اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔ اسے بس یہ یاد تھا کہ ان دونوں بچوں کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرلیا گیا تھا۔

انکیوبیٹرز میں زندگی اور موت کی جنگ لڑتے ہوئے ان دونوں بچوں کو دیکھ کر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ان کے لیے کیا دعا کرے۔ وہ مر جائیں...... یہ کہے یا...... وہ بچ جائیں...... یہ چاہے۔

ہاسپٹل تک ان دونوں کو لے آنا چاہے ایک غیر اختیاری عمل تھا مگر اب وہاں بیٹھ کر ان دونوں کو دیکھنا یا ان کے لیے کوئی

دعا کرنا۔۔۔۔ کون سی دعا ان کے لیے واقعی دعا ثابت ہوگی؟ زندگی کی یا موت کی؟۔۔۔۔ وہ کشمکش میں گرفتار تھی۔

"اللہ ان کے لیے وہ فیصلہ کردے جو ان کے لیے بہتر ہو۔" وہ کشمکش سے نکل آئی۔

"ان دونوں بچوں کو افیم کی خاصی بڑی مقدار پلائی گئی ہے۔ اب پتا نہیں یہ افیم انہیں مارنے کے لیے دی گئی۔۔۔ یا پھر صرف بے ہوش کردینے کے لیے تاکہ ان کی موجودگی اور پھینکے جانے کے بارے میں کسی کو پتا نہ چلے۔ اب یہ تو ان چوہوں کے کترنے کی وجہ سے یہ بچہ رونے لگا۔ ورنہ اتنی مقدار نیند کے عالم میں ہی اس کی موت کا باعث بن جاتی۔ دونوں کو سردی میں اس طرح پڑے رہنے کی وجہ سے نمونیہ ہوگیا ہے۔ میں کوشش کررہا ہوں کہ وہ دونوں بچ جائیں مگر اس کا امکان نہیں ہے۔ لڑکے کا تو خون بھی کافی بہہ گیا ہے اور زخم خاصا گہرا ہے۔"

ڈاکٹر نے کئی گھنٹوں کے بعد اسے ان دونوں بچوں کے بارے میں تفصیلی رپورٹ دی تھی۔ فاطمہ چپ چاپ سنتی رہی، وہ جواباً کیا کہہ سکتی تھی۔

اس کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں میں سے کچھ واپس جاچکے تھے، باقی وہیں تھے۔ وہ ہاسپٹل کے وارڈ میں پڑے ہوئے ایک بینچ پر بیٹھی اپنے ساتھ موجود عورتوں کی بغیر کسی وقفے کے ہونے والی گفتگو سنتی رہی۔ امکانات اور خدشات، قیافہ شناسی اور قیاس آرائی، شک اور شبہ ان کی گفتگو میں ان سب کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

ڈرامے کا ایک ایکٹ ابھی باقی رہ گیا تھا۔ سب کو اس کے شروع ہونے کا انتظار تھا۔

☆☆☆

ہارون نے پچھلے کئی دنوں سے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ نہ اس سے ہونے والی آخری گفتگو کے بعد کالج آیا تھا، نہ تحریری طور پر اس نے شائستہ کو کوئی پیغام بھیجا تھا۔

اس کی طرف سے اس طرح چھا جانے والی خاموشی اس کے لیے پریشان کن تھی۔

کئی دن اس کا انتظار کرتے رہنے کے بعد، اس نے ایک دن کالج میں نیلوفر سے ہارون کے بارے میں پوچھا۔

"ہارون بھائی انگلینڈ گئے ہوئے ہیں۔" اس نے شائستہ کو اطلاع دی۔

اسے یقین نہیں آیا۔ "انگلینڈ؟"

"ہاں، انہوں نے آپ کو نہیں بتایا؟"

"نہیں۔" شائستہ کو اس کی اطلاع پر شاک لگا۔

"اچھا، حیرت ہے۔" نیلوفر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

شائستہ کی پریشانی میں یک دم اضافہ ہوگیا۔ "وہ واپس کب آئے گا؟"

"اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی۔" نیلوفر نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

"مگر آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟ وہ جلد ہی واپس آجائیں گے۔ فیکٹری کے کچھ کام کے سلسلے میں ہی باہر گئے ہیں۔" نیلوفر نے جیسے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ شائستہ کی پریشانی میں کمی نہیں آئی۔

"تم مجھے یہ معلوم کرکے بتادو کہ وہ کب تک واپس آئے گا۔" شائستہ نے اس سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں پاپا سے بات کرتی ہوں۔ کل آپ کو اس بارے میں بتادوں گی۔" نیلو نے اس سے کہا۔

دوسرے دن وہ دوبارہ نیلوفر سے ملی۔

"پاپا کہہ رہے ہیں، انہیں خود بھی صحیح پتا نہیں ہے کہ وہ کتنے دن تک انگلینڈ میں رہیں گے۔ ویسے وہ کہہ رہے تھے کہ ابھی ان کا قیام خاصا لمبا ہوگا۔" نیلو نے اسے اطلاع دی۔

شائستہ کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی "لمبا قیام؟ کتنا لمبا؟ کچھ تو اندازہ ہوگا۔"

نیلوفر نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، کوئی اندازہ نہیں ہے۔ مگر میرا خیال ہے، چند ہفتے تو لگ ہی جائیں گے انہیں واپس

آنے میں۔ کیا آپ کو ان سے کوئی ضروری بات کرنی تھی؟" اس نے شائستہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

شائستہ مکمل طور پر الجھی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"ہاں کرنی تھیں۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

نیلوفر اس کی بات سن نہیں سکی۔

☆☆☆

اگلے کئی دن اس کی نیند مکمل طور پر غائب رہی، نہ صرف نیند بلکہ بھوک پیاس بھی اور اس کے چہرے پر اس کی اس ابتر ذہنی کیفیت کے اثرات بہت جلد جھلکنے لگے تھے۔

گھر میں اس کے اس مطالبے اور اس کے مانے جانے کے بعد پہلے ہی سب سے اس کے تعلقات کشیدہ تھے، وہ سب سے بالکل کٹ کر رہ گئی تھی۔

صرف امی تھیں جنہوں نے دو تین مرتبہ اس سے ہارون کے گھر والوں کو بلانے کے لیے کہا تھا۔ وہ ہر بار ٹال مٹول کرتی رہی۔ پھر اس نے امی کو بتادیا کہ ہارون ابھی انگلینڈ میں ہے اور اس لیے اس کے گھر والے نہیں آسکتے۔

"کیوں نہیں آسکتے؟ انہیں یہاں آکر تمہارے بارے میں بات تو کرنی چاہیے۔" امی نے اعتراض کیا۔

"اب میں اس سلسلے میں کیا کرسکتی ہوں؟ وہ یہاں ہوتا تو اس سے کہہ سکتی تھی۔ وہ نہیں ہے تو میں کیا کروں۔ آپ کو زیادہ جلدی ہے تو آپ خود تایا ابو سے بات کرلیں۔" وہ چڑ کر بولی۔

"میں بات کروں؟ میں کیوں بات کروں۔ انہیں ہم سے رشتہ جوڑنے میں دلچسپی ہے، ہمیں ان کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پہلے تو چار دن سانس نہیں لیتے تھے اور منہ اٹھا کر آجاتے تھے۔ اب کہاں سو گئے ہیں۔" امی کو اور بھی غصہ آیا۔

شائستہ کی طے کردہ نسبت چند دن پہلے ہی ختم کردی گئی تھی اور وہ جانتی تھی کہ کچھ دن اور گزرنے پر پورے خاندان کو اس کا پتا چل جائے گا اور اس کے ساتھ ہی چہ میگوئیوں کا سلسلہ بھی شروع ہوجائے گا۔ وہ اس وقت کے آنے سے پہلے ہی شائستہ کو ہارون کے ساتھ رخصت کردینا چاہتی تھیں اور ایسا چاہنے میں وہ اکیلی نہیں تھیں۔ شائستہ کے والد بھی اب ایسا ہی چاہتے تھے۔ مگر اب ہارون کے گھر والوں کی طرف سے مکمل خاموشی تھی اور یہ خاموشی انہیں مشتعل کررہی تھی۔

"امی! مجھ سے فی الحال اس بارے میں بات نہ کریں، مجھے اپنا کام کرنے دیں۔"

اس نے بات کا سلسلہ ختم کرنے کے لیے اپنے سامنے کھلی ہوئی کتاب کو اٹھالیا۔

"پہلے تو تم نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا۔ اب کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں ہوا، میں آپ سے کہہ تو رہی ہوں کہ ہارون پاکستان میں نہیں ہے۔ آپ کو یقین نہیں آتا تو خود معلوم کرلیں۔ وہ واپس آجائے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا لیکن اس کے آنے تک میں کیا کرسکتی ہوں۔" وہ بری طرح چڑ رہی تھی۔

"اس نے جانے سے پہلے اپنے ماں باپ سے بات کیوں نہیں کی؟ تم سے شادی کرکے باہر کیوں نہیں گیا؟"

"جب وہ آئے گا تو آپ خود اس سے یہ سب کچھ پوچھ لیجئے گا مگر مجھ سے ابھی اس بارے میں بات نہ کریں۔"

"تمہاری وجہ سے ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں، اس کا اندازہ ہے تمہیں، ہم تم سے بات نہ کریں تو اور کس سے بات کریں۔ منگنی تمہاری ضد پر توڑی گئی۔ ابھی کسی کو اس کے بارے میں پتا نہیں ہے مگر کب تک چھپی رہے گی یہ بات اور وہ چار دن کے بعد رشتہ داروں کی قطاریں لگ جائیں گی یہاں، پھر کس کس کو وضاحتیں پیش کریں گے ہم؟ کس کس کو تمہاری ضد کے بارے میں بتاتے رہیں گے؟ تمہارے ابو چاہتے ہیں اس سے پہلے ہی سادگی سے تمہاری شادی ہارون سے کردیں مگر اب وہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہے اور تم صم بکم بنی بیٹھی ہو۔ اپنے آپ کو ہماری جگہ رکھ کر سوچو پھر تمہیں اندازہ ہوگا ہماری

تکلیف کا۔''

وہ چپ چاپ امی کی باتیں سنتی رہی۔ اس کے پاس ان کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ امی کے پاس پریشان ہونے کے لیے اپنی وجوہات تھیں تو اس کے پاس اپنی۔ امی بہت دیر بولتے رہنے کے بعد خاموش ہو کر کمرے سے نکل گئیں اور ان کے جاتے ہی اس نے غصے کے عالم میں ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب دور اچھال دی۔ پھر وہ بے تابی اور بے چینی کے عالم میں کمرے کے چکر کاٹنے لگی۔

''ہارون...... ہارون! آخر اس نے باہر جانے سے پہلے مجھ سے بات کرنا ضروری کیوں نہیں سمجھا؟'' اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

☆☆☆

''نیلوفر! کیا تم ہارون تک میرا یہ پیغام پہنچا سکتی تھی ہو کہ وہ مجھ سے جلد از جلد فون پر بات کرے یا کسی بھی طرح رابطہ کرے؟'' اگلے دن اس نے کالج جاتے ہی نیلوفر سے کہا۔

''ہارون بھائی کو پیغام؟'' وہ حیران ہوئی۔

''وہ گھر تو فون کرتا ہی ہوگا؟''

''ہاں کرتے ہیں۔''

''تم بات کرتی ہو اس سے؟''

''ہاں کبھی کبھار۔''

''تو بس پھر ٹھیک ہے، اس سے کہو کہ وہ مجھے فون کرے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کا پیغام ان تک پہنچا دوں گی۔'' نیلوفر نے اسے یقین دہانی کروائی۔

اگلے چند دن وہ نیلوفر کے جواب کا انتظار کرتی رہی پھر ایک دن نیلوفر نے اسے بتایا کہ اس نے ہارون کو فون پر اس کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ وہ اس کے بعد اگلے کئی دن کالج جانے کے بجائے گھر پر ہی رہی۔ صرف اس کے فون کے انتظار میں۔ اس کا فون نہیں آیا، شائستہ کی مایوسی اور بے چینی اب غصے میں بدلنے لگی۔

اس نے ایک ہفتے کے بعد دوبارہ کالج جا کر نیلوفر سے بات کی۔

''میں نے آپ کا پیغام انہیں دیا تھا۔'' نیلوفر نے اسے یقین دلایا۔

''پھر اس نے مجھے ابھی تک فون کیوں نہیں کیا؟''

''ہو سکتا ہے وہ مصروف ہوں یا بھول گئے ہوں۔''

''اس ہفتے کے دوران تم لوگوں کو فون کیا ہے اس نے؟''

''ہاں۔'' وہ نیلوفر کے جواب پر کڑھ کر رہ گئی۔

''تم لوگوں کو فون کرنا اسے نہیں بھولا لیکن مجھے فون کرنا وہ بھول گیا ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''میں فون آنے پر ایک بار پھر آپ کا پیغام انہیں دے دوں گی بلکہ امی سے کہوں گی کہ وہ بھی انہیں تاکید کریں۔'' نیلوفر نے اسے ایک بار پھر تسلی دینے کی کوشش کی۔

شائستہ نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اسے ہارون پر بہت زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ ''کیا اس کو میری تھوڑی سی پروا بھی نہیں ہے؟...... میں اس کے لیے خوار اور بے عزت ہوتی پھر رہی ہوں اور یہ شخص......'' اس کا اشتعال بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

''اب کیا ہوگا؟'' یہ سوال نہیں تھا۔ صاعقہ کے لیے ایک ایسی کھائی تھی جس میں اس کو ضرور گرنا تھا۔ گھر میں چھائی ہوئی

خاموشی اگر کسی آنے والے طوفان کی خبر دے رہی تھی تو اس خاموشی کو کبھی کبھار توڑنے والی اس کی ماں کی سسکیاں اس کے اعصاب اور ہمت دونوں کو ختم کر رہی تھیں۔

چوتھی بیٹی...... اگر دو بیٹیاں مر نہ چکی ہوتیں تو وہ چھٹی بیٹی ہوتی اور چھ بیٹیاں پیدا کرنے والی عورت یا بانجھ...... معاشرہ دونوں سے ایک ہی سلوک کرتا ہے، دونوں نسل چلانے کے قابل نہیں ہوتیں۔

انسان کو زمین پر اپنی نشانیاں چھوڑ کر جانے کا خبط ہوتا ہے۔ چاہے وہ بلند و بالا عمارتوں کی شکل میں ہو یا پھر نسل کی صورت میں۔ وہ کبھی گمنام رہنا نہیں چاہتا۔ اسے گمنامی سے خوف آتا ہے۔

چار ارب انسانوں پر مشتمل زمین کے اس کرّے پر اس کے لیے صرف اس کا اپنا ہونا کافی نہیں ہوتا۔ وہ تدبیر کو تعویذ کی صورت اپنے گلے میں لٹکائے پھرتا ہے۔

صاعقہ جانتی تھی اس کے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہوتا تھا۔ وہ کسی بادشاہ کی ملکہ ہوتی، تب بھی چھ بیٹیوں کے بعد اس کے ساتھ یہی ہوتا۔ وہ ظفر کی بیوی تھی، ملکہ نہیں تھی پھر بھی اس کے ساتھ یہی ہونے والا تھا۔

ملکہ سے تخت و تاج چھینا جاتا، صاعقہ سے گھر کا راج چھینا جانے والا تھا۔ زندگی میں اہم چیزیں گنوانے یا چھینے جانے کے بعد انسان کے اندر بہت ساری تبدیلیاں آتی ہیں۔ بعض دفعہ تو پورا ضابطہ اخلاق ہی تبدیل ہو جاتا ہے...... زیر، زبر اور زبر، پیش بنے لگتا ہے۔

وہ بھی قیامت کے آنے سے پہلے قیامت سے گزر رہی تھی۔ بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر ظفر دروازے سے ہی واپس چلا گیا تھا۔ دوبارہ اس گھر کے دروازے تک ان قدموں کو واپس لانے کے لیے صاعقہ کو صرف خوش بختی کی ضرورت تھی اور اگر یہ بخت اس کے پاس ہوتی تو وہ چھ بیٹیوں کے بجائے چھ بیٹوں کی ماں ہوتی۔

اس چوتھی بیٹی کا نام مصباح رکھا گیا تھا۔ کس نے رکھا تھا؟ کب رکھا تھا؟ کیوں رکھا تھا؟ یہ سب کسی کو بھی یاد نہیں رہا، یاد صرف یہ رہا تھا کہ وہ...... وہ بیٹی تھی جس کی پیدائش پر اس کے باپ نے اس کی ماں کو چھوڑ دیا تھا۔

مرد صرف اپنی ناجائز اولاد ہی کوڑے پر نہیں پھینکتا۔ کئی بار وہ اپنی جائز اولاد بھی کوڑے پر پھینک دیتا ہے۔ دنیا کے کوڑے دان میں خاص طور پر بیٹیاں، دنیا کے کوڑے دان میں باپ کی ''متروکہ'' یہ اولاد زندگی میں زہر اور زخم لے کر بڑی ہوتی ہے اور پھر ساری زندگی یہی زہر اور زخم دوسروں کو بانٹتی پھرتی ہے۔

جو معاشرہ کوڑے کے ڈھیر پر ملنے والے کسی ناجائز بچے کے والدین کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے...... وہ بیٹیوں کی شکل میں چھوڑی جانے والی اولاد کے باپ کو کبھی تنقید کا نشانہ بناتا ہے نہ اس پر انگلی اٹھاتا ہے۔ وہ ایسے شخص کے ساتھ ہمدردی بھی رکھتا ہے اور اسے اپنی زندگی دوبارہ پہلے صفحے سے شروع کرنے کا موقع دیتا ہے۔ بالکل بے داغ اور کورے صفحے سے، جس پر سے اس نے پہلی عورت اور اس کی بیٹیوں کو کھرچ کر صاف کر دیا ہے۔ اب وہ ایک نئی عورت کے ساتھ زندگی دوبارہ سے شروع کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اس کی ماں کی دعائیں بھی اس کے ساتھ ہی رہتی ہیں، اس کی بہنوں کا مان بھی قائم و دائم رہتا ہے، اس کے باپ کا فخر بھی ختم نہیں ہوتا۔ ختم صرف وہ عورت اور اس کی اولاد ہوتی ہے جسے چھوڑ دیا جاتا ہے اور بعض دفعہ...... بعض دفعہ اس عورت کی اخلاقیات بھی بدل جاتی ہیں پھر یہ تبدیلی کیا کیا تماشے برپا کر سکتی ہے اور کر دیتی ہے۔ اس کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا۔

☆☆☆

شائستہ ایک بار پھر ہارون کے گھر میں موجود تھی، ہارون ابھی وہاں نہیں آیا تھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

پچھلے چند ماہ میں وہ زیادہ تر ہارون کے ساتھ ہی وہاں آئی تھی۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوا کہ وہ خود اکیلی وہاں چلی آئی۔ وہاں پہلے سے اس کا منتظر ہوتا مگر آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ وہاں آ چکی تھی۔ مگر ہارون وہاں نہیں تھا اور اس وقت وہاں بیٹھ کر

ہارون کا انتظار کرنا اسے دنیا کا سب سے ذلت آمیز کام لگ رہا تھا۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد آیا، شائستہ نے تقریباً دو ماہ کے بعد اسے دیکھا تھا۔ وہ پہلے کی طرح ہشاش بشاش تھا، پہلے کی طرح اب بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ شائستہ کو دیکھ کر یہ مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی۔ شائستہ کا غصہ دھواں بن کر غائب ہوگیا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا وہ ہارون سے ناراض ہو سکتی ہے۔ مگر ناراض رہ نہیں سکتی۔

"ہیلو——"

"مجھے بتائے بغیر تم انگلینڈ کیوں چلے گئے؟" شائستہ کو دیکھتے ہی اس نے ہیلو کہا اور شائستہ نے اس کی ہیلو کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ ایمرجنسی میں جانا پڑا۔" ہارون نے نرم آواز میں کہا۔

"ہارون! تم مجھے بتا سکتے تھے۔"

"کیسے بتاتا؟"

"فون کر کے۔"

"تمہارے ماں باپ سے گالیاں کھانے کے لیے؟"

"تم نیلوفر کو بتا دیتے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ اب اطمینان سے اس کے قریب صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

"یہ آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے۔ تمہیں کتنی بار بتاتا رہوں گا؟"

"تم جانتے ہو، میں تمہاری وجہ سے کتنی پریشان رہی ہوں۔"

"میری وجہ سے! کیوں؟"

"کیونکہ تم بتائے بغیر غائب ہوگئے تھے۔"

"میں کہیں غائب نہیں ہوا، صرف فیکٹری کے سلسلے میں کچھ مشینری خریدنے کے لیے یورپ گیا تھا۔"

"مگر تم مجھے بتا تو سکتے تھے؟"

"شائستہ! اب بار بار اس بات کو دہرا کر بور مت کرو۔ میں نے اگر نہیں بتایا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم ابھی میرے خاندان یا گھر کا حصّہ تو نہیں بنی ہو کہ اس طرح بتائے بغیر جانا تمہارے لیے اتنا قابل اعتراض ہو۔"

"ہارون! میں تمہاری بیوی ہوں۔" شائستہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے، مانتا ہوں کہ تم میری بیوی ہو مگر میرے گھر کا حصّہ تو نہیں ہو۔" وہ اب سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"تمہاری زندگی کا حصّہ تو ہوں۔"

ہارون اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر اس نے کہا "اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

شائستہ کو ایک دھچکا لگا۔ "تمہاری زندگی کا حصّہ نہیں ہوں میں؟"

"اس کا انحصار تم پر ہے اور فی الحال تمہارے کسی بھی عمل سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ تم میری زندگی کا حصّہ بننا چاہتی ہو۔"

"اس بات کا کیا مطلب ہوا؟"

"غور کرو۔ تم سمجھ جاؤ گی...... تم بے وقوف نہیں ہو۔"

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ "تم جانتے ہو، دو ماہ کے عرصے میں میں نے تم سے بات کرنے کی کتنی کوشش کی ہے۔"

"جانتا ہوں، امی اور نیلوفر نے بتایا تھا مجھے۔"

"اور پھر بھی تم نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی؟" اسے ایک اور دھچکا لگا۔

"اس لیے کوشش نہیں کی کیونکہ تمہارے اور میرے درمیان پچھلے کچھ عرصے سے اتنی بے معنی اور بے مقصد گفتگو ہوتی تھی

کہ مجھے اس سے الجھن ہونے لگتی تھی۔"

"بے معنی اور بے مقصد؟ تمہیں یہ لگنے لگا ہے کہ میری اور تمہاری گفتگو بے معنی اور بے مقصد ہوگئی ہے؟" اسے تکلیف پہنچی۔

"ہاں، جس گفتگو کا کوئی نتیجہ نہ نکلا ہو، وہ بے معنی ہی ہوتا ہے۔"

"تم کو نتیجے کے بارے میں اتنی فکر ہے تو تم اس گفتگو کو کسی نتیجے پر پہنچانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟" وہ اس بار کچھ تلخی سے بولی۔

"پچھلے کئی ماہ سے اور کیا کر رہا ہوں میں؟ لیکن کوئی بھی کام صرف ایک شخص کے کرنے سے نہیں ہوتا کم از کم اس قسم کا کام جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں تمہاری مدد نہیں کر رہی ہوں؟"

"ہاں، میرا یہی مطلب ہے لیکن یہ سب کہنے کا اس لیے کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ یہ سب میری غلطی ہے۔ کسی بھی شخص کے ساتھ انوالو ہونے سے پہلے اس کے خلوص کو ضرور دیکھ لینا چاہیے میں نے یہ نہیں کیا...... غلطی کی۔"

"تمہیں لگتا ہے میں تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہوں؟"

"ہاں مجھے یہی لگتا ہے۔" اس نے بے دھڑک کہا۔

"تمہارے لیے کسی اخلاص کے بغیر ہی میں نے تم سے گھر والوں سے چھپ کر شادی کر لی؟" وہ اس بار تیز آواز میں بولی۔

"شادی کا خلوص سے کیا تعلق ہے؟"

"شادی کا خلوص سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ کوئی اخلاص رکھے بغیر ساری زندگی کا تعلق باندھتا ہے؟"

"جذبات میں آ کر انسان بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ شادی بھی...... بعد میں وہ اکثر پچھتاتا ہے، جیسے اب تم مجھ سے شادی کے فیصلے پر پچھتا رہی ہو۔" ہارون نے بڑے عام سے انداز میں کہا۔

"میں تم سے اپنی شادی کے فیصلے پر بالکل نہیں پچھتا رہی ہوں۔ اور تم سے شادی کا فیصلہ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا تھا؟"

"اچھا......" وہ اس کی بات پر عجیب سے انداز میں ہنسا۔ "تم پچھتا نہیں رہی ہو اس شادی پر...... تمہیں ثابت کرنا چاہیے کہ تم اپنے اس فیصلے پر پچھتا نہیں رہی ہو۔ اپنے والدین کو تم تیار نہیں کر سکیں کہ وہ ہمارے گھر آئیں۔ یا پھر شاید تم نے ایسی کوشش ہی نہیں کی اور مجھ سے تم کہہ رہی ہو کہ تم مجھ سے شادی پر پچھتا نہیں رہی ہو۔"

"ہارون! غلط بات مت کرو، تمہارے لیے میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے والدین کے سامنے اس طرح بات کی۔ ان کی مرضی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ انہیں مجبور کیا کہ وہ تمہارا پرپوزل قبول کریں اور تم کہہ رہے ہو کہ مجھے اپنے اس فیصلے پر پچھتاوا ہے، اس لیے میں اپنے والدین سے تمہارے سلسلے میں بات نہیں کر رہی۔"

"اگر تم یہ سب کر سکتی ہو تو انہیں ہمارے گھر کیوں نہیں بھیج سکتیں؟"

"کتنی باتیں منواؤں گی میں ان سے۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ تم یہ چاہتے ہو کہ میں انہیں اس بات پر مجبور کروں اور وہ پھر سے بگڑ جائیں۔ تم خود سوچو، کیا تمہارا یہ مطالبہ جائز ہے۔"

"ہاں بالکل جائز ہے، میرے ماں باپ اتنی بار تمہارے گھر گئے۔ ہر بار تمہارے گھر والوں نے انکار کیا۔ جو بے عزتی کی وہ الگ۔ اب اگر تمہارے ماں باپ میرے پرپوزل کو قبول کرنے پر تیار ہو گئے ہیں تو پھر انہیں اتنی زحمت بھی کر لینی چاہیے کہ وہ میرے گھر آ جائیں۔ وہاں آ کر میرے ماں باپ سے بات کر لیں۔" اس کی آواز میں ترشی تھی۔

"تم اپنے ماں باپ سے یہ کیوں نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک بار پھر ہمارے گھر آ ئیں۔ تم تو دعویٰ کرتے ہو کہ تمہیں مجھ

سے بہت محبت ہے۔''

''میں نے اس محبت کا ثبوت کئی بار اپنے ماں باپ کو تمہارے گھر بھیج کر دیا ہے۔ مگر اب میرے ماں باپ میری بات نہیں مانیں گے۔''

''تمہارے ماں باپ اور تمہاری بات نہ مانیں۔ میں اس پر یقین نہیں کر سکتی۔ تمہارے گھر میں سب کچھ تمہاری مرضی سے ہوتا ہے اور اتنا معمولی سا کام تم ان سے نہیں کروا سکتے۔'' اسے ہارون کی بات پر غصہ آیا۔

''شائستہ! میں تم سے اس بات پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ میں کون سا کام اپنے ماں باپ سے کروا سکتا ہوں اور کون سا نہیں، اگر تم اپنے ماں باپ کو اس بات کو ماننے پر مجبور نہیں کر سکتیں تو سب کچھ اسی طرح چلنے دو۔ جب وہ مان جائیں تب.....''

شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں اب اور وقت ضائع نہیں کر سکتی۔''

''کیوں؟ تمہیں کس چیز کی جلدی ہے۔ مجھے تو جلدی نہیں ہے، نہ ہی میں تمہیں پریشرائز کر رہا ہوں۔''

شائستہ اس کی بات کے جواب میں خاموش ہو گئی۔

''جلدی ہے مجھے۔'' اس نے کچھ دیر بعد تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہی تو پوچھ رہا ہوں، کس چیز کی جلدی ہے؟''

وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ''ہارون! میں پریگنٹ ہوں۔'' وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا، صرف پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

شائستہ نے اس کے چہرے سے اس کی اندرونی کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی، لیکن بری طرح ناکام رہی، اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

پھر ہارون نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے شائستہ کے چہرے سے نظر ہٹالی، شائستہ اب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔

''تو پچھلے دو ماہ سے تم اس لیے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں؟'' اس کی آواز بے حد سرد تھی۔

''ہاں۔''

وہ چپ رہا۔ شائستہ کو کچھ اطمینان ہونے لگا۔

''سب کچھ بہت جلدی ہونا چاہیے۔'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔

''پھر تم اپنے امی، ابو کو کب بھیجو گے؟'' وہ اس کے سوال پر ایک بار پھر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں، یہ کام مجھے نہیں تمہیں کرنا ہے۔'' اس کا جواب اب بھی وہی تھا۔

''ہارون! میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''تو ٹھیک ہے، جب ممکن ہو تب کر لینا۔'' ہارون کے اطمینان نے اس کو لرزا دیا۔

''میرے پاس اور وقت نہیں ہے۔ کیا تمہیں یہ احساس نہیں ہے کہ میں پریگنٹ ہوں۔'' اس نے تیز آواز میں ہارون سے کہا۔

''اگر تم پریگنٹ ہو تو یہ تمہارا مسئلہ ہے۔'' سرد آواز میں ہارون کے منہ سے نکلے ہوئے اس جملے نے کچھ دیر کے لیے اسے ساکت کر دیا۔ اسے لگا کہ شاید اس نے ہارون کی بات سننے میں غلطی کی ہے۔

''تم نے کیا کہا ہارون؟'' اس نے کسی خوش فہمی کے تحت پوچھا۔

''میں نے کہا اگر تم پریگنٹ ہو تو یہ تمہارا مسئلہ ہے۔'' ہارون نے اس بار بہت ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے وہی جملہ دوبارہ اسی سرد مگر پرسکون آواز میں دہرا دیا۔ کوئی خوش فہمی یا غلط فہمی باقی نہیں رہی۔ شائستہ کو اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

''میں پریگنٹ ہوں تو یہ صرف میرا مسئلہ ہے، تمہارا مسئلہ نہیں ہے؟''

''نہیں..... یہ صرف تمہارا مسئلہ ہے۔ میں اس کا حصہ نہیں ہوں۔'' شائستہ یک دم صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے چلاتے ہوئے کہا۔

''میں پریگنٹ ہوں تو یہ تمہارا مسئلہ ہی نہیں ہے، یہ صرف میرا مسئلہ ہے۔ کیا میں تمہاری بیوی نہیں ہوں؟ کیا تم نے مجھ سے شادی نہیں کی ہے؟'' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''تم میری بیوی ہو اور میں نے تم سے شادی بھی کی ہے لیکن یہ تمہارا اصرار تھا کہ اس شادی کا اعلان نہ کیا جائے۔ اب اگر تمہارے اس فیصلے کی وجہ سے تمہیں کوئی پرابلم پیش آ رہی ہے تو اس کی ذمہ دار صرف تم ہو میں نہیں۔ اور اس پرابلم کو ڈیل بھی تمہیں خود کرنا ہے۔ میں اس سلسلے میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔''

ہارون کے منہ سے نکلے ہوئے چند جملے اسے چند لمحوں کے اندر آسمان سے زمین پر لے آئے تھے۔

''تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''نہیں، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنے لیے راستوں کا تعین خود کرنا ہے۔ گھر جاؤ اور اپنے ماں باپ سے کہو کہ وہ تمہارا پرپوزل لے کر ہمارے گھر آ جائیں۔ سیدھی سی بات ہے۔''

''وہ نہیں مانیں گے۔''

''ٹھیک ہے تو پھر تم انہیں بتا دینا۔ تم مجھ سے شادی کر چکی ہو اور پریگنٹ ہو۔''

''میں یہ بھی نہیں کر سکتی۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔'' وہ یک دم رونے لگی۔

''پھر گھر جاؤ ہی مت۔ میرے ساتھ مستقل طور پر رہو، میں تمہارے گھر والوں کو خود اطلاع دے دوں گا کہ ہم نے شادی کر لی ہے۔''

''میرا خاندان کسی کو منہ نہیں دکھا سکے گا، اگر میں یہ کروں گی تو۔''

''پھر چوتھا رستہ یہ ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں تاکہ کم از کم تمہارے ماں باپ کی عزت تو محفوظ رہ سکے۔ تم ان کی مرضی سے کہیں بھی شادی کر لینا۔''

اس کی آواز میں جو سفاکی تھی۔ شائستہ نے اسے بہت دیر بعد محسوس کیا تھا۔

''اور وہ محبت کہاں ہے، جس کا تم مجھے جھانسہ دے رہے تھے۔''

''تم کو ہے مجھ سے محبت.....؟ تم کو بھی نہیں ہے؟'' ہارون نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

''کیا تم سے میری شادی میری محبت کا ثبوت نہیں ہے؟'' وہ چلائی۔

''شادی تو میں نے بھی کی ہے تم سے..... اگر یہ ثبوت ہے تو یہ ثبوت میں دے چکا ہوں پھر تمہیں مجھ سے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے کہ مجھے تم سے محبت ہے یا نہیں۔'' ہارون نے اس کے غصے سے متاثر ہوئے بغیر کہا۔

''مجھے آج بھی تم سے محبت ہے۔ اتنی ہی محبت جتنی پہلے دن تھی، یہ سوال تم اپنے گھر والوں سے جا کر کرو۔ ان سے پوچھو، انہیں تم سے محبت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر وہ تمہاری بات کیوں نہیں مانتے۔ اگر نہیں ہے تو پھر تم ایسے لوگوں کے ساتھ کیوں رو رہی ہو۔ انہیں چھوڑ دو۔''

شائستہ کا ذہن مکمل طور پر ماؤف ہو چکا تھا۔ وہ اسے جو راستے دکھا رہا تھا۔ اسے ہر راستے کے اختتام پر اندھیرا نظر آ رہا تھا، پہلا قدم کہاں رکھنا چاہیے، اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

اسے اپنا پورا وجود یک دم چمگادڑ کی طرح لگنے لگا تھا۔ جس کے لیے اندھیرا اندھیرا ہوتا ہے نہ روشنی روشنی۔ اس نے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھے اس شخص کو دیکھا جو آج بھی اس سے محبت کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اس وسیع و عریض لاؤنج اور وہاں لٹکے فانوس کو دیکھا۔ چند ماہ پہلے تک یہ سب کچھ اس کے لیے جنت ارضی تھا وہ اپنی مرضی سے اس جنت کے اندر آئی تھی۔ جنت کے اندر ہر کوئی اپنی مرضی سے ہی آتا ہے۔ یہ دوزخ ہوتا ہے جہاں لوگ زبردستی بھیجے جاتے ہیں مگر وہ

اپنی مرضی سے دوزخ میں آ گئی تھی۔

چوکور کا چوتھا کونا "پرفیکشن" کے عذاب کو بھگتنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں۔ ہر طرف ایک ایسا جال تھا جس پر ایک قدم اسے کسی ایسے شکنجے میں گرفتار کر دیتا جس سے وہ ساری عمر آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا۔ اسے خوش فہمی تھی۔ وہ اب بھی جس جگہ کھڑی تھی۔ وہ اسی جال کی زد میں تھی۔

سامنے بیٹھا ہوا شخص اب بھی اتنا ہی خوبصورت تھا۔ جتنا اسے پہلے دن لگا تھا۔ اس کے پھولوں کی مہک اب بھی اتنی ہی مسحور کن تھی۔ اس کا ذہن اب بھی ماؤف تھا۔ روشنی...... روشنی کہاں تھی؟ اندھیرا...... اندھیرا کہاں تھا؟

ہے لو زندگی، زندگی نور ہے
مگر اس میں جلنے کا دستور ہے
روایت ہے کہ زندگی گہنا ہے
یہ ہیرا ہے اور چاٹتے رہنا ہے
کوئی کہتا ہے اس کو باد صبا جو سب کچھ اڑا دے
یہ ہے وہ ہوا، اجالے اگلتی ہوئی سحر ہے۔
یہ تن کو نگلتی ہوئی لہر ہے
ہے لو زندگی، یہ سبزہ جگاتا ہوا آب ہے
یہ پچھلے پہر کا کوئی خواب ہے۔
ہے لو زندگی، ہے لو زندگی

☆☆☆

پانچواں باب

صبیحہ کادوانی کے ساتھ یہ اس کی آٹھویں ملاقات تھی، جس میں اس نے اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ ردعمل کم از کم اس کے لیے انتہائی حیران کن تھا۔ وہ اس کے جملے پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور پھر دیر تک ہنستی رہی۔ اسے کچھ ہتک کا احساس ہوا لیکن سامنے بیٹھی ہوئی عورت کے گالوں میں پڑتے ہوئے ڈمپل، لمبی گردن سے ٹکراتی ہوئی لٹیں اور کانوں کے آویزے اور چہرے کی سرخ ہوتی ہوئی رنگت نے اس احساس کو گہرا ہونے نہیں دیا۔

وہ صرف ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ دونوں اس وقت ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''باتوں میں تمہارا کوئی جواب نہیں ہے۔'' صبیحہ نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ اب اپنے پرس سے ایک چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنی لپ اسٹک ٹھیک کر رہی تھی۔

''اس میں اس طرح ہنسنے والی تو کوئی بات نہیں تھی۔ میں نے تم سے حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔''

وہ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے اپنے پرس کو بند کرنے لگی۔

''تمہیں یہ سب کچھ صرف باتیں کیوں لگتا ہے؟'' اس نے کچھ تیکھے لہجے میں اس سے پوچھا۔

''کیونکہ مجھ سے ملنے والا ہر مرد مجھ سے یہی کہتا ہے جو تم نے چند لمحے پہلے کہا اور تقریباً ان ہی لفظوں میں جن میں تم نے کہا۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے، اس دنیا میں مرد کو محبت کرنے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں ہے...... اور وہ بھی صبیحہ کادوانی سے۔'' وہ ایک بار پھر ہنسنے لگی۔

''شاید آج تم ہر بات کو مذاق میں اڑانے کے موڈ میں ہو؟'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''ضروری تو نہیں ہے کہ ہر مرد تم سے جھوٹ ہی بولتا ہو۔''

''مرد محبت کر ہی نہیں سکتا صاحب...... یہ چیز اس کے خمیر میں نہیں ہیں محبت صرف عورت کی صفت ہے...... وہی کرتی ہے...... وہی کر سکتی ہے۔''

صبیحہ کادوانی کے چہرے سے یک دم مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ وہ اب اپنے دائیں ہاتھ میں جام پکڑے اس میں موجود مشروب کے ہلکے ہلکے سپ لے رہی تھی۔

''پھر قہقہہ لگانے کو دل کیوں نہ چاہے۔''

''اتنی خود پسندی اچھی نہیں ہے۔'' اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ ''بقول تمہارے مرد محبت نہیں کر سکتا تو تاج محل کیوں بنا دیتا ہے۔'' اس نے کچھ چبھتے ہوئے لہجے میں صبیحہ سے پوچھا۔

''تاج محل بنوا دیا اس نے...... تاج تو نہیں چھوڑا...... حرم بھی آباد رکھا...... کیا بادشاہ اور کیا اس کی محبت۔''

''چلو بادشاہ کی بات نہیں کرتے تم رومانی داستانوں پر آ جاؤ...... یہ فرہاد، مجنوں، رانجھا...... کون تھے یہ سب...... کیا مرد

نہیں تھے؟"

"یہ بھی کہتے ہو کہ کہانی ہے پھر یہ بھی کہتے ہو کہ حقیقت مان لوں...... مرد کو محبت کا ثبوت دینے کے لیے کہانیوں کے حوالے دینے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ عورت تو کہانیوں کے حوالے نہیں دیتی۔ وہ ہمیشہ اپنی بات کرتی ہے۔ کسی بیرا سچائی کو بیچ میں نہیں لاتی۔" صبیحہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔

"میں پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے...... تم میری زندگی میں آنے والی عجیب ترین عورت ہو۔" اس نے اصرار کیا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے مسکراتی رہی۔

"چلو پھر دیکھتے ہیں کہ تم میرے لیے کیا کرسکتے ہو۔"

"ہاں ضرور...... آزمانا چاہتی ہو تو ضرور آزماؤ...... کچھ بھی مانگ لو۔ اگر وہ چیز اس دنیا میں ہے تو میں تمہارے لیے لے آؤں گا، ہاں شرط صرف یہ ہے وہ میری دسترس میں ہو۔"

"واقعی؟"

"ہاں بالکل۔ تم کہہ کر تو دیکھو۔" صبیحہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"ٹھیک ہے چلو دیکھ لیتے ہیں آج، کہ مرد واقعی محبت کرسکتا ہے یا نہیں۔" وہ اب ٹیبل پر پڑا ہوا وہی جام اٹھا رہی تھی۔ جام میں پڑا ہوا باقی ماندہ مشروب اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ دوسرے جام سے میں انڈیل دیا۔

وہ حیرانی سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ وہ اب جام کے اوپری کناروں کو ٹیبل کے ایک کونے سے ٹکراتے ہوئے توڑ رہی تھی۔

"یہ کیا کررہی ہو تم؟" وہ چپ نہیں رہ سکا۔ وہ اب کنارے توڑ چکی تھی۔

"کچھ نہیں۔ میں اس ٹوٹے ہوئے جام سے تمہارے میز پر رکھے ہوئے ہاتھ پر ایک وار کروں گی۔ اگر تم نے اپنا ہاتھ یہاں سے نہیں اٹھایا تو میں تمہاری محبت پر ایمان لے آؤں گی۔"

وہ ٹوٹا ہوا جام ہاتھ میں لیے کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

اس دوپہر پہلی بار اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے وہ غائب دماغی کے عالم میں تھی۔ پہلی دفعہ اسے اس گھر سے نفرت ہورہی تھی جہاں وہ پیدا ہوئی تھی۔ پہلی بار وہاں موجود سارے لوگ اسے اپنے دشمن لگ رہے تھے۔ پہلی بار اسے احساس ہورہا تھا کہ اس نے خود کو چوک میں کھڑا کردیا ہے۔ عافیت کہاں تھی۔ امان کہاں تھی؟ ہارون کے پاس؟ اپنے گھر میں؟ کہاں......؟ ہارون کے چند گھنٹے پہلے کہے گئے لفظ، اسے حقیقت کی خاردار وادی میں لے آئے تھے اور اب پہلی بار وہ اپنے پیروں کے نیچے آنے والے کانٹوں کی چبھن کو محسوس کررہی تھی۔

چند گھنٹوں کے اندر اندر اس کے لیے زندگی کا مفہوم بدل گیا تھا، سب کچھ بدل گیا تھا۔ اسے اپنے گھر میں نظر آنے والے کسی چہرے سے کوئی انس محسوس نہیں ہورہا تھا۔ ماں، بھائی، بھابھی، بھتیجے، بھتیجیاں، اسے ہر رشتہ گٹر میں پہنچا ہوا لگ رہا تھا۔

"میری طبیعت خراب ہے اور میں سونا چاہتی ہوں۔"

اس نے گھر آتے ہی بڑی ترشی سے امی سے کہا۔ اور سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی، سارا دن اپنے کمرے میں بند رہی۔

اگلے دن وہ کالج بھی نہیں گئی۔

"تمہیں آخر کیا پریشانی ہے؟ پہلے تو ہارون سے شادی کا مسئلہ تھا۔ اب تو وہ بھی حل ہوگیا ہے۔ ہم نے تمہاری بات مان لی ہے۔ پھر تم اس طرح منہ سر لپیٹ کر سارا سارا دن کمرے میں کیوں پڑی رہتی ہو؟"

دو دن کے بعد اس کی امی کو تشویش ہوئی تو انہوں نے پوچھا، اسے ان کی چھان بین بری لگی۔

''آپ نے میری بات مان کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ میرا حق تھا جسے آپ نے مانا ہے۔ اور کیا خاص کیا ہے آپ نے؟'' اس کی امی حیرانی سے اس کا منہ دیکھنے لگیں۔

''تمہارے نزدیک ہمارا رضامند ہو جانا کوئی خاص بات ہی نہیں ہے؟''

''نہیں، میرے نزدیک یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ کون سا بخوشی اور آسانی سے اس رشتہ پر رضامند ہو گئے ہیں۔ کئی ماہ سے آپ نے مجھے عذاب میں مبتلا کیے رکھا ہے اور اب تک آپ مجھے مسلسل تکلیف ہی دے رہے ہیں۔''

''کیا تکلیف دے رہے ہیں ہم تمہیں؟''

''مجھ سے مت پوچھیں، اپنے آپ سے پوچھیں۔ تماشا بنا کر رکھ دیا ہے آپ نے میری پوری زندگی کو۔'' وہ یک دم بلند آواز میں بولنے لگی۔

''ہم نے تماشا بنایا ہے تمہیں؟'' اس کی امی ہکا بکا ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ ''یا پھر تم نے تماشا بنایا ہے ہمیں؟''

''آپ نے تماشا بنایا ہے مجھے۔ آپ کی ضد نے، آپ کے جھوٹے اصولوں نے۔ آپ لوگوں کی نام نہاد پارسائی نے...... آپ کے مذہب کے ڈھکوسلوں نے۔ آپ لوگ ساری عمر اپنی اولاد کو اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اولاد اپنی مرضی سے کچھ بھی نہ کرے، ہمیشہ وہی کرتی رہے جو آپ کی خواہش ہو۔ اپنی اخلاقیات کی صلیب پر مصلوب کر دیتے ہیں اپنی اولاد کو۔'' وہ لاشعوری طور پر وہی کچھ کہہ رہی تھی جو ہارون نے اس سے کہا تھا۔

وہ لاشعوری طور پر اپنے ماں باپ کو اسی نظر سے دیکھ رہی تھی، جس نظر سے ہارون اسے دکھانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے ہر اقدام کی ذمہ دار ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کو ٹھہرا رہی تھی۔

نہ آپ لوگ ہارون کے پرپوزل کو اس طرح بار بار ٹھکراتے، نہ میں اس سے کورٹ میرج کرتی اور اس مصیبت میں گرفتار ہوتی۔ صرف ان کے خراب رویے کی وجہ سے ہارون اب اپنے ماں باپ کو میرے گھر بھیجنے سے کترا رہا ہے۔ صرف ان کے رویے کی وجہ سے۔ وہ بھی ٹھیک کر رہا ہے، آخر وہ بھی انسان ہے، اسے بھی تو غصہ آ رہا ہوگا اور پھر انکل کی بڑے بھائی ہونے کے باوجود میرے بابا نے کبھی عزت نہیں کی۔ وہ اتنی بار میرے پرپوزل کے لیے یہاں آئے۔ ہر بار بابا نے الٹی سیدھی باتیں کیں۔ اب اگر وہ یہاں آنے پر تیار نہیں ہیں تو ٹھیک ہی ہے۔ آخر وہ بھی کب تک بے عزتی کرواتے۔ وہ دل ہی دل میں ہارون کی ہر بات سے اتفاق کر رہی تھیں اور اس وقت اپنی ماں سے گفتگو کرتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں یہی باتیں گردش کر رہی تھیں۔

''تمہاری بات مان تو لی ہے ہم نے...... کہہ تو رہے ہیں کہ تم ہارون سے کہو وہ اپنے ماں باپ کو بھیجے۔ ہم جتنی جلدی تمہیں یہاں سے رخصت کر دیں گے، ہمیں اتنی ہی خوشی ہوگی۔'' اس کی امی نے تلخی سے کہا۔

''ہارون کے گھر والے اب یہاں آنے کو تیار نہیں ہیں۔''

''کیا......؟'' اس کی امی ہکا بکا رہ گئیں۔

''ہاں، اب وہ یہاں آنے پر رضامند نہیں ہیں۔''

''اگر وہ یہاں آنے پر رضامند نہیں تھے تو پھر ہارون کو اس طرح تمہارے پیچھے پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اسے احساس نہیں تھا کہ وہ ایک غلط کام کر رہا ہے؟''

''اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔''

''اس نے تمہاری منگنی تڑوا دی اور اب وہ اپنے ماں باپ کو یہاں بھیجنے پر بھی تیار نہیں ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا، یہ شخص قابل اعتبار نہیں ہے۔''

''وہ شخص قابل اعتبار ہے۔ وہ اب بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اب آپ لوگ اس کے گھر جائیں اور رشتہ کی بات کریں۔''

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔" امی بھڑک اٹھیں۔

"میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔"

"کبھی لڑکی والے لڑکے والوں کے گھر اس طرح پرپوزل لے کر جاتے ہیں۔"

"مجھے اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔"

"تم ان کے ہاتھوں کا ہتھیار بن چکی ہو۔"

"میں کسی کے ہاتھوں کا ہتھیار نہیں بنی، میں وہی کہہ رہی ہوں جو صحیح ہے، اگر وہ اتنی بار ہمارے یہاں آسکتے ہیں تو آپ بھی وہاں جاسکتے ہیں۔"

"ہم وہاں تمہارا پرپوزل لے کر جائیں اور وہ کہیں کہ اب انہیں ہمارا پرپوزل قبول نہیں ہے تو کیا عزت رہ جائے گی ہماری۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔"

"ایسا کیوں نہیں ہوگا؟"

"ہارون نے مجھے یقین دلایا ہے کہ آپ لوگ پرپوزل لے کر جائیں گے تو وہ پرپوزل قبول کرلیں گے۔"

"تمہیں ہارون پر یقین ہوگا، مجھے نہیں ہے۔ وہ اتنا قابل اعتماد ہوتا تو تم سے یہ مطالبہ نہ کرتا۔"

"یہ مطالبہ اس نے نہیں کیا، اس کے والدین نے کیا ہے۔"

"وہ اپنے والدین کو سمجھا سکتا ہے۔ انہیں مجبور کرسکتا ہے۔"

"کیا میں آپ کو سمجھا سکتی ہوں۔ آپ کو مجبور کرسکتی ہوں؟ اگر یہ کام میں نہیں کرسکتی تو وہ کیسے کرسکتا ہے؟"

"تم نے مجبور تو کیا ہے ہمیں، تمہاری منگنی کا توڑا جانا اور ہارون کے پرپوزل پر اعتراض نہ کرنا، کیا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ہم تمہاری وجہ سے مجبور ہوئے ہیں۔ پھر ہارون اپنے ماں باپ کو یہاں آنے پر مجبور کیوں نہیں کرسکتا۔ تم لڑکی ہو کہ یہ سب کرسکتی ہو تو وہ مرد ہو کر یہ سب کیوں نہیں کرسکتا۔"

"وہ مجبور ہے، اس کے ماں باپ اس کی بات نہیں مان رہے۔"

"پھر ایسے مجبور مرد سے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ابھی بھی ہم تمہارے لیے ہارون سے بہتر شخص تلاش کرسکتے ہیں۔"

"میرے لیے اب کوئی شخص بھی ہارون سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ نہ ہی میں اس کے علاوہ کسی دوسرے سے شادی کروں گی۔"

"ٹھیک ہے تو پھر اس سے کہو، وہ اپنے ماں باپ کو بھیجے۔"

"اس کے ماں باپ یہاں آنے پر رضامند......" اس کی امی نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"اس کے ماں باپ یہاں آنے پر رضامند ہیں یا نہیں بہرحال ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ میں کس منہ سے تمہارے باپ سے یہ بات کہوں گی کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ لے کر خود اس بھائی کے گھر جائیں، جسے وہ ساری عمر ناپسند کرتے رہے ہیں۔ اور خود میں کیسے تمہاری تائی کا سامنا کروں گی، جو پہلے ہی مجھے میری اولاد کی تربیت کے حوالے سے طعنے دے چکی ہے۔"

"آپ کو میری پروا نہیں ہے...... نہ میری زندگی کی...... نہ میری خوشی کی...... آپ کو صرف اپنی عزت کی پڑی ہوئی ہے۔" وہ ان کی بات پر بری طرح جھنجلائی۔

"میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں تمہاری ماں ہوں، چاہوں بھی تو اس رشتے سے انکار نہیں کرسکتی اور نہ ہی لوگ اس رشتے کو فراموش کریں گے، کیچڑ میں پڑنے والا تمہارا ہر قدم چھینٹوں کو میرے دامن تک لے کر آئے گا۔ میں بچنے کی کوشش کروں بھی تب بھی نہیں بچ پاؤں گی۔ یہ سب چیزیں تم تب سمجھو گی جب تم خود ماں ہوگی اور اپنے جیسی کسی اولاد کا سامنا کرو گی۔"

''میں اپنی اولاد کی زندگی آپ کی طرح کبھی جہنم نہیں بناؤں گی۔ میں انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش نہیں کروں گی۔ میں انہیں حق دوں گی کہ وہ جہاں چاہیں شادی کرلیں۔ میں آپ کی طرح ان کی گردنوں میں اپنی پسند یا ناپسند کا طوق نہیں ڈالوں گی۔''

اس کی امی اس کا منہ دیکھ کر رہ گئیں۔ شائستہ کے لہجے میں کہیں بھی انہیں اپنے لیے اپنائیت یا شناسائی کا کوئی جھلک نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ مکمل طور پر ان سے بدگمان ہو چکی تھی۔

اس کی امی کچھ دیر تک خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہیں پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کر اس کے کمرے سے چلی گئیں۔

☆☆☆

اگلے تین دن وہ دونوں بچے اسی ہاسپٹل کے انکیوبیٹر میں رہے۔ فاطمہ اسکول سے فارغ ہوکر ان کے پاس چلی جاتی۔ شبیر بھی اس کے ساتھ ہوتا وہ کچھ دیر وہاں گزارتی پھر واپس آجاتی۔ اپنے پاس موجود رقم میں سے وہ ہاسپٹل کے بل ادا کر رہی تھی۔

پولیس کے چند لوگوں نے بس اسی رات ہاسپٹل میں آکر ان بچوں کے بارے میں کچھ پوچھ گچھ کی جس رات وہ انہیں وہاں لے کر آئی تھی۔ ''کسی'' نامعلوم عورت کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہوگئے تھے۔

''جب یہ ٹھیک ہو جائیں تو دوبارہ ہم سے رابطہ قائم کریں۔'' فاطمہ سے خاصی لمبی چوڑی گفتگو کے بعد انہوں نے اسے ہدایت کی، وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

کچھ گھنٹے گزارنے کے بعد جب گھر آتی تو بھی اس کا ذہن ان ہی میں اٹکا ہوا ہوتا۔ محلے میں سے اب اور کوئی ان بچوں کے پاس ہاسپٹل نہیں جاتا تھا۔ مگر محلے کی عورتوں کا تجسس ختم نہیں ہوا تھا۔

فاطمہ کے گھر واپس آنے کے بعد یکے بعد دیگرے عورتیں مزید معلومات کے لیے اس کے پاس آتی رہتیں۔

''ابھی زندہ ہیں؟'' وہ مایوسی سے کہتی ہوئی چلی جاتیں۔

فاطمہ حیرت سے انہیں جاتا ہوا دیکھتی رہتی، اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان دونوں بچوں کا ''ابھی تک'' زندہ رہنا دوسرے لوگوں کے لیے کتنا شاکنگ تھا۔ وہ خود بھی ان کی زندگی کی خواہش مند نہیں تھی لیکن اس نے ان کے لیے موت کی دعا بھی نہیں کی تھی۔

(اس نے اپنے علاوہ زندگی میں کبھی کسی کے لیے موت کی دعا نہیں کی تھی اپنی تمام بدمزاجی کے باوجود)

دوسروں سے بھی صرف یہی چاہتی تھی کہ اگر کوئی ان کے لیے زندگی کی دعا نہیں کر رہا تو موت کی دعا بھی نہ کرے۔ ان کی زندگی یا موت کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

عورتوں کی بہت سی باتیں اسے ناگوار لگتی تھیں، بعض باتیں اسے حیران کرتی تھیں تو بعض بیزار...... اور بعض سے اسے گھن آتی تھی۔ اس کے باوجود وہ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ان سب کو برداشت کر رہی تھی۔ اسے ساری عمر اب اسی محلے میں ان ہی لوگوں کے ساتھ رہنا تھا اور وہ وہاں ایک نارمل زندگی گزارنا چاہتی تھی، پہلے جیسی زندگی گزارنا نہیں چاہتی تھی۔ زندگی میں بعض ٹھوکریں انسان کو گرنا نہیں کھڑا ہونا سکھاتی ہیں اور وہ بھی اب زندگی میں ایسی ہی ٹھوکروں کا سامنا کر رہی تھی۔

ربیعہ مراد سے ملاقات نے جس عمل کا آغاز کیا تھا، وہ آہستہ آہستہ سہی مگر اس کے اندر بہت سی تبدیلیاں لا رہا تھا اور تبدیلیوں کا یہ سلسلہ ربیعہ مراد کے جانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوا۔ ان دو بچوں کا واقعہ اور اس کے بعد محلے کی باقی عورتوں کے ساتھ ہونے والے میل جول نے اسے زندگی کے ایسے پہلوؤں سے روشناس کروانا شروع کیا تھا جن سے وہ پہلے واقف نہیں تھی۔

☆☆☆

صبیحہ کا ہاتھ اب فضا میں بلند ہو چکا تھا اس نے بے اختیار میز پر رکھے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔ صبیحہ کا ہاتھ

پوری طاقت سے نیچے آیا اور پھر اس نے بڑے پرسکون انداز میں وہ ٹوٹا ہوا جام ٹیبل پر رکھ دیا۔

"یہ ہے مرد کی محبت، اور اس کی حقیقت۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا رہا، خفت اور شرمندگی کے علاوہ وہ اس وقت کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا۔

صبیحہ ایک بار پھر اپنی لپ اسٹک ٹھیک کر رہی تھی، اس کے چہرے پر کمال کا اطمینان تھا۔ وہ کن انکھیوں سے کچھ دیر آس پاس کی ٹیبلز پر بیٹھے لوگوں کو دیکھتا رہا شاید وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی ان کی طرف متوجہ تو نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر وہ قدرے پرسکون ہو گیا کہ اردگرد کی ٹیبلز پر بیٹھے لوگوں میں سے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"تم پاگل ہو......" اس نے بالآخر اپنی خفت مٹانے کے لیے کہا۔ صبیحہ نے لپ اسٹک لگاتے ہوئے ایک لمحے کے لیے اپنا ہاتھ روکا۔

"پہلے میں صرف خوبصورت تھی۔ اب بقول تمہارے پاگل بھی ہوں۔ عورت اگر خوبصورت ہونے کے ساتھ پاگل بھی ہو تو اس سے محبت نہیں عشق ہو جاتا ہے۔ تم متفق ہو میری اس بات سے۔"

وہ جواب دینے کے بجائے صرف اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر رقصاں مسکراہٹ قاتل تھی۔ قاتل مسکراہٹ کس کو کہتے تھے، وہ اس شام صبیحہ کاردوانی کے چہرے کو دیکھ کر جانا تھا۔

"کس نے کہا ہے یہ تم سے؟" صبیحہ کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے الٹا اس سے سوال کیا۔

"جدون نے......" صبیحہ نے اپنے شوہر کا نام لیا وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ٹھیک کہا اس نے۔" وہ اب اپنے جام میں پڑے مشروب کا گھونٹ لے رہا تھا۔ چہرے کے تاثرات کو چھپانے کے لیے اسے اس وقت اس سے بہتر کام اور کوئی نظر نہیں آیا تھا اور سامنے بیٹھی ہوئی عورت اس کی حالت سے محظوظ ہو رہی تھی۔

وہ اب ایک بار پھر اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ایک اور تہہ چڑھانے میں مصروف تھی یا کم از کم مصروف نظر آنے کی کوشش ضرور کر رہی تھی۔

"مرد کی محبت کو پرکھنے کا یہ ایک انتہائی بے ہودہ طریقہ ہے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا جام ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بے ہودہ ہے مگر اس سے زیادہ اچھا طریقہ اور کوئی نہیں۔" وہ لپ اسٹک بند کرتے ہوئے بولی۔

"جدون کی محبت کو بھی کیا اسی طرح پرکھا تھا تم نے...... اس سے شادی کرتے ہوئے۔" اس کے لہجے میں اس بار لاشعوری طور پر کچھ تلخی اور طنز تھا۔

"نہیں...... " صبیحہ کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔ "اس کی محبت کو پرکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

"کیونکہ......؟"

"کیونکہ اس نے کبھی مجھ سے محبت کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔" سامنے بیٹھی ہوئی عورت خود عقل سے پیدل تھی یا اسے عقل سے پیدل کر دینا چاہتی تھی۔ وہ اندازہ نہیں کر سکا۔

"اسے محبت نہیں ہے تم سے؟"

"نہیں......" جس روانی سے پوچھا گیا، اسی برق رفتاری سے جواب آیا۔

"پھر تمہیں محبت ہو گی اس سے؟"

"نہیں......"

"نہ تمہیں اس سے محبت ہے نہ اسے تم سے...... چچ...... چچ...... چچ...... کتنی افسوس ناک بات ہے کہ تمہارے جیسی عورت کو ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنی پڑے، جسے نہ تم سے محبت ہے نہ تم اس سے محبت کرتی ہو۔ اسے کیا کہنا چاہیے۔ بدقسمتی؟"

"نہیں حقیقت پسندی......" اس بار وہ اس کی بات پر بے اختیار ہنسا...... اس کا قہقہہ صبیحہ کاردوانی کے اطمینان میں رتی بھر فرق نہیں لایا۔

"عورت اور حقیقت پسندی؟ کیا مذاق ہے۔"

"میں نے عورت کو حقیقت پسند نہیں کہا...... میں نے اپنی حقیقت پسندی کی بات کی ہے۔" صبیحہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں...... کیا تم عورت نہیں ہو؟"

"کبھی ہوتی تھی۔ اب نہیں ہوں۔"

"اب کیا ہو؟"

"صبیحہ کاروانی۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

سامنے بیٹھی ہوئی عورت کے بارے میں اگر یہ کہا جاتا تھا کہ وہ سمجھ میں نہ آنے والی چیز ہے تو ٹھیک ہی کہا جاتا تھا۔ اور سمجھ میں نہ آنے کے باوجود اسے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ لینے کو دل چاہتا تھا۔

"جدون سے شادی حقیقت پسندی کیسے ہوئی؟" وہ پھر پہلے موضوع پر آ گیا۔

"ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔ مجھے ایک شوہر کی۔ ایک نام کی جو مجھے معتبر کر دے۔ جدون کو ایک خوبصورت بیوی چاہیے تھی جسے وہ سوسائٹی میں استعمال کر سکے۔ اس لیے ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ شادی کر لی۔ اسے حقیقت پسندی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔

"کوئی زیادہ مناسب ڈیل نہیں کی تم نے...... جدون تمہاری منزل نہیں ہو سکتا۔" اس نے مشروب کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"منزل کس کو چاہیے...... یہ تو بس زندگی گزارنے کا سامان ہے۔ جدون، تم، یا کوئی بھی اور......" وہ جام ہونٹوں کے پاس لاتے لاتے رک گیا۔ وہ عورت سفاکی کی حد تک صاف گو تھی۔

"میں بھی......؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا کہ صبیحہ کاروانی نے اس تبصرے میں اس کو شامل کیا تھا۔

بہت کم عورتیں تھیں جنہوں نے اس کی مردانگی کو اس طرح ٹھیس پہنچائی تھی، جس طرح سامنے بیٹھی ہوئی عورت پہنچا رہی تھی۔ اور وہ اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے یہ سب برا لگ رہا تھا یا اچھا۔

"ہاں تم بھی...... آخر تم میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ تم اس فہرست میں شامل نہیں ہو سکتے۔" وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

پھر اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی، یوں جیسے وہ اس کی بات سے محظوظ ہوا ہو۔

"مجھے تم جیسی عورتیں اچھی لگتی ہیں۔" اس نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ جام کو ایک بار پھر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"عورتیں......؟" صبیحہ کاروانی نے بڑے معنی خیز انداز میں لفظ پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ جام ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے صبیحہ سے کہا۔

"عورت......"

"کون سی عورت......؟ وہ جو تمہاری بیوی ہے؟" صبیحہ نے کچھ انجان بنتے ہوئے کہا، وہ کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں وہ بھی......" صبیحہ نے اس بار اس کی بات کاٹ دی۔

"ابھی بات کر رہے تھے تم مرد اور عورت کی محبت کی۔ یہی فرق ہوتا ہے دونوں میں۔ عورت کی محبت میں کوئی "بھی" نہیں ہوتا۔ مرد کی محبت میں بہت سارے "بھی" ہوتے ہیں۔" اس بار پہلی بار اس نے صبیحہ کی آواز میں ہلکی سی ترشی اور تلخی محسوس کی۔

وہ چند لمحوں کے لیے کچھ بول نہیں سکا، کسی ایسے شخص کے ساتھ بات کرنا بہت مشکل ہوتا ہے جو کسی کو بھی چٹکیوں میں اڑانے کے فن سے واقف ہو اور اس نے اپنے دل میں اعتراف کیا کہ سامنے بیٹھی ہوئی عورت اس فن میں طاق تھی۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرد ہر بات میں محبت کہاں سے لے آتا ہے۔" وہ بول رہی تھی۔ "اچھے خاصے تم

اور میں بیٹھے انجوائے کر رہے ہیں۔ ایک شاندار ہوٹل کا شاندار کھانا، خوبصورت ماحول، دل کو چھونے والی موسیقی۔ اب محبت کہاں سے آ گئی یہاں۔ مگر مرد ضرور کہے گا ...... "مجھے تم سے محبت ہے۔ تم میں کوئی خاص بات ہے۔ تم ایک مختلف عورت ہو۔" وہ اب مختلف آوازوں میں مختلف جملے دہرا رہی تھی۔

"تم دنیا کی سب سے خوبصورت عورت ہو...... تم صرف تم ہو۔ میں نے تمہارے علاوہ کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ تم میری زندگی ہو...... میں تمہیں پہلی نظر دیکھتے ہی تمہاری محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ تمہارے جیسا دوسرا کوئی بھی نہیں ہے۔ میری زندگی میں کبھی تم جیسی عورت نہیں آئی۔ وغیرہ...... وغیرہ...... وغیرہ...... کسی عورت سے تعلقات بڑھانے کا کس قدر تھرڈ کلاس طریقہ ہے یہ کہ اسے محبت کا جھانسہ دینا شروع کر دیا جائے۔"

وہ بالکل ساکت بیٹھا اسے سن رہا تھا۔ صبیحہ کادوانی کو دوسروں کے بخیے ادھیڑنے میں کمال حاصل تھا، پہلے اس نے یہ بات دوسروں سے سنی تھی۔ آج وہ اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"اس ساری "بکواس" کے بغیر بھی تو عورت اور مرد اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں...... کہیں جا سکتے ہیں...... فلم دیکھ سکتے ہیں۔ فون پر بات کر سکتے ہیں...... کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ اب بڑی معصومیت اور ملائمت کے ساتھ اس سے پوچھ رہی تھی۔

وہ اپنا کوئی خیال بتانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اپنا گلاس صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی میری رائے جاننا چاہتی ہو؟"

"ہاں، میں واقعی تمہاری رائے جاننا چاہتی ہوں۔"

"تم فطرت سے جنگ کر رہی ہو۔"

"فطرت......؟" اس کی بات پر صبیحہ کادوانی نے طنزیہ انداز میں اپنے ابرو اچکاتے ہوئے کہا۔

"فطرت...... میں لعنت بھیجتی ہوں فطرت پر۔" وہ اب لاپروائی سے اپنی ایک لٹ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

"تو پھر ہم دونوں یہاں کیوں بیٹھے ہیں۔ تم اپنے شوہر کے ساتھ...... اور میں اپنی بیوی کے ساتھ کیوں نہیں ہوں؟" اس نے کچھ ناراض ہوتے ہوئے صبیحہ سے کہا۔

"تم واقعی اپنے اس سوال کا جواب چاہتے ہو؟" صبیحہ نے بڑی ادا کے ساتھ کہا۔

"سوال جواب حاصل کرنے کے لیے ہی کیے جاتے ہیں۔"

"تو پھر سنو......" وہ یک دم اپنے بالوں کی لٹ چھوڑ کر ٹیبل پر کہنیاں رکھ کر کچھ آگے بڑھ آئی۔ "تمہیں اور مجھے اپنی اپنی ضرورتیں اس ٹیبل پر لے آئی ہیں۔ میں تم سے تھوڑی دیر پہلے کہہ رہی تھی نا کہ میری اور جدون کی شادی ضرورت کی شادی ہے...... اسی طرح اس ٹیبل پر تمہارا اور میرا اکٹھا بیٹھنا بھی ویسا ہی تعلق ہے۔ ہم کچھ چیزوں کا تبادلہ کرنے بیٹھے ہیں۔ کچھ تمہارا کچھ میرا۔ اس سے زیادہ کیا ہے ہمارے درمیان۔ اور تم اس سودے میں پیسہ استعمال کرنے کے بجائے محبت کے لفظوں کا ڈھیر پیش کر رہے ہو۔ بازار میں کھڑے ہو کر سکوں کے بجائے لفظوں سے اپنی پسند کی چیز خریدنا چاہتے ہو...... تم اس قدر نامور بزنس مین ہو۔ میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ تمہیں بزنس کرنا نہیں آتا۔ ہاں مگر یہ ضرور کہوں گی کہ تم غلط جگہ پر غلط شخص کے ساتھ غلط لین دین کر رہے ہو۔ میرے ساتھ تعلقات بڑھانے کے لیے تمہیں مجھے اپنی محبت کا یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لفظوں کے بغیر بھی میں تمہارے ساتھ کسی بھی وقت ایسی کسی جگہ کھانا کھانے اور آنے کو تیار ہوں۔"

"تمہیں برا لگے گا اگر میں تم سے محبت کا اظہار کروں گا؟" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"برا......؟" وہ ہنسی "مجھے گھن آتی ہے ایسے مردوں سے جو ہر دوسری عورت کے ساتھ اظہار محبت کر رہے ہوتے ہیں۔"

"جدون سے گھن نہیں آتی تمہیں؟ وہ بھی ہر دوسری عورت سے اظہار محبت کرتا پھرتا ہے۔" اس نے کچھ برا مان کر کہا۔

"جس دن وہ مجھ سے اظہارِ محبت کرے گا، اس دن مجھے اس سے بھی گھن آنے لگے گی۔"

"یہ سب کچھ جو تم مجھ سے کہہ رہی ہو، کبھی جدون سے کہا ہے؟"

"ضرورت نہیں پڑی۔" وہ اپنے سامنے رکھے ہوئے کینڈل اسٹینڈ پر نظریں جمائے بولی۔

"صبیحہ کاووانی! مجھ سے شادی کرو گی؟" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

وہ چونکے بغیر اسے دیکھنے لگی ایک نظر اس پر ڈال کر وہ ایک بار پھر اسی کینڈل اسٹینڈ کی طرف متوجہ ہو گئیں

"تم سے کچھ پوچھا ہے میں نے؟" اس کی خاموشی اسے ناگوار گزری۔

"تم میں ایسا کیا ہے کہ تم سے شادی کی جائے؟" اس بار صبیحہ کے لہجے میں خنکی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لیا۔

"تم پہلی عورت ہو جسے مجھ میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"اور یہ چیز تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ تمہارے جذبات مجروح ہوئے ہوں گے۔ میں شریف عورت نہیں ہوں۔ مگر پیروں میں بچھنے والی عورت بھی نہیں ہوں اور یہ چیز تم سے برداشت نہیں ہو رہی۔" وہ اس کی بات پر ہنسا۔

"میں پھر کہوں گا کہ مجھے تم سے محبت ہے تو تمہیں مجھ سے گھن آنے لگے گی اور شاید ہنسی بھی۔ مگر سچ یہی ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔" صبیحہ نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

"اور پھر جس عورت سے تمہیں محبت ہو جائے، اسے پرپوز کرنا تو تم اپنا فرض سمجھتے ہو...... بائی داوے ایک دن میں یہ کام کتنی دفعہ کرتے ہو؟"

"اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ میں صبیحہ کاووانی سے کتنی بار ملتا ہوں۔" اس نے برجستگی سے کہا۔

"اچھا اور جدون کا کیا کروں؟" صبیحہ نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"اس سے طلاق لے لو۔" اس نے چٹکی بجاتے ہی حل پیش کیا۔

"تم جانتے ہو، ایک ہفتے میں کتنے مرد مجھے پرپوز کرتے ہیں؟" صبیحہ نے اسے جتاتے ہوئے کہا۔

"کرتے ہوں گے مگر ان میں کوئی بھی ہارون کمال نہیں ہوگا۔" وہ مسکرایا۔

☆☆☆

بالترتیب چوتھے اور ساتویں دن ان بچوں کی حالت بہتر ہونا شروع ہو گئی اور اس نے پہلی بار انہیں آنکھیں کھولے اپنے ماحول کو دیکھنے کی کوشش کرتے دیکھا۔ نحیف و نزار وجود کے ساتھ وہ اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کو پوری طرح کھولے اپنے اردگرد پتا نہیں کیا چیز تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فاطمہ انکیوبیٹرز کے پاس کھڑی بہت دیر انہیں دیکھتی رہی۔ اسے ترس آ رہا تھا۔ ہمدردی ہو رہی تھی؟ افسوس ہو رہا تھا؟ یا تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ یہ اندازہ کرنے سے قاصر تھی مگر وہ کچھ عجیب سے احساسات سے دوچار ضرور ہو رہی تھی۔

"اپنی اولاد کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دینے کے لیے بہت ہمت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب وہ اولاد زندہ بھی ہو۔"

فاطمہ کو اپنا وجود کبھی بھی مکمل نہیں لگا تھا۔ وہ اپنے بارے میں جب بھی سوچتی، اسے اپنی خامیوں کے علاوہ کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا اور یہ خامیاں اور کمیاں اس کے اندر دھواں بھر دیتی تھیں۔

"مجھے دیا کیا ہے اللہ نے......؟ سیاہ رنگت، کوئلے جیسی سیاہ رنگت۔" وہ کڑھنا شروع ہو جاتی۔ "چھوٹا قد...... بھدے نقوش...... بدصورت آنکھیں...... ٹیڑھے میڑھے دانت، اور ہاتھ کی معذوری۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگتے۔ "ہر بری چیز چن کر میرے مقدر میں لکھ دی اور اس کے بعد مجھے غربت اور بھوک بھی دے دی۔ مجھے اس گھر میں اتار دیا جہاں میرے لیے رزق ہی نہیں تھا۔ جہاں میری ضرورت تک نہیں تھی۔ ایک بوجھ بنا کر مجھے لوگوں پر مسلط کر دیا۔ تاکہ میں ان کی چبھتی نظروں کا نشانہ بنوں، ان کی حقارت آمیز ہنسی کی آواز ہمیشہ میرے کانوں کو چھیدتی رہے، ان کے طنز اور طعنوں کے نشتر ہمیشہ میرے وجود

کوز تی کرتے رہیں۔ اس کا وجود جلنے لگتا۔

''مجھے بناتے ہوئے خدا کو مجھ پر رحم نہیں آیا ہوگا۔ اگر آتا تو وہ خامیوں اور کمیوں کا مرقع بنا کر زمین پر نہ اتار دیتا۔ آخر اللہ نے یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں کیا ہے...... اوروں کے ساتھ کیوں نہیں کیا۔ لوگ آخر مجھ پر کیوں نہ ہنسیں، ہو سکتا ہے اللہ خود بھی مجھ پر ہنستا ہو۔'' وہ ایسی باتیں سوچنے پر آتی تو سوچتی ہی چلی جاتی اور پھر اس کی فرسٹریشن اور ڈپریشن کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا۔

اس وقت ان بچوں کی سفید رنگت، تیکھے نقوش، خوبصورت آنکھیں اور ہر لحاظ سے مکمل وجود پر نظر دوڑاتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ ان میں ایسی کون سی کمی تھی جو انہیں ایک نرم اور آرام دہ بستر اور ماں کی گود کے بجائے گندگی کے ڈھیر پر لے آئی تھی۔

''کم از کم مجھے کوڑے پر نہیں پھینکا گیا تھا۔ کم از کم میرے مقدر میں کوڑے کے ڈھیر پر پڑا ہونا نہیں تھا۔ اپنی ساری بدصورتی اور خامیوں کے باوجود مجھے ایک گھر میں پیدا کیا گیا۔ ماں باپ کے نام اور وجود کے ساتھ...... ایک چھت کے نیچے۔

کسی نے مجھے ان بچوں کی طرح......'' وہ سوچتی جا رہی تھی۔

''اور اب جب ان کی حالت ٹھیک ہو رہی ہے اور یہ آہستہ آہستہ بالکل صحت یاب ہو جائیں گے تو کیا ہوگا یہ کہاں جائیں گے؟ کسی یتیم خانے میں بہت سے دوسرے بچوں کے ساتھ...... ان ہی کی طرح کے بہت سے دوسرے بچوں کے ساتھ...... کیسی زندگی جئیں گے یہ......؟ اپنے مکمل وجود اور ہر خوبی کے ساتھ...... محرومی، ذلت اور محتاجی کی...... طنز و طعنوں اور حقارت کی۔ محبت سے محرومی کی۔ یا ہر چیز سے محرومی کی۔ ایک دو گھنٹے کے لیے نہیں۔ دن کے لیے نہیں۔ ہفتوں کے لیے نہیں۔ مہینوں کے لیے نہیں۔ سالوں کے لیے نہیں، ساری زندگی کے لیے۔ ایک ایک لمحے کے لیے، ایک ایک ساعت کے لیے۔

آگہی
آگہی
آگہی
ایک سوال
میں بھلا کون ہوں؟
کیا ہے میرا جواز؟
یاد رکھنا ہے کیا؟
بھول جانا ہے کیا؟
کون بتلائے گا؟
کس سے مانگوں جواب؟
دھندلی فکروں میں کھوئی رہوں کب تک؟
پیچھے دیکھوں یا آگے میں بڑھتی رہوں؟
ہے کہاں روشنی؟
ہے کہاں روشنی؟
آگہی!
آگہی!
آگہی!

....

صائقہ کی خوش قسمتی تھی، اسے طلاق نہیں ملی تھی۔ صرف یہ ہوا تھا کہ ظفر نے مصباح کی پیدائش کے دو ماہ کے بعد دوسری

شادی کر لی تھی۔ صائقہ سے کہہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر ہی رہے اور اپنی بیٹیوں کو بھی اپنے پاس رکھے کیونکہ ظفر ایک وقت میں صرف ایک بیوی اور گھر کے اخراجات چلا سکتا تھا۔ اور وہ بیوی وہ اپنے گھر لا چکا تھا۔

صائقہ اب بیوی نہیں رہی تھی۔ وہ اب صرف چار بیٹیوں کی ماں تھی۔ چار بیٹیوں کی ماں بیوی تو کیا بعض دفعہ عورت بھی نہیں رہتی۔ صائقہ بھی عورت نہیں رہی تھی۔

اس پر صرف یہ عنایت کی گئی تھی کہ اسے طلاق نہیں دی گئی تھی۔ یہ ایسا احسان تھا جسے وہ ساری عمر نہیں اتار سکتی تھی۔

ظفر کی ''اعلیٰ ظرفی'' اور ''رحم'' کی اس سے بڑی مثال اور ثبوت کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

عورت کو کھانے کے لیے خوراک، پہننے کے لیے لباس، سر پر چھت اور دوسری ضروریات کے لیے پیسوں کی ضرورت کہاں ہوتی ہے۔ اس کے لیے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے نام کے ساتھ اس مرد کا نام منسلک رہے جس کو اس کا کفیل بنا دیا گیا ہے۔ صائقہ کو بھی بس یہی نعمت دے دی گئی تھی۔

چاروں بیٹیوں اور اپنے لیے کسی ''مقدر'' کو اسے خود تلاش کرنا تھا اور یہ تلاش اسے کانٹوں کے جنگل میں لے جانے والی تھی۔ بھوک، بے عزتی، ذلت، طنز، خواری، وہ جانتی تھی اسے ہر چیز سے گزرنا ہے۔

اسے مصباح سے نفرت تھی۔ آخر چوتھی بیٹی سے نفرت کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا تھا۔

''کیا اس کے بجائے اللہ مجھے ایک بیٹا نہیں دے سکتا تھا۔ اور بیٹا نہ دیتا تو کم از کم اسے زندہ ہی نہ رکھتا...... مجھے ایک اور موقع مل جاتا......'' اس کا افسوس کسی طرح کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

باقر شیرازی نے اس عورت کو پہلی بار اپنے ایک دوست کے گھر پر ہونے والی ایک تقریب میں رقص کرتے دیکھا اور وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔

وہ عورت سرخ رنگ کی سلیولیس نفیس سلک کی میکسی میں ملبوس تھی۔ جس پر سنہری رنگت کے ستارے لگے ہوئے تھے۔ اس کے جسم کے ساتھ چپکی ہوئی سرخ میکسی اگر اس کے جسم کے خطوط کو واضح کر رہی تھی تو دوسری طرف وہ وہاں موجود عورتوں اور مردوں کے حسد اور رشک کو بھی بڑھا رہی تھی۔

گہرے سرخ رنگ کی جھلملاتی ہوئی میکسی نے اس کی سرخ و سفید رنگت کو کچھ اور نمایاں کر دیا تھا۔ وہ اپنے گھنے سیاہ بالوں کا اونچا سا جوڑا بنائے ہوئے تھی اور اس کی صراحی دار گردن اور گردن کے گرد موجود سرخ نگینوں کا ایک نیکلس اس کے عریاں کندھوں اور بہت نمایاں کالر بون کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔

وہ اس وقت ایک ادھیڑ عمر شخص کے ساتھ ڈانس کرنے میں مصروف تھی۔ وہ دونوں بڑی خوبصورتی سے ایک دوسرے کو تھامے ہوئے رقص کر رہے تھے اور ہر بار جب وہ رقص کرتے ہوئے چکر کاٹتی تو ڈانس فلور کو چھوتی ہوئی میکسی فضا میں گھومتے ہوئے کچھ بلند ہو جاتی اور اس کے پاؤں نظر آنے لگتے جن میں ایک بہت نازک مگر ہائی ہیل والا جوتا تھا۔ چند لمحوں کے اندر میکسی کا دامن ایک بار پھر ڈانس فلور پر تھرکتے اس کے قدموں کو چھپاتے ہوئے ڈانس فلور کو چھونے لگتا۔

وہ عورت اپنے ساتھ رقص کرتے ہوئے ادھیڑ عمر آدمی سے زیادہ دراز قامت تھی۔ اور خوبصورتی میں تو ان دونوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ وہ شخص اگرچہ بہت مہنگے اور نفیس کپڑوں میں ملبوس تھا مگر وہ بہت ہی عام سی شخصیت کا مالک تھا۔

''پہلوئے حور میں لنگور......'' باقر شیرازی اپنے ہاتھوں میں پکڑے گلاس سے سپ لیتے ہوئے بڑبڑایا۔

وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہاں آیا تھا اور وہاں آتے ہی اس کی نظر اس عورت پر پڑ گئی اور اب کوشش کے باوجود وہ کہیں اور دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ اور ایسی کوشش کرنے والوں میں وہ اکیلا نہیں تھا وہاں موجود زیادہ تر مرد ایسی ہی کوشش میں مصروف تھے۔ ڈانس فلور پر محو رقص وہ عورت ماحول اور وہاں موجود لوگوں کے حواس پر مکمل طور پر چھائی ہوئی تھی۔ اور اس کرشمے کے باوجود وہ اپنے گرد و پیش سے خاصی بے نیازی ہو کر اپنے ساتھ محو رقص اس ادھیڑ عمر آدمی سے باتوں میں مصروف

تھی۔

باقر شیرازی کو اس ادھیڑ عمر آدمی کی قسمت پر رشک آیا پھر یک دم یہ رشک حسد میں تبدیل ہونے لگا۔ وہ عورت اب کی بات پر ہنس رہی تھی اور ہنستے ہنستے اس نے بڑے التفات اور بے تکلفی کے عالم میں اس ادھیڑ عمر شخص کے گال کو چھوا۔

باقر شیرازی کو اپنے دل کی دھڑکن رکتی ہوئی محسوس ہوئی اسے حیرت ہوئی کہ اس عورت کے ساتھ ڈانس فلور پر رقص کرنے والا وہ شخص ابھی تک ہارٹ اٹیک کا شکار کیوں نہیں ہوا۔

''اگر یہ عورت میرے ساتھ اس طرح رقص کر رہی ہو اور اس طرح ہنسے تو میں...... میں تو فوراً ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔'' وہ ایک بار پھر بڑبڑایا۔

اس کی نظریں اب بھی ان ہی دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ڈانس فلور پر کچھ اور جوڑے بھی رقص میں مصروف تھے مگر اس کی طرح ہر کسی کی توجہ اسی عورت پر مرکوز تھی۔

''کم از کم پانچ فٹ آٹھ انچ......'' اس نے دل ہی دل میں اس کے دراز قد کو سراہا۔ خوبصورتی کے ساتھ اس عورت میں وقار بھی تھا۔ باقر شیرازی نے اس کی عمر کا اندازہ لگانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اسے اپنا ہر اندازہ غلط لگ رہا تھا۔

اسی وقت اس کا میزبان اس کے پاس آیا۔ باقر شیرازی اس عورت کو دیکھنے میں اس قدر محو تھا کہ اس نے شجاع کو اپنے قریب آتے نہیں دیکھا۔

شجاع نے باقر شیرازی کے قریب آتے ہی اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور پھر ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ باقر شیرازی کی طرح وہ بھی ہاتھ میں ایک گلاس تھامے ہوئے تھا۔

باقر شیرازی کے انہماک کو توڑتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ باقر شیرازی نے کچھ چونک کر شجاع کو دیکھا جو معنی خیز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کسی قسم کی شرمساری کا اظہار کیے بغیر باقر نے اس عورت کے بارے میں پوچھا۔

''حیرت کی بات ہے کہ اتنا سوشل ہونے کے باوجود ابھی تک میرا اور اس کا سامنا کہیں ہوا نہیں۔'' اس کا تعارف سننے کے بعد باقر شیرازی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''ہو سکتا ہے یہ اعزاز میرے گھر کو ہی حاصل ہونا ہو کہ آپ دونوں یہاں ایک دوسرے سے ملیں۔'' شجاع نے کچھ شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ باقر شیرازی نے اس کی بات کا جواب ایک مسکراہٹ سے دیا اور ایک بار پھر ہاتھ میں پکڑا مشروب پینے لگا۔

وہ وفاقی حکومت کا ایک اہم وزیر تھا اور ہر وزیر کی طرح اس کی سرگرمیوں اور تفریحات کی فہرست خاصی طویل تھی۔ اس کا تعلق سندھ سے تھا اور یکے بعد دیگرے وہ اب تک پانچ شادیاں کر چکا تھا، تین بیویوں کو وہ طلاق دے چکا تھا۔ جب کہ دو بیویاں ابھی بھی اس کے ساتھ تھیں۔ اپنی رنگین مزاجی کے حوالے سے وہ خاصی شہرت رکھتا تھا اور اسے اس شہرت پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

وہ خود بھی خاصی متاثر کن شخصیت کا مالک تھا اور صنف نازک میں خاصا مقبول تھا۔ اس کی یہ مقبولیت بہت سے دوسرے لوگوں کو حسد میں مبتلا کر دیا کرتی تھی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ جو عورت کسی کو بھی گھاس نہ ڈالتی ہو۔ وہ بھی باقر شیرازی کے سحر سے بچ نہیں سکتی تھی۔ اسے کسی بھی عورت کو شیشے میں اتارنے میں چند منٹ لگتے تھے اور اس کی پانچ شادیاں اور دو موجودہ بیویاں بھی کسی ایسی عورت کو برگشتہ نہیں کر پاتی تھیں جس میں باقر شیرازی دلچسپی لے رہا ہو۔ اور اس کی واحد وجہ اس کا عہدہ اور دولت نہیں تھی اگرچہ یہ اس کا کام آسان کرنے میں اس کی خاصی مدد کرتے تھے۔

اس کے بارے میں ایک حیران کن بات یہ بھی تھی کہ جن تین عورتوں کو اس نے طلاق دی تھی یا جن عورتوں کے ساتھ وہ وقتی طور پر فلرٹ کرنے کے بعد انہیں چھوڑ دیتا، ان میں سے کبھی بھی کسی نے اس کے بارے میں پبلک میں یا پریس کے سامنے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے گوشہ گمنامی میں چلی جاتیں یا پھر کچھ بھی کہنے سے صاف انکار کر دیتیں اور اگر کبھی کسی

وقت نے ان کو اکسا کر باقر شیرازی کے بارے میں کچھ کہنے پر مجبور کیا بھی تو وہ باقر شیرازی کی تعریف کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کہتی تھیں۔ اس وقت ان سے بات کرنے والا یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ کسی قسم کے دباؤ میں نہیں تھیں۔ وہ تعلقات یا رشتہ ختم ہونے کے بعد بھی باقر شیرازی کی محبت میں اسی طرح گرفتار تھیں جس طرح پہلے تھیں۔

ایک فلرٹ ہونے کے باوجود باقر شیرازی کا فلسفۂ اخلاقیات بہت عجیب تھا۔ وہ ان تمام عورتوں کی بہت عزت کرتا تھا جن سے اس کی شناسائی تھی اور جتنے عرصہ یہ شناسائی رہتی وہ انہیں ساتویں آسمان پر بٹھائے رکھتا پھر جب اس کی زندگی میں کوئی دوسری عورت آنے لگتی تو وہ بڑے مہذب انداز میں پہلی عورت سے علیحدگی اختیار کر لیتا۔ مگر اس سے کسی زمانے میں معمولی سی شناسائی رکھنے والی کوئی بھی عورت کبھی بھی اسے مدد کے لیے پکارتی، وہ کسی تاخیر کے بغیر اس کی مدد کرتا۔ چاہے یہ شناسائی چند لمحوں ہی کی کیوں نہ ہو۔

جن تین بیویوں کو وہ طلاق دے چکا تھا، ان میں سے دو دوسری شادی کر چکی تھیں۔ اور اس کے باوجود وہ ان تینوں سے رابطے میں رہتا تھا۔ نہ صرف اس کا ان سے رابطہ تھا بلکہ اس نے بہت بار اپنی ان دونوں بیویوں کے شوہروں کی ہر مشکل میں مدد کی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ابھی تک کسی عورت نے باقر شیرازی کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ کوئی عورت بھی باقر شیرازی سے الگ ہوتے ہوئے کسی ہتک یا توہین کے احساس سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔

اور اس وقت سامنے اسٹیج پر رقص کرتی ہوئی خوبصورت عورت اس کی مرکز نگاہ تھی۔

”میں تعارف کرواتا ہوں آپ دونوں کا۔“ شجاع نے یک دم ڈانس فلور کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔ باقر شیرازی نے بڑے پرسکون انداز میں ایک ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

”ابھی نہیں...... وہ عورت رقص سے محظوظ ہو رہی ہے۔ اسے محظوظ ہونے دو۔ میں اس کی تفریح ختم نہیں کرنا چاہتا۔ میں انکار کر سکتا ہوں۔“ شجاع خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔

”آیئے پھر میں آپ کو کچھ اور لوگوں سے ملواتا ہوں۔ تب تک یہ دونوں ڈانس فلور سے نیچے اتر آئیں گے۔“ شجاع نے اس سے کہا۔

باقر شیرازی نے پاس سے گزرتے ہوئے ویٹر کی ٹرے میں خالی گلاس رکھتے ہوئے کہا ”ہاں یہ ٹھیک ہے...... تب تک وقت کو اسی طرح گزارنا چاہیے۔“ وہ اس کے ساتھ کچھ فاصلے پر کھڑے لوگوں کے ایک گروپ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

اگلے چند دن گھر میں کیا ہوتا رہا، وہ اندازہ نہیں کر سکی مگر گھر کی فضا میں تناؤ بڑھ چکا تھا۔ اس کی شادی شدہ بہنیں گھر آئی ہوئی تھیں۔ اور رات کو بابا کے کمرے میں ان لوگوں کا اجتماع ہوتا۔ وہ کیا طے کر رہے تھے یا کرنے کی کوشش کر رہے تھے، وہ نہیں جان پاتی۔ مگر یہ ضرور اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس سارے بحث و مباحثے اور غور و فکر کا تعلق اسی کی ذات سے ہے اور شائستہ کو ان کی پریشانی کی رتی بھر پروا نہیں تھی۔

چند دن بعد ایک دن امی نے اسے بتایا کہ وہ اور اس کے بابا اس شام ہارون کے گھر جا رہے ہیں۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ ناممکن ممکن ہو چکا تھا۔ وہ چند منٹ کے اندر اپنی ساری پریشانی بھول چکی تھی۔

اس کے والدین اس شام ہارون کے گھر گئے اور واپسی پر اسے یہ پتا چل گیا تھا کہ ہارون کے گھر والوں نے پرپوزل قبول کر لیا تھا۔ شائستہ نے سکون کا سانس لیا۔ وہ بے یقینی اور اضطراب کے اس بھنور سے باہر آ چکی تھی جس نے پچھلے کچھ دنوں سے اسے اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

اس رات ہارون نے اسے فون کیا اور پہلی بار شائستہ نے کسی خوف کے بغیر اس سے بات کی۔ وہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھا اور اس سے معذرت کر رہا تھا۔ وہ معذرت نہ بھی کرتا، تب بھی شائستہ کے دل میں اس کے لیے کوئی بدگمانی نہیں تھی۔ وہ دونوں بہت دیر ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہے۔ پھر جب اس نے فون بند کیا تو امی نے اس سے کہا ”تم صرف

پندرہ دن تک یہاں ہو، پندرہ دن کے بعد تم اس کے گھر چلی جاؤ گی۔ ان پندرہ دنوں میں اس گھر میں نئی روایات قائم کرنے کی کوشش مت کرو، جو کچھ تم پہلے کر چکی ہو وہی کافی ہے اب اور تماشا مت کرو، ہارون سے کہہ دو کہ اب پندرہ دن تک تمہیں فون نہ کرے۔ اگر اس نے کیا بھی تو فون بند کر دیا جائے گا۔ میں یا گھر کا کوئی دوسرا فرد تمہیں اسے بات کرنے نہیں دے گا۔"

اس نے خاموشی کے ساتھ اپنی امی کی بات سنی اور مان لی، وہ جس قسم کی سرشاری میں مبتلا تھی، اس میں وہ کچھ بھی مان سکتی تھی۔

ٹھیک پندرہ دن کے بعد بڑی سادگی کے ساتھ ہارون کے ساتھ اس کی شادی ہوگئی۔ ہارون کے گھر والوں نے خاصی لمبی چوڑی تقریبات کا اہتمام کیا تھا۔ مگر شائستہ کے گھر والوں نے شادی کے علاوہ کسی تقریب کا اہتمام نہیں کیا اور شادی میں بھی انہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو مدعو نہیں کیا۔

شائستہ کو اس بات کی زیادہ پروا نہیں تھی اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس گھر سے نجات پانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ وہ اس ماحول سے فرار حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ وہ بدنامی کے اس بھنور سے خود کو بچانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ جو اسے اپنی لپیٹ میں لینے والا تھا۔

وہ ہارون کے ساتھ اس کے نئے گھر میں منتقل ہوگئی تھی۔ ہر چیز جیسے اپنے مدار میں آگئی تھی۔ ہر شے اتنی ہی خوبصورت تھی جتنی اس نے سوچا تھا ہارون کے لہجے میں اتنی ہی مٹھاس تھی جتنی پہلے تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے وہی محبت تھی جو پہلے تھی۔ اسے ہارون کے لیے وقتی طور پر ابھرنے والی بدگمانیوں پر ہنسی آنے لگتی۔

"ہارون یقیناً بہترین انسان ہے۔" وہ سوچتی۔

☆☆☆

"اب آپ ان بچوں کو یہاں سے لے جا سکتی ہیں، یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ تھوڑے بہت علاج کی ضرورت ہے انہیں، لیکن وہ آپ انہیں گھر پر رکھ کر بھی کروا سکتی ہیں۔" پندرہ دن بعد ڈاکٹر نے فاطمہ سے کہا اور وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"میں گھر پر — مگر آپ جانتے ہیں یہ میرے بچے نہیں ہیں۔" وہ ہکلائی۔

"تو پھر آپ انہیں کسی یتیم خانے کے حوالے کر دیں۔" ڈاکٹر نے بڑے پروفیشنل انداز میں کسی جذباتیت کے بغیر کہا۔ "چونکہ آپ ہی انہیں یہاں لے کر آئی تھیں اور آپ ہی روز ان کا حال احوال پوچھنے آ رہی ہیں، اس لیے مجھے آپ کو ہی یہ سب بتانا تھا۔"

"یتیم خانے —؟" وہ کچھ الجھنے لگی۔

"یا آپ ایسا کریں کہ پولیس کو اطلاع کر دیں۔ وہ خود ہی انہیں اپنی کسٹڈی میں لے کر کہیں نہ کہیں بھجوا دیں گے۔" ڈاکٹر نے اس کی ہچکچاہٹ دیکھتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے جانے کے بعد اس نے ایک بار پھر اپنی نظر ان بچوں پر مرکوز کر لی جو بالکل نارمل انداز میں آنکھیں کھولے حرکت کر رہے تھے۔ اس کے پاس کھڑا شبیر بھی اس کی طرح مسحور ہو کر ان دونوں بچوں کو دیکھنے میں مصروف تھا۔ ان دونوں بچوں کی حرکات فاطمہ سے زیادہ اس کے لیے دلچسپی کا باعث تھیں اور وہ روز بڑے شوق کے ساتھ وہاں آیا کرتا۔

وہاں کھڑے ہو کر انہیں دیکھتے ہوئے وہ توتلی زبان میں اس سے ان کے بارے میں بہت کچھ پوچھتا رہتا۔ واپس گھر آنے کے بعد بھی اس کے پاس واحد موضوع وہی دونوں بچے ہوتے۔ وہ بار بار کسی نہ کسی طرح ان کا ذکر کرتا رہتا اور یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا۔ وہ شبیر کی ان بچوں میں دلچسپی سمجھ سکتی تھی مگر وہ ان کے مستقبل کے بارے میں شش و پنج کا شکار تھی۔ شبیر کی طرح وہ بھی ان دونوں سے مانوس ہو چکی تھی مگر یہ انس اسے اب مشکل سے دوچار کر رہا تھا۔

"کیا میں انہیں یتیم خانے میں بھجوا دوں؟ کیا میں انہیں پولیس کے حوالے کر دوں — ؟ کیا — ؟ کیا میں — میں انہیں

اپنے پاس رکھ لوں ..... مگر میں انہیں اپنے پاس کیسے رکھ سکتی ہوں؟" میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے ..... تین بچوں کی پرورش میں کیسے کروں گی اور پھر اتنے چھوٹے بچوں کی پرورش ..... تو پھر مجھے انہیں یتیم خانے میں بھیج دینا چاہیے۔ مگر پھر وہاں ان کا کیا ہوگا؟" وہ عجیب تذبذب کا شکار تھی۔

وہ بچے اب مسکرا رہے تھے۔ وقفے وقفے سے ..... کچھ نہ سمجھتے ہوئے۔ کچھ سمجھتے ہوئے۔ اس کے لیے فیصلہ مشکل کرتے ہوئے، اس کے لیے فیصلہ آسان کرتے ہوئے۔ اس کی انگلی کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لیے ہوئے ..... منہ سے آوازیں نکالتے ہوئے ..... پیر ہلاتے ہوئے ..... اپنی چمک دار آنکھوں سے وقتاً فوقتاً اسے گھورتے ہوئے، کیا مصیبت تھی ..... کیا آسانی تھی

شہیر مکمل طور پر مسحور تھا۔ وہ مکمل طور پر اضطراب کا شکار تھی۔

کیا کرنا چاہیے؟ کیا نہیں کرنا چاہیے، زندگی میں واقعی کچھ فیصلے نہ چاہنے کے باوجود کرنے پڑتے ہیں۔ سمجھ میں ہی نہیں آتا کب، کیوں اور کیسے ہم کسی فیصلے اور مسئلے کا حصہ بن جاتے ہیں۔ پھر پیر چاہے آگے رکھیں یا پیچھے دونوں صورتوں میں مکڑی کے جالے کا تار ہمارے ساتھ کھنچتا چلا آتا ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

"میں انہیں اپنے پاس رکھوں گی۔"

☆☆☆

"آپ بہت اچھا رقص کرتی ہیں۔" آدھے گھنٹے بعد شجاع نے اس عورت کے ڈانس فلور سے اترنے کے بعد باقر شیرازی کا اس سے تعارف کروایا۔

باقر شیرازی کو ایک لمبے عرصے کے بعد ایک عورت کے سامنے کھڑا ہوا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ وہ دور ڈانس فلور پر جس قدر خوبصورت لگ رہی تھی۔ اب دو قدم کے فاصلے پر کھڑی اس سے کہیں زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

شجاع تعارف کروا کر چلا گیا۔ باقر شیرازی نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"تھینک یو....." اس نے بہت مختصر جواب دیا، ایک دم باقر شیرازی کو احساس ہوا کہ یہ عورت اپنے سحر اور صنف مخالف پر ہونے والے اس کے اثر سے بہت اچھی طرح واقف تھی۔

"اس سے زیادہ احمقانہ بات اور کوئی نہیں ہو سکتی اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ بہت خوبصورت ہیں ..... یقیناً اس سے آپ کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا؟" وہ عورت قدرے حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ ایسی تقریبات میں شرکت نہ کیا کریں، جہاں میرے جیسے کمزور دل اور اعصاب کے اشخاص موجود ہوں۔" باقر شیرازی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

اس عورت نے غور سے باقر شیرازی کو دیکھا اور پھر یک دم کھلکھلا کر ہنسی، یقیناً وہ اس کی بات سے محظوظ ہوئی تھی۔

باقر شیرازی نے ایک گہرا سانس لیا۔ "آپ اس طرح ہنسیں گی تو زندگی کچھ اور مشکل بنا دیں گی۔ میرے جیسے لوگوں کے لیے۔" اس کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

"باقر شیرازی صاحب ....." اس عورت نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر باقر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"باقر شیرازی صاحب .....؟ آپ مجھے صرف باقر کہہ سکتی ہیں۔"

"اوکے ..... باقر .....! آپ کمزور دل کے مالک ہیں نہ کمزور اعصاب کے، کوئی منسٹر ان دو خصوصیات کے ساتھ اس منسٹری کو اتنے اچھے طریقے سے نہیں چلا سکتا جیسے آپ چلا رہے ہیں۔"

"منسٹری سنبھالنا اور بات ہے کسی خوبصورت عورت کا سامنا کرنا اور بات ..... یقین جانیے دوسرا کام زیادہ مشکل ہے۔" باقر شیرازی کی سنجیدگی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"پہلی بار کسی خوبصورت عورت کا سامنا کر رہے ہیں؟" اس نے ایک گہری اور تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''نہیں آخری مرتبہ۔۔۔۔ میں نہیں سمجھتا، میں زیادہ دیر تک یہاں اس طرح کھڑا زندہ رہ پاؤں گا۔'' وہ ایک بار پھر کھلکھلائی۔ باقر شیرازی میں اچانک اسے دلچسپی محسوس ہونے لگی۔

''آپ جیسا نامور بندہ اتنے کمزور اعصاب کا مالک تو نہیں ہوسکتا کہ ایک خوبصورت عورت کا سامنا نہ کرسکے۔'' اس نے کچھ محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ہم تو صرف نام کے نامور ہیں، اصل کمال تو آپ میں ہے۔'' وہ اسے بہت غور سے دیکھنے لگی۔

''اب میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ مجھ میں کیا کمال ہے۔''

''آپ اگر یہ سوال کرتیں تو میں مایوس ہوتا۔'' باقر شیرازی نے اسی برق رفتاری سے کہا۔

''خاصے دلچسپ آدمی ہیں آپ۔۔۔۔''

''صرف دلچسپ۔۔۔۔؟''

''آپ کا کیا خیال ہے، مجھے کیا کہنا چاہیے تھا؟''

''ایک کام میں زندگی میں کبھی نہیں کرتا۔''

''وہ کیا۔۔۔۔؟''

''میں خوبصورت عورت کو مشورہ کبھی نہیں دیتا۔'' وہ کچھ دیر اسے حیرت سے دیکھتی رہی اور پھر ہنس پڑی۔

''خاصے ذہین آدمی بھی ہیں آپ۔۔۔۔''

''یہ میری واحد خوبی نہیں ہے۔''

''اچھا اس کے علاوہ اور کیا خوبیاں ہیں آپ میں؟''

''بہتر ہے، آپ خود دریافت کریں۔''

''اس کام کے لیے تو آپ کے ساتھ خاصا وقت گزارنا پڑے گا۔''

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تھوڑے وقت میں ہی آپ یہ کام کرلیں گی، اور آپ کا وقت ضائع بھی نہیں ہوگا۔''

''میں حیران ہوں، سیاست دان ذہین کب سے ہونے لگے ہیں؟''

''خوبصورت عورت کو دیکھ کر کوئی بھی ذہین ہوسکتا ہے۔''

''خوبصورت عورت کو دیکھ کر یا صرف مجھے دیکھ کر۔''

''مشکل سوال ہے۔''

''ذہین آدمی کے لیے کوئی سوال مشکل نہیں ہوتا۔'' اس نے برجستہ کہا۔ باقر شیرازی نے بے اختیار اپنی کان کی لو کو چھوا۔ سامنے موجود عورت بلا کی حاضر جواب تھی۔

''آپ کے منہ سے ہر سوال مشکل لگتا ہے۔''

''میرے منہ سے یا ہر خوبصورت عورت کے منہ سے۔'' اس نے کہا اور اس بار دونوں بے اختیار ہنسے۔

''آپ سے مل کر خاصی خوشی ہورہی ہے مجھے۔''

''مگر مجھے آپ کو دیکھ کر خوشی ہورہی ہے۔'' باقر شیرازی نے روانی سے کہا۔ وہ ایک بار پھر ہنسی۔

''کیا میں آپ کو کل رات ڈنر کی دعوت دے سکتا ہوں؟'' باقر شیرازی نے بے اختیار پوچھا۔

''نہیں۔''

''کیوں۔۔۔۔؟''

''میں کل رات کی فلائٹ سے امریکہ جارہی ہوں۔''

''اوہ۔۔۔۔'' باقر شیرازی کو مایوسی ہوئی۔

"امریکہ میں کہاں ٹھہریں گی آپ؟" اس نے اپنا ایڈریس دہرایا۔
"واپس کب آئیں گی؟" وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔
"اور وہاں سے واپس آئیں گی بھی یا نہیں؟" باقر نے کچھ مسکرا کر کہا۔
"آؤں گی..... آنا ہی پڑے گا۔" وہ زیرلب بڑبڑائی۔ باقر شیرازی نے یک دم اس کے چہرے پر کچھ اضطراب دیکھا۔
"اب مجھے واپس جانا ہے۔" اس نے باقر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے چہرے پر اب بہت مصنوعی سی مسکراہٹ تھی۔

باقر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی شائستہ کمال۔"
"مجھے بھی....." شائستہ کمال نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

چھٹا باب

جہاز کو اپنی پرواز شروع کیے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا جب ایک ایئر ہوسٹس شائستہ کمال کے پاس آئی۔ شائستہ اس وقت ایک میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی جبکہ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی آیا اسد کو فیڈ کروانے میں مصروف تھی۔

''میڈم! اگر آپ چاہیں تو آپ کو بزنس کلاس میں شفٹ کیا جاسکتا ہے؟'' ایئر ہوسٹس نے مسکراتے ہوئے شائستہ سے کہا۔

شائستہ نے حیرانی سے اس کی آفر کو سنا ''بزنس کلاس میں؟...... کیوں؟''

''صرف آپ کی کمفرٹ (سہولت) کے لیے...... بزنس کلاس کی کچھ سیٹس خالی ہیں اور ہم کچھ مسافروں کو وہاں اس لیے شفٹ کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ وہاں ایئر لائن کی طرف سے مہیا کی جانے والی نئی سہولیات کو دیکھیں اور اگلی بار بزنس کلاس میں سفر کریں۔'' ایئر ہوسٹس نے بڑے نپے تلے انداز میں کہا۔

"a proimotional campaign" (اشتہاری مہم) شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ایئر ہوسٹس نے جواباً کچھ کہنے کے بجائے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''لیکن مجھے تو دو سیٹس کی ضرورت ہے...... میرا بیٹا اور اس کی آیا بھی ساتھ ہے۔''

''میڈم! ہم آپ کو ایک ہی سیٹ آفر کر سکتے ہیں۔ یہ یہیں رہ سکتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں ان کے بارے میں آپ کو مکمل طور پر informed (باخبر) رکھوں گی۔'' ایئر ہوسٹس نے کہا۔

شائستہ کمال ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑی اور پھر وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اسد کے بارے میں فکرمند نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی۔ آیا اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کر سکتی ہے۔

ایئر ہوسٹس اسے اپنے ساتھ بزنس کلاس میں لے آئی۔ وہ خالی سیٹوں کی طرف ہاتھ سے اشارا کرتے ہوئے اس نے شائستہ کمال کو اس کی سیٹ دکھائی۔

''یہ تو دونوں سیٹس خالی ہیں۔'' شائستہ نے کہا۔

''نہیں...... دونوں سیٹس خالی نہیں ہیں، صرف ایک سیٹ خالی ہے۔'' ایئر ہوسٹس نے اس کے استفسار پر کہا۔

شائستہ نے بے نیازی سے کندھے اچکائے اور اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''آپ کچھ پینا پسند کریں گی؟'' ایئر ہوسٹس نے جاتے جاتے اس سے پوچھا۔

''ابھی نہیں، کچھ دیر بعد۔'' شائستہ نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو منع کیا۔

اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس نے اپنا پرس دوسری سیٹ پر لاپروائی سے رکھ دیا۔

وہ ہیئر برش سے اپنے بال سنوار رہی تھی، جب قدموں کی ہلکی سی چاپ اس کے پاس ابھری۔ بال سنوارتے سنوارتے اس نے لاپروائی سے نظر اٹھائی اور کچھ دیر کے لیے اس کا ہاتھ ساکت رہ گیا۔

"good to see you again shaista kamal" (آپ سے دوبارہ مل کر خوشی ہوئی) باقر شیرازی کی چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ وہ اب اس کے قریب سیٹ پر بیٹھ رہے تھے۔

شائستہ کمال نے ایک گہرا سانس لیا اور باقر شیرازی سے نظریں ہٹائے بغیر ایک بار پھر اپنے بالوں میں برش کرنے لگی۔

اس نے باقر شیرازی کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ اسے صرف خاموشی سے گھور رہی تھی۔

"کیا عجیب اتفاق ہے کہ ابھی کل آپ سے ملاقات ہوئی اور آج ہم دونوں اکٹھے سفر کر رہے ہیں۔" باقر شیرازی نے نشست سنبھالتے ہی ایک بار پھر گفتگو شروع کر دی۔

"یہ اتفاق نہیں ہے باقر شیرازی صاحب!"

شائستہ نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ وہ اب ہیئر برش اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی جو اس نے باقر شیرازی کو دیکھتے ہوئے اس دوسری سیٹ سے اٹھایا تھا۔

"آپ سے کچھ طے ہوا تھا کل؟" باقر شیرازی نے اس سے کہا۔

شائستہ کچھ حیران ہوئی۔ "کیا طے ہوا تھا؟"

"یہی کہ آپ مجھے باقر کہیں گی۔" باقر شیرازی نے اسے یاد کروایا۔

"اچھا ٹھیک ہے...... میں کہہ رہی تھی کہ یہ اتفاق نہیں ہے۔"

"کیا اتفاق نہیں ہے؟" باقر شیرازی نے قدرے بے نیازی سے پوچھا۔

"ہم دونوں کا آج اس وقت اس پلین پر اکٹھے ہونا۔" شائستہ کمال نے جتاتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟"

"کل رات تک تو آپ کا امریکہ جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" شائستہ نے اسے یاد کروایا۔

"ہاں، آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کل رات تک نہیں تھا۔ آج صبح ہو گیا، ایک منسٹر کو بھی بھی کوئی بھی کام پڑ سکتا ہے اور اس کام کے لیے اسے کہیں بھی جانا پڑ سکتا ہے۔" باقر شیرازی نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"official" (سرکاری؟) شائستہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"unofficial" (غیر سرکاری) اسی رفتار سے جواب آیا۔

وہ ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھ کر رہ گئی اور پھر دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

"یہ بزنس کلاس میں بھی یقیناً آپ کی عنایت کی وجہ سے ہی موجود ہوں۔" شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری عنایت؟ کیا بات کر رہی ہیں آپ؟ میں اور آپ پر عنایت کروں گا؟" باقر شیرازی ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"اچھا...... تو پھر یہاں کیوں بلوایا گیا ہے مجھے؟"

"ارے...... کیا یہ ممکن تھا کہ میں اس پلین پر سفر کرتا جس......" شائستہ دلچسپی سے اس کی بات سننے لگی۔

"جس پر شائستہ کمال سوار ہو اور میں بہترین عورت کو بہترین جگہ پر نہ رکھتا۔"

"آپ ایک بہت ہی عجیب انسان ہیں باقر۔" شائستہ نے اس کے جملے سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ نے کہا ہے تو ٹھیک ہی ہوگا۔" اس نے باقر شیرازی کی بات پر اپنی بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"بڑی آسانی سے متفق ہو گئے، آپ میری بات سے۔"

"میں خوبصورت عورت کی رائے سے بڑی جلدی متفق ہو جاتا ہوں...... اندھا اعتماد ہے مجھے خوبصورت عورت کی رائے پر۔"

"اچھا...... حیرانی کی بات ہے...... آپ پہلے شخص ملے ہیں مجھے جو خوبصورت عورت کی رائے پر اعتقاد بھی نہیں اندھا اعتقاد رکھتا ہے۔"

"میں صرف پہلا ہی نہیں واحد شخص بھی ہوں گا۔" باقر شیرازی نے برجستگی سے کہا۔ وہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آپ ہنس رہی ہیں؟..... میرا خیال تھا، آپ ناراض ہوں گی۔"

"میرے بارے میں اتنی جلدی رائے کا اظہار نہ کریں..... کچھ وقت لیں۔ دوسری ملاقات میں اگر میرے بارے میں آپ کی رائے صحیح ثابت ہونے لگی تو مجھے خاصی شرمندگی ہوگی۔" شائستہ نے ایک خوبصورت اور پراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

باقر شیرازی نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے صرف مسکرا کر اپنا سگار سلگا لینے پر اکتفا کیا۔

"آپ کا بیٹا بہت خوبصورت ہے۔" انہوں نے سگار سلگانے کے بعد کہا۔

"اوہ اسد..... آپ اس کے بارے میں بھی جانتے ہیں۔" وہ حیران ہوئی۔

"اس میں اتنی حیرانی والی کیا بات ہے..... وہ اسی پلین پر سفر کر رہا ہے۔ اسے جاننا مشکل تو نہیں تھا۔" باقر شیرازی نے کہا۔

"ویسے یہ جان سکتا ہوں کہ امریکہ کس لیے جا رہی ہیں؟"

"سیر و تفریح کے لیے۔" شائستہ نے کہتے ہوئے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔

"اوہ..... لیکن اپنے شوہر کے بغیر؟"

"ہارون بہت مصروف ہیں آج کل، اس لیے ساتھ نہیں آ سکے۔" اس نے جھوٹ بولا۔

"کتنا عرصہ رہیں گی وہاں؟"

"پتا نہیں۔" شائستہ نے کہتے ہوئے جواباً پوچھا۔ "آپ کتنا عرصہ رہیں گے وہاں؟"

"پتا نہیں۔" باقر شیرازی نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی..... آپ آخر کتنا عرصہ ملک سے دور رہ سکتے ہیں؟"

"یہ تو آپ کے قیام پر منحصر ہے۔"

شائستہ اس بار کچھ کہنے کے بجائے خاموش رہی۔

"کیا آپ مجھے یہ اجازت دے سکتی ہیں کہ میں امریکہ میں آپ کو کمپنی دوں؟" باقر شیرازی نے پوچھا۔

شائستہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ مگر باقر شیرازی نے اس سے پہلے ہی کہا۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، آپ میری کمپنی کو انجوائے کریں گی۔"

شائستہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ ایئر ہوسٹس اب باقر شیرازی کو مشروب سرو کر رہی تھی۔

ایئر ہوسٹس کے جانے کے بعد شائستہ نے کہا۔ "میں سوچوں گی۔"

"اور اس کے لیے کتنا وقت لیں گی آپ؟"

شائستہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ "یہ بھی نہیں جانتی۔"

شائستہ کمال نے اس بار سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے لگائے آنکھیں بند کرلیں۔ باقر شیرازی نے سیاہ ساڑھی میں ملبوس اس خوبصورت عورت کو دیکھا۔ وہ آنکھیں کھولے جتنی خوبصورت نظر آ رہی تھی، آنکھیں بند کرنے کے بعد اس سے زیادہ خوبصورت نظر آنے لگی تھی۔ پلاسٹر آف پیرس سے بنے ہوئے ایک خوبصورت مجسمے کی طرح۔ وہ بہت دیر پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

شائستہ کمال دنیا کا خوش قسمت ترین شخص ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے باقر شیرازی کی بڑبڑاہٹ سنی۔ وہ اب اپنے سامنے رکھے ٹرے میں گلاس رکھ رہا تھا۔ شائستہ کو ۔۔۔ عجیب سے فخر کا احساس ہوا۔ باقر شیرازی اب اپنے سگار کو بجھا رہا تھا۔ شائستہ نے اس سے اس تبصرے کی وجہ نہیں پوچھی۔

اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔
''ایک سوال پوچھوں تم سے شائستہ؟'' اس نے آنکھیں بند کیے باقر شیرازی کو آپ سے تم پر اترتے سنا۔ اسے اعتراض نہیں ہوا۔
''ہوں۔'' اس نے اسی طرح آنکھیں بند کیے ہوئے کہا۔
اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ باقر شیرازی کے منہ سے کسی اور تعریفی جملے کی منتظر تھی...... کسی اور کاش کو سننا چاہ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی، وہ اس طرح آنکھیں بند کیے دوسروں پر کیا کیا قیامت ڈھایا کرتی ہے اور وہ ہر جملے اور ہر تعریفی لفظ سے حظ اٹھایا کرتی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی باقر شیرازی اسے اور کس طرح سراہے گا...... اور کیا سوال کرے گا؟...... وہ اندر ہی اندر محظوظ ہوئی۔
''تم نے اپنے پہلے بچے کو یتیم خانے کیوں بھجوا دیا؟ کیا وہ ہارون کا بچہ نہیں تھا؟''
باقر شیرازی کی آواز میں بے حد سکون تھا۔
شائستہ کمال آنکھیں نہیں کھول سکی۔ باقر شیرازی نے اس کے پیروں کے نیچے سے یک دم زمین کھینچ لی تھی۔ باقر شیرازی اپنی اسی صفت کی وجہ سے جانا جاتا تھا۔

☆☆☆

''منصور! آپ میری بات سن رہے ہیں یا نہیں؟'' منیزہ نے ناراضی سے منصور کو تیسری دفعہ مخاطب کیا۔
''بالکل سن رہا ہوں لیکن اس پر غور نہیں کر رہا۔'' منصور علی نے اپنی ساری توجہ اخبار پر مرکوز رکھتے ہوئے کہا۔
''کیوں غور نہیں کر رہے؟'' منیزہ نے شکوہ کیا۔
''کیونکہ آپ کا مطالبہ خاصا نامناسب ہے۔''
''اس میں نامناسب والی کیا بات ہے؟''
منصور علی نے اس بار اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اخبار پڑھتے رہے۔
''میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔'' منیزہ نے اس بار بلند آواز میں کہا۔
''میں جانتا ہوں، آپ مجھ سے بات کر رہی ہیں، اس طرح کی باتیں آپ صرف مجھ ہی سے کرتی ہیں۔''
منصور علی نے اس بار بھی اخبار سے نظریں نہیں اٹھائیں۔ منیزہ نے یک دم اٹھ کر اخبار ان کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔
''کمال ہے، میں آپ سے اتنی اہم بات کر رہی ہوں اور آپ ہیں کہ آپ کو اخبار سے ہی فرصت نہیں۔''
منیزہ نے اخبار ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ منصور علی نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''ویسے منیزہ! تمہیں شاپنگ کرنے اور زیورات بنوانے کے علاوہ دنیا میں کسی اور چیز سے دلچسپی ہے؟'' وہ اب مکمل طور پر منیزہ کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔
''فی الحال تو نہیں۔'' منیزہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔
''آپ مجھے بتائیں پھر آپ مجھے کب سنگاپور لے کر جا رہے ہیں؟''
''تین ماہ پہلے میں تمہیں وہاں لے کر گیا تھا۔ اب پھر تمہارے مطالبات شروع ہو گئے ہیں۔''
''تین ماہ میں نوے دن ہوتے ہیں، کچھ اندازہ ہے آپ کو؟'' منیزہ نے بڑی ادا سے کہا۔
''تم ایک بہت فضول خرچ عورت ہو۔'' منصور علی نے اس بار کچھ سنجیدگی سے کہا۔
''ہاں ہوں...... آپ کے پاس روپے ہیں تو خرچ کرتی ہوں نا۔'' منیزہ نے دھڑلے سے کہا۔
''اور ایک وقت وہ آئے گا جب تم میرے پاس موجود سارا روپیہ خرچ کر دو گی۔''
''جی نہیں، ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔'' منیزہ نے کہا ''اور آپ بات کو ٹالنے کی کوشش مت کریں۔ مجھے یہ بتائیں کہ مجھے سنگاپور کب لے کر جا رہے ہیں؟''

''کم از کم ایک ماہ تو انتظار کرو..... اپنی کچھ مصروفیت سے فارغ ہو جاؤں تو تمہیں لے جاؤں گا..... اور اگر تمہیں زیادہ جلدی ہے تو تم خود چلی جاؤ.....'' منصور علی نے بڑی فراخدلی سے پیش کش کی۔

''خیر، میں اتنی بے وقوف تو نہیں ہوں کہ اکیلی چلی جاؤں۔ آپ کے بغیر تو میں شاپنگ کرتی ہی نہیں ہوں۔'' منیزہ نے فوراً انکار کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، میں آپ کا کریڈٹ کارڈ ہوں۔ میرے بغیر شاپنگ کیسے کر سکتی ہیں آپ؟ بہتر ہے، کبھی کبھار گھر پر بھی تو دھیان دیا کریں۔ جسٹ فار اے چینج.....''

''لیں بھلا..... گھر کو کیا ہوا ہے..... سب کچھ ٹھیک تو ہے۔'' منیزہ نے فوراً کہا۔

''ہاں، سب کچھ اتفاقاً ٹھیک ہے۔ اس میں آپ کا کوئی کمال نہیں..... بچیاں بڑی ہو رہی ہیں۔ تھوڑی توجہ ان پر بھی کریں۔''

''توبہ ہے منصور! آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے بہت بڑی ہو گئی ہیں بچیاں..... ابھی چھوٹی ہی ہیں۔'' منیزہ نے کچھ برا مانتے ہوئے کہا۔

''اوہ! میں تمہیں بتانا بھول گیا۔ بھائی صاحب کا فون آیا تھا صبح۔'' منصور علی کو بات کرتے کرتے اچانک یاد آیا۔

''مسعود بھائی کا.....؟'' منیزہ نے پوچھا۔

''ہاں مسعود بھائی کا۔''

''اچھا..... کوئی خاص بات ہے؟''

''وہ طلحہ کی سالگرہ کا بتا رہے تھے۔ اگلے ہفتے ہے۔ تم فون کر لینا، اس دن۔''

''اچھا میں کرلوں گی۔ آپ طلحہ کے لیے کچھ تحفے ہی بھجوا دیتے۔ شفیع بھائی پرسوں واپس پاکستان جا رہے ہیں، ان کو دے دیتے۔''

''تم خود ہی طلحہ کے لیے کچھ تحائف خرید لو۔ میں تو کچھ نقد رقم بھیجنے کا سوچ رہا ہوں۔ طلحہ میٹرک میں گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں، اسے کچھ رقم بھجواؤں تاکہ وہ اپنی مرضی سے جو بھی چاہے خرید لے۔'' منصور علی نے کہا۔

''ویسے منصور! آپ نے یہ رقم دینے کا سلسلہ شروع کر کے کچھ اچھا نہیں کیا۔''

''کیوں.....؟''

''پچھلے کچھ سالوں میں آپ کتنی ہی رقم دے چکے ہیں۔ اب تو انہیں احسان بھی نہیں لگتا یہ۔'' منیزہ نے کہا۔

''تو یہ احسان ہے بھی کہاں..... میں جو بھی دیتا ہوں، اپنے داماد کو ہی دیتا ہوں۔ اور پھر تحفے میں دی جانے والی چیز احسان کے زمرے میں کہاں آتی ہے۔'' منصور علی نے فوراً ٹوکا۔

''ٹھیک ہے، تحفہ احسان نہیں ہوتا مگر تھوڑی سی شکر گزاری تو ہونی چاہیے دوسری طرف۔ یا کم از کم بندہ تعریف کے دو لفظ ہی بول دے..... مگر شبانہ بھابھی تو ہر وقت کسی تیسرے شخص کی تعریف میں مصروف رہتی ہیں جس نے اپنے داماد کے لیے کوئی دنیا سے باہر کی چیز خرید کر بھیج دی ہے۔ حالانکہ سارا سال ہم کچھ نہ کچھ بھجواتے رہتے ہیں پھر بھی بھابھی شبانہ کی یہ عجیب وغریب مثالیں ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ یہ عجیب طریقہ ہے مطالبات کا..... کچھ کہا بھی نہیں اور سب کچھ کہہ بھی دیا۔''

منیزہ کو شبانہ بھابھی کا رویہ یاد آنے لگا۔

''یہ رشتے آپ کے اصرار پر ہوئے تھے۔ اب آپ کو اچانک اتنے نقص کیوں نظر آنے لگے ہیں میرے بھائی کے خاندان میں.....؟'' منصور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے کوئی نقص نظر نہیں آ رہے۔ میں جو محسوس کر رہی ہوں، وہی بتا رہی ہوں۔'' منیزہ نے فوراً دفاعی انداز اختیار کیا۔

''تمہیں شبانہ بھابھی کے بارے میں پریشان ہونے کی ضروری نہیں۔ میں ویسے بھی اپنی بیٹیوں کو جو کچھ دے کر بھیجوں

گا، وہ کم از کم میرے خاندان میں آج تک کوئی اپنی بیٹیوں کو دے سکا ہے نہ دے سکے گا۔ شبانہ بھابھی کے اعتراضات خود ہی ختم ہو جائیں گے۔"

منصور علی نے بڑی بے فکری سے کہا۔ منیزہ نے بڑی محبت سے اپنے شوہر کو دیکھا۔

"بیٹیوں کے لیے تو کبھی کچھ خریدنے پر اعتراض نہیں ہوا آپ کو ...... اور میری باری آئے تو ......" منیزہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"خدا کا خوف کرو ...... منیزہ! تمہیں کب کسی بات سے انکار کرتا ہوں۔"

"انکار نہیں کرتے ...... مگر کتنی منت سماجت کرنی پڑتی ہے۔ ابھی سنگاپور کے ٹور کو ہی دیکھ لیں۔ کتنی بار کہنا پڑا ہے آپ سے۔" منیزہ نے جیسے اسے جتایا۔

"خیر سنگاپور کے ٹور کی بات تو مت کرو تم ...... اس پر بھی تو رضامند ہو ہی گیا ہوں اور مہینے کے تیس دنوں میں سے انتیس دن آپ شاپنگ کرتی ہیں۔ وہ بھی کسی ضرورت کے بغیر اس کے باوجود آپ کو شکایت ہے کہ میں منع کر دیتا ہوں۔ تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تمہیں میرے جیسا شوہر ملا ہے۔ ورنہ تمہارا کیا ہوتا؟" منصور علی نے کچھ مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور اگر آپ کو میرے جیسی بیوی نہ ملتی تو آپ کا کیا ہوتا ......؟" منیزہ نے دوبدو کہا۔

☆☆☆

فاطمہ ان دونوں بچوں کو اپنے گھر لے آئی۔ محلے میں چہ میگوئیوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کے لیے فاطمہ کا یہ قدم ایک عجیب بات تھی۔ ڈھکے چھپے لفظوں میں اسے اپنے فیصلے کے مضمرات سے آگاہ کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔ فاطمہ کے پاس ہر بات کے جواب میں خاموشی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ ہر ایک کی بات سنتی رہتی جب اس کے سامنے دلائل کا ڈھیر لگا دیا جاتا تو وہ صرف ایک ہی بات کہتی۔

"میں ان کی مدد کرنا چاہتی ہوں ...... اور کچھ نہیں۔"

اس کا جواب بحث کو ایک نیا موڑ دے دیتا۔

"مدد کے اور بھی طریقے ہوتے ہیں ...... انہیں کسی فلاحی ادارے میں بھجوا دو ...... پولیس کے حوالے کر دو۔" اس سے کہا جاتا۔

"مدد کا ایک طریقہ یہ بھی تو ہے کہ میں انہیں اپنے پاس رکھ لوں۔"

"ہاں مگر ...... اس طرح تو تمہارے لیے بڑی مشکل ہو جائے گی۔ تمہارا تو اپنا بچہ چھوٹا ہے ...... تم بیوہ ہو ...... ملازمت کرتی ہو ...... کرائے کے گھر میں رہتی ہو ...... رشتہ دار تمہارا کوئی نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تم دو مزید بچوں کی ذمہ داری لے رہی ہو۔ ایک ہی عمر کے دو بچے اور وہ بھی ایسے حالات میں ...... کیسے سنبھالو گی انہیں ......؟ کس کے پاس چھوڑ کر جاؤ گی ......؟ کل کو ان کی ضروریات کہاں سے پوری کرو گی ......؟ اور پھر تمہارا اپنا بچہ وہ کیا محسوس کرے گا ......"

اس کے سامنے ایک ایک کرکے ساری وجوہات پیش کی جاتیں ...... اس پر کوئی اثر نہیں ہوا ...... وہ ان تمام باتوں کے بارے میں ان بچوں کو اپنانے کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہی سوچ چکی تھی ...... کسی نہ کسی حد تک اس کے پاس ان تمام مسائل کا حل موجود تھا اور باقیوں کا حل وہ سوچتی رہتی تھی۔

لوگوں کی فطرت بہت عجیب ہوتی ہے۔ وہ اپنے اردگرد موجود دوسرے لوگوں کو صرف ان کے مسائل سے آگاہ کرتے ہیں۔ کسی حل میں مددگار نہیں بنتے۔ دس لوگ اگر کسی شخص کو اس کے دس مسائل سے آگاہ کرنے کے بجائے مل کر صرف دو مسائل کا حل پیش کر دیں تو اس شخص کے لیے آسانیوں کا دروازہ اگر مکمل طور پر نہ سہی مگر کھل ضرور جاتا ہے۔ فاطمہ کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا ہر ایک اسے اس کے فیصلے سے پیدا ہونے والا ایک نیا مسئلہ بتا رہا تھا۔ کوئی بھی یہ کوشش نہیں کر رہا تھا کہ وہ ان کے حل میں مددگار بنے لیکن جب کوئی شخص الجھی ہوئی ڈور کے ڈھیر میں سے اس کا سرا تلاش کر لیتا ہے تو پھر ہر آدمی اسے الجھی ہوئی ڈور کو

سکھانے میں مدد دینے لگتا ہے حالانکہ اس وقت مدد کی ضرورت باقی نہیں ہوتی۔ ڈور سلجھنے کے بعد ہر شخص اس کا کریڈٹ خود لینے کی کوشش کرتا ہے۔

فاطمہ نے ایک چھوٹی لڑکی کو ملازمہ رکھ لیا۔ شہیر سمیت تینوں بچوں کو وہ اس کے پاس چھوڑ جاتی۔ پہلے وہ شہیر کو اپنے پاس اسکول میں رکھتی تھی اور وہاں موجود کام والی عورتیں اس کا خیال رکھتی تھیں۔ لیکن فاطمہ کو پھر بھی وہاں شہیر کے بعض چھوٹے موٹے کام کرنے پڑتے۔ اب اس کی وہ ذمہ داری ختم ہو گئی تھی۔ وہ بہت پرسکون انداز میں اسکول میں اپنا کام کرتی۔

مالی طور پر اگرچہ اس پر ملازمہ کی صورت میں ایک اضافی بوجھ آن پڑا تھا۔ مگر اس نے اس بوجھ کو کم کرنے کے لیے محلے میں موجود کچھ بچوں کو میتھس کی ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا۔

اسکول سے واپسی پر وہ کھانے سے فارغ ہو کر ان بچوں کو لے کر بیٹھ جاتی۔ آہستہ آہستہ اس کے پاس آنے والے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کے اور محلے والوں کے تعلقات کے ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا۔ محلے والوں کے ساتھ اب اس کے روابط کی نوعیت بدل رہی تھی۔ وہ خود محلے کے گھروں میں نہیں جاتی تھی مگر جن گھروں کے بچے اس سے پڑھ رہے تھے۔ ان گھروں سے اکثر اوقات کوئی نہ کوئی عورت اس کے پاس آتی رہتی۔

اس کے نئے رول نے ان بچوں کی مقبولیت کو بھی بڑھا دیا تھا۔ اس کے پاس آنے والی عورتیں اب ان بچوں میں خاصی دلچسپی لیتیں۔ ان کا حال احوال دریافت کرتیں۔ ان کی بیماری کے دوران اپنے نسخوں سے بھی نوازتیں اور بعض اوقات ان کے لیے چھوٹے موٹے تحفے بھی بھجوائے جاتے۔

فاطمہ بعض چیزوں کے معاملے میں بہت واضح نظریات رکھتی تھی۔ وہ ہر تحفے کو کسی نہ کسی جوابی تحفے سے بدل دیتی تھی اور وہ ان بچوں کے گھر والوں سے کوئی تحفے قبول نہیں کرتی تھی جنہیں وہ گھر پر پڑھاتی تھی۔

''آپ میری فیس وقت پر ادا کر دیتے ہیں یہی کافی ہے ...... اس کے بعد میں آپ پر یا آپ کے بچے پر کوئی حق نہیں رکھتی ...... آپ اصرار کریں گے ...... میں تحفہ رکھ لوں گی ...... لیکن پھر میں آپ سے فیس نہیں لوں گی۔''

اس کا رویہ پہلے عجیب سمجھا جاتا رہا ...... پھر آہستہ آہستہ بہت سے ڈھکے چھپے اعتراضات کے بعد اسے اس کی ایک خوبی مان لیا گیا۔

وہ عام طور پر ان دونوں بچوں کے لیے بھیجا جانے والا کوئی تحفہ نہیں لوٹاتی تھی مگر اس تحفے کے جواب میں ویسی ہی کوئی چیز اس گھر میں ضرور بھجوا دیتی۔ صرف شروع میں چند بار اس نے کچھ لوگوں کی لائی ہوئی کچھ چیزوں کو واپس کر دیا۔

''مجھے آپ کے خلوص پر کوئی شک نہیں ہے مگر میں ان بچوں کو اترن پہنانا نہیں چاہتی ...... آپ ان بچوں کے لیے اتنے بہت سے پرانے کپڑوں کے بجائے صرف ایک نیا لباس لے آتیں تو مجھے خوشی ہوتی اور میں اسے ضرور رکھتی ...... مگر ان کپڑوں کو نہیں۔''

اس نے محلے کی ایک عورت کو وہ بہت سارے کپڑے واپس کرتے ہوئے کہا تھا جو ان بچوں کو گھر لانے کے چند دن بعد ہی اپنے بچوں کے اچھی حالت میں موجود بہت سے پرانے کپڑوں کو فاطمہ کے پاس لے آئی تھی۔ فاطمہ جانتی تھی کہ وہ کپڑے نہ صرف ایک لمبے عرصے تک ان دونوں بچوں کے لباس کی ضروریات کو پورا کریں گے بلکہ اس کے خاصے پیسے بھی بچا دیں گے۔ اس کے باوجود وہ خود کو پرانے کپڑوں کو لینے پر آمادہ نہیں کر سکی تھی۔

''میں انہیں صرف دو سوٹ دوں گی مگر وہ ان کے اپنے ہوں گے ...... میں شہیر کی طرح انہیں بھی ''اپنی ملکیت'' کا فخر دوں گی۔'' ان کپڑوں کو واپس کرتے ہوئے اس نے سوچا۔

''اگر ایک بار یہ اترن پہننا سیکھ گئے تو ساری عمر یہ اترن ہی پہنتے رہیں گے۔ پیوند زدہ سہی مگر اپنے ''ذاتی'' لباس کے فخر سے یہ ہمیشہ ناشناسا ہی رہیں گے۔''

شام کو وہ لڑکی چلی جاتی۔ فاطمہ تب تک فارغ ہو چکی ہوتی۔ وہ اس کے بعد ان تینوں کو خود سنبھالتی۔ شہیر ان دونوں

بچوں کے ساتھ بہت گھل مل گیا تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت ان ہی دونوں کے ساتھ گزارتا۔ فاطمہ نے ان دونوں کا نام ثمر اور ثانیہ رکھا تھا۔ ثمر کے کندھوں کے زخم اگرچہ بہت جلدی ٹھیک ہو گئے تھے مگر وقتاً فوقتاً وہ کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا رہتا...... وہ ثانیہ کی نسبت جسمانی لحاظ سے خاصا کمزور تھا۔ فاطمہ کے لیے حیران کن بات یہی تھی کہ وہ ان زخموں اور ان بیماریوں کے باوجود زندہ تھا۔ اپنی بقا کے لیے لڑ رہا تھا۔ فاطمہ کو بعض دفعہ اس کے ننھے منے سے وجود کی زندگی کے لیے جاری اس جنگ پر رشک آتا۔ وہ جیسے ہمت ہارنے پر تیار ہی نہیں تھا۔ ثانیہ اس کے برعکس بہت ایکٹو تھی۔ ثمر کی طرح وہ بھی بہت زیادہ صحت مند نہیں تھی لیکن اس کی طرح بیمار بھی نہیں رہتی تھی۔

شبیر ثمر کی نسبت ثانیہ سے زیادہ مانوس تھا۔ شاید اس کی وجہ اس کا زیادہ ایکٹو ہونا ہی تھا یا پھر شاید اس کا صحت مند ہونا۔ ثمر زیادہ تر سویا رہتا یا پھر فاطمہ اور اس ملازمہ کی گود میں رہتا جو اس کو بہلاتی رہتی تھی جبکہ ثانیہ اس کے برعکس جہاں پڑی ہوتی ہاتھ پاؤں ہلاتے ہوئے خود ہی اپنے آپ کو مصروف رکھتی۔ وہ ہر وقت جیسے اپنے آپ میں مگن رہتی تھی۔

وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ شبیر اب اسکول جانے لگا تھا۔ فاطمہ اس محلے کے ماحول میں پوری طرح ایڈجسٹ ہو چکی تھی۔ ایک مخصوص رفتار اور انداز سے گزرنے والی زندگی سے وہ مطمئن تھی۔ اس کے لہجے کی کڑواہٹ اور مزاج کی تلخی مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی۔ بعض دفعہ اسے اپنے اندر آنے والی ان تبدیلیوں پر حیرت ہوتی۔ ان تین بچوں نے اس کی زندگی کو کس طرح بدل کر رکھ دیا تھا۔ خود ترسی کا شکار اور اپنے آپ سے برگشتہ ایک لڑکی سے یہاں تک کا سفر...... وہ کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتی تھی...... اپنا گھر اب بھی اس کی یادوں کا حصہ تھا۔ تلخ یادوں کا...... مگر وہ ان یادوں کو اپنے ذہن میں کہیں دفن کرنے کی کوشش کرتی رہتی...... کسی حد تک وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی تھی۔ بے مقصد گزاری جانے والی زندگی کو وہ کہیں بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی...... اور اس کا خیال تھا کہ اب اس کی زندگی میں سب کچھ اسی طرح رہے گا...... ہموار، اور پرسکون...... خوابوں کا جو سلسلہ وہ ان تینوں بچوں کے حوالے سے دیکھا کرتی تھی وہ اسی طرح چلتا رہے گا...... لیکن ایسا نہیں تھا...... اسے ابھی کچھ اور حقائق کا سامنا کرنا تھا...... کچھ اور فیصلے بھی کرنے تھے اور یہ فیصلے اس کو آزمائشوں کے ایک نئے موڑ پر لے آنے والے تھے۔

☆☆☆

"وہ لڑکی بڑی خوش قسمت ہوتی ہے جس کی شادی نہ ہو یا جس کے ہاں کوئی لڑکی پیدا نہ ہو۔"

صاعقہ نے موم بتیوں کو گنتے ہوئے کاغذ میں لپیٹا۔ اس کے ساتھ کام کرتی ہوئی عورت نے ایک لمحہ کے لیے رک کر اسے دیکھا اور پھر عجیب سے انداز میں قہقہہ لگایا۔

"ہاں...... یہ صحیح کہا تم نے......"

وہ ایک بار پھر برق رفتاری سے موم بتیوں کو گننے اور ان پر کاغذ چڑھانے میں مصروف ہو گئی۔ صاعقہ کو اس کی رفتار پر رشک آ رہا تھا۔

وہ جتنے عرصہ میں دس پیکٹ بنا پائی تھی۔ وہ اتنے ہی وقت میں پچاس پیکٹ بنا چکی تھی...... لیکن صرف رشک کرنے سے وہ اپنی رفتار کو اس کی طرح نہیں بڑھا سکتی تھی۔ وہ عورت پچھلے پندرہ سال سے وہیں کام کر رہی تھی اور صاعقہ کو اس فیکٹری میں آئے صرف پندرہ دن ہوئے تھے۔

چار بیٹیوں کے ساتھ اپنے ماں باپ کے اس گھر میں رہنا جہاں پہلے ہی اس جیسے بہت سے وجود موجود تھے...... رزق اور لباس کی خواہش رکھنا...... اور زندگی کو جینا کانچ پر ننگے پاؤں چلنے کے مترادف تھا۔

ہر ہفتے اس کے ماں باپ ظفر کے گھر جاتے...... صاعقہ اور اس کے بچوں کو زیر بحث لایا جاتا...... بے عزتی کا ایک نیا دور شروع ہوتا...... منتیں، التجائیں...... ظفر کی خود سری اور اکھڑ پن...... ظفر کے گھر والوں کی بے اعتنائی...... واپسی پر صاعقہ کو سب کچھ سنا دیا جاتا۔

چوبیس سال کی عمر میں آٹھ سالہ شادی شدہ زندگی گزار کر وہ چار بیٹیوں کے ساتھ ماں باپ کے گھر میں ایک کپڑے کی

زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔ اس کی ہم عمر بہت سی لڑکیوں کی شادیاں اب ہو رہی تھیں اور وہ اپنے مقدر کو حیرت اور خوف کے عالم میں دیکھتی...... کیا بس یہ سب کچھ تھا، جس کے لیے میں دنیا میں آئی تھی...... بس ایسی ہی زندگی تھی جو مجھے گزارنی تھی...... اس کے سوالوں کے جواب نہ اس کے اپنے پاس تھے نہ دوسروں کے پاس......

اس کے ماں باپ ابھی اس کی دو بہنوں کی شادیاں نہیں کر پائے تھے...... جن بیٹیوں کی انہوں نے شادیاں کی تھیں وہ بھی ہر دوسرے ماہ کوئی نہ کوئی مسئلے لے کر ان کے ہاں موجود ہوتیں۔ کسی کے شوہر کا کوئی نیا مطالبہ ہوتا...... کسی کو سسرال والے لڑ کر گھر سے نکال دیتے...... کوئی شوہر کی مار پیٹ کی شکایت لے کر ان کے ہاں پہنچی ہوتی......

یہ سب کچھ وہاں اس محلے اور اس کلاس کی زندگی کا ایک حصہ تھا...... اس کے ماں باپ ان چیزوں سے زیادہ پریشان نہیں تھے۔ یا پھر انہوں نے اس پریشانی کو وہاں کے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح اپنے مقدر کا ایک حصہ مان لیا تھا، مگر صاعقہ کی پریشانی ان کے لیے صحیح معنوں میں مصیبت بن گئی تھی۔

تین کمروں کے گھر میں جہاں پہلے ہی صاعقہ کی دو بہنیں، ماں باپ ایک شادی شدہ بھائی، اس کی بیوی اور دو بچے رہ رہے تھے وہاں صاعقہ اور اس کی چاروں بچیوں کے لیے کتنی جگہ نکل سکتی تھی...... اور کب تک......

گھر میں اگر جوں توں رکھ بھی لیا جاتا تو اس کے اخراجات کا اضافی بوجھ کون اٹھاتا۔ وہ لوگ پہلے ہی بڑی مشکل سے سفید پوشی کا بھرم رکھے ہوئے تھے۔ اب یک دم پانچ افراد کا نیا بوجھ......

ظفر اپنی بیٹیوں کو کسی طور واپس لینے پر تیار نہیں تھا......

"وہ اسے اپنے پاس رکھے یا چاہے کہیں دے آئے مگر مجھے لڑکیاں نہیں چاہئیں...... وہ میری اولاد ہی نہیں۔"

اس نے بہت صاف اور واضح الفاظ میں پہلے دن ہی کہہ دیا تھا اور تب سے وہ اسی بات پر اڑا ہوا تھا وہ نہ صرف انہیں رکھنے پر تیار نہیں تھا...... بلکہ ان کے اخراجات کے لیے بھی کچھ دینے پر رضامند نہیں تھا۔

صاعقہ چند ماہ تو کسی نہ کسی طرح گھر میں گزارہ کرتی رہی پھر اس نے موم بتیوں والے اس کارخانے میں کام کرنا شروع کر دیا۔

اس فیکٹری میں اس کی طرح کی اور بہت سی عورتیں تھیں...... شادی شدہ، بیوہ، مطلقہ، خاوند کی چھوڑی ہوئی، کچھ غیر شادی شدہ...... اس میں اور وہاں موجود عورتوں میں بس ایک فرق تھا۔ وہاں موجود عورتوں میں سے کوئی بھی اس جیسے حسن کی مالک نہ تھی...... بعض عورتوں کو اس کے مقدر پر حیرانی بھی ہوتی...... وہ ان سے کیا کہتی اسے خود بھی اپنے مقدر پر حیرانی ہوتی تھی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ اس کے اپنے گھر میں اس کی موجودگی سے ہونے والی تلخی بڑھنے لگی تھی۔ بھابھی کو جگہ کی تنگی کی شکایت ہوتی...... تو کبھی اس کی بچیوں کی بدتمیزی کا شکوہ ہوتا...... بھائی کو ظفر کی بے حسی اور سرد مہری پر غصہ آتا۔

"یہ ان چاروں کو وہاں کیوں نہیں چھوڑ آتی...... وہ اسے نہیں رکھتا...... اپنی اولاد کو تو رکھے...... ہم آخر کس جرم کی سزا میں ان چاروں کو پالیں۔"

وہ غصے میں کہتا گھر سے نکل جاتا...... شادی شدہ بہنوں کو اعتراض ہوتا۔

"ہمارے سسرال والے کہتے ہیں، ایک بہن کو تو چار بچوں کے ساتھ مستقل گھر میں بٹھایا ہوا ہے۔ تمہیں چار دن کے لیے کیوں نہیں رکھ سکتے۔"

غیر شادی شدہ بہنوں کو اعتراض ہوتا۔ "پہلے ہی رشتے نہیں آ رہے تھے، اب اور بھی نہیں آئیں گے...... لوگ یہی کہیں گے...... ایک بہن اپنا گھر نہیں بسا سکی تو دوسری کیسے بسائیں گی۔"

ماں باپ کو دبے لفظوں میں یہ افسوس رہتا کہ گھر میں اب کہیں جگہ ہی نہیں رہی...... اور جو معمولی جمع پونجی وہ دونوں چھوٹی بہنوں کے لیے بچا رہے تھے وہ اب گھر میں ہی خرچ ہو رہی تھی۔

صاعقہ کے ذہنی دباؤ میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا...... وہ نہ چاروں بچیوں پر دھیان دے پا رہی تھی نہ ہی کسی اور شے پر...... فیکٹری سے واپس آ کر وہ چکری کی طرح گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ایک چھت سر پر قائم رکھنے کے لیے اسے اپنا آرام و سکون پوری طرح تج دینا پڑ رہا تھا...... اس کام کے بدلے وہ سر پر صرف ایک چھت باقی رہنے کی خواہش مند تھی اور یہ کام بھی دن بدن مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ فیکٹری سے ملنے والی روزانہ کی اجرت روزانہ ہی خرچ ہو جاتی...... بچوں کے دودھ دوتے لباس کے لیے ترس گئی تھی۔ ان کے چھوٹے موٹے اخراجات پر...... وہ بڑی دونوں بچیوں کو اسکول بھیجنا بھی بند کر چکی تھی مگر حالات اس کے باوجود بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔

وہ آج بھی اسی ذہنی اضطراب کا شکار تھی جب ساتھ کام کرنے والی عورت کے ایک سوال پر وہ بری طرح تلملا اٹھی۔

"خوش قسمت لڑکی وہ ہوتی ہے جس کی شادی نہ ہو یا جس کے ہاں کوئی لڑکی نہ پیدا ہو۔" وہ عورت اب اس کے جملے کو زیر لب دہرا رہی تھی۔

"میں تمہیں ایک بات بتاؤں صاعقہ!" وہ اب اس سے مخاطب تھی...... "عورت...... عورت خوش قسمت ہو ہی نہیں سکتی...... وہ کسی عمر کی ہو، کسی شکل کی ہو...... اس کے گھر لڑکیاں پیدا ہو رہی ہوں یا لڑکے...... یا وہ بانجھ ہو...... امیر گھرانے میں پیدا ہوئی ہو...... یا غریب میں...... پڑھی لکھی ہو یا میری طرح جاہل...... عورت خوش قسمت ہو ہی نہیں سکتی۔"

صاعقہ نے پہلی بار اس کے ہاتھوں کی رفتار کو آہستہ ہوتے دیکھا۔ "عورت بس بدقسمت ہوتی ہے...... کبھی اپنی وجہ سے...... کبھی ماں باپ کی وجہ سے...... کبھی شوہر کی وجہ سے...... کبھی اولاد کی وجہ سے...... خوش قسمتی اس کے حصے میں کبھی نہیں آتی۔"

وہاں موجود باقی عورتوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ سب سر جھکائے موم بتیوں کے پیکٹ بنانے میں مصروف رہیں مگر صاعقہ رک گئی۔

"تم بھی بس اماں...... بڑی عجیب باتیں کرتی ہو...... ظفر کی دوسری بیوی خوش قسمت نہیں ہے......؟ شادی کے پہلے سال ہی بیٹا ہو گیا۔ میں آٹھ سال اس کو بیٹا نہیں دے سکی۔ وہ اس کے گھر پر راج کر رہی ہے...... میں ماں باپ کے گھر پر بوجھ بنی بیٹھی ہوں۔ اس کے لیے نیا گھر بنوا رہا ہے...... میں یہاں در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہوں۔ ہوتی ہیں، کیوں نہیں ہوتیں عورتیں خوش قسمت...... دوسری بیوی بننے والی تو ضرور ہوتی ہے...... بیٹوں کی مائیں تو ضرور ہوتی ہیں۔"

اس نے چادر سے آنکھوں میں آنے والی نمی کو پونچھا اور ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"تو تم بھی کسی کی دوسری بیوی بن جاؤ...... چھوڑ تو تمہارے شوہر نے دیا ہی ہے...... طلاق لے کر کسی دوسرے کے ساتھ شادی کر لو۔"

"چار بچوں کی ماں سے کون شادی کرے گا۔"

"بچوں کو دفع کرو...... تم کر لو شادی۔"

"ہاں دفع کروں...... یہی کام تو ہو نہیں سکتا۔"

"صرف تمہاری اولاد ہی تو نہیں ہے...... ظفر کی بھی تو ہے...... اس کے پاس بھجوا دو۔"

"لڑکیاں صرف ماں کی اولاد ہوتی ہیں۔ باپ کی کہاں ہوتی ہیں۔"

صاعقہ نے ایک بار پھر رک کر تلخ لہجے میں کہا۔ وہ بوڑھی عورت خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

اس دن کام ختم ہونے کے بعد وہاں سے جاتے ہوئے اس بوڑھی عورت نے اسے روک لیا۔ سب عورتوں کے جانے کے بعد اس نے صاعقہ سے کہا۔

"پچیس سال کی تھی میں جب میرے شوہر نے تین بچوں کے ساتھ مجھے گھر سے نکال کر دوسری شادی کر لی۔ لوگ کہتے

ہیں، میں بھی بڑی خوبصورت تھی...... میں نے بچوں کے لیے خود کو جیتے جی مار لیا...... تیس سال کہاں گئے۔ مجھے پتا ہی نہیں ہوش آیا ہے تو میں یہاں فیکٹری میں بیٹھی موم بتیاں بنا رہی ہوں۔ یہ نہ بناؤں تو تین وقت کا کھانا بھی نہیں کھا سکوں گی بیٹیاں بیاہ دیں۔ ان کے گھر میں رہ نہیں سکتی۔ ایک بیٹا تھا...... وہ اور اس کی بیوی مجھے بمشکل رکھ رہے ہیں...... اولاد کہتی ہے میں نے انہیں کیا دیا۔ میں اچھی عورت ہوتی تو ان کا باپ مجھے ضرور بسا لیتا...... یا کوئی دوسرا آدمی بسا لیتا۔"

وہ عورت گیلی آنکھوں کے ساتھ بڑبڑا رہی تھی۔

"تیس سال میں نے اولاد کے لیے سوکھی روٹی کھائی...... آنکھوں میں سرمہ تک نہیں لگایا...... اور اولاد کو لگتا ہے میں پھر بھی اچھی عورت نہیں...... تم میری طرح نہ کرنا...... تم زندگی کو برباد نہ کرنا...... شرافت، پاکیزگی، پارسائی سب کتابی باتیں ہوتی ہیں...... جھکی نظر والی عورت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی...... کوئی مول نہیں لگاتا...... زندگی میں تمہیں کوئی موقع ملے تو معاشرے کا سوچنا...... نہ اولاد کا...... صرف اپنا سوچنا...... صرف یہ سوچنا کہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اور کسی فیکٹری میں موم بتیاں بنا کر اور بیٹے اور بہو کے ہاتھوں بے عزت ہو کر نہیں گزاری جا سکتی۔"

وہ عورت سانس لیے بغیر مسلسل بولتی جا رہی تھی۔ صاعقہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں دیکھتی ہوں تو مجھے اپنی جوانی یاد آ جاتی ہے۔ تمہاری باتیں سنتی ہوں تو اپنا ماضی سامنے آ جاتا ہے۔ میں نے کچھ بویا نہ ہی کچھ کاٹا۔"

"میں نے بھی کچھ نہیں بویا اماں!" صاعقہ نے رنجیدہ سے کہا۔

"تو تم دوسروں کا کاٹ لو...... مگر ہاتھ پر ہاتھ رکھے مت بیٹھی رہو......"

اس عورت کی آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر تھا۔ صاعقہ کچھ لمحے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی اور پھر فیکٹری کے احاطے سے باہر نکل آئی۔

فیکٹری سے گھر تک ٹوٹی چپل کو گھسیٹتے اس دن پہلی بار وہ اس عورت کی باتوں پر غور کرتی رہی۔

"دنیا واقعی بڑی عجیب ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر سوچا "کیسے کیسے عجیب لوگ ہوتے ہیں...... کیسی کیسی عجیب باتیں کہتے ہیں۔"

وہ سڑک پر نظریں جمائے چلتے ہوئے سوچتی رہی۔

"بھلا میں یہ سب کیسے کر سکتی ہوں جیسے اماں کہہ رہی تھی...... میں تو ایسی عورت ہوں ہی نہیں...... اور پھر اماں بھی بس۔" وہ تلخی سے سوچتی رہی۔ "کیسے کہہ دیا کہ کسی دوسرے کا بویا کاٹ لوں؟" وہ چلتی رہی۔ "اور اب میں کیا آوارہ عورت بن جاؤں...... اور میری بیٹیاں ان کا کیا ہوگا...... اور پھر خود میرے گھر والے...... مگر میں آوارہ عورت بنوں کیوں؟ اور میں کیوں اماں کی باتوں پر سوچ رہی ہوں۔"

اس نے جیسے اپنی سوچوں کو لگام دینے کی کوشش کی پھر اس نے ذہن سے اماں کی آواز کو جھٹک دیا۔

مگر وہ اپنے مقدر کے لکھے کو اس سوچ کی طرح نہیں جھٹک سکی۔ اگلا دن اس کے لیے کچھ ایسی بے عزتی لے کر طلوع ہونے والا تھا جس کے گرداب سے اسے ساری عمر نہیں ابھرنا تھا...... نہ اسے...... نہ اس کی اولاد کو......

☆☆☆

صبیحہ کاردوانی نے ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"کیا ہوا......؟ میں نے اتنی عجیب بات تو نہیں کہی۔" ہارون نے اس کے چہرے کے ایک دم بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں عجیب بات تو نہیں ہے یہ...... کم از کم میرے لیے تو عجیب نہیں ہے۔" وہ جیسے بڑبڑائی۔

"تو پھر......؟"

''پھر یہ کہ......'' صبیحہ نے کچھ کہتے کہتے رک گئی۔
''میں حیران ہوں ہارون......! شائستہ کمال جیسی بیوی کے ہوتے ہوئے تم مجھ سے شادی کی خواہش کا اظہار کر رہے ہو۔'' صبیحہ کادوانی نے شرارتی لہجے میں کہا۔
''اس میں حیرانی والی کیا بات ہے؟'' ہارون نے مشروب کے گھونٹ لینا جاری رکھا۔
صبیحہ کادوانی اپنا جام اٹھاتے ہوئے مسکرائی۔

"You know my husband is all praise for your wife."

(میرا شوہر تمہاری بیوی کا دیوانہ ہے)
اس نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اس کے اختیار میں ہو تو وہ شائستہ کو آج ہی پرپوز کر دے۔''
صبیحہ نے ہارون کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا جو بالکل بے تاثر تھا۔
''تمہارا شوہر ہی نہیں اس شہر کے آدھے مرد شائستہ کمال کو پرپوز کرنے کی حسرت لیے بیٹھے ہیں۔'' ہارون نے بڑی لاپروائی سے اپنے جام میں موجود برف کے ٹکڑوں کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے کہا۔
''آدھے کیوں...... سارے کیوں نہیں، باقی آدھوں کو کیا ہوا؟'' صبیحہ نے اس کی بات پر فہمائشی انداز میں کہا۔
''باقی آدھے صبیحہ کادوانی کے پرستاروں میں شامل ہیں۔''
ہارون نے بڑی سنجیدگی اور برجستگی سے کہا۔ صبیحہ کے حلق سے بے اختیار ایک قہقہہ نکلا۔
''تم کون سے والوں میں شامل ہو؟'' اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے چند لمحوں کے بعد اس نے ہارون سے پوچھا۔
''میں دونوں میں ہی ہوں...... شائستہ کو پاچکا ہوں...... صبیحہ کو پانا چاہتا ہوں۔'' ہارون نے کہا۔
وہ یک دم سنجیدہ نظر آنے لگی۔
''شائستہ جانتی ہے یہ سب کچھ؟''
''کیا؟'' ہارون نے لاپروائی سے کہا۔
''یہ کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟''
''نہیں......'' ہارون نے کسی توقف کے بغیر کہا۔
''کیوں......؟''
''تم سے شادی میں کرنا چاہتا ہوں، وہ نہیں۔''
اس کو لاعلم رکھو گے اس سب سے؟''
''ہاں......''
''اور اگر وہ جان گئی تو اس کا ردِعمل کیا ہوگا؟''
''میں نے اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش نہیں کی۔''
''تو پہلے یہ سوچ لو...... اس کے بعد پھر اس طرح کی گفتگو کرنا۔'' اس کی آواز میں اچانک سرد مہری جھلکنے لگی۔
''مجھے شائستہ کے کسی ردعمل کی پروا نہیں ہے۔'' ہارون نے اچانک کہا۔
''کیوں کیا وہ تمہاری بیوی نہیں ہے؟'' صبیحہ نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔
''ہے......''
''کیا تم اس سے محبت نہیں کرتے؟''
''وہ بھی کرتا ہوں۔''
''ان دونوں حقائق کے باوجود تم اسے بے خبری کی مار دینا چاہتے ہو۔ ویری پور......''

صبیحہ نے جیسے افسوس کا اظہار کیا۔

"صبیحہ! تم میرے بارے میں کتنا جانتی ہو؟" ہارون نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"اتنا جانتی ہوں، جتنا جاننا ضروری ہے۔" اس نے بڑے پرسکون انداز میں کہا۔

"مگر مجھے لگتا ہے تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔" ہارون نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا......؟" صبیحہ نے ایک مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو تم نے بہت بڑا انکشاف کیا۔" اس نے جیسے ہارون کا مذاق اڑایا۔

ہارون نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کر دیا۔ "میں عورت کی انگلی پکڑ کر چلنے والے مردوں میں سے نہیں ہوں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ صبیحہ کو مشروب پیتے ہوئے اچھو لگا، جام میز پر رکھتے ہوئے اس نے نیپکن اٹھالیا۔ اس کی ہنسی اس بار اتنی بلند تھی کہ آس پاس کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہارون کو اپنے خون کی گردش تیز ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اسے اب یک دم صبیحہ پر غصہ آنے لگا تھا۔

"تم بہت ہنسا رہے ہو آج مجھے...... اف......" وہ نیپکن کے ساتھ اپنی ساڑھی پر گرے مشروب کے قطروں کو صاف کرتے اور اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "ہاں تو کیا کہہ رہے تھے تم...... کہ تم عورت کی انگلی پکڑ کر چلنے والے مردوں میں سے نہیں ہو۔"

صبیحہ نے جیسے بڑے مزاحیہ انداز میں گفتگو کا ٹوٹا ہوا سلسلہ جوڑنے کی کوشش کی۔ ہارون کمال کو زندگی میں پہلی بار کسی کے سامنے احساس کمتری ہونا شروع ہوا۔ یا شاید اس وقت وہاں صبیحہ کاردار کے سامنے بیٹھے وہ خود کو احمق سمجھنے لگا تھا۔

"ارے بات کیوں نہیں کر رہے...... خاموش کیوں ہو گئے ہو۔" صبیحہ نے بڑے انداز سے کہا۔

"ہمیں چلنا چاہیے۔" ہارون نے یک دم دور کھڑے ویٹر کو ہاتھ بلند کر کے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"اتنی جلدی کیوں ہارون...... ابھی تو تم مجھے بتا رہے تھے کچھ اپنے بارے میں...... وہ کیا تھا ہاں تم عورت کی انگلی پکڑ کر چلنے والے مردوں میں سے نہیں ہو۔"

اس نے اٹھلاتے ہوئے ہارون سے کہا۔ ہارون نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"ناراض ہو گئے ہو؟" صبیحہ نے بڑے انداز سے میز پر رکھے ہوئے ہارون کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ہارون نے ایک نظر اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر اس کے چہرے کو دیکھا۔

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟"

"نہیں......" صبیحہ نے آرام سے کہا۔ اس نے اب ایک بار پھر اپنا مشروب اٹھالیا۔

"تم سے عمر میں کم از کم چھ سات سال بڑی ہوں میں...... تم دنیا کا بڑا علم رکھتے ہو گے...... میں صرف انسانوں کو جانتی ہوں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا جام فضا میں بلند کر دیا۔

"چہروں کو اس طرح پڑھتی ہوں میں...... جس طرح اس جام میں بھرے ہوئے مشروب سے تم کو دیکھ رہی ہوں۔ آر پار......" اس نے جام والا ہاتھ نیچے کر لیا۔ "اور تم مجھے بتا رہے ہو کہ میں تمہیں نہیں جانتی۔" اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ "عمر گزری ہے اس دشت کی سیاحی میں...... اور "سیاہی" میں......"

ہارون اسے دیکھتا رہا...... وہ اب کسی اور ہی موڈ میں نظر آرہی تھی۔

"مجھ سے پوچھو...... اپنے بارے میں...... کیا جاننا چاہتے ہو...... تم رشتے نبھانے والے مرد نہیں ہو۔ نہ تم رشتے جوڑنے میں مخلص ہوتے ہو...... نہ رکھنے میں، نہ توڑنے میں۔" وہ اب ایک سگریٹ سلگا رہی تھی۔ "جدون میں ایک خوبی ہے، استعمال وہ مجھے ضرور کرے گا۔ ساری عمر کرے گا۔ مگر رشتہ بھی نبھائے گا۔ تم کیا کرو گے؟"

"میرے بارے میں اتنے یقین سے بات نہ کرو۔" ہارون نے اس کی بات کاٹی۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے اور......"
صبیحہ نے ہاتھ کے اشارے سے اس کی بات کاٹی۔
"میں نے تم سے کہا ہے مجھ سے محبت کی بات مت کرو...... کون سا مرد ہے جو مجھے دیکھے اور میری محبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ پھر اگر تمہیں مجھ سے محبت ہوگئی ہے تو اس میں ایسی خاص بات کیا ہے۔" اس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لگاتے ہوئے کہا۔
"خاص بات تو تب ہو اگر مجھے بھی تم سے محبت ہو جائے۔"
"اور یہ معجزہ کب ہوگا؟" ہارون مسکرایا۔
"نہ میں پیغمبر ہوں نہ تم...... پھر یہ کیسے بتا دوں کہ معجزہ کب ہوگا؟"
"تمہیں مجھ میں بالکل ہی کوئی دلچسپی نہیں ہے تو پچھلے تین ماہ سے کیوں مل رہی ہو مجھ سے؟"
"دلچسپی تو ہے تم میں...... اسی لیے مل رہی ہوں۔"
"اور اس دلچسپی کی وجہ کیا ہے؟...... میں......؟ میری دولت......؟" ہارون کمال نے کچھ چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ صبیحہ نے بڑے اطمینان سے نفی میں سر ہلایا۔
"تو پھر......؟"
"باقر شیرازی......" وہ صبیحہ کا منہ دیکھنے لگا۔ وہ اب...... سگریٹ سلگا رہی تھی۔ مگر اس کے ساتھ اس نے میز پر ایک اور چیز بھی رکھ دی تھی۔ ہارون نے ایک نظر میز کو دیکھا پھر صبیحہ کو دیکھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنا آپ کسی جال میں پھنسا ہوا محسوس ہوا۔ پہلی بار اس نے اپنے آپ کو کسی کے ہاتھ میں پکڑے تاش کے باون پتوں میں سے ایک پتا پایا، اور پہلی بار اسے احساس ہوا اس نے فلرٹ کرنے کے لیے اس بار ایک غلط عورت کا انتخاب کیا۔

☆☆☆

صاعقہ اس دن سبزی لانے کے لیے گھر سے قریبی مارکیٹ گئی تھی۔ اس کی چھوٹی بیٹی بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ سبزی خرید رہی تھی جب اس نے کسی کو اپنا نام پکارتے دیکھا۔ صاعقہ نے مڑ کر دیکھا۔
وہ اعظم تھا...... اس کارخانہ کا منیجر جہاں وہ کام کرتی تھی۔ وہ ہمیشہ ہی صاعقہ کے ساتھ بہت نرمی سے پیش آتا تھا۔ صاعقہ اکثر اس کی نظریں اپنے اوپر جمی ہوئی محسوس کرتی اور بعض دفعہ وہ جان بوجھ کر کسی نہ کسی بہانے اس سے مخاطب ہوتا رہتا۔ کئی دفعہ وہ صاعقہ کو اس کی روزانہ کی اجرت سے کچھ زیادہ پیسے بھی دے دیتا اور صاعقہ کے پوچھنے پر بڑی لاپروائی سے کہہ دیتا۔
"کوئی بات نہیں۔ رکھ لو، تمہیں ضرورت ہوگی۔ اپنے لیے کوئی چیز خرید لینا۔"
صاعقہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پیسے لے لیتی...... اپنے لیے تو وہ خیر کیا چیز خریدتی مگر وہ دن اس کا قدرے آرام سے گزر جاتا۔
وہ ظفر کے گھر میں ہوتی تو شاید کسی دوسرے مرد کی ایسی کسی "عنایت" پر "طیش" میں آ جاتی۔ شاید خود پر پڑنے والی ایسی کوئی "نظر" اس کے چہرے کا رنگ سرخ کر دیتی...... شاید اپنے ساتھ گفتگو کی کوشش کرنے والے پر وہ غراتی بھی...... مگر اب اپنے اور اپنے بچوں کا جسم چھپانے اور پیٹ بھرنے کے لیے وہ جس رزق اور لباس کی تلاش میں اپنے گھر سے باہر نکلی تھی اس نے اسے ایسی کسی بھی نظر سے بے پروا کر دیا تھا۔ اس نے بہت عرصہ ہوا چہرے کا رنگ سرخ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ تین وقت کے کھانے نے اس کے اشتعال کو سمندر کا جھاگ بنا دیا تھا۔ اس کی ساری غراہٹیں بھی گونگی ہوگئی تھیں۔
اعظم اس سے کچھ فاصلے پر اسی سبزی کی دکان کی طرف آ رہا تھا۔
"تم سبزی لینے آئی ہو؟" اس نے رسمی سلام دعا کے بعد صاعقہ سے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ صاعقہ کچھ کہتی اس کی نظر اس کے ساتھ موجود چھ سالہ رخشندہ پر پڑی۔

"یہ کون ہے؟" اعظم نے پوچھا۔

"میری بیٹی ہے۔"

"بڑی پیاری بچی ہے۔" اعظم نے رخشندہ کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

صاعقہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیا۔

اعظم خود بھی سبزی خریدنے کے لیے ہی وہاں آیا تھا۔ صاعقہ کے انکار کرنے کے باوجود اس نے اپنی سبزی کے ساتھ اس کی خریدی ہوئی سبزی کی قیمت بھی ادا کر دی اور زبردستی کچھ پھل بھی خرید کر اسے تھما دیے۔

صاعقہ جب وہاں سے چلنے لگی تو وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"تمہارا گھر یہاں کہیں پاس ہی ہے؟"

"ہاں۔" صاعقہ اسے اپنے گھر کا محل وقوع بتانے لگی۔

اعظم نے اس کے گھر کا ایڈریس جاننے کے بعد اسے اپنے گھر کا ایڈریس بتایا۔

وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے ابھی یہ گفتگو کر ہی رہے تھے جب صاعقہ نے اچانک سامنے سے ظفر کو آتے دیکھا۔ وہ تیز قدموں کے ساتھ ان ہی دونوں کی طرف آ رہا تھا۔

صاعقہ اچانک ٹھٹھک کر رک گئی۔ ظفر کے چہرے کے تاثرات نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔

"کیا ہوا، تم رک کیوں گئی ہو؟" اعظم نے اچانک پوچھا۔ اسے اگلی سڑک سے اپنے گھر کی طرف مڑنا تھا۔

صاعقہ کے چپ رہنے پر اس نے صاعقہ کی نظر کا تعاقب کیا اور ظفر کو دیکھ لیا جو اب چند قدموں کے فاصلے پر تھا۔ ظفر کے چہرے پر موجود تاثرات نے یقیناً اسے بھی چونکا دیا تھا اور وہ یہ جان گیا تھا کہ وہ صاعقہ سے کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور رکھتا ہے۔

ظفر نے قریب آتے ہی صاعقہ کے منہ پر زوردار تھپڑ مارا۔ اعظم اگر اس کی اس حرکت پر ہکا بکا رہ گیا تھا تو صاعقہ جیسے زمین میں گڑ گئی تھی۔ آس پاس چلتے ہوئے لوگ رک رک کر انہیں دیکھنے لگے۔

"تمہیں ماں باپ کے گھر اس لیے بھجوایا ہے کہ تم یہاں رنگ رلیاں مناتی پھرو؟"

ظفر نے حلق کے بل پوری آواز سے چلاتے ہوئے کہا۔ اپنے گال پر ہاتھ رکھے صاعقہ فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی جبکہ رخشندہ خوف کے عالم میں ماں کی ٹانگوں کے ساتھ چپک گئی تھی۔ باپ ان سب بہنوں کے لیے ہمیشہ ہی ایک جلاد رہا تھا...... اور اب ایک بار پھر......

"دیکھیں بھائی صاحب! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

اعظم نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے اچانک بیچ بچاؤ کروانے کی کوشش کی۔ ظفر نے اسے بات پوری کرنے نہیں دی۔ پان کی پیک کو سڑک پر تھوکتے ہوئے اس نے اعظم اور صاعقہ دونوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ ان کے اردگرد لوگوں کا مجمع بڑھنے لگا۔

اس کی گالیوں نے اعظم کو بھی مشتعل کر دیا۔ اس نے بھی جواب میں ویسی ہی زبان کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ صاعقہ کی جیسے جان پر بن آئی۔ اس نے ظفر کے سامنے وضاحتیں اور صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ مگر ظفر نے اس کے چہرے پر دو اور تھپڑ مارے اور پھر اسے بازو سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے اس کی گلی میں لے آیا۔ اس کے پیچھے اس "بلاٹکٹ تماشے" سے محظوظ ہونے والے لوگوں کا ہجوم تھا۔

"غیرت مند" شوہر نے اپنی آوارہ بیوی کو اس کے "آشنا" کے ساتھ "رنگے ہاتھوں" پکڑ لیا تھا اور معاشرے کے جس طبقے سے وہ تعلق رکھتے تھے وہاں مرد کو اس کے علاوہ کسی بھی بات یا چیز پر غیرت نہیں آتی تھی۔ یہ کسی ایک فرد کی نہیں پورے طبقے کی غیرت کا مسئلہ تھا۔

صاعقہ اب رونے لگی تھی۔ تکلیف سے زیادہ یہ پورے محلے کے سامنے بے عزتی کا احساس تھا جس سے اسے شدید

اذیت ہو رہی تھی۔ ماں کو روتے اور باپ کو اس طرح چیختے چلاتے دیکھ کر رخشندہ بھی رو رہی تھی وہ صاعقہ کی قمیض کا دامن پکڑے اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔

صاعقہ کے گھر پہنچنے تک اس کے گھر والوں تک اس پورے واقعے کی اطلاع پہنچ چکی تھی اور وہ بھی گلی میں نکل آئے تھے۔

ظفر نے صاعقہ کے گھر کے سامنے جا کر اسے دور دھکیل دیا۔ وہ اپنے گھر کی دہلیز پر گری۔ ظفر اب صاعقہ کے تمام گھر والوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ صاعقہ کی دونوں چھوٹی بیٹیاں بھی خوف کے عالم میں ماں اور باپ کے ساتھ ساتھ وہاں کھڑے ہجوم کو دیکھ رہی تھیں۔

صاعقہ اٹھ کر روتی ہوئی گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

"اس عورت کو اپنے گھر میں بسانے کے لیے مجبور کر رہے ہو تم لوگ۔" ظفر بلند آواز میں صاعقہ کی ماں پر چلا رہا تھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"بیٹا! اندر آ کر بات کرو...... آخر ہوا کیا ہے، تم اندر آ کر آرام سے بتاؤ۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں اس گھر پر اور اندر آنے پر۔" ظفر نے کمر پر ہاتھ رکھے اسی طرح دھاڑتے ہوئے کہا۔

ظفر کی دوسری بیٹی روتے ہوئے دہلیز کے باہر گرے ہوئے لفافوں میں سبزی اور پھل ڈالنے میں مصروف تھی جو باہر بکھرے ہوئے تھے۔

"ظفر بھائی! آپ اندر آئیں۔ اس طرح گلی میں شور کرنے کا کیا فائدہ ہے۔"

صاعقہ کا چھوٹا بھائی اسے کھینچتے ہوئے گھر کے اندر لے آیا۔ باقی گھر والے بھی اندر آ گئے اور انہوں نے بیرونی دروازہ بند کر دیا۔

"تمہاری بیٹی کی ان ہی حرکتوں کی وجہ سے میں نے اسے اپنے گھر سے نکال دیا ہے مگر یہاں آ کر بھی اس نے اپنی حرکتیں نہیں چھوڑیں۔" ظفر نے اندر آتے ہی کہا۔

"آخر ہوا کیا ہے جو تم اس طرح شور مچا رہے ہو؟" اس بار صاعقہ کے باپ نے تنگ آ کر کہا۔

ظفر نے پورے واقعے کو مرچ مسالہ کے ساتھ ان سب کے سامنے پیش کر دیا۔ صاعقہ کی وضاحتیں، صفائیاں اس کے کسی کام نہیں آئیں...... باپ اور بھائیوں کی نظروں میں اس کے لیے اچانک ہی تحقیر، تذلیل، ہتک، شک اور پتا نہیں کیا کیا جھلکنے لگا تھا۔

ظفر آدھ گھنٹہ وہاں رک کر اسی طرح بکتے جھکتے وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکل گیا کہ وہ صاعقہ کو جلد ہی طلاق بھجوا دے گا...... اس کے جانے کے بعد صاعقہ کو نئے سرے سے سب کی لعنت و ملامت کا سامنا کرنا پڑا۔

پہلے برا بھلا کہنے والا اگر شوہر تھا تو اب یہ فریضہ اس کے باپ اور بھائیوں نے سنبھال لیا تھا۔ جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام اس کی بھابھی انجام دے رہی تھی۔

اس رات اس نے کھانا کھایا نہ اس کی بچیوں نے...... وہ ساری رات روتی رہی۔

اگلے دو ہفتے وہ گھر میں بند رہی اور ان دو ہفتوں نے اس کی زندگی کا ضابطہ اخلاق بدل دیا تھا۔ اس تبدیلی کا احساس اس کے علاوہ کسی کو نہیں ہوا تھا۔

گھر والے کب تک اسے گھر میں بٹھا کر کھلا سکتے تھے۔ دو ہفتوں کے بعد اس نے باپ اور بھائیوں کے سامنے اپنے اس "گناہ عظیم" کی معافی مانگی اور کام پر جانے کی التجا کی۔

"میں برقع پہن کر کام پر جایا کروں گی۔ کوئی سڑک پر میرا چہرہ تک نہیں دیکھ سکے گا۔ آپ کو مجھ سے دوبارہ کبھی شکایت نہیں ہو گی۔ میں کسی مرد کو دیکھوں گی بھی نہیں......"

اسے یاد تھا، اس نے انہیں کون، کون سی یقین دہانیاں کروائی تھیں..... کیا کیا وعدہ کیا وعدے کیے تھے۔
اس کے باپ اور بھائیوں کو اس پر اعتبار آیا یا نہیں۔ انہوں نے اسے کام پر جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اس کے اخراجات پورے نہیں کر سکتے تھے۔ نہ اس کے..... نہ اس کے بچوں کے..... مرد کی غیرت کی بھی کچھ حدود و قیود ہوتی ہیں، خاص طور پر اس کے طبقے کے مردوں کی غیرت کی.....

صاعقہ کسی سے کیا جانے والا وعدہ کبھی نہیں توڑتی تھی۔ دو ہفتوں کے دوران پہلی بار اس نے کچھ وعدے اپنے ساتھ بھی کیے اور اس نے پھر ساری زندگی ان وعدوں کو نبھایا۔ نہ صرف ان وعدوں کو بلکہ ان تمام وعدوں کو جو اس نے اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ کیے تھے۔

''میں ہمیشہ برقع پہن کر کام پر جاؤں گی۔''

وہ ہمیشہ برقع پہن کر ''اپنے کام'' پر جاتی رہی۔

''کوئی سڑک پر میرا چہرہ نہیں دیکھے گا۔''

''سڑک'' پر اس نے کبھی کسی کو اپنا ''چہرہ'' نہیں دکھایا۔

''میں کبھی کسی مرد کو دیکھوں گی بھی نہیں۔''

اس نے اس وعدے کو بھی حرف بہ حرف نبھایا اس نے مردوں کو ''دیکھنا'' چھوڑ دیا۔ اس نے ان سے ''ملنا'' شروع کر دیا۔

''آپ کو مجھ سے کبھی دوبارہ شکایت نہیں ہوگی۔'' یہ اس کا آخری وعدہ تھا۔

اس نے اس وعدہ کو بھی نبھایا۔

دو ماہ کے بعد وہ اپنی بچیوں سمیت کرائے کے ایک مکان میں منتقل ہو گئی تھی۔ وہ اب موم بتیوں کے اس کارخانے میں عورتوں کے حصے کی سپروائزر تھی۔

ظفر نے اسے طلاق نہیں بھجوائی۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے ہو گئے تھے۔ پہلے گھر والے اس کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ اب وہ گھر والوں کی مالی امداد کرتی تھی۔

روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ یہ وہ ساز ہے جو بجنا شروع ہو تو ہر شخص کو ناچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ پھر یہ لوگوں کی ساری اخلاقیات اور اصولوں کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ معاشرہ اس سانپ کی طرح ہوتا ہے جو اس ساز کی دھن پر نہ صرف جھومنے لگتا ہے بلکہ یہ اس کا سارا زہر بھی مار کر رکھ دیتا ہے۔

ساز بجنا بند ہو تو معاشرہ ایک بار پھر اپنا پھن اٹھا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اخلاقیات اور اصولوں کے خزانے کا رکھوالا بن کر..... اس کا زہر پھر عود کر آتا ہے۔ اس کی پھنکار بڑھتی جاتی ہے۔ اس کی چستی اور لپک میں اضافہ ہوتا رہتا ہے..... مگر پھر..... پھر ساز پھر بجنے لگتا ہے۔ سانپ پھر جھومنے لگتا ہے..... اخلاقیات اور اصول پھر بدلنے لگتے ہیں۔

صاعقہ نے زندگی کے ان چند سالوں میں صرف یہ ''ساز'' بجانا سیکھ لیا تھا پھر اس ''ساز'' نے اس کی ساری زندگی بدل کر رکھ دی۔

نہ صرف اس کی بلکہ اس کی بیٹیوں کی بھی اور تبدیلی کا یہ عمل صرف اس کی بیٹیوں تک محدود نہیں رہنا تھا..... اس عمل کو آگے کا سفر بھی کرنا تھا..... ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک..... دوسرے سے تیسرے طبقے تک۔

ایک خاندان سے دوسرے خاندان تک..... دوسرے سے تیسرے خاندان تک۔

رکاوٹیں عبور کرنے کی ریس جاری تھی۔ صاعقہ اور اس کی بیٹیاں بھی اس ریس میں شامل تھیں، اپنے تمام ہتھیاروں کے ساتھ..... بقا کی جنگ..... بھوک کی جنگ..... یا شاید ''عزت'' کی جنگ..... اس عزت کی جسے معاشرہ ''عزت'' سمجھتا ہے۔ وہ یہی جنگ لڑ رہی تھی۔

☆☆☆

فاطمہ اس شام شبیر کو ہوم ورک کروا رہی تھی جب اس نے محسوس کیا کہ شبیر کی توجہ بٹی ہوئی ہے۔ وہ اگرچہ اس کے کہنے پر بار بار کاپی پر وہی لکھ رہا تھا جو وہ اسے لکھوا رہی تھی مگر جیسے ہی اس کی توجہ شبیر سے ہٹتی، وہ کام کرنا بند کر دیتا اور اپنے سے کچھ دور بیٹھے ہوئے ثمر اور ثانیہ کو دیکھنے لگتا جو کھلونوں سے کھیل رہے تھے۔

فاطمہ کے لیے شبیر کا ان دونوں کی طرف بار بار متوجہ ہونا کوئی نئی بات نہیں تھی مگر آج پہلی بار اس نے محسوس کیا کہ شبیر، ثمر اور ثانیہ کو کچھ الجھی ہوئی سنجیدہ نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ وہ نہ انہیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا نہ ہی انہیں مخاطب کر رہا تھا۔ صرف وقفے وقفے سے کام کرتے کرتے رک کر انہیں دیکھنے لگتا اور پھر تب تک دیکھتا رہتا جب تک فاطمہ اسے اس کے کام کی طرف متوجہ نہ کرتی۔

فاطمہ کو اس کا یہ انداز بہت عجیب لگا۔

''شبیر...... ! کیا بات ہے؟''

شبیر بہت غور سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا، فاطمہ کے اس طرح مخاطب کرنے پر یک دم گڑبڑا گیا اور ایک بار پھر اپنی کاپی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''شبیر...... بیٹا! میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔ کیا بات ہے؟'' فاطمہ نے ایک بار پھر شبیر کو مخاطب کیا۔

''کچھ نہیں۔ میں کام کر رہا ہوں۔'' شبیر نے سر جھکائے اسی طرح کام کرتے ہوئے کہا۔

فاطمہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اپنی کاپیاں چیک کرنے میں مصروف ہو گئی۔

''امی!'' کچھ دیر بعد اس نے فاطمہ کو مخاطب کیا۔ وہ پنسل کا پچھلا سرا اپنے منہ میں ڈالے فاطمہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''امی...... کیا ثمر اور ثانی کو ہم نے کوڑے کے ڈبے سے اٹھایا تھا؟''

فاطمہ چند لمحے کے لیے سانس لینا بھی بھول گئی۔ بے حس و حرکت پلکیں جھپکائے بغیر وہ اسے دیکھتی رہی۔ پانچ سالہ شبیر کے منہ سے نکلنے والا جملہ اسے اس وقت دنیا کا سب سے مشکل اور تکلیف دہ سوال لگا تھا۔

وہ ابھی بھی کسی فلاسفر کی طرح منہ میں پنسل ڈالے فاطمہ کے جواب کا منتظر تھا۔ فاطمہ نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے اپنے خشک حلق کو تر کیا۔

''یہ کس نے کہا تم سے؟''

''وہ...... وہ جاوید کہہ رہا تھا۔'' شبیر نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے ٹیوشن پڑھنے کے لیے آنے والے ایک بچے کا نام لیا۔

''جاوید نے کہا؟'' فاطمہ کو جیسے یقین نہیں آیا۔ وہ ایک بڑا کم گو اور شرمیلا سا بچہ تھا اور کبھی کسی شرارت میں بھی ملوث نہیں ہوتا تھا اب یک دم شبیر کا یہ کہنا کہ اس نے اس سے ایسی کوئی بات کہی تھی۔

''اس نے اور کیا کہا تم سے؟'' اس نے غم و غصے کی کیفیت میں اس سے پوچھا۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ ثمر اور ثانی میرے بہن بھائی نہیں ہیں۔'' شبیر اب سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری امی نے انہیں کوڑے کے ڈبے سے نکالا تھا۔ امی! بتائیں نا؟ کیا آپ نے انہیں کوڑے کے ڈبے سے نکالا تھا؟'' وہ یک دم اصرار کرنے لگا۔

فوری طور پر فاطمہ کو کوئی جواب نہیں آیا۔ اسے جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ مگر جب شبیر بار بار اپنا سوال دہرانے لگا تو اس نے شبیر کو کھینچ کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔

''آپ بتائیں ناں۔ کیا وہ میرے بہن بھائی نہیں ہیں؟'' اس نے فاطمہ کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے پوچھا۔

''جاوید جھوٹ بولتا ہے۔'' فاطمہ نے اپنے حواس کو بحال کرتے ہوئے کہا۔ ''بھلا کوڑے کے ڈبے میں سے بچے کیسے نکالے جا سکتے ہیں؟'' اس نے شبیر کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''تم بتاؤ۔ کیا تم نے کبھی کوڑے کے ڈبے میں بچے دیکھے ہیں؟'' فاطمہ نے شبیر سے پوچھا۔ اس نے سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اور پھر ان دونوں کو دیکھو...... کیا اتنے پیارے بچے کبھی کوڑے کے ڈبے سے ملتے ہیں؟''

اس نے ثانی اور ثمر کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔ شبیر نے ایک نظر ان دونوں کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''اور پھر بھلا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم کوڑے کے ڈبے سے بچے لائیں۔''

''مگر پھر وہ ایسا کیوں کہتا ہے؟'' شبیر شاید ابھی بھی کسی شش و پنج کا شکار تھا۔

''وہ جھوٹ بولتا ہے...... بعض بچے بہت جھوٹ بولتے ہیں۔''

وہ یک دم شبیر کو اٹھا کر ثانی اور ثمر کے پاس لے گئی۔

''تم دیکھو، یہ تمہارے جیسے لگتے ہیں نا؟'' وہ شبیر کو ان کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

شبیر نے بڑے غور سے انہیں دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اگر یہ تمہارے بہن بھائی نہیں ہیں تو پھر ان کی شکل تمہارے جیسی کیوں ہے؟'' وہ نرم آواز میں اس سے پوچھنے لگی۔ وہ بچہ تھا، کسی بھی بات کی دلیل نہیں دے سکتا تھا۔ فاطمہ نے اس سے ایک سوال کیا اس نے ثمر اور ثانی پر ایک نظر دوڑائی اور فاطمہ کی ہاں میں ہاں ملا دی۔

فاطمہ کو اندازہ نہیں تھا کہ کچھ عرصہ پہلے ہاسپٹل میں ان دونوں کے ایڈمٹ ہونے اور پھر وہاں سے گھر آنے کا واقعہ اسے یاد تھا یا نہیں ورنہ اسے اسی کا حوالہ دیتی۔

''اگلی بار جاوید یا کوئی بھی ایسی بات کہے تو آپ اس کی بات بالکل نہ سننا۔'' اس نے شبیر کو ہدایت دی۔

''میں کہہ دوں گا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہو۔'' شبیر نے فوراً لائحہ عمل طے کیا۔

''ہاں بالکل...... اور آپ کہہ دینا کہ وہ دونوں آپ کے ہی بہن بھائی ہیں۔''

فاطمہ نے مزید ہدایات دیں۔ شبیر نے سر ہلا دیا۔ وہ اب بالکل مطمئن اور پرسکون نظر آ رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ ثانی اور ثمر کو دیکھ کر مسکرانے لگا اور ان کے منہ سے نکلنے والی آوازوں کے جواب میں خود بھی آوازیں نکالنے لگا۔

مگر فاطمہ مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ اس کا سارا اطمینان یک دم رخصت ہو گیا تھا۔ اس محلے میں ہر کوئی جانتا تھا کہ ثمر اور ثانی کو کوڑے سے اٹھایا گیا تھا اور یقیناً ہر گھر میں اب بھی کبھی کبھار ان کی بات ہوتی ہو گی اور یہ ساری گفتگو بچوں کے سامنے ہی ہوتی تھی...... بچے کسی بھی صورت میں اپنے تجسس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس کا ایک مظاہرہ تو وہ ابھی جاوید کے ''انکشاف'' کی صورت میں دیکھ چکی تھی اور شاید یہ صرف ابتدا تھی۔

ابھی یہ سوال شبیر کی زبان پر آیا تھا جس دن یہ سوال ثانی اور ثمر کی زبان پر آیا، اس دن کیا ہو گا؟...... وہ انہیں کیسے سمجھائے گی؟...... ان سے کیسے چھپا پائے گی؟...... یہ انکشاف انہیں کس طرح کی ذہنی اور جذباتی تکلیف سے دوچار کرے گا؟...... وقت گزرنے کے ساتھ انہیں اور کیا کیا برداشت کرنا پڑے گا؟...... پھر ان دونوں اور شبیر کے تعلقات کی نوعیت کیا رہ جائے گی؟...... اور ثانی...... ثانی کا مستقبل کیا ہو گا؟...... اس بیک گراؤنڈ کے ساتھ معاشرے کا کون سا گھر اس کے لیے اپنے دروازے کھولے گا؟ ثمر سے کون رشتہ جوڑنا چاہے گا؟...... اور ان دونوں کے اس ماضی کی وجہ سے شبیر پر کیا اثرات ہوں گے؟

پھر خود اس کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا رہ جائے گی یہ جاننے کے بعد کہ وہ ان کی ماں نہیں ہے...... اور اور اگر شبیر نے بھی اس کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں شک کرنا شروع کر دیا تو؟...... خاص طور پر اس صورت میں جب وہ اسے نہ اس کے باپ کے بارے میں کوئی معلومات دے سکتی ہے نہ اس کے خاندان کے بارے میں کوئی ثبوت......

سوالات کا ایک ہجوم تھا جو اس کے دماغ میں امڈ رہا تھا۔

اس محلے میں لوگ اس کی عزت کرتے تھے...... صرف عزت اس کے لیے کافی نہیں تھی...... اسے رازداری اور اس عزت کی پاس داری بھی چاہیے تھی۔ وہ وہاں ممکن نہیں تھی۔ لوگ اس کے سامنے ان دونوں کے بارے میں بات نہ کرتے۔ مگر اس کی عدم موجودگی میں انہیں بات کرنے سے کون روک سکتا تھا...... وہ لوگوں سے درخواست کر سکتی تھی انہیں مجبور نہیں کر سکتی تھی...... اور وہ کس کس کو یہ راز چھپانے کا کہتی۔

"مجھے یہ محلہ چھوڑنا ہوگا...... ہمیشہ کے لیے...... ان لوگوں کو اپنا اتا پتا بتائے بغیر......" اس نے اس شام وہیں بیٹھے بیٹھے کچھ فیصلے کیے۔ "اور مجھے دوبارہ کبھی یہاں نہیں آنا نہ ہی اس محلے کے کسی فرد سے میل جول رکھنا ہے۔ یہ سب کیے بغیر میں اس راز کو کبھی راز نہیں رکھ سکتی۔ کسی دوسری جگہ پر مجھے اس حقیقت کے انکشاف کا خوف نہیں رہے گا۔ نہ ہی اس راز کو راز رکھنے کے لیے کوئی جستجو کرنی پڑے گی۔ پہلے میں یہ محلہ چھوڑوں گی اور پھر یہ شہر...... مجھے ایک بار پھر اپنی ٹرانسفر کسی دوسرے شہر میں کروانی پڑے گی...... زندگی ایک بار پھر درہم برہم ہو جائے گی...... مگر اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ ایک بار پھر مجھے کچھ تکلیف اور دقت کا سامنا کرنا پڑے گا مگر پھر...... پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔

تین ماہ کے بعد اس نے وہ محلہ چھوڑ دیا۔ لوگ کچھ عرصہ اسے یاد کرتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ سب فاطمہ اور ان دونوں بچوں کو بھولنے لگے کیونکہ فاطمہ سے وہاں کے کسی فرد کا دوبارہ کبھی رابطہ نہیں ہوا۔ وہ یک دم کہاں غائب ہوئی تھی لوگ قیاس آرائیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکے۔

☆☆☆

"کافی پیتی ہیں آپ؟" باقر شیرازی بڑے پرسکون انداز میں کہہ رہا تھا۔ "کون سی کافی پیتی ہیں؟...... کولڈ کافی؟...... انسٹنٹ؟"

شائستہ نے یک دم آنکھیں کھول دیں۔ ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے اسے پہلی بار خوف محسوس ہوا۔ وہ آخر اس کے بارے میں کیا کیا اور کس حد تک جانتا تھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے شائستہ کمال! میں آپ کا دوست ہوں۔"

باقر شیرازی نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

"سر! آپ کو کچھ چاہیے؟" ایئر ہوسٹس نے اچانک آ کر ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو میں مداخلت کی۔

"ہاں، میں کافی پیوں گا۔" باقر شیرازی نے ایئر ہوسٹس سے کہا۔

"آپ کافی پینا پسند کریں گی؟" وہ اب مسکراتے ہوئے شائستہ کمال سے پوچھ رہا تھا۔

اس کے سوال کا جواب دیے بغیر وہ صرف اسے گھورتی رہی۔

"میرا خیال ہے۔ یہ بھی کافی پسند کریں گی۔ آپ ہم دونوں کے لیے کافی لے آئیں۔" باقر شیرازی نے یک دم گردن موڑتے ہوئے ایئر ہوسٹس سے کہا۔

"رائٹ سر۔" وہ نہایت مستعدی سے واپس چلی گئی۔

"آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں شائستہ؟"

ایئر ہوسٹس کے جانے کے بعد باقر شیرازی نے بڑے اطمینان سے پوچھا، وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"میں آپ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

باقر شیرازی نے اس کی بات پر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"پھر تو یقیناً میں بہت خوش قسمت ہوں جسے شائستہ کمال جیسی عورت سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

اس کے قہقہے اور تبصرے نے بھی شائستہ کمال کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے۔ میرے سوال نے آپ کو پریشان کر دیا ہے۔" باقر شیرازی نے یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر ایسا ہے تو میں اس کے لیے آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔"

"معذرت کرنے کے بجائے آپ مجھے صرف یہ بتا دیں کہ آپ یہ سب کچھ کیسے جانتے ہیں؟" شائستہ نے اس کے سوال کی تردید کرنے کی کوشش کیے بغیر اس سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ جو شخص اس سے اتنا ذاتی اور ڈائریکٹ سوال پوچھ سکتا تھا اس کے پاس یقیناً معلومات کے کچھ ایسے ذرائع ضرور ہوں گے جو بہت قابل وثوق ہوں گے۔ وہ اس کی بات کو جھٹلانے کی کوشش کرانا نہیں چاہتی تھی...... باقر شیرازی یقیناً اس کی ایسی کسی تردید کو کوئی اہمیت نہ دیتا۔

"جو لوگ اچھے لگتے ہوں، ان کے بارے میں سب کچھ جان لینے کو دل چاہتا ہے۔" باقر شیرازی نے بہت ذومعنی سی بات کی۔

"وہ باتیں بھی جو نہیں جاننی چاہئیں؟"

شائستہ نے اسے کچھ ملامتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ باقر شیرازی کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا آپ کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں آپ کا کوئی راز جاننے کے بعد اسے آپ کے خلاف استعمال کروں گا یا آپ کو بلیک میل کروں گا؟"

اس نے سنجیدگی سے شائستہ سے پوچھا۔ شائستہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اگر آپ یہ سوچ رہی ہیں تو غلط سوچ رہی ہیں۔" چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد اس نے شائستہ سے کہا۔ "آپ باقر شیرازی کو بہت ہی غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔"

وہ یک دم چپ ہو گیا۔ شائستہ نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔

"اگر آپ کو میرا سوال برا لگا تو آپ کو پورا حق ہے کہ آپ اس کا جواب نہ دیں۔"

"میں آپ سے پوچھ رہی تھی کہ آپ کو میرے بارے میں اس طرح کی معلومات کس نے دی ہیں؟" شائستہ نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"میرے اپنے ذرائع ہیں۔"

"اور آپ نے میرے بارے میں اس طرح کی معلومات اکٹھی کیوں کی ہیں، اگر بقول آپ کے آپ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے تو؟"

"اسے صرف ایک اتفاق سمجھیں۔" باقر شیرازی نے کچھ مدافعانہ انداز میں کہا۔

"اتفاق؟" شائستہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ وہ اب اچانک لگنے والے اس شاک سے باہر نکل آئی تھی۔

"میرے اور آپ کے درمیان کتنی شناسائی ہے کہ آپ اس بے تکلفی سے مجھ سے اس قسم کا ذاتی سوال پوچھ رہے ہیں؟" وہ یکدم مشتعل ہو گئی۔ "اور کیا سوچ کر آپ نے میرے بارے میں اس طرح کی معلومات اکٹھی کی ہیں۔ آخر چاہتے کیا ہیں آپ؟"

اس سے پہلے کہ باقر شیرازی کچھ کہتا، ایئر ہوسٹس کافی لے کر وہاں آ گئی۔

وہ جتنی دیر کافی سرو کرتی رہی۔ باقر اور شائستہ خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے جانے کے بعد باقر نے کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے شائستہ سے کہا۔

"یہ بہتر ہے کہ ہم پہلے کافی پی لیں۔ اس کے بعد اس معاملے میں بات کریں گے۔"

"مجھے آپ کی کافی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف اپنے بارے میں آپ کا ذریعۂ معلومات جاننا چاہتی ہوں۔" اس نے رکھائی سے کہا۔

"شائستہ! میں اپنے اس سوال کے لیے آپ سے ایکسکیوز کرتا ہوں۔ میں نے واقعی آپ کے ذاتی معاملات میں

مداخلت کی ہے۔"

"میں نے آپ سے معذرت کے لیے نہیں کہا، میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کو میرے بارے میں یہ ساری معلومات کس نے دی ہیں؟" وہ اس کی معذرت سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"ذرائع معلومات۔" باقر شیرازی نے مسکراتے ہوئے اس کا جملہ دہرایا۔

"کسی سیاست دان سے اس کے معلومات کے ذرائع پوچھ رہی ہیں۔ کمال کر رہی ہیں۔" وہ جیسے اس کی بات سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"آخر آپ کو اتنا غصہ کس بات پر آ رہا ہے...... میں آپ سے معذرت تو کر چکا ہوں۔" باقر شیرازی نے ایک بار پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"مگر آپ میرے سوال کا جواب نہیں دے رہے۔"

"یہ ممکن ہی نہیں ہے...... چلیں، آپ یہ سمجھ لیں کہ میں نے آپ کے بارے میں معلومات کے لیے کسی ایجنسی کو استعمال کیا ہے۔"

"کیوں؟"

"مجھ سے غلطی ہو گئی۔" باقر شیرازی نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

وہ اسے دیکھتی رہی اس کا اشتعال آہستہ آہستہ دم توڑ رہا تھا۔ چند منٹ پہلے تک وہ باقر شیرازی کے سامنے جس احساس برتری کو لیے ہوئے تھی، وہ یک دم ہی کہیں غائب ہو گیا تھا۔ ہارون کے علاوہ وہ دوسرا شخص تھا جو اس حقیقت سے......

اس نے ایک بار پھر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی مگر اس بار اس کے چہرے پر تھکن نمایاں تھی۔

اس کی آنکھیں بند تھیں، اس بار وہ اپنی آنکھوں کے تاثرات کو چھپانا چاہتی تھی...... چہرے کو وہ چھپا نہیں سکتی تھی۔

"اگر باقر شیرازی یہ سب جان سکتا ہے تو پھر کوئی بھی جان سکتا ہے...... کیا مجھے ہارون سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے۔" وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"اور اگر......"

"شائستہ!" باقر شیرازی کی آواز نے اچانک اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا۔ "آپ مجھے اپنا دوست سمجھ سکتی ہیں۔"

شائستہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔ "میں کوشش کر رہی ہوں۔"

"میں آپ کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

"آپ مجھے کبھی کوئی نقصان پہنچا بھی نہیں سکتے۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔"

شائستہ نے پر اعتماد انداز میں کہا۔ مگر پر اعتماد نظر آنے کی کوشش اس وقت اسے کتنی تکلیف دہ محسوس ہو رہی تھی یہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

کچھ دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک وقفہ حائل رہا۔ پھر کوئی خیال بجلی کی طرح شائستہ کے ذہن میں کوندا تھا۔ ایک بار پھر بے چینی اور اضطراب اس کے چہرے پر جھلکنے لگا۔

"اگر باقر شیرازی یہ جانتا ہے کہ میں نے اپنے کسی بچے کو کسی یتیم خانے میں بھجوایا تھا تو وہ یقیناً یہ بھی جانتا ہو گا کہ وہ بچہ کہاں ہے۔" وہ سوچ رہی تھی۔ "مجھے اس سے پوچھنا چاہیے...... ہو سکتا ہے جو کام میں نہیں کر سکی وہ یہ کر دے...... یا یہ بھی ممکن ہے باقر شیرازی سے میری ملاقات اسی کام کے لیے ہوئی ہو۔"

وہ اپنے خیالوں اور سوچوں میں غرق تھی اور اس بات کو مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھی کہ باقر شیرازی وقتاً فوقتاً اس کے چہرے پر نظریں دوڑاتے ہوئے اس کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

''کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ بچہ کہاں ہے؟'' شائستہ نے یک دم کسی تمہید کے بغیر باقر شیرازی کو مخاطب کیا۔

''آپ کا بچہ؟'' باقر شیرازی نے ''آپ'' پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں میرا بچہ؟'' اس کے لہجے میں اس بار شکست خوردگی نمایاں تھی۔ ''وہ اس یتیم خانہ میں نہیں ہے جہاں اسے بھجا گیا تھا۔''

باقر نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔ ''ہاں وہ وہاں نہیں ہے۔''

''کیا آپ جانتے ہیں، وہ کہاں ہے؟''

''نہیں۔''

شائستہ نے قدرے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو پتا نہ ہو۔ آپ اگر یہ سب جان سکتے ہیں تو اس کے بارے میں مزید بھی جانتے ہوں گے۔''

''میں اس کے بارے میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا آپ جانتی ہیں۔'' باقر شیرازی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''اسے کسی فیملی نے لیا تھا۔ اس فیملی کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا۔ اور بس...... بچہ کہاں ہے...... کسی کو پتا نہیں کیونکہ وہ فیملی پاکستان میں نہیں رہی...... گلف چلی گئی۔''

شائستہ کے چہرے پر یک دم مایوسی چھا گئی۔ ''بس اس بچے کے بارے میں آپ اتنا ہی جانتے ہیں؟''

''ہاں، میں اتنا ہی جانتا ہوں لیکن......'' باقر شیرازی ایک لمحہ کے لیے رکا۔ ''لیکن میں اس کے بارے میں آپ کو اس سے زیادہ معلومات دے سکتا ہوں...... میں آپ کے لیے یہ کام کروا سکتا ہوں۔'' اس نے پیشکش کی۔

''ٹھیک ہے، آپ مجھے اس کے بارے میں معلومات کروا دیں...... میں اس بچے کو ڈھونڈنا چاہتی ہوں...... اگر آپ اس سلسلے میں میری مدد کر سکیں تو؟''

باقر شیرازی نے شائستہ کی بات کاٹ دی۔

''میں آپ کی مدد کر سکتا نہیں...... میں آپ کی مدد کروں گا۔''

''تھینک یو۔'' شائستہ نے تشکر کے احساس کے ساتھ کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ دوستوں میں شکریہ نہیں ہوتا۔''

باقر شیرازی نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا کافی کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اب دوسرا سگار سلگا رہا تھا۔ شائستہ منتظر رہی کہ وہ اب اس سے کوئی سوال کرے گا مگر اس نے نہیں کیا۔ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد شائستہ نے اچانک کہا۔

''کیا آپ اپنے سوال کا جواب نہیں چاہتے؟''

باقر شیرازی چونکا ''کون سے سوال کا؟''

''اسی سوال کا جس سے یہ گفتگو شروع ہوئی تھی۔''

''آپ ناراض ہو گئی تھیں...... اس سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی، اس لیے مجھے جواب کی خواہش نہیں ہے۔'' باقر شیرازی نے سگار کا کش لیتے ہوئے بڑے شستہ انداز میں کہا۔

''میں آپ کی ناراضی افورڈ نہیں کر سکتا۔''

''اور اگر اب میں خود بتانا چاہوں؟''

''یہ آپ پر منحصر ہے...... مگر یہ یاد رکھیں کہ میں اپنا سوال دہرا نہیں رہا ہوں۔'' باقر شیرازی نے کہا۔

شائستہ کچھ دیر کے لیے اسے دیکھتی رہی۔ وہ یک دم اسے بہت اچھا لگا تھا...... اپنے سے دگنی عمر کا ہونے کے باوجود بھی اسے اپنے اور اس کے درمیان کوئی جنریشن گیپ محسوس نہیں ہو رہا تھا...... باقر شیرازی میں ایک خاص قسم کی گرم جوشی تھی...... وہ

بے تکلف تھا مگر کچھ حدود و قیود کے ساتھ...... وہ بے باک تھا مگر یہ بے باکی ان دو ملاقاتوں میں کہیں بھی اس کے لیے تکلیف دہ نہیں بنی تھی۔ اس نے باقر شیرازی سے ملنے سے پہلے اس کا بہت نام اور شہرہ سن رکھا تھا۔ مگر اس وقت اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے وہ محسوس کر رہی تھی کہ باقر شیرازی اس سے کہیں زیادہ ڈائنامک پرسنیلٹی رکھتا تھا۔

''میں آپ کے سوال کا جواب دینا چاہتی ہوں۔''

باقر شیرازی نے کچھ نہیں کہا۔

"I want to feel light-hearted." (میں اپنا دل ہلکا کرنا چاہتی ہوں)

باقر شیرازی اسے دیکھتا رہا۔

''آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ آپ ہارون کے بعد وہ پہلے شخص ہیں جن سے میں اس بارے میں بات کر رہی ہوں۔''

اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگالی۔

''اگر ہارون کو یہ پتا چل جائے تو وہ......'' شائستہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"Are you having strained relations with you husband?" (کیا آپ اپنے شوہر کے دباؤ میں ہیں)

باقر نے اچانک پوچھا۔ شائستہ نے سر موڑ کر اسے غور سے دیکھا۔

"Strained.....No..... May be..... yes" (دباؤ......نہیں......شاید ہاں)

باقر شیرازی شائستہ کے فوری انکار اور پھر اقرار پر مسکرایا۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک اور وقفہ آیا۔ شائستہ اب ماضی میں اتر رہی تھی۔ احساسِ جرم کی دلدل ایک بار پھر اس کے پیروں سے لپٹنے لگی تھی۔

☆☆☆

ساتواں باب

وہ شادی کے اگلے ہفتے ہارون کے ساتھ ہنی مون کے لیے انگلینڈ چلی گئی۔ وہاں آنے کی خواہش ہارون کی تھی۔ وہ چاہتا تھا۔ وہ دونوں چند ہفتے وہاں گزاریں۔

شائستہ اس کے ساتھ ساتویں آسمان پر پہنچی ہوئی تھی۔ وہ اس کے لیے سراپا محبت تھا۔ شائستہ کو اپنے انتخاب پر فخر ہو رہا تھا۔ وہ اگر کسی زندگی کے خواب دیکھتی تھی تو ایسی ہی زندگی کے...... کسی پابندی کے بغیر...... آزادی کی زندگی...... اور اب اسے وہ آزادی حاصل تھی۔

وہ اس برقعہ کی گرفت سے باہر آ چکی تھی جو وہ اپنے ماں باپ کے گھر اوڑھا کرتی تھی۔ زندگی اس کے لیے ایک بالکل نئے معنی لے کر آئی تھی۔

انگلینڈ آنے کے دوسرے دن لنچ پر ہارون نے اس سے کہا۔

''آج ہم ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں۔''

''کس لیے؟'' شائستہ اس کے منہ سے یہ خلاف توقع جملہ سن کر حیران ہوئی۔

''تمہارے لیے۔''

''میرے لیے؟...... مجھے کیا ہوا؟ میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔'' شائستہ نے کہا۔

''ہاں لیکن ہم پھر بھی ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں...... میں اپائنٹمنٹ لے چکا ہوں''

''ٹھیک ہے، چلے جائیں گے۔''

شائستہ نے بڑے سرسری انداز میں کہا۔ اس کا خیال تھا، ہارون اس کا مکمل چیک اپ کروانا چاہتا تھا۔

شام کے وقت وہ ہارون کے ساتھ ہاسپٹل چلی گئی۔

ہارون ڈاکٹر کے ساتھ بڑے نارمل انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

''میں ان کا چیک اپ کر لیتی ہوں، اس کے بعد میں آپ کو اباڑشن کے لیے ڈیٹ دے دوں گی۔''

شائستہ کو لگا اسے ڈاکٹر کی بات سننے اور سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

''آپ نے کیا کہا؟'' اس نے اپنی غلط فہمی دور کرنے کے لیے انگلش میں ڈاکٹر سے پوچھا۔

ڈاکٹر نے ایک بار پھر مسکراتے ہوئے اپنی بات دہرا دی۔

''اباڑشن؟'' اس نے فق رنگت کے ساتھ ہارون کو دیکھا، اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہے ہارون؟'' اس نے اس بار ہارون سے پوچھا۔ ڈاکٹر اب خاموش ہو گئی تھی، شاید شائستہ کے چہرے کے تاثرات نے اسے کچھ محتاط کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہارون اس کی بات کا جواب دیتا، ڈاکٹر نے اس سے پوچھا۔

"کیا آپ کی بیوی یہ نہیں جانتی کہ آپ بچے کا ابارشن کروانا چاہتے ہیں؟"

"وہ جانتی ہے لیکن وہ ابھی بھی کچھ کنفیوزڈ ہے۔ میں اس سے بات کرلوں گا...... آپ اس کا چیک اپ کرلیں۔" ہارون نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹر کو تسلی دی۔

"نہیں۔ مجھے چیک اپ نہیں کروانا...... ڈاکٹر سے بات کرنے سے پہلے تم مجھ سے بات کرو۔" شائستہ غم و غصہ کی حالت میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہارون نے سرد نظروں سے اسے دیکھا اور پھر ڈاکٹر سے کہا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں یہ چیک اپ آج ملتوی کرنا پڑے گا...... میں فون پر آپ سے اگلی اپائنٹمنٹ طے کرلوں گا۔ میری بیوی ایک بار پھر خوف زدہ ہو رہی ہے۔"

اس نے آخری جملہ قدرے مزاحیہ انداز میں کہا اور پھر ڈاکٹر سے ہاتھ ملاتے ہوئے باہر آ گیا۔ شائستہ تب تک پہلے ہی کمرے سے باہر نکل چکی تھی۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ؟" شائستہ نے اس کے باہر نکلتے ہی تقریباً چلاتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ہارون نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر بے تاثر آواز میں اس سے کہا۔

"یہاں تماشا کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... جو بھی بات ہے۔ ہم فلیٹ پر واپس جا کر کریں گے۔" وہ شائستہ کا انتظار کیے بغیر کوریڈور کو عبور کرنے لگا۔ شائستہ نے سرخ چہرے کے ساتھ اس کی پیروی کی۔

واپسی کا پورا رستہ وہ ٹیکسی میں خاموش رہے۔ شائستہ بری طرح بپھری ہوئی تھی اور اس کے لیے خاموش بیٹھے رہنا مشکل ہو رہا تھا مگر اسے اندازہ تھا کہ ہارون اس سے راستہ میں کوئی بات کرے گا نہ سنے گا۔

فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آتے ہی اس نے اپنا بیگ دور دیوار پر دے مارا تھا۔ ہارون نے ایک اچٹتی سی نظر اس بیگ پر ڈالی اور دروازے کو لاک کرتے ہوئے صوفہ کی طرف بڑھ گیا۔

"تم مجھے یہاں اس لیے لائے ہو؟" شائستہ نے تیز آواز اور سرخ چہرے کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"اس کام کے لیے "بھی" لے کر آیا ہوں۔" ہارون نے پرسکون انداز میں صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے پلکیں جھپکائے بغیر بے ترتیب سانس کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنا کر رکھو گے تو یہ تمہاری بھول ہے...... اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھے جو کچھ کہو گے میں آنکھیں بند کر کے کرنے پر تیار ہو جاؤں گی تو یہ بھی تمہاری بھول ہے۔"

"میں کسی بھول میں رہنے والا مرد نہیں ہوں...... تم کیا کر سکتی ہو۔ کیا نہیں۔ یہ کوئی مجھ سے بہتر نہیں جان سکتا۔"

ہارون کے لہجے میں کیا چھپا تھا وہ اندازہ نہیں کر سکی۔ اس نے اندازہ کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

"میں کسی صورت بھی ابارشن نہیں کرواؤں گی۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "اور میں آخر ابارشن کیوں کرواؤں اب جب میں تم سے باقاعدہ طور پر شادی کر چکی ہوں تو ابارشن کی ضرورت کہاں رہتی ہے۔"

"تمہارا خیال ہے، چھ ماہ کے بعد جب یہ بچہ پیدا ہو تو میں سب سے یہ کہوں کہ مجھ سے یہ بالکل نہ پوچھیں کہ شادی کے چھٹے ماہ میرے ہاں اولاد کیسے ہوگئی ہے۔ صرف یہ کافی ہے کہ میں اور شائستہ شادی شدہ ہیں اور اکٹھے رہ رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔" اس بار اس کی آواز میں طنز تھا۔

شائستہ چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکی۔ "ہم...... ہم...... کہہ سکتے ہیں کہ بچہ پری میچور ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد اٹکتے ہوئے کہا۔

"میرے علاوہ کس کس کو عقل سے پیدل سمجھتی ہو تم؟" ہارون نے تلخ آواز میں کہا۔

"چھٹے ماہ پیدا ہونے والا بچہ زندہ رہ پاتا ہے؟...... اور زندہ رہ بھی جائے تو اس کی حالت کیسی ہوتی ہے اس کا اندازہ

ہے تمہیں......" وہ اب مشتعل ہو کر صوفے سے اٹھ گیا۔

"تم چاہتی ہو، لوگ ہمارے بارے میں انگلیاں اٹھائیں۔ وہ اپنے اندازے پیش کریں۔ تمہاری اور میری شادی ہم دونوں کی ضد پر ہوئی ہے۔ یہ پورا خاندان جانتا ہے۔ لوگوں کو یہ موقع نہ دو کہ وہ اس کی وجوہات ٹریس آؤٹ کرنے بیٹھ جائیں۔"

"تم کو خاندان کی فکر کب سے ہونے لگی...... تمہیں لوگوں کی انگلیاں کب سے پریشان کرنے لگیں...... تم کبھی بھی اتنے قدامت پرست اور روایتی سوچ کے مالک تو نہیں تھے۔"

"میں قدامت پرست ہوں، نہ روایتی سوچ کا مالک ہوں لیکن مجھے خاندان کی پرواہ ہے۔" ہارون نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"تمہاری اور میری کورٹ میرج کا کسی کو پتا نہیں ہے نہ تمہارے گھر والوں کو...... نہ میرے گھر والوں کو...... اور میں اس بچے کے حوالے سے ایسی کسی چہ میگوئیوں کا حصہ بننا نہیں چاہتا جو میرے ماں باپ یا بہن بھائیوں کے لیے کسی شرمندگی کا باعث بنیں۔"

وہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔ ہارون کمال کا ایک نیا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

"ہر ایک یہی سمجھے گا کہ شادی سے پہلے ہم دونوں کے تعلقات تھے...... اگر ہم نے کورٹ میرج کا بتا بھی دیا تب بھی کوئی اس بات پر یقین نہیں کرے گا۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "میں اپنے ماں باپ کا سب سے بڑا بیٹا ہوں میرے حوالے سے کی جانے والی ایسی کوئی قیاس آرائی میرے ماں باپ کو صرف خاندان میں ہی نہیں بلکہ میرے بہن بھائیوں کے سامنے بھی سر اٹھانے کے قابل نہیں رکھے گی...... اور پھر میری دونوں بہنیں، وہ کیا سوچیں گی میرے بارے میں...... اور کل کو اس بچے کے بڑے ہونے پر لوگ اس کے بارے میں کس طرح کی باتیں کریں گے...... نہیں شائستہ! میں کسی قیمت پر بھی یہ بچہ پیدا نہیں ہونے دوں گا۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

"تمہیں اپنے خاندان کی پرواہ ہے...... تمہیں اپنے ماں باپ کی فکر ہے...... تمہیں اپنے بہن بھائیوں کا غم کھائے جا رہا ہے...... اگر تمہیں کسی کی رتی برابر بھی پروا نہیں ہے تو وہ میں ہوں۔" شائستہ نے مشتعل ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری پرواہ ہے...... یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں۔ یہ تمہارے اور اپنے لیے ہی کر رہا ہوں۔"

"نہیں، میرے لیے تم کچھ نہیں کر رہے۔ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو۔ صرف اپنے اور اپنے خاندان کے لیے کر رہے ہو...... ان کی عزت کی فکر ہے تمہیں...... تمہیں خوف ہے کہ...... خاندان والے تمہارے گھر والوں کو برا بھلا کہیں گے تمہیں لعنت ملامت کریں گے۔"

"تمہیں بھی تو کریں گے...... تمہارے گھر والوں کو بھی تو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا اس سے زیادہ شرمندگی کا جتنا میرے گھر والوں کو کرنا پڑے گا۔" ہارون نے اسی تند و تیز آواز میں کہا۔ "تم سامنا کر سکو گی اپنے گھر والوں کا...... اس بچے کے ساتھ؟...... تم ان کے سوالوں کا جواب دے سکو گی۔"

وہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی رہی پھر یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تمہاری خواہش تھی کورٹ میرج...... تم مجھے لے کر جاتے رہے تھے اپنے گھر...... اس وقت سوچنا چاہیے تھا تمہیں یہ سب کچھ...... اپنے گھر والوں کا...... میرے گھر والوں کا...... اپنا...... میرا......" وہ ہسٹریائی انداز میں چلانے لگی۔

"میں کیوں سوچتا...... میں نے تمہیں مجبور کر کے تم سے کورٹ میرج کی تھی...... نہ گن پوائنٹ پر تمہیں اپنے گھر لے جاتا رہا تھا۔ تم اپنی مرضی سے میرے ساتھ جاتی رہی ہو۔" ہارون نے بڑے سرد لہجے میں کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"میرے ماں باپ ٹھیک کہتے تھے۔ مجھے تم سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی...... تم...... تم...... تم انسان ہو ہی نہیں...... انسانوں کی قبیل سے تمہارا تعلق ہے ہی نہیں۔" وہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

☆☆☆

باقر شیرازی نے اپنے پی اے کو اپنے اپائنٹمنٹس کے لیے کی جانے والی درخواستوں کی تفصیلات دہرانے کے لیے کہا۔ وہ اپنے اگلے ہفتے کی ملاقاتوں کا شیڈول سنوار رہا تھا۔

پی اے باری باری مختلف لوگوں کے نام اور ملنے کی نوعیت سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔ وہ بعض لوگوں سے فوری اپائنٹمنٹس طے کر رہا تھا۔ بعض کو ٹالنے کا کہہ رہا تھا اور بعض سے ملنے سے انکار کر رہا تھا۔

پھر پی اے نے کسی طوطے کی طرح رٹے رٹائے انداز میں دوسرے لوگوں کی طرح وہ دو نام بھی دہرائے۔

باقر شیرازی اپنی ریوالونگ چیئر جھلاتے جھلاتے ایک لمحہ کے لیے رک گیا۔ "زرقا اور شمشاد بیگم؟" اس نے حیرانی سے کہا۔

"یس سر..... زرقا اور شمشاد بیگم۔" پی اے جانتا تھا کہ یہ دونوں نام باقر شیرازی کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ ایک سال پہلے بھی اس نے باقر شیرازی کے ساتھ ان کی کچھ اپائنٹمنٹس طے کی تھیں۔

"یہ دونوں کیوں ملنا چاہتی ہیں؟" باقر شیرازی نے پوچھا۔

"کسی نجی کام کے لیے ملنا چاہتی ہیں۔" پی اے نے مودب انداز میں کہا۔

"تم نے پوچھا نہیں کہ وہ نجی کام کیا ہے؟"

"میں نے پوچھا تھا مگر انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ وہ کہنے لگیں کہ باقر صاحب ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ ان کو ہمارا نام بتا دیں۔ وہ ضرور ہمیں ملاقات کے لیے وقت دے دیں گے۔" پی اے نے ان دونوں کا بیان دہرایا۔

"ٹھیک ہے، انہیں اپائنٹمنٹ دے دو۔" باقر شیرازی نے اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"سر! کس دن کی اپائنٹمنٹ دوں؟"

"کل کی۔"

"کل؟" پی اے نے حیرانی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ "مگر سر! کل تو آپ کی بہت ضروری اور اہم اپائنٹمنٹس ہیں یہ اپائنٹمنٹ کیسے ایڈجسٹ کر سکتا ہوں اتنے بزی شیڈول میں۔"

"نہیں۔ مجھے ان سے کل ہی ملنا ہے فوری۔" باقر شیرازی نے مستحکم آواز میں کہا۔

پی اے نے ایک لمحہ کے لیے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ "ٹھیک ہے سر۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"آپ ان سے کہاں ملیں گے؟" اس نے اگلا سوال پوچھا۔

"ان سے پوچھیے وہ مجھ سے کہاں ملنا چاہتی ہیں؟" باقر شیرازی نے کہا۔

پی اے نے ایک بار پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ لاپروائی سے اپنی ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے کسی سوچ میں گم تھا۔

"کتنے منٹ دوں سر؟" اس نے چند لمحوں بعد نوٹ بک پر کچھ نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بھی آپ ان ہی سے پوچھیں۔" باقر شیرازی نے کہا۔ پی اے نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔ اگلے ہی لمحہ وہ نوٹ بک پر جھکا اور برق رفتاری سے اس میں کچھ نوٹ کرنے لگا۔ باقر شیرازی اب بھی بڑے اطمینان اور سکون کے عالم میں اپنی ریوالونگ چیئر جھلانے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

"اب آپ لوگوں کی باری ہے..... آپ لوگ اندر چلے جائیں۔" باقر شیرازی کے پی اے نے وزیٹرز روم میں آتے ہوئے کہا۔ جہاں زرقا اور شمشاد بیگم بیٹھی تھیں۔ پی اے انہیں اطلاع دے کر باہر نکل گیا۔

زرقا نے اپنا پرس کھول کر جلدی سے اس میں سے فیس پاؤڈر نکال لیا اور اسے کھول کر اپنے چہرے پر پاؤڈر کی تہہ نئے سرے سے جمانے لگی۔ اس کی ماں شمشاد بیگم کھڑے ہو کر اپنی ساڑھی کو ٹھیک کرنے میں مصروف تھی۔

فیس پاؤڈر لگانے کے بعد زرقا نے ایک تیز سرخ رنگ کی لپ اسٹک نکالی اور اسے ایک بار پھر ہونٹوں پر پھیرنے لگی۔

لپ اسٹک اس کے ہونٹوں پر پہلے سے موجود لپ اسٹک میں کوئی تبدیلی نہیں لائی۔ وہ پہلے بھی اتنی ہی گہری اور تازہ تھی۔

شمشاد بیگم اب اپنی کلائی میں ڈالی ہوئی پوٹلی کا منہ کھولے اس میں سے پان کی ایک نئی گلوری نکال کر اپنے بائیں طرف کے گال میں دبا رہی تھی۔ گلوری منہ میں دبانے کے بعد انہوں نے زبان کی نوک کو ذرا سا باہر نکالتے ہوئے انگلیوں کی پوروں پر لگے کتھے چونے کو باری باری چاٹا اور پھر بڑے اطمینان سے پوٹلی کی ڈوری کھینچ کر اس کا منہ بند کر دیا۔

زرقا بھی اب کھڑی ہو چکی تھی اور ساڑھی کے بلاؤز کو ٹھیک کرنے اور پلو کو نئے سرے سے لپیٹنے میں مصروف تھی۔ وہ کچھ نروس نظر آ رہی تھی۔

پی اے نے ایک بار پھر کمرے میں جھانک کر دیکھا۔

"آپ آ جائیں۔ شیرازی صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس بار شمشاد بیگم اور زرقا مزید وقت ضائع کیے بغیر وزیٹرز روم سے نکل گئیں۔

"آئیں جناب! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔"

ان دونوں کے کمرے میں داخل ہوتے ہی باقر شیرازی نے کہا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کمرے کے وسط میں آ گیا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے زرقا سے ہاتھ ملایا اور پھر بڑی بے تکلفی سے اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلائے کمرے کے ایک کونے میں موجود صوفہ کی طرف آ گیا۔

شمشاد بیگم اور زرقا کو اس کی اس گرم جوشی نے کچھ اور نروس کیا شاید وہ اس کی توقع نہیں کر رہی تھیں۔

ان دونوں کو صوفہ پر بٹھاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"پہلے تو یہ بتائیے جناب کہ آپ کیا پینا پسند کریں گی؟ کافی، چائے، سوفٹ ڈرنک؟" اس نے زرقا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی...... جو آپ حکم کریں۔" وہ کچھ گڑبڑا کر بولی۔

"ارے ہم حکم کریں؟...... بھئی آپ حکم کریں، میزبان آپ ہیں...... مہمان آپ ہیں۔"

"چائے ہی ٹھیک رہے گی شیرازی صاحب۔" شمشاد بیگم نے خوشامدانہ مسکراہٹ کے ساتھ مداخلت کی۔

"ٹھیک ہے۔ چائے بلوائے دیتے ہیں۔"

باقر شیرازی نے خوش دلی سے کہا اور اپنی آفس ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ کھڑے کھڑے اس نے انٹرکام پر لوازمات کے ساتھ چائے لانے کی ہدایت دی اور پھر مسکراتا ہوا واپس ان کی طرف پلٹ آیا۔

زرقا کے پاس صوفہ پر بیٹھتے ہی اس نے زرقا سے پوچھا۔

"ڈیڑھ سال ہو گیا...... آپ نے ایسا فراموش کیا ہمیں کہ کوئی رابطہ ہی نہیں رکھا۔ ایسی کیا خطا کر بیٹھے ہم؟"

"شیرازی صاحب! کیوں گناہگار کر رہے ہیں ہمیں...... ہم کیا اور ہماری بساط کیا کہ آپ کو فراموش کریں۔" زرقا نے بے اختیار کہا۔

"تو پھر غائب کہاں تھیں آپ؟"

"لیں شیرازی صاحب! رابطے ہم نے توڑے؟ رابطے تو آپ نے توڑے۔ ملنا جلنا تو آپ نے ختم کیا۔ ہم تو آج تک اسی طرح دیدہ و دل فرش راہ کیے بیٹھے ہیں۔" شمشاد بیگم نے پان چباتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"چلیں، ہمیں سے ہی خطا ہو گئی...... مگر آپ نے بھی تو رابطے میں رہنے کی کوشش نہیں کی۔"

باقر شیرازی نے مسکرا کر کہا۔ اس سے پہلے کہ شمشاد بیگم کچھ کہتی۔ ایک چپراسی چائے کی ٹرالی کے ساتھ دروازہ بجا کر اندر داخل ہو گیا۔ باقر شیرازی کی توجہ فوری طور پر اس کی طرف مرکوز ہو گئی۔

چپراسی ٹرالی ان کے پاس پہنچانے کے بعد باقر شیرازی کے کہنے پر باہر نکل گیا۔

زرقا نے خود بخود ہی چائے بنانے کی ذمہ داری لے لی۔

"بھئی، ہم تو آپ کی آواز سننے کو ترس گئے ہیں۔" باقر شیرازی نے زرقا سے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔ "ایک ہی آواز پسند تھی ہمیں اور آپ نے ہمیں اس سے بھی محروم کر دیا...... کیا ظلم کیا۔"

نا حق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی
جو چاہے سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

زرقا نے بے اختیار ایک شعر پڑھا اور باقر شیرازی نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"میں تو ساری عمر آپ کے قدموں میں بیٹھنے کو تیار تھی۔ یہ تو بس آپ نے ہی کرم نہیں کیا۔" زرقا نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور آپ اتنی سی بات پر ناراض ہو گئیں۔" باقر شیرازی نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"اتنی سی بات؟ کیا کہنے جناب کے...... آپ کے لیے تو ہر بات ہی اتنی سی بات ہے مگر میرے جیسے خاک نشینوں کے لیے یہ اتنی سی بات نہیں تھی۔" اس نے جیسے کچھ جتایا۔

"چلیں۔ ماضی کو چھوڑیں۔ ہم بھی گڑے مردے اکھاڑنے بیٹھ گئے ہیں۔ یہ بتائیے کہ ہمیں خدمت کا موقع کیسے دیا؟" باقر شیرازی نے بڑے خوبصورت انداز میں گفتگو کو موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"لیں سرکار! کیا بات کر دی آپ نے...... خدمت کا موقع؟...... ہم تو آپ کی نوازش کے طلبگار ہیں...... درخواست لے کر آئے ہیں آپ کے پاس۔" شمشاد بیگم نے پیسٹری نگلتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"درخواست نہیں...... آپ حکم کریں۔" باقر شیرازی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"بچی کو آپ جانتے ہی ہیں، موسیقی سے کتنا لگاؤ ہے۔" شمشاد بیگم نے زرقا کی طرف ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ "آواز سے بھی آپ واقف ہیں۔ لاکھوں میں نہیں...... ہزاروں میں تو ایک ہے۔"

"بے شک۔" باقر شیرازی نے تائید کی۔

"سنا ہے، حکومت بیرون ملک ثقافتی طائفے بھیج رہی ہے، گانے والوں کو بھی بھجوا رہی ہے...... بچی کو بھی شوق ہے۔ آپ کرم کریں تو اسے بھی موقع مل سکتا ہے...... ملک کی خدمت کا...... کچھ نام ہو جائے گا...... کچھ پہچان بن جائے گی اور چار پیسے بھی آ جائیں گے...... مجھ سے ضد کر رہی تھی تو میں نے کہا کہ شیرازی صاحب کے علاوہ اور ہمارا جاننے والا مہربان ہے کون...... چلو ان ہی کے پاس چلتے ہیں۔" شمشاد بیگم نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"کس طائفے کے ساتھ جانا چاہتی ہیں؟" باقر شیرازی نے پرسکون انداز میں کہا۔

"کسی بھی طائفے کے ساتھ بھجوا دیں۔" شمشاد بیگم نے جلدی سے کہا۔

"آپ جس طائفے کے ساتھ کہیں گی، اس کے ساتھ بھجواؤں گا۔" باقر شیرازی نے چائے کا کپ واپس ٹرالی میں رکھتے ہوئے کہا۔

باقر شیرازی نے اپنی آفس ٹیبل کے قریب جا کر انٹرکام پر اپنے پی اے سے رابطہ کیا۔

"آرٹس کونسل کے ڈائریکٹر جنرل سے بات کروائیں یا ٹھہریں، بات نہ کروائیں...... ان سے پوچھیں کہ اس سال پاکستان کے کتنے کلچرل گروپ باہر جا رہے ہیں اور کہاں کہاں جا رہے ہیں...... مجھے ابھی دس منٹ کے اندر تفصیلات چاہئیں۔"

اس نے انٹرکام بند کر دیا۔

ٹھیک دس منٹ کے بعد پی اے اس کے آفس میں داخل ہوا اور چند پیپرز اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔ باقر شیرازی نے اس کے جانے کے بعد ان پیپرز پر نظر دوڑانا شروع کر دی پھر اس نے باری باری ان ٹروپس کی تفصیلات سے انہیں آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

"مجھے روس بجھوا دیں۔" زرقا نے ساری تفصیلات سننے کے بعد کہا۔

"آل رائٹ۔" باقر شیرازی نے پی اے کو انٹرکام پر آرٹس کونسل کے ڈائریکٹر جنرل سے رابطہ کرنے کے لیے کہا۔ "منسٹری آف کلچر میں میں بات کرلوں گا۔ آپ ایک گھنٹے کے اندر اندر زرقا بیگم کے انتخاب کے تحریری احکامات میرے آفس پہنچا دیں۔ ان کا پاسپورٹ اور ویزے کے لیے دوسرے پیپرز میں کل صبح آپ کو بجھوا دوں گا۔"

باقر شیرازی نے فون پر بات ختم کر کے زرقا کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

ٹھیک ایک گھنٹہ کے بعد زرقا نے باقر شیرازی کے آفس میں وہ لفافہ وصول کیا تھا جس میں اسے اس طائفے میں شامل کیے جانے سے آگاہ کیا گیا تھا۔

زرقا کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔ باقر شیرازی کا رویہ اگر اس کے لیے حیران کن تھا تو اس کی مدد اس سے بھی زیادہ ناقابل فراموش۔

وہ دونوں کوشش کے باوجود اپنے چہروں پر چھلکتی خوشی پر قابو پانے میں ناکام ہو رہی تھیں۔

"یہ دروازہ ہمیشہ آپ کے لیے کھلا ہے گا زرقا جی...... جب جی چاہے آ جائیں...... اور جب جی چاہے ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں۔" وہ اپنے آفس کے دروازے تک انہیں چھوڑنے آیا۔ زرقا کی ممنونیت اور احسان مندی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ باقر شیرازی نے شہرت کی سیڑھی پر چڑھنے کے لیے اسے پہلا پائیدان فراہم کر دیا تھا۔ وہ پائیدان جس کی تلاش اسے بہت سالوں سے تھی۔

☆☆☆

"میرے ماں باپ ٹھیک کہتے تھے۔ مجھے تم سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ تم...... تم، انسان ہو ہی نہیں سکتے۔ انسانوں کی قبیل سے تمہارا تعلق ہے ہی نہیں۔" وہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

ہارون نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اسے دیکھا۔

"اگر تمہیں اپنے ماں باپ کی نصیحتیں اتنی یاد آ رہی ہیں تو بہتر ہے، تم ان ہی کے پاس واپس چلی جاؤ۔ میرا تعلق انسانوں سے نہیں ہے تو پھر تمہیں میرے ساتھ نہیں رہنا چاہیے، کسی انسان کے ساتھ رہنا چاہیے۔" وہ زہریلے انداز میں ہنسا۔ "تمہارا پاسپورٹ تمہارے پاس ہے۔ فون کر کے سیٹ بک کرواؤ اور واپس چلی جاؤ، چاہو تو یہ کام تمہارے لیے میں کر دیتا ہوں۔"

وہ دم سادھے اس کو دیکھتی رہی۔ ہارون نے سگریٹ سلگایا۔ اس کے چہرے پر کسی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ شائستہ نے خود کو بے بسی کی انتہا پر پایا تھا۔ بھیگی آنکھوں کے ساتھ ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ اسے دیکھتی رہ گئی جس کے چہرے اور آنکھوں میں اس کے لیے سرد مہری اور بے نیازی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

"تم جانتے ہو، ہماری شادی کو کتنے دن ہوئے ہیں؟"

"بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اور تم مجھے اس طرح واپس جانے کے لیے کہہ رہے ہو؟" شائستہ نے جیسے بے یقینی سے کہا۔

"تو مجھے تم سے اور کیا کہنا چاہیے؟"

"تمہیں اندازہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے کیا کیا ہے؟"

"میں نے بھی بہت کچھ کیا ہے تمہارے لیے۔" ہارون نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

شائستہ نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"شادی کو چند ہفتے نہیں ہوئے اور تم مجھے واپس بھیج رہے ہو، یہ محبت ہے تمہاری؟ میرے ساتھ یہ سب کچھ کرنے کے لیے شادی کی تھی تم نے۔" اس نے دل گرفتی سے کہا۔

"تم مجھ سے شادی کر کے پچھتا رہی ہو اس لیے واپس جانے کا کہہ رہا ہوں۔"

شائستہ نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ "کس منہ سے جا سکتی ہوں میں اپنے ماں باپ کے پاس۔ تمہارے لیے میں ان سے لڑتی رہی ہوں۔ تمہارے لیے میں نے انہیں ناراض کیا۔ خاندان میں ان کی سبکی کروائی، اپنی منگنی تک توڑ دی اور......" وہ طیش میں آ گئی تھی۔

ہارون نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"میرے لیے تم نے کیا کیا؟ اس کی فہرست میرے سامنے پیش نہ کرو، کتنی بار مجھ پر احسان جتاؤ گی تم؟ مجھ سے دوبارہ کبھی یہ نہ کہنا کہ تم نے میرے لیے کچھ کیا ہے۔ تمہیں بھی مجھ میں اتنی ہی دلچسپی تھی جتنی مجھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو تم کبھی میرے ساتھ کورٹ میرج پر تیار نہ ہوتیں۔ جو کام تم نے اپنی خواہش پر کیا ہے، اس کا احسان تم میرے سر پر کیوں رکھ رہی ہو؟" وہ بری طرح مشتعل ہو گیا تھا۔

"میرے لیے یہ کیا، میرے لیے وہ کیا، ختم کرو اس کہانی کو۔ میں تمہاری ان سروسز پر تمہیں وکٹوریہ کراس نہیں پیش کر سکتا۔"

اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکا۔

"بہتر ہوتا تم میرے لیے کچھ بھی نہ کرتیں۔ آرام سے مجھے صاف صاف بتا دیتیں کہ تم مجھ سے شادی افورڈ نہیں کر سکتیں اور ساتھ یہ بھی بتا دیتیں کہ ساری عمر تم اسی طرح مجھ پر احسان جتاؤ گی تو میں تم سے شادی پر کبھی غور نہ کرتا تم نے تو ہر چیز کو تماشا بنا کر رکھ دیا ہے۔" اس نے ایک اور سگریٹ سلگایا۔

"یہ آزادی اور یہ زندگی، تمہاری خواہش تھی...... تمہیں ہی برا لگتا تھا، اپنے باپ کے گھر کا ماحول۔ ان کی پابندیاں، برقع۔"

وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔ "تمہیں ہی رشک آیا کرتا تھا ہمارے گھر کے ماحول پر، ہمارے طرز زندگی پر۔ ہماری آزادی پر پھر اگر تم نے اپنی ان ساری خواہشات کو پورا کرنے کے لیے مجھ سے شادی کی ہے اور اپنے ماں باپ کو ناراض کیا ہے تو اس کا احسان مجھ پر کیوں رکھ رہی ہو۔ ہر چیز کا ذمہ دار مجھے کیوں ٹھہرا رہی ہو۔ میرے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی ہزاروں تھیں۔" اس نے بیزاری سے ہاتھ جھٹکا۔ شائستہ دم سادھے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"میرے لیے کوئی بھی لڑکی یہ سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتی جو تم نے کیا۔ اور وہ تمہاری طرح کبھی مجھ پر احسان بھی نہ جتاتی۔"

ہارون کی آواز اب پہلے سے بلند تھی۔

"میرے ماں باپ نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہارا خیال دل سے نکال دوں، کیونکہ تم میرے لیے موزوں نہیں تھیں۔ مگر میں نے ان کی بات نہیں مانی، میں نے ان کی ناراضی مول لی اور زبردستی انہیں تمہارے گھر بھیج کر ان کی بے عزتی بھی کرواتا رہا۔ مگر میں نے تو تم پر کبھی کوئی الزام عائد نہیں کیا نہ ہی یہ جتایا کہ تمہاری وجہ سے مجھے کیا کیا برداشت کرنا پڑا ہے۔ حالانکہ تمہاری طرح مجھے بھی یہی سب کچھ بہت پہلے کہہ دینا چاہیے تھا یا پھر مجھے بھی تمہاری طرح یہی کہنا چاہیے کہ میں نے اپنے ماں باپ کی بات نہ مان کر غلطی کی ہے۔" اس کے لہجے میں تضحیک تھی۔

"میں نے شادی سے پہلے ہی تمہیں واضح طور پر بتا دیا تھا کہ مجھے کیسی بیوی چاہیے، میں ایک پروگریسو اور لبرل عورت چاہتا تھا۔ اور میں نے اس خواہش کو کبھی تم سے نہیں چھپایا۔"

وہ سگریٹ کے چھوٹے چھوٹے کش لے رہا تھا۔

"میں پاکستان، کسی مشرقی...... چی ورتا قسم کی عورت سے شادی کی خواہش لے کر نہیں آیا تھا...... نہ ہی ایسی عورت مجھے سوٹ کرتی ہے اور تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں اور اب تم اس طرح تماشا کر رہی ہو جیسے میں نے تمہیں ہر چیز کے بارے میں دھوکا اور فریب دے کر شادی کی ہے۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم یوں ظاہر کر رہی ہو جیسے میں نے ہر چیز تم سے چھپائی ہے۔ اس قسم کی تنگ نظر اور احمق عورت سے شادی کرنا ہوتی تو پھر میں اپنے ماں باپ سے کہتا کہ وہ میرے لیے ایک عدد لڑکی تلاش کریں۔ پھر میں تمہارے لیے اتنی بے عزتی برداشت نہ کرتا۔" وہ بیزاری اور اکتاہٹ سے سگریٹ کو ایش ٹرے میں پھینکتے ہوئے بولا۔

"شادی سے پہلے تمہیں میری اس سوچ یا ذہنیت پر کوئی اعتراض نہیں تھا...... تم تو بڑا سراہا کرتی تھیں مجھے اور میری لبرل سوچ کو، اب وہی تمہیں سب سے زیادہ قابل اعتراض لگ رہی ہے۔"

شائستہ نے ایک لمبے وقفے کے بعد اس سے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر ہارون نے ہاتھ اٹھا کر سرد لہجے میں اسے روک دیا۔

"ابھی میں بات کر رہا ہوں۔ ابھی تم صرف میری سنو پھر میں تمہاری بھی سن لوں گا۔"

وہ صرف منہ کھول کر رہ گئی۔

"یہ تمہاری اور میری زندگی کا آغاز ہے اور ہم دونوں کسی ارینج میرج کے فضول چکر میں گرفتار نہیں ہیں، جس سے نکل سکیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی ہم دونوں کو زندگی ایک ساتھ گزارنی پڑے۔" وہ اب دوٹوک انداز میں بات کر رہا تھا۔ "میں دیسے بھی زندگی میں قربانیاں دینے اور کمپرومائز کرنے پر یقین نہیں رکھتا۔ مجھے زندگی صرف ایک دفعہ ملی ہے اور میں اسے رو دھو کر نہیں گزار سکتا ہوں نہ دوسرے لوگوں کو اس میں مداخلت کی اجازت دے سکتا ہوں۔"

وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں اگر میرے لائف اسٹائل پر اعتراض ہے یا میرے فیصلے برے لگنے لگے ہیں تو ان سب چیزوں کے بارے میں ابھی سوچ لو۔ میں ایسا ہوں اور ایسا ہی رہوں گا چاہے تمہیں اچھا لگے یا نہ لگے۔ رو دھو کر اور لڑ جھگڑ کر زندگی ساتھ گزارنے کے بجائے بہتر ہے ہم ابھی الگ ہو جائیں، ابھی ہمارے پاس وقت ہے کہ ہم دوبارہ نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کر سکتے ہیں کچھ سال کے بعد یہ ناممکن ہو جائے گا۔ تم واپس جا کر اپنے ماں باپ سے معافی مانگ لینا۔ وہ یقیناً تمہیں معاف کر دیں گے۔ تم اس قدر خوبصورت ہو کہ دوسری شادی تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگی۔"

وہ بہت لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔ "دوسری صورت میں اگر تم میرے ساتھ رہنے پر اصرار کرو گی تو پھر تمہیں اسی راستے پر چلنا ہوگا جس پر میں چل رہا ہوں۔" وہ اس پر نظریں جمائے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

"میں اس بچے کو کسی صورت نہیں اپناؤں گا، اگر میں اپنے ماں باپ کو اپنی کورٹ میرج کا بتا چکا ہوتا تو اور بات تھی مگر اس وقت بھی یہ تمہارا اصرار تھا کہ اس کورٹ میرج کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتایا جائے لیکن اب میں چاہوں بھی تو انہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں تم سے کئی ماہ پہلے ہی کورٹ میرج کر چکا تھا۔ وہ کبھی اس پر یقین نہیں کریں گے اگر انہوں نے یقین کر بھی لیا تو خاندان کے باقی لوگ قطعاً نہیں مانیں گے۔ وہ اسے ہم دونوں کا ایک فریب ہی سمجھیں گے۔ تمہیں صورتحال کی سنگینی کا احساس نہیں ہے۔ مگر مجھے ہے...... میری بہن کی منگنی ہو چکی ہے خاندان میں ایسے کسی اسکینڈل سے میں اور میرے گھر والے کسی کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکیں گے۔"

وہ اس لبرل اور براڈ مائنڈڈ شخص کا پوائنٹ آف ویو بڑی دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"تمہیں ابارشن کروانا ہی پڑے گا اور تمہارے لیے آخر پرابلم کیا ہے۔ تم اگر اتنے ماہ تک اپنے گھر والوں سے اپنی پریگنینسی چھپا سکتی ہو تو اب اس ابارشن کو چھپانا بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہم یہاں ہیں۔ ابارشن کے بعد بھی یہیں رہیں گے۔ ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد اطمینان سے واپس چلے جائیں گے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ بڑے اطمینان سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"ہارون! تمہیں اپنی اولاد کو اس طرح مارتے ہوئے کوئی شرمندگی، کوئی خوف، کوئی پچھتاوا نہیں ہو رہا۔ تمہیں اپنے بچے کے لیے کسی قسم کی کوئی محبت محسوس نہیں ہو رہی۔"

اس نے بے یقینی سے ہارون سے کہا۔ وہ اس کی بات پر یک دم مشتعل ہو گیا۔

"مجھے ایموشنلی بلیک میل کرنے کی کوشش مت کرو، یہ تھرڈ کلاس فلمی ڈائیلاگز مجھے متاثر نہیں کر سکتے...... خوف، پچھتاوا، شرمندگی۔ میں آخر کر کیا رہا ہوں کہ میں ایسا کچھ محسوس کروں اور کون سی محبت کی بات کر رہی ہو تم...... کس اولاد کا ذکر کر رہی ہو...... خون کا رشتہ اور یہ سب فضولیات۔ کس صدی میں رہ رہی ہو تم...... اگر بے وقوفوں کے سر پر سینگ ہوتے تو تمہارا سر سینگوں سے بھرا ہوتا۔ شائستہ کمال! مجھ سے پریکٹیکل اپروچ کے ساتھ بات کرو۔ مخصوص عورتوں والے حربے استعمال مت کرو۔ مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے تو بس نہیں چاہیے۔"

اس کے لہجے اور انداز میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"تم اچھی طرح اس مسئلے کے بارے میں سوچ لو۔ تمہارے اعتراضات پھر بھی برقرار رہیں تو پھر راستہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔" وہ مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کر اندر بیڈ روم میں چلا گیا۔

شائستہ کمال تھکے تھکے انداز میں صوفہ پر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے سر میں یک دم بہت تیز درد محسوس ہونے لگا...... ہارون نے اس کے سامنے دو راستے رکھ دیے تھے مگر اس نے اسے انتخاب کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے بہت عرصہ پہلے اپنی مرضی سے پاؤں کے نیچے زمین کے بجائے ایک پتلی تنی ہوئی ڈور کا انتخاب کیا تھا اور اب اس ڈور پر قدم آگے بڑھا لینے کے بعد وہ مڑ کر پیچھے نہیں جا سکتی تھی۔ آگے جانے کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور رستہ نہیں تھا۔ وہ ہارون کی محبت میں اب بھی اسی طرح گرفتار تھی جس طرح پہلے تھی۔ کسی نادیدہ بچے کے لیے ہارون سے دستبرداری اس کے لیے ناممکنات میں سے تھی۔ وہ ممتا کے کسی جذبے سے اس حد تک مجبور بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس بچے کی محبت میں آنکھیں بند کر کے وہ کسی آگ میں کود جاتی۔ اس کی خواہشات ابھی بھی اپنی جگہ برقرار تھیں اسے ہارون کے ساتھ وہی زندگی گزارنی تھی جسے دیکھ کر وہ مقناطیس کی طرح کھنچی ہوئی اس کی طرف آئی تھی۔ اب بھی اسے نہ اپنے ماں باپ اور اپنا گھر چھوڑنے پر کوئی پچھتاوا ہوا تھا نہ چھوڑ کر آنے والی زندگی میں اسے کوئی دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔ ہارون کو چھوڑنے کی صورت میں تکلیف اور پریشانی کے جس لمبے سلسلے کا آغاز ہوتا...... وہ اس سے خوف زدہ بھی تھی، اس کے لیے دو راستوں سے ایک کے انتخاب کا سوال نہیں تھا...... اسے ہر صورت میں وہی ایک راستہ چننا تھا جو ہارون چاہتا تھا، یہ اس کی بقا کا معاملہ تھا...... وہ اس پر جوا نہیں کھیل سکتی تھی۔

شاک اور خوف اور شاید کسی حد تک مایوسی اسے صرف ہارون کے رویے پر ہوئی تھی۔ وہ کس حد تک اس پر حکومت چاہتا تھا، اس کے ہر فیصلے پر کس حد تک اثر انداز ہونا چاہتا تھا اور اس کے نزدیک اس کی اہمیت یا وقعت کتنی تھی، اپنے بہت اندر کہیں اس نے بے عزتی اور تذلیل بھی محسوس کی تھی اور وہ ہرٹ ہوئی تھی، ہارون کمال کی شخصیت کا ایک نیا رخ اس کے سامنے آیا تھا...... وہ خود غرض تھا، یہ اس کے لیے حیران کن نہیں تھا۔ وہ بہت پہلے اس کا اندازہ لگا چکی تھی...... مگر وہ جس سفاکی کی حد تک خود غرض تھا۔ یہ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔ شاید یہ سب اس کے لیے اتنا ناقابل یقین نہ ہوتا اگر ہارون کمال اس سے اپنی محبت کا اتنا والہانہ اور بے ساختہ اظہار نہ کرتا رہا ہوتا یا اس طرح کے دعوے نہ کر چکا ہوتا جس کا وہ عادی تھا۔ اب اس کی تلون مزاجی اسے پریشان کر رہی تھی۔

فیصلہ کرنے میں اسے کوئی تامل نہیں ہوا تھا۔ وہ ہارون کے علاوہ کسی بھی شے سے دستبردار ہو سکتی تھی اور اس نے ہارون کو اس بات سے آگاہ کرنے میں ذرا دیر نہیں کی۔ ہارون کے چہرے اور آنکھوں کی سرد مہری پلک جھپکتے میں غائب ہو گئی تھی۔ شائستہ کمال کو اس کے چہرے پر پہلی پرانی گرم جوش مسکراہٹ دیکھ کر تسلی ہوئی۔ وہ اب بھی اس کا تھا۔ وہ اب بھی اس سے محبت کرتا تھا۔ شاید وہ ٹھیک کہتا تھا۔ میں ہی بعض چیزوں کے بارے میں زیادہ جذباتی ہونے لگتی ہوں۔ مجھے زیادہ حقیقت پسند ہو کر سوچنا چاہیے۔ اس نے ہارون کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ ہارون کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی تھی...... ڈاکٹر کے ہر سوال کا اس نے مسکرا کر جواب دیا اور بڑے

اطمینان کے ساتھ ڈاکٹر کے تمام شبہات کو ختم کر دیا...... لیکن اس کی آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اگلے چند دن میں ہونے والے ٹیسٹوں کے بعد ڈاکٹر نے اسے اور ہارون کو ابارشن نہ کروانے کا مشورہ دیا تھا۔

''پریگنینسی ایڈوانسڈ اسٹیجز میں ہے۔ بہتر ہے آپ اب ابارشن نہ کروائیں، یہ آپ کی وائف کے لیے خاصا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

ڈاکٹر نے انہیں میڈیکل ٹرمز میں اس اسٹیج پر ہونے والے ابارشن کے نقصانات پر خاصا لمبا لیکچر دیا، وہ دونوں سوچ میں پڑ گئے۔

گھر واپس آنے کے بعد ان دونوں کے درمیان ایک بار پھر خاصی لمبی چوڑی بات ہوئی۔ ہارون نے ایک بار پھر اسے ابارشن کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کی کوشش کی۔

''میں اپنی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔'' اس نے انکار کر دیا۔

اس بار ہارون نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس معاملے میں اس کے اصرار پر شائستہ اس سے بدظن ہو جائے گی یا پھر ڈاکٹر کی اس وارننگ نے اسے کچھ محتاط کر دیا تھا کہ عین ممکن ہے، کوئی پیچیدگی ہو جانے پر وہ دوبارہ ماں نہ بن سکے۔

''پھر اس مسئلے کا واحد حل یہی ہے کہ اس بچے کی پیدائش کے بعد ہم اسے کسی ادارے میں داخل کروا دیں۔''

ہارون نے کچھ دیر کی بحث کے بعد بالآخر کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اس بچے کی پیدائش تک یہیں انگلینڈ میں رہنا پڑے گا۔ اس کی پیدائش کو چھپانے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''لیکن ہم اتنا لمبا عرصہ یہاں انگلینڈ میں کیسے رہیں گے؟'' شائستہ کو تامل ہوا۔

''ہم نہیں صرف تم رہو گی، میں واپس پاکستان چلا جاؤں گا اور یہ کہہ دوں گا کہ تم کچھ عرصہ کے لیے یہاں رہنا چاہتی تھیں۔''

وہ کھلے منہ کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ''میں تمہارے بغیر اکیلے یہاں کیسے رہ سکتی ہوں؟''

''تمہیں رہنا پڑے گا۔ مجبوری ہے، ہمارے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔'' ہارون نے نرمی سے کہا۔

''ہارون! تم کس طرح کی بات کر رہے ہو، میں یہاں اکیلے کیسے رہ سکتی ہوں۔ تم پاکستان میں، میں انگلینڈ میں وہ بھی اکیلے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔'' اس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

''میں پاکستان سے تمہارے پاس آتا جاتا رہوں گا اور تم سے رابطہ رکھوں گا۔''

''پھر بھی میں اتنے ماہ اکیلے یہاں نہیں رہ سکتی، تم میرے ساتھ رہو۔''

''میں بزنس چھوڑ کر اتنے ماہ تک یہاں مستقل قیام کیسے کر سکتا ہوں۔''

''انکل ہیں وہاں، وہ سب کچھ دیکھ سکتے ہیں۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ میرے اور ان کے کام کرنے کے طریق کار میں بہت فرق ہے اور پھر وہ اپنی فیکٹری سنبھالیں گے یا میری، ویسے بھی میں یہاں مستقل طور پر تمہارے ساتھ بے کار رہ کر وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں۔ تمہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے۔''

''پھر تم مجھے بھی پاکستان لے جاؤ۔''

''یہ ممکن نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا، یہ سب کچھ کسی کو پتا چلے۔''

''میں کسی سے نہیں ملوں گی۔ گھر کے اندر رہوں گی۔'' شائستہ نے اسے یقین دلایا۔

''تم بچوں جیسی باتیں کرتی ہو۔ کبھی بھی کوئی بھی ہمارے گھر آ سکتا ہے۔ تم کسی سے ملنے نہ بھی جاؤ تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم وہاں سب سے کٹ کر نہیں رہ سکتیں اور پھر ملازم ہیں اگر ان میں سے کسی نے اس بارے میں کسی سے کچھ کہہ دیا تو ہم کیا

کریں گے۔ میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔"

ہارون نے اس کی بات کو مکمل طور پر رد کرتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے اپنے گھر کے بجائے کہیں اور رکھو، کرائے پر کچھ عرصہ کے لیے گھر لے لیتے ہیں۔ تم سب سے یہی کہنا کہ میں انگلینڈ میں ہی ہوں۔"

شائستہ نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ وہ اس کی تجویز پر سوچ میں پڑ گیا۔

☆☆☆

وہ ہارون کے ساتھ واپس پاکستان آ گئی۔ ہارون کے گھر والوں میں سے کسی کو ان کی واپسی کی خبر نہیں تھی، ہارون واپس آنے سے پہلے ہی شہر کے ایک پوش علاقے میں ایک گھر کرائے پر لے چکا تھا۔ وہ دونوں سیدھے وہیں آئے تھے۔ ہارون نے اگلے کچھ دن میں گھر کے لیے چند ملازمین کا بندوبست کر لیا۔

پھر وہ خود اپنے گھر چلا گیا۔ گھر والوں کو اس نے یہی بتایا تھا کہ شائستہ کچھ بیمار تھی، اس لیے فوری طور پر واپس نہیں آ سکی۔ وہ چونکہ پہلے ہی اپنے ماں باپ سے علیحدہ ایک گھر میں رہ رہا تھا، اس لیے اس کے ماں باپ یا بہن بھائیوں کو اس کی بیوی کا اس طرح انتظار نہیں تھا جس طرح کسی جوائنٹ فیملی میں ہوتا ہے۔ دوسری وجہ شاید شائستہ کا اکبر کی بیٹی ہونا اور دونوں خاندانوں کے درمیان شادی سے پہلے اتنے بہت سے اختلافات کا ہونا بھی تھا۔ جس نے ہارون کے گھر والوں کی نظر میں شائستہ کی اہمیت کو بڑی حد تک ختم کر دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ رسمی سے استفسار کے بعد کسی نے بھی شائستہ کے بارے میں زیادہ فکر مندی کا اظہار نہیں کیا۔ خود شائستہ کے گھر والے بھی شادی کے بعد سے اس سے مکمل طور پر قطع تعلق کیے بیٹھے تھے۔

اگرچہ انہوں نے باقاعدہ طور پر شائستہ سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ دوبارہ کبھی ان کے گھر آئے نہ ہی وہ اس کے گھر آئیں گے۔ مگر شادی پر ہارون اور اس کے ساتھ برتی جانے والی سرد مہری نے شائستہ کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ اب اس کے ماں باپ کے گھر میں اس کا خوش دلی سے استقبال نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ شادی کے بعد شائستہ نے خود بھی ہارون کے ساتھ یا اس کے بغیر ایک بار بھی اپنے والدین کے گھر جانے کی کوشش نہیں کی۔

شاید وہ خود بھی انہیں یہ جتا دینا چاہتی تھی کہ اسے اب ان کی ضرورت نہیں رہی اور ان کے بغیر بھی وہ صرف ہارون اور اس کے گھر والوں کے سہارے بڑے اطمینان سے رہ سکتی ہے۔

اس کے انگلینڈ جانے سے پہلے اور بعد میں بھی اس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہوا اور ہارون اور اس کے لیے یہ بھی اچھی بات ہی ثابت ہوئی۔

ہارون رات کو فیکٹری سے واپسی پر کچھ دیر کے لیے اپنے گھر آتا اور پھر کپڑے بدل کر ملازمین کو ہدایات دے کر وہ شائستہ کے پاس چلا جاتا اور رات وہیں گزارتا کئی بار وہ رات شائستہ کے ہاں گزارنے کے بجائے اپنے گھر گزارتا خاص طور پر تب، جب اس کے گھر والوں کو اس کے ہاں آنا ہوتا یا پھر اسے ان کی طرف جانا ہوتا یا فیکٹری سے اس کی واپسی بہت دیر سے ہوتی تو وہ شائستہ کی طرف جانے کے بجائے اپنے گھر چلا جاتا اور فون پر شائستہ کو اس کی اطلاع دے دیتا۔

آہستہ آہستہ ہارون کی مصروفیات میں اضافہ ہوتا گیا، وہ فیکٹری کے ایک حصے کی تعمیر کروا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی کچھ دوسری سرگرمیاں بھی بڑھ گئی تھیں۔ شائستہ کے پاس جانے کی باقاعدگی ختم ہونا شروع ہو گئی۔ وہ اب زیادہ تر اپنے گھر ہی رہتا یا پھر رات گئے تک ان پارٹیز میں مصروف رہتا جن میں وہ شادی سے پہلے بھی بڑے شوق سے شرکت کیا کرتا تھا۔

شائستہ کے پاس جانے میں کمی کی ایک بنیادی وجہ شائستہ کا رویہ بھی تھا۔ وہ مکمل طور پر گھر میں بند رہتی تھی اور وہ چند ماہ شائستہ کی زندگی کا بدترین عرصہ تھا۔ وہ ذہنی طور پر بری طرح ابتری کا شکار ہو چکی تھی۔ وہ گھر سے باہر اس لیے نہیں نکل سکتی تھی تاکہ کہیں کسی کی نظر میں نہ آ جائے اور اس کے پاکستان میں ہونے کا راز افشا نہ ہو جائے۔ وہ کسی دوست یا رشتہ دار سے کسی اور طرح بھی رابطہ نہیں کر سکتی تھی، پھر شاید وہ ضمیر کی الجھن اور احساس جرم کا بھی شکار تھی جب وہ یہ سوچتی کہ اسے اس بچے کو چھوڑ دینا

ہے۔

ہر بار ہارون کے آنے پر وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس سے الجھ پڑتی۔ اسے ہر بات پر اس سے شکایت ہونے لگی تھی اور وہ بری طرح اس پر شک بھی کرتی تھی اسے ہارون کی بے توجہی کا بھی گلہ تھا اور وہ ہارون کو اپنی اس حالت اور آئندہ کیے جانے والے جرم کی ذمہ دار بھی گردانتی تھی اور ہارون اس کے اس رویہ سے بری طرح جھنجلا جاتا تھا دونوں میں جھگڑا ہوتا پھر ہارون غصے میں وہاں سے چلا آتا وہ بعد میں پچھتاتی مزید پریشان ہوتی۔ اسے یہ خوف ہوتا کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے وہ اگلی بار اپنی غلطی نہ دہرانے کا فیصلہ کرتی۔

وہ دوبارہ آتا، دونوں کے درمیان دوبارہ وہی منظر دہرایا جاتا۔ اس کے اس رویے سے تنگ آ کر ہارون اس کے پاس کم آنے لگا، شاید یہ اس کے نزدیک مسئلے کا حل تھا اور یہ حل شائستہ کے لیے ناقابل قبول تھا۔ وہ ان دنوں فیکٹری فون کرتی، وہ جل جاتا یا سیکرٹری سے کہلوا دیتا کہ وہ فیکٹری میں موجود نہیں ہے، شائستہ گھر پر فون کرتی وہاں سے بھی اسے یہی کہلوایا جاتا وہ مجبور تھی اپنا تعارف نہیں کروا سکتی تھی۔ مگر دونوں جگہوں پر ہارون کی عدم موجودگی کا سن کر اس کا شک مزید بڑھتا جاتا۔ خاص طور پر تب جب وہ رات کو بھی دونوں جگہوں پر موجود نہیں ہوتا تھا۔

وہ ہارون سے اس بارے میں بات کرتی تو ہارون مشتعل ہو جاتا۔ اس کا خیال تھا وہ اس کی زندگی میں ضرورت سے زیادہ دخل اندازی کر رہی تھی دونوں میں پھر جھگڑا ہوتا۔ شائستہ کو یوں لگتا تھا جیسے ہارون اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا ہے۔ اسے یہ خوف بھی تھا کہ اس میں ہارون کی دلچسپی ختم ہوتی جا رہی تھی وہ ہر وقت اسی خدشے میں مبتلا رہتی کہ ہارون ضرور کہیں کسی دوسری عورت میں دلچسپی لے رہا ہے اور یہ خدشہ اس کی راتوں کی نیند اڑانے لگا تھا۔

وہ ہارون کو بہت اچھی طرح سے جان گئی تھی۔ خوب صورتی اس کی کمزوری تھی اور وہ بنیادی طور پر فلرٹ تھا...... شائستہ کو شادی کے شروع میں اس کی اس عادت سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا...... اسے لگتا تھا کہ ہارون پوری طرح اس کے عشق میں مبتلا ہے اور وہ کسی دوسری عورت کو اپنی زندگی میں نہیں لا سکتا...... شاید اسے یہ گمان اور خوش فہمی بھی تھی کہ اس کی خوبصورتی کے آگے کوئی دوسری عورت کہاں ٹھہر سکتی ہے۔ مگر اب ہارون کے بدلے ہوئے تیور اسے خوفزدہ کرنے لگتے تھے...... اسے اپنا آپ مکمل طور پر کسی مکڑی کے جال میں پھنسا ہوا محسوس ہوتا یا پھر وہ خود کو ہارون کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی محسوس کرتی جو کبھی بھی اسے کسی بھی طرح استعمال کر سکتا تھا اور اب جب اس نے اس کٹھ پتلی کو چلانے والی ڈوریاں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے الگ کر دی تھیں تو وہ اپنی زندگی اور وجود کا کوئی مصرف ہی نہیں پا رہی تھی۔ وہ سارا دن اکیلے گھر بیٹھے اپنے اور ہارون کے مستقبل کے بارے میں سوچتی رہتی، ہر لمحہ اس کے ذہنی خلفشار میں اضافہ کرتا رہتا۔ اس کے ڈپریشن اور اور فرسٹریشن میں اضافہ ہوتا جاتا۔ اسے ہر ایک کے بارے میں سوچ کر غصہ آتا۔ اسے یوں ہی محسوس ہوتا جیسے کوئی بھی اس کے ساتھ مخلص نہیں رہا نہ ہارون، نہ اس کے اپنے گھر والے۔ وہ اپنی اس حالت کا ذمہ دار ہارون اور اپنے گھر والوں کو ٹھہراتی۔ اسے کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ شاید اس سے خود بھی چند غلطیاں ہوئی۔ ہیں وہ مکمل طور پر خود ترسی اور خود رحمی کا شکار ہو چکی تھی اور ایسی حالت میں غیر جانب دار ہو کر صورتحال کا تجزیہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔

ایک پرائیویٹ کلینک میں اس کے ہاں ایک بچے کی پیدائش ہوئی تھی جسے پیدائش کے چند گھنٹے بعد ہی اسی کلینک کے کسی آدمی کے ذریعے ایک ادارے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ہارون اس وقت وہیں تھا اور یہ کام اسی نے سرانجام دیا تھا۔ شائستہ نے اس بچے کو نہیں دیکھا تھا۔ ہارون کا رویہ اس کے ساتھ بہت عرصہ کے بعد بہت نرم اور گرم جوش تھا۔ وہ اس پر بہت توجہ دے رہا تھا اور شائستہ کے لیے اس وقت اتنا ہی کافی تھا...... بار بار بچے کا خیال ذہن میں آنے پر وہ بری طرح اسے جھٹکتی رہتی۔

چند ہفتوں کے بعد وہ واپس ہارون کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی۔ زندگی پھر معمول پر آ گئی تھی۔ ہارون ایک بڑی سوشل زندگی گزار رہا تھا...... شائستہ بھی اس ہلے گلے کا حصہ بنتی جا رہی تھی...... مگر وہ بچہ اور اس کے حوالے سے ہونے والا احساس جرم اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

اس بچے کی پیدائش کے چھ ماہ بعد اس نے ہارون سے چوری چھپے اس کلینک سے رابطہ کر کے اس بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی...... خاصی بڑی رقم خرچ کرنے کے بعد اسے اس بچے کے بارے میں پتا چل گیا تھا...... ہارون نے اسے اسی شہر میں رکھنے کے بجائے راولپنڈی کے ایک ادارے میں بھجوایا تھا۔

شائستہ کی خواہش تھی وہ مالی طور پر اس بچے کو سپورٹ کرے اور پھر کسی ہاسٹل میں داخل کروا دے۔ مگر اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں رہی۔ ہارون کو یہ پتا چل گیا تھا کہ وہ اس بچے کے بارے میں معلومات حاصل کر رہی ہے شاید اسے پہلے ہی یہ خدشہ تھا کہ شائستہ ایسا کچھ ضرور کرے گی اور وہ اس معاملے کے بارے میں پہلے سے ہی محتاط تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شائستہ کی ایسی سرگرمیاں فوراً اس کی نظر میں آ گئی تھیں۔

اس کے اور ہارون کے درمیان ایک بار پھر جھگڑا ہوا تھا...... ہارون نے ایک بار پھر اسے طلاق کی دھمکی دی تھی۔ شائستہ نے ایک بار پھر ہار مانتے ہوئے اس بچے سے رابطے کی کوشش ختم کر دی۔

وہ ان دنوں شہر کی ایلیٹ کلاس کا ایک نمایاں اور ممتاز نام بن چکی تھی۔ ہارون کمال کی طرح اس کی خوش لباسی اور خوبصورتی بھی اس کا شناخت بن چکی تھی اور اس شناخت نے جہاں شہر کے سوشل سرکل میں اسے ایک نئی پہچان دی تھی، وہاں ہارون کے بزنس کو بھی ایک نیا Impetus دیا تھا۔ ایک خوبصورت اور سوشل بیوی ایک ایسی جادوئی چھڑی کی حیثیت رکھتی ہے جو پلک جھپکتے میں ناممکنات کو ممکنات میں تبدیل کر دیتی ہے۔ جس کی ایک مسکراہٹ کسی بھی شخص کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ چاہے وہ کوئی سیاست دان ہوتا کوئی بزنس مین یا پھر کوئی حکومتی اہلکار۔

ان دونوں کا کپل شہر میں مختلف مواقع پر منعقد کی جانے والی اپنی تقریبات کے لیے مشہور تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک قابل رشک زندگی گزار رہی تھی۔ اس بچے کی پیدائش کے اگلے سال میں اسد کی صورت میں اس کے ہاں ایک اور بیٹا آ چکا تھا...... مگر اس سب کے باوجود وہ اس بچے کو اپنے ذہن سے محو نہیں کر پائی تھی۔ اسد کی پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک بار پھر اس بچے کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی اور اس بار وہ بری طرح ناکام رہی تھی۔ اس بچے کو کسی نے ایڈاپٹ کر لیا تھا اور ایڈاپٹ کرنے والوں کو کوشش کے باوجود وہ ٹریس آؤٹ نہیں کر سکی۔

دوسری طرف اس کی ان کوششوں کے بارے میں ایک بار پھر ہارون کو پتہ چل گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ اس وقت اس پلین پر موجود تھی۔

☆☆☆

باقر شیرازی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"کیا تمہیں واقعی ہارون سے محبت ہے؟" ان دونوں کے درمیان اب اتنی بے تکلفی ہو چکی تھی کہ اسے اب مزید آپ جناب کے طرز تخاطب کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

"ہاں!" شائستہ نے بلاتوقف کہا۔

وہ مسکرایا "اس سب کے باوجود بھی؟"

"ہاں، اس سب کے باوجود بھی، میں اس کے بارے میں بہت پوزیسو ہوں۔" اس نے بلاتامل اعتراف کیا۔

"اور شاید وہ بھی؟" باقر شیرازی نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"ہاں وہ بھی۔" شائستہ نے بڑے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔ اس نے شاید کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔

"آپ بتائیں، آپ میرے لیے کیا کر سکتے ہیں؟" اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"وہ سب کچھ جو تم چاہو گی۔"

"اس بچے کو تلاش کروا سکتے ہیں آپ؟"

"میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔" باقر شیرازی نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور اس کوشش میں کتنا وقت لگے گا؟"

"اس بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، یہ بھوسے میں سے سوئی تلاش کرنے کے مترادف ہے۔"
باقر شیرازی نے کندھے اچکا کر کہا۔

شائستہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں توقع رکھتی ہوں کہ اس بارے میں ہونے والی تمام گفتگو صرف میرے اور آپ کے درمیان رہے گی...... ہارون تک یہ بات نہیں پہنچے گی۔"

باقر شیرازی خوبصورت انداز میں ہنسا۔ "ہارون تک کچھ بھی نہیں پہنچے گا...... میں اپنی طرف سے اس کی گارنٹی دے سکتا ہوں مگر گیا وہ اپنی طرف سے آپ کو یہ گارنٹی دے سکتا ہے۔ خاصا باخبر رہنے کی کوشش کرتا ہے یہ شخص...... میں باخبر کے بجائے ایک اور لفظ استعمال کرنا چاہتا ہوں مگر شاید اس پر تمہیں اعتراض ہو۔" شائستہ اس کے تبصرے پر مسکرائی۔

☆☆☆

"تو پھر......؟" صبیحہ نے سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے اس کا جملہ دہرایا۔ "میں چاہتی ہوں، تم شائستہ کو طلاق دے دو۔"

ہارون نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں اسے طلاق نہیں دے سکتا۔"

وہ رکا، اس نے صبیحہ کو غور سے دیکھا اور کہا۔

"حیرانی کی بات نہیں ہے۔ تمہیں مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے...... مگر تمہیں اس بات میں دلچسپی ہے کہ میں شائستہ کو طلاق دے دوں۔ کیوں؟"

"مجھے دلچسپی نہیں ہے۔" صبیحہ نے مسکراتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر...... کسے دلچسپی ہے؟"

"باقر شیرازی کو۔"

وہ صبیحہ کا منہ دیکھنے لگا۔ وہ اب ایک نیا سگریٹ سلگا رہی تھی اور اس کے ساتھ اس نے میز پر ایک اور چیز بھی رکھ دی تھی۔

ہارون نے ایک نظر میز کو دیکھا پھر صبیحہ کو دیکھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنا آپ کسی جال میں پھنسا ہوا محسوس ہوا۔ پہلی بار اس نے اپنے آپ کو کسی کے ہاتھ میں پکڑے تاش کے باون پتوں میں سے ایک پتا پایا...... اور پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس نے فلرٹ کرنے کے لیے اس بار ایک غلط عورت کا انتخاب کیا تھا۔

بہت دیر تک وہ سانس نہیں لے سکا۔ اس کے چہرے کا رنگ مکمل طور پر فق ہو چکا تھا۔ صبیحہ ٹیبل پر دونوں کہنیاں رکھے بڑے مزے سے مسکراتے ہوئے سگریٹ کے کش لگانے میں مصروف تھی۔

ویٹر ان کی میز کی طرف آ رہا تھا۔ ہارون نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے میز پر پڑی ہوئی ان فوٹو گرافس کو پلٹ دیا۔ "کچھ دیر بعد، ابھی نہیں۔" اس نے ویٹر کو واپس بھیجا۔

"ارے کیا ہوا...... تصویریں پسند نہیں آئیں؟" صبیحہ نے مصنوعی حیرت کے ساتھ پوچھا۔ "اور بھئی، ان کو پلٹ کیوں دیا؟"

اس نے ان تصویروں سے ہارون کا ہاتھ ہٹانے کی، کوشش کی جس میں وہ ناکام رہی ہارون نے وہ تصویریں اس کے سامنے سے اٹھالیں، صبیحہ نے اسے روکنے کی کوشش کی وہ اس بار بھی ناکام رہی۔

"چلو کوئی بات نہیں، یہ تم لے لو، میں اور بنوالوں گی۔" اس نے ایک چڑانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ہارون نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے تین ماہ پہلے اس کے ساتھ ہونے والی اپنی پہلی ملاقات کو یاد کیا۔ صبیحہ کادوانی کا نام اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ اس کا شوہر جدون ایک سرکاری افسر تھا اور سوشل سرکل میں وہ خود اتنا مشہور نہیں تھا جتنا اس کی بیوی تھی۔

ایک پارٹی میں صبیحہ خود اس کی طرف آئی تھی۔ ہارون اس سے مل کر واقعی سحر زدہ ہو گیا تھا۔ وہ خوبصورت تو جو تھی، سو تھی مگر اس میں خوبصورتی سے بڑھ کر بھی کچھ تھا۔ ہارون چند لمحوں میں اس کا اسیر ہو گیا تھا۔ ہر خوبصورت عورت اس کے ہوش حواس کو یونہی مفلوج کر دیا کرتی تھی۔

اس بار بھی ہارون کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ صبیحہ بھی دوسری بہت سی عورتوں کی طرح اس کی وجاہت کا شکار ہو کر اس کی طرف آئی ہے۔ ان دونوں کے درمیان میل جول کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، شائستہ ان دنوں امریکہ میں تھی۔ ہارون کمال صبیحہ کے ساتھ پھرنے کے لیے مکمل آزاد تھا۔

اگر شائستہ پاکستان میں بھی ہوتی تب بھی ہارون کو اس قسم کی راہ و رسم بڑھانے پر کوئی خوف محسوس نہ ہوتا۔ دونوں ایک دوسرے کے ذاتی معاملات میں کم سے کم مداخلت کرتے تھے اور ذاتی معاملات میں ان دونوں کی ایسی دوستیاں بھی آجاتی تھیں...... نہ ہارون نے کبھی شائستہ کے دوسرے مردوں کے ساتھ تعلقات پر اعتراض کیا تھا نہ ہی شائستہ نے کبھی ہارون کے ان افیئرز کو ناپسند کیا تھا۔

مگر ہارون صبیحہ کے ساتھ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا، شائستہ کی موجودگی یقیناً اس کی اس سنجیدگی میں کچھ کمی لے آتی اور وہ کسی صورت صبیحہ کو شادی کا پرپوزل دینے کی حماقت نہ کرتا۔

اور اب صبیحہ کادوانی اس کے سامنے میز پر اپنے ساتھ گزارے ہوئے ایسے ہی کچھ رنگین اور سنگین لمحات کی تصویریں رکھے ہوئے تھی...... وہ زندگی میں کبھی بھی رنگے ہاتھوں نہیں پکڑا گیا تھا اور اسے اس بات پر فخر بھی تھا۔ لیکن اس وقت صبیحہ کے ساتھ اپنی وہ تصویریں دیکھ کر وہ اسی احساس کا شکار ہو رہا تھا...... نہ صرف صبیحہ کے عشق کا بھوت اس کے سر سے اتر گیا تھا، بلکہ وہ بہت سے خدشات کا بھی شکار تھا صبیحہ کے منہ سے نکلنے والے جملوں اور ان تصویروں نے ایک بات تو اس پر واضح کر دی تھی۔ صبیحہ اس کا شکار ہو کر اس کی طرف نہیں آئی تھی۔ وہ یقیناً باقاعدہ منصوبے کے تحت اس کی طرف آئی تھی۔

"تمہارا اگر یہ خیال ہے کہ میں ان تصویروں سے خوفزدہ ہو جاؤں گا تو یہ تمہاری بھول ہے۔" ہارون نے ایک لمبی خاموشی کے بعد اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے سخت لہجے میں اس سے کہا۔

"ارے کیا بات کر رہے ہو تم؟ خوفزدہ کون کرنا چاہتا ہے تمہیں؟ صبیحہ نے حیرت کی بھرپور ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"میں تو صرف اس لیے یہ تصویریں لے کر آئی ہوں تاکہ تمہیں یہ دکھا کر پوچھوں کہ یہ کیسی آئی ہیں؟" وہ اس بار مضحکہ خیز انداز میں بولی۔

"بکواس مت کرو...... جو بات کہنا چاہتی ہو، وہ کہو۔" ہارون نے درشتی سے اسے ٹوکا۔

"جو مجھے کہنا ہے اور جو میں چاہتی ہوں وہ تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ اب تمہیں صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تم شائستہ کو طلاق کب دو گے؟" صبیحہ یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"باقر شیرازی یہ کیوں چاہتا ہے کہ میں اسے طلاق دے دوں۔"

"وہ خود شادی کرنا چاہتا ہے تمہاری بیوی سے، یہ تو بڑی سیدھی سی بات ہے کوئی سائنسی فارمولا تو نہیں ہے جسے تم سمجھ نہ سکو۔"

"اور کیا شائستہ بھی یہی چاہتی ہے؟"

"یہ تو تم شائستہ سے پوچھو، میری ذاتی رائے یہی ہے کہ اس میں اس کی خواہش بھی شامل ہو گی...... باقر شیرازی کو خواب میں تمہاری بیوی دکھائی نہیں دی ہو گی۔ یقیناً دونوں کے درمیان اچھی خاصی شناسائی ہو گی۔"

"اور اگر میں اسے طلاق نہیں دیتا تو تم کیا کرو گی...... یہ تصویریں میری بیوی کو دکھاؤ گی۔"

"نہیں...... اخبار میں چھپوا دوں گی؟"

ہارون نے ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھا پھر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو...... ان تصویروں میں صرف میں ہی نہیں تم بھی ہو...... ان کے شائع ہونے کی صورت میں تم لوگوں کے سامنے آنے کے قابل نہیں رہو گی...... میرا کیا ہے۔ لوگ دو چار دن باتیں کریں گے پھر بھول جائیں گے مگر تم تباہ ہو جاؤ گی۔"

یقیناً ایسا ہی ہوتا اگر میں کوئی خاندانی عزت دار عورت ہوتی۔"

صبیحہ نے بھی اسی طرح قہقہہ لگا کر کہا۔ ہارون کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"خوش قسمتی سے یا بد قسمتی سے میں نہ خاندانی ہوں نہ عزت دار۔ اس لیے مجھے کوئی خوف نہیں ہے، البتہ تم معاشرے کے تمام اصول و ضوابط کے مطابق خاندانی بھی ہو اور عزت دار بھی، تمہیں تو خوف کھانا ہی چاہیے ان تصویروں کی اشاعت سے۔"

"میں شائستہ سے بات کرنا چاہتا ہوں، اس سارے معاملے کے بارے میں۔ اس کے بعد ہی۔"

صبیحہ نے ہارون کو اپنی بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"نہیں صاحب! یہ ممکن نہیں ہے، یہ تصویریں آپ کو اس لیے نہیں دکھائی گئیں کہ آپ شائستہ کو ان کے بارے میں بتائیں۔ آپ تو ہر چیز کو راز رکھنے میں ماہر ہیں پھر ان تصویروں کے بارے میں کیوں بات کرنا چاہتے ہیں شائستہ سے، بقول آپ کے آپ عورت کی انگلی پکڑ کر چلنے والے مردوں میں سے نہیں ہیں پھر اس صلاح و مشورے کی کیا ضرورت آن پڑی۔"

صبیحہ کی مسکراہٹ چبھتی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں ہارون کے لیے ہتک تھی۔

"اور یہ تصویریں تو ابھی ابتدا ہیں، آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ باقر شیرازی خاصا لمبا چوڑا پروگرام بنائے ہوئے ہے اگر آپ شائستہ کو طلاق نہیں دیتے تو۔"

وہ اسے سرد آنکھوں کے ساتھ دیکھتا رہا۔

"تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم اسے طلاق دے دو۔ اگر زر، زن اور زمین میں سے کسی کو چھوڑنا پڑے تو زن کو چھوڑ دینا چاہیے، کیونکہ یہ وہ چیز ہے جسے کبھی بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اگر پاس زر اور زمین ہو تو...... لیکن اگر یہ دونوں چیزیں چلی جائیں تو پھر ان کو واپس حاصل کرنے کے لیے زمین آسمان ایک کرنے پڑتے ہیں۔ تم تو ویسے بھی بہت عقل مند ہو۔"

"میں باقر شیرازی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"وہ شاید تم سے ملنا پسند نہ کرے، تمہیں کوئی پیغام بھجوانا ہے تو میں موجود ہوں، میرے ہاتھ بھجوا سکتے ہو۔"

ہارون نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ، ہاتھ کے اشارے کے ساتھ دور کھڑے ویٹر کو اپنی طرف بلایا۔

"پھر میں باقر شیرازی کو کیا پیغام دوں؟"

وہ پلکیں جھپکائے بغیر صبیحہ کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

شائستہ اور باقر شیرازی کے درمیان ایک ہفتے سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ عام طور پر وہ ہی اسے فون کیا کرتا تھا۔ شائستہ سے ہمیشہ اس کی خاصی لمبی چوڑی گفتگو ہوتی تھی۔ پچھلے ہفتے اس نے فون پر شائستہ کو اس کے بیٹے کی تلاش کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کی تھیں۔

"اس بچے کو کسی فیملی کے ذریعے ایک لڑکی نے ایڈاپٹ کیا ہے۔ ایک دو دن تک میں اس لڑکی کو ٹریس آؤٹ کروا لوں گا پھر تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ پتا چل جائے گا۔"

اس نے پچھلی بار شائستہ کو فون پر اطلاع دی تھی۔

اور اس کے بعد اب تک اس کی طرف سے کوئی فون کال نہیں آئی تھی۔ شائستہ بے چینی سے اس کی کال کا انتظار کرتی رہی مگر جب انتظار کو ایک ہفتہ گزر گیا تو اس نے باقر کو خود کال کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس نے باقر شیرازی کے آفس کال کیا تھا۔ جہاں اس کے پی اے نے کال ریسیو کی۔

"باقر شیرازی صاحب کے انتقال کو آج تیسرا دن ہے۔"

وہ شاکڈ رہ گئی۔

☆☆☆

ہارون کمال ایک بار پھر صبیحہ کادوانی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس بار دونوں کے چہروں پر موجود تاثرات مختلف تھے۔ صبیحہ کا چہرہ پھیکا اور بے رونق لگ رہا تھا جبکہ ہارون بہت پر اعتماد مسکراہٹ کے ساتھ ٹانگ پر ٹانگ رکھے سگریٹ پینے میں مصروف تھا۔ سگریٹ کا آخری کش لگاتے ہوئے اس نے سامنے پڑی ہوئی ٹیبل پر موجود ایش ٹرے میں سگریٹ کو مسل دیا۔

"تم واقعی بہت لکی ہو ہارون کمال۔" صبیحہ نے تصویروں اور نگیٹیو کا ایک لفافہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر باقر شیرازی کو ہارٹ اٹیک نہ ہو جاتا تو آج سب کچھ مختلف ہوتا۔ بہر حال میری اور تمہاری کوئی ذاتی لڑائی نہیں ہے، میں اسی لیے تمہیں یہ سب کچھ واپس کر رہی ہوں We are friends again۔"

اس نے ایک خوش دلانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"Of course we are" ہارون نے اس لفافے کو کھولتے ہوئے اندر موجود تصویروں پر ایک نظر دوڑائی۔

"کیا میں یہ یقین کرلوں کہ تمہارے پاس کوئی اور تصویر اور نگیٹیو موجود ہے؟"

"بالکل میں نے تمہیں بتایا ہے، یہ تمہاری اور میری ذاتی لڑائی نہیں تھی۔ اس لیے میں ان چیزوں کو پاس رکھ کر کیا کروں گی۔" صبیحہ نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"اچھی بات ہے میں یقین کرلیتا ہوں، لیکن ایک بات تمہیں بتا دوں۔ میں قسمت پر انحصار کرتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والا شخص نہیں ہوں۔"

"اگر تم لکی نہ ہوتے تو اپنے اس ٹمپرامنٹ کے ساتھ تم بہت پہلے کسی بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہوتے مان لو تم لکی ہو۔"

ہارون نے ایک قہقہہ لگایا۔ صبیحہ اپنا شولڈر بیگ لے کر کھڑی ہو چکی تھی۔ ہارون نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ صبیحہ نے اس سے ہاتھ ملایا، مگر ہارون نے ہاتھ ملانے کے بعد اس کا ہاتھ چھوڑنے کے بجائے تھامے ہوئے کہا۔

"تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا اور شاید کچھ اور گزرتا، اگر تم یہ حماقت نہ کرتیں۔ بہر حال جو بھی تھا اچھا وقت گزرا۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"یا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم ماضی کو بھول جائیں، باقر شیرازی کی موت کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ ہم اب بھی بہت سا اچھا وقت ساتھ گزار سکتے ہیں۔"

صبیحہ نے جانے سے پہلے اس سے کہا۔ ہارون نے کچھ کہنے کے بجائے صرف ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"خدا حافظ۔" صبیحہ نے کندھے اچکاتے ہوئے سر جھٹکا اور پھر لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

اگلے دن صبح ناشتے کی میز پر ہارون کمال اخبار کے بیک پیج پر موجود ایک خبر کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔
''سرکاری افسر کی بیوی کا دن دہاڑے قتل۔ کل دوپہر شہر کی ایک مصروف سڑک پر ایک سرکاری افسر کی بیوی صبیحہ کامرانی کو کار چوری کرنے کی واردات کے دوران بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ پولیس مزید تفتیش میں مصروف ہے۔''

Some say the world will end in fire.
(کچھ لوگ کہتے ہیں دنیا آگ سے ختم ہوگی)
Some say in ice
(کچھ کہتے ہیں برف سے)
What I' ve tasted of desire
(جہاں تک میں خواہش کو جان سکا ہوں)
I hold with those who favour fire
(تو میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو آگ کا کہتے ہیں)
But if it had to perish twice
(لیکن اگر دنیا کو دوسری بار بھی ختم ہونا پڑے)
I think I know Enough of hate
(تو نفرت کو اچھی طرح جان لینے کے بعد میرا خیال ہے)
To say that for destruction
(میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ تباہی کے لیے)
Ice is also great
(برف بھی زبردست ہے)
And would suffice
(اور کافی رہے گی)

☆☆☆

بارہ سال کے بعد

منصور علی نے امبر کو کالج کے گیٹ سے باہر آتے دیکھا تو انہوں نے گاڑی کو اسٹارٹ کر لیا۔
امبر اب متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ منصور علی کی گاڑی دیکھ کر وہ ان کی طرف آ گئی۔
منصور علی نے اپنے ساتھ والی سیٹ کے دروازے کا لاک کھول دیا۔
''ہیلو پاپا!'' امبر نے دروازہ کھول کر اپنا بیگ پچھلی سیٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔ منصور مسکرا کر کار سڑک پر لے آئے۔
''کالج میں پہلا دن کیسا رہا؟'' انہوں نے ہجوم میں سے کار نکالتے ہوئے اس سے پوچھا۔
''بس ٹھیک ہی تھا۔'' اس نے اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے بڑی لاپروائی سے کہا اور گلو کمپارٹمنٹ کھول کر ہیر برش نکالنے لگی۔
منصور نے گردن موڑ کر اسے دیکھا ''ٹھیک ہی تھا...... یعنی اچھا نہیں گزرا؟''
''ابھی تو شروع کے دن ہیں پاپا...... ایڈجسٹ ہوتے ہوئے کچھ دیر تو لگے گی۔'' اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے کہا۔

’’سعدیہ وغیرہ سے ملاقات ہوئی تمہاری؟‘‘ انہوں نے اپنی بڑی بہن کی بیٹی کا نام لیتے ہوئے پوچھا۔

’’ہاں، میں نے سارا دن سعدیہ اور نائلہ کے ساتھ ہی گزارا......‘‘ اپنے اسٹیپس میں کٹے ہوئے بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے اس نے ہیر برش دوبارہ گلو کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا۔ اور اس میں سے چیونگم کی ایک اسٹک نکال لی۔

’’پاپا! مجھے تو اب آپ گاڑی لے دیں۔ میں خود ہی کالج چلی جایا کروں گی۔‘‘ اس نے چیونگم منہ میں ڈالتے ہوئے فرمائش کی۔

’’بھئی، یہ تمہاری ہی تو گاڑی ہے۔‘‘ منصور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’جی نہیں، میں اپنی ذاتی گاڑی کی بات کر رہی ہوں۔‘‘ اس نے ’’ذاتی‘‘ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

’’میری ہر چیز تمہاری ذاتی ہی ہے۔‘‘ منصور علی نے پیار سے کہا۔

"Now don't try to flatter me papa"

(مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں پاپا!) امبر نے اپنا سر جھٹکتے ہوئے ضدی انداز میں کہا۔ ’’مجھے واقعی ایک گاڑی چاہیے۔‘‘

’’اچھا لے دوں گا۔‘‘ منصور علی نے اس بار جیسے اس کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

’’لے دوں گا نہیں، ابھی لے کر دیں...... ابھی لے کر جائیں مجھے کسی شوروم میں...... ابھی گاڑی بک کروائیں۔‘‘ اس نے اسٹیرنگ پر موجود ان کے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے کہا۔

’’امبر...... بیٹا! میں نے کہا ہے ناں میں تمہیں لے دوں گا۔ بلکہ میں تمہیں تمہاری برتھ ڈے پر گاڑی گفٹ کروں گا۔ ابھی تو ہم گھر جا رہے ہیں۔‘‘ انہوں نے اس سے کہا۔

’’برتھ ڈے پر......؟ پاپا! آپ کو پتا ہے میری برتھ ڈے کتنی دور ہے۔ آپ بس مجھے ٹال رہے ہیں۔ آپ مجھے گاڑی لے کر دینا ہی نہیں چاہتے۔‘‘ اس نے یک دم منصور کے ہاتھ سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ اب بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

’’امبر! میں......‘‘ منصور نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر امبر نے انہیں ٹوک دیا۔

’’بس اب کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے گاڑی نہیں چاہیے۔‘‘ امبر نے قطعی انداز میں کہا۔

’’یہ کیا بات ہوئی جب میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں کہ میں تمہیں گاڑی لے دوں گا تو...... پھر......‘‘

’’نہیں مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے گاڑی کی، اس طرح منتیں کر کے کوئی چیز لینے کا کیا فائدہ، آپ کو اگر مجھ سے واقعی محبت ہوتی تو آپ مجھے بس ایک بار کہنے پر ہی گاڑی لے دیتے۔ آپ چاہتے ہیں میں بار بار آپ سے کہوں...... پاپا! آپ کو میرا کوئی احساس نہیں ہے۔‘‘ وہ اب واضح طور پر ناراض نظر آ رہی تھی۔

’’ٹھیک ہے...... میں ابھی تمہارے لیے گاڑی بک کروا دیتا ہوں۔‘‘ منصور علی نے یک دم گاڑی کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔ امبر کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

’’تم مجھے ایموشنل بلیک میل نہ کیا کرو۔‘‘ منصور علی نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوتے دیکھ کر کہا۔

’’کیوں نہ کروں......‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’اچھا ٹھیک ہے بابا! جو چاہے کرو۔ مگر یہ گاڑی کا بھوت یک دم تمہارے سر پر کیسے سوار ہو گیا؟‘‘ انہوں نے پوچھا۔

’’بس ایسے ہی میرا دل چاہا کہ میں کالج خود آیا جایا کروں۔‘‘ اس نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

’’دوبئی میں تو تمہارا ابھی دل نہیں چاہا یہ سب کرنے کو۔‘‘

’’وہاں کی بات اور تھی ایک تو وہاں ابھی میرا لائسنس نہیں بن سکتا تھا اور دوسرے میرا دل بھی نہیں چاہا۔ یہاں اب میرا لائسنس بن سکتا ہے اور میرا دل بھی چاہ رہا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔‘‘ اس نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

’’کتنے دن تک کے لیے گاڑی کا بھوت سوار رہے گا۔ تمہارے سر پر؟‘‘ منصور علی نے بڑے پیار سے اسے چھیڑتے

ہوئے کہا۔ وہ اپنی بیٹی کی متلون مزاجی سے اچھی طرح واقف تھے۔

''یہ تو نہیں پتا..... مگر آپ کو اس سے کیا۔ آپ مجھے بس گاڑی لے دیں۔'' اس نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

''اتنے رش میں ڈرائیو کرو گی؟''

''کروں گی۔ پاپا! آپ مجھے جانتے نہیں ہیں۔'' اس نے فوراً کہا۔ ''ورنہ یہ سوال نہ پوچھتے۔''

''میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں، اسی لیے یہ سوال پوچھ رہا ہوں۔'' منصور علی نے فوراً کہا۔

''میرے لیے ڈرائیونگ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''تمہارا ٹمپرامنٹ ایسا ہے کہ تم کسی بھی چیز کو مسئلہ بنا سکتی ہو۔'' منصور علی نے لقمہ دیا۔

''آپ کو کیسے پتا؟''

''مجھے پتا ہے۔''

''مگر پاپا! ڈرائیونگ کا ٹمپرامنٹ سے کیا تعلق ہے؟'' اس نے بحث والے انداز میں کہا۔

''بہت گہرا تعلق ہے۔ تم بہت غیر محتاط طریقے سے ہر کام کرنے کی عادی ہو اور ڈرائیونگ بہت احتیاط طلب کام ہے۔ خاص طور پر یہاں کی سڑکوں پر۔''

''میں احتیاط کروں گی۔ ریش ڈرائیونگ نہیں کروں گی۔'' اس نے فوراً باپ سے وعدہ کرلیا۔

''یہ خاصی ناقابل یقین بات ہے مگر خیر، اب میں اور کیا نصیحت کر سکتا ہوں تمہیں۔'' منصور علی نے کچھ بے چارگی سے اپنے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

''آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے پاپا!'' اس نے ان کے انداز کا نوٹس لیتے ہوئے کہا۔

''میں اعتبار کرتا ہوں، اس لیے اسی وقت ہم شوروم جا رہے ہیں مگر تمہیں نصیحت کرنا میرا فرض ہے۔'' انہوں نے اس سے کہا۔

''اس کو کیا کہنا چاہیے پاپا؟ جنریشن گیپ؟'' امبر نے اچانک شرارتی انداز میں باپ کو مخاطب کیا۔

''اب آپ کو بھی بالآخر نصیحتوں کا شوق ہو گیا ہے؟''

''تم پر میری نصیحتوں کا کیا اثر ہوتا ہے۔ تمہارے لیے تو سب کچھ بے کار ہے۔ تم ہر بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دینے کی عادی ہو۔'' منصور علی نے خوش دلی سے ہنستے ہوئے کہا۔

''پاپا! آپ پر نصیحتیں سوٹ نہیں کرتیں، میری آپ سے اسی لیے دوستی ہے کیونکہ آپ کو نصیحتوں کی عادت نہیں تھی مگر اب مجھے لگتا ہے، آہستہ آہستہ آپ بھی اس عادت کا شکار ہو جائیں گے۔ پھر میری اور آپ کی انڈر اسٹینڈنگ ختم ہو جائے گی۔'' اس نے جیسے باپ کو ڈرانے کی کوشش کی۔

''فضول باتیں مت کرو امبر۔'' منصور علی نے مصنوعی خفگی سے اسے جھڑکا۔

''دیکھیں، اب آپ مجھے پھر ڈانٹ رہے ہیں۔'' امبر نے انہیں جتایا۔

''اچھا بابا! نہیں ڈانٹتا تمہیں۔ اب یہ بتاؤ گاڑی کون سی چاہیے؟'' منصور علی نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

''یہ تو میں شوروم میں جا کر ہی بتاؤں گی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے کیسے بتا دوں۔ ہو سکتا ہے، میں آپ کو کسی گاڑی کا نام بتاؤں مگر شوروم میں جا کر مجھے کوئی اور پسند آ جائے۔ اس لیے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں ادھر جا کر ہی آپ کو گاڑی کے بارے میں بتاؤں۔ ہاں، ایک بات میں ضرور آپ کو بتا دیتی ہوں۔ میں شوروم میں موجود سب سے قیمتی گاڑی لوں گی۔'' اس نے بڑے لاڈ سے منصور علی سے کہا۔

''میں گاڑی کی قیمت کی بات نہیں کر رہا..... تم ایک کے بجائے دو لے لینا۔'' منصور علی نے لاپروائی سے کہا۔

''دو کیا کروں گی میں..... مجھے تو ایک ہی چاہیے۔ جب اس سے دل بھر جائے گا تب دوسری لے لوں گی۔ ٹھیک ہے

پاپا!" اس نے ایک بار پھر شرارتی انداز میں منصور علی سے کہا۔
"نہیں تب تک تو بہت دیر ہو جائے گی؟" منصور علی نے سنجیدگی سے کہا۔
"کیوں دیر ہو جائے گی؟" وہ چونکی۔
"بھئی، تب تک تو ہم تمہیں طلحہ کے گھر بھجوا چکے ہوں گے۔ وہاں تمہیں ڈرائیور سمیت گاڑی مل جائے گی۔" منصور علی نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔
"پاپا! آپ طلحہ کو ڈرائیور کہہ رہے ہیں؟" وہ فوراً ان کی بات سمجھ گئی۔ "کتنی بری بات ہے۔ میں اسے بتاؤں گی جب وہ آج شام کو آئے گا۔" اس نے انہیں دھمکی دی۔
"بھئی بھتیجا ہے وہ میرا۔ میں جو چاہے اسے کہہ سکتا ہوں۔ تم دیکھ لینا، اسے بالکل بھی برا نہیں لگے گا۔" انہوں نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے شگفتگی سے کہا۔
"صرف بھتیجا تو نہیں ہے پاپا!" امبر نے فوراً انہیں یاد دلایا۔ "آپ کا داماد بھی ہے۔ اگر برا مان گیا تو؟"
تمہارے ڈانٹنے پر برا نہیں مانتا تو میرے ڈرائیور کہنے پر کیسے برا مان سکتا ہے۔"
"پاپا! آپ بالکل غلط کہہ رہے ہیں، میں نے اسے کبھی بھی نہیں ڈانٹا۔" وہ ناراض ہو گئی۔
"تم نے اگر اسے کبھی نہیں ڈانٹا تو پھر وہ مجھ سے شکایت کیوں کر رہا تھا؟" منصور نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
"طلحہ نے آپ سے میری شکایت کی؟" امبر نے بے یقینی سے کہا۔
"ہاں......!"
"کیا کہا اس نے؟"
"بھئی، یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ اس نے مجھے منع کیا ہے۔" منصور علی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"پاپا پلیز، مجھے بتائیں، اس نے آپ کو کیا کہا ہے؟" وہ ضد کرنے لگی۔
"بھئی میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔" منصور علی نے کہا۔
"مجھے نہیں پتا...... آپ نے وعدہ کیا ہے یا نہیں، بس آپ مجھے بتائیں، اس نے میرے بارے میں آپ سے کیا کہا ہے؟" وہ ان کا بازو ہلانے لگی۔
منصور علی بے اختیار ہنسے۔ "تمہیں بتا دیا تو تم کیا کرو گی؟"
"میں...... آپ...... دیکھئے گا میں اس کا کیا حشر کروں گی جھوٹ بولنے پر۔"
"میں مذاق کر رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا۔"
"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" امبر نے بے یقینی سے کہا۔
"نہیں بول رہا اب نیچے اترو اگر گاڑی چاہیے تو۔"
انہوں نے گاڑی روکتے ہوئے کہا، امبر کچھ ہچکچاتے ہوئے ان کے ساتھ اتر آئی۔

☆☆☆

"اچھا، مجھے ذرا وہ والا جوتا نکال کر دکھائیں۔" منیزہ نے شوکیس میں لگے ہوئے ایک اور جوتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیلز مین سے کہا۔ سیلز مین برق رفتاری کے ساتھ اس شوکیس کی طرف گیا اور شیشے پر ہاتھ رکھ کر ان سے پوچھنے لگا۔
"اس جوتے کے بارے میں کہہ رہی ہیں آپ؟"
"نہیں یہ نہیں، اگلے والا، وہ بلیک اسٹریپس والا" منیزہ نے اس کی رہنمائی کی۔
"ہاں یہی والا۔" سیلز مین نے ان کے مطلوبہ جوتے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے کہا۔ سیلز مین اپنے ساتھی سیلز مین کو جوتے کا نام اور نمبر اور سائز بتانے لگا تاکہ وہ اندر سے وہ جوتا لے آئے۔

''جتنی دیر میں وہ جوتا لاتا ہے، تم ذرا میرا بل بنوا دو'' منیزہ نے سیلز مین سے کہا۔

''نہیں۔ ابھی تو میں نے آپ کو اور بھی بہت سے جوتے دکھانے ہیں۔'' سیلز مین نے خوشامدی انداز میں کہا۔

پاکستان مستقل طور پر واپس آجانے کے چند ماہ میں ہی لاہور کی بڑی بڑی مارکیٹوں میں لگنے والے ان کے چکروں اور بے تحاشا خریداری نے دکانداروں اور سیلز مینوں کو ان کے چہرے سے خاصا شناسا کر دیا تھا۔

منیزہ شاپنگ کرتے ہوئے حجت کی عادی نہیں تھیں۔ انہیں کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ انہیں کبھی کوئی چیز مہنگی نہیں لگی تھی۔ خاص طور پر وہ چیز جو انہیں پسند آجاتی اور دکاندار کے لیے ایسا گاہک خدا کی خاص نعمت ہوتا ہے۔ دوکانوں پر انہیں خاص اہمیت دی جاتی، دکاندار ان کے سامنے بچھ بچھ جاتے اور منیزہ دھڑا دھڑ ان کی دکھائی ہوئی چیزیں منہ مانگے داموں خریدتی جاتیں۔

شاپنگ کے خبط کا شکار وہ منصور علی سے شادی کے بعد ہوئی تھیں اور یہ خبط دن بدن بڑھتا ہی گیا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے انہیں جتنا سکون اور خوشی بازاروں میں پھرتے ہوئے ملتی تھی اتنا سکھ اور کہیں نہیں ملتا تھا۔

ہر دوسرے تیسرے دن وہ کسی نہ کسی مارکیٹ میں موجود ہوتیں اور پھر بغیر کسی ضرورت کے دھڑا دھڑ چیزیں خریدے جاتیں۔

پاکستان آنے کے بعد بھی اس جنون میں کوئی کمی نہیں آتی تھی۔ بلکہ اضافہ ہو گیا تھا، انہیں دوبئی کی نسبت پاکستان سستا لگا تھا۔ یہاں انہیں ایک اور سہولت بھی حاصل تھی وہ اپنی کی گئی شاپنگ کو شو آف کے لیے بھی استعمال کر سکتی تھیں کیونکہ ان کے سارے رشتہ دار یہیں تھے جب کہ دوبئی میں جن گھروں میں ان کا آنا جانا تھا وہ سب ہی بہت ویل آف تھے اور ان کی عورتیں بھی ان کی طرح روپیہ اڑانے پر یقین رکھتی تھیں وہ وہاں کسی کو متاثر نہیں کر سکتی تھیں۔

پاکستان میں معاملہ دوسرا تھا۔ یہاں پر وہ خاندان کے چند امیر ترین گھرانوں میں سے ایک کا حصہ تھیں اور پیسے کو بے مقصد ضائع کرنے میں انہیں کمال حاصل تھا خاندان میں دوسری کوئی عورت ان کی طرح پیسہ خرچ نہیں کرتی تھی شاید کر ہی نہیں سکتی تھی۔

خاندان کی عورتوں کو منیزہ پر رشک آتا تھا۔ خاندان میں ہونے والی کسی بھی تقریب میں انہوں نے کبھی ایسا زیور نہیں پہنا تھا جو وہ اس سے پہلے پہن چکی ہوتیں جوتے اور کپڑے تو خیر بہت ہی معمولی چیزوں میں آتے تھے۔ پورے خاندان کو تجسس رہتا آخر ان کے پاس کتنا سونا اور زیورات تھے جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتے تھے ہر ایک کو یہ حیرت ہی تھی کہ کبھی وہ منیزہ کو کوئی ایسا زیور پہنے دیکھ لیں جو دوسری بار پہنا گیا ہو۔ منیزہ نے کسی کو ایسا موقع ہی نہیں دیا وہ اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھیں۔

اگرچہ ان سے شادی سے پہلے بھی منصور علی کا بزنس بہت اچھا تھا مگر ان سے شادی کے بعد تو جیسے پیسہ برسنے لگا تھا۔ بیس سالوں میں ان کے بزنس نے انہیں کہیں کا کہیں پہنچا دیا تھا اور منصور علی اس سب کو منیزہ کی طرح اس کی خوش قسمتی کا اعجاز سمجھتے تھے نہ صرف وہ بلکہ پورا خاندان بھی۔

بیس سالوں میں ان کے ہاں چار بیٹیوں اور ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی۔ روشان کے بعد ان کے ہاں دو اور بیٹیوں کی پیدائش ہوئی اور ان دو بیٹیوں کی پیدائش نے روشان کی اہمیت کو اور زیادہ کر دیا، وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور اکلوتا بیٹا جتنا لاڈلا ہو سکتا تھا وہ بھی تھا اگرچہ منیزہ کو اس بات کا قلق تھا کہ ان کا صرف ایک بیٹا تھا اور روشان کے حوالے سے اکثر ان کے دل میں بہت سے خدشات بھی پیدا ہوتے رہتے مگر پھر وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لیتیں کہ کم از کم ان کا ایک بیٹا، تو ہے وہ اس عدم تحفظ کا شکار تو نہیں تھیں جن کا شکار وہ عورتیں ہوتی ہیں جن کا کوئی بیٹا نہیں ہوتا۔

وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھیں جن کی ساری توجہ کا مرکز گھر ہوتا ہے یا پھر اولاد کی تعلیم و تربیت...... یہ دونوں چیزیں ان کے لیے ترجیحات کی فہرست میں خاصی نیچے تھیں۔

وہ اگر کچھ زیادہ پڑھی لکھی ہوتیں تو پھر شاید ان کا زیادہ تر وقت کلبوں اور نام نہاد سوشل ورک یا پارٹیز میں گزرتا۔ کم تعلیم نے انہیں ان آسائشات سے محروم کر دیا۔ اب انکا زیادہ وقت شاپنگ میں گزرتا تھا یا پھر مختلف رشتہ داروں کے ہاں آنے جانے میں۔

جب وہ دوبئی میں تھیں تو اس وقت بھی ان کی روٹین ایسی ہی تھی وہاں رشتہ داروں کی بجائے وہ آس پاس کے گھروں اور منصور علی کے دوستوں کی بیویوں کے ساتھ مصروف رہتیں، پاکستان میں ان کی ان مصروفیات میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

آج بھی وہ اسی قسم کی ایک بے مقصد شاپنگ کر رہی تھیں۔ اور پچھلے دو گھنٹوں سے مختلف دکانوں سے کچھ نہ کچھ خریدتی جاری تھیں۔ ان کے ساتھ ان کی ایک ملازمہ بھی تھی جو ہر دکان سے اکٹھے کیے جانے والے شاپرز کے ڈھیر سنبھالنے میں مصروف تھی۔

سیلز مین بالآخر جوتا لے آیا تھا۔ منیزہ نے بڑے انداز سے اپنا پاؤں آگے کر دیا اور سیلز مین ان کے پاؤں میں جوتا پہنانے لگا۔ جوتا پہنانے کے بعد اس نے حسب عادت جوتے کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دیے منیزہ نے ناقدانہ نظروں سے پیر میں پہنے ہوئے جوتے کو دیکھا۔ ان کے پاؤں خوبصورت تھے مگر ان کے جسم کی طرح فربہ تھے اور وہ باریک بلیک اسٹیرپس والا جوتا ان کے پاؤں میں پھنسا ہوا کچھ عجیب ہی لگ رہا تھا مگر انہوں نے اپنی قوتِ بصارت پر یقین کرنے کے بجائے اپنی ملازمہ سے رائے لینا ضروری سمجھا۔

"کیسا لگ رہا ہے نسرین؟" انہوں نے اپنے پاؤں کو تھوڑا سا نسرین کے آگے کرتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے۔ بیگم صاحب!" نسرین نے سیلز مین کی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ جانتی تھی اس سے اسی رائے کی لیے رائے مانگی گئی ہے۔

"خرید لیتی ہوں پھر۔" منیزہ کو جیسے کچھ اور تسلی ہوئی۔

سیلز مین کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ اس نے اس جوتے اور ان کے پاؤں کے لیے کچھ اور خوشامدی کلمات کہے۔ منیزہ کے رشک و غرور میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

بل بنوانے کے بعد بڑی لاپروائی کے ساتھ انہوں نے مطلوبہ رقم نکال کر کاؤنٹر پر رکھی اور دکان سے باہر نکل گئیں۔ ملازمہ شاپرز کے پہلے ڈھیر کے ساتھ ان نئے شاپرز کو بھی سنبھالے ہوئے تھی جب وہ دکان سے باہر نکلی تب تک منیزہ سیڑھیاں اتر چکی تھیں اور اب کچھ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ جب ملازمہ ان کے پاس پہنچی تو منیزہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔ میں آج شبانہ کی طرف جانے کا سوچ رہی ہوں۔ وہاں سے ہوتے ہوئے واپس چلیں گے۔"

انہوں نے ملازمہ کو اپنا آئندہ کا پروگرام بتاتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے۔ ملازمہ نے دل میں ہی میں خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ شاپرز کے مزید بوجھ سے بچ گئی تھیں۔

پارکنگ میں موجود گاڑی میں بیٹھ کر منیزہ نے ڈرائیور سے کہا۔

"سیدھا گھر نہیں جانا، پہلے مسعود بھائی کی طرف جانا ہے۔" ڈرائیور نے بڑے مؤدبانہ انداز میں ان کی ہدایات سنیں اور پھر گاڑی کو مطلوبہ راستے پر ڈال دیا۔

وہ جس وقت شبانہ کے ہاں پہنچیں اس وقت سہ پہر کے دو بج رہے تھے، شبانہ نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"میں شاپنگ کے لیے نکلی تھی راستے میں میرا دل چاہا آپ کی طرف آنے کو۔ اور میں ادھر نکل آئی۔" منیزہ نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے شبانہ کو بتایا۔

"اچھا کیا تم آ گئیں۔ میں بھی کچھ دیر پہلے تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔ خانساماں سے آج میں نے کچھ نئی ڈشز بنوائی ہیں۔

میں سوچ رہی تھیں کہ تمہیں بھجواؤں مگر اب دیکھو۔ تم خود ہی آ گئی ہو۔'' شبانہ جانتی تھیں، منیزہ اچھے کھانے کی شوقین تھی۔ منیزہ ان کی بات پر حسب توقع خوش ہوئیں۔

''اس کا مطلب ہے، میں نے ادھر آ کر واقعی اچھا کیا کھانے کا میرا موڈ تو نہیں مگر اب اگر آپ نے کوئی خاص ڈشز بنوائی ہیں تو میں کھائے بغیر تو نہیں رہ سکتی۔'' منیزہ نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ کا خانساماں تو ویسے بھی کمال کے کھانے پکاتا ہے۔ میں تو منصور سے کہہ رہی تھی کہ مسعود بھائی کو کہہ کر اس خانساماں کو اپنے ہاں لے آئیں۔ ہمارا خانساماں تو بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔'' منیزہ نے فوراً کہا۔

''بھئی میں تو سو بار اسے تمہارے ہاں بھیجنے کو تیار ہوں مگر وہ پچھلے پندرہ سال سے ہمارے یہاں ہے یہاں سے جانے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔ ابھی پچھلے ہفتے رضی بھائی آئے ہوئے تھے، اسے اپنے ساتھ کوریا چلنے کے لیے کہہ رہے تھے اس نے انکار کر دیا حالانکہ وہ اسے جس تنخواہ کا کہہ رہے تھے، وہ تو اس کی موجودہ تنخواہ سے تقریباً دوگنی تھی مگر وہ جانے پر تیار نہیں ہوا'' شبانہ نے بڑے فخریہ انداز میں کہا۔

''بس بھابھی! آپ ہیں ہی خوش قسمت ورنہ آج کل اس طرح کے ملازم...... اور خاص طور پر خانساماں کہاں ملتے ہیں۔'' منیزہ نے کہا۔

''میں تو بس خانساماں کی حد تک ہی خوش قسمت ہوں۔ تم تو ہر لحاظ سے خوش قسمت ہو۔ یہ بتاؤ شاپنگ کیا کی ہے؟'' شبانہ نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

''کوئی خاص نہیں۔ بس کچھ کپڑے لیے ہیں کچھ جوتے لیے ہیں...... بچوں کی کچھ چیزیں لی ہیں۔'' منیزہ انہیں تفصیل بتانے لگیں۔ ''کچھ گھر کے لیے ڈیکوریشن پیسز لیے ہیں بس یہی کچھ ہے۔''

''یہ تو خاصی لمبی چوڑی شاپنگ ہو گی۔'' شبانہ نے کہا۔

''کہاں بھابھی! لمبی چوڑی کہاں، بس دو گھنٹے ہی لگے ان سب چیزوں کو لیتے ہوئے لمبی چوڑی شاپنگ ہوتی تو کم از کم سات آٹھ گھنٹے لگتے۔'' منیزہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

''بس تمہاری اور ہماری شاپنگ میں یہی تو فرق ہوتا ہے تم جتنے وقت میں معمولی سی شاپنگ کرتی ہو ہم اتنی دیر میں تمام شاپنگ کر لیتے ہیں۔'' شبانہ نے اس سے کہا ''تمہارے مسعود بھائی تو اتنی بری طرح چڑتے ہیں شاپنگ کے ذکر پر جس کی کوئی حد نہیں...... یہ تو بس منصور ہی ہے جو ماتھے پر ایک شکن لائے بغیر تم لوگوں کو پھراتا رہتا ہے۔'' منیزہ ان کی بات پر ہنسیں۔

''بھابھی! یہ بات آپ ذرا منصور کے سامنے کہیں تو پھر آپ کو پتا چلے۔ وہ کتنی خوش دلی سے شاپنگ کرواتے ہیں۔ انہیں بھی دس دفعہ کہنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر وہ ساتھ چلنے پر تیار ہوتے ہیں۔'' وہ بھی اس وعدہ پر کہ ایک آدھ گھنٹہ سے زیادہ نہیں لگے گا۔ آپ ہی بتائیں ایک آدھ گھنٹہ میں کیا شاپنگ ہو سکتی ہے میں تو ایک آدھ گھنٹہ ایک شاپ پر چیزیں نکلواتے ہوئے لگا دیتی ہوں اور منصور ہر بار ناراض ہو کر کہتے ہیں کہ وہ آئندہ مجھے شاپنگ کے لیے نہیں لے جائیں گے۔''

''چلو وقت کے بارے میں ہی ناراض ہوتا ہے، روپیہ خرچ کرنے پر تو نہیں نا۔ ایک مسعود ہیں وہ تو میرے شاپنگ کرنے پر ہی روک ٹوک کرتے رہتے ہیں۔ ''ابھی پچھلے ہفتے تو گئی تھیں تم، اب ایسی کیا ایمرجنسی آن پڑی'' ان کی زبان پر ہر وقت بس یہی ایک جملہ ہوتا ہے۔''

شبانہ نے کچھ تلخی سے کہا۔ ''اب بندہ انہیں کیا بتائے کہ اب ایک ہفتہ اگر کوئی شاپنگ کے لیے چلا گیا ہے تو یہ کوئی حج پر جانے کے مترادف تو نہیں ہو گیا کہ اب بس اگلے سال ہی جایا جائے اگلے ہفتے نہیں۔ میں تو انہیں بھی منصور کی مثال دیتی رہتی ہوں کہ کچھ چھوٹے بھائی سے ہی سیکھ لیں۔ جو بیوی اور بچوں کو عیش کروا رہا ہے مسعود تو بس پابندیاں ہی لگاتے رہتے ہیں۔''

''نہیں بھابھی! مسعود بھائی بڑے اچھے ہیں۔ اتنے برے بھی نہیں ہیں۔'' منیزہ نے مسعود علی کا دفاع کرنے کی کوشش کی شبانہ متاثر نہیں ہوئی۔

''مگر منصور جیسے نہیں ہیں۔ منصور تو خاندان میں اپنی مثال آپ ہے کوئی دوسرا آدمی نہ اس جیسا بیٹا ثابت ہوا، نہ شوہر، نہ باپ۔'' شبانہ نے ایک بار پھر منصور کی تعریف کی۔

''اب تم دیکھو امبر کو، اس نے ایک بار کہنے پر گاڑی دلا دی۔ وہ بھی اتنی مہنگی۔ دوسری طرف میں نے مسعود سے طلحہ کے لیے بات کی تو وہ کہنے لگے کہ طلحہ کو ابھی گاڑی بدلنے کی کیا ضرورت ہے، وہی پرانی گاڑی ہی ٹھیک ہے۔'' شبانہ نے شکایتی انداز میں کہا۔ ''اب دو سال پرانی گاڑی چلاتے ہوئے وہ کتنا برا محسوس کرتا ہے، یہ تو صرف میں ہی جانتی ہوں امبر کے سامنے بھی شرمندگی محسوس کرتا ہے مگر مسعود، ان کو بھلا کون سمجھائے؟ ان سے بات کرو تو وہ گھر میں موجود گاڑیاں گنوانے بیٹھ جاتے ہیں۔ میں نے تو اس بار فیصلہ کیا ہے کہ جو بھی ہو، میں بھی طلحہ کو نئی گاڑی دلواؤں گی چاہے مجھے اپنا زیور ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔'' شبانہ نے کہا۔

''کیسی بات کر رہی ہیں بھابھی؟'' منیزہ نے فوراً انہیں ٹوکا۔ ''بھلا زیور بیچ کر آپ کو طلحہ کے لیے نئی گاڑی لینے کی کیا ضرورت ہے امبر نے جو گاڑی لی ہے، وہ طلحہ ہی کی تو ہے۔ آپ کا گھر مکمل ہو جائے تو بس امبر کی رخصتی کر دیں گے اور سات آٹھ ماہ ہی تو ہیں پھر وہ گاڑی طلحہ لے لے۔''

منیزہ کی بات پر شبانہ نے عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''طلحہ کو پرانی چیزیں استعمال کرنے کی عادت نہیں ہے۔ چیز وہی ہوتی ہے جو اپنی ہو اور ویسے بھی سات آٹھ ماہ وہ گاڑی استعمال ہو گی تو پھر اس میں رہ کیا جائے گا۔ تم وہ گاڑی رہنے ہی دینا۔ ہمارے گھر تین چار گاڑیاں ہیں۔ ضرورت ہی کیا ہے گاڑی دینے کی۔ بلکہ میں طلحہ سے کہوں گی کہ وہ شادی پر امبر کو گاڑی تحفے میں دے۔'' شبانہ نے چبھتے ہوئے انداز میں بظاہر ہنستے ہوئے کہا۔

''خاندان میں ایک نئی روایت قائم ہو گی بیٹی والے گاڑی دیتے ہیں ہم بیٹے والے ہو کر دیں گے۔ چلو اچھا ہے نا، خوب مزہ رہے گا۔''

منیزہ کو ان کی بات بری لگی۔

''نہیں۔ ایسی نئی روایتیں قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم امبر کو شادی پر نئی گاڑی لے دیں گے منصور ابھی اس کو گاڑی لے کر دے سکتے ہیں تو تب بھلا کیوں نہیں لے کر دیں گے۔''

منیزہ نے بھی بڑے کھردرے انداز میں جواب دیا شبانہ کا لہجہ اچانک ہی تبدیل ہو گیا۔

''ہم دونوں نے بھی کیا باتیں شروع کر دیں۔ آخر دونوں خاندان ایک ہی ہیں۔ ادھر کی چیز ادھر جائے یا ادھر کی ادھر آئے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''میں نے تم سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ تم کیا پیو گی۔'' ان کے لہجے میں یک دم بڑی شگفتگی آ گئی تھی مگر منیزہ کو اپنے لہجے کی تلخی چھپانے کے لیے خاصی محنت کرنی پڑی۔

''نہیں، کوئی ضرورت نہیں، مجھے خاصی دیر ہو رہی ہے۔ بہتر ہے میں گھر چلوں ویسے بھی بچے تو گھر آ ہی گئے ہوں گے۔'' انہوں نے کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''لو، یہ کیا بات ہوئی، میں تمہیں کھانا کھلانے کا سوچ رہی ہوں اور تم جانے پر تلی ہوئی ہو۔'' شبانہ نے خفگی سے کہا۔

''نہیں، کھانا پھر کبھی کھا لوں گی۔'' منیزہ نے انکار کیا ان کا موڈ اب خاصا آف ہو گیا تھا اور ان کے موڈ میں آنے والی یہ تبدیلی شبانہ سے پوشیدہ نہیں تھی۔

''پھر کبھی بھی کھا لینا مگر آج تو میں تمہیں کھانا کھلا کر ہی بھیجوں گی۔ بتایا تو ہے تمہیں تمہارے لیے ڈشز بھجوانے کا سوچ بیٹھی تھی میں اور تم ہو کہ اب آنے کے بعد ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو۔'' شبانہ نے بڑی اپنائیت سے منیزہ سے کہا۔

اور پھر ان کا اصرار اتنا شدید ہو گیا کہ منیزہ کو رکنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہا۔

کھانا واقعی بہت لذیذ تھا اور شبانہ کے لہجے میں ان کے لیے اس قدر محبت اور اپنائیت تھی کہ ان کا بگڑا ہوا موڈ آہستہ آہستہ ٹھیک ہوتا گیا۔ کھانا ختم ہونے تک دونوں ایک بار پھر بڑے خوشگوار انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھیں۔

منیزہ نے واپس گھر جانے سے پہلے شبانہ کو اپنی خریدی ہوئی تمام چیزیں بھی دکھائیں شبانہ تعریفیں کر رہی تھیں مگر چیزوں کی قیمت پر اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ منیزہ کو بہت لطف دے رہے تھے۔

شام چار بجے جب وہ شبانہ کے یہاں سے واپس آئیں تو خاصے خوشگوار موڈ میں تھیں۔

☆☆☆

صبغہ اس وقت لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں جب اسامہ لاؤنج میں داخل ہوا، صبغہ فوری طور پر اسے دیکھ نہیں پائی، ٹی وی کا والیم اونچا تھا اور وہ خاصے انہماک سے پروگرام دیکھنے میں مصروف تھی، اسامہ نے ایک بار اسے پکارا مگر اس کے متوجہ نہ ہونے پر وہ وہیں کھڑا ٹی وی اسکرین اور اس پر وقتاً فوقتاً نظریں دوڑاتا رہا۔

تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد پروگرام ختم ہوا تو صبغہ نے صوفہ پر پڑا ہوا ریموٹ اٹھا کر چینل سرفنگ شروع کی اور اسی وقت اس کی نظر اسامہ پر پڑی جو بائیں طرف پڑے ہوئے ایک صوفہ پر بیٹھا ہوا تھا وہ یکدم گڑبڑا گئی۔

''آپ کب آئے؟'' اس نے صوفہ کے سامنے رکھی ہوئی میز پر رکھے اپنے دونوں پاؤں برق رفتاری کے ساتھ نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

اسامہ نے ایک نظر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر دوڑائی اور کہا۔

''مجھے آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے۔''

صبغہ نے کچھ بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''آپ آدھ گھنٹہ سے یہاں بیٹھے ہیں؟''

''اس میں اتنی ناقابلِ یقین بات کیا ہے؟'' اسامہ اس کے تاثرات سے محظوظ ہوا۔ ''میں واقعی آدھ گھنٹہ سے یہاں بیٹھا ہوں۔''

صبغہ کی شرمندگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ''مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' اس نے سرخ چہرے کے ساتھ ایک جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ٹی وی پر اس قدر جذباتی سین آ رہا تھا اور اتنا رونا دھونا شامل تھا کہ خواتین کے لیے ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی خواتین کے لیے اس سے زیادہ دلچسپ سین تو کوئی ہو ہی نہیں سکتے کہ شوہر دوسری شادی کر لے، یا بیوی کو طلاق دے دے۔'' اسامہ بڑی دلچسپی سے کہہ رہا تھا۔

''یا پھر ساس بہو کا کوئی جھگڑا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور تم بہر حال اپنی جنس کی ساری خصوصیات رکھتی ہو۔'' اسامہ نے اسے چھیڑا حالانکہ وہ جانتا تھا وہ اس کی بات پر مشتعل ہو گی نہ ہی کسی بات پر اعتراض کرے گی۔

صبغہ کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ ''آپ مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیتے۔''

''میں نے تمہیں ایک بار آواز دی تھی...... مگر پھر تمہارا انہماک دیکھ کر میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔'' اسامہ نے کہا۔

''آپ کیا لیں گے، چائے کافی، سافٹ ڈرنک'' صبغہ نے موضوع بدل دیا۔

''کچھ بھی۔'' اسامہ نے انتخاب اس پر چھوڑتے ہوئے کہا۔

''میں چند منٹوں میں آتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر لاؤنج سے باہر نکل گئی اسامہ سامنے میز پر پڑا ہوا ایک میگزین اٹھا کر دیکھنے لگا۔

وہ چند منٹوں کے بعد دوبارہ لاؤنج میں آ گئی۔ اسامہ نے اسے آتا دیکھ کر اپنے ہاتھوں میں پکڑا ہوا میگزین ایک بار پھر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"تمہاری اسٹڈیز کیسی جا رہی ہے؟" اس کے صوفہ پر بیٹھتے ہی اسامہ نے پوچھا۔
"ٹھیک جا رہی ہیں۔" صبغہ نے ہمیشہ کی طرح مختصر جواب دیا۔
"کالج میں ایڈجسٹ ہو گئی ہو تم؟"
"ہاں۔"
"میں پہلے ہی جانتا تھا، تم ایڈجسٹ ہو جاؤ گی۔۔۔۔۔" اسامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو خیر ایک اچھا کالج ہے برا بھی ہوتا تب بھی تمہارا جواب اسی طرح کا ہوتا۔ تمہارے جیسے انسان کو کہیں بھی ایڈجسٹ منٹ پر پرابلمز نہیں ہوتیں۔ تم بہت کمپرو مائزنگ ہو۔" اسامہ نے بڑے کھلے دل سے اس کی تعرف کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری یہ کوالٹی بہت پسند ہے لڑکیوں میں یہ کوالٹی بہت نایاب ہوتی جا رہی ہے۔" اس نے مزید کہا۔
"میں منیزہ چچی سے ملنے آیا تھا انہوں نے مجھے آنے کے لیے کہا تھا۔ کل فون کیا تھا کہہ رہی تھیں کوئی کام ہے۔" اسامہ نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "مگر یہاں آیا ہوں تو پتا چلا ہے کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ میں نے سوچا تم سے ملتا جاؤں۔۔۔۔۔ منیزہ چچی کہاں گئی ہیں؟"
"مجھے ٹھیک سے پتا نہیں ہے کیونکہ وہ جس وقت گئی تھیں، میں اس وقت سو رہی تھی۔ میرا خیال ہے وہ امبر کے ساتھ کہیں گئی ہیں شاید خالدہ پھوپھو کی طرف۔" صبغہ نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔
"خالدہ پھوپھو کی طرف تو نہیں گئیں۔ وہ تو ہماری طرف آئی ہیں۔ ابھی بھی وہیں تھیں جب میں گھر سے آیا ہوں۔" اسامہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"پھر ہو سکتا ہے، وہ شاپنگ کے لیے گئی ہوں۔ امبر کل کہہ رہی تھیں۔" صبغہ نے بتایا تو اسامہ اس کی بات پر مسکرانے لگا۔
"ہاں یہ بات زیادہ قابل یقین ہے۔ وہ یقیناً شاپنگ کے لیے ہی کہیں گئی ہوں گی جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مجھے ان کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔" اسامہ نے ایک بار پھر اپنی گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے شگفتگی سے کہا۔ صبغہ اس کی بات پر کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے صرف مسکرائی۔
ملازم چائے کی ٹرالی لے کر لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا، صبغہ نے آگے بڑھ کر چائے کی ٹرالی لے لی اور چائے بنانے لگی۔
"تم ہماری طرف کب آؤ گی؟ امبر ہفتے میں دو تین بار آتی ہے اور تم دو تین ہفتوں سے نہیں آئیں کل امی بھی مجھ سے پوچھ رہی تھیں تمہارے بارے میں۔" اسامہ نے سنجیدگی سے کہا "ان کا خیال ہے میرے ساتھ تمہارا کوئی جھگڑا ہو گیا ہے۔"
صبغہ اس کی بات پر مسکرانے لگی۔
"میں نے انہیں یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"
"آنٹی نے ایسا کیوں سوچا؟" صبغہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔
"امبر اور طلحہ کا خاصا جھگڑا ہوتا رہتا ہے آپس میں تو امی کا خیال ہے کہ ہم دونوں بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلیں گے۔" اسامہ نے اس بار کچھ شگفتگی سے کہا۔
"میرے منتھلی ٹیسٹ ہو رہے ہیں میں اسی لیے نہیں آ سکی اور امبر۔ آپ جانتے ہیں، وہ اپنے وقت کا استعمال بڑی خوبی سے کرتی ہے۔" صبغہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تمہارے ٹیسٹ کب ختم ہوں گے؟" اسامہ نے پوچھا۔
"بس ایک رہ گیا ہے، پرسوں۔"
"اس کا مطلب ہے، پرسوں تم ہماری طرف آ رہی ہو۔"
"پرسوں تو نہیں آ سکوں گی۔" وہ کچھ ہچکچائی۔
"کیوں بھئی، پرسوں کیوں نہیں آ سکو گی؟" اسامہ نے پوچھا۔

''میری کچھ فرینڈز آ میں گی کالج سے میرے ساتھ، ایک چھوٹی سی گیٹ ٹو گیدر ہے ہماری۔'' صبغہ نے بتایا۔

''اچھا پرسوں نہیں تو اس سے اگلے دن۔'' اسامہ نے فوراً تجویز پیش کی۔

''میں ممی سے پوچھ لوں پھر آپ کو بتاؤں گی۔'' صبغہ نے کہا۔

''تم فون پر مجھے بتا دینا...... بلکہ اگر تم چاہو تو میں خود تمہیں لے جاؤں گا اور پھر واپس ڈراپ بھی کر دوں گا۔'' اسامہ نے آفر کرتے ہوئے کہا۔

''میں امبر کے ساتھ آ جاؤں گی۔'' صبغہ نے کچھ پس و پیش کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، تم امبر کے ساتھ آ جانا مگر طلحہ تو اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ امبر تو ہماری طرف شاید نہ ہی آئے۔'' اسامہ کو بات کرتے کرتے اچانک یاد آیا۔

''اگر وہ نہیں آئی تو پھر میں ممی کے ساتھ آ جاؤں گی۔''

''چلو ایسا کر لینا، اور جب منیزہ چچی آئیں تو انہیں میرے بارے میں بتا دینا، ان سے کہنا کہ مجھ سے فون پر بات کریں مگر رات نو بجے کے بعد۔ کیونکہ میں اس وقت تک گھر پر نہیں ہوں گا۔''

اسامہ نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ جا رہے ہیں؟' صبغہ نے اسے اٹھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں مجھے ایک کام یاد آ گیا ہے۔ چائے بہت اچھی تھی۔'' وہ لاؤنج سے نکلتے ہوئے مسکرایا۔

☆☆☆

''اب اسامہ آگے کیا کرنا چاہتا ہے۔'' منصور علی نے مسعود علی سے پوچھا وہ اس وقت ان کے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''وہ ایم بی اے کرنا چاہتا ہے۔'' مسعود علی نے کہا۔

''بی بی اے کافی تھا۔ اسے کہیں کہ وہ بھی فیکٹری کو جوائن کر لے، بزنس کو سنبھالنا اب ہم تینوں کے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ وہ بھی آ جائے گا تو کچھ آسانی ہو جائے گی۔'' منصور علی نے کہا۔

''یہ بات تو میں نے اس سے کہی ہے مگر وہ ابھی بزنس میں آنے پر تیار نہیں ہے۔'' مسعود علی نے کہا۔ ''اب تم کہہ رہے ہو تو میں ایک بار پھر اس سے بات کروں گا بلکہ اصرار کروں گا۔''

''نہیں، آپ اسے مجبور نہ کریں، نہ ہی میں ایسا چاہتا ہوں، آپ بس اس سے ویسے ہی بات کریں اگر پھر بھی وہ اپنی ضد پر قائم رہے تو ٹھیک ہے۔ اسے ایم بی اے کر لینے دیں اس کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور ہمیں بھی چند سال بعد ایک اور قابل منیجر مل جائے گا۔'' منصور علی نے شگفتگی سے کہا۔

''میں بھی اس کا شوق دیکھ کر ہی چپ ہو گیا تھا طلحہ کا تو تمہیں پتا ہے، اسے زیادہ دلچسپی نہیں تھی اسٹڈیز میں اس لیے بی بی اے کرنے کے بعد وہ خود ہی فیکٹری کی طرف آ گیا مجھے کہنا ہی نہیں پڑا۔ مگر اسامہ کو کچھ زیادہ ہی شوق ہے ایم بی اے کا۔ حالانکہ میں نے اور شبانہ نے تو اس سے کہا بھی کہ آگے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے دو سال بعد بھی اسے یہی فیکٹری سنبھالنی ہے تو ابھی کیوں نہیں، مگر تمہیں اسامہ کی ضد کا تو پتہ ہی ہے اگر ایک بار کوئی چیز ذہن میں آ جائے تو بس پھر لاکھ سر پٹخیں، وہ اپنی کر کے چھوڑتا ہے میں نے بھی اس کا شوق دیکھ کر اسے ایڈمیشن لینے دیا ہے دو تین سال کی ہی تو بات ہے پھر وہ بھی ادھر ہی آ جائے گا۔'' مسعود علی نے تفصیل سے بتایا۔

''میں تو اکثر سوچتا ہوں اگر آپ اور طلحہ نہ ہوتے تو میں اتنے بڑے بزنس کو کیسے سنبھالتا روشان کو بڑا ہوتے تو ابھی کئی سال لگیں گے اور تب تک میں تو کام کے بوجھ سے ہی مارا جاتا۔'' منصور علی نے بڑے تشکرانہ انداز میں کہا۔

''بھئی، ہم کون سے غیر ہیں تمہارے اپنے ہیں اور روشان بھی کون سا اکیلا ہے طلحہ اور اسامہ تو ہیں ہی...... تم یہی سمجھا کرو کہ تمہارے تین بیٹے ہیں۔'' مسعود علی نے کہا۔

"یہ تو میں پہلے ہی سمجھ چکا ہوں ورنہ اتنا مطمئن اور پرسکون نظر کیوں آتا اور طلحہ نے تو ویسے بھی پچھلے دو سال سے بڑے اچھے طریقے سے کام کو سنبھالا ہے اور یہ سب آپ کی تربیت کا نتیجہ ہے ورنہ اس عمر کے لڑکوں میں اتنا احساس ذمہ داری اور سوجھ بوجھ نہیں ہوتی۔" منصور علی نے اپنے بڑے بھائی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اپنے چچا پر گیا ہے اس میں تمہاری عادات ہیں۔" مسعود علی نے ان کی تعریفی کلمات کو اپنے طریقے سے لوٹایا۔

منصور علی نے ان کی بات پر خوش دلی سے ایک قہقہہ لگایا۔

"یعنی آپ سارا کریڈٹ مجھے دے رہے ہیں۔"

"بھئی وہ متاثر ہی تم سے ہے۔ تو میں کیا کروں ہر بات میں وہ تمہاری نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے منصور چچا یہ کام اس طرح کرتے ہیں، اس لیے میں بھی اسی طرح کروں گا۔" منصور چچا اس کام کو پسند نہیں کریں گے اس لیے اسے رہنے دیں۔ بلکہ کئی بار تو وہ مجھ سے کہتا ہے "بابا پلیز" آپ بھی منصور چچا سے کچھ سیکھنے کی کوشش کریں وہ آپ سے عمر میں اتنے چھوٹے ہیں مگر دیکھیں بزنس کو کتنی مہارت سے ہینڈل کر رہے ہیں۔"

منصور علی نے ان کے کلمات پر ایک اور قہقہہ لگایا۔

"تو آپ کیا کہتے ہیں اس سے؟" منصور علی نے کچھ محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"بھئی مجھے کیا کہنا ہے میں تو یہی کہتا ہوں کہ تم تعریف نہیں کرو گے منصور چچا کی تو اور کون کرے گا تمہارا تو دہرا رشتہ ہے اس سے۔ بھتیجے بھی ہو اور داماد بھی۔ جب کہ باپ کے ساتھ تو صرف ایک ہی رشتہ ہے۔" مسعود علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"برجستگی میں آپ کا کوئی جواب نہیں بھائی جان۔ وہ بیچارہ ابھی شرمندہ ہو جاتا ہوگا آپ کی اس بات پر۔" منصور علی نے خوشگوار انداز میں کہا۔

"ارے نہیں..... ایسا کہاں ہوتا ہے۔ وہ تو بڑے فخریہ انداز میں کہتا ہے۔ **Yes, I'm proud to be his son in law** (ہاں مجھے ان کا داماد ہونے پر فخر ہے) اور تم کہتے ہو وہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو جاتا ہوگا۔" مسعود علی نے خوشدلی سے کہا۔

"مجھے یہ بتائیں کہ آپ کا گھر مکمل ہونے میں اور کتنا وقت لگے گا؟" منصور علی نے یک دم کچھ سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو کچھ ماہ ہیں اینکسی مکمل نہیں ہوئی اور بھی چھوٹا موٹا خاصا کام ہے کیوں تمہیں اچانک گھر کا خیال کیسے آ گیا؟"

"مجھے تو ہمیشہ آپ کے گھر کا خیال رہتا ہے گھر مکمل ہوگا، آپ وہاں شفٹ ہوں گے تب ہی تو میں امبر کی رخصتی کر سکوں گا میں اور منیزہ کم از کم ایک ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں پھر انشاءاللہ دو سال کے بعد صبغہ کی رخصتی بھی کر دیں گے۔" منصور علی نے انہیں اپنے پلان سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم سے زیادہ تو مجھے اور شبانہ کو جلدی ہے بہو گھر لانے کی ہم تو چاہتے تھے، اسے رخصت کر کے اسی گھر میں لے آئیں مگر تمہاری خواہش تھی کہ ہم اپنا گھر بنانے کے بعد وہاں شفٹ ہو۔ اور پھر امبر کی رخصتی ہو۔" مسعود علی بھی سنجیدہ ہو گئے۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں، امبر سے مجھے کتنی محبت ہے وہ اتنی سہولتوں میں رہی ہے کہ آپ کا یہ گھر اسے بہت چھوٹا لگتا ہے۔" منصور علی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا" حالانکہ اس نے تو مجھ سے ایسی کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔ مگر پھر بھی میں چاہتا تھا کہ آپ لوگ نئے گھر میں شفٹ ہو جائیں وہ ہے بھی بڑا، اور کچھ ہمارے گھر کے پاس بھی ہے امبر آسانی سے ہماری طرف آتی جاتی رہے گی۔

"یہی سوچ کر تو میں نے اور شبانہ نے بھی تمہارے کہنے پر فوراً اپنے نئے گھر کی تعمیر شروع کروا دی حالانکہ بچے تو کہہ رہے تھے کہ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے مگر مجھے اور شبانہ کو اندازہ تھا کہ تم نے امبر اور صبغہ کو کتنی آسائشوں میں پالا ہے۔ انہیں واقعی ہمارا گھر چھوٹا لگتا۔ بس اب چند ماہ ہی رہ گئے ہیں، اس کے بعد ہم لوگ رخصتی کروا لیں گے۔ تم لوگ تیاری کرتے رہو۔"

"ہماری تیاری تو پہلے ہی مکمل ہو چکی ہے نہ صرف امبر کی بلکہ صبغہ کی بھی۔ آپ تو منیزہ کو جانتے ہیں۔ وہ تو پتا نہیں کب سے ان دونوں کے لیے سامان اکٹھا کرنے میں مصروف رہی ہے دوبئی سے واپس آتے ہوئے ہم جو سامان لائے ہیں، ان میں

آدھے سے زیادہ وہی کراکری اور ڈیکوریشن پیسز ہیں جو وہ امبر کے لیے خریدتی رہی ہے۔ ہم لوگ تو بالکل تیار بیٹھے ہیں۔" منصور نے لاپروائی سے کہا۔

☆☆☆

وہ کالج کے گراؤنڈ میں اپنی کچھ فرینڈز کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ماریہ اپنی حال میں ہی ہونے والی منگنی کی تصویریں لائی تھی اور وہ چاروں بڑی دلچسپی سے تصویریں دیکھتے ہوئے ان پر تبصرے کرنے میں مصروف تھیں۔ چونکہ وہ خود بھی منگنی کی اس تقریب میں شرکت کر چکی تھی اس لیے ہر تصویر پر زیادہ ہی غور کیا جا رہا تھا ایک دوسرے کی تصویروں کا مذاق بھی اڑایا جا رہا تھا۔

"یہ بات تو کسی شبہے کے بغیر کہی جا سکتی ہے کہ سب سے اچھی تصویریں امبر کی آئی ہیں۔" سمیعہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا البم بند کرتے ہوئے کہا امبر نے اس کے تبصرے کے جواب میں ہاتھ میں پکڑی پیپسی کا ایک گھونٹ لیا ایسی تعریفیں اور تبصرے اس کے لیے نئے نہیں تھے، وہ بچپن سے اس طرح کی باتیں سنتی آئی تھی۔

"اور سب سے بری تصویریں یقیناً میری آئی ہیں۔" نمرہ نے بہت افسردگی کے عالم میں اپنی ایک تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا "آخر فوٹو گرافر مجھے ہمیشہ اتنے برے طریقے سے ہی کیوں Capture کرتا ہے۔" اس کے شکوے شروع ہو گئے تھے۔

"دکھاؤ، ایسی کون سی بری تصویر آ گئی ہے جو تم سے برداشت نہیں ہو رہی۔" امبر نے ہاتھ بڑھا کر اس سے البم لے لیا۔ "ٹھیک تو ہے، اب ایسی بری بھی نہیں۔ بس تمہاری آنکھیں چار نظر آ رہی ہیں۔" امبر نے بڑی سنجیدگی سے اسے دلاسا دیا۔

"حالانکہ تین آنی چاہئیں۔" ماریہ نے بھی اسی سنجیدگی کے ساتھ اضافہ کیا۔

"اور تمہارے منگیتر کی یقیناً ڈھائی آنی چاہئیں۔ بلکہ ڈیڑھ۔" نمرہ اس کے تبصرے پر بری طرح مشتعل ہو گئی۔

"بھئی، کامران کی بات کیوں کرتی ہو، تم میری بات کرو۔" ماریہ نے ہنس کر اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"میرے تو یہی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے فوٹو گرافر نے میرے کپڑوں کے کیمل کلر کو گولڈن کیسے کر دیا۔ حد ہوتی ہے ہر بات کی۔" سونیا اپنی تصویر لے بیٹھی تھی۔

"تم فوٹو گرافر بدل لو ماریہ! تمہاری برتھ ڈے پر بھی اسی شخص نے تصویروں کا بیڑا غرق کیا تھا اب پھر اس نے وہی گل کھلائے ہیں۔"

"آخر امبر کی یا میری تصویریں کیوں خراب نہیں ہوتیں صرف تم لوگوں ہی کی کیوں خراب آئی ہیں۔" ماریہ نے فوٹو گرافر کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا صاف مطلب تو یہی ہے کہ فوٹو گرافر میں کوئی خرابی نہیں ہے یہ صرف تم....." سمیعہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"محترمہ آپ تو تھیں "چیف گیسٹ" آپ سے ان کو لینی تھی پے منٹ، آپ کی تصویریں خراب کر کے اس نے خواہ مخواہ کی مصیبت مول لینی تھی اور امبر بی بی کی آج تک کبھی تصویر خراب نہیں آئی مگر اس کو ہم پر توجہ دینی چاہیے تھی مہمانوں پر۔" سمیعہ نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں اگلی بار آذر سے کہوں گی وہ کسی اور فوٹو گرافر کا بندوبست کر دے اور اس سے یہ بھی کہوں گی کہ میری تصویریں اچھی آئیں یا نہ آئیں، میری فرینڈز کی تصویریں ضرور اچھی آنی چاہئیں۔ بس اب ناراضگی ختم۔" ماریہ نے چپس کا ایک نیا پیکٹ کھولتے ہوئے کہا۔

"مووی کب ملے گی۔" سمیعہ کو اچانک یاد آیا۔

"پتا نہیں۔ آذر کو میں نے کہا تو تھا کہ پتا کرے شاید اگلے ہفتے۔" ماریہ نے بتایا۔

"اس کی کچھ ایکسٹرا کاپیز لینی تھیں۔ ایک تو مجھے چاہیے۔" نمرہ نے کہا۔

"ہاں، میں نے آذر سے کہا تھا کہ وہ دس بارہ کاپیز بنوا لے۔ تمہیں دے دوں گی ایک۔" ماریہ نے کہا۔

"تمہیں بھی چاہیے امبر؟" ماریہ نے امبر سے پوچھا۔

"نہیں، میں کیا کروں گی...... تمہاری شادی کی ہوتیں تو پھر بھی اور بات تھی رہنے دو" امبر نے پیپسی کا سپ لیتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"تمہیں پتا ہے امبر! تمہارے لیے کتنے پرپوزل آئے ہیں میری ماما کے پاس؟" ماریہ نے اچانک شرارتی انداز میں کہا۔

"کچھ تو میرے سسرال کی طرف سے آئے ہیں۔ تمہیں فنکشن میں دیکھا۔ پھر یہ تصویریں گئیں ان کی طرف، تو ہر کوئی تمہارے بارے میں ہی پوچھتا رہا۔" امبر مسکراتے ہوئے پیپسی پیتی رہی۔

"میری ماما تو یہ کہہ کر تھک گئیں کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔ سب کا خیال تھا شاید ایسے ہی کہہ رہی ہیں۔ کامران کے ایک دوست کے گھر والوں کا تو یہ بھی اصرار تھا کہ کوئی بات نہیں آپ پھر بھی اس کے گھر والوں سے ملوا دیں۔ میری ماما نے تو تنگ آ کر کہہ دیا کہ اگر اس کا نکاح نہ ہوا ہوتا تو وہ کسی دوسرے کو اس کے گھر بھیجنے کے بجائے خود آذر کے ساتھ اس کی شادی نہ کر دیتیں۔"

امبر نے اس کے گھٹنے پر مکا مارا "تم بہت بدتمیز ہو ماریہ۔"

"یہ میں نے نہیں کہا، ماما نے کہا تھا۔" ماریہ نے اپنا گھٹنا سہلاتے ہوئے کہا۔

"علیحہ واقعی بڑا کی بندہ ہے۔" سمیعہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "اگر میں لڑکا ہوتا تو میں بھی تم سے ہی شادی کرتی چاہے مجھے اس کے لیے آگ کے دریا سے ہی کیوں نہ گزرنا پڑتا۔"

سمیعہ نے دعویٰ کرتے ہوئے کہا۔ "بڑی متاثر کن گفتگو ہو رہی ہے مگر سمیعہ! آپ تو گرمیوں میں ایئر کنڈیشنڈ کمرے سے باہر آنے پر تیار نہیں ہوتیں، یہ آگ کا دریا کیسے پار کریں گی۔"

امبر نے اس کا مذاق اڑاتے ہوتے کہا۔

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے میرا مسئلہ ہے...... جب میں نے کہا کہ میں تمہارے لیے آگ کا دریا بھی پار کر لیتی تو میں کر لیتی، فضول میں شک کر رہی ہو۔"

سمیعہ نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

"نہیں خیر فضول میں تو تمہارے ارادوں پر شک نہیں کر رہی ہے، تم ہر ایک سے یہی کہتی ہو۔ اس دن تم ثوبیہ سے بھی یہی کہہ رہی تھیں۔" ماریہ نے ان کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" سمیعہ نے کچھ انجان بنتے ہوئے کہا۔

"یہی کہ تم اگر لڑکا ہوتیں تو اس سے شادی کرتیں، چاہے تمہیں آگ کا دریا کیوں نہ پار کرنا پڑتا۔" ماریہ نے اسے یاد دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"وہ تو میں مذاق کر رہی تھی۔" سمیعہ نے کچھ مدافعانہ انداز میں جواب دیا۔

"اس کا کیا ثبوت ہے کہ اب بھی آپ مذاق نہیں کر رہیں؟" ماریہ نے دو بدو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تم خود موازنہ کر لو دونوں کا، کیا امبر کے مقابلے میں کسی اور سے شادی یا محبت کا سوچا جا سکتا ہے؟" سمیعہ نے اپنے پوائنٹ کو بڑے منطقی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔ امبر کے مقابلے میں تو کسی دوسرے سے محبت یا شادی کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔" ماریہ نے اس بار جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"تو پھر سمجھ لو کہ میں امبر کے علاوہ ہر ایک سے جھوٹ بولتی ہوں۔" سمیعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے حیرت صرف اس بات پر ہوتی ہے کہ آخر تم کو ہر خوبصورت لڑکی دیکھ کر خواہش کیوں پیدا ہونے لگتی ہے کہ اگر تم لڑکا ہوتی تو تم اسی سے شادی کرتیں؟" نمرہ نے پہلی بار اعتراض کیا۔

"خوبصورتی میری کمزوری ہے تم جانتی ہو بلکہ میری اور امبر کی مشترکہ کمزوری ہے۔" سمیعہ نے کہا۔ "اگر ہمیں کوئی خوب صورت چیز نظر آئے گی تو ہم اس کی تعریف تو ضرور کریں گے اور شاید آؤٹ آف دا وے جا کر، اب کیا کیا جاسکتا ہے۔ کیوں امبر؟"

سمیعہ نے امبر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جو بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے ان کی گفتگو سننے کے ساتھ چپس اور بوتل پینے میں مصروف تھی۔

"بلکہ خوبصورتی میری کمزوری ہے۔۔۔۔ سب کی ہی ہوتی ہے، کبھی کوئی ایسا آدمی بھی ہوسکتا ہے جسے خوبصورتی اچھی نہ لگے۔" اس نے چپس کا خالی پیکٹ پھینکتے ہوئے کہا۔

"بہرحال تم سمیعہ کی طرح کوئی خوب صورت چیز دیکھ کر اپنے ہوش گم نہیں کرتیں۔" نمرہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"یہ تو منحصر ہے کہ خوبصورتی سامنے کس شکل میں آئی ہے۔" امبر نے اس کی بات کی تائید یا تردید کیے بغیر سمیعہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں پھر بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ تم کبھی سمیعہ جیسا رویہ رکھ سکتی ہو۔" نمرہ ابھی بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

"اب کل صبح آتے ہی اس نے کالج میں ایک لڑکی کے لمبے کھلے ہوئے بال دیکھ لیے۔ بس پھر کیا تھا اگلے دو پیریڈمس کرکے یہ زبردستی مجھے لیے اس لڑکی کے پیچھے پورے کالج کے گراؤنڈ میں پھرتی رہی۔ حتیٰ کہ اس لڑکی کو بھی اندازہ ہوگیا کہ ہم لوگ اس کا پیچھا کررہے ہیں۔ اتنی شرمندگی ہورہی تھی مجھے کہ بس۔۔۔۔ اب یہ ہمارا اسٹینڈرڈ تو نہیں ہے۔" نمرہ نے کہا۔

"یار! میں کیا کرتی اب اس لڑکی کے بال تھے ہی اتنے خوبصورت۔۔۔۔ سیاہ، لمبے، سلکی اور اتنی چمک تھی کہ بس۔ تمہیں پتا ہے لمبے سیاہ بال میری کمزوری ہیں۔"

سمیعہ نے بلا تامل اقرار کرتے ہوئے کہا۔

"ہر چیز تمہاری کمزوری بن جاتی ہے۔۔۔۔ کبھی بال تمہیں اچھے لگتے ہیں۔۔۔۔ کبھی کسی کی آنکھوں کے پیچھے پاگل ہونے لگتی ہو کبھی کسی کا رنگ تمہیں رشک میں مبتلا کردیتا ہے، کبھی کسی کا قد۔۔۔۔ تمہارا کیا بنے گا سمیعہ؟" ماریہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔۔۔۔ ایک تو یہ حسن پرست ہے، دوسرے اس نے فائن آرٹس رکھی ہوئی ہے۔ دونوں کا Combination خاصا Fatal (مہلک) ہے۔" سونیا نے سمیعہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

"آخر سب میرے ہی پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہیں، کوئی امبر سے کچھ کیوں نہیں کہتا۔" سمیعہ کو اب ان کی باتوں پر اعتراض ہوا۔

"تمہیں بتایا تو ہے۔ امبر تمہاری طرح اپنے ہوش وحواس گم نہیں کر بیٹھتی۔" نمرہ نے اسے کچھ جھڑکتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کا Aesthetic Sense (حسِ جمال) بہت خراب ہے اس لیے خوبصورتی تمہیں متاثر نہیں کرتی اور وہ لوگ بھی تمہیں برے لگتے ہیں جو خوبصورتی کو سراہتے ہیں۔" سمیعہ نے کہا۔

"جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے، خوبصورتی کو سراہنا آتا ہے ہمیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے امبر کی تعریف نہیں کررہے تھے، ہم بلکہ اکثر کرتے ہیں اور کیا تمہاری تعریف نہیں کرتے یا دوسرے لوگوں کی نہیں کرتے مگر سب کچھ حد میں رہ کر کرتے ہیں۔۔۔۔ تمہاری طرح دماغ پر سوار نہیں کرلیتے۔۔۔۔"

نمرہ نے ایک بار پھر اسے آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے کہا۔

"ہر دوسرے دن تم ہمیں کوئی نہ کوئی لڑکی دکھانے چل پڑتی ہو، کبھی تمہیں کالج کے گیٹ پر کوئی لڑکا پسند آجاتا ہے۔ آخر حد ہوتی ہے حسن پرستی کی بھی۔" ماریہ نے نمرہ کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آئندہ تم لوگوں کو کبھی کسی کو دکھانے بھی نہیں لے جاؤں گی، صرف امبر کو ہی لے جاؤں گی۔" سمیعہ

نے ان کی بات کا برامانتے ہوئے کہا۔
"یہ خاص عنایت ہوگی ہم پر بلکہ احسان ہوگا۔" ماریہ نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا وہ اس کی ناراضی سے متاثر نہیں ہوئی تھی...... کیونکہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ سمیعہ اپنے کسی وعدے اور اعلان پر عمل درآمد نہیں کر سکتی۔
"ویسے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم امبر کو بھی نہ لے جایا کرو۔" ماریہ نے کہا۔
"نہیں...... میں تو ضرور جاؤں گی، سمیعہ بالکل ٹھیک کہتی ہے تم لوگوں کا Aesthetic sense (حس جمال) واقعی خراب ہوگیا ہے مگر کم از کم میرا ابھی تک بگڑا نہیں ہے۔" امبر نے فوراً ماریہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
طلحہ کو بڑا مسئلہ ہو جائے گا تمہاری اس حسن پرستی سے بے چارہ! تم تو اس کے سامنے دوسرے مردوں کی تعریفیں کر کر کے اسے مار دوگی۔" ماریہ نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔
"نہیں۔ طلحہ کو کوئی پرابلم نہیں ہے وہ تو خود بھی تعریف کرتا ہے ہر خوبصورت لڑکی کی۔" امبر نے بڑی لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
"اور تم برداشت کر لیتی ہو؟" سمیعہ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
"برداشت کرنے والی کیا بات ہے اس میں...... خوب صورت اور اچھی چیز ہر ایک کو اٹریکٹ کرتی ہے...... اور اسے سراہنے میں کیا حرج ہے اس میں برا ماننے یا برداشت نہ کرنے والی کیا بات ہے۔" امبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"جب تمہاری شادی ہو جائے گی اور تب وہ دوسری عورتوں کی تعریف کیا کرے گا...... پھر میں تم سے پوچھوں گی کہ اس میں برا ماننے والی کوئی بات ہے یا نہیں۔" نمرہ نے گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔
"مجھے تب بھی ایسی باتوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا، میں بڑی خوش دلی سے یہ سب قبول کر لوں گی۔" امبر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
"ایسا کبھی نہیں ہوگا، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔" ماریہ نے اپنا سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔
"کیوں ممکن نہیں ہے، میں بہت میچور سوچ کی مالک ہوں۔" امبر نے ماریہ کی بات کے جواب میں کہا۔
"بات میچورٹی کی نہیں ہے بات فیلنگز کی ہے، ہم لڑکیاں کبھی اتنی لبرل اور براڈ مائنڈڈ نہیں ہو سکتیں کہ اپنے شوہر کے منہ سے دوسری لڑکیوں کی تعریفیں سنیں اور بڑی خوشدلی کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے ان کی تائید کریں ایسا تو مغرب کی عورت بھی نہیں کرتی ہم تو پھر مشرق سے تعلق رکھتی ہیں۔"
نمرہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ امبر سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔
"تم لبرل ہو یا نہیں...... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی مگر میں لبرل ہوں۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میرا شوہر سڑک پر سامنے گزرنے والی کسی عورت کی تعریف میرے سامنے کر رہا ہے، نہ ہی مجھے کسی ہتک کا احساس ہوتا ہے نہ ہی کوئی خوف محسوس ہوتا ہے۔" امبر نے ایک بار پھر پہلے کی طرح کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
"تم کس خوف کی بات کر رہی ہو؟" نمرہ نے سر اٹھا کر اس سے پوچھا......
"لڑکیوں کو اپنے شوہروں یا منگیتروں کے منہ سے کسی دوسری خوبصورت لڑکی کی تعریف اس لیے بری لگتی ہے کیونکہ انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں ان کا شوہر اس دوسری لڑکی کی محبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔" امبر نے کسی لگی لپٹی کے بغیر کہا۔
"اوہ کم آن...... تم کس طرح کی لوجک پیش کر رہی ہو، ایسا نہیں ہوتا۔" ماریہ نے کچھ برہمی کے ساتھ اپنا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ نمرہ اور سمیعہ کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ امبر کی بات سے متفق نہیں تھیں۔
"تم اس سے اتفاق کرو یا نہ کرو مگر بہرحال سچ یہی ہے...... اگر ہم میں یہ خوف نہ ہو تو ہمیں کسی دوسرے کی تعریف کبھی بری نہیں لگے...... یہ شاید ہمارے اندر کی Insecurity (عدم تحفظ) اور Inferiority Complex (احساس کمتری) ہوتا ہے جو ہماری ساری اعلیٰ ظرفی ختم کر دیتا ہے...... ہم یہ تسلیم کرنے پر تیار ہی نہیں ہوتے کہ کوئی دوسرا واقعی کسی ایسی خوبی یا

خصوصیت کا حامل ہو سکتا ہے جو تعریف کے قابل ہو۔" امبر نے اس بار پہلے سے زیادہ سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"ہر غیر فطری ری ایکشن کے پیچھے کوئی نہ کوئی خوف یا کمپلیکس ہوتا ہے۔"

"مگر سوال یہ ہے کہ آپ فطری اور غیر فطری ری ایکشن کا فیصلہ کیسے کریں گے...... یہ کون طے کرے گا کہ کسی دوسری عورت کی تعریف پر بیوی کا ردِ عمل فطری ہے یا غیر فطری ہے...... اب تم کو یہ غیر فطری لگ رہا ہے جبکہ مجھے فطری لگ رہا ہے کیونکہ بات Possesion کی ہے، کسی حد تک Loyalty (وفاداری) کی بھی۔" ماریہ کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"اب کسی دوسری عورت یا مرد کی تعریف کر دینے سے ایک پارٹنر کی دوسری کے ساتھ Loyalty (وفاداری) پر سوال نہیں اٹھنا چاہیے۔ ورنہ پھر تو کسی دوسری عورت یا مرد کو دیکھنے پر بھی سوالیہ نشان لگ جائے گا۔" امبر نے ماریہ سے کہا۔

"سوالیہ نشان لگ جائے گا سے تمہارا کیا مطلب ہے سوالیہ نشان لگ چکا ہے...... ہم میں سے کتنے مرد اور عورتیں یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کا لائف پارٹنر کسی دوسری عورت یا مرد کو دیکھتا رہے اور وہ بھی ستائشی نظروں سے۔" نمرہ نے امبر کی بات کے جواب میں کہا۔

"اپنا اپنا پوائنٹ آف ویو ہے، میں نے تمہیں بتایا نا کہ اگر کوئی خوف نہ ہو تو بندے کو یہ باتیں پریشان نہیں کرتیں کہ شوہر کسی عورت کو دیکھ رہا ہے یا کسی کی تعریف کر رہا ہے۔"

امبر نے ایک بار پھر کندھے اچکاتے ہوئے کہا وہ اپنی بوتل ختم کر چکی تھی۔

"مجھے طلحہ اور خود پر اعتماد ہے...... میں جانتی ہوں طلحہ کسی دوسری عورت کی محبت میں گرفتار نہیں ہو سکتا اس لیے مجھے کوئی تعریف پریشان نہیں کرتی۔" اس کے تبصرے پر وہ چاروں کچھ جھنجلا سی گئیں۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ہمیں اپنے منگیتر وغیرہ پر اعتماد نہیں ہے اور ہم خوف کا شکار ہیں، اس لیے ہمیں دوسری لڑکیوں کی تعریف بری لگتی ہے؟" ماریہ نے کچھ چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں نے تم لوگوں کا نام نہیں لیا...... میں ایک جنرل سی بات کر رہی ہوں۔" امبر نے بات کو قدرے گول کرتے ہوئے کہا۔ اسے اچانک احساس ہوا تھا کہ وہ چاروں اس کے تبصرے سے کچھ ہرٹ ہوئی تھیں۔

"ہم بھی کسی خوف کا شکار نہیں ہیں مگر اس کے باوجود اگر کامران کسی دوسری عورت کی تعریف کرے گا تو مجھے برا لگے گا اور مجھے اپنا یہ ری ایکشن قطعاً غیر فطری محسوس نہیں ہو گا، انسان کسی حد تک ہی لبرل ہو سکتا ہے ہر چیز کے بارے میں نہیں۔" ماریہ نے قدرے تلخی سے کہا۔

"سوری...... مجھے لگتا ہے تمہیں میری بات بری لگی۔"

"بری لگنے والی بات تھی اس لیے بری لگی...... تمہیں پہلے ہی اس کا اندازہ ہونا چاہیے تھا۔" ماریہ نے اپنی البم اپنے بیگ میں ڈالتے ہوئے کچھ سرد مہری سے کہا۔

"اور تمہارے لبرل ازم کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ تو میں تم سے تمہاری شادی کے چند سال بعد ہی پوچھوں گی کہ طلحہ کی تعریف اب تمہیں کس حد تک اچھی لگتی ہے...... اور یہ بھی تمہیں بتا دوں کہ طلحہ صاحب کو بھی تمہارے منہ سے کسی مرد کی تعریف اچھی نہیں لگے گی...... چاہے اسے تم پر بہت اعتماد ہی کیوں نہ ہو۔" ماریہ نے کہا۔

"اچھے بھلے بیٹھے دونوں باتیں کر رہے تھے...... بس تم لوگوں نے ہمیشہ کی طرح بکواس شروع کر دی...... آخر یہ بحث کا سلسلہ ختم کیوں نہیں کر دیتے تم لوگ۔ سائیکالوجی کی ہر تھیوری کو یہیں پر ڈسکس کرنا ہوتا ہے تمہیں۔" سونیا نے یک دم اپنی خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

"بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں پر ختم ہو رہی ہے...... امبر اور ماریہ کو تو پتا نہیں بحث کرنے میں کیا مزا آتا ہے دیکھو ہم منگنی کی تصویریں دیکھ رہے تھے اور بحث دیکھو ہم کس پر کر رہے ہیں۔" نمرہ نے بھی دونوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میں نے کب بات شروع کی تھی؟" امبر نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

"ویسے بحث کرنے میں اتنی برائی نہیں ہے جتنی تم لوگوں کو نظر آ رہی ہے...... مزہ آ رہا تھا ہم دونوں کو اس موضوع پر بات کرتے ہوئے، تم لوگوں نے خواہ مخواہ روک دیا۔" امبر نے کچھ شرارتی انداز میں کہا ماریہ بھی اس کی بات پر مسکرانے لگی۔

"مجھے پتا ہے جتنا مزہ آ رہا تھا تم لوگوں کو اس گفتگو میں، ابھی اس نے اٹھ کر یہاں سے چلے جانا تھا...... سامان تو وہ سمیٹ ہی رہی تھی۔" سمیعہ نے ماریہ کے امبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل جھوٹ...... میں تو یہاں سے بالکل نہیں جا رہی تھی...... آخر میں کیوں جاتی پہلے کبھی میں کوئی بحث اس طرح چھوڑ کر گئی ہوں۔" ماریہ نے فوراً سمیعہ کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نہیں جاتیں تو امبر چلی جاتی، ہمیشہ ایسا ہی تو ہوتا ہے۔" نمرہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"جھوٹ کی کوئی حد ہوتی ہے...... آخر میں کتنی بار اس طرح بحث کو ادھورا چھوڑ کر گئی ہوں، ایک بار بھی نہیں۔" امبر نے سمیعہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اب ہم تم لوگوں کو مثالیں دے کر شرمندہ نہیں کریں گے اور نہ ہی مزید وقت ضائع کریں گے۔ ماریہ! تم یہ بتاؤ کہ لنچ کے لیے کب لے کر جا رہی ہو ہمیں؟" سونیا نے ایک بار پھر موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی چلو۔" ماریہ نے فوراً آفر کی۔

"نہیں ابھی تو نہیں...... کل چلتے ہیں دو دن سے میں پہلے ہی بنک کر رہی ہوں، آج بھی ایسا کرنا نہیں چاہتی...... بہت سا کام اکٹھا ہو جائے گا۔" سمیعہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"زیادہ پڑھاکو بننے کی ضرورت نہیں ہے کوئین بی! آرام سے ساتھ چلو ورنہ یہیں چھوڑ جائیں گے تمہیں، پھر تم اپنی کلاسز لیتی رہنا اور ہم آرام سے پی سی میں لنچ کریں گے۔" ماریہ نے اسے دھمکاتے ہوئے کہا۔

"بہت فضول ہو تم۔" سمیعہ نے اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے کہا۔ واضح طور پر اس نے ہتھیار پھینک دیے تھے۔

"مگر ابھی تو دس گیارہ بج رہے ہیں...... نکلیں گے کیسے؟" نمرہ نے کہا۔

"یہ تم لوگوں کا پرابلم نہیں ہے میرا پرابلم ہے، تم لوگ بس اب اٹھ جاؤ اگر واقعی لنچ کرنا چاہتے ہو تو۔" ماریہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"کالج کا گیٹ پھلانگ کر جائیں گے؟" امبر نے شرارتی انداز میں کہا۔

"نہیں۔ ہم دیوار پھلانگ کر جائیں گے۔" ماریہ نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

☆☆☆

"منیزہ کہاں ہے؟" منصور علی شام چھ بجے کے قریب گھر آتے تھے۔ صبغہ اس وقت باہر لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ گاڑی سے اترتے ہی سیدھے اس کی طرف گئے۔

"ممی تو گھر پر نہیں ہیں۔" صبغہ نے کہا۔

"کہاں گئی ہے وہ؟" منصور علی نے ایک کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ امبر کے ساتھ کہیں گئی ہیں۔" صبغہ نے کہا۔

"بھئی، یہی تو پوچھ رہا ہوں، وہ کہاں گئی ہے؟" منصور علی نے کہا۔

"شاید ڈینٹسٹ کے پاس۔" صبغہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"شاید سے کیا مراد ہے، جانے سے پہلے بتایا نہیں؟" منصور علی نے کہا۔

"نہیں میں نے پوچھا نہیں، وہ دونوں آپس میں بات کر رہی تھیں۔ امبر کے دانت میں درد تھا مجھے لگتا ہے وہ ڈینٹسٹ کے پاس ہی گئی ہوں گی۔" صبغہ نے ایک بار پھر اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

"کتنے بجے گئی تھیں وہ دونوں؟" منصور علی نے اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ڈھائی تین بجے، مجھے صحیح وقت کا پتا نہیں ہے آپ کے لیے چائے بناؤں۔'' صبغہ کو اچانک خیال آیا۔

''نہیں، میں بس ایک فنکشن پر جا رہا ہوں...... امبر کو زیادہ تکلیف تھی؟'' منصور علی نے کہا ان کے چہرے پر اب بھی تشویش تھی۔

''ہاں کچھ زیادہ ہی درد تھا۔ کالج سے گھر آ کر اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اس لیے تو ممی اسے فوراً لے گئیں۔''

''مجھے فون کر دیتی منیزہ۔ میں خود اسے لے جاتا۔'' منصور علی بڑبڑائے۔ صبغہ امبر کے لیے ان کی محبت سے اچھی طرح واقف تھی۔

''میرا خیال ہے مجھے بھی ڈینٹسٹ کے پاس جانا چاہیے۔'' منصور علی نے یک دم اٹھتے ہوئے کہا۔

''مگر پاپا! اب تو کافی وقت گزر چکا ہے، وہ دونوں وہاں سے نکل گئی ہوں گی۔'' صبغہ نے کہا۔

منصور علی نے ایک لمحہ کے لیے گھڑی پر نظر دوڑائی اور پھر صبغہ سے کہا۔ ''منیزہ کا موبائل اس کے پاس ہے؟''

''نہیں موبائل تو ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ تو بیڈ روم میں ہی پڑا ہے...... ڈینٹسٹ کو رنگ کر کے ان کے بارے میں پوچھ لیں۔'' صبغہ نے انہیں مشورہ دیا۔

''ہاں بہتر یہی ہے کہ میں ڈینٹسٹ کو رنگ کر لوں، روشان کہاں ہے......؟'' منصور علی نے اندر جانے کے لیے ایک قدم بڑھایا اور پھر رک گئے۔

''وہ ٹیوٹر سے پڑھ رہا ہے۔'' منصور علی اس کی بات پر سر ہلاتے چلے گئے۔ صبغہ جانتی تھی کہ اب وہ اپنی ہر مصروفیت تب تک بھول جائیں گے جب تک انہیں امبر کی خیریت کے بارے میں پتا نہیں چل جاتا۔

امبر کے ساتھ ان کا یہ خاص لگاؤ کسی کے لیے بھی حیرانی کا باعث نہیں تھا۔ سب لوگ اب اس کے عادی ہو چکے تھے...... صبغہ بھی۔

☆☆☆

''ہیلو آنٹی! میں امبر ہوں۔'' شبانہ نے فون کا ریسیور اٹھاتے ہی دوسری طرف سے امبر کی آواز سنی۔

''طلحہ کہاں ہے۔ میری اس سے بات کروا دیں۔'' کسی دعا سلام کے بغیر اس نے کہا۔

''طلحہ تو گھر پر نہیں ہے۔'' شبانہ نے اسے بتایا۔

''مگر اس وقت تو وہ گھر پر ہی ہوتا ہے۔'' امبر نے قدرے حیرت سے کہا۔

''ہاں، عام طور پر تو اس وقت گھر پر ہی ہوتا ہے مگر آج ابھی تک نہیں آیا۔'' شبانہ نے سامنے وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''آپ کو اندازہ ہے، وہ اس وقت کہاں ہوگا؟'' امبر نے پوچھا۔

''فیکٹری میں ہی ہوگا۔ اور کہاں ہو سکتا ہے۔'' شبانہ نے لاپروائی سے کہا۔

''نہیں فیکٹری میں نہیں ہے۔ میں نے وہاں فون کیا تھا، وہاں سے وہ نکل چکا ہے۔'' امبر نے انہیں اطلاع دی۔

''ہو سکتا ہے ابھی رستے میں ہی ہو تم موبائل پر کال کرو۔'' شبانہ نے اسے مشورہ دیا۔

''میں نے موبائل پر رنگ کیا تھا مگر اس کا موبائل آف ہے، اسی لیے تو مجھے یہاں اور فیکٹری فون کرنا پڑا۔'' امبر کے لہجے میں اب کچھ بے چینی تھی۔

''اچھا، پتا نہیں موبائل کیوں آف کر دیا اس نے، تمہیں کوئی ضروری کام ہے؟'' شبانہ نے بات کرتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی! اس نے میرے ساتھ ڈنر کا پروگرام بنایا تھا۔ اب میں ایک گھنٹے سے اس کے انتظار میں بیٹھی ہوں اور اس کا کہیں اتا پتا نہیں ہے۔'' امبر کے لہجے میں ناراضی تھی۔

''تمہارے ساتھ اگر اس نے ڈنر کا پروگرام بنایا ہے تو پھر تو یقیناً تمہاری طرف ہی گیا ہوگا۔'' شبانہ نے کہا۔

"آنی ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا ہے اسے فیکٹری سے نکلے، ابھی تک وہ یہاں نہیں پہنچا۔ اگر میرے گھر آرہا ہوتا تو اب تک پہنچ گیا ہوتا۔" امبر نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔

"ہو سکتا ہے، کسی ضروری کام میں پھنس گیا ہو؟" شبانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ضروری کام میں پھنس گیا تھا، تب بھی اسے مجھے فون پر انفارم تو کرنا چاہیے تھا، میں احمقوں کی طرح اس کا انتظار کر رہی ہوں۔"

اس کے لہجے کی ترشی نے شبانہ کے ماتھے کو شکن آلود کر دیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ کچھ نہیں بول سکیں۔

"اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ سوائے اس کے کہ جیسے ہی وہ آتا ہے میں اسے تمہاری طرف بھجواتی ہوں۔" انہوں نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اب اگر وہ آئے تو اسے میری طرف بھجوانے کی ضرورت نہیں ہے آپ بس اسے بتا دیں کہ دو گھنٹے کے اس طرح کے بے مقصد انتظار کے بعد میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ غیر ذمہ داری کی حد ہوتی ہے۔" امبر واقعی ناراض تھی۔

اس سے پہلے کہ شبانہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہتیں انہیں باہر طلحہ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

"لو طلحہ آ گیا ہے، تم خود ہی اس سے بات کرو اور پوچھ لو کہ ابھی تک وہ تمہاری طرف کیوں نہیں آیا۔" شبانہ نے امبر کو اطلاع دی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ اس سے بات کروا دیں۔" امبر نے اسی ناراضی کے ساتھ کہا۔

شبانہ نے ریسیور ایک طرف رکھ دیا اور ملازم کو طلحہ کو بلانے کے لیے کہا۔

"اس سے کہو امبر کا فون ہے، وہ جلدی آئے۔"

شبانہ نے کہا اور دوبارہ فون اٹھانے کے بجائے لاؤنج کے ایک صوفہ پر بیٹھی اپنی نند کی طرف بڑھ گئیں جو خاموشی سے ان کی، امبر کے ساتھ ہونے والی گفتگو سن رہی تھیں۔

"امبر کا فون تھا؟" ان کی نند منورہ نے جانتے ہوئے بھی جیسے تصدیق چاہی۔

"ہاں امبر کا ہی فون تھا۔ طلحہ نے اسے ڈنر پر لے جانا تھا اور ابھی تک ان کی طرف نہیں گیا وہ اسی کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔" وہ کہتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

اسی وقت طلحہ تیز قدموں کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوا۔

"السلام علیکم۔" اس نے ماں اور پھوپھو دونوں کو سلام کیا، مگر سلام کرتے ہوئے بھی رکا نہیں سیدھا فون کی طرف گیا۔

"ہیلو......!" اس کے ہیلو کہتے ہی دوسری طرف سے امبر دھاڑی۔

"تمہیں شرم آنی چاہیے طلحہ۔"

"کیا ہوا......تم اتنے غصے میں کیوں ہو......" اس نے بڑے نارمل انداز میں پوچھا۔

"یہ تم اپنے آپ سے پوچھو کہ میں اتنے غصے میں کیوں ہوں؟" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"آئی ایم ویری سوری۔" طلحہ نے کچھ کہنا چاہا مگر امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم اپنی ایکسکیوزز اپنے پاس رکھو۔ میں اب دوبارہ کبھی تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔ یہ بات تو طے ہے۔"

"اتنا غصہ۔" طلحہ نے اسے جیسے بہلانے کی کوشش کی۔ "پہلے تم مجھے وضاحت کا موقع تو دو۔"

"مجھے تمہارے Lame Execuses (عذر لنگ) میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" امبر نے اسی طرح دوٹوک انداز میں کہا۔

"تم انتہائی جھوٹے اور غیر ذمہ دار انسان ہو دوبارہ کبھی مجھے کہیں ڈنر کے لیے چلنے کے لیے مت کہنا۔" امبر کا غصہ اس کی معذرت پر کچھ اور زیادہ ہو گیا تھا۔

"بلیوی امبر...... میرے ساتھ واقعی ایک ایمرجنسی ہو گئی تھی، اسی لیے مجھے دیر ہو گئی۔ میں بس کپڑے بدل کر پانچ منٹ

میں تمہارے یہاں پہنچتا ہوں۔" طلحہ کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

"تمہارے ساتھ ہمیشہ ایمرجنسیز ہوتی رہتی ہیں۔ یہ زندگی میں پہلی بار تو نہیں ہوا جب بھی تم نے جھوٹ بولنا ہو تم ہمیشہ کسی ایمرجنسی ہی کی بات کرتے ہو۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں امبر...... !کم از کم اس بار جھوٹ نہیں بول رہا۔" طلحہ نے جلدی سے کہا۔

"بہتر ہے تم اس بار بھی جھوٹ ہی بولو اور دوبارہ کبھی مجھے اپنی شکل بھی نہ دکھاؤ۔" امبر نے ترشی اور تلخی سے کہا۔

"امبر! میں ایکسکیوز تو کر رہا ہوں۔" طلحہ کی جان پر بن آئی۔ امبر کا غصہ خاصا مشہور تھا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں، تمہارے ایکسکیوز کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔ تم انہیں اپنے پاس رکھو۔" امبر نے غصے سے فون پٹخ دیا طلحہ نے کچھ مایوسی سے ریسیور کو دیکھا اور پھر اسے رکھ دیا۔

دور صوفہ پر بیٹھی ہوئی شبانہ اور منورہ اس کی امبر کے ساتھ ہونے والی گفتگو سنتی رہی تھیں۔ طلحہ کو اس طرح مایوسی کے عالم میں ریسیور رکھتے دیکھ کر شبانہ نے اس سے پوچھا۔

"کیا ہوا...... امبر سے جھگڑا ہو گیا ہے؟" شبانہ کے سوال پر وہ منورہ کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ جھینپے ہوئے انداز میں مسکرایا۔

"تم آخر تھے کہاں...... جب تم نے اس کو ڈنر کے لیے ساتھ لے جانے کا کہا تھا تو پھر وقت پر اس کے ہاں چلے جاتے۔" شبانہ نے اس سے کہا۔

"میں تو وقت پر ہی فیکٹری سے نکلا تھا پہلے رستے میں ایک دوست سے ملاقات ہو گئی۔ اس سے باتوں میں کچھ وقت ضائع ہوا اور جب وہاں سے آنے لگا تو ایک بزنس پارٹنر نے فون کر کے بلوا لیا۔ باہر سے کوئی پارٹی آئی تھی اور مجھے ایمرجنسی میں وہاں جانا پڑا۔ کیونکہ وہ آج کی فلائٹ سے جا رہے تھے۔ امبر سے یہ سب کہتا تو وہ زیادہ ناراض ہوتی۔ مجھے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ اتنی دیر ہو جائے گی۔ میرا اندازہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگے گا۔ اسی لیے میں نے امبر کو فون نہیں کیا۔ میٹنگ میں پتا ہی نہیں چلا۔" طلحہ نے ماں کو وضاحت دی۔

"تم کپڑے تبدیل کر کے اس کے ہاں چلے جاؤ۔ اسے بتا دینا یہ سب کچھ۔" شبانہ نے اس سے کہا۔

"ہاں، جا تو میں وہیں رہا ہو مگر وہ جس حد تک ناراض ہے مجھے تو مشکل ہی لگتا ہے آج اس کا ماننا۔" طلحہ نے لاؤنج سے نکلتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں ماں بیٹے اسے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سر پر نہیں چڑھا رہے؟"

طلحہ کے لاؤنج سے نکلتے ہی منورہ نے شبانہ سے کہا۔ وہ بہت ناگواری سے پچھلے آدھ گھنٹہ سے فون پر امبر کی شبانہ اور طلحہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو سنتی رہی تھیں۔

"ابھی تو وہ اس گھر میں آئی بھی نہیں اور تم دونوں پر اس کے رعب کا یہ عالم ہے تو یہاں آ جانے کے بعد کیا ہوگا؟" انہوں نے کچھ تمسخر آمیز انداز میں شبانہ سے کہا۔

"ہم لوگوں نے اسے کیا سر پر چڑھانا ہے۔ یہ سب تو منصور کا کمال ہے۔ اس نے اتنے لاڈ پیار میں اس کی پرورش کی ہے کہ وہ اب ہر ایک کو اپنی جاگیر سمجھنے لگی ہے۔" شبانہ نے منورہ کی بات کے جواب میں کہا۔

"منصور نے لاڈ پیار سے اس کی پرورش کی ہے تو اسے وہیں تک رہنے دو۔ تم لوگ بھی اس طرح گھٹنے ٹیکتے پھرو گے تو وہ تو یہاں آنے کے بعد بالکل ہی گھاس نہیں ڈالے گی تمہیں۔" منورہ نے جیسے شبانہ کو وارننگ دی۔

"گھاس تو خیر وہ اب بھی نہیں ڈالتی...... مگر آخر کیا کیا جائے۔" شبانہ نے کہا۔

"کیا کیا جائے؟" منورہ نے حیرت سے شبانہ کو دیکھا۔ "تم اس کی ساس ہو اور تم پوچھ رہی ہو کہ کیا کیا جائے......"

"میں اس کی ساس ضرور ہوں مگر ان معاملات میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔" شبانہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"کیوں اختیار حاصل نہیں ہے؟" منورہ نے کچھ حیرت سے کہا۔

"آپ کے بھائی نے کھلی ڈھیل دے رکھی ہے بیٹے اور بھتیجی کو...... ان کا فرمان ہے کہ میں امبر سے کسی معاملے میں کوئی اُلٹی سیدھی بات نہ کروں۔ میں اگر اس کے بارے میں کچھ کہوں بھی تو طلحہ اور مسعود دونوں کو برا لگتا ہے، دونوں ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ پھر میں آخر کیا کہہ سکتی ہوں۔" شبانہ نے جیسے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"بس مسعود کی ان ہی باتوں پر تو مجھے غصہ آتا ہے، منصور کے ساتھ بزنس کیا کر رہا ہے اس کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔ بڑے بھائیوں والا رکھ رکھاؤ اور ادب آداب تو اس نے بالکل رکھے ہی نہیں۔" منورہ نے بلند آواز میں مسعود کے لیے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

"بزنس کیا کر رہے ہیں۔ منصور کے طفیلی بن کر رہ گئے ہیں۔ منصور نے ہر چیز اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ مسعود اور بڑے بیٹوں کو تو صرف ملازم کے طور پر ہی رکھا ہے۔" شبانہ کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل رہا تھا۔

"مسعود کو منصور کے ساتھ بزنس کرنا ہی نہیں چاہیے تھا اچھا بھلا اپنا کام کر رہا تھا۔ خوامخواہ کا شوق اٹھا منصور کے ساتھ کام کرنے کا۔ چھوڑ کیوں نہیں دیتا اس کی پارٹنرشپ۔ اب شروع کرلے اپنا بزنس۔" منورہ نے فوراً کہا۔

"یہ بات آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں، کبھی ان سے کہہ کر دیکھیں۔ سو باتیں سنائیں گے آپ کو۔ ان کے دماغ پر تو منصور علی کی محبت کا بھوت سوار ہے۔ آپ سے پہلے ہزار دفعہ میں ان سے یہی سب کچھ کہہ چکی ہوں، مگر ان کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا ہے تم چاہتی ہو میں اپنے بھائی کو اکیلا چھوڑ دوں۔ اس کا سہارا نہ بنوں، احمق عورت! تم مجھے اپنے بھائی سے الگ کر دینا چاہتی ہو۔" شبانہ نے کچھ مبالغہ آمیزی کرتے ہوئے منورہ کی ہمدردیاں وصول کرنے کی کوشش کی۔

"تو اس میں حماقت والی کیا بات ہے منصور کو آخر کسی کے سہاروں کی کیا ضرورت ہے...... بیٹا ہے اس کا، ابھی چھوٹا ہے تو کیا ہوا، کل کو بڑا ہو جائے گا۔ مسعود تو خوامخواہ اس کی ہمدردی اور محبت میں مر رہا ہے۔ جب منصور کا بیٹا بڑا ہوگا تو تم دیکھ لینا، وہ طلحہ اور اسامہ دونوں کو اپنے بزنس سے اٹھا کر باہر پھینک دے گا۔" منورہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔

"آپا! میں آخر کر کیا سکتی ہوں۔ یہ سارے مسعود کے فیصلے ہیں اور آپ کو تو پتا ہے، وہ فیصلہ کرتے ہوئے کسی سے کچھ پوچھتے ہیں، نہ کسی کی سنتے ہیں۔ ان باتوں کا احساس تو انہیں خود ہونا چاہیے۔" شبانہ نے ایک بار پھر سارا الزام مسعود کے کندھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اور اب تو ویسے بھی وہ کہتے رہتے ہیں کہ منصور کے ساتھ ان کا دوہرا اور تہرا رشتہ ہے۔ اب تو انہیں اور زیادہ فکر ہوتی رہتی ہے منصور کی۔" شبانہ نے کچھ بیزار انداز میں کہا۔

"یہ دہرے اور تہرے رشتے بھی تم لوگوں نے کسی سے پوچھے بغیر جوڑ لیے تھے قریب کے لوگ تم کو نظر آئے ہی نہیں اور تم نے منہ اٹھا کر اس کی بیٹیوں سے اپنے بیٹوں کے رشتے کر لیے......" منورہ نے کچھ چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپا! یہ بھی مسعود ہی کا فیصلہ تھا۔ مجھ سے کہاں کسی نے کچھ پوچھا تھا۔ مجھے تو خود مسعود نے تب بتایا جب وہ منصور سے اس سلسلے میں بات کر چکے تھے۔" شبانہ نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا "میں نے تو بہت اعتراض کیا تھا مگر ان دنوں تو مسعود کے سر پر منصور کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا بلکہ آج تک یہی حال ہے۔"

"منصور کا نہیں اس کے پیسے کا جادو بول رہا تھا۔ مسعود کو منصور کے ساتھ بزنس کرنے کا جو خبط سوار ہو گیا تھا۔ اسی لیے تو تم دونوں کو منصور اور منیزہ کے علاوہ ان دنوں کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا۔"

منورہ کی صاف گوئی پر شبانہ کے ماتھے پر چند بل پڑ گئے۔

"آپا! ہمیں ان کے ساتھ بزنس کرنے کا شوق نہیں تھا، یہ شوق منصور کو تھا، اسی نے اصرار کیا کہ مسعود بھی اس کے ساتھ شامل ہو اور جب اس نے بہت اصرار کیا تو مسعود کو اس کی بات ماننا پڑی اور میں نے تو کسی موقع پر بھی اس چیز کو پسند نہیں کیا اپنا بزنس چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ چند پرسنٹ کے شیئرز کا پارٹنر بن جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ میں تو آج تک مسعود کو سمجھاتی آ رہی

ہوں۔" شبانہ نے ایک بار پھر جھوٹ کا سہارا لیا۔

"خیر جو بھی ہوا مگر اب ان دونوں کو ان کی حد میں رکھو...... منصور اور منیزہ نے اگر انہیں بگاڑا ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بھی انہیں آسمان پر بٹھا دو اور اپنے بیٹوں سے بھی کہا کرو کہ اتنی خوشامدیں مت کیا کریں ان کی۔ ہیروں کے پیچھے بس بچھے ہی چلے جاتے ہیں۔ کچھ تو سوچیں، شوہر ہیں وہ ان کے۔" منورہ نے بات کا موضوع پھر تبدیل کرتے ہوتے کہا۔

"کل کو دونوں یہاں آ جائیں گی تو تمہارے بیٹے تو سلام دعا سے بھی جائیں گے۔ پھر کیا کرو گی۔ سر پہ ہاتھ رکھ کر روؤ گی۔ مگر کیا فائدہ...... بہتر ہے، آج ہی ان دونوں کو ان کی اوقات میں رکھو۔" منورہ نے بڑے ہمدردانہ انداز میں شبانہ کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"اور یہ ڈنر وغیرہ کا کیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے دونوں نے۔ منع کرو تم طلحہ کو، اس طرح ساتھ لیے کیوں پھرتا ہے، ابھی وہ کون سی رخصت ہو کر یہاں آ گئی ہے؟" انہیں اب ڈنر پر اعتراض ہونے لگا۔

"آپا! دونوں نئے دور کے بچے ہیں۔ میری کہاں سنتے ہیں۔ میں طلحہ سے کہوں تو وہ برا مان جاتا ہے کہتا ہے جب منصور چچا اور منیزہ چچی کو امبر کے ساتھ جانے پر اعتراض نہیں ہے تو مجھے کیوں ہے۔ اگر وہ لڑکی کے ماں باپ ہو کر اتنے لبرل ہو سکتے ہیں تو میں لڑکے کی ماں ہو کر اتنی تنگ نظر کیوں ہوں اب آپ خود ہی بتائیں میں کیا کہوں...... آئے دن تو وہ خود بھی یہاں موجود ہوتی ہے اور نہ آئے تو مسعود خود فون کر کے بلواتے رہتے ہیں پھر میں کس کو سمجھاؤں اور کیسے۔" شبانہ نے بڑے بیزار انداز میں کہا۔

"منصور اور منیزہ نے تو انگریزوں کی طرح تربیت کی ہے اولاد کی۔ کسی قابل نہیں چھوڑا۔ اب جو لباس پہنے پھرتی ہیں اس کی بیٹیاں، خاندان میں کوئی دوسرا پہن لے تو ہنگامہ مچ جائے مگر اس کی بیٹیوں پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔" منورہ کو ایک اور موضوع مل گیا۔

"سعدیہ مجھے بتا رہی تھی کہ جب سے منصور نے اسے اپنی گاڑی لے دی ہے، وہ سارا دن اپنی دوستوں کے ساتھ غائب رہتی ہے۔ کئی بار تو محسن نے بھی اسے ہوٹلز میں دیکھا ہے۔"

"آپا! میں اس کے بارے میں کیا کہوں...... میں تو پہلے ہی آپ کو بتا رہی ہوں کہ یہ سب منیزہ اور منصور کی غلطی ہے۔ انہوں نے اولاد کی اچھی تربیت نہیں کی، اب کل کلاں کو اگر میں اسے کسی بات پر روکوں گی تو سب کہیں گے کہ میں ساس ہوں، پتا نہیں میرے دل میں کیا ہے جو میں اس پر پابندیاں لگا رہی ہوں یہ سب کچھ تو خود منیزہ اور منصور کو ہی سوچنا ہوگا۔"

انہوں نے ایک دم پھر ذمہ داری کا پلندہ ان دونوں کے کندھوں پر منتقل کیا۔

"لو...... تم خود انہیں کچھ نہیں کہہ سکتیں تو طلحہ اور اسامہ کو کہا کرو۔ وہی سمجھائیں انہیں کم از کم لباس تو ڈھنگ کا پہنیں۔ یہ جو ہر وقت جینز چڑھائے پھرتی ہے اس سے تو چھٹکارا ملے۔" منورہ نے کہا۔

"آپ کو کیا پتا، میں کئی بار طلحہ کو کہہ چکی ہوں مگر امبر اس کی کہاں سنتی ہے۔ اسے تو یہی خوف رہتا ہے کہ وہ کچھ کہے گا تو امبر ناراض ہو جائے گی اور منصور یا مسعود سے اس کی شکایت کرے گی۔"

"اتنا خوفزدہ ہے تمہارا بیٹا اس سے؟" منورہ نے کچھ طنزیہ انداز میں کہا۔

"بات خوفزدہ ہونے کی نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے، اسکی شکایت پر منصور اور مسعود فوراً اسے ہی لعن طعن کرنے بیٹھ جائیں گے۔ آپ خود سوچیں، جب باپ اور تایا کو اس کے لباس پر اعتراض نہیں ہوتا تو پھر طلحہ کا اعتراض کیا معنی رکھتا ہے۔" شبانہ نے اپنے بیٹے کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کہہ رہی ہوں میں کہ تم سب لوگوں نے مل کر اسے بہت چھوٹ دے رکھی ہے اچھے گھرانے کی لڑکیوں کے یہ طور طریقے تو نہیں ہوتے جس طرح منیزہ سارا دن بازاروں میں پھرتی رہتی ہے۔ اسی طرح اس کی بیٹیاں بھی پھرتی رہتی ہیں، نہ ان کی ماں کو گھر میں کوئی دلچسپی ہے نہ بیٹیوں کو، نوکروں کے سر پر گھر چھوڑا ہوا ہے اس عورت نے...... مجھے تو منصور کی کم عقلی پر

کرے۔'' منورہ کو اب بھائی پر بھی غصہ آ رہا تھا۔

۔۔۔ جرأت ہوتی ہے۔ مجال ہے، وہ کبھی ان کو اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس نے گھر میں اپنا کوئی رعب رکھا ہوتا تو اس کی اولاد کی

"سب کچھ منصور کی حماقت کی وجہ سے ہی ہو رہا ہے۔ اگر اس نے گھر میں اپنا کوئی رعب رکھا ہوتا تو اس کی اولاد کی تمیز تک نہیں سکھائی۔ ہیلو ہائے کے علاوہ بھی ان کی زبان

تربیت بھی ٹھیک ہوتی۔ منیزہ نے بیٹیوں کو ڈھنگ سے بات کرنے کی تمیز تک نہیں سکھائی۔ ہیلو ہائے کے علاوہ بھی ان کی زبان سے کچھ نہیں نکلا اور مجال ہے کبھی انہوں نے میرا حال چال پوچھا ہو یا میرے پاس بیٹھنے کی کوشش کی ہو۔ امبر یہاں آتی ہے تو بس آتے ہی طلحہ کے پاس چلی جاتی ہے یا پھر دونوں باہر چلے جائیں گے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ وہ میرے یا امینہ کے پاس بیٹھنے کی کوشش کرے۔ میں اور امینہ خود ہی ڈھیٹوں کی طرح اس کے پاس جا کر بیٹھتے ہیں اور اگر کبھی مسعود سے اس بات کی شکایت کرو تو ان کی زبان پر ایک ہی بات ہوتی ہے۔ امبر ابھی بچی ہے، ویسے بھی اس نے اس گھر میں ہی آنا ہے۔ سارا دن تمہارے پاس ہی رہے گی۔ میرا تو منہ بند کر دیتے ہیں وہ۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

شبانہ کو اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع مل رہا تھا۔

"مجھے تو ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ کل کو ہم تمہارے گھر آئیں گے تو اس طرح کہ بہوئیں جو تمہیں نہیں پوچھتیں وہ ہمیں کیا پوچھیں گی۔ حالانکہ بھتیجیاں ہیں میری، مگر منیزہ نے تربیت ایسی کی ہے کہ ان کے گھر جاؤ تو دو منٹ کے لیے بھی پاس نہیں بیٹھیں گی۔ ہاتھ لہراتے ہوئے آئیں اور ہاتھ لہراتے ہوئے چلی جائیں گی۔ خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی موجود تھی مگر تم نے اپنے بیٹوں کی قسمت پھوڑی بھی تو کہاں پھوڑی۔'' منورہ نے اظہار افسوس کیا۔

"بس آپا! اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔ میں نے تو پہلے بھی آپ سے کہا ہے اس سب میں میرا کوئی قصور نہیں ہے آپ کے بھائی کے ہی فیصلے ہیں یہ سب...... میرے اختیار میں ہوتا تو میں تو سعدیہ کو بیاہ کر لاتی۔''

انہوں نے جان بوجھ کر منورہ کی بیٹی کا نام لیا۔

"ارے چھوڑو سعدیہ کی کیا بات کرتی ہو۔ اس کے لیے تو بہتیرے رشتے آتے رہتے ہیں۔ میری تو بڑی خواہش تھی کہ بھائی کے ہاں اس کی شادی ہو مگر تم لوگوں نے تو......''

وہ بڑبڑا کر چپ ہو گئیں شاید پہلی بار شبانہ نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آپا! آپ ساری باتیں چھوڑیں۔ چائے پئیں اور یہ کیک لیں۔ میں نے آپ کے لیے بنوایا تھا خانساماں کے سر پر کھڑے ہو کر۔''

شبانہ نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کیک کی پلیٹ اٹھا کر ان کے سامنے کی۔

☆☆☆

"السلام علیکم آنٹی۔'' طلحہ نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی کہا۔ منیزہ، روشان اور صبغہ ٹی وی پر کوئی پروگرام دیکھنے میں مصروف تھے۔

"وعلیکم السلام!'' منیزہ نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کیسے ہیں طلحہ بھائی؟'' صبغہ نے ریموٹ سے ٹی وی کا والیم کم کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں کچھ زیادہ اچھا نہیں ہوں۔'' طلحہ نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم کہاں تھے...... امبر دو گھنٹے تمہارا انتظار کرتی رہی ہے۔'' منیزہ نے اس سے پوچھا۔

"آنٹی! بس میں ایک جگہ پھنس گیا تھا۔'' طلحہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "جیسے ہی وہاں سے فارغ ہوا ہوں سیدھا یہیں آیا ہوں...... بلکہ اڑتا ہوا یہاں آیا ہوں۔''

"مگر اب کیا فائدہ...... وہ تو ناراض ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی ہے۔'' منیزہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"آنٹی! آپ اس سے جا کر کہیں...... آپ دیکھیں، میں آ تو گیا ہوں۔'' طلحہ نے کچھ منت آمیز انداز میں کہا۔

"میرے کہنے سے کہاں آئے گی وہ......؟ تمہیں تو اندازہ ہے اس کے مزاج کا...... ابھی وہ یہیں تھی...... اپنے کمرے

میں جاتے ہوئے وہ کہہ کر گئی ہے، ہم میں سے کوئی تمہارے آنے پر اسے بلانے کے لیے اس کے کمرے میں نہ آئے۔" منیزہ نے اسے بتایا۔

"طلحہ بھائی! میں اسے بلا کر لاتی ہوں۔" صبغہ نے منیزہ کی بات ختم ہوتے ہی اٹھتے ہوئے کہا۔

طلحہ کے چہرے پر پہلی بار کچھ اطمینان نظر آیا۔ "تھینک یو صبغہ۔"

"کوئی بات نہیں۔"

صبغہ نے لاؤنج سے نکلتے ہوئے کہا وہ امبر کے مزاج کو جانتی تھی اور اسے یہ بھی علم تھا کہ اس وقت امبر کو باہر لانا جان جوکھوں کا کام تھا مگر وہ طلحہ کو اس طرح شرمندہ اور پریشان نہیں دیکھ پائی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ منیزہ امبر کو منانے کے لیے نہیں جائیں گی۔

"امبر! طلحہ بھائی آئے ہیں۔" اس نے امبر کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ جواب اپنے کپڑے تبدیل کیے ایک ٹی شرٹ اور جینز پہنے بیڈ پر بیٹھی اپنے ہاتھوں پر کیوٹکس لگانے میں مصروف تھی۔ صبغہ کے اندر داخل ہونے پر اس نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آیا ہے تو میں کیا کروں؟" وہ دوبارہ کیوٹکس لگانے میں مصروف ہوگئی۔

"اب ناراضی چھوڑ دو...... اور چلی جاؤ...... وہ کہہ رہے ہیں، کوئی ایمر جنسی تھی...... امبر! ہو جاتا ہے ایسا۔" صبغہ نے نرم آواز میں بات کرتے ہوئے امبر کے ہاتھوں سے کیوٹکس لینے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے...... خواہ مخواہ میں آگئی ہو...... میں نے کہا ہے نا کہ میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔" امبر نے درشتی سے کہا۔

"کتنی بری بات ہے امبر......! اب وہ نیچے آئے بیٹھے ہیں اور معذرت بھی کر رہے ہیں...... معاف کر دو انہیں...... اور جاؤ ان کے ساتھ۔" صبغہ نے امبر کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں آ کر بیٹھا ہے نیچے، جب میں نے فون پر اس سے کہہ دیا تھا کہ اسے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو وہ کیوں آیا ہے۔" وہ اس کے لہجے سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"امبر! اب اٹھ جاؤ...... کافی ناراضی ہوگئی...... اب بس ختم کرو یہ سب...... وہ دیر سے آئے ہیں مگر آ تو گئے ہیں۔" صبغہ نے ایک بار پھر کہا۔

"تمہیں اتنی ہمدردی کیوں ہے اس سے...... تم کیوں سفارش کر رہی ہو اس کی...... یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" امبر نے کیوٹکس کی شیشی اٹھا کر دور پھینک دی۔

"امبر! اچھا نہیں لگتا...... وہ بے چارے کیا سوچیں گے...... تم ان سے بات کر کے دیکھو...... ان سے پوچھو تو کہ ان کو کیا ایمر جنسی ہوئی تھی۔" صبغہ نے کہا۔

"میں نے تم سے کہا ہے نا کہ تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ پھر تم یہاں کیوں کھڑی ہو۔" امبر پر اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

صبغہ اگلے کئی منٹ اسے منانے کی کوشش کرتی رہی مگر کامیاب نہیں ہوئی...... مایوس ہو کر وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

طلحہ نے صبغہ کو اکیلے لاؤنج میں آتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک کھسیانی مسکراہٹ تھی۔

"وہ نہیں آ رہی، آپ خود اس سے بات کر لیں۔"

طلحہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے صوفے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "ٹھیک ہے میں خود ہی اس سے بات کرتا ہوں۔" وہ لاؤنج سے نکل گیا۔

وہ دروازے پر دستک دیتے ہوئے اندر داخل ہوا تو امبر ایک میگزین دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے صرف ایک نظر طلحہ کو دیکھا اور ایک بار پھر میگزین دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔

"آئی ایم سوری...... آئی ایم ویری سوری۔ مگر مجھے کام ہی ایسا پڑ گیا تھا کہ میں وقت پر نہیں آ سکا۔" طلحہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

امبر میگزین دیکھنے میں مصروف رہی اس کا چہرہ مکمل طور پر بے تاثر تھا۔

"اچھا مجھے یہ بتا دو کہ میں تمہیں منانے کے لیے کیا کروں...... جس سے تمہاری ناراضی ختم ہو جائے۔" طلحہ نے کہا۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میری ناراضی ختم ہو جائے گی۔" اس نے یک دم میگزین سے نظریں اٹھا کر اس سے کہا۔

"یہ میں نہیں کر سکتا۔ آخر اتنی ناراضی کی وجہ کیا ہے...... میں نے تم سے ایکسکیوز کیا ہے...... مجھے واقعی کوئی ایمرجنسی تھی۔" طلحہ نے کہا۔

"مجھے کسی ایکسکیوز میں کوئی دلچسپی نہیں ہے...... میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں کہ دو دو گھنٹے تمہارا انتظار کرتی رہوں...... اور تم جب چاہے منہ اٹھائے آ جاؤ۔" امبر نے میگزین کو ایک طرف اچھال دیا۔

"مانتا ہوں۔ میری غلطی ہے...... اور میں اسی لیے ایکسکیوز کر رہا ہوں۔" طلحہ نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے دلچسپی نہیں ہے تمہارے ایکسکیوزز میں...... میں اب تمہارے ساتھ کہیں بھی نہیں جانا چاہتی۔ تم اپنے گھر جاؤ...... اور آرام سے سو جاؤ۔" وہ اسی تلخی کے ساتھ بولی۔

"تمہارے اس طرح کے موڈ کے ساتھ میں کچھ اور کر سکتا ہوں؟...... اور تم سونے کی بات کر رہی ہو۔" طلحہ نے کچھ بے بسی کے ساتھ کہا...... امبر کو منانا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا اور یہ کام وہ پہلی بار نہیں کر رہا تھا۔

"تمہیں اگر میری اتنی پرواہ ہوتی تو تم اس طرح مجھے انتظار نہ کرواتے۔" امبر اس کے لہجے سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"میں نے جان بوجھ کر تمہیں انتظار نہیں کروایا...... بس دیر ہو گئی۔"

"تم مجھے فون کر سکتے تھے۔"

"ہاں مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے فون ضرور کر دینا چاہیے تھا مگر بس میرے ذہن سے ہی نکل گیا۔" طلحہ نے اعتراف کیا۔

"یہ اہمیت ہے میری تمہاری زندگی میں کہ تمہیں مجھے فون تک کرنا یاد نہیں رہا۔" امبر اس کی بات پر اور مشتعل ہوئی۔

"امبر...... میں......" طلحہ بری طرح گڑبڑایا۔

"میں...... میں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بس تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" وہ اس پر دھاڑی۔

"میں تم سے ایکسکیوز کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" طلحہ نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

"آئندہ...... آئندہ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی تب نا......" امبر پر اس کی معذرت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ "مجھے بہت برے لگتے ہیں وہ لوگ جو تمہاری طرح غلط کام کر کے ایکسکیوز کرتے رہتے ہیں...... جو بندہ جتنی زیادہ ایکسکیوزز کرتا ہے، وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا ہوتا ہے۔"

طلحہ اس کی بات پر چند لمحوں کے لیے کچھ بھی نہیں بول سکا، وہ واقعی ایکسکیوزز سے کبھی بھی مطمئن ہوتی تھی نہ ہی ایکسکیوزز اس کا غصہ ٹھنڈا کرتے تھے۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے۔ میں ایکسکیوز نہیں کرتا مگر وعدہ کرتا ہوں کہ دوبارہ ایسا کبھی نہیں کروں گا۔" طلحہ نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

"مجھے وہ لوگ بھی بہت برے لگتے ہیں جو ہر بات میں وعدہ کرتے رہتے ہیں، کیا صرف کوئی بات کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ اس میں وعدے کی دُم بھی لگائی جائے۔" وہ اس کی بات پر اور مشتعل ہوئی۔

"اچھا تو مجھے بتاؤ پھر آخر میں کیا کروں، تمہاری ناراضی ختم ہو جائے۔" طلحہ نے بے بسی سے کہا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا۔ تم یہاں سے چلے جاؤ...... تو میرا غصہ ختم ہو جائے گا۔" وہ اسی طرح بولی۔

"It's not fair" (یہ صحیح نہیں ہے) طلحہ نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا سرخ چہرہ اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔ "تم جانتی ہو میں تمہیں اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"تو پھر کس طرح جا سکتے ہو؟" وہ اسی طرح بولی۔

وہ چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا "ہاتھ جوڑوں تمہارے سامنے؟"

"تم پاؤں بھی پڑو گے تو بھی میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

خفت سے طلحہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر کمرے سے نکل گیا۔

"آنٹی! میں جا رہا ہوں۔" لاؤنج میں آکر اس نے منیزہ سے کہا اور پھر مزید کوئی بات کیے بغیر انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"ممی! امبر کو ساتھ چلے جانا چاہیے تھا...... اتنا تنگ تو نہیں کرنا چاہیے۔" صبغہ نے طلحہ کو جاتے دیکھ کر کہا۔

"یہ بات تو طلحہ کو سوچنی چاہیے۔ غلطی تو اسی کی ہے تمہارے سامنے امبر نے کتنا انتظار کیا ہے اس کا۔" منیزہ متاثر ہوئے بغیر بولیں۔

"پھر بھی ممی! طلحہ بھائی کتنا شرمندہ ہو رہے تھے۔ ایکسکیوز بھی کیا انہوں نے...... آپ کو امبر کو سمجھانا چاہیے تھا۔"

"میرے سمجھانے سے بھی یہی ہونا تھا جواب ہوا ہے، آخر تم بھی تو سمجھانے گئی تھیں...... کیا تمہاری بات اس نے مان لی؟" منیزہ نے کچھ ناراضی کے ساتھ صبغہ کو دیکھا۔ صبغہ ایک گہری سانس لے کر ایک بار پھر ٹی وی دیکھنے لگی۔

☆☆☆

امبر بی بی! آپ سے ایک بات کرنا ہے۔" صابرہ امبر کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی اور امبر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ جب صابرہ کچھ ہچکچاتے ہوئے اس کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں بولو، کیا بات کرنی ہے؟" امبر نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری بیٹی کی شادی ہو رہی ہے اگلے ہفتے۔" اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"اچھا......" امبر مسکرائی۔ "کہاں ہو رہی ہے؟"

"اس کے چچا کے بیٹے سے۔"

امبر اپنے بالوں میں برش کرتی رہی۔

"کیا کرتا ہے وہ؟"

"مالی ہے ایک بنگلے پر۔" صابرہ نے بتایا۔

"مجھے آپ سے ایک درخواست کرنی تھی......" اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں کہو...... کیا کہنا ہے۔" امبر نے اپنا برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"اگر آپ اپنے کچھ پرانے کپڑے اور جوتے دے دیتیں تو بڑی مہربانی ہوتی جی آپ کی۔"

"بس اتنی سی بات ہے...... آؤ۔ میں تمہیں ابھی نکال دیتی ہوں۔" وہ بڑی لاپروائی سے کہتی اسے ساتھ لے کر اپنے ڈریسنگ روم میں آ گئی اور اپنی وارڈ روب کھول کر کھڑی ہو گئی۔ ایک نظر اندر لٹکے ہوئے کپڑوں پر ڈالتے ہوئے اس نے بڑی بے نیازی کے ساتھ یکے بعد دیگرے بہت سارے سوٹ نکال کر کارپٹ پر رکھ دیے۔ پھر اسی طرح باری باری جوتوں کے کئی جوڑے بھی نکال کر رکھتی گئی۔ ڈریسنگ کے فرش پر کپڑوں اور جوتوں کا ایک انبار لگ گیا تھا۔ صابرہ کا چہرہ اس کی خوشی کو پوری طرح نمایاں کر رہا تھا۔

امبر نے کپڑوں اور جوتوں کے بعد کچھ ہینڈ بیگ بھی نکال کر باہر رکھ دیے۔

"آؤ میں تمہیں میک اپ کا کچھ سامان بھی دیتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی دوبارہ اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئی اور اپنے ڈریسنگ ٹیبل پر موجود ڈھیروں پرفیومز اور دوسرے کاسمیٹکس کے سامان سے اس نے بہت سی چیزیں نکال کر الگ کر دیں اور پھر صابرہ کو انہیں اٹھانے کے لیے کہا۔

جتنی دیر صابرہ ان چیزوں کو اٹھاتی، وہ اپنے بیڈ کے دراز میں سے کچھ روپے نکال چکی تھی۔

"یہ پانچ ہزار روپے ہیں، میری طرف سے اپنی بیٹی کو دے دینا۔" اس نے صابرہ کی طرف وہ روپے بڑھائے اور ایک بار پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بالوں میں برش کرنے لگی۔ صابرہ اگلے کئی منٹ اسے دعائیں دیتی رہی مگر امبر کا ذہن اس وقت کہیں اور تھا...... وہ اس کی دعائیں نہیں سن رہی تھی۔

☆☆☆

"تمہارے جیسا عقل سے پیدل میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" منیزہ امبر کے سر پر کھڑی اس پر چلا رہی تھیں۔

"ممی! کیوں خوامخواہ شور کر رہی ہیں؟" امبر نے بیزاری سے کہا۔

"شور نہ کروں تو اور کیا کروں، تمہارے ہاتھ میں ہو تو تم تو سارا گھر اٹھا کر باہر فٹ پاتھ پر رکھ دو۔" منیزہ اس کی بات پر کچھ اور مشتعل ہوئی۔ "جو چاہے تمہیں بے وقوف بنا سکتا ہے۔"

امبر لاپروائی سے ناشتہ کرتی رہی۔

"مجھے کوئی بے وقوف نہیں بنا سکتا...... آپ چھوٹی سی بات پر اتنا ہنگامہ کر رہی ہیں۔" اس نے انڈے کے چھلکے اتارتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"میں ہنگامہ کر رہی ہوں۔ تم نے صابرہ کو ایک نہ دو پورے پانچ ہزار اٹھا کر دے دیئے اور میں اسے چھوٹی سی بات سمجھوں...... کپڑوں اور جوتوں کی تو چلو کوئی بات نہیں مگر اتنے روپے کیوں دیئے تم نے؟"

"اس کی بیٹی کی شادی ہے ممی۔" امبر نے اسی اطمینان کے ساتھ کہا۔

"اس کی بیٹی کی شادی ہے تو پھر ہم کیا کریں...... اس فراڈ عورت نے مجھ سے پیسے لیے اور پھر تم سے بھی اسی طرح پیسے بٹورے؟"

"آپ نے اسے کتنے پیسے دیئے......؟" امبر نے اپنا ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔

"ایک ہزار روپیہ دیا۔" منیزہ نے کہا امبر بے اختیار ہنسی۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں ممی......! ایک ہزار روپیہ دے رہی ہیں پھر تو اچھا ہی ہوا میں نے اسے کچھ روپے دے دیئے۔" وہ ایک پھر انڈا چھیلنے لگی۔

"تو اور کتنے دیتی اسے...... ایک ماہ کی تنخواہ بھی ایڈوانس دی ہے اسے...... اب تمہاری طرح گھر کی چابیاں تو نہیں پکڑا سکتی میں۔" منیزہ اس کی بات پر مزید ناراض ہوئیں۔ "اور اس فراڈ عورت کو دیکھو۔ مجھ سے اس نے روپے لیے اور ساتھ تم سے بھی لے لیے...... آج آئے تو ذرا۔"

"ممی اس نے مجھ سے پیسے نہیں مانگے تھے میں نے خود اسے دیئے۔"

"تم نے کیوں دیئے؟" منیزہ نے سختی سے کہا۔

"بس میرا دل چاہا اس لیے دے دیے، اب آپ اتنی چھوٹی سی بات پر اتنا fuss کھڑا نہ کریں۔" امبر نے بیزاری سے کہا۔

"تمہارے لیے ہر بات چھوٹی ہوتی ہے آج ایک نوکر کو اس طرح دیے ہیں، کل دوسرا نوکر آ کر کھڑا ہو جائے گا پہلے ہی ہر ماہ تم آدھے سے زیادہ کپڑے اور جوتے اٹھا کر دے دیتی ہو...... کیسا لگتا ہو گا تمہیں جب یہی نوکرانیاں تمہارے

کپڑے پہنے پھرتی ہیں۔" منیزہ نے غراتے ہوئے کہا۔

امبر کے اطمینان میں رتی بھر فرق نہیں آیا اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا...... میرے کپڑے پہن کر وہ امبر نہیں بن جاتیں، نہ انہیں کپڑے دے دینے سے میں نوکرانی بن جاتی ہوں...... آپ تو بس ہر وقت...... میری سمجھ میں نہیں آتا آپ...... اگر کسی کو کچھ دے دیا ہے تو پھر کیا ہو گیا آپ اتنا ہنگامہ مچاتی رہتی ہیں...... مجھے آپ کی یہ عادت بہت بری لگتی ہے...... ہمیں کیا فرق پڑ جاتا ہے کسی کو تھوڑا بہت دے دینے سے...... اور میں آپ کو بتا رہی ہوں، آپ صابرہ سے کوئی بات نہیں کریں گی...... نہ اسے ڈانٹیں گی نہ ہی کچھ پوچھیں گی...... ورنہ میں اس کو اور روپے دوں گی اور اپنی وارڈ روب کے باقی سارے کپڑے اور جوتے بھی اٹھا کر دے دوں گی۔"

"and I really mean it"

وہ بڑی سنجیدگی سے کہتے ہوئے میز سے اٹھ گئی۔ منیزہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ وہ جانتی تھیں۔ امبر ایسا ہی کرے گی۔ وہ چند لمحے منہ ہی میں کچھ بڑبڑاتی رہیں پھر وہ خود بھی ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گئیں۔ ان کی بھوک ختم ہو چکی تھی۔

صرف صبغہ تھی جو ماں اور بہن کے درمیان ہونے والی گفتگو میں کسی قسم کی مداخلت کیے بغیر خاموشی اور اطمینان کے ساتھ ناشتہ کرتی رہی۔ ماں اور بہن کے درمیان ہونے والا یہ جھگڑا اس کے لیے نیا نہیں تھا۔

☆☆☆

"آئیں آپا! آج تو آپ بہت دنوں کے بعد آئی ہیں۔" منیزہ نے خوش دلی کے ساتھ منورہ کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"بس میں کتنے دنوں سے آنا چاہ رہی تھیں، مگر کوئی نہ کوئی مصروفیت آڑے آجاتی تھی۔" منورہ نے ان کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔

"میرے گھر آتے ہوئے تو آپ کو ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی مصروفیت روک لیتی ہے۔ حالانکہ جس محبت سے میں آپ کو بلاتی ہوں، آپ اسے جانتی ہی ہیں۔" منیزہ نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

منورہ اب لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ چکی تھیں، ان کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ "بھئی میں جانتی ہوں تم مجھے بہت محبت سے بلاتی ہو...... اور اسی لیے تو تمہاری طرف چلی آتی ہوں۔ بلا کسی جھجک کے۔" منورہ نے منیزہ کی بات کے جواب میں کہا۔

"جھجک ہونی بھی نہیں چاہیے آپ کو، یہ آپ کے بھائی کا گھر ہے اور بھائیوں کے گھر آتے ہوئے بہنوں کو کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیے۔" منیزہ نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور وہ بھی چھوٹے بھائی کے گھر۔"

"تمہاری یہی خوش مزاجی اور اخلاق ہے جس کی وجہ سے تمہارے ہاں بار بار آنے کو جی چاہتا ہے۔ ورنہ تم جانتی ہو میں کہاں گھر سے نکلتی ہوں، سارا دن گھر پر ہی پڑی رہتی ہوں۔" منورہ نے کہا۔

"خیر خوش مزاج تو آپ بھی کم نہیں ہیں۔" منیزہ نے جوابی تعریف کا فریضہ انجام دیا۔

"ارے میں کہاں خوش مزاج ہوں۔ بلڈ پریشر نے ساری خوش مزاجی ختم کر دی ہے میری، اوپر سے شوگر یہ دونوں بیماریاں میری تو جان لے کر ہی چھوڑیں گی۔" منورہ نے اپنی بیماریوں کا رونا رویا۔

"اب آپا! اس طرح تو نہ کہا کریں بعض دفعہ منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہو جاتی ہے اللہ کرے آپ کو ان دونوں بیماریوں سے نجات مل جائے۔" منیزہ نے انہیں ٹوک کر کہا۔

"یہ دونوں بیماریاں جان چھوڑنے والی بیماریاں نہیں ہیں۔ یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔" منورہ نے منیزہ کی بات کے جواب میں کہا۔

"آپا! آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا منگواؤں آپ کے لیے؟ چائے ٹھیک رہے گی یا پھر سوفٹ ڈرنک؟" منیزہ نے بات کا موضوع بدلا، وہ جانتی تھیں منورہ ان لوگوں میں سے نہیں تھیں جو پرہیز پر یقین رکھتے ہیں۔

"بھئی جو مرضی ہو منگوا لو......" منورہ نے بڑے آرام سے انتخاب کا فیصلہ ان پر چھوڑتے ہوئے کہا۔

منیزہ اٹھ کر لاؤنج سے باہر نکل گئیں اور کچن میں ملازم کو کچھ ہدایات دے کر واپس لاؤنج میں آ گئیں۔

"بچے نظر نہیں آ رہے؟" ان کی لاؤنج میں داخل ہوتے ہی منورہ نے پوچھا۔

"بس مصروف ہی ہیں سب، صبغہ اور امبر تو گھر پر نہیں ہیں، باقی ٹیوٹر کے پاس پڑھ رہے ہیں ابھی کچھ دیر میں فارغ ہو جائیں گے۔"

"صبغہ اور امبر کہاں گئی ہیں؟" منورہ نے کچھ تجسس سے پوچھا۔

"صبغہ تو اپنی ایک دوست کی برتھ ڈے پارٹی پر گئی ہے، امبر سوئمنگ کے لیے کلب گئی ہے۔" منیزہ نے انہیں بتایا۔

"کب تک آ جائیں گی دونوں؟" منورہ نے ان سے پوچھا۔

"ابھی دیر ہو جائے گی۔ شاید رات آٹھ بجے تک، کیونکہ امبر وہاں سے مسعود بھائی کی طرف جائے گی۔" منیزہ نے انہیں بتایا۔

"اس کا مطلب ہے میں تو دونوں بچیوں کو دیکھ ہی نہیں سکوں گی۔" منورہ کے چہرے پر کچھ مایوسی جھلکی۔

"کیا مطلب، کیوں دیکھ نہیں سکیں گی آپ؟" منیزہ نے ان سے پوچھا۔

"میں تو ایک گھنٹہ تک چلی جاؤں گی۔ میں آٹھ بجے تک کہاں رکوں گی۔" منورہ نے اپنا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

"کیا بات کر رہی ہیں آپ...... آپا کھانا کھائے بغیر میں آپ کو جانے تھوڑا دوں گی اور اس وقت تک دونوں بچیاں بھی آ جائیں گی۔" منیزہ نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔

"ارے نہیں کھانے تک میں نہیں رک سکتی۔ گھر پر سب کو ایک گھنٹہ کا کہہ کر آئی ہوں۔" منورہ نے کچھ تامل کیا۔

"کوئی بات نہیں میں فون کر کے آپ کے گھر اطلاع کر دوں گی۔" منیزہ نے حل پیش کیا۔

"نہیں بھئی سب پریشان ہوں گے۔" منورہ نے فوراً کہا۔

"ارے...... یہ کون سا کسی غیر کا گھر ہے جو آپ کے گھر والے پریشان ہوں گے۔ انہیں پتا ہے کہ آپ اپنے بھائی کے گھر ہیں۔" منیزہ نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر پھر بھی...... بہت دیر ہو جائے گی۔ ڈرائیور کو بھی ایک گھنٹہ کا ٹائم دیا ہوا ہے۔" جواباً انہوں نے کہا۔

"ڈرائیور کی آپ فکر نہ کریں۔ میں خود آپ کو ڈراپ کروا دوں گی۔ ویسے بھی کھانے پر منصور یہاں ہوں گے تو آپ منصور سے بھی مل لیں گی۔ وہ کئی دنوں سے آپ کا پوچھ رہے تھے۔" منیزہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں، منصور کی محبت بھی بس منہ دیکھے کی ہے۔ جب بھی آؤں میں ہی آؤں۔ مجال ہے وہ بھی آ جائے۔" منورہ کو جیسے شکایت کرنے کا موقع مل گیا۔

"آپا وہ مصروف ہی اتنے ہوتے ہیں کہ انہیں تو گھر کے لیے بھی وقت نہیں ملتا۔ میں اور بچے تو خود ان کے ساتھ وقت گزارنے کو ترستے رہتے ہیں۔" منیزہ نے شوہر کی صفائی دی۔

"کیوں وہ کس چیز میں مصروف رہتا ہے؟" منورہ نے کمال بے نیازی سے کہا۔

منیزہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ "ظاہر ہے آپا فیکٹری کے کاموں میں ہی مصروف رہتے ہیں اور کیا مصروفیت ہو گی۔"

"اچھا فیکٹری جاتا ہے؟" منورہ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ہے آپا! فیکٹری نہیں جائیں گے تو اور کیا گھر پر پڑے رہیں گے۔" منیزہ نے کچھ سنجیدگی سے کہا۔

"مگر وہ فیکٹری کس لیے جاتا ہے؟" منورہ نے ایک بار پھر اسی انداز میں کہا۔

"آپا! کام کے لیے جاتے ہیں اور کس لیے جاتے ہیں۔"

"کام تو میں نے سنا ہے سارا مسعود اور اس کے دونوں بیٹوں نے سنبھالا ہوا ہے، پھر منصور کو آخر فیکٹری جانے کی کیا ضرورت ہے۔" منورہ نے لہجے کو حتی الامکان عام سا بناتے ہوئے کہا۔

''آپ سے کس نے کہا کہ کام سارا مسعود بھائی اور ان کے بیٹوں نے سنبھالا ہوا ہے اور منصور کچھ نہیں کرتے۔'' منیزہ کو ان کی بات بری لگی۔

''میں چند دن پہلے شبانہ کی طرف گئی ہوئی تھی وہی بتا رہی تھی اپنے شوہر اور بیٹوں کی مصروفیت کے بارے میں۔'' منورہ نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

''کہہ رہی تھی کہ وہ سب تو گھن چکر بن گئے ہیں۔ فیکٹری منصور کی ہے مگر کام سارا مسعود اور اس کے بیٹوں نے سنبھالا ہوا ہے اور منصور کو تو انگلی تک ہلانی نہیں پڑتی۔ اسی لیے تو میں تمہارے منہ سے منصور کی مصروفیت کا سن کر حیران ہوئی۔''

منیزہ چند لمحے کچھ نہیں بول سکیں پھر انہوں نے منورہ سے کہا۔ ''شبانہ نے اور کیا کہا آپ سے؟''

''اب اور تو ڈھیروں باتیں تھیں۔ میں کیا کیا تمہیں بتاؤں۔ تم چھوڑو ان سب باتوں کو۔'' منورہ نے کہا۔

''نہیں آپا! آپ بتائیں تو سہی اس نے اور کیا کہا ہے؟'' منیزہ نے اصرار کیا۔

''بھئی میں نہیں چاہتی خوامخواہ ادھر کی بات ادھر کرکے تمہارے دل کو دکھی کروں۔'' انہوں نے کہا۔

''نہیں دل کو دکھی کرنے والی کیا بات ہے، آپ تو صحیح بات بتا کر ایک اچھا کام کریں گی۔'' منیزہ نے ان سے پھر اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی یہ مناسب نہیں لگتا۔'' منورہ نے پھر ہچکچاہٹ دکھائی۔

اسی وقت ملازم چائے کی ٹرالی لے کر لاؤنج میں داخل ہوا اور منیزہ اور منورہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگئیں ملازم نے دونوں کے لیے چائے بنا کر سرو کی اور پھر لاؤنج سے باہر نکل گیا اس کے باہر جاتے ہی منیزہ نے منورہ سے کہا۔

''میں اس سے کیا پوچھوں، مجھے تو خود اندازہ ہے کہ وہ کام تو کرتا ہی ہوگا اور میں نے شبانہ سے کہا بھی کہ منصور کوئی بھی کام دوسروں پر چھوڑنے والا نہیں ہے فارغ بیٹھنا تو اس کی طبیعت میں ہی نہیں ہے۔'' منورہ نے چائے کا ایک سپ لیتے ہوئے کہا۔

''پھر اس نے کیا کہا؟'' منیزہ نے بھی اپنی چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''کہنا کیا تھا وہ تو ناراض ہی ہوگئی۔ میں نے بھی پرواہ نہیں کی۔ اس نے بھی مجھ سے یہی کہا کہ مسعود آئے تو میں خود اس سے پوچھ لوں کہ فیکٹری کی کتنی ذمہ داریاں ہیں اس کے کندھوں پر اور منصور تو صرف سلیپنگ پارٹنر ہے۔'' منورہ نے بڑے عام سے انداز میں کہا۔

''سلیپنگ پارٹنر...... میں نے منصور سے پہلے ہی کہا تھا کہ بہت بہتر ہو اگر وہ اپنے بھائی اور بھتیجوں کو اس فیکٹری میں شامل نہ کرتا۔ وہ جتنا بھی کام کرے ہر ایک کے ذہن میں یہی بات رہے گی کہ سارا کام مسعود بھائی اور ان کے بیٹے ہی کرتے ہیں۔'' منیزہ نے کچھ اور ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

''تم بھی وہی بات کہہ رہی ہو جو شبانہ کہہ رہی تھی۔''

''کیا کہہ رہی تھی؟'' منیزہ نے کچھ چونک کر کہا۔

''کہہ رہی تھی کہ اس نے مسعود کو بہت منع کیا تھا کہ وہ منصور کے ساتھ یہ فیکٹری شروع نہ کرے خوامخواہ کی محنت ہے اس کے اور اس کے بچوں کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔''

''ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا؟ سب کچھ تو ان ہی تینوں کے ہاتھ میں ہے...... شبانہ کو اور کیا چاہیے، اب کیا پوری فیکٹری اس کے نام لکھ دیں۔'' منیزہ اس بات پر بھڑک اٹھیں۔

''ہاں یہ بھی شکایت کر رہی تھی کہ اتنی محنت کا صلہ کیا ہے جب فیکٹری میں ان کے معمولی سے شیئرز ہیں اس سے تو بہتر تھا کہ مسعود اپنی فیکٹری قائم کرتے۔'' منورہ نے چائے پیتے ہوئے ایک اور اطلاع دی۔

''انہیں اور اتنی شکایتیں ہیں تو الگ ہو جائیں فیکٹری سے یا پہلے ہی ہو جاتے۔ ہم نے کوئی زبردستی تو انہیں اپنے ساتھ

نہیں رکھا۔'' منیزہ تلملا گئیں۔

''وہ کہہ رہی تھی کہ اس کے بس میں ہوتا تو مسعود اور اس کے بیٹے کب کے فیکٹری کو چھوڑ چکے ہوتے مگر یہ بس مسعود کی مجبوری کہ بھائی کا ساتھ دیتا ہے، اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور پھر اکلوتا ہے۔ وہ کیسے اتنے بڑے بزنس کو سنبھالے گا۔''

''ہم نے ان کی منتیں تو نہیں کی تھیں فیکٹری سنبھالنے کیلیے۔ کیا اس سے پہلے دبئی میں منصور بزنس نہیں سنبھال رہے تھے، تب مسعود بھائی اور ان کے بیٹے کہاں تھے، اب خواہ مخواہ میں ہمدردیاں جتائی جا رہی ہیں۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ کوئی فائدہ ہو رہا ہے اسی لیے منصور کے بزنس میں شریک ہیں ورنہ فی زمانہ کوئی بھی کسی کی مدد کے لیے نہیں آتا۔'' منیزہ نے غصے سے کہا۔

''خیر یہ تو میں نے کہا تھا اس سے..... بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ وہ تم لوگوں کا احسان مانے، جنہوں نے ہر چیز مسعود کے ہاتھ میں دی ہے۔ وہ سیاہ کرے یا سفید کوئی پوچھنے والا نہیں مگر شبانہ تو سارا وقت بڑبڑاتی ہی رہی۔ اسے کوئی ایک شکایت تھوڑی تھی۔ شکایتوں کا ڈھیر تھا جو اس کے پاس اکٹھا تھا۔ میں تو تنگ آ گئی اس کے گلے سنتے سنتے اور اٹھ کر اپنے گھر چلی گئی۔ اب اتنا جھوٹ بھی سچ میں۔'' منورہ نے منیزہ سے کہا۔

''شبانہ کی یہی عادتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ احسان مندی نام کی کوئی چیز تو اس کے اندر ہے ہی نہیں اس کی جگہ کوئی اور ہوتا وہ ہمارے سامنے سر نہ اٹھاتا مگر ایک وہ ہے کہ.....'' منیزہ نے تلملاتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو یہ بات کہی اس سے کہ اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے اور تم لوگوں کا احسان مند ہونا چاہیے۔''

''یہ تو آپ کہہ رہی ہیں نا آپا! وہ تو احسان مندی نام کی کسی شے سے واقف ہی نہیں ہے۔'' منیزہ کو جیسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا ''آپ نے تو اب پہلی بار اس کے منہ سے یہ باتیں سنی ہیں میں تو کئی سالوں سے اس کے یہی اطوار دیکھ رہی ہوں۔ ہمارا تو وہی حال ہے کہ احسان بھی کریں اور جوتے بھی کھائیں۔''

''شبانہ کا تو یہی کہنا ہے کہ مسعود نے تو اپنی اور اپنے گھر والوں کی زندگی برباد کر دی، منصور کے ساتھ کام کر کے اور منصور کو اس کا رتی بھر احساس نہیں ہے۔'' منورہ نے پلیٹ سے ایک بسکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ رہی ہوں کہ ہمارا تو وہی حال ہے احسان بھی کرو اور جوتے بھی کھاؤ کیا زندگی برباد ہوئی ہے مسعود بھائی کی۔ سب کچھ سب کے سامنے ہے آپ خود دیکھ سکتی ہیں کہ پچھلے دس پندرہ سالوں میں ان کا لائف اسٹائل کیسے بدلا ہے۔'' منیزہ غصے میں بولتی رہی۔ ''اب مانیں نا تو اور بات ہے مگر مسعود بھائی نے خاصا روپیہ کما لیا ہے منصور کے ساتھ کام کر کے۔''

''شبانہ تو یہ کہتی ہے کہ مسعود اگر الگ کام کر رہا ہوتا تو کہیں کا کہیں پہنچ گیا ہوتا۔'' منورہ نے کہا۔

''کہاں پہنچ گئے ہوتے، ابھی تک وہیں ہوتے جہاں دس پندرہ سال پہلے تھے۔ اپنے بل بوتے پر اتنی ترقی کر سکتے آپا تو کبھی منصور کی فیکٹری کو چلانا منظور نہ کرتے، خود اس طرح ترقی نہیں کر سکتے تھے تب ہی تو منصور کے پیچھے آتے تھے ورنہ منصور ان کے پاس جا کر منت سماجت نہیں کرتے رہے تھے کہ ہماری فیکٹری چلائیں...... ہم جب پاکستان شفٹ ہوئے فیکٹری بھی بنا لیتے اور اسے چلا بھی لیتے بلکہ شائد ابھی کچھ سال اور وہاں ہی رہتے۔ ہمیں کون سا مسئلہ تھا وہاں۔ صرف اس فیکٹری کے لیے منصور وہاں سے سب کچھ وائنڈ اپ کر کے آئے ہیں۔ دوسروں کے سر پر سب کچھ ڈال دینے والے ہوتے تو اب بھی وہیں بیٹھے ہوتے۔'' منیزہ کہتی رہیں۔

''خیر لوگ بھی اندھے نہیں ہوتے۔ سب کچھ جانتے اور دیکھتے ہیں۔ یہ تو ہمیں بھی پتا ہے کہ مسعود کتنی ترقی کر سکتا تھا اور کتنی نہیں اور منصور کا بھی ہمیں پتا ہے اسی لیے میں تو تمہیں شبانہ کا بتا رہی تھی کہ وہ ایسا سمجھتی ہے۔''

''اگر وہ یا مسعود بھائی مطمئن نہیں ہیں تو اب فیکٹری چھوڑ دیں اپنا بزنس کر لیں۔ ہم نے ان کے ہاتھ تو نہیں باندھ دیے کہ وہ کوئی اور کام نہیں کر سکتے۔ اپنی فیکٹری لگا لیں۔ الگ ہو جائیں بزنس سے مگر آپ دیکھ لیجئے گا ایسا وہ کبھی بھی نہیں کریں گے۔''

منیزہ نے کیک کی پلیٹ ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''چھوڑو تم کیوں پریشان ہوتی ہو شبانہ کی تو عادت ہی خراب ہے۔ میں بھلا اسے جانتی نہیں۔'' منورہ نے منیزہ کو بہلا دینے کی کوشش کی۔

''عادت خراب ہے تو میں کیا کروں، ان کی خراب عادتیں برداشت کرنے کے لیے کیا ہم لوگ ہی رہ گئے ہیں۔'' منیزہ نے ناگواری سے کہا۔

''میں تو بعض دفعہ حیران ہوتی ہوں کہ شبانہ کو جاننے کے باوجود تم لوگوں نے امبر اور صبغہ کی شادی اس کے بیٹوں سے کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟'' منورہ نے کہا۔

''اب ہمیں اندازہ تو نہیں تھا کہ شبانہ بعد میں اس طرح کینچلی بدل لے گی۔ پہلے تو اور طرح کی تھی یا کم از کم ہمیں اور طرح کی لگتی تھی۔ اتنی خوش اخلاق اور منکسر المزاج...... میں نے اور منصور نے یہی سوچا کہ مسعود بھائی اور وہ دونوں ہماری بیٹیوں کو اچھی طرح رکھیں گے بس یہی سوچ کر ہم نے یہ رشتے طے کر دیے۔'' منیزہ نے کہا ''ہمیں کیا پتا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اس طرح کی حرکتیں کرنا شروع کر دیں گی۔''

''تم لوگوں نے بھی تو کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ یک دم ہی اس کے بیٹوں سے رشتے کر دیے ابھی تو امبر اور صبغہ اس کے گھر گئیں بھی نہیں اور وہ جگہ جگہ ان کے اور تمہارے خلاف باتیں کرتی پھرتی ہے۔'' منورہ نے کہا۔

''آپ سے کچھ کہا اس نے؟'' منیزہ نے کچھ ٹھٹھک کر پوچھا۔

''مجھے ہی کیا...... ہر ایک کو کہتی رہتی ہے۔'' منورہ نے بے ساختہ کہا۔

''آپ سے کیا کہا ہے اس نے؟'' منیزہ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی ایک بات ہو تو بتاؤں، کہہ رہی تھی کہ تم نے امبر اور صبغہ کی اچھی تربیت نہیں کی۔ انہیں کوئی ادب آداب نہیں سکھائے۔'' منورہ نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔ منیزہ کے ماتھے کے بل کچھ اور گہرے ہو گئے۔

''میں نے تو کہہ دیا اس سے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرے کہ خاندان کی سب سے خوبصورت اور مہذب لڑکیاں اس کے گھر آ رہی ہیں۔ مگر وہ کہنے لگی کہ خاندان بھرا ہوا ہے ان سے بہتر لڑکیوں سے۔ ایک چھوڑو ہزار ملتی ہیں۔ امبر اور صبغہ کے پاس شکل کے علاوہ اور ہے ہی کیا۔ بولنے اور اٹھنے بیٹھنے تک کی تو تربیت نہیں سکھائی ماں نے۔'' منورہ نے بڑے ہمدردانہ انداز میں منیزہ سے کہا۔ جن کی تیوریوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''مجھے تو بہت ہی افسوس ہوا اس کی باتوں کو سن کر۔ امبر اور صبغہ میری بھتیجیاں ہیں کوئی میرے سامنے ان کی برائی کرے تو مجھے کیسا لگے گا، میں نے تو خاصی باتیں سنائی شبانہ کو مگر وہ تو اپنی بات پر اڑی رہی۔'' منورہ نے کہا۔

''شبانہ کو اگر وہ دونوں پسند نہیں تھیں تو اسے اس رشتہ پر تیار ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اگر اس کے بیٹوں کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے تو کیا میری بیٹیوں کے لیے رشتوں کی کوئی کمی ہے۔ یہ تو ہماری اعلیٰ ظرفی ہے کہ ہم نے خاندان میں رشتے کیے ہیں ورنہ ان دونوں کے لیے بڑی جگہوں سے رشتے آ رہے تھے بلکہ اب تک آ رہے ہیں۔'' منیزہ کے غصے میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

''اب تم شبانہ سے میری باتوں کا ذکر مت کر دینا وہ پہلے ہی کہتی رہتی ہے کہ میں ہر بات میں تمہاری حمایت کرتی ہوں۔ ان باتوں کا پتا چلے گا تو پھر کہے گی کہ میں نے تمہیں ساری باتیں پہنچا دی ہیں۔ اب ہے تو یہ نامناسب بات مگر میں کیا کروں تم سے اور اپنی بھتیجیوں سے مجھے اتنی محبت ہے کہ میں چپ نہیں رہ سکتی۔'' منورہ نے منیزہ کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں آپا! آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے بتایا، مجھے بھی تو پتا چلے کہ وہ ہمارے بارے میں کیا کہتی رہتی ہے اور آپ فکر نہ کریں، آپ کا نام نہیں لوں گی میں۔'' منیزہ نے منورہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''خاندان میں، میں اکیلی نہیں ہوں جس کے سامنے وہ ایسی باتیں کرتی ہے اور بھی لوگوں کے سامنے وہ ایسی باتیں کرتی

رہتی ہے...... مگر ہر کوئی اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا ہے...... کسی کو تمہارا اور تمہارے بچوں کا احساس ہو تو تم تک یہ ساری باتیں پہنچاتا...... میں تو یہ سب اس لیے بتا رہی ہوں تاکہ تم ابھی بھی ان رشتوں کے بارے میں سوچ لو...... اور کچھ تمہیں شبانہ کی خصلت اور فطرت کے بارے میں بھی پتا چل جائے......" منورہ نے کہا۔

"میں جانتی ہوں آپا! آپ کے علاوہ خاندان میں اور کوئی ہمارے بارے میں اچھا سوچ بھی نہیں سکتا۔ مجھے تو بعض دفعہ لگتا ہے کہ ہر ایک حسد کرتا ہے مجھ سے اور میرے گھر سے...... کسی کو اپنی کوئی چیز دکھا دوں تو اس کا چہرہ بجھ جاتا ہے...... اب اللہ نے مجھ پر اپنا کرم کیا ہوا ہے تو سارے کیوں حسد سے مر رہے ہیں۔ انسان کا دل بڑا ہونا چاہیے۔ اعلیٰ ظرفی ہونی چاہیے۔ مجھے دیکھیں میں نے کبھی کسی سے حسد نہیں کیا ہر ایک کی خوشی میں شریک ہوتی ہوں۔" منیزہ بھی اپنے دکھڑے رونے لگیں۔

"اب اسی پر سن لو...... شبانہ تمہارے بارے میں کہہ رہی تھی کہ تمہیں دکھاوے کی عادت ہے جب تک تم اپنی ہر چیز ڈھنڈورا پیٹ پیٹ کر پوری دنیا کو نہ دکھا دو تمہیں چین ہی نہیں آتا۔" منورہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"دکھاوا...... کون سا دکھاوا...... شرم آنی چاہیے اسے ایسی باتیں کرتے ہوئے...... خود تو وہ کرید کرید کر ہر بات پوچھتی رہتی ہے مجھ سے...... مجال ہے کبھی اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھے اور سوال نہ کرے اور اگر دوسرا بتا دیتا ہے تو حسد سے مر ہی جاتی ہے وہ...... میں بھی اب دوبارہ کبھی اس کو کچھ بتانے یا دکھانے گئی تو آپ پھر کہیے گا۔" منیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"ہاں یہ ٹھیک کہا تم نے...... یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہوتی ہے...... اب مجھے دیکھو...... مجھے تو اتنی خوشی ہوتی ہے تمہیں سب کچھ پہنے اور برتتے دیکھ کر...... مگر شبانہ...... اس کا تو پوچھو ہی مت۔" منورہ نے کہا۔

"اپنے اپنے ظرف کی بات ہے آپا...... اب اور میں کیا کہہ سکتی ہوں......" منیزہ نے ان سے کہا۔

"مجھے کہہ رہی تھی کہ اس نے اپنی بیٹیوں کی ایسی تربیت کی ہے کہ خاندان کی ہر روایت سے الٹا کام کر رہی ہیں...... منہ اٹھائے دن رات میرے بیٹوں کے ساتھ پھرتی رہتی ہیں...... اور ذرا لباس تو دیکھیں...... ہمارے پورے خاندان میں کسی لڑکی نے اس طرح کے لباس نہیں پہنے ہوں گے جس طرح کے وہ دونوں پہنتی ہیں...... سلام اور بات تک کرنے کی تو تمیز نہیں ہے ان دونوں کو...... میں تو یہ سوچ سوچ کر ہولتی رہتی ہوں کہ ابھی دونوں میرے گھر نہیں آئیں تو یہ حال ہے اور میرے گھر آ کر کیا قیامت اٹھائیں گی۔" منورہ کو ایک بار پھر شبانہ کی باتیں یاد آ گئیں۔

"حد ہوتی ہے منافقت کی بھی...... انسان سب کچھ ہو مگر منافق نہ ہو...... فون کر کر کے خود امبر اور صبغہ کو اپنے گھر بلاتی رہتی ہے...... دو دن وہ نہ جائیں تو چار فون آ جاتے ہیں اس کے کہ میں اداس ہو گئی ہوں...... یا خود ادھر ٹپک پڑتی ہے...... اور بیٹے ہیں تو وہ چوبیس گھنٹے یہیں موجود رہتے ہیں...... اور پھر بھی سارا الزام میری بیٹیوں پر دھر رہی ہے...... میری بیٹیوں کو کوئی شوق نہیں ہے اس کے بیٹوں کے ساتھ پھرنے کا...... ان ہی کے اصرار پر جاتی ہیں وہ...... اور شبانہ کو اتنا اعتراض ہے اس بات پر تو اپنے بیٹوں کو منع کر دے بلکہ دو ٹوک انداز میں کہہ دے۔" منیزہ اور مشتعل ہو گئیں۔

"وہ کہتی ہے کہ جب منیزہ اپنی بیٹیوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتی تو میں اپنے بیٹوں کو قابو میں کیسے رکھوں۔" منورہ نے کہا۔

"میری بیٹیاں میرے قابو میں ہیں۔" منیزہ غرا کر بولیں۔

"میں آج انہیں اشارہ کروں تو وہ دوسری بار شبانہ کے گھر کا رخ بھی نہیں کریں گی، بلکہ شکل تک نہیں دیکھیں گی وہ اس کے بیٹوں کی......"

"میں نے تو اس سے کہا تھا کہ اگر وہ تمہارے بیٹوں کے ساتھ پھرتی بھی ہیں تو کیا برائی ہے اس میں...... شوہر ہیں وہ ان دونوں کے...... اور نیا زمانہ ہے۔ آج کل تو منگیتر ساتھ پھرتے رہتے ہیں پھر تمہیں خوامخواہ اعتراض کیوں ہو رہا ہے مگر مجھے لگتا ہے وہ خوفزدہ ہے کہ کہیں بیٹے اس کے ہاتھ سے بالکل ہی نہ نکل جائیں کچھ وہ پہلے ہی تم سے دبی دبی رہتی ہے۔" منورہ نے منیزہ کی حمایت میں کچھ اور ہمدردانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''میری بیٹیاں ابھی اس کے گھر میں گئی بھی نہیں اور اسے ان کے لباس...... ان کے اٹھنے بیٹھنے پر اعتراض ہونے لگا اسے وہ دونوں اچھی نہیں لگتیں تو صاف آ کر ہم سے بات کرے...... اس طرح ادھر ادھر باتیں کیوں کرتی پھرتی ہے...... لباس پر اعتراض ہوتا ہے اسے...... کبھی بات کرنے پر...... میری بیٹیاں ہیں جب مجھے اور منصور کو ان کی کسی بات پر اعتراض نہیں ہے تو وہ اعتراض کرنے والی کون ہوتی ہے...... میرے گھر پر ہیں وہ دونوں جو چاہے پہنیں شبانہ کو کیا...... اب اس کے لیے میں اپنی بیٹیوں کی زندگی جہنم بنا دوں۔'' منیزہ بلند آواز میں بولتی رہیں۔ ''آپ خود بتائیں آپا! آپ کے سامنے ہیں میری بیٹیاں...... آپ کو کوئی خامی نظر آتی ہے دونوں میں...... یا ان کی کسی بات پر اعتراض ہے۔'' منیزہ نے کہا۔

''کیسی باتیں کرتی ہو منیزہ! مجھے دونوں میں کیا خامی نظر آئے گی۔ میں نے تو شبانہ سے کہا بھی کہ جیسی تربیت منیزہ نے اپنی بیٹیوں کی کی ہے، پورے خاندان میں کوئی نہیں کر سکا۔ اس کی بیٹیاں خاندان میں سب سے الگ ہی نظر آتی ہیں...... خوش قسمت ہو گا وہ گھر جہاں وہ جائیں گی۔ مگر وہ تو میری باتوں پر تلملانے لگی کہنے لگی کہ آپا آپ کی تو عادت ہے، آپ نے ہمیشہ منیزہ اور اس کی اولاد کی طرف داری کی ہے۔ کبھی مجھے صحیح نہیں سمجھا...... آپ کو تو ان میں کوئی خامی نظر آ ہی نہیں سکتی...... اپنی محبت کی عینک اتاریں تو پھر آپ کو پتا چلے...... میں اسی لیے آپ سے اپنے دل کی بات نہیں کرتی کہ آپ میری بات کو سمجھتی ہی نہیں ہیں۔'' منورہ ایک ہی سانس میں کہتی گئیں۔

''میں نے بھی کہہ دیا اس سے کہ تم اپنی ایسی دل کی باتیں اپنے پاس ہی رکھو...... خوانخواہ دوسروں پر بہتان لگاتی پھرتی ہو...... خدا کا شکر ادا نہیں کرتی کہ منیزہ اور منصور نے تمہارے خاندان کے ساتھ رشتہ جوڑا ہے ورنہ تمہارے بیٹوں میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔''

''آپ دیکھیے آج منصور آئیں تو میں ان سے یہ ساری باتیں کہوں گی انہیں بھی تو پتا چلے کہ ان کی بھابھی اور بھائی ہمارے بارے میں کیا سوچتے رہتے ہیں بلکہ آپ خود انہیں یہ سب کچھ بتائیے گا۔'' منیزہ نے منورہ سے کہا۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے میں ایسے کسی جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتی...... خوانخواہ میری وجہ سے آپس میں دل کھٹے ہوں گے اور تمہیں تو میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ میرا نام لے کر بات مت کرنا، بلکہ منصور کے سامنے بھی یہ مت کہنا کہ یہ سب میں نے کہا ہے۔ بس اس سے یہی کہنا کہ تمہیں کہیں سے پتا چلا ہے بلکہ میں تو یہ بھی کہتی ہوں کہ منصور سے بات کرنے کی بھی آخر کیا ضرورت ہے۔ ابھی اسے کچھ مت بتاؤ...... دیکھو کہ شبانہ آگے اور کیا کہتی ہے۔'' منورہ نے جلدی سے کہا۔

''نہیں خیر منصور کو تو میں ضرور بتاؤں گی...... میں اب انتظار کرتی رہوں گی کہ کوئی اور مجھے یہ سب کچھ بتائے تو میں پھر بات کروں...... آپ اگر چاہتی ہیں کہ میں آپ کا نام نہ لوں تو ٹھیک ہے میں آپ کا نام نہیں لیتی لیکن منصور کو ان سب باتوں کا پتا ہونا چاہیے...... اور اب آپ دیکھیے گا کہ میں کس طرح امبر اور صبغہ کو اس کے گھر جانے سے روکتی ہوں...... اسے بھی پتا چلے کہ اس نے کس کے خلاف باتیں کی ہیں...... میں تو طلحہ اور اسامہ کو بھی یہاں نہیں آنے دوں گی۔'' منیزہ غصے میں بولتی رہیں۔

''دیکھو منیزہ میرا نام کہیں نہ آئے۔ تمہاری محبت میں میں نے اگر تمہیں کچھ بتا دیا ہے تو تم آگے کسی کو میرا حوالہ مت دینا...... میں نہیں چاہتی تم دونوں خاندانوں کے درمیان بگاڑ ہو، آخر دونوں میرے ہی بھائی ہیں...... مگر بس شبانہ کی باتوں پر غصہ آ گیا مجھے اس لیے تمہیں یہ سب کچھ بتا بیٹھی اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میری وجہ سے تم لوگوں کے درمیان کوئی جھگڑا نہ ہو جائے۔'' منورہ اس سے کہتی گئیں۔

''کچھ نہیں ہو گا آپا! آپ فکر نہ کریں، کم از کم آپ کی وجہ سے تو کچھ بھی نہیں ہو گا...... جھگڑے کے بارے میں بھی آپ پریشان نہ ہوں، میں کوئی جھگڑا نہیں کروں گی مگر اس کو پتا تو چلنا چاہیے کہ وہ کتنی فضول اور نامناسب باتیں کر رہی ہے...... اب بیٹی والے ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ہم پہلے ہی ان کے پیروں میں جا بیٹھیں......'' منیزہ نے منورہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہ تو میں جانتی ہو تمہارا مزاج اور طرح کا ہے...... تم رائی کا پہاڑ نہیں بناتیں...... ورنہ میں تم سے کہاں بات کرتی...... پھر بھی ایسے ہی مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ میرا نام آئے گا تو ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ میں نے جان بوجھ کر تم لوگوں کے

درمیان جھگڑا کروادیا ہے...... خیر جو ہوگا دیکھا جائے گا...... تم بتاؤ روشان کیسا ہے میں نے اسے نہیں دیکھا۔" انہوں نے مطمئن ہو کر موضوع بدل دیا۔

☆☆☆

صبغہ باہر لان میں بیٹھی ہوئی تھی جب اس نے طلحہ کی گاڑی کو اندر آتے دیکھا۔ وہ جتنی دیر میں پورچ میں گاڑی کھڑی کرتا، صبغہ اٹھ کر اس کی طرف آ گئی۔

"کیسا موڈ ہے تمہاری بہن کا؟" رسمی سلام دعا کے بعد اس نے صبغہ سے پوچھا۔

"آج تو اچھا ہی ہے، اب آپ کو دیکھ کر خراب ہو جائے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔" صبغہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم دعا کرو کہ موڈ خراب نہ ہو۔" طلحہ نے ہنس کر اندر جاتے ہوئے کہا۔

"چلیں ٹھیک ہے میں باہر لان میں بیٹھ کر دعا کرتی ہوں، آپ اندر جا کر اس سے بات کریں اور اپنی قسمت آزمائیں وہ ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھی ہے۔" صبغہ نے لان کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

طلحہ مسکراتے ہوئے اندر چلا گیا۔ امبر کو پہلے ہی اس کی آمد کا پتا چل چکا تھا...... ہارن کی آواز اس کے لیے خاصی شناسا ہو چکی تھی۔

طلحہ کے قدموں کی چاپ پر اس نے گردن موڑ کر سرسری نظروں سے اسے دیکھا اور ایک بار پھر ٹی وی دیکھنے لگی...... اس کے ہاتھ میں ریموٹ تھا جس سے وہ چینل بدل رہی تھی۔

"ہیلو۔" طلحہ نے اس کے سامنے آتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"ہیلو۔" بڑا ٹھنڈا جواب آیا۔ اس کی چینل سرفنگ جاری رہی۔

"میں بیٹھ جاؤں؟" طلحہ نے ایک بار پھر اسے مخاطب کرنے کے لیے کہا۔

"تم ہر کام میری مرضی سے تو نہیں کرتے...... دل چاہے تو بیٹھ جاؤ...... نہ دل چاہے تو نہ بیٹھو۔" امبر نے اسی خشک انداز میں جواب دیا۔ طلحہ مسکراتا ہوا دوسرے صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"تمہارا غصہ ختم ہو گیا؟" اس نے ایک بار پھر امبر کو مخاطب کیا۔ وہ جواب دینے کے بجائے ایک نظر اسے دیکھ کر ٹی وی دیکھنے لگی۔

"اب بس ختم کرو...... کافی تنگ کر چکی ہو تم مجھے۔" طلحہ نے جیسے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "چلو باہر چلتے ہیں...... اچھا سا ڈنر کرتے ہیں۔" وہ اس کی بات پر دھیان دیے بغیر اسی طرح ٹی وی دیکھتی رہی۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں امبر۔" طلحہ نے بلند آواز میں کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے بات کر رہے ہو، مگر اتنا چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" امبر نے ٹی وی اسکرین سے نظریں ہٹاتے ہوئے اس سے کہا۔

"سوری...... اب نہیں چلاؤں گا...... باہر چلیں؟" طلحہ نے فوراً کہا۔

"فائدہ؟" امبر نے اسی ترشی سے کہا۔

"فائدہ...... کیا اکٹھے وقت گزارنا کوئی بڑا فائدہ نہیں ہے...... میرے نزدیک تو ہے۔" طلحہ نے کہا۔

"جھوٹ کم بولا کرو طلحہ......! تمہارے نزدیک اگر میرے ساتھ وقت گزارنے کی کوئی اہمیت ہوتی تو ہم دونوں کے درمیان یہ جھگڑا کبھی نہ ہوتا...... کیونکہ تم کبھی اس طرح مجھے انتظار نہ کرواتے...... اور اب تم مجھے فائدے گنوا رہے ہو...... دونوں کے ساتھ رہنے کے۔" اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کرتے ہوئے کہا۔

"میں اس شام کے لیے معذرت کر چکا ہوں...... تم چاہو تو دوبارہ کرنے پر تیار ہوں...... ایسا دوبارہ کبھی نہیں ہوگا۔" طلحہ نے کہا۔

امبر اسے گھورتی رہی۔ ''میں انتظار پر یقین نہیں رکھتی ہوں...... میں انتظار کر ہی نہیں سکتی...... اس سے زیادہ نفرت مجھے اور کسی چیز سے نہیں ہے اور تم یہ بہت اچھی طرح جانتے ہو۔''

''میں جانتا ہوں اور میں معذرت کر......'' امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔

''معذرت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا احمقانہ کام ہوتا ہے یہ......''

''تو پھر تم بتاؤ میں کیا کروں؟'' طلحہ نے کچھ بے بسی سے کہا۔

''میں صرف یہ چاہتی ہوں طلحہ کہ اگر تم میرے لیے دنیا میں سب سے اہم آدمی ہو...... تو تمہارے لیے بھی مجھے سب سے اہم ہونا چاہیے۔'' امبر نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''تم میرے لیے بہت اہم ہو امبر۔'' طلحہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

''بہت اہم نہیں...... سب سے اہم......'' امبر نے اس کے جملے میں تصحیح کی۔

''سب سے اہم۔'' طلحہ نے اس کا تصحیح شدہ جملہ دہرایا۔

''میں تمہارے لیے کچھ بھی چھوڑ سکتی ہوں...... کچھ بھی...... کسی دوسری شے کو اہمیت نہیں دیتی میں تمہارے سامنے...... تو تمہیں بھی تو یہی کرنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے...... میں آئندہ محتاط رہوں گا...... اب چلیں۔'' طلحہ نے کہا۔

صبغہ نے آدھ گھنٹہ کے بعد طلحہ اور امبر کو باہر نکلتے دیکھا۔ امبر طلحہ کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ بلیک جینز اور سلیولیس سفید شرٹ میں ملبوس اپنے کندھوں سے نیچے تک لٹکتے ہوئے خوبصورت چمکدار بالوں کو جھٹکتے...... پانچ فٹ سات انچ کی ہائیٹ کے ساتھ اس نے پورچ اور لان میں موجود ہر خوبصورت شے کو دھندلا دیا تھا۔ اس کے گالوں میں پڑنے والے ڈمپلز اور اس کے کانوں میں موجود چھوٹے چھوٹے ایئر رنگز ایک دوسرے کو پوری طرح مات دینے کی کوشش میں مصروف تھے۔ دونوں کی چمک اور خوبصورت بے مثال تھی۔

صبغہ نے امبر کو رشک بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ واقعی اس قابل تھی کہ اس طرح چاہا اور سراہا جاتا۔ اسے امبر کی بہن ہونے پر فخر محسوس ہوتا تھا...... خاص طور پر تب جب وہ اس کے ساتھ کہیں جاتی اور لوگ اس کو نہ جاننے کے باوجود بھی اس پر نظریں مرکوز رکھتے...... پھر جہاں جہاں وہ جاتی...... وہ نظریں اس کا تعاقب کرتی رہتیں...... سرگوشیاں کی جاتیں اور کئی بار صبغہ وہ سرگوشیاں سن بھی لیتی۔

امبر پر واقعی سب کچھ بجتا تھا۔ غصہ، نخرہ...... ہر چیز...... اس پر کچھ بھی برا نہیں لگتا تھا...... وہ اپنی خوبصورتی کو اتنا Casual لیتی تھی کہ بعض دفعہ صبغہ کو حیرت ہوتی...... بہت سی دوسری خوبصورت لڑکیوں کی طرح وہ ہر وقت آئینے کے اردگرد منڈلاتی نہیں رہتی تھی...... اگرچہ وہ اپنی ہر شے پر ضرورت سے زیادہ دھیان دیتی تھی مگر اس کی وجہ اپنی خوبصورتی کا احساس ہونے سے زیادہ اس کا فطری طور پر، پرفیکشنسٹ ہونا تھا...... وہ ہر چیز میں غیر معمولی تھی اور اس حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود وہ کسی خبط کا شکار نہیں ہوئی تھی۔

صبغہ نے دونوں کو گاڑی میں بیٹھ کر باہر جاتے دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ جانتی تھی واپسی پر امبر کا موڈ بہت اچھا ہوگا۔

☆☆☆

منورہ منیزہ کے پرزور اصرار کے باوجود کھانے تک کے لیے نہیں رکیں اور ایک گھنٹے وہاں گزارنے کے بعد وہاں سے چلی گئیں مگر ان کے جانے کے بعد منیزہ کا موڈ انتہائی خراب ہو چکا تھا۔ منصور علی کے آنے تک وہ بہانے بہانے سے نوکروں کو ڈانٹ کر اپنا غصہ اتارتی رہیں اور جیسے ہی منصور علی آئے۔ انہوں نے فوراً منورہ کا نام لیے بغیر ان کی بتائی ہوئی تمام باتیں ان کے گوش گزار دیں۔ منصور کو ان کی بات پر یقین نہیں آیا۔

"میں نہیں مانتا۔ شبانہ بھابھی ایسی باتیں کر سکتی ہیں۔ یہ ضرور کسی نے جھوٹ بولا ہے۔" انہوں نے منیزہ سے کہا۔

"اگر یہ سب کچھ جھوٹ ہوتا تو میں کبھی یہ سب کچھ آپ تک نہ پہنچاتی مگر یہ جھوٹ نہیں ہے۔" منیزہ نے کہا۔

"مگر یہ تو سوچو کہ شبانہ بھابھی ایسی کوئی بات کیوں کریں گی۔ وہ تو امبر اور صبغہ سے بہت محبت کرتی ہیں۔" منصور علی اب بھی اپنی بات پر قائم تھے "اور خاص طور پر اب جب رخصتی ہونے والی ہے۔"

"سب منہ دیکھے کی محبت ہے، آپ کو اتنے سالوں میں ان کے مزاج اور فطرت کا تو اندازہ ہو ہی گیا ہو گا۔"

"وہ لالچی ہیں۔ یہ میں جانتا ہوں مگر یہ ایسی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔" منصور علی نے کہا۔

"بات صرف لالچ کی نہیں بے لحاظ کی بھی ہے سب کچھ لینے کے بعد بھی اگر کسی شخص کا منہ بند نہ ہو تو پھر......"

منصور علی نے منیزہ کی بات کاٹ دی۔ "میں خود ان سے بات کروں گا۔"

"آپ کیا بات کریں گے وہ کبھی مانیں گی کہ انہوں نے ایسی کوئی بات کی ہے وہ تو صاف انکار کر دیں گی۔" منیزہ نے کہا۔

"تو پھر بتاؤ تم کیا چاہتی ہو۔ میں کیا کروں؟" منصور نے کہا۔

"آپ مسعود بھائی سے بات کریں۔ انہیں یہ سب کچھ بتائیں جو شبانہ نے کیا کہا ہے۔" منیزہ نے کہا۔

"وہ بھی میری طرح ان باتوں پر یقین نہیں کریں گے اور پھر وہ بھی یہی پوچھیں گے کہ یہ سب کہا کس نے ہے اور تم یہ بتانے پر تیار نہیں ہو۔" منصور علی نے کہا۔

"یقین نہیں کرتے نہ کریں مگر آپ انہیں یہ سب کچھ بتا تو دیں۔" منیزہ نے کچھ تاؤ کھا کر کہا "اور میں تو امبر اور صبغہ دونوں کو منع کر دوں گی کہ ان میں سے کوئی بھی طلحہ یا اسامہ سے نہ ملے، نہ ہی ان کے گھر جائے اور اب شبانہ لاکھ بار فون کرے تب بھی میں ان دونوں کو اس کے گھر نہیں بھیجوں گی۔" منیزہ بولتی رہیں۔

"لیکن منیزہ! مجھے اب بھی ان سب باتوں پر یقین نہیں ہے شبانہ بھابھی ایسی نہیں ہیں۔ اس طرح کی باتیں وہ نہیں کر سکتیں۔ کسی نے جھوٹ بولا ہے۔" منصور علی نے کہا۔

"کیا منورہ آپا جھوٹ بول سکتی ہیں اور اس طرح کا جھوٹ؟" منیزہ نے کچھ تلملا کر منصور علی سے کہا وہ ہکا بکا رہ گئے۔

"یہ سب کچھ تمہیں منورہ آپا نے بتایا ہے؟"

"تو اور کون بتائے گا۔ وہ آج آئی ہوئی تھیں اور شبانہ کی ان باتوں کی وجہ سے خاصی پریشان تھیں۔"

"شبانہ بھابھی نے یہ باتیں خود ان سے کہی ہیں؟" منصور علی کی حیرت ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

"ہاں وہ دو تین دن پہلے مسعود بھائی کے گھر گئی تھیں تو وہیں پر شبانہ نے یہ ساری باتیں کیں اور یہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا منورہ آپا مجھے بتا رہی تھیں کہ وہ اکثر خاندان کے لوگوں سے میرے اور امبر، صبغہ کے بارے میں ایسی باتیں کرتی رہتی ہیں۔" منیزہ نے انہیں تفصیل بتائی۔

منصور علی کے چہرے پر اب غصہ جھلکنے لگا تھا۔ "شبانہ بھابھی کو شرم آنی چاہیے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔"

"انہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم کیوں آئے گی؟ امبر اور صبغہ ان کی بیٹیاں تو نہیں ہیں...... ان کے نزدیک تو وہ ہماری بیٹیاں ہیں۔" منیزہ نے منصور کے غصے کو کچھ اور ہوا دی۔

"شبانہ بھابھی کی ان ہی باتوں کی وجہ سے مسعود بھائی پہلے ہی خاندان سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔" منصور نے لقمہ دیا۔

"یہ تو آپ کا خیال ہے کہ مسعود بھائی خاندان سے کٹ کر رہ گئے ہیں...... شبانہ بھابھی کا خیال ہے کہ خاندان سے میں نے آپ کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔" منیزہ نے کہا تو منصور اور چڑ گئے۔

"فضول باتیں کرنے میں تو وہ ہمیشہ سے ماہر ہیں، میں سمجھتا تھا کہ اتنے سالوں میں ان میں کچھ تبدیلیاں تو آ ہی گئی ہوں گی مگر یہاں ڈھاک کے وہی تین پات انہیں بات کرتے ہوئے یہ بھی خیال نہیں آیا کہ وہ کس کے بارے میں بات کر رہی ہیں۔" منصور علی کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

''میری بیٹیاں انہیں اتنی بری لگتی ہیں تو ختم کر دیں یہ رشتے...... اس ڈھونگ کی کیا ضرورت ہے۔ میری بیٹیوں کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے، اس گھر میں تو میں انہیں کبھی نہیں بھیجوں گا جہاں ان کے بارے میں پہلے ہی اس طرح کی باتیں ہو رہی ہوں گی۔'' منصور علی یک دم ہی جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئے تھے۔

''میں نے آپ کو یہ سب اسی لیے بتایا ہے کہ آپ ان لوگوں سے بات کریں۔'' منیزہ نے منصور علی سے کہا۔

''میں صبح ہی شبانہ بھابھی سے بات کرتا ہوں...... دیکھتا ہوں، وہ کیا کہتی ہیں۔'' منصور علی نے کہا مگر منیزہ نے ناپسندیدگی کے عالم میں سر ہلایا۔

''نہیں شبانہ سے بات نہ کریں، آپ سیدھا مسعود بھائی سے بات کریں۔ آخر انہیں بھی تو پتہ چلے کہ ان کے گھر میں کیا ہو رہا ہے۔'' منیزہ نے منصور سے کہا۔

''مسعود بھائی سے میں بعد میں بات کروں گا۔ پہلے تو شبانہ بھابھی سے ہی بات کرنی چاہیے۔''

''اور اگر شبانہ نے صاف انکار کر دیا کہ اس نے ایسی کوئی بات کہی ہی نہیں اور ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے تو؟'' منیزہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اگر انہوں نے ان تمام باتوں سے انکار کر دیا تو میں انہیں آپا کا حوالہ دوں گا بلکہ آپا سے آمنا سامنا کروا دوں گا پھر تو وہ بات نہیں کر سکیں گی۔'' منصور علی نے قدرے جوش سے کہا۔

''اب خدا کے لیے آپا کا نام تو ان کے سامنے مت لیں۔ آپا نے مجھے خاص طور پر منع کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ اس طرح بات بڑھ جائے گی اور وہ بات بڑھانا نہیں چاہتیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ شبانہ کو پہلے ہی ہر وقت ان سے یہ شکایت رہتی ہے کہ وہ میری اور میری بیٹیوں کی حمایت کرتی ہیں اب اگر اسے یہ پتا چلا کہ میں نے کوئی بات تم لوگوں تک پہنچائی ہے تو شبانہ اور ناراض ہوگی۔'' منیزہ نے تفصیل بتائی۔

''آپا کو خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے...... شبانہ بھابھی ناراض ہوتی ہیں تو ہو جائیں۔'' منصور علی نے لاپروائی سے کہا۔

''انہیں صرف یہ خدشہ ہے کہ ہم دونوں فیملیز کے درمیان ان کی وجہ سے اختلاف پیدا نہ ہو جائے، وہ نہیں چاہتیں کہ سارے خاندان میں ان کے بارے میں بھی شبانہ باتیں کرتی پھرے۔'' منیزہ نے کہا تو منصور علی نے ان کی بات مانتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آپا کا نام نہیں لیتا مگر بات تو میں شبانہ بھابھی سے ہی کروں گا۔''

''آپ آخر مسعود بھائی سے بات کرتے ہوئے اتنا ڈر کیوں رہے ہیں؟'' منیزہ نے کچھ چڑ کر کہا۔ ''آپ مسعود بھائی سے بات کریں اگر آپ ان سے بات نہیں کریں گے تو میں خود کر لوں گی۔''

''ٹھیک ہے میں مسعود بھائی سے ہی بات کر لیتا ہوں۔'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد منصور علی نے منیزہ سے کہا۔

''اور تم صبغہ اور امبر دونوں کو منع کر دو وہ نہ تو طلحہ اور اسامہ سے ملیں، نہ ہی ان کے فون ریسیو کریں۔'' منصور علی نے سخت لہجے میں منیزہ سے کہا۔ ''اور تم ان دونوں کو یہاں بھی مت آنے دو۔''

''آپ کے کہنے سے پہلے ہی میں صبغہ اور امبر سے اس سلسلے میں بات کر چکی ہوں...... امبر تو خود بہت ناراض ہو رہی تھی۔'' منیزہ نے منصور علی سے کہا۔ ''وہ تو خود شبانہ بھابھی سے بات کرنا چاہتی تھی مگر میں نے منع کر دیا کہ خوامخواہ کوئی اور ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے آپ شبانہ بھابھی کی لگائی بجھائی والی عادت کو تو اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''پہلے تو شاید اچھی طرح نہیں جانتا تھا مگر اب بہت اچھی طرح جان گیا ہوں۔'' منصور علی بڑبڑائے۔

☆☆☆

''تم یقین کرو منصور! مجھے ان تمام باتوں کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔''

منصور علی نے اگلے دن صبح آفس جاتے ہی مسعود علی سے اس سلسلے میں بات کی تھی اور شبانہ کی کہی ہوئی باتیں ان کے

گوش گزار کر دی تھیں۔ مسعود علی ان تمام باتوں کو سن کر ہکا بکا رہ گئے تھے شبانہ کی عادت سے وہ اچھی طرح واقف تھے کہ وہ جلی کٹی سنانے اور طنز کرنے میں ماہر تھیں مگر انہیں حیرت اس پر ہو رہی تھی کہ تمام باتیں منصور علی تک کس نے پہنچائی تھیں۔

"تم سے یہ سب کس نے کہا ہے؟" انہوں نے منصور علی سے پوچھا۔

"مجھے یہ سب منیزہ نے بتایا ہے اور اب مجھ سے یہ مت پوچھیے گا کہ منیزہ کو یہ سب کس نے بتایا ہے۔" انہوں نے اسی طرح ترشی سے بات کرتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے، منیزہ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو۔" مسعود علی نے کہنے کی کوشش کی۔

"بھائی جان! میری بیوی کو کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی...... صرف غلط فہمی کی بنا پر کوئی اس طرح کی باتیں نہیں کرتا...... شبانہ بھابھی نے واقعی میری بیٹیوں کے بارے میں اس طرح کی باتیں کی ہیں۔" منصور علی نے ترشی سے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"مگر منصور! آخر شبانہ ایسی باتیں کیوں کرے گی...... تم جانتے ہو، وہ امبر اور صبغہ سے کتنی محبت کرتی ہے اور ان دونوں کو اپنے گھر لانے کا کتنا انتظار کر رہی ہے۔"

"میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ میری بیٹیوں سے کتنی محبت کرتی ہیں...... میری بیٹیوں کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے...... میں ایک ڈھونڈوں گا، مجھے ہزار ملیں گے مگر میں نے آپ کے خاندان کو ترجیح صرف اس لیے دی کیونکہ آپ میرے بھائی تھے اور میرا خیال تھا آپ کے گھر میری بیٹیاں بہت خوش رہیں گی...... انہیں کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا مگر اب مجھے لگ رہا ہے۔ میرا فیصلہ غلط تھا۔" منصور علی جذباتی انداز میں بولتے جا رہے تھے۔ "شاید میں نے خاندان سے باہر اپنی بیٹیوں کے رشتے کرنے کی کوشش کی ہوتی تو میری بیٹیوں کے بارے میں اس طرح کے تبصرے نہ کیے جاتے جیسے شبانہ بھابھی نے کیے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب میری بیٹیاں ابھی آپ کے گھر گئی تک نہیں۔" منصور علی نے تیز لہجے میں کہا۔

"جب وہ آپ کے گھر چلی جائیں گی تو آپ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔"

"خدا گواہ ہے منصور! میں نے تمہاری بیٹیوں کو ہمیشہ اپنی بیٹیاں سمجھا ہے اور......" مسعود علی نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"میں نے اپنی بیٹیوں کو کتنی آسائشوں اور نازوں سے پالا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں، آج تک کبھی اونچی آواز میں ان سے بات تک نہیں کی اور اب آپ کی بیوی ان کے بارے میں اس طرح کی بے ہودہ گفتگو کرتی پھر رہی ہے۔" منصور علی نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

"منصور! مجھے شبانہ سے بات کر لینے دو...... یقین کرو اگر اس نے واقعی یہ سب کہا ہے تو وہ خود تم لوگوں سے معذرت کرے گی۔" مسعود علی نے منصور علی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن منصور علی پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"آپ کی بیوی کی معذرت سے مجھے یا میری فیملی کو کیا فائدہ ہو گا۔"

"تم ایک بار مجھے اس سے بات تو کرنے دو...... مجھے یقین ہے کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہو گی...... وہ تو امبر اور صبغہ کی ہر وقت تعریف کرتی رہتی ہے۔" مسعود علی نے کچھ مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"یقیناً یہ بھی کچھ اسی طرح کی تعریف ہو گی۔" منصور علی نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری اس سے بات کروا دوں گا...... تم خود اس سے یہ سب کچھ پوچھ لینا۔"

"میں ان سے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا...... آپ سے بات کرنے کا مقصد یہی تھا کہ آپ خود شبانہ بھابھی سے ان سب باتوں کے بارے میں پوچھیں...... اور میں آپ کو یہ بات صاف صاف بتا رہا ہوں کہ میری بیٹیوں کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے، اگر آپ کو ان میں ابھی سے اتنے نقص نظر آ رہے ہیں تو آپ صاف صاف بات ختم کریں...... مگر جو بھی کہنا ہے...... سامنے ہمارے منہ پر کہیں...... چوری چھپے دوسرے لوگوں سے باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" منصور علی نے اکھڑ

''منصور! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''آپ سے کس نے کہا کہ میں پریشان ہوں...... میں بالکل بھی پریشان نہیں ہوں...... پریشان تو میں تب ہوں گا جب آپ کے گھر میری بیٹیاں چلی جائیں گی...... ابھی تو وہ اپنے باپ کے گھر میں عیش کر رہی ہیں...... ابھی مجھے کیا پریشانی۔'' منصور نے ان کی بات کاٹ کر بہت تیز اور بلند آواز میں کہا۔ مسعود علی کچھ دیر کچھ بھی نہیں بول سکے پھر وہ یک دم اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''میں گھر جا رہا ہوں...... ابھی شبانہ سے بات کرتا ہوں...... پوچھتا ہوں اس سے کہ اس نے ایسی بکواس کیوں کی ہے اور تم سے میں بہت معذرت چاہتا ہوں۔''

''بھائی جان! آپ کی معذرت سے کیا ہوگا...... آپ نے کچھ کہا نہیں تو آپ معذرت کیوں کر رہے ہیں...... اور میں ویسے بھی معذرتوں پر یقین رکھنے والا آدمی نہیں ہوں...... یا تو بندہ غلط کام کرے ہی نا اور اگر کرے تو پھر اپنی غلطی تسلیم کرے اور معافیاں مانگنے کے بجائے آئندہ وہ غلطی کبھی نہ دہرائے مگر جو لوگ صرف معافیاں مانگتے رہتے ہیں...... وہ اپنی غلطیاں دوبارہ بلکہ سہ بارہ بھی دہراتے ہیں، اس لیے آپ معافی وغیرہ نہ مانگیں صرف شبانہ بھابھی کو آئندہ کے لیے ایسی باتوں سے منع کر دیں...... کیونکہ آئندہ میں نے ایک بھی ایسی بات کسی کے منہ سے سنی تو میں یہ تمام معاملہ ختم کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔ مجھے اپنی اولاد بہت پیاری ہے اور یہ بات آپ کو معلوم ہونی چاہیے۔''

اس بار منصور علی نے قدرے ٹھنڈے انداز میں بات کی مگر ان کے لہجے میں وہی سرد مہری تھی۔ مسعود علی نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ کسی قدر برہمی کے عالم میں کمرے سے نکل گئے۔

☆☆☆

''تم اپنی زبان پر آخر قابو کیوں نہیں رکھ سکتیں؟'' مسعود علی دھاڑ رہے تھے...... وہ کچھ دیر پہلے ہی آفس سے آئے تھے طلحہ ان کے ساتھ تھا اور وہ دونوں باپ بیٹے خاصے غصے میں تھے۔

''تمہاری وجہ سے چھوٹے بھائی کے ہاتھوں آج میری کتنی بے عزتی ہوئی ہے...... تمہیں اس کا احساس ہے۔'' شبانہ کے حواس مکمل طور پر مفلوج ہو رہے تھے...... ان کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا کیونکہ مسعود علی نے آ کر انہیں جو باتیں بتائی تھیں ان میں سے کچھ باتیں وہ اگرچہ منصور علی کے گھر والوں اور امبر اور صبغہ کے بارے میں کہتی رہی تھیں مگر زیادہ باتیں ایسی تھیں جن کا انہیں کچھ پتا نہیں تھا جس نے بھی ان کی باتوں کو آگے پہنچایا تھا، اس نے ہر بات کو بڑھا چڑھا کر بتایا تھا اور اب شوہر اور بیٹے کے تیور انہیں پریشان کر رہے تھے تو ساتھ ساتھ یہ سوچ کر بھی ان کی سٹی گم ہو رہی تھی کہ یہ تمام باتیں منیزہ اور منصور تک پہنچ چکی ہیں۔

''مسعود! مجھے تو سرے سے پتا ہی نہیں کہ یہ باتیں منیزہ اور منصور تک کس نے پہنچائی ہیں، میں نے ایسا کبھی کچھ بھی نہیں کہا۔'' وہ ہکلاتے ہوئے اپنی صفائیاں دینے کی کر رہی تھیں۔

''جھوٹ مت بولو، کئی بار تو تم نے میرے سامنے منیزہ اور امبر کے بارے میں ایسی باتیں کی ہیں اور میں نے تمہیں منع بھی کیا ہے۔'' مسعود علی نے درشتی سے کہا۔

''جو بھی کہا ہے آپ سے کہا ہے مگر یقین کریں، میں نے کسی دوسرے سے آج تک کچھ نہیں کہا اور میں آخر ایسا کچھ کیوں کہوں گی، میں بے وقوف تو نہیں ہوں۔''

''بے وقوف ہو یا نہیں مگر تم نے میرے لیے خاصی مشکلات کھڑی کر دی ہیں...... منصور تو اتنے غصے میں تھا کہ وہ رشتہ ختم کرنے پر تلا ہوا تھا۔'' مسعود نے تلخی سے کہا۔

''پاپا! جو باتیں انہوں نے ان لوگوں کے بارے میں کی ہیں، وہ کوئی بھی سنے گا تو انکل منصور کی طرح ہی ری ایکٹ کرے گا۔'' اس بار طلحہ نے گفتگو میں مداخلت کی۔

"اب یہ کوئی بات ہے جو انہوں نے کی ہے کہ امبر اور صبغہ مجھ سے اور اسامہ سے ملتی رہتی ہیں۔ انہیں کسی قسم کا کوئی لحاظ اور شرم نہیں ہے...... نہ انہیں نہ ان کی ماں کو...... ساتھ ان کے لباس پر بھی اعتراض کر رہی ہیں۔

"طلحہ! میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" شبانہ نے کمزور سے لہجے میں اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"اب یہ تو نہ کہیں کہ آپ نے سرے سے ایسا کچھ کہا ہی نہیں آپ نے کچھ نہ کچھ تو کیا ہوگا کہ اس پر یہ سارا ہنگامہ کھڑا ہوا ہے۔" طلحہ مکمل طور پر ماں سے بدگمان ہو رہا تھا۔

"آپ سوچیں ذرا اب میں امبر اور منیزہ چچی کا سامنا کیسے کروں گا...... فون تو وہ لوگ پہلے ہی ریسیو نہیں کر رہیں اور منیزہ چچی نے صاف صاف مجھے فون پر کہا ہے کہ اب میں دوبارہ کبھی فون نہ کروں کیونکہ میری ماں کو یہ پسند نہیں ہے اور وہ یہ نہیں چاہتیں کہ پورے خاندان میں میری ماں انہیں اور ان کی بیٹیوں کو میرے میل جول کے حوالے سے بدنام کرتی پھرے...... میرے پاس ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا...... کیونکہ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھیں...... ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا، وہ یہی کرتا۔"

"یہ سارا فساد منیزہ کا پھیلایا ہوا ہے...... وہی مجھے شوہر اور بیٹے کی نظروں میں اس طرح گرانا چاہتی ہے۔" شبانہ نے کہا۔

"منیزہ کو اگر ایسی حرکتیں کرنا ہوتیں تو وہ ہم سے اس طرح کا رشتہ ہی قائم نہ کرتی اور وہ بھی اب جب امبر اور طلحہ کی شادی میں چند ماہ رہ گئے ہیں۔" مسعود علی نے کہا۔

"تم نے ایسا کچھ کہا ہے یا نہیں تم میرے ساتھ منصور کے گھر چلوگی اور وہاں ان دونوں سے معذرت کروگی۔"

"معافی مانگنے جاؤں...... کس لیے معافی مانگنے جاؤں...... جب میں نے کچھ کہا ہی نہیں۔" شبانہ نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے یہ باتیں نہیں کہیں تو کیا تمہارے فرشتوں نے یہ سب کچھ منیزہ تک پہنچایا ہے۔" مسعود علی نے اس کے انکار پر برہم ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یہ سب کچھ منیزہ کی اپنی پلاننگ لگتی ہے۔" شبانہ نے ناپسندیدگی سے کہا۔

"ذکیہ نے بتایا ہے مجھے کہ امبر کی کچھ دوستوں کے بھائیوں کے رشتے گئے ہیں امبر کے گھر۔ ہو سکتا ہے......" اس بار مسعود علی نے تیز آواز میں شبانہ کی بات کاٹی۔

"کتنی احمق عورت ہو تم...... کس طرح کی سوچ ہے تمہاری...... کہ وہ اپنی بیٹیوں کے نکاح تمہارے بیٹوں کے ساتھ کرے گی اور جب رخصتی ہونے والی ہوگی تو وہ کہیں اور ان کے رشتے ڈھونڈنا شروع کر دے گی۔"

"مجھے کیا پتا، میں تو آپ کو وہی بتا رہی ہوں جو ذکیہ نے بتایا ہے۔"

"جس طرح تم احمق ہو، اسی طرح تمہاری بیٹیاں بھی عقل سے پیدل ہیں، اب اگر یہ بات بھی منیزہ اور منصور تک پہنچ جائے تو وہ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے۔ پہلے تو شاید انہوں نے کوئی رشتہ نہ ڈھونڈا ہو...... مگر اس طرح کی باتیں سننے کے بعد تو وہ یقیناً اپنی بیٹیوں کے لیے رشتے ڈھونڈنا شروع کر دیں گے۔" مسعود علی نے کہا۔

"اور امبر کو ذکیہ کی باتوں کا پتہ چلے تو وہ اس کے بارے میں کیا سوچے گی...... امی! یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے...... آپ جس طرح کی باتیں خود کرتی ہیں...... ویسی ہی باتیں آپ کی بیٹیاں کرتی ہیں...... اب ذکیہ کو کیسے پتا چلا ہے کہ امبر کے ہاں اس کی کسی دوست کے بھائی کا پرپوزل گیا ہے۔" طلحہ نے غصے سے کہا۔

"اس کو سعدیہ نے بتایا ہے، سعدیہ آج کل کالج میں امبر کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔" شبانہ نے فوراً اپنی بیٹی کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"سعدیہ نے اگر یہ بتایا ہے تو غلط بھی ہو سکتا ہے...... کالج میں ساتھ رہنے کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ سعدیہ جو کچھ بھی کہے گی وہ ٹھیک بھی ہوگا آپ نے ذکیہ کو ڈانٹا کیوں نہیں کہ اس نے اس طرح کی بات سعدیہ سے کیوں سنی اور پھر آپ تک کیوں پہنچائی...... اسے ڈانٹنے کے بجائے آپ نے یہ بات ہم لوگوں تک پہنچا رہی ہیں۔" طلحہ نے کہا۔

"تمہاری ماں کیسے ڈانٹتی اسے، جو تمہاری ماں کی فطرت وہی ذکیہ کی فطرت...... اسے تو اس طرح کی بات سن کر ویسے ہی بڑی خوشی ہوئی ہوگی۔" مسعود علی نے اس بار کچھ طنزیہ انداز میں کہا۔

"آپ لوگ جتنی بے عزتی میری کرنا چاہتے ہیں کر لیں...... پہلے میں آپ کو بری لگ رہی تھی اب میری بچی بھی بری لگنے لگی۔" شبانہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"ہم کیا بے عزتی کریں گے تمہاری، بے عزتی تو وہ ہے جو منصور علی نے میری کی ہے۔ تم کر سکتی ہو منصور علی کا سامنا؟" مسعود علی نے کہا۔

"ہاں کر سکتی ہوں اس کا سامنا...... جب میں نے کوئی بات ہی نہیں کی...... تو مجھے کوئی خوف بھی نہیں ہے۔" شبانہ نے بڑے دھڑلے سے کہا۔

"تم جانتی ہو اگر منصور علی نے تمہاری وجہ سے یہ دونوں رشتے ختم کر دیے تو کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا؟"

"میں اور تمہارے بیٹے تینوں سڑک پر پڑے ہوں گے۔ وہ مکھن سے بال کی طرح نکال کر ہمیں فیکٹری سے باہر پھینک دے گا اور اس کے ساتھ ہی یہ سارے عیش بھی ختم ہو جائیں گے...... پھر تم اپنی قینچی کی طرح چلنے والی زبان کا خمیازہ خود بھی بھگتو گی اور تمہارے ساتھ ساتھ ہم بھی بھگتیں گے۔" مسعود علی نے تلخی سے کہا اس بار شبانہ چپ رہیں۔

"امی کو اس بات کی کیا پرواہ...... ہمارا گھر خراب ہو...... ان کی بلا سے...... ان کے لیے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ انہوں نے دوسروں کی بے عزتی کرنی تھی وہ کر لی۔" طلحہ نے باپ کی بات میں لقمہ دیا۔

"ماں کو اپنی بیوی کے گھر لے جا کر معافی منگواتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئے گی؟"

"تو ماں کو بھی تو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے کہ جس پر بعد میں معافی مانگنے کی نوبت آئے۔" طلحہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"تم پر پہلے ہی امبر اور اس کی ماں کا اتنا اثر ہے تو بعد میں تم کیا کرو گے، مجھے تو دھکے دے کر گھر سے نکال دو گے۔" شبانہ نے بیٹے پر طنز کیا۔

"آپ نے سنا پاپا! یہ بالکل وہی بات ہے جو منصور انکل نے آپ کو امی کے حوالے سے بتائی تھی کہ امی کہتی ہیں کہ امبر اور منیزہ نے میرے بیٹوں کو اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے وہ ماں کی بات سنتے ہی نہیں...... اور پھر بھی امی بار بار یہ کہہ رہی ہیں کہ انہوں نے ایسی کوئی بات کی ہی نہیں۔" طلحہ نے باپ کی طرف مڑتے ہوئے بڑے غصے سے ان سے کہا۔ "پھر میں انہیں جھوٹا نہ سمجھوں تو اور کیا سمجھوں۔" شبانہ اس کی بات پر شپٹا کر رہ گئیں۔

"تم دونوں آخر اب مجھ سے چاہتے کیا ہو؟" انہوں نے کچھ بے بسی کے عالم میں ان سے کہا۔

"جو چاہتے ہیں وہ پہلے ہی بتا چکے ہیں...... میرے ساتھ منصور کے گھر چلو اور اس سے معذرت کرو۔" مسعود علی نے بڑی بے رخی سے کہا۔ "یا پھر میں یہ رشتے ختم کر دیتا ہوں...... میں تو اب منصور کا سامنا نہیں کر سکتا۔"

"ہاں بہتر ہے پاپا! آپ یہ رشتہ ختم کر ہی دیں...... امی کی اس طرح کی باتوں کے بعد باقی تو کچھ رہ بھی نہیں گیا۔" طلحہ نے بھی باپ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

شبانہ کچھ اور شپٹا گئیں...... یکدم ہی انہیں سب کچھ اپنے ہاتھ سے نکلتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ پورے خاندان میں ان رشتوں کی وجہ سے ان کی ایک ساکھ بن گئی تھی، انہیں وہ ڈوبتی ہوئی نظر آنے لگی...... اور مسئلہ صرف ساکھ کا ہی نہیں تھا۔ انہیں یک دم ہی اپنے ہاتھوں سے وہ روپیہ نکلتا ہوا نظر آنے لگا جو صبغہ اور امبر کے جہیز کی صورت میں ان کے گھر کی زینت بننے والا تھا۔

"ٹھیک ہے اگر تم لوگ یہی چاہتے ہو تو میں منصور علی کے گھر جانے کو تیار ہوں۔" شبانہ نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد

آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"صرف وہاں جانا ہی نہیں، تمہیں معذرت بھی کرنی ہے۔" مسعود علی نے انہیں یاد دلایا۔

"جب جا رہی ہوں تو معذرت بھی کرلوں گی...... حالانکہ میں نے......" طلحہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"امی! اب آپ پھر وہی راگ الاپنا شروع مت کریں، بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ وہاں جا کر ان سے اپنے رویے اور باتوں کے لیے معذرت کریں اور آئندہ کسی شکایت کا موقع نہ دینے کے بارے میں یقین دہانی کروا دیں۔" طلحہ نے ماں کی بات کاٹتے ہوئے بے رخی سے کہا۔

"اور میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے...... اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی بات یا لباس پر اعتراض نہیں ہے تو آپ اعتراض کرنے والی کون ہوتی ہیں وہ جینز پہنے یا شلوار قمیض یہ میرا اس کا مسئلہ ہے...... آپ اس میں دخل اندازی کیوں کر رہی ہیں اور اگر ہم دونوں مل رہے ہیں تو بھی یہ ہمارا مسئلہ ہے آپ کو اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

طلحہ ترشی سے کہتے ہوئے لاؤنج سے نکل گیا۔

"بس یہی سننا تھا تمہیں بیٹے کی زبان سے...... سن لیا؟ تسلی ہوگئی یا ابھی کچھ اور سننا چاہتی ہو، ابھی تو اسامہ کو پتا چلے گا تو وہ بھی آئے گا تمہارے پاس اسی طرح دندناتا ہوا، تم واقعی ایک احمق عورت ہو۔" مسعود علی نے اس سے کہا۔

"یہ ساری بے عزتی آپ کی وجہ سے ہوئی ہے...... اگر آپ بیٹے کو لے کر اس طرح مجھ پر نہ چڑھ دوڑتے تو اس کی ہمت نہ ہوتی ایسی باتیں کرنے کی۔" طلحہ کے وہاں سے جاتے ہی شبانہ نے بلند آواز میں مسعود علی سے کہا۔

"وہ کوئی چار پانچ سال کا بچہ نہیں ہے کہ جو میں کروں گا وہی کرے گا۔ یا جو میرے کہنے پر سب کچھ کرے گا۔ اب تم ان کے بارے میں سرے سے کچھ کہنا ہی مت...... کم از کم تب تک جب تک امبر اور صبغہ بیاہ کر اس گھر میں نہیں آجائیں، منصور نے مجھ سے صاف کہا ہے کہ اگر اس نے اب ایسی کوئی بات اپنی بیٹیوں کے بارے میں سنی تو وہ یہ رشتے ختم کرنے میں دیر نہیں کرے گا۔" مسعود علی نے شبانہ کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور وہ جس مزاج کا آدمی ہے...... میں جانتا ہوں، وہ واقعی ایسا کر گزرے گا۔ اس لیے اب تم اپنی زبان بند ہی رکھنا۔"

"آپ نے منصور سے یہ کیوں نہیں کہا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔" شبانہ نے مسعود علی سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ تو بری طرح آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ میری کوئی بات سننے پر تیار ہی نہیں تھا۔"

"آپ اس سے کہیے کہ وہ اس آدمی کا نام بتائے جس نے ان تک یہ سارا جھوٹ پہنچایا ہے۔"

"وہ اس پر تیار ہی نہیں تھا اور اس کا فائدہ بھی کیا ہوتا اگر وہ شخص تمہارے منہ پر کہہ دیتا کہ تم نے یہ سب کچھ کہا ہے تو پھر...... باتیں تو تم ایسی کرتی رہتی ہو، یہ تو میں جانتا ہوں۔" مسعود علی نے کچھ بے زاری سے کہا۔

"مگر میں......" مسعود نے شبانہ کی بات کاٹ دی۔

"اب ان ساری باتوں کو چھوڑو، میں دوبارہ فیکٹری جا رہا ہوں۔" مسعود علی بھی لاؤنج سے نکل گئے۔

☆☆☆

آٹھواں باب

کالج میں ہونے والے سالانہ ورائٹی پروگرام کی تیاری اپنے عروج پر تھی...... مختلف آئٹم کے لیے آڈیشنز ہو رہے تھے۔

امبر بھی اس دن اپنی فرینڈز کے ساتھ اس فیشن شو کے لیے آڈیشن دینے آئی تھی جو ان آئٹمز میں سے ایک تھا۔

"یہ تو طے ہے کہ تمہیں رکھ لیا جائے گا۔" سونیا نے امبر کے ساتھ چلتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"یہ تمہیں کیسے پتا؟" امبر نے کہا۔ "تمہیں نہیں رکھیں گے تو اور کسے رکھیں گے...... یہ تو اوپن سیکرٹ ہے۔" فلزہ نے سونیا کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ماڈلنگ Looks کے علاوہ اور ہے کیا اور بات اگر Looks کی آئے گی تو پھر کم از کم اس فیشن شو میں تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔"

اس بار اس کی کزن سعدیہ نے تبصرہ کیا۔ وہ سب بڑے اطمینان سے چہل قدمی کرتے ہوئے اپنے مطلوبہ کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔

"بات صرف Looks کی نہیں ہے۔ کیٹ واک کا مسئلہ ہے، سب کے سامنے کیٹ واک کرنا بہت مشکل ہے۔" امبر نے کہا۔

"بکواس مت کرو، کتنی منتوں سے تمہیں لے کر آئے ہیں اور اب تم یہاں آ کر پھر حماقت کا مظاہرہ کر رہی ہو۔" منزہ نے اسے ڈانٹا۔

"میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتی تھی امبر...... ! میرا خیال تھا تم میں اتنا اعتماد ہے کہ تم......"

امبر نے کچھ چڑتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ "بار بار اعتماد پر کیوں آ جاتے ہو تم لوگ...... یا پھر بزدلی کا راگ الاپنے لگتے ہو، اب اعتماد ثابت کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ میں کیٹ واک کروں۔"

"ٹھیک ہے اعتماد کی بات نہیں کرتے...... مگر اب تم سارا پروگرام خراب مت کرنا۔ جب طے کیا ہے کہ سارا گروپ اس فیشن شو کے لیے آڈیشن دے گا تو پھر سارا گروپ ہی دے گا۔" حفصہ نے مداخلت کی۔

"اور آڈیشن میں جب دھڑا دھڑ فیل ہوں گے تو جتنی بے عزتی ہوگی اس کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے۔۔۔ پورے کالج کی لڑکیاں ہنسیں گی کہ بڑا شوق تھا انہیں ماڈل بننے۔" امبر نے اپنے خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"فیل اگر کوئی ہوگا تو ہم میں سے ہوگا...... تم دیکھ لینا تمہیں مسز علوی کتنے آرام سے سلیکٹ کر لیں گی۔" سونیا نے جیسے اسے تسلی دی۔

"میری کوئی رشتہ دار تو ہیں نہیں وہ کہ بڑے آرام سے رکھ لیں اور سوچو انہوں نے رکھ بھی لیا تو فنکشن والے دن کتنی شرمندہ ہوں گی وہ جب میں رن وے پر بے ہوش ہو جاؤں گی۔" امبر نے کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا اول تو تم بے ہوش ہوتی ہی نہیں اور فرض کرو تم بے ہوش ہو بھی گئیں تو ہم کس کے لیے ہیں۔" فائزہ نے کہا۔

"بے ہوش تم نہیں دیکھنے والے ہوں گے جن پر تم اپنے حسن کی بجلیاں گراؤ گی۔" حفصہ نے لہجہ کو حتی المقدور رومانٹک بنا کر کہا۔

امبر کو بے اختیار ہنسی آئی۔ "سارے تھرڈ ریٹ ڈائیلاگز تم نے اسٹاک کیے ہوتے ہیں۔ حفصہ! ہر غلط موقع پر تم انہیں استعمال کرتی ہو۔"

"آخر ہم بھی تو آڈیشن کے لیے جا رہے ہیں، ہم تو نروس نہیں ہیں آخر تم ہی کیوں نروس ہو۔" سونیا نے کہا۔

"میں پہلی دفعہ ایسے احمقانہ کام میں حصہ لینے جا رہی ہوں اس لیے۔"

"ہم بھی پہلی دفعہ ہی بقول تمہارے اس احمقانہ کام میں حصہ لینے جا رہے ہیں اور لگتا ہے پورا کالج اس احمقانہ کام کے لیے آیا ہوا ہے۔" سونیا نے دور سے ہی ہال کے باہر لڑکیوں کے ہجوم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ سب لوگ صرف اس فیشن شو کے لیے نہیں آئے اور بھی دو تین آئٹمز کا آڈیشن یہیں ہو رہا ہے۔" سعدیہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"میں تو یہ سوچ کر ڈر گئی تھی کہ اتنی تعداد کا مطلب ہے کہ آڈیشن کے لیے بھی لائن میں لگنا پڑے گا۔" امبر نے جیسے سکون کا سانس لیا۔

وہ سب ہال میں داخل ہو گئیں۔ مسز علوی نے ان کے تقریباً پورے گروپ کو ہی او کے کر دیا تھا۔ ان سب کو اس کی توقع بھی تھی کیونکہ اپنی Looks کی وجہ سے ان کا گروپ کالج کے چند نمایاں ترین گروپس میں سے ایک تھا۔

خاصے پُرجوش انداز میں وہ سب ہال سے نکل رہی تھیں جب مسز علوی کی طرف سے امبر کو دوبارہ بلایا گیا۔ باقی سب بھی امبر کے ساتھ ہی دوبارہ واپس پلٹ گئیں۔

"امبر! آپ مسز عاکف سے مل کر جائیں۔" مسز علوی نے امبر کو دیکھتے ہی کہا۔

"وہ کس لیے؟" امبر نے کچھ حیرانی سے کہا۔ "انہیں اپنے پلے کے ایک کردار کے لیے ایک لڑکی کی ضرورت تھی۔ میں نے انہیں آپ کا نام دیا ہے۔" مسز علوی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"ایکٹنگ؟" امبر نے بے ساختہ کہا۔ "میم! یہ تو بالکل امپاسبل ہے۔"

"کیوں؟..... امپاسبل والی کون سی بات ہے اس میں؟" مسز علوی نے کہا۔

"مجھے تو ایکٹنگ کے سر پیر کا پتا نہیں ہے، میں تو اس فیشن شو کے لیے بھی ان لوگوں کے گھسیٹنے پر آئی ہوں۔" امبر نے صاف صاف کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اب ایکٹنگ تم میرے کہنے پر کرلو۔" مسز علوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میم! مجھے ایکٹنگ کا بالکل کچھ پتا ہی نہیں ہے، میں کیسے کرلوں۔" وہ اب بھی ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

"بچی! خوبصورت چہروں کی بڑی ضرورت ہے ہمیں اور اگر آپ جیسی لڑکیوں کے کوآپریشن کا بھی یہی حال رہا تو پھر تو فنکشن کتنا کامیاب ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ آپ لگا سکتی ہیں۔" مسز علوی نے بے تکلفی سے کہا۔

"ایکٹنگ کی آپ فکر نہ کریں۔ یہاں پروفیشنل کون بیٹھا ہے سب لوگ اسی طرح ہاتھ پیر ماریں گے جس طرح آپ ماریں گی۔ باقی مسز عاکف آپ کو سمجھا دیں گی۔" مسز علوی نے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ ایک بار پھر انکار کرتی..... سونیا نے برق رفتاری سے گفتگو میں مداخلت کی۔ "میڈم ہم خود امبر کو مسز عاکف کے پاس لے کر جائیں گے، آپ فکر ہی نہ کریں۔"

"مگر میں۔" امبر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر سونیا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مسز عاکف سے ملنے میں کیا ہرج ہے پلے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تم بعد میں بھی کر سکتی ہو۔"

اس سے پہلے کہ امبر مزید کچھ کہتی حفصہ نے مسز علوی سے کہا۔ "کیا اب ہم جا سکتے ہیں؟"

"ہاں بالکل۔" مسز علوی نے اس سے کہا۔

"امبر کچھ ناراضی کے عالم میں ان کے ساتھ ہال سے باہر نکل آئی۔

"یہ فیشن شو کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر ایکٹنگ میرے بس کی بات نہیں ہے کوئی ٹیلنٹ کا ڈھیر نہیں چھپا ہوا میرے اندر جسے تم سب لوگ باہر نکالنے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ اب خاصی ناراض نظر آ رہی تھی۔

"تم بہت ناشکری ہو۔" سونیا نے جیسے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیسے کیسے گولڈن چانس مل رہے ہیں کالج میں مشہور ہونے کے اور تم احمقوں کی طرح انہیں ٹھوکر مار رہی ہو۔"

"مسز عاکف سے ملنے میں تو کوئی حرج نہیں، آخر دیکھنا تو چاہیے کہ رول ہے کیا۔"

"ٹھیک ہے چلتے ہیں، مسز عاکف کے پاس مگر میں تمہیں صاف صاف بتا دوں کہ مجھے ایکٹنگ نہیں کرنی بس ماڈلنگ تک ہی بات ٹھیک ہے۔"

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد امبر نے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

وہ سب ہال سے نکل کر ایک قریبی کمرے میں چلی گئیں، جہاں مسز عاکف ایک ڈرامے کے لیے آڈیشن لینے میں مصروف تھیں۔

"میرا نام امبر منصور علی ہے۔ مسز علوی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" امبر نے مسز عاکف کے پاس جا کر اپنا تعارف کروایا۔

مسز عاکف کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری۔ "مسز علوی کا انتخاب بالکل ٹھیک ہے، میں خوامخواہ پریشان ہو رہی تھی۔" مسز عاکف بڑبڑائیں اور پھر انہوں نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں امبر سے کہا۔

"تم میرے ڈرامے کے دو مین کیریکٹرز میں سے ایک کا رول کر رہی ہو۔"

"مگر میڈم...... میں، میں تو ویسے ہی آئی تھی۔" امبر یک دم کچھ نروس ہو گئی۔

"تم ویسے آئی ہو یا ایسے آئی ہو، جو بھی ہے اب بس تم میرے پلے میں یہ رول کر رہی ہو۔" انہوں نے ایک اسکرپٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میڈم! مجھے ایکٹنگ......" امبر نے کچھ کہنا چاہا مگر حفصہ نے مسز عاکف سے وہ اسکرپٹ پکڑ لیا۔ "ٹھیک ہے میڈم...... تھینکس۔"

"کل پہلی ریہرسل ہے...... تم دس بجے یہاں پہنچ جانا۔" مسز عاکف نے کہا۔

اس سے پہلے کہ امبر کچھ اور کہتی اس کی فرینڈز اسے تقریباً کھینچتے ہوئے وہاں سے لے آئیں۔ وہ سب کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ گئی تھیں جب انہوں نے دو لڑکیوں کو کمرے کے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

ان میں سے ایک لڑکی بہت دراز قد تھی...... دراز قد ہونے کے علاوہ بہت خوبصورت بھی تھی۔ امبر اور اس کا گروپ چند لمحوں کے لیے ٹھٹھک گیا تھا ان دونوں لڑکیوں کی نظر بھی امبر پر تھی چند لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہنے کے بعد وہ دونوں لڑکیاں امبر کے دائیں طرف سے ہوتی ہوئی مسز عاکف کی طرف چلی گئیں۔ امبر اور اس کی تمام فرینڈز نے لاشعوری طور پر گردن موڑ کر ان دونوں کا تعاقب کیا پھر وہ سب کمرے سے نکل گئیں۔

امبر کی آنکھوں میں واضح طور پر اس لڑکی کے لیے پسندیدگی تھی۔ کمرے سے باہر نکلتے ہی اس نے سونیا سے کہا۔

"یہ کون تھی؟"

"مجھے نہیں پتا، میں تو خود پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔" سونیا کی آواز میں بھی ستائش تھی۔

"وہ بھی تھی...... بہت خوبصورت تھی، میں نے بہت عرصے کے بعد اس طرح کی خوبصورتی دیکھی ہے کیا رنگ تھا اس کے بالوں کا۔" امبر نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کھلے دل سے اس کی تعریف کی۔

"بس...... اب امبر اگلا آدھ گھنٹہ اس کی تعریف کرتے ہوئے گزارے گی۔" حفصہ نے امبر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"تم ایمانداری سے بتاؤ، کیا وہ واقعی اس قابل نہیں ہے کہ آدھ گھنٹہ اس کے بارے میں بات کی جائے۔" امبر نے حفصہ سے پوچھا۔

"ہاں یار...... یہ تو ماننے والی بات ہے۔ لڑکی واقعی بڑی خوبصورت تھی...... میں تو خود اس سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔" سونیا نے امبر سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"میں تو بہت متاثر ہوئی ہیں...... اس کی کمر دیکھی تھی، میرا خیال ہے میری کمر سے بھی ایک انچ پتلی ہوگی۔" امبر نے کہا۔

"اچھا اب ذرا اس اسکرپٹ کو بھی دیکھ لیں، جو اندر سے لے کر آئے ہیں۔" سعدیہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ وقتی طور پر وہ جیسے اس اسکرپٹ کو بھول گئے تھے۔

"دفع کرو اسکرپٹ کو۔" امبر نے ایک بار پھر موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"مائی گاڈ" حفصہ نے یکدم اسکرپٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟" سونیا نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ حفصہ اب مسکرا رہی تھی۔

"یہ ذرا اسکرپٹ دیکھو۔" حفصہ نے اسکرپٹ کو ان سب کے سامنے کر دیا۔ وہ سب اس پر جھک گئیں اور یک دم کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔

"یہ تو صحیح معنوں میں اینٹی کلائمکس ہوا ہے بلکہ یہی کہنا چاہیے کہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔" سونیا نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "خود سوچو ذرا...... اس بچکانہ کہانی میں میں خود کو کہاں فٹ کروں گی اور پتہ نہیں مسز عاکف کو یہ احمقانہ آئیڈیا کس نے دیا ہے کہ وہ اس Snowwhite کو اسٹیج پر پیش کریں۔" امبر نے کچھ ناپسندیدگی سے کہا۔

"ویسے مجھے آئیڈیا برا نہیں لگا...... بے شک کچھ بچکانہ ضرور لگ رہا ہے مگر بعض دفعہ بچکانہ چیزیں کرنے میں جو مزہ آتا ہے وہ سنجیدہ چیزوں میں نہیں آتا...... تم ذرا اسکرپٹ کھول کر تو دیکھو کہ امبر کو کیا رول دیا ہے؟" سعدیہ نے حفصہ سے کہا۔

"اس میں پوچھنے یا چیک کرنے والی کیا بات ہے...... سنو وائٹ کا ہی رول دیا ہوگا...... بونوں میں سے کسی کا رول تو دیا نہیں جا سکتا ہے۔" سونیا نے کہا۔

حفصہ اب اسکرپٹ کے صفحے پلٹ رہی تھی، تیسرے صفحے پر کریکٹرز اور ان کے سامنے ایکٹرز کے نام تھے جنہیں پینسل سے لکھا گیا تھا۔ سنو وائٹ کے رول کے سامنے واقعی امبر منصور علی کا نام لکھا ہوا تھا۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا کہ سنو وائٹ کا رول ہی دیا ہوگا۔" سونیا نے صفحے پر نظر ڈالتے ہوئے کچھ فاتحانہ انداز میں کہا۔

"کالج میں سنو وائٹ کا رول اور کر کون سکتا ہے۔"

"خیر یہ تو تم مت کہو۔" امبر نے سونیا کی بات کاٹی۔ "ابھی جس لڑکی کو تم نے دیکھا ہے، کیا وہ سنو وائٹ کا رول نہیں کر سکتی؟ مجھے تو لگتا ہے وہ اس رول کے لیے مجھ سے زیادہ مناسب ہے۔" امبر کو ایک بار پھر وہ لڑکی یاد آگئی۔

"ویسے مجھے لگتا ہے۔ وہ بھی مسز عاکف کے پاس کسی رول کے لیے ہی گئی تھی ہو سکتا ہے سنو وائٹ کے رول کے لیے گئی ہو۔" حفصہ نے اپنا خیال بتایا۔

"ایسا ہے تو بہت اچھا ہے وہ واقعی اس رول کی مستحق ہے۔" امبر نے خوش دلی سے کہا۔

"ذرا اسکرپٹ کو دیکھو کیا کوئی اور رول باقی ہیں؟" سونیا نے کہا۔

"نہیں اور تو کوئی رول نہیں ہیں ہر ایک کے سامنے ایکٹرز کے نام لکھے ہوئے ہیں۔" حفصہ نے اسکرپٹ کا جائزہ لیتے

ہوئے کہا۔

''تو پھر وہ لڑکی کون سا رول کرے گی؟'' امبر نے پھر سوچتے ہوئے کہا۔

''سنو وائٹ سے کم کا تو کوئی رول Deserve نہیں کرتی۔''

''مگر سنو وائٹ کا رول تو مسز عاکف تم سے کروانا چاہتی ہیں۔'' سونیا نے اسے یاد کروایا۔

''ہو سکتا ہے، تب تک انہوں نے اس لڑکی کو دیکھا ہی نہ ہو اور اسے دیکھنے کے بعد اب وہ اپنی چوائس پر پچھتا رہی ہوں۔ تم نے دیکھا ہے وہ لڑکی میرے بعد گئی تھی۔'' امبر نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''تم ماڈلنگ وغیرہ کو چھوڑو، تم یہ پلے کرو۔ میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ یہ پلے بہت کامیاب ہوگا۔'' سعدیہ نے امبر کو مشورہ دیا۔ ''ہاں میرا بھی یہی خیال ہے...... بعض دفعہ اس طرح کی سیدھی سادی چیزیں آڈینس پر بہت اچھا تاثر چھوڑتی ہیں...... ماڈلنگ کو چھوڑو، تم یہ پلے ہی کرو۔'' حفصہ نے سعدیہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''عجیب لوگ ہو تم...... کبھی مجھے ایک چیز کے لیے تیار کرتے ہو کبھی دوسری کے لیے۔'' امبر نے برا مانتے ہوئے کہا۔ ''میں فیشن شو کو چھوڑوں گی تو مسز علوی کتنا ناراض ہوں گی۔''

''مسز علوی کی بات چھوڑو، وہ ناراض ہوں گی پھر خود ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔'' سونیا نے مسئلہ کا حل پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''تم انہیں بتا دینا کہ تم دو آئٹمز پر توجہ فوکس نہیں کر سکتیں۔ وہ تمہارا مسئلہ سمجھ جائیں گی، آخر انہوں نے خود ہی تمہیں اس رول کے لیے بھیجا تھا۔''

وہ سب اس کمرے کے باہر کوریڈور میں کھڑی تھیں اور بلند آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ اس دوران کمرے سے وہی دونوں لڑکیاں باہر نکل آئی تھیں۔ ایک بار پھر ان سب میں نظروں کا تبادلہ ہوا پھر وہ کوریڈور سے نکلتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

''مجھے لگتا ہے، اسے کوئی رول نہیں ملا۔'' امبر کی توجہ بٹ گئی۔

''تمہیں کیسے پتا؟'' سونیا نے کہا۔

''اس کے ہاتھ میں اسکرپٹ کی کوئی کاپی نہیں تھی۔'' امبر نے کہا۔

''ملنا چاہیے تھا اسے رول...... یار اسے ملنا چاہیے تھا۔'' امبر کو جیسے افسوس ہوا تھا۔

''تمہیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں محسوس ہو رہی ہے...... اپنے رول پر تم رو رہی ہو اور اس کے لیے تمہارے دل میں ہمدردی کے طوفان اٹھ رہے ہیں۔'' سونیا کو اعتراض ہوا۔

''خوبصورتی ہمیشہ اسے متاثر کرتی ہے۔''

حفصہ نے امبر کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہمدردی بھی اسی وجہ سے ہے۔''

''تم جو چاہے کہو، میں اس لڑکی سے متاثر ہوئی ہوں اور میں یہ بات کیوں چھپاؤں۔'' امبر نے بے دھڑک انداز میں کہا۔

''ہو سکتا ہے وہ بھی تمہیں دیکھ کر اسی طرح متاثر ہوئی ہو۔'' سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری طرح وہ بھی اپنی نظریں تمہارے چہرے سے ہٹا نہیں پا رہی تھی۔''

امبر کچھ کہنے کے بجائے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اچھا چلو اب یہاں کھڑے ہو کر زمانے کے قصیدے پڑھنے کے بجائے کوئی کلاس لے لی جائے تو بہتر ہے۔'' سعدیہ نے ان کی گفتگو کے دوران مداخلت کی۔

''اب کلاس لینے کا کیا فائدہ...... مسز نیلوفر کا پیریڈ شروع ہو چکا ہے اور کلاس میں آ جانے کے بعد وہ کسی کو اندر آنے نہیں دیتیں۔'' حفصہ نے اپنی گھڑی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''چاہے خود وہ آدھ گھنٹہ لیٹ آئیں مگر کسی اسٹوڈنٹ کا پانچ منٹ بھی لیٹ آنا گوارا نہیں کر سکتیں...... منافقت کی حد ہے یہ بھی۔'' امبر نے کچھ تنفر سے کہا۔

"اس ہفتے یہ تیسری بار ہوگا جو ہم بنک کریں گے۔" سعدیہ نے جیسے اعلان کیا۔
"کوئی فرق نہیں پڑتا...... ان کی کلاس میں چلے جانے سے کون سا ہمارے علم میں کوئی قابل قدر اضافہ ہو جاتا ہے...... جو نہ جانے سے قیامت آجائے گی۔" خضر نے کہا۔
"مگر اٹینڈنس میں تو فرق پڑے گا...... وہ تو کوئی دوسرا نہیں لگا سکتا۔" سعدیہ نے جیسے یاددہانی کروائی۔
"تم ان کی Pet اسٹوڈنٹ ہو، تمہیں تو ہمیشہ فکر رہتی ہے، ان کی کلاس کی باقی ٹیچرز کی پرواہ نہیں ہے تمہیں۔ صرف مسز نیوڈی یاد رہ جاتی ہیں تمہیں۔" سونیا نے کچھ مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ سعدیہ نے جواب دینے کے بجائے اس کے کندھے پر مکا مارتے ہوئے وہاں سے چلنا شروع کر دیا۔ باقی سب نے اس کی پیروی کی۔

☆☆☆

امبر دوسرے دن نہ چاہتے ہوئے بھی ریہرسل کے لیے پہنچ گئی تھی اور وہاں جاتے ہی ایک بار پھر اس کا سامنا اسی لڑکی سے ہوا۔ وہ آج اس سے پہلے وہاں موجود تھی اور ایک اسکرپٹ ہاتھ میں لیے ایک کونے میں بیٹھی ڈائیلاگز دہرانے میں مصروف تھی۔ امبر کے ساتھ صرف سونیا تھی اور امبر کو اس لڑکی کو وہاں موجود پا کر نامحسوس طور پر خوشی ہوئی تھی۔
"ایک بار تم اپنا رول دیکھ لو...... ڈائیلاگز تو تمہیں اب یاد ہوں گے...... پندرہ منٹ کے بعد ریہرسل شروع کرتے ہیں۔" مسز عاطف نے امبر کو دیکھتے ہی کہا۔ امبر نے سر ہلا دیا۔
امبر نے اسکرپٹ کے صفحات کھنگالتے ہوئے اپنا رول پڑھنا شروع کر دیا۔ گاہے بگاہے وہ اچٹتی نظروں سے اس لڑکی کو بھی دیکھ لیتی اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ لڑکی بھی وقتاً فوقتاً اسے دیکھ رہی تھی۔
"سونیا! میرا دل چاہ رہا ہے اس لڑکی سے بات کرنے کے لیے۔" امبر نے اچانک سونیا سے کہا۔
"تو ٹھیک ہے کر لو اس سے بات، یہ کون سا بہت بڑا مسئلہ ہے جو حل ہی نہیں ہو سکتا۔" سونیا نے ہمیشہ کی طرح لاپروائی سے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے، آؤ پھر اس کے پاس چلیں۔" امبر نے یکدم قدم بڑھا دیا۔
وہ لڑکی انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر کچھ حیران نظر آئی تھی مگر امبر اور سونیا کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ دیکھ کر وہ بھی دوستانہ انداز میں مسکرائی۔
"ہیلو۔" امبر نے اس کے قریب جا کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس لڑکی نے امبر اور سونیا سے باری باری ہاتھ ملایا۔
"میرا نام امبر منصور علی ہے، یہ میری دوست سونیا درانی ہیں۔" امبر نے اپنا اور سونیا کا تعارف کروایا۔
"میرا نام رخشی ہے۔" اس لڑکی نے جواباً کہا۔
"ہم لوگ تھرڈ ایئر میں ہیں، آپ بھی تھرڈ ایئر میں ہیں مگر میں نے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔" امبر نے اس سے پوچھا۔
"مجھے یہاں آئے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے...... میں مائیگریشن کروا کر آئی ہوں۔" اس لڑکی نے مسکرا کر کہا۔
"مائیگریشن...... کہاں سے آئی ہو تم؟" امبر نے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔
"ہمیں ایک لوکل کالج سے، بس میری خواہش تھی کہ میں یہاں پڑھوں مگر شروع میں میرا ایڈمیشن نہیں ہو سکا...... اب کو سفارش استعمال کر کے یہاں مائیگریشن ہو ہی گیا۔" رخشی خاصی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔
"بہت خوبصورت ہو تم۔" امبر نے یک دم بات کا موضوع بدلتے ہوئے اس سے کہا۔
"آپ تو خود بھی بہت خوبصورت ہیں۔" رخشی نے جواباً تعریف کی۔
"تم اس پلے میں کام کر رہی ہو؟" امبر نے پوچھا۔
"ہاں!"

''اور کل میں سوچ رہی تھی کہ شاید تمہیں کوئی رول نہیں ملا۔'' امبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میری سلیکشن تو پہلے دن ہی ہو گئی تھی۔ کل تو میں ریہرسل کا شیڈول جاننے کے لیے آئی تھی۔'' رخشی نے اس سے کہا۔

''اچھا...... کیا رول کر رہی ہو؟'' امبر نے کچھ تجسس سے اس سے پوچھا۔

''ملکہ کا۔'' رخشی نے بتایا۔ امبر نے اس کی بات پر بے اختیار قہقہہ لگایا۔

''سنو وائٹ کی اسٹیپ مدر کا؟''

''ہاں۔'' رخشی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں پتا ہے، سنو وائٹ کا رول کون کر رہا ہے؟'' امبر نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''ہاں، میں جانتی ہوں سنو وائٹ کا رول آپ کر رہی ہیں، کل مجھے پتا چل گیا تھا۔'' رخشی نے مسکراتے ہوئے امبر کو بتایا۔

''یعنی تم میری اسٹیپ مدر کا رول کر رہی ہو۔'' امبر محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

پھر تو مزہ آئے گا تمہارے ساتھ کام کرتے ہوئے۔''

''مجھے بھی آپ کے ساتھ کام کرنا اچھا لگے گا۔'' رخشی نے کہا۔

''یہ کیا تم مجھے آپ آپ کہہ رہی ہو...... تم کہو۔'' امبر نے اس سے کہا۔

''ٹھیک ہے، اب تم ہی کہوں گی۔''

''پہلے کبھی ایکٹنگ کی ہے تم نے؟'' امبر نے اس سے پوچھا۔

''ہاں میں اکثر ایسی چیزوں میں حصہ لیتی رہی ہوں۔ یہ پہلی بار نہیں ہے...... تم اس سے پہلے ایسی چیزوں میں حصہ لیتی رہی ہو؟'' رخشی نے اب امبر سے پوچھا۔

''کہاں یار...... ! مجھے تو زبردستی میری فرینڈز نے پھنسا دیا ہے...... ورنہ میں نے تو کبھی ایسے کسی کام میں حصہ نہیں لیا جس میں مجھے اسٹیج پر چڑھنا پڑے۔'' امبر نے بے تکلفی سے اسے بتایا۔

''حالانکہ تم کو ایسی چیزوں میں حصہ لینا چاہیے۔'' رخشی نے ستائشی لہجے میں کہا۔

''اب لے تو لیا ہے...... دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔'' امبر نے اس کے تبصرے پر کہا۔

''کچھ نہیں ہوگا...... تم دیکھ لینا...... تمہارے رول کو آڈینس کتنا سراہے گی۔'' رخشی نے جیسے اسے تسلی دی۔

''میں بھی اسے یہی بتا رہی ہوں...... مگر اسے تو یہی خوف ہے کہ اسٹیج پر آتے ہی اس کی ٹانگیں کانپنا شروع ہو جائیں گی اور یہ بے ہوش ہو جائے گی۔'' سونیا نے امبر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''خیر، ایسا لگتا تو نہیں کہ تم میں اعتماد کی کمی ہے...... میں جب اس کالج میں آئی ہوں، تم کو کئی بار دیکھا ہے...... بلکہ دیکھنے سے زیادہ تمہارے بارے میں سنا ہے۔'' رخشی اب اسے بتا رہی تھی۔ ''تمہیں دیکھ کر تو کبھی ایسا محسوس بھی نہیں ہوتا کہ تم اسٹیج پر چڑھ کر بے ہوش ہو جاؤ گی۔''

''یہ تو تمہیں اسٹیج پر ہی پتا چلے گا...... تم ادھر ہی ہو گی۔'' امبر نے مسکراتے ہوئے رخشی سے کہا۔

''کوئی بات نہیں تم اگر بے ہوش ہو بھی گئیں تو تمہارا آدھا رول تو بے ہوشی کا ہی ہے۔ تم اطمینان سے بے ہوش ہو جانا۔'' رخشی نے برجستگی سے کہا۔ ''میں ہوں نا ہر چیز کو دیکھنے کے لیے۔''

امبر اس کی بات پر ہنس پڑی۔

''یہ تو خاصی آسانی ہو گئی مجھے...... چلو ٹھیک ہے...... اب مجھے زیادہ فکر نہیں ہے۔'' امبر نے خوش دلی سے سر ہلایا۔ ''اب باتیں بند کرو اور اپنے اسکرپٹ کو ایک بار دیکھ لو...... مسز عاکف ریہرسل شروع کرنے کے لیے سب کو اکٹھا کر رہی ہیں۔'' سونیا نے اچانک امبر سے کہا۔ رخشی اور امبر نے یک دم پلٹ کر دیکھا۔ مسز عاکف واقعی سب کو اسٹیج پر بلا رہی تھیں۔

"ہاں واقعی ایک نظر دیکھ ہی لینا چاہیے اسکرپٹ کو...... ورنہ مجھے تو اس وقت لگ رہا ہے کہ مجھے سب کچھ بھولا ہوا ہے۔"
امبر بڑبڑائی اور اسکرپٹ کے صفحے پلٹنے لگی جبکہ رنشی پہلے ہی اسکرپٹ کو دیکھ رہی تھی۔ ایک سرسری سی نظر اسکرپٹ پر ڈالنے کے بعد اس نے امبر سے کہا۔

"آؤ وہاں اسٹیج پر چلتے ہیں...... وہاں جا کر اسکرپٹ دیکھ لیں گے۔" امبر نے اس کی بات پر سر ہلایا اور اپنا بیگ سونیا کو تھما کر اس کے ساتھ بڑھ گئی۔

☆☆☆

"میری کسی بات سے اگر تم لوگوں کو تکلیف پہنچی ہو تو میں اس کے لیے بہت زیادہ معذرت کرتی ہوں۔"
جس دقت اور خفت کے ساتھ یہ جملہ شبانہ نے ادا کیا تھا...... وہ صرف وہی جانتی تھیں۔ وہ اس وقت مسعود کے ساتھ منصور کے گھر کے لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کے علاوہ منصور اور منیزہ بھی وہاں موجود تھے۔ جس وقت وہ آئے تھے اس وقت ان کا موڈ خاصا خراب تھا مگر اب کچھ وقت گزرنے کے بعد آہستہ آہستہ وہ نارمل ہو گئے تھے۔ خاص طور پر ان کی معذرت کے بعد۔

"معذرت تو خیر...... میں تو بھابھی یہ توقع ہی نہیں کر رہا تھا کہ آپ میری بیٹیوں کے بارے میں ایسی کوئی بات کریں گی۔" منصور نے بے رخی سے کہا "اتنے چاؤ سے میں نے آپ لوگوں کے ہاں اپنی بیٹیوں کے رشتے کیے تھے اور اب آپ—" منصور نے بات ادھوری چھوڑ دی اور اپنی کافی میں کچھ اور کریم شامل کی۔

"پھر آپ نے یہ باتیں کہیں بھی دوسرے لوگوں کے سامنے...... اگر آپ کو امبر یا صبغہ پر کوئی اعتراض تھا یا ہم سے کوئی شکایت تھی تو آپ ہم سے ڈائریکٹ آ کر بات کرتیں۔" ان کے لہجے میں واضح تلخی تھی۔

"منصور! اگر میں یہ کہوں گی کہ یہ سب کچھ مس انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ کسی نے میرے خلاف تم لوگوں کو غلط معلومات دی ہیں تو تم یہ بات نہیں مانو گے...... ورنہ خود ہی سوچو کہ میں اتنی بے وقوف اور خود غرض کیسے ہو سکتی ہوں۔" مسعود، منصور اور منیزہ کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھ رہے تھے۔ وہ اس جھگڑے کو ختم کرنا چاہتے تھے، انہوں نے شبانہ کی بات کاٹ دی۔

"بس ٹھیک ہے۔ اب تم نے معذرت کر لی۔ سب کچھ ختم ہو گیا...... دل صاف ہو گئے۔ کس نے کب کس سے کیا کہا۔ بھول جاؤ۔ میں اپنی طرف سے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ تمہیں اور تمہاری بیٹیوں کو ہماری طرف سے کوئی شکایت نہیں ہو گی بلکہ تمہاری بیٹیاں کیا...... ہماری اپنی بیٹیاں...... کیوں شبانہ؟"

"بالکل اور کیا...... ہماری اپنی ہی بیٹیاں ہیں۔" شبانہ نے فوراً ہی شوہر کی تائید کی۔ "اگر آپ لوگوں نے بڑے چاؤ کے ساتھ ہمارے یہاں رشتہ کیا ہے تو ہم نے بھی کچھ کم چاؤ کے ساتھ رشتے نہیں کیے ہیں۔ آپ ہماری طرف سے دل صاف کر لیں اب ایسی کوئی بات ہماری طرف سے نہیں سنیں گے۔"

"ہاں۔ بہتر یہی ہے شبانہ بھابھی کہ آپ کی طرف سے اب کوئی بات یا شکایت نہ ہی ہو۔" منصور نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ میز پر رکھتے ہوئے کچھ تیکھے انداز میں کہا۔ "ورنہ پھر لڑکوں کی نہ ہمیں کمی ہے اور نہ ہی لڑکیوں کی آپ کو...... دنیا بھری ہوئی ہے۔"

مسعود اس کی بات پر صوفہ پر پہلو بدل کر رہ گئے۔

"میں ویسے بھی دو ٹوک اور صاف بات کرنے کا عادی ہوں۔ فضول باتیں نہ کرتا ہوں نہ سنتا ہوں۔" منصور نے اسی انداز میں اپنی بات جاری رکھی۔ "وہ روایتی قسم کی بیٹیوں کا باپ نہ سمجھے گا مجھے...... جو صرف بیٹیوں کی وجہ سے اپنے کندھے اور سر جھکائے رکھتا ہے اور ہر فضول بات برداشت کرتا ہے۔ نہ میں خود یہ کروں گا نہ ہی میں نے اپنی بیٹیوں کو ایسی تربیت دی ہے۔ میں نے رشتے برابری کی بنیاد پر قائم کیے ہیں اور اگر یہ برابری نہیں رہے گی تو رشتے بھی نہیں رہیں گے۔" منیزہ نے مسکراتے ہوئے بڑے انداز سے شبانہ کو دیکھا جن کا رنگ کچھ اور پیلا ہو گیا تھا۔

''آپ کو اگر اللہ میاں کی گائے ٹائپ کی بہوئیں چاہئیں تو اس کی بھی پاکستان میں کمی نہیں ہے، میرے گھر کے علاوہ آپ کو کہیں بھی ایسی لڑکیاں مل سکتی ہیں۔ بہتر ہے، یہ انتخاب آپ رخصتی سے پہلے ہی کر لیں۔ میں نہیں چاہتا بعد میں آپ کو بھی کوئی پچھتاوا ہو اور ہمیں بھی۔'' منصور نے کندھے اچکاتے ہوئے بڑی لاپروائی سے ان سے کہا۔

''منصور...... یار! تم کیسی باتیں کر رہے ہو...... میں تمہیں بتا تو رہا ہوں کہ آئندہ ہماری طرف سے تمہیں کوئی شکایت نہیں ہو گی۔'' مسعود نے ایک بار پھر مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''اور شبانہ تو تم سے معذرت بھی کر چکی ہے...... اب تم بھی اپنے دل کو صاف کر لو۔''

''میرا دل صاف ہی ہے مسعود بھائی...... ! اس لیے تو میں آپ لوگوں کو ان رشتوں پر دوبارہ سوچنے کا موقع دے رہا ہوں۔'' منصور نے بڑے پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''دل میں میل ہوتا تو اس وقت آپ دونوں سے یہ ملاقات نہ ہو رہی ہوتی...... کچھ اور ہو رہا ہوتا۔''

''منصور! یقین کرو ایسی کوئی بات نہیں ہے...... امبر اور صبغہ جتنی تمہیں عزیز ہیں مجھے بھی کم عزیز نہیں، پھر بھی اگر کوئی غلط فہمی ہے تو میں معذرت کرتی ہوں۔ آئندہ تم ایسی کوئی بات نہیں سنو گے۔'' شبانہ نے اس بار قدرے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''بلکہ تم اگر کہتے ہو تو میں امبر اور صبغہ سے بھی معذرت کر لیتی ہوں...... تاکہ ان کے دل بھی صاف ہو جائیں۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں...... آپ نے ہم دونوں سے معذرت کر لی یہی کافی ہے۔'' منصور کو ان پر جیسے ترس آ گیا تھا حالانکہ منیزہ نے ان کو قدرے ناراضی سے دیکھا تھا۔

''چلیں چھوڑیں، اب آپ چائے پئیں۔'' منصور نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ ''یا پھر آپ کے لیے بھی کافی منگوا دوں؟''

☆☆☆

''بس تم لوگوں کو مجھے ذلیل کرنے کا شوق تھا، وہ پورا ہو گیا۔'' شبانہ منصور کے گھر سے واپسی پر اپنے لاؤنج میں بیٹھی بری طرح مشتعل ہو رہی تھیں۔ طلحہ اور اسامہ بھی وہیں موجود تھے۔

''اس میں ذلیل کرنے والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے؟ آپ نے بے جا بات کی تھی...... اس لیے آپ کو معذرت کرنا پڑی اور اپنی غلطی پر معذرت کرنا کوئی ذلیل کرنا یا ذلیل ہونا نہیں ہوتا۔''

شبانہ بیٹے کی بات پر اور مشتعل ہوئیں ''اپنا منہ بند رکھو تم...... تمہیں تو ان لوگوں کی کسی بات سے کوئی بے عزتی کبھی محسوس ہوتی ہی نہیں۔ تمہاری آنکھوں پر تو امبر کے عشق کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔''

طلحہ نے احتجاجی نظروں سے باپ کو دیکھا۔ ''آپ سن رہے ہیں۔ کس طرح کی باتیں کر رہی ہیں امی...... ! انہیں کچھ بھی احساس نہیں ہوتا۔''

''بالکل اسی طرح جس طرح تم ماں کے لیے کچھ محسوس نہیں کرتے...... سب کچھ امبر اور اس کا خاندان ہی ہو گیا ہے تمہارے لیے۔''

''آپ بہت زیادتی کر رہی ہیں امی! آپ نے خود میرا نکاح اس سے کیا ہے، مجھے تو صحیح معنوں میں عقل بھی نہیں تھی تب، اب آپ کو اعتراض ہو رہا ہے۔'' طلحہ نے کہا۔

''اب بھی عقل نہیں ہے تمہیں ــــ اور میں نے تو اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے وہاں تم دونوں کا نکاح کر کے ــــ پورا خاندان بھرا ہوا تھا لڑکیوں سے، وہ کون سی حوریں تھیں جن کے علاوہ ہمیں کوئی اور نہ ملتا۔''

''آپ مجھے کیوں بیچ میں لے کر آ رہی ہیں۔ بات کرنی ہے تو طلحہ اور امبر کی کریں۔ میری اور صبغہ کی کیوں کر رہی ہیں۔'' اسامہ نے پہلی بار اپنی خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

''کیوں تمہاری اور صبغہ کی بات کیوں نہ کروں؟''

"میں نے تو آپ کی کسی بات پر اعتراض نہیں کیا......"

"تم کوئی کم دیوانے تو نہیں ہو صبغہ کے؟"

"تو کم دیوانے تو بابا بھی نہیں ہیں آپ کے...... ہم دونوں ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔" اسامہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔

شبانہ اسامہ کی بات پر کچھ گڑبڑا گئیں۔ "آپ نے دیکھا کس طرح یہ دونوں بکواس کر رہے ہیں...... کوئی ادب اور احترام باقی نہیں رہا ان دونوں کی نظروں میں ہمارے لیے۔" شبانہ نے اس بار مسعود کو مخاطب کرتے ہوئے شکایتی انداز میں کہا۔

"جس کا کھائیں گے اسی کے گن گائیں گے۔" اسامہ نے بلند آواز میں کہا۔

شبانہ اور مسعود کچھ لمحہ کے لیے کچھ نہیں بول سکے۔

"آپ سے کس نے کہا تھا آپ منصور انکل کے ساتھ اتنے تعلقات بڑھائیں...... صرف ان کی دولت کے لیے اتنے بچپن میں ہم لوگوں کے گلوں میں پھندے ڈال دیے اور اب اگر ہم ان پھندوں کے عادی ہو گئے ہیں تو پھر آپ کو اعتراض کیوں ہونے لگا ہے۔" اسامہ ہمیشہ سے اسی طرح مختصر اور صاف صاف بات کیا کرتا تھا۔

"اور پھر آپ کو اب اس طرح کی فضول باتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے...... منصور انکل کی جگہ کوئی دوسرا بھی ہوتا تو وہ بھی اسی طرح ناراض ہوتا جس طرح وہ ہو رہے ہیں۔ اتنے احسانات ہیں ہم پر ان کے...... اور آپ ہیں کہ......" طلحہ نے ترشی سے ماں سے کہا۔

"اور ہم دونوں کے کوئی احسانات نہیں ہیں تم لوگوں پر......" شبانہ نے بھڑک کر کہا۔

"ہم نے کب کہا کہ نہیں ہیں...... آپ کے بھی احسانات ہیں ہم پر۔ مگر اب آپ اس طرح ہمارے گھر برباد کر کے ان احسانات کا بدلہ لینے کی کوشش نہ کریں۔" طلحہ نے متاثر ہوئے بغیر ان سے کہا۔

"اور امی! آپ کا ٹمپرامنٹ جس ٹائپ کا ہے...... آپ تو کبھی خوش نہیں رہ سکتیں چاہے اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسمان سے حور بھیج دے۔ آپ اس میں بھی برائیاں اور خامیاں تلاش کر لیں گی۔ کم از کم یہ وہ کام ہے جس میں آپ کو اول درجہ کی مہارت حاصل ہے۔" اس بار اسامہ نے قدرے ہلکے پھلکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھ میں بڑی برائیاں نظر آ رہی ہیں، منیزہ میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ جب بیٹیوں کی شادی کے بعد وہ بیٹیوں کے ذریعے تم لوگوں کو اپنی انگلیوں پر نچائے گی تب تم لوگوں کو احساس ہو گا کہ میں ٹھیک کہتی تھی۔" شبانہ نے ناراضی سے کہا۔

"تو پھر آپ آج گئی تھیں وہاں، ختم کر آتیں یہ رشتہ...... نہ کرتیں معذرت۔" اسامہ نے سنجیدگی سے کہا۔ اس بار شبانہ کوئی جواب نہیں دے سکی۔

"خوامخواہ بحث میں کیوں الجھی ہوئی ہو تم بیٹوں کے ساتھ...... ختم کرو یہ سب کچھ۔" اس بار مسعود نے کچھ بیزار انداز میں کہا۔ "بس آئندہ محتاط رہنا۔"

"آپ نے منیزہ کو دیکھا تھا، وہ کس طرح بار بار مسکرا رہی تھی۔"

"اگر وہ نہ مسکراتی تو تمہیں پھر اعتراض ہوتا کہ وہ ایک بار بھی نہیں مسکرائی...... منہ بنا کر بیٹھی رہی۔" مسعود نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔

"وہ طنزیہ مسکراہٹ تھی...... وہ تو آج بہت خوش ہو رہی ہو گی...... پھولے نہیں سمائی ہو گی، اس طرح سب کے سامنے مجھے بے عزت کر کے۔" شبانہ کو اب بار بار منیزہ کا خیال آ رہا تھا۔

"تمہیں اگر اس کے سامنے اپنی عزت کا اتنا احساس ہوتا تو تم اس طرح کی فضول باتیں کبھی نہ کرتیں۔" مسعود نے بڑی ناگواری سے کہا۔

"کتنی بار میں آپ سے کہوں کہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ یہ سب منیزہ کی چال ہے۔ وہ مجھے بے عزت کرنا چاہتی تھی

اور وہ اس میں کامیاب ہوگئی۔" شبانہ نے تلملا کر کہا۔

"میں تو اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ امی کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" طلحہ نے ماں کی بات پر بیزاری سے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں بھی چلتا ہوں...... مجھے بھی کچھ کام ہے۔" اسامہ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں ان دونوں کو؟" اسامہ اور طلحہ کو اس طرح بے اعتنائی سے جاتے دیکھ کر شبانہ کو صدمہ ہوا۔

"مجھے بھی سونے کے لیے جانا ہے۔ تم تو اپنی ان باتوں کو کبھی بھی ختم نہیں کرو گی۔" مسعود بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ "تمہارے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ بیٹے اب بڑے ہو چکے ہیں، ان کے سامنے اپنی عزت قائم رکھو...... اس طرح کی باتوں اور حرکتوں کے ذریعے اسے نہ گنواؤ...... ورنہ وہ خاموش نہیں رہیں گے۔ چاہے ان کے سسرال میں منیزہ ہو یا کوئی اور۔" مسعود نے اپنی طرف سے شبانہ کو سمجھانے کی آخری کوشش کرتے ہوئے کہا۔

شبانہ نے مشتعل ہو کر شوہر کو دیکھا جو اب لاؤنج سے باہر نکل رہے تھے۔ منیزہ اور ان کی بیٹیوں کے لیے یہ پہلی کدورت تھی جو انہوں نے باقاعدہ طور پر اپنے دل میں پالی تھی۔ "میں بھی منیزہ اور اس کی بیٹیوں کو اسی طرح ذلیل کروں گی...... اسی طرح بے عزت کروں گی...... کبھی نہ کبھی تو مجھے بھی موقع ملے گا اور پھر میں دیکھوں گی۔ اس گھر میں منیزہ اور اس کی بیٹیوں کے کتنے ہمدرد رہتے ہیں۔" انہوں نے وہاں بیٹھے بیٹھے جیسے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا۔

☆☆☆

اگلا ایک ماہ امبر اور رخشی باقاعدگی سے ریہرسل کے لیے جاتی رہیں اور ان کی یہ ملاقاتیں صرف ریہرسل تک ہی محدود نہیں رہی تھیں...... رخشی اب کالج میں امبر کے ساتھ ہی رہا کرتی...... اگرچہ امبر کی دوستوں کو اپنے گروپ میں رخشی کی شمولیت پر اعتراض ہوا تھا...... وہ سب رخشی کی خوبصورتی کو سراہتی تھیں مگر اس سے اس حد تک متاثر نہیں ہوئی تھیں کہ رخشی کو اس طرح اپنے گروپ میں شامل کر لیتیں...... جس طرح امبر نے کیا تھا...... سونیا نے خاص طور پر رخشی کی اپنے گروپ میں شمولیت پر اعتراض کیا تھا اور دوسروں کی طرح اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ دوٹوک الفاظ میں امبر سے رخشی کی اپنے گروپ میں شمولیت کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

"میں تمہیں سمجھ نہیں پائی امبر! تم ہر کسی کو پکڑ کر دوست بنا لیتی ہو...... نہ اس کا فیملی بیک گراؤنڈ دیکھتی ہو نہ ہی کچھ اور...... بس کوئی بندہ تمہیں اچھا لگنا چاہیے۔"

سونیا چند دن تو رخشی کو اس کے ساتھ ٹہلتے دیکھتی رہی مگر پھر جب یہ روٹین بن گئی تو اس نے ایک دن امبر سے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کر لیا...... اس دن رخشی نہیں آئی تھی......

"رخشی اچھی لڑکی ہے۔" امبر نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"رخشی اچھی لڑکی ہے کیونکہ اس کا فگر تمہیں پسند ہے۔ اس کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں...... اس کے نقوش بڑے تیکھے سے ہیں۔" سونیا نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ "مگر دوستی کرنے کے لیے اور بھی بہت چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اس میں اور بھی بہت ساری خصوصیات ہیں...... تم اپنے تعصب کو ایک طرف رکھ کر دیکھو تو تمہیں نظر آئیں گی۔" اس بات پر امبر نے کچھ برا مانتے ہوئے کہا۔

"معذرت کے ساتھ، مگر مجھے اس میں کوئی ایسی خاص خوبی نظر نہیں آئی کہ تم اس طرح اسے ڈھول کی طرح گلے میں لٹکا کر پھرو۔" سونیا نے اسی انداز میں کہا۔

"وہ بڑی اچھی نیچر کی ہے۔" امبر نے کہا۔

"کم آن امبر! جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں تمہیں اس سے ملے ہوئے اور تمہیں اس کی نیچر کا بھی پتا چل گیا ہے۔" سونیا اس کے انداز سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"تمہیں اس میں کیا برائی نظر آتی ہے؟" امبر نے سنجیدگی سے کہا۔

"خوشامدی ہے وہ...... ہاں میں ہاں ملانے والی۔"

"نہیں وہ ایسی نہیں ہے۔" امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہیں اس کی یہ خامی تو خوبی لگ رہی ہوگی کیونکہ وہ تمہاری ہی تو ہاں میں ہاں ملاتی ہے۔"

"سونیا! تم فضول باتیں نہ کرو۔" امبر نے اسے ٹوکا۔

"یہ فضول باتیں نہیں ہیں یہ...... تمہیں سمجھا رہی ہوں میں۔"

"تم مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کرو...... میں اچھی طرح جانتی ہوں میں کیا کر رہی ہوں۔" امبر نے اس بار کچھ چڑ کر کہا۔

"تم نے دیکھا ہے...... تم سے دوستی کے بعد اس نے اپنی پرانی فرینڈز کو کس طرح چھوڑا ہے۔ یہ اس کی خودغرضی کی واضح مثال ہے۔" سونیا نے اس بار قدرے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر امبر متاثر نہیں ہوئی۔

"اس نے کسی کو نہیں چھوڑا...... وہ اب بھی ان سے اسی طرح ملتی ہے۔ بس ذرا ان کے ساتھ وقت کم گزارتی ہے۔"

امبر نے اس کا دفاع کیا۔

"اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کا پتا ہے تمہیں؟" اس بار سونیا نے ایک اور نکتہ اٹھایا۔

"اب اس بات کی یہاں کیا تک بنتی ہے؟" امبر نے کہا۔

"یہی تک بنتی ہے۔ آخر پتا تو ہونا چاہیے۔ کون ہے؟ کس فیملی سے تعلق رکھتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح ہم سب ایک دوسرے کے فیملی بیک گراؤنڈ سے واقف ہیں۔"

"یہ اہم نہیں ہے۔" امبر اس کی دلیل سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

"کیوں اہم نہیں ہے...... کمپنی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔"

"سونیا! ہم اتنے مجبور ہیں کہ اب ایک دوسرے سے اثر قبول کرنا چھوڑ دیں اور تم اتنی کلاس اور اسٹیٹس کانشس نہ ہوا کرو۔" امبر نے اس بار جیسے اس کا مذاق اڑایا۔

"چلو تم یہی سمجھ لو کہ میں کلاس اور اسٹیٹس کانشس ہوں اور مجھے اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔" سونیا نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم ایک برتر کلاس سے تعلق رکھتے ہیں تو پھر ہمیں دوسروں سے ایک خاص فاصلے پر رہنا چاہیے اور ثنی مجھے اپنی کلاس کے کسی گھرانے سے تعلق رکھتی نہیں لگتی...... اس کی کلاس اس کی پوری پرسنالٹی سے جھلکتی ہے۔ اس کی باتوں سے...... اس کے لباس سے...... انداز سے...... ہر چیز سے۔" اس بار سونیا نے قدرے ناگوار انداز میں ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

"میں دوستی کرتے ہوئے تمہاری فلاسفی پر عمل نہیں کرتی اور نہ ہی میں تمہاری طرح کلاس کانشس ہوں...... یہ بہت Mean (معمولی) باتیں ہیں۔" امبر کے جملوں میں واضح طور پر ناپسندیدگی تھی۔

"Mean ہوں...... یا جو بھی ہوں، بہرحال ان باتوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ کم از کم ہمارے گھروں میں تو یہی سکھایا گیا ہے۔" سونیا چڑ گئی۔

"ثنی کے بارے میں تمہاری اپنی رائے ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی بھی تمہارے بارے میں کچھ بری ہی رائے ہو...... مگر جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے وہ اچھی لگتی ہے اور میں صرف اس لیے اسے نہیں چھوڑ سکتی کہ وہ تمہیں پسند نہیں ہے۔" امبر نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "تمہیں اگر وہ بری لگتی ہے تو تم اس سے بات نہ کیا کرو۔ مگر میں تمہارے کہنے پر تو اسے نہیں چھوڑوں گی...... بالکل اسی طرح جس طرح میں اس کے کہنے پر تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔"

سونیا نے ماتھے پر ناگواری کے چند بلوں کے ساتھ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔

"اور اگر کل کو میں بھی اسی طرح کوئی لڑکی پکڑ کر لے آؤں کہ یہ مجھے اچھی لگتی ہے...... اسے بھی اپنے گروپ میں شامل کرنا ہے...... تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا...... تمہیں برا لگے گا نا؟"

''کیوں برا لگے گا، بالکل برا نہیں لگے گا، تم جسے چاہے لے آؤ...... میں بڑی خوشی سے اسے ویلکم کہوں گی...... اور تمہاری طرح اس کا اور اس کی فیملی کا پوسٹ مارٹم کرنے نہیں بیٹھوں گی۔'' امبر نے اس بار قدرے خوشگوار انداز میں سونیا کا مذاق اڑایا۔

''ٹھیک ہے میں بھی کسی کو اسی طرح پکڑ کر لے آؤں گی اور کہوں گی کہ یہ لڑکی مجھے بہت اچھی لگتی ہے...... اب اسے بھی رُخشی والا اسٹیٹس ملنا چاہیے۔'' سونیا نے جیسے اسے دھمکایا۔

''خیر رُخشی والا اسٹیٹس تو اسے نہیں دیا جاسکتا مگر یہ وعدہ ضرور کرتی ہوں کہ اسے اس سے زیادہ عزت ملے گی جتنی تم رُخشی کو دے رہی ہو۔''

''یعنی اسے کوئی عزت نہیں ملے گی کیونکہ میں تو رُخشی کو ذرہ برابر بھی عزت نہیں دے رہی۔'' سونیا نے کچھ چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں نہیں جانتی تھی سونیا کہ تم اتنی جیلس ہو گی...... بچوں کی طرح ایک فضول بات پر بحث کر رہی ہو چھوڑو اسے، کوئی اور بات کریں۔''

اس بار امبر نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے سونیا کے کندھے کو نرمی سے تھپکا۔ سونیا پر اس کی بات کا کوئی اثر ہوا یا نہیں، امبر کو اندازہ نہیں ہوا۔ مگر یہ ضرور ہوا کہ سونیا اس وقت بحث ختم کر کے خاموش ہو گئی۔

اپنی دوستوں کے برعکس امبر کو رُخشی بہت دلچسپ لگی تھی...... وہ بہت خوش مزاج تھی۔ امبر کو اس کی اور اپنی بہت سی عادتیں ایک جیسی لگیں۔ رُخشی بہت کرید کرید کر ہر بات پوچھا کرتی تھی اور امبر بہت لاپرواہی کے ساتھ اسے اس کے سوال کا جواب دے دیا کرتی تھی۔ رُخشی کے برعکس وہ خود زیادہ سوال کرنے کی عادی نہیں تھی۔

☆☆☆

''میرے ساتھ میرے گھر چلو گی؟'' رُخشی سے چند ملاقاتوں کے بعد ہی ایک دن امبر نے بڑی بے تکلفی سے اسے اپنے ساتھ گھر چلنے کی دعوت دی۔

''تمہارے گھر؟'' رُخشی اس کی دعوت پر جیسے گڑبڑا گئی۔

''ہاں بھئی میرے گھر......'' امبر اس کی گڑبڑاہٹ سے محظوظ ہوئی ''تمہیں اپنے گھر والوں سے ملواؤں گی...... اپنے بہن بھائیوں سے...... اپنے پیرنٹس سے۔''

''مگر میں نے تو اس بارے میں سوچا نہیں ہے۔'' رُخشی ابھی بھی متامل تھی۔

''کس بارے میں؟'' امبر نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔

''تمہارے گھر چلنے کے بارے میں۔''

''اس میں سوچنے والی کیا بات ہے۔ ہم فرینڈز ہیں، ایک دوسرے کے گھر تو آنا چاہیے...... اگر تم مجھے اپنے گھر نہیں بلاتیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں بھی تمہیں اپنے گھر نہیں بلاؤں گی۔'' امبر نے کہا۔

''نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو خود بھی تمہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دینا چاہتی تھی مگر پھر مجھے خیال آیا کہ شاید تم نہ آؤ۔'' رُخشی نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

''کیوں تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟'' امبر نے فوراً اس سے کہا۔

''بس ایسے ہی...... ابھی کچھ دن ہی تو ہوئے ہیں ہماری دوستی کو...... اس لیے میں نے سوچا کہ شاید تمہیں اعتراض ہو۔''

''مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے...... بہرحال اب تو میں نے پہلے تمہیں دعوت دے دی ہے۔ اب تم میرے گھر چلو۔''

''ہاں میں چلوں گی، مگر ابھی نہیں۔'' رُخشی کچھ متذبذب تھی۔

''کیوں ابھی کیوں نہیں؟'' امبر نے فوراً پوچھا۔

''میں نے ابھی اپنی امی سے پوچھا نہیں؟''

"کس بارے میں؟" امبر نے کچھ حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہارے گھر جانے کے بارے میں۔"

"دوست کے گھر جانے کے لیے امی سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے...... چند گھنٹوں ہی کی تو بات ہے۔"

"ہاں وہ ٹھیک ہے مگر پھر بھی...... میری امی پریشان ہو جاتی ہیں اس لیے میں انہیں بتائے بغیر کہیں نہیں جاتی۔" رخشی نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ پھر تم اپنی امی سے اجازت لے لو اور میں کل تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔" امبر نے کچھ سوچتے کے بعد کہا۔

"نہیں امبر کل نہیں۔" رخشی نے کہا۔

"کیوں کل کیوں نہیں؟"

"امی اتنی جلدی تو اجازت نہیں دیں گی کہ آج ان سے پوچھا اور کل میں تمہارے ساتھ چل پڑوں...... ویسے بھی ابھی وہ تمہارے بارے میں اتنا جانتی بھی تو نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ اجازت نہ دیں۔" رخشی نے اس سے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی...... اجازت نہیں دیں گی؟ کیا تم نے ان کو میرے بارے میں نہیں بتایا؟"

"بتایا ہے مگر یہ تھوڑی بتایا ہے کہ تم اس طرح مجھے اپنے گھر لے جانے کے بارے میں کہہ رہی ہو......"

"میں خود تمہارے گھر چلوں گی اور تمہاری امی سے اجازت لے لوں گی۔ پھر تو کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔ انہیں یقین آجائے گا کہ میں کوئی بری لڑکی نہیں ہوں۔"

"نہیں نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس میری امی کچھ زیادہ ہی محتاط رہتی ہیں اس معاملے میں، ہر جگہ جانے نہیں دیتیں۔"

"پھر آج تم میرے گھر مت چلو...... میں تمہارے گھر چلتی ہوں۔" امبر نے یک دم اس سے کہا۔

"میرے گھر؟" رخشی کے چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ نمودار ہوئی۔

"ہاں کیوں...... کیا اب تم مجھے اپنے گھر لے جانا نہیں چاہتیں، یا تمہیں اس کے لیے بھی اپنی امی کی اجازت کی ضرورت ہے؟" امبر نے مسکراتے ہوئے رخشی کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے...... تم چلو میرے ساتھ...... امی تو بہت خوش ہوں گی تمہیں دیکھ کر۔" رخشی نے یک دم سے خود کو سنبھال لیا۔

"اور پھر میں تمہاری امی سے تمہیں اپنے گھر لے جانے کے لیے اجازت بھی لے لوں گی۔" امبر نے رخشی کے لہجے پر غور کیے بغیر کہا۔

اس دن کالج سے واپسی پر وہ رخشی کے ساتھ اپنی گاڑی میں اس کے گھر گئی۔ گاڑی کو بہت پیچھے سڑک پر کھڑا کرنا پڑا اور پھر وہ رخشی کے ساتھ ان تنگ اور پتلی گلیوں سے گزر کر ایک قدرے بڑے گھر کے سامنے جا رکی۔ وہ گھر ان گلیوں کے چند اچھے گھروں میں سے ایک تھا اور خاصا بڑا بھی تھا۔ امبر زندگی میں پہلی بار شہر کے اس حصے میں آئی تھی اور رخشی کی توقعات کے برعکس اس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی ناگواری نہیں تھی۔ وہ دلچسپی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پورا رستہ اس سے باتیں کرتی آئی تھی اور اس نے ایک بار بھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کہاں رہتی ہے یا یہ کہ اسے وہ علاقہ اچھا نہیں لگا۔ حالانکہ رخشی کے دل میں یہ خوف ضرور موجود تھا۔

رخشی کے دستک دینے پر رخشی کی امی نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ رسمی سلام دعا کے بعد وہ رخشی اور اس کی امی کے ساتھ اندر چلی گئی۔ گھر کو خاصے اچھے طریقے سے رکھا گیا تھا اور گھر کی حالت دیکھ کر ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ مکین کسی قسم کی مالی مشکلات کا شکار ہو سکتے ہیں۔ رخشی کی طرح اس کی امی بھی بہت خوبصورت تھیں...... اور امبر کو یہ دیکھ کر قدرے حیرانی ہوئی کہ وہ اپنے ارد

گرد کے ماحول کے برعکس اپنے لباس اور وضع قطع سے بہت ماڈرن نظر آ رہی تھیں۔۔۔ جدید طرز کے لباس اور کٹے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ اتنی کم عمر لگ رہی تھیں کہ امبر کے لیے یہ یقین کرنا قدرے مشکل ہو گیا کہ وہ رخشی کی امی ہیں۔۔۔ رخشی کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بعد اس کا اندازہ یہی تھا کہ اس کی امی زیادہ ماڈرن نہیں ہوں گی۔۔۔ بلکہ انہیں ان کی سوچ خاصی قدامت پرست بھی لگی تھی مگر اب رخشی کی امی کی وضع قطع دیکھنے کے بعد اسے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ رخشی کو اپنی فرینڈز کے ہاں آنے جانے سے روکتی ہوں گی۔

"رخشی نے بہت بار تمہارا ذکر کیا ہے۔۔۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آج کل یہ ہر وقت تمہارا ہی ذکر کرتی رہتی ہے۔" رخشی کی امی نے ڈرائنگ روم میں امبر کو بٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہاری اتنی تعریفیں کرتی رہتی تھی کہ میرا تو دل چاہنے لگا تھا تم سے ملنے کو۔۔۔ اچھا ہی ہوا کہ تم خود یہاں آ گئیں اور اب تمہیں دیکھ کر مجھے رخشی کی باتوں پر یقین آ گیا ہے ورنہ پہلے میں سمجھتی تھی کہ یہ ہر بات کو بڑھاتی چڑھاتی رہتی ہے۔ اس لیے تمہارے بارے میں بھی ہر بات بڑھا چڑھا کر کر رہی ہے۔"

امبر نے مسکرا کر رخشی کو دیکھا اور پھر اس کی امی سے کہا۔

"اگر آپ میری ممی سے ملیں گی تو وہ بھی آپ کو یہی بتائیں گی کہ میں بھی پچھلے چند دنوں سے رخشی ہی کی باتیں کرتی رہتی ہوں۔۔۔ مجھے لگتا ہے ایک دوسرے کے بارے میں ہم دونوں کی فیلنگز ایک جیسی ہیں۔" اس کی امی اس بات پر مسکرائیں۔

"آنٹی! میں آپ سے ایک بات کی اجازت لینے کے لیے یہاں آئی ہوں۔" امبر نے فوراً ہی کہا۔

"کس بات کی؟"

"میں رخشی کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں، مگر رخشی بتا رہی تھی کہ آپ اس بات کو پسند نہیں کریں گی۔ اسی لیے میں خود اس کے ساتھ یہاں آئی ہوں تاکہ آپ سے اجازت لے سکوں۔"

"ہاں رخشی زیادہ کہیں آتی جاتی نہیں ہے۔۔۔ آج کل ماحول بہت خراب ہے۔ پتا نہیں چلتا کہ کون کیسا ہو اسی لیے میں اپنے بچوں کو کہیں آنے جانے سے روکتی ہوں۔" رخشی کی امی نے قدرے وضاحت کرنے والے انداز میں کہا۔

"مگر آنٹی! میرے گھر آنے سے تو نہ روکیں۔۔۔ آپ نے تو مجھے دیکھ ہی لیا ہے۔۔۔ بلکہ آپ چاہیں تو خود بھی رخشی کے ساتھ آ جائیں۔ ڈرائیور آپ لوگوں کو پک اور ڈراپ کر دے گا۔" امبر نے بڑی فیاضانہ پیش کش کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں رخشی کو تمہارے یہاں جانے سے نہیں روکوں گی۔" اس کی امی نے مسکرا کر کہا۔ امبر ان کی بات پر بے اختیار مسکرائی۔

"مگر یہ ہے کہ کوئی فنکشن ہو تو آنا جانا بھی اچھا لگتا ہے۔ بغیر کسی فنکشن کے کسی کے گھر جانا کچھ زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔" اس کی امی کے اگلے جملے نے امبر کی مسکراہٹ کو مدھم کر دیا۔

"مگر آنٹی! اگر کوئی فنکشن نہ ہو تو پھر بندہ کیا کرے۔ میری فرینڈز تو فنکشن کے بغیر ہی میرے گھر آتی رہتی ہیں اور خود میں بھی ان کے گھر جاتی رہتی ہوں۔۔۔ اگر فنکشن کا انتظار کیا جائے تو پھر تو شاید کئی ماہ ایک دوسرے کے گھر آنا جانا نہیں ہو سکے گا۔" امبر نے کچھ مایوسی سے کہا۔ "لیکن اگر آپ کی یہی شرط ہے تو میں رخشی کے لیے کوئی فنکشن رکھ لیتی ہوں اپنے گھر۔۔۔ کم از کم آپ اسے میرے گھر تو آنے دیں گی۔"

امبر کی بات پر رخشی اور اس کی امی دونوں مسکرا دیں۔

"تم فکر مت کرو۔ میں فنکشن کے بغیر ہی تمہارے گھر آؤں گی۔۔۔ اب تم چائے تو پیو۔" رخشی نے تسلی دینے والے انداز میں امبر سے کہا اور چائے کی اس ٹرالی کو اپنی طرف گھسیٹ لیا جو اس کی بہن لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔

☆☆☆

دو دن بعد رخشی کالج سے امبر کے گھر آ گئی تھی اور پھر یہ آنا جانا جیسے ایک معمول بن گیا تھا۔ وہ امبر کے ساتھ ہی کالج سے گھر چلی آتی اور پھر شام کو امبر اسے اس کے گھر ڈراپ کر دیتی۔ وہ دونوں اکثر گھر پر بھی اس ڈرامہ کی ریہرسل کرتی رہتیں۔۔۔

اگر رُخشی کی امی کو امبر اچھی لگی تھی اور انہوں نے اس کی تعریف کی تھی تو دوسری طرف منیزہ کی رائے رُخشی کے معاملے میں کچھ اچھی نہیں تھی۔

پہلے دن ہی جب امبر اسے لے کر گھر آئی تھی انہوں نے رُخشی سے اس کے خاندان کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ کہاں رہتی ہے۔ اس کے والد کیا کرتے ہیں، ان کی مالی حالت کیسی ہے۔ ان کا گھر کیسا ہے...... ان میں سے کسی سوال کا جواب بھی منیزہ کو ایسا نہیں ملا تھا جس سے منیزہ مطمئن یا خوش ہو جاتیں۔ امبر کے برعکس وہ کلاس اور اسٹیٹس کانشس تھیں۔ وہ شروع سے ہی اپنے بچوں کا اپنے بچوں کے ساتھ میل ملاپ پسند نہیں کرتی تھیں جن کے خاندانوں کی مالی حیثیت ان سے کم ہوتی۔ بیرون ملک قیام کے دوران بھی اس بات پر زور دیتی رہی تھیں کہ ان کے بچوں کی کمپنی ''اچھی'' ہو...... اور ان کے نزدیک اچھے ہونے کا واحد معیار امیر ہونا تھا...... اپنے دوسرے بچوں سے انہیں کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی یا کم از کم اس حد تک شکایت نہیں رہتی تھی جس حد تک امبر سے ہوتی تھی...... وہ شروع ہی سے ماں کے برعکس ایسے معاملات میں خاصی لاپرواہ تھی۔ کوئی کس فیملی سے تعلق رکھتا تھا کس سے نہیں...... اس کے نزدیک یہ خاصی ثانوی بات تھی۔ اسکول میں اسے جو بھی اچھا لگتا، وہ اس کے ساتھ دوستی کر لیتی۔ یہ دیکھے یہ سوچے بغیر کہ ایسی دوستیوں اور تعلقات پر منیزہ کا ردعمل کیا ہوگا...... منیزہ کی لاکھ ناراضی اور الجھنوں کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا...... واحد راستہ جو منیزہ کے پاس رہ جاتا تھا۔ وہ ڈانٹ ڈپٹ تھی اور امبر کو ڈانٹنے کا مطلب منصور علی کی ناراضی مول لینا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ امبر کے ذریعے منصور سے اپنی بہت سی فرمائشیں پوری کروایا کرتی تھیں۔

امبر کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اس کی دوستوں کی طرح منیزہ بھی رُخشی کو ناپسند کر رہی تھی اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اسے وہ پسند تھی اور نہ صرف وہ اسے پسند کرتی تھی بلکہ رُخشی بھی اسے پسند کرتی تھی...... کسی سے میل ملاپ کے لیے یہ پسندیدگی ہی اس کا واحد معیار تھی اور رُخشی کو بھی اس نے اسی معیار پر پرکھا تھا۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ رُخشی کے لیے یہ ستائش بڑھتی جا رہی تھی۔ اس دن وہ طلحہ کے ساتھ ایک ہوٹل میں کھانا کھانے کے لیے گئی ہوئی تھی اور وہاں بھی کالج کے ڈرامہ کے ذکر پر وہ فوراً رُخشی کا ذکر لے بیٹھی۔

''طلحہ! تم اگر اسے دیکھ لو تو تم بھی دیکھتے رہ جاؤ...... She is really very pretty'' اس نے بڑی فیاضی کے ساتھ اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

طلحہ نے رُخشی کے ذکر میں کچھ زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ ''میرے لیے بس ایک خوبصورت لڑکی ہی کافی ہے۔''

''تم اگر اسے ایکٹنگ کرتے دیکھ لو تو تم کہو کہ یہ کالج میں کیا خوار ہوتی پھر رہی ہے۔ اسے تو نیشنل نیٹ ورک پر ہونا چاہیے'' امبر نے جیسے طلحہ کی بات سنی ہی نہیں۔

''اس میں وہ گلیمر ہے جو ایکٹریسز اور ماڈلز میں ہوتا ہے۔ میں نے تو اس کو مشورہ بھی دیا ہے شوبز کی طرف جانے کو۔''

''اچھا پھر۔'' طلحہ نے رسمی طور پر پوچھا۔

''مگر وہ نہیں مانی۔'' امبر نے کچھ مایوسی سے کہا۔

''کیوں؟''

''اس کی فیملی میں شوبز میں کوئی نہیں گیا...... اس کی امی ویسے بھی خاصی کنزرویٹو ہیں...... وہ تو فرینڈز کے گھر جانے نہیں دیتیں تو یہ شوبز تو دور کی بات ہے۔'' امبر نے اپنے کندھے پر آئے ہوئے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہر فیملی کی کچھ روایات ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کی فیملی بھی پسند نہ کرتی ہو ان سب چیزوں کو۔'' طلحہ نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''پتا ہے طلحہ...... اتنا اچھا ڈانس کرتی ہے وہ کہ بس۔'' امبر اب بھی اسی کا ذکر کر رہی تھی۔ ''ڈانس تو میں بھی کر لیتی ہوں مگر اسے دیکھ کر مجھے واقعی پتا چلا کہ ڈانس کسے کہتے ہیں...... وہ تو بالکل پرفیکٹ ہے۔''

طلحہ اس کی بات پر ہنسا۔ ''اور تم کہہ رہی ہو کہ وہ خاصے کنزرویٹو گھرانے سے تعلق رکھتی ہے ...... یہ ڈانس وغیرہ
کنزرویٹو فیملیز میں کہاں سے آ گیا۔''

''یہ مجھے نہیں پتا کہ کیسے آ گیا مگر بہرحال وہ زبردست ڈانس کرتی ہے ...... ہم سب تو اسے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔''
امبر نے سوفٹ ڈرنک کا گھونٹ لیا۔ ''اور ہاں۔'' پیتے پیتے اچانک یاد آیا۔ ''تم بہت پسند آئے ہو اسے۔''
طلحہ کو سوفٹ ڈرنک پیتے پیتے بے اختیار اچھو لگا۔ ''میں؟'' اس نے حیرانی سے کہا۔

''ہاں تم ...... اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے؟''

''مگر مجھے کیسے جانتی ہے وہ؟''

''کیا بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو تم؟'' امبر نے جیسے اس کی عقل پر افسوس کیا۔ ''میں نے بتایا ہے اسے تمہارے بارے میں ...... بلکہ تصویریں دکھائی تھیں تمہاری۔ انہیں ہی دیکھ کر اس نے تمہاری تعریف کی تھی ...... بلکہ وہ تو مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں تمہیں اس سے ملواؤں۔''

''تم نے کیا کہا؟''

''میں نے کہا ٹھیک ہے۔ میں اسے تم سے ملواؤں گی۔''

''مگر وہ مجھ سے مل کر کیا کرے گی؟'' طلحہ نے اس بار قدرے بیزاری سے کہا۔

''کیا کرے گی ...... تم بھی آج عجیب باتیں کرنے تلے ہوئے ہو، وہ میری دوست ہے اس لیے تم سے ملنا چاہتی ہے۔ تم میں اس کی دلچسپی کی یہی واحد وجہ ہے۔''

''کم آن امبر! ہر دوست کو مجھ سے ملوانے نہ نکل کھڑی ہوا کرو ...... ایک تو تمہارا سوشل سرکل خاصا وسیع ہے، اوپر سے تم پر جیسے یہ فرض ہے کہ تم ہر جاننے والے یا والی کو مجھ سے ملوانا چاہتی ہو۔ اس بات سے قطع نظر کہ میں کسی سے ملنا چاہتا ہوں یا نہیں۔''

''تم کیوں نہیں ملنا چاہتے میرے جاننے والوں سے۔'' اس بار امبر نے قدرے ناگواری سے کہا۔

''تمہیں کچھ کرنے کو کس نے کہا ہے۔ ملنے کو ہی تو کہا ہے، اور ویسے پہلے تو کبھی تم نے میری فرینڈز کے لیے ایسی ناپسندیدگی نہیں جتائی۔ اب رخشی کی بار کیا ہو گیا ہے۔ کہیں ممی کی طرح تم کو بھی کلاس فوبیا نہیں ہو گیا۔'' امبر نے قدرے تیکھے انداز میں اس سے کہا۔

''کیا کلاس فوبیا ...... ؟ اگر ہو بھی گیا ہو تو تم کو اس سے کیا ...... تم ان چیزوں کی پرواہ کہاں کرتی ہو۔ چاہے میں تمہیں سمجھاؤں یا کوئی اور ...... تمہیں بس کوئی چیز پسند آنی چاہیے۔ چاہے وہ کسی کنوئیں میں پڑی ہو گی ...... تم اسے نکال کر جھاڑ پونچھ کر اپنے گھر کی سب سے بہترین جگہ پر سجا دو گی۔'' امبر لاپروائی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔

طلحہ اب کھانا کھاتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ ''مسٹر طلحہ مسعود! ہم سب یہی کرتے ہیں۔ جو چیز ہمیں اچھی لگتی ہے، ہم اسے اپنی زندگی میں سب سے اہم جگہ دے دیتے ہیں۔ اس چیز کی Roots کی کھدائی شروع نہیں کر دیتے۔''

''ہو سکتا ہے، مگر جس طرح کے معیار تمہارے ہیں اس طرح کے معیار بہت کم لوگوں کے ہیں۔ خیر وقت کے ساتھ ساتھ تمہارے یہ معیار بدل جائیں گے۔''

''شاید آخری ......
بس ایسے ہی، تمہاری فرینڈز سے مل کر آخر میں کروں گا کیا؟'' طلحہ کے لہجے میں بھی بیزاری آ گئی۔
یہ جملہ اس طرح کہنا چاہیے کہ وقت کے ساتھ ساتھ تم میرے معیار بدل دو گے۔'' امبر نے کھانا کھاتے کھاتے رک کر کہا۔

''ہاں میں کوشش ضرور کروں گا۔''

''تم اس کوشش میں بری طرح ناکام رہو گے۔ میں کبھی کسی کلاس فوبیا کا شکار نہیں ہوں گی ...... زندگی میں جب بھی مجھے

ہوئے اچھی لگے گی۔ میں اسے اسی طرح سراہوں گی۔ چاہے دوسرے اس بات کو کتنا برا ہی کیوں نہ سمجھیں۔" علیزہ نے ایک لمحہ کے لیے رک کر اسے گہری نظروں سے دیکھا پھر وہ کندھے اچکا کر کھانا کھانے لگی۔ وہ ایک بار پھر کھانا کھانے لگی۔ ..... وہ اگر یہ کہہ رہی تھی کہ وہ نہیں بدلے گی تو اس کا مطلب تھا کہ امبر کی لاپروائی سے کہی ہوئی بات پتھر پر لکیر تھی۔ وہ جانتا تھا کہ امبر کی لاپروائی سے کہی ہوئی بات پتھر پر لکیر تھی ..... اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا مطلب یہ تھا کہ خود اسے اپنے اندر بہت ہر زاویے میں بھی مطلب تھا کہ وہ نہیں بدلے گی ..... اور یہ کمپرومائز وہ صرف امبر منصور علی ہی کے لیے کرسکتا تھا۔ کسی دوسری سی تبدیلیاں لانی پڑیں گی اور وہ اس کے لیے تیار تھا ..... لڑکی کے لیے نہیں۔

☆☆☆

mirror mirror on the wall

"Tell me who is the fairest of us all"

رخشی ایک قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی اپنے ڈائیلاگز دہرا رہی تھی ..... بیک اسٹیج ڈرامہ کے تمام کیریکٹرز اپنے اپنے سین کو آخری بار دیکھ رہے تھے۔ اگلا آئٹم یہی تھا اور ان کے پاس اب صرف دس منٹ رہ گئے تھے۔ جوں جوں ان کے ڈرامہ کا وقت قریب آتا جا رہا تھا۔ امبر کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی جبکہ رخشی پہلے سے زیادہ پر اعتماد نظر آ رہی تھی یوں جیسے یہ سب کچھ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہو۔

امبر اب بھی اپنے ڈائیلاگز بھول رہی تھی اس میں اس کی یادداشت سے زیادہ گھبراہٹ کا ہاتھ تھا جبکہ رخشی نے ایک بار بھی اپنے اسکرپٹ کو نہیں دیکھا تھا وہ اپنے ہر سین کو اکیلے ہی باری باری دہراتی جا رہی تھی یوں جیسے وہ اس وقت واقعی اس کردار میں مکمل طور پر ڈھل گئی تھی۔ یوں جیسے وہ واقعی ایک ملکہ تھی ..... یوں جیسے سنو وائٹ واقعی اس کے رحم و کرم پر تھی ..... امبر اور رخشی دونوں ہی اپنے مکمل کاسٹیوم میں تھیں اور وہاں موجود لوگوں کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان میں سے کون زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی ..... مگر شاید Talk of the town وہی بنتی جو اپنے رول کو اچھی طرح سے ادا کر لیتی ..... اگرچہ رخشی کے جسم پر موجود لباس اتنا قیمتی اور خوبصورت نہیں تھا جتنا امبر کے جسم پر موجود لباس تھا مگر اس قدرے کم قیمت لباس کو رخشی کے وجود نے بیش قیمت کر دیا تھا۔ کسی کی نظر اس کے لباس پر جا ہی نہیں رہی تھی۔ یہ اس کا چہرہ تھا جس سے نظریں ہٹانا مشکل ہو گیا تھا ..... مگر خود رخشی کی نظریں اس سفید لباس پر لگی ہوئی تھیں جو امبر نے پہنا ہوا تھا۔ اس کی نظروں میں رشک اور ستائش واضح طور پر چھلک رہی تھی۔

"میں بہت نروس ہوں رخشی ..... ! مجھے لگ رہا ہے میں سب کچھ بھول گئی ہوں۔" امبر نے ایک بار پھر اسکرپٹ کو دیکھتے ہوئے جھلا کر کہا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ..... میں ہوں نا اسٹیج پر کچھ بھی بھولے گا تو تمہیں یاد کروا دوں گی، مجھے تمہارے سارے ڈائیلاگز یاد ہیں۔" رخشی نے اسے تسلی دی۔

"لیکن اگر مجھے ڈائیلاگز ان سینز میں بھولے جن میں تم میرے ساتھ نہیں ہو تو؟" امبر اب بھی فکر مند تھی۔

امبر نے فکر مندی کے عالم میں سر ہلایا اور ایک بار پھر چکر لگاتے ہوئے اسکرپٹ کو دیکھنے لگی۔ ڈرامہ میں صرف دو سین ایسے تھے جہاں امبر اور رخشی کا آمنا سامنا تھا ..... باقی تمام سینز میں وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ تھی جہاں وہ اپنے مکمل کاسٹیوم میں ایک دوسرے کو جانتے ہوئے سامنے آتیں اور اسی لیے وہ زیادہ فکر مند تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے سین میں ڈائیلاگز بھول گئی تو ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ دوسرے لوگوں کو اس کے ڈائیلاگز یاد ہوں ..... یا یہ کہ وہ اگر ایک بار ڈائیلاگز بھول گئی تو پھر دوسروں کے بتانے پر اسے سب کچھ یاد آ جائے گا۔

مگر اس کی یہ ساری گھبراہٹ اس وقت غائب ہو گئی تھی جب ڈرامہ شروع ہونے پر اسٹیج پر اس کی انٹری ہوئی تھی۔ ہال اس کی انٹری پر تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح رخشی کی انٹری کے وقت گونجا تھا۔

اسے اور رُخشی کو بے تحاشا داد مل رہی تھی...... رُخشی کی طرح وہ بھی اپنے سینز بڑے اعتماد کے ساتھ کر رہی تھی ڈائیلاگ ڈیلیوری کمال کی تھی اور باقی کمی اس کی خوبصورت آواز اور چہرے نے پوری کر دی تھی...... اس کا اعتماد ہر سین کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا...... ہر Exit کے ساتھ وہ بیک اسٹیج ہوتی اس وقت رُخشی کا سین چل رہا ہوتا اور جب رُخشی بیک اسٹیج ہوتی تو اس وقت وہ اسٹیج پر ہوتی اس لیے ڈرامے کے دوران بیک اسٹیج دونوں کا کوئی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔

اور پھر اسٹیج پر اس کا اور رُخشی کا پہلا سین آ گیا۔ وہ پہلا سین جس میں دونوں اکٹھی تھیں...... اور جس میں دونوں اپنے مکمل کاسٹیوم میں ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ باقی سینز میں رُخشی بوڑھی عورت کے روپ میں اپنا حلیہ بدل کر اس کے سامنے آتی اور وہ بھی ایک شہزادی کے لباس کی بجائے سادہ سے کپڑوں میں ملبوس ہوتی...... صرف ان ہی دونوں سینز میں دونوں محل میں ایک دوسرے کا سامنا کرتیں...... ملکہ...... اور سنو وائٹ...... وہ سین ڈرامے کے کچھ ابتدائی سینز کے بعد آیا تھا جب آئینہ میں دیکھنے کے بعد ملکہ سنو وائٹ کو خود دیکھتی ہے...... اور اس سین میں رُخشی نے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین مکمل طور پر کھینچ لی تھی...... ہال میں پہلی بار مکمل خاموشی تھی جامد سکوت اور رُخشی کے ایکسپریشنز کو دیکھتے ہوئے امبر نے پہلی بار اپنا اعتماد کھونا شروع کر دیا...... وہ واقعی ایک ملکہ لگ رہی تھی...... شاہانہ اور سحر انگیز انداز...... اور پر تمکنت، کسی مسکراہٹ کے بغیر...... پلکیں جھپکائے بغیر رُخشی اس کو دیکھتی رہی تھی...... اور امبر اپنے ڈائلاگز بھول گئی...... رُخشی نے کمال اعتماد کے ساتھ اپنے ڈائیلاگز دہرائے تھے اور امبر ہونقوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھتی رہی...... ہال میں ابھی بھی خاموشی تھی...... بیک اسٹیج سے امبر کو کیو دی گئی مگر امبر کی نظریں رُخشی پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔

رُخشی نے ایک بار پھر اپنے ڈائلاگز دہرائے...... امبر اس بار بھی اس کا چہرہ خاموشی سے دیکھتی رہی...... حاضرین کو ابھی بھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ اپنے ڈائیلاگز بھول چکی تھی وہ اسے بھی ڈرامے کا ایک حصّہ سمجھتے رہے...... امبر کو بیک اسٹیج سے ایک بار پھر کیو دی گئی...... ایک بار دو بار...... اور پھر امبر کو جیسے ہوش آ گیا...... کچھ گڑبڑاتے ہوئے اس نے ایک قدم پیچھے لیا...... حاضرین کو دیکھا...... بیک اسٹیج سے ایک بار پھر کیو دی گئی...... اور اس بار امبر نے کیو کو Pick کر لیا...... رُخشی نے اسی سخت لہجے میں اپنے ڈائیلاگز بولے اور Exit کر گئی...... ہال اب تالیوں سے گونج رہا تھا اور اگلے سین کے لیے پردہ گر رہا تھا۔ اسٹیج پر وہاں کھڑے امبر کو اندازہ تھا کہ وہ تالیاں کس کے لیے بج رہی تھیں...... پردہ گرنے کے بعد وہ بیک اسٹیج پر چلی گئی۔

اگلا سین رُخشی کا تھا...... اور اس کے بیک اسٹیج جاتے ہی رُخشی اپنے سین کے لیے اسٹیج پر آ گئی...... امبر نے ایک بار پھر اسکرپٹ پکڑ لیا...... وہ اب فکر مند تھی...... اپنے اگلے کسی سین میں رُخشی کا سامنا کرتے ہوئے وہ ڈائیلاگز بھولنا نہیں چاہتی تھی...... اور ایسا ہی ہوا تھا۔ رُخشی کے ساتھ اپنے اگلے سینز میں وہ ڈائیلاگز نہیں بھولی تھی...... ایک بار پھر اس کا اعتماد واپس آتا جا رہا تھا...... اور ڈرامے کے آخری سین تک وہ اعتماد اپنی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔

آخری سین ایک بار پھر رُخشی کے ساتھ تھا اور آخری سین میں ایک بار پھر ان دونوں کو شاہی ملبوسات میں ایک دوسرے کا سامنا کرنا تھا...... سنو وائٹ شہزادے کے ساتھ دربار میں اپنے باپ اور ملکہ کا سامنا کر رہی تھی...... اور یہ آخری سین تھا جس نے امبر کے تابوت میں آخری کیل کا کام کیا تھا...... وہ ایک بار پھر رُخشی کے سامنے اپنے ڈائیلاگز بھول گئی تھی اور اس بار یہ بات ہال میں موجود حاضرین سے چھپی نہیں رہ سکی...... بیک اسٹیج سے ملنے والی کیو بھی اس بار اس کے کام نہیں آئیں۔ وہ مکمل طور پر اپنے ڈائیلاگز بھول چکی تھی اور اپنے باپ کے ساتھ بولنے والے ڈائیلاگز کے بجائے وہ اٹکتے ہوئے چند چھوٹے چھوٹے جملے بولنے لگی...... وہ اسکرپٹ کا مضبوط ترین حصّہ تھا۔ جو اسے اپنے باپ کے سامنے ادا کرنا تھا اور اس کے علاوہ باقی سب مکمل مہارت کے ساتھ اپنے اپنے ڈائلاگز ادا کر رہے تھے جبکہ وہ خود سے سوچ سوچ کر جواب دے رہی تھی اور یقیناً وہ ڈائیلاگز جو وہ اب اپنے پاس سے گھڑ رہی تھی وہ اتنے طاقتور نہیں تھے کہ رُخشی اور بادشاہ کے رٹے ہوئے جملوں کا مقابلہ کر سکتے...... ڈرامے کا اسکرپٹ بالکل اوریجنل نہیں رکھا گیا تھا اس میں بہت سی تبدیلیاں کر دی گئی تھیں اور ان تبدیلیوں میں وہ لمبے لمبے ڈائیلاگز بھی تھے جو ملکہ، سنو وائٹ اور بادشاہ کو آخری سین میں ادا کرنے تھے اور رُخشی کو اس کے ادا کیے ہوئے ہر جملے پر بھرپور داد ملی تھی۔

آخری سین پر پردہ گرتے ہوئے ہال میں ہر ایک کی زبان پر رُخشی کا نام تھا"...... Talk of the town" امبر جانتی تھی کس کے بارے میں چرچا ہو گا اور وہ مانتی تھی کہ رُخشی کے لیے بجنے والی ایک بھی تالی غلط نہیں تھی...... وہ اس داد کی مستحق تھی اور پردہ گرنے کے بعد اس نے خود بھی رُخشی کے لیے تالیاں بجانی شروع کر دیں جسے بادشاہ کے گارڈ کھینچتے ہوئے دربار سے باہر لے گئے تھے اور اب وہ بیک اسٹیج کے ایک کونے میں اپنا تاج پکڑے مسکراتے ہوئے اپنے بعد ہونے والا باقی سین اور گرتے ہوئے پردے کو دیکھ رہی تھی اور امبر کو تالیاں بجاتے دیکھ کر وہ مسکرائی تھی...... امبر بڑے پرجوش انداز میں اس کی طرف بڑھی تھی جب وہاں موجود سب لوگوں سے داد وصول کر رہی تھی...... اور یہ وہ وقت تھا جب اسے پہلی بار ایک بات یاد آئی تھی...... اور اس کے قدم تھمے تھے...... رُخشی نے دونوں سینز میں ڈائیلاگز بھولنے پر اسے کیو نہیں دی تھی۔

☆☆☆

"کیسا رہا تمہارا ڈرامہ؟" رات کو گھر آنے پر صاعقہ نے سرسری انداز میں رُخشی سے پوچھا تھا...... رُخشی بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"بہت اچھا...... امی جب میں ویڈیو لے کر آؤں گی تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ میں کتنی خوبصورت لگ رہی تھی اور مجھے کتنی داد ملی۔" رُخشی نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اور امبر...... اس کا کیا ہوا؟" اس کی ماں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی مگر...... میرے جیسی ایکٹنگ وہ نہیں کر سکی۔"

"اچھا تم اب کھانا کھا لو......" صاعقہ نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ رُخشی کو کچھ مایوسی ہوئی۔ وہ ابھی صاعقہ کو اور بہت سی باتیں بتانا چاہتی تھی۔ وہ کچھ بددل ہو کر اپنے کمرے میں چلی آئی...... کپڑے تو وہ کالج میں ڈریسنگ روم میں ہی تبدیل کر آئی تھی مگر اس کے چہرے پر میک اپ اب بھی موجود تھا وہ اپنے کمرے میں آ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی اور آئینے میں نظر آنے والے عکس نے اسے ایک بار پھر جیسے کالج کے اسٹیج پر پہنچا دیا تھا۔ وہ اپنے عکس کو آئینے میں دیکھتے ہوئے زیرِ لب مسکرانے لگی...... فخریہ مسکراہٹ...... اس کے کانوں میں چند گھنٹے پہلے اس سے کہے ہوئے بہت سے لوگوں کے ستائشی جملے گونجنے لگے۔ وہ جانتی تھی اگلے کئی ہفتوں تک وہ کالج میں جہاں سے بھی گزرے گی...... اسے سر اونچا کر کے ستائشی نظروں سے دیکھا جائے گا...... اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی...... وہ اپنے عکس پر نظریں جمائے بڑبڑانے لگی۔

mirror mirror on the wall

"Tell me who is fairest of them all"

اسے آئینے میں صرف اپنا عکس ہی نظر آ رہا تھا۔

"یمی اور ظہیر کا جھگڑا ہو گیا ہے۔" عقب میں ابھرنے والی صاعقہ کی آواز نے اسے یک دم پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

"اب کس لیے؟" رُخشی کی آواز جیسے حلق میں گھٹنے لگی۔

"پچاس ہزار اور مانگ رہا ہے......" صاعقہ کی آواز میں اضطراب تھا۔

"کیوں مانگ رہا ہے؟"

"کیوں مانگتا ہے...... عادت سے مجبور ہے...... اس بار اس نے بہت مارا ہے یمی کو...... وہ اپنے کمرے میں ہے۔ میں اسی کے پاس بیٹھی ہوں...... تم بھی کھانا کھا کر وہیں آ جانا...... وہ پوچھ رہی تھی تمہارے بارے میں...... مصیبتیں ہیں کہ ختم ہی نہیں ہوتیں۔ ایک جاتی ہے تو دوسری آ جاتی ہے۔ میری تو قسمت ہی خراب ہے...... عذاب ہیں کہ میری جان کو چمٹ ہی گئے ہیں۔ نوید مسلسل مکان خالی کرنے کو کہہ رہا ہے۔ آج شام بھی آیا ہوا تھا......"

وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ رُخشی نے پلٹ کر دھواں دھواں آنکھوں کے ساتھ آئینے کو ایک بار پھر دیکھا...... اس بار آئینے میں بہت سی لکیریں ابھر آئی تھیں یوں جیسے آئینہ چٹخ گیا ہو...... اور وہاں اب اس کا عکس نہیں تھا...... وہاں ان چٹخے

ہوئے ٹکڑوں کے درمیان امبر کا عکس تھا...... اسی سفید میکسی میں...... کھلے گھنگھریالے بالوں پر مختلف رنگوں کے پھولوں سے سجا ہوا خوبصورت چہرہ...... دھوئیں میں بھری کڑواہٹ اس کی آنکھوں میں نمی لانے لگی۔

mirror mirror on the wall
"I know who is the fairest of us all"

☆☆☆

''پاپا اگر میں بادشاہ کی جگہ ہوتی نا تو میں کوئین کے بجائے سنو وائٹ کا گلا دبا دیتی...... اف اتنی ڈفر اور ڈل سنو وائٹ...... شکل کے علاوہ اس میں کچھ اچھا ہی نہیں۔''

صبغہ امبر کا مذاق اڑا رہی تھی...... وہ بھی منیزہ اور اپنی دوسری بہنوں کے ساتھ امبر کا ڈرامہ دیکھنے گئی تھی...... منصور علی انہیں واپسی پر لینے آئے تھے اور واپسی کا پورا سفر اس ڈرامے کی باتوں میں ہی کٹا تھا اور یہ باتیں گھر آنے پر بھی ختم نہیں ہوئی تھیں۔

''تم صحیح کہہ رہی ہو...... دل تو میرا بھی یہی چاہ رہا تھا۔'' امبر نے ایک گہرا سانس لے کر صبغہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''Rakhsi is simply stunning'' اس نے ایک بار پھر رخشی کی تعریف کی۔

''اتنی تعریفیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کی...... وہ کوئی آسمان سے اتری ہوئی مخلوق نہیں ہے...... امبر کے سامنے تو کچھ بھی نہیں لگ رہی تھی۔'' منیزہ کو امبر اور صبغہ دونوں کی باتیں بری لگیں...... انہیں ڈرامے کے دوران ہال میں رخشی کے لیے بجنے والی تالیاں بھی بری لگی تھیں...... ان تالیوں کو برداشت کرنا ان کی مجبوری تھی مگر اب یہاں بھی رخشی کی تعریفیں سننا۔

''خیر ممی! یہ تو آپ زیادتی کر رہی ہیں...... رخشی واقعی خوبصورت لگ رہی تھی......'' صبغہ نے کہا۔

''بھئی مجھے تو اپنی بیٹی کے علاوہ اور کوئی خوبصورت لگتا ہی نہیں...... بلکہ اور کوئی خوبصورت ہو ہی نہیں سکتا۔'' منصور علی نے بڑے پیار سے امبر سے کہا۔

وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر ان کے پاس صوفہ پر آ گئی اور ان کے ساتھ بیٹھ کر اس نے ان کے بازو میں بازو ڈالتے ہوئے بڑے لاڈ سے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

''پاپا...... رخشی واقعی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی......'' اس نے منمناتے ہوئے کہا۔

''میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا امبر کہ تم اپنے ڈائیلاگز کیوں بھول گئیں...... آخری سین میں تو تم نے ستیاناس کر دیا پورے ڈرامے کا۔'' صبغہ کو افسوس ہو رہا تھا۔

''میں اس کے چہرے اور ایکسپریشنز کو دیکھتے ہوئے سب کچھ بھول گئی تھی...... کچھ دیر کو تو مجھے لگا کہ وہ واقعی کوئین ہے اور میں کسی دربار میں کھڑی ہوں...... اتنی طاقتور تھی اس کی موجودگی کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی پاپا......! آپ جب ویڈیو دیکھیں گے تو آپ کو پتا چلے گا کہ میں نہیں کوئی بھی ہوتا وہ رخشی کے سامنے اسٹیج پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔'' امبر منصور علی کو بتاتی گئی اور اس کی ہر تعریف منیزہ کے ماتھے کی تیوریوں میں اضافہ کر رہی تھی۔

''ایک تو منصور میں آپ کی اس لاڈلی بیٹی کی حرکتوں سے تنگ ہوں...... اپنے علاوہ اسے ہر کوئی اچھا لگتا ہے۔ وہاں سب لوگ اس کی تعریفیں کر رہے تھے اور یہ یہاں بیٹھی رخشی کی تعریفیں کر رہی ہے...... میں نے تو نظر بھر کر اسے نہیں دیکھا کہ میری نظر ہی نہ لگ جائے اسے...... ماشاء اللہ یہ لگ ہی اتنی پیاری رہی تھی مگر میں نے کئی لڑکیوں کو خود اس کی تعریفیں کرتے سنا ہے۔ یہ وہاں بھی ہر ایک کو پکڑ پکڑ کر یہی کہتی پھر رہی تھی کہ رخشی بہت اچھی لگ رہی ہے، رخشی نے کمال کی ایکٹنگ کی۔''

منیزہ نے آخری جملے میں اس کی نقل کی۔

''ایک تو پاپا...... امی کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا...... پتا نہیں رخشی سے کیوں اتنا چڑتی ہیں، اب کوئی اچھا کام کرے گا تو میں کہوں گی کہ اچھا کام کیا ہے۔ پھر میں ہی نہیں سب یہی کہہ رہے تھے کہ رخشی نے کمال کی ایکٹنگ کی ہے اور میں جو دو دفعہ

ذرا بگڑ بھول گئی، اب کیا اپنے منہ سے اپنی تعریفیں کرتی پھروں...... مگر ممی تو کمال کرتی ہیں۔'' اس بار امبر نے کچھ چڑ کر کہا۔

''میں ویڈیو لاؤں گی تو آپ خود دیکھ لیجیے گا کہ ہم دونوں میں سے کس نے اچھی ایکٹنگ کی ہے...... مگر باپ بن کر اور (Biased) (متعصب) ہو کر مت دیکھیے گا ویڈیو کو۔'' اس نے جیسے منصور کو وارننگ دی۔

''اچھا ٹھیک ہے...... میں بالکل منصفانہ رائے دوں گا...... اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم ہم سب کو اس ڈرامے کی کامیابی میں کب پارٹی دے رہی ہو۔''

''اف پاپا...... ! آپ کیا بات کر رہے ہیں۔ اتنی بے عزتی ہوئی ہے میری اور آپ کہہ رہے ہیں کہ ڈرامے کی کامیابی......'' امبر نے ان کے کندھے پر ہلکا سا مکا مارتے ہوئے احتجاجاً کہا۔

''صرف تمہاری نہیں ہماری بھی بے عزتی ہوئی۔ خود سوچو تم تو اسٹیج پر تھیں اور ہم وہاں ہال میں بیٹھے ہوئے تھے...... کون زیادہ شرمندہ ہوا ہوگا۔'' صبغہ نے شرارتی انداز میں کہا۔

''اچھا چلو ڈرامے کی ناکامی کی خوشی میں ہی تم ایک پارٹی کا انتظام کرو...... آخر تم نے ڈرامے میں کام تو کیا ہے چاہے برا ہی کیا۔'' منصور علی نے امبر سے کہا۔

''ناکامی کی کس کو خوشی ہوتی ہے...... کم از کم مجھے تو نہیں ہو سکتی...... آپ کو ہوئی ہے تو آپ ہی پارٹی دے دیں۔'' امبر نے ایک بار پھر منصور علی کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے میں دے دیتا ہوں...... کب دوں...... کہاں دوں۔''

''پاپا! آپ تو واقعی مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہیں پہلے اگر دس لوگوں کو اس کا پتا ہے تو اب سو لوگوں کو پتا چل جائے گا۔''

''تو پھر کیا ہوا...... بھئی تم کوئی پروفیشنل ایکٹریس تو ہو نہیں...... یہ بس ایک ایکٹیویٹی تھی...... تفریح کے لیے...... کون اس پر اعتراض کرے گا اور پھر یہ کون سا نیشنل نیٹ ورک کا کوئی ڈرامہ تھا کہ تم شرمندہ ہوتی پھرو۔'' منصور علی نے اس کی شرمندگی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی تو طلحہ بھائی پوچھیں گے کہ آپ نے کیا کارنامہ کیا ہے ڈرامے میں...... انہیں کیا بتاؤ گی؟'' صبغہ نے جیسے اسے ڈرایا۔

''کچھ نہیں کہوں گی۔''

''اب اس کے سامنے بھی کہیں رخشی کی تعریفیں کرنے مت بیٹھ جانا۔'' منیزہ کو اچانک خیال آیا۔

''نہیں ممی! اس کے سامنے تو میں اپنی تعریفیں کروں گی اور اتنی تعریفیں کروں گی کہ وہ ہاتھ جوڑ کر چپ کروائے گا...... وہ بے وقوف تو نہیں ہے، اسے فوراً پتا چل جائے گا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ آپ بھی بس شرمندہ ہی کروانا چاہتی ہیں۔'' امبر نے کچھ خفگی کے عالم میں منیزہ کو دیکھ کر کہا۔

''ویسے بھی ممی...... ! یہ تو ویڈیو بھی دکھائے گی طلحہ بھائی کو...... پھر جھوٹ کی گنجائش کہاں رہ جائے گی۔ کیوں امبر؟'' صبغہ نے ایک بار پھر اس سے کہا۔

''ہاں ویڈیو تو ضرور دکھاؤں گی...... بلکہ سونیا نے تو خود بھی مووی بنائی ہے۔ وہ تو کل ہی مل جائے گی۔''

''خبردار تم نے طلحہ کو ویڈیو دکھایا...... مجال ہے تم میں ذرا بھی عقل ہو۔ میں تمہیں رخشی کی تعریف سے منع کر رہی ہوں اور تم ویڈیو اسے دکھانے کی پلاننگ کر رہی ہو۔'' منیزہ نے کچھ ناراضی کے عالم میں امبر سے کہا۔

''اب رخشی کے لیے تھوڑی اسے مووی دکھاؤں گی اپنے لیے دکھا رہی ہوں ایک تو ممی آپ بھی......'' امبر نے ناگواری سے کہا۔

''تو رخشی نہیں ہو گی کیا اس میں؟''

''آپ کا کیا مطلب ہے وہ میرے بجائے رخشی کو دیکھتا رہے گا، کمال کرتی ہیں ممی آپ بھی......'' امبر کی خفگی میں کچھ

اور اضافہ ہوا۔

''امبر! تم ایسا کرو کہ ویڈیو کی ایڈیٹنگ کرواؤ اور رخشی کے تمام سینز کٹوا دو۔ کم از کم ممی کو اسطرح تسلی تو ہو جائے گی کہ طلحہ بھائی کی نظر اس پر نہیں پڑے گی۔'' صبغہ نے ہنستے ہوئے امبر کو مشورہ دیا۔

''ہاں مجھے بھی لگتا ہے کہ یہی کروانا پڑے گا...... ورنہ ممی تو......'' امبر نے مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

منصور علی خوشگواری سے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے...... انہوں نے خاصے لمبے وقفے کے بعد ایک بار پھر گفتگو میں مداخلت کی۔

''بھئی اب ختم کرو اس سارے جھگڑے کو...... امبر نے اچھا کام کیا ہے اور رخشی نے بھی...... معاملہ ختم۔''

''آپ بھی پاپا......! آپ نے کبھی رخشی کو دیکھا تک تو ہے نہیں......'' امبر باپ کی بات پر ہنسی۔

''اچھا بھئی دیکھ لیں گے...... یہاں تو آتی جاتی رہتی ہے وہ۔'' منصور علی نے خوشگوار انداز میں کہا۔

''ہاں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی آتی جاتی رہتی ہے۔'' منیزہ ایک بار پھر بڑبڑائیں۔ اس سے پہلے کہ امبر کچھ کہتی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''یہ طلحہ کا فون ہوگا...... میں ذرا اس سے بات کرلوں۔'' امبر کو یک دم یاد آیا اور وہ اٹھ کر فون کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

نواں باب

پارٹی اپنے پورے عروج پر تھی...... بلال وحیدی کی ہر پارٹی کی طرح یہ پارٹی بھی اپنی مثال آپ تھی...... پورے شہر کی کریم وہاں پر تھی...... بلال وحیدی شہر میں اپنی پارٹیز کی وجہ سے ہی جانا جاتا تھا...... یہ پارٹیز ایلیٹ کلاس کو جہاں سوشلائز کرنے کا موقع دیتی تھیں وہاں بزنس کمیونٹی اپنی بہت سی ڈیلز بھی ان پارٹیز کے توسط سے کرتی تھی۔

عید کے فوراً بعد ہونے والی اس پارٹی میں زیادہ تر فیمیلیز کو مدعو کیا گیا تھا اور اس بار بلال وحیدی نے گیسٹ لسٹ میں کو تبدیلی کی تھی ورنہ عام طور پر اس کی پارٹیز میں کپلز ہی بلوائے جاتے تھے اس پارٹی میں روایت کے برعکس فیمیلیز کو مدعو کیا گیا تھا اور یہ بلال وحیدی کی تیسری پارٹی تھی جس میں منصور علی شرکت کر رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ پارٹیز میں اکیلے ہی شرکت کرتے تھے۔ لیٹ نائٹ پارٹیز میں منیزہ اکثر شرکت نہیں کرتی تھیں حالانکہ وہ خاصی سوشل تھیں مگر ان پارٹیز میں وہ اپنے آپ کو Odd one out محسوس کرتی تھیں...... کیونکہ وہاں آنے والی تمام عورتیں بہت زیادہ پڑھی لکھی ہوتی تھیں...... اور یہ صرف تعلیم یا وہاں بولی جانے والی نان اسٹاپ انگلش نہیں تھی جس سے وہ نروس ہوتی تھیں بلکہ اپنے حلیے سے بھی ہوتی تھیں...... وہاں آنے والی زیادہ تر عورتیں، 'گلاس فگر' رکھتی تھیں اور زیادہ تر مغربی لباس میں ملبوس ہوتی تھیں جبکہ خود منیزہ خاصا بے ڈول قسم کا جسم رکھتی تھی اور ان کے زیادہ تر ملبوسات شلوار قمیض یا Occasional ساڑھی کی شکل میں ہوتی اور وہاں جانے کے بعد انہیں اپنے بے تحاشا بڑھے ہوئے وزن کا خاصی شدت سے احساس ہوتا...... ان کے برعکس منصور علی نے اپنے آپ کو بالکل فٹ رکھا ہوا تھا...... ہفتے میں تین بار گالف کھیلنے جاتے تھے اور بعض دفعہ سوئمنگ بھی کرتے۔

منیزہ اپنے وزن کو کم کرنے کی کوشش کے لیے اپنی روٹین تو خیر کیا تبدیل کرتیں البتہ انہوں نے ایسی پارٹیز میں جانا تقریباً ختم ہی کر دیا...... یہی وجہ تھی کہ اب منصور علی ایسی پارٹیز میں اکیلے ہی جایا کرتے تھے مگر اس پارٹی میں وہ نہ صرف منیزہ کو بلکہ امبر، صبغہ اور رومشان کو بھی لائے تھے اور وہ سب وہاں کے ماحول سے خاصے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"منصور صاحب ادھر آیئے آپ کو کسی سے ملواتا ہے۔"

بلال وحیدی مستقل ادھر سے ادھر پھرتے ہوئے اپنے مختلف مہمانوں کو آپس میں ملوا رہے تھے اور اسی سلسلے میں وہ منصور کے پاس بھی آئے تھے۔ منصور ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے...... وہ انہیں کچھ فاصلے پر کھڑے مشروبات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ایک گروپ کے پاس لے آئے۔

"ان سے ملیے یہ منصور علی ہیں...... چیمبر آف کامرس کے نئے ممبر بنے ہیں...... پاکستان آئے تو انہیں کچھ ہی عرصہ ہوا ہے مگر یہاں ان کی فیکٹری کافی سالوں سے ہے اور شہر کی چند بڑی فیکٹریز میں سے ایک ہے۔ آپ لوگوں نے نام تو سنا ہی ہو گا۔" بلال وحیدی نے منصور علی کی فیکٹری کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں نام تو سنا ہے لیکن چیمبر میں کسی نے نام نہیں سنا ہو گا...... مگر میرا تو خیال ہے کہ وہ فیکٹری مسعود علی صاحب کی ہے ان سے تو ایک دوبار ملاقات بھی ہوئی ہے میری۔" گروپ میں کھڑے ایک شخص نے منصور علی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''مسعود علی...... منصور علی کے بڑے بھائی ہیں۔ فیکٹری تو ان ہی کی ہے مگر چونکہ یہ بیرون ملک تھے تو مسعود علی ہی فیکٹری کا انتظام سنبھالے ہوئے تھے۔ اب یہ واپس آ گئے ہی تو فیکٹری کا انتظام بھی انہوں نے خود سنبھال لیا ہے۔'' بلال وحیدی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''تو مسعود علی صاحب نے فیکٹری چھوڑ دی؟'' اسی شخص نے کچھ تجسس آمیز انداز میں کہا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ بھی وہیں ہیں، میں بھی وہیں ہوں، ان کے بھی کچھ شیئرز ہیں فیکٹری میں......'' اس بار منصور نے خود بتایا۔

''آپ بیرون ملک کیا کرتے تھے؟''

''کرنسی کی ایکسچینج کا کام تھا میرا۔'' منصور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور یہ ہارون کمال ہیں...... ان سے ملوانے کے لیے لے کر آیا ہوں میں آپ اس دن پوچھ رہے تھے۔''

اس بار بلال وحیدی نے ایک اور آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو ٹراؤزرز کی ایک جیب میں ایک ہاتھ ڈالے دوسرے میں مشروب کا گلاس پکڑے بڑی لاپروائی اور بے نیازی کے ساتھ مسکراتے ہوئے منصور علی اور وہاں موجود باقی تمام لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ بلال وحیدی کے تعارف کروانے پر اس نے ٹراؤزرز کی جیب سے اپنا بایاں ہاتھ باہر نکال کر گلاس اس میں منتقل کیا اور دوسرا ہاتھ منصور علی کی طرف بڑھا دیا۔ جسے منصور علی نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ تھاما۔

''اچھا تو یہ ہارون کمال ہیں...... میں نے خاصا شہرہ سنا ہے شہر میں آپ کا...... چیمبر میں بھی خاصی باتیں ہوتی ہیں آپ کی......'' منصور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کے بارے میں بھی خاصا کچھ سنا ہے میں نے بلال وحیدی سے۔'' ہارون کمال نے جواباً مسکراتے ہوئے ان سے کہا۔

''بلال وحیدی کو عادت ہے ہر ایک کے بارے میں کچھ نہ کچھ سناتے رہنے کی۔''

وہاں موجود ایک اور شخص نے قدرے بلند آواز میں کہا...... جس پر ایک ہلکا سا فہمائشی قہقہہ لگا بلال وحیدی کا اپنا قہقہہ سب سے اونچا تھا۔

''منصور علی اس بار چیمبر کے الیکشن میں کھڑے ہو رہے ہیں سیکریٹری کے لیے......'' بلال وحید نے منصور علی کے بارے میں جیسے انکشاف کیا۔

''اور یقیناً آپ کے گروپ کی طرف سے ہی کھڑے ہو رہے ہوں گے۔'' ہارون کمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ظاہر ہے دوسرے گروپ والے اتنے فراخ دل کہاں ہیں کہ اس طرح کے مواقع دیتے پھریں، نئے لوگوں کو۔ یہ ہمارا گروپ ہی ہے جس کا موٹو ہے...... "Lets back up the new blood" بلال وحیدی نے بڑے فخریہ انداز میں کہا۔

''اور آپ کا ہر نیا امیدوار 45 سے کم کا نہیں ہوتا...... کیا مذاق ہے۔'' اس بار ایک اور شخص نے تبصرہ کیا ایک اور فہمائشی قہقہہ لگا۔

''دوسرا گروپ تو 60 سے کم کے کسی امیدوار کو دیکھتا ہی نہیں ہے، ہم تو پھر بھی 45 کے لوگ میدان میں اتار رہے ہیں...... 45 اور 60 کا فرق دیکھیں اظہار صاحب......! اور ہمیں ووٹ دیں۔'' بلال وحیدی نے خوشگوار انداز میں اس شخص سے کہا۔

''آپ کو یہ بات کہنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے تھا کہ میں خود 65 سال کا ہوں۔'' اظہار سعید نے اسی برجستگی سے کہا...... ایک اور قہقہہ لگا۔

''بہرحال اس بار میں بلال وحیدی کے گروپ کو ہی ووٹ دوں گا۔ اتنی پارٹیز اٹینڈ کرنے کے بعد یہ مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔ کیوں بلال وحیدی صاحب؟'' اظہار سعید نے مسکراتے ہوئے بلال وحیدی سے کہا۔

''خیر پارٹیز میں تو آپ کو تب بھی انوائیٹ کرتا رہا ہوں جب آپ ''دوسروں'' کے...... ووٹر تھے۔ پارٹیز کو بیچ میں نہ ہی لائیں تو بہتر ہے۔ یہ تو صرف میل ملاپ کے لیے ہوتی ہیں۔'' بلال وحیدی نے اظہار سعید کی بات کے جواب میں کہا۔

"اس بار تو آپ کفر توڑ ہی دیں اظہار صاحب! پارٹیز کی بات کیے بغیر ہی ووٹ دے دیں' ورنہ دوسرے دھڑے والے آپ پر الزامات لگانے لگیں گے۔" بلال وحیدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"...آپ نے اس بار امیدوار ہی ایسے کھڑے کر دیے ہیں کہ مجھے انکار کرنا ہی مشکل ہو گیا ہے' سارا ینگ بلڈ لے آئے ہو آپ' میرے جیسے بھی دو چار لوگوں کو آزمانا تھا۔" اظہار سعید نے کہا۔

"اگلی بار اظہار صاحب...... اگلی بار...... آپ جیسوں کو نہیں آپ کو ہی آزماؤں گا۔ آپ پہلے ووٹر تو بنیں پھر امیدوار بھی بنا لیں گے۔" ایک اور فرمائشی قہقہہ لگا۔

"بات سے بات نکالنا تو کوئی بلال وحیدی سے سیکھے۔" اظہار سعید نے قدرے محظوظ ہوتے ہوئے بلال وحیدی کے جملے کے جواب میں کہا۔

ہارون کمال بڑی دلچسپی سے وہاں ہونے والی گفتگو سن رہا تھا اور گفتگو سننے کے ساتھ وہ ادھر اُدھر اچٹتی نظریں بھی دوڑا رہا تھا۔ شائستہ اس سے کچھ فاصلے پر چند مردوں اور عورتوں کے ایک گروپ کے ساتھ کھڑی باتوں میں مصروف تھی۔ ہارون کمال نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر یک دم وہ ہاتھ میں پکڑا مشروب کا گلاس ہونٹوں تک لے جاتے جاتے رک گیا۔ ایک ستائشی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری تھی۔ اس کی توجہ مکمل طور پر ان لوگوں سے ہٹ گئی تھی جن کے ساتھ وہ کھڑا تھا۔

اس کی توجہ کا مرکز بننے والی لڑکی سفید سلیولیس لباس میں ملبوس تھی' اس کے لباس پر سفید موتیوں کا کام تھا اور اسی طرح کے موتیوں کی ایک مالا گلے میں پہنے ہوئے تھی۔ کانوں میں لٹکنے والے آویزے بھی ایسے ہی ایک ایک موتی پر مشتمل تھے۔ کندھوں سے قدرے نیچے تک لٹکنے والے گھنے سلکی بالوں کو وہ بار بار گردن کے ایک جھٹکے کے ساتھ پرے کر رہی تھی۔ اس کی سفید رنگت اور سفید لباس اس حد تک مماثلت رکھتے تھے کہ ہارون کمال کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کہ اس کا لباس کہاں ختم ہو رہا تھا اور اس کی جلد کہاں سے شروع ہو رہی تھی۔ وہ چند لڑکیوں کے ساتھ مشروب کا گلاس ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔ اور کچھ دیر بعد وہ کسی بات پر ہنسی تھی۔

ہارون کمال نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ بہت عرصے کے بعد اس نے اس طرح کا حسن دیکھا تھا۔ شائستہ کے بعد پہلی بار...... وہ لڑکی اس سلیولیس لباس میں دوپٹے کے بغیر تھی اور اس کا وجود کسی خوبصورت مجسمے کی طرح لگ رہا تھا' ایک نظر ادھر دوڑانے پر ہارون کمال کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ اس پر نظریں جمانے والا واحد آدمی نہیں تھا۔ آس پاس کھڑے اور بھی بہت سے مرد اور عورتیں اسی کو دیکھنے میں مصروف تھے۔ اور ان تمام نظروں میں ستائش اور مرعوبیت تھی۔

ہارون کمال بے اختیار اس کے پاس جانا چاہتا تھا۔ جو دور سے اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی' وہ قریب سے کیا قیامت ڈھاتی ہو گی۔ مگر اس کے قریب جانے کے لیے اس کے پاس کیا جواز تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس میں موجود شراب کے چند اور گھونٹ لیے۔

"آپ کی کیا رائے ہے کمال صاحب؟" بلال وحیدی نے اچانک اسے مخاطب کیا۔

ہارون کمال یک دم گڑبڑا گیا۔ اس کی نظر اس لڑکی پر سے ہٹ گئی۔ وہ سمجھ نہیں پایا' بلال وحیدی نے کس چیز کے بارے میں اس کی رائے مانگی ہے۔

"سوری میں آپ کی بات نہیں سن سکا۔" ہارون کمال نے معذرت کی۔ "آپ کس چیز کے بارے میں میری رائے پوچھ رہے ہیں؟" اس نے بلال وحیدی سے کہا۔

"میں امتنان......" بلاول وحیدی کا جملہ امتنان صدیقی نے کاٹ دیا۔

ان دونوں کے درمیان نوک جھونک ہونے لگی۔ ہارون کمال نے چند منٹوں کے بعد گردن موڑ کر ایک بار پھر اس طرف دیکھا جہاں وہ لڑکی موجود تھی۔ وہ اب وہاں نہیں تھی۔

☆☆☆

کھانا سرو کیا جا چکا تھا' سائیڈ میں لگی ہوئی ایک ٹیبل سے پلیٹ اٹھانے کے لیے وہ آگے بڑھی اس سے پہلے کہ وہ پلیٹ اٹھاتی ایک مردانہ ہاتھ نے پلیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دی۔ اس لڑکی نے کچھ ناپسندیدگی سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑے اس آدمی کو دیکھا جو اپنے ہاتھ میں پکڑی دو پلیٹوں میں سے ایک اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔

''چالیس پینتالیس سال کا وہ دراز قد شخص غیر معمولی طور پر دلکش تھا اس نے سنجیدگی سے ایک ناقدانہ نظر اس پر ڈالی اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے میز پر موجود پلیٹوں میں سے ایک پلیٹ اٹھا لی۔ اس آدمی کے چہرے پر کچھ دیر پہلے موجود مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی' قدرے خفیف ہو کر اس نے پلیٹ واپس ٹیبل پر رکھ دی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتی۔ اس آدمی نے اسے مخاطب کیا۔

''شاید آپ کو میرا پلیٹ دینا اچھا نہیں لگا؟'' اس نے کہا۔

اس لڑکی نے آگے بڑھایا ہوا قدم پیچھے کر لیا۔

''یقیناً مجھے آپ کا پلیٹ دینا اچھا نہیں لگا۔'' اس نے مستحکم آواز میں اسی کے انداز میں جواب دیا۔

''میں مدد کرنا چاہ رہا تھا آپ کی۔'' اس نے جیسے وضاحت کی۔

''مدد کس لیے کرنا چاہ رہے تھے آپ؟'' اس لڑکی نے قدرے ترشی سے کہا۔ وہ اس کے اس جملے پر کچھ گڑبڑا گیا۔

مدد کیوں کرنا چاہ رہا تھا......؟ اس کا کیا جواب دوں' مدد کس لیے کی جاتی ہے۔'' اس نے جواباً سوال کیا۔

''متاثر کرنے کے لیے۔'' اسی روانی سے جواب آیا۔

''کیا آپ ہر پارٹی میں اسی طرح پلیٹس سرو کرتے پھرتے ہیں لڑکیوں کو؟''

اس آدمی کے چہرے پر ایک لحظہ کے لیے ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ لڑکی کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے کہا۔

''میرا نام ہارون کمال ہے؟''

''اچھا پھر......؟'' لڑکی نے اسی تندی و تیزی کے ساتھ کہا۔

''پھر کچھ نہیں۔'' اس بار ہارون اس کے انداز پر ہنس پڑا وہ اس کے ہنسنے پر کچھ جزبز ہوئی۔

''وزیٹنگ کارڈ نہیں دیں گے آپ مجھے' اصولی طور پر تو یہ آپ کا اگلا اسٹیپ ہونا چاہیے۔'' ہارون اس بار اس کی بات پر مسکرایا۔

''نہیں' میں آپ کو وزیٹنگ کارڈ نہیں دوں گا۔ مگر آپ کا وزیٹنگ کارڈ ضرور لینا چاہوں گا۔'' ہارون نے اپنی بات کے جواب میں اسے سرد مہری سے اپنے آپ کو سر سے پاؤں تک دیکھتے دیکھا اور پھر کچھ کہے بغیر وہ آگے بڑھ گئی۔

ہارون کمال وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ کسی معمول اور مسحور کی طرح۔ وہ بے حد مرعوب تھا' اس لڑکی کے ہر انداز میں عجیب قسم کی تمکنت اور بے نیازی تھی۔ پلیٹ بڑھانے کی وہ عنایت یقیناً اس کے لئے نئی نہیں تھی۔ وہ ایسی نوازشات کی عادی رہی ہو گی اسی لیے وہ فوری طور پر اس قدر برہم ہو گئی تھی مگر اس کی برہمی نے ہارون کو کچھ اور مرعوب کیا تھا۔ وہ اسے ہنستے ہوئے دیکھ چکا تھا اور اب اس نے اسے غصے میں بھی دیکھ لیا تھا' وہ ہر حال میں پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لینے والا انداز رکھتی تھی۔

وہ اسے دور جاتے ہوئے دیکھتا رہا' اس کے کندھوں سے کچھ نیچے تک پھیلے ہوئے گھنے سیدھے اور سلکی بال اس کے قدموں کی ہر حرکت کے ساتھ ہلکورے لے رہے تھے۔ دائیں بائیں اوپر نیچے' ہارون کمال نظر ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ ہر ہلکورے کے ساتھ اس کا دل کسی ان دیکھی گرفت کا شکار ہو رہا تھا' یہ وہی جادو تھا جو سر چڑھ کر بولتا تھا یہ وہی جادو تھا جس کے لیے امبر منصور علی مشہور تھی۔

☆☆☆

منصور علی نے حیرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اپنے سامنے کھڑے ہارون کمال کو دیکھا' کچھ دیر پہلے انہوں نے بلال وحیدی کے تعارف کے بعد ہارون کمال کے انداز و اطوار سے اس کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا' وہ ایک دم انہیں غلط محسوس ہوا

وہ حقیقتاً اتنا رعب دار یا مغرور نہیں تھا جتنا وہ مشہور ہو چکا تھا۔
چیمبر میں ہارون کمال کے بارے میں ہمیشہ رشک آمیز انداز میں بات کی جاتی تھی۔ وہ نئے آنے والوں کے لیے ایک رول ماڈل سمجھا جاتا تھا۔ بیس سال سے بھی کم عرصہ میں وہ ایک کے بعد ایک فیکٹری بناتا گیا تھا اور اس کی ہر فیکٹری منافع دے رہی تھی اور یہ ساری فیکٹریز وہ صنعتی یونٹ تھے جو حکومتی تحویل میں مسلسل خسارے کی وجہ سے بند پڑے تھے یا بند ہونے والے تھے۔ اس کا خاندان ملک کے چند امیر ترین گھرانوں میں شامل تھا مگر سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ بے تحاشا روپیہ اور اثر و رسوخ کے باوجود ہارون کمال نے کبھی چیمبر کی سیاست میں انوالو ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ پچھلے کئی سالوں سے دونوں گروپ اسے اپنی طرف کھینچنے اور امیدوار کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ دونوں سے ہی معذرت کر لیتا تھا۔ چیمبر کا عہدے دار بننے کے بعد وہ حکومت سے جو مراعات لے سکتا تھا وہ ویسے ہی لے رہا تھا۔ چیمبر سے اس کی بے نیازی کا یہ حال تھا کہ وہ چیمبر کی میٹنگز میں بھی بہت ہی کم شریک ہوتا تھا۔
اور اب وہ آدمی منصور علی کے سامنے کھڑا مسکراتے ہوئے بڑی خوش دلی کے ساتھ اسے اپنے گھر میں اگلے ہفتے ہونے والی ایک پارٹی میں مدعو کر رہا تھا۔
"ضرور کیوں نہیں' میں آؤں گا' آپ کے ساتھ مراسم بڑھانا اچھا لگے گا مجھے۔" منصور علی نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کی دعوت قبول کرتے ہوئے کہا۔
"میں صرف آپ کو انوائیٹ نہیں کر رہا آپ کی پوری فیملی کو انوائیٹ کر رہا ہوں' آپ کی وائف اور بچوں سب کو۔" ہارون کمال نے منصور علی پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"میری خواہش ہے کہ ہمارے فیملی ٹرمز ہوں۔ صرف میں آپ کو یا آپ مجھے نہ جانیں بلکہ دونوں فیملیز ایک دوسرے کو جانیں۔"
منصور علی کی مسکراہٹ اس کے جملے پر کچھ گہری ہو گئی' ہارون کمال جیسے آدمی کے ساتھ فیملی ٹرمز رکھنا کیا معنی اور اہمیت رکھتا ہے وہ اچھی طرح جانتے تھے' چیمبر میں ان کی پوزیشن اور ساکھ یک دم اور بڑھنے والی تھی اور وہ ایسے مواقع کبھی نہیں گنواتے تھے۔
"ضرور میں اپنی فیملی کے ساتھ ہی آؤں گا۔ اور میں چاہوں گا کہ اس پارٹی سے پہلے آپ ہمارے ہاں اپنی فیملی کے ساتھ ڈنر پر آئیں۔" منصور علی نے جوابی دعوت دیتے ہوئے کہا۔
"نہیں فی الحال میں یہ دعوت قبول نہیں کروں گا۔ پہلے تو آپ ہی کو آنا پڑے گا۔" ہارون کمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ پہلے میں نے آپ کو انوائیٹ کیا ہے۔ ہاں اس کے بعد ہم لوگ ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے رہیں گے۔"
منصور علی نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اس کی بات مان لی۔
"ٹھیک ہے اگر آپ کا اصرار یہ ہے تو ایسا ہی سہی۔ ہم ہی پہلے آ جائیں گے۔ آئیں میں آپ کو اپنی بیوی سے ملواؤں۔" منصور علی نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا' جہاں منیزہ بلال وحیدی کی بیوی کے ساتھ کھڑی تھیں۔ ہارون کمال نے سر کو خم کیا اور ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔
"آج رات ہر لحاظ سے ایک اچھی رات ہے۔" منصور علی نے سوچا اور انہیں یاد آیا کہ آج صبح انہوں نے سب سے پہلے امبر کو دیکھا تھا' جس نے صبح صبح انہیں جگا کر کالج جانے سے پہلے چند ہزار ان سے لیے تھے۔ وہ فخریہ انداز میں مسکرائے وہ ہمیشہ سے ان کے لیے خوش قسمتی کا باعث بنتی رہی تھی۔ اردگرد نظر دوڑاتے ہوئے انہوں نے بہت دور ایک کونے میں اسے دیکھا اور پدرانہ شفقت سے مسکرا دیے۔ وہ واقعی ان کے تاج کا سب سے نمایاں اور خوبصورت ہیرا تھی۔
ہارون کمال نے منصور علی کی نظروں کا تعاقب کیا' اس کی نظریں بھی وہیں ٹھہری تھیں جہاں منصور علی کی نظر ٹھہری تھی۔ اس نے ستائشی نظروں سے ایک بار پھر امبر کو دیکھا اور مسکرا دیا۔

"ہر اچھی اور منفرد چیز صرف میرے پاس ہونی چاہیے اور فوراً ہونی چاہیے۔" وہ ہر چیز کے بارے میں اس قدر [illegible] نہیں تھا' صرف اس چیز کے بارے میں ہوتا تھا جو اسے ضرورت سے کچھ زیادہ اچھی لگنے لگتی اور آج کی رات اسے امبر منصور [illegible] اچھی لگی تھی۔

اور ہارون کمال وقت ضائع کرنے کا قائل نہیں تھا۔ وہ رسک لینے سے بھی نہیں ڈرتا تھا۔ بیس سالوں میں ترقی کی اس سیڑھی پر وہ ان ہی دو خوبیوں کی وجہ سے سب سے اوپر جا کھڑا ہوا تھا۔

منصور علی اپنے ساتھ چلتے ہوئے ہارون کمال کے بارے میں سوچ رہے تھے' آخر اس شخص کے پاس وہ کون سا گر ہے کہ یہ کبھی ناکام نہیں ہوتا' جس چیز کو وہ ہاتھ لگائے وہ سونا بن جاتی ہے۔' وہ ان باتوں کے بارے میں سوچ رہے تھے جو اگلے کچھ ہفتوں میں وہ ہارون کمال کی بزنس اسٹریٹجیز (حکمت عملی) کے بارے میں اس سے کرنے والے تھے۔

ہارون کمال ان کے ساتھ چلتے ہوئے ابھی بھی امبر منصور علی ہی کو دیکھ رہا تھا۔

"میں آپ کی وائف سے ملنا چاہوں گا۔" وہ منصور علی کی بات پر چونکا۔ انہوں نے بالکل اچانک ہی اسے مخاطب کیا تھا۔

"کیا؟"

"میں آپ کی وائف سے ملنا چاہوں گا...... کیا وہ آپ کے ساتھ آئی ہیں؟" منصور علی نے ایک بار پھر اپنی بات کو اضافے کے ساتھ دہرائی' ہارون کمال نے بہت گہری نظروں کے ساتھ منصور علی کو دیکھا اور مسکرا دیا۔ عجیب سے انداز میں اس نے کہا۔

"ہاں' وہ یہاں آئی ہیں۔ آپ سے نہیں ملیں گی تو کس سے ملیں گی۔" منصور علی نے ہارون کمال کی بات سنی اور [illegible] دیے۔

"ہارون کمال واقعی بہت بااخلاق انسان ہے۔" انہوں نے سوچا۔

☆☆☆

"خیریت تو ہے آج تمہارا "سایہ" تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہا؟" سونیا نے امبر کو اکیلے اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا۔ امبر نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ رخشی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

"اکیلے اس نے تمہیں چھوڑ کیسے دیا۔ وہ تو تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑتی خاص طور پر ہم لوگوں کے پاس آتے ہوئے۔" سونیا نے طنز کرنا جاری رکھا۔

"تم اپنی فضول باتیں بند نہیں کر سکتیں؟" امبر نے ترشی سے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں اپنا منہ بند کر لوں؟"

"ہاں' میرا یہی مطلب ہے۔"

"تاکہ تم رخشی ـــــ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کرو۔ جس سے اس کی شان میں فرق آتا ہو اور جو تمہیں ناگوار گزرے ہے نا؟" سونیا نے اسی انداز میں بات جاری رکھی۔ "چلو ٹھیک ہے کر لیتی ہوں منہ بند' تم بھی کیا یاد کرو گی۔؟ ویسے تم آج اکیلی نظر کیسے آ رہی ہو؟"

وہ غلط بھی نہیں تھی۔ رخشی کالج میں پورا وقت امبر کے ساتھ ہوتی تھی اور شاذ و نادر ہی اسے کبھی اکیلا چھوڑتی تھی۔

"رخشی آج کالج نہیں آئی۔" امبر نے اسے بتایا۔

"اوہ ـــــ تب ہی ـــــ میں بھی کہوں کہ کالج میں تو وہ تمہیں اس طرح اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔" سونیا نے سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے۔ مگر اس بار امبر نے اس کے تبصرے پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"پتا نہیں وہ آئی کیوں نہیں' اس طرح وہ اچانک تو چھٹی کبھی بھی نہیں کرتی۔ اور پھر کل تک تو اس کا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا۔

ورنہ مجھے بتا ہی دیتی۔" وہ اب قیافے اور اندازے لگانے میں مصروف تھی۔

"کوئی بات نہیں امبر منصور علی! اگر ایک دن وہ بنا بتائے کالج سے غیر حاضر ہوئی ہے تو یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔ کوئی آسمان سر پر نہیں ٹوٹ پڑا۔ آپ خاطر جمع رکھیں۔ وہ کل تشریف لے آئیں گی۔" اس بار حفصہ نے سونیا والے انداز میں اسے کہا تھا۔

"کبھی ہمارے بارے میں بھی اس طرح پریشانی کا اظہار کر دیا کریں' جس طرح آپ ان محترمہ کے بارے میں پریشانی کا اظہار فرما رہی ہیں۔" امبر کو غصہ آ گیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تمہارے نہ آنے پر نہیں پوچھتی میں؟"

"مگر اس طرح تو کبھی نہیں پوچھتیں جس طرح اس کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔" حفصہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں نے اگر اسی طرح کی باتیں جاری رکھیں تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔" امبر نے انہیں دھمکایا۔

"گھر جا کر فون کر کے پوچھ لینا اس سے کہ وہ کیوں نہیں آئی۔" حفصہ نے اس کی دھمکی پر یک دم بات بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہی کرنے کا سوچ رہی ہوں میں۔" امبر نے اس کے مشورے کے جواب میں کہا۔

"اور ساتھ اسے یہ بھی بتا دینا کہ سارا دن تم اس کے بغیر بوکھلائی پھرتی رہی ہو۔" سونیا نے ایک بار پھر پہلے والے لہجے میں کہا۔

امبر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سونیا کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی حفصہ کے برعکس اس پر اس کے غصّے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ وہ رخشی کے اس طرح نہ آنے پر واقعی قدرے حیران و پریشان تھی جو اس کے لیے خلاف معمول بات تھی۔ شاید اب اسے رخشی کے ساتھ رہنے کی عادت ہوگئی تھی' اسی وجہ سے اس نے اس کی یک دم غیر حاضری کو اتنا محسوس کیا تھا۔

گھر جا کر اس نے رخشی کو فون کیا تھا مگر اس کا فون انگیج تھا پھر وقفے وقفے سے اس نے کئی بار اسے کال کی مگر ہر بار اس کا نمبر انگیج ہی ملا۔ بالآخر اس نے تنگ آ کر فون رکھ دیا۔

☆☆☆

رخشی اگلے دن بھی کالج نہیں آئی تھی۔ امبر نے اگلے دن ایک بار پھر گھر آ کر بار بار فون پر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس دن بھی وہ اس سے فون پر بات نہیں کر سکی۔

تیسرے دن بھی رخشی کالج نہیں آئی اور اس دن امبر نے رخشی کی ایک پرانی دوست کو ڈھونڈ کر اس کے بارے میں پوچھا' وہ اسی کے محلے میں رہتی تھی۔

فائزہ نے امبر کے استفسار پر حیرت سے اس کی شکل دیکھا۔

"آپ کو نہیں پتا۔"

"کس بات کا؟"

"رخشی کی بڑی بہن مرگئی ہے' اسی لیے وہ کالج نہیں آ رہی۔"

"کیا۔۔۔؟" امبر کو جیسے ایک شاک سا لگا۔

"اس کی بہن مرگئی ہے...... کیسے؟"

"اس کے شوہر نے اسے قتل کر دیا گلا گھونٹ کر۔" امبر کا سانس رک گیا۔

"شوہر نے قتل کر دیا؟" اس نے بے یقینی کے عالم میں اس کا جملہ دہرایا۔

"ہاں' اس کے شوہر نے قتل کر دیا۔" فائزہ نے قدرے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"مگر کیوں؟" امبر نے شاکڈ لہجے میں پوچھا۔

"بس ان کے درمیان بہت سے اختلافات تھے اس لیے۔"

"کیسے اختلافات؟"

"مجھے تفصیل سے تو پتا نہیں ہے مگر میں نے سنا تھا کہ وہ پہلے بھی اکثر مارتا پیٹتا رہتا تھا اسے۔ ہو گئی ہو گی پھر کسی بات پر لڑائی اور اس نے غصے میں اس کا گلا دبا دیا۔" فائزہ نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "آپ کو بتایا نہیں رخشی نے؟"

"نہیں...... وہ بتائے بغیر چھٹی پر چلی گئی۔ میں پچھلے دو دن سے فون کر رہی ہوں مگر فون انگیج ملتا ہے۔" امبر بے حد کنفیوز تھی۔

"میں گئی تھی اس کے گھر جب مجھے پتا چلا۔ تو وہ سب بہت پریشان تھے۔" فائزہ نے کہا۔

"پولیس نے اس آدمی کو گرفتار کیا؟"

"نہیں...... وہ تو بھاگ گیا ہے کہیں' پولیس نے ایف آئی آر درج کر لی ہے مگر وہ پکڑا نہیں جا سکا۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ پولیس کو اس کا پتا ہے کہ وہ کہاں ہے مگر وہ اسے پکڑنا نہیں چاہتے کیونکہ اس نے پولیس کو کچھ رقم دے دی ہے۔" فائزہ کہہ رہی تھی "ویسے بھی اگر وہ پکڑا بھی گیا تو بھی کیا ہوگا۔ اس کی بہن تو زندہ نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں وہ تو زندہ نہیں ہو سکتی مگر اس کو سزا تو ملنی چاہیے۔ اس طرح کھلا کیسے پھر سکتا ہے وہ۔" امبر نے فائزہ سے کہا۔

کچھ دیر وہ اسی طرح فائزہ سے گفتگو میں مصروف رہی' اس کے بعد وہ اسے خدا حافظ کہتے ہوئے کالج سے آ گئی مگر گھر جانے کے بجائے اس نے ڈرائیور کو رخشی کے گھر کی طرف گاڑی موڑنے کے لیے کہا۔

☆☆☆

رخشی کے گھر کے دروازے پر دستک دینے پر دروازہ رخشی نے ہی کھولا تھا۔ امبر کو دروازہ یوں بند دیکھ کر حیرت ہوئی اس کا خیال تھا اس کے گھر آج بھی تعزیت کرنے والے خاصے لوگ موجود ہوں گے مگر ایسا نہیں تھا گھر پر رخشی کے اپنے گھر والوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔

رخشی امبر کو اپنے دروازے پر دیکھ کر حیران ہوئی تھی' اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ یقیناً روتی رہی تھی' امبر پہلی بار اسے میک اپ کے بغیر دیکھ رہی تھی اور میک اپ کے بغیر اترے ہوئے چہرے کے ساتھ بھی وہ بے حد خوبصورت نظر آ رہی تھی۔

دونوں کے درمیان دروازے پر صرف سلام دعا ہوئی' امبر کی سمجھ میں نہیں آیا' وہ فوری طور پر اس سے کیا کہے اور نہ ہی رخشی نے اس سے کوئی بات کی۔ وہ بس اسے اپنے ساتھ لے کر اندر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"مجھے تمہاری بہن کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا ہے۔" امبر نے اس کے کمرے میں آ کر بیٹھنے کے بعد رخشی سے بات شروع کی۔ رخشی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"تم تین دن سے کالج نہیں آ رہی تھیں۔ میں بہت پریشان تھی' میں نے تمہیں بہت دفعہ رنگ بھی کیا مگر بات نہیں ہوئی۔ پھر آج میں فائزہ سے ملی اسی سے پتا چلا۔" امبر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ رخشی چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"مجھے تم سے بہت زیادہ شکایت ہے' تم نے مجھے انفارم کرنا تک ضروری نہیں سمجھا۔ اگر فائزہ سے میری بات نہ ہوتی تو مجھے پتا تک نہ چلتا' دوست اس طرح تو نہیں کرتے۔" امبر نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ ہم لوگوں کو کسی چیز کا ہوش نہیں رہا۔ پھر فون بھی خراب تھا' ورنہ شاید میں تمہیں اطلاع دے ہی دیتی۔" رخشی نے تھکے تھکے انداز میں کہا تھا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہوا؟" امبر نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"تمہارے بہنوئی نے انہیں قتل کر دیا؟" امبر نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔
"پتا نہیں کیسے ہوا۔ ہمیں تو خود کچھ پتا نہیں ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟"
"ہاں......" رخشی نے مختصر جواب دیا۔
"کیوں کیا ان لوگوں کا کوئی جھگڑا تھا؟"
"نہیں، کوئی جھگڑا نہیں تھا بس معمولی قسم کے اختلافات تھے، ویسے ہی اختلافات جیسے ہر گھر میں ہوتے ہیں پھر یک دم ہی تین دن پہلے یہ حادثہ ہو گیا۔"
"پولیس نے اسے گرفتار کیا ہے؟"
"ابھی تک تو نہیں کیا مگر وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔" اس نے دھیمے انداز میں کہا۔
"تمہیں اس سلسلے میں اگر میری مدد کی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ۔" امبر نے اسے فراخ دلانہ پیش کش کی۔
"نہیں فی الحال تو تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔" رخشی نے کہا۔
"جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری دوست ہوں۔"
"نہیں میں جھجک نہیں رہی ہوں، مجھے واقعی تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہو گی تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔" رخشی نے کہا۔
"میرے پاپا کی پولیس میں خاصی جان پہچان ہے، وہ اس شخص کی گرفتاری میں مدد دے سکتے ہیں۔"
"نہیں ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ پولیس اسے ڈھونڈ رہی ہے، تم اپنے پاپا سے اس سلسلے میں بات مت کرنا۔ جب مجھے ضرورت ہو گی تو میں خود تم سے کہوں گی۔" رخشی نے ایک بار پھر اسی لہجے میں انکار کرتے ہوئے کہا۔
"یہ تمہاری سب سے بڑی بہن تھیں؟"
"نہیں دوسرے نمبر پر تھیں۔ ایک بہن اس سے بھی بڑی ہے۔"
"وہ بھی شادی شدہ ہے؟"
"ہاں......"
"اس بہن کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا تھا؟"
"آٹھ ماہ۔"
"صرف آٹھ ماہ؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔
"ہاں صرف آٹھ ماہ" رخشی نے ستے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا، امبر کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ اس سے مزید کیا بات کرے۔
"تم کالج کب آؤ گی؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
"ابھی کچھ پتا نہیں۔"
"فون خراب ہے تمہارا؟"
"ہاں شاید......"
"میں تمہاری امی سے ملنا چاہتی ہوں۔" امبر نے اس سے کہا۔
رخشی جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اسے اپنے ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔ جہاں امبر نے رخشی کی امی کے پاس اس کی سب سے بڑی بہن کو دیکھا۔ تعارف کے بعد وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی رہی پھر وہاں سے اٹھ کر واپس آ گئی۔
جس وقت وہ اپنے گھر میں داخل ہوئی اس وقت چار بج رہے تھے۔ منیزہ سے اس کی ملاقات لاؤنج میں ہی ہو گئی۔
"آج اتنی دیر سے کالج سے آئی ہو۔" منیزہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں رخشی کے گھر چلی گئی تھی۔" امبر نے تھکے تھکے انداز میں صوفہ پر اپنا بیگ رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک تو میں تمہاری رخشی کے ساتھ اس دوستی سے تنگ آ گئی ہوں۔ روز بھی وہ یہاں ہوتی ہے' کبھی تم اس کے ہاں گئی ہوئی ہوتی ہو۔" منیزہ نے کچھ بیزاری سے کہا۔

"ممی! رخشی کی بہن کو اس کے شوہر نے قتل کر دیا ہے۔" امبر نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔

"کیا......؟" منیزہ یک دم حیران ہوئیں۔

"وہ دو تین دن سے کالج نہیں آ رہی تھی۔ آج مجھے اس کی ایک دوست فائزہ سے پتا چلا تو میں اس کے گھر چلی گئی۔"

"کیوں قتل کیا؟"

"یہ تو ان لوگوں کو بھی نہیں پتا' بس وہ بتا رہی تھی کہ کچھ اختلافات تھے مگر وہ اس حد تک جا سکتا تھا' اس کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔" امبر نے انہیں بتایا۔

"معمولی اختلافات پر کوئی شوہر بیوی کو قتل نہیں کرتا۔" منیزہ نے سر ہلاتے ہوئے کچھ پرسوچ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کوئی نہ کوئی بات تو ہوگی کہ اس نے اپنی بیوی کو اس طرح قتل کر دیا۔ یقیناً وہ تم سے کچھ چھپا رہی ہے' اس نے تمہیں اصل وجہ نہیں بتائی ہوگی۔"

امبر نے ناگواری سے منیزہ کو دیکھا۔ "بڑی سے بڑی وجہ بھی ہو تو بھی اس طرح کسی دوسرے کو قتل کر دینا' وہ بھی اپنی بیوی کو جب کہ ابھی شادی کو صرف آٹھ ماہ ہوئے ہیں...... وہ واقعی بہت بُرا آدمی ہوگا۔" اس نے دوٹوک انداز میں منیزہ سے کہا۔

"اگر رخشی کچھ چھپا بھی رہی ہے تو اس میں قابل اعتراض بات کیا ہے' اسے حق ہے کہ وہ اگر کوئی بات دوسروں کو بتانا نہیں چاہتی تو نہ بتائے۔ پھر خاص طور پر اس طرح کے معاملات کے بارے میں۔" اس کی ہمدردیاں مکمل طور پر رخشی کے ساتھ تھیں۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی رخشی کے ساتھ دوستی ختم کرنے کے لیے کہا تھا۔ اسی وجہ سے کیونکہ مجھے اس کا فیملی بیک گراؤنڈ پسند نہیں آیا تھا۔ کیسا خاندان ہے جہاں بہنوئی بہن کو قتل کر دیتا ہے۔ بس تم ختم کرو اس سے ملنا جلنا۔" منیزہ نے اس کی بات پر کچھ ناپسندیدگی سے کہا۔

"بعض دفعہ آپ بہت عجیب باتیں کرتی ہیں ممی۔" امبر کو ماں کی بات بہت بُری لگی۔ "اگر اس کے بہنوئی نے اس کی بہن کو قتل کر دیا ہے تو اس میں رخشی کا کیا قصور ہے۔ یا اس کی فیملی کی کیا غلطی ہے۔ کوئی بھی کسی کو کسی بھی وقت مار سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بجائے ایسے لوگوں سے ہمدردی رکھنے کے ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔ یہ سوچ کر کہ یہ بُرے لوگ ہیں۔ واٹ نان سینس۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"ایسے ہی کوئی اٹھ کر کسی کو نہیں مار دیتا۔ کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور میں ان ہی وجوہات کی بنیاد پر تمہیں اس سے قطع تعلق کرنے کا کہہ رہی ہوں ایسے لوگوں کے معاملات سے الگ رہنا ہی بہتری ہوتی ہے۔" منیزہ ابھی بھی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھیں۔

"معاملات سے الگ رہنا کیا مطلب ہے آپ کا۔ میں اس کے کون سے معاملات کے ساتھ منسلک ہو رہی ہوں میں پہلے ہی اس کے معاملات سے الگ ہوں۔ مگر جہاں تک اس سے دوستی کا تعلق ہے' میں اس سے دوستی ختم نہیں کر سکتی۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ منیزہ نے خفگی کے ساتھ اسے دیکھا۔

"پتہ نہیں تمہیں عقل کب آئے گی۔"

"جس قسم کی عقل آپ مجھے سکھانا چاہتی ہیں' ایسی عقل تو کبھی نہیں آئے گی۔" اس نے ناراضی سے اپنا بیگ صوفہ سے اٹھا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ کو اس کی بہن کی موت پر افسوس ہوگا مگر آپ تو اس پر تنقید کرنے بیٹھ گئی ہیں۔"

"نہ جان نہ پہچان...... خوامخواہ کا افسوس...... اور تمہیں یہ جو احمقانہ عادت ہے ناں ہر ایک سے ہمدردی جتانے کی۔ بڑا

نقصان اٹھاؤ گی تم اس کے ہاتھوں۔" امبر نے ماں کی بات کو سنی ان سنی کر دیا اور پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر لاؤنج سے نکل گئی۔ وہ ذہنی طور پر اتنی تھکی ہوئی تھی کہ اس وقت منیزہ سے مزید بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ منیزہ اس کے جانے کے بعد بھی دیر تک بڑبڑاتی رہیں۔

☆☆☆

صاعقہ نے جس وقت اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر الگ رہائش اختیار کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ وہ اگلے کچھ سال اسی فیکٹری میں کام کرتی رہی تھی مگر اس کی آمدنی کا ذریعہ فیکٹری سے ملنے والی تنخواہ نہیں تھی' صرف تنخواہ کے ساتھ وہ اپنے اخراجات پورے نہیں کر سکتی تھی۔ فیکٹری میں اگلے پانچ سال کے دوران اس کی شہرت داغ دار ہو گئی تھی مگر وہ مالی لحاظ سے بہت مستحکم ہو گئی تھی۔ اور اسے اس بات کی رتی بھر بھی پروا نہیں تھی کہ لوگ اس کی عزت نہیں کرتے یا اس کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ اس کا گھر اپنے ماں باپ کے گھر سے بہت دور تھا بلکہ ان کے گھر کی بالکل مخالف سمت میں تھا اور ایسا اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کے گھر کے قریب اس "آزادی" سے نہیں رہ سکتی تھی جس آزادی سے وہ وہاں رہتی تھی' اس کے گھر رات گئے تک مختلف مردوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ محلے میں کسی کے استفسار پر وہ کسی کو اپنے رشتے کا بھائی بتاتی۔ کسی کو سسرالی رشتے دار اور کسی کو شوہر کا دوست۔

صرف ایک بار محلے میں سے کسی نے پولیس اسٹیشن اس کی شکایت کی تھی مگر اس کے فیکٹری کے مالک نے معاملہ نہ صرف رفع دفع کروایا تھا بلکہ اگلی بار ایسی کسی شکایت پر پولیس والوں نے خود اس آدمی کو تین دن کے لیے تھانے میں بند کر دیا تھا پھر اس آدمی کے گھر والوں نے خود صاعقہ سے معافیاں مانگ کر اس آدمی کو تھانے سے چھڑوایا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ کسی نے صاعقہ کے بارے میں ایسی کوئی شکایت کرنے کی جرات نہیں کی۔

صاعقہ نے محلے میں کسی کے ساتھ میل جول نہیں رکھا' نہ ہی محلے والوں نے ایسی کوئی کوشش کی۔ شاید یہ دونوں کے لیے بہتر تھا۔ صاعقہ کے لیے ہر چیز پر پردہ ڈالنا آسان ہو گیا جب کہ محلے والوں کے لیے اپنے گھر کی عورتوں کو اس کے "مضر اثرات" سے بچانا۔

کچھ عرصہ کے بعد صاعقہ نے اسی محلے میں ایک گھر خرید لیا۔ اس کے بعد اس نے اس فیکٹری میں نوکری چھوڑ کر اپنے ایک اور "واقف کار" کی فیکٹری میں نوکری شروع کر دی۔ کیونکہ پرانی فیکٹری کے مالک کو اب اس کی ان حرکتوں پر اعتراض ہونے لگا تھا جن پر پہلے پیار آتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ صاعقہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نہ ملے۔ صاعقہ نے جواباً اس سے اپنے ساتھ شادی کے لیے کہا۔ یہ اس آدمی کے لیے ناممکنات میں سے تھا۔

پینسٹھ سال کی عمر میں جب وہ اپنے تمام بچے بیاہ چکا تھا اور پوتے اور نواسے رکھتا تھا' وہ ایسی کسی "حرکت" کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اس کے بچے اس کی اس بادشاہت کو ختم کر دیں گے' وہ اٹھا کر اسے گھر سے باہر پھینک دیتے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ابھی سب کچھ اس کے اپنے نام تھا۔ پھر صاعقہ جیسی عورتوں کے ساتھ شادی کون کرتا ہے۔ اس لیے اس نے صاعقہ کی اس فرمائش کو قبول نہیں کیا مگر اپنے مطالبے پر قائم رہا۔

صاعقہ نے اس کا مطالبہ ماننے کے بجائے اپنے ایک دوسرے جاننے والے کی فیکٹری میں کام کرنا شروع کر دیا جسے اس کی کسی حرکت پر اعتراض نہیں تھا اور نہ ہی دوسرے مردوں سے تعلقات ناپسند تھے۔ اس نے اپنے شوہر سے طلاق نہیں لی تھی۔ نہ ہی ظفر نے اسے طلاق دینے کی کوشش کی تھی' وہ اپنی دوسری بیوی اور اس کے بچوں کے ساتھ رہتا تھا مگر کبھی کبھی صاعقہ کے پاس بھی آنے لگا کیونکہ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ صاعقہ کو اس کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ اس سے کچھ مانگے گی نہیں۔ بلکہ ضرورت کے وقت اسے کچھ دے بھی سکتی ہے۔

وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ صاعقہ کے ذرائع آمدنی کس طرح کے ہو سکتے تھے اور اس کے گھر آنے جانے والے مردوں سے اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہو سکتی تھی مگر اس کے باوجود اس نے کبوتر کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ ان لوگوں پر تنقید کرتا اور صاعقہ کو برا بھلا بھی کہتا مگر اس کے باوجود نہ اس نے صاعقہ کے گھر آنا چھوڑا اور نہ ہی اس سے وقتاً فوقتاً رقم اینٹھنا۔

صاعقہ نے اسے ایک ڈھال کی طرح استعمال کیا۔ وہ اسے کبھی کبھار پیسے دیتی رہی۔ شادی شدہ عورت کا ٹیگ لگا رہنا اس کے لیے یہ ضروری تھا اور یہ ٹیگ اسے کم از کم معاشرے میں عزت دار بنا دیتا جہاں وہ رہ رہی تھی۔ اور یہ اس کی بیٹیوں کے لیے بھی خاصا مفید تھا۔ کم از کم کہنے کی حد تک اس کے پاس شوہر اور اس کی بیٹیوں کے پاس باپ کا نام تھا۔

یمی اس کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ صاعقہ کی طرح ایک درجن افیئرز کے بعد اس نے صاعقہ کی مرضی کے خلاف ایک لڑکے سے شادی کر لی۔ اس لڑکے نے یمی سے اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے گھر والوں نے اسے گھر سے نکال دیا۔ وہ دونوں الگ رہنے لگے۔ اپنے پاس موجود کچھ سرمائے سے اور کچھ رقم صاعقہ سے لے کر اس نے یکے بعد دیگرے مختلف قسم کے بزنس میں لگانے کی کوشش کی۔ مگر ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہر بار اس کا سرمایہ ضائع ہوا۔ پیسے کی کمی ہونے کا اثر یمی اور اظہار کی نجی زندگی پر بھی پڑا...... ان دونوں کے درمیان جھگڑے رہنے لگے۔ اظہار وقتاً فوقتاً اسے صاعقہ کے پاس پیسہ مانگنے کے لیے بھیجتا۔ صاعقہ کو مجبوراً اپنا مکان بیچنا پڑا۔

ایک بار پھر وہ سب کرائے کے مکان میں رہنے لگے۔ مگر اظہار کے مطالبات تب بھی کم نہیں ہوئے۔ یمی اور اس کے دو بچے تھے مگر اس کے باوجود گھر کے اخراجات کے لیے یمی کو صاعقہ کی مدد کی ضرورت پڑتی۔ بعض دفعہ تنگ آ جانے پر صاعقہ نے یمی کو اظہار کو چھوڑنے کے لیے بھی کہا مگر یمی اس پر تیار نہیں تھی۔ شاید اس کے لاشعور میں کہیں وہ زندگی موجود تھی جو صاعقہ نے ظفر کی علیحدگی کے بعد صاعقہ نے گزاری تھی یا پھر شاید اسے ابھی بھی اظہار سے محبت تھی جو بھی تھا اس نے صاعقہ کے لیے مشکلات میں اور اضافہ کیا۔

عمر ڈھلنے کے ساتھ ساتھ اس کی ڈیمانڈ بھی کم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ابھی بھی بہت خوبصورت اور اپنی عمر سے کم لگتی تھی مگر وہ بہرحال جوان نہیں رہی تھی۔ اس سے راہ و رسم بڑھانے والے مردوں کی دلچسپی کا مرکز اب اس کی بیٹیاں تھیں۔ پہلے یمی اس کے بعد رومانہ اور اب رخشی۔

ماں کی طرح ان کے بھی رشتے کے بہت سے انکل اور بھائی تھے جو ان پر اپنی عنایات کی بارش کرتے رہتے تھے۔ وہ بھی صاعقہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے "جس سے جتنا مل سکتا ہے" بٹور لو پر عمل پیرا تھیں۔ انہیں اس خوبصورتی کا بہت اچھی طرح احساس تھا جس سے وہ مالا مال تھیں اور جس ماحول میں وہ رہ رہی تھیں وہاں کے اعتبار سے وہ غیر معمولی حد تک خوبصورت تھیں۔

محلے میں اس گھرانے کو ناپسند کیے جانے اور ان کے بارے میں چہ میگوئیاں کیے جانے کے باوجود یہ بات تسلیم کرنے میں کسی کو عار نہیں تھا کہ وہ تمام ماں بیٹیاں بہت خوبصورت تھیں اور نہ صرف خوبصورت بلکہ خوش اخلاق بھی۔

رومانہ نے اپنی بڑی بہن یمی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے ہی محلے کے ایک دولت مند خاندان کے لڑکے معروف سے شادی کر لی۔ معروف نے رومانہ کو ایک بار گرلز کالج کے گیٹ پر اس وقت دیکھا تھا جب وہ اپنی بہن کو وہاں ڈراپ کرنے گیا تھا اور ایک ہی نظر وہ اس حد تک اس پر فریفتہ ہو گیا کہ اس نے اپنے گھر والوں سے چھپ کر صاعقہ کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ صاعقہ کو شروع میں اس کے اور رومانہ کے تعلقات پر کچھ اعتراض ہوا کیونکہ معروف کے خاندان کو اچھی طرح جانتی تھی اور ان کے اثر و رسوخ سے بھی واقف تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اسی کے محلے میں رہتے تھے۔

صاعقہ نے اپنی ساری زندگی میں کبھی اس محلے میں کوئی افیئر نہیں چلایا تھا جہاں اس نے رہائش اختیار کی تھی حالانکہ ہر محلے میں اسے بہت سے ایسے لوگ ملتے رہے جو اس کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے بیٹھے ہوتے تھے مگر وہ ہمیشہ انہیں نظر انداز کرتی رہی۔ اپنے ہی محلے میں ایسے کسی افیئر کے مضمرات سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ یہی بات اس نے رومانہ کو بھی سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اس میں ناکام رہی۔ معروف کو سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔

گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور اس کی تین بہنیں تھیں۔ وہ رومانہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس معاملے میں خاصا صاعقہ اور رومانہ کے گھر کی بُری شہرت کی بھی پروا نہیں تھی۔ وہ اپنے والدین کا اتنا لاڈلا تھا کہ وہ کسی بھی طور اس کی فرمائش اور ضد کو رد نہیں کریں گے۔ اسے اچھی طرح واقف تھا۔ جو لوگ صاعقہ اور اس کی بیٹیوں کے بارے میں کرتے تھے مگر وہ رومانہ کے عشق میں اتنی بری طرح مبتلا تھا کہ وہ ایسی باتوں پر غور کرنے تک کو تیار نہیں تھا۔ ایک ہی محلے میں رہنے کی وجہ سے وہ ان سب باتوں سے اچھی طرح

تنگ آ کر صاعقہ نے معروف کو اپنے گھر والوں کو ان کے ہاں بھیجنے کے لیے کہا۔ معروف خوشی خوشی اس پر رضا مند ہو گیا اس نے اپنے گھر میں رومانہ کے لیے بات کی اور اس کے گھر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس کے گھر والے کسی صورت صاعقہ کے گھر لے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

معروف کا رشتہ صاعقہ جیسی بدنام زمانہ عورت کی بیٹی سے وہ کسی بھی طرح کوئی رشتہ نہیں جوڑ سکتے تھے اور وہ بھی اس ان کا کہنا تھا کہ صاعقہ جیسی بدنام زمانہ عورت کی بیٹی بھی اسی جیسے اطوار رکھتی ہو اور اس نے معروف کو پھانسا ہو۔ کئی ہفتے معروف کے گھر میں جھگڑے صورت میں جب اس کی بیٹی بھی اسی جیسے اطوار رکھتی ہو۔ اس کے ماں اور بہنوں کا کہنا تھا کہ صاعقہ کے خاندان سے رشتہ داری کرنے ہوتے رہے۔ معروف گھر میں سب سے بڑا تھا اور اس کے ماں اور بہنوں کا کہنا تھا کہ خاندان والے اس رشتہ کو قبول نہیں کریں گے اور برادری ان کا بائیکاٹ کے بعد اس کی بہنوں کی کہیں شادی نہیں ہو سکے گی کیونکہ خاندان والے اس رشتہ کو قبول نہیں کریں گے اور برادری ان کا بائیکاٹ کر دے گی۔ معروف کو ہر طرح سے سمجھا کر دیکھا مگر جب معروف نے اپنی بات نہ ماننے پر خودکشی کی دھمکی دے دی تو اس کے ماں باپ مجبور ہو گئے۔ وہ بچپن سے ہی انتہائی ضدی تھا اور وہ جانتے تھے کہ وہ جو کہہ رہا ہے وہ کر گزرے گا' دل پر پتھر رکھتے ہوئے وہ صاعقہ کے گھر رومانہ کے رشتے کے لیے چلے گئے۔

صاعقہ کے سارے اندازے اس معاملے میں غلط ہو گئے تھے اس کا خیال تھا کہ معروف کے گھر والے کسی بھی طرح اس رشتہ پر رضا مند نہیں ہوں گے اور وہ معروف کو سمجھا لیں گے اور اس طرح اس کے گھر اس کا آنا جانا ختم ہو جائے گا مگر جب وہ اپنے ماں باپ کو اس کے گھر لے آیا تو وہ دوبارہ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

اگرچہ اس کے ماں باپ اور بہنوں کا رویہ بہت خراب تھا مگر معروف اس پر بھی بہت مطمئن تھا کہ وہ انہیں صاعقہ کے گھر لے آیا تھا۔

صاعقہ شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتی تھی مگر معروف کے گھر والے کسی بھی طرح اس پر تیار نہیں ہوئے۔ وہ صرف نکاح کر کے رومانہ کو اپنے گھر لے آنا چاہتے تھے اور اس معاملے میں معروف بھی اپنی بات نہیں منوا سکا۔

دس پندرہ لوگوں کی موجودگی میں رومانہ معروف سے نکاح کر کے اس کے گھر آ گئی۔ اور گھر میں اس کے لیے ایک محاذ تیار تھا۔ وہ اگرچہ شادی سے پہلے اچھے کردار کی لڑکی نہیں تھی مگر وہ یہ چاہتی تھی کہ معروف سے شادی کے بعد وہ سب کچھ چھوڑ کر ایک اچھی زندگی گزارے۔ اور یہ اس گھر میں ناممکن تھا جہاں وہ بیاہ کر گئی تھی۔ معروف کے تمام گھر والوں نے پہلے دن سے ہی اس پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ معروف کی پسند کی شادی اور ان کی پسند کی شادی میں کیا فرق تھا اور وہ آئندہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے۔

شادی کے فوراً بعد معروف کے گھر والوں نے رومانہ کے صاعقہ کے گھر جانے یا وہاں سے کسی کے آنے پر پابندی لگا دی۔ اس پابندی میں خود معروف کی مرضی بھی شامل تھی۔ شاید اس کے لاشعور میں یہ خدشہ موجود تھا کہ صاعقہ سے میل جول رکھنے پر رومانہ اس گھر میں آنے والے کسی مرد کے ساتھ انوالو نہ ہو جائے۔ اور شاید وہ اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے اس بارے میں کوئی طعنہ سننا نہیں چاہتا تھا۔

رومانہ کو اس پابندی پر بہت اعتراض ہوا' مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ خود معروف اس کے اعتراض پر بُری طرح بگڑ گیا۔ وہ بالآخر لڑنے جھگڑنے کے بعد صبر کرنے پر مجبور ہو گئی۔

مگر یہ صرف ابتدا تھی' ایک کے بعد ایک اس پر پابندیاں لگنی شروع ہو گئی تھیں۔ وہ گھر کی چھت پر نہیں جا سکتی تھی' وہ گھر

کے دروازے پر نہیں آ سکتی تھی۔ وہ فون ریسیو کر سکتی تھی نہ ہی خود کسی کو فون کر سکتی تھی۔ وہ کہیں اکیلے نہیں جا سکتی تھی اگر اسے کہیں جانا ہوتا تو معروف کے ساتھ اور وہ بھی مکمل طور پر برقعہ میں۔

وہ ان پابندیوں کی عادی نہیں تھی مگر وہ گھر میں تماشا کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لیے وہ ان پابندیوں کو برداشت کرتی رہی معروف اس کا خیال رکھتا تھا اس سے محبت بھی کرتا تھا مگر وہ اپنے گھر والوں کے زیر اثر تھا۔ وہ ان کی ہر بات پر یقین کر لیا کرتا تھا اور پھر رومانہ کی بے عزتی کرتا۔

ایک دو بار رومانہ تنگ آ کر گھر چھوڑ کر صاعقہ کے گھر چلی آئی مگر وہ اسے منانے کے لیے چند گھنٹوں بعد ہی وہاں پہنچ گیا وہ اس کی منت سماجت پر مجبور ہو کر دوبارہ اس کے ساتھ چلی گئی مگر واپس جانے کے بعد بھی معروف اور اس کے گھر والوں کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آتی۔ چند دن معروف ٹھیک رہتا مگر اس کے بعد پھر وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس سے الجھنے لگتا۔

حالات اس وقت زیادہ خراب ہونا شروع ہو گئے جب اس نے رومانہ پر ہاتھ بھی اٹھانا شروع کر دیا۔ رومانہ بھی ہر لحاظ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس سے اور اس کے گھر والوں سے زبان درازی کرتی۔

معروف کے گھر والوں نے معروف کی ضد پر مجبور ہو کر رومانہ کے ساتھ اس کی شادی تو کر دی تھی مگر انہوں نے اس شادی کو دل سے قبول نہیں کیا تھا پہلے ان کا خیال تھا کہ رومانہ اتنی پابندیوں کو قبول نہیں کر سکے گی اور خود ہی معروف سے طلاق لے لے گی مگر جب وہ ان سب پابندیوں کے ساتھ بھی ان کے گھر رہتی رہی تو پھر معروف کی امی اور بہنوں نے بڑی مہارت کے ساتھ معروف کے ذہن میں رومانہ کے لیے شک کے بیج بونے شروع کر دیے۔ رومانہ کی پرانی شہرت اور صاعقہ کے کردار کی وجہ سے یہ کام بہت آسان تھا۔ دوسری طرف معروف بہت زیادہ جذباتی اور پوزیسو تھا۔

اس کی امی اور بہنیں ہر دوسرے دن اسے رومانہ کے فون پر کسی سے گفتگو کرنے کا بتاتیں، وہ رومانہ سے پوچھتا تو وہ صاف انکار کر دیتی۔ معروف چراغ پا ہو جاتا، اسے یقین نہیں آتا کہ اس کی امی یا بہنیں جھوٹ بول سکتی ہیں، اسے یہی لگتا کہ رومانہ جھوٹ بول رہی تھی۔

وہ وقت بے وقت گھر فون کرتا۔ فون انگیج ملتا اور بار بار انگیج ملتا۔ وہ گھر آ کر اپنی امی اور بہنوں سے پوچھتا وہ کوئی کال کرنے سے صاف انکار کر دیتیں۔ اور یہ کہتیں کہ رومانہ کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ وہ رومانہ سے پوچھتا وہ پھر انکار کر دیتی۔ وہ طیش میں آ کر اسے پیٹ ڈالتا۔ اس نے فون کو لاک لگا دیا مگر پھر گھر میں مشکوک کالز آنے لگیں۔ اکثر کالز اس کی موجودگی میں آتیں۔ وہ فون اٹھاتا تو دوسری طرف سے فون بند کر دیا جاتا۔ اس کا اشتعال اور بڑھتا جاتا رومانہ کے بارے میں اس کے شکوک میں اور اضافہ ہوتا گیا۔

اس کے گھر والوں نے معروف کو رومانہ کو طلاق دینے پر مجبور کرنا شروع کر دیا مگر وہ اس کو طلاق دینے پر تیار نہیں تھا۔ وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھ رہا تھا۔ ایسے ہی ایک جھگڑے میں اس نے رومانہ کو پیٹا تو وہ غصہ کے عالم میں گھر چھوڑ کر جانے لگی، جس پر معروف اور غصہ میں آ گیا اور اس نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ اس کے گھر والوں کو توقع نہیں تھی کہ معروف سے یہ حرکت سرزد ہو سکتی ہے لیکن اب وہ اسے قتل کر چکا تھا انہوں نے اسے وہاں سے بھگا دیا۔

ان کے بس میں ہوتا تو شاید وہ اس پوری واردات کو کوئی نیا رنگ دینے کی کوشش کرتے مگر ان کے گھر میں اس جھگڑے میں ہونے والی چیخ و پکار پر گھر کے باہر محلے کے کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے اور جب معروف اپنی امی اور بہنوں کے کہنے پر گھبرایا ہوا گھر کا دروازہ کھول کر وہاں سے چلا گیا تو ان میں سے کچھ لوگ اندر آ گئے اور اس لیے یہ بات راز میں نہ رکھی جا سکی کہ رومانہ کو معروف نے قتل کر دیا۔

معروف کے گھر والے اگرچہ یہ بات نہیں چھپا سکے تھے مگر انہوں نے یہ واویلا شروع کر دیا کہ رومانہ کا کوئی آشنا گھر آیا تھا اور معروف اچانک اس وقت گھر چلا آیا، جس پر وہ آدمی چلا گیا تھا مگر رومانہ اس آدمی کے بارے میں معروف کو مطمئن نہیں کر سکی۔ اور غصے کے عالم میں معروف نے اس کا گلا دبا دیا۔ رومانہ اور صاعقہ کی شہرت اتنی بری تھی کہ پورے محلے نے آنکھیں بند

کر کے اس الزام پر یقین کر لیا۔ سب کی ہمدردیاں معروف اور اس کے گھر والوں کے ساتھ تھیں جو صاعقہ اور اس کی بیٹی کی وجہ سے ایک مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔

صاعقہ کو دھمکایا گیا کہ وہ چپ چاپ اپنی بیٹی کی لاش وصول کر کے اسے دفنا دے۔ اگر اس نے اس معاملے کو بڑھانے کی کوشش کی تو نہ صرف اسے اس محلے سے نکال دیا جائے گا بلکہ اس کی بیٹیوں کو بھی اغوا کر لیا جائے گا۔ صاعقہ معروف کے گھر والوں کی پہنچ سے واقف تھی۔ وہ مجبوراً وہی کرنے پر مجبور ہو گئی جو وہ چاہتے تھے۔ اپنی بیٹی کی لاش گھر لانے کے بعد اس نے راتوں رات اسے اپنے چند قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں خاموشی سے دفنا دیا۔ محلے کے گھروں میں سے کوئی ان کے گھر نہیں آیا تھا۔

وہ سب اس جھگڑے سے دور رہنا چاہتے تھے' ان لوگوں کو خوف تھا کہ اس کے گھر جانے کا جان کر معروف کے گھر والے ان لوگوں سے قطع تعلق کر لیتے اور معروف کے اثر و رسوخ والے خاندان سے تعلقات ان کے لیے بہت اہمیت رکھتے تھے۔ صاعقہ جیسے خاندان کا کیا تھا ایسے خاندان کون سا ایک جگہ ٹکتے تھے اور پھر ان کے خیال میں رومانہ کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ اس کی اپنی غلطی کی وجہ سے ہوا تھا۔ معروف کی جگہ کوئی بھی ''غیرت مند'' مرد ان حالات میں یہی کرتا۔

خود صاعقہ کا شوہر ظفر بھی صاعقہ کو ہی ان حالات کا ذمہ دار قرار دے رہا تھا' اس کے ہاتھ جیسے ترپ کا پتہ لگ گیا تھا جسے وہ اپنی بیوی اور بیٹیوں کی کردار کشی کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔

''دیکھا' میں نہ کہتا تھا یہ عورت اپنی بیٹیوں کو تباہ کرے گی۔'' وہ اپنے خاندان کے ہر تعزیت کرنے والے سے کہتا۔

''اسی لیے تو میں نے ان لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ رکھا ہے۔'' خاندان کے لوگ اس کی باتوں پر اور یقین کرنے لگے۔

''واقعی ایسی عورتوں کے ساتھ گزارا کیسے کیا جا سکتا ہے۔ کم از کم کوئی غیرت مند مرد تو نہیں کر سکتا۔'' ظفر بولتا رہتا۔ ہر ایک کو یوں لگتا جیسے رومانہ کو معروف نے نہیں صاعقہ نے گلا گھونٹ کر مار دیا تھا۔

☆☆☆

''طلحہ! تم سے ایک کام ہے مجھے۔'' امبر طلحہ سے فون پر بات کر رہی تھی' کچھ رسمی سی گفتگو کرنے کے بعد وہ اپنے اصل موضوع پر آ گئی۔

''ہاں کہو......''

''تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔''

''کہاں؟''

''رخشی کے گھر۔'' وہ اس کی بات پر قدرے جز بز ہوا۔

''رخشی کے گھر کس لیے؟''

''رخشی کے ساتھ بہت بُرا ہوا ہے۔''

''کیا ہوا ہے؟'' وہ چونکا۔

''اس کے بہنوئی نے اس کی بہن کو قتل کر دیا ہے۔''

''اوہ مائی گاڈ۔'' طلحہ کو افسوس ہوا۔

''زیادتی کی بات تو یہ ہے کہ پولیس نے اس شخص کو گرفتار تک نہیں کیا۔''

''کیوں......؟ انہوں نے ایف آئی آر تو درج کروائی ہو گی۔''

''ایف آئی آر درج کروانے سے کیا ہوتا ہے۔ اس آدمی نے شاید کچھ رقم دے دی ہے پولیس کو۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتی ہوں' اس آدمی کو سزا ملنی چاہیے۔''

''مگر میں اس معاملے میں کیا کر سکتا ہوں۔ میرا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔'' طلحہ نے کہا۔

''میں چاہتی ہوں' تم اپنے تعلقات استعمال کرو اور اس آدمی کو گرفتار کروا دو۔'' امبر نے کہا۔

''مگر امبر...... یہ ہمارا معاملہ یا مسئلہ تو نہیں ہے' رُخشی کا مسئلہ ہے وہ اور اس کی فیملی خود ہی اسے ہینڈل کر لیں گے۔'' طلحہ نے قدرے محتاط لہجے میں کہا۔

''وہ نہیں کر سکتے۔ میں جانتی ہوں' وہ نہیں کر سکتے۔ اتنے اثر و رسوخ والے نہیں ہیں وہ۔''

''کیا رُخشی نے تم سے مدد مانگی ہے۔''

''نہیں اس نے مدد تو نہیں مانگی۔ مگر شاید وہ جھجک رہی ہے' میں بس آج ایک چکر لگا کر آئی ہوں اس کے گھر کا۔ آج تو میں ہمت نہیں کر سکی۔ تفصیلات پوچھنے کی مگر کل ہم دونوں چلیں گے۔ تم رُخشی کی امی سے سب کچھ معلوم کر لینا اور پھر دیکھنا کہ تم کس حد تک ان کی مدد کر سکتے ہو۔'' امبر نے کہا۔

''تم اس کی امی سے میری بات فون پر کروا دو۔'' طلحہ نے کچھ تامل کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں تمہیں وہاں جاتے ہوئے کیا ہو رہا ہے۔'' امبر کو اس کی بات پر اعتراض ہوا۔

''کچھ نہیں ہو رہا۔ ویسے ہی کہہ رہا ہوں میرا وقت بچ جائے گا۔''

''تمہیں اپنے وقت کی بہت پروا ہے۔ میری پروا نہیں ہے بس مجھے نہیں پتا' تم کل میرے ساتھ چل رہے ہو۔'' امبر نے کچھ ناراضی سے ضد کرتے ہوئے کہا۔

''میں پاپا سے بھی یہ کام کہہ سکتی تھی مگر ممی کو میرے اور رُخشی کے میل ملاپ پر بڑے اعتراضات ہیں' انہیں یہ پتا چلے گا کہ پاپا اس کی مدد کر رہے ہیں تو وہ اور ناراض ہوں گی' اس لیے مجھے تمہاری مدد لینا پڑ رہی ہے۔ اگر تم رضامند نہیں ہو اور تمہیں بھی کچھ اعتراض ہے تو ٹھیک ہے پھر میں پاپا سے کہہ دیتی ہوں۔''

''کم آن امبر! تم کتنی جلدی ناراض ہوتی ہو۔ میں نے کب کہا ہے کہ مجھے کوئی اعتراض ہے۔ آج سے پہلے بھی میں نے تمہاری کوئی بات رد کی ہے جو آج کروں گا۔ میں چلوں گا تمہارے ساتھ کل رُخشی کے گھر' اور اس سلسلے میں جو کچھ ہو سکا کروں گا۔'' طلحہ نے کہا۔

''اور پلیز ممی کو اس بارے میں کچھ مت بتانا' ورنہ وہ پھر واویلا شروع کر دیں گی۔'' امبر نے اس سے کہا۔

''ٹھیک ہے' میں انہیں نہیں بتاؤں گا۔ کوئی اور حکم؟''

''نہیں بس یہ ہی کہنا تھا۔'' امبر اس کے انداز پر مسکرائی۔ ''مجھے پتا تھا تم میری بات مان لو گے' ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ تم میری بات نہ مانو۔'' اس نے کچھ فخریہ انداز میں طلحہ سے کہا جو دوسری طرف اس کے جملے پر مسکرا دیا۔

☆☆☆

رُخشی کے لیے اس کی پوری زندگی ایک شاک' ایک تماشا رہی تھی۔ ساری زندگی اس نے اپنی ماں اور اپنی تمام بہنوں کی عزت نفس کو اتنی بری طرح سے پامال ہوتے دیکھا تھا کہ اس نے عزت نفس جیسی کوئی بیماری پالنے کی کوشش نہیں کی۔ ترقی کے لیے سب سے بڑا ہتھیار خود غرضی ہوتی ہے۔ اور اس نے بہت پہلے یہ ہتھیار حاصل کر لیا تھا۔

رومانہ کی اس طرح کی موت نے اس کی اخلاقیات کے تابوت میں جیسے آخری کیل ٹھونک دی۔ وہ لوگ مجرم نہیں تھے مگر انہیں مجرموں کی طرح سر جھکا اور منہ چھپا کر اپنی بہن کو دفن کرنا پڑا تھا اور جو مجرم تھا وہ آزاد تھا۔

رومانہ جب دوسری بار معروف سے لڑ کر صاعقہ کے پاس آئی تھی تب ایک دن رُخشی کے پاس بیٹھ کر اس نے کہا تھا۔

''ہم جیسی لڑکیوں کا کوئی مستقبل' کوئی حال نہیں ہوتا' سب کچھ ہمارا ماضی ہی ہوتا ہے۔ کتنی ہی قربانیاں' کتنا ہی صبر کیوں نہ کر لیں۔ دنیا کے پاس ہمارے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ زہریلی زبان کے سوا لوگ برہنہ عورت کو کبھی چادر نہیں دیں گے۔ مگر انگلی اٹھا کر یہ کہنے سے بھی نہیں چوکیں گے کہ وہ برہنہ ہے...... اور وہ خود چادر اوڑھ لے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ برہنہ ''تھی''۔ کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ اس نے اپنے آپ کو ڈھانپ لیا ہے۔

میرے اعتبار اور کردار کا تو یہ حال ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ بھی ایک کمرے میں اکیلی بیٹھی ہوں تو معروف اور اس کے گھر والے مجھ پر شک کریں گے۔" وہ بات کر کے بے اختیار ہنسنے لگی۔ پھر بڑی دیر تک ہنستی رہی۔
رخشی نے اس کی آنکھوں میں نمی اترتے' اسے پلکوں پر آتے اور آنسو بن کر گالوں پر بہتے دیکھا۔ اس نے رومانہ کو کوئی تسلی نہیں دی۔ اس نے ہمدردی بھی نہیں جتائی۔ وہ اس کے ساتھ روئی بھی نہیں۔ وہ یہ سارے "بے ہودہ کام" کرنا نہیں چاہتی تھی جو ذرہ برابر بھی رومانہ کی حالت میں تبدیلی نہیں لا سکتے تھے۔
"اسے چھوڑ دو۔" اس نے بے تاثر چہرے اور لہجے کے ساتھ رومانہ سے کہا۔ وہ سرنفی میں ہلانے لگی۔
"چھوڑ نہیں سکتی...... وہ میری ضروریات پوری کرتا ہے۔ اخراجات اٹھاتا ہے۔"
"کوئی دوسرا بھی یہ کر دے گا۔" رخشی نے اسی لہجے میں اس سے کہا۔
"کوئی دوسرا بیوی نہیں بنائے گا۔ اور میں امی کی طرح ساری عمر خوار نہیں ہونا چاہتی۔ خاندان بہت ضروری ہوتا ہے رخشی بہت ضروری...... میکہ نہ ہو تو...... یہی سب کچھ ہوتا ہے جو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ میں سوچتی ہوں میری اولاد ہو جائے تو کم از کم اس کے پاس معروف کے خاندان کا نام ہو گا۔ مجھے لوگ برا کہیں مگر معروف اور اس کے خاندان کے بارے میں تو کوئی بھی نہیں اٹھا سکے گا۔ میری بیٹی کسی رستے سے گزر رہی ہو گی تو اس پر جملہ کسنے سے پہلے کوئی دس بار سوچے گا۔ میری اور تمہاری طرح نہیں کہ اپنے گھر کے دروازے پر بھی کھڑے ہوں تو ایک سبزی والا تک......" وہ ہونٹ بھینچتے ہوئے اپنے آنسو ضبط کرنے لگی۔
"اگر اولاد کا اتنا خیال ہے تو پھر یہاں کیوں آئی ہو؟" اس بار رخشی نے دھیمے لہجے میں کہا۔ رومانہ امید سے تھی۔
"پتا نہیں کیوں آ گئی ہوں۔ بس کچھ دیر سانس لینا چاہتی تھی اس گھٹن سے باہر' وہ لے جائے گا مجھے' میں جانتی ہوں۔"
اس نے غائب دماغی کے عالم میں کہا۔
وہ واقعی اسے لے گیا تھا اور اگلے دو ماہ کے بعد شادی کے پورے آٹھ ماہ بعد اس نے اس بچے سمیت اسے مار دیا تھا۔
اور رخشی اس کی ماں اور چھوٹی بہن گھر کے دروازے بند کیے بیٹھی تھیں۔
رخشی نے ساڑھے چار سال کی عمر میں ظفر کے ہاتھوں صاعقہ کو گلی میں لوگوں کے ہجوم کے سامنے پٹتے دیکھا تھا۔ خوف کی ایک عجیب سی کیفیت تھی جس کا وہ شکار ہوئی تھی۔ ساڑھے چار سال کا بچہ کیا سوچ' کیا سمجھ سکتا تھا۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ اس کی ماں رو رہی ہو اور اس کا باپ اسے پیٹ رہا ہو۔ اسے آج تک صاعقہ کے ہاتھ سے اپنے دروازے کی دہلیز پر چھوٹ کر گرنے والا تھیلا اور وہ سبزی یاد تھی جو اس کے اندر تھی اور جسے اس نے روتے ہوئے زمین سے اکٹھا کر کے ننھے ہاتھوں سے اس تھیلے کے اندر ڈالا تھا۔
اس نے ظفر کو کبھی اس واقعے کے لیے معاف نہیں کیا تھا اور اس نے صاعقہ کو کبھی مجرم نہیں گردانا تھا۔ اس کے نزدیک اس کی ماں نے جو کیا تھا ٹھیک کیا تھا۔
اتنے سالوں بعد رومانہ کی اس طرح کی موت پر وہ پھر اسی طرح کے خوف اور ذلت کے احساس سے دوچار ہوئی تھی۔ دروازے بند کر کے گھر بیٹھ جانا۔ لوگوں کی چبھتی نظروں' زہر اگلتی زبانوں اور اٹھتی انگلیوں سے زیادہ آسان تھا اور رخشی کو آسان کام سے نفرت تھی۔
جو آدمی ہر طرح کی ذلت سہہ لے اسے پھر کسی چیز سے خوف نہیں آتا۔ چاہے اسے سانپوں والے کنویں میں چھوڑ دیا جائے یا جنگلی جانوروں سے بھرے ہوئے جنگل میں...... جو رسوائی اور بے عزتی کے طوق گلے میں لے کر پھرنے کا عادی ہو جائے وہ ہر تیسرا طوق بھی بڑی آسانی سے گلے میں ڈال لیتا ہے۔
سولہ سال پہلے رسوائی اور ذلت کا جو سفر انہوں نے شروع کیا تھا اس میں انہوں نے ہر طرح کی اونچ نیچ دیکھ لی تھی۔ ہر طرح کی گندی نظر اور زبان کو برداشت کر لیا تھا۔ ہر انسان اور رشتے کی اصلیت دیکھ لی تھی۔ دنیا کے سامنے معزز' مہذب اور

مذہبی نظر آنے والے لوگوں کے لبادے کے نیچے چھپے ہوئے مکروہ انسان بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔ جن کے ہونٹوں پر بیٹی اور بہن ہوتا تھا ان کی نظروں میں کیا ہوتا تھا یہ کوئی صاعقہ اور رخشی کے گھرانے سے زیادہ اچھی طرح نہیں جان سکتا تھا۔ اپنے گھروں کے باہر دیگوں کی قطاریں خیرات کرنے والے کس ''دوسری چیز'' پر سب سے زیادہ روپیہ خرچ کرتے تھے یہ بھی صرف صاعقہ اور رخشی جیسی عورتیں ہی بتا سکتی تھیں۔

''نہ مجھے رومانہ بننا ہے' نہ یسمی ...... مجھے کسی کا کوئی لحاظ' کوئی مروت نہیں کرنی۔ دنیا تم پہ تھوکے تو تم اس پر تھوکو۔ اور میں ...... میں جس مرد سے شادی کروں گی' میں اسے دوسرے ہر رشتے سے کاٹ دوں گی۔ یہ نہیں کروں گی تو کبھی نہ کبھی یہ رشتے مجھے کاٹ دیں گے۔ اگر میرے خاندان پر کبھی کسی نے رحم نہیں کیا تو میں بھی کسی پر رحم نہیں کروں گی۔ اگر مجھے ہر چیز کی قیمت چکانا پڑی ہے تو دوسرے بھی چکائیں گے۔''

رخشی نے رومانہ کی موت کے تیسرے دن ظفر سے جھگڑنے کے بعد صاعقہ سے کہا تھا۔

''ان گلیوں کے لڑکوں سے چکر نہیں چلانے مجھے' یسمی اور رومانہ کی طرح ان دونوں کی طرح خوار نہیں ہونا۔ مجھے کہیں اور جانا ہے۔ اور اس کے بعد میں اس محلے میں واپس آؤں گی۔ پھر میں دیکھوں گی یہاں کون ہے جو مجھ سے نظریں جھکا کر بات نہیں کرتا جو مجھ پر انگلی اٹھانے کی جرأت کرتا ہے۔ اور میں دیکھوں گی کہ معروف اور اس کا خاندان کب تک یہاں اس طرح محفوظ بیٹھتے ہیں' مجھے صرف ایک سال چاہیے۔ صرف ایک سال۔ ......''

صاعقہ نے متورم آنکھوں کے ساتھ اپنی تیسری بیٹی کو دیکھا جو خالی آنکھوں کے ساتھ دیوار پر لگی ہوئی کالج کے ڈرامہ کے دوران لی گئی اپنی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی جس میں وہ اور امبر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے تھے۔ صاعقہ نے تصویر کو دیکھا۔ رخشی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت ......' رخشی اکثر اس تصویر کو دیکھتی رہتی تھی۔ اسی طرح جس طرح وہ آج دیکھ رہی تھی۔ صاعقہ نے تصویر سے نظریں ہٹا کر ایک بار پھر رخشی کو دیکھا جو اب کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ زمین پر دیوار سے ٹیک لگائے سیاہ لباس میں کھلے بالوں کے ساتھ وہ اسی تصویر پر نظریں جمائے کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ صاعقہ کو چند لمحوں کے لیے یوں لگا جیسے رخشی کا ذہنی توازن خراب ہو گیا تھا۔ ورنہ یوں اپنی تصویر کو دیکھتے رہنا اور پھر اچانک اس نے چونک کر ایک بار پھر رخشی کی نظروں کے تعاقب میں اس تصویر کو دیکھا۔ آج رخشی اپنے آپ کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ آج وہ امبر کو دیکھ رہی تھی۔

''سنو وائٹ کو ...... جو اپنے سر پر پہنا پھولوں کا تاج سنبھال رہی تھی۔

☆☆☆

دسواں باب

"منصور علی......؟ یہ کون ہے؟"
شائستہ کمال نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں سے ہارون کمال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔
"میں نے اس کا نام پہلے کبھی نہیں سنا۔"
ہارون کمال اپنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ایک سگریٹ دبا ہوا تھا۔ وہ وقفے وقفے سے اس کے کش لے رہا تھا۔
"ہاں۔ تم نے اس کے بارے میں پہلے نہیں سنا ہوگا۔" ہارون نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔ "اسے پاکستان آئے ابھی چند سال ہی ہوئے ہیں۔"
شائستہ نے کچھ بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھا۔ "پھر تمہارے لیے وہ اتنا اہم کیوں ہو گیا ہے کہ تم اسے گھر بلانے لگے ہو۔"
"مجھے لگتا ہے، مستقبل میں میں اس آدمی کے ساتھ بزنس کر رہا ہوں گا۔" ہارون نے سنجیدگی سے کہا۔
"کیوں اس آدمی میں ایسی کیا خاص بات ہے؟"
"چیمبر آف کامرس میں اس کا بڑا نام ہے۔ بہت اچھی ریپوٹیشن ہے اس کی اور اس کی فیکٹری کی۔" ہارون نے سگریٹ کا ایک اور کش لیتے ہوئے کہا۔
"سو واٹ...... یہ ایسی خاص بات نہیں ہے...... چیمبر میں بہت سے لوگوں اور ان کی فیکٹریز کی ساکھ بہت اچھی ہے...... تم نے پہلے تو کسی کے ساتھ بزنس کرنے کا نہیں سوچا۔" شائستہ نے ہارون کی بات کے جواب میں کہا۔
"ہاں پہلے نہیں سوچا مگر اب سوچ رہا ہوں۔" ہارون کمال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
"ہارون! تمہیں کسی کے ساتھ بزنس کرنے کی ضرورت نہیں ہے...... تمہیں اپنے کیریئر کی اس اسٹیج پر کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں ہے......" شائستہ کمال نے تبصرہ کیا۔
"ہاں مجھے پتا ہے مگر منصور علی کے ساتھ تعلقات بڑھانے میں کیا برائی ہے...... میرے بزنس کا ٹیکس میں اضافہ ہوگا تو فائدہ تو مجھے ہی ہوگا۔" ہارون نے شائستہ کی بات کے جواب میں کہا۔
"فائدے یا نقصان کا تو مجھے نہیں پتا۔ مگر تم اگر اسے بلانا چاہتے ہو تو بلا لو...... میں تو آج رات کی پارٹی میں ہونے والی چند منٹوں کی ملاقات میں اس سے کوئی خاص متاثر نہیں ہوئی۔" شائستہ نے نخوت سے کہا۔
"حالانکہ وہ تم سے بہت متاثر ہوا تھا۔" اس بار ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اس کی بات پر شائستہ بھی مسکرانے لگی۔ وہ ابھی تک اپنے بالوں میں برش چلا رہی تھی۔ "وہ اگر متاثر ہوا ہے تو اس کی کسی حرکت یا کسی انداز سے یہ ظاہر تو نہیں ہوا۔"
"تم نے نوٹ نہیں کیا ہوگا...... وہ واقعی تمہیں دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا بلکہ اس نے مجھ سے تمہاری تعریف بھی کی تھی۔"

''اچھا تعریف کی تھی ...... اس کی بیوی تو خاصی بونگی عورت ہے ...... مجھے تو خاصی احمق لگی۔'' شائستہ نے کہا۔

''خیر مجھے تو بونگی نہیں لگی' اچھی سمجھ دار عورت ہے ...... ہاں بس زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ زیادہ سوشل بھی نہیں ہے۔'' ہارون نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہ تو اس کے حلیے سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ سوشل نہیں ہے ...... خاصی نروس لگ رہی تھی وہاں پر۔'' شائستہ نے تبصرہ کیا۔

''مجھے تو اس بات پر حیرانی ہو رہی ہے کہ تم اس شخص کی کس بات سے متاثر ہوئے ہو ......؟ تم آسانی سے متاثر ہونے والے لوگوں میں سے تو نہیں۔''

ہارون اس کی بات پر مسکرایا۔ ''نہیں خیر' میں متاثر تو نہیں ہوا ہوں۔''

''تو پھر اس طرح ڈائریکٹ اسے پوری فیملی سمیت گھر بلانے کی کیا وجہ ہے؟''

''میں نے بتایا نا ...... بزنس کانٹیکٹس۔''

''نہیں خیر۔ تم صرف بزنس کانٹیکٹس کے لیے تو کسی کو اس طرح سر پر چڑھانے والے نہیں۔'' شائستہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ واقعی ہارون کمال کے منصور علی کے بارے میں رویے سے کچھ حیران تھی۔ ہارون کمال نہ اتنی آسانی سے بے تکلف ہونے والے لوگوں میں سے تھا نہ ہی جلد دوست بنایا کرتا تھا اور کسی کو گھر پر دعوت پر بلانا اور وہ بھی فیملی سمیت تو بہت دور کی بات تھی مگر منصور علی کے ساتھ اس کا رویہ اسے کچھ ابنارمل لگ رہا تھا۔

''بعض دفعہ تمہیں سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے ہارون۔''

شائستہ نے برش کو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔ ہارون اس کی بات پر ایک بار پھر مسکرایا۔

''اچھا ...... ایسا کیوں ہے؟''

''یہ تو تمہیں پتا ہو گا کہ ایسا کیوں ہے ...... سمجھ میں تم نہیں آتے' میں تو نہیں۔'' شائستہ نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

''تمہارے منہ سے یہ بات سن کر کچھ حیرانی ہوئی ہے مجھے ...... بلکہ قدرے مایوسی بھی ...... کیونکہ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تمہاری میرے بارے میں شادی کے اتنے سالوں کے بعد بھی یہ رائے ہو گی۔'' ہارون نے کہا۔

''حالانکہ میرا خیال ہے کہ تم جان بوجھ کر بہت سی چیزوں کے بارے میں مجھے لاعلم رکھتے ہو۔'' شائستہ نے اس کی بات پر کچھ چبھنے والے انداز میں کہا۔ ''اور جہاں تک مایوسی کا تعلق ہے تو میں یقین نہیں کر سکتی کہ تم ایسی معمولی بات پر مایوس ہو سکتے ہو ...... میرا تو خیال ہے کہ تم میری بات پر خاصے خوش ہوئے ہو گے۔'' شائستہ نے اسٹول سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو تمہارا اندازہ یا خیال ہے ...... میں تو اس سے متفق نہیں۔'' ہارون کمال نے ایش ٹرے میں سگریٹ کو بجھاتے ہوئے کہا۔

''تم متفق ہو یا نہ ہو میں اپنی بات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گی۔'' شائستہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ہارون نے گردن موڑ کر دوسری طرف بیٹھتی شائستہ کمال کو دیکھا۔ اسے اعتراف کرنا پڑا۔ وہ آج بھی اتنی ہی خوبصورت تھی جتنی اسے اس وقت لگی تھی جب اس نے پہلی بار اسے دیکھا تھا بلکہ وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی ...... اور اب اس کا اعتماد آسمان کو چھوا کرتا تھا۔ ہارون کمال نے پچھلے دس پندرہ سالوں میں اسے مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا تھا ...... وہ اتنی بدل گئی تھی کہ اب ہارون کمال کو بھی بعض دفعہ بہت محتاط ہو کر اس سے بات کرنا پڑتی تھی ...... وہ شادی کے وقت کی ڈری سہمی شائستہ نہیں رہی تھی جسے ہر وقت یہ خوف ستاتا رہتا کہ اگر ہارون نے اسے چھوڑ دیا تو کیا ہو گا ...... اس کے والدین اسے قبول کریں گے یا نہیں۔ وہ زندہ کیسے رہے گی ...... بلکہ وہ رہے گی کہاں ......؟ بہت عرصہ ہوا۔ وہ ان سوالوں کی گرفت سے نکل آئی تھی۔ اب ان میں سے کچھ سوال ہارون کمال کو پریشان کرتے تھے مثلاً یہ کہ اگر شائستہ کمال نے اسے چھوڑ دیا تو کیا ہو گا ......؟ اس کے بزنس پر پڑنے والے اثر کو وہ

پیچھے کو ڈراپ کرے گا ...... اس کے سوشل کانٹیکٹس کا کیا بنے گا ......؟ وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہارون کمال کے پاس دماغ تھا تو شائستہ کے پاس حسن تھا اور اس نے گزرنے والے سالوں میں اپنے حسن کو استعمال کر کے یہ بات غلط ثابت کر دی تھی کہ ذہانت اور خوبصورتی میں اہمیت اور فوقیت ذہانت کو ہوتی ہے۔

ہارون کمال کی بزنس ایمپائر کو قائم کرنے میں اگر ہارون کمال کی ذہانت اور دولت کا ہاتھ تھا تو دوسری طرف شائستہ کمال کا بھی ہاتھ تھا۔ اس نے ہارون کمال کے لیے اتنے راستے کھولے اور اتنی راہیں آسان کی تھیں کہ ہارون شمار بھی نہیں کر سکتا تھا اور ہارون نے کبھی شمار کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی ...... بس یہ تھا کہ جب بھی اسے کوئی دروازہ بند ملتا' وہ شائستہ کو کھل جا سم سم کی طرح استعمال کرتا اور وہ دروازہ کھل جاتا۔

یہ بات ہارون کمال اپنی شادی سے بہت پہلے جان چکا تھا کہ جسے حلقے میں اسے موو کرنا تھا وہاں ایک "سوشل" بیوی کی کیا اہمیت تھی ...... جس آدمی کی بیوی جس قدر سوشل ہوتی' اس آدمی پر ترقی کے اتنے ہی دروازے کھلتے ......

شائستہ کمال نے کسی سحر زدہ معمول کی طرح ہمیشہ وہی کیا تھا جو ہارون نے اسے کرنے کے لیے کہا ...... ہر چیز سے بے پروا ہو کر ...... کسی بھی نتیجہ کی فکر کیے بغیر۔

باقر شیرازی کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگی اس کی موت کے بعد ختم ہو گئی تھی۔ اگر باقر شیرازی اس طرح اچانک نہ مرتا تو شاید شائستہ ہارون سے علیحدگی کا سوچتی اور عین ممکن تھا کہ وہ علیحدہ ہو بھی جاتی مگر باقر شیرازی کی موت کے بعد ہارون کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے میں خود ہارون کے اپنے رویہ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ ہارون نے اس سے اپنے پچھلے رویہ اور حرکتوں کے لیے معذرت کی تھی اور شائستہ نے اسے خوش دلی سے معاف کر دیا تھا۔

وہ دونوں ایک بار پھر بہت اچھی زندگی گزارنے لگے تھے اور اس بار ہارون اس سے اپنے سلوک کے بارے میں بہت محتاط ہو گیا تھا' وہ شائستہ کو کھونا نہیں چاہتا تھا یا کم از کم ابھی اس اسٹیج پر نہیں' جہاں وہ تھا ...... اور باقر شیرازی کے ساتھ شائستہ کے افیئر کے بعد پہلی بار اس نے یہ سوچا تھا کہ اگر اس کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر شائستہ نے کسی دوسرے مرد کے ساتھ شادی کر لی تو ......؟ یہ اس کے لیے ایسا دھچکا اور ہزیمت ہوتی جسے برداشت کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شائستہ کے معاملے میں یک دم بہت محتاط ہو گیا تھا۔

بعد کے آنے والے سالوں میں شائستہ اس کے لیے واقعی سونے کی چڑیا ثابت ہوئی تھی۔ وہ بڑے بڑے سرکاری افسروں اور سیاست دانوں کے ساتھ گھومتی پھرتی ...... اور ہارون کمال کے لیے راستے ہموار کرتی ...... اسے اپنی کسی حرکت یا رول پر کوئی شرمندگی نہیں تھی جس سوسائٹی میں وہ موو کر رہی تھی' وہاں تقریباً ہر عورت اسی قسم کا رول کر رہی تھی ...... زیادہ تر افیئر زوہ ہارون کمال کے لیے چلاتی مگر کچھ صرف خود کو خوش رکھنے کے لیے۔

باقر شیرازی کے بعد بھی اس کی زندگی میں بہت سے ایسے مرد آئے جنہوں نے اسے شادی کی آفر کی مگر شائستہ کمال نے کبھی ایسی کسی پیشکش پر غور نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ محبت نہیں تھی جو ان مردوں کو یہ آفر کرنے پر مجبور کر رہی تھی بلکہ وہ صرف اسے استعمال کرنا چاہتے تھے بلکہ اسی طرح جس طرح ہارون استعمال کر رہا تھا۔ ان میں سے کسی بھی مرد کے ساتھ شادی کرنے کے بعد بھی اسے وہی رول ادا کرنا تھا جو وہ اب کر رہی تھی تو پھر یہ حماقت کیوں ...... جبکہ وہ ہارون کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار رہی تھی۔ وہ اس کی واحد بیوی تھی۔ اس کے بچوں کی ماں تھی ...... اس کی جائیداد کا ایک بڑا حصہ اس کے نام تھا۔ پھر وہ کسی دوسرے ادھیڑ عمر سرکاری افسر یا سیاست دان کی دوسری یا تیسری بیوی کیوں بنتی ...... اور شاید وہ ایسا کر بھی لیتی اگر اسے اس شخص سے محبت ہوتی مگر اسے ہارون اور باقر شیرازی کے علاوہ کبھی کسی تیسرے شخص سے محبت نہیں ہوئی۔

سرکاری افسروں اور حکومتی عہدے داران سے ہارون کمال کے لیے مراعات کے حصول کے علاوہ اسے ان سے بیش قیمت تحفے تحائف بھی ملتے رہتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے حسن کے قصیدے ہر شخص کی زبان پر تھے ...... اب وہ آہستہ آہستہ ادھیڑ عمری کی طرف سفر کر رہی تھی مگر اس کے باوجود کم از کم اسے دیکھ کر اس کی عمر کے بارے میں کوئی اندازہ لگانا

بہت مشکل تھا۔

شائستہ کے لیے اپنے رول میں سب سے بڑی دلچسپی وہ تعریف اور تحائف تھے جو اسے لوگوں سے ملتے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ جس سوسائٹی میں وہ اور ہارون رہتے تھے' وہاں نیک نامی اور بدنامی کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ وہاں جو شخص زیادہ مشہور' زیادہ جانا جاتا تھا۔ بس وہی اچھا تھا۔ اسے ملنے والی شہرت کی وجہ پر کوئی غور کرنے کی زحمت نہیں کرتا تھا..... یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے بارے میں لوگوں کے منہ سے نکلنے والی تعریفیں سن سن کر ساتویں آسمان پر براجمان ہو گئی تھی۔

اس کے اور ہارون کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ دونوں فلرٹ تھے اور اس بات میں کسی کو کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں تھا..... شائستہ کے زیادہ تر افیئرز ہارون کے لیے مراعات کے حصول کے لیے تھے جبکہ کچھ اس کی اپنی پسند پر..... جبکہ ہارون کے سارے افیئرز وقت گزاری کی کوشش تھے اور وہ دونوں اپنے تمام افیئرز کے بارے میں نہیں تو زیادہ تر کے بارے میں ضرور جانتے تھے اور ان دونوں کو کبھی ایک دوسرے کی حرکات پر اعتراض نہیں ہوا تھا۔ شائستہ کو ہارون کے افیئرز پریشان نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ صرف افیئرز ہی تھے' وہ کبھی ان میں سے کسی کے ساتھ شادی نہیں کرے گا اور ہارون شائستہ کے افیئرز کے بارے میں پریشان نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس سے اس سلسلے میں بات کرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو شائستہ پھر خود اس کے افیئرز کے بارے میں بات کرے گی..... اور دوسری طرف اسے شائستہ کے ان افیئرز پر جو وہ وقت گزارنے کے لیے کرتی تھی کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا تھا۔ ان کی سوسائٹی میں اس طرح کے افیئرز ہر دوسرے مرد اور عورت کی زندگی کا حصہ تھے..... بعض دفعہ تو یہ افیئرز گھر کے نوکروں' ڈرائیور اور آفس ورکرز تک کے ساتھ چلائے جاتے تھے اور کوئی ان کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا..... صرف یہ ہوتا تھا کہ دل بھرنے کے بعد اس ملازم کو ملازمت سے نکال دیا جاتا تھا..... مگر ایسے افیئرز میں اس طرح کی قتل و غارت نہیں ہوتی تھی جتنی کسی عام گھرانے میں ہو سکتی تھی۔

شائستہ نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہارون کمال کی بہت سی جائیداد اپنے نام کروالی تھی..... اس کی فیکٹریز میں بڑی تعداد میں اس کے شیئرز بھی موجود تھے۔ شروع میں ہارون نے اس کے ان مطالبات پر اعتراض کیا اور اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی پھر اس نے شائستہ سے کہا تھا۔

''جائیداد میرے نام ہو یا تمہارے نام' اس سے کیا فرق پڑتا ہے..... ہم دونوں الگ الگ تو نہیں ہیں۔''

شائستہ نے اس کے جملے پر بڑے غور اور سنجیدگی سے اسے دیکھا اور کہا۔ ''اگر یہ بات ہے تو پھر تم کچھ حصے کے بجائے اپنی ساری جائیداد میرے نام لکھوا دو..... آخر جائیداد میرے نام ہو یا تمہارے نام' اس سے کیا فرق پڑتا ہے..... ہم دونوں الگ تو نہیں ہیں۔''

شائستہ کے جواب نے اسے قدرے شرمندہ کیا تھا مگر اس کی خفت اور شرمندگی اسے اس مطالبے کو پورا کرنے سے نہیں روک سکی جو شائستہ نے کیا تھا۔ وہ اگر شائستہ کو استعمال کر رہا تھا تو شائستہ نے اس کے بزنس اور ہر جائیداد میں اپنا حصہ رکھا تھا' چاہے وہ گھر ہو یا فیکٹری' پلاٹ ہوں یا اسٹاک ایکسچینج کے شیئرز..... یا پھر بینک اکاؤنٹس..... ہارون نہ چاہتے ہوئے بھی شائستہ کو ہر چیز میں حصے دار بنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

شائستہ اس ساری ایمپائر کھڑی کرنے میں اپنے رول کو بخوبی جانتی تھی..... اور وہ اپنی اہمیت سے بھی واقف تھی..... وہ جانتی تھی اس کے بغیر ہارون کی یہ ایمپائر زمین پر آ گرے گی اور وہ ہارون کے ساتھ یہ کارڈ کھیلتی رہتی تھی۔ اسے جتاتی رہتی تھی کہ اگر وہ اس کی زندگی میں نہ آتی تو ہارون کمال کہاں کھڑا ہوتا..... کیا کرتا..... ہارون کمال کبھی خوش دلی سے اس کی بات کو تسلیم کرتا اور کبھی مجبوراً.....

ان دونوں کے دو بچے تھے دو بیٹے اور ایک بیٹی..... ہارون بڑی حد تک اپنی زندگی سے مطمئن تھا۔ اسے کبھی اس بچے کا خیال نہیں آیا تھا جسے اس نے کئی سال پہلے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے دونوں بچوں سے مطمئن تھا..... اگرچہ وہ کوئی فیملی مین نہیں تھا اور نہ ہی وہ بہت خیال رکھنے والا وفادار باپ تھا مگر اس کے باوجود کسی نہ کسی حد تک فیملی لائف کی اس کی زندگی میں اہمیت تھی۔

دوسری طرف شائستہ بھی بہت سال پہلے ہونے والے احساس جرم اور پچھتاوے کی گرفت سے آزاد ہو چکی تھی۔ اسے اب کبھی اس بچے کا خیال آتا بھی تو وہ اسے ذہن سے جھٹک دیتی یا پھر یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتی کہ یہ اس بچے کا مقدر تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہونے کے بجائے کہیں اور پلتا اور پھر وہ یہ بھی سوچتی کہ ہو سکتا ہے اسے ایڈاپٹ کرنے والے والدین ہارون اور شائستہ سے زیادہ اس کا خیال رکھیں اور ہو سکتا ہے اس بچے کے لیے یہی بہتر ہو کہ وہ ان غیر لوگوں کے پاس پلے...... کئی سال پہلے کی طرح اس نے ہارون کو اس جرم کے لیے قصوروار ٹھہرانا اور ملامت کرنا ترک کر دیا تھا...... نہ صرف یہ بلکہ اس نے اپنے ضمیر کی خود اپنے رول پر کی جانے والی لعن طعن کو بھی دبا دیا تھا۔

اگر ہارون اس پورے واقعہ میں مجرم تھا تو خود وہ بھی مجرم تھی...... اور اپنے کردار کا احساس ہوتے ہی شعوری اور لاشعوری طور پر وہ اپنے ذہن سے وہ سب کچھ بھلانے کی کوشش کرتی اور اس میں کامیاب رہتی...... پہلے کی طرح اسے سائیکولوجسٹ اور سائیکاٹرسٹ کے پاس نہیں بھاگنا پڑتا تھا...... وہ ویسے بھی جس حد تک خود کو سوشل کر چکی تھی اس کے لیے چھوٹے موٹے پچھتاووں اور الجھنوں پر شرمندہ ہونے کے لیے بھی وقت نہیں بچتا تھا۔

وہ جدید دور کی وہ عورت تھی جو مرد کی طرح اپنی ہر غلطی کو قبر میں دفن کر کے مٹی ڈال دینے کی عادت سیکھ گئی تھی...... کفارے اور پچھتاوے کے الفاظ کو انسانی ضمیر کی لغت سے نکال دینے کے بعد مادیت پرست انسان جو سکون پا سکتا وہ اور ہارون کمال بھی پا چکے تھے۔

اپنے گھر والوں کے ساتھ شائستہ کا رابطہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم سے کم ہوتا گیا تھا اور اب تو یہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا...... اس کے اور ہارون کے خیال میں اس کا گھرانا آج بھی پتھر کے زمانے میں جی رہا تھا...... تنگ نظری اور روایت پسندی کی گھٹن کے ساتھ...... پہلے صرف ہارون اس کے خاندان کے نظریات سے چڑتا تھا پھر آہستہ آہستہ وہ بھی چڑنے لگی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بیزاری نفرت میں تبدیل ہو گئی تھی...... وہ دونوں مل کر شائستہ کے خاندان کا مذاق اڑاتے...... ان کے خیال میں وہ اخلاقیات جو شائستہ کا خاندان لے کر پھر رہا تھا' وہ بازار میں کوئی دو روپے کے عوض بھی خریدنے پر تیار نہیں تھا...... ان کا خیال تھا کہ ایسی اخلاقیات کو پچھلے زمانے کے ساتھ ہی دفن کر دینا چاہیے تھا...... ایسی اخلاقیات جو اس جدید دور میں انسان کے پیروں کی زنجیر بن کر اسے معذور کر دے۔ وہ آخر شائستہ جیسی عورت اور ہارون جیسے مرد کے لیے کس کام کی تھی۔

☆☆☆

امبر چند دن کے بعد ایک دن طلحہ کے ساتھ رخشی کے گھر گئی۔ دروازہ رخشی نے ہی کھولا۔ امبر کے ساتھ طلحہ کو دیکھ کر وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ طلحہ کا چہرہ اس کے لیے ناشناسا نہیں تھا۔ وہ اسے ان بہت ساری تصویروں میں دیکھ چکی تھی جو امبر نے اسے دکھائی تھیں مگر کسی شخص کو تصویروں میں دیکھنے اور حقیقی زندگی میں دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے اور پھر خاص طور پر اس شخص کو دیکھنے میں جسے اپنے سامنے پانے کی آپ کبھی توقع ہی نہ کر رہے ہوں۔ رخشی بھی اسی کیفیت کا شکار ہوئی تھی۔ امبر نے اسے حیران اور چپ ہوتے دیکھ کر طلحہ سے متعارف کروانے کا فریضہ سرانجام دیا۔

"رخشی! یہ طلحہ ہے...... تم تو اسے جانتی ہی ہو...... میں نے بہت بار ذکر کیا ہے اس کا تم سے...... اور تصویریں بھی تو دیکھی ہیں تم نے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں۔" رخشی یک دم کچھ سنبھلی۔ "آپ اندر آ جائیں۔" وہ دروازے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے بولی۔

رسمی سلام دعا کے بعد طلحہ اور امبر دونوں اس کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

"آپ بیٹھیں...... میں امی کو آپ لوگوں کے بارے میں بتا کر آتی ہوں۔"

رخشی نے ڈرائنگ روم سے نکلتے ہوئے کہا۔ امبر نے اس کی بات پر سر ہلا دیا۔ وہ اور طلحہ ایک صوفہ پر بیٹھ گئے۔ رخشی کے باہر جاتے ہی امبر نے اس سے پوچھا۔

"تم نے دیکھا رخشی کو...... کیسی ہے وہ؟" اس کے لہجے میں کچھ اشتیاق تھا۔

طلحہ اس کی بات پر مسکرایا۔ "ویسی ہی ہے جیسی تم سے سنتا رہا تھا۔"

"ہے نا خوبصورت؟" امبر نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

"ہاں بہت خوبصورت ہے"۔ طلحہ نے اعتراف کیا۔

رُخشی پر باہر دروازے میں ایک نظر ڈالتے ہی طلحہ بلاشبہ مرعوب ہو گیا تھا۔ اگر امبر اس کی ہر وقت تعریف کرتی رہتی تھی تو رُخشی کو دیکھ کر طلحہ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ تعریف بے جا نہیں تھی ...... رُخشی واقعی ایسی تھی کہ کوئی بھی اس کو دیکھ کر اس کے حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

رُخشی کچھ دیر کے بعد دوبارہ ڈرائنگ میں داخل ہوئی تو اس بار اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ طلحہ کو اس عورت کو دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ رُخشی کی والدہ ہوں گی کیونکہ ان دونوں کے چہروں میں بہت زیادہ مشابہت تھی حالانکہ صاعقہ اس قدر اسمارٹ تھی کہ اسے دیکھ کر فوری طور پر یہ اندازہ مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ رُخشی کی ماں ہو سکتی تھی۔

امبر اور طلحہ نے رُخشی کی امی سے سلام دعا کی۔ رُخشی اور صاعقہ کچھ فاصلے پر ایک دوسرے صوفہ پر بیٹھ گئیں۔ گفتگو کا آغاز صاعقہ ہی نے کیا تھا۔

"رُخشی نے مجھے بتایا کہ امبر اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہے۔" صاعقہ نے کچھ افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

امبر ان کی بات کے جواب میں مسکرائی۔ مگر اس نے جواب میں کچھ کہا نہیں۔

"آنٹی! امبر نے مجھ سے آپ کے ساتھ ہونے والے حادثے کا ذکر کیا تھا۔ مجھے بہت افسوس ہوا ...... امبر ویسے بھی رُخشی کا بہت ذکر کرتی ہے تو میں آپ لوگوں کے خاندان سے غائبانہ طور پر تو پہلے ہی متعارف ہوں مگر پھر اس حادثے کا جاننے کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ میں امبر کے ساتھ آپ لوگوں کے پاس آؤں۔"

اس نے بڑے نپے تلے لفظوں میں اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! تمہاری بہت مہربانی ہے۔" صاعقہ نے کہا۔

"نہیں۔ اس میں مہربانی والی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔" طلحہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"امبر کے آنے سے بہت حوصلہ ملتا ہے، رُخشی کو بھی اور مجھے بھی ......" صاعقہ نے امبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے آنے کا ایک مقصد اور بھی تھا۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد طلحہ نے ایک بار پھر کہا۔

رُخشی اور صاعقہ سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"میں اور امبر چاہتے تھے کہ آپ لوگوں کی مدد کریں ...... جس آدمی نے یہ جرم کیا ہے اسے سزا ملنی چاہیے۔" طلحہ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "میں اس سلسلے میں آپ سے تفصیلات جاننا چاہتا ہوں اور یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" طلحہ نے محسوس کیا کہ رُخشی اور صاعقہ یک دم قدرے پریشان اور ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگی تھیں۔

"میرے پولیس میں اچھے تعلقات ہیں، میں اس کیس کی ذاتی طور پر پیروی کروں گا اور اس شخص کی گرفتاری اور سزا کو یقینی بناؤں گا۔"

طلحہ نے ان کو خاموش دیکھ کر اپنی بات کی وضاحت کی۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ اس سلسلے میں مجھے تمام تفصیلات سے آگاہ کر دیں، تاکہ میں ان تفصیلات کو آگے پہنچا سکوں ...... میں آپ کو پولیس کے ایک دو آفیسرز سے بھی ملوانا چاہتا ہوں تاکہ آپ کا براہ راست بھی ان سے رابطہ ہو جائے۔"

صاعقہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"بیٹا! تم یقیناً بہت اچھے انسان ہو جو ہماری اس طرح مدد کرنا چاہتے ہو مگر ہمیں مدد کی ضرورت نہیں ہے ...... ہم نے

انصاف کو اللہ پر چھوڑ دیا ہے...... اللہ خود ہی اس شخص کو سزا دے دے گا۔"

"آپ کی بات بلاشبہ درست ہے اور آپ یقیناً بہت اعلیٰ ظرف ہیں جو اس طرح سوچ رہی ہیں مگر میں ذرا مختلف طریقے سے سوچتا ہوں...... جس شخص نے جرم کیا ہے اسے سزا ملنی چاہیے...... اگر ہر کام اللہ پر ہی چھوڑتے جائیں تو پھر دنیا میں انصاف تو بالکل ختم ہو کر رہ جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو مگر میں پھر بھی ان لوگوں کے خلاف کوئی قانونی اقدام کرنا نہیں چاہتی۔" صاعقہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"آنٹی! میں جانتی ہوں' وہ لوگ آپ کو دھمکیاں دے رہے ہیں۔" اس بار امبر نے مداخلت کی۔ "اور آپ کو خوفزدہ کر رہے ہیں۔"

صاعقہ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا' اور اس کے بعد رُخشی کو دیکھا۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ لوگ ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں؟" صاعقہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ امبر نے ان کے سوال کو گول کرتے ہوئے کہا۔

"آنٹی! میں جانتی ہوں...... مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ آپ کو ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' وہ لوگ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"امبر! یہ بات کہنا بہت آسان ہے کہ ہمیں کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے اور وہ لوگ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے...... مگر ان لوگوں کا گھر ہمارے گھر سے چند گز کے فاصلے پر ہے...... پورے محلے نے ہمارا بائیکاٹ کیا ہوا ہے...... اگر آج اس گھر پر کوئی حملہ کر دے تو محلے میں سے کوئی ایک شخص بھی ہمیں بچانے کے لیے نہیں آئے گا...... اور تم کہہ رہی ہو کہ ہم ان سے خوفزدہ نہ ہوں' وہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔"

رُخشی نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی۔ اس کی آواز میں افسردگی تھی۔

"اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے گھر پر پولیس گارڈ لگوا دیتا ہوں۔" طلحہ نے کہا۔

"کتنے دن کے لیے؟" رُخشی نے پوچھا۔

"جتنا عرصہ آپ چاہیں۔"

"آپ ہمیشہ ہمارے گھر پر پولیس گارڈ تو نہیں رکھ سکتے' آپ ہمارے ساتھ ہر جگہ تو پولیس گارڈ نہیں بھیج سکتے۔" رُخشی نے قدرے مدھم لہجے میں کہا۔ "ہمیں ہمیشہ اسی محلے میں انہیں لوگوں کے ساتھ رہنا ہے۔ ان کے خلاف قانونی کارروائی کر کے ہم اپنے گلے میں اور مصیبت نہیں ڈال سکتے۔ پہلے ہی ہم بہت کچھ بھگت چکے ہیں۔" رُخشی نے کہا۔

"تو کیا تم اس شخص کو آزاد چھوڑ دو گی۔" اس بار امبر نے کہا۔ "تم نہیں چاہتیں کہ جس شخص نے تمہاری بہن کو اتنی بے دردی کے ساتھ قتل کیا ہے اسے سزا ملے۔"

"میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا...... میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس شخص کو اپنے ہاتھوں سے شوٹ کر دوں...... مگر کیا میں ایسا کر سکتی ہوں۔" رُخشی نے امبر کو دیکھتے ہوئے بڑے پُرسکون انداز میں کہا۔

"اور اگر اس کے خلاف ایف آئی آر درج ہو بھی جائے تو ہم گواہ کہاں سے لائیں گے کب تک کیس چلائیں گے...... ہمارے تو اتنے وسائل نہیں ہیں کہ ہم اس کیس کو بہت دیر تک چلا سکیں اور وہ بھی ایک مسلسل خوف اور عدم تحفظ کا شکار ہو کر...... اور پھر وہ شخص چھوٹ جائے گا۔ اسے سزا نہیں ہو گی...... ہوئی بھی تو صرف چند سالوں کی...... مگر ایک دفعہ اس کا خاندان ہمارے پیچھے پڑ گیا تو ہم کیا کریں گے۔"

"رُخشی! یہ سب باتیں بعد کی ہیں...... تم پہلے پولیس کو اپنا کام تو شروع کرنے دو...... گواہ بھی آ جائیں گے اور کیس پر ہونے والے اخراجات کا بھی انتظام ہو جائے گا...... تم ان چیزوں کے بارے میں پریشان نہ ہو۔ طلحہ سب کو سنبھال لے گا' میں

اسی لیے اسے اپنے ساتھ لے کر آئی ہوں۔"

امبر نے اسے تسلی دی مگر رخشی اس کی تسلی اور یقین دہانی سے قائل نہیں ہوئی۔

"نہیں امبر! پولیس نے اگر کچھ کرنا ہوتا تو اب تک کر چکی ہوتی...... انہیں اگر اسے پکڑنا ہوتا تو وہ اسے اب تک پکڑ چکے سارا زمانہ جانتا ہے کہ یہاں قتل ہوا ہے مگر پھر بھی اگر پولیس اس پر چپ ہے تو وہ واضح طور پر بتا رہی ہے کہ ان کی ہمدردیاں کس کے ساتھ ہیں۔"

امبر نے بہت دیر رخشی اور صاعقہ کو پولیس کی مدد لینے پر زور دیا مگر وہ دونوں قائل نہیں ہوئیں وہ امبر کی مشکور اور احسان مند ہونے کے باوجود اس شخص کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

امبر کے برعکس طلحہ نے شروع میں کی جانے والی کچھ گفتگو کے بعد مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ صرف امبر کو رخشی اور صاعقہ کو قائل کرنے کی ناکام کوشش کرتے دیکھتا رہا۔ تھک ہار کر امبر قدرے مایوسی کے عالم میں جب طلحہ کے ساتھ ان کے گھر سے آنے لگی تو دروازے سے نکلتے ہوئے طلحہ نے ایک بار پھر مڑ کر رخشی سے اور صاعقہ سے کہا۔

"آپ کو اگر کسی بھی معاملے میں میری مدد کی ضرورت پڑے تو پلیز کسی جھجک کے بغیر مجھے بتایئے گا۔ مجھے آپ کی مدد کر کے خوشی ہوگی۔"

رخشی اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے مسکرائی جبکہ صاعقہ نے کہا۔

"تمہارا بہت شکریہ بیٹا...... ہم لوگوں کو جب بھی مدد کی ضرورت پڑی ہم تم سے ضرور کہیں گے۔"

☆☆☆

واپسی پر گاڑی میں امبر خاصی دلبرداشتہ نظر آ رہی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ رخشی میری اس پُرخلوص پیشکش کو اس طرح ٹھکرا دے گی...... آخر وہ اس طرح کی حماقت کیوں کر رہی ہے...... اس آدمی کو کیوں بچ جانے کا موقع دے رہی ہے؟" اس نے کچھ جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"رخشی کوئی حماقت نہیں کر رہی...... وہ اور اس کی امی دونوں بڑی سمجھ داری کا ثبوت دے رہی ہیں۔" طلحہ نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا۔

"وہ لوگ کورٹ میں جانا نہیں چاہتے...... پولیس کی مدد لینا نہیں چاہتے...... صرف اس لیے کیونکہ وہ خوفزدہ ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ دونوں ٹھیک کر رہی ہیں۔"

امبر نے ناراضی سے کہا۔

"امبر! تم ہر چیز کے بارے میں بہت جذباتی ہو جاتی ہو۔ میں تمہارے مقابلے میں قدرے زیادہ حقیقت پسند ہوں...... اور جن ماں بیٹی سے ہم لوگ مل کر آئے ہیں وہ دونوں مجھ سے بھی زیادہ حقیقت پسند ہیں۔" طلحہ نے گیئر بدلتے ہوئے کہا۔

"وہ اپنی سچویشن اور پرابلم کو ہم سے زیادہ اچھی طرح سمجھتی ہیں......"

"طلحہ! تم دراصل اس کی مدد کرنا ہی نہیں چاہتے...... تم بالکل ممی کی طرح ہو...... تم تو اس کے گھر بھی جانا نہیں چاہتے تھے وہ بھی میں تمہیں زبردستی لے کر گئی...... اور تم نے تو رخشی اور آنٹی کے انکار پر شکر کیا ہوگا کہ تمہاری جان چھوٹی۔"

"اچھا مان لو۔ تم کسی نہ کسی طرح انہیں کورٹ میں جانے پر تیار کر لیتی ہو...... پھر کیا ہوگا؟" طلحہ نے کہا۔

"کیس چلے گا اور کیا ہوگا؟"

"گواہ کہاں سے آئیں گے؟"

"آ جائیں گے...... لوگ ابھی اتنے بھی بے ضمیر نہیں ہوئے کہ سامنے قتل ہوتا دیکھ کر بھی چپ ہو جائیں...... اور جھوٹ کو جھوٹ نہ کہیں۔"

طلحہ نے بے اختیار قہقہہ لگایا "تم کس دنیا میں رہتی ہو مائی ڈیر...... میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جس دنیا میں ہم رہتے

ہیں وہاں ضمیر نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں ہے...... لوگوں میں ضمیر ہوتا تو وہ تمہاری دوست کے گھر والوں کا بائیکاٹ کرنے کے بجائے اس خاندان کا بائیکاٹ کرتے جس کی وجہ سے رخشی کا گھرانہ اس مصیبت کا شکار ہوا...... پھر رخشی اور اس کے گھر والے ان خدشات کا شکار نہ ہوتے جس کا شکار وہ اب ہیں۔"

"اگر سچے گواہ نہیں آئیں گے تو جھوٹے گواہ بھی تو مل سکتے ہیں۔" امبر نے اس کی بات سے قائل ہوئے بغیر کہا۔

"تمہیں پتا ہے کہ ایسے کیسز پر کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے؟ اور کتنے سال لگیں گے کوئی نہیں کہہ سکتا۔"

"کوئی بات نہیں۔ لاکھوں روپے لگیں گے...... کروڑوں تو نہیں لگیں گے...... اور کتنے سال لگیں گے۔ سو سال لگیں گے لگ جانے دو۔"

طلحہ نے امبر کو اس طرح دیکھا جیسے اسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

"اور اگر روپیہ اور وقت ضائع کرنے کے بعد بھی رخشی کے گھر والے کیس ہار گئے تو؟"

"میں نے تم سے کہا ہے ناں...... یہ سب بعد کی باتیں ہیں...... کیس کا فیصلہ کیا ہوتا ہے اور کس کے حق میں ہوتا ہے ابھی اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" امبر نے ایک بار پھر لاپروائی سے کہا۔

"بعض دفعہ تم......" طلحہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"بعض دفعہ میں حماقت کی انتہا کر دیتی ہوں...... بلکہ یوں ظاہر کرتی ہوں جیسے میں عقل سے مکمل طور پر پیدل ہوں۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا؟" امبر نے اطمینان سے کہا۔

"نہیں میں یہ تو نہیں کہنا چاہتا تھا مگر اب تم نے خود اپنے بارے میں یہ سب کچھ کہہ دیا ہے تو میں اختلاف نہیں کروں گا۔" طلحہ نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم خود کو دوسروں کے مسئلوں میں کیوں الجھاتی ہو؟"

"اور میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم میری دوست کو "دوسرا" کیوں سمجھ رہے ہو؟" امبر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے حیرانی ہوتی ہے طلحہ یہ سوچ کر میں کسی کے ساتھ گپیں ماروں...... کھاؤں پیوں...... گھوموں پھروں...... مگر جب اس بندے کو میری ضرورت پڑے تو میں پیچھے ہٹ جاؤں...... آنکھیں پھیر لوں...... بس یہ کہہ کر کہ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے تمہارا مسئلہ ہے...... تم خود اسے ہینڈل کرو۔"

امبر نے تلخی سے کہا۔

"امبر! تمہیں ابھی یہاں آئے زیادہ سال نہیں ہوئے پانچ دس سال اور گزار لو پھر تمہیں پتا چل جائے گا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔" طلحہ نے کچھ تنگ آ کر کہا۔

"اور دوسری سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رخشی ہمارے طبقے سے تعلق نہیں رکھتی۔ تمہیں اس کے ساتھ اتنا میل جول نہیں بڑھانا چاہیے۔ وہ جس علاقے میں رہتی ہے وہاں تو مجھے اپنی گاڑی کھڑی کرتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ پتا نہیں واپسی پہ گاڑی صحیح سلامت مل جائے گی یا نہیں۔" طلحہ نے کہا۔

"یہ دوسری نہیں تمہارے نزدیک پہلی بات ہونی چاہیے کہ وہ ہمارے طبقے سے تعلق نہیں رکھتی اس لیے اس سے میل جول نہیں بڑھانا چاہیے۔ تمہیں اندازہ ہے بعض دفعہ تم کتنے تنگ نظر ہو جاتے ہو۔" امبر نے ناراضی سے کہا۔ "بالکل ممی والے انداز میں بات کرتے ہو۔ دوست ایسے ہونے چاہئیں دوست ویسے ہونے چاہئیں دوستی میں کوئی پیرامیٹرز نہیں ہوتے جنہیں استعمال کیا جائے۔"

"ہوتے ہیں امبر......! جس کلاس سے میں اور تم تعلق رکھتے ہیں وہاں ہوتے ہیں اور بہتر ہے کہ ان کا خیال رکھا جائے ورنہ بہت سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔" طلحہ نے سنجیدگی سے کہا۔ تو امبر تنک گئی۔

"انسان اب کسی جنگل میں نہیں رہتے کہ جنگل کو یہ کہہ کر بانٹنا شروع کر دیں کہ اس حصے میں یہ جانور رہیں گے اور اس حصے میں وہ...... اور بیچ میں حد بندی کر دی جائے یہ کہہ کر...... کہ اسے کوئی بھی کراس نہیں کر سکتا۔"

"پھر تم صرف رخشی کی بات کیوں کرتی ہو..... سوشل ورک شروع کرو۔ دولت تمہارے پاس بے تحاشا ہے' تم اس پوری کلاس کے مسائل حل کرنے بیٹھ جاؤ۔"

میں نے پوری کلاس کی بات نہیں کی' میں نے صرف رخشی کی بات کی ہے۔" امبر نے اس بار کچھ مدافعانہ انداز میں کہا۔

"اور وہ بھی اس لیے کیونکہ وہ میری دوست ہے۔ میری بہترین دوست۔"

امبر نے اپنی بات پر زور دیا۔ طلحہ ہنس پڑا۔ "اوہ کم آن امبر تم حد کر دیتی ہو۔ چار آٹھ ماہ میں وہ تمہاری دوست نہیں بہترین دوست بن گئی ہے۔ مجھے حیرانی ہو رہی ہے۔

خوبصورتی کے علاوہ اس میں اور کون سی خوبی ہے جس نے تمہیں اس کی طرف متوجہ کیا۔" طلحہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"خوبصورتی کے علاوہ اور کون سی بات ہے جس نے تمہیں میری طرف متوجہ ہونے اور مجھ سے محبت کا دعویٰ کرنے پر مجبور کیا۔؟"

امبر نے اسی انداز میں پوچھا۔ طلحہ کچھ لمحوں کے لیے کچھ نہیں کہہ سکا۔ "تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم دونوں کا نکاح اس وقت ہو چکا تھا جب ہم خوبصورتی کے تصور سے بھی واقف نہیں تھے۔" چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

"تم میں خوبصورتی کے علاوہ اور بھی بہت سی کوالٹیز ہیں۔"

"رخشی میں بھی خوبصورتی کے علاوہ اور بہت سی کوالٹیز ہیں۔" امبر نے اسی انداز میں جملہ دہراتے ہوئے کہا۔

"ہم رخشی کی وجہ سے ایک فضول بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔" طلحہ نے جیسے تنگ آ کر کہا۔

"ہو سکتا ہے مگر یہ بحث میں نے شروع نہیں کی۔......"

"ٹھیک ہے میں نے شروع کی ہے۔ میں ہی ختم کر دیتا ہوں۔" طلحہ نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں رخشی کے بارے میں اپنے تمام الفاظ واپس لیتا ہوں۔ کیا یہ کافی ہے؟" طلحہ نے پوچھا۔

امبر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا' وہ صرف مسکرا دی۔

☆☆☆

اس رات ہارون اور شائستہ نے منصور علی' منیزہ' روشان اور صبغہ کو پورچ میں ریسیو کیا تھا' ہارون کمال کو فوراً ہی امبر کی عدم موجودگی کا احساس ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر کچھ مایوسی نمودار ہوئی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ ساری فیملی کو لے کر آئیں گے مگر آپ سب کو لے کر نہیں آئے۔" ہارون نے منصور علی کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے شکوہ کیا۔

"میں نے تو بہت کوشش کی تھی کہ میں سب کو لاسکوں مگر امبر آنا نہیں چاہ رہی تھی اور باقی دونوں بچیاں اپنے ایک ٹیسٹ کی تیاری میں مصروف تھیں۔" منصور علی نے کچھ معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"جو بھی ہو مجھے بہت مایوسی ہوئی ہے۔" ہارون کمال نے کہا۔

"میرا وعدہ ہے۔ کہ اگلی بار ایسا نہیں ہوگا۔" منصور علی نے کہا۔

"اچھا ذرا اپنے بچوں سے تعارف کروائیں۔"

ہارون مسکرا کر روشان اور صبغہ کی طرف بڑھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے روشان منصور علی..... اور یہ میری بیٹی صبغہ منصور علی۔" منصور علی نے ان دونوں سے شائستہ اور ہارون کا تعارف کروایا۔ ہارون نے باری باری دونوں سے ہاتھ ملایا جب کہ شائستہ نے ان دونوں کے گال چھوئے۔

کھانے کی میز پر ہارون نے منصور علی کا تعارف اپنے دونوں بچوں کے ساتھ بھی کروایا۔ امبر کے نہ آنے سے ہارون کو جو مایوسی ہوئی تھی اس نے اس کی تلافی کرنے کے لیے کھانے کی میز پر امبر کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

"آپ کی بڑی بیٹی کیا کرتی ہے؟" منصور علی نے چاول پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہا۔
"امبر...... وہ گریجویشن کر رہی ہے۔"
"اچھا...... اور اس کے بعد کچھ اور پلان کیا ہے آپ نے اس کے لیے۔" ہارون نے دلچسپی سے پوچھا۔
"نہیں، کچھ بھی پلان نہیں کیا...... بس اس کے پیپرز ہوتے ہی اس کی رخصتی کر دیں گے۔"
ہارون کمال کے ہاتھ سے چمچ گرتے گرتے بچا۔
"رخصتی؟" اس نے بمشکل حلق سے آواز نکالی۔
"ہاں...... میری دونوں بڑی بیٹیوں امبر اور صبغہ کا نکاح بچپن میں ہی میرے بھائی کے بیٹوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اب امبر کی رخصتی تو اس سال ہم کریں گے جب کہ صبغہ کی رخصتی ابھی دو تین سال کے بعد کریں گے۔"
منصور نے تفصیل بتائی ہارون کمال کچھ بھی نہیں بول سکا۔
"ناصی حیران کن بات بتائی ہے آپ نے ...... اب تو بچپن میں منگنیوں یا نکاح وغیرہ کی رسوم ختم ہو چکی ہیں۔" اس بار شائستہ نے کہا۔
"ہاں گر ہماری فیملی میں ابھی بھی یہ جاری ہیں۔" منصور علی نے کہا۔
"ویسے یہ خاصا خطرے والا کام ہے اگر بڑے ہو کر بچوں کی مرضی بدل جائے اور وہ کسی اور کو پسند کرنے لگیں تو پھر تو بڑے مسئلے ہوتے ہیں۔" شائستہ نے کہا۔
"ہاں گر ہمارے یہاں یہ مسئلہ نہیں ہے۔ میری بیٹیوں اور میرے بھتیجوں کی آپس میں خاصی انڈرسٹینڈنگ ہے۔"
"کیا کرتے ہیں وہ دونوں؟" ہارون خاصی دیر کے بعد خود کو اس اچانک پہنچنے والے دھچکے سے نکال سکا۔
"وہ دونوں میری ہی فیکٹری پر ہوتے ہیں میرے بھائی مسعود علی کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ وہ دونوں ان ہی کے بیٹے ہیں۔" منصور علی نے تفصیل سے بتایا۔
"اوہ اچھا......" ہارون کمال نے کہا۔
اس کا دل اب یک دم اس ڈنر سے اچاٹ ہو گیا تھا اسے خواب و خیال میں بھی یہ توقع نہیں تھی کہ اس رات منصور علی کے در سے اسے امبر کے بارے میں یہ خبر سننے کو ملے گی۔
"کیا نام ہیں آپ کے دامادوں کو؟" کچھ دیر کے بعد ہارون نے دوبارہ پوچھا۔
"طلحہ اور اسامہ......" منصور علی نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
"طلحہ صبغہ کا شوہر ہے؟" ہارون نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے صبغہ کی طرف اشارا کیا۔
"نہیں نہیں وہ امبر کا شوہر ہے...... صبغہ کے شوہر کا نام اسامہ ہے۔" منصور علی نے وضاحت کی۔
"طلحہ!" ہارون نے زیرِ لب اس کا نام دہرایا۔ وہ اب کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا کھانا کھا رہا تھا جب کہ شائستہ اور منیزہ آپس میں گفتگو میں معروف تھیں۔ منیزہ شائستہ کو ہیروں کا وہ سیٹ دکھا رہی تھی جو اس نے پچھلے ہفتے ہی خریدا تھا اور اس سیٹ نے شائستہ کو واقعی متاثر کیا تھا۔ یقیناً منصور علی بھی کوئی چھوٹا موٹا بزنس مین نہیں تھا۔
خاموشی سے کھانا کھانے کے بعد ہارون اس وقت نیپکن سے منہ پونچھ رہا تھا جب منصور علی نے اسے مخاطب کیا۔
"ہم تو آپ کے حسبِ خواہش آج یہاں کھانے پر موجود ہیں اب آپ بتائیں کہ آپ سب کب ہمارے یہاں کھانے پر آ رہے ہیں؟"
ہارون منصور علی کی بات پر مسکرایا۔ "جب آپ حکم دیں ہم حاضر ہو جائیں گے۔"
"اگر آپ میرے کہنے پر حاضر ہوں گے تو میں تو چاہوں گا کہ آپ کل ہی آ جائیں۔" منصور علی نے برجستگی کے ساتھ کہا۔

''نہیں خیر کل آنا تو ممکن نہیں ہے۔ چلیں یوں کرتے ہیں کہ اگلا ویک اینڈ آپ کے ساتھ گزارتے ہیں۔'' ہارون کمال نے کہا۔

''مگر شرط میری بھی یہی ہے کہ آپ اپنی پوری فیملی کے ساتھ آئیں گے۔'' منصور علی نے کہا۔
''بالکل میں اپنی پوری فیملی کے ساتھ آؤں گا..... وہ نہیں کروں گا جو آپ نے کیا کہ آدھی فیملی گھر چھوڑ آئے۔'' ہارون کمال نے برجستہ کہا۔

''بھئی میں معذرت تو کر چکا ہوں اس غلطی کے لیے آپ کے ہاں اگلی بار پوری فیملی کے ساتھ آؤں گا ورنہ آپ کا یہ گلہ تو لگا ہی رہے گا۔'' منصور علی نے شگفتگی سے کہا۔
''بالکل ضرور کیوں نہیں۔'' ہارون نے پُر جوش تائید کی۔

☆☆☆

''رخشی! تم آخر اس قدر خوفزدہ کس بات سے ہو؟'' امبر اس دن گھر آنے کے بعد بھی فون پر رخشی سے بات کرتی رہی۔ وہ ایک بار پھر کوشش کر رہی تھی کہ رخشی اپنے بہنوئی کے خلاف کارروائی کے لیے رضامند ہو جائے۔
''امبر! تم میرے مسائل نہیں سمجھ سکتیں۔'' رخشی نے کچھ بے چارگی کے عالم میں کہا۔
''امبر! میں جس محلے میں رہتی ہوں اسے اور یہاں کے لوگوں کو میں تم سے زیادہ بہتر جانتی ہوں۔ امی نہیں چاہتیں کہ ہم کو مزید نقصان پہنچے۔''
''تم اپنا محلہ کیوں نہیں تبدیل کر لیتے۔'' امبر نے جیسے مسئلے کا حل پیش کیا۔
''ہم یہ گھر چھوڑ دیں گے تو اور کہاں جائیں گے۔ گھر ملنا کوئی آسان کام تو نہیں ہوتا۔'' رخشی نے کہا۔
''میں دلوا دوں گی تمہیں گھر۔'' امبر نے فوراً کہا۔
''تم کیسے دلوا دوگی؟''
''میں اپنے پاپا سے کہہ کر دلوا دوں گی۔'' رخشی خاموش رہی۔
''پھر کیا میں گھر کی تبدیلی کے لیے پاپا سے بات کروں؟''
''ابھی ٹھہر جاؤ۔ ابھی مجھے امی سے بات کر لینے دو پھر میں تمہیں بتاؤں گی۔'' رخشی نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے کہا۔

☆☆☆

رخشی نے چند دن بعد شام کو اسے خود رنگ کیا تھا۔
''امبر! میں نے امی سے بات کی ہے۔''
''اچھا پھر آنٹی کیا کہہ رہی ہیں؟''
''وہ مان گئی ہیں کہ ہمیں گھر شفٹ کر لینا چاہیے۔'' دوسری طرف سے رخشی نے کہا۔
''ویری گڈ.....'' امبر بے اختیار خوش ہوئی۔
''تم انکل سے بات کرو تا کہ ہمیں پتا چل سکے کہ وہ ہمارے لیے کوئی گھر ارینج کر سکتے ہیں یا پھر ہمیں خود ہی ڈھونڈنا پڑے گا۔''
''تمہیں گھر ڈھونڈنے کی قطعاً ضرورت نہیں..... یہ کام میرے پاپا خود کر لیں گے۔'' امبر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
''میری سمجھ میں نہیں آتا امبر! میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں؟'' رخشی نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس سے کہا۔
''تمہیں شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوستوں میں اس طرح کے تکلفات نہیں ہوتے۔'' امبر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
''پھر بھی ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھ پر تمہارے احسانات بڑھتے ہی جا رہے ہیں..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں

ان احسانوں کا بدلہ کس طرح چکاؤں گی۔"

"میں کوئی احسان نہیں کر رہی ہوں جو کر رہی ہوں۔ وہ میرا فرض ہے اس لیے تمہیں ان احسانوں کے بدلے کی ادائیگی کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"امبر اگر ان سارے حالات میں مجھے تمہارا سہارا نہ ملتا تو میں تو شاید سب کچھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر گھر بیٹھ جاتی۔ دوبارہ کبھی کالج جانے کا سوچتی بھی نہ۔" رخشی نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

"میں تمہاری ذہنی کیفیت کو سمجھ سکتی ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ میری وجہ سے ہی سہی مگر کم از کم تم اپنے ان فضول کے وہموں سے تو باہر نکل آئی ہو۔ جب کالج جانا شروع کرو گی تو خود ہی نارمل ہو جاؤ گی۔" "ہاں ایک دو دن تک میں دوبارہ کالج آنے لگوں گی۔ ویسے بھی میری اسٹڈیز کا بہت حرج ہو رہا ہے۔" رخشی کو پہلی بار پڑھائی کا خیال آیا۔

"میں آج پاپا سے تم لوگوں کے گھر کے بارے میں بات کرتی ہوں اور پھر تمہیں بتاتی ہوں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اور تمہارے لیے گھر کب تک مل سکے گا۔" امبر نے اس سے کہا۔

"تم آج ہی مجھے بتاؤ گی؟" رخشی نے پوچھا۔

"ہاں آج ہی رنگ کروں گی۔ بس میں پاپا کے آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔"

☆☆☆

منصور علی رات کو تقریباً دس بجے کے قریب گھر آئے تھے اور گھر آتے ہی انہوں نے امبر کو اپنا منتظر پایا تھا۔ وہ باہر پورچ میں ہی ٹہل رہی تھی۔ ان کی گاڑی اندر آتے دیکھ کر بھی ٹہلتی رہی۔ جب گاڑی پورچ میں آ گئی تو وہ رک گئی۔ منصور علی گاڑی سے باہر نکل کر اسے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ بریف کیس ڈرائیور کو اندر چھوڑنے کے لیے کہہ کر وہ خود امبر کے پاس رک گئے۔

"خیریت تو ہے آج تم شاید میرے آنے کا انتظار کر رہی تھیں۔" منصور علی نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں پاپا! میں آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے آپ سے ایک بات کرنی۔" امبر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا اندر تو چلو پھر بات کرتے ہیں۔"

"نہیں۔ مجھے اندر نہیں جانا یہیں بات کرنی ہے کیونکہ اندر ممی ہوں گی اور میں ان کے سامنے بات کرنا نہیں چاہتی۔" امبر نے کہا۔

منصور علی اس کی بات پر مسکرائے۔ "اچھا ٹھیک ہے بتاؤ کیا بات ہے؟"

"پاپا! پہلے آپ وعدہ کریں کہ آپ میری بات مانیں گے۔" امبر نے کہا۔

"وعدہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تم جانتی ہو میں وعدے کے بغیر ہی تمہاری ہر بات مانتا ہوں......" منصور نے شگفتگی سے کہا۔

"اور آپ یہ وعدہ بھی کریں کہ آپ ممی سے یہ بات ڈسکس نہیں کریں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے میں منیزہ سے یہ بات ڈسکس نہیں کروں گا۔" انہوں نے ہامی بھری۔

"پاپا میں چاہتی ہوں آپ رخشی اور اس کے گھر والوں کے لئے کہیں کرائے کے گھر کا بندوبست کر دیں۔" امبر نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

"کیا؟" منصور کو جیسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"پاپا! ان کا محلہ اچھا نہیں ہے۔ وہ سب وہاں خوفزدہ رہتے ہیں' محلے کے لوگ انہیں تنگ کرتے رہتے ہیں' اس لیے میں چاہتی ہوں کہ آپ کسی دوسری جگہ پر ان کی رہائش کا انتظام کروا دیں۔"

"مگر امبر! یہ کام تمہارا یا میرا نہیں ہے۔ وہ اگر گھر بدلنا چاہتے ہیں تو خود گھر کا انتظام کریں۔" منصور علی نے اعتراض

''وہ تو ہونا ہی تھا۔ ہارون کمال کوئی چھوٹا موٹا بزنس مین نہیں ہے۔'' منصور علی نے لاپروائی سے کہا۔
''مجھے تو سب سے زیادہ اس کی بیوی شائستہ پر رشک آ رہا تھا۔ اگر میں اس کے بچے خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتی تو مجھے کبھی یہ یقین نہ آتا کہ وہ اتنے بڑے بڑے بچوں کی ماں ہے۔''
''بھئی! ساری بات خود کو مین ٹین رکھنے کی ہوتی ہے...... اس نے خود کو بہت اچھی طرح مین ٹین کیا ہوا ہے۔ ہارون کمال کے ساتھ ساتھ اس کی بیوی بھی بزنس کے حلقوں میں بہت شہرت اور پسندیدگی رکھتی ہے۔ اسی لیے تو میں تم سے کہتا رہتا ہوں کہ تم بھی اپنا وزن کم کرو۔ اور خود کو کچھ فٹ اور اسمارٹ رکھنے کی کوشش کرو...... ورنہ میرے ساتھ پارٹیز میں جاؤ گی تو مجھے بڑی شرمندگی ہوگی۔''
''میں اسی لیے آپ کے ساتھ کسی پارٹی میں نہیں جاتی تاکہ آپ کو شرمندگی نہ ہو۔ کم از کم میری وجہ سے اور جہاں تک وزن کم کرنے کا سوال ہے تو یہ کام میرے بس کا نہیں۔ ویسے بھی ہمارے پورے خاندان میں کوئی ایک بھی ایسا ہے جو بہت فٹ اور اسمارٹ ہو۔ کم از کم عورتوں میں تو آپ کوئی ایک نام بھی نہیں لے سکتے۔'' منیزہ نے قدرے ناراضی سے کہا۔
''تو یہ کوئی بڑے اعزاز کی بات نہیں ہے۔ تم دیکھو میں نے بھی تو اپنے وزن کو کنٹرول رکھا ہوا ہے۔ اچھی صحت کے لیے یہ بہت ضروری ہے...... تم چاہتی ہو کہ چند سال بعد تم مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاؤ۔'' منصور علی نے اسے نرمی سے سمجھایا۔
''پلیز منصور! اب مجھے کم وزن اور اچھی صحت کے بارے میں کوئی لیکچر دینا مت شروع کر دینا میں اس وقت بہت تھک گئی ہوں۔ اور کوئی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''
''ٹھیک ہے' میں تمہیں کوئی لیکچر نہیں دیتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگلے ہفتے جو ڈنر ہم ہارون کمال کو دے رہے ہیں' وہ اتنا اچھا ہو کہ ہارون کمال متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔'' منصور علی نے بات بدلتے ہوئے کہا۔
''تو یہ کون سی بڑی بات ہے' ہم بہت اچھا ڈنر دیں گے انہیں۔'' منیزہ منصور علی کی بات کے جواب میں لاپروائی سے بولی۔
''مجھے تو ویسے بھی وہ دونوں بہت اچھے لگے ہیں۔ خاص طور پر شائستہ...... آپ نے دیکھا' وہ میرے ڈائمنڈ کے سیٹ سے کتنی متاثر ہوئی تھی۔''
''خیر شائستہ اور ہارون کمال کے لیے یہ ڈائمنڈ سیٹ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں تھا' وہ خود بھی ڈائمنڈ ہی پہنے ہوئے تھی۔'' منصور علی نے جتایا۔
''ہاں پہنے ہوئے تھی۔ مگر میری جیولری اس سے بہت زیادہ قیمتی اور خوبصورت تھی اور شائستہ نے میری جیولری کی تعریف بھی کی تھی۔'' منیزہ اپنی بات پر اڑی رہی۔
منصور علی جواب میں صرف مسکرایا تھا۔

☆☆☆

گیارہواں باب

''**تمہارے** گھر میں نے کل بھی پیغام بھیجا تھا مگر تم کل آئے ہی نہیں۔'' عبدالکریم پینٹر نے سامنے کھڑے اس چودہ پندرہ سالہ سرخ وسفید خوبصورت دبلے پتلے لڑکے سے کہا جس کی مسیں ابھی بھیگ رہی تھیں۔

''کل میں کچھ مصروف تھا۔ آپ کا پیغام ملا تھا مگر اس وقت میں گھر پر نہیں تھا۔ اس لیے نہیں آسکا'' لڑکے نے بڑے مؤدب انداز میں کہا۔

''چلو خیر' کوئی بات نہیں ...... میں نے اس لیے کل پیغام دے دیا تھا کہ کچھ ارجنٹ کام آن پڑا تھا۔ تم کل آجاتے تو کام کچھ جلدی ہو جاتا'' عبدالکریم نے پینٹ کے ڈبے کو کھولتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کا ارجنٹ کام سب سے پہلے کر دوں گا۔ آپ کو وقت سے پہلے کام مل جائے گا'' لڑکے نے اطمینان دلایا۔

''ہاں وہ تو مجھے پتا ہے...... کام تو تم فوراً کر دو گے۔ مگر میں تو تمہاری سہولت کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔ جلد کام پر پہنچ جاتا تو تمہیں ہی آسانی ہوتی۔ اتنی افراتفری میں کام نہ کرنا پڑتا''

وہ لڑکا جواب میں کچھ کہنے کے بجائے دکان کے اندر داخل ہو گیا۔

''اس الماری میں دیکھو۔ چارٹ اور کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔'' عبدالکریم نے اسے اندر جاتے دیکھ کر پیچھے سے آواز لگائی۔ وہ لڑکا سیدھا اس الماری کی طرف چلا گیا۔ الماری میں کچھ چارٹ اور کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ان کتابوں کے نشان زدہ صفحات کو کھول کر دیکھا۔ کچھ دیر وہ انہیں دیکھتا رہا پھر عبدالکریم کی طرف آ گیا۔

''یہی صفحات ہیں؟'' اس نے باری باری عبدالکریم کو وہ کتابیں کھول کر دکھائیں۔

''ہاں یہی ہیں ...... ویسے میں نے ایک کاغذ پر ان صفحات اور ان چیزوں کے نام بھی لکھ دیے ہیں جنہیں تمہیں چارٹ پر اتارنا ہے ...... تم ایک دفعہ اس کاغذ کو بھی پڑھ لو اور دیکھ لو کہ یہ وہی صفحات ہیں۔'' عبدالکریم اسے ایک کاغذ تھماتے ہوئے کہا۔

لڑکے نے کاغذ پر نظریں دوڑائیں۔

''یہی سارے صفحات ہیں۔'' اس نے کاغذ کو جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہ پرسوں چاہیے۔'' عبدالکریم نے بتایا۔

''میں کوشش کروں گا کہ کل ہی آپ کو بنا کر دے دوں۔'' لڑکے نے ایک شاپر میں ان کتابوں کو ڈالتے ہوئے کہا۔

''کل دے دو تو اور اچھا ہے۔'' عبدالکریم نے کہا۔

''مجھے مارکر دے دیں۔'' لڑکے کو اچانک خیال آیا۔

''دیکھ لو وہاں سامنے پڑے ہیں۔'' عبدالکریم نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

وہ لڑکا بڑے مانوس انداز میں الماری کے اس حصے کی طرف بڑھ گیا جہاں بہت سے مارکرز اور مختلف قسم کے رنگ اور

برش پڑے ہوئے تھے۔ اس نے باری باری دو تین مارکرز کو ایک کاغذ پر چلا کر چیک کیا اور پھر انہیں بھی اس شاپر میں ڈال لیا جس میں اس نے ان کتابوں اور چارٹس کو ڈالا تھا۔

"پھر میں جاؤں؟" لڑکے نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں تم جاؤ......" عبدالکریم نے اس سے کہا۔ مگر پھر آواز دے کر اسے روک لیا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ تم سے اب بینر لکھوانا بھی شروع کر دوں...... بہت کام آ رہا ہے آج کل میرے پاس اور میں وقت پر کر ہی نہیں پا رہا۔" عبدالکریم نے ایک ڈبے میں تارپین کا تیل انڈیلتے ہوئے کہا۔ "تم نے سوچا ہے کبھی بینر لکھنے کا؟"

"نہیں سوچا تو کبھی نہیں...... مگر میں نے اس طرح کے رنگ کبھی استعمال نہیں کیے جو بینر پر استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے کہ میں اچھا بینر لکھ سکوں گا یا اسے خراب کر دوں گا" لڑکے نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"اس بارے میں تم فکر مند نہ ہو...... میں ہوں نا۔ تمہیں سب سکھا دوں گا...... دو چار بینر لکھو گے تو خود ہی ہاتھ صاف ہو جائے گا۔ اور پھر بینر کے تو پیسے بھی زیادہ ملیں گے۔ چارٹ کے تو کچھ بھی نہیں ملتے۔ چھٹی کے دو چار دن میرے پاس آ جاؤ...... میں تمہیں ساری بنیادی باتیں سکھا دوں گا...... تم ماشاء اللہ ویسے بھی ہر کام بڑی جلدی سیکھتے ہو۔"

عبدالکریم نے اس کی تعریف کی لڑکے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں امی سے بات کر کے آپ کو بتاؤں گا......" اس نے عبدالکریم سے کہا۔ وہ دکان سے نکل کر اپنی اس سائیکل کے پاس جا کھڑا ہوا جسے مختلف رنگوں کے نقش و نگار سے پینٹ کیا گیا تھا یقیناً یہ اس لڑکے کا اپنا ہی کمال تھا۔ وہ سائیکل کے ہینڈل پر شاپر لٹکا رہا تھا جب عبدالکریم نے ایک بار پھر اسے پیچھے سے آواز دی۔

"اپنے بھائی کو ذرا میرے پاس بھجوانا" لڑکے نے مڑ کر عبدالکریم کو دیکھا۔

"اچھا میں گھر جا کر انہیں بتا دوں گا۔ وہ شام کو ذرا دیر سے آتے ہیں۔ آپ دکان پر ہی ہوں گے؟"

"ہاں سات بجے تک تو میں دکان پر ہی رہوں گا...... اگر سات بجے تک وہ آ سکے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر اس سے کہنا کہ کل مجھ سے مل لے۔" عبدالکریم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ جی اچھا۔ میں کہہ دوں گا۔ لڑکے نے بڑی فرمانبرداری کے ساتھ کہا اور سائیکل پر سوار ہو گیا۔

عبدالکریم لاشعوری طور پر اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں میں اس لڑکے کے لیے ستائش تھی۔

☆☆☆

"مجھے یاد ہے بھئی...... میں نہیں بتاؤں گا کسی کو بھی۔" منصور علی نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ "ویسے اگر تمہاری ممی کو پتا چل بھی جائے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ وہ خاصی اچھی خاتون ہیں۔"

"ہاں۔ مجھے پتا ہے وہ بہت اچھی خاتون ہیں...... اور آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ وہ خشکی کو پسند نہیں کرتیں۔" امبر نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے انہیں یاد دلایا۔

"آج کوئی خاص بات ہے۔ باپ بیٹی باہر سے ہی اکٹھے آ رہے ہیں۔" منیزہ نے ان دونوں پر نظر ڈالتے ہوئے کچھ تجسس کے عالم میں کہا۔

"روشان کہاں ہے؟" منصور علی نے منیزہ کی بات کے جواب میں الٹا سوال کر دیا۔

"اپنے ایک دوست کی طرف گیا ہے۔"

"اس وقت؟" منصور علی نے قدرے تشویش سے گھڑی پر نظر ڈالی۔

"سہیل آیا تھا لینے...... ان دونوں کو کسی تیسرے دوست کی طرف جانا تھا......" منیزہ نے روشان کے دوست کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی تمہیں روک ٹوک کرنی چاہیے۔ اسے...... شام کے وقت اس کا باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔ ابھی وہ اتنا بڑا نہیں

ہوا۔'' منصور علی نے اسی انداز میں کہا۔
''بڑا نہیں ہوا...... مگر بڑا ہو تو رہا ہے۔ اب اس عمر میں بچوں کو باندھ کر رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں تو کہتی رہتی ہوں
اسے...... مگر آپ کو پتا ہے وہ کتنا ضدی ہے۔ امبر کی طرح آپ نے اسے بھی سر چڑھایا ہوا ہے پھر وہ میری بات کیوں سنے گا۔''
منیزہ نے کہا۔
امبر نے ان کی بات پر گردن کو ایک جھٹکا دیا۔ ''بس ممی کو پتا نہیں کیوں ہر بات میں میرا ریفرنس دینا ضروری ہوتا ہے
...... بات کسی کی بھی ہو رہی ہو...... ممی فوراً مجھ پر پہنچ جائیں گی۔ اور پاپا اگر روشان باہر چلا بھی جاتا ہے تو کیا برائی ہے...... سہیل
اس کا اتنا اچھا دوست ہے اور پھر اب روشان اتنا چھوٹا بھی نہیں ہے جتنا آپ اس کو سمجھتے ہیں...... اچھا ہے کچھ باہر نکلے گا تو اس
میں کانفیڈنس آئے گا۔
''آپ اس معاملے میں زیادہ ہی محتاط ہو رہے ہیں۔
پہلے تو آپ کے پاس یہ لاجک تھی کہ اپنا ملک نہیں ہے۔ پتا نہیں کیسے لوگ ہوں اس کے فرینڈز کے گھر والے...... اگر
کچھ نقصان پہنچ گیا تو...... مگر اب تو آپ اپنے ملک میں ہیں' اس کے سارے فرینڈز اور ان کے گھر والوں کو جانتے ہیں۔ پھر
آپ اتنا پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ اس کے دوست بھی تو اسی کی عمر کے ہیں مگر وہ کتنی آزادی سے ادھر اُدھر
گھومتے پھرتے ہیں اور روشان وہ بے چارہ ہر وقت مجھ سے شکایت ہی کرتا رہتا ہے۔'' امبر نے اس کی حمایت کرتے ہوئے
ایک لمبی تقریر کر ڈالی۔
''ایک اسے باپ کی سپورٹ...... دوسرے تمہارے جیسی بہن کی...... پھر میری وہ کہاں سننے والا ہے...... میں نے اسی
لیے اس کے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دیا ہے۔'' اس سے پہلے کہ امبر کی بات کے جواب میں منصور کچھ کہتے...... منیزہ بول
اٹھیں۔ ''پھر آپ کہتے رہتے ہیں کہ میں اسے سمجھاؤں۔ اس پر چیک رکھوں......''
''اچھا اب تم روشان کے قصے کو رہنے دو۔ بچہ ہے' وہ مجھے صرف اس لیے کچھ فکر ہوئی ہے...... ورنہ ایسی کوئی برائی نہیں
ہے اس میں۔''
منصور علی نے فوراً اپنا بیان بدلتے ہوئے کہا۔ ''اب تم ایسا کرو کہ مجھے چائے پلاؤ۔''
''چائے تو ابھی آ جاتی ہے۔ میں نے ملازمہ سے کہہ دیا تھا آپ کی گاڑی کا ہارن سن کر...... وہ ابھی لا رہی ہوگی۔''
منیزہ نے ایک بار پھر ٹی وی کا والیم بلند کرتے ہوئے منصور سے کہا۔ امبر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔
''بیٹا بیٹھو...... تم میرے ساتھ چائے ہی پی لو۔'' منصور علی نے بڑی محبت سے اسے دیکھا۔
''نہیں پاپا! کام ہے...... پہلے بھی میں نے اتنا انتظار کیا آپ کا۔'' اس نے جاتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

☆☆☆

منصور علی سے بات کرنے کے بعد امبر نے رخشی کو کال کی۔ ''رخشی! میں نے پاپا سے بات کر لی ہے۔''
''پھر...... وہ کیا کہہ رہے ہیں؟''
''وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ کوئی نہ کوئی انتظام کر دیں گے۔ مگر چند دن لگ جائیں گے۔''
''مجھے اندازہ ہے' مکان ڈھونڈنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔'' رخشی نے سنجیدگی سے کہا۔
''بس ٹھیک ہے مجھے ویسے ہی خیال آ رہا تھا کہ شاید تم جلدی شفٹ ہونا چاہو۔'' امبر نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔
''اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم کالج کب سے آ رہی ہو؟'' امبر نے اس سے پوچھا۔
''امبر! میں اپنی اسٹڈیز چھوڑنے کا سوچ رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے رخشی کی بات پر وہ کچھ چونک گئی۔
''بے وقوف مت بنو...... کم از کم گریجویشن تو کر لو۔ اب اتنا عرصہ تم نے پڑھا ہے۔ تو سب کچھ درمیان میں ہی چھوڑ
دو گی۔'' امبر نے اسے کچھ ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"مجھے پتا ہے مگر...... امبر! میں کوئی جاب کرنا چاہتی ہوں۔" رخشی نے اچانک کہا۔

"جاب ...... کیسی جاب؟" امبر اس کی بات پر حیران ہوئی۔ "اتنی کم کوالیفکیشن کے ساتھ تمہیں کوئی اچھی جاب کیسے مل سکتی ہے۔"

"مجھے پتا ہے کہ اتنی کوالیفکیشن کے ساتھ مجھے کوئی اچھی جاب نہیں مل سکتی' مگر میں کسی اچھی جاب کی تو بات کر بھی نہیں رہی۔ مجھے تو صرف جاب چاہیے' ایک ایسی جاب جو مجھے اس قابل کر دے کہ میں اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر اپنے گھر کو سپورٹ کر سکوں۔" رخشی نے کہا۔

"ہاں کل تک میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر اب ارادہ ہے۔"

"رخشی! تم کم از کم گریجویشن تو کر لو...... اس کے بعد تمہارے پاس بہتر آپشنز ہوں گے۔" امبر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کتنے بہتر آپشن...... گریجویشن کر کے بھی میں آخر کون سے بڑے کارنامے کر لوں گی...... ملے گی تو مجھے کوئی چھوٹی موٹی جاب ہی۔" رخشی نے قدرے تلخی سے کہا۔

"مگر رخشی! میرا کیا ہوگا...... میں تو تمہیں بہت مس کروں گی۔ اتنے دن سے تم کالج نہیں آ رہی ہو تو میری بھی اسٹڈیز میں دلچسپی ختم ہو رہی ہے اور جب تم مستقل طور پر نہیں آؤ گی۔ تو سوچو میں کیا کروں گی۔"

"میں بھی تمہیں بہت مس کروں گی...... مگر امبر میں مجبور ہوں...... اور سوچو کہ تم بھی تو ساری زندگی کالج میں نہیں رہو گی...... اور کچھ عرصہ کے بعد ویسے بھی تمہاری رخصتی ہو جائے گی...... تم تو کالج ویسے ہی چھوڑ دو گی۔"

"وہ تو بعد کی بات ہے...... میں تو ابھی کی بات کر رہی ہوں...... ابھی تو رخصتی نہیں ہوئی میری۔" امبر نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"سوچنے کی بات نہیں ہے...... بس تم اپنا فیصلہ بدل لو...... اور میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ جب تم گریجویشن کر لو گی تو میں تمہیں بہت اچھی جگہ جاب دلوا دوں گی۔ تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" امبر نے فوراً کہا۔

"تم میرے لیے کیا کیا کرو گی امبر...... ؟ کتنے احسان لیتی پھروں گی میں تمہارے...... گھر تم دلواؤ گی۔ جاب تم دلواؤ گی۔ میں......" امبر نے رخشی کو بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"اب تم جذباتی ہو رہی ہو۔ اس لیے میں فون بند کر رہی ہوں...... کل بات کروں گی۔" اس نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

☆☆☆

29.19 سال کا وہ لڑکا بڑی مستعدی کے ساتھ اس میڈیکل اسٹور میں گاہکوں کو بھگتانے میں مصروف تھا۔ رات کے اس پہر میڈیکل اسٹور پر آنے والے لوگوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔

اس لڑکے کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ وہ وہاں سیلز مین تھا۔ اگرچہ وہ بہت سادہ سی جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھا مگر اپنی شکل وصورت کے لحاظ سے وہ وہاں موجود دوسرے سیلز مین سے بہت مختلف نظر آ رہا تھا۔ نہ صرف اس کی غیر معمولی شکل وصورت نے اسے دوسروں سے الگ کر دیا تھا بلکہ اس کا بات کرنے کا طریقہ بھی یہ واضح کر رہا تھا کہ وہ معمولی پڑھا لکھا نہیں۔ اس کے بال بڑے سلیقے کے ساتھ بنے ہوئے تھے اور رات کے اس وقت بھی وہ بہت اچھے حلیے میں تھے۔

اس وقت اس کے سامنے سفاری سوٹ میں ملبوس ایک آدمی ایک نسخہ لیے کھڑا تھا۔ اس نے ایک نظر اس نسخے پر ڈالی' باری باری وہ تمام اشیاء نکال کر اس آدمی کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دیں اور پھر ایک کیش میمو پر ان تمام میڈیسنز کا بل بنا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کاؤنٹر پر جا کر بل پے کر دیں۔ میں ان میڈیسنز کو پیک کر دیتا ہوں۔" وہ ان میڈیسنز کو ایک لفافے میں ڈالتا

ہوا خود بھی کاؤنٹر پر چلا آیا۔
"سر! میری شفٹ ختم ہو رہی ہے۔" اس لڑکے نے وہاں کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے مالک سے کہا اس نے سر اٹھا کر وال کلاک پر نظر ڈالی اور پھر مسکرایا۔
"شفٹ تو تمہاری ایک گھنٹہ پہلے ختم ہو گئی تھی۔"
"سر! رش بہت تھا اس لیے میں نہیں گیا۔" اس لڑکے نے جواباً کہا۔
"خرم مری سے واپس آ گیا ہے۔" اس نے لڑکے کو مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔
"اچھا..... کب آیا ہے؟" وہ لڑکا بھی جواباً مسکرایا۔
"کل رات کو آئے ہیں وہ سب لوگ۔ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں تم سے پوچھوں کہ تم دوبارہ کب آ رہے ہو اسے پڑھانے کے لیے۔"
"آپ آج مجھے صبح بتا دیتے تو میں آج چلا جاتا..... کل سے آ جایا کروں گا۔" اس لڑکے نے کہا۔
"نہیں..... نہیں آج تم آ بھی جاتے تو وہ پڑھ نہیں سکتا تھا..... بہت تھکا ہوا تھا۔ کل سے نہیں تم پرسوں سے آ جانا۔"
اس آدمی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
"خرم کہہ رہا تھا کہ وہ ٹائم کچھ تبدیل کروانا چاہتا ہے۔ مگر میں نے اس سے کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ تمہیں یہاں بھی آنا ہوتا ہے۔" مالک کے جملے پر اس لڑکے کے چہرے پر ایک ممنون مسکراہٹ ابھری۔
"مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تمہیں فون کرے گا یہاں اسٹور پر..... مگر مجھے لگتا ہے اس نے کیا نہیں۔"
"خرم صاحب کا فون آیا تھا۔ میں نے ریسیو کیا تھا اس وقت تم ساتھ والے میڈیکل اسٹور پر گئے ہوئے تھے۔" پیچھے کھڑے سیلز مین نے لڑکے سے کہا۔
"دیکھا..... میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ خرم شہر پہنچ گیا ہو اور تمہیں اطلاع دینے کی کوشش نہ کرے..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے کچھ مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم جاؤ..... تمہیں دیر ہو رہی ہو گی۔ میں بھی خوامخواہ تمہارا وقت ضائع کر رہا ہوں۔"
"نہیں سر کوئی بات نہیں۔" اس لڑکے نے کہا اور خدا حافظ کہتے ہوئے کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل گیا۔ وہ اب اپنے سر پر ایک پی کیپ پہن رہا تھا۔ کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھا ہوا آدمی بہت دیر تک اسٹور کے شیشوں سے اس لڑکے پر نظریں جمائے رہا۔
"اس بچے کی تربیت بہت اچھی ہوئی ہے..... پتا چلتا ہے کہ نیک ماں باپ کی اولاد ہے۔ بہت آگے جائے گا یہ۔" وہ چند لمحے بعد خود کلامی کے انداز میں بولا تھا۔

☆☆☆

"ممی! آج ہمارے گھر کون آ رہا ہے؟" امبر نے کالج سے آنے پر گھر میں خاصی چہل پہل دیکھی۔ ملازم بڑے جوش و خروش کے عالم میں ڈسٹنگ میں مصروف تھے جبکہ کچن میں بہت سی ڈشز تیار کی جا رہی تھیں۔
"ہاں..... وہ یاد ہے پچھلے ہفتے ہم تمہارے پاپا کے جس دوست کے گھر گئے تھے۔ آج وہی اپنی فیملی کے ساتھ رات کے کھانے پر آ رہے ہیں۔" منیزہ نے بتایا۔
"پاپا کے یہ ایسے کون سے خاص دوست ہیں جن کی آمد پر اتنا اہتمام ہو رہا ہے؟" امبر کو کچھ حیرت ہوئی کیونکہ جس انداز سے تیاریاں ہو رہی تھیں یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بہت ہی خاص الخاص مہمان آ رہا ہو.....
"صرف دوست نہیں ہیں۔ تمہارے پاپا کے بزنس پارٹنر بھی بننے والے ہیں۔" منیزہ نے انکشاف کیا۔
"اچھا..... یہ بزنس ڈنر ہے۔" امبر نے ایک گہرا سانس لیا۔
"مجھے بھی حیرت ہو رہی تھی کہ پاپا عام طور پر تو اپنے بہت پرانے اور گہرے دوستوں کی آمد پر بھی اتنا اہتمام نہیں کرتے"

حالانکہ یہ خاصا نیا مہمان اور دوست ہے ...... پاپا اسے بزنس کے لیے ہی اہمیت دے رہے ہوں گے۔" امبر اپنے باپ کو جانتی تھی۔
"ہاں اہمیت تو بزنس کی وجہ سے ہی دے رہے ہیں۔ مگر امبر! فیملی بہت اچھی ہے ...... خاص طور پر اس شخص کی بیوی ...... اس ملک کے چند بڑے خاندانوں میں شمار ہوتا ہے ان کا۔" منیزہ نے بڑے جوش سے کہا مگر امبر متاثر نہیں ہوئی۔
"ہوں گے۔ ہمیں کیا ...... میں تو پھر رات کا کھانا اپنے کمرے میں ہی کھاؤں گی۔" اس نے اعلان کیا۔
"نہیں۔ کھانا سب ان کے ساتھ ہی کھائیں گے۔ تمہارے پاپا نے خاص طور پر تاکید کی ہے۔" منیزہ نے کہا۔
"مگر ممی! آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں ایسے بزنس ڈنرز میں کبھی بھی نہیں آتی۔ اتنا مصنوعی ماحول ہوتا ہے۔ میں اپنے کمرے میں ہی ٹھیک ہوں۔"
"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ آج کے ڈنر کے بارے میں خاص طور پر تمہارے پاپا نے ہدایت کی ہے کہ سب کھانا اکٹھے ہی کھائیں گے۔ یہ کوئی عام فیملی نہیں ہے۔" انہوں نے ایک بار پھر امبر کو جتایا۔
"پاپا سے میں خود بات کر لوں گی۔ وہ کچھ نہیں کہیں گے۔" امبر نے لاپروائی سے کہا۔
"پچھلی بار جب انہوں نے بلایا تھا تو تم تب بھی ان کے ہاں نہیں گئیں ...... اب آج اگر تم پھر نہیں ہوئیں تو انہیں کتنا بُرا لگے گا۔"
"ممی! کوئی بُرا نہیں لگے گا۔ آپ کوئی بھی بہانا بنا دیں ...... ایسے لوگ بہت زیادہ پروا نہیں کرتے کسی کی ...... ویسے بھی باقی سب تو ٹیبل پر ہوں گے ہی ...... بس میں نہیں ہوں گی۔ تو انہیں کیا فرق پڑے گا۔ پاپا میری عادتوں کو جانتے ہیں وہ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"
منیزہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا مگر اس کے بات کرنے سے پہلے ہی امبر نے اس کی بات مکمل کر دی۔ اور پھر مزید کچھ کہے بغیر اپنا بیگ اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

ہارون کمال کو اس رات ایک بار پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ منصور علی کے سارے بچے وہاں موجود تھے ماسوائے امبر منصور علی کے ...... اس کے استفسار پر منیزہ نے کہا کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔ اس لیے وہ سو رہی ہے۔ ہارون کمال نے اس کے بارے میں دوبارہ دریافت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مگر اس کی مایوسی اپنی انتہا کو چھو رہی تھی۔ وہ جتنا اس سے ملنے کی کوشش کر رہا تھا اتنا ہی ناکام ہو رہا تھا۔
منصور علی ایک بہت اچھا میزبان تھا اور اس نے یقیناً اس کی خاطر مدارت کے لیے بہت بہترین انتظامات کر رکھے تھے مگر امبر کی وہاں غیر موجودگی نے ہارون کمال کے تمام اشتیاق پر پانی پھیر دیا تھا وہ اپنی اندرونی کیفیات اور جذبات کو چھپاتے ہوئے بظاہر مسکراتے ہوئے منصور علی اور اس کے خاندان سے باتیں کرتا رہا۔ خود شائستہ بھی منصور علی کے گھر اور شاید گھر سے زیادہ اپنی آؤ بھگت سے متاثر ہوئی تھی۔
وہ لوگ جا رہے تھے جب امبر کسی کام سے اپنے کمرے سے نکلی تھی اور اس نے جاتے جاتے ہارون کمال کو دیکھ لیا تھا جو منصور علی کے ساتھ باہر نکل رہا تھا۔ امبر نے کسی توقف کے بغیر اسے پہچان لیا تھا وہ وہی آدمی تھا جو چند ہفتے پہلے اس دعوت میں اسے اپنا کارڈ دے رہا تھا ...... وہ ہارون کمال کو یہاں اپنے گھر میں دیکھ کر عجیب سے تذبذب کا شکار ہو گئی تھی۔
اسے اندازہ نہیں تھا کہ ہارون کمال اس حقیقت سے واقف تھا یا نہیں کہ منصور علی امبر کا باپ تھا۔ اس نے چند ہفتے پہلے اس پارٹی میں پہلی ہی نظر میں ہارون کمال کو ناپسند کیا تھا ...... وہ بہت ہینڈسم آدمی تھا مگر امبر کو وہ اچھا نہیں لگا تھا اور ایسا لاشعوری طور پر ہوا تھا۔ اور اب اسی آدمی کو ایک خاص مہمان کے طور پر اپنے گھر میں دیکھ کر وہ کچھ عجیب سی کیفیات کا شکار ہو رہی تھی۔
کچھ دیر بعد منصور علی اور منیزہ باہر سے اندر آئے تو امبر وہیں کھڑی تھی۔ روشان صبغہ وغیرہ کے ساتھ پہلے ہی اپنے بیڈ روم میں جا چکا تھا۔

''اب آنے کا کیا فائدہ؟ وہ لوگ تو چلے گئے۔'' منیزہ نے اسے وہاں کھڑے دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید وہ ان مہمانوں سے ملنے کے لیے وہاں آئی تھی۔

''ہاں مجھے پتا ہے کہ وہ چلے گئے ہیں۔ میں اسی لیے تو یہاں آئی ہوں۔'' امبر نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا ہوتا تم بھی ان سے مل لیتیں ...... تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے وہ دونوں۔'' منیزہ نے کہا منصور علی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

''ان کی بیوی پوچھ رہی تھیں میرے بارے میں؟'' امبر نے اگلا سوال کیا۔

''نہیں بھئی' وہ خود بھی پوچھ رہے تھے بلکہ سب سے پہلے تو انہوں نے ہی تمہارا ذکر کیا۔'' امبر کچھ الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''ممی! پاپا کے یہ دوست کتنے پرانے ہیں؟''

''زیادہ پرانے نہیں ہیں۔ چند ہفتے پہلے ہی ان کی دوستی ہوئی ہے منصور سے۔'' منیزہ نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پاپا ان کے ساتھ کیا بزنس کرنا چاہتے ہیں؟''

''یہ اکٹھے بزنس کرنے کا آئیڈیا کس کا تھا؟ ہارون کمال کا؟'' امبر نے منیزہ سے پوچھا۔

''نہیں بنیادی طور پر تو یہ تمہارے پاپا کا ہی ارادہ ہے۔ ہارون کمال سے تو ابھی سرسری سی بات ہوئی ہے...... کوئی تفصیلات طے نہیں ہوئیں ...... صرف یہ ہے کہ اس کا رویہ بہت پوزیٹو تھا۔'' منیزہ نے کہا۔

''ویسے ممی یہ کچھ رسکی نہیں ہے ...... میرا مطلب ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ساتھ بزنس شروع کرنا ...... جسے پاپا ٹھیک طرح سے جانتے بھی نہیں۔'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پاپا تو اتنی جلدی کسی پر اعتبار نہیں کرتے اور بزنس کرنا تو بہت دور کی بات ہے پھر ہارون کمال کے بارے میں وہ کچھ ضرورت سے زیادہ گرم جوشی نہیں دکھا رہے۔''

''تمہیں ہارون کمال کے بارے میں پتا نہیں ہے۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے ...... اس ملک کے چند بڑے انڈسٹریلسٹس میں سے ایک ہے وہ۔ اس کے ساتھ اگر وہ پارٹنر بنتے ہیں تو اس میں ہارون سے زیادہ ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہارون کمال کو تو یہاں کسی تعارف کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کی بہت اچھی ساکھ ہے ...... مگر منصور کو اس کے ساتھ کام کرکے بہت فائدہ ہوگا۔'' منیزہ نے مرعوب سے انداز میں کہا۔

''ممی! اگر ہارون کمال کے پاس سب کچھ ہے تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے پاپا کے ساتھ بزنس کرنے کی کیا ضرورت ہے ...... آپ خود ہی کہہ رہی ہیں کہ وہ چند بڑے انڈسٹریلسٹس میں سے ایک ہے۔ پھر آخر اسے کیا ضرورت آن پڑی ہے کہ وہ پاپا جیسے ایک نئے آدمی کے ساتھ بزنس پارٹنرشپ کرنے کا سوچ رہا ہے ...... ایسے لوگ تو سولو فلائٹ پر یقین رکھتے ہیں۔'' امبر اب بھی مطمئن نہیں ہوئی۔

''اب اس طرح کی باتیں تو ہارون کمال سے پوچھی نہیں جا سکتیں یقیناً اسے بھی کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور نظر آیا ہوگا۔ ورنہ وہ سوشل ورک کے طور پر تو یہ کام نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔''

''اس کی وائف تو خاصی خوبصورت ہے۔'' امبر نے شائستہ کی تعریف کی وہ جاتے جاتے اسے دیکھ چکی تھی اور اس سے واقعی متاثر ہوئی تھی۔

''ہاں' شائستہ واقعی بہت خوبصورت ہے۔ مجھے تو خود بہت اچھی لگی ہے اور اخلاق بھی بہت اچھا ہے اس کا۔'' منیزہ نے کھلے دل سے شائستہ کی تعریف کی۔

''ویسے مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم ان کے بارے میں اتنا کیوں پوچھ رہی ہو۔ اس سے پہلے تو تم نے کبھی اپنے پاپا کے کسی دوست یا ان کے خاندان میں اتنی دلچسپی نہیں لی؟''

''اس سے پہلے پاپا نے بھی تو کبھی اپنے کسی دوست کو ہارون کمال اور اس کی فیملی جتنی اہمیت نہیں دی۔'' اس نے نرگی؛

رکھی جواب دیا۔
منیزہ نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ جبکہ امبر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بھی ہارون کمال کے بارے میں سوچتی رہی۔

اپنی خوبصورتی کی وجہ سے وہ ہمیشہ لوگوں کی خاص توجہ کا مرکز بنتی رہی تھی اور اسی وجہ سے وہ چھوٹی موٹی باتیں اکثور بھی کر دیا کرتی تھی ...... ہارون کمال کے بارے میں اسے واحد تشویش یہ تھی کہ وہ اس سے ہونے والی ملاقات کے چند ہفتوں بعد ہی ایک خاص مہمان کے طور پر اس کے گھر پر موجود تھا......

وہ آدمی بہت پُرکشش تھا مگر امبر کو لاشعوری طور پر اس کے لیے عجیب سی ناپسندیدگی محسوس ہو رہی تھی ...... وہ اس ناپسندیدگی کی کوئی بھی وجہ تلاش کرنے میں ناکام ہو رہی تھی ...... صرف یہ تھا کہ جب بھی وہ ہارون کمال کا تصور کرتی اس کے ماتھے پر غیر محسوس طور پر کچھ بل نمودار ہو جاتے تھے۔ وہ لاشعوری طور پر اس سے تنفر محسوس کر رہی تھی اور ایسا اس کے ساتھ بہت کم ہوتا تھا مگر اس بار ایسا ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"آپ نے گانا کیوں چھوڑ دیا؟" اس منحنی سے قد وقامت والے اخبار نویس نے عینک کو اپنی ناک پر نئے سرے سے ٹکاتے ہوئے اگلا سوال پوچھا۔ سامنے بیٹھی ہوئی عورت مسکرائی۔ اخبار نویس نے اعتراف کیا کہ اس کی مسکراہٹ آج بھی اتنی ہی خوبصورت تھی جتنی بیس سال پہلے ...... جب وہ اس کے پروگرامز میں اسے سننے جایا کرتا تھا۔

"چھوڑا کہاں ...... چھڑوا دیا گیا۔" اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"کس نے چھڑوایا؟" اخبار نویس نے فوراً پوچھا۔

"گھرداری نے چھڑوا دیا۔" اس نے بلاتوقف کہا۔

"یہ تو بڑا ظلم کیا آپ نے اپنے سننے والوں پر۔"

"سننے والوں سے زیادہ اپنے اوپر ظلم کیا ...... مگر اختر صاحب کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں۔" اس نے ایک اور گہرا سانس لیا۔

"ارے مجبوریوں کو چھوڑیں ...... بہت ساری گلوکارائیں گھرداری بھی کرتی ہیں اور انہوں نے گانا بھی نہیں چھوڑا۔"

"وہ خوش قسمت ہوتی ہیں۔"

"خوش قسمت تو آپ بھی تھیں۔ مگر آپ نے خود ہی اپنی آواز اور سننے والوں کے ساتھ زیادتی کی ...... بلکہ میں تو کہتا ہوں قوم کو ایک اچھی آواز بلکہ موسیقی کے ایک قیمتی اثاثہ سے محروم کر دیا۔" اخبار نویس نے وہ جملہ بولا جو وہ ایسے انٹرویوز کے دوران ہزاروں بار بول چکا تھا۔

"بس اب تو وقت گزر گیا' اب کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے اپنی بھڑکیلی چمک دار ساڑھی کے پلو کو اپنے گرد لپیٹتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا جناب! اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں' آپ آج موسیقی کی دنیا میں اپنی واپسی کا اعلان کر دیں تو تہلکہ مچ جائے گا۔" اخبار نویس نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ پیسٹری سے انصاف کرتے ہوئے کہا۔

"بڑی بڑی گلوکاراؤں کے پیروں تلے سے زمین نکل جائے گی ...... آپ ایک دفعہ آنے کا اعلان تو کریں۔"

"چھوڑیں اختر صاحب! اب تو وقت گزر گیا ...... ہم تو بہت پرانے ہو گئے۔"

"ارے بھئی' آپ نے وہ کہاوت سنی ہے۔ گھسی پٹی سہی مگر سچی تو ہے Old is gold ...... آپ جیسی آوازیں تو انمول ہوتی ہیں جب جب آدمی سنتا ہے مسحور ہو جاتا ہے۔" اخبار نویس نے ایک اور پیسٹری اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ اس کی بات پر چمکنے لگا۔

"یہ تو آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ آپ نے اب تک یاد رکھا ہوا ہے اختر صاحب ......!"

"ہم نے کیا یاد رکھا ہے ...... اچھی آواز اور اچھا چہرہ خود اپنے آپ کو یاد رکھواتے ہیں۔ اور آپ تو ماشاء اللہ دونوں

خوبیاں رکھتی ہیں۔ میرے پاس تو گھر میں اب بھی آپ کے ریکارڈ پڑے ہوئے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی دونوں کے ...... بلکہ فلموں کے بھی ...... اکثر بیٹھ کر سنتا ہوں میں ...... بلکہ بعض دفعہ تو اپنے احباب کو بھی سنواتا ہوں کہ دیکھیں کیسی کیسی آوازیں ہیں جو گوشہ گمنامی میں جا بیٹھیں۔"

اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔ "گوشہ گمنامی کس کو اچھا لگتا ہے اختر صاحب! یہ تو مجبوریاں ہوتی ہیں جو یوں سب کچھ چھوڑ دینے پر مجبور کرتی ہیں۔"

"آپ تو مجھے بتا رہی تھیں کہ آپ کے شوہر نے آپ کی آواز کے عشق میں گرفتار ہو کر آپ سے شادی کی ...... پھر انہوں نے آپ کے گانے پر پابندی کیوں لگا دی۔ انہیں آپ جیسی اچھی گلوکارہ کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔"

"وہ بھی مجبور تھے ...... آپ کو تو پتا ہے وڈیرے ہیں وہ ...... شادی کے بعد اندرون سندھ جا کر رہنا پڑا مجھے ...... شہر میں رہتی تو شاید کبھی گا ہی لیتی مگر گوٹھ سے صرف گانے کی ریکارڈنگ کے لیے شہر آنا ممکن نہیں تھا میرے لیے۔"

"تو کبھی کبھار کوئی پروگرام ہی کر لیتیں ...... کسی محفل کا انعقاد ہی کر دیتیں۔ کوئی دعوت ہی سجا دیتیں۔"

"میرے شوہر کو یہ پسند نہیں تھا آپ کو تو پتا ہی ہے کہ وڈیرے اس معاملے میں کتنے تنگ نظر ہوتے ہیں۔ وہ میرا اس طرح پروگرام کرنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے میں نے ایسے پروگرام کرنا ہی چھوڑ دیے ...... بعد میں میں نے آپ کو بتایا ناں کہ گھرداری میں اتنی مصروف ہو گئی کہ گیت سنگیت رفتہ رفتہ دماغ سے نکل ہی گیا۔" اس نے اپنے ہاتھ کی موٹی انگلیوں میں ایک انگوٹھی کو گھماتے ہوئے کہا۔

"دماغ سے نکلا ہوگا ...... دل سے تو نہیں نکلا ہوگا۔" وہ ہنسی۔

"ہاں دل سے تو نہیں نکلا۔ مگر دل سے تو بہت کچھ نہیں نکلتا ...... ساری بات تو دماغ سے نکلنے کی ہوتی ہے اور دماغ سے موسیقی کو نکال دیا میں نے۔" وہ اس بار پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

"میرا خیال ہے منیزہ بھابھی زیادہ سوشل نہیں ہیں۔" ہارون نے منصور علی سے کہا۔ وہ دونوں گالف کھیل رہے تھے اور اس وقت ہارون شاٹ لگانے کے بعد منصور علی کے ساتھ آگے جا رہا تھا جب باتیں کرتے کرتے اس نے اچانک منصور علی سے کہا۔

"منیزہ۔ ہاں وہ زیادہ سوشل نہیں ہے۔ اسے زیادہ شوق نہیں ہے ان پارٹیز وغیرہ میں جانے کا ...... پھر بچے بھی ابھی چھوٹے ہیں اس لیے اسے گھر پر بھی توجہ دینی پڑتی ہے۔" منصور علی نے کچھ مدافعانہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ میں نے بھی اندازہ لگایا تھا۔ "مگر منصور ...... یہ بہت ضروری ہے کہ بھابھی تمہارے ساتھ پارٹیز میں شرکت کیا کریں ...... بزنس میں آگے بڑھنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ تمہاری بیوی بھی تمہارے ساتھ ان سرگرمیوں میں دلچسپی لے ...... یہ صرف پارٹیز نہیں ہوتیں ...... آدھی بزنس ڈیلز ان ہی پارٹیز میں طے ہوتی ہیں۔ اس کے بغیر تم کہیں کھڑے نہیں ہو سکو گے۔" ہارون کمال نے قدرے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ جتنے بھی آفیسرز یا بزنس مین ہیں' اپنی بیوی کی بات کبھی نہیں ٹال سکتے ...... اور یہ ضروری ہے کہ آپ کی اپنی بیوی کے ان کی بیویوں کے ساتھ اچھے تعلقات ہوں۔"

"ہاں۔ مجھے اندازہ ہے مگر ...... اب منیزہ کو شوق نہیں ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"شوق تو پیدا کیا جاتا ہے ...... اور ہر چیز کے لیے شوق پیدا کیا جا سکتا ہے اور دوسری بات جو تم بچے چھوٹے ہونے کی کہہ رہے تھے تو تمہارے بچے اتنے چھوٹے نہیں ہیں ...... اسکول کالج جا رہے ہیں ...... پھر اگر بندہ ملازم افورڈ کر سکتا ہو تو ہر چیز بیوی پر ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم دیکھو میرے بھی بچے ہیں اور تمہارے بچوں کے ہی ہم عمر ہیں مگر شائستہ نے ہر چیز بہت پرفیکٹ طریقے سے سنبھال رکھی ہے ......" ہارون نے شائستہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"شائستہ بھابھی تو غیر معمولی عورت ہیں۔ ہر عورت ان جیسی خوبیوں کی مالک نہیں ہوتی۔" منصور علی نے شائستہ کی

تعریف کی۔ ''منیزہ اگر سوشل ہونے کی کوشش کرے بھی تو بھی وہ شائستہ بھابھی جیسی ہر دل عزیز نہیں ہو سکتی۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے شائستہ واقعی بہت ایکسٹرا اوڈنری قسم کی عورت ہے مگر منیزہ بھابھی اس جیسی سوشل نہ ہوں تھوڑا بہت ہی باہر آنا جانا شروع کریں تو بھی تمہارے بزنس پر بڑا زبردست اثر پڑ سکتا ہے۔''

''ہارون! شائستہ بھابھی تو اسمارٹ بھی بہت ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو مین ٹین کیا ہوا ہے..... منیزہ تو اس معاملے میں بھی بہت لاپرواہ ہے۔'' منصور علی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''ہاں۔ بھابھی کو اپنے آپ کو کچھ فٹ تو کرنا ہی پڑے گا..... حالانکہ وہ جتنی خوبصورت ہیں وزن کم کر کے وہ بہت کم عمر اور اٹریکٹو لگ سکتی ہیں۔'' ہارون کمال نے خاصی بے تکلفی سے کہا۔ کچھ دیر دونوں خاموش چلتے رہے پھر ہارون نے کہا۔

''یا پھر تمہارے لیے ایک اور آپشن ہو سکتا ہے۔''

''کیا آپشن؟''

''تم اپنی کوئی سیکرٹری رکھو..... کوئی کم عمر خوبصورت سی لڑکی..... اس کو پارٹیز میں لے جایا کرو..... کئی لوگ ایسا بھی کرتے ہیں بلکہ میں نے خود بھی ایک سیکرٹری رکھی ہوئی ہے۔ کئی بار وہ میرے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کرتی ہے۔'' اس نے منصور علی کو مشورہ دیا۔

''میں نے کبھی سیکرٹری نہیں رکھی..... میرا مطلب ہے..... کوئی خاتون سیکرٹری۔'' منصور علی کچھ ہچکچایا۔

''یہی تو میرے لیے حیران کن بات ہے کہ تم کسی لڑکی کو اپنی سیکرٹری کیوں نہیں رکھتے..... تم اس قدر ٹیلنٹڈ ہو..... پیسہ بھی ہے تمہارے پاس..... تمہیں دو جمع دو چار کرنا بھی آتا ہے مگر واحد چیز جو تمہاری ترقی میں رکاوٹ بنے گی وہ کاروباری روابط اور تعلقات کی کمی ہے۔ منی ایکسچینج کا بزنس اور طرح کا ہوتا ہے وہاں اتنے سوشل نہ بھی ہوں تب بھی اگر ساکھ اچھی ہے تو کام چل جاتا ہے مگر فیکٹریز چلانا ایک بالکل مختلف چیز ہے اس میں زیادہ سے زیادہ سہاروں کی ضرورت پڑتی ہے اور ایک اچھی خوبصورت سیکرٹری ان سہاروں میں سے سب سے مضبوط سہارا ثابت ہوتی ہے۔ تمہیں اگر یقین نہ ہو تو تم آزمالو۔'' ہارون نے بڑے وثوق کے ساتھ کہا۔

''میں سوچوں گا اس بارے میں۔''

''اچھی چیزوں کے بارے میں زیادہ سوچنا نہیں چاہیے۔ خاص طور پر اچھے مشورے کے بارے میں..... اور اس بات کی گارنٹی تمہیں میں دیتا ہوں کہ یہ مشورہ اچھا ہے۔'' ہارون کمال نے اس بار مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے اصل میں اس معاملے کے بارے میں منیزہ سے بھی بات کرنی پڑے گی۔'' منصور علی نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں؟'' ہارون کمال نے حیرت ظاہر کی۔

''اس کی رضامندی کے بغیر تو میں کسی عورت کو سیکرٹری نہیں رکھ سکتا اور پھر سیکرٹری بھی وہ جسے میں پارٹیز میں لے جایا کروں گا۔'' منصور علی نے کہا۔ ہارون کمال نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا۔

''او کے۔ پھر میری بات لکھ لو کہ بھابھی تمہیں کبھی سیکرٹری رکھنے کی اجازت نہیں دیں گی..... کبھی بیوی سے پوچھ کر کوئی سیکرٹری رکھتا ہے اور وہ بھی یہ بتا کر کہ وہ تمہارے ساتھ پارٹیز میں جایا کرے گی..... کم آن منصور۔'' ہارون کمال نے اس کا مذاق اڑایا۔ ''میں نے جب سیکرٹری رکھی تھی تو میں نے شائستہ سے پوچھنا تو ایک طرف اسے بتانا تک ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اور اسے جب پتا چلا تھا تو اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا اس نے اسے بڑے معمول کی چیز کے طور پر لیا تھا۔''

''شائستہ بھابھی اور منیزہ میں بہت فرق ہے۔'' منصور علی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''شائستہ بھابھی کچھ اور طرح کی عورت ہیں اور منیزہ کچھ اور طرح کی..... جو بات شائستہ بھابھی کیلئے قابل اعتراض نہیں ہوتی وہ منیزہ کے لیے بہت زیادہ قابل اعتراض ہو سکتی ہے۔''

''اسی لیے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم بھابھی کو اس بارے میں مت بتاؤ۔ بعد میں انہیں پتا چلے گا تو وہ کچھ نہیں کر سکیں

گی مگر پہلے ان کی اجازت لینے کی کوشش کرو گے تو شاید وہ طوفان ہی برپا کر دیں...... منیزہ بھابھی جیسی عورتوں کو سیکرٹری دوسری بیوی کی طرح لگتی ہے۔" منصور علی اس کی بات پر مسکرایا۔

اسے ہارون کمال کی تجویز کچھ اتنی بری نہیں لگی تھی...... وہ جب سے یہاں پارٹیز میں شرکت کر رہا تھا وہ خود بھی یہ دیکھ رہا تھا کہ بیوی یا سیکرٹری کا ساتھ ہونا کتنا اہم ہوتا ہے وہ بیوی پر اس حوالے سے کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا تھا کیونکہ وہ منیزہ کی فطرت اور عادتوں کو بہت اچھی طرح جانتا تھا مگر کوئی سیکرٹری رکھنے کے بارے میں واقعی غور کیا جا سکتا تھا۔

"سیکرٹری کے سلسلے میں تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو۔" کچھ دیر بعد اس نے مستحکم لہجے میں ہارون کمال سے کہا یوں جیسے وہ کسی فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ ہارون کمال نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"کیوں نہیں ضرور میں بہت سی لڑکیوں کو جانتا ہوں اور میں انہیں تمہارے پاس بھجوا بھی سکتا ہوں...... مگر میں چاہتا ہوں تم یہ کام خود کرو...... خود ایڈ دے کر انٹرویو لو گے تو تمہیں آئیڈیا ہو سکے گا کہ تمہارے لیے کون سی سیکرٹری ٹھیک ہے۔"

"مجھے تو صرف ایک ایسی سیکرٹری چاہیے جو میرے لیے اچھا کام کر سکے۔" منصور علی نے کہا۔

"نہیں۔ تمہیں صرف ایک ایسی سیکرٹری چاہیے جو بہت خوبصورت ہو۔ خوبصورت عورت ہر کام اچھا ہی کرتی ہے یا کروا لیتی ہے۔" ہارون کمال نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ منصور علی نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر اسے مسکراتا دیکھ کر خود بھی مسکرا دیا۔

"تم اپنا ایڈ نیوز پیپر میں دے دو۔ کچھ لڑکیوں کو میں بھی تمہارے پاس بھجواؤں گا...... تم دیکھ لینا کہ ان میں سے کون سی تمہارے لیے مناسب ہے۔ ہو سکتا ہے ایڈ دیکھ کر تمہارے پاس کوئی ان سے بہتر لڑکی آ جائے۔"

منصور علی نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے صرف سر ہلا دیا۔

☆☆☆

دبلی پتلی چودہ پندرہ سال کی وہ لڑکی اس وقت ہاتھ سینے پر باندھے سر جھکائے اسٹیج پر ہونے والی تلاوت سننے میں مصروف تھی۔ اس نے اپنی Sash (اعزازی پٹی) کے ایک سرے سے اپنے سر کو ڈھانپا ہوا تھا۔ اس کی نظریں اس وقت زمین پر مرکوز تھیں۔ مائیک کے سامنے موجود لڑکی تلاوت ختم کرنے کے بعد اب ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے آخری لائن دہرا رہی تھی۔

"اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟"

تلاوت کرنے والی لڑکی مائیک کے سامنے سے گئی۔

اس لڑکی نے سینے پر باندھے ہوئے بازو کھولتے ہوئے سر اوپر اٹھایا اور ایک ہاتھ سے اپنے سر پر موجود Sash کو اتار دیا۔ اس کا یونیفارم کسی سلوٹ یا داغ دھبے کے بغیر تھا یوں جیسے وہ ابھی ابھی لانڈری سے نکال کر پہنا گیا تھا مگر کوئی بھی اسے قریب سے دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ یونیفارم نیا نہیں تھا بلکہ بہت زیادہ استعمال کیا گیا تھا۔ اسے بہت اچھی طرح کلف لگا کر استری کی گئی تھی۔...... نہ ہی اس میں کہیں پیلاہٹ جھلک رہی تھی۔ اس لڑکی کے پیروں میں موجود سیاہ جوتے بھی بہت اچھی طرح پالش کیے گئے تھے مگر وہ بھی بہت زیادہ استعمال کیے ہوئے تھے۔

اس لڑکی میں کوئی ایسی خاص بات ضرور تھی کہ وہ ہر حال میں اچھی لگتی ہے۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر کوئی بھی اس کی ذہانت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ سیاہ چمک دار بالوں کو جو ایک فٹ سے زیادہ لمبے نہیں تھے۔ انہیں سیاہ ربر بینڈ سے پونی کی شکل میں باندھ رکھا تھا وہ اپنے سر پر کچھ ہیئر پن بھی بڑی نفاست سے لگائے ہوئے تھی تاکہ اس کے بال ربر بینڈ سے نکلنے کی صورت میں بھی اس کے چہرے پر نہ آ سکیں۔

وہاں کھڑی دوسری لڑکیوں کے برعکس اس کے کندھے آگے کو جھکے ہوئے نہیں تھے۔ سفید کالرڈ شرٹ میں سیدھے کندھوں اور لمبی گردن کے ساتھ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وی کی شکل میں لی گئی Sash کی ایک سائیڈ مختلف قسم کے پنز اور صرف ایک رنگ کے اسٹارز سے بھری ہوئی تھی......

بولا شاہکار...... اگر کوئی اس کا اکیڈمک ریکارڈ چیک نہ بھی کرتا تو بھی صرف اس کی Sash دیکھ کر اس کی تعلیمی قابلیت کا اندازہ کر سکتا تھا اور اگر وہ اس Sash پر وہ سب کچھ نہ بھی لگائے ہوتی تب بھی اسے دیکھ کر کوئی بھی بوجھ سکتا تھا کہ وہ ایوریج اسٹوڈنٹ نہیں تھی۔

وہ اس وقت بڑے غور سے اسٹیج پر کمپیئر کی گفتگو سن رہی تھی جو پریفیکٹ بورڈ کی اہمیت اور اس کے کردار کے حوالے سے کو بیلے ادا کر رہی تھی۔

ایک چھوٹے سے وقفے کے بعد چند تعارفی جملوں کے ساتھ اس نے اسی لڑکی کا نام لیا۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس لڑکی کے چہرے پر آئی جو بہت جلد معدوم ہو گئی۔ اپنی جگہ چھوڑ کر وہ اسٹیج کی طرف بڑھنے لگی۔ اگر اس کے کھڑے ہونے کا انداز بہت زیادہ پر اعتماد تھا تو اس کے چلنے کا انداز اس سے زیادہ پر اعتماد تھا...... بہت ہموار پر تمکنت اور سیدھا...... خاص وقار کے ساتھ۔ اسٹیج پر چڑھ کر وہ اسکول کی سربراہ کے سامنے کھڑی ہو گئی...... دونوں کے درمیان گرم جوش اور شناسا مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ اسکول کی سربراہ اتنی بار اسے مختلف قسم کے اعزازات سے نواز چکی تھیں کہ انہیں تعداد بھی یاد نہیں تھی۔ وہ ان اسٹوڈنٹس میں سے تھی جو کسی بھی اسکول کا اثاثہ ہوتے ہیں۔ وہ اب اسے ایک اور بیج والی Sash پہنا رہی تھیں۔ اس لڑکی نے شکریہ ادا کرتے ہوئے Sash پہنی اور پھر اسے ٹھیک کرتے ہوئے اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔

تمام Sashes کی تقسیم کے بعد کمپیئر اب حلف لینے کیلئے اسکول کی سربراہ کو دعوت دے رہی تھی۔ وہ لڑکی Prefects کی پہلی قطار سے دو قدم آگے ایک مخصوص نشان پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اپنا دایاں ہاتھ اٹھاتے ہوئے وہ پرنسپل کے پیچھے حلف کے الفاظ دہرانے لگی۔ اسکول کی ہیڈ گرل اپنے Prefects کے ساتھ اپنے عہدے کا حلف اٹھا رہی تھی۔

"میں...... حلف لیتی ہوں کہ میں اس اسکول کے تمام قواعد وضوابط کی پابندی کروں گی میں اپنے فرائض کو......"

اس لڑکی کی Sash پر اس واحد بیج کا اضافہ کیا جا چکا تھا جواب تک اس کے پاس نہیں تھا۔

☆☆☆

منصور علی نے ٹیبل لیمپ آن کیا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی تاریکی یک دم چھٹ گئی۔ انہیں نیند نہیں آ رہی تھی...... اور وہ پچھلے پندرہ منٹ سے بیڈ پر لیٹے کروٹیں بدل کر سونے کی کوشش کر رہے تھے۔

انہوں نے لیٹے لیٹے سامنے دیوار پر لگے ہوئے وال کلاک پر نظر دوڑائی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ وہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب اپنے کمرے میں سونے کے لیے آئے تھے۔ کچھ دیر وہ منیزہ سے باتوں میں مصروف رہے اور پھر سونے کے لیے اپنے بیڈ پر لیٹ گئے۔ مگر بیڈ پر لیٹنے کے بعد جیسے ہی کمرے کی لائٹ بند کی گئی...... یک دم انہیں یوں لگا جیسے ان کی ساری حیات جاگ اٹھی ہوں۔ تھکن نام کی کوئی چیز وہ محسوس نہیں کر رہے تھے۔ منیزہ کچھ دیر میں ہی سو گئی تھی مگر وہ بہت کوشش کے باوجود بھی سونے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔

اپنے بیڈ پر بہت آہستگی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے انہوں نے گردن موڑ کر منیزہ کو دیکھا' وہ گہری نیند میں تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا لائٹر اور سگریٹ اٹھا کر وہ بیڈ روم سے باہر آ گئے۔

لاؤنج کی لائٹس آن کرتے ہوئے وہ صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ایک سگریٹ سلگایا اور پھر سینٹر ٹیبل پر پڑا ہوا اخبار اٹھا لیا سگریٹ کے کش لیتے ہوئے وہ اخبار دیکھنے لگے اس دوران یکے بعد دیگرے انہوں نے دو اور سگریٹ پیئے' اور پھر اٹھ کر ٹی وی آن کر لیا۔ کسی بھی چینل پر کوئی ڈھنگ کا پروگرام نہیں آ رہا تھا سوائے بے ہنگم اچھل کود اور موسیقی کے' وہ بور ہو کر ٹی وی بند کرنے ہی والے تھے کہ ٹی وی ٹرالی کے نچلے دراز میں رکھے وی سی آر پر نظر پڑی جس میں سے ایک ویڈیو کیسٹ جھانک رہی تھی انہوں نے اٹھ کر کیسٹ کو ہلکے سے پش کیا اور پھر اسے دیکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے ریموٹ لے کر صوفے پر آ بیٹھے۔

پہلا شاٹ اسکرین پر آنے میں چند سیکنڈز لگے تھے۔ وہ امبر کے کالج میں ہونے والی ورائٹی پروگرام کی فلم تھی...... وہ کچھ دن پہلے بھی تمام گھر والوں کے ساتھ سرسری انداز میں امبر کے اصرار پر بیٹھ کر یہ فلم دیکھ چکے تھے۔ مگر کسی مصروفیت کی وجہ

سے وہ اس فلم کو ادھورا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ وقت گزاری کے لیے انہوں نے اس ڈرامے کو دیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔
اسکرین پر اس وقت امبر کا ایک سین چل رہا تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کچھ پدرانہ شفقت سے امبر کو دیکھا اور پھر مووی کو ریوائنڈ کر دیا۔

ان کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔ وہ صبح امبر کو اس فلم کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کرنا چاہتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ وہ یہ جان کر بہت خوش ہو گی کہ انہوں نے اس کے ڈرامے کو پورا دیکھا ہے۔

سنو وائٹ شروع ہو گیا تھا۔ رخشی اسکرین پر نمودار ہوئی۔ لانگ شاٹ سے مڈ شاٹ اور پھر مڈ شاٹ سے کلوز اپ— منصور علی سگریٹ کا کش لگانا بھول گئے۔ رات کے پچھلے پہر اس تنہائی اور خاموشی میں اسکرین پر ابھرنے والے اس چہرے کو دیکھ کر وہ بالکل سحر زدہ رہ گئے تھے۔ امبر ٹھیک کہتی تھی وہ واقعی خوبصورت تھی۔ انہوں نے اس سے پہلے دو چار بار کالج یونیفارم میں امبر کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ لیکن کبھی اتنی توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ اور پھر تب امبر بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی اور وہ اس کے ساتھ باتوں میں اتنا مصروف ہوتے تھے کہ رخشی کی طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

مگر آج سب کچھ غیر معمولی انداز میں نظر آ رہا تھا۔ آج رخشی کالج یونیفارم میں نہیں تھی۔ ایک ملکہ کے رول میں سنگھار کیے ہوئے تھی۔ اور آج وہاں امبر نہیں تھی جو ان سے باتیں کرتے ہوئے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی۔ رخشی کے جسم پر موجود لباس بے حد خوبصورت تھا اور اس کے جسم کے خدوخال بے حد نمایاں ہو رہے تھے۔ جس آدمی نے اس پروگرام کو فلمایا تھا یقیناً وہ بھی منصور علی کی طرح رخشی کے حسن پہ فدا ہوا تھا' وہ بار بار رخشی کے چہرے کا کلوز اپ پیش کر رہا تھا۔

منصور علی نے اچانک اپنے دائیں ہاتھ کو جھٹکا۔ سگریٹ سلگتے سلگتے اب ان کی انگلیوں کو جلانے لگا تھا اور یہ جلن کا احساس ہی تھا جس نے ان کی محویت ختم کر دی تھی۔ انہوں نے جھک کر نیچے کارپٹ پر پڑا ہوا سگریٹ اٹھایا اور اسے سینٹر ٹیبل پر پڑے ہوئے ایش ٹرے میں پھینک دیا۔

وہ جب دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت رخشی وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔ اس وقت امبر وہاں موجود تھی۔ منصور علی نے ایک عجیب سا اضطراب اور بے قراری محسوس کی۔ کیمرہ مین رخشی کی طرح امبر کے چہرے کو بھی کلوز اپ میں پیش کر رہا تھا...... مگر وہ منصور علی کی بیٹی تھی...... پدرانہ شفقت کے علاوہ اس کے لیے وہ اور کچھ محسوس ہی نہیں کر سکتے تھے۔ رخشی ان کی بیٹی کی دوست تھی مگر ان کی بیٹی نہیں تھی...... وہ اسے اس طرح نہیں دیکھ رہے تھے جس طرح وہ امبر کو دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے سینٹر ٹیبل پر پڑا ہوا ریموٹ اٹھا کر مووی کو ایک بار پھر ریوائنڈ کیا۔ وہ ایک بار پھر رخشی کو دیکھنا چاہتے تھے۔ چند سیکنڈز کے بعد رخشی ایک بار پھر اسکرین پر موجود تھی۔ منصور علی کے چہرے پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ ابھری۔ صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ ایک بار پھر اسکرین پر ابھرنے والے چہرے کو محویت سے دیکھنے لگے۔ جو اس وقت آئینے کے سامنے کھڑی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"Mirror Mirror! on the wall

Tell me who is the fairest of us all"

("آئینے مجھے بتاؤ ہم میں سب سے خوبصورت کون ہے")

منصور علی نے بے اختیار خود کو بڑبڑاتے ہوئے پایا۔ آئینہ ملکہ سے کیا کہہ رہا تھا۔ انہوں نے نہیں سنا...... جو کچھ ان کے ہونٹوں سے نکل رہا تھا۔ وہ بخوبی سن رہے تھے۔

"You only you are the fairest of them all"

(تم' صرف تم سب سے زیادہ خوبصورت ہو)

وہ رخشی کے چہرے پر نظریں جمائے بے اختیاری کے عالم میں کہہ رہے تھے۔

فلم کب ختم ہوئی۔ انہوں نے کب اور کتنی بار اسے ریوائنڈ کیا۔ کتنے سگریٹ پیے...... انہیں یاد نہیں...... وہ صرف اس

بستر پر لیٹ ہی آئے تھے جب انہوں نے فجر کی اذان کی آواز سنی تھی ...... ان کے سگریٹ کا پیکٹ خالی ہو چکا تھا۔ ایش ٹرے سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور انہیں اپنی آنکھوں میں چبھن محسوس ہونے لگی تھی۔ انہوں نے ٹی وی کو بند کر دیا اور اٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی طرف چلے گئے۔
لاؤنج سے باہر نکلتے ہوئے انہیں یکدم اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا ...... اور وہ زرقشی کو اپنے ذہن سے نکالنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

"ہاں ٹھیک ہے خوبصورت ہے ...... مگر میں اس کے بارے میں اس طرح کیوں سوچ رہا ہوں ...... وہ امبر کی دوست ہے۔ میری بیٹیوں جیسی ......" ان کی سوچ کا دھاگا یک دم ٹوٹا۔ "اور پھر بہت ہی کم عمر ہے ...... کیسی فضول حرکت کر رہا ہوں میں نے کبھی کسی فلم ایکٹریس کو اتنے ذوق وشوق سے نہیں دیکھا جس طرح اس کو دیکھ رہا تھا۔ واقعی میں ساٹھ کا نہیں ہوا مگر اڑتالیس سال کی عمر میں ہی سٹھیا رہا ہوں۔" اپنے بیڈ روم میں داخل ہوتے ہوئے انہوں نے کچھ ندامت اور خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ سوچا۔ "ورنہ اس طرح کی سرگرمیوں میں تو انوالو نہ ہوتا ......"
انہوں نے اپنا سر جھٹکا۔ کمرے میں تاریکی تھی۔ منیزہ اب بھی گہری نیند سو رہی تھی ...... وہ بھی خاموشی سے جا کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئے۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ نیند پھر غائب ہو چکی تھی۔ اس بار وہاں "وہ" تھی۔

☆☆☆

"یہی تو کہہ رہا ہوں آپ سے ...... ظلم کیا آپ نے اپنے سننے والوں اور چاہنے والوں پر۔"
وہ جرنلسٹ اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زرقا کے چہرے کی جگمگاہٹ میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا۔

"ارے آپ گانے والوں کی جس کلاس سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہیں واقعی گانا آتا تھا ...... سیکھے سکھائے لوگ تھے ...... سُر اور لے کا پتا تو انہیں۔" چائے کا کپ لیتے ہوئے اس نے پُرجوش انداز میں کہا۔ "ساز اور آواز کے تعلق کی باریکیوں کو جانتے تھے۔ ٹھمری اور دادرے کے فرق سے آشنا تھے ...... راگوں کا استعمال کانچ کی طرح کرتے تھے ...... ذرا اونچ نیچ ہوئی تو خود بھی ٹوٹ گئے ہوئے اور انگلیاں اس سے زیادہ۔" اس نے رک کر ایک اور پیسٹری اٹھائی۔ "اب آج کے گانے والوں کو دیکھ لیں کیا گا رہے ہیں اور کیسے گا رہے ہیں ...... راگوں کو حلوہ بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔ جب چاہا جتنا پانی چاہا ڈال لیا۔ حلق سے تو اتر ہی جائے گا۔" زرقا کے ہونٹوں پر ہنسی آ گئی وہ اس کی گفتگو سے محظوظ ہو رہی تھی۔ نئی نسل کی برائیاں سن کر پچھلی نسل کے اکثر لوگوں کی طرح اسے بھی خوشی ہوئی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اختر صاحب۔" اس نے اپنی ساڑھی کے پلو کو بل دیتے ہوئے کہا۔ "مگر آپ سننے والوں کے ذوق کو بھی تو دیکھیں۔ وہ بھی سب کچھ سن رہے ہیں۔ یہی سب کچھ سننا چاہتے ہیں۔"
"ارے کہاں سننا چاہتے ہیں جناب؟" اختر صاحب بھڑکے۔ "مجبوری ہے ان کی ...... جب آپ جیسے فن کو جاننے والے لوگ میدان چھوڑ جائیں گے تو پھر خالی جگہ پر جو بھی آئے گا ...... اسے ہی سننا پڑے گا ...... اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ آپ نے ظلم کیا اس طرح اچانک سب کچھ چھوڑ کر۔" اختر صاحب نے چائے کا کپ خالی کر کے میز پر رکھا زرقا نے ایک گہری سانس لی اور خاموش رہیں۔

"آپ لوگ تھے ...... تو سب کچھ اور طرح کا تھا ...... ماحول ہی دوسرا تھا ...... گیت سنگیت ایک طرف' آپ لوگوں کو تہذیب اور اخلاق سے آشنائی تھی۔ اٹھنے بیٹھنے کے ادب آداب سے واقف تھے۔ بات کرنے کا سلیقہ تھا' عزت کرنا اور کروانا جانتے تھے۔" اختر صاحب نے رک کر کپ میں اور چائے انڈیلی۔
"اور ادب کے مقام اور مرتبے سے واقف تھے ...... پتا تھا کہ کس سے کس طرح کا سلوک کرنا ہے ...... اب آج کل کے لڑکے لڑکیاں نہ سنگیت کا پتا ہے نہ تہذیب و روایات کا ...... کالی عینک لگا کر انٹرویو دے رہے ہوتے ہیں ...... ارے بھئی۔ کسی

اندھے کا انٹرویو کر رہا ہوں میں۔"

زرقا نے سر ہلاتے ہوئے اپنی ہنسی روکی۔

"دروازے پر کھڑے کھڑے انٹرویو دے دینا چاہتے ہیں...... فون پر بیٹھے بیٹھے انٹرویو دے دینا چاہتے ہیں۔ جھوٹے منہ پانی تک نہیں پوچھتے۔ پھر چاہتے ہیں کہ ہم سب کچھ اچھا لکھیں ان کے بارے میں...... ان کی تعریفوں میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا دیں...... ارے کیا خاک اچھا لکھیں گے۔"

زرقا سر ہلاتی رہی۔

"اب آپ کو دیکھیں۔ کتنے سالوں بعد ملاقات ہو رہی ہے۔ مگر وہ وضع داری جو پہلے تھی۔ سو اب بھی ہے۔ وہی طریقہ سلیقہ...... تکلفات' لحاظ' احترام...... ارے خود سے دل چاہتا ہے آپ کے بارے میں اچھا لکھنے کو۔" انہوں نے چائے کا کپ رکھ کر پنیرا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"میں جرنلسٹ تھوڑا سمجھتی ہوں اختر صاحب آپ کو...... مہمان سمجھ کر ملتی ہوں...... جس کی عزت و احترام واجب ہوتا ہے۔"

"بس یہی تو روایات ہیں جو ختم ہو گئی ہیں آج کے لوگوں میں...... اسی لیے تو آپ سے کہہ رہا ہوں...... زرقا بیگم! دوبارہ گانا شروع کریں...... لوگ سننا چاہتے ہیں آپ کو۔" اختر صاحب نے اسے پھر سے اکسایا۔

"میں نے آپ کو اپنی مجبوری بتائی ہے اختر صاحب...... میرے شوہر کو پسند نہیں ہے یہ سب کچھ۔" زرقا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"آپ انہیں منایئے...... ان کو بتایئے کہ فن کو آپ کی کتنی ضرورت ہے...... آپ جیسی آوازوں کو ختم نہیں ہونا چاہیے۔"

"بہت مشکل ہے یہ...... اول تو وہ مانیں گے ہی نہیں...... اور مان بھی گئے تب بھی...... یہ سب بڑا مشکل ہے...... اب تو وہ آواز ہی نہیں اور ریاض کیے مدت گزر گئی۔" زرقا نے ٹشو سے اپنا ماتھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"عجیب بات کہہ رہی ہیں آپ زرقا بیگم سونے کو کبھی زنگ نہیں لگتا...... صاف کرو گے وہ پھر چمکنے لگے گا...... پھر جو آوازیں کندن بن چکی ہوں...... وہ تو ویسے ہی کسی ریاض کی محتاج نہیں ہوتیں۔"

اختر صاحب نے میز پر موجود آدھے سے زیادہ لوازمات صاف کر کے ہاتھ کھینچ لیا۔

"اور یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ آپ کی آواز بھی کندن بن چکی ہے۔"

زرقا کے چہرے کی چمک میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ مگر اس بار اس نے کچھ کہا نہیں۔

"کتنے سال ہو گئے آپ کی شادی کو؟" اختر صاب نے نوٹ بک ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"چودہ سال۔"

"ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ" اختر صاحب نے سر ہلایا۔ "آپ کے شوہر کا تعلق تو سندھ کے بڑے نامور سیاسی گھرانے سے ہے اور ان کی تو شاید ایک دو اور بیویاں بھی ہیں؟"

اختر صاحب کھانے پینے کے بعد اب اپنی جون میں واپس آ گئے تھے۔

"جی...... تین بیویاں اور ہیں ان کی۔" اس بار زرقا کے چہرے کی چمک کچھ مدھم ہو گئی' اسے اختر صاحب سے یک دم اس طرح پینترا بدلنے کی امید نہیں تھی۔

"آپ کون سی بیوی ہیں؟"

"تیسری......"

"بچے کتنے ہیں آپ کے؟" اختر صاحب نے اگلا سوال کیا۔

وہ خاموش رہی۔

"میں بچوں کا پوچھ رہا ہوں...... بچے کتنے ہیں آپ کے؟"

''یہ نہیں ہیں۔'' زرقا نے اپنے کندھے سے پھسلتے پلو کو سنبھالا تو سونے کی چوڑیوں سے بھری کلائیوں پر اختر صاحب کی نظریں ٹک گئیں۔
انہوں نے اپنی عینک کو ایک بار پھر ٹھیک کیا اور نوٹ بک بند کر دی۔ انٹرویو کا اختتام ہو چکا تھا۔
''اختر صاحب! یہ کب شائع ہوگا؟'' زرقا نے انہیں نوٹ بک بند کرتے دیکھ کر پوچھا۔
''بہت جلد شائع ہوگا..... آپ تو جانتی ہی ہیں۔ میرے کیے ہوئے انٹرویوز کی کس طرح دھوم مچ جاتی ہے۔'' اختر صاحب نے پین بند کر کے اپنی جیب میں اٹکاتے ہوئے کہا۔
''بے شک..... بے شک۔'' زرقا نے تائید میں سر ہلایا۔
''آپ دیکھیے گا..... اس انٹرویو کی بھی کیسی دھوم مچے گی۔'' اختر صاحب نے گردن موڑ کر کمرے کے ایک کونے میں بیٹھے بے نیازی کے عالم میں چائے پیتے ہوئے فوٹوگرافر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اسلم! اب تم میڈم کی کچھ تصویریں بنالو..... ویسے تو ان کی شخصیت ہی اتنی خوبصورت ہے کہ تصویریں خود ہی اچھی آئیں گی پھر بھی ذرا دھیان لگا کر کام کرنا.....''
زرقا ان کی بات پر مسکرائی اور فوٹوگرافی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے لگی۔

☆☆☆

وہ دو کمروں پر مشتمل ایک منزل گھر تھا۔ کمروں کے سامنے مختصر صحن اور کمروں کے دائیں طرف کچن اور باتھ روم تھا۔ جن کے اوپر سے گزرنے والی سیڑھی اوپر کمروں کی چھت پر جاتی تھی۔ صحن میں پلستر کیا ہوا تھا اور صحن کی دیواروں کے ساتھ بنی ہوئی کیاریوں میں پودے لگے ہوئے تھے۔ ساتھ والے گھر میں موجود درخت کی شاخوں نے صحن کے ایک کونے کو مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا اور ان شاخوں کے سایہ میں ایک تخت پڑا ہوا تھا۔ کمروں کی دیواروں کے باہر بھی چھوٹے بڑے گملوں میں بہت سے پودے لگے ہوئے تھے اور کچھ بیلوں کو کمرے کی دیواروں کے ساتھ چڑھانے کی بھی کوشش کی گئی تھی۔

صحن کے ایک کونے میں حمام اور نل موجود تھا' جس کے پاس پڑے ایک ٹب میں کچھ کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ صحن کی ایک دیوار کے ساتھ ایک سائیکل کھڑی ہوئی تھی اور سفیدی شدہ دیواروں کے پس منظر میں مختلف رنگوں سے سجی ہوئی وہ سائیکل سائیکل کے بجائے کوئی آرائشی شے لگ رہی تھی۔

صحن میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ البتہ دائیں جانب کی سیڑھیوں پر ایک لڑکی کتاب لیے موجود تھی۔ وہ بڑی لاپروائی سے اپنی ٹانگیں دو تین سیڑھیوں پر پھیلائے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر چڑھائے بیٹھی ہوئی تھی۔ پاؤں میں عام سی دو پٹی کی چپل تھی۔ کتاب میں گم وہ اس وقت باہر گلی میں ابھرنے والی آوازوں سے بالکل بے نیاز نظر آ رہی تھی۔

وہ اس وقت اسکول سے بالکل مختلف نظر آ رہی تھی۔ اس کے بال اب بھی اسی طرح ربڑ بینڈ سے بندھے ہوئے تھے' مگر اوپر موجود ہیئر پنز غائب تھیں۔ بالوں کی کچھ لٹیں اس کے گالوں اور کانوں پر لہراتیں تو وہ انہیں وقفے وقفے سے اپنے کانوں کے پیچھے کر لیتی اس نے قمیص کی آستینیں بھی لاپروائی سے کہنی تک چڑھا رکھی تھیں۔ حلیے کے علاوہ باقی سب کچھ ویسا ہی تھا انفرادیت کا جو عنصر اسکول میں تھا وہ اب بھی نظر آتا تھا۔

چودہ پندرہ سالہ وہ لڑکا ہاتھ میں ایک کتاب پکڑے اندر کمرے سے نکلا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ صحن میں نکلتے ہی وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھا دبے پاؤں سیڑھیوں کی طرف گیا۔ اور یک دم اس کے سامنے آ گیا تو وہ چونکی' مگر اپنی جگہ سے ہلی نہیں۔ اس نے نظر اٹھا کر لڑکے کی طرف دیکھا۔ اسی طرح سیڑھیوں پر نیم دراز وہ کتاب پر نظریں جمائے رہی۔ مگر اب اس کی حسیات اس لڑکے کی طرف لگی تھیں۔

''آپ پاؤں ایک طرف کر لیں..... میں یہاں بیٹھنا چاہتا ہوں۔'' لڑکے نے سامنے آتے ہی سنجیدگی سے بڑے مہذب انداز میں کہا۔ اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے نظر آنے والی مسکراہٹ اب غائب ہو چکی تھی۔ لڑکی نے اس کی درخواست نامنظور کر دی۔ وہ بدستور کتاب کے مطالعے میں مصروف رہی۔

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ اپنے پاؤں ایک طرف کر لیں۔ میں یہاں بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

اس بار لڑکے نے پہلے سے قدرے بلند آواز میں اس کو مخاطب کیا۔ لڑکی اب بھی اسی طرح بے نیازی سے پاؤں ہلاتے ہوئے کتاب پڑھتی رہی۔

"اچھا آپ اپنے پاؤں ایک طرف کر لیں۔ مجھے رستہ دیں۔ میں اوپر چھت پر جانا چاہتا ہوں۔"

اس بار لڑکے نے اپنی درخواست میں کچھ ترمیم کی۔ وہ سیڑھی کے درمیان میں بیٹھی ہوئی تھی اور سیڑھی اتنی تنگ تھی کہ جب تک وہ ایک طرف نہ ہٹ جاتی۔ کوئی آسانی سے وہاں سے نہیں گزر سکتا ہے...... مگر وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ لڑکا وہاں سے گزر سکتا ہے اسی لیے اس کی درخواست پر توجہ نہیں دی۔ وہ اسی سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ مطالعے میں مصروف رہی۔

وہ لڑکا کچھ دیر اس کے سامنے کھڑا اس کے ردعمل کا انتظار کرتا رہا' مگر جب وہ اسی طرح لاپروائی اور بے نیازی کا مظاہرہ کرتی رہی تو اس نے ان چار پانچ سیڑھیوں کی بچی ہوئی جگہ پر اپنے پیروں کو ٹکاتے ہوئے اس کے پاس سے گزرنے کی کوشش کی۔ وہ گزرتے ہوئے منہ سے اس طرح کی آوازیں نکال رہا تھا جیسے وہ سیڑھی نہیں کوہ ہمالیہ کی کوئی چوٹی تھی' جس پر اوپر چڑھتے ہوئے اسے بے حد دقت اور تکلیف ہو رہی ہو' جن چار پانچ سیڑھیوں کو وہ دو سیکنڈ میں عبور کر سکتا تھا۔ انہیں عبور کرنے میں اس نے جان بوجھ کر دیر لگائی۔ وہ اوپر والی سیڑھی کی جگہ پر پاؤں رکھتا پھر نیچے اٹھا لیتا۔ پھر اوپر چڑھنے کی کوشش کرتا پھر نیچے آ جاتا۔

لڑکی اس کی اس تمام سرگرمی کے دوران ٹس سے مس ہوئے بغیر سیڑھیوں میں نیم دراز اس کتاب کا مطالعہ کرتی رہی۔ مگر اس کے باوجود وہ مکمل طور پر اس لڑکے کی طرف متوجہ تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے بھی کوئی ایسا تاثر نہیں ابھرا تھا جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ اس لڑکے کی کسی سرگرمی سے متاثر ہوئی ہے۔

"شکر ہے اللہ کا...... اوپر پہنچ گیا ہوں...... اللہ راستہ بنانے والا ہے۔" لڑکے نے اس سیڑھی پر پہنچتے ہوئے کہا جس سے وہ لڑکی ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ وہ کچھ دیر تک اس طرح گہرے سانس لیتا رہا جیسے واقعی کوئی پہاڑ سر کر کے آیا ہو۔ اور پھر اوپر چھت پر جانے کے بجائے ایک سیڑھی اوپر سیڑھیوں میں بیٹھ گیا۔ لڑکی نے اسے اپنے عقب میں بیٹھتے محسوس کر لیا تھا۔

"ادھر ہی بیٹھ جاتا ہوں...... اوپر جانے کی تو اب ہمت نہیں رہی۔" وہ اب تھکے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس لڑکی نے نظریں کتاب پر ہی رکھیں' مگر اب اس کی چھٹی حس اسے بار بار متنبہ کر رہی تھی۔

"ثانی دو اور دو چار ہوتے ہیں نا۔" لڑکے نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ثانی نے نظریں کتاب سے نہیں اٹھائیں۔

"میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کا میتھس اچھا ہے۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو اس نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی۔

کچھ دیر خاموشی رہی' اس کے بعد اچانک ایک ہاتھ کی ہتھیلی ثانی کی کتاب کے اوپر آ گئی۔

"آپ بولنا نہیں چاہتیں تو لکھ کر بتا دیں پلیز۔" اس نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر لکھا ہوا تھا۔

ثانی اسی خاموشی سے اس کا ہاتھ جھٹک کر سیڑھیوں سے اٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ صرف اسے تنگ کرنے کے لیے آیا ہے اور اب وہاں بیٹھا اسی طرح تنگ کرتا رہے گا۔

وہ سیڑھیوں سے اٹھ کر تیز قدموں کے ساتھ صحن میں موجود تخت پر آ کر بیٹھ گئی۔ لڑکا بھی پیچھے ہی چلا آیا اور اس کے پاس تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں تو پھر دو اور دو چار ہی ہوتے ہیں؟"

اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ اس طرح سوال کیا' جیسے ثانی اسے خود وہاں جواب دینے کے لیے لے کر آئی ہو۔ ثانی نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے اور تخت سے اٹھ کر صحن میں موجود کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ چار نہیں ہوتے...... پانچ ہوتے ہیں؟" اس نے کرسی کے گرد چکر لگاتے ہوئے پوچھا۔ ثانی اٹھ کر تخت کی طرف چلی گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے آیا۔

"اچھا اب ختم کرو یہ ناراضی...... اور کتنی دیر چلے گی...... میں نے تم سے کہا ہے ناں آئندہ نہیں کروں گا...... کبھی نہیں کروں گا۔'' اس بار ثانی نے اس کی طرف دیکھا اور پوری قوت سے اس کے بازو پر مکا مارا۔

"مجھے ہاتھ نہ لگانا اور مجھ سے بات کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ غرائی۔

"میں نے مذاق کیا تھا۔ یقین کرو مذاق کیا تھا۔'' اس نے قدرے لجاجت سے کہا۔

"کیوں کیا تھا...... میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے مجھ سے ایسے فضول مذاق نہ کیا کرو۔''

"اچھا...... اچھا اب نہیں کروں گا...... وعدہ کرتا ہوں اب نہیں کروں گا۔'' لڑکے نے کان پکڑ کر کہا۔

"نہیں بس میں اب تم سے بات نہیں کروں گی۔ مجھے تمہارے کسی وعدے پر اعتبار نہیں ہے۔ تم مجھ سے کبھی بات مت کرنا سمجھے تم۔'' ثانی نے دوبارہ کتاب کھولتے ہوئے کہا۔ "جاؤ یہاں سے تم! میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔''

"اگر تم بات نہیں کرو گی تو میں اسی طرح تمہارا وقت ضائع کرتا رہوں گا۔'' ثانی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر بلند آواز میں کہا۔

"بھائی...... بھائی...... دیکھیں! یہ ثوبی تنگ کر رہا ہے...... پڑھنے نہیں دے رہا...... بدتمیزی بھی کر رہا ہے۔''

ثمر نے تیزی سے اپنے ہاتھ میں پکڑی کتاب کھول کر اس پر نظریں جما لیں۔

"کیا مسئلہ ہے تم لوگوں کے ساتھ...... کیوں تنگ کر رہے ہو اسے؟'' شہیر نے اپنے کمرے کے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے ثمر کو ڈانٹا۔ "اسے پڑھنے دو...... اور تم بھی جا کر پڑھو۔''

ثمر کتاب پر نظریں جمائے اس وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر دکھائی دے رہا تھا۔ شہیر کی ڈانٹ پر بھی اس نے سر اٹھا کر نہ دیکھا نہ اس کی بات کا جواب دیا۔

"ثمر!'' شہیر نے اپنی بات کا کوئی ردعمل نہ دیکھ کر ایک بار پھر تنبیہی انداز میں اسے پکارا۔ ثمر یک دم ہڑبڑایا اور اس نے شہیر اور اپنے پاس بیٹھی ثانی کو باری باری کچھ حیرانی سے دیکھا۔

"آپ مجھ سے کچھ کہہ رہے ہیں؟''

"ہاں میں تم سے ہی کہہ رہا ہوں...... اندر کمرے میں جاؤ...... بلکہ میرے پاس آ کر بیٹھو...... یہاں میرے سامنے آ کر بیٹھو۔''

"میں تو یہاں بیٹھا پڑھ ہی رہا تھا مگر ثانی میرے پاس آ کر بیٹھ گئی...... وہ کہہ رہی تھی کہ اسے کچھ سمجھنا ہے۔'' اس نے بے حد معصوم انداز میں شہیر سے کہا۔

"تم بے حد جھوٹے ہو...... بلکہ جھوٹوں کے سردار ہو۔'' ثانی بے اختیار تخت سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ "اب اگر تم سیڑھیوں کی طرف آئے تو...... بھائی! میں سچ کہہ رہی ہوں میں اسے بہت ماروں گی۔'' ثانی نے آخری جملہ شہیر سے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"ثمر...... تم یا تو اندر آ جاؤ...... یا پھر یہاں تخت سے ہلنا مت...... اگر میں نے تمہیں یہاں سے اٹھتے دیکھا تو......''

شہیر نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کی اور پلٹ کر کمرے میں چلا گیا۔ ثمر نے کتاب پر نظریں جما دیں۔ کچھ دیر بعد جب اسے اطمینان ہو گیا کہ شہیر اندر کمرے میں اپنے کام میں مصروف ہو چکا ہے تو وہ پھر اٹھا۔

"ثمر!'' اندر سے شہیر کی آواز آئی۔ اس کے قدم رک گئے۔ شہیر کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔

"میں پانی پینے کچن میں جا رہا ہوں۔'' ثمر نے بلند آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے...... اور پی کر اندر آؤ...... میں یہیں کھڑا ہوں۔''

ثمر نے بے اختیار گہری سانس لی۔ وہ اب واقعی پھنس گیا تھا۔ شہیر کے کمرے میں جانا آسان تھا...... آنا مشکل تھا...... اس نے کتاب ہاتھ میں لیے کچن کی طرف جانے کے بجائے شہیر کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ثانی نے سیڑھیوں پر بیٹھے شبیر اور ثمر کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی تھی۔ اس نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔ اس بار اس نے واقعی یہ طے کرلیا تھا کہ ثمر سے کبھی بات نہیں کرے گی ...... جو حرکت اس نے صبح کی تھی۔ اس کے بعد یہ اس کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اسے معاف کر دیتی۔ اس کو صبح کا واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔ اور وہ شرمندگی بھی جو اس نے محسوس کی تھی۔

وہ صبح معمول کے مطابق اسکول گئی تھی۔ فرسٹ پیریڈ میں ٹیچر کے آ جانے کے بعد اس نے کتاب نکالنے کے لیے اپنا بیگ کھولا تو ایک مینڈک اچھل کر اس کے ہاتھ سے ٹکرایا' بے اختیار کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور ایک چیخ مار کر وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگلی چیخ اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی مدیحہ کے حلق سے نکلی تھی۔ جس کی گود میں مینڈک نے چھلانگ لگائی تھی اور پھر چیخوں کا یہ سلسلہ طویل ہوتا گیا۔ فوری طور پر کوئی بھی اس مینڈک کو پہچان نہیں رہا تھا۔ کیونکہ اس کے جسم کو مختلف رنگوں سے سجا دیا گیا تھا اور یہ اس سات رنگ کی مخلوق کو نہ پہچاننے کا نتیجہ تھا جس نے ان سب کی بدحواسی میں مزید اضافہ کیا تھا۔

کلاس ٹیچر کو ان چیخوں سے کوئی تشویش نہیں ہوئی۔ وہ پہلے بھی کلاس میں چھپکلی یا بھڑ آ جانے پر اس طرح کے کئی مظاہرے دیکھ چکی تھیں اور وہ اس لیے کچھ لاپروائی اور کمال اعتماد کے ساتھ اسٹوڈنٹس کو جھڑکتے ہوئے وہ اس چیز کی طرف بڑھی تھیں اور اس بار چیخ خود ان کے حلق سے نکلی تھی۔ ان کا سارا اعتماد منٹوں میں غائب ہو گیا تھا۔ ڈیسک پر بیٹھی اس ست رنگی مخلوق نے ان پر چھلانگ لگائی تھی اور اگر وہ برق رفتاری سے پیچھے نہ ہٹتیں تو وہ یقیناً ان پر گرتی ...... اور اس کی چھلانگ سے زیادہ اس کی ٹانگ کے ساتھ دھاگے سے منسلک ایک کاغذ تھا جس نے ان کے اوسان بحال کر دیے تھے کہ وہ مخلوق یقیناً حشرات الارض کی کسی غیر دریافت شدہ اقسام میں سے نہیں تھی' جن کی دریافت کا سہرا اس کلاس کے سر باندھا جاتا۔

"یہ تو مینڈک ہے ...... کسی نے اس کو پینٹ کر دیا ہے۔" انہوں نے اب زمین پر موجود اس مینڈک کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کلاس میں تب تک چیخوں کی آواز سن کر اسکول کا چپڑاسی آ چکا تھا۔

"شکور! اس کو پکڑو ...... اس کی ٹانگ کے ساتھ بندھا ہوا کاغذ اتارو۔" ٹیچر نے اس سے کہا' کلاس میں کچھ دیر پہلے آنے والی چیخوں کا طوفان اب کھسیانی ہنسی میں تبدیل ہو چکا تھا۔

"یہ آیا کہاں سے ...... قرۃ العین! آپ بتائیں۔"

"انہوں نے ثانیہ سے پوچھا جسے انہوں نے سب سے پہلے کھڑا ہوتے اور چیختے دیکھا تھا۔

"یہ میرے بیگ میں تھا۔" ثانی نے فق ہوتی ہوئی رنگت کے ساتھ بتایا۔ وہ اب اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ اس مینڈک کو بیگ میں کون رکھ سکتا ہے۔ مینڈک کے جسم پر موجود رنگ و روغن صرف ایک ہی شخص کا کمال ہو سکتا تھا اور وہ اس شخص کو اچھی طرح جانتی تھی۔

"آپ کے بیگ میں۔ آپ کے بیگ میں کیسے آیا؟" ثنا خاموش رہی۔ شکور تب تک ایک بچی سے ایک رومال لے کر اس مینڈک کو پکڑ چکا تھا اور اب وہ کاغذ اس کے پاؤں سے الگ کر رہا تھا۔

"دکھاؤ ذرا۔" ٹیچر نے کہا۔

"مینڈک ہی ہے جی ...... بس کسی نے رنگ کیے ہوئے ہیں۔" شکور نے تبصرہ کیا۔ ٹیچر نے کچھ مایوسی سے سر کو ہلایا۔ اور پھر اس کاغذ کو پکڑ لیا جو شکور نے ان کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"میں اگرچہ شکل سے مینڈک لگتا ہوں مگر میں مینڈک نہیں ہوں ...... میں ایک کتابی کیڑا ہوں اور میں ثانیہ کے بیگ میں رہتا ہوں اگر کبھی میں کسی کو کہیں اور ملوں تو پلیز مجھے ثانیہ کے بیگ میں واپس پہنچا دے۔ میں اور ثانیہ آپ کے تہہ دل سے مشکور ہوں گے۔"

بقلم

ایک عدد کتابی کیڑا

ٹیچر کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور انہوں نے کاغذ کو دوبارہ تہہ کر دیا۔
"ٹیچر پلیز بتائیے..... اس پر کیا لکھا ہے؟" ان کے گرد کھڑے اسٹوڈنٹس نے ان کے چہرے پر نمودار ہوئی مسکراہٹ کو نوٹس کرتے دیکھ کر بلند آواز میں کہا۔
"کچھ نہیں لکھا..... آپ سب لوگ اپنی اپنی سیٹوں پر جائیں۔" ٹیچر نے اپنی ٹیبل کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "اور یہ مینڈک جس نے بھی ثانیہ کے بیگ میں رکھا ہے..... اس نے بہت غلط کیا ہے..... میں آپ لوگوں سے توقع نہیں رکھتی کہ آپ اس طرح کی حرکت کریں گی۔"
ٹیچر نے اپنی ٹیبل کے پیچھے کھڑے ہوتے ہوئے اس بار قدرے ناراضی سے کلاس کو مخاطب کیا۔
"ثانیہ کے بیگ میں یہ مینڈک کس نے رکھا ہے؟" ٹیچر بلند آواز میں پوچھ رہی تھیں۔
"ٹیچر! ہم نے تو نہیں رکھا..... ہمیں تو نہیں پتا۔" کلاس میں بیک وقت بہت سی آوازیں بلند ہونے لگیں۔
"ثانیہ! آپ کو پتا ہے یہ کس نے رکھا ہے۔" اس بار ٹیچر نے ثانیہ کو مخاطب کیا۔
"نو ٹیچر۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
ٹیچر اگلے چند منٹ کلاس کو ڈانٹتی رہیں، پھر انہوں نے موضوع بدل دیا۔ کلاس ختم ہونے کے بعد وہ کلاس سے چلی گئیں ان کے باہر جاتے ہی ثانیہ بھی ان کے پیچھے باہر چلی گئی۔ کوریڈور میں اس نے انہیں روک کر ان سے پوچھا۔
"ٹیچر! اس کاغذ پر کیا لکھا ہے؟"
ٹیچر نے مسکراتے ہوئے کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔
"ثمر ٹو ثانی۔" انہوں نے ایک نام لیا۔ ثانیہ نے ایک نظر کاغذ پر دوڑائی اور بے اختیار دانت پیسے۔
"آئی ایم سوری ٹیچر!" اس نے معذرت کی۔
"ثمر حد کر دیتا ہے..... آج اپنی امی سے کہنا کہ اسے اچھی طرح ڈانٹیں۔" وہ ان کی فیملی سے واقف تھیں اور وہ ثمر سے بھی اچھی طرح واقف تھیں۔ وہ پرائمری تک ان سے ہی پڑھتا رہا تھا اور وہ اس وقت اس کی شرمندگی سے بھی واقف تھیں، اسی لیے انہوں نے وہ کاغذ کلاس میں نہیں پڑھا تھا اور کلاس میں انہوں نے یہ ظاہر بھی نہیں کیا تھا کہ یہ حرکت ثانیہ کے بھائی کی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس سے اس کی شرمندگی اور ندامت میں اور اضافہ ہو گا۔ وہ اس کے ہاتھ میں کاغذ تھما کر وہ چلی گئیں۔ اس نے دانت بھینچے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ وہ کاغذ تہہ کر کے اپنی شرٹ کے دامن پر لگی ہوئی جیب میں رکھ لیا۔
وہ چھٹی کے وقت اسے لینے کے لیے اسکول کے گیٹ پر موجود تھا۔ ثانی کا اسکول گھر سے دس پندرہ منٹ کے فاصلے پر تھا، وہ گھر سے پیدل ہی اسکول جایا کرتی تھی۔ صبح شہیر کے ساتھ آتی اور پھر شہیر اپنے کالج چلا جاتا تھا۔ ثمر صبح کچھ دیر سے نکلتا تھا۔ لیکن اسکول سے واپسی پر وہ راستے میں ثانی کے اسکول چلا جاتا اور پھر وہ دونوں وہاں سے اکٹھے واپس آ جاتے۔
اس وقت بھی وہ اسے لینے کے لیے اسکول گیٹ کے باہر تھا۔ ثانی گیٹ سے باہر آ گئی۔ اس کو دیکھتے ہی ثمر کو اس کے موڈ کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرایا۔ اسے اس سے اسی ردعمل کی توقع تھی۔ وہ مینڈک کو اس کے بیگ میں رکھتے ہوئے اچھی طرح یہ بات جانتا تھا کہ وہ مینڈک کے جسم پر موجود رنگ دیکھتے ہی یہ پہچان جائے گی کہ یہ حرکت کس کی ہے۔
روز کی طرح اس کے قریب آ کر بیگ اس کی سائیکل پر رکھنے کے بجائے وہ خاموشی سے اپنا بیگ کندھے پر ڈالے چلتی رہی۔ ثمر سائیکل پکڑے اس کے برابر چلنے لگا۔
"ثانی! بیگ دے دو، سائیکل پر رکھ لیتا ہوں۔" اس نے بڑی معصومیت کے ساتھ ثانی سے کہا۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے..... تم ذرا گھر چلو۔ پھر میں تمہیں بتاتی ہوں۔" ثانی نے غراتے ہوئے کہا۔
"کیوں کیا ہوا؟" ثمر نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔
"تم گھر چلو..... تمہیں بتاتی ہوں..... یہاں سڑک پر لڑنا نہیں چاہتی میں تم سے۔" اس نے تیز قدموں سے چلتے ہوئے

کہا۔ اس کے بعد وہ پورا راستہ خاموش رہی۔ ثمر کی کوشش کے باوجود ایک لفظ نہیں بولی۔

گھر کے تالے کی ایک چابی ان دونوں کے پاس ہوتی تھی کیونکہ وہ دونوں عام طور پر شبیر اور فاطمہ سے پہلے گھر پہنچا کرتے تھے۔ مگر آج اتفاقاً شبیر پہلے گھر پہنچ چکا تھا اور اس وقت وہ گھر پر ہی موجود تھا۔ دروازہ اسی نے کھولا۔ ثانی اندر داخل ہوئی اس نے سیدھا جا کر بیگ تخت پر رکھا اور پھر وہ سیدھی شبیر کے پاس آ گئی۔

''بھائی! آپ کو پتا ہے۔ اس نے آج میری کتنی انسلٹ کروائی ہے۔''

شبیر ٹھٹک گیا۔ وہ ان ہنگاموں کا عادی تھا۔ چوبیس گھنٹوں میں کم از کم ایک بار اسے ان دونوں کے درمیان مصالحت ضرور کروانی پڑتی تھی اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی تعداد متعین نہیں تھی اور وہ یہ سب کئی سالوں سے کرتا آ رہا تھا۔ اگر فاطمہ گھر پر ہوتی تو یہ کام وہ خود کرتی اور اس کی غیر موجودگی میں یہ کام اسے ہی کرنا پڑتا۔

''یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو انسان کہا جائے ......''

وہ غصے میں ثمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی' جو بڑے اطمینان سے اپنی سائیکل دیوار کے ساتھ کھڑا کرتے ہوئے اپنا بیگ اتار رہا تھا۔

''ہوا کیا ہے؟'' شبیر نے اسے ٹوکتے ہوئے پوچھا۔

''اس نے ...... اس نے میرے بیگ میں مینڈک رکھ دیا ...... اور یہ پڑھیں یہ کاغذ پڑھیں ...... اس نے کاغذ کو مینڈک کے ٹانگ کے ساتھ باندھ دیا ...... کتنی بے عزتی ہوئی میری ...... آپ سوچیں میری ٹیچر میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوں گی۔''

وہ اب روہانسی ہو رہی تھی۔ شبیر نے کاغذ پر ایک نظر دوڑائی۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں ثمر ...... اس طرح کی حرکتیں کرتے ہیں۔'' اس نے ثمر کو ڈانٹا۔

''میں نے مینڈک نہیں رکھا ...... مجھے کیا ضرورت تھی ...... کسی لڑکی نے رکھا ہو گا ...... تم ہمیشہ ہر الزام میرے سر پر رکھ دیتی ہو۔'' ثمر نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی۔

''جھوٹ مت بولو ...... تمہارے علاوہ یہ حرکت کوئی نہیں کر سکتا تمہارا نام لکھا ہے ...... تمہارے علاوہ میرا دشمن کوئی بھی نہیں ہے ......'' اس نے ثمر کی بات کاٹی۔ ''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم میرے بیگ میں ...... میری کتابوں کے ساتھ مینڈک کو رکھ دو۔''

''کیوں کرتے ہو تم اس طرح کی فضول حرکتیں ...... اور اس طرح کے مذاق۔'' شبیر نے ایک بار پھر مداخلت کی۔

''مذاق ...... بھائی! مذاق نہیں تھا ...... بدتمیزی تھی ...... آپ بس اس کو ماریں ...... اس کو سمجھانے سے کچھ نہیں ہو گا ...... آپ اسے ماریں۔'' وہ اب شبیر کا بازو ہلا رہی تھی۔

''اگر اس نے آئندہ ایسی حرکت کی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اسے بہت ماروں گا ......'' شبیر نے اسے یقین دلایا۔

''اب تم لوگ کپڑے بدل کر کھانا کھا لو ...... میں نے گرم کیا ہے ...... اور ثمر! میں کہہ رہا ہوں' اس طرح کی حرکت دوبارہ نہیں ہونی چاہیے۔''

شبیر نے معاملے کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ ثانی کو بے حد مایوسی ہوئی۔

''ٹھیک ہے بھائی! میں دوبارہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔'' ثمر نے برق رفتاری سے وعدہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ اتنی آسانی سے بچ نکلنے کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ شبیر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''تم آئندہ مجھ سے بات مت کرنا ...... اور نہ کبھی میری چیزوں کو ہاتھ مت لگانا۔''

اس نے تخت سے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے ثمر سے کہا اور ثمر تب سے اس کے آگے پیچھے پھر رہا تھا ...... مگر اس بار ثانی نے واقعی طے کر لیا تھا کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گی۔

☆☆☆

منصور علی اگلے دن سارے وقت فیکٹری میں مصروف رہے۔ رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے وہ بارہ ایک بجے کے قریب فیکٹری گئے اور پھر مشین کی طرح مصروف ہو گئے۔ فیکٹری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کاموں میں وہ پچھلی رات کے واقعہ کو یکسر بھول چکے تھے۔ یکے بعد دیگرے انہوں نے بہت سے کاموں کو نپٹایا۔ رات نو بجے تک وہ اسی طرح مصروف رہے، پھر ساڑھے نو بجے کے قریب وہ گھر آئے اور پھر دوبارہ ایک ڈنر پر چلے گئے۔ وہاں سے ان کی واپسی ساڑھے بارہ بجے کے قریب ہوئی تھی۔ منیزہ اس وقت جاگ رہی تھی جبکہ باقی سارے بچے اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ وہ کچھ دیر منیزہ کے ساتھ باتوں میں مصروف رہے۔ اس کے بعد کپڑے تبدیل کر کے ایک بار پھر سونے کے لیے لیٹ گئے۔ اس رات وہ خاصے تھکے ہوئے تھے اور انہیں نیند بھی آ رہی تھی۔ مگر بیڈ پر لیٹ کر آنکھیں بند کرتے ہی انہیں پچھلی رات کا واقعہ یاد آ گیا۔ انہوں نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ منیزہ بھی سونے کے لیے لیٹ چکی تھی اور کمرے میں بیڈ لیمپ کی ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ان کا دل چاہا کہ وہ ایک بار پھر لاؤنج میں جا کر وہ فلم دیکھیں۔ انہوں نے بے اختیار خود کو جھڑکا۔

"آخر یہ کیا احمقانہ اور بچگانہ حرکت ہے۔ اگر میں نے کل اس فلم کو دیکھ ہی لیا تھا تو آج میں کیوں دوبارہ اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

انہوں نے آنکھیں بند کیے ہوئے سوچا۔ "یہ بہت نامناسب بلکہ غیر اخلاقی حرکت ہے۔"

انہوں نے اس لڑکی کو ذہن سے جھٹکنا چاہا۔

Mirror Mirror on the wall

Tell me who is the fairest of us all?

کسی نے بہت خوبصورت اور ملائم آواز میں مسکراتے ہوئے ان کے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔ انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں پھیلی نیم تاریکی کو کسی کے اجلے چہرے نے دور کر دیا تھا۔ وہ تاریکی سے ابھرتے ہوئے اس چہرے کو کسی معمول کی طرح دیکھتے رہے..... اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کی پیشانی، اور گلاس جیسے سراپے پر بل کھاتے، لہراتے بال ...... ڈارک کاسٹ..... مسکراتے ہوئے ٹھوڑی میں نمایاں ہو جانے والا گڑھا...... اور...... اور......

انہوں نے آنکھیں بند کر کے ایک سانس لیا...... پھر دوسرا...... پھر تیسرا...... وہ ان کی جان نہیں چھوڑ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا منصور؟" برابر والے بیڈ سے منیزہ نے پوچھا۔ وہ یقیناً ابھی سوئی نہیں تھی۔

"کچھ نہیں — پیاس لگ رہی ہے۔"

منصور علی نے لیمپ آن کیا اور جگ سے گلاس میں کچھ پانی انڈیل لی۔ منیزہ نے انہیں دوبارہ مخاطب نہیں کیا۔ وہ مطمئن ہو گئی تھی۔ منصور علی گلاس ہاتھ میں لیے اپنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس سے چند گھونٹ لیے — بہت آہستہ آہستہ...... یوں جیسے وہ پانی نہیں تھا...... کچھ اور تھا...... لیمپ کی روشنی نے صرف ان کے بیڈ تک کی جگہ کو روشن کیا ہوا تھا۔ باقی کمرہ اسی طرح تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہوں نے گردن موڑ کر منیزہ کو دیکھا۔ وہ کروٹ لیے سو رہی تھی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر گلاس واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور لیمپ آف کر دیا۔ کمرے میں ایک بار پھر تاریکی پھیل گئی۔ کچھ دیر تک وہ اسی تاریکی میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے رہے۔ پھر آہستگی سے دروازہ کھولتے ہوئے اٹھ کر باہر آ گئے۔ لاؤنج میں آ کر لائٹس آن کیں اور پھر رکے بغیر ٹی وی ٹرالی کی طرف بڑھ گئے۔ اس وقت وہ بالکل کسی معمول کی طرح تھے...... یا پھر نیند میں چلنے والے کسی آدمی کی طرح جو کسی روبوٹ کی طرح کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اپنا کام کیے جاتا ہے۔ منصور علی بھی اس وقت کسی ٹرانس میں تھے، جس نے چند لمحوں میں ان کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال کر انہیں اچھال دیا تھا۔ آسمان کو چھو لینے کا احساس انسان کو آپے سے باہر کر دینے کے لیے کافی ہوتا ہے...... اور یہ تصور کہ آ...

پاؤں کے نیچے ہے...... انسان پر کیا کیا غضب ڈھاتا ہوگا۔

منصور علی نے مسکراتے ہوئے ٹی وی آن کیا۔ پھر وہ نیچے جھکے اور وی سی پی کے اندر موجود فلم کو ریوائنڈ کرنا چاہا۔ اگلے کئی لمحے وہ سیدھے نہیں ہو سکے۔ وی سی پی میں فلم موجود نہیں تھی۔ کوئی تپتے صحرا میں پانی کا بھرا ہوا گلاس ان کے خشک ہونٹوں کے سامنے ریت پر انڈیل گیا تھا۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ نیچے کارپٹ پر پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے انہوں نے بے چینی اور اضطراب کے عالم میں وہاں موجود ساری ویڈیو کیسٹس کو باری باری الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ فلم وہاں نہیں تھی...... وہ فلم کہاں تھی؟ وہ ایک بار پھر زمین پر آ چکے تھے۔

☆☆☆

رخشی نے طلحہ کا موبائل نمبر ڈائل کیا۔ طلحہ کا وزیٹنگ کارڈ اس کے ہاتھ میں تھا' جو وہ امبر کے ساتھ اس کے گھر آنے پر اسے دے کر گیا تھا۔ چند لمحوں تک بیل ہوتی رہی پھر کسی نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو" وہ کسی عورت کی آواز تھی۔ رخشی گڑبڑا گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ کال کوئی عورت ریسو کرے گی۔

"ہیلو۔" عورت نے ایک بار پھر کہا۔

"طلحہ سے بات کر سکتی ہوں؟" رخشی نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"آپ کون ہیں؟" شبانہ نے پوچھا۔ طلحہ کچھ دیر پہلے ان کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اتفاق سے اس کا موبائل ٹیبل پر پڑا رہ گیا۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ اسی لیے کچھ تجسس کے عالم میں انہوں نے رخشی سے اس کا نام پوچھا تھا۔

"میں...... میں ان کی فرینڈ ہوں۔" رخشی کو اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" شبانہ کو اس کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی۔

"میرا نام...... رخشی ہے۔" اس نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"میں بات کرواتی ہوں۔" شبانہ نے کہا اور موبائل لے کر طلحہ کے کمرے کی طرف چلی آئیں۔

"تمہاری دوست کا فون ہے......" طلحہ کے کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے کہا۔ وہ ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔ ان کی بات پر چونکا۔

"میری دوست!"

"ہاں رخشی۔" شبانہ نے موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کون رخشی؟" اسے فوری طور پر رخشی یاد نہیں آئی۔ رخشی دوسری طرف ساری آوازیں سن رہی تھی۔

"ہیلو" طلحہ نے فون لے کر کہا۔

"ہیلو...... طلحہ! میں رخشی بات کر رہی ہوں۔ امبر کی دوست۔" اس نے پہلے جملے میں ہی اپنا تعارف کروا دیا۔

"اوہ رخشی...... کیسی ہیں آپ؟" طلحہ نے حیرت کے جھٹکے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف گئی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں...... آپ کو اس وقت ڈسٹرب کرنے پر معذرت چاہتی ہوں۔"

"نہیں کوئی بات نہیں......" طلحہ نے شبانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس کے قریب ہی کھڑی تھیں اور شاید یہ ان کا تجسس تھا جو انہیں وہاں روکے ہوئے تھا۔

"کیا آپ کل میرے گھر آ سکتے ہیں؟" رخشی نے کہا۔

"کل؟" وہ چونکا۔

"ہاں کل...... مجھے آپ سے کچھ بات کرنا ہے بلکہ میری امی کو...... ہمیں آپ کی کچھ مدد کی ضرورت ہے...... میں فون

بہت کر سکتی ہوں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ آپ ہمارے گھر آ جائیں...... اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو...... ورنہ پھر میں اور امی آپ کے پاس آ جاتے ہیں۔" رخشی نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں خود آپ کے گھر آ جاؤں گا۔" طلحہ نے اس کی بات کے جواب میں فوری طور پر کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔" رخشی نے بڑے ممنون انداز میں کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے...... میں کل تین چار بجے آ جاؤں گا۔" رسمی الوداعیہ کلمات کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

"یہ کون تھی؟" اس کے فون بند کرتے ہی شبانہ نے پوچھا انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے ساری گفتگو سنی تھی۔

"یہ امبر کی دوست ہے۔" طلحہ نے ٹی وی کا والیم دوبارہ تیز کر دیا۔

"امبر کی دوست ہے...... تو اس نے تمہیں کیوں فون کیا ہے؟" شبانہ نے کہا۔ "اور تمہیں گھر کیوں بلا رہی ہے؟"

"اسے کچھ مدد کی ضرورت ہے۔" طلحہ نے مختصراً کہا۔

"کیسی مدد کی؟" شبانہ الجھیں۔

"اس کی بہن کو کچھ عرصہ پہلے اس کے بہنوئی نے قتل کر دیا ہے۔ اسی سلسلے میں۔" طلحہ نے بتایا۔

"تم اس سلسلے میں کیا کرو گے؟" شبانہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"پولیس میں کچھ واقفیت ہے میری اور کیا مدد کروں گا میں۔" اس نے گول مول انداز میں جواب دیا۔

"مگر تمہیں دوسروں کے معاملے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ہمارا مسئلہ تو نہیں۔" شبانہ نے اس بار قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں ممی! یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے مگر امبر نے مجھ سے ریکویسٹ کی ہے اس کی مدد کرنے کے لیے...... اس لیے مدد کر رہا ہوں...... یہ امبر کی بہت اچھی دوست ہے۔" طلحہ نے قدرے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ شبانہ کی یہ پوچھ گچھ اب اسے ناگوار محسوس ہو رہی تھی۔

"امبر نے تم سے کیوں کہا ہے۔ منصور سے کہتی، تمہیں کیوں بیچ میں لا رہی ہے۔"

"ممی! کچھ نہیں ہوتا...... وہ بیوی ہے میری اگر کوئی کام کرنے کے لیے کہہ رہی ہے تو آخر حرج ہی کیا ہے اس میں؟"

"کوئی حرج نہیں ہے مگر کام بھی تو ڈھنگ کا ہو۔" شبانہ نے تیز لہجے میں کہا۔ "اب قتل اور پولیس کے معاملات میں تو تمہیں نہ الجھائے اور وہ بھی اپنی دوستوں کے لیے۔"

"ممی! آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں...... کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ میں صرف کسی سے اس کیس کی سفارش کر دوں گا اور بس...... اس کے علاوہ مجھے کیا کرنا ہے اور آپ پلیز اس معاملے کا کسی سے ذکر نہ کریں۔" اسے بات کرتے کرتے امبر کی ہدایت کا خیال آیا۔

"کیوں؟" شبانہ کے دوبارہ کان کھڑے ہو گئے۔

"منیزہ چچی کو بھی رخشی کی مدد وغیرہ پسند نہیں ہے۔ اس لیے امبر نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کسی سے اس کا ذکر نہ کروں اب بات آپ کے سامنے کھل گئی ہے تو آپ بھی پلیز احتیاط کریں۔" طلحہ نے ان سے کہا۔

شبانہ کچھ دیر کھڑی اسے گھورتی رہیں، پھر مڑ کر کمرے سے نکل گئیں۔

طلحہ دوبارہ ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ مگر اس کا ذہن رخشی کی طرف سے آنے والی فون کال میں الجھا ہوا تھا۔ آخر ایسی کون سی بات یا مدد تھی جس کے بارے میں وہ فون پر بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

شبانہ کچھ سوچتی ہوئیں طلحہ کے کمرے سے باہر آئی تھیں، انہیں یہ بات بہت بری طرح کھل رہی تھی کہ امبر کی ایک دوست

کے لیے طلحہ اس طرح کے معاملات میں بھی انوالو ہونے کے لیے تیار ہے حالانکہ وہ قدرتی طور پر بڑی محتاط طبیعت رکھتا تھا اور ہر قدم پھونک پھونک کر اور سوچ سمجھ کر رکھنے کا عادی تھا۔ خاص طور پر دوسروں کے معاملات میں ...... اور اب اس طرح کسی دوسری لڑکی کے معاملات میں کودنا ...... اور اس پر امبر کی یہ ہدایت کہ اس معاملے کے بارے میں کسی کو بتایا نہ جائے۔

وہ لاؤنج میں آ گئیں۔ وقت ضائع کیے بغیر انہوں نے منیزہ کا نمبر ڈائل کیا۔ فون منیزہ نے ہی اٹھایا تھا۔ "ہیلو کیسی ہو منیزہ!" انہوں نے منیزہ کی آواز سنتے ہی اپنے لہجے اور آواز میں مقدور بھر شیرینی پیدا کی۔

"میں ٹھیک ہوں ...... آپ کیسی ہیں ...... بڑے دنوں کے بعد فون کیا آپ نے؟" منیزہ نے بھی لہجے میں شبانہ والی پُرخلوص منافقت بھرتے ہوئے کہا۔

"بس روز سوچتی تھی کہ فون کروں مگر آج کل کچھ مصروف تھی' اس لیے نہیں کر سکی ...... مگر آج تو ایک ایسا مسئلہ آن پڑا کہ میں رہ نہیں سکی۔" شبانہ نے کہا۔

"کیا مسئلہ آن پڑا؟" منیزہ نے پوچھا۔

"بس امبر کا ہی ایک مسئلہ ہے۔" منیزہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیوں امبر کا کیا مسئلہ ہے؟" اس بار منیزہ کی آواز میں کچھ دیر پہلے جھلکنے والی گرم جوشی غائب ہو گئی تھی۔

"آج اس کی ایک دوست رُخشی نے طلحہ کو فون کیا تھا۔"

منیزہ چونک گئی۔ "رُخشی نے؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ "کس لیے؟"

"مجھے تفصیل کا تو پتا نہیں۔" شبانہ نے جواب دیا۔ "طلحہ کہہ رہا تھا کہ اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہے۔" منیزہ کے ماتھے کے بل یک دم گہرے ہو گئے۔

"کب فون کیا تھا۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔" شبانہ نے کہا۔ "اور وہ بھی طلحہ کے موبائل پر۔"

"آپ نے طلحہ سے پوچھا کہ اسے کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے؟"

"ہاں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس کی بہن کے قتل کے سلسلے میں شاید پولیس کارروائی کے سلسلے میں اسے کچھ مدد درکار ہے۔" شبانہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"طلحہ نے کیا کہا۔" منیزہ کے لہجے میں اب ناگواری نمایاں تھی۔

"اس لڑکی نے کل کو اپنے گھر بلایا ہے۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں شاید اس مدد کے سلسلے میں ہی کوئی بات چیت کرنا ہے۔"

"ایک تو میں اس لڑکی سے تنگ آ گئی ہوں ...... جان کو آ گئی ہے یہ ہمارے۔" منیزہ نے بلند آواز میں کہا۔ اسے اس وقت رُخشی پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔

"طلحہ مجھے بتا رہا تھا کہ امبر نے اسے رُخشی کی مدد کرنے کے لیے کہا ہے۔"

"امبر کا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔" منیزہ نے کہا۔

"طلحہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ امبر نے اس سے کہا ہے کہ وہ اس بارے میں تمہیں یا کسی بھی دوسرے شخص کو نہ بتائے ...... میں نے اسی لیے تمہیں فون کیا ہے۔" شبانہ نے کہا۔ "مجھے تو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ایک لڑکی جس کی طلحہ سے کوئی جان پہچان نہیں ہے۔ وہ اتنی بے تکلفی سے اتنی رات کو اس کے موبائل پر کال کرے اور پھر اس سے اس طرح مدد مانگے ...... اسے گھر آنے کی دعوت دے۔" شبانہ جان گئی تھیں کہ منیزہ غصے میں تھی اور یہ غصہ امبر کے خلاف تھا۔ اس لیے وہ بڑی صاف گوئی سے کسی خوف کے بغیر اپنی دلی کیفیات کا اظہار کرتی گئیں۔

"اب تم خود سوچو منیزہ کہ وہ لڑکی کتنی تیز طرار ہوگی جو اس طرح منہ اٹھا کر طلحہ سے مدد مانگ رہی ہے۔"

"میں نے ہزار بار امبر سے کہا ہے کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ دوستی ختم کر دے مگر اسے تو اس میں پتا نہیں کیا نظر آ رہا ہے کہ اس کی بات کی بھی پروا نہیں ہے اسے۔" منیزہ اسی طرح ناراضی سے بولتی رہی۔ "مگر آج تو میں اس کا دماغ درست کر دوں گی...... وہ کیا سمجھتی ہے کہ مجھے پتا نہیں چلے گا۔"

"تم اس سے جو بھی کہنا' میرا نام مت لینا...... خواہ مخواہ طلحہ ناراض ہوگا۔ وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں اس کے بارے میں نہ بتاؤں۔" شبانہ کو اچانک خدشہ پیدا ہوا۔

"آپ فکر نہ کریں بھابھی! میں آپ کا نام نہیں لوں گی۔" منیزہ نے شبانہ کو تسلی دی۔ "آپ طلحہ سے کہہ دیں کہ اسے رخشی کے گھر جانے یا اس کی مدد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اچھی طرح ٹھیک کر دوں گی اس رخشی کو بھی اور امبر کو بھی۔ پتا نہیں کس کس طرح کے لوگ یہاں پائے جاتے ہیں۔" منیزہ نے تنفر سے کہا۔

"منیزہ! میں ایک بار پھر کہہ رہی ہوں کہ امبر کو یہ مت بتانا کہ یہ اطلاع تمہیں میں نے دی ہے۔" شبانہ نے ایک بار پھر منیزہ کو تاکید کی۔ "میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہارے گھر میں بدمزگی پیدا ہو۔ تم جانتی ہو طلحہ ایسی باتوں پر بہت ناراض ہوتا ہے اور اس بار تو اس نے مجھے منع بھی کیا ہے مگر میں بس رہ نہیں سکی۔ یہ اتنا مشکوک لگا مجھے میں نے سوچا' میری خاموشی نقصان دہ ہوگی ورنہ میں کبھی تمہیں فون کر کے اس سارے معاملے کے بارے میں بات تک نہ کرتی۔"

"میں جانتی ہوں بھابھی! آپ نے بالکل ٹھیک کیا کہ مجھے بروقت اس معاملے کے بارے میں بتا دیا۔ آپ مطمئن رہیں۔ آپ کا نام کسی طرح بھی اس معاملے میں انوالو نہیں ہوگا۔ بس آپ طلحہ کو کسی طرح وہاں جانے سے روک دیں۔"

"وہ تو میں روکوں گی ہی مگر تم بھی کوشش کرو کہ امبر ایسی دوستوں کے ساتھ میل جول نہ رکھے۔ اور پھر امبر اتنی سمجھ دار بھی نہیں ہے۔ اسے دنیا کا پتا نہیں ہے ورنہ وہ کبھی اس طرح اپنی کسی دوست کا طلحہ کے ساتھ براہ راست رابطہ نہ کرواتی۔" شبانہ نے قدرے محتاط لہجے میں امبر کی حماقت کا ذکر کیا۔

"کہاں سمجھ دار کیا' وہ تو عقل سے بالکل پیدل ہے۔ اور مجال ہے اسے ذرا اس بات کا احساس ہو جائے۔" منیزہ اس وقت پوری طرح بھڑکی ہوئی تھی اس لیے وہ بے دریغ امبر کے خلاف بولتی چلی گئی۔

"ویسے یہ رخشی ہے کون؟ پہلے تو اس کے بارے میں نہیں سنا۔"

"ہے بھابھی! ایک لڑکی کچھ ماہ پہلے ہی دوستی ہوئی ہے امبر سے۔ بلکہ یہ کہیں کہ کچھ عرصہ پہلے ہی امبر کے حواسوں پر سوار ہوئی ہے۔" اس کے لہجے میں تنفر اور بیزاری تھی۔

"فیملی وغیرہ کیسی ہے؟" شبانہ نے مزید پوچھا۔

"کیا فیملی ہونی ہے بھابھی! ایسی لڑکیوں کی' اگر کوئی اچھا خاندان ہوتا تو اس طرح کی چھچھوری حرکتیں کرتا جس طرح یہ رخشی کرتی پھر رہی ہے۔ وہی محلہ کلاس ہے۔ لوئر مڈل۔"

"تو پھر امبر کیوں خواہ مخواہ اس کے ساتھ وقت ضائع کر رہی ہے۔"

"بس بھابھی! شکل کچھ اچھی ہے اس لڑکی کی اور آپ کو تو امبر کا پتا ہی ہے وہ ٹھہری سدا کی حسن پرست۔ ہزار دفعہ میں اسے سمجھا چکی ہوں کہ صرف شکل و صورت کچھ نہیں ہوتی انسان کو خاندان اور کلاس کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ اس طرح کے لوگوں سے میل جول رکھنا مناسب نہیں ہوتا مگر اس پر اثر ہو تو پھر ہے نا۔" منیزہ کی خفگی میں شدید اضافہ ہو چکا تھا۔ "اور آپ اس لڑکی کی ڈھٹائی دیکھیں کہ لاکھ میں نے باتوں باتوں میں اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ اس کے آنے پر رکھائی برتی۔ منہ بنایا بلکہ کئی بار تو سرے سے بات ہی نہیں کی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے ہمارے گھر آنا نہیں چھوڑا' نہ ہی امبر سے دوستی ختم کی۔" منیزہ نے کچھ اور تنفر سے کہا۔ "اس سے آپ اس کے خاندان اور ذہنیت کا اندازہ کر سکتی ہیں۔"

"تو...... وہ کیوں چھوڑے گی تمہارے گھر آنا یا امبر کے ساتھ دوستی' اس کے لیے تو امبر کی شکل میں لاٹری نکل آئی ہے۔"

امبر اسے خاصا کچھ دیتی دلاتی ہوگی۔؟'' شبانہ نے پوچھا۔

''مجھے کیا پتا۔ مجھ سے کون سا ہر کام پوچھ کر کرتی ہے۔ مگر ایسی لڑکیاں بغیر کچھ لیے دیے تو دوستی رکھنے والی نہیں ہوتیں۔'' منیزہ سخت مشتعل تھی۔

''جو امبر کے شوہر تک مدد کے لیے پہنچ گئی ہے۔ وہ امبر سے بھلا کیا کچھ نہیں لیتی ہوگی۔ امبر کچھ نہ بھی دیتی ہو تب بھی ایسی لڑکیاں مانگ لیا کرتی ہیں۔''

''اسے ہمیشہ سے یہی عادت ہے۔ اسے بالکل احساس نہیں ہوتا کہ ہم کس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اسے کن لوگوں سے دوستی رکھنی چاہیے۔ بس اسے ایک بار کوئی اچھا لگنا چاہیے۔''

''تو تم اسے سمجھایا کرو۔''

''کیا سمجھاؤں میں اسے...... منصور نے لاڈ پیار سے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ میری باتیں اس پر اثر کہاں کرتی ہیں۔ میں سمجھاتی ہوں تو وہ فوراً منہ پھلا کر بیٹھ جاتی ہے اور پھر منصور...... آپ کو تو ان کے مزاج کا پتا ہی ہے باقی بچوں کو بھی بگاڑا ہوا ہے مگر اس پر تو ان کا خاص کرم ہے۔ اس میں تو انہوں نے ایک اچھی عادت نہیں آنے دی۔'' منیزہ بھول چکی تھی کہ شبانہ سے امبر کا کیا رشتہ ہے' وہ کسی لحاظ کے بغیر بولتی جا رہی تھی۔

''میں تو بعض دفعہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی ہوں کہ آگے چل کر اس کا کیا ہوگا؟''

''خیر اب آگے کی تو تم فکر نہ کرو۔ جب گھر داری میں پڑے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔ اور پھر طلحہ سے تو تم واقف ہی ہو وہ خود ہی اس کی ایسی عادتیں چھڑا دے گا۔'' شبانہ نے منیزہ کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

''اللہ کرے کہ وہ اس کی عادتیں سدھار دے ورنہ مجھے تو خدشہ یہ ہے کہ کہیں وہ بھی اسی طرح کی حرکتیں نہ کرنے لگے۔'' منیزہ نے شبانہ کی بات کے جواب میں کہا۔

''نہیں...... اب طلحہ اتنا بے وقوف بھی نہیں ہے۔ بہت سمجھ دار ہے۔ اچھا میں اب فون بند کرتی ہوں پھر بات ہوگی تم سے۔'' شبانہ کو اچانک احساس ہوا کہ گفتگو خاصی طویل ہو گئی ہے۔

''آپ بھابھی کسی دن آئیں نا میری طرف۔ اس بار تو بہت دن ہو گئے آپ کو چکر لگائے۔'' منیزہ کو اچانک خیال آیا۔

''ہاں...... ہاں کیوں نہیں میں ضرور آؤں گی۔ میں تو خود سوچ رہی تھی تمہاری طرف آنے کا۔'' شبانہ کو اس کی دعوت پر خوشی ہوئی۔

''تو بس پھر آپ چکر لگائیں میری طرف...... پھر باقی باتیں تب ہی ہوں گی۔'' منیزہ نے ان سے کہا۔

☆☆☆

''تم نے رخشی کو طلحہ کا فون نمبر دیا تھا؟'' منیزہ شبانہ سے بات کرنے کے فوراً بعد امبر کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ منیزہ کے تیور اور لہجہ دیکھ کر اسے اس کے غصے کا اندازہ ہو گیا تھا۔

''اتنی رات کو اس وقت اچانک آپ کو رخشی اور طلحہ کیسے یاد آ گئے؟'' کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے۔ اس نے قدرے لاپروائی سے منیزہ سے پوچھا۔

''میں تم سے جو پوچھ رہی ہوں' مجھے اس کا جواب دو۔ مجھ سے سوال مت کرو۔'' منیزہ نے کچھ اور تیزی سے کہا۔

''ہاں میں نے دیا تھا مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں ممی؟'' امبر نے کہا۔

''اور تم نے طلحہ سے کہا تھا کہ وہ رخشی کی مدد کرے۔'' اس بار امبر خاموش رہی' وہ حیران تھی منیزہ تک یہ بات کون پہنچا سکتا تھا۔

''کہا تھا نا؟''

''جب آپ کو پتا ہے تو پھر کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' اس بار وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"اور تم نے طلحہ سے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امبر خاموش رہی منیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

"تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو... تمہارا خیال ہے کہ تم جب چاہو، جو چاہو مجھ سے چھپا لو گی۔"

"ممی! ایسی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔ تمہیں میں کسی بات سے منع کرتی ہوں تو تمہاری سمجھ میں میری بات کیوں نہیں آتی۔"

"ممی! میں نے صرف اس لیے طلحہ سے یہ کہا تھا کیونکہ آپ ناراض ہو جاتی ہیں، جس طرح اب ہو گئی ہیں۔ آپ کسی کی ... نہیں سنتیں۔ آپ کو رخشی ویسے ہی اچھی نہیں لگتی اور میں نے صرف آپ کے اس غصے سے بچنے کے لیے طلحہ کو منع کیا تھا۔"

"تمہیں میرے غصے یا ناراضی کی پروا ہوتی تو تم کبھی بھی رخشی کے ساتھ اپنا میل جول اتنا نہ بڑھاتیں۔" منیزہ اس کی وضاحت سے مطمئن نہ ہوئی۔ "اور پھر اسے طلحہ تک پہنچا دینا۔ شرم آنی چاہیے تمہیں امبر۔"

"اس میں شرم والی کیا بات ہے۔ طلحہ میرا شوہر ہے۔ آپ اگر میری مدد نہیں کریں گی تو میں اسی سے مدد مانگنے جاؤں گی۔"

"تمہاری مدد... یہ تمہاری مدد ہے۔ تم ٹکے ٹکے کی سہیلیوں کے آگے پیچھے پھرتی رہتی ہو۔"

"ممی پلیز میری فرینڈز کے بارے میں اس طرح کا تبصرہ کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔" امبر نے ناراضی سے اس کی بات کاٹی۔

"مجھے پورا حق ہے تمہاری اس طرح کی سہیلیوں کے بارے میں بات کرنے کا...... جو اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش میں رہتی ہیں۔"

"رخشی ایسی نہیں ہے ممی! اگر کوئی پریشانی میں ہے تو انسان کو اس کی مدد کرنی چاہیے، اگر رخشی میری دوست نہ بھی ہوتی تب بھی وہ جس طرح کے حالات سے دوچار ہے۔ میں اس کی مدد ضرور کرتی۔" امبر نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"تم نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے لوگوں کی مدد کا۔ تمہیں کچھ نہیں پتا کہ کس طرح کے لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا چاہیے اور کیسے لوگوں سے دور رہنا چاہیے۔ بس ہر طرح کے لوگوں کو گلے میں لٹکائے پھرتی ہو۔ دوست ہے میری، یہ ہے میری وہ ہے میری۔" منیزہ کا غصہ اس کی بات پر اور بڑھ گیا تھا۔

"تمہاری یہ دوست اگر دوبارہ مجھے نظر آئی یا اس نے دوبارہ طلحہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو میں اس کی ایسی بے عزتی کروں گی کہ یاد رکھو گی نہ صرف تم بلکہ وہ بھی۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنی اس دوست سے پہلے ہی میل جول ختم کر دو۔"

امبر نے بے یقینی سے منیزہ کو دیکھا اس نے اس سے پہلے کبھی کسی سلسلے میں اس سے اس طرح کی بات نہیں کی تھی۔

"آپ اگر میری دوست سے کچھ کہیں گی تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔" اس بار بے یقینی سے دیکھنے کی باری منیزہ کی تھی۔

"تم ایک لڑکی کے لیے۔ جس سے تمہاری جان پہچان ہوئے چھ ماہ گزرے ہیں، اس کے لیے گھر کو...... اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟"

"ہاں میں چلی جاؤں گی۔ اگر آپ کو میری فیلنگز کا احساس نہیں ہے تو پھر مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہیے اور ... بات ہے۔ وہ میرا شوہر ہے۔ وہ وہی کرے گا جو میں کہوں گی۔ میں نے اس کو رخشی کی مدد کے لیے کہا ہے۔ ... کہوں گی تو وہ اس کی مدد ضرور کرے گا۔ اگر نہیں کرے گا تو میں اس کو بھی چھوڑ دوں گی۔"

منیزہ کا غصہ یک دم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ امبر کو اچھی طرح جانتی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ محض دھمکی نہیں ہے۔ امبر کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتی تھی۔

"تم کیوں نہیں سمجھتی ہو امبر! ایسی لڑکیاں بہت چالاک اور مکار ہوتی ہیں، وہ ہاتھ پکڑنے پر پہنچا پکڑ لیا کرتی ہیں، طلحہ کے

ساتھ اس کا میل جول ہوگا تو اس سے تمہیں ہی نقصان ہوگا۔ ایسی لڑکیاں مردوں کو بڑی آسانی کے ساتھ پھنسا لیتی ہیں۔
منیزہ نے اس بار کچھ تحمل سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔" اور وہ اس قدر خوبصورت ہے۔ اسے تو یہ کام کرتے کچھ مشکل نہیں
انہیں جیسے اور جس طرح کے حربے آتے ہیں، وہ تم جیسی لڑکیوں کو نہیں آتے بعد میں تم بیٹھ کر روؤ گی اور پچھتاؤ گی میری بات نہ
ماننے پر۔"

"آپ بہت عجیب باتیں کرتی ہیں ممی! بہت ہی عجیب...... عجیب طرح کا شک رہتا ہے آپ کو ہر ایک پر۔ مجھے طلحہ پر
پورا اعتماد ہے۔ وہ اس طرح کا آدمی نہیں ہے جیسا آپ اسے ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔
اور مجھے رخشی پر بھی پورا اعتماد ہے، وہ بھی ایسی لڑکی نہیں ہے اور پھر چند مہینے کے بعد میری رخصتی ہو جائے گی۔ پھر کس
طرح کے خدشے آپ خوامخواہ پالے بیٹھی ہیں۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔
"اور بالفرض ایسا کچھ ہو بھی گیا تو اس سے کوئی نقصان ہوگا تو صرف مجھے ہی ہوگا۔ آپ ممی سے تو کچھ نہیں
بگڑے گا پھر آپ خوامخواہ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں۔"
"اتنے اندھے اعتماد کے ساتھ زندگی گزارنے والے ہمیشہ اندھے کنویں میں گرتے ہیں۔" منیزہ نے قدرے تیزی سے کہا۔
"کچھ نہیں ہوگا ممی! کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آپ کیوں خوامخواہ اس طرح کی باتیں سوچتی رہتی ہیں اور پھر رخشی نے طلحہ سے
کون سی مدد مانگ لی ہے۔ ہو سکتا ہے اسے مدد کی ضرورت ہی نہ پڑے۔" اس نے کہا۔
"رخشی نے طلحہ سے کون سی مدد مانگ لی ہے؟ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے فون کر کے طلحہ کو کل اپنے گھر بلایا ہے۔" منیزہ
نے کہا تو کچھ دیر کے لیے امبر خاموش رہ گئی۔
"تمہیں اس نے بتایا ہے یہ؟" منیزہ نے اس سے پوچھا۔
"نہیں۔ مجھے نہیں بتایا مگر بتا دے گی۔ ابھی تو اس نے طلحہ سے بات کی ہے اور طلحہ کون سا اس کے گھر چلا گیا ہے۔" امبر
اب بھی اسی طرح مطمئن تھی۔
"وہ کل جا رہا ہے اس کے گھر...... تم اسے منع کرو۔ بلکہ رخشی سے پوچھو کہ اس نے اس طرح تمہیں بتائے بغیر اسے
کیوں بلوایا ہے۔؟"
"ممی! میں نے خود اس سے کہا تھا کہ اسے جب بھی مدد کی ضرورت ہو وہ طلحہ کو فون کر لے۔ اب اگر اس نے کر لیا
ہے تو مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" امبر نے کہا۔
"دیکھ لو......! ابھی تک طلحہ نے بھی تمہیں فون کر کے رخشی کے اس رابطے کے بارے میں اطلاع نہیں دی۔ اور نہ ہی
دے گا۔"
"ممی! آپ کو ان کے اس رابطے کے بارے میں شبانہ آنٹی نے بتایا ہے۔؟"
منیزہ اس کی بات پر یک دم چپ ہو گئی، اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ اس طرح فوری طور پر شبانہ کا نام لے دے گی۔
"مجھے پہلے ہی توقع تھی کہ یہ ان ہی کی حرکت ہوگی۔ ورنہ طلحہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا کہ میں اسے کوئی بات چھپانے کے
لیے کہوں اور وہ عمل نہ کرے۔
لیکن شبانہ آنٹی کو بھی آپ کی طرح خوامخواہ کے وہم رہتے ہیں۔ جب میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ کچھ نہیں ہوگا تو
آپ اطمینان رکھیں کہ کچھ نہیں ہوگا۔ بلکہ شبانہ آنٹی سے بھی کہیں کہ وہ اس طرح رائی کا پہاڑ بنانے کی عادت چھوڑ دیں۔" امبر
نے ناگواری کے عالم میں کتاب اٹھاتے ہوئے کہا۔
"تم منصور کو آنے دو، آج میں ان سے تمہارے بارے میں بات کروں گی۔" منیزہ نے کچھ بے چارگی کے عالم میں
کہا۔
"ضرور کریں بلکہ میں بھی پاپا سے بات کروں گی۔ آخر آپ کیوں اس طرح ہاتھ دھو کر میرے اور رخشی کے پیچھے پڑ گئی

بند۔ امبر نے ناگواری سے کتاب کھول لی۔
منیزہ کچھ دیر غصے کے عالم میں اسے گھورتی رہی پھر تقریباً پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔ جاتے جاتے اس نے پوری طاقت سے اس کے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔

☆☆☆

رات دیر گئے منصور علی فیکٹری سے واپس آئے تو منیزہ نے آتے ہی ان سے امبر کی شکایت شروع کر دی تھی' وہ ابھی تک بری طرح غصے میں تھی۔
"منصور! آپ جانتے ہیں امبر نے کیا کیا ہے؟"
"کیا کیا ہے؟" منصور علی نے بڑے نارمل انداز میں اپنی ٹائی کھولتے ہوئے کہا۔ وہ منیزہ کی ان شکایتوں کے عادی ہو چکے تھے۔
"اس نے رخشی کو طلحہ کا نمبر دیا ہے اور اسے رخشی کی مدد کرنے کے لیے کہا ہے۔" منصور علی ٹائی کھولتے کھولتے اچانک رک گئے۔
"کیسی مدد؟"
"وہی اس کی بہن کے سلسلے میں۔ پتا تو ہوگا آپ کو اس کی بہن کو قتل کر دیا تھا اس کے شوہر نے...... اس معاملے میں اس نے طلحہ کو اس کی مدد کرنے کے لیے کہا ہے۔" منیزہ نے کچھ بیزار انداز میں کہا۔ منصور علی دوبارہ ٹائی کھولنے لگے۔
"اس میں ایسی پریشانی کی کیا بات ہے۔" انہوں نے بے حد عام سے انداز میں کہا۔
"پریشانی کی بات یہ ہے کہ رخشی نے ابھی چند گھنٹے پہلے طلحہ کو فون کر کے اپنے گھر بلایا ہے۔"
"تو پھر......؟"
"اور آپ کے داماد اور بھتیجے صاحب فوراً اس کے گھر جانے کو تیار ہو گئے۔"
"اچھا!" وہ اب بھی نارمل تھے۔
"امبر نے طلحہ سے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے اس بارے میں کچھ نہ بتائے۔"
اس بار منصور علی مسکرائے' وہ منیزہ کو بتا نہیں سکتے تھے کہ جس بات کے لیے وہ طلحہ پر برہم ہو رہی ہے۔ وہ بات امبر ان سے بھی کہہ چکی تھی صرف مدد کی نوعیت مختلف تھی مگر رازداری کی شرط وہاں بھی تھی۔
"حد ہے آپ کس قدر مطمئن ہیں۔" منیزہ نے کچھ جل کر کہا۔
"تو اس میں پریشان ہونے والی بات ہی کیا ہے۔ رخشی اس کی دوست ہے اگر امبر اس کی مدد کرنا چاہتی ہے تو مجھے تو اس میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔" منصور علی اب بیڈ پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتار رہے تھے۔
"آپ کو تو آج تک اپنی بیٹی کے کسی کام میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی۔ آج کیا نظر آئے گی۔ مجھے یہ لڑکی رخشی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔" منیزہ مزید مشتعل ہو گئی۔
"اب اس میں رخشی کا نہیں تمہارا قصور ہے۔ اگر اعلاظرفی کا مظاہرہ کرو تو امبر کی طرح تم بھی اسے پسند کرنے لگو گی۔ وہ اچھی لڑکی ہے۔"
"پہلے صرف بیٹی حمایتی تھی اب باپ بھی حمایتی بن گیا ہے اس کا۔ وہ لڑکی بہت تیز طرار اور مکار ہے اور پھر ہمارے طبقے سے بھی تعلق نہیں رکھتی اور آپ ہیں کہ میری بات سمجھنے کے بجائے مجھے سمجھا رہے ہیں۔" منیزہ نے کہا۔
"تیزی طراری کو تو اب تم رہنے ہی دو۔ یہ ایک ذہین انسان کی خوبیاں ہوتی ہیں اور آج کل کے زمانے میں ان خوبیوں کے بغیر انسان زندگی کے کسی میدان میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔" منصور علی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔
"اور تم اس طرح فضول باتوں میں وقت ضائع مت کیا کرو۔ امبر سمجھ دار ہے بلکہ تم سے زیادہ سمجھ دار ہے' وہ جانتی ہے کہ اسے کیسے لوگوں سے دوستی رکھنی چاہیے۔ یہ معاملہ اگر تم اس پر ہی چھوڑ دو تو بہتر ہے۔ خوامخواہ کی مداخلت تمہیں زیب دیتی

ہے نہ ہی تمہیں کرنی چاہیے۔"

وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے باتھ روم میں چلے گئے۔ منیزہ کچھ بے یقینی کے عالم میں منصور علی کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

"ہیلو!" امبر نے سوپ پیتے پیتے سر اٹھا کر دیکھا اور سوپ کا چمچ نیچے پیالے میں رکھ دیا۔ لاشعوری طور پر وہ اپنی کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اس کے چہرے پر موجود کچھ دیر پہلے کی مسکراہٹ یک دم غائب ہو گئی تھی جب کہ ٹیبل سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہارون کمال کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔

وہ ڈنر کرنے ایک دوست کے ساتھ وہاں اس ہوٹل میں آیا تھا اور ہوٹل کے ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے کونے کی ایک ٹیبل پر موجود امبر اور طلحہ کو دیکھا تو بے اختیار ہارون کمال کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ اتنی دور سے بھی اس سحر کو محسوس کر رہا تھا جو وہ اپنے اردگرد کی میزوں پر بیٹھے ہوئے مردوں پر پھونک رہی تھی۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس کی طرح اور کتنے لوگ اس وقت اس کے بالمقابل بیٹھے ہوئے طلحہ مسعود علی سے حسد محسوس کر رہے ہوں گے۔

اس کا دل کسی بچے کی طرح اس کے پاس جانے کو مچلا۔ اپنے ساتھ موجود کاروباری دوست یک دم اسے بہت بُرا لگنے لگا۔ وہ بظاہر بڑے معمول کے انداز میں اسے ساتھ لے کر اس ہال سے گزر کر ساتھ والے ڈائننگ ہال میں آ گیا۔

ایک ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے اس نے شفقت سعید سے کہا "آپ مینو سلیکٹ کریں ایک دوست نظر آ گیا ہے — میں بس اس سے مل کر ابھی آیا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا مینو کارڈ نیچے ٹیبل پر رکھ کر مسکراتے ہوئے شفقت سعید سے معذرت کی اور پھر کھڑا ہو گیا۔

"جلدی آ جائیے گا۔ یہ نہ ہو کہ میں انتظار ہی کرتا رہ جاؤں۔" شفقت سعید نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔

"نہیں...... نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ میں چند منٹ میں واپس آ جاتا ہوں۔"

اور اب وہ ان دونوں کے سر پر کھڑا تھا۔ طلحہ اس سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ وہ دو تین مرتبہ منصور علی کے ساتھ فیکٹری آیا تھا اور جس گرم جوشی کے ساتھ طلحہ سے ملا تھا۔ اس نے طلحہ کو خاصا حیران کیا تھا۔

ہارون کمال کاروباری حلقوں میں کوئی بہت بااخلاق آدمی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر جو حیثیت وہ کاروباری حلقوں میں حاصل کر چکا تھا...... کسی کو بھی اس کی یہ بداخلاقی بُری نہیں لگتی تھی...... اسے اس کی شخصیت کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا' طلحہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ منصور علی' ہارون کمال کے ساتھ کوئی نئی فیکٹری شروع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

ہارون کمال کے ساتھ کاروباری شراکت کیا معنی رکھتی تھی وہ اس سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر ہارون کمال کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ ہارون کمال امبر کو دیکھ رہا تھا۔

وہ سیاہ بیل باٹم پہنے ہوئے تھی۔ آدھی آستین کی سیاہ شرٹ میں اس کی سفید رنگت کچھ اور نمایاں ہو رہی تھی۔ اس کے گلے میں موجود سونے کی چین میں لٹکنے والے ٹیبلٹ نما لاکٹ پر وہ طلحہ اور اس کا نام کندہ دیکھ سکتا تھا۔ اسے کبھی کسی عورت کے ہونٹوں پر لگی ہوئی سرخ لپ اسٹک نے اس طرح متاثر نہیں کیا تھا جس طرح اسی وقت...... اس کے کھلے ہوئے تراشیدہ سلکی بال بڑی لاپروائی سے اس کے کندھوں اور پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ لٹیں اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں جو اس کے جسم کی حرکت سے آگے پیچھے جا رہی تھیں' وہ سوپ کے پیالے پر جھکی اس کی آواز پر سیدھی ہوئی تھی اور ہارون کمال نے اس کے چہرے کی مسکراہٹ کو پلک جھپکنے میں غائب ہوتے دیکھا۔

وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں کو میز پر رکھے' طلحہ کو ہارون کمال کے ساتھ مصافحہ کرتے کرتے دیکھتی رہی۔ اس نے محسوس کیا کہ ہارون کی نظریں مسلسل اس پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہیلو!" ہارون نے طلحہ سے مصافحہ کرنے کے بعد اس سے کہا۔

"[illegible]" اس نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"ہارون صاحب! یہ میری واقف ہیں امبر...... انکل منصور کی بیٹی ...... اور امبر یہ ہارون کمال صاحب ہیں ...... انکل منصور کے بہت اچھے دوست۔" طلحہ نے کھڑے کھڑے ان دونوں کا تعارف کروایا۔

"میں انہیں جانتا ہوں۔" ہارون کمال نے طلحہ سے کہا۔ "منصور صاحب کے گھر جا چکا ہوں میں ...... بلکہ ایک بار یہ لوگ بھی آ چکے ہیں ہماری طرف۔"

"اوہ پھر تو آپ پہلے ہی ایک دوسرے سے بہت اچھی طرح واقف ہوں گے۔"

"نہیں۔ امبر سے اتفاقاً دونوں بار ملاقات نہیں ہوئی مگر ان کا ذکر بہت سنا ہے میں نے منصور صاحب سے۔" ہارون نے امبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں انکل منصور کی بہت چہیتی ہیں یہ۔" طلحہ مسکرایا۔

"ہونا بھی چاہیے۔" ہارون کمال نے ایک عجیب مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ "میں یہاں ایک دوست کے ساتھ آیا تھا ...... آپ کو دیکھا تو اس طرف چلا آیا۔" ہارون کمال طلحہ سے مخاطب تھا۔

امبر اسی بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ وہ ہارون کمال کی نظروں سے کچھ الجھ گئی تھی ...... طلحہ کی ہارون کمال کے ساتھ اس قدر گرم جوشی اسے کچھ اور الجھا رہی تھی ...... وہ یہ تو جانتی تھی کہ منصور علی کی ہارون کمال کے ساتھ مختصر سے عرصے میں گہری دوستی ہو گئی تھی مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس فہرست میں طلحہ بھی شامل تھا۔

"آپ آئیں ...... ہمیں جوائن کریں ...... ہمیں خوشی ہو گی۔" طلحہ نے ہارون کو دعوت دی۔

"نہیں۔ میں آپ دونوں کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ خاص طور پر امبر کو۔" ہارون نے کہا۔

"اس میں ڈسٹرب کرنے والی کیا بات ہے ...... ہمیں تو بہت خوشی ہو گی اگر آپ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔" طلحہ نے فوراً کہا۔

"واقعی؟" ہارون نے امبر کی طرف دیکھا۔

"ہم ڈسٹرب نہیں ہوں گے آپ چاہیں تو ہمیں جوائن کر سکتے ہیں۔" امبر نے ...... بڑے محتاط لب و لہجے میں ہارون کی بات کا جواب دیا۔ اس کا خیال تھا کہ ہارون معذرت کر لے گا کیونکہ وہ اس وقت بقول اس کے وہاں اپنے کسی دوست کے ساتھ کھانا کھانے آیا تھا ...... اور ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی ان دونوں کے ساتھ اس کی اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ طلحہ کی رسمی سی دعوت پر ان کے ساتھ بیٹھ جاتا۔ مگر اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب ہارون نے مسکراتے ہوئے سر جھکایا اور وہاں پڑی نمبری کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ طلحہ کو بھی حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے ویٹر کو اشارے سے اپنی طرف بلایا اور خود بھی بیٹھ گیا۔

"آپ کیا لیں گے۔" طلحہ نے ویٹر کے پاس آنے پر ہارون سے پوچھا۔

"وہی جو آپ لوگ لے رہے ہیں۔"

"ہم لوگ فی الحال تو چکن کارن سوپ لے رہے ہیں ...... یہ امبر کو بہت پسند ہے۔" طلحہ نے بتایا۔

"ٹھیک ہے پھر میں بھی چکن کارن سوپ ہی لوں گا۔ یہ امبر کی طرح مجھے بھی بہت پسند ہے۔" ہارون کمال نے کمال کی بے تکلفی کے ساتھ کہا۔

طلحہ نے ویٹر کو سوپ لانے کے لیے کہا' امبر کچھ کہے بغیر دوبارہ اپنا سوپ پینے میں مصروف ہو گئی۔ وہ ہارون کی نظریں ابھی بھی اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی اور اس کی الجھن اب ناگواری میں بدل رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا' وہ سوپ کا پیالہ اس کے منہ پر دے مارے۔

"خاموش رہنا آپ کی عادت ہے' یا پھر صرف اس وقت خاموش ہیں؟" ہارون کمال کو گفتگو شروع کرنے میں مہارت حاصل تھی۔

امبر نے اس کی بات ان سنی کر دی۔ وہ چمچ سے سوپ کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتی رہی۔ اس کی نظریں سوپ کے پیالے پر مرکوز تھیں اور اس کا موڈ بے حد آف تھا...... وہ یقیناً وہاں ہارون کمال کے ساتھ ڈنر کرنے نہیں آئی تھی۔ ہارون کمال اس کے جواب نہ دینے پر شرمندہ نہیں ہوا۔ اس کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

طلحہ اب ویٹر کو ہدایات دے کر ہارون کمال کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ ہارون کمال نے ایک بار پھر اسی طرح اپنا سوال دہرایا۔

"خاموش رہنا آپ کی عادت ہے یا صرف اس وقت خاموش ہیں؟"

امبر اس بار بھی خاموشی سے اسے نظر انداز کرتے ہوئے سوپ پیتی رہی مگر طلحہ نے صورت حال کو بروقت سنبھالا۔

"نہیں امبر اتنی خاموش تو نہیں رہتی ...... اچھی خاصی باتیں کرتی ہے۔ صرف اس وقت خاموش ہے وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ سوپ پی رہی ہے۔" طلحہ نے خوش مزاجی سے کہا۔

"یہ خاموشی سوپ کی وجہ سے ہے؟" ہارون کمال نے اس بار اپنی نظر طلحہ کی طرف منتقل کی۔ "میں سمجھا تھا شاید میرے یہاں بیٹھنے کی وجہ سے اچانک خاموش ہو گئی ہیں یہ۔"

"نہیں نہیں ...... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" طلحہ نے جلدی سے کہا۔ "آپ کو تو خود دعوت دی ہے ہم نے اپنے ساتھ بیٹھنے کی ...... کیوں امبر؟" طلحہ نے امبر کی خاموشی توڑنے کی غرض سے کہا۔

"ہاں آپ کو تو ہم نے خود دعوت دی ہے۔" امبر نے عجیب سے انداز میں طلحہ کی بات دہراتے ہوئے ہارون کو دیکھا۔

"چلیں۔ میں مان لیتا ہوں کہ ایسا ہی ہے' آپ کی ہابیز کیا ہیں؟" ہارون کمال اتنی جلدی بات ختم کرنے والا آدمی نہیں تھا اس نے فوراً اگلا سوال کیا تھا۔

"میری کوئی ہابیز نہیں ہیں۔" امبر نے مختصر کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ...... کوئی نہ کوئی ہابی تو ہوتی ہے ہر ایک کی۔" ہارون کی نظریں بدستور اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"میری نہیں ہیں۔" امبر نے اسی انداز میں کہا۔ اور ایک بار پھر سوپ پینے میں مصروف ہو گئی۔

"خاصی عجیب بات ہے یہ ...... میں اس کی توقع نہیں کر رہا تھا۔" ہارون کمال نے کہا۔

"اس میں عجیب بات کیا ہے اور آپ اس کی توقع کیوں نہیں کر رہے تھے۔" امبر نے سوپ کے پیالے سے یک دم نظریں ہٹاتے ہوئے کہا۔

"آپ جیسی ڈائنامک لڑکی کا کوئی ہابی نہ رکھنا غیر متوقع ہی ہوتا ہے۔"

"آپ کو کیسے پتا کہ میں ڈائنامک ہوں؟" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"منصور علی کی بیٹی کے بارے میں کوئی بھی یہی کہے گا۔" ہارون کمال کا انداز کچھ مدافعانہ ہو گیا تھا۔ "وہ خود بہت ڈائنامک شخصیت کے مالک ہیں۔"

"یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر پاپا ڈائنامک ہیں تو میں بھی ڈائنامک ہوں گی۔"

"توقع تو کی جا سکتی ہے۔"

"میں پاپا کے بالکل برعکس ہوں۔ آپ کو اب تو اندازہ ہو گیا ہو گا۔" اس کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا۔ طلحہ نے امبر کے لہجے میں اتری ناراضی محسوس کر لی تھی اور وہ خوفزدہ ہو رہا تھا کہ کہیں یہ ناراضی ہارون کمال نے بھی محسوس نہ کر لی ہو۔ مگر فی الحال ہارون کمال کے چہرے کی مسکراہٹ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ناراض نہیں تھا یا پھر اسے اپنی کیفیات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔

امبر اپنا سوپ ختم کر چکی تھی اور اب نیپکن سے منہ صاف کر رہی تھی۔ کھانے سے اس کی دلچسپی یک دم ختم ہو گئی تھی۔ وہ وہاں کم از کم ہارون کمال کے ساتھ بیٹھ کر لمبا چوڑا ڈنر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ آدمی اس کے لئے ناقابل برداشت تھا حالانکہ اس نے اب تک ایسی کوئی حرکت یا بات نہیں کی تھی جو نامناسب ہوتی لیکن اس کے باوجود امبر کو اس کا وہاں بیٹھنا بری طرح کھٹک

واقف۔
دیٹر ہارون کمال کے لیے سوپ لے آیا تھا۔

"آپ دونوں بھی میرے ہاں آئیں۔" ہارون کمال نے اچانک طلحہ اور امبر کو دعوت دی۔

"آپ کے ہاں......؟" طلحہ یک دم کچھ ہچکچایا۔ "دراصل ہم دونوں کی ابھی باقاعدہ شادی نہیں ہوئی ہے۔ صرف نکاح ہوا ہے......"

"ہاں میں جانتا ہوں پھر بھی دعوت دے رہا ہوں کہ آپ دونوں میری طرف آئیں۔" ہارون کمال نے طلحہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لنچ ڈنر...... یا ویسے ہی...... میرے گھر پر کچھ وقت گزاریں۔"

"ضرور کیوں نہیں...... چند ماہ تک ہماری شادی ہو جائے گی۔ اس کے بعد ہم آپ کی طرف آئیں گے۔" طلحہ نے کہا۔

"وہ تو شادی کے بعد آئیں گے میں چاہتا ہوں آپ شادی سے پہلے ہی آئیں...... میرا خیال ہے آپ اتنے کنزرویٹو نہیں ہیں کہ اس طرح آنا برا سمجھیں اور منصور بھی بہت براڈ مائنڈڈ ہیں۔" ہارون کمال نے امبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہے...... ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہم تو ویسے ہی کہہ رہے تھے۔" طلحہ نے ہم کا صیغہ استعمال کیا۔

"تو پھر آپ لوگ کب آ رہے ہیں میری طرف؟" اس بار ہارون امبر سے مخاطب تھا۔

"ہم دونوں خاصے معروف رہتے ہیں...... ایک دوسرے کے گھر جانے کے لیے وقت نہیں ملتا پھر کسی تیسرے کے ہاں جانے کے لیے وقت نکالنا خاصا مشکل کام ہے۔" امبر نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"آپ دونوں کھانا کھانے کے لیے تو نکلتے ہی ہوں گے...... جس طرح آج نکلے ہیں...... تو ایسے ہی کسی دن کھانا ریسٹورنٹ میں کھانے کے بجائے میرے ہاں کھا لیں۔" ہارون کمال ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔

"میں نے آپ کو بتایا نا کہ ہمارے پاس ایک دوسرے کے ساتھ گزارنے کے لیے بھی بہت کم وقت ہوتا ہے...... اور پھر جو ہم وقت نکال ہی لیں تو اس میں کسی تیسرے کو تو شامل نہیں کرنا چاہیں گے...... آپ سمجھ سکتے ہیں اس بات کو۔"

ہارون کمال کے چہرے کا رنگ پہلی بار تبدیل ہوا۔ طلحہ نے بروقت مداخلت کی۔

"امبر مذاق کر رہی ہے...... ہم کسی دن ضرور آپ کی طرف آئیں گے۔ بلکہ ہمارے لیے تو یہ ایک اعزاز کی بات ہو گی کہ ہم آپ کے ساتھ کھانا کھائیں۔"

"آپ کے لیے نہیں یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہو گی...... اگر آپ میرے ہاں کھانا کھائیں۔"

ہارون کمال نے اپنی خفت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

امبر نے کوئی جواب دیا نہ کوئی تبصرہ کیا' اس نے اپنے سامنے پڑا ہوا سوپ کا پیالہ پیچھے سرکا دیا۔ اس وقت کوئی بھی اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ بہت بیزار بیٹھی تھی...... اور ہارون کمال جیسے شخص کے لیے ایسے تاثرات کو پڑھنا یا پہچاننا قطعاً مشکل نہیں تھا' وہ اس کی ناگواری کی وجہ جانتا تھا مگر اس کے باوجود وہ وہاں سے اٹھنا نہیں چاہتا تھا...... زندگی میں بہت کم عورتوں میں اسے اس طرح کی کشش محسوس ہوئی تھی جیسی وہ امبر میں کر رہا تھا...... بہت سالوں پہلے اس نے وہ کشش شائستہ میں محسوس کی تھی...... اور وہ جنونیوں کی طرح اسے حاصل کرنے کی تگ و دو کرتا رہا تھا...... کئی سالوں بعد اس نے ایک بار پھر وہ کشش انیس بیس سال کی اس لڑکی کے لیے محسوس کی تھی جو اس وقت اس کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی...... وہ عمر میں اس سے کم از کم پچیس سال چھوٹی تھی...... مگر ہارون کمال بری طرح اس کے دام میں اسیر تھا۔

اس نے اپنی زندگی میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت عورت دیکھی تھی...... وہ عورتیں اس کی زندگی میں آتی اور جاتی رہتی تھیں...... اس کے نزدیک وہ کھیل کے سامان سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں...... مگر سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کے لیے اس کے احساسات ان تمام عورتوں سے بالکل مختلف تھے...... اسے اس کا نخرا' اس کا غصہ' اس کی بے نیازی' اس کی ناگواری' اس کا

اجتناب' اس کی ہر بات' ہر انداز اچھا لگ رہا تھا۔

"کیا میں اس لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو رہا ہوں؟" ہارون کمال نے غیر محسوس انداز میں اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے اسے دیکھا اور سوچا...... "اور اس عمر میں اور اس لڑکی سے...... یا پھر یہ میری ایک اور دلچسپی ہے۔"

وہ خود سے سوال کرتے ہوئے ادھر اُدھر بے نیازی سے نظریں دوڑاتی ہوئی امبر کو دیکھ رہا تھا...... اس کی نظریں اس کی خوبصورت گردن کے گرد لپٹی ہوئی اس چین پر تھیں جو ایک لاکٹ کی شکل میں طلحہ اور اس کا نام لیے ہوئے تھی...... ہارون کمال نے سوپ پیتے پیتے طلحہ کو دیکھا۔ بے اختیار اس کے اندر سے حسد اور نفرت کی ایک لہر اٹھی۔

"یہ شخص امبر جیسی لڑکی کے لائق نہیں۔"

ہارون کمال نے بے اختیار سوچا۔ "یہ میڈیا کر آدمی امبر کے قابل نہیں ہے' کم از کم ایسے آدمی کو امبر کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔" اس نے چمچہ رکھ دیا۔

"تھینک یو ویری مچ...... سوپ واقعی بہت اچھا تھا۔" طلحہ نے چونک کر ہارون کمال کو دیکھا جو اس سے مخاطب تھا۔ "میں اب چلتا ہوں' میرا دوست میرا انتظار کر رہا ہو گا۔" ہارون کمال کھڑا ہو گیا۔

"مگر آپ نے تو ہمارے ساتھ ڈنر کرنا تھا۔" طلحہ نے اٹھتے ہوئے جیسے اسے یاد دلایا۔

"بالکل کرنا تھا...... اگر میرا دوست ساتھ نہ ہوتا تو...... بہرحال آج کیلئے سوپ ہی کافی ہے۔ پھر کبھی ملاقات ہو گی تو یقیناً آپ کے ساتھ ڈنر کروں گا......" ہارون کمال نے طلحہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

امبر کو بے اختیار خوشی ہوئی...... اس نے سکون کا سانس لیا...... ہارن کمال کے جانے کا مطلب تھا کہ وہ اطمینان سے طلحہ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے ڈنر کر سکتی تھی' اسے ایک بار پھر بھوک لگنے لگی۔

"گڈ بائے...... سی یو سون۔" ہارون کمال امبر سے مخاطب ہوا۔ امبر نے سر کی ہلکی سی جنبش کے ساتھ اس کے رسمی کلمات کا جواب دیا۔

"تم بھی حد کر دیتی ہو امبر! اتنا برے طریقے سے ٹریٹ کرتے ہیں کسی مہمان کو۔" اس کے جاتے ہی طلحہ نے امبر سے کہا۔

"مہمان......؟ یہ ہمارا مہمان کیسے ہو گیا...... میرے لیے وہ ایک **Intruder** تھا۔" امبر نے ناراضگی سے کہا۔

"وہ انکل منصور علی کا بہت اچھا دوست ہے۔" طلحہ نے اسے جتایا۔

"صرف چند ماہ کا اچھا دوست...... وہ بھی کاروباری دوست......" امبر نے رکھائی سے تبصرہ کیا۔

"انکل منصور اس کے ساتھ بہت سے منصوبے بنا رہے ہیں...... بہت لمبی پلاننگ کر رہے ہیں اور تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ ہارون کمال کو بزنس سرکل میں کیا سمجھا جاتا ہے۔" طلحہ نے اسے متاثر کرنے کے لیے کہا۔

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اسے بزنس سرکل میں کیا سمجھا جاتا ہے۔" امبر پر رتی برابر اثر نہ ہوا "اور جہاں تک پاپا سے اس کی دوستی کی بات ہے تو یہ اس کا لحاظ ہی تھا کہ میں نے اسے اپنی ٹیبل پر نہ صرف بیٹھنے دیا...... بلکہ سوپ بھی پینے دیا...... ورنہ میں کسی کو اس طرح منہ اٹھا کر یہاں بیٹھنے دیتی......؟"

"اس کے ساتھ ڈنر کرنے کے لیے بڑے بڑے لوگ مرتے ہیں۔"

"میں ان لوگوں میں شامل ہوں اور نہ ہی تمہیں شامل ہونا چاہیے...... ہر دوسرے بندے سے تم متاثر ہو جاتے ہو۔" امبر نے اس بار کچھ ناراضی سے اسے جھڑکا۔

"بات متاثر ہونے کی نہیں ہے...... جو شخص جیسا ہو اس کے بارے میں وہی کہا جاتا ہے۔ ہارون کمال بزنس کی دنیا کا ایک بہت بڑا نام ہے۔"

"تو بھئی۔ میں کیا کروں اگر وہ بہت بڑا نام ہے تو...... میرا اور تمہارا کیا تعلق ہے اس سے...... یا ہمیں اس سے کیا لینا ہے کہ ہم اس کے سامنے بچھ بچھ جائیں یا اسے ریڈ کارپٹ ریسیپشن دیں۔" امبر نے ناگواری سے کہا۔ "اس کو ویسے بھی بالکل

میرا نہیں خیال...... فوراً کھانا کھانے بھی بیٹھ گیا۔ میں اگر اس طرح کا رویہ نہ رکھتی تو وہ اس وقت بھی ہماری ٹیبل پر بیٹھا ہمارا وقت ضائع کر رہا ہوتا...... اپنے احمقانہ قسم کے سوالات اور اندازوں سے۔"

"اگر انکل منصور نے ہارون کمال کے بارے میں تمہاری یہ باتیں سن لیں تو وہ واقعی بہت ناراض ہوں گے۔" طلحہ نے اسے ڈانٹا۔

"پاپا ہر ایرے غیرے کے لیے مجھ پر ناراض نہیں ہوتے پھرتے ...... یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو اس لیے کوئی اور بات کرو بلکہ بہتر ہے کہ ڈنر آرڈر کرو ...... پہلے ہی ہمارا خاصا وقت ضائع ہو چکا ہے تمہارے اس ہارون کمال کی وجہ سے۔" امبر نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"آرڈر مجھے نہیں تمہیں دینا ہے۔" طلحہ نے مینو کارڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ امبر نے مینو کارڈ اٹھا لیا۔

خوشگوار باتوں کے دوران انہوں نے ڈنر کیا۔ ڈنر ختم کرنے کے بعد طلحہ نے اپنا والٹ نکالتے ہوئے ویٹر کو بلایا۔ "بل لے آؤ۔"

"آپ کا بل ادا کیا جا چکا ہے سر۔"

"بل......؟ کس نے ادا کیا ہے؟" طلحہ نے کہا۔

"ہارون کمال صاحب نے۔"

"وہ کہاں ہیں؟"

"وہ جا چکے ہیں۔" طلحہ نے امبر کو دیکھا' جس کے ماتھے پر شکنیں اور گہری ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

فاطمہ نے نماز ادا کر کے سلام پھیرا اور پھر گردن موڑ کر ثانی اور ثمر کو دیکھنے لگی۔ وہ دونوں کمرے کے ایک کونے میں پڑے ہوئے پلنگ پر بیٹھے ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں باتیں کرنے میں مصروف تھے...... اور ہر چند منٹ کے بعد کسی بات پر ہنس رہے تھے...... فاطمہ کے پاس ہونے کی وجہ سے وہ اپنی آوازوں کو حتی المقدور کم رکھے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود جب وہ دبی دبی آوازوں میں ہنسنا شروع ہوتے تو نماز کے دوران فاطمہ کی توجہ بٹ جاتی۔

بالآخر اس نے سلام پھیرنے کے بعد کچھ تنبیہی نظروں سے انہیں گھورا۔ انہوں نے فاطمہ کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھا تو یک دم بالکل سیدھے ہو کر اپنی گود میں رکھی ہوئی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کے چہروں پر موجود چند لمحے پہلے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ ثمر باقاعدہ کچھ بلند آواز سے کتاب میں سے کچھ پڑھنے لگا جب کہ ثانی بھی کتاب پر نظریں جمائے ہوئے تھی اس وقت کوئی انہیں دیکھتا تو اسے یقین نہ آتا کہ وہ ابھی کچھ سیکنڈز پہلے قہقہے لگا رہے تھے۔

"تم دونوں اٹھ کر باہر صحن میں چلے جاؤ۔" فاطمہ نے کہا۔ وہ جانتی تھی کہ جیسے ہی وہ دوبارہ نماز پڑھنے لگے گی ان دونوں کی سرگوشیاں اور قہقہے دوبارہ شروع ہو جائیں گے۔ وہ دونوں کچھ بھی کہے بغیر اپنی اپنی کتاب اٹھا کر مؤدبانہ انداز میں باہر نکل گئے۔ فاطمہ انہیں تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ کمرے کے دروازے سے باہر نہیں نکل گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ نماز شروع کرتی۔ اس کے کانوں میں ایک بار پھر ان کی کھلکھلاہٹوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ اس بار بے اختیار فاطمہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ دونوں میٹرک کے اسٹوڈنٹس تھے' کون کہہ سکتا تھا کہ آپس میں اس طرح شیر و شکر وہ دونوں کبھی آپس میں جھگڑ بھی سکتے تھے۔

وہ بچپن سے ان کی اسی طرح کی حرکتوں کی عادی تھی' وہ دونوں Identical twins تھے مگر ان کی عادتیں ایک دوسرے سے بہت مختلف تھیں۔ ثمر بہت زیادہ شرارتی تھا۔ وہ جسمانی طور پر کمزور ہونے کے باوجود نچلا بیٹھنے والا نہیں تھا' وہ بچپن سے ہی چھوٹی موٹی بیماریوں کا شکار ہوتا رہتا تھا مگر ان بیماریوں نے بھی کبھی اس کی ہمت نہیں توڑی تھی۔ وہ ہر وقت ثانی کو تنگ کرتا رہتا۔ اس کے شیطانی ذہن میں ہر لمحے ثانی کو تنگ کرنے کے لیے نت نئے منصوبے جنم لیتے رہتے تھے مگر اس کی شرارتوں

کا دائرہ کار صرف ثانی سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتا تھا۔ محلے میں یا اسکول میں کبھی کسی کو اس سے شکایت نہیں ہوئی تھی ...... صرف اس سے نہیں ...... بلکہ ان تینوں سے کسی کو شکایت نہیں ہوئی تھی۔

اس کے برعکس ثانی زیادہ سنجیدہ اور سمجھ دار تھی ...... ثمر اور اس کا دن میں کم از کم دس بار جھگڑا ہوتا تھا مگر جھگڑا ہونے کے کچھ دیر بعد ہی ان دونوں میں مصالحت ہو جاتی تھی۔ اس کو اگر ثمر پر غصہ آتا تھا اور وہ اس کی حرکتوں سے چڑتی تھی تو اس کی سب سے زیادہ دوستی بھی ثمر کے ساتھ ہی تھی ...... دونوں ایک دوسرے کے دل کی کیفیت صرف چہرہ دیکھ کر جان لیا کرتے تھے ...... اور اکثر ان دونوں کو ایک دوسرے کو اپنا مسئلہ بتانا نہیں پڑتا تھا ...... وہ دونوں اپنی ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کرتے تھے اسکول سے آنے کے بعد ان کا زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ ہی گزرتا تھا ...... پڑھنا ...... کھیلنا ...... کھانا ...... وہ تینوں کام ایک دوسرے کے ساتھ ہی کرتے تھے اور یہ روٹین اب سے ایسی نہیں تھی ...... بچپن سے ہی تھی ......

ثانی پڑھائی میں بہت اچھی تھی ...... ثمر پڑھائی میں اوسط درجہ کا تھا ...... وہ محنت کرتا تو اچھے نمبر لے لیتا ...... نہ کرتا تو بمشکل پاس ہوتا ...... ثانی کو پڑھائی کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی جبکہ ثمر رنگوں میں بے انتہا دلچسپی رکھتا تھا ...... قدرتی طور پر اس کی ڈرائنگ بہت اچھی تھی اور رنگ اس کے لیے ہمیشہ ہی ایک بہت پُرکشش چیز رہے تھے۔ اس کے پاس موجود کوئی چیز ایسی نہیں تھی جسے اس نے رنگوں سے نہ سجایا ہو ...... اس کی ہینڈ رائٹنگ بھی بہت خوبصورت تھی۔ یہ واحد چیز نہیں تھی جس میں اسے دلچسپی تھی ...... وہ ہر طرح کی آوازیں نکال لیا کرتا تھا ...... ہر ایک کی نقل اتارنے میں ماہر تھا ...... بلکہ یہ اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا ...... گھر میں ہونے والا اسی فیصد مرمت کے کام وہ کیا کرتا تھا ...... گھر میں ہونے والے رنگ روغن سے لے کر سائٹ اور سوئچ بورڈ ٹھیک کرنے تک ...... ہر چیز وہی کیا کرتا تھا ...... واحد چیز جس سے اس کی جان جاتی تھی وہ پڑھائی تھی اور یہ واحد چیز تھی جس پر کوئی اسے بخشنے کو تیار نہیں تھا۔

اس کے برعکس پڑھائی ثانی کی پہلی ترجیح تھی۔ پڑھائی کے سامنے اس کے نزدیک ہر دوسری چیز ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ شبیر کی طرح شاندار تعلیمی ریکارڈ رکھتی تھی اور وہ آئیڈیلائز بھی شبیر کو ہی کرتی تھی ...... شبیر کی طرح اسے بھی میتھ میں بہت دلچسپی تھی ...... بلکہ اسے ہر اس چیز میں دلچسپی تھی جس میں شبیر کو دلچسپی تھی ...... جو چیز شبیر کو پسند تھی وہ اسے بھی پسند تھی ...... جو شبیر کو ناپسند تھی وہ اسے بھی ناپسند تھی ...... اس کی شکل و صورت اگر ثمر سے ملتی تھی تو اس کی عادات شبیر کی طرح تھیں ...... اپنی تعلیمی کامیابیوں کا آدھا کریڈٹ وہ شبیر کو دیتی تھی ...... اور اس میں کوئی مبالغہ بھی نہیں تھا ...... بچپن میں اگرچہ فاطمہ ہی ان دونوں کو پڑھایا کرتی تھی مگر بعد میں یہ شبیر تھا جس نے اس کام کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ وہ شبیر کی طرح ہر کام میں بہت آرگنائزڈ اور Calcuated تھی ...... جو نزاکت اور نفاست شبیر کی زندگی اور شخصیت کا حصہ تھی' وہ لاشعوری طور پر کسی ورثہ کی طرح ثانی میں بھی آئی تھی۔

ثمر ان دونوں کے برعکس بہت لاأبالی تھا۔ وہ خاصا لاپروا بھی تھا ...... اگرچہ وہ شبیر اور ثانی کی طرح بہت آرگنائزڈ نہیں تھا مگر ہر چیز اس کے موڈ پر منحصر تھی۔ اس کا موڈ ہوتا تو وہ ہر چیز کو طریقے اور قرینے سے رکھتا ...... موڈ نہ ہوتا تو اس کی لاپروائی عروج پر ہوتی۔

تینوں میں بہت سارے تضادات ہونے کے باوجود چند چیزیں مشترک تھیں ...... ان کی زندگی صرف اپنے گھر تک محدود تھی۔ یہ چیز ان تینوں نے فاطمہ سے لی تھی ...... مسکراہٹ اور سلام دعا ...... ان دو چیزوں کے علاوہ کوئی تیسری اضافی بات وہ تینوں ہی کرنے کے عادی نہیں تھے ...... محلے کے باقی گھروں کے برعکس ان کے گھر کا دروازہ ہمیشہ بند رہتا تھا ...... صرف ضرورت کے وقت ان کے گھر کوئی آتا یا وہ خود کسی کے گھر جاتے ...... فاطمہ کو محلے کی دوسری عورتوں کی طرح گھنٹوں بیٹھ کر گپیں ہانکنے کی عادت نہیں تھی۔ اس محلے میں آنے کے بعد شروع شروع میں محلے کی خواتین نے شام کو اس کی واپسی کے بعد اس کے پاس بھی دیر تک بیٹھنے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی کوشش کی تھی مگر آہستہ آہستہ انہوں نے خود ہی یہ کوشش چھوڑ دی۔ وہ مختصر ت کیا کرتی تھی اور اسے محلے کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس کی عزت ہوتی تھی اور بے عزت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ محلے کے بہت سے بچے اس کے پاس ٹیوشن پڑھنے لگے تھے۔ آس پاس کے گھروں میں کے ساتھ بر عکس اب کوئی اس کے شوہر اور خاندان کو کھنگالنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔

کے سالوں کے بعد بھی ساری عادتیں ان تینوں میں بھی منتقل ہو گئی تھیں۔ اس کی طرح وہ بھی آس پاس کے گھروں میں ہونے والے واقعات اور سرگرمیوں میں دلچسپی نہیں لیا کرتے تھے۔ اگر ایک طرف یہ فاطمہ کی وجہ سے تھا تو دوسری طرف ان تینوں کی اپنی اتنی مصروفیات اور سرگرمیاں تھیں کہ ان کے لیے ادھر ادھر کی تانک جھانک کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ سہ پہر کو گھر آنے کے بعد وہ تینوں اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے۔ چار پانچ بجے کے قریب محلے کے کچھ بچے فاطمہ کے پاس پڑھنے کے لیے آ جاتے ...... اور شام کو شبیر اپنی ٹیوشنز پڑھانے کے لیے چلا جاتا ...... ثمر اس وقت اکثر وہ چارٹس وغیرہ بناتا تھا جو وہ ایک دکان کے توسط سے حاصل کرتا تھا اور جس کے عوض اسے اتنے روپے مل جاتے تھے کہ اس کی چھوٹی موٹی ضروریات پوری ہو جاتی تھیں ...... علی اکثر اوقات کھانا پکانے میں مصروف ہوتی۔

سات آٹھ بجے کے قریب وہ سب اکٹھے ہوتے تھے ...... کھانا کھانے کے بعد ایک بار پھر وہ سب اپنی پڑھائی میں مصروف ہو جاتے ...... اس طرح کی روٹین کے ساتھ وہ قدرتی طور پر ایک مخصوص ڈگر پر زندگی گزار رہے تھے۔

☆☆☆

''امبر کے والد آئے ہیں۔'' صاعقہ نے رخشی کو اطلاع دی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔''میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔''

''امبر کے پاپا ...... مگر یہاں اس طرح اچانک کیسے آ گئے۔'' رخشی حیرانی سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پتا نہیں ...... یہ تو میں نے ان سے نہیں پوچھا ...... وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں ...... تم ڈرائنگ روم میں آ جاؤ۔'' صاعقہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

رخشی نے ان کے جانے کے بعد اپنی الماری کھولی اور وہاں لٹکا ہوا ایک سوٹ نکال لیا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اس نے اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگائی اور پھر بالوں کو برش کر کے انہیں جوڑے کی شکل میں باندھتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ وہاں منصور علی صاعقہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے۔ رخشی نے انہیں سلام کیا اور پھر صاعقہ کے برابر صوفہ پر جا کر بیٹھ گئی۔

''میں سمجھتا تھا اس پر صرف سفید رنگ اچھا لگتا ہے۔ اس پر تو ہر رنگ اچھا لگتا ہے۔'' منصور علی نے سبز رنگ کے اس شلوار قمیص کو دیکھتے ہوئے سوچا جس میں وہ ملبوس تھی۔

''امبر نے کچھ عرصہ پہلے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ آپ لوگ اپنا گھر تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔'' منصور علی نے گفتگو کا آغاز کیا ''وہ چاہتی تھی کہ میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کروں۔ میں کچھ مصروف تھا اس لیے فوری طور پر کچھ نہیں کر سکا۔''

''یہ تو آپ کی بہت عنایت ہے منصور صاحب۔'' صاعقہ نے ممنون انداز میں کہا۔ ''امبر کے پہلے ہی ہم پر بہت احسانات ہیں۔''

منصور علی نے صاعقہ کی بات کاٹ دی۔ ''اس میں عنایت اور احسان والی کوئی بات نہیں۔ رخشی امبر کی دوست ہے ...... اگر امبر یا میں آپ لوگوں کے لئے کچھ کرتے ہیں تو اس میں احسان والی کیا بات ہے ...... یہ تو تعلق کی بات ہے۔'' منصور علی نے کہا۔

''یہ تو آپ کا بڑا پن ...... آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ آپ اس طرح سوچ رہے ہیں ورنہ آج کے زمانے میں کون اس طرح سوچتا ہے۔'' صاعقہ نے ایک بار پھر اسی ممنونیت سے کہا۔

''میں ویسے بھی امبر کی کسی بات کو رد نہیں کر سکتا۔'' منصور علی نے ایک بار پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس کی بات میرے

لیے پتھر پر لکیر ہوتی ہے...... اور اس نے خاص طور پر مجھے رخشی کی مدد کرنے کے لیے کہا ہے۔" منصور علی نے اس بار رخشی کی طرف دیکھا جو ان کی بات پر مسکرائی۔

"اب آپ لوگ مجھے بتائیں کہ آپ کو کیسا گھر چاہیے...... اور کس علاقے میں چاہیے۔" انہوں نے اگلا سوال کیا۔

"اس سلسلے میں تو آپ ہی ہماری رہنمائی فرمائیں تو اچھا ہے...... ہمیں تو اتنا زیادہ پتہ نہیں ہے...... بس ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو بھی علاقہ ہو...... وہ اچھا ہو...... پُرسکون ہو...... اور گھر کا کرایہ بہت زیادہ نہ ہو۔" صاعقہ نے منصور علی کے سوال کے جواب میں کہا۔

"اگر آپ لوگ میرے ساتھ کسی دن کسی پراپرٹی ڈیلر کے پاس چلیں تو یہ بہتر رہے گا...... آپ ذاتی طور پر اسے اپنی ضروریات بتا دیں گی تو اس کے اور آپ کے دونوں کے لیے آسانی ہو جائے گی۔" منصور علی نے مزید کہا۔

"آپ جب کہیں ہم چلتے ہیں۔" صاعقہ نے کہا۔

"اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو کل کا دن رکھ لیں۔" منصور علی نے تجویز پیش کی۔

"کیوں نہیں...... کل ہی چلتے ہیں...... جتنی جلدی یہ کام ہو جائے ہمارے لیے اتنا بہتر ہے......" صاعقہ نے فوری طور پر کہا۔

"تو ٹھیک ہے پھر میں کل آپ لوگوں کو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔" منصور علی کی نظریں رخشی کے چہرے پر تھیں۔

"امی تو نہیں جا سکیں گی، میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" رخشی جلدی سے بولی۔

"ہاں بہتر ہے رخشی چلی جائے...... یہ زیادہ اچھے طریقے سے گھر دیکھ لے گی۔" صاعقہ نے رخشی کی تائید کی۔

رخشی کے گھر آتے ہوئے منصور علی نے بالکل یہ نہیں سوچا تھا کہ انہیں اس طرح رخشی کے ساتھ اکیلے کہیں جانے کا موقع ملے گا اور وہ مکمل طور پر حیرت زدہ تھے...... مگر اس حیرت نے اس خوشی کو ختم نہیں کیا تھا جو یک دم ان کے اندر پیدا ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے جس طرح آپ لوگ بہتر سمجھیں۔" انہوں نے بظاہر معمول کے انداز میں کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ارے آپ اتنی جلدی اٹھ گئے...... میں تو چائے تیار کروا رہی ہوں آپ کے لیے۔" صاعقہ نے منصور علی کو اٹھتے دیکھ کر کہا۔

"چائے پھر کبھی سہی...... ابھی تو مجھے بہت ضروری کام ہے۔" منصور علی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" رخشی نے اس بار مداخلت کی۔ "آپ پلیز بیٹھ جائیں...... چائے بالکل تیار ہی ہے۔" منصور علی اس بار انکار نہیں کر سکے۔ صاعقہ چائے لینے کے لیے ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ رخشی اور منصور علی اب ڈرائنگ روم میں اکیلے تھے۔

"امبر آپ کا بہت ذکر کرتی رہتی ہے۔" رخشی نے اس خاموشی کو توڑنے میں پہل کی۔ منصور علی کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ "امبر تو آپ کا بھی بہت ذکر کرتی ہے۔" اس بار مسکرانے کی باری رخشی کی تھی۔

"ہاں، امبر مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔"

"آج کل اپنی فرینڈز میں سے وہ صرف آپ کا ہی ذکر کرتی ہے۔" منصور علی نے کہا۔

"وہ بہت اچھی ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں...... میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں...... اپنی اولاد میں سب سے زیادہ میں اسی سے قریب ہوں۔" منصور علی نے کہا۔ رخشی نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ لاشعوری طور پر منصور علی کو احساس ہوا کہ بات کرنے کے لیے امبر کا موضوع کچھ نامناسب تھا...... کم از کم اس وقت۔

"میں نے کالج میں ہونے والے ورائٹی پروگرام کی فلم دیکھی۔"
منصور علی نے اچانک موضوع تبدیل کر دیا۔ رخشی نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔ منصور علی کے منہ سے مووی کا ذکر چونکا دینے والا تھا۔

"آپ نے بہت اچھی ایکٹنگ کی۔" منصور علی نے کچھ جھجکتے ہوئے تعریف کی۔ رخشی کے لیے یہ اور حیرانی کی بات تھی۔ منصور علی سے اس سے پہلے اس کی جتنی بھی ملاقاتیں ہوئی تھیں' اس میں وہ بڑے ریزرو رہے تھے۔ ان تمام مواقع پر امبر ان کے ساتھ موجود ہوتی تھی اور امبر کی موجودگی میں منصور علی کی توجہ مکمل طور پر اس پر ہوتی تھی ...... حال احوال اور سلام دعا کے علاوہ ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوتی تھی ...... آج پہلی بار اسے منصور علی کا لہجہ کچھ بدلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"ارے نہیں۔ اتنی اچھی ایکٹنگ تو نہیں کی تھی ...... یہ تو بس ایسے ہی ایک ایڈونچر تھا۔" وہ مسکرائی۔

"ایڈونچر تھا یا جو بھی تھا ...... مجھے بہرحال بہت اچھی لگی آپ کی ایکٹنگ۔" منصور علی کو اس کی مسکراہٹ سے جیسے کچھ حوصلہ ملا۔

"امبر مجھ سے کہہ رہی تھی کہ آپ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں اس رول میں ...... میں سمجھ رہا تھا' ایسے ہی تعریف کر رہی ہے ...... کیونکہ آپ کی تعریفیں وہ اکثر کرتی رہتی ہے ...... لیکن وہ پلے دیکھ کر میں واقعی بہت متاثر ہوا۔"

اس بار منصور علی نے کھل کر اس کی تعریف کی۔ رخشی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "یہ تو آپ شاید میرا دل رکھنے کے لیے کہہ رہے ہیں ...... ورنہ امبر نے اس میں مجھ سے زیادہ اچھا رول کیا تھا اور وہ زیادہ خوبصورت نظر آئی تھی ...... میں تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں لگ رہی تھی۔"

"نہیں امبر خوبصورت لگ رہی تھی مگر آپ بھی اتنی ہی خوبصورت لگ رہی تھیں اور جہاں تک ایکٹنگ کا تعلق ہے ...... آپ نے امبر سے زیادہ اچھی ایکٹنگ کی ہے۔" منصور علی نے اس بار کچھ اور بے تکلفی سے کہا۔

"اب اس پر میں آپ کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہوں گی ...... آپ کی یہ رائے ہے ...... تو پھر ایسا ہی ہو گا۔" رخشی نے کہا۔ "آپ کی رائے میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

اس سے پہلے کہ منصور علی کچھ اور کہتے صاعقہ چائے کی ٹرالی اندر لے آئی۔

منصور علی کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔ مگر کچھ دیر پہلے وہاں موجود تکلف کا ماحول یک دم ختم ہو گیا تھا۔ چائے بڑے بے تکلف ماحول میں پی گئی۔ صاعقہ اور رخشی کے ساتھ بڑے خوشگوار ماحول میں بات چیت ہوتی رہی پھر وہ دونوں انہیں دروازے تک چھوڑنے بھی گئیں۔ جب وہ دروازے پر پہنچے تو منصور علی نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آج میں آپ کے ہاں خالی ہاتھ آیا ...... بس کچھ جلدی میں آیا تھا ...... اگلی بار ایسا نہیں ہو گا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ...... آپ ہمارے ہاں آئے یہی آپ کی مہربانی ہے۔" صاعقہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی ...... کسی کے گھر جاتے ہوئے کم از کم میں خالی ہاتھ نہیں جایا کرتا۔" منصور علی نے کہا۔

"یہ کسی کا گھر نہیں ہے ...... امبر کے حوالے سے یہ آپ کا ہی گھر ہے اور آپ ہمارے لیے کوئی غیر نہیں ہیں ...... پھر اپنوں میں تو ایسے تکلفات نہیں ہوتے۔" اس بار رخشی نے کہا۔

"اگر یہ اپنا گھر ہے تو پھر تو مجھے خالی ہاتھ آنے پر زیادہ شرمندگی ہے۔ کیونکہ اپنے گھر تو میں کبھی بھی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔"

منصور علی نے برجستگی سے کہا۔ صاعقہ اور رخشی نے ان کی بات پر ایک قہقہہ لگایا۔

"کل آپ تین بجے تیار رہیے گا ...... میں آپ کو پک کر لوں گا۔" منصور علی نے رخشی کو یاد دلایا۔

"آپ فکر نہ کریں ...... اسے یاد نہ بھی رہا تو مجھے یاد رہے گا ...... یہ تیار رہے گی۔" صاعقہ نے رخشی کے کچھ کہنے سے پہلے کہا۔ منصور علی خدا حافظ کہتے ہوئے گھر سے نکل گئے۔

اس گلی سے نکل کر کچھ فاصلے پر موجود اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہ بہت دیر تک اس ملاقات کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔ حیران کن طور پر ان کا موڈ بے حد خوشگوار تھا اور رُخشی اور صاعقہ کے ساتھ گزارا ہوا کچھ وقت انہیں اس دن کا سب سے بہترین وقت لگ رہا تھا۔ انہوں نے صاعقہ اور رُخشی سے اِدھر اُدھر کے سوالات نہیں کیے تھے۔ اگرچہ انہیں ان کے گھر رُخشی کے والد اور اس کی بہن کے معاملے کے بارے میں تجسس تھا مگر اس تجسس کا اظہار انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں نہیں کیا...... رُخشی کے گھر آتے وقت انہیں بالکل بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہاں انہیں اس قدر بے تکلف ماحول ملے گا۔ مگر وہ بے تکلفانہ ماحول انہیں کسی بھی طرح برا نہیں لگا تھا بلکہ بہت عرصے کے بعد انہیں کسی کے گھر بیٹھ کر اتنی اچھی فیلنگ کا احساس ہوا تھا شاید اس کی وجہ رُخشی تھی...... یا پھر شاید یہ اس ڈپریشن سے آزادی کا نتیجہ تھا جس کا شکار وہ اس رات سے تھے جس رات انہوں نے رُخشی کو اس مووی میں دیکھا تھا...... اس کے بعد اگلے کئی دن وہ ایک عجیب سے اضطراب کا شکار رہے تھے۔ رُخشی کسی طرح بھی ان کے ذہن سے نہیں نکل رہی تھی اور آج وہ بے اختیار کسی معمول کی طرح اس کے گھر چلے آئے تھے۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ ان کی اس طرح اچانک آمد کو کیا مفہوم پہنائے گی یا کتنا نامناسب سمجھے گی...... ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ایک بار پھر اس کا چہرہ دیکھ سکے...... اور اس بات نے ان کی مسرت میں اضافہ کیا تھا کہ رُخشی نے وہاں ان کی اس طرح اچانک آمد پر کسی حیرانی کا اظہار کیا تھا نہ ہی کسی ایسے ردعمل کا جس پر ان کو شرمندگی یا پچھتاوا محسوس ہوتا۔

وہ غیر معمولی طور پر مسرور تھے اور بہت دیر تک وہ گاڑی اسٹارٹ کیے بغیر وہیں بیٹھے رہے...... پھر بہت دیر بعد ایک گہری سانس لے کر انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

''یہ منصور علی کیسے آدمی ہیں؟'' منصور علی کے جانے کے بعد صاعقہ نے پلٹ کر رُخشی سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں بے حد تجسس تھا۔

''آپ کو کیسے لگے ہیں؟'' رُخشی نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو بہت اچھے لگے ہیں۔'' صاعقہ نے اپنی رائے دی...... وہ زندگی میں پہلی بار منصور علی کی حیثیت کے آدمی سے ملی تھی...... ان کا لباس' ان کے انداز و اطوار' ان کی نشست و برخاست ہر چیز ان کے خاندانی رئیس ہونے کا منہ بولتا ثبوت تھی...... صاعقہ آج تک جن آدمیوں سے میل جول رکھے ہوئے تھی وہ سب نو دولتیا کلاس تھی...... ان میں اور منصور علی میں زمین و آسمان کا فرق تھا اور یہ فرق پہلی ہی نظر میں صاعقہ جیسی عورت نے بھانپ لیا تھا۔

''ہاں۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے...... بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''تم سے پہلے بھی کبھی ان کی ملاقات یا بات چیت ہوئی ہے؟'' صاعقہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں ملاقات تو کئی بار ہوئی ہے...... ایک دو بار امبر کے ساتھ کالج سے واپسی پر مجھے ڈراپ کرنے آئے تھے اور چند بار ان کے گھر پر ان سے ملاقات ہوئی تھی مگر بات چیت اور اس طرح کی بات چیت جس طرح آج ہوئی ہے' وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی ان جیسے آدمی ہر ایک کے ساتھ تفصیلی گفتگو نہیں کیا کرتے۔'' رُخشی نے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو پھر آج یہ ہمارے گھر کیسے آ گئے اور وہ بھی اس طرح اکیلے...... کیا صرف امبر کے کہنے پر۔'' صاعقہ نے کہا۔ رُخشی ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے کچھ سوچنے لگی۔

''یہ تو ابھی مجھے دیکھنا ہے کہ یہ بے تکلفی اور اپنائیت امبر کا کمال ہے یا پھر......'' وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔

''یا پھر؟'' صاعقہ نے اس کے ادھورے جملے کو دہرایا۔

''یا پھر...... کوئی اور بات ہے۔''

''کوئی اور بات؟''

''کالج کے اس پروگرام میں بنی میری فلم دیکھی ہے انہوں نے...... اور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں نے اس کھیل میں بہت اچھا کام کیا ہے۔'' رُخشی نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"میں حیران ہوں منصور علی جیسا آدمی ایک فلم ...... اور وہ بھی میری فلم کے لیے وقت کیسے نکال پاتا ہے اور پھر تعریف

کی ہوئی تھی۔ اس بار صاعقہ اس کے جملے پر مسکرائی۔

"وہ کچھ آدمی ہیں یہ ...... دوسرے مردوں سے مختلف ہیں۔ کم از کم ان مردوں سے جن سے ہم ملتے ہیں۔" صاعقہ

"مگر کتنے مختلف ہیں۔ اس کا اندازہ تو ان سے چند بار اور مل کر ہی ہوگا۔"

"ہاں مختلف ہیں ...... اس میں کوئی شبہ نہیں ...... مگر کتنے مختلف ہیں۔"

رخشی اب کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

"تم نے طلحہ کو فون کیا تھا وہ آیا نہیں؟" صاعقہ نے اچانک اسے یاد دلایا۔

"ہاں چند دن گزر گئے ہیں وہ نہیں آیا ...... میں اس کو دوبارہ فون کروں گی ...... دیکھوں گی کیا مسئلہ ہے۔" رخشی کو بھی

اچانک یاد آیا۔

"تم سے تو اس نے اگلے ہی دن آنے کا وعدہ کیا تھا۔" صاعقہ نے کہا۔

"میں کیا ...... اور مجھ سے کیا گیا وعدہ کیا ......" رخشی مسکرائی۔ "میں امبر تو نہیں ہوں امی۔" صاعقہ کچھ دیر اسے دیکھتی

رہی پھر کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

"ہیلو امبر کیسی ہو۔" شائستہ نے امبر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ امبر بے اختیار کچھ حیرانی کے عالم میں ٹھٹک کر رک

گئی۔ اس کے انداز میں کچھ ہچکچاہٹ تھی۔ اسے توقع نہیں تھی شائستہ اس طرح یہاں مل جائے گی اور اسے مخاطب بھی کرے گی۔

وہ اس وقت ایک شاپنگ آرکیڈ میں کھڑی تھی۔ صبغہ اس سے کچھ فاصلے پر میک اپ کی کچھ چیزیں دیکھنے میں مصروف تھی جبکہ وہ

خود ...... پرفیومز دیکھ رہی تھی جب اچانک شائستہ نے اس کے قریب آ کر اسے مخاطب کیا۔

"آنٹی آپ کیسی ہیں؟" اس نے اس جھٹکے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ شاپنگ کے لئے آئی ہو؟" شائستہ نے ایک بہت سرسری سا جملہ بولا۔

"ہاں۔"

"کس کے ساتھ آئی ہو؟ کیا منیزہ بھی ساتھ ہیں؟"

"نہیں ممی نہیں آئیں صبغہ میرے ساتھ آئی ہے وہ وہاں کاسمیٹکس دیکھ رہی ہے۔"

اس نے کچھ دور کھڑی صبغہ کی طرف اشارا کیا جو ان کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ شائستہ نے ایک لمحے کے لیے گردن

موڑ کر ادھر دیکھا اور پھر امبر کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟"

"کوئی خاص مصروفیات نہیں ہیں۔"

"ہم لوگ دو چار بار تم لوگوں کے ہاں گئے ہیں مگر تم سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔ اس پارٹی میں ملاقات کے بعد آج ہی

ملاقات ہو رہی ہے اور وہ بھی ایک شاپنگ آرکیڈ میں۔" شائستہ نے خوشگوار لہجے میں کہا "تم آؤ نا کسی دن ہماری طرف۔"

"اوکے۔ ممی آئیں گی تو میں بھی ان کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

"منیزہ کو تو میں نے انوائیٹ کیا ہوا ہے ...... کہہ رہی تھیں کہ جلد ہی میری طرف آئیں گی۔" شائستہ نے کہا۔

"ممی آپ کا خاصا ذکر کرتی ہیں انہوں نے آپ سے وعدہ کیا ہے تو پھر بہت جلد آپ کی طرف آئیں گی۔" امبر نے

مروتاً کہا۔

"منیزہ خود بہت اچھی ہیں۔ خیر تم شاپنگ کرو میں نے خوامخواہ تمہیں ڈسٹرب کیا۔"

شائستہ نے مسکراتے ہوئے اس سے الوداعی کلمات کہے اور پھر ایک طرف چلی گئی۔ صبغہ نے شائستہ کو امبر سے باتیں

کرتے دیکھ لیا تھا مگر وہ ان کی طرف نہیں آئی۔ جب امبر صبغہ کی طرف گئی تو اس نے امبر سے کہا۔

''مسز کمال تھیں نا یہ؟''

''ہاں وہی تھیں۔'' امبر نے لاپروائی سے سر ہلایا۔

''اچھی خاتون ہیں۔'' صبغہ نے تبصرہ کیا۔ ''بہت کائنڈ سی ہیں۔''

''نہ صرف کائنڈ بلکہ بہت گریس فل اور گلیمرس بھی ہیں۔'' امبر نے اضافہ کیا۔ وہ دونوں اب شاپنگ آرکیڈ کے اوپر والے حصے کی طرف جا رہی تھیں۔

''ہاں' گریس فل اور گلیمرس تو ان کے شوہر بھی ہیں۔'' صبغہ نے تبصرہ کیا۔

''ہوں گے مگر مجھے وہ پسند نہیں ہیں۔'' امبر نے ناگواری سے کہا۔

صبغہ نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں وہ پسند نہیں ہیں؟ تم کب ملی ہو ان سے؟...... گھر پر تو وہ جتنی بار بھی آئے ہیں تمہاری ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' صبغہ نے کہا۔

''ایک ملاقات تو اسی پارٹی میں ہوئی تھی جہاں پاپا پہلی بار ان کی فیملی سے متعارف ہوئے تھے۔ اور دوسری ملاقات چند دن پہلے ایک ہوٹل میں ہوئی' جہاں میں اور طلحہ کھانا کھانے کے لیے گئے تھے۔''

صبغہ خاصی دلچسپی کے ساتھ سن رہی تھی۔

''وہ خود ہماری ٹیبل پر آ گئے۔ طلحہ نے انہیں اپنے ساتھ کھانے کی آفر دی اور تم انہیں دیکھو۔'' امبر نے تنفر سے کہا۔ ''انہوں نے فوراً آفر قبول کر لی' بلکہ بیٹھ گئے اسی وقت ہمارے ساتھ کھانا کھانے۔ مجھے تو بے حد غصہ آیا ان پر بھی اور طلحہ پر بھی نہ وہ یہ آفر کرتا نہ یہ ہمیں چپکتے۔''

''کیا فرق پڑتا ہے اگر انہوں نے تمہارے ساتھ ڈنر کر لیا۔'' صبغہ نے نرمی سے کہا۔ ''طلحہ بھائی نے انہیں اس لیے انوائیٹ کیا ہو گا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ پاپا ان کے ساتھ کوئی جوائنٹ وینچر کرنے والے ہیں بلکہ میرا خیال ہے یہ پاپا کے ساتھ چند بار فیکٹری بھی گئے ہیں۔''

''ہماری ان کے ساتھ اتنی بے تکلفی یا شناسائی تو نہیں تھی کہ وہ ایک رسمی دعوت نامہ اس طرح فوراً قبول کر لیتے۔ وہ بھی اس صورت میں جب وہ دیکھ رہے تھے کہ وہاں صرف میں اور طلحہ بیٹھے ہوئے ہیں' وہ تو ہمارے رشتے سے بھی واقف ہوں گے پھر اس طرح منہ اٹھا کر وہاں آ کر بیٹھ جانا...... حیرت ہے۔ وہ اتنے کامیاب کیسے ہیں جب اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی تمیز نہیں ہے۔

اور اس پر بھی یہ کہ وہ بات سے بات نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ضرورت سے زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ میں نے بھی بنا کسی مروت کے ظاہر کر ہی دیا کہ مجھے ان کا وہاں بیٹھنا ناپسند ہے۔ آخر اٹھ کر چلے ہی گئے۔'' امبر نے کہا۔ وہ دونوں اب شاپنگ آرکیڈ کے اوپر والے حصے میں پہنچ چکی تھیں۔

''پاپا کی ان کے ساتھ بہت دوستی ہے۔ اگر انہوں نے پاپا سے شکایت کر دی تو؟ پاپا کتنا ناراض ہوں گے۔'' صبغہ نے اس سے کہا۔

''میں نہیں سمجھتی کہ وہ پاپا سے شکایت کریں گے۔ ویسے تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ پاپا ایک دوست کے لیے کبھی مجھے نہیں ڈانٹ سکتے۔'' امبر نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

''ہاں' میں جانتی ہوں لیکن اگر تمہارے رویے کی وجہ سے انہوں نے پاپا کے ساتھ بزنس ڈیلز ختم کر دیں تو پاپا کو کتنی مایوسی اور نقصان ہو گا۔ تمہیں اس کا اندازہ ہونا چاہیے۔''

''پاپا کا بزنس ان کا محتاج نہیں ہے۔ ویسے بھی ہارون کمال ہی پاپا کے ساتھ مل کر بزنس کرنا چاہ رہے ہیں۔ پاپا نے ان سے ایسی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی۔'' امبر نے اسی انداز میں کہا۔

"وہ ذرا کو بل پے کر گئے جب ہم لوگوں نے بل پے کرنا چاہا تو ویٹر نے کہا کہ بل پہلے ہی پے کیا جا چکا ہے۔ تم جانتی ہو جاتے ہوئے انہوں نے کیا کیا؟" امبر کو یاد آیا۔ صبغہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
صبغہ اسے دیکھتی رہی۔ "اب یہ خوامخواہ احسان کرنے والی بات نہیں ہے اسی لیے میں تم سے کہہ رہی تھی کہ یہ مجھے اچھے نہیں لگے۔"
"پھر تو تمہیں شائستہ کمال بھی بری لگنی چاہیے۔" صبغہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ امبر کے مزاج سے بخوبی واقف تھی۔
"مجھے شائستہ کمال کیوں بری لگنی چاہیے؟ مجھے وہ اچھی لگی ہیں۔ ہارون کمال سے تو بہت بہتر ہیں۔" امبر نے فوراً کہا۔
"ہارون کمال کی طرح خوامخواہ گلے پڑنے کی کوشش تو نہیں کی انہوں نے اور نہ ہی فضول باتیں کرنے کی عادت ہے انہیں۔"
"تمہیں کیسے پتا؟ تم انہیں کتنا جانتی ہو۔ ایک دو بار ہی ملی ہو۔" صبغہ نے فوراً اس کی بات کاٹی۔
"پھر بھی میں اندازہ کر سکتی ہوں۔" امبر نے مدافعانہ انداز میں کہا۔ "اور تم جانتی ہو۔ میرے اندازے اکثر صحیح ہوتے ہیں۔"
"اکثر مگر ہمیشہ نہیں۔" صبغہ نے مسکرا کر کہا۔
"ہاں۔ ہمیشہ نہیں...... مگر اکثر میری چھٹی حس مجھے لوگوں کے بارے میں صحیح گائیڈ کرتی ہے۔"
امبر نے لاپروائی سے کہا۔ صبغہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور خاموش رہی۔

☆☆☆

سیڑھیوں میں بیٹھے ہوئے ثانی نے آخری چند لائنیں لکھ کر کاپی بند کر دی۔ ایک گہرا سانس لے کر اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا اور ایک جماہی لی پھر اس نے سر اٹھا کر ایک نظر صحن میں دوڑائی۔ صحن کے تخت پر شہیر بیٹھا اپنے بوٹ پالش کرنے میں مصروف تھا۔ وہ پورے انہماک سے اپنے کام میں مگن تھا۔ ثانی نے مسکراتے ہوئے کچھ فخریہ اور ستائشی نظروں سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا۔ وہ اس کا آئیڈیل تھا۔ ہر کام میں، ہر چیز میں، ہر بات میں۔
وہ اٹھ کر تخت کی طرف چلی گئی۔ شہیر نے ایک ثانیہ کے لیے نظر اٹھائی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ ثانی اپنی کتابیں تخت پر رکھتے ہوئے شہیر کے عقب میں تخت ...... پر بیٹھ گئی اور شہیر کے گلے میں دونوں بانہیں ڈال کر اس کے کندھے کی پشت پر اپنا سر ٹکا دیا۔
چند لمحوں کے لیے پالش کرتے ہوئے شہیر کے ہاتھ رکے پھر وہ اسی طرح اپنا کام کرتا رہا۔ وہ بہت لاڈ میں آتی تو یہی کرتی تھی۔
"بھائی! آج مجھے آئس کریم لا دیں۔"
"میں ثومی سے کہتا ہوں، وہ لا دے گا۔" شہیر نے ہمیشہ کی طرح اس کا مطالبہ بلا حیل و حجت تسلیم کرتے ہوئے کہا۔
"نہیں نہیں۔ ثومی نہیں، وہ میری آدھی آئس کریم کھا جاتا ہے۔ بس بھائی! آپ مجھے خود لا کر دیں۔" ثانی نے سر اوپر کر کے کہا۔
"نہیں کھائے گا...... میں اس کی آئس کریم کے لیے بھی پیسے دے دوں گا۔"
"اس کو پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا...... وہ پہلے اپنی کھائے گا پھر میری بھی آدھی کھا جائے گا...... آپ خود لا کر دیں۔"
"اچھا میں ابھی تھوڑی دیر میں لا دوں گا۔" شہیر بالآخر مان گیا۔
"بھائی! آئس کریم کھلانے ساتھ لے جائیں۔ مجھے تازہ آئس کریم کھانی ہے۔" وہ بالآخر اپنے اصلی مطالبے پر آ گئی۔
"وہ تو بہت دور جانا پڑے گا۔"
"کوئی بات نہیں، چلے جائیں گے...... وین پر دیر تو نہیں لگتی، صرف پندرہ منٹ لگیں گے آنے جانے میں، آئس کریم کھا

کر سیدھے گھر آ جائیں گے۔'' وہ جوش سے پورا پروگرام سیٹ کر رہی تھی۔

''مگر میں نے تمہیں بتایا ہے ناں' آج میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔'' شبیر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''پلیز پلیز ...... پلیز بھائی لے جائیں نا؟'' اس بار اس نے منت سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ تم کپڑے تبدیل کرو' چلتے ہیں۔'' شبیر نے اپنے بوٹ نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

ثانی بے اختیار خوش ہوگئی۔ اور تخت سے اٹھ کر اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

''امی! میں بھائی کے ساتھ آئس کریم کھانے جا رہی ہوں۔'' اس نے فاطمہ سے کہا جو اندر کمرے میں ایک قمیص کی ترپائی کرنے میں مصروف تھی۔

''مگر شبیر کو تو آج بہت کام کرنا تھا۔'' فاطمہ نے اپنا ہاتھ روک کر کہا۔

''نہیں' انہیں تو کوئی کام نہیں ہے ہم ویسے بھی جلدی آ جائیں گے۔ دس پندرہ منٹ میں۔'' ثانی نے گول مول انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

''اگر دس پندرہ منٹ کی بات ہے تو چلے جاؤ مگر دس پندرہ منٹ ہی لگنے چاہئیں۔ ایک دو گھنٹے نہیں۔'' فاطمہ کو اس کا اور شبیر کا پتا تھا۔

''نہیں امی! ایک دو گھنٹے نہیں لگیں گے...... ہم واقعی جلدی آ جائیں گے۔'' ثانی نے فاطمہ کو تسلی دی۔

''آپ ثومی کو کیا بتائیں گی کہ میں کہاں گئی ہوں۔'' اسے کپڑے نکالتے ہوئے اچانک خیال آیا۔

''کچھ نہ کچھ کہہ دوں گی۔''

''آپ اسے بتائیں کہ میں آئس کریم کھانے گئی ہوں تاکہ اس کو ذرا پتا چلے۔ بہت دکھ ہوگا اسے اور میرے تو کان کھا جائے گا جب میں واپس آؤں گی۔'' ثانی کو اندازہ تھا۔

''نہیں میں اس سے یہ تو نہیں کہوں گی میں ویسے ہی کہوں گی کہ تم مارکیٹ گئی ہو۔'' فاطمہ نے اسی انداز میں کہا۔

☆☆☆

''ثانی!'' فاطمہ نے اسے مخاطب کیا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ ثمر اور شبیر دوسرے کمرے میں تھے۔ وہ دونوں وہیں سوتے تھے جبکہ ثانی فاطمہ کے ساتھ اس کمرے میں سوتی تھی۔

''جی امی!'' وہ فاطمہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''اس طرح شبیر کے ساتھ بیٹھنا اور اس کے گلے میں بانہیں ڈالنا اب تم چھوڑ دو۔''

''کیوں امی؟'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''اب تم بڑی ہوگئی ہو' اس طرح بچوں کی طرح ساتھ چپکنا مناسب بات نہیں ہے۔'' فاطمہ نے نرمی سے کہا۔

''مگر امی! وہ میرے بھائی ہیں۔''

''وہ تمہارا بڑا بھائی ہے' اسی لیے سمجھا رہی ہوں ...... یہ بالکل مناسب نہیں لگتا کوئی دیکھے تو کیا سمجھے اور خود شبیر کو کتنی شرمندگی ہوگی۔''

''مجھے پتا ہے امی۔ مگر وہ مجھے اتنے اچھے لگتے ہیں۔ اتنے اچھے لگتے ہیں کہ میرا خود بخود دل چاہتا ہے ان کے پاس بیٹھنے کو۔ ان سے باتیں کرنے کو۔''

فاطمہ عجیب سے انداز میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''میں جانتی ہوں' وہ تمہارا بڑا بھائی ہے۔ پھر بھی اب تمہیں سنجیدگی اختیار کرنا چاہیے۔ کل کو وہ تمہیں جھڑک دے تو تمہیں کتنا بُرا لگے گا۔''

"کس بات پر جھڑکیں گے مجھے؟ گلے میں بازو ڈالنے پر، پاس بیٹھنے پر؟" وہ حیران ہونے لگی۔
"نہیں اس بات پر کہ اب تم بڑی ہو رہی ہو اور پھر بھی بچوں جیسی حرکتیں کرتی ہو۔"
"مگر امی یہ بچوں جیسی حرکتیں تو نہیں ہیں۔ مجھے واقعی شبیر بھائی بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں بہت پیار کرتی ہوں ان سے۔" اس نے اپنی بات پر زور دیا۔ "اور پھر میں تو ثومی کے ساتھ بھی یہی کرتی ہوں۔"
"اسی لیے تو سمجھا رہی ہوں کہ ایسا نہ کیا کرو۔ بہن بھائیوں میں بھی کچھ ادب اور لحاظ ہوتا ہے کچھ فاصلوں اور حدوں کو برقرار رکھنا پڑتا ہے۔"
"اچھا امی میں آئندہ محتاط رہوں گی۔" ثانی نے اس بار مزید کچھ کہنے کے بجائے ان کی بات پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔
فاطمہ قدرے مطمئن ہو گئی۔ اس نے آج پہلی بار ثانی اور شبیر کی بے تکلفی کو تشویش سے دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہن بھائی ہی سمجھتے ہیں مگر فاطمہ جانتی تھی کہ ایسا نہیں تھا اور پہلی بار اسے لگا کہ اسے ان دونوں کے درمیان کچھ فاصلے بہرحال برقرار رکھنے پڑیں گے۔ وہ شبیر کے ساتھ ثانی کی جذباتی وابستگی کو اچھی طرح جانتی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ شبیر بھی ثانی کے ساتھ بہت محبت کرتا تھا اور وہ ہمیشہ خود کو یہی تسلی دیتی رہی تھی کہ یہ بہن بھائی کی محبت سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا مگر اس کے باوجود اب اسے یہ ضرورت محسوس ہونے لگی تھی کہ وہ ثانی کی شبیر کے ساتھ اس بے تکلفی کو قدرے محدود کرنے کی کوشش کرے اور اسے اطمینان تھا کہ اس کام میں اسے کوئی دقت نہیں ہو گی ثانی ہر بات چوں چرا کیے بغیر ماننے کی عادی تھی اور کچھ یہی حال شبیر کا بھی تھا۔ وہ ثانی اور ثومی دونوں سے بہت زیادہ فرمانبردار تھا اور فاطمہ ان دونوں کی نسبت اس سے زیادہ جذباتی لگاؤ رکھتی تھی۔ اگر شبیر پر یہ بات عیاں تھی تو ثانی اور ثومی سے بھی یہ بات چھپی ہوئی نہیں تھی۔
"ویسے امی! شبیر بھائی کتنے ہینڈسم ہیں نا؟" ثانی نے اچانک کتاب سے نظریں اٹھا کر اسے مخاطب کیا۔ "ہم سب سے زیادہ ہینڈسم ہیں۔"
"اس میں ایسی کیا خاص بات ہے۔" فاطمہ نے لاپروائی سے کہا۔
"میرے لیے تو ہے...... ویسے انہیں پاکستان میں نہیں کہیں اور پیدا ہونا چاہیے تھا...... نہیں نہیں پاکستان میں ہی۔ ادھر شمالی علاقوں میں۔ وہ وہاں کے لوگوں جیسے ہی لگتے ہیں ہمارے بھائی لگتے ہی نہیں۔" ثانی نے ستائشی لہجے میں کہا۔
"فضول باتیں مت کیا کرو ثانی" فاطمہ بے اختیار نروس ہو گئی۔
"وہ تمہارے جیسا ہی لگتا ہے تم دونوں سے ہی شکل ملتی ہے اس کی۔ کسی سے بھی پوچھ لو۔ بس اس کا قد کچھ زیادہ لمبا ہے۔" فاطمہ کو خود نہیں معلوم تھا کہ وہ اس طرح کی وضاحتیں کیوں کر رہی تھی۔ وہ اسے ڈانٹ کر چپ کروا سکتی تھی۔
"کس سے زیادہ شکل ملتی ہے ان کی مجھ سے یا ثومی سے؟" ثانی یک دم پر جوش ہوئی۔
"ثانی! وقت ضائع مت کرو۔ رات بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ ابھی تمہیں سونا بھی ہے۔"
فاطمہ نے بات کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
"پلیز امی! بس صرف یہ ایک بات بتا دیں کہ ان کی شکل کس سے زیادہ ملتی ہے؟ مجھ سے یا ثومی سے؟" اس نے ایک بار پھر ملتجیانہ انداز میں کہا۔
"دونوں سے اب تم سو جاؤ یا پھر کتاب پڑھو۔" ثانی فاطمہ کے جواب پر کچھ مایوس سی ہو گئی۔
"ثومی سے تو نہیں مل سکتی...... وہ تو بے حد فضول ہے۔ مجھ سے ہی ملتی ہو گی۔" وہ بڑبڑائی۔ فاطمہ خاموش رہی۔

☆☆☆

منصور علی دوسرے دن ٹھیک وقت پر رخشی کے گھر موجود تھے۔ رخشی ان کے پہنچنے سے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی اور اس کو دیکھ کر اس عمر میں بھی منصور علی اپنے ہوش و حواس کو قابو میں رکھنے میں دقت محسوس کر رہے تھے۔ وہ اس وقت مکمل تیاری کے ساتھ تھی اور منصور علی کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ اس کی نظروں سے چھپ نہیں سکے تھے۔ اس کے لیے یہ بدلتے رنگ

کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی اس میں اتنی کشش تھی کہ وہ کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

"میں سمجھ رہا تھا کہ میں جلدی پہنچ گیا' مجھے انتظار کرنا پڑے گا۔" منصور علی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں' انتظار کیوں کرنا پڑتا...... آپ وقت پر آئے ہیں۔" رخشی نے خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بہت کم لڑکیاں ہی وقت کی پابندی کرتی ہیں۔"

"میں ان کم لڑکیوں میں سے ہوں۔" رخشی نے اسی برجستگی سے کہا۔

"ہاں' رخشی تو مجال ہے کہ کسی بھی کام سے ایک منٹ کے لیے بھی لیٹ ہو جائے۔" صاعقہ نے پہلی بار ان کی باتوں میں مداخلت کی۔ "یہ تو ہمیشہ ہر کام وقت پر کرتی ہے۔"

"اچھا کرتی ہیں۔" منصور علی نے سراہا۔ "میری بھی ایسی ہی عادت ہے۔"

"حالانکہ امبر کی عادت تو بالکل مختلف ہے۔" صاعقہ نے کہا اور بے اختیار پچھتائی' وہ موقع امبر کو یاد دلانے کا نہیں تھا۔ منصور علی کچھ گڑبڑائے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ صاعقہ کے اس تبصرے پر کیا کہیں۔ اس بار رخشی ان کی مدد کو آئی۔

"چلتے ہیں۔ دیر ہو رہی ہے۔" اس نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ منصور علی نے اسے باہر نکلنے کے لیے راستہ دیا۔

اپنی گاڑی کے اندر بیٹھنے کے بعد انہوں نے رخشی کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔ رخشی بلا جھجک اندر بیٹھ گئی۔ اس کے انداز میں بے پناہ اعتماد تھا۔

گاڑی کو مین روڈ پر لانے کے بعد منصور علی نے باقاعدہ اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا۔

"میں نے چند ایک پراپرٹی ڈیلرز کے ساتھ بات کی ہے۔ ان میں سے ایک مجھے کچھ زیادہ بہتر لگا۔ میں آپ کو اس کے پاس لے کر جا رہا ہوں۔" منصور علی نے کہا۔

وہ نہیں جانتے تھے کیوں مگر اس وقت اپنے برابر بیٹھی ہوئی رخشی انہیں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ بہت سالوں کے بعد ایک عجیب احساس سے دوچار ہو رہے تھے۔ منیزہ اور رخشی کی رفاقت میں بہت فرق تھا۔ منیزہ کے سامنے وہ کم عمر لگتے تھے اور رخشی ان سے کم عمر تھی۔ وہ شاید کبھی ان چیزوں پر غور کرنے کی عادت میں مبتلا نہ ہوتے۔ یہ ہارون کمال کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے بعد ہوا تھا کہ انہوں نے سنجیدگی سے ان معاملات کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ وہ عورتوں کی ہارون کمال کے لیے پسندیدگی سے واقف تھے اور انہیں اس معاملے میں ہارون پر رشک بھی آتا تھا مگر اس وقت ساتھ بیٹھی اپنی بیٹی کی ہم عمر لڑکی کی اس گاڑی میں موجودگی ان کے لیے آسمان کی سیر کے برابر تھی۔ ایک عجیب سی خوشی اور سکون کا احساس ہو رہا تھا۔

رخشی نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا' وہ صرف آہستہ سے مسکرا دی۔

"آپ کے گھر کا مسئلہ تو حل ہو جائے گا' اس کے لیے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" منصور علی نے کہا۔ "مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی میرا ایک مسئلہ حل کر دیں۔"

رخشی ان کی بات پر حیران ہوئی۔ "آپ کا مسئلہ...... میں آپ کا کوئی مسئلہ کیسے حل کر سکتی ہوں؟"

منصور علی خوشگوار انداز میں مسکرائے۔ "امبر نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ جاب کرنا چاہتی ہیں۔ اتفاق دیکھیں کہ مجھے بھی پچھلے کچھ عرصے سے اپنے آفس کے لیے سیکرٹری کی ضرورت ہے۔"

رخشی گردن موڑے انہیں دیکھتی رہی۔ اس کا دل اس وقت سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اسے ایک کام کے لیے۔ بالکل ہی کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی تھی۔ سب کچھ خود بخود ہی اس کی جھولی میں گر رہا تھا۔

"آپ سے بہتر یہ کام کوئی نہیں کر سکتا۔ میں نے ابھی امبر کو تو یہ بات نہیں بتائی کہ مجھے خود اپنے لیے سیکرٹری کی ضرورت ہے۔ اور میں آپ کو یہ جاب آفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر میں نے سوچا' میں پہلے اس سلسلے میں آپ سے خود بات کر لوں۔"

منصور علی شستہ لہجے میں اسے بتاتے گئے۔ رخشی نے اپنے چہرے کو حتی المقدور بے تاثر رکھا۔

"مجھے تو بہت خوشی ہوگی آپ کے لیے کام کر کے مگر...... مجھے جاب کا کوئی تجربہ نہیں۔" اس نے اپنے لہجے میں کچھ ... شامل کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی فیکٹری بہت بڑی ہے۔ اور پھر ذاتی طور پر خود آپ کے لیے کام کرنا' یہ تو بہت چیلنجنگ ہے۔ میں ایسا مشکل کام نہیں کر سکتی۔ مجھ میں اتنی صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ کو جاب کا کوئی تجربہ نہیں ہے اس کے باوجود میں آپ کو یہ جاب آفر کر رہا ہوں تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔" منصور علی نے کہا۔

"آپ امبر کے مجبور کرنے پر مجھے یہ جاب آفر کر رہے ہیں میں جانتی ہوں مگر میں یہ نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کو بزنس میں کسی قسم کا نقصان اٹھانا پڑے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ میرے لیے کسی اور جگہ جاب ارینج کر دیں۔" رخشی نے اسی انداز میں کہا۔

"میں آپ کو صرف امبر کے مجبور کرنے پر جاب آفر نہیں کر رہا ہوں' میں نے آپ سے کہا نا کہ آپ میں بہت ٹیلنٹ ہے۔ خود اعتمادی ہے' آپ خوش لباس اور گرومڈ ہیں اور خوبصورت بھی ہیں اور سیکرٹری کی جاب کے لیے انہیں چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک جاب سے متعلقہ چیزوں کا تعلق ہے تو آپ کو اس کے لیے باقاعدہ ٹریننگ دلوائی جائے گی۔ آپ اتنی ٹیلنٹڈ ہیں کہ بہت جلد سیکھ لیں گی۔" منصور علی نے جیسے اسے یقین دلایا۔

"ٹھیک ہے...... آپ اتنا اصرار کر رہے ہیں تو میں انکار تو نہیں کر سکتی۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ بلکہ یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے کہ میں آپ کے ساتھ کام کروں گی۔" رخشی نے بالآخر ہامی بھر لی۔

"میں آپ کو بہت اچھا پیکج دوں گا۔ بہت زیادہ فیسیلیٹیز ملیں گی آپ کو...... بلکہ بونس اور اچھے الاؤنسیز بھی ہوں گے۔" منصور علی نے اسے مزید ترغیب دی۔

"میرے لیے سب سے بڑا اعزاز اور بونس یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ' آپ کے لیے کام کروں گی۔ باقی چیزیں بہت معمولی ہیں۔" رخشی نے ان کی بات کے جواب میں چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے کہا۔ منصور علی اس کی بات پر خوش ہو گئے۔

ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ منصور علی نے زندگی میں کبھی کسی اجنبی اور وہ بھی ایک لڑکی کے ساتھ اتنی باتیں نہیں کی تھیں جتنی انہوں نے اس شام رخشی کے ساتھ کیں' وہ بہت اچھی سامع تھی۔ دوسرے کی بات یوں سنتی تھی جیسے اس سے زیادہ دلچسپ بات اس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

پراپرٹی ڈیلر کے پاس جانے کے بعد منصور علی نے اسے ڈنر کی دعوت دی جسے رخشی نے قبول کر لیا' اس کے بعد بھی وہ رات دیر تک لانگ ڈرائیو کرتے رہے۔ منصور علی نے ہر جگہ پر رخشی کو توجہ کا مرکز بنتے دیکھا تھا لوگوں کی نظروں میں اس کے لیے ستائش دیکھی تھی اور انہیں عجیب سے فخر کا احساس ہوا تھا۔ آخر وہ ان کے ساتھ تھی...... اس رات رخشی کے ساتھ گھومتے ہوئے انہیں ہارون کمال کی باتوں پر یقین آ گیا تھا۔ خوبصورت عورت کی اداؤں میں واقعی جادو ہوتا ہے۔ ایسا جادو جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ یہ وہ کرنسی ہے جو ہر ملک میں کیش کروائی جا سکتی ہے۔ اور اس کرنسی کی قیمت ہر ملک میں ایک ہوتی ہے۔ رخشی کے ساتھ پھرتے ہوئے انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر ان کے لیے رخشی کے سامنے مزاحمت کرنا مشکل ہو رہا تھا تو باقی لوگوں کے لیے یہ کام کتنا مشکل ہوگا۔ اور انہیں یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ سیکرٹری کے طور پر وہ سوشل اور بزنس سرکلز میں انہیں بہت آگے لے جانے والی تھی۔ وہاں سے کہیں آگے جتنا انہوں نے سوچا تھا۔

انہیں یہ احساس بھی ہو چکا تھا کہ رخشی کا خاندان کوئی زیادہ اچھا نہیں تھا۔ رخشی کا اعتماد اور انداز اس کی عمر کی لڑکیوں سے بہت زیادہ تھا اور ایسا اعتماد اور ایسا انداز کس طرح اور کس طبقے کی لڑکیوں میں ہوتا تھا' کم از کم منصور علی اتنے بے وقوف نہیں تھے کہ یہ نہ جان پاتے' اس کے باوجود حیرت انگیز بات تھی کہ ان کے دل میں رخشی کے لیے ناپسندیدگی نہیں تھی نہ ہی انہوں نے اس

کے گھرانے کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کی ...... اور شاید سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان کے دل میں رخشی اور اس کی فیملی کے لیے کوئی تحقیر کے جذبات بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

رات ساڑھے دس بجے انہوں نے رخشی کو اس کے گھر ڈراپ کیا۔ اور پیدل گلیوں سے گزرتے ہوئے اس کے گھر کے اندر اس کے ساتھ گئے۔

"اتنی دیر...... میں تو پریشان ہو گئی تھی۔" صاعقہ نے انہیں دیکھتے ہی قدرے تشویش کے عالم میں کہا۔

"بس امی...... گھر دیکھنے چلے گئے تھے ہم......" رخشی نے دھڑلے سے جھوٹ بولا۔ "پھر وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔" منصور علی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

"مجھے اندازہ تو تھا کہ اس کام میں خاصی دیر لگے گی۔ مگر پھر بھی مجھے پریشانی ہو رہی تھی۔ منصور صاحب! آپ آئیں کھانا کھا کر واپس جائیں...... آپ نے تو آج ہمارے لیے بہت وقت ضائع کیا۔" صاعقہ نے اس بار منصور علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں منصور صاحب......! آپ آئیں۔" رخشی نے بھی صاعقہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"نہیں کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔" منصور علی نے کہا۔

"امی! کھانا تو منصور صاحب نے مجھے کھلا دیا......" رخشی نے منصور کی تائید کی۔

"بہت ہی اچھے آدمی ہیں منصور صاحب...... آج واقعی ہمارے لیے انہوں نے اپنا بہت سا وقت ضائع کیا۔" رخشی نے معذرت خواہانہ نظروں سے منصور علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں...... بار بار اس بات کا ذکر کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں...... میں ضرور کھانا کھاتا اگر پہلے کھانا نہ کھایا ہوتا...... لیکن اب مجھے گھر جانا ہے۔ بہت دیر ہو رہی ہے۔" منصور علی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"پلیز چائے تو ضرور پی جائیں۔" رخشی نے اصرار کیا اور منصور علی اس بار کچھ نہیں کہہ سکے۔ وہ ان کے ساتھ اندر چلے گئے۔ آدھ گھنٹہ مزید وہاں بیٹھنے کے بعد جب وہ سوا گیارہ بجے کے قریب وہاں سے باہر نکلے تو انہیں عجیب سی کیفیات کا سامنا تھا۔ وہ ان کی زندگی کی سب سے اچھی شاموں میں سے ایک تھی اس بات میں انہیں کوئی شبہ نہیں تھا اور ان کا موڈ اس وقت بے حد خوشگوار تھا۔ مگر تشویش کی بات ان کے لیے یہ تھی کہ ان کا دل صاعقہ کے گھر سے آنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ وہاں اور بیٹھنا چاہ رہے تھے' وہاں سے باہر نکلنے کے بعد یک دم بہت سالوں کے بعد انہیں پہلی بار بے تحاشا تنہائی کا احساس ہوا۔

☆☆☆

"جاب کی آفر کی ہے منصور علی نے مجھے۔" اس رات منصور علی کے جانے کے بعد رخشی نے صاعقہ سے کہا۔

"اچھا...... تم نے کیا کہا؟" صاعقہ مسکرائی۔

"میں نے قبول کر لی۔ جاب کی تلاش تو مجھے پہلے ہی تھی۔" رخشی نے اپنے جوتے کے اسٹریپس کھولتے ہوئے کہا۔

"کچھ زیادہ ہی جلدی آفر نہیں کر دی اس نے؟" صاعقہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں' میں خود بھی حیران ہوئی تھی۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی یہ آفر کریں گے۔ مگر مجھے لگتا ہے' وہ کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگے ہیں مجھ میں۔" رخشی نے تبصرہ کیا۔

"اور یہ یقیناً امبر کی وجہ سے تو نہیں ہو گی۔"

"نہیں' یہ امبر کی وجہ سے تو نہیں ہو سکتی...... صرف امبر کے کہنے پر تو منصور جیسے مصروف آدمی اس طرح مجھے لیے جگہ جگہ نہیں پھر سکتے۔ آخر میرا اور ان کا تعلق ہی کیا ہے۔ اور منصور علی کوئی اتنے مہربان اور خوش اخلاق آدمی بھی نہیں کہ ہر ایک کا اتنا خیال کریں' مجھے اندازہ ہو گیا ہے وہ مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں اور...... شاید سیکرٹری کی یہ جاب بھی انہوں نے اسی دلچسپی کے پیش نظر میرے لیے رکھی ہے۔" رخشی نے اس بار قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"تنخواہ کتنی آفر کی ہے اس نے؟" صاعقہ نے پوچھا۔

"تنخواہ کے بارے میں میں نے ان سے نہیں پوچھا۔ مگر وہ خود ہی کہہ رہے تھے کہ وہ مجھے بہت اچھا پیکج دیں گے اور مجھے یقین ہے کہ وہ واقعی ایسا کریں گے۔ تو جب وہ خود ہی مجھے ایک اچھا پیکج آفر کر رہے تھے تو میں خوامخواہ تفصیلات کیوں طے کرنے بیٹھ جاتی۔ وہ بھی اس طرح پہلی ہی ملاقات میں۔" رخشی نے کہا۔

"تم نے اچھا کیا جو تنخواہ وغیرہ کے بارے میں بات نہیں کی۔ مجھے بھی اندازہ ہے کہ وہ تمہیں اچھی تنخواہ پر ہی رکھے گا اور تنخواہ اچھی نہ ہوئی تب بھی امبر تو ہے ہی۔ تم اس سے کہنا۔ وہ بات کرے گی۔" صاعقہ نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا کام اس کے بغیر ہی ہو جائے گا۔ اور ویسے بھی منصور نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ ابھی اس جاب کے بارے میں اپنی بیوی یا دوسرے لوگوں کو نہیں بتائیں گے۔ سوائے امبر کے۔ کیونکہ وہ پہلی بار پرسنل سیکریٹری رکھ رہے ہیں اور انہیں خدشہ ہے کہ شاید ان...... کی بیوی اس کو پسند نہ کرے۔" رخشی نے کہا۔

"وہ علیزہ سے بھی اس معاملے میں بات کریں گے اور اس سے اور اپنے بھائی سے بھی یہی کہیں گے کہ خاندان میں کسی کو اس کے بارے میں نہ بتائے تاکہ انہیں پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"یہ سب اس نے تمہیں خود بتایا ہے؟"

"ہاں امی...... ورنہ میں کیسے آپ کو یہ سب بتا سکتی ہوں۔" رخشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ان سے آج میری بہت لمبی چوڑی بات ہوئی ہے...... بہت اچھے آدمی ہیں منصور علی...... میری توقعات سے زیادہ اچھے۔" رخشی نے آخری جملہ بڑبڑاتے ہوئے ادا کیا۔

"امبر کا ری ایکشن کیا ہوگا اس جاب کے بارے میں؟" صاعقہ نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں...... وہ پہلے ہی منصور سے میرے لیے جاب کا کہہ چکی ہے۔" رخشی نے لاپروائی سے کہا۔ "وہ تو بہت خوش ہوگی۔ جب اسے یہ پتا چلے گا کہ میں منصور ہی کے دفتر میں کام کر رہی ہوں۔" رخشی نے کہا۔

"اور اگر اسے اچھا نہ لگا تو......؟"

"تو......؟ تو کچھ بھی نہیں۔ میں پھر بھی جاب کرتی رہوں گی۔ میرے لیے امبر کی پسند ناپسند کوئی معنی نہیں رکھتی۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

☆☆☆

بارھواں باب

"تم ایسا کرو میری طرف آ جاؤ...... یہاں سے اکٹھے ہی فائزہ کی برتھ ڈے پر چلیں گے۔ پہلے کچھ وقت ساتھ گزاریں گے۔ لنچ تم میرے گھر پر ہی کرنا...... اس کے بعد شام کو فائزہ کی طرف چلیں گے۔ بعد میں میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔" امبر نے فون پر تمام پروگرام طے کرتے ہوئے رخشی سے کہا۔ "ویسے بھی کافی دن ہو گئے ہیں ہمیں اکٹھے ہوئے۔"

"چلو ٹھیک ہے' میں آ جاؤں گی۔" رخشی رضامند ہو گئی۔

"میں دس بجے ڈرائیور کو بھجوا دوں؟"

"دس بجے......؟ اتنی جلدی میں آ کر کیا کروں گی؟ نہیں' تم بارہ بجے کے قریب بھجوانا۔"

"کوئی نہیں۔ میں دس بجے کے قریب ہی بھجوا رہی ہوں...... تم بس تیار رہنا......" امبر نے اس کی بات رد کرتے ہوئے کہا۔

"امبر! چھٹی کا دن ہے۔ میں تو سو رہی ہوں گی اس وقت......" رخشی نے کچھ احتجاج کرنے کی کوشش کی۔

"تم میری طرف آ کر سو جانا اور نہ بھی سوؤ گی تو کیا فرق پڑے گا' جانتی ہو کہ ہم اکٹھے کتنا انجوائے کریں گے۔" امبر نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے...... میں آ جاؤں گی...... کوئی اور حکم؟" رخشی نے مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

امبر اس کی بات پر ہنسی...... "نہیں اور کوئی حکم نہیں' تم سناؤ' تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟"

"جاب تو بس ٹھیک ہی جا رہی ہے۔ ابھی تو شروع کی ہے۔ سیکھنا پڑ رہا ہے سب کچھ۔" رخشی نے کہا۔

"پاپا تو بڑی تعریف کر رہے ہیں تمہارے کام کی۔" امبر نے کہا۔

"تمہارے پاپا ویسے ہی بہت حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں' کوئی اور باس ہوتے تو میں تو شاید کام دیکھ کر بھاگ جاتی مگر تمہارے پاپا بہت گائیڈ کر رہے ہیں۔" رخشی نے کہا۔

"نہیں...... تم یقیناً اچھا کام کر رہی ہو گی یا تمہارے کام میں سپارک ہو گا۔ ورنہ پاپا کام کے معاملے میں لحاظ کرنے والے آدمی نہیں ہیں۔ نہ ہی ہر ایک کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔" امبر نے کہا۔ "وہ تو اس معاملے میں ظلم اور اسامہ کو بھی نہیں بخشتے ہیں۔"

"پھر یہ تمہاری وجہ سے ہو گا۔ آخر انہوں نے مجھے تمہارے ریفرنس سے جاب دی ہے۔"

"اب تم بار بار یہ یاد دلانے کی کوشش نہ کرو...... کہ انہوں نے تمہیں میرے کہنے پر جاب دی ہے۔ انہوں نے کسی نہ کسی کو تو رکھنا تھا اور تم سے بہتر چوائس ان کے لیے اور کیا ہو سکتی تھی۔ کوئی اور ان کے لیے اتنی محنت سے کام بھی نہیں کرتا۔"

"تمہیں کیا پتا کہ میں محنت سے کام کر رہی ہوں؟" رخشی نے مذاق کیا۔

"مجھے پتا ہے' تم محنت سے ہی کام کر رہی ہو گی۔ میں تم کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" امبر نے بڑے یقین سے کہا۔ "ویسے بھی پاپا سے تمہارے بارے میں پوچھتی رہتی ہوں۔ اگر تم اچھا کام نہ کر رہی ہوتیں تو وہ تو مجھے شروع میں ہی کہہ دیتے۔

تمہاری دوست کو رکھ کر مصیبت کا شکار ہو گیا ہوں۔ وہ تو کوئی کام ہی نہیں کرتی۔ مگر انہوں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔ اور میں نے تمہیں بتایا ہے' نا وہ تمہاری تعریف کرتے رہتے ہیں۔" امبر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"وہ خود بہت اچھے ہیں۔ تم بہت لکی ہو کہ وہ تمہارے فادر ہیں۔"

امبر نے قدرے فخر سے کہا۔

"اس میں تو خیر کوئی شک کی بات نہیں ہے' میں واقعی بہت لکی ہوں کہ میں ان کی بیٹی ہوں مگر وہ بھی بہت لکی ہیں کہ وہ میرے فادر ہیں۔" رخشی نے اس بار قدرے بے تاثر لہجے میں اس کا جملہ دوہرایا۔

چند منٹ اور بات کرنے کے بعد امبر نے فون بند کر دیا وہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھی۔

☆☆☆

امبر نے ٹھیک دس بجے ڈرائیور کو اسے لینے کے لیے بھجوا دیا تھا۔ وہ جب گھر پہنچی تو امبر کچھ دیر پہلے ہی سو کر اٹھی تھی۔

"خود تم ابھی سو کر اٹھی ہو اور مجھے تم نے سونے نہیں دیا۔" رخشی نے اس کا حلیہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"خود بھی تو تمہارے لیے ہی اتنی جلدی اٹھ گئی ہوں' ورنہ تم جانتی ہو' میں اتنی جلدی تو نہیں اٹھ سکتی۔" امبر نے کسی معذرت کے بغیر کہا۔ وہ جماہی لے رہی تھی۔

"تم بیٹھو میں صرف دس منٹ میں شاور لے کر آتی ہوں۔" امبر نے اس سے کہا۔

دس منٹ کے بعد وہ واقعی دوبارہ کمرے میں تھی۔ رخشی یکے بعد دیگرے میگزین دیکھ رہی تھی۔ امبر کو باہر نکلتے دیکھ کر اس نے میگزین رکھ دیے۔ امبر نے ناشتہ اپنے کمرے میں ہی منگوا لیا۔

شام چار پانچ بجے تک وہ دونوں وہیں کمرے میں بیٹھی باتیں کرتی رہیں پھر امبر فائزہ کی برتھ ڈے پارٹی میں شرکت کرنے کے لیے تیار ہونے لگی۔ اس نے باری باری اپنی وارڈ روب سے کپڑے نکال کر رخشی کو دکھانے شروع کر دیے۔

"کون سا سوٹ پہننا چاہیے مجھے؟"

رخشی نے ستائشی نظروں سے اس کے کپڑوں کو دیکھا۔ امبر اگر ان میں سے کوئی ایک لباس چننے میں ناکام ہو رہی تھی تو یہ کوئی حیران کن بات نہیں تھی' وہ ملبوسات کسی کو بھی اس الجھن کا شکار کر سکتے تھے۔

"یہ اچھا ہے' یہ پہن لو۔" رخشی نے کچھ دیر ان کپڑوں کا جائزہ لینے کے بعد ایک خوبصورت سیاہ سوٹ اٹھا کر کہا۔

"ہاں...... مجھے خود بھی یہ بہتر لگ رہا تھا۔ یہ کچھ دنوں پہلے ہی خریدا ہے میں نے...... ابھی تک پہنا بھی نہیں ہے۔" امبر نے ایک نظر اس سوٹ پر ڈالتے ہوئے کہا۔

رخشی اب باقی سوٹ باری باری اٹھا کر وارڈ روب میں لٹکا رہی تھی۔ ایک سی گرین سوٹ کو اٹھاتے ہوئے وہ بے اختیار رک گئی۔ وہ بہت خوبصورت سوٹ تھا۔ اتنا خوبصورت کہ وہ اس پر سے اپنی نظریں ہٹا نہیں پائی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اس سوٹ کو اپنے جسم کے ساتھ لگا کر دیکھنے لگی۔

"واؤ...... کتنا اچھا لگ رہا ہے یہ تم پر۔" امبر کہتے ہوئے خود بھی ڈریسنگ ٹیبل کے قریب آ گئی۔

"ہاں یہ بہت خوبصورت ہے۔ کلر بھی اور ایمبرائیڈری بھی۔" رخشی نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم یہ پہن لو......" امبر نے اس سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم یہ پہن لو...... برتھ ڈے پر جانے کے لیے۔"

"تم بھی حد کرتی ہو...... میں تو تیار ہو کر آئی ہوں۔ یہ دیکھ نہیں رہیں۔" رخشی نے قدرے گڑبڑا کر وہ سوٹ اپنے جسم سے ہٹاتے ہوئے اس سے کہا۔

"کوئی بات نہیں' دوبارہ تیار ہو جانا۔ لاؤ...... میں اسے بھی پریس کرواتی ہوں۔" امبر نے اس سے سوٹ پکڑ لیا۔

"نہیں امبر رہنے دو...... اس کی ضرورت نہیں ہے۔" رخشی نے اس سے کہا۔

"ضرورت ہے...... بس تم چپ رہو......" وہ ایک بار پھر اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر ملازمہ کو بلانے لگی۔ رخشی کو بے اختیار یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ کچھ دیر بعد وہ لباس اس کے جسم پر ہوگا۔ اسے واقعی وہ بہت پسند آیا تھا۔

"تمہارا نیا سوٹ تھا...... تم نے خوامخواہ......" امبر کے واپس اندر آنے پر اس نے ایک بار پھر کہنا چاہا مگر امبر نے قدرے لاپروائی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"کچھ نہیں ہوتا میرے پاس کپڑوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ مجھے تو بعض دفعہ نئے کپڑے خریدنے یا سلوانے کے بعد یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ میں نے انہیں پہنا ہے یا نہیں...... اور کئی بار تو کپڑے اس طرح کئی کئی ماہ پڑے رہتے ہیں۔"

رخشی نے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے دوبارہ وارڈ روب میں کپڑے لٹکانے لگی۔

تقریباً پون گھنٹہ کے بعد وہ دونوں تیار ہو کر لاؤنج میں آ گئی تھیں۔ امبر کو اچانک کوئی کام یاد آ گیا۔

"تم بیٹھو، میں صرف چند منٹوں میں آتی ہوں۔" وہ اس سے کہتے ہوئے خود واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

جس وقت وہ لاؤنج سے نکل رہی تھی اس وقت منیزہ اندر داخل ہوئیں۔ وہ شاپنگ سے واپس آئی تھیں۔ ڈرائیور ان کے پیچھے شاپرز اٹھائے ہوئے تھا۔ رخشی انہیں دیکھ کر صوفہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ منیزہ کے چہرے پر اسے دیکھ کر بے حد عجیب تاثرات آئے تھے۔ انہوں نے ایک نظر میں ہی اس کے جسم پر موجود سوٹ کو پہچان لیا تھا اور اس بات نے یک دم ان کی خفگی میں اضافہ کیا تھا۔ وہ سوٹ ایک ہفتہ پہلے ہی وہ امبر کے لیے خرید کر لائی تھیں۔ انہیں پتا تھا کہ امبر نے ایک بار بھی ابھی اس سوٹ کو نہیں پہنا اور اس لمحے اسے رخشی کے جسم پر دیکھ کر انہیں غصہ آنا فطری بات تھی۔ انہیں نہ صرف رخشی پر غصہ آیا تھا بلکہ امبر پر بھی غصہ آیا تھا۔ رخشی نے انہیں سلام کیا۔ جس کا جواب منیزہ نے بڑی نخوت سے دیا۔ جواب دیتے ہی وہ ڈرائیور کو وہ سارے شاپرز اپنے کمرے میں رکھنے کے لیے کہنے لگیں۔

رخشی کی نروس نیس میں اضافہ ہو گیا۔ منیزہ کے سامنے وہ ہمیشہ اسی طرح نروس ہو جاتی تھی۔ منیزہ کی نظریں ہمیشہ ہی بہت چبھتی ہوئی ہوتی تھیں اور ان کی گفتگو بھی اسی طرح کی ہوتی تھی۔ رخشی اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ وہ یہ بات محسوس نہ کر سکتی کہ منیزہ اسے ناپسند کرتی تھیں اور اس احساس نے اس کے دل میں بھی منیزہ کے لیے ناپسندیدگی کو جنم دیا تھا۔ وہ اس وقت بھی یہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے صوفہ پر بیٹھ جانا چاہیے یا اس طرح کھڑے رہنا چاہیے۔ کیونکہ منیزہ نے اسے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا اور خود ابھی منیزہ بھی کھڑی تھیں۔

منیزہ اب صوفہ پر بیٹھ گئی تھیں۔ "بیٹھو...... تم سے مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

انہوں نے رخشی سے کہا۔ وہ ان کی بات پر کچھ حیران...... اور...... شاید کسی حد تک محتاط بھی ہو گئی۔ کیا وہ منصور علی کے حوالے سے اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھیں یا پھر اس کی جاب کے حوالے سے؟ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"کچھ ہفتے پہلے تم نے طلحہ کو فون کر کے اپنے گھر بلایا تھا۔ کیوں؟"

رخشی اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکی۔ وہ اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ منیزہ کا لہجہ بہت ترش اور ان کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب تھے۔

"میں...... مجھے کچھ مدد کی ضرورت تھی۔" وہ بے اختیار اٹکی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ منیزہ کو طلحہ سے رابطے کے بارے میں کس نے بتایا تھا۔ جس نے بھی بتایا تھا اس نے اس وقت رخشی کے لیے بہت زیادہ پریشانی کھڑی کر دی تھی۔

"کس طرح کی مدد کی ضرورت تھی؟ مالی مدد کی؟" رخشی کا چہرہ سرخ ہوا۔ منیزہ کا انداز بے حد ہتک آمیز تھا۔

"اگر مالی مدد کی ضرورت تھی تو تم امبر سے کہتیں۔ یا مجھ سے کہتیں...... مگر...... اس طرح طلحہ تک پہنچنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں؟"

"نہیں آنٹی! مجھے مالی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔"

والی ہے۔ وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ دیتی دلاتی رہتی ہے۔'' رُخشی بول نہیں سکی۔ منیزہ کو دوسروں کو ذلیل کرنے

"ہاں ہونی بھی نہیں چاہیے ...... امبر بہت کچھ دیتی دلاتی رہتی ہے۔
میں کمال حاصل تھا اور وہ اس وقت اس کمال کا بھرپور مظاہرہ کر رہی تھیں۔
"تم اتفاقاً اس طرح رات کو طلحہ کو فون کر کے آخر تم کس طرح کی مدد حاصل کرنا چاہتی تھیں؟ جو صرف طلحہ ہی کر سکتا تھا
اور کوئی نہیں۔" منیزہ بولتی جا رہی تھیں۔
"اور طلحہ سے یا ہم سے آخر تمہارا رشتہ کیا ہے۔ جان نہ پہچان ...... میں تیرا مہمان ...... انگلی پکڑانے پر کلائی پکڑنے کی
کوشش میں مصروف ہو تم۔"
منیزہ کی آواز بہت بلند تھی اور اب ڈرائیور جو لاؤنج سے گزرتے ہوئے واپس پورچ میں جا رہا تھا۔ رُخشی اس کی نظریں
خود پر بھی محسوس کر رہی تھی۔
"تم کس خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ یہ تو میں نہیں جانتی مگر ہمارا خاندان ذرا اور طرح کا ہے ...... یہاں اس طرح کی
باتیں نہیں ہوتیں۔ جس طرح کی تم کر رہی ہو۔" منیزہ بولتی جا رہی تھیں۔
"تم اگر اپنی مدد کا سلسلہ امبر کے کپڑے پہننے تک ہی محدود رکھو تو بہتر ہے۔ دوبارہ طلحہ کے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش
نہ کرنا ورنہ میں تمہاری وہ بے عزتی کروں گی کہ تم یاد رکھو گی ...... میں نے تو امبر کو کئی بار منع کیا ہے تمہارے ساتھ میل جول
رکھنے سے مگر اس کا دماغ خراب ہے۔ وہ اسی طرح دوست اٹھا اٹھا کر لاتی رہتی ہے۔ ابھی وہ میری بات نہیں سن رہی مگر کچھ ماہ
بعد جب وہ طلحہ کے گھر چلی جائے گی تو پھر خود ہی تمہارا اور اس کا تعلق ختم ہو جائے گا۔"
وہ بے حد تحقیر آمیز انداز میں کہہ رہی تھیں۔
"تم اس سے پہلے خود ہی یہ میل جول ختم کر دو تو زیادہ بہتر ہے۔ کافی الو بنا لیا ہے تم نے امبر کو ...... خاصا مال کما چکی ہو
تم اس سے۔"
"آنٹی! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" رُخشی نے ایک لمبی خاموشی کے بعد سرخ چہرے کے ساتھ کچھ وضاحت دینے کی
کوشش کی مگر منیزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔
"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ اور بار بار مجھے آنٹی کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری اور میری ایسی تو کوئی رشتہ داری
نہیں ہے کہ اس طرح کے رشتے بنا بیٹھو۔ یہ مکھن بازی تم کسی اور کے لیے ہی رکھو۔"
منیزہ نے کہتے کہتے امبر کو آتے دیکھ لیا تھا وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ امبر اب ان کے قریب آ گئی تھی۔
"پارٹی سے جلدی واپس آ جانا ...... وہیں مت بیٹھ جانا۔ تمہارے پاپا انتظار کریں گے تمہارا کھانے پر۔" منیزہ نے امبر
سے کہا۔
"آپ پاپا کو بتا دیں کہ میں فائزہ کی برتھ ڈے پر جا رہی ہوں۔ کھانا تو میں وہیں کھا کر آؤں گی۔" امبر نے کہا۔
"میں انہیں بتا تو دوں گی مگر تم جانتی ہو جب تک گھر آ کر تمہیں دیکھ نہ لیں۔" انہیں تسلی نہیں ہوتی۔ بار بار مجھ سے
پوچھتے رہیں گے تمہارے بارے میں۔"
"آپ فکر نہ کریں ...... میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی ورنہ فون پر ان سے بات کر لوں گی۔" امبر نے مسکراتے
ہوئے کہا۔
"چلو رُخشی! چلیں ......" اگلا جملہ اس نے رُخشی سے کہا۔ منیزہ اب لاؤنج سے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔ رُخشی
خاموشی کے ساتھ امبر کے ساتھ چلنے لگی۔
"کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟" امبر نے اس کے ساتھ چلتے چلتے اچانک اس سے پوچھا۔
"نہیں ......" اس نے امبر کی طرف دیکھے بغیر کہا۔
"وہ تم سے کچھ کہہ تو رہی تھیں ...... میں سن نہیں سکی مگر ان کی آواز سنی تھی جب میں لاؤنج میں داخل ہوئی کیا کہہ رہی تھیں

وہ؟''

امبر کو اس کے انکار سے تسلی نہیں ہوئی' پتا نہیں کیوں اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ رخشی اور منیزہ کے درمیان کوئی بات ضرور ہوئی تھی۔

''وہ مجھ سے میرا حال چال پوچھ رہی تھیں۔'' رخشی نے عجیب سے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس سوٹ کی تعریف کر رہی تھیں کہ یہ مجھ پر بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''ارے یہ ممی نے کہا؟'' امبر اپنی حیرت چھپا نہیں سکی۔ ''میں تو سمجھ رہی تھی کہ وہ ناراض ہوں گی۔ انہوں نے پہچان تو ضرور لیا ہوگا اس سوٹ کو۔''

''ہاں' انہوں نے پہچان لیا تھا مگر وہ ناراض نہیں ہوئیں...... بلکہ خوش ہوئی تھیں۔ تمہاری ممی بہت مہربان ہیں۔'' اس نے امبر کو دیکھتے ہوئے عجیب سے انداز میں کہا۔

''اور ایسے مہربان لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔''

''ہاں ممی اچھی ہیں۔ بس کبھی کبھی ذرا عجیب باتیں کر دیتی ہیں مگر وہ واقعی بہت کائنڈ ہیں۔''

امبر نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کی تائید کی اس نے رخشی کے چہرے کے تاثرات پر غور نہیں کیا تھا' وہ دونوں اب باہر پورچ میں کھڑی گاڑی میں بیٹھ رہی تھیں۔

☆☆☆

''آپ آج کل کچھ پریشان ہیں؟'' منیزہ نے اس رات منصور علی سے پوچھا۔ وہ سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان کی بات پر اچانک چونک گئے۔

''نہیں...... کیوں؟ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''ویسے ہی مجھے لگ رہا ہے کہ آپ آج کل بہت پریشان ہیں۔'' منیزہ نے اطمینان سے کہا۔

''میں پریشان نہیں ہوں' صرف مصروف ہوں۔'' منصور علی نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''نہیں' کوئی نہ کوئی بات تو ہے...... جو آپ مجھے نہیں بتا رہے۔'' منیزہ مصر ہو گئیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے...... کیا بات ہے جو میں تمہیں نہیں بتا رہا۔'' منصور علی نے اس بار بہت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''یہی تو میں آپ سے جاننا چاہ رہی ہوں۔ خود مجھے کیسے پتا چل سکتا ہے کہ آپ کو کیا پریشانی ہے۔''

''تم جانتی ہو' میں نئی فیکٹری لگانے کے لیے پیپر ورک کر رہا ہوں۔ کچھ اپنی فیکٹری کی مصروفیات ہیں۔ اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مصروفیات بڑھیں گی۔ کم نہیں ہوں گی۔'' منصور علی نے کہا۔

''مگر آپ اب رات کو بہت ہی دیر سے آنے لگے ہیں' ایسا ہر رات ہی ہو رہا ہے۔'' منیزہ نے اعتراض کیا۔

''تمہیں بتایا تو ہے میں نے کہ نئی فیکٹری کے سلسلے میں بہت مصروف ہوں۔''

''مگر آپ گھر کو اور ہم سب کو بھی بہت نظر انداز کرنے لگے ہیں۔ بالکل وقت ہی نہیں دیتے ہمیں۔'' منیزہ نے ایک اور شکوہ کیا۔

''تم خود گھر کو وقت دیتی ہو؟'' اس بار وہ بے اختیار چڑے۔ ''تم خود سارا دن ادھر سے اُدھر بازاروں اور شاپنگ سینٹرز میں پھرتی رہتی ہو۔ پھر تمہیں میرے گھر پر توجہ دینے کا خیال کیسے آ گیا؟''

منیزہ حیرانی سے منصور علی کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ ''منصور آپ کس طرح کی بات کر رہے ہیں؟''

''کس طرح کی بات......؟ جو سچ ہے وہی کہہ رہا ہوں...... تمہیں واقعی گھر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تم مجھ سے اس طرح بات کر رہی ہو جیسے گھر کے علاوہ تمہیں کسی اور چیز کی پرواہ نہیں ہے۔'' وہ جیسے پھٹ پڑے تھے۔ ''میں نے آج تک تم سے یہ نہیں کہا کہ تم بازاروں میں پھرنا اور رشتہ داروں کے گھروں کے چکر لگانے کم کرو۔ کچھ توجہ گھر پر دو...... مجھ پر دو...... تو اب

تو...؟ یہ سب کیوں کہہ رہی ہو...... چند ہفتے میں اپنے کاموں میں مصروف کیا ہو گیا...... تم اس طرح شکایتوں کے دفتر کھول کر بیٹھ گئیں۔" وہ اب اپنے بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے انہوں نے گلاس میں پانی ڈالا اور پینے لگے۔

"تم کو یہ احساس نہیں ہے کہ میں سارا دن' ساری رات تم لوگوں کے لیے خوار ہوتا پھرتا ہوں...... صرف شکایتیں اور شکوے پیش کرنے آتے ہیں تمہیں...... منیزہ صاحبہ' یہ گھر اور یہ عیش و آرام میری اسی دن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو ...... وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ "میں اتنا مصروف نہ ہوں تو آپ لوگوں کو کچھ بھی نہ ملے۔ پھر پتا چلے......"

"آخر آپ کس بات کا غصہ نکال رہے ہیں مجھ پر...... میں نے آخر ایسا کیا کہہ دیا ہے کہ آپ اس طرح طنز کرنے پر اتر آئے ہیں۔" منیزہ نے کہا۔ "میرا فرض تھا کہ میں آپ کو پریشان دیکھوں تو آپ کی پریشانی کی وجہ پوچھوں۔" منصور علی نے مشتعل ہو کر اس کی بات کاٹی۔

"فرض کی بات مت کرو...... فرائض اور بھی بہت سے ہوتے ہیں...... صرف میرا دماغ چاٹنا ہی تمہارے فرائض میں شامل نہیں ہے۔"

"میں آپ کا دماغ چاٹ رہی ہوں...؟" منیزہ کو بھی غصہ آ گیا۔

"نہیں' صرف دماغ نہیں چاٹ رہی ہو...... تم میری زندگی بھی اجیرن کر رہی ہو۔" منصور علی نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"ایک معمولی سی بات کیا پوچھ لی میں نے...... آپ نے اس طرح لڑنا شروع کر دیا ہے کہ...... اور زندگی کیا اجیرن کی ہے آپ کی۔" وہ مزید برہم ہو گئیں۔

"اگر آپ میرے اس گھر اور بچوں کے لیے کچھ کرتے ہیں تو احسان نہیں کرتے ہم پر۔"

"احسان نہیں کرتا...... تو...... اور کیا کرتا ہوں۔" وہ بلند آواز میں بولے۔

"میں بھی بہت کچھ کرتی ہوں آپ کے لیے' بچوں کے لیے اور گھر کے لیے۔"

"کیا کرتی ہو تم...... کھانے' سونے اور شاپنگ کے لیے آوارہ گردی کے علاوہ......"

"منصور! آپ اب بس کریں۔ میں نے بہت طنز برداشت کر لیے ہیں آپ کے...... میں اور نہیں سنوں گی۔"

"نہیں سنو گی تو کیا کرو گی...... گلا دبا دو گی میرا؟" منصور علی کو منیزہ کے لہجے پر اور غصہ آیا۔

"نہیں' میں کیوں گلا دباؤں گی...... آپ دبا دیں میرا گلا......"

"بکواس بند کرو...... اور مجھے سونے دو......" وہ ایک بار پھر اپنے بیڈ پر جا کر بیٹھ گئے۔

"آپ تمیز سے بات کریں...... دوبارہ میرے لیے بکواس کا لفظ استعمال مت کریں۔ میں بیوی ہوں آپ کی...... کوئی ملازم نہیں ہوں کہ آپ میرے ساتھ اس طرح کی زبان استعمال کریں گے۔" منیزہ کا اشتعال ان کے جملے نے مزید بڑھا دیا۔

"میں تمیز سے بات کروں...... میں تمیز سے بات کروں' تم جیسی بے ہودہ عورت کے ساتھ...... تم جانتی ہو' تم کس سے بات کر رہی ہو۔ کس سے تمیز کے ساتھ بات کرنے کے لیے کہہ رہی ہو؟"

اگر منیزہ کو ان کے جملے نے مشتعل کیا تو منصور علی کو بھی منیزہ کے جملے نے آپے سے باہر کر دیا تھا۔

"ہاں۔ جانتی ہوں میں کس سے بات کر رہی ہوں...... شوہر ہیں...... کوئی خدا نہیں ہیں کہ میں آپ کی ہر بات منہ بند کر کے سنتی رہوں گی۔ نہ ہی میں کوئی لاوارث یا گرے پڑے خاندان کی ہوں کہ آپ کی ایسی باتیں مجھے برداشت کرنا پڑیں گی۔" منیزہ بھی اب بلند آواز میں بولنے لگیں۔

"گرے پڑے خاندان کی نہیں ہو...... تو پھر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ جاؤ اپنے خاندان کے پاس...... میرے گھر میں کیوں بیٹھی ہو؟"

"میں کیوں جاؤں اپنے گھر...... میں یہیں رہوں گی...... آپ جائیں جہاں جانا ہے......" منیزہ نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

اس بار منصور علی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہوئے اور بیڈ کا سائیڈ لیمپ اٹھا کر کمرے سے نکل گئے۔ تحیر و رنج [illegible] چہرے کے ساتھ انہیں...... کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھتی رہیں۔

☆☆☆

سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ یہ ایک ذیلی سڑک تھی اور ثانی اور ثومی تھوڑی دیر پہلے ہی سکول سے گھر جانے کے لیے اس پر مڑے تھے۔ سڑک کے دونوں اطراف بڑے بڑے گھروں کی ایک لمبی قطار تھی۔ اور ان کے آگے قطار میں اونچے اونچے درخت بھی تھے جن کی شاخوں نے سڑک کو جگہ جگہ سے ڈھانپا ہوا تھا۔ گرمی کے موسم میں یہ سڑک اسکول کے پورے راستے میں ان کے لیے آسودگی کی واحد جگہ تھی۔

ثومی اس سڑک پر چلتے ہوئے جامن کے درختوں سے جھڑنے والی جامنوں کو اکٹھا کر لیتا۔ وہیں کسی گھر کے باہر لگے ہوئے سبزے میں موجود نل سے انہیں دھوتا اور پھر باقی کا راستہ وہ جامن کھاتے ہوئے طے کرتے۔

آج بھی وہ یہی کر رہے تھے۔ ثومی سائیکل پر دونوں بیگ رکھے' سائیکل کا ہینڈل پکڑے پیدل چل رہا تھا اور وقفے وقفے سے اس لفافے میں موجود جامنیں بھی کھا رہا تھا جو اس نے کچھ دیر پہلے اکٹھی کر کے ثانی کو تھمائی تھیں۔

”ایک بات تو طے ہے' میں بڑا ہو کر جامن کا ایک باغ ضرور خریدوں گا۔“ ثومی نے اپنے منہ سے ایک گٹھلی نکالتے ہوئے اسے پوری طاقت سے دور پھینکا۔ ”اس میں کم از کم جامن کے سو درخت ضرور ہوں گے۔ اب مجھے یہ اندازہ نہیں ہے کہ سو درخت کافی ہیں یا نہیں۔ ثانی! سو درختوں کے ایک باغ کے لیے کتنی زمین چاہیے؟“ اس نے اچانک ثانی سے پوچھا۔

”مجھے نہیں پتا' میں نے کبھی جامن کا باغ نہیں لگایا۔“ ثانی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے' ایک مربع کافی ہے۔ اگر کم پڑ گئی تو اور خرید لوں گا اور اگر زیادہ ہو گئی تو......“

”تو بیچ دینا۔“ ثانی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مشورہ دیا۔

”نہیں' بیچوں گا تو نہیں۔ میں باقی زمین پر آم لگا لوں گا۔“ ثومی نے اسی انداز میں کہا۔ ”میں دنیا کی ہر اچھی ورائٹی کی جامن وہاں پر اگاؤں گا۔ اور گرمیوں کے سیزن میں میں صرف جامن ہی کھایا کروں گا۔ جامن کے درخت کی عمر کیا ہوتی ہے؟“ اس نے پھر ثانی سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔“

”اچھا کتنی دیر میں پھل دینے لگتا ہے؟“

”یہ بھی نہیں پتا۔“

”یہ تو پتا ہو گا کہ ایک درخت سے تقریباً کتنی جامن اتاری جا سکتی ہیں؟“

”میرا خیال ہے پندرہ بیس ہزار تو اترتی ہوں گی۔“

ثانی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ”کس قدر بے وقوف آدمی ہو' کبھی جامن گن کر خریدی ہیں تم نے؟“

”تمہارا مطلب ہے' مقدار ہوتی ہے۔ ہاں ٹھیک ہے' ایک سیزن میں ایک درخت سے دو چار من تو اتارے ہی جا سکتے ہیں' ویری گڈ۔“ ثومی نے سر ہلایا۔ ”سو درخت ہوں اور ہر درخت سے دو چار من جامن اتارے جائیں تو......“

”ثومی! تم شیخ چلی بننے کی کوشش مت کرو۔“ ثانی نے بہت تحمل سے اس کو ٹوکا۔ ”سڑک کے کنارے سبزے پر جامن کا ڈھیر پڑا ہوا ہے یہ ہر روز گرتی اور ضائع ہوتی ہیں۔ شاید ہمارے علاوہ کوئی انہیں دیکھتا تک نہیں' تو جس چیز کو خریدنے کے لیے چند روپوں کی ضرورت بھی نہ پڑے اس کے لیے باغ لگانا......“

”مگر اپنی ذاتی چیز کھانے کا تو مزہ ہی اور ہوتا ہے۔“ ثومی نے کہا۔

”تو ٹھیک ہے' بازار سے خریدی جا سکتی ہیں۔“

”پھر بھی۔ تم جو چاہو کہو' جامن کا باغ لگانے کا ارادہ میں نے ترک نہیں کیا۔“ ثومی نے جیسے اعلان کیا۔

کبھی تم اس کا باغ لگانا شروع کر دیتے ہو' کبھی کھیت یا پھر تم اس
پورا سال تم یہی کرتے رہتے ہو۔ جو چیز تم کھاتے ہو۔ یہ جو خیالی پلاؤ تم پکاتے......"
کی بیٹری کھول بیٹھے ہو۔ آخر تم زمین پر کیوں نہیں رہتے۔
ثومی نے اس کی بات کاٹ دی۔
"اچھا اب تقریر مت شروع کرنا' یہ کوئی اسکول کا اسٹیج نہیں ہے کہ میں متاثر ہو کر تمہیں ٹرافی تھما دوں گا اور تمہیں کیا ہے
اگر میں بیٹری یا باغ یا کھیت لگا لیتا ہوں۔" اس نے تنگ کر کہا۔ "تم جیلس ہوتی ہو میری ترقی سے؟"
ثانی کو بے اختیار ہنسی آئی۔ "ترقی...... کون سی ترقی...... کہاں ہے ترقی؟ خیالوں میں' کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہو تم۔"
"ہر حقیقت پہلے خیال ہوتی ہے۔" ثومی نے سنجیدگی سے کہا۔
"مگر خواب نہیں ہوتی۔" ثانی نے دوبدو کہا۔
"کیوں پاکستان علامہ اقبال کا خواب نہیں تھا۔"
ثانی بے اختیار کھلکھلائی۔ "تم بھی بس...... تمہیں سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"
"شکریہ آپ کو یہ کام کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" ثومی نے برا مانتے ہوئے کہا۔
"ویسے تمہیں یہ پتہ ہے کہ یہ جو پروجیکٹس تم بناتے رہتے ہو ان پر عمل کرنے کے لیے کتنا پیسہ چاہیے؟"
"جانتا ہوں۔"
"تو اتنا پیسہ کہاں سے لاؤ گے؟"
"جب بڑا ہو جاؤں گا تو پیسہ آ جائے گا میرے پاس۔" ثومی نے بڑے پر یقین انداز میں کہا۔
"تم بڑے ہو چکے ہو ثومی!"
"میں آج سے دس سال بعد کی بات کر رہا ہوں۔" ثومی نے اسی انداز میں کہا۔
"دس سال بعد کون سا خزانہ دریافت کرو گے تم کہ تمہارے پاس پیسے کا ڈھیر لگ جائے گا اور تم اپنے ان احمقانہ قسم کے
منصوبوں پر عمل کر سکو گے؟"
"تم لڑکی ہو تم یہ باتیں نہیں سمجھ سکتیں۔" ثومی نے اسے تنگ کرنے والے انداز میں کہا۔ ثانی نے اس بار اسے گھور کر
دیکھا۔
"واقعی یہ سارے خیالی پلاؤ صرف لڑکے ہی پکاتے ہیں۔ لڑکیاں ایسی احمقانہ باتیں نہیں سوچتیں۔"
"لڑکیاں بے چاری احمقانہ باتیں تو کیا کچھ بھی نہیں سوچ سکتیں۔ ان کے پاس سرے سے دماغ ہی نہیں ہوتا۔ وہ جو بھی
سوچتی ہیں' اپنی زبان سے سوچتی ہیں۔ چچ چچ بے چاری۔"
"اور لڑکے جو بھی سوچتے ہیں' وہ سب کچھ صرف ان کے دماغ میں ہوتا ہے' وہ نہ ہاتھ استعمال کرتے ہیں نہ پاؤں۔ بس
سوچ لیا کافی ہے' عمل کیوں کریں۔" ثانی کو غصہ آ گیا۔
"اور تم...... تمہارے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز' پتا ہے کیا ہے؟"
"کیا ہے؟"
"میٹرک میں پاس ہونا' جو کہ مجھے مشکل نظر آتا ہے۔ جس رفتار سے تم یہ منصوبے بناتے رہتے ہو ایک دن تمہارے
پاس سب کچھ ہو گا' سوائے میٹرک کے ایک سرٹیفکیٹ کے۔"
"میٹرک کوئی اتنی ضروری چیز بھی نہیں ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہ گزاری جا سکے۔"
"یہ تم گھر چل کر امی کو بتانا کہ میٹرک کتنا غیر ضروری ہے۔"
"میں ثانی اسمبلی میں پڑھنا وڑھنا نہیں چاہتا۔" وہ یک دم سنجیدہ ہوا۔
"کیوں؟"

"بس ایسے ہی میں کچھ اور کرنا چاہتا ہوں۔"

"مثلاً کیا؟" اس نے کچھ تشویش سے اپنے جڑواں بھائی کو دیکھا۔

"کچھ بھی کوئی بھی ایسی چیز جس میں بہت شہرت ہو۔" ثانی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ابھی تم دولت کی بات کر رہے تھے اب تم شہرت پر آ گئے ہو تمہارا ہے گا کیا؟"

"میں سنجیدہ ہوں ثانی! میں واقعی کچھ ایسا کرنا چاہتا ہوں جس میں مجھے بہت شہرت ملے۔" اس نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم گنیز بک آف دی ورلڈ ریکارڈ کے لیے کوالیفائی کر سکتے ہو سب سے زیادہ خیالی پلاؤ پکانے کے لیے۔" ثانی نے ایک بار پھر اس کا مذاق اڑایا۔

"تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تم مشہور ہو؟" ثومی نے اچانک اس سے پوچھا۔

"نہیں۔" ثانی نے قطعی لہجے میں کہا۔

"پھر تم احمق ہو۔" ثومی نے بے اختیار کہا۔

"اچھا فرض کرو' تم مشہور ہو جاتے ہو پھر اس سے کیا فرق پڑے گا۔ ایسے کون سے سرخاب کے پر لگ جائیں گے تمہیں۔"

"تمہیں پتا ہی نہیں ہے' شہرت کی اور ہی بات ہوتی ہے۔ اب جیسے میں اور تم یہاں چل رہے ہیں' پچاس لوگ ہمیں یہاں سے گزریں تو ہم پر ایک نظر ڈالنا پسند نہیں کریں گے اور اگر ہم مشہور ہوں تو یہاں پر ہمیں اس طرح پیدل چلتے دیکھ کر لوگوں کی بھیڑ لگ جائے گی۔"

ثانی بے اختیار ہنسی۔ "پیدل چلتے دیکھ کر یا جامن کھاتے دیکھ کر..... نہیں جامن اٹھاتے دیکھ کر۔" اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"آخر تم میری بات کو سنجیدگی سے کیوں نہیں لیتیں۔" وہ بے اختیار جھلایا۔

"اس لیے کہ تمہاری باتیں بے حد بچگانہ ہیں۔ صرف سڑک پر بھیڑ لگوانے کے لیے تم مشہور ہونا چاہتے ہو۔ احمق ہو تم۔" اس بار ثانی نے اسے ڈانٹا۔

"انسان ایک بار مشہور ہو جائے تو پھر اس کے پاس سب کچھ آ جاتا ہے۔ عزت' دولت' محبت' سب کچھ..... تم ذرا تصور کرو ایسی زندگی کا..... کہ..... فون پر فون آ رہے ہیں' اخباروں میں تمہاری تصویریں اور انٹرویو شائع ہو رہے ہیں۔" وہ ایک بار پھر بڑی سنجیدگی سے ثانی کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "لوگ تم سے آٹوگراف لے رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ تصویریں کھنچوانا چاہتے ہیں۔ تمہیں اپنی تقریبات میں بلا رہے ہیں۔ تمہیں ہر جگہ وی آئی پی ٹریٹمنٹ دیا جا رہا ہے۔"

ثانی یک دم چلتے چلتے رک گئی۔

"کیا ہوا؟" ثومی نے اسے ٹھٹک کر دیکھا۔

"تم ایکٹر بننا چاہتے ہو؟"

"اگر تم وعدہ کرو کہ تم کسی کو بتاؤ گی نہیں تو میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔" ثومی نے کہا۔

"مجھے تمہارا جواب نہیں چاہیے' میں جانتی ہوں تم یہی بننا چاہتے ہو۔" ثانی غرائی۔ "اور تمہیں شرم آنی چاہیے۔"

"اس میں شرم والی کیا بات ہے۔ کیا ایکٹر انسان نہیں ہوتے۔" ثومی نے بحث کی۔

"ہوتے ہوں گے بہر حال تم اپنی اسٹڈیز پر دھیان دو تو زیادہ بہتر ہے۔ میٹرک ابھی تم سے ہوا نہیں ہے اور تم مشہور ہونے کے خواب دیکھنا شروع ہو گئے ہو اور وہ بھی ایکٹر بن کر' فضول چیز۔"

"میری تو ہر بات تمہیں فضول لگتی ہے۔ جب میں مشہور ہو جاؤں گا تو تم ہر ایک کو فخر سے بتایا کرو گی کہ یہ میرا بھائی ہے

مستقبل کا ایک بڑا انسان ہوگا اور میں نے ہمیشہ اس کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور ہر معاملے میں اور بچپن سے ہی پتا تھا کہ ثقی اس کی نقل اتار رہا تھا۔

ان کا ساتھ دیا۔ "وہ اب اس کی کبھی کسی کو یہ نہیں بتاؤں گی کہ تم میرے بھائی ہو۔ اگر کسی نے پوچھا بھی تو میں کہہ دوں گی کہ یہ بچپن سے کی نہیں میں بھی اس کی وہ شاندار دیکھتے ہوئے ہمیں یقین تھا کہ یہ کچھ بھی بن سکتا ہے۔"

"نہیں مس ثانی! آپ غلط کہہ رہی ہیں۔ تاریخ کبھی اس طرح نہیں لکھی گئی جس طرح آپ بتا رہی ہیں۔ ہمیشہ وہی کہا جاتا ہے جو میں نے کہا۔ ہر بڑے آدمی کے رشتہ دار اس کے ساتھ والے پہلے بھی کرتے ہیں جو تم کر رہی ہو اور بعد میں وہ سب وہی کہتے ہیں جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم دیکھ لینا' تم بھی یہی کرو گی اور میں اتنا اعلا ظرف ہوں کہ میں کہوں گا کہ ہاں' یہ بہت مدد گار تھی میری' میں آج جو کچھ ہوں' اللہ کے بعد اپنے گھر والوں اور خاص طور پر اپنی چھوٹی بہن کے تعاون اور مدد کی وجہ سے ہوں۔" ثومی نے تقریر کے انداز میں کہا۔

"ایک تو میں تمہاری چھوٹی بہن نہیں ہوں' جڑواں بہن ہوں اور دوسری بات یہ کہ مجھے دوسروں کی کامیابیوں کا تاج اپنے سر پر رکھ کر ملکہ کہلوانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تم اگر ایک کامیاب ایکٹر بن بھی گئے تو تب تک میرے پاس بھی فخر کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔" ثانی یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"مثلاً کیا ہوگا تمہارے پاس کنیز!" ثومی نے بارعب انداز میں کہا۔

"جہاں پناہ! یہ تو وقت بتائے گا۔" ثومی مسکراتے ہوئے اس کو دیکھنے لگا۔

"ویسے تم بننا کیا چاہتی ہو؟"

"پتا نہیں۔"

"میں نہیں مانتا۔ کچھ نہ کچھ پلاننگ تو کی ہو گی تم نے؟" ثومی نے سر ہلایا۔

"میں تمہاری طرح پلاننگ نہیں کرتی بیس تیس سال کی' میں صرف آج پر یقین رکھتی ہوں' کل کی فکر میں نہ دبلی ہوتی ہوں نہ خوشی میں موٹی۔ جب کل آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو میں میٹرک میں ہوں اور مجھے اس میں اچھے مارکس لینے ہیں۔ پھر دیکھیں گے کہاں کھڑے ہیں۔" ثومی نے قدرے افسوس سے سر ہلایا۔

"تم میں وہ اسپارک اور وژن نہیں ہے جو انسان کو آگے لے کر جاتا ہے' جس طرح مجھ میں ہے۔" ثانی نے مسکراتے ہوئے ایک اور جامن منہ میں ڈالی۔

"مائی ڈیئر برادر! یہ تو وقت بتائے گا' انسان صرف اسپارک اور وژن کی بنیاد پر آگے جاتا ہے یا محنت کے زور پر۔"

"تم دیکھنا ثانی! ایک دن میرے پاس اسی طرح کی ایک گاڑی ہو گی' اسی کلر کی' اسی ماڈل کی اور پھر میں کہوں گا ڈرائیور! ذرا میری بہن کو ڈراپ کر دینا جہاں بھی یہ چاہیں۔" اس نے بڑے اسٹائل سے کہا۔

"اور ہو سکتا ہے تب میرے پاس کاروں کا ایک پورا فلیٹ ہو اور میں تم سے کہوں۔ سوری' میں منگل والے دن صرف اپنے ڈرائیور سے سفر کرتی ہوں۔" اس کے سنجیدگی سے کہے گئے جملے پر ثومی نے اسے دیکھا اور پھر دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

☆☆☆

"ممی! آپ کا پاپا سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" امبر نے اس شام منیزہ سے پوچھا۔ صبغہ بھی وہیں بیٹھی تھی۔ اس نے کچھ چونک کر امبر اور منیزہ کو دیکھا۔

"ہاں۔" منیزہ نے ترشی سے کہا۔ "تمہارے پاپا نے اس سلسلے میں تم سے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں' پاپا نے تو مجھ سے کچھ نہیں کہا مگر آپ دونوں ہی کا موڈ کچھ دنوں سے آف ہے' اس لیے پوچھ رہی ہوں۔ کس بات پر جھگڑا ہوا ہے۔" امبر نے منیزہ سے پوچھا۔

"یہ سوال میرے بجائے تمہیں اپنے پاپا سے پوچھنا چاہیے۔"

صبغہ نے پہلی بار اس گفتگو میں حصہ لیا اور بڑے متحمل انداز میں منیزہ کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کی بات پر منیزہ یک دم مشتعل ہو گئیں۔

"میں منصور کے ساتھ بحث کرتی ہوں؟ میں جھگڑا کرتی ہوں؟ جس طرح کی فضول اور بے ہودہ باتیں وہ کرتے ہیں اور تم کہہ رہی ہو کہ میں بات نہ بڑھاؤں۔ وہ اگر کام کی وجہ سے اسٹریس میں ہیں بھی تو میں کیا کروں۔ میں نے تو ان سے یہ سب شروع کرنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ انہوں نے خود یہ سب کچھ شروع کیا تھا۔ اب کام کرنا پڑ رہا ہے تو کریں مگر اپنے مسائل کو ٹوکرے میں ڈال کر سر پر رکھ کر تو نہ پھریں اور نہ ہی دوسروں کے سروں پر انہیں انڈیلنے کی کوشش کریں۔" منیزہ شدید غصے میں آ گئیں۔ "اور تمہیں ماں سے ہمدردی نہیں ہے۔ باپ سے ہمدردی ہو رہی ہے کہ وہ پریشانی میں یہ سب کچھ کر رہے ہوں گے' کام کے دباؤ میں آ کر اس طرح کا رویہ رکھنے لگے ہیں' میں کم از کم تم سے یہ توقع نہیں کر سکتی تھی صبغہ!"

صبغہ کہہ کر...... پچھتائی۔ "ممی! میں کسی کی ہمدردی میں یہ بات نہیں کہہ رہی۔ نہ ہی میں کسی کی سائیڈ لے رہی ہوں۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہی ہوں' صرف اس لیے کہ آپ دونوں کے درمیان مزید جھگڑا نہ ہو' ٹینشن نہ بڑھے' نہ آپ پریشان ہوں' نہ پاپا۔" صبغہ نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی۔

"تم اپنا یہ امن مشن اپنے پاس ہی رکھو تو بہتر ہے۔ میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔ نہ پہلے نہ ہی اب...... اور منصور کی پریشانی کی مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ جیسی بات کریں گے ویسا جواب سنیں گے۔" منیزہ نے دوٹوک انداز میں کہا اور اٹھ کر لاؤنج میں نکل گئیں۔

"پاپا کو آخر ہوا کیا ہے؟ ممی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ صرف بزنس کی وجہ سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ مصروف تو وہ پہلے بھی بہت زیادہ رہا کرتے تھے پھر آخر اب ایسا کیوں؟" امبر کچھ متفکر نظر آنے لگی تھی۔ "خود میرے ساتھ بھی پاپا کا رویہ تبدیل ہو گیا ہے' بہت سرد مہری آ گئی ہے ان میں۔"

"تم فضول میں پریشان ہو رہی ہو' تم دیکھ تو رہی ہو' پاپا آج کل دن رات فیکٹری کے سلسلے میں مصروف رہتے ہیں۔ جب اتنی مصروفیات ہوں تو موڈ میں تبدیلی ایک فطری سی بات ہے۔" صبغہ نے امبر کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ "تم دیکھنا کچھ ہی عرصہ میں وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"مجھے پاپا کے اس جوائنٹ وینچر سے کتنی نفرت ہے' میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ ایک خوامخواہ کی مصیبت پاپا نے اپنے سر پر ڈال لی ہے۔ اتنی پرسکون زندگی گزر رہی تھی ہماری اور اس پر یہ نئی فیکٹری۔" امبر بڑبڑائی۔

"یہ پاپا کا مسئلہ ہے' انہوں نے یہ کام شروع کیا ہے تو کچھ سوچ کر ہی کیا ہو گا۔ ہمارے اعتراضات سے کیا فرق پڑے گا۔ ہمارے لیے بہتر یہ ہے کہ ہم ان مسائل پر اتنا غور و خوض نہ کریں۔ پاپا خود ہی ان کو ڈیل کر لیں گے۔" صبغہ نے کہا۔

"تمہیں تو کسی بھی چیز میں سرے سے دلچسپی نہیں ہوتی' نہ کوئی اعتراض' نہ دخل اندازی' نہ کوئی سوچ و بچار۔ تم بڑی خوش قسمت ہو۔" امبر نے مسکراتے ہوئے بہن کو دیکھا۔

☆☆☆

رخشی کے لیے فرش سے عرش کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ منصور علی کی سیکرٹری کی حیثیت سے ہونے والے آغاز نے اس کے پاؤں کے نیچے وہ زمین فراہم کر دی تھی جو وہ اپنے اور اپنی فیملی کے لیے چاہتی تھی۔

منصور علی کے ہاں جاب کرنے کے چند ہفتوں کے بعد ہی اس نے اپنا گھر تبدیل کر لیا تھا۔

کوئی بھی ایک معمولی سیکرٹری کو اس پوش علاقے کے گھر میں فیملی کے ساتھ نہیں رکھتا' رخشی اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کے باوجود اگر کوئی رکھنا چاہتا تھا تو رخشی کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

منصور علی اس کے ہاں تقریباً ہر روز آیا کرتے تھے' کبھی اسے گھر چھوڑنے کے لیے اور کبھی رات کو۔ اپنی باقی مصروفیات سے فارغ ہو کر۔

پھر وہ وہاں کئی گھنٹے گزارتے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ رخشی کی فیملی کے ساتھ ان کی بے تکلفی اور نوعیت بڑھتی جا رہی تھی۔ رخشی کے لیے ان کے دل میں کیسے جذبات تھے' شروع میں انہیں خود یہ سمجھنا مشکل تھا۔ وہ خود کو یہ تسلی دیتے رہے تھے کہ وہ صرف اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے تھے پھر انہوں نے خود کو یہ سمجھایا کہ وہ اس کو صرف اس لیے جاب دے رہے تھے کیونکہ انہیں ایک خوبصورت سیکرٹری کی ضرورت تھی اور رخشی خوبصورت تھی۔ اسے گھر لے کر دینے پر انہوں نے ایک بار پھر اپنے اس عمل کو یہ کہہ کر صحیح ثابت کیا کہ وہ اس کی مدد صرف اس لیے کر رہے تھے کیونکہ وہ امبر کی دوست تھی اور امبر نے ہی انہیں اس کی مدد کرنے کے لیے کہا تھا اور وہ تو ویسے بھی لوگوں کی بہت مدد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کتنے ہی لوگوں کی مالی امداد بھی کی تھی۔ یہ بھی ایسی ہی ایک مدد تھی۔ انہیں یقین آ ہی گیا کہ واقعی ان کی اس مدد کے پیچھے اور کچھ بھی نہیں تھا' صرف نیکی تھی۔

پھر جب انہوں نے اس کے گھر جانا شروع کیا تو انہوں نے ایک بار پھر وضاحت پیش کی کہ وہ صرف اس لیے اس کے گھر جا رہے ہیں کیونکہ وہ اس کی فیملی کو پسند کرتے ہیں پھر اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ وہ وہاں چند گھنٹے گزار لیتے تھے۔ ان کا ضمیر ایک بار پھر مطمئن ہو گیا۔

پھر جب انہوں نے رخشی کو اپنے ساتھ ڈنرز پر اور پارٹیز میں لے جانا شروع کیا تو انہوں نے ایک بار پھر یہ توجیہ پیش کی کہ وہ ویسے بھی ان کی سیکرٹری ہے' سارا دن ان کے ساتھ ہوتی ہے' وہ کئی بار اسے بزنس ڈنرز اور میٹنگز میں لے کر گئے ہیں پھر اگر وہ اسے یوں ہی کہیں لے جاتے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اکیلے باہر کھانا کھانے سے رخشی کی کمپنی لاکھ درجے بہتر ہے بلکہ رخشی کی کمپنی' منیزہ کی کمپنی سے بھی بہتر تھی۔ وہ کم از کم ہر وقت اپنے مطالبات سے ان کا دماغ تو نہیں چاٹتی تھی۔

پھر جب انہوں نے رخشی کے ساتھ ہر بات شیئر کرنی شروع کی تو انہوں نے ایک بار پھر خود کی وضاحت پیش کی۔ وہ میری دوست ہے' وہ سمجھ دار ہے' ذہین ہے' خوبصورت ہے' وفادار ہے' میری پروا کرتی ہے' میرا خیال رکھتی ہے' میری بات کو اہمیت دیتی ہے' اچھا دوست ایسا ہی ہوتا ہے پھر اس میں قابل اعتراض کیا بات ہے' وہ صرف میری دوست ہے' بہت سے لوگوں کے بہت سے دوست ہوتے ہیں' ان میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں پھر میں غیر معمولی بات کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے' وہ عمر میں مجھ سے بہت چھوٹی ہے مگر اس کے باوجود ہم دونوں میں بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے' وہ میری دوست ہے۔

اگلے مرحلے منصور علی اور رخشی کے لیے بہت آسان تھے۔ مرد اور عورت کے درمیان اس طرح قائم ہونے والی دوستی اسی طرح اخلاقیات کی دھجیاں اڑانے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔

رخشی منصور علی کے برعکس جانتی تھی اسے کون سی چیز کھینچ کر منصور علی کی طرف لے کر آئی تھی ...... دولت اور خاندان منصور علی کے پاس وہ سیڑھی تھی۔ جس کے ذریعے کوئی بھی آسمان تک پہنچ سکتا تھا' اور رخشی اس سیڑھی پر چڑھنا چاہتی تھی۔

اس قسم کی عورت دولت کے لیے کبھی بھی کچھ بھی کر سکتی ہے ...... بے عزتی اور رسوائی کا طوق بھی اسے گلے میں لٹکانا پڑے تو وہ لٹکا لیتی ہے۔ دنیا اس پر تھوکے یا ہنسے ...... اسے پروا نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ایک بار اس کے ہاتھ میں دولت آ گئی تو پھر کوئی یہ دونوں کام اس کے سامنے کبھی نہیں کر سکتا۔ دولت سے خریدی جانے والی آسائشوں کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔"

تعلقات کی آخری حدوں کو پھلانگنے کے بعد منصور علی نے پہلی بار اعتراض کیا تھا ...... یہ کوئی ہمدردی' کوئی دوستی' کوئی شناسائی نہیں تھی۔ رخشی ان کی زندگی کا حصہ بن چکی ہے۔

انہیں رخشی کی ضرورت تھی صرف رخشی کی ...... منیزہ آؤٹ ڈیٹڈ چیز تھی وہ بہت عرصہ پہلے ان کے دل سے نکل چکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ جچتی بھی نہیں تھی۔

گھر اور بچے ان کی ترجیح نہیں رہے تھے۔ مرد گھر اور بچوں کے لیے کبھی بھی اپنے نفس کی قربانی نہیں دیتا۔ منصور علی بھی نہیں دے سکتے تھے۔

''میں اپنی ساری زندگی اپنے گھر' بچوں اور بیوی کے لیے تو ضائع نہیں کر سکتا۔ یہ میری زندگی ہے میں جیسے چاہوں

پھر وہ وہاں کئی گھنٹے گزارتے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ رخشی کی فیملی کے ساتھ ان کی بے تکلفی اور اپنائیت بڑھتی جا
رہی تھی۔ رخشی کے لیے ان کے دل میں کیسے جذبات تھے' شروع میں انہیں خود یہ سمجھنا مشکل تھا۔ وہ خود کو یہ تسلی دیتے رہے
کہ وہ صرف اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے تھے پھر انہوں نے خود کو یہ سمجھایا کہ وہ اس کو صرف اس لیے جاب دے رہے تھے
کیونکہ انہیں ایک خوبصورت سیکرٹری کی ضرورت تھی اور رخشی خوبصورت تھی۔ اسے گھر لے کر دینے پر انہوں نے ایک بار پھر اپنے
اس عمل کو یہ کہہ کر صحیح ثابت کیا کہ وہ اس کی مدد صرف اس لیے کر رہے تھے کیونکہ وہ امبر کی دوست تھی اور امبر نے بھی انہیں اس
کی مدد کرنے کے لیے کہا تھا اور وہ تو ویسے بھی لوگوں کی بہت مدد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کتنے ہی لوگوں کی مالی امداد بھی کی
تھی۔ یہ بھی ایسی ہی ایک مدد تھی۔ انہیں یقین آ ہی گیا کہ واقعی ان کی اس مدد کے پیچھے اور کچھ بھی نہیں تھا' صرف نیکی کا جذبہ تھا۔

پھر جب انہوں نے اس کے گھر جانا شروع کیا تو انہوں نے ایک بار پھر وضاحت پیش کی کہ وہ صرف اس لیے اس کے
گھر جا رہے ہیں کیونکہ وہ اس کی فیملی کو پسند کرتے ہیں پھر اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ وہ وہاں چند گھنٹے گزار لیتے تھے۔ ان کا
ضمیر ایک بار پھر مطمئن ہو یا۔

پھر جب انہوں نے رخشی کو اپنے ساتھ ڈنرز پر اور پارٹیز میں لے جانا شروع کیا تو انہوں نے ایک بار پھر یہ توجیہہ پیش
کی کہ وہ ویسے بھی ان کی سیکرٹری ہے' سارا دن ان کے ساتھ ہوتی ہے' وہ کئی بار اسے بزنس ڈنرز اور میٹنگز میں لے کر گئے ہیں۔
اگر وہ اسے یوں ہی کہیں لے جاتے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اکیلے باہر کھانا کھانے سے رخشی کی کمپنی لاکھ درجے بہتر
ہے بلکہ رخشی کی کمپنی' منیزہ کی کمپنی سے بھی بہتر تھی۔ وہ کم از کم ہر وقت اپنے مطالبات سے ان کا دماغ تو نہیں چاٹتی تھی۔

پھر جب انہوں نے رخشی کے ساتھ ہر بات شیئر کرنی شروع کی تو انہوں نے ایک بار پھر خود کی وضاحت پیش کی۔ وہ
میری دوست ہے' وہ سمجھ دار ہے' ذہین ہے' خوبصورت ہے' وفادار ہے' میری پروا کرتی ہے' میرا خیال رکھتی ہے' میری بات کو اہمیت
دیتی ہے' اچھا دوست ایسا ہی ہوتا ہے پھر اس میں قابل اعتراض کیا بات ہے' وہ صرف میری دوست ہے' بہت سے لوگوں کے
بہت سے دوست ہوتے ہیں' ان میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں پھر میں غیر معمولی بات کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے' وہ عمر میں مجھ سے
بہت چھوٹی ہے مگر اس کے باوجود ہم دونوں میں بہت انڈراسٹینڈنگ ہے' وہ میری دوست ہے۔

اگلے مرحلے منصور علی اور رخشی کے لیے بہت آسان تھے۔ مرد اور عورت کے درمیان اس طرح قائم ہونے والی دوستی اسی
طرح اخلاقیات کی دھجیاں اڑانے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔

رخشی منصور علی کے برعکس جانتی تھی اسے کون سی چیز کھینچ کر منصور علی کی طرف لے کر آئی تھی ...... دولت اور خاندان
منصور علی کے پاس وہ سیڑھی تھی۔ جس کے ذریعے کوئی بھی آسمان تک پہنچ سکتا تھا' اور رخشی اس سیڑھی پر چڑھنا چاہتی تھی۔

اس قسم کی عورت دولت کے لیے کبھی بھی کچھ بھی کر سکتی ہے ...... بے عزتی اور رسوائی کا طوق بھی اسے گلے میں لٹکانا
پڑے تو وہ لٹکا لیتی ہے۔ دنیا اس پر تھوکے یا ہنسے ...... اسے پروا نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ایک بار اس کے ہاتھ میں دولت
آ گئی تو پھر کوئی یہ دونوں کام اس کے سامنے کبھی نہیں کر سکتا۔ دولت سے خریدی جانے والی آسائشوں کے لیے وہ کسی بھی حد تک
جا سکتی ہے۔"

تعلقات کی آخری حدوں کو پھلانگنے کے بعد منصور علی نے پہلی بار اعتراض کیا تھا ...... یہ کوئی ہمدردی' کوئی دوستی' کوئی
شناسائی نہیں تھی۔ رخشی ان کی زندگی کا حصہ بن چکی ہے۔

انہیں رخشی کی ضرورت تھی صرف رخشی کی ...... منیزہ آؤٹ ڈیٹڈ چیز تھی وہ بہت عرصہ پہلے ان کے دل سے نکل چکی تھی۔
وہ اس کے ساتھ بجتی بھی نہیں تھی۔

گھر اور بچے ان کی ترجیح نہیں رہے تھے۔ مرد گھر اور بچوں کے لیے کبھی بھی اپنے نفس کی قربانی نہیں دیتا۔ منصور علی بھی
نہیں دے سکتے تھے۔

"میں اپنی ساری زندگی اپنے گھر' بچوں اور بیوی کے لیے تو ضائع نہیں کر سکتا۔ یہ میری زندگی ہے میں جیسے چاہوں

...میں رخشی کے ساتھ دوستی رکھنا چاہتا ہوں تو رکھوں گا۔ مجھے پروا نہیں ہے کہ میرے گھر والے میرے یا اس کے
...میں کیا سوچتے ہیں۔ یا یہ جائز ہے یا نہیں ہے۔ جب رخشی کو کوئی فکر نہیں ہے۔ تو میں تو پھر ایک مرد ہوں۔ آخر میں کیوں
...کسی چیز سے ڈروں۔"

رخشی کو کسی ضمیر کے سامنے کوئی صفائی پیش نہیں کرنی تھی۔ نہ ہی اسے اس کی ضرورت تھی۔ وہ اس اسٹیج تک پہنچنے کے لیے منصور علی کی زندگی میں آئی تھی۔ اور وہ خوش تھی۔ صاعقہ ساری عمر یہی سب کچھ کرنے کے بعد بھی اپنے لیے ایک گھر تک نہیں پا سکی تھی اور رخشی چند ماہ کے اندر کرائے کے اس گھر کو اپنے نام کروا چکی تھی۔ اس کا لائف اسٹائل تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے گھر میں اب دنیا کی ہر آسائش موجود تھی۔ مگر یہ سب کافی نہیں تھا۔ یہ صرف اس کے سفر کا آغاز تھا اور اس کو اس سفر میں کہیں بھی رکنا نہیں تھا۔

☆☆☆

"I really like this girl" ہارون کمال نے اس دن رخشی کو منصور علی کے آفس سے باہر نکلتے دیکھا تو تبصرہ کیے بنا نہ رہ سکا۔ منصور علی اس کے تبصرے پر فخریہ انداز میں مسکرایا۔

"یہ تو مجھے اندازہ تھا کہ تمہارا انتخاب ہمیشہ اچھا ہوتا ہے' مگر اتنا اچھا ہوگا۔ اس کا مجھے یقین نہیں تھا۔" ہارون کمال نے کہا۔

وہ چند ہی ماہ میں رخشی کے "کام" سے خاصا متاثر تھا اور وقتاً فوقتاً رخشی کی تعریفیں منصور علی کے کانوں تک پہنچاتا رہتا تھا اور اگر ہارون کمال جیسا آدمی رخشی کی تعریف کر رہا تھا تو اس کا واقعی یہی مطلب تھا کہ رخشی کچھ خاص صلاحیتیں ضرور رکھتی تھی۔ منصور علی کے دل میں رخشی کے لیے پہلے سے موجود گوشے کو اور نرم کرنے میں ہارون کمال کی ان تعریفوں نے خاصا اہم کردار ادا کیا تھا۔

"یہ لڑکی اگر مزید کچھ سال تمہارے ساتھ رہی تو تمہارے بزنس کو کہیں سے کہیں لے جائے گی۔ یہ بات یاد رکھنا" ہارون کمال نے رخشی کے بارے میں پیش گوئی کی۔

"اس میں تو خود مجھے بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ واقعی ڈیلنگز میں بہت ماہر ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بہت محنتی ہے۔ کام سیکھنے کی لگن ہے اس میں۔" منصور علی نے اپنے لہجے کو حتیٰ المقدور نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

"میں لوگوں سے تمہاری سیکرٹری کی تعریفیں سن رہا ہوں۔ اور اگر تعریفوں کا یہ دائرہ پھیلتا گیا تو پھر یہ بہت عرصہ تک یہاں نہیں ٹکے گی۔ ایک اچھی سیکرٹری کی ضرورت ہر ایک کو ہر وقت ہوتی ہے۔" ہارون کمال نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہا۔

منصور علی اس کی بات پر ہنسے۔ "نہیں اس معاملے میں مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی' میرا مطلب ہے میرے آفس کو......" انہوں نے اپنے جملے میں کچھ تبدیلی کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اس بات کا اتنا یقین کیوں ہے؟" ہارون کمال نے قدرے تیکھے انداز میں کہا۔

"میں نے بتایا تھا نا کہ یہ امبر کی بہت اچھی دوست ہے' میں نے اسی کے ریفرنس سے اس کو رکھا ہے۔ یہ اس طرح کبھی چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔" منصور علی نے کہا۔

"منصور! بزنس میں دوستیاں بنتی اور ٹوٹتی رہتی ہیں' وہ اب پروفیشنل فیلڈ میں آ چکی ہے۔ صرف امبر سے دوستی کے لیے تو مستقل تمہارے ساتھ وابستہ نہیں رہے گی۔ اور پھر ہر ایک کو آگے بڑھنے کا...... ترقی کرنے کا حق ہے' اگر اسے کہیں اور سے بہتر آفر آئی جو کہ اسے یقیناً آئے گی تو وہ تمہیں اور تمہارے آفس کو چھوڑ کر چلی جائے گی۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ امبر کی دوست ہے یا نہیں...... اور اسے چھوڑ کر چلا بھی جانا چاہیے۔" ہارون کمال نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

"اگر تم مالی مراعات کی بات کر رہے ہو تو میں مسلسل ان میں اضافہ کرتا رہوں گا۔ میں جانتا ہوں' ایک اچھے ورکر کو کس

طرح اپنے پاس رکھا جاتا ہے......'' منصور علی یک دم سنجیدہ ہو گئے۔

''یہ صرف مالی مراعات کی بات نہیں ہے۔ اور بھی بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں جن کی زندگی میں اہمیت ہوتی ہے۔'' ہارون کمال بات کرتے کرتے رکا۔

''اب دیکھو...... یہ اس قدر اٹریکٹو لڑکی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جلد یا بدیر اس کو کسی میں دلچسپی پیدا نہ ہو اور اگر یہ کسی کے ساتھ جذباتی طور پر وابستہ ہو گئی تو پھر تمہاری ساری مالی مراعات چھوڑ کر اس کے ساتھ چلی جائے گی۔ اتنے مردوں سے سابقہ ہوتا رہتا ہے کہ کبھی بھی کسی بھی وقت ایسی کوئی وابستگی پیدا ہو سکتی ہے۔ لڑکیاں ویسے بھی اپنی شادی کے سلسلے میں بہت ان سیکیورٹی محسوس کرتی ہیں۔ اسے موقع ملے گا تو وہ بھی سب کچھ چھوڑ کر چلی جائے گی۔''

منصور علی کچھ دیر تک کچھ نہیں کہہ سکے، کسی نے جیسے ان کے سینے پر گھونسہ مارا تھا۔ کچھ دیر وہ جیسے لفظ ڈھونڈتے رہے پھر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''رخشی ابھی بہت کم عمر ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ ابھی چھ سات سال تک وہ کہیں شادی نہیں کر رہی۔'' ہارون کمال بے اختیار ہنسا۔

''اور تم احمق ہو گے اگر تم نے اس کی بات پر یقین کر لیا ہے۔'' منصور علی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ بے اختیار لاجواب ہوئے تھے۔

''میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر آج کوئی لکھ پتی یا کروڑ پتی بزنس مین تمہاری اس سیکرٹری کو شادی کا پروپوزل دے تو وہ اس سے شادی کر لے گی۔ اپنے ان تمام بیانات کے باوجود حتیٰ کہ میں بھی اگر اسے پروپوز کروں تو وہ میرا پروپوزل بھی قبول کر لے گی۔'' منصور علی نے بے اختیار چونک کر اسے دیکھا۔

''گھبراؤ نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ میں صرف ایک مثال دے رہا ہوں...... ایسی لڑکیوں کے پاس ایسی فیلڈ میں رہتے ہوئے اس طرح کے بہت سے پروپوزلز آتے رہتے ہیں۔'' ہارون کمال اب اپنی کافی ختم کرنے کے بعد سگار سلگا رہا تھا۔

''میرا خیال ہے یہ مالی طور پر کسی بہت مضبوط فیملی سے تو تعلق نہیں رکھتی؟'' اس نے کہتے ہوئے منصور علی سے سوال کیا۔ منصور علی نے ہونقوں کی طرح نفی میں سر ہلا دیا۔

''ہاں مجھے اندازہ تھا۔'' وہ خاموش ہو گیا، سگار کے چند کش لگانے کے بعد اس نے منصور علی سے پوچھا۔

''تم نے کبھی دوسری شادی کے بارے میں سوچا ہے؟'' منصور علی ہکا بکا رہ گئے۔ ہارون کمال ان کے تاثرات دیکھ کر مسکرایا۔

''اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کوئی بہت عجیب سوال تو نہیں کیا؟'' منصور علی نے قدرے خود کو سنبھالا۔

''نہیں...... ہاں...... وہ...... میں...... سمجھ سکتا ہوں، ہاں عجیب سوال تو نہیں ہے مگر یک دم پوچھا ہے۔ اس لیے میں کچھ کنفیوز ہو گیا۔''

''میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم نے؟'' ہارون کمال نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

''نہیں، دوسری شادی کے بارے میں تو کبھی نہیں سوچا میں نے۔'' منصور علی نے قدرے مدھم لہجے میں کہا۔ انہیں حیران کن طور پر ہارون کمال کا سوال بُرا نہیں لگا تھا۔

ہارون مسکراتے ہوئے سگار کے کش لیتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے رخشی تم میں دلچسپی لیتی ہے۔'' منصور علی یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے کہ ہارون کمال بے حد ہوشیار آدمی ہے۔ براہ راست یہ کہنے کے بجائے کہ ان دونوں کا آپس میں کوئی افیئر ہے وہ گھما پھرا کر یہ کہہ رہا تھا کہ رخشی ان میں کوئی دلچسپی رکھتی تھی۔

''رخشی نے مجھ سے کبھی ایسی کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔'' اس انکشاف کے جھٹکے سے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے منصور

قدرے جلدی اپنے لہجے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ... نہ نکال دو مگر مجھے یہ
ہو سکتا ہے اسے کچھ ہچکچاہٹ ہو۔ وہ اسے نامناسب سمجھ رہی ہو یا خوفزدہ ہو کہ تم اسے جاب سے
ہو سکتا ہے کہ وہ تم میں دلچسپی رکھتی ہے۔" ہارون کمال نے بظاہر ان کی وضاحت قبول کرتے ہوئے کہا۔
پتہ نہیں ہوتی ہے کہ وہ تم میں دلچسپی رکھتی ہے۔ ...... میرا مطلب ہے خفیہ شادی۔" ہارون کمال نے یک دم کہا۔
"تم رخشی سے شادی کیوں نہیں کر لیتے ...... رخشی کے ساتھ ان کے تعلقات تھے مگر انہوں نے رخشی سے کبھی شادی کے
منصور علی کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ رخشی کے ساتھ ان کے تعلقات تھے مگر انہوں نے رخشی سے کبھی شادی کے
بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اور وہ سوچنا چاہتے بھی نہیں تھے، کم از کم فوری طور پر خود رخشی نے بھی کبھی یہ مطالبہ نہیں کیا تھا۔
"میں رخشی سے شادی کیوں اور کیسے کر سکتا ہوں۔ تم جانتے ہو۔ میں شادی شدہ ہوں۔ میری بیوی ہے' بچے ہیں۔ میں تو
ایسی شادی افورڈ نہیں کر سکتا۔" منصور علی نے اس کے پرپوزل کو رد کرتے ہوئے کہا۔
"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہاری بیوی ہے' مگر تمہاری بیوی کا ہونا یا نہ ہونا تمہارے لیے ایک برابر ہے۔ وہ کسی بھی
طرح تمہارے بزنس میں تمہارے لیے مددگار ثابت نہیں ہو سکتی۔ جو رول رخشی ادا کر رہی ہے۔ اور کر سکتی ہے وہ رول کبھی منیزہ
نہیں کر سکتی۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔" ہارون کمال نے بے حد صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔
"بلکہ اگر تم برا نہ مانو تو مجھے یہ کہنے میں بھی کوئی عار نہیں کہ تمہارے جیسے آدمی کے ساتھ منیزہ جیسی عورت کو سرے سے
ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اگر تمہارے ساتھ اتنے سالوں سے رخشی جیسی کوئی عورت ہوتی تو تم اس وقت کہاں کھڑے ہوتے۔ خود
تمہیں بھی اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔" ہارون کمال نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ منصور علی اس کی بات کی تردید نہیں کر سکے' وہ
خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔
"منیزہ جیسی عورتوں اور تمہارے جیسے مردوں میں پوری ایک صدی کا فرق ہوتا ہے۔ یہ بدقسمتی ہی ہوتی ہے کہ پھر بھی
ایسے لوگ اکٹھے زندگی گزار رہے ہوں۔ تم منیزہ کو تو اپنے ساتھ کسی بزنس ڈنر پر نہیں لے جا سکتے۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے
ہو۔" منصور اب بھی چپ رہے۔
"اور میں تمہیں ایک بات بتاؤں اگر مجھے زندگی میں کبھی شائستہ کو کسی دوسری عورت سے replace کرنا پڑا تو میں تو
بڑی آسانی کے ساتھ کر دوں گا۔"
"کیوں شائستہ بھابھی تو بہت خوبصورت خاتون ہیں۔ بہت سوشل ...... ایک آئیڈیل بیوی" منصور علی نے بے اختیار
کہا۔
"ہاں یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ایسی بیوی ملی۔ لیکن اس کے باوجود اگر کل کو میں نے یہ محسوس کیا کہ میں کہیں پر اس
کے ساتھ مجھے ایڈجسٹ نہیں کر پا رہا ہوں تو میں دوسری شادی کر لوں گا۔ اور تم دیکھنا شائستہ اتنی ماڈرن اور لبرل عورت ہے
کہ وہ اس پر اعتراض نہیں کرے گی۔"
منصور علی نے ایک گہرا سانس لیا' وہ ہارون کمال کی باتوں کا مقصد نہیں جانتے تھے۔ اگر جانتے تو شاید اس وقت اس
کمرے کا منظر بالکل مختلف ہوتا۔ اور وہ دونوں اتنے اطمینان سے وہاں بیٹھے بات نہ کر رہے ہوتے ...... مگر انہیں ہارون کمال پر
بے اختیار رشک آیا۔ وہ واقعی بہت نڈر آدمی تھا۔ صحیح معنوں میں خوش قسمت اور کامیاب آدمی۔
"میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم رخشی سے شادی کر لو۔" ہارون کمال نے کہا۔ "بزنس سرکلز میں ایسی شادیاں بہت عام
ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگوں نے اپنی سیکرٹریز کے ساتھ خفیہ شادی کر رکھی ہوتی ہے۔
اس طرح نہ تو انہیں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کسی بھی وقت ان کی سیکرٹری انہیں چھوڑ کر جا سکتی ہے اور نہ ہی یہ اندیشہ کہ ان کی
سیکرٹری ان کے بزنس کے بارے میں معلومات کسی اور کو دے سکتی ہے۔ جب تک ضرورت ہو ایسے رشتہ کو قائم رکھتے ہیں۔ پھر
کچھ سالوں کے بعد جب ان کی عمر زیادہ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ تو وہ انہیں کچھ دے دلا کر فارغ کر دیتے ہیں۔ اور کسی نئی
سیکرٹری کو رکھ لیتے ہیں۔ نہ خاندان کو پتا چلتا ہے نہ کسی اور کو ...... اور کامیابی کے زینے بھی طے ہوتے رہتے ہیں۔ اور تمہارے

لیے تو میرا سب سے قیمتی مشورہ یہی ہے کہ تم اگر اپنی بیوی کو تبدیل نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک اور بیوی اپنے پاس ضرور رکھو۔ رخشی جیسی بیوی...... تمہیں رخشی جیسی عورت کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے بغیر تم اس سرکل میں اس طرح سے کامیاب نہیں ہو سکتے جس طرح میں یا دوسرے لوگ کامیاب ہیں۔" ہارون کمال اب بے سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"میں...... میں...... اس...... بارے میں سوچوں گا۔" منصور علی نے بے اختیار ہکلاتے ہوئے کہا۔

"ضرور سوچو...... اور جتنی جلدی ہو' سوچ لو...... یہ تمہاری زندگی کا سب سے اچھا فیصلہ ثابت ہوگا۔" ہارون کمال نے سگار کو ایش ٹرے میں پھینک کر اٹھتے ہوئے کہا۔ منصور علی بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے بیرونی دروازے تک آئے پھر باہر نکلنے سے پہلے ہارون کمال نے منصور علی سے ایک بار پھر کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم رخشی کو اس اسٹیج پر کھو دو۔ وہ ہماری اس فیکٹری کو اسٹیبلش کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کرے گی۔" منصور علی نے اس کی بات پر کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"ہیلو۔" امبر بے اختیار پلٹی۔ اس نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا وہ ہارون کمال تھا۔

اس نے ہیلو کہا اور ہاتھ میں تھامے ہینگر کو دوبارہ اسٹینڈ پر لٹکانے لگی۔

وہ اس بوتیک پر کافی دیر سے آئی ہوئی تھی اور یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ اکیلی تھی...... اور یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ ہارون کمال بھی اکیلا اسی وقت یہاں آیا تھا اس نے امبر کو بوتیک میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور اس کا دل جیسے بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔

"میں نے شاید آپ کو ڈرا دیا۔" ہارون نے اس کے تاثرات کو پہچان لیا تھا۔

"آپ ہمیشہ ہی مجھے ڈرا دیتے ہیں۔" امبر نے قدرے تیکھے انداز میں کہا۔

ہارون ایک لمحہ کے لیے کچھ نہیں کہہ سکا۔

"اگر ایسا ہے تو میں اس کے لیے ایکسکیوز کرتا ہوں۔ آپ یہاں شاپنگ کر رہی ہیں؟" اس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"کوشش کر رہی ہوں اگر کامیاب ہو سکی تو؟" امبر اسی طرح کپڑوں پر نظریں دوڑاتی رہی۔

"آپ یقیناً اپنی وائف کے لیے یہاں سے کچھ لینے آئے ہوں گے۔ یا پھر خود آپ کی وائف آپ کے ساتھ ہوں گی۔" امبر نے اچانک کہا۔

"نہیں میں اکیلا ہوں۔" شائستہ کے ذکر پر وہ قدرے خفیف سا ہو گیا۔ "میں بھی یہاں اپنے لیے شاپنگ کرنے آیا تھا۔"

"میں سمجھی تھی شاید آپ کی وائف آپ کے ساتھ ہوں گی اسی لیے آپ اس حصے کی طرف آ گئے ہیں۔" "اس دن ہوٹل میں آپ نے کھانے کا بل ادا کر دیا۔ بڑے Obliged (ممنون) ہوئے ہم دونوں...... میں اور طلحہ...... ذکر تو کیا ہوگا طلحہ نے آپ سے۔" امبر نے یک دم گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس میں Obliged ہونے والی کیا بات ہے۔ یہ تو ایک good will gesture (خیر سگالی کا قدم) تھا آپ نے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سیریسلی لیا اسے۔" ہارون کمال نے شگفتگی سے کہا۔

"لینا بھی چاہیے تھا۔

میں ایسی مہربانیاں پسند نہیں کرتی۔"

امبر بے حد سنجیدہ تھی۔

"It wasn`t a favour at all" (میں ہر ایک پہ مہربانی نہیں کرتا) ہارون نے اس کی بات کاٹی۔

"تو پھر یہ کیا تھا؟ کیا آپ ہر ایک کا بل ادا کرتے پھرتے ہیں؟" امبر نے اسی انداز میں کہا۔

"کیا میں ہر ایک کا بل ادا کرنے والا آدمی نظر آتا ہوں؟" ہارون نے جواباً سوال کیا۔

"یہ تو آپ خود ہی بتا سکتے ہیں' میں کیا کہہ سکتی ہوں' میں آپ کو نہیں جانتی۔" امبر نے صاف گوئی سے کہا۔

"اندازہ تو لگا سکتی ہیں۔" ہارون کمال نے کہا۔

"میں ہر ایک کے بارے میں اندازہ بھی نہیں لگایا کرتی۔" اس کا لہجہ برقرار تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔ نہیں...... میں ہر ایک کا بل ادا نہیں کرتا پھرتا۔" ہارون نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر امبر اور طلحہ کا بل تو ادا کیا آپ نے۔"

"طلحہ کی بات تو جانے دیں۔ وہ آپ کے ساتھ تھا۔ میں نے آپ کا بل ادا کیا۔"

"میں طلحہ کے ساتھ تھی..... طلحہ میرے ساتھ نہیں تھا۔" امبر نے ترشی سے بات کاٹی۔

"میں نے پھر بھی "آپ" اور آپ کے ساتھی کا بل ادا کیا۔" ہارون نے آپ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ امبر میں اور ہر ایک میں بہت فرق ہے۔"

"یہ کوئی انکشاف ہے؟"

"تعریف ہے۔"

"آپ تعریفوں کی عادت میں مبتلا ہیں۔"

"میں ہر ایک کی تعریفیں نہیں کرتا۔"

"میری تو ہر بار ہی کرتے ہیں پہلے آپ مجھے ڈائنامک کہہ رہے تھے اب میں آپ کو ہر ایک سے مختلف لگنے لگی ہوں۔" امبر نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں' میں ہمیشہ ہی آپ کی تعریف کرتا ہوں' آپ کو اس پر اعتراض کیوں ہے؟" ہارون کمال اس کے تیکھے لہجے سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔

"اس بات کو تو خیر جانے دیں کہ مجھے کس چیز پر اعتراض ہے اور کس پر نہیں۔ میں آپ سے صرف اتنی سی بات پوچھ رہی ہوں کہ آپ نے امبر اور طلحہ کا بل کیوں دیا؟" امبر نے ماتھے پر چند بل ڈال کر کہا۔

"آپ کو بُرا لگا؟"

"کیوں.....؟"

"یہ بہت انسلٹنگ تھا۔"

"نہیں یہ انسلٹنگ نہیں تھا۔ میں نے آپ کو بتایا ہے۔ یہ ایک گڈول gesture تھا۔" ہارون کمال نے کہا۔

"میں وہاں اپنے شوہر کے ساتھ کھانا کھانے گئی تھی۔ کسی دوسرے' تیسرے چوتھے آدمی کے گڈول gesture کے لیے نہیں۔ مجھے ایسی چیزیں اچھی نہیں لگتیں۔" امبر نے بے حد تلخی سے کہا۔

"اگر آپ کو بُرا لگا تو میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔" میں آپ کو کوئی تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا تھا' اگر مجھے پتا ہوتا کہ یہ آپ کو بُرا لگے گا تو میں کبھی بل ادا نہیں کرتا۔" ہارون کمال نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

امبر کچھ دیر تیز نظروں سے اس کو دیکھتی رہی پھر کچھ کہے بغیر وہ ایک بار پھر رخ موڑ کر ان ملبوسات کو دیکھنے لگی جنہیں وہ پہلے دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" ہارون کمال واقعی ڈھیٹ آدمی تھا۔ جواب بھی ابھی جانے کو تیار نہیں تھا۔

"پوچھیں....." امبر نے اسے دیکھے بغیر کہا۔

"آپ آخر ہمیشہ مجھ سے ناراض کیوں رہتی ہیں؟" امبر نے حیرت سے گردن موڑ کر اس کو دیکھا۔

"آپ سے ناراض .....؟ ..... ہمیشہ .....؟ کس طرح کی بات کر رہے ہیں؟ میں آپ سے ناراض کیوں ہوں گی۔ میرا آپ سے ایسا تو کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ میرے پاپا کے دوست ہیں آپ ..... وہ بھی ایسے جنہیں میں ٹھیک طرح جانتی تک نہیں اور آپ بات کر رہے ہیں کہ میں آپ سے ہمیشہ کیوں ناراض رہتی ہوں۔" وہ ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی۔

"آپ کیا جاننا چاہتی ہیں' میرے بارے میں؟" ہارون نے بے حد تحمل سے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"آپ نے کہا ہے نا کہ آپ مجھے ٹھیک طرح سے جانتی تک نہیں ..... اور مجھے واقعی ایسا ہی لگتا ہے کہ آپ مجھے ٹھیک طرح سے جانتی نہیں۔ بلکہ شاید سرے سے ہی نہیں جانتیں' ورنہ میرے ساتھ اس طرح کا سلوک تو نہ کرتیں ....."

"کیسا سلوک؟"

"میں آپ کو بتا چکا ہوں ..... مجھے لگتا ہے آپ مجھے ناپسند کرتی ہیں۔" امبر نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

"ہاں آپ بالکل ٹھیک سمجھے ہیں ..... میں واقعی آپ کو ناپسند کرتی ہوں۔" اس نے صاف گوئی کی انتہا کر دی تھی۔

"کیوں .....؟" ہارون کے چہرے کا رنگ یکدم تبدیل ہو گیا۔

"کیوں .....؟ یہ میں نہیں جانتی۔" امبر نے کندھے اچکائے پھر اس نے ایک ہینگر میں لٹکے ہوئے لباس کی طرف اشارہ کیا۔

"اب وہ لباس مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میں اسے ناپسند کرتی ہوں۔ آپ پوچھیں گے کیوں؟ تو میں کیا بتاؤں گی ..... صرف یہی نا کہ مجھے وہ اچھا نہیں لگتا۔"

"میں جانتی ہوں' میں نے ایک مثال دی ہے۔ کیونکہ آپ ضرورت سے زیادہ سوال کرتے ہیں۔" امبر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"میں ہینگر میں لٹکا ہوا لباس نہیں ہوں۔" ہارون کو پوری گفتگو میں پہلی بار صحیح معنوں میں تذلیل کا احساس ہوا۔

"میں جانتی ہوں' میں نے ایک مثال دی ہے۔ کیونکہ آپ ضرورت سے زیادہ سوال کرتے ہیں۔" امبر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"میں ضرورت سے زیادہ سوال اس لیے کرتا ہوں کیونکہ مجھے آپ کو جاننے میں دلچسپی ہے۔"

"کیوں .....؟" اس نے پلکیں جھپکائے بغیر کہا۔

"کیونکہ آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔" امبر کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔

"کیوں .....؟"

"یہ مجھے نہیں پتا۔" ہارون نے کندھے اچکائے اور پھر اسی ہینگر کی طرف اشارہ کیا۔

"اب یہ لباس مجھے اچھا لگتا ہے ..... آپ پوچھیں گی کیوں؟ تو میں وجہ تو نہیں بتا سکوں گا۔ صرف یہ ہی کہوں گا' کہ یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔"

اس بار امبر کے چہرے کے ساتھ ساتھ اس کے کانوں کی لوئیں بھی سرخ ہوئی تھیں۔ وہ مشتعل تھی۔ ہارون کمال جانتا تھا۔ اسی لیے وہ وہاں رکا نہیں تھا۔ مگر جانے سے پہلے وہ جلتی پر کچھ اور تیل چھڑک گیا۔

"طلحہ جیسا آدمی آپ کے قابل نہیں ہے ..... امبر منصور علی کو کسی بہت بہتر شخص کی زندگی میں ہونا چاہیے۔" وہ جب تک اس کی بات پر غور کرتی وہ جا چکا تھا۔

☆☆☆

"یہ منصور بھائی ہیں نا؟" شبانہ نے کھڑکی سے کچھ دور کھڑی ایک کار کی طرف اشارہ کیا۔

وہ مسعود علی کے ساتھ کچھ دیر پہلے ہی اپنی نند کے ہاں سے واپس آئی تھی جب گھر کی طرف جاتے ہوئے اچانک ان کا

ورنہ ایک ہوٹل میں کھانے کا بن گیا اور اب وہ اس ہوٹل میں کھانے کے بعد واپس گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب شبانہ کی نظر پارکنگ میں کھڑی ایک دوسری کار پر پڑی۔ جس میں منصور علی ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کار کچھ دیر پہلے ہی وہاں آ کر رکی تھی اور اب وہ دونوں کار سے اتر رہے تھے۔

''ہاں، منصور ہی ہے۔'' مسعود نے دانستہ نظر چراتے ہوئے کہا۔ وہ شبانہ سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ منصور نہیں ہے۔ وہ انکار کرتے تو شبانہ کچھ اور مشکوک ہوتیں۔ ان کے تجسس کو کچھ اور ہوا ملتی۔

''کھانا اچھا تھا...... میں سوچ رہا ہوں کہ ذرا جلدی جلدی کھانا کھانے آیا کریں۔'' مسعود علی نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ وہ اب پارکنگ سے گاڑی نکال رہے تھے مگر شبانہ کی نظریں منصور اور اس لڑکی پر جمی ہوئی تھی اور ان دونوں کے اندر جانے تک ان پر مرکوز رہیں۔

مسعود علی اب گاڑی پارکنگ سے نکال چکے تھے۔ ''یہ منصور کے ساتھ کون لڑکی تھی؟'' شبانہ نے پوچھا۔

''چھوڑو...... ہوگی کوئی...... مجھے کیا پتا؟'' مسعود علی نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

''یہ کیا بات ہوئی آپ کے بھائی ہیں...... اور آپ کو یہ نہیں پتا کہ اس کے ساتھ کون سی لڑکی ہے۔ مجھے تو کوئی اچھی لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔ اور منصور کو تو دیکھیں کتنی بے تکلفی سے قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کے ساتھ۔'' شبانہ نے کہا۔

''وہ منصور کی سیکرٹری ہے۔'' مسعود علی نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''سیکرٹری؟'' شبانہ بے اختیار بولیں۔ ''منصور نے سیکرٹری کب سے رکھ لی؟ اور ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو اس لڑکی کا نہیں پتا...... اور اس وقت منصور اس سیکرٹری کے ساتھ یہاں ہوٹل میں کیا کر رہا ہے؟'' شبانہ نے یکے بعد دیگرے سوالوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے کہا۔

مسعود علی بے اختیار زچ ہوئے۔ ''میں تمہارے سوالوں کا جواب تو دے دیتا ہوں مگر براہ مہربانی...... تم منیزہ کو یا خاندان میں اور کسی کو بھی یہ مت بتانا کہ منصور نے کوئی سیکرٹری رکھی ہوئی ہے۔ منصور نے ہمیں سختی سے منع کیا ہوا ہے۔'' مسعود علی نے شبانہ سے کہا۔

وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اب وہ بات گول نہیں کر سکتے۔ شبانہ تب تک ان کی جان چھوڑنے والی نہیں تھیں۔ جب تک وہ انہیں سب کچھ بتا نہ دیتے۔

''کیوں منصور نے کیوں منع کیا ہے اس کے بارے میں بتانے سے؟''

''یہ تو منصور ہی زیادہ بہتر جانتا ہوگا۔ مجھ سے تو اس نے صرف یہ کہا تھا کہ میں کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔''

''طلحہ اور اسامہ کو بھی پتا ہے؟'' شبانہ نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

''ہاں ظاہر ہے مجھے پتا ہے تو طلحہ اور اسامہ کو بھی پتا ہوگا۔ وہ اس کی نئی فیکٹری میں ہوتی ہے۔''

''اور دیکھیں ذرا مجال ہے کہ مجھ سے کسی نے بھی اس کا ذکر کیا ہو۔'' شبانہ نے قدرے ناراضی سے کہا۔

''تم جان کر آخر کر بھی کیا لیتیں؟''

''پھر بھی مجھے پتا تو ہونا چاہیے تھا۔''

''چلو اب تو پتا چل گیا ہے نا۔''

''منصور کو آخر یوں اچانک سیکرٹری رکھنے کی کیا ضرورت آن پڑی۔ پہلے تو کبھی اس نے سیکرٹری نہیں رکھی تھی بلکہ ہمارے خاندان میں کسی نے نہیں رکھی۔ پھر اب اچانک کیا ہو گیا۔؟''

''یہ تو منصور ہی بتا سکتا ہے۔ مگر اس میں کوئی برائی تو نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی فائدہ تو اس کو نظر آیا ہوگا جو اس نے یہ سیکرٹری رکھنے کا فیصلہ کیا۔''

''اور یہ لڑکی تو بہت ہی خوبصورت ہے...... وہ تو اپنے رکھ رکھاؤ سے کہیں سے ملازم لگتی ہی نہیں۔'' شبانہ نے تبصرہ کیا۔

''یہ امبر کی دوست ہے۔'' منصور نے بتایا۔

''رخشی!'' بے اختیار شبانہ کے منہ سے نکلا۔ مسعود علی حیران ہوئے۔

''تم جانتی ہو اسے؟''

''چہرے سے واقف نہیں، نام سے واقف ہوں۔ اسے امبر نے منصور کے پاس رکھوایا ہے۔''

''ہاں! امبر کی سفارش پر ہی منصور نے رکھا ہے۔ اب تم جان ہی گئی ہو تو آگے کسی کو مت بتانا۔'' مسعود علی نے کہا۔

''مگر منصور اس کو لے کر یہاں ہوٹل میں کیوں پھر رہا ہے۔ رات کے اس وقت اور پھر اتنی بے تکلفی......''

''یہ سب منصور کے مسائل ہیں تمہارے اور ہمارے نہیں...... اگر وہ فکر مند نہیں تو ہم کیوں ہوں۔ تم اس موضوع کو اب بند کر دو خاصے سوال کر چکی ہو تم۔'' مسعود علی نے اس بار کچھ اکتا کر کہا۔

شبانہ نے اس بار جواب میں کچھ نہیں کہا۔ مگر وہ کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

☆☆☆

تیرہواں باب

وہ دونوں آواری میں بیٹھے ہوئے تھے، رخشی سلور گرے سلک کی ساڑھی باندھے ہوئے تھی، اس کے کھلے بال جسم کی رنگ کے ساتھ اس کے سلیولیس بلاؤز سے نظر آنے والے بازوؤں پر گرتے تو وہ کبھی ہاتھ کبھی سر اور گردن کے جھٹکے سے انہیں پیچھے پھینک دیتی۔

منصور علی اس پر سے نظریں نہیں ہٹا پا رہے تھے۔ وہ دونوں سارا دن آفس میں ساتھ ہوتے تھے۔ منصور علی سارا دن اسے دیکھتے رہتے، اس سے باتیں کرتے رہتے، اس کے باوجود وہ جب بھی رات کو اس کے ساتھ ڈنر کے لیے کہیں جاتے، رخشی انہیں اسی طرح مسمرائز کر دیا کرتی تھی۔

منصور علی کے لیے ہر بار اسے بنا سنورا دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ کل زیادہ اچھی لگ رہی تھی یا آج...... وہ ہر بار پہلے سے زیادہ پرکشش اور حسین لگتی تھی اور منصور علی خود کو ہر بار پہلے سے زیادہ مجبور اور بے بس پاتے تھے۔ انہیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا تھا کہ رخشی دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔

"آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو مجھ سے کوئی خاص بات کرنی ہے۔" رخشی نے اپنے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے منصور علی کو یاد دلایا۔

وہ دونوں ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہاں آ کر بیٹھے تھے اور منصور علی نے دوپہر میں ڈنر کا پروگرام طے کرتے ہوئے کہا تھا۔

"آج مجھے تم سے ایک خاص بات کرنی ہے۔"

رخشی تب ان کے آفس میں بیٹھی تھی۔ اس نے منصور علی کے چہرے کو غور سے دیکھا اور مسکرا دی۔

"ایسی بھی کیا خاص بات ہے؟"

"ہے کوئی خاص بات...... میں چاہتا ہوں، تم آج بہت اچھی طرح تیار ہو، میرے ساتھ ڈنر پر باہر جانے کے لیے۔"

رخشی ان کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے ہر بار ہی خاص طور پر تیار ہوتی ہوں۔ میرے لیے آپ کے ساتھ ڈنر پر جانا کوئی عام واقعہ نہیں ہوتا۔"

"میں چاہتا ہوں آج تم ساڑھی پہنو...... تم پر ساڑھی بہت اچھی لگتی ہے۔" منصور علی نے ایک اور فرمائش کی۔

"مجھے بھی ساڑھی بہت اچھی لگتی ہے۔ مگر وہ خاص بات کیا ہے آپ یہاں نہیں بتا سکتے۔ مجھے تو بہت تجسس ہو رہا ہے۔" رخشی نے بڑے انداز سے کہا۔

"نہیں، وہ خاص بات میں یہاں نہیں بتا سکتا۔ یہ جگہ ایسی باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔" منصور نے بھی اسی انداز میں کہا۔

"تو ٹھیک ہے پھر ڈنر کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

اور اب وہ منصور علی کو وہ گفتگو یاد دلا رہی تھی۔

"دراصل میں تم سے بات کرنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہوں، میں بہت دنوں سے تم سے ایک بات کہنا چاہتا تھا مگر ہر بار میری ہمت جواب دے جاتی تھی۔ آج بہرحال میں نے یہ طے کرلیا کہ جو بھی ہو مجھے آج تم سے یہ بات کہہ دینا ہے۔" منصور علی بڑی سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے، جب کہ رخشی بے نیازی سے مشروب پینے میں مصروف تھی۔

"رخشی میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

منصور علی کا خیال تھا کہ رخشی یک دم حیران ہو جائے گی۔ نروس ہو گی، کہے گی میں ایسی بات کی توقع ہی نہیں کر رہی تھی۔ بے یقینی سے انہیں دیکھے گی...... لیکن ان کی کوئی توقع پوری نہیں ہوئی۔ رخشی کے چہرے پر حیرت آئی نہ بے یقینی...... شاک نظر آیا نہ اس کا رنگ بدلا...... نہ اس کے ہونٹ کپکپائے۔

اس نے ان کی بات ان کے چہرے پر نظریں جما کر سنی اور پھر ٹیبل سے مشروب کا گلاس دوبارہ اٹھاتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔ "کیوں......؟"

منصور علی اس سوال کی توقع نہیں کر رہے تھے اور شاید اس ردِ عمل کی بھی۔

"کیوں......؟ کے بارے میں تو میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" منصور علی نے کہا۔ رخشی نے مشروب کا ایک اور گھونٹ لیا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے گلاس کو نیچے رکھ دیا۔

"میں جانتی ہوں آپ کو مجھ سے محبت ہے اور یقیناً آپ کو بھی پتا ہو گا کہ مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ مگر شادی......" رک گئی۔

"تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟"

منصور علی کچھ بے چین ہوئے۔

"میں نے آپ کے ساتھ شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔" رخشی نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟" منصور علی کو جیسے شاک لگا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کو کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔"

"کیسی تکلیف؟"

"آپ کے گھر والے؟" رخشی نے ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"رخشی! میرے گھر والے میرا مسئلہ ہیں۔ تمہیں ان سے کسی قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔" منصور علی نے فوراً کہا۔

"مجھے ان سے اپنے بارے میں کوئی خدشہ نہیں ہے، میں آپ کے بارے میں پریشان ہوں میں نہیں چاہتی آپ کسی پریشانی کا شکار ہوں۔"

"تم فکرمند مت ہو، میں اس صورتِ حال کو ہینڈل کرلوں گا۔ میں اس سارے معاملے پر غور کر چکا ہوں اور پھر فوری طور پر تو اس شادی کے بارے میں میرے اور تمہارے علاوہ کسی اور کو پتا نہیں چلے گا۔ تم اسی طرح آفس آتی رہو گی۔" منصور علی نے کہا۔

"میں خفیہ شادی پر یقین نہیں رکھتی۔" رخشی نے بہت سنجیدگی سے کہا۔ "نہ ہی میرے گھر والے مجھے ایسی کوئی شادی کرنے دیں گے۔" منصور علی کی جان جیسے حلق میں اٹک گئی۔ رخشی نے اپنی بات جاری رکھی۔

"پھر شادی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے آپ سے محبت ہے اور میں آپ کے ساتھ شادی کے بغیر بھی بہت اچھی زندگی گزار رہی ہوں۔ پھر ضروری تو نہیں کہ اس تعلق کو کسی رشتے کا نام دیا جائے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ سے محبت کر کے میں نے ایک غلطی کی ہے اور شاید اس سے بھی بڑی غلطی یہ زندگی، جو آپ کے ساتھ گزاری ہے مگر میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔" رخشی کے چہرے پر اب اداسی نظر آ رہی تھی۔ منصور علی کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔

"میں بہت پہلے ہی یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کر سکیں گے۔ اعلانیہ شادی...... اور میں نے

ان کی محبت کے ساتھ بھی کمپرومائز کر لیا تھا۔ ہم دونوں اس طرح بھی اچھی زندگی گزار سکتے ہیں، کم از کم اس وقت تک، جب تک
ہمیں گھر والے میری شادی کہیں اور نہیں کر دیتے۔" منصور علی بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔
"تم...... تم...... کسی دوسرے سے شادی کس طرح کر لوگی۔ میرے ساتھ اس طرح کی زندگی گزارتے رہنے کے بعد۔"
منصور علی کچھ بول نہیں رہے۔
"آپ بھی تو ایک کامیاب شادی شدہ زندگی گزار رہے ہیں اس سب کے باوجود......" منصور علی جواباً کچھ نہیں بول
سکے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔
"میری شادی شدہ زندگی کامیاب نہیں ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو......"
"کامیاب ہو یا نہ ہو، شادی شدہ زندگی تو ہے نا...... آپ کا ایک گھر ہے...... بچے ہیں...... مستقبل ہے...... آپ ہر
طرح سے محفوظ ہیں، حالانکہ آپ ایک مرد ہیں۔ میں تو پھر ایک لڑکی ہوں۔ جسے ہر قدم پر تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ میری بھی
خواہش ہے کہ میرا ایک گھر ہو...... بچے ہوں...... شوہر ہو...... میرا مستقبل محفوظ ہو......"
"مگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے میں شادی کے بعد بھی آپ ہی سے محبت کرتی رہوں، مگر میں صرف محبت کے
سہارے تو زندگی نہیں گزار سکتی۔" رخشی نے دوٹوک انداز میں کہا۔
منصور علی کے کانوں میں جیسے گھنٹیاں بجنے لگیں۔ وہ وہی باتیں کر رہی تھی جن کا ذکر ہارون کمال نے کیا تھا۔ وہ ایک بار
ہارون کمال کی ذہانت اور دور اندیشی کے قائل ہو گئے۔ ہارون کمال نے رخشی کے بارے میں جو کہا تھا ٹھیک کہا تھا۔
"میں اسی لیے تو تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں وہی تحفظ دینے کے لیے۔" منصور علی نے اپنا گلا صاف کرتے
ہوئے کہا۔
"خفیہ شادی...... جسے آپ کسی وقت بھی ختم کر سکتے ہیں۔"
"میں کیوں ختم کروں گا اس شادی کو...... میں تم سے محبت کرتا ہوں رخشی!"
"آپ ٹھیک کہتے ہیں میں جانتی ہوں آپ کو مجھ سے محبت ہے لیکن اس کے باوجود میں خفیہ شادی کرنا نہیں چاہتی، اس
سب کو اسی طرح چلنے دیں۔" رخشی نے قطعیت سے کہا۔
"رخشی! میں وقتی طور پر خفیہ شادی کر رہا ہوں، وقت آنے پر میں اس کے بارے میں سب کو بتا دوں گا۔" منصور علی نے
بیچارگی سے کہا۔
"آپ نے اپنی بیوی اور فیملی کے ردعمل کے بارے میں سوچا ہے؟ اگر انہوں نے آپ کو مجھے طلاق دینے پر مجبور کیا
تو......" رخشی اب بھی سنجیدہ تھی۔
"ایسا نہیں ہوگا...... ایسا کبھی بھی نہیں ہوگا۔ میں تمہیں کسی بھی صورت میں طلاق نہیں دوں گا۔" منصور علی نے حتمی لہجے
میں کہا۔
"آپ ان کے ردعمل کا سامنا کس طرح کریں گے۔ ان کے پریشر کو کیسے ہینڈل کریں گے۔ خاص طور پر امبر کو......
آپ اس سے بہت محبت کرتے ہیں اور وہ میری اور آپ کی شادی کو کبھی برداشت نہیں کرے گی۔"
"میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں مگر میں اس کو اپنے اور تمہارے درمیان آنے نہیں دوں گا۔ میں تم سے زیادہ اس سے
محبت نہیں کرتا۔" رخشی کے چہرے پر بے اختیار ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔
"آپ نے آج تک اس کی کسی بات کو نہیں ٹالا...... اس کی کوئی بات رد نہیں کی۔ اس بات کو کیسے رد کر سکیں گے۔" اس
نے اپنی مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے کہا۔
"پہلے کی بات اور تھی۔ تب میری زندگی میں تم نہیں آئی تھیں۔ اب کی بات اور ہے۔ اگر میں نے کبھی اس کی کوئی بات

رد نہیں کی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اس کی کوئی بات رد کروں گا بھی نہیں۔" منصور علی نے کہا۔

رخشی کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی، منصور علی نے اچانک ایک انگوٹھی نکال کر میز پر رخشی کے سامنے رکھ دی۔ رخشی کی نظریں اس انگوٹھی پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں پسندیدگی تھی، کچھ دیر تک انگوٹھی کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے انگوٹھی اٹھانے کی بجائے اپنا ہاتھ منصور علی کی طرف بڑھا دیا۔ منصور علی کے چہرے پر چمک آ گئی۔ رخشی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے منصور علی نے دوسرے ہاتھ سے انگوٹھی رخشی کی انگلی میں پہنا دی۔

☆☆☆

"یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔"

"شادی کا فیصلہ ہمیشہ ہی بڑا ہوتا ہے۔" رخشی اپنے زیورات اتارتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔

"مگر منصور علی کے ساتھ دوسری شادی......؟ کیا تم نے واقعی اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ لیا ہے؟" صاعقہ تشویش میں مبتلا تھی۔

"بہت اچھی طرح بلکہ ضرورت سے زیادہ اچھی طرح۔" رخشی کے انداز میں اب بھی لاپروائی تھی۔ "شادی ساری زندگی کا معاملہ ہوتا ہے۔" رخشی، صاعقہ کی بات پر بے اختیار ہنسی۔

"امی! یہ کسی عام لڑکی کے لیے پوری عمر کا معاملہ ہوتا ہوگا۔ ہم جیسوں کے لیے نہیں۔ شادی کر رہی ہوں اگر ٹھیک رہی تو بہت اچھی بات ہے۔ نہ رہی تو دوبارہ کسی اور سے کی جا سکتی ہے۔ ترپ کے پتے اس وقت تک میرے ہاتھ میں ہیں، جب تک میرے چہرے پر جھریاں نہیں آ جائیں اور آپ جانتی ہیں ابھی میرے چہرے پر جھریاں آتے بہت سال لگیں گے۔" وہ اب صاعقہ کی طرف مکمل طور پر متوجہ تھی۔

"پھر بھی...... دوسری شادی مجھے کچھ بہتر نہیں لگ رہی۔ کیا منصور اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا؟"

"نہیں، وہ اپنی فیملی کو کچھ بھی نہیں بتائے گا۔"

"یعنی وہ تمہیں بھی رکھے گا اور پہلی بیوی کو بھی؟"

"ہاں! فی الحال تو ایسا ہی ہے، آگے چل کر کیا ہوگا، یہ دیکھا جائے گا۔"

"ایسی شادیاں ہمیشہ ناکام رہتی ہیں۔" صاعقہ نے کہا۔

"شادی سے زیادہ دوغلا، جھوٹا، ناکام اور لنگڑا رشتہ اور کوئی ہے ہی نہیں۔ مجھے شادی کی ناکامی سے خوف نہیں آتا۔" رخشی کے لہجے میں بے پناہ تلخی عود کر آئی۔ "میں نے آپ کی "کامیاب شادی" دیکھی ہے۔ اپنی بہنوں کی "کامیاب شادی" دیکھی ہے۔ منصور علی کی "کامیاب شادی" دیکھی ہے۔ چلیں اب ایک ناکام شادی ہی سہی۔" وہ اب اپنے بیڈ پر پڑی ہوئی ساڑھی کو دیکھ رہی تھی جو اس نے کچھ دیر پہلے پہنی ہوئی تھی۔

"منصور علی اگر شادی کرنا ہی چاہتا ہے تو تم اس سے کہو کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔"

"اور وہ کہے گا میں نہیں دوں گا تو......؟" رخشی نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"تو ٹھیک ہے پھر تم اس سے شادی مت کرنا۔"

"پھر کیا کروں۔ آپ اس گھر سے دوبارہ پرانے گھر جانا پسند کریں گی؟ گاڑی کے بجائے ویگنوں کے دھکے کھانا چاہیں گی؟ اس عدم تحفظ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیں جس عدم تحفظ کے ساتھ پہلے گزار رہی تھیں؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو میں منصور علی کو نہ میں جواب دے دیتی ہوں۔" صاعقہ خاموش رہی، رخشی نے یک گہرا سانس لیا۔

"زندگی میں ہر سودا اپنی قیمت پر نہیں ہوتا۔ بعض سودے گاہک کی مرضی سے کرنا پڑتے ہیں۔ اس کی شرائط پر۔ اس کی بتائی ہوئی قیمت پر...... منصور علی اچھا آدمی ہے۔ دوسری بیوی کے طور پر بھی رہنا برا نہیں ہے۔ اگر وہ سب کو اس شادی کے بارے میں بتا دے...... اور وہ کہہ رہا ہے کہ وہ اس کے بارے میں بتا دے گا۔" رخشی اب ساڑھی کو تہہ کرنے لگی۔

جب ہی وہ اس سارے معاملے کے بارے میں اپنے گھر والوں کو بتائے۔"

میں بھی چاہتی ہوں کہ امبر کی شادی ہو ہی جائے۔
"تم نے امبر کے ردعمل کے بارے میں سوچا ہے؟"
"ہاں سوچا ہے، جانتی ہوں بہت برا ہوگا، اس کی جگہ کوئی بھی ہو اچھا تو محسوس نہیں کرے گی، اس ساری صورت حال
اسی لیے چاہتی ہوں کہ اس کی شادی ہو جائے پھر یہ سارا مسئلہ سامنے آئے۔ جب اس کی شادی ہو جائے گی تو وہ اپنے
گھر کے بارے میں سوچے گی۔ میرے اور منصور علی کے بارے میں وقت ضائع نہیں کرے گی۔ وہ اچھی لڑکی ہے اس نے بہت
کچھ برداشت کیا ہے میرے لیے... مگر منیزہ کے ساتھ مجھے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ میں اسی لیے انتظار کرنا چاہتی ہوں امبر کی شادی ہو
جائے اس کے بعد منصور اپنی فیملی کو سب کچھ بتا دے گا۔ پھر میں سوچوں گی مجھے آگے کیا کرنا ہے۔" صاعقہ خاموشی سے کھڑی
دیکھتی رہی۔

☆☆☆

رخشی اور منصور علی کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ منصور علی ایسا نہیں چاہتے تھے، مگر یہ رخشی کا اصرار تھا اور منصور
علی کو اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ شادی میں منصور علی کی طرف سے ان کے چند بہت قریبی دوستوں نے شرکت کی تھی،
جبکہ رخشی اور صاعقہ کا تمام خاندان اس شادی میں مدعو تھا۔
منصور علی کی عمر کچھ زیادہ تھی مگر وہ ہینڈسم تھے اور ایک ہارون کمال بھی تھا۔ مگر رخشی اور صاعقہ کو اس بات پر اعتراض نہیں تھا تو کسی کو بھی نہیں ہو سکتا
تھا۔ یہ بات کسی کو بھی پتہ نہیں تھی کہ منصور علی کی یہ دوسری شادی ہے۔ شاید صاعقہ کے خاندان کو یہ پتہ بھی ہوتا تب بھی وہ منہ
کھولنے کی ہمت نہ کر سکتے۔ وہ رخشی کے ملبوسات اور زیورات دیکھ کر انگشت بدنداں تھے...... اور یہ جان کر بھی...... کہ رخشی اب
ڈیفنس کی ایک بہت بڑی کوٹھی میں جارہی ہے جو اس کے شوہر نے شادی سے پہلے اس کی پسند کے مطابق خرید کر اس کے نام کر
دی تھی۔
منصور علی اور رخشی کا ولیمہ اگلے دن اسی کوٹھی میں ہوا تھا اور صاعقہ کا خاندان بھی مدعو تھا۔ وہ کچھ اور بونے ہو گئے تھے۔
کوٹھی واحد چیز نہیں تھی جو شادی پر رخشی کے نام کی گئی تھی۔ منصور علی نے رخشی کو ایک بڑی گاڑی بھی تحفے میں دی تھی اور
حق مہر میں بھی ایک بڑی مالیت کی رقم کے ساتھ اسے شادی پر دیے جانے والے زیورات بھی لکھ دیے تھے۔
شادی کے ایک ہفتہ کے بعد وہ دونوں ہنی مون پر یورپ چلے گئے تھے۔ منصور علی پہلے بھی بیرون ملک آتے جاتے رہتے
تھے۔ ان کے گھر والوں میں سے کسی کو شک نہیں ہوا کہ ان کے اس ٹور کی نوعیت مختلف تھی۔ منیزہ سے ان کی بول چال کئی ہفتوں
سے بند تھی اور رخشی سے شادی کے بعد وہ رات کو بھی گھر نہیں گئے تھے۔ صرف دن کے وقت آفس جاتے ہوئے وہ ایک چکر گھر
کا لگاتے، کپڑے تبدیل کرتے۔ ناشتہ کرتے اور فیکٹری چلے جاتے۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزارنے کے بعد وہ رخشی کے ساتھ
بیرون ملک چلے گئے۔

☆☆☆

شبانہ نے جب منصور اور رخشی کو ایک ساتھ دیکھا، تب منصور اور رخشی کو واپس پاکستان آئے ابھی دو دن ہی ہوئے تھے۔
اگرچہ مسعود نے شبانہ کو رخشی اور منصور کی بے تکلفی یا سیکریٹری کے طور پر اس کی اپائنٹمنٹ کے بارے میں کسی کو بھی
بتانے سے منع کیا تھا مگر شبانہ دوسرے ہی دن منیزہ کے گھر پر تھیں۔
منیزہ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا۔ وہ خاصے عرصے کے بعد منیزہ کی طرف آئی تھیں۔ خود منیزہ بھی
کافی عرصے سے ان کی طرف نہیں گئی تھیں۔
ادھر ادھر کی باتوں کے بعد چائے پیتے ہوئے شبانہ نے بظاہر بڑے معمول کے لہجے میں منیزہ سے کہا۔
"یہ منصور کہاں ہوتا ہے آج کل، نظر ہی نہیں آتا؟"
"وہ پہلے کب نظر آتے تھے شبانہ بھابھی! پہلے بھی تو اسی طرح مصروف رہتے تھے۔" منیزہ نے کہا۔

"اچھا...... تم کہہ رہی ہو کہ وہ مصروف ہے تو میں یقین کر لیتی ہوں ورنہ پرسوں تو میں نے اسے سیر و تفریح کرتے دیکھا ہے۔" شبانہ نے بسکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"سیر و تفریح کرتے ہوئے؟ آپ نے کہاں دیکھا ہے اسے؟" منیزہ کے ماتھے پر بل آ گئے۔

"میں اور مسعود رات کو باہر نکلے ہوئے تھے، ایک ہوٹل میں، میں نے منصور کو دیکھا تھا۔"

"ہاں وہ گئے ہوں گے وہاں کسی بزنس ڈنر کے سلسلے میں...... آپ کو بتایا نا کہ آج کل تو وہ اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ کھانا بھی ہم لوگوں کے ساتھ گھر پر نہیں کھا پاتے۔" منیزہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"بزنس ڈنر تو نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کوئی لڑکی تھی۔"

"لڑکی......؟" منیزہ کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔

"ہاں لڑکی تھی۔ تم جانتی ہو اسے اچھی طرح۔" شبانہ نے مسکراتے ہوئے نارمل انداز میں کہا۔ "وہ امبر کی دوست نہیں ہے رخشی! جس کا ذکر بھی کیا تھا کچھ عرصہ پہلے میں نے تم سے...... وہی جس نے طلحہ کو فون کیا تھا۔ وہی اس کے ساتھ تھی۔"

منیزہ بے یقینی کے عالم میں دم سادھے شبانہ کو دیکھتی رہیں۔ شبانہ نے اپنی بات جاری رکھی۔

"دونوں بڑے اچھے موڈ میں تھے۔ وہ لڑکی خاصی بنی سنوری ہوئی تھی۔ خود منصور بھی بڑا خوش نظر آ رہا تھا۔ میں نے تو بڑے عرصے کے بعد اسے اس طرح قہقہے لگاتے دیکھا ہے۔" شبانہ منیزہ کی کیفیات سے محظوظ ہوتے ہوئے اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھیں۔

"پہلے تو میں بہت پریشان ہو گئی کہ یہ آخر منصور کے ساتھ کیسے آ گئی اور پھر رات کے اس وقت ہوٹل میں...... مگر پھر مسعود نے مجھے بتایا کہ وہ منصور کی سیکریٹری ہے۔ منصور نے کچھ عرصہ پہلے ہی اسے اپائنٹ کیا ہے۔" منیزہ کے جیسے کاٹو تو لہو نہیں تھا۔

"میں نے مسعود سے کہا کہ آخر منصور کو کسی لڑکی کو سیکریٹری رکھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے، اس سے پہلے بھی تو وہ سیکریٹری کے بغیر ہی بزنس کرتا رہا ہے، پھر اب ایسی کیا قیامت ٹوٹ پڑی تھی کہ اسے سیکریٹری رکھنی پڑی۔ مگر مسعود کہہ رہے تھے کہ یہ منصور کا اپنا فیصلہ ہے اور وہ اس سے اس معاملے پر کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی سختی سے منع کیا کہ میں تم کو منصور کی سیکریٹری کے بارے میں نہ بتاؤں مگر میں رہ نہیں سکی......"

اس بار شبانہ کے لہجے میں بڑی ہمدردی تھی۔ منافقانہ ہمدردی۔

"میں تو اس لڑکی کو دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ خاص طور پر منصور کے ساتھ اس کی اتنی بے تکلفی دیکھ کر، وہ لڑکی اتنی خوبصورت ہے کہ اچھے سے اچھے آدمی کی نیت خراب ہو سکتی ہے اور ایسی لڑکیاں تو بس موقع کے انتظار میں ہوتی ہیں۔ میں نے سوچا کہ میں تمہیں اس بارے میں بتا دوں تاکہ تم منصور سے بات تو کرو اس لڑکی کے سلسلے میں...... آخر منصور کو ضرورت کیا ہے اس عمر کی لڑکی کو سیکریٹری کے طور پر رکھنے کی۔"

منیزہ کی بے یقینی اور شاک اب غصے میں تبدیل ہو چکا تھا، ان کا خون بری طرح کھول رہا تھا۔

"مجھے پہلے ہی شک تھا کہ یہ آج کل کسی لڑکی میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ ورنہ اس طرح کی باتیں پہلے تو کبھی نہیں کرتے تھے جیسے اب کرنے لگے ہیں۔ نہ ہی اس طرح جھگڑتے تھے جیسے اب جھگڑتے ہیں۔" وہ پھنکاریں۔

"منصور جھگڑتا ہے؟" شبانہ نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "وہ تو بڑے ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا۔ اسے کیا ہوا؟"

"آپ جان تو گئی ہیں کہ انہیں کیا ہوا ہے؟ مجھے تو حیرت ہے کہ انہوں نے اس طرح مجھے دھوکا دے کر اس لڑکی کو سیکریٹری رکھا اور وہ لڑکی اس کا تو میں وہ حشر کروں گی کہ وہ یاد رکھے گی۔"

"منیزہ! دیکھو تم میرا نام کسی کے سامنے مت لینا ورنہ مسعود، طلحہ اور اسامہ میرا ابھی حشر کر دیں گے تمہیں میں نے بتایا ہے کہ مسعود مجھے تمہیں کچھ بھی بتانے سے منع کر رہے تھے۔ وہ بھی یہ نہیں چاہتے کہ منصور ان سے جھگڑا کرے۔" شبانہ کو اچانک اپنی

"[illegible] کریں بھابھی! مجھے آپ کا نام لینے کی ضرورت ہے بھی نہیں...... آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے یہ سب کچھ بتا دیا ورنہ تب بھی وہ سب کچھ کہاں تک مجھ سے چھپا رہ سکتا تھا۔ منصور ساری عمر تو مجھے اندھیرے میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ مجھے سب کچھ پتا نہ چلتا تو کسی اور سے پتا چل جاتا۔" منیزہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہاری کیفیت کو سمجھ رہی ہوں مگر پھر اس موقع پر جھگڑا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اسے آرام سے بیٹھ کر سمجھاؤ...... وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟" شبانہ نے سمجھایا، انہیں یک دم فکر ہونے لگی تھی کہ یہ جھگڑا کہیں ان کے اپنے گھر میں نہ پہنچ جائے۔

"نہیں بھابھی! اس بار ان سے آرام سے بیٹھ کر کوئی بات نہیں کر سکتی۔ اس بار ان سے بات اسی طرح ہوگی جس طرح انہیں بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو اس طرح دھوکا نہیں دے سکتے۔ بیس، اکیس سال کی شادی کے بعد انہیں ابھی نہیں تھی۔ انہیں یک دم مجھ میں خامیاں نظر آنے لگی ہیں۔ مجھے بھی تو انہیں بتانا چاہیے کہ ساری خامیاں خود ان کے اندر ہیں۔" وہ اب بہت غصے کے عالم میں مسلسل کہہ رہی تھیں۔

"مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ مسعود بھائی نے اس سارے معاملے میں ان سے بات کرنے کے بجائے یہ سب کچھ مجھ سے چھپایا۔ یہی کام طلحہ اور اسامہ نے بھی کیا۔"

منیزہ اب بری طرح بپھری ہوئی تھیں اور شبانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح ٹھنڈا کریں۔ اب انہیں پچھتاوا ہو رہا تھا کہ انہوں نے خوامخواہ میں ہی منیزہ کو یہ سب کچھ بتایا۔

"منیزہ! صرف مسعود، طلحہ اور اسامہ ہی نہیں امبر کو بھی رخشی کی منصور کے آفس میں ملازمت کے بارے میں پتا ہے۔ یہ ملازمت امبر کے کہنے پر ہی دی گئی ہے۔" منیزہ کچھ دیر تک کچھ بھی نہیں بول سکیں۔

"مسعود نے مجھے یہ بتایا تھا، اگر اس میں کسی کی غلطی ہے تو امبر کی غلطی ہے۔ اس نے بھی تو تمہیں دھوکے میں رکھا ہے۔" شبانہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں اب چلتی ہوں، بہت زیادہ دیر ہو گئی ہے۔ میں دوبارہ کسی دن چکر لگاؤں گی۔" شبانہ کہتے ہوئے چلی گئیں۔

منیزہ وہیں بیٹھی رہیں۔ وہ شبانہ کو رخصت کرنے کے لیے بھی دروازے تک نہیں آئیں۔

شبانہ کے لاؤنج سے نکلتے ہی منیزہ نے ملازم کو آوازیں دینا شروع کر دیں اور جب ملازم آ گیا تو انہوں نے اسے امبر کو بلانے کے لیے کہا۔ امبر اس وقت اپنے کمرے میں ہی تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی شبانہ سے ملنے کے بعد اوپر آئی تھی۔ ملازم کے کہنے پر وہ ایک بار پھر نیچے آ گئی۔

منیزہ اب بھی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ "آنٹی چلی گئیں؟" امبر نے لاؤنج میں آتے ہی کہا مگر منیزہ کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی وہ کچھ ٹھٹک سی گئی۔ منیزہ کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا، امبر کے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ وہ بے حد غصے میں تھیں۔

"تم نے رخشی کو منصور کے پاس سیکریٹری کی جاب دلوائی ہے؟" منیزہ نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

امبر کا منہ چند لمحوں کے لیے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ کم از کم اس وقت ان سے اس سوال کی توقع نہیں رکھتی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ نیچے موجود تھی تو منیزہ اور شبانہ دونوں بہت ہی خوشگوار موڈ میں تھیں۔

امبر کی خاموشی نے منیزہ کے اشتعال کو اور ہوا دی۔

"مجھے تو تم سے یہ سوال پوچھنا ہی نہیں چاہیے تھا، مجھے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ یہ کام تم ہی کر سکتی ہو؟"

"کیا آپ میری بات سنیں!" امبر نے بالآخر اپنی گھبراہٹ پر تھوڑا قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں میں نے کتنی بار رخشی کی مدد کرنے سے روکا تھا؟ کتنی بار میل جول سے روکا تھا؟ تم نے میری بات ماننے کی

بجائے اسے منصور کے پاس سیکریٹری رکھوا دیا؟"

"ممی! اسے جاب کی ضرورت تھی۔" امبر منمنائی۔

"بھاڑ میں جائے وہ اور اس کی ضرورت...... تم نے ساری دنیا کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے؟ ساری دنیا کی لڑکیوں کو جاب کی ضرورت پڑے گی تو تم انہیں منصور کے پاس رکھو دو گی تا کہ وہ اور منصور عیش کرتے پھریں؟"

"ممی! آپ کس طرح کی فضول بات کر رہی ہیں؟" امبر نے بے اختیار بلند آواز میں کہا۔ "آپ کو جاب کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے۔ جاب کرنا کوئی برا کام نہیں ہے۔"

"تم اپنی بکواس بند کرو...... میں تمہاری کافی بک بک سن چکی ہوں۔ تمہاری وہ دوست تمہارے پاپا اور رخشی کے ... ڈنر کرتی پھر رہی ہے اور تم مجھے بتا رہی ہو کہ جاب کرنا بہت اچھا کام ہے۔ کل کو تمہارا باپ اسے اس گھر میں لے آئے گا، اس سے شادی کر لے گا۔ تم تب بھی یہی کہنا کہ جاب کرنا بہت اچھی بات ہے۔" امبر بے یقینی سے منیزہ کو دیکھنے لگی۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں......؟ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس کے حلق سے بمشکل نکلا۔

"مجھے غلط فہمی ہوئی ہے، مجھے......؟ شبانہ بتا کر گئی ہیں مجھے، کل رات انہوں نے منصور اور رخشی کو کسی ہوٹل میں دیکھا ہے اور منصور پچھلے کئی ہفتوں سے جو کچھ گھر پر کر رہے ہیں تم اچھی طرح جانتی ہو اور تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔" منیزہ اس کے بالمقابل کھڑی بے اختیار اشتعال اور طیش کے عالم میں بلند آواز میں بول رہی تھیں۔

"تمہارا باپ اس لڑکی کے ساتھ گھوم رہا ہے، اسی لیے اسے اب اس گھر میں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ نہ میں، نہ تم لوگ...... اور تم...... تم...... یہ سب تمہاری ہمدردیوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ تمہاری ڈھٹائی کی وجہ سے۔" وہ اب انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

"پاپا...... پاپا...... اس طرح کے نہیں ہیں ممی...... اور رخشی...... رخشی تو ان کی بیٹیوں کے برابر ہے۔ میرے برابر ہے۔" امبر کی زبان اب لڑکھڑا رہی تھی۔

"بیٹیوں کے برابر ہونا اور بات ہے۔ بیٹی ہونا دوسری بات ہے تمہاری عمر کی ہر لڑکی تمہارے باپ کو اپنی بیٹی نہیں لگے گی۔" منیزہ نے بے حد تلخ لہجے میں کہا۔

"ممی! میں پاپا سے کہتی ہوں کہ وہ رخشی کو کہیں اور جاب دلوا دیں۔ اپنے پاس سیکریٹری کے طور پر نہ رکھیں۔ پھر تو آپ کے سارے خدشات ختم ہو جائیں گے۔"

"نہیں یہ سب تم نہیں کہو گی۔ اب یہ سب میں کہوں گی...... منصور علی سے اور رخشی سے اس زبان میں بات کروں گی جو وہ سمجھتی ہے، اور تم...... مجھے اگر دوبارہ رخشی سے تمہارے رابطے کا پتا چلا تو میں...... میں تمہیں بھی ٹھیک کر دوں گی۔ اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

امبر کچھ دیر وہاں کھڑی منیزہ سے کچھ کہنے کی کوشش کرتی رہی مگر پھر ناکام ہو کر قدرے الجھن اور اضطراب کے عالم میں وہاں سے چلی آئی۔

☆☆☆

منیزہ اس رات دیر تک منصور علی کا انتظار کرتی رہیں مگر منصور علی نہیں آئے پھر انہوں نے ان کے موبائل پر فون کیا۔ موبائل آف تھا۔ منیزہ نے باری باری فیکٹری اور آفس کے تمام نمبر ڈائل کیے۔ رات کے بارہ بجے وہاں اس کی کال کون ریسیو کر سکتا تھا۔

منیزہ نے اس کے بعد طلحہ کو فون کیا۔ وہ گھر پر تھا۔ "منصور چچا کا مجھے پتا نہیں۔ وہ دوسرے آفس میں ہوتے ہیں۔ میں نہیں جانتا وہ کب وہاں سے نکلتے ہیں۔" اس نے منیزہ کی انکوائری پر کہا۔

"مسعود بھائی کو پتا ہے وہ کتنے بجے نکلتے ہیں؟" منیزہ نے اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

بیٹا ہے بابا سے پوچھتا ہوں مگر بابا کو بھی پتا نہیں ہو گا۔ میں نے آپ کو بتایا نا، انکل دوسری فیکٹری میں ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آج لیٹ ہو گئے ہوں۔ آپ فکر نہ کریں آجائیں گے۔" طلحہ نے کہا۔ منیزہ کچھ دیر اس سے باتیں کرتی رہی پھر اس نے فون بند کر دیا۔

منصور علی اس رات گھر نہیں آئے، وہ اگلے دن دس گیارہ بجے کے قریب گھر آئے، منیزہ کا غصہ تب تک آسمان کو چھو رہا تھا۔ وہ ان کے پیچھے ہی بیڈروم میں چلی آئیں۔ وہ کپڑے تبدیل کرنے کی تیاری کر رہے تھے، منیزہ کو اپنے پیچھے آتے دیکھ کر وہ رک گئے۔ منصور نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"رات کو کہاں تھے؟" منیزہ نے کسی تمہید کے بغیر اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ رشتہ جو پچھلے بیس سال سے ان کے درمیان تھا وہ چند منٹوں میں ختم ہو گیا تھا۔

"تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔" منصور نے بھی اتنے ہی اکھڑے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیوں دلچسپی نہیں ہونی چاہیے میں بیوی ہوں تمہاری۔ مجھے پتا ہونا چاہیے کہ تم راتوں کو کہاں غائب رہتے ہو۔"

"بیوی ہو تو بیوی رہو۔ چوکیدار بننے کی ضرورت نہیں۔ میں رات کو جہاں چاہوں غائب رہوں، تم کون ہوتی ہو پوچھنے والی۔" وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیا مجھے تمہیں دوبارہ بتانا پڑے گا کہ میں بیوی ہوں تمہاری...... تم سے پوچھنے کا حق رکھتی ہوں۔"

"تم بیوی ضرور ہو مگر...... مجھ پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں رکھتیں۔"

"تو پھر کون حق رکھتا ہے...... رخشی؟" منیزہ نے بے حد تحقیر آمیز انداز میں کہا۔

منصور علی ان کے منہ سے رخشی کا نام سننے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھے۔ وہ کچھ دیر کے لیے کچھ بھی بول نہیں سکے۔ جیسے ان کے پیروں کے نیچے سے واقعی زمین نکل گئی تھی۔ کچھ دیر کے لیے وہ سمجھ ہی نہیں سکے کہ منیزہ نے رخشی کا نام کس طرح لیا تھا۔ وہ اسے کس حوالے سے جانتی ہیں۔ ان کی سیکرٹری کے طور پر یا ان کی بیوی کے طور پر، اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کے لیے وہ قدرے برہمی سے ڈرائینگ روم کی طرف بڑھنے لگے مگر منیزہ ان کے راستے میں آ گئیں۔

"کیا ہوا؟ جواب نہیں دیا تم نے؟ شاک لگا ہے نا۔" وہ اب چند قدموں کے فاصلے پر ان کا راستہ روکے کھڑی تھیں۔ "توقع نہیں تھی میرے منہ سے رخشی کا نام سننے کی۔ تم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ مجھ سے سب کچھ چھپا لو گے...... دوسروں کو مجھے بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہو گی، تو کوئی مجھے کچھ بتائے گا ہی نہیں۔"

"رخشی میری سیکریٹری ہے۔" منصور علی نے بالآخر اپنی گھبراہٹ پر قابو پا لیا۔ "اور اگر تمہیں اس کے بارے میں پتا چل گیا ہے تو یہ کوئی بہت بڑا کارنامہ نہیں ہے تمہارا...... جلد یا بدیر تمہیں اس کے بارے میں پتا چلنا ہی تھا۔"

"ساری زندگی تم کسی سیکریٹری کے بغیر بزنس کرتے رہے۔ اب یک دم تمہیں سیکرٹری رکھنے کی کیا ضرورت آن پڑی، وہ بھی مجھے بتائے بغیر...... مجھ سے چوری چھپے؟"

"ساری عمر میں فیکٹری نہیں چلاتا رہا تھا۔ اب ضرورت پڑی تو رکھ لی۔ ساری عمر، میں اس سوشل سرکل میں موو نہیں کیا جس میں اب موو کر رہا ہوں۔"

"تمہیں فیکٹری جاتے ہی سیکریٹری کی ضرورت آن پڑی۔ یا پھر رخشی کو دیکھتے ہی سیکریٹری کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔"

"تم اس سوشل سرکل میں آ کر دیکھو، جہاں میں ہوتا ہوں تمہیں کوئی ایک آدمی بھی سیکریٹری کے بغیر نہیں ملے گا۔ یہ رخشی بھی میں نے ہارون کمال کے کہنے پر رکھی ہے۔ امبر کے کہنے پر رکھی ہے۔" وہ دونوں ترکی بہ ترکی ایک دوسرے کی باتوں کا جواب دے رہے تھے۔

"ہارون کمال جائے بھاڑ میں...... اور اگر امبر کے کہنے پر تم نے رخشی کو سیکریٹری رکھا ہے تو اب وہ ہی تم سے اس کو جاب سے نکالنے کے لیے کہے گی۔ تو تم اسے نکال دینا۔" منصور علی اس بار کچھ نہیں کہہ سکے۔ وہ صرف منیزہ کو دیکھتے رہے پھر انہوں

نے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا میں اسے جاب پہ رکھ کر نکال نہیں سکتا۔"

"کیوں نہیں نکال سکتے۔ اگر تم نے اسے صرف امبر کے کہنے پر رکھا ہے تو امبر کے لیے ہی نکال دو۔"

"نہیں، امبر کہے گی تب بھی نہیں۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے کہ میں آج ایک شخص کو جاب پر رکھوں اور کل اسے کسی وجہ کے بغیر جاب سے نکال دوں۔"

"شخص کو نہیں، لڑکی کو...... شخص کی تو بات ہی نہ کرو...... تم منصور علی، تم ایک تیسرے درجے کے انتہائی گھٹیا آدمی ہو۔ تمہیں شرم آنی چاہیے رخشی کے ساتھ...... گلچھرے اڑاتے ہوئے۔ وہ تمہاری بیٹی کی دوست ہے۔ تمہاری بیٹی کی ہم عمر ہے اور تم...... تم اپنی عمر دیکھو۔ اپنے بچوں کو دیکھو۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتیں منصور علی نے منیزہ کے چہرے پر تھپڑ کھینچ مارا۔ تھپڑ اتنا زوردار نہیں تھا جتنا اس بات کا صدمہ تھا کہ انہیں یہ تھپڑ منصور علی نے مارا تھا۔ بیس سالہ ازدواجی زندگی میں منصور علی نے تھپڑ تو ایک طرف کبھی ان سے اونچی آواز میں بات بھی نہیں کی تھی۔ وہ بیس سال تک آئیڈیل شوہر کے ہر معیار پر پورے اترے تھے اور اب چند ہفتوں میں منیزہ نے ان کی شخصیت کے کچھ نئے رخ دیکھے تھے۔ کچھ اور پرتیں، کچھ اور پہلو اور سب سے تاریک، سب سے سیاہ ترین پہلو یہ تھا جو وہ اب اس وقت دیکھ رہی تھیں۔

گال پر ہاتھ رکھے وہ بے یقینی سے اپنے سامنے چلاتے اس مرد کو دیکھتی رہیں جس کے ساتھ انہوں نے زندگی کے بیس سال گزارے تھے، اور وہ کہہ رہے تھے۔

"بند کرو...... اپنی بے ہودہ گفتگو...... بند کرو...... بچوں کا ذکر میری عمر کا تذکرہ...... میں تنگ آگیا ہوں تمہاری ان باتوں سے۔ تمہارے پاس جھگڑے کے علاوہ اور کچھ ہے؟ طنز کے علاوہ کچھ اور کہہ سکتی ہو تم؟" منصور علی اب بلند آواز میں دھاڑ رہے تھے۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ میں نے تم سے شادی کی۔ بلکہ شادی کی کیا، شادی ہو گئی۔ تم نے میری زندگی کو جہنم بنا کر رکھا ہے۔ میں تنگ آگیا ہوں اس جہنم سے...... تم سے...... تمہاری اولاد سے۔"

"میری اولاد سے...... اب یہ صرف میری اولاد ہے؟"

"ہاں یہ صرف تمہاری اولاد ہے، تم جیسی، تمہاری اولاد...... میری حماقت یہ ہے کہ میں اس گھر میں آجاتا ہوں مجھے تو اس گھر میں بھی نہیں آنا چاہیے۔"

"تو پھر کہاں رہنا چاہیے...... رخشی کے گھر؟"

"ہاں رخشی کے گھر...... وہ ہر لحاظ سے تم سے بہتر ہے۔ ہر لحاظ سے۔" منصور علی کہتے ہوئے ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔ منیزہ بھی ان کے پیچھے ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔ "اگر وہ ہر لحاظ سے بہتر ہے تو تم یہاں کیوں آئے ہو۔ جاؤ اس کے پاس چلے جاؤ۔ دفع ہو جاؤ اس کے پاس۔" وہ ہذیانی انداز میں گال پر ہاتھ رکھ کر چلائیں۔

"چلا جاؤں گا اس کے پاس...... تمہارا یہ شوق بھی پورا کر دوں گا۔"

"اور اس کے بعد تم دیکھنا میں پورے خاندان کو اکٹھا کر کے تمہیں کتنا ذلیل کروں گی۔" منیزہ اب حلق کے بل چلا رہی تھیں۔

"مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ رتی برابر بھی فرق نہیں پڑے گا۔"

"یہ وقت بتائے گا۔"

"نہیں، یہ میں بتاؤں گا۔ تم دیکھ لو گی۔ لوگ میرے سامنے گونگے ہو جائیں گے، کوئی مجھے میرے منہ پر ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکے گا۔"

"میرا خاندان تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

[illegible] تم اور تمہارا خاندان، مائی فٹ، تم لوگ ہو کیا میرے سامنے۔ اتنا مان ہے تمہیں اپنے خاندان پر۔ تو یہاں کیوں آئی ہو اپنے خاندان کے پاس......"

"ہاں جاؤں گی۔ چلی جاؤں گی۔ تم ایک بار رخشی سے شادی تو کرو۔ پھر دیکھنا میں دوبارہ تمہاری شکل دیکھنا تک پسند نہیں کروں گی۔ میں بچوں کو بھی اس گھر سے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

"لے جاؤ، کیوں نہیں۔ جس وقت چاہے ایسا کر لینا۔ مجھے نہ تمہاری پرواہ ہے نہ تمہارے بچوں کی۔" منصور اپنے کپڑے لے کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

امبر تمام رات جاگتی رہی۔ منیزہ کی طرح اسے بھی منصور کا انتظار تھا اور وہ بھی یہ جان چکی تھی کہ منصور گھر نہیں آئے۔ اس رات اپنے کمرے میں بیٹھ کر اس نے پچھلے چند ہفتوں کے بارے میں پہلی دفعہ سوچنا شروع کیا اور پہلی بار ہی اس نے محسوس کیا۔ سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔

کسی چیز نے اسے خبردار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے منصور سے صرف رخشی کی جاب کے لیے سفارش کی تھی۔ رخشی کو منصور کے پاس جاب اس نے نہیں دلوائی تھی۔ اس نے منصور سے صرف رخشی کی جاب کے لیے سفارش کی تھی۔ رخشی نے اسے جاب دینے کے بعد اس کو بتایا تھا کہ وہ رخشی کو اپنی سیکریٹری کے طور پر رکھ چکے ہیں۔ رخشی نے اسے منصور نے رخشی کو اپنے پاس جاب دینے کے بارے میں نہیں بتا دیا۔

بارے میں تب تک اطلاع نہیں دی تھی جب تک منصور نے اسے اس بارے میں نہیں بتا دیا۔ منصور کے پاس جاب کرنے کے بعد رخشی نے اپنی رہائش تبدیل کر لی تھی۔ وہ صرف ایک بار اس کے گھر گئی تھی اور اس کا لائف اسٹائل دیکھ کر حیرانی آمیز انداز میں خوش ہوئی تھی، اسے شک نہیں ہوا تھا کہ یہ منصور کی ضرورت سے زیادہ عنایات کا نتیجہ ہے۔

منصور کے پاس جاب کرنے کے بعد رخشی اور اس کی ملاقات تقریباً نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ وہ دونوں اب صرف فون پر ہی بات کرتی تھیں۔ اگر کبھی وہ ملاقات کے لیے اصرار بھی کرتی تب بھی رخشی اسے ٹال دیتی۔ حتیٰ کہ چھٹی والے دن بھی اس کے پاس امبر سے نہ ملنے کے لیے کوئی بہانہ ہوتا تھا۔

اور ایک ماہ سے کچھ زیادہ عرصے سے تو وہ فون پر بھی رخشی سے بات نہیں کر سکی تھی۔ ہر بار فون کرنے پر اس کی بات صاعقہ سے ہی ہوتی تھی اور صاعقہ کے پاس رخشی کے حوالے سے بہت سے بہانے ہوتے تھے۔

منیزہ غلط نہیں تھی۔ جب سے رخشی منصور کے پاس کام کر رہی تھی وہ باپ کے مزاج میں آنے والی تبدیلیاں دیکھ رہی تھی۔ منصور علی کے پاس اب اس کے لیے بھی وقت نہیں ہوتا تھا۔

اس نے چند بار منصور علی سے شکایت کی تھی، مگر منصور علی نے اپنی مصروفیات کا بہانا کر دیا تھا۔ وہ منیزہ اور منصور کے درمیان موجود تلخی اور کشیدگی کو بھی پہلی بار ہی دیکھ رہی تھی۔

امبر صبح فجر کے بعد سوئی اور جس وقت بیدار ہوئی تب سہ پہر ہو رہی تھی۔ منصور تب بھی گھر پر نہیں تھے۔ منیزہ نے اسے منصور کے ساتھ اپنے جھگڑے کے بارے میں بتایا۔ امبر اس بار کچھ نہیں بول سکی تھی۔ اس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ منیزہ کی طرح اس نے بھی منصور سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ کال ریسیو نہیں کی گئی، منصور یقیناً اس وقت ان میں سے کسی سے بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔

دوسرا راستہ رخشی سے بات کرنے کا تھا۔

☆☆☆

فون صاعقہ نے اٹھایا۔ امبر کی سمجھ میں فوری طور پر نہیں آیا کہ وہ اسے کیا کہہ کر مخاطب کرے۔ "آنٹی......" اس سے پہلے صاعقہ کے لیے یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے، کبھی بھی دوسری بار سوچنا نہیں پڑا تھا، مگر آج سب کچھ مختلف تھا۔

"میں امبر بول رہی ہوں۔" اس نے صاعقہ کے لیے کوئی بھی لفظ استعمال کرنے سے گریز کیا۔ صاعقہ یک دم بہت محتاط ہو گئی۔

''امبر کو یاد نہیں کہ اس سے پہلے صاعقہ کے لہجے میں یہ احتیاط نظر آئی تھی یا نہیں...... شاید اس سے پہلے اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ آج پہلی بار وہ دوسروں کے لہجوں پر غور کر رہی تھی۔

''اوہ...... ہاں امبر...... کیسی ہو؟'' امبر کوشش کے باوجود صاعقہ کے لہجے میں کوئی گرم جوشی نہیں ڈھونڈ سکی۔ وہ گرم جوشی جو رخشی سے دوستی کے آغاز میں اس کے لہجے میں چھلکتی تھی۔

''میں رخشی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' امبر نے صاعقہ کے سوال کا جواب دیے بغیر کہا۔

''رخشی تو گھر پر نہیں ہے۔'' صاعقہ نے کہا۔

''پھر کہاں ہے؟ آفس میں ہے؟'' امبر کا انداز بہت دوٹوک تھا۔

''نہیں آفس میں تو نہیں ہے۔ وہاں سے تو اس وقت تک آجاتی ہے۔ وہ اصل میں بازار گئی ہے۔ کچھ شاپنگ کے لیے۔'' صاعقہ اب قدرے روانی سے بول رہی تھی۔

''تمہیں کوئی پیغام دینا ہے تو تم مجھے بتا دو، میں دے دوں گی۔''

''میں اس سے خود بات کرنا چاہتی ہوں میں دوبارہ فون کرلوں گی۔'' اس نے کچھ کہے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

اسے اپنی کنپٹیوں میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ رخشی کا نام ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر کمرے کے چکر لگانے شروع کر دیے۔ رخشی کو دیکھ کر وہ جان گئی تھی، احسان فراموشی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ کم از کم بعض لوگوں کے لیے اور یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ رخشی ان بعض لوگوں میں شامل تھی۔

اس سے بھی زیادہ وہ بدقسمتی یہ تھی کہ وہ اس کی دوست تھی۔ وہ دوست جس کی طرف دوستی کا ہاتھ اس نے بڑھایا تھا۔ جس پر اس کے احسانوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی احسانوں کو شمار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ مگر وہ آج زندگی میں پہلی بار کسی پر اپنے کیے گئے احسانوں کو یاد کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

وہ تمام تحفے جو وہ وقتاً فوقتاً اسے دیا کرتی تھی۔ تحفے کی قیمت کی پرواہ کیے بغیر اسے یاد نہیں، اس نے کتنی بار رخشی کی مالی مدد کی تھی۔ کتنی بار اس کی مختلف فرمائشیں پوری کی تھیں۔ وہ جسے بے تکلفی اور گہری دوستی کے اظہار کے طور پر لیتی تھی۔ وہ گہری دوستی تھی نہ بے تکلفی۔ وہ صرف اس کا استعمال تھا۔ اس کے پاس موجود چیزوں کا استعمال تھا۔

وہ پہلی بار رخشی کے نزدیک اپنی اہمیت، اپنا رول سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کا رول صرف ایک Provider کا تھا۔

امبر منصور علی کی اہمیت صرف یہ تھی کہ وہ ایک اونچے خاندان کی امیر لڑکی تھی۔ اس میں کوئی ایسی خوبی نہیں تھی جس کی بنا پر رخشی جیسی لڑکی اس کی دوستی کو اہمیت دینے پر مجبور ہوتی۔ یا شاید رخشی کی زندگی کے فریم ورک میں پیسہ اتنا اہم ہو گیا تھا کہ وہ ان بنیادی انسانی صفات سے محروم ہو گئی تھی۔ جس سے کسی دوسرے شخص کو خوبیوں کو جانچتے ہوئے اس کی وقعت کا اندازہ کیا جا سکے۔ پیسہ ہی اسے کھینچ کر امبر کی طرف لے گیا تھا۔ اس سے زیادہ پیسہ کھینچ کر منصور کی طرف لے گیا تھا، کسی تیسرے شخص کے پاس اس سے زیادہ پیسہ ہوتا تو وہ اس کی طرف چلی جاتی۔

کمرے میں ٹہلتے ہوئے امبر منصور علی پہلی بار اپنی غلطیوں کا اعتراف کر رہی تھی۔ رخشی کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کی تنبیہہ اسے یاد آ رہی تھی۔

اس نے ہر ایک کی بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا تھا۔ بہت لاپرواہی اور بے فکری کے ساتھ...... اسے رخشی سے کبھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ مگر یک دم ہی لاپروائی اور بے فکری کا وہ دور ختم ہو گیا تھا اور اس کی وجہ وہ لڑکی تھی جسے وہ اپنا بہترین دوست سمجھتی تھی۔

''ایسے واقعات اور حادثات زندگی میں سبق سکھانے کے لیے پیش آتے ہیں اور میں نے بھی رخشی سے سبق سیکھا ہے۔ کم از کم زندگی میں دوبارہ کبھی میں آنکھیں بند کر کے کسی پر بھروسہ نہیں کروں گی۔'' اس نے اپنے اعصاب پر سوار ہوئی ٹینشن کو

اس نے کوشش کی مگر ناکام رہی۔

"کیا یہ سب رخشی کر سکتی ہے؟ میرے ساتھ؟ کیا وہ اس حد تک گر سکتی ہے؟ اور پاپا......" اس کی سوچ کا سلسلہ یہاں پہنچ کر ٹوٹ جاتا تھا۔ رخشی نے اسے شاک دیا تھا اور منصور علی نے اذیت۔

اس کی نظروں میں منصور علی کا بت اس کے سامنے زمین پر دھڑام سے آن گرا تھا۔

اولاد کبھی یہ نہیں سوچتی کہ ان کے ماں باپ سے کوئی غلطی ہو سکتی ہے اور جب وہ ماں باپ کو غلطی کرتا دیکھتے ہیں تو ساری ٹوٹ پھوٹ ان کے اپنے اندر ہوتی ہے۔ وہ پہلے ان غلطیوں کو اپنا واہمہ قرار دیتے ہیں پھر ان کے لیے توجیہہ دینے کی کوشش کرتے ہیں پھر آخر کار اعتراف کر لیتے ہیں کہ ان کے ماں باپ وہ نہیں تھے جو وہ سمجھتے تھے۔ پھر اس کے بعد ایک خلیج ہوتی ہے جو ماں باپ اور اولاد کے درمیان حائل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

امبر نے پہلی بار منصور علی اور اپنے درمیان ایک خلیج کو حائل ہوتے دیکھا تھا۔ مگر وہ یہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے منصور علی سے نفرت ہونی چاہیے یا نہیں، اور اگر ہونی چاہیے تو کتنی نفرت......

☆☆☆

امبر نے ایک بار پھر صاعقہ کو فون کیا، اسے وہی جواب ملا۔ صاعقہ نے فون بند کرتے ہی رخشی کی طرف دیکھا جو اس کی طرف متوجہ تھی، صاعقہ کو فون کا ریسیور رکھتے دیکھ کر رخشی نے کہا۔

"کچھ کہا اس نے؟"

"نہیں وہ تم ہی سے بات کرنا چاہتی ہے۔" صاعقہ نے کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ وہ دوبارہ فون کرے گی، تم ساری رات تو باہر نہیں رہ سکتیں۔"

"فون کرتی ہے تو اسے شوق سے فون کرنے دیں، مگر میں اس سے بات نہیں کروں گی۔"

"تو پھر میں اس سے یہ کہہ دیتی ہوں کہ تم اس سے بات کرنا نہیں چاہتیں۔"

"آپ اس سے کہیں گی تو وہ دندناتی ہوئی یہاں آن پہنچے گی۔ آپ اب فون ہی مت اٹھائیں۔" رخشی نے سنجیدگی سے کہا۔

"فون نہیں اٹھاؤں گی وہ تب بھی آ جائے گی۔"

"کیا آپ کو واقعی یقین ہے کہ وہ منصور علی اور میرے بارے میں ہی بات کرنا چاہتی ہے۔"

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا! اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا اس نے پہلے کبھی اس طرح بات نہیں کی مجھ سے، جس طرح وہ آج کر رہی تھی اور نہ ہی کبھی تمہارا ذکر اس طرح کیا ہے، جس طرح آج کیا ہے۔ اگر منصور علی اور تمہارا کوئی مسئلہ نہیں ہے تو پھر وہ اور کسی معاملے پر اس طرح تم سے اکھڑی ہوئی ہو سکتی ہے؟"

رخشی کچھ دیر تک صاعقہ کی بات پر غور کرتی رہی۔ "ہاں! وہ دوسرے کسی معاملے پر تو مجھ سے اس طرح اکھڑی نہیں رہ سکتی اور اسے کیا ارجنٹ بات مجھ سے کرنی ہے، جس کے لیے وہ اس طرح وقفے وقفے سے فون کر رہی ہے۔ میرا خیال ہے مجھے منصور کو فون کرنا چاہیے۔"

"ہو سکتا ہے منصور نے اپنے گھر میں تم سے اپنی شادی کے بارے میں بتا دیا ہو۔"

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ منصور کا اس شادی کے بارے میں اپنے گھر والوں کو بتانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور ویسے بھی اسے ضرورت بھی کیا تھی اپنے گھر والوں کو اس شادی کے بارے میں بتانے کی۔"

"تمہارے لیے کوئی پریشانی تو پیدا نہیں ہو گی اس صورتِ حال سے؟" صاعقہ یک دم بولی۔ "تمہاری اور منصور علی کی شادی کو ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا۔ منصور علی، امبر سے بہت محبت کرتا ہے، اگر اس مرحلے پر اس کے گھر والوں کو اس شادی کے بارے میں پتا چلا تو امبر تمہیں چھوڑ دینے پر مجبور کر دے گی اور تم خود مجھے بتاتی رہی ہو کہ منصور علی امبر کی بات کبھی نہیں ٹالتا۔" صاعقہ نے بے حد تشویش کے عالم میں کہا۔

رخشی، صاعقہ کو دیکھ کر بڑے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"اتنا خوف مت کھایا کریں امی! دنیا میں کوئی بھی چیز پائیدار نہیں ہوتی پھر باپ اور بیٹی کی محبت پائیدار ہو سکتی ہے؟ ہاں بڑی محبت ہوتی تھی کبھی منصور علی کو امبر سے مگر تب اس کی زندگی میں میں نہیں تھی۔" رخشی نے بے حد لاپروائی سے کہا۔

"پھر بھی مجھے بہت ڈر لگتا ہے رخشی! اگر کہیں امبر نے واقعی منصور علی کو مجبور کر دیا کہ وہ تمہیں چھوڑ دے تو؟" صاعقہ نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"میں زندگی میں کسی اگر مگر پر یقین نہیں رکھتی، آپ بھی اس اگر مگر سے نکل آئیں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو ترپ کا پتہ میرے ہاتھ میں ہے اور میں جانتی ہوں اسے کیسے استعمال کرنا ہے۔" صاعقہ کچھ دیر رخشی کو دیکھتی رہی پھر اس نے گہرا سانس لیا۔ "بعض دفعہ تم مجھے بہت ڈرا دیتی ہو رخشی۔"

"صرف میں؟ آپ کو تو کوئی بھی کسی بھی وقت ڈرا سکتا ہے..... ڈر کے علاوہ کسی اور چیز کو آپ نے اتنے سالوں اتنی محبت سے نہیں پالا۔"

"تمہاری اور میری زندگی اور تمہارے اور میرے حالات میں بہت فرق ہے۔" صاعقہ نے کمزور سے لہجے میں اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"اور یہ فرق آپ نے اور میں نے خود پیدا کیا ہے۔"

"نہیں حالات نے پیدا کیا تھا۔" صاعقہ نے کہا۔

"حالات کچھ نہیں ہوتے۔ کچھ بھی نہیں۔"

"تمہارے لیے اب یہ بات کہنا بہت آسان ہے کیونکہ تمہاری زندگی کچھ اور طرح سے گزر رہی ہے۔"

"ہاں میرے لیے یہ بات کہنا آسان ہے اور میری زندگی اگر اچھی گزر رہی ہے تو اس میں صرف میرا ہاتھ ہے، صرف میرا۔" رخشی اب بھی اپنی بات پر جمی ہوئی ہے۔

"زندگی میں پہلی بار جب آپ اس رستہ پر چلنا شروع ہوئی تھیں تو آپ کو ہر خوف دل سے نکال دینا چاہیے تھا خوف تو اس آدمی کو ہوتا ہے جسے رسوائی کا اندیشہ ہو، بے عزتی کا خوف ہو امی! ہم جیسی عورتوں کو کیسا خوف..... عزت ہمارے پاس ہوتی نہیں۔ رسوائی وہ ہے جو ہمیں ہر صورت میں ملنی ہی ہوتی ہے۔ پھر کیسا خوف..... جانے دیں سب کچھ جھلکنے دیں لوگوں کی نظروں میں نفرت اور حقارت..... رہنے دیں ان کی زبانوں کے زہر سے ہمیں فرق نہیں پڑتا ہمیں فرق نہیں پڑنا چاہیے۔" وہ کھڑکی سے باہر کسی چیز پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"بے خوفی بڑی نعمت ہوتی ہے..... بے خوفی سے جینا سیکھ لیں امی۔" وہ واپس مڑی مگر کمرے میں اپنی جگہ پر آنے کے بجائے وہیں کمرے کی کھڑکی سے پشت ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے بازو سینے پر لپیٹے ہوئے تھے۔

"امبر کون ہے؟ امبر کیا ہے؟ منصور علی کی بیٹی اور میں۔ میں منصور علی کی زندگی ہوں، محبت ہوں میں اس کی۔ مجھے وہ امبر کے لیے تو اپنی زندگی سے نہیں نکال سکتا۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"مرد کس کے لیے کس کو اپنی زندگی سے نکال سکتا ہے۔ یہ تم نہیں جانتیں۔ مرد قابل اعتبار نہیں ہوتا جو شخص تمہارے لیے اپنی بیوی کو اور خاندان کو دھوکا دے سکتا ہے۔ وہ کیا کبھی ان کے لیے تمہارے ساتھ یہ سب کچھ نہیں کر سکتا اور میں اس دن سے خوفزدہ ہوں جب وہ یہی کرے گا۔" صاعقہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"وہ فی الحال کچھ نہیں کر سکتا اور میں فی الحال میں جیتی ہوں مستقبل کے خوف کو ایک گٹھڑی میں باندھ کر سر پر لیے نہیں پھرتی۔" وہ ابھی بھی غیر متزلزل تھی۔

"کیا تم امبر سے بات کرو گی یا پھر اسے اسی طرح ٹالتی رہو گی؟" صاعقہ نے بات کا موضوع بدل دیا۔

"آپ کے خیال میں کیا مجھے امبر سے بات کرنی چاہیے۔" رخشی نے ماں سے مشورہ لیا۔

"تمہیں پہلے منصور کو بتانا چاہیے کہ امبر تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے اور اسے اس بات سے بھی خبردار کر دینا چاہیے کہ ہو سکتا ہے وہ تمہارے اور منصور علی کے اس رشتے کے بارے میں ہی بات کرنا چاہتی ہو۔ پھر اس صورت میں تمہیں سچ بولنا چاہیے یا جھوٹ، یہ تمہیں منصور علی بہتر بتا سکتا ہے اور خود وہ بھی ذہنی طور پر اپنی فیملی کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔" صاعقہ نے اپنی طرف سے رخشی کو ایک بہت مناسب مشورہ دیا تھا مگر رخشی اس کی تجویز پر یوں مسکرائی جیسے یہ ایک بچکانہ تجویز ہو۔

"میں منصور علی سے بات نہیں کروں گی، میں اس سے کوئی مشورہ نہیں لوں گی۔ میں امبر سے بات کروں گی دیکھوں تو سہی کہ وہ مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہے۔ منصور علی کو بعد میں بھی سب کچھ بتایا جا سکتا ہے۔"

"مگر تمہیں تو امبر سے سب کچھ چھپانا ہے۔ کیا کہو گی......" صاعقہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"ضروری تو نہیں کہ مجھے امبر سے سب کچھ چھپانا ہی ہے اگر وہ کسی شک کا اظہار کرے گی تو میں اس کی تصدیق کر دوں گی۔ بلی کو کبھی نہ کبھی تو تھیلے سے باہر آنا ہی ہے۔" رخشی نے لاپروائی سے کندھے اچکائے اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی فون کی گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔

"رخشی! اس سے بات کرنے سے پہلے ایک بار پھر سوچ لو یہ نہ ہو کہ بعد میں تم پچھتاؤ۔" صاعقہ نے رخشی کو فون کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہا۔

"میں پچھتاؤوں پر یقین نہیں رکھتی اگر امبر اتنی بے چین ہو رہی ہے مجھ سے بات کرنے کے لیے تو مجھے اس سے بات کرنی چاہیے۔ آفٹر آل وہ میری بیسٹ فرینڈ ہے۔" اس نے صاعقہ سے مزید کچھ کہے بغیر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف حسب توقع امبر ہی تھی۔ امبر اس بار رخشی کی آواز سن کر کچھ دیر کے لیے کچھ نہیں بول پائی۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ پہلے کی طرح اس بار بھی صاعقہ فون اٹھائے گی۔

"میں امبر بول رہی ہوں۔" چند لمحوں کے بعد اس نے کہا رخشی نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔

"ہاں امبر کیسی ہو تم؟ امی نے مجھے تمہارے فون کے بارے میں بتایا تھا میں اصل میں کچھ دیر کے لیے باہر گئی ہوئی تھی۔ واپس آئی تو امی نے بتایا کہ تم بار بار کال کر رہی ہو۔ میں ابھی تمہیں کال کرنے ہی والی تھی کہ تمہاری کال آ گئی۔ ہاں کہو کیا بات ہے۔"

امبر بولنے کے لیے لفظوں کا انتخاب کرتی رہی، بات کا آغاز کرنا اس کے لیے مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

"میں، میں تم سے تمہارے اور پاپا کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔" بالآخر اس نے کہا۔

"میرے اور منصور علی کے بارے میں؟" رخشی نے حیرت ظاہر کی۔ امبر کو اس بے تکلفی نے تکلیف پہنچائی جس بے تکلفی سے اس نے منصور علی کا نام لیا تھا۔

دوسری طرف رخشی کے دل کی دھڑکن چند لمحوں کے لیے بے ترتیب ہوئی صاعقہ کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔ امبر واقعی اس کے اور منصور علی کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی، تھوڑی دور بیٹھی صاعقہ بھی اس کے منہ سے نکلنے والا جملہ سن کر کچھ چونک گئی۔ اس کی اور رخشی کی نظریں ملی تھیں۔

"میں چاہتی ہوں، تم پاپا کے پاس سے جاب چھوڑ دو۔" امبر نے ایک لمحے کے توقف کے بعد کہا۔ وہ رخشی سے یہ نہیں کہہ سکی تھی کہ وہ اس کے اور منصور علی کے افیئر کے بارے میں سب جان گئی ہے ایک دوست اور اپنے باپ کے افیئر کے بارے میں بات کرنا..... اس وقت اس کے لیے زندگی کا مشکل ترین کام ثابت ہو رہا تھا۔

"کیوں؟" رخشی نے اطمینان سے سوال کیا۔

"اس کیوں کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ بس میں یہ چاہتی ہوں، تم یہ جاب چھوڑ دو۔" امبر نے اس بار تلخی سے کہا۔

"ہر کیوں کا جواب ضروری ہوتا ہے امبر! تم ایک حکم دے رہی ہو مجھے، مجھے پتہ تو چلنا چاہیے آخر تم یہ حکم کیوں دے رہی ہو؟" رخشی کا اطمینان بے مثال تھا۔

''میں تم سے اس کی وجوہات پر بحث کرنا نہیں چاہتی، صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم یہ جاب چھوڑ دو۔''

''یہ جاب چھوڑ دوں تو کیا کروں؟'' رخشی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''وہ تمہارا مسئلہ ہے۔ تم اتنی سمجھ دار ہو چکی ہو کہ کہیں اور جاب ڈھونڈ سکو۔ تمہیں اب کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' امبر نے اکھڑ انداز میں دوٹوک لہجے میں کہا۔

''اسی لیے تو میں یہ جاب چھوڑنا نہیں چاہتی۔ ابھی تم نے سمجھ داری کی بات کی ہے تو میری سمجھ داری تو مجھ سے یہی کہہ رہی ہے کہ میں یہ جاب نہ چھوڑوں۔ منصور علی کے ساتھ کام کرنا مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' رخشی نے کہا۔

''مگر تمہارا پاپا کے ساتھ کام کرنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔'' امبر غرائی۔

''تم نے خود مجھے منصور علی کے پاس جاب دلوائی تھی۔''

''میں نے تمہیں پاپا کے پاس جاب نہیں دلوائی تھی۔ میں نے صرف پاپا کو جاب دلوانے کے لیے تمہاری مدد کرنے کا کہا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم پاپا کے پاس ہی جاب کرنے لگو گی۔''

''تم نے منصور علی سے میری سفارش کی۔ منصور علی نے مجھے رکھ لیا۔ انہیں سیکرٹری کی ضرورت تھی، مجھے جاب کی۔''

''اگر میری ہی سفارش پر تمہیں انہوں نے جاب دی تھی تو پھر اب میں یہی چاہتی ہوں کہ تم ان کے پاس کام نہ کرو۔''

''تو امبر! یہ بات تم غلط آدمی سے نہیں کہہ رہیں؟ تمہیں یہ سب منصور علی سے کہنا چاہیے۔ انہوں نے مجھے جاب پر رکھا تھا، وہی مجھے جاب سے نکال سکتے ہیں۔''

''دوسرے لفظوں میں تم مجھ سے یہ کہہ رہی ہو کہ تم جاب نہیں چھوڑو گی۔''

''دوسرے لفظوں میں؟ میرا خیال ہے کہ میں بہت صاف لفظوں میں تمہیں یہی بتا رہی ہوں کہ میں جاب نہیں چھوڑوں گی۔'' رخشی نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا۔ پھر بولی ''تم وجہ بتانے پر تیار نہیں میں جاب کیوں چھوڑوں تو پھر میں تمہاری ایک فضول سی ضد نما خواہش پر اپنی جاب تو نہیں چھوڑ سکتی۔''

''وجہ! وجہ جاننا چاہتی ہو تم؟ نہیں رخشی! تم وجہ جاننا نہیں چاہتیں تم اتنی معصوم نہیں ہو کہ وجہ نہ جانتی ہو۔''

''معصوم تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔ آج کی دنیا میں اگر کوئی معصوم تمہیں نظر آئے تو مجھے ضرور دکھانا...... معصوم تو تم بھی نہیں ہو۔'' رخشی کے لہجے کی سرد مہری اب عروج پر تھی۔

''میں۔ میں معصوم نہیں ہوں۔ میں بے وقوف ہوں۔ دنیا کی سب سے بڑی بے وقوف۔ میں نے اپنی آستین میں تم جیسا سانپ پال لیا۔'' امبر کو اس کے الفاظ نے بڑی طرح مشتعل کیا۔

''تو کیا میں نے تمہیں کاٹ لیا؟'' رخشی کو امبر کی بات نے جیسے محظوظ کیا۔ ''میں نے تمہیں نہیں کاٹا امبر؟ تم میری بیسٹ فرینڈ ہو۔'' اس کا لہجہ تمسخر لیے ہوئے تھا۔

''نام مت لینا دوستی کا اپنی زبان سے۔ تم جیسی لڑکیاں اس لفظ کا مطلب نہیں جانتیں۔''

''اوکے...... مجھ جیسی لڑکیاں اس لفظ کا مطلب بھی نہیں جانتیں...... بس تم نے یہی بتانے کے لیے مجھے فون کیا تھا۔''

''مجھے شرم آرہی ہے تم سے یہ کہتے ہوئے کہ تم، تم نے میرے پاپا کو ٹریپ کر لیا ہے۔ تم ان کے ساتھ افیئر چلا رہی ہو صرف چند مادی چیزوں کے لیے تم، تم انہیں بے وقوف بنا رہی ہو۔'' امبر نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ سب کچھ تمہیں کس نے بتایا ہے؟'' رخشی نے اپنے اعصاب پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ مت پوچھو کہ یہ سب کچھ کس نے بتایا ہے۔ تم نے دنیا کو اندھا سمجھ لیا ہوگا مگر دنیا اتنی اندھی نہیں ہے۔ کبھی نہ کبھی تو تمہارا بھانڈا پھوٹنا ہی تھا۔''

''امبر کافی لعنت ملامت ہو چکی ہے اب بس کرو۔ تم چونکہ غصے میں ہو اور تم سمجھ نہیں پا رہیں کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو اور کیا کہہ رہی ہو۔ اس لیے میں برا نہیں مان رہی ورنہ جو کچھ تم کہہ رہی ہو اس کے بعد مجھے تمہاری شکل تک نہیں دیکھنی چاہیے۔

بات کرنا تو دور کی بات ہے۔"

"تم میری شکل نہیں دیکھو گی رخشی! میں خود تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتی۔ تم سے دوستی میری زندگی کی سب سے بھیانک غلطی ہے — سب سے خوفناک۔ ممی ٹھیک کہتی تھیں تم اس قابل نہیں تھیں کہ تمہارے ساتھ تعلق رکھا جاتا۔"

"تم اور تمہاری ممی کے فرمان۔" رخشی ہنسی۔

"رخشی! میرے پاپا کا پیچھا چھوڑ دو ورنہ تمہارا بہت برا حشر ہو گا۔ میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں۔"

"امبر! تم ایک بار پھر غلط آدمی سے اپنی بات کہہ رہی ہو۔ میرا خیال ہے، یہ درخواست بھی تمہیں منصور علی کے سامنے ہی پیش کرنی چاہیے۔ میں اس سلسلے میں بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"

"تمہیں شرم آنی چاہیے اپنی حرکتوں پر۔ تم نے میرے پاپا کو ٹریپ کر لیا ہے، انہیں بے وقوف بنا رہی ہو تم۔"

"اچھا! — مگر تمہارے پاپا تو کہتے ہیں۔ انہیں مجھ سے محبت ہے۔" امبر کچھ دیر اس کی بات کے جواب میں کچھ بول نہیں پائی۔ رخشی اس طرح منصور علی کی بات کو کھلم کھلا دہرائے گی۔ اسے اندازہ نہیں تھا۔

"انہیں تمہارا اصلی چہرہ دیکھنے میں دیر نہیں لگے گی اور جب وہ تمہارا اصلی چہرہ دیکھ لیں گے تو وہ تمہیں دھکے مار کر نکال دیں گے۔"

"کہاں سے؟" رخشی نے بے حد انجان بن کر کہا۔ "اپنے آفس سے؟ اپنے دل سے؟ یا پھر اپنے گھر سے؟" امبر کے حلق کو جیسے کسی نے دونوں ہاتھوں سے جکڑ لیا۔

"گھر سے؟"

"ہاں۔ تمہیں نہیں پتا۔ میں تو سمجھ رہی تھی تمہیں پتہ ہو گا۔ آخر تمہیں ہر چیز کا تو پتہ ہی ہے، اس بات کا کیوں پتہ نہیں ہے کہ میں ان کے گھر میں رہتی ہوں۔" رخشی نے بڑے ناز اور انداز سے رک رک کر گھر کا ایڈریس دہرایا۔

"تمہارے پاپا نے یہ گھر مجھے لے کر دیا ہے، میری شادی کے تحفے کے طور پر؟" امبر کے سر پر جیسے کسی نے بم بلاسٹ کر دیا تھا۔

"دیا تو انہوں نے اور بھی بہت کچھ تھا مجھے مگر یہ ذرا یادگار قسم کا تحفہ تھا۔ اس لیے تم سے اس کا ذکر کر رہی ہوں۔" رخشی اس طرح بتا رہی تھی جیسے امبر نے یہی سب کچھ سننے کے لیے فون کیا تھا۔

"اب تم خود سوچو، صرف جاب ہوتی تو میں چھوڑ دیتی مگر میں تو ان کی بیوی بھی ہوں۔ یہ دوسرا والا عہدہ کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟"

امبر کا پورا وجود جیسے آندھیوں کے کسی جھکڑ کی زد میں آیا ہوا تھا۔

"منصور نے بڑے اصرار کے ساتھ شادی کی ہے مجھ سے بے چارے پہلی شادی، بیوی اور بچوں کے ہاتھوں بہت تنگ تھے۔" رخشی نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"میں اگر تمہاری ممی اور تمہیں نہ جانتی ہوتی تو میں کبھی ان کی بات پر یقین نہ کرتی...... کیونکہ ویسے دیکھنے میں اتنے خوش باش لگتے ہیں مگر تمہارے گھر کا ماحول تو میں نے خود دیکھا ہی ہوا ہے" وہ ذرا اس خاندانی" ماحول سے تنگ آ گئے تھے۔" رخشی بہت روانی سے کہتی جا رہی تھی۔

"اب تو چند ماہ ہو گئے ہیں ہماری شادی کو۔ بہت خوش ہیں ویسے منصور علی۔ ان کی خوشی کا اندازہ تو تمہیں ان کے اپنے گھر سے غائب رہنے سے بھی ہوتا ہو گا۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"اچھا چلو اگر تمہیں یہ کہہ کر تسلی ہوتی ہے تو تم یہی سمجھ لو۔" رخشی نے اس طرح کہا جیسے اسے امبر کو تسلی دینا مقصود ہو۔

"پاپا تم سے کبھی شادی نہیں کر سکتے۔"

''کیوں وہ مجھ سے شادی کیوں نہیں کر سکتے...... اگر وہ میرے ساتھ افیئر چلا سکتے ہیں اور تم کم از کم افیئر کے بارے میں تو یہ نہیں کہہ سکتیں کہ وہ بھی میرا گھڑا ہوا جھوٹ ہے تو پھر وہ مجھ سے شادی کیوں نہیں کر سکتے۔'' رُخشی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

''پاپا کو تم سے شادی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ایک خوشگوار شادی شدہ زندگی گزار رہے ہیں۔'' امبر نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ جواب میں رُخشی بے اختیار کھلکھلا کر ہنسی، اتنی بری طرح کہ کوشش کے باوجود وہ اگلے کئی سیکنڈز تک اپنی ہنسی پر کنٹرول نہیں کر پائی۔

''اف...... مائی گاڈ! تم نے مجھے بہت ہنسایا ہے امبر! میں نہیں جانتی تھی تمہارا سینس آف ہیومر اتنا اچھا ہے، مائی گڈنیس۔ خوشگوار شادی شدہ زندگی۔'' اس نے ایک بار پھر ہنسنا شروع کر دیا۔

''تم اپنی ممی اور ان کی نیچر کو تو بہت اچھی طرح جانتی ہو۔ تم ہی مجھے بتاؤ...... کیا ان کے ساتھ کوئی مرد خوش رہ سکتا ہے۔''

''شٹ اَپ''

''یو شٹ اَپ!'' رُخشی نے امبر کو تر کی بہ تر کی جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''میں اب تک تمہارا لحاظ کر رہی تھی اور بہتر ہے تمہارے اور میرے درمیان لحاظ کا رشتہ ضرور قائم رہے ورنہ آگے چل کر بڑی مشکل ہو جائے گی۔'' رُخشی نے اس بار بے حد سنجیدگی سے کہا۔

آگے چل کر؟ کون سا آگے رُخشی! تم، تم تمہارا نہ کوئی آگے ہے نہ پیچھے۔ او کے تم نے پاپا کے ساتھ شادی کر لی ہو گی مگر کتنے دنوں کے لیے؟ یہ زندگی بھر کا رشتہ تو ہو نہیں سکتا۔ اس کے بعد تم کیا کرو گی؟ کہاں جاؤ گی۔''

''یہ تمہاری بدقسمتی ہے امبر! یا پھر منصور علی کی خوش قسمتی کہ میں نے ان کے ساتھ ساری عمر رہنے کا فیصلہ کیا ہے ویسے مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تمہیں، بڑی جلدی میری بات پر اعتبار آ گیا ہے ورنہ کچھ دیر پہلے تو تم یہ ماننے پر تیار ہی نہیں تھیں کہ منصور علی نے مجھ سے شادی کر لی ہے۔'' رُخشی نے تمسخر آمیز انداز میں کہا۔

''تم نے پاپا سے ان کی جائیداد ان کے پیسے کے لیے شادی کی ہے اور یہ بنیاد قائم نہیں رہے گی۔''

''ہر رشتے کی بنیاد میں کہیں نہ کہیں پیسہ ضرور آتا ہے پھر کیا ہے۔ مان لیا میں نے منصور علی سے پیسے کے لیے شادی کی ہے۔ تو کیا برائی ہے اس میں۔ ہر آدمی میں کچھ نہ کچھ تو دیکھا جاتا ہے میں نے منصور میں پیسہ دیکھ لیا کیا فرق پڑتا ہے۔''

''ہاں۔ تمہارے جیسی لڑکیوں کو تو نہیں پڑتا۔ وہ تو ان کو پڑتا ہے جن کا کوئی خاندان ہو۔ حسب نسب ہو۔ تم جیسوں کو کیا فرق پڑتا ہو گا۔''

''ویسے منصور علی نے مجھ سے محبت کی شادی کی ہے اگر تمہارے خیال میں رشتے یا تعلق کی بنیاد محبت پر ہونی چاہیے تو پھر منصور علی کی طرف سے اس بنیاد میں محبت ہی شامل ہے۔'' وہ اب بھی مذاق اڑانے والے موڈ میں تھی۔

''مجھے اب اندازہ ہوا رُخشی! تمہاری بہن کو کیوں قتل کیا گیا تھا...... اس نے بھی یہی کچھ کیا ہو گا۔'' امبر نے کہا۔

ریسیور پر رُخشی کے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی...... اس کے ہونٹ بھینچ گئے...... پہلی بار اس کے چہرے سے وہ تمسخر آمیز مسکراہٹ غائب ہوئی تھی جو اس پوری گفتگو کے دوران اس کے چہرے پر تھی۔

''میری بہن کا نام مت لو۔'' وہ غرائی۔

''کیوں نہ لوں۔ میں لوں گی اس کا نام تم تمہاری امی تمہاری بہنیں سب ایک جیسی ہو، یہی سب کچھ کرتی ہو گی...... اسی لیے تو تمہارے فادر نے چھوڑ دیا تمہیں۔ اسی لیے تمہارے محلے والوں نے تم لوگوں کو سپورٹ نہیں کیا۔ کیونکہ وہ تم لوگوں کو تمہارے حربوں اور ہتھکنڈوں کو اچھی طرح جانتے تھے، صرف میں احمق تھی جو تمہیں اور تمہاری اصلیت کو نہیں جان سکی۔'' رُخشی نے کچھ کہنا چاہا پھر چپ رہی۔

''میں دیکھوں گی۔ تم پاپا کے ساتھ کیسے رہتی ہو۔ میں تمہیں پاپا کی زندگی، ان کے گھر، ان کے دل ہر جگہ سے نکال باہر

چیخوں گی۔ تم جانتی ہو۔ پاپا میری بات کبھی نہیں ٹال سکتے اور مجھے تمہیں ان کی زندگی سے باہر نکالنے کے لیے اپنی جان بھی دینی پڑی تو میں دے دوں گی۔" امبر کہتی جا رہی تھی۔

"اب تم جان لو گی کہ کوئی رشتہ جس کی بنیاد صرف پیسے پر رکھی ہو خون کے رشتے سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ تم نے پاپا سے شادی کر کے صرف روپیہ حاصل کیا ہے مگر تم نے میری نظروں میں اپنی عزت کھو دی ہے تم نے اسی چیز کو ترجیح دی ہے جس کی تمہیں پروا ہے۔" امبر نے ریسیور پٹخ دیا۔

رخشی کچھ دیر ریسیور ہاتھ میں لیے رہی پھر اس نے ریسیور نیچے رکھ دیا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"کیا ہوا؟" صاعقہ نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"کیا آپ جان ہی گئی ہیں کہ کیا ہوا ہے...... سب کچھ تو سنا ہے آپ نے" رخشی نے بیڈ پر بیٹھ کر گہرا سانس لیا۔

"اب کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا؟ کچھ نہیں ہوگا۔ پہلے کیا ہو گیا ہے جو اب ہوگا۔ آپ کے پاس بس ایک ہی سوال ہے جو آپ ہر وقت کر کے مجھے پریشان کرتی رہتی ہیں۔" رخشی نے بے حد بیزاری سے کہا۔

"تمہیں اب منصور علی کو فون کر کے یہ سب کچھ بتا دینا چاہیے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اسے یہاں بلواؤ۔" صاعقہ کو بے چینی ہو رہی تھی۔

"کوئی آسمان سر پر نہیں گر پڑا کہ میں منصور کو فوراً یہاں بلواتی پھروں...... دیکھ لوں گی سب کچھ صبح۔"

"اور اگر امبر اور اس کی ماں نے منصور علی سے اس بارے میں اسی وقت بات کر لی تو مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" صاعقہ نے کہا۔

"تو کر لیں امبر اور اس کی ممی بات آپ بھی دیکھ لیں کتنا اثر رہ گیا ہے ان کی باتوں میں۔ منصور صبح یہاں ہوگا یہ بھی ممکن ہے وہ ابھی رات کو ہی آ جائے پھر آپ اپنے سارے خدشات اس کے ساتھ بیٹھ کر ڈسکس کر لیں۔" رخشی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"پھر بھی رخشی! احتیاط تو لازمی ہے۔"

"تو کریں۔ آپ ہیں نا ہر قسم کی احتیاطوں کے لیے۔ مجھے معاف رکھیں اس سب کچھ سے۔ میں سونے جا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی صاعقہ قدرے متفکر انداز میں اسے جاتے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

امبر نے ریسیور رکھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اس کا سر اب بری طرح چکرا رہا تھا۔ اسے منیزہ کے کہنے کے باوجود ان کی اس بات پر دل سے یقین نہیں آیا تھا کہ رخشی اور منصور کے درمیان کوئی افیئر ہے مگر جواب اس نے رخشی کے منہ سے سنا تھا۔ وہ اس سے بہت بدتر صورتِ حال تھی۔ اسے رخشی کی ڈھٹائی پر حیرت ہو رہی تھی اور منصور علی پر رنج اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ منیزہ کو یہ خبر کیسے سنائے گی اور منیزہ کا رد عمل اس خبر پر کیا ہوگا۔

لیکن اسے منیزہ کو یہ خبر سنانی نہیں پڑی۔ فون کا ریسیور رکھنے کے ٹھیک دو منٹ بعد ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر منیزہ اندر آ گئیں۔ امبر حواس باختہ ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ منیزہ بے حد طیش میں تھیں۔

"سن لیا تم نے سن لیا یہ سب تھا جس کو روکنا چاہتی تھی میں۔" منیزہ بلند آواز میں چلائیں۔

"ممی...... ممی! آپ...... آپ......" امبر بات کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"میں نے اس ذلیل کی ہر بات فون پر سنی ہے...... ہر بات اور یہ سب کچھ۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے امبر! تمہاری وجہ سے۔" وہ اس کے سر پر کھڑی بری طرح چلا رہی تھیں۔

"تم نے اسے یہ سارے راستے دکھائے تھے۔ تم ہاتھ پکڑ کر اسے ہر جگہ پہنچاتی رہی ہو، وہاں بھی جہاں اسے نہیں جانا چاہیے تھا۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ بار بار منع کیا تھا...... مگر تم...... تم پر خدمت خلق کا بھوت سوار تھا۔ تم نے ماں کی بات نہیں سنی۔ اب تسلی ہو گئی تمہاری۔ سکون مل گیا تمہیں۔"

"ممی! مجھے سکون ملے گا...... میری تسلی ہو گی۔ آپ...... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔" وہ بے اختیار رونے لگی۔
"میں، میں کیسی باتیں کرتی ہوں۔ میں ایسی ہی باتیں کرتی ہوں یہی کچھ کہتی رہی ہوں تم سے اور تم...... تم نے امبر اپنے گھر کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ تم نے آگ لگا دی ہے اپنے گھر کو۔"
"میں نے آگ لگائی ہے نا...... میں ہی بجھاؤں گی۔ آپ دیکھ لیجئے گا، میں پاپا سے اس کو طلاق دلوا دوں گی۔ میں آج ہی پاپا سے اس کو طلاق دلوا دوں گی۔"
"اس کے بعد کیا ہوگا۔ تمہارے باپ اور میرے درمیان جو تعلق تھا، وہ ختم ہو گیا۔ اس شخص نے میرے بیس سال کے ساتھ کو منٹوں میں پس پشت ڈال دیا۔ میں اس شخص کو رخشی کے ساتھ خوش رہنے دوں گی نہ اس گھر میں، میں اس کی زندگی کو جہنم بنا دوں گی۔" منیزہ اب بھی بری طرح چلا رہی تھیں۔
"وہ کہتا ہے کہ میں نے اس کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے میں اسے بتاؤں گی جہنم ہوتا کیا ہے۔" منیزہ کہتے ہوئے دروازے کو پوری طاقت سے پٹخ کر باہر چلی گئیں۔
امبر روتے ہوئے اٹھ کر ان کے پیچھے ہی نیچے چلی آئی۔ منصور علی ابھی تک گھر نہیں آئے تھے۔ امبر لاؤنج میں بیٹھنے کے بجائے باہر پورٹیکو میں آ کر منصور علی کا انتظار کرنے لگی۔
ایک گھنٹے کے اس انتظار میں اس نے کئی بار منصور علی کے موبائل پر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ منصور علی کا موبائل ہر بار آف ملتا رہا۔ امبر کو لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے دل کو مٹھی میں لے کر مسل رہا تھا...... منصور علی اور رخشی دونوں کے اکٹھے ہونے کا تصور اسے پاگل کیے دے رہا تھا...... اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ منصور علی اس طرح چوری چھپے اپنی بیٹی کی عمر کی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کر سکتے ہیں اور لڑکی بھی وہ جو ان کی بیٹی کی بہترین دوست تھی۔
ایک گھنٹے کے بعد اسے گیٹ پر منصور علی کی کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ منصور علی نے گیٹ کھلتے ہی دور پورٹیکو میں کھڑی امبر کو دیکھ لیا تھا۔ ان کی چھٹی حس خبردار کرنے لگی تھی۔ وہ پہلے بھی اکثر فرمائشوں کے لیے اسی طرح پورٹیکو میں ان کا انتظار کرتی رہتی تھی مگر پچھلے چند ماہ سے منصور علی اور امبر کے درمیان بھی ایک نامحسوس کھچاؤ تھا۔ وہ توقع نہیں کر رہے تھے کہ وہ اس وقت وہاں کسی فرمائش کے لیے کھڑی ہوگی۔ خاص طور پر منیزہ کے ساتھ ایک دن پہلے ان کے ہونے والے جھگڑے کے بعد۔
گاڑی روک کر وہ نیچے اترے اور پھر امبر کے ستے ہوئے چہرے اور وجود کو نظر انداز کرتے ہوئے اندر لاؤنج کی طرف چلے گئے۔ امبر کے دل کو جیسے دھکا سا لگا۔ منصور علی نے آج تک کبھی اس کو اس طرح نظر انداز نہیں کیا تھا اور اب وہ اس کو دیکھنے کے بھی روادار نہیں تھے۔ وہ ان کے پیچھے ہی لاؤنج میں چلی آئی۔ منصور علی نے اپنے پیچھے اس کے قدموں کی آواز سنی تھی مگر وہ رکے نہیں۔
"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ لاؤنج سے گزر جانے والے تھے جب امبر نے انہیں روک دیا۔ منصور علی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔
"میں صبح بات کروں گا، اس وقت میں تھکا ہوا ہوں۔ سونا چاہتا ہوں۔"
انہوں نے بے حد سنجیدگی کے ساتھ امبر سے کہا۔
"آپ تھکے ہوئے ہیں، آپ سونا چاہتے ہیں اور ہم سب کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی پرواہ ہے آپ کو؟" وہ بری طرح تلملائی۔
"تمیز سے بات کرو امبر! میں اس لہجے کا عادی نہیں ہوں۔" منصور علی نے زندگی میں پہلی بار اسے جھڑکا۔
"کیوں تمیز سے بات کروں میں آپ سے، آپ نے جس بری طرح ہم سب کو Let Down کیا ہے، اس کے بعد بھی میں آپ سے تمیز سے بات کروں۔"
"کیا کیا ہے میں نے؟" وہ بلند آواز میں دھاڑے۔

"آپ جانتے ہیں، آپ نے کیا کیا ہے۔ آپ کا کیا خیال تھا۔ رخشی کے ساتھ آپ کی شادی کا مجھے پتہ نہیں چلے گا۔"

چند لمحوں تک منصور علی اسی طرح بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ رخشی سے اپنی شادی کا انکشاف امبر کے منہ سے سن کر انہیں اس وقت واقعی شاک لگا تھا۔

"مجھے شرم آ رہی ہے کہ آپ میرے باپ ہیں۔ میں نے اسے آپ کے پاس جاب کے لیے بھجوایا تھا اور آپ نے اس سے شادی کر لی، یہ سوچے بغیر کہ آپ کا ایک گھر ہے، بیوی ہے، بچے ہیں، آپ کی اپنی بیٹیوں کی شادی ہونے والی ہے۔"

منصور علی پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہے تھے۔

"خاندان والے اور دوسرے لوگ کیسے کیسے مذاق اڑائیں گے ہمارا آپ کا اس عمر میں آ کر دوسری شادی۔ پاپا آپ کو کچھ تو سوچنا چاہیے تھا۔"

"میری شادی سے تمہارا کوئی تعلق ہے نہ یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ اس کے بارے میں تم ایک لفظ بھی مت کہنا۔" منصور نے اپنی خاموشی توڑی اور بے حد سرد لہجے میں امبر سے کہا۔

"کیوں نہ کہوں، کیا میرا مسئلہ نہیں ہے آپ کی شادی ہم سب کو متاثر کر رہی ہے اور کرے گی۔ کیا سوچ کر آپ نے رخشی سے شادی کی ہے اس جیسی خود غرض اور مادہ پرست لڑکی سے۔ بڑا خاندانی حسب و نسب کی بات کرتے تھے۔ آپ اب رخشی سے شادی کرتے ہوئے وہ خاندانی حسب و نسب کہاں گیا۔ اب آپ کو یاد نہیں رہا کہ رخشی کا کوئی خاندان نہیں ہے۔ وہ ایک آوارہ لڑکی ہے۔"

"اپنا منہ بند رکھو تم، سمجھیں۔ مجھے تمہاری تقریروں اور نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے اگر منیزہ یہ سمجھتی ہے کہ وہ تمہیں استعمال کر سکتی ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔" منصور علی غرائے۔

"ممی مجھے استعمال کریں گی؟..... کیوں کریں گی وہ..... یہ تو میں احمق تھی جس نے آپ کو اور رخشی کو قریب ہونے کا موقع دیا..... میں نے ممی کی ایک نہیں سنی، حالانکہ وہ صحیح کہہ رہی تھیں۔"

"میں اب تم سے اور کچھ سننا نہیں چاہتا..... دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنا منہ بند کر لوں تو آپ رخشی کو طلاق دے دیں ابھی اور اسی وقت۔"

"میں رخشی کو کسی قیمت پر طلاق نہیں دوں گا۔ یہ تم بھی سن لو اور جا کر اپنی ماں کو بھی سنا دو..... وہ میری بیوی ہے اور رہے گی۔ اگر تم لوگوں کو میری شادی کا پتہ چل گیا ہے تو بہت اچھا ہوا ہے۔ لیکن اگر تم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تم لوگ میرے اور رخشی کے درمیان علیحدگی کروا سکتے ہو تو یہ تم لوگوں کی بھول ہے۔"

"پاپا! آپ، آپ کو رخشی میں کیا نظر آیا ہے..... اس نے صرف پیسے کے لیے آپ سے شادی کی ہے۔" امبر نے دل گرفتگی کے عالم میں کہا۔

"تم لوگ بھی تو صرف پیسے کے لیے مجھ سے چپکے رہنا چاہتے ہو۔ صرف پیسے کی وجہ سے تو میری جان نہیں چھوڑ رہے۔ تمہیں میرے اور رخشی کے بارے میں کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میرا اور منیزہ کا معاملہ ہے۔ تم بیچ میں آؤ گی تو بہت پچھتاؤ گی۔ اس معاملے سے دور رہو۔" منصور علی نے اسے خبردار کیا۔

"تمہیں میری دوسری شادی پر اعتراض ہے..... رخشی ناپسند ہے تو بھی اپنا منہ بند رکھو..... ویسے بھی تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ تم طلحہ کے گھر چلی جاؤ گی پھر اس گھر کے معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں رکھو گی تم۔" منصور علی نے اسے بری طرح جھڑکتے ہوئے کہا۔

"آپ جب تک رخشی کو طلاق نہیں دیتے، میں اس گھر سے کہیں نہیں جاؤں گی..... طلحہ سے شادی بھی نہیں کروں گی۔"

"تو مت کرو، یہ میرا دردِ سر نہیں ہے اگر اس انتظار میں بیٹھی رہو گی تو پھر تو تمہیں ساری زندگی ہی بیٹھنا پڑے گا۔"

"آپ تو مجھ سے بہت محبت کرتے تھے پاپا! کبھی میری کسی خواہش کو رد نہیں کرتے تھے اور اب۔"

"وہ میری غلطی تھی۔ میں نے تمہیں سر پر چڑھایا، خودسر بنا دیا۔ آج اسی لیے تو تم مجھ سے زبان درازی کر رہی ہو۔ اتنا لاڈ پیار نہ کرتا تو مجھ سے اس لہجے میں بات کرنے سے پہلے تم سو بار سوچتیں۔" منصور علی نے تلخی سے کہا۔

"آپ نے اپنے اور ہمارے درمیان ایک دو ٹکے کی لڑکی کو لا کر کھڑا کر دیا ہے اور آپ، آپ چاہتے ہیں کہ ہم بولیں بھی نہ، احتجاج بھی نہ کریں۔"

"کون سا گناہ کیا ہے میں نے دوسری شادی کر کے۔ بہت سارے لوگ کرتے ہیں۔ کیا ہر ایک کی اولاد تمہاری طرح زبان درازی پر اتر آئی ہے۔"

"آپ کو دوسری شادی کرنی تھی تو بہت سال پہلے کرتے یا اپنی عمر کی کسی عورت سے کرتے۔ میری دوست سے شادی کر لی آپ نے، آپ کو شرم تک محسوس نہیں ہوئی۔"

"شٹ اپ، جسٹ شٹ اَپ۔ یہ سب منیزہ کی تربیت ہے۔ اس نے تم لوگوں کو میرے سامنے لا کر یوں کھڑا کر دیا ہے کہ تمہیں بات کرنے کی تمیز تک نہیں رہی اگر بات کرنے کا طریقہ اور سلیقہ سیکھنا ہے تو جا کر رخشی سے سیکھو دیکھو جا کر۔ اس میں کتنی تہذیب ہے۔"

"میں رخشی سے جا کر تہذیب سیکھوں جو لڑکی دوسروں کے گھروں کو اجاڑتی ہے۔ دوسروں کے باپ پر ڈورے ڈالتی ہے۔ میں اس سے جا کر بات کرنے کا طریقہ اور سلیقہ سیکھوں تاکہ میں بھی دوسروں کے گھر اجاڑنا سیکھ جاؤں دوسروں کے باپ کے ساتھ فلرٹ کرنے میں مجھے بھی آسانی ہو۔"

منصور علی نے پوری قوت کے ساتھ کھینچ کر تھپڑ امبر کے منہ پر مارا۔ امبر دم بخود رہ گئی۔

"رخشی تمہارے بارے میں جو کہتی ہے۔ ٹھیک کہتی ہے۔ بالکل ٹھیک پہچانا ہے۔ اس نے تمہیں۔"

"کیا کہتی ہے وہ میرے بارے میں؟ یہ کہ میں بے وقوف ہوں، پاگل ہوں، احمق ہوں میں نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار لی ہے۔" امبر اب رو رہی تھی۔

"آپ نے پاپا! ہم سب کو ڈبو دیا۔ میں آپ کو کیا سمجھتی تھی اور آپ کیا نکلے ہیں۔ بہت ہی عام سے انسان، ایسا انسان جس کی کوئی اخلاقیات نہیں ہے...... رخشی کا قصور نہیں ہے۔ وہ تو اسی کام کے لیے نکلی تھی۔ قصور آپ کا ہے جس نے اپنے آپ کو اس کا نشانہ بننے دیا جو اپنی بیٹی کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کو بیٹی نہیں سمجھ سکتا۔"

"امبر! اپنا منہ بند کر لو ورنہ......" منصور علی کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"ورنہ کیا کر لیں گے آپ...... مار ڈالیں گے مجھے بس یا کچھ اور بھی۔ یہ جو تکلیف ابھی پہنچائی ہے آپ نے، یہ ہر تکلیف سے بڑی ہے، موت سے بھی۔ ایک وقت آئے گا جب آپ بہت پچھتائیں گے...... اپنے اس فیصلے پر بہت پچھتائیں گے آپ۔" وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"اس وقت آپ کے اس پچھتاوے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا...... وقت آپ کے ہاتھ سے نکل چکا ہو گا۔ رخشی آپ کو چھوڑ دے گی پھر آپ کو پتہ چلے گا آپ نے اپنا گھر ایک غلط عورت کے ہاتھوں تباہ کیا۔ پھر آپ پچھتائیں گے مگر تب ہم نہیں ہوں گے آپ کے پاس...... آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہو گا، کچھ بھی نہیں۔"

وہ روتے ہوئے لاؤنج کی سیڑھیاں تیزی سے چڑھ گئی۔ منصور علی کا پارہ اس وقت آسمان سے باتیں کر رہا تھا اندر اپنے بیڈروم میں جانے کے بجائے وہ واپس پورٹیکو میں آ گئے۔

اپنی گاڑی خود ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اگلے پندرہ منٹ میں رخشی کے گھر پر تھے۔ رخشی ابھی سونے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ اپنے بیڈروم میں تھی۔ اس نے منصور علی کا استقبال بڑی خوش دلی سے کیا۔ مگر منصور علی کے چہرے کو دیکھتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ منصور علی بہت اشتعال میں ہیں۔

"آج امبر نے فون کیا تھا مجھے۔" رخشی نے بلاتمہید منصور علی کو بتانا شروع کر دیا۔ منصور علی کے ماتھے پر پڑے ہوئے بل

[illegible] ہو گئے۔

"بس؟"

"بہت بار رِنگ کرتی رہی ہے، یہ سمجھ لیں سارا دن ہی میں اس کو Avoid کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے مجھے اس سے بات کرنی ہی پڑی۔" رخشی نے چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا اس نے تم سے؟"

"اس نے جو کچھ کہا، وہ میں اپنی زبان پر نہیں لانا چاہتی۔ اس نے بے حد بے عزتی کی ہے میری، اسے ہماری شادی کا پتہ چل گیا ہے۔ اسے بھی اور آپ کی پہلی بیوی کو بھی...... اور وہ مجھے دھمکیاں دے رہی تھی۔"

"میں حیران ہوں کہ انہیں اس شادی کے بارے میں کیسے پتہ چلا۔ کون ہے جو انہیں بتا سکتا ہے۔" منصور علی بڑبڑائے۔

"منیزہ بے حد چالاک عورت ہے۔ آپ خود ہی تو بتا رہے تھے کہ پچھلے کچھ عرصے سے آپ دونوں کے درمیان جھگڑے ہوتے آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے، منیزہ نے ہی کسی سے آپ کی جاسوسی کروائی ہو۔"

"ہاں، اس جیسی عورت سے کچھ بعید نہیں ہے، وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔" منصور علی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"پھر اب کیا ہو گا؟ وہ لوگ تو آپ کے لیے بہت سے مسائل کھڑے کر دیں گے۔ خاص طور پر آپ کا خاندان امبر تو مجھ سے بھی کہہ رہی تھی کہ وہ آپ سے ابھی اور اسی وقت مجھے طلاق دلوا دے گی۔" رخشی نے پریشان نظر آنے کی پوری کوشش کی۔

"ہاں میں گھر سے ہی آ رہا ہوں، بہت بدتمیزی کی ہے اس نے میرے ساتھ بھی۔ لیکن میں اسے صاف صاف بتا آیا ہوں کہ میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

"اور آپ کی بیوی۔" رخشی نے دانستہ طور پر بات ادھوری چھوڑی۔

"مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، وہ جو چاہے کرتی رہے۔ خاندان اکٹھا کرنا چاہتی ہے تو خاندان اکٹھا کر لے۔" منصور علی کے لہجے میں ترشی تھی۔

"یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے منصور...... اگر میں آپ کی زندگی میں نہ آتی تو...... میں اسی لیے آپ سے شادی سے انکار کر رہی تھی۔ میں اس سب سے بچانا چاہتی تھی آپ کو...... مگر آپ نے میری کسی بات پر غور نہیں کیا۔"

"مجھے تمہارے ساتھ اپنی شادی کے فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے اور نہ ہی یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ میں ایک ناکام ازدواجی زندگی گزار رہا تھا...... اسے ہر قیمت پر ختم ہونا ہی تھا...... تم میری زندگی میں نہ آتیں تو کوئی اور آ جاتا۔"

"کوئی اور آ جاتا لیکن میں تو نہ آتی، کم از کم مجھے یہ پچھتاوا تو نہ ہوتا جو اس وقت ہو رہا ہے۔" رخشی نے اپنے لہجے کی افسردگی میں کچھ اضافہ کیا۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں رخشی! اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں خوش قسمت ہوں کہ میری زندگی میں تم آئی ہو اور اس شادی کے بارے میں مجھے جلد یا بدیر اپنے گھر والوں کو بتانا ہی تھا...... کچھ زیادہ جلدی پتہ چل گیا انہیں...... مگر ٹھیک ہے جو ہوا صحیح ہوا۔"

"میں نے تو امبر سے بھی جھوٹ بولنے کی بہت کوشش کی تھی مگر اسے سب کچھ پتہ تھا اس نے میری کسی بات کو مانا ہی نہیں، مجھے اتنا برا بھلا کہا کہ۔" رخشی نے توقف کیا۔

"وہ پاگل ہے، اپنی ماں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے۔ تم اس کی پرواہ مت کرو۔"

"میں نے اس سے کہا کہ وہ ان وجوہات پر غور کرنے کی کوشش کرے جن کی وجہ سے منصور علی دوسری شادی کر چکے ہیں۔ مگر وہ تو کچھ سننے پر تیار ہی نہیں تھی۔ اس کی زبان پر بس ایک ہی بات تھی کہ میں نے اسے دھوکہ دیا اور اب میرے لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ میں آپ کو چھوڑ دوں، آپ سے طلاق حاصل کروں۔" رخشی بڑی متانت سے سب کچھ بتا رہی تھی۔

"اس نے کہا کہ اس نے مجھے آپ کے پاس جاب کے لیے بھیجا ہے...... اب میں اس کے کہنے پر جاب اور آپ کو چھوڑ دوں۔"

"میں نے کہا نا وہ پاگل ہے...... تمہیں اس سے کہنا چاہیے تھا کہ تم کبھی مجھے نہیں چھوڑو گی، چاہے وہ کچھ بھی کر لے۔" منصور علی نے مداخلت کی۔

"میں نے اس سے ایسا ہی کہا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ میں نے منصور علی سے محبت کی وجہ سے شادی کی ہے، مجھے ان سے ہمدردی ہے کیونکہ وہ ایک اچھی زندگی نہیں گزار رہے تھے، میں انہیں دوبارہ کسی تکلیف میں بھی نہیں ڈال سکتی۔" رخشی کہتی گئی۔

"مگر جواب میں وہ تو مجھے دھمکیاں دینے لگی۔ کہنے لگی کہ میرا خاندان خراب ہے اور میرے ساتھ بھی وہی ہوگا جو میری بہن کے ساتھ ہوا...... مجھے تو لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ابھی کل تک میری دوست تھی...... اتنی خود غرض دوست۔" رخشی نے تبصرہ کیا۔

"یہ سب اس کی ماں کا قصور ہے...... اس کے منہ میں اپنی ماں کی زبان ہے۔"

"وہ چھوٹی بچی تو نہیں ہے کہ خود سے کسی چیز کے بارے میں کوئی فیصلہ ہی نہ کر سکے۔ ٹھیک ہے منیزہ اس کے کان بھرتی ہوگی مگر اسے ان احسانات کو تو یاد رکھنا چاہیے جو آپ اس پر کرتے رہے۔ اولاد میں اس قدر طوطا چشمی، میں تو حیران ہو رہی ہوں۔" رخشی کو کچھ اور زہر اگلنے کا موقع مل رہا تھا...... وہ یہ موقع کیسے ضائع کرتی۔

"میں سوچتی ہوں، آپ کے لیے امبر کی محبت اب کہاں گئی جس کا وہ ہمیشہ ڈھنڈورا پیٹا کرتی تھی۔ انہیں آپ ہاتھ سے نکلتے لگ رہے ہیں تو انہوں نے شور مچا دیا ہے کیونکہ انہیں یہ بھی تو اندیشہ ہے کہ آپ کی دوسری شادی کی صورت میں ان لوگوں کے ہاتھ سے آپ کی جائیداد بھی چلی جائے گی۔"

"ہاں جانتا ہوں، انہیں اس وقت کیا کیا اندیشے ستا رہے ہیں۔ میں نے صرف اسی وجہ سے تم سے شادی کی ہے کیونکہ میں اس گھر کے ماحول سے تنگ آ گیا تھا۔"

"مگر اپنی عادتوں اور حرکات پر تو کبھی غور نہیں کریں گے یہ لوگ...... سارا الزام آپ کے اور میرے سر ہی دھریں گے۔" رخشی نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے رنجیدہ لہجے میں کہا۔

"میں کسی الزام تراشی سے نہیں ڈرتا...... نہ ہی تمہیں ڈرنا چاہیے۔ میں دیکھ لوں گا، منیزہ کیا کرتی ہے۔ میں نے شادی کی ہے۔ مذہبی اخلاقی، قانونی معاشرتی...... ہر لحاظ سے جائز کام ہے یہ۔ پھر مجھے یا تمہیں شرمسار ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"میں اب اس گھر میں نہیں جاؤں گا...... جب تک کہ ان سب کو اپنے رویے کے غلط ہونے کا احساس نہیں ہو جاتا میں ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھوں گا۔" منصور علی نے تہیہ کیا۔

"اور آپ وہاں نہیں جائیں گے تو وہ لوگ یہاں آ جائیں گے۔"

"کیسے آ جائیں گے، انہیں اس گھر کا ایڈریس کیسے پتہ چل سکتا ہے۔"

"اگر انہیں آپ کی شادی کا پتہ چل سکتا ہے تو پھر اس گھر کا معلوم کرنا کیا مشکل ہے...... ابھی تک تو امبر یہی سمجھ رہی ہے کہ یہ فون نمبر پرانے گھر میں ہی ہے لیکن اگر اب انہوں نے شک ہونے پر فون کے ٹرانسفر ہونے کا پتہ کروایا تو انہیں بڑی آسانی یہاں کا نمبر مل جائے گا۔" رخشی نے بڑی چالاکی کے ساتھ بات کرتے ہوئے کہا۔ "اور اگر وہ لوگ یہاں آ گئے تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ کی بیوی کس طرح کی باتیں کرے گی اور میں، میں اس بار کچھ بھی برداشت نہیں کروں گی۔"

"تم چوکیدار سے کہہ دینا وہ کسی کو اندر ہی نہیں آنے دے گا نہ کوئی اندر آئے گا، نہ تمہیں کسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔" منصور علی نے اپنی طرف سے مسئلے کا حل نکالتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

منیزہ منصور علی کے جانے کے بعد ایک بار پھر امبر کے کمرے میں چلی آئیں، امبر اپنے بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی رو رہی تھی۔

"منصور کہاں گیا ہے؟" منیزہ نے آتے ہی پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ، کہاں گئے ہیں۔" امبر نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

"تمہاری بات ہوئی ہے اس سے؟" امبر نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ اسی طرح روتی رہی۔

"امبر! میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔ سیدھی طرح اٹھ کر میری بات کا جواب دو۔" منیزہ نے اس بار بلند آواز میں کہتے ہوئے اس کو کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"کی ہے میں نے ان سے بات۔ وہ بدل گئے ہیں ممی! وہ پہلے والے پاپا نہیں رہے۔"

"مجھے تم صرف یہ بتاؤ کہ اس نے کہا کیا ہے؟"

"وہ رخشی کو طلاق دینے پر تیار نہیں ہیں، آپ کو پتا ہے ممی انہوں نے مجھے تھپڑ بھی مارا ہے۔"

"میں جانتی تھی۔ میں پہلے ہی جانتی تھی کہ وہ رخشی کو طلاق نہیں دے گا، بڑھاپے کے عشق کا بھوت اتنی جلدی سر سے نہیں اترتا۔" وہ کمرے میں ٹہلنے لگیں۔

"اب تم دیکھنا، میں کیا کرتی ہوں...... میں منصور علی اور رخشی دونوں کو مزہ چکھا دوں گی۔ میں حشر کر دوں گی ان دونوں کا۔"

"ممی! آپ مسعود انکل کو بتائیں، وہ پاپا کو سمجھائیں گے تو شاید پاپا کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔" امبر نے اپنے گیلے گالوں کو پونچھتے ہوئے کہا۔

"مسعود انکل؟...... یہ سب ملے ہوئے ہیں...... سب ایک جیسے ہیں منصور، مسعود، طلحہ، اسامہ سب۔ یہ سب کچھ ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا اور ان لوگوں نے ہمیں اندھیرے میں رکھا۔"

"ممی! ایسا نہ کہیں، شبانہ آنٹی نے ہی تو ہمیں پاپا اور رخشی کے بارے میں انفارم کیا تھا۔"

"شبانہ نے کیا تھا مسعود نے تو نہیں کیا تھا۔ طلحہ نے تو نہیں کیا تھا۔ اسامہ نے تو نہیں کیا تھا، مسعود نے تو شبانہ کو بھی منع کیا تھا کہ وہ مجھے رخشی کے بارے میں نہ بتائے۔ ان لوگوں نے جان بوجھ کر میرا گھر تباہ کیا ہے۔ جان بوجھ کر۔ یہ سب ملے ہوئے ہیں آپس میں۔ میں ان میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کروں گی۔" منیزہ اب بلند آواز میں بولتے ہوئے کمرے کے چکر لگا رہی تھیں۔

"ہوسکتا ہے ممی! انکل مسعود کو یا طلحہ اور اسامہ کو اس سب کے بارے میں کچھ پتہ ہی نہ ہو۔"

"تم اپنا منہ بند کرو، ختم کرو ان کی حمایت۔ ان لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ رخشی اور منصور کیا گل کھلا رہے ہیں، میں ماننے پر تیار نہیں ہوں۔ میں تو گھر کے اندر رہنے والی عورت تھی چوبیس گھنٹے منصور کے ساتھ نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہ تینوں اس کے ساتھ ہوتے تھے۔"

"ممی! پاپا اب کہاں ان کے ساتھ ہوتے تھے...... وہ تو اپنے نئے آفس میں نئی فیکٹری میں ہوتے تھے۔"

"جہاں بھی تھا وہ، ان تینوں سے اس کی حرکات چھپی نہیں رہ سکتی تھیں مگر انہوں نے اس کی پردہ پوشی کی۔ اسے کھل کھیلنے کا موقع دیا۔" منیزہ یک دم بات کرتے کرتے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"میں صبح رخشی کے گھر جا رہی ہوں۔ میں وہاں جا کر اسے دھکے دے کر وہاں سے نکال دوں گی...... تمہیں میرے ساتھ وہاں چلنا ہے۔"

"میں کبھی اس کے سامنے نہیں جاؤں گی، کبھی نہیں۔ میں کبھی اس کے سامنے جا کر بھیک نہیں مانگوں گی کہ وہ میرے باپ کی زندگی سے نکل جائے۔ مجھے اس سے جو کہنا تھا میں اس سے فون پر کہہ چکی ہوں۔ ممی! میں تو اب دوبارہ کبھی اس سے فون

پر بات تک نہیں کروں گی۔"

"تم کیوں اب اس سے بات کرو گی جو کچھ تم نے کرنا تھا، وہ تو تم کر چکی ہو۔ اپنی سہیلی کو میری سوکن بنا کر لے آئی ہو تمہیں کیا ضرورت رہی ہے اب اس سے بات کرنے کی۔" منیزہ نے تند و تیز لہجے میں کہا۔

"ممی! آپ بھی مجھے ہی الزام دے رہی ہیں۔" امبر ایک بار پھر رونا شروع ہو گئی۔ "یہ سب کچھ پاپا نے کیا ہے..... پاپا ایسے نہ ہوتے تو رخشی ہوتی یا کوئی بھی ہوتی۔ یہ سب کچھ بھی نہیں ہونا تھا۔ غلطی پاپا کی ہے۔ وہ رخشی سے شادی نہ کرتے تو کسی اور کے ساتھ کر لیتے۔"

"میرا شوہر اور اولاد دونوں میرے دشمن نکلے ہیں..... میں تو دونوں کو ہی الزام دوں گی تمہیں بھی، اسے بھی اور جہاں تک رخشی کے گھر جانے کا تعلق ہے۔ تم نہیں جانا چاہتیں نہ جاؤ میں جاؤں گی میں اس سے بات کروں گی اگر اس پر اثر نہیں ہوا تو پھر میں اس کو دھکے دے کر وہاں سے نکلوا دوں گی بلکہ میں پولیس کو بلوا کر رخشی اور اس کے تمام گھر والوں کو گرفتار کروا دوں گی۔" منیزہ کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگیں۔

"آپ کے وہاں جانے کا کیا فائدہ ہوگا۔ آپ سمجھتی ہیں کہ رخشی آپ سے خوفزدہ ہو جائے گی..... ممی! وہ آپ کی بات تک نہیں سنے گی۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے..... تم دیکھنا، میں اسے کس طرح منصور سے الگ کرتی ہوں۔ منصور کا خیال ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی، اس نے شادی کر لی ہے تو میں اسے قسمت کا کھیل کہہ کر قبول کر لوں گی۔ میں تو اسے سبق سکھا دوں گی، اسے بھی اور اس کی اس نئی نویلی دلہن کو بھی۔"

"آپ کو جو بات بھی کہنی ہے ممی! آپ کو پاپا سے کہنی چاہیے۔ رخشی سے کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ آپ سے بھی وہی سب کچھ کہے گی جو اس نے مجھ سے کہا ہے۔ اس نے اگر میری لعنت ملامت کی پرواہ نہیں کی تو آپ کی لعنت ملامت کی کیا پرواہ کرے گی۔"

"تم نے اسے پیسے کی آفر نہیں کی ہوگی۔ میں اسے پیسہ دینے کی آفر کروں گی..... اس سے کہوں گی کہ وہ پیسہ لے لے اور منصور کی زندگی سے نکل جائے۔"

"پیسے کی آفر......" امبر نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "آپ اسے کتنا پیسہ دے سکتی ہیں پاپا سے زیادہ پیسہ دے سکتی ہیں؟ نہیں دے سکتیں..... پاپا اس کی مٹھی میں ہیں۔ وہ جتنا روپیہ چاہے ان سے نکلوا سکتی ہے۔ پھر وہ احمق تو نہیں ہے کہ آپ کی چند لاکھ کی آفر کو قبول کر لے۔ اسے رہنے دیں ممی! اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بات کرنی ہے تو پاپا سے کریں بلکہ ماموں سے کہیں، وہ پاپا سے بات کریں، انکل مسعود سے کہیں وہ پھر بھی کسی نہ کسی حد تک پاپا پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ پاپا ان کی بات سنیں گے۔ وہ انہیں بالکل سرے سے رد نہیں کر سکتے۔"

"تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو...... میں جو کرنا چاہتی ہوں، کروں گی تم اتنی عقل مند اور سمجھدار ہوتیں تو یہ سب کچھ نہ ہوتا...... اب تمہیں ماں کو عقل سکھانا یاد آ گیا ہے۔" منیزہ نے طنزیہ لہجے میں اس سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ میں بے وقوف اور احمق ہوں۔ میں تو اس بات پر بحث کر ہی نہیں رہی ویسے بھی مان رہی ہوں کہ میں بے وقوف ہوں، آپ بار بار کیوں جتا رہی ہیں مجھے۔" امبر نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بار بار جتا رہی ہوں کیونکہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" منیزہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

☆☆☆

"اوہ منیزہ بھابھی کو تمہاری شادی کا پتہ چل گیا۔" ہارون کمال نے چونکنے کی اداکاری کی۔ "حیرت ہے کیسے پتہ چلا انہیں؟"

منصور علی اگلے دن صبح سیدھا ہارون کمال کے آفس آئے تھے اور انہوں نے آتے ہی ہارون کمال کو پچھلے چند دن میں

ہونے والے تمام واقعات کے بارے میں بتا دیا۔ ہارون کمال کا ردِعمل منصور علی کے لیے غیر متوقع نہیں تھا، وہ حیران ہوا تھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا کہ اسے کیسے پتہ چلا مگر اسے پتہ چل گیا ہے۔" منصور علی نے کہا۔

ہارون کمال چند لمحے خاموش رہا۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ منیزہ تک یہ خبر پہنچانے کا ذریعہ کیا ہوگا۔ وہ رخشی کو منصور علی سے بھی زیادہ بہتر جانتا تھا۔

"بہت برا ہوا۔"

"ہاں بہت برا ہوا مگر یہ تو کبھی نہ کبھی ہونا ہی تھا۔"

"منیزہ بھابھی یا امبر نے اگر تمہارے ساتھ جھگڑا کیا ہے تو وہ تو تمہارے لیے غیر متوقع نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے یہ اتنا بڑا دھچکا ہے کہ وہ اتنی آسانی سے تو اسے قبول نہیں کر سکتیں۔" ہارون کمال نے کہا۔

"جانتا ہوں میں کہ وہ یہ سب کچھ اتنی آسانی سے قبول نہیں کر سکتیں مگر انہوں نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے۔ میں اس کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ میرا خون کھول رہا ہے۔" منصور علی نے غصے کا اظہار کیا۔

"اب تم آگے کی سوچو، آگے کیا ہونے والا ہے تمہارے ساتھ۔"

"میں تیار ہوں ہر چیز کے لیے۔" منصور علی نے کندھے جھٹکے۔

"منیزہ بھابھی نے اب تم سے یہی مطالبہ کرنا ہے کہ تم رخشی کو طلاق دے دو۔"

"یہ مطالبہ کرنا نہیں ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں وہ یہ مطالبہ امبر کے ذریعے کر چکی ہے مگر میں رخشی کو طلاق نہیں دوں گا، کسی قیمت پر بھی نہیں۔"

"دیکھ لو، آگے چل کر تمہارے مسائل میں اور اضافہ ہوگا۔"

"اس سے زیادہ کیا اضافہ ہوگا۔"

"اگر تم نے رخشی کو طلاق نہ دی تو منیزہ بھابھی اپنے لئے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ ضروری تو نہیں ہے کہ اب وہ تمہارے ساتھ رہنے پر رضامند ہوں۔"

"اگر اس نے طلاق کا مطالبہ کیا تو میں بڑی خوشی کے ساتھ اس کا یہ مطالبہ پورا کر دوں گا...... مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اس کو اپنے ساتھ رکھنے کا۔"

"تو پھر تمہارے بچوں کا کیا ہوگا...... ان کے بارے میں سوچا ہے کچھ تم نے؟"

"امبر اور صبغہ کی تو شادی ہو جائے گی...... باقی تینوں بچے چاہیں تو اسی گھر میں میرے پاس رہ سکتے ہیں یا پھر اپنی ماں کے پاس چلے جائیں۔" منصور علی بے حد سرد مہری سے کہتے گئے۔

"لیکن میں نہیں سمجھتا...... طلاق تک نوبت آئے گی...... منیزہ یہ آرام و آسائش کبھی نہیں چھوڑ سکتی...... طلاق لے کر وہ کہاں جائے گی، بھائی رکھیں گے اسے، ہونہہ!" منصور علی نے حقارت سے کہا۔

"سوچ لو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے خاندان والے سارے اکٹھے ہو کر تمہیں رخشی کو طلاق دینے پر مجبور کر دیں۔ آخر خاندانی دباؤ کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔" ہارون کمال نے کہا۔

"خاندان؟ کون سا خاندان؟ مسعود بھائی تو اس سلسلے میں مجھ سے بات کرنے کی جرات کبھی نہیں کریں گے۔ اور اگر انہوں نے کی بھی تو میں انہیں جھڑک دوں گا اور جہاں تک منیزہ کے خاندان کا تعلق ہے۔ تو میں ان کو ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتا۔ مجبور ہونے کی تو بات دوسری ہے۔ آخر میں لیتا کیا ہوں ان سے کہ میں ان کی بات ماننے پر مجبور ہو جاؤں۔ نہیں ہارون کمال! میرے خاندان میں سے کوئی مجھے سمجھانے کے لیے آگے آنے کی حماقت نہیں کرے گا جو کرے گا، وہ منہ کی کھائے گا۔"

"اب دیکھو تم نے فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہیں کیا کہہ سکتا ہوں...... صرف دعا ہی کر سکتا ہوں تمہارے حق میں اور دوست

کے طور پر تو تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔" ہارون کمال نے انہیں یقین دلایا۔

"اگر میں یہ نہ جانتا کہ رخشی کے ساتھ تمہاری بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے تو شاید میں بھی تمہارے فیصلے پر کچھ جز بز ہوتا مگر رخشی بہت اچھی لڑکی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اچھی بیوی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر منیزہ بھابھی سے تمہاری طلاق ہو بھی جاتی ہے، تب بھی تم رخشی کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہو۔"

ہارون کمال نے ایک ہمدرد دوست کا کردار نبھاتے ہوئے کہا۔ منصور علی نے اسے ممنون انداز میں دیکھا۔

☆☆☆

چودھواں باب

''بیگم صاحبہ، باہر ایک عورت آئی ہے۔ کہہ رہی ہے کہ انہیں آپ سے ملنا ہے۔'' چوکیدار نے اندر آ کر رخشی کو بتایا۔
''نام پوچھ کر آؤ اس عورت کا۔'' رخشی نے چوکیدار سے کہا۔
''نام نہیں بتا رہی وہ...... بہت بدتمیزی سے بات کر رہی ہے۔ میں نے اس سے بار بار اس کا نام پوچھنے کی کوشش کی ہے مگر اس کی ایک ہی ضد ہے کہ آپ اس کا نام کیا اس کو بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔'' رخشی کا ماتھا بے اختیار ٹھنکا۔
''کیا حلیہ ہے اس عورت کا؟'' اس نے چوکیدار سے پوچھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی ایک میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔
چوکیدار نے جواباً اس عورت کا حلیہ اسے بتانا شروع کر دیا۔ رخشی کا اندازہ صحیح ثابت ہوا تھا، وہ منیزہ ہی تھیں۔
رخشی کچھ دیر تک بالکل بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ وہ توقع نہیں کر رہی تھی کہ پچھلی رات کی گفتگو کے بعد منیزہ اگلے ہی دن اس طرح اچانک اس کے گھر آن پہنچیں گی...... منصور علی اس وقت آفس جا چکے تھے اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ رخشی نے اس دن آفس نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا...... مگر اب وہ بے اختیار پچھتائی۔
''تم اس سے کہہ دو کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔'' رخشی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔
''مگر میں تو انہیں بتا چکا ہوں کہ آپ گھر پر ہیں۔'' چوکیدار نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔
''کوئی فرق نہیں پڑتا اس سے۔'' رخشی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''بس تم جا کر اس سے کہہ دو کہ میں گھر پر نہیں ہوں اگر وہ پھر بھی ملنے پر اصرار کرے تو تم اس سے کہہ دو کہ میں اس سے ملنا نہیں چاہتی۔'' رخشی نے ایک بار پھر میگزین اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے جی...... میں جا کر کہہ دیتا ہوں۔'' چوکیدار کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ رخشی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے لیے منیزہ کا وہاں آنا غیر متوقع نہیں تھا۔ صرف اس وقت فوری طور پر آ جانا غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔
''بیگم صاحبہ! وہ عورت بہت شور مچا رہی ہے جانے پر تیار ہی نہیں ہے...... وہ آپ کو بھی ادھر سڑک پر کھڑے ہو کر گالیاں بک رہی ہے...... بہتر ہے آپ اس سے خود بات کر لیں۔'' چوکیدار نے دوبارہ اندر آ کر بے چارگی کے انداز میں کہا صاعقہ نے لاؤنج میں آتے ہوئے چوکیدار کی بات سن لی۔
''کس عورت کی بات کر رہا ہے، یہ کون عورت آئی ہے؟''
''منیزہ۔''
''تو پھر؟''
''تو پھر یہ کہ وہ باہر کھڑی مجھ سے ملنے کے لیے اصرار کر رہی ہے۔ میرے نہ ملنے پر وہ شور کر رہی ہے۔'' رخشی نے کہا۔
''تو تم اس کو اندر بلوا کر بات کر لو...... زیادہ سے زیادہ جھگڑا ہی کرے گی۔''
''نہیں...... میں اس کو اندر تو کسی قیمت پر نہیں بلواؤں گی۔ میں نے یہاں اپنے گھر میں ملازموں کے سامنے تماشا نہیں

لگوانا۔" رخشی نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تو پھر تم کیا کرو گی۔ وہ تم سے بات کیے بغیر تو نہیں ٹلے گی۔"

"میں اس سے انٹر کام پر بات کر لیتی ہوں۔ تم جاؤ جا کر اس سے کہو کہ وہ مجھ سے انٹر کام پر بات کر لے۔" رخشی نے آخری جملہ چوکیدار سے کہا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"آپ بھی بعض دفعہ حد کر دیتی ہیں امی! مجھے اس کو اندر بلوانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ آپ جانتی ہیں اس عورت کو۔ اس عورت نے کیسی زبان استعمال کرنی تھی میرے اور منصور کے بارے میں اور ملازم پوری کالونی میں سب کچھ بتا دیتے۔ کیا عزت رہتی میری یہاں۔" چوکیدار کے باہر نکلتے ہی رخشی صاعقہ سے الجھنے لگی۔

صاعقہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ کچھ متفکر ہو کر اس کے قریب صوفہ پر بیٹھ گئی۔ رخشی اٹھ کر انٹر کام کے پاس گئی اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ گیٹ پر منیزہ کی آواز اس کے کانوں میں آنے لگی۔ وہ چوکیدار کے ساتھ لڑ رہی تھی۔

"کس لیے آئی ہو تم یہاں پر۔" رخشی نے انٹر کام پر منیزہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا دماغ درست کرنے آئی ہوں۔" منیزہ نے جواباً غرا کر اس سے کہا۔ "ایک بار دروازہ کھول کر تم مجھے اندر تو آنے دو۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ یہاں کس لیے آئی ہوں۔"

"یہ میرا گھر ہے...... میں جس کو چاہوں، اندر آنے دوں جس کو چاہوں نہ آنے دوں۔ تم کون ہوتی ہو مجھے دروازہ کھولنے پر مجبور کرنے والی۔"

"اپنا گھر...... شکل دیکھی ہے تم نے اپنی، اپنا گھر؟ کبھی خواب میں بھی تم نے اور تمہاری ماں نے ایسا گھر دیکھا ہے جسے تم اپنا گھر کہہ رہی ہو۔"

"اپنی بکواس بند کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" رخشی نے غصے سے کہا۔

"تمہارے جیسی طوائف سے ملنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ میں تم سے صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ تمہیں جتنی رقم چاہیے، مجھ سے لو اور میرے شوہر کا پیچھا چھوڑ دو۔"

"تمہارا شوہر صرف تمہارا نہیں میرا بھی شوہر ہے۔" رخشی نے کہا۔

"تم جیسیوں کے ایسے بے شمار شوہر ہوتے ہیں۔ تم اس کی جگہ کسی اور کو پھانس لینا، جلد یا بدیر تم نے اس کو چھوڑنا تو ہے ہی تو بہتر نہیں کہ رسوا ہوئے بغیر چھوڑ دو۔" منیزہ نے ہتک آمیز انداز میں کہا۔

"تم چھوڑ دو اس کو، تم کیوں نہیں چھوڑ دیتیں اسے۔" رخشی نے سلگ کر کہا۔

"میں نہیں چھوڑ سکتی اسے، میرے پانچ بچوں کا باپ ہے۔ وہ پورے خاندان کے ساتھ علی اعلان بیاہ کر لایا ہے مجھے۔ خاندانی بیوی ہوں میں اس کی۔ تمہاری طرح چوری چھپے والا نکاح نہیں کیا اس نے میرے ساتھ۔" منیزہ کے لہجے کی حقارت بڑھتی جا رہی تھی۔

"میں اس کو نہیں چھوڑوں گی۔ تم اپنے شوہر سے جا کر کہو کہ وہ مجھے چھوڑ دے۔"

"تم مجھے اندر آنے دو، میں اندر آ کر تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں تم سے اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، یہاں سے چلی جاؤ۔" رخشی نے کہا۔

"تم احسان فراموش ہو رخشی! جانور سے بھی بدتر ہو۔ میری بیٹی سے بھیک لیتی رہی ہو۔ اس کی اترن پہنتی رہی ہو کبھی سوچو ان احسانوں کے بارے میں جو اس نے تم پر کیے تھے۔" منیزہ اور تلملائی۔

"ہاں اترن پہنتی رہی ہوں پہلے تمہاری بیٹی کی...... اب تمہاری چھین لی ہے۔ عادت ہو گئی ہے مجھے احسان لینے کی۔ ایک اور احسان لے لیا ہے میں نے اپنے سر...... جاؤ دفع ہو جاؤ۔" اب رخشی نے سرخ چہرے کے ساتھ کہتے ہوئے انٹر کام پٹخ دیا۔

"میرا دل چاہ رہا ہے۔ میں گیٹ پر جا کر اس عورت کا گلا دبا دوں۔" رخشی نے واپس صاعقہ کے پاس آتے ہوئے کہا۔

"اپنے آپ پر قابو رکھو۔ اتنا غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" صاعقہ نے رخشی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی، خود اس کے اپنے ہاتھوں کے توتے اڑے ہوئے تھے۔

"آپ کو تو پتہ ہی نہیں ہے یہ عورت کس طرح کی زبان استعمال کرتی ہے۔ آپ اس عورت کی زبان سن لیتیں تو آپ کو بھی اس پر میری ہی طرح بلکہ مجھ سے بڑھ کر غصہ آتا۔" رخشی کہتی ہوئی ایک بار پھر صاعقہ کے پاس بیٹھ گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ صاعقہ سے کچھ کہتی، چوکیدار تقریباً بھاگتا ہوا اندر آیا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"بیگم صاحبہ! اس عورت نے سڑک پر لوگوں کو اکٹھا کیا ہوا ہے۔ آس پاس کے گھروں سے نوکر نکل کر گیٹ پر آگئے ہیں۔ وہ آپ کے اور صاحب کے بارے میں بہت بری بری باتیں کر رہی ہے۔" چوکیدار نے بے چارگی سے کہا۔

"کرنے دو، تم گیٹ پر مت جاؤ، اندر ہی رہو۔" رخشی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"وہ گیٹ کو زور زور سے بجا رہی ہے آپ باہر نکل کر دیکھیں، کتنا ہنگامہ مچایا ہوا ہے اس نے بیگم صاحبہ! بہتر ہے کہ اسے اندر بلا کر آپ اس سے بات کر لیں ورنہ وہ کہہ رہی ہے کہ وہ یہاں سے نہیں جائے گی۔" چوکیدار نے رخشی کو مشورہ دیا۔

رخشی اس کے مشورے پر عمل کرنے کے بجائے اٹھ کر لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ پورٹیکو میں آتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ چوکیدار غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ منیزہ نے واقعی باہر طوفان اٹھایا ہوا تھا، وہ بلند آواز میں بول رہی تھی۔

گیٹ کی جھریوں میں سے بہت دور سے بھی اسے منیزہ اور اس سے کچھ فاصلے پر کھڑے لوگ نظر آرہے تھے، منیزہ نے بھی گیٹ کی جھریوں میں سے اسے دیکھ لیا تھا۔ اب اس نے طیش کے عالم میں دروازہ پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ وہ رخشی کو بلند آواز میں گالیاں دے رہی تھی رخشی کو صاعقہ کو، ان کے خاندان کو۔

رخشی کی آنکھوں میں خون اترنے لگا تھا۔ وہ شہر کے ایک پوش علاقے میں رہتی تھی۔ ایسا علاقہ جہاں لوگوں کو ایک دوسروں کے گھروں میں جھانکنے یا ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت کا شوق نہیں ہوتا مگر منیزہ نے اس کے گیٹ کے باہر اتنا شور مچایا ہوا تھا کہ آس پاس کی چند کوٹھیوں کے ٹیرس، کھڑکیوں اور بالکونیاں میں گھر کی خواتین اور مرد آگئے تھے...... بعض گھر میں موجود نوکر کھڑے تھے۔

رخشی گیٹ سے اندر کچھ فاصلے پر کھڑی ان نظروں کی تضحیک اور تحقیر کو اپنے وجود میں سوئیوں کی طرح چبھتا محسوس کر رہی تھی۔ منیزہ نے جیسے سربازار اسے برہنہ کر دیا تھا۔

اسے بہت سال پہلے اپنی گلی میں صاعقہ کی ظفر کے ہاتھوں ہونے والی پٹائی یاد آئی...... سبزیاں اور پھل پوری گلی میں پھیل گئے تھے...... وہ روتے ہوئے سبزیوں کو، پھلوں کو شاپر میں ڈال رہی تھی...... لوگوں کی نظریں تھی...... تمسخر تضحیک وہ پھر پانچ سال کی رخشی بن گئی تھی۔ ماں کو باپ کی پٹائی سے نہ بچا سکنے والی رخشی، سبزیوں اور پھلوں کو اکٹھا کرتے روتی ہوئی رخشی۔

"رخشی! اندر آجاؤ...... یہاں کھڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔" صاعقہ نے اس کا بازو پکڑا۔ رخشی نے جھٹکے کے ساتھ اپنا بازو چھڑا لیا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"نہیں مجھے یہاں سے نہیں جانا۔ مجھے دیکھنا ہے، یہ مجھے اور کیا کہے گی اور کیا کرے گی۔"

"تم دفع کرو اسے۔" صاعقہ نے کہا۔

"نہیں، میں اسے دفع نہیں کروں گی میں صاعقہ نہیں ہوں امی! میں صاعقہ نہیں بنوں گی، میں کبھی صاعقہ نہیں بنوں گی۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"اس عورت کو ہر چیز کی قیمت چکانی پڑے گی۔ ہر چیز کی، اپنی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی۔ میں اسے اس طرح روندوں گی کہ یہ دوبارہ اٹھ نہیں سکے گی۔ اس بار میں، میں صرف سبزیاں اور پھل بچاتی نہیں پھروں گی۔ میں سبزیاں اور پھل اکٹھے نہیں کروں گی، میں ہاتھ پکڑوں گی۔"

کی سمجھ نہیں آئی۔
صاعقہ کو تو اس کی کسی بات کی سمجھ نہیں آئی۔

رُخشی تیز قدموں سے چلتے ہوئے یک دم مڑ کر اندر چلی گئی۔ صاعقہ نے بھی سکون کا سانس لیتے ہوئے اس کی پیروی کی، ورنہ اسے وہاں کھڑے اس طرح مٹھیاں بھینچے اور بڑبڑاتے دیکھ کر وہ پریشان ہونے لگی تھی۔

رُخشی نے لاؤنج میں جا کر بے حد غصے کے عالم میں منصور کا نمبر ملایا۔ صاعقہ نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر اسے دیکھتی رہی جو کارڈلیس پر منصور کا نمبر ملا کر اب کان سے فون لگائے لاؤنج کے چکر کاٹ رہی تھی۔ وہ بالکل بھوکی شیرنی لگ رہی تھی۔ صاعقہ نے اس سے پہلے رُخشی کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

چند لمحوں کے بعد منصور علی نے اپنے موبائل پر رُخشی کی کال ریسیو کر لی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بڑے خوشگوار موڈ میں تھے۔ رُخشی جب بھی آفس نہ جاتی، گھر پر وہ انہیں یا پھر منصور علی اسے فون کرتے رہتے۔ وہ اس وقت بھی اس فون کو اسی نوعیت کا سمجھے تھے۔

"آپ فوراً گھر پر آ جائیں۔" رُخشی نے کسی دعا سلام کے بغیر منصور علی کی آواز سنتے ہی کہا۔ منصور یک دم سنجیدہ ہو گئے۔

"کیا ہوا؟"

"آپ یہاں آئیں، آپ کو پتا چل جائے گا کہ کیا ہوا" رُخشی نے ان سے کہا۔

"رُخشی! مجھے صاف صاف بتاؤ، کیا ہوا ہے؟" منصور علی اب پریشان ہو رہے تھے۔ اس نے رُخشی کا یہ انداز اور لہجہ پہلی بار سنا تھا۔

"آپ کی بیوی یہاں آئی ہوئی ہے۔" رُخشی نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

"کون، منیزہ؟" منصور علی کو اپنی سماعت پر شبہ ہوا۔ "وہ یہاں کیسے آ سکتی ہے۔ اسے گھر کا پتا کیسے چل سکتا ہے۔" منصور علی کے حلق سے بمشکل نکلا۔

"گھر کا پتا......؟ اس عورت نے پوری کالونی کو گیٹ پر اکٹھا کیا ہوا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے یہاں کا پتا کیسے چلا۔" رُخشی کی آواز بے حد بلند تھی۔ "میں نے گیٹ بند کر لیا ہے اور وہ عورت گیٹ پر کھڑی خرافات بک رہی ہے۔ منصور! آپ فوراً یہاں آئیں، فوراً۔" منصور علی دوسری طرف دم سادھے اس کی آواز سن رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ منیزہ اس طرح کی حرکت کر سکتی ہے۔

"تم نے اسے جانے کے لیے کہنا تھا۔"

"اسے جانا ہوتا تو وہ یہاں آتی کیوں۔ وہ صرف مجھے ذلیل کرنے کے لیے یہاں آئی ہے۔"

"تم اسے اندر بلا لو۔"

"میں اسے اندر بلا لوں۔ اس عورت کو گیٹ کھول کر اندر بلا لوں؟" رُخشی کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔ "کیوں بلاؤں میں اسے، یہ کس کا گھر ہے؟ اس کا...... یا میرا......؟"

"رُخشی! تم صورت حال کی نزاکت کو سمجھو۔" منصور علی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"بھاڑ میں جائے صورت حال اور اس کی نزاکت۔" رُخشی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں صرف یہ چاہتی ہوں، آپ یہاں آئیں اور اس عورت کو یہاں سے لے جائیں، ورنہ میں اسے گولی مار دوں گی۔"

"رُخشی! میں وہاں آؤں گا تو وہ اور تماشا کرے گی۔ میں کیسے لے کر جاؤں گا اسے۔ تم اس کی زبان کو نہیں جانتیں، وہ بولنے پر آئے تو پتا نہیں کیا کیا کہہ دیتی ہے۔"

"اتنا ڈرتے ہیں آپ اس سے، اتنا خوفزدہ ہیں...... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا ہوں۔" منصور علی نے کچھ ناراض ہو کر اس کی بات کاٹی۔ "مگر وہاں تمہارے گھر کے دروازے پر جا کر میں اس سے لڑوں گا تو تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی بدنامی ہو گی۔"

"میرے ساتھ ساتھ آپ کی بدنامی کیوں نہ ہو؟" رُخشی کو جیسے آگ لگ گئی۔ "یہ کیس ہی بدنامی کا ہے، جو ہم دونوں کیں

رہے ہیں۔ منہ کالا ہوگا تو دونوں کا ہوگا، دونوں کا ہی ہونا چاہیے۔"

"میں نے تم سے شادی کی ہے، یاد رکھنا چاہیے تمہیں۔" منصور کو اس کے جملے پر اشتعال آیا۔

"آپ کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آپ نے مجھ سے شادی کی ہے۔ میرے کچھ حقوق ہیں آپ پر۔ آپ کی پہلی بیوی میرے ہی گھر کے گیٹ پر جو کچھ میرے اور آپ کے بارے میں کہہ رہی ہے وہ......"

منصور نے اس کی بات کاٹی۔ "وہ پاگل ہے، اسے چھوڑو...... میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"نہیں، وہ پاگل نہیں ہے۔ وہ بے حد سمجھدار ہے۔ پاگل میں ہوں جو چوروں کی طرح اس کا بک میں چھپ کر بیٹھی ہوں۔ سنا چاہتے ہیں، وہ عورت کیا کچھ کہہ رہی ہے آپ کے بارے میں، میرے بارے میں، سنیں۔" وہ برہمی کے عالم میں انٹر کام کی طرف گئی اور اس نے کارڈلیس کو انٹرکام کے ریسیور کے پاس کر دیا۔ انٹرکام گیٹ پر منیزہ کا شور اور گیٹ پر ہاتھ مارنے کی آوازیں منصور علی تک پہنچانے لگا۔

"منصور علی ان آوازوں کو سنتے ہوئے یہ تو نہیں جان پا رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہی ہے کیونکہ منیزہ کے عقب میں اور بہت سی آوازوں کا شور بھی تھا مگر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ منیزہ نے واقعی وہاں ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ زندگی میں اس سے پہلے انہوں نے منیزہ کے لیے اتنی نفرت محسوس نہیں کی جتنی اس وقت کی تھی۔ رخشی اگر اس وقت اسے شوٹ کر دینے کی خواہش رکھتی تھی تو شاید وہ خود وہاں ہوتے تب بھی یہی کرتے۔

"رخشی! تم تحمل اور برداشت سے کام لو...... میں اس عورت کو سبق سکھاؤں گا۔ ایسا سبق کہ یہ ہمیشہ یاد رکھے گی۔"

رخشی نے انٹرکام کا ریسیور دوبارہ رکھ دیا۔ "اس سے زیادہ تحمل اور برداشت اور کیا ہو سکتی ہے کہ میں گیٹ پر اس عورت کی دو بدو نہیں کھڑی، یہاں اندر بیٹھی ہوں۔" رخشی غرائی۔

"تم اندر ہی رہو، وہ کتنی دیر گیٹ بجائے گی اور اس طرح شور شرابا کرے گی۔ خود ہی تھک کر تنگ آ کر چلی جائے گی۔" منصور علی نے کہا۔

"اور اگر وہ نہ گئی تو......؟"

"چلی جائے گی، یہاں کتنی دیر رہے گی۔"

"اور تب تک میں اس گیٹ سے دوبارہ کبھی باہر نکلنے کے قابل نہیں رہ سکوں گی، اس کالونی میں کسی کو منہ نہیں دکھا سکوں گی۔ منصور علی صاحب! آپ کو ابھی اور اسی وقت یہاں آنا ہے، یہاں آ کر لوگوں کو بتانا ہے کہ میں آپ کی کون ہوں۔" رخشی کے لہجے کی تلخی بڑھ گئی۔

"رخشی! میرا اس وقت وہاں آنا مناسب نہیں ہوگا۔ آخر تم اس بات کو سمجھتی کیوں نہیں۔"

"آپ مجھے مشکل وقت میں اکیلا چھوڑ رہے ہیں؟" رخشی کے غضب میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

"کون چھوڑ رہا ہے تمہیں مشکل میں؟"

"آپ کو مجھے لوگوں کے سامنے بیوی ماننے میں عار ہے۔"

"رخشی! مجھے غلط مت سمجھو۔"

"کیا حیثیت ہے آپ کی زندگی میں میری؟" وہ بلند آواز میں چلائی۔

"رخشی پلیز! میری بات سنو۔"

"نہیں۔ مجھے اس وقت وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔" رخشی نے اسی انداز میں اس کی بات کاٹی "مجھے اپنے گیٹ کے باہر منصور علی کی ضرورت ہے جو اس عورت کے منہ پر تھپڑ مار کر اس کا منہ بند کر دے۔"

منصور کچھ بول نہیں سکے، ان کے پیروں کے نیچے سے جیسے زمین نکل رہی تھی۔

"آپ سن رہے ہیں میری بات؟"

"رخشی! میں تمہیں کچھ دیر بعد دوبارہ فون کرتا ہوں، ابھی تم غصے میں ہو، میری بات نہیں سمجھو گی۔"

منصور علی نے موبائل آف کر دیا۔ رخشی بے یقینی کے عالم میں ہاتھ میں پکڑے ہوئے فون کو دیکھنے لگی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ منصور علی اس طرح اس سے بات کرنے، اس کی بات سننے کے بجائے فون بند کر دیں گے۔ اس نے طیش کے عالم میں دوبارہ کال ملانے کی کوشش کی، منصور کا موبائل آف تھا۔ انہوں نے یقیناً دانستہ طور پر اپنے موبائل کو آف کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ رخشی دوبارہ فون کرنے کی کوشش کرے گی۔ رخشی کا غصہ اور بڑھ گیا۔ اس نے یکے بعد دیگرے اس کے آفس کے نمبر ملانے شروع کر دیے۔ آپریٹر نے اسے منصور علی کے آفس میں نہ ہونے کے بارے میں بتایا۔ رخشی کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ منصور علی اب اسے نظر انداز کر رہے تھے۔ وہاں ہوتے ہوئے بھی اس سے بات نہیں کر رہے تھے۔ اس سے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اگلے کئی منٹ آپریٹر کے ساتھ الجھتی رہی پھر اس نے یک دم جیسے آگ بگولہ ہوتے ہوئے پوری قوت سے فون کو دیوار پر دے مارا۔

"رخشی خود پر قابو رکھو۔" صاعقہ نے یک دم اٹھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ منصور علی کے ساتھ ہونے والی اس کی ساری گفتگو سن چکی تھی اور اسے اندازہ تھا کہ منصور اگر اس وقت وہاں آ جاتے تو یہ صورتِ حال کو زیادہ خراب کرتا۔ رخشی جیسے غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ جواب دینے کے بجائے ڈرائنگ روم میں موجود چیزیں اٹھا اٹھا کر توڑنا شروع کر دیں۔

صاعقہ کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔ "رخشی...... رخشی...... کیا ہو گیا ہے تمہیں، کیا کر رہی ہو تم؟"

"میں...... میں پاگل ہو گئی ہوں۔" اس نے کرسٹل کا ایک گلدان پوری قوت سے کھڑکی کے شیشے پر مارتے ہوئے کہا۔

"کیوں توڑ رہی ہو چیزوں کو، اتنی قیمتی چیزوں کو۔" صاعقہ پریشان ہو گئی۔

"کیا قیمت ہے ان چیزوں کی...... امی! کیا قیمت ہے؟" وہ یک دم ایک اور ڈیکوریشن پیس اٹھاتے اٹھاتے رک گئی۔ "میری عزت سے زیادہ قیمتی ہے یہاں کی کوئی چیز؟" اس کا سانس غیر ہموار تھا۔ "یہ...... یہ...... یا یہ...... ؟ کون سی ایسی چیز ہے جو میری عزت سے زیادہ قیمتی ہے؟ میں نے اس آدمی سے شادی کی ہے...... اور یہ آدمی...... یہ آدمی وقت آنے پر چوہوں کی طرح منہ چھپا کر بیٹھ گیا ہے۔" وہ بری طرح چلا رہی تھی۔ "؟؟ بزدل...... کمینہ...... ذلیل......"

"میں نے تمہیں اس شادی سے منع کیا تھا۔" صاعقہ نے دبے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"ہاں کیا تھا منع۔" وہ ایک بار پھر چلائی۔ "نہیں مانی میں نے آپ کی بات...... پھر...... ٹھیک کیا میں نے جو کچھ کیا۔ کوئی پچھتاوا نہیں ہے مجھے۔"

"تو پھر اب چلا کیوں رہی ہو، کیوں چیزیں توڑ رہی ہو؟ آرام سے بیٹھ جاؤ۔" صاعقہ نے اس بار قدرے بلند آواز میں کہا۔

"میں یہاں کی ہر چیز توڑ دوں گی، ہر چیز...... منصور علی کو پتا تو چلنا چاہیے کہ...... کہ......" وہ ایک بار پھر غصے سے آپے سے باہر ہوتے ہوئے وہاں پڑی باقی چیزوں کو اٹھا کر پھینکنے لگی۔

"آپ دیکھنا ایک دن میں، میں اس شخص کو کس طرح خوار کروں گی۔" وہ چیزیں پھینکتے پھینکتے پھر رک کر چلانے لگی۔ "یہ...... یہ آدمی میری حفاظت کرنے کے بجائے ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ گیا ہے۔ میں...... میں...... میں اسے ایک دن اس طرح چھوڑوں گی کہ...... کہ یہ ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکے گا۔ معذور اور محتاج کر دوں گی میں اسے، آپ دیکھ لینا۔" رخشی کے جملوں میں اب غصے کی وجہ سے بے ربطی تھی۔

"تم منصور کی مجبوری بھی تو سمجھو۔" صاعقہ نے رخشی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"منصور کی مجبوری؟...... وہ مجبور ہے؟ وہ مجبور ہے؟" وہ ایک بار پھر چلانے لگی۔ "شادی کرتے وقت مجبور نہیں تھا، مجھ سے افیئر چلاتے ہوئے مجبور نہیں تھا، اپنی بیوی کی حفاظت کرتے وقت مجبور ہو گیا ہے۔"

"رخشی! وہ یہاں آئے گا تو واقعی منیزہ اور ہنگامہ کھڑا کرے گی، وہ گیٹ پر کھڑے ہجوم کے سامنے اسے کیا کہے گی۔"

”آپ...... آپ اس کی حمایت مت کریں۔ ایک لفظ تک مت کہیں اس کے لیے۔ وہ...... وہ شخص اس قابل نہیں ہے۔ جھوٹا...... فریبی...... مکار...... دھوکے باز......“ رخشی ایک بار پھر چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگی۔

لاؤنج اس وقت بے حد ابتر حالت میں تھا، گھر کے اندر موجود کسی ملازم نے وہاں آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ رخشی کی گفتگو وہ سن رہے تھے اور وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ لاؤنج میں کیا ہو رہا تھا۔ انہیں ویسے بھی لاؤنج کے اندر ہونے والے واقعات سے زیادہ باہر گیٹ پر ہونے والے تماشے سے زیادہ دلچسپی تھی، جہاں منیزہ کی زبان سے منصور علی اور رخشی کے بارے میں ہونے والے قابل قدر انکشافات ان کی معلومات میں اضافے کا باعث بن رہے تھے۔ یہ ویسے بھی ان سب کی زندگیوں میں ہونے والا ایک خاصا نادر اور غیر معمولی واقعہ تھا اور وہ اس کے بارے میں جتنی چہ میگوئیاں کرتے وہ کم تھیں۔

منیزہ اگلے دو گھنٹے اسی طرح گیٹ کے باہر چلاتی رہیں۔ جب وہ تھک جاتیں تو گیٹ بجانا یا بیل بجانا روک دیتیں اور پھر کچھ دیر کے بعد دوبارہ اسی طرح بولنا اور چلانا شروع کر دیتیں پھر تھک ہار کر دو گھنٹے کے بعد وہ اسی طرح بکتے جھکتے اپنے ڈرائیور کے ساتھ واپس چلی گئیں جو خود بھی بے حد خوفزدہ ہو رہا تھا کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ منصور علی بیگم صاحبہ کو وہاں لانے پر اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے تھے۔

☆☆☆

”کہاں ہوتی ہو تم آج کل، فون ہی نہیں کر رہیں؟“ طلحہ نے شکوہ کیا۔ ”میں فون کرتا ہوں تو تم ملتی نہیں، آخر پرابلم کیا ہے۔“

امبر نے کچھ دیر پہلے ہی اسے فون کیا تھا۔ ”بہت بڑا پرابلم ہے۔“ امبر نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

”خیریت ہے، کیا ہو گیا۔“ طلحہ کو تشویش ہوئی۔

”مجھے تو تمہیں بتاتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔“

”کیا ہوا امبر...... کیا ہوا؟“ طلحہ پریشان ہو گیا۔

”پاپا نے......“ وہ بات کرتے کرتے رک گئی۔

”پاپا نے کیا...... بات تو مکمل کرو۔“ وہ جھلایا۔

”طلحہ! پاپا نے دوسری شادی کر لی ہے۔“ طلحہ کے سر پر جیسے بم آن گرا۔

”کیا؟“

”ہاں...... انہوں نے رخشی کے ساتھ دوسری شادی کر لی ہے۔“

”او مائی گاڈ! یہ کیا ہو گیا۔ تمہیں کس نے بتایا۔“ طلحہ یہ سن کر پریشان ہو گیا۔

”رخشی نے۔“

”وہ...... وہ...... ہو سکتا ہے۔“ اس نے جھوٹ بولا۔

”اور پاپا...... کیا وہ بھی جھوٹ بولیں گے۔“

”کیا...... کیا منصور چچا نے اعتراف کر لیا ہے اس شادی کا۔“

”ہاں، جب شادی کر لی تو اعتراف میں کیا عار رہا انہیں۔“

”کیا ہو گیا ہے منصور چچا کو، کیوں کیا ہے انہوں نے یہ سب کچھ۔“ طلحہ اب بے حد الجھا تھا۔

”یہ سب کچھ تو ہونا ہی تھا۔ تم لوگوں نے پاپا کی ہر بات کو ہم سے چھپایا، نہ چھپاتے تو حالات کبھی یہاں تک نہیں پہنچتے۔“ امبر کے لہجے میں اس بار تلخی تھی۔

”فار گاڈ سیک امبر! ہم نے کیا چھپایا؟“

”تم لوگوں نے ہمیں یہ کبھی نہیں بتایا کہ پاپا رخشی کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔“

"میں...... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"جھوٹ مت بولو، شبانہ آنٹی نے ممی کو پاپا اور رمشی کے تعلقات کے بارے میں بتایا اور تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں کچھ پتا نہیں۔"

"امبر! میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ منصور چچا اس عمر میں اس طرح کی حرکت کر سکتے ہیں اور وہ بھی تمہاری دوست کے ساتھ شادی...... جب مجھے شک ہی نہیں تھا تو میں منصور چچا اور رمشی کی آپس میں بے تکلفی کے بارے میں تمہیں کیا بتاتا۔" وہ اب سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"اور فرض کرو، میں بتا بھی دیتا تو کیا تمہیں کبھی یقین آتا، کبھی نہیں آتا۔ تم رمشی کے بارے میں کچھ بھی سننے پر تیار نہیں ہوتیں۔"

"پلیز طلحہ! کم از کم تم تو اس طرح کی بات نہ کرو۔ ممی پہلے ہی اس ساری صورتِ حال کا ذمہ دار مجھے ٹھہرا رہی ہیں۔"

"وہ اور کیا کریں، کس کو ذمہ دار ٹھہرائیں۔"

"میں نے پاپا کو رمشی کو اپنے پاس سیکریٹری رکھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔"

"مگر تم نے اس کی سفارش تو کی تھی۔" طلحہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے وہ لڑکی شروع سے ہی کبھی اچھی نہیں لگی۔ میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ ایسی لڑکیوں سے زیادہ میل جول بڑھانا ٹھیک نہیں ہے مگر تب تم نے میری بات نہیں سنی۔ تمہیں لگتا تھا میں اس کی غربت کی وجہ سے اسے ناپسند کر رہا ہوں ورنہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"پلیز طلحہ! بس کرو، اب بس کرو۔ میں ممی سے بھی دن رات یہی سنتی رہتی ہوں، تمہیں میں نے اس لیے تو فون نہیں کیا کہ تم بھی مجھے ذلیل کرنا شروع کر دو۔"

"میں تمہیں ذلیل نہیں کر رہا۔ میں تو صرف حقیقت بتا رہا ہوں۔ بہر حال اب بتاؤ کہ آگے کیا کرنا ہے۔"

"میں چاہتی ہوں تم مسعود انکل سے بات کرو، انہیں یہ سب کچھ بتاؤ، ان سے کہو کہ وہ پاپا سے بات کریں اور رمشی سے ہماری جان چھڑائیں۔"

"امبر! منصور چچا تم سے بڑی محبت کرتے ہیں، تمہاری بات وہ کبھی نہیں ٹالتے۔" طلحہ کو اچانک خیال آیا۔ "تم کیوں اس سلسلے میں ان سے بات نہیں کرتیں۔"

"وہ...... میری بات ماننے پر تیار نہیں ہیں، تم نہیں جانتے طلحہ! انہوں نے زندگی میں پہلی بار مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ وہ رمشی کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں ہیں۔" امبر کی آواز بھرا گئی۔

"منصور چچا کو آخر کیا ہو گیا ہے۔ لوگوں کو پتا چلے گا تو کیا عزت رہ جائے گی ہماری فیملی کی۔" طلحہ ناگواری سے بڑبڑایا۔ "اگر اتنا ہی شوق تھا تو بات افیئر تک ہی رہنے دیتے، شادی کرنا ضروری تھی۔"

"تم مسعود انکل سے کہو، وہ پاپا کو سمجھائیں۔"

امبر نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا پیغام پاپا کو دے دوں گا مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" طلحہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "منصور چچا اگر تمہاری بات نہیں مان رہے تو پاپا کی کیسے مانیں گے۔"

"وہ ان کے بڑے بھائی ہیں۔"

"تم ان کی بیٹی ہو۔"

"بیٹی اور بڑے بھائی میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"منصور چچا نے کبھی پاپا کو بہت اہمیت نہیں دی، یہ ایک اتفاق ہی ہے۔ پاپا ان کے بڑے بھائی ہیں۔" طلحہ نے کہا۔ "پھر بھی...... وہ ان کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آسکتے جس طرح ہمارے ساتھ رویہ رکھتے ہیں۔"

''میں پاپا سے بات کروں گا، یہ عجیب مصیبت آن پڑی ہے۔ تمہاری رخصتی کے بجائے منصور چچا کو اپنی پڑ گئی ہے۔''
امبر اس بات طلحہ کے جملے پر کچھ بول نہیں سکی۔
''خیر تم پریشان مت ہو، میں پاپا سے بات کرتا ہوں اور کل ممی کو تمہارے ہاں آنے کو کہوں گا۔''
''نہیں، انہیں آنے کو مت کہنا۔'' امبر نے فوراً کہا۔ ''ممی پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہیں، ان کے آنے پر اور ڈسٹرب ہوں گی۔''
''ٹھیک ہے جیسا تم کہو مگر بہتر یہی ہے کہ تم منصور چچا سے ایک بار خود دوبارہ بات کرو۔'' طلحہ نے مشورہ دیا۔
''ابھی کسی کو ان کی شادی کا پتا نہیں ہے، وہ رخشی کو طلاق دے دیں تو بات یہیں دب سکتی ہے، ورنہ یہ تو ایک بہت بڑا اسکینڈل بن جائے گا۔ تم کو رخشی سے بھی تو بات کرنی چاہیے تھی، اسے کچھ شرم دلاتیں۔''
''کر چکی ہوں میں اس سے بات۔'' امبر نے مردہ دلی سے کہا۔ ''وہ پاپا کو کبھی نہیں چھوڑے گی۔ اس کے ہاتھ تو سونے کی کان آ گئی ہے۔ وہ اتنی احمق تو نہیں ہے کہ سونے کی اس کان کی ملکیت کو میرے جیسی بے وقوف دوست کے کہنے پر چھوڑ دے۔ پاپا نے اسے گھر بھی لے دیا ہے، اس کے نام کر دیا ہے۔''
''یہ تم سے کس نے کہا؟''
''اس نے خود بتایا۔''
''ہاں نوازشات تو منصور چچا شروع سے ہی اس پر بہت کرتے رہے ہیں۔ ہم لوگ یہ سمجھتے رہے کہ وہ تمہاری دوست ہے، اس لیے وہ اسے یہ اسپیشل ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں۔''
''مسعود انکل کو تو پتا تھا کہ پاپا اور رخشی کا افیئر چل رہا ہے، شبانہ آنٹی نے خود ممی کو بتایا پھر انہوں نے شروع میں ہی کیوں ہمیں نہیں بتا دیا۔''
''مجھے نہیں پتا کہ پاپا کو اس بارے میں کتنی معلومات تھیں اور اگر وہ اس سارے معاملے کو جانتے تھے تو انہوں نے کیوں تم لوگوں کو نہیں بتایا مگر امبر! میں پھر بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ سب کچھ تمہاری حماقت کی وجہ سے ہوا۔ تمہیں رخشی جیسی لڑکی کو منصور چچا تک نہیں پہنچانا چاہیے تھا۔'' امبر خاموش رہی، اس نے اس بار طلحہ کو ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔
''ایسی لڑکیاں یہی سب کچھ کرنے کے لیے موقع کی تاک میں ہوتی ہیں۔ پتا نہیں کیسے پھانسا ہے اس نے منصور چچا کو۔''
''یہ سب پاپا کا قصور ہے، وہ اچھے ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ رخشی انکی بیٹی کی عمر کی تھی۔ وہ اسے بیٹی سمجھتے تو کچھ بھی نہ ہوتا مگر وہ...... وہ خود اچھے انسان نہیں تھے ہوتے تو رخشی لاکھ کوشش کرتی، وہ اس کے جال میں نہ پھنستے۔''
''تم رخشی جیسی لڑکیوں کے چکروں اور فریبوں کو نہیں جانتیں۔''
''مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں صرف یہ جانتی تھی کہ میرا باپ میرا آئیڈیل تھا۔ میں ان کو جو سمجھتی تھی وہ سب غلط تھا۔ وہ بھی ایک بہت عام سے آدمی تھے، بہت عامیانہ سوچ اور ذہنیت رکھنے والے آدمی۔'' وہ بات کرتے کرتے رونے لگی پھر اس نے کریڈل دبا کر رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

''منصور چچا نے رخشی کے ساتھ دوسری شادی کر لی ہے۔'' طلحہ نے شبانہ کو اطلاع دیتے ہوئے کہا وہ ابھی گھر آیا تھا۔
''کیا کہہ رہے ہو۔'' شبانہ کا دل بلیوں اچھلا۔
''امبر نے اطلاع دی ہے مجھے، میں نے پاپا کو بلوایا ہے، وہ گھر آتے ہیں تو میں یہ معاملہ ان کے ساتھ ڈسکس کرتا ہوں۔''
''دیکھو ذرا تم منصور کو...... یہ عمر تھی اس کی شادی کی، خاندان کی ناک کٹوا دی اس نے۔'' شبانہ نے اپنی اندرونی مسرت کو چھپاتے ہوئے کہا۔ یہ تصور کہ منیزہ کی راجدھانی اس سے چھن گئی ہے، ان کو محظوظ کر رہا تھا مگر طلحہ کے سامنے وہ اس خوشی کا اظہار نہیں کر سکتی تھیں۔

''مجھے تو اسی دن شک ہو گیا تھا جب میں نے منصور کو اس لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔'' شبانہ نے اپنی بات جاری رکھی۔

''جو بے تکلفی وہ دکھا رہی تھی، وہ ایسے ہی نہیں دکھائی جاتی۔ ارے خود بتاؤ کوئی سیکریٹری کے ساتھ اس طرح گلچھرے اڑاتا پھرتا ہے۔'' شبانہ بولتی رہیں۔

''اور آپ نے فوراً منیزہ چچی کو سب کچھ بتا دیا۔'' طلحہ نے ناراضی سے ماں کو دیکھا۔

''تو اور کیا کرتی، میں نے کچھ غلط تو نہیں کیا۔''

''اور اب امبر اور منیزہ چچی سمجھ رہی ہیں کہ ہم نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان سے سب کچھ چھپایا۔''

''لو اس میں بھلا ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم پہلے انہیں کچھ بتاتے، تب بھی برا بنتے۔ اب بتایا ہے تو اب بھی برا بن رہے ہیں۔'' شبانہ ناراض ہوئیں۔ ''منیزہ کو تو اپنے شوہر کو الزام دینا چاہیے، اس تمام معاملے کے لیے یا پھر امبر کو...... جس نے رخشی کو منصور کے ہاں ملازمت دلوائی، ہمارا اس میں کیا قصور۔''

''یہ تو آپ کہہ رہی ہیں اور ویسے آپ کو ضرورت کیا تھی منیزہ چچی سے اتنی ہمدردی جتانے کی۔ آپ انہیں کچھ نہ بتاتیں تو کم از کم ہم کہہ سکتے تھے کہ ہمیں اس معاملے کا کچھ پتا نہیں مگر آپ نے انہیں سب کچھ بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ پاپا نے آپ کو کچھ بھی منیزہ چچی کو بتانے سے منع کیا ہے۔'' طلحہ نے جھلا کر کہا۔

''اب تم یہ سب کچھ اپنے باپ کو بتانے مت بیٹھ جانا۔'' شبانہ یک دم خائف ہوئیں۔

''انہوں نے مجھے منیزہ کو کچھ بھی بتانے سے منع کیا تھا۔''

''خیر پاپا کو تو اب سب کچھ بتانا ہی پڑے گا۔'' طلحہ نے صاف گوئی سے کہا۔ ''آپ یا میں نہیں بتائیں گے تو منیزہ چچی بتا دیں گی، بہتر ہے ہم پہلے ہی انہیں ذہنی طور پر اس کے لیے تیار کر دیں۔''

''میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب آگے کیا ہو گا۔ منصور نے شادی تو کر لی ہے مگر اب جائیداد کا کیا ہو گا، کہیں اس نے رخشی کے نام جائیداد کر دی تو۔'' شبانہ کو فکر ہونے لگی۔

''اس کام کا آغاز وہ کر چکے ہیں۔ امبر بتا رہی تھی کہ انہوں نے کوئی گھر اسے خرید کر دیا ہے۔'' طلحہ نے بتایا۔

''اس کے نام کر دیا ہے؟''

''یہ تو میں نے اس سے نہیں پوچھا۔''

''لیکن اگر خرید کر دیا ہے تو نام کر دیا ہو گا۔ رخشی بڑی تیز لڑکی ہے، کچھ نہ کچھ تو اس شادی کے عوض اس نے لیا ہی ہو گا۔''

''اور اگر اس نے فیکٹری بھی اس کے نام کر دی تو۔'' شبانہ اور ڈریں۔

''خیر منصور چچا اتنے بے وقوف نہیں ہیں کہ فیکٹری اس کے نام کر دیں۔''

''بے وقوفی کا تم مت کہو، عقل آتے دیر لگتی ہے، جاتے نہیں۔ فرض کرو، کل کو وہ فیکٹری بھی اس کے نام کرا دیتا ہے تو ہم لوگوں کا کیا ہو گا۔''

''پاپا کو چاہیے، وہ منصور چچا سے بات کریں کہ وہ رخشی کو طلاق دے دیں۔''

''ہاں، کل کو اگر اس کے ہاں کوئی اولاد اور وہ بھی بیٹا ہو گیا تو مسئلہ ہو جائے گا۔'' شبانہ نے کہا۔

''آپ اور پاپا دونوں اس سلسلے میں منصور چچا سے بات کریں۔'' طلحہ نے کہا۔

''میں ایک بات تمہیں صاف صاف بتا رہی ہوں، اگر منصور نے جائیداد کے معاملے میں اس طرح کی کوئی حرکت کی تو میں اس کی بیٹیوں کو اس گھر میں نہیں لاؤں گی۔ یہ تم کان کھول کر سن لو۔'' طلحہ خاموشی سے ماں کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

منصور علی نے موبائل آف کر دیا اور موبائل آف کرنے کے ساتھ ہی انہوں نے انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر آپریٹر سے کہا۔

''جس کا بھی فون آئے، تم بتا دینا کہ میں آفس میں نہیں ہوں۔ چاہے رخشی ہی کا فون کیوں نہ ہو۔''

آپریٹر اور آفس کے لوگ اگرچہ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ منصور علی رخشی سے شادی کر چکے ہیں مگر وہ رخشی اور منصور کے تعلقات کی ''خصوصی نوعیت'' کو ضرور جانتے تھے۔ اب اس وقت منصور کی یہ اچانک آنے والی ہدایت ان کے لیے حیرت کا باعث بنی تھی۔

''اوکے سر!'' آپریٹر نے مستعدی سے جواب دیا اور اگلے ہی کچھ لمحوں کے بعد جب اس نے یکے بعد دیگرے بار بار رخشی کی کالز اٹینڈ کیں تو اسے معاملے کی نزاکت کا احساس ہونے لگا۔

منصور علی خود اپنے آفس میں کسی بھوکے شیر کی طرح...... چکر کاٹ رہے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ انہیں رخشی سے بے حد محبت تھی۔ کم از کم یہ وہ بات تھی جس میں کوئی شبہ نہیں تھا مگر وہ اتنے دلیر نہیں تھے کہ وہ رخشی کے کہنے پر اس طرح اسے بچانے کے لیے وہاں چل پڑتے۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھے بیٹھے بھی اندازہ لگا سکتے تھے کہ ان کے وہاں پہنچنے پر منیزہ سے انہیں کس طرح کی گفتگو سننی پڑ سکتی تھی۔ ان کی جگہ کوئی بیس پچیس سال کا آدمی ہوتا تو شاید رخشی کے لیے دل میں اس طرح کے جذبات کی موجودگی میں بے خوف وخطر اندھا دھند اس کی کال ملنے پر چل پڑتا مگر پینتالیس سال کی عمر میں انسان کی عقل ہر وقت اس کے پاس رہنے لگتی ہے اور دل کے معاملات بھی اس کی دسترس سے باہر نہیں رہتے، اسی لیے منصور علی بھی رخشی کے گھر کے بجائے اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے۔

وہ کمرے کے چکر لگاتے ہوئے بار بار اپنی ایک ہاتھ کی مٹھی کو دوسرے ہاتھ پر مار رہے تھے۔ وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ رخشی ان کے اس طرح فون بند کر دینے پر کس طرح کی کیفیات سے دوچار ہوئی ہوگی اور اس وقت ان کے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی اور وہ تصور کی آنکھ سے اپنے آپ کو معذرتیں کرتے بھی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ان لفظوں کی تلاش بھی شروع کر دی تھی جو انہیں رخشی کے پاس پہنچنے پر آج اس کے سامنے بولنے تھے۔

اور پھر اچانک اس طرح اضطراب اور بے چینی کے عالم میں ٹہلتے ٹہلتے انہیں ہارون کمال کا خیال آیا، وہ رک کر اپنے موبائل کی طرف گئے اور ہارون کے موبائل پر اسے کال کرنے لگے۔ ہارون نے ان کی کال گاڑی میں سنی تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہاں سے نکل کر اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا۔

''ہاں منصور...... کیا بات ہے۔'' ہارون نے منصور کی آواز سنتے ہی پوچھا۔ منصور نے مختصر الفاظ میں اپنا مسئلہ بیان کیا۔ ہارون کمال کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ ابھر آئی تو وہ ڈرامہ شروع ہو چکا تھا جس کا اسے انتظار تھا۔

اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے اس نے بے حد تشویش کا اظہار کیا۔

''ویری بیڈ! میں منیزہ بھابھی سے اس طرح کی حرکت کی توقع نہیں کرتا تھا۔''

''اب تمہیں اندازہ ہوا ہوگا، یہ کس طرح کی جاہل عورت ہے جس کے ساتھ میں نے اپنی ساری زندگی ضائع کر دی۔'' منصور علی کو اپنے غصے کا اظہار کا موقع مل گیا۔

''ہاں، میں اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہوں۔ شائستہ ایسی حرکت کرے تو میں تو......''

''شائستہ بھابھی اور منیزہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شائستہ بھابھی اس جیسی چھچھوری حرکتیں کبھی نہیں کر سکتی، وہ کبھی اس طرح کی گھٹیا زبان بھی نہیں بول سکتیں جیسی یہ عورت استعمال کر رہی ہے مگر تم مجھے بتاؤ کہ اب میں کیا کروں۔''

''دیکھو، رخشی کا غصہ بالکل ٹھیک ہے۔ منیزہ بھابھی نے اس کی پوزیشن بے حد آکورڈ کر دی ہے۔'' ہارون کمال نے گاڑی کی پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا لی وہ مزید مطمئن ہو گیا تھا۔

''دوسری شادی کوئی جرم تو نہیں کہ اس پر اس طرح کے ری ایکشن کا اظہار کیا جائے اور پھر منیزہ بھابھی کو جو بات کرنی ہے، وہ تم سے کریں۔ رخشی بے چاری کا اس سارے معاملے میں کیا قصور ہے۔ اس نے تو تمہارے کہنے پر تم سے شادی کی ہے، ورنہ وہ تو رضامند ہی نہیں تھی۔''

"میں جانتا ہوں، وہ غصہ کرنے میں حق بجانب ہے لیکن وہ میری صورت حال کو بھی تو سمجھنے کی کوشش کرے۔" منصور علی نے بے چینی کے عالم میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میں اس وقت اگر وہاں جاؤں گا تو منیزہ میرے ساتھ بھی اسی طرح کا برتاؤ کرے گی، تم کو اس کے مزاج کا اندازہ نہیں ہے۔"

"نہیں، خیر اب تو مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہے۔"

"اسے تو رخشی کے گھر دوبارہ نہیں آنا، نہ ہی اس کالونی میں رہنا ہے مگر مجھے تو وہیں جانا ہے، بار بار...... مجھے وہاں کے لوگوں، ان کی نظروں، ان کی باتوں کا سامنا کرنا ہے اور میں جانتا ہوں وہ یہ سب کچھ اسی لیے کر رہی ہے تاکہ میں اور رخشی وہاں نہ رہ سکیں۔"

"خیر، یہ تو بچکانہ سوچ ہے۔ ظاہر ہے رخشی قانونی طور پر تمہاری بیوی ہے، تم اسے اس طرح کے ردِ عمل سے گھبرا کر چھوڑ تو نہیں سکتے۔" ہارون کمال نے جیسے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

'میں اسے چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں رہا۔" منصور نے فوراً کہا۔ "میں صرف تم سے یہ سب کچھ ڈسکس کرنا چاہتا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے، ان تمام حالات میں۔"

"فی الحال تو تم نے جو کیا ہے، ٹھیک ہی کیا ہے۔ وہاں اس وقت تمہارا جانا مناسب نہیں ہے۔" ہارون کمال نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بظاہر ہمدردانہ انداز میں ان سے کہا۔ کچھ دیر بعد جب بھابھی وہاں سے چلی جائیں تو تم رخشی کے پاس جانا اور اس سے معذرت کر لینا۔"

"یہ تو میں کروں گا ہی مگر میں اس مسئلے کا کوئی حل نکالنا چاہتا ہوں۔ منیزہ تو اب روز روز وہاں آجایا کرے گی۔"

"اس مسئلے کا حل تو صرف تم ہی نکال سکتے ہو اور یہ حل کوئی اتنا مشکل نہیں ہے۔" ہارون کمال نے اس بار بے حد سنجیدگی سے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تم بھابھی سے اس معاملے میں بات کرو۔ ان سے کہو کہ وہ رخشی کو قبول کر لیں اور اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو پھر......" وہ دانستہ رکا۔

"تو پھر کیا؟"

"تو پھر تم انہیں طلاق دے دو، تمہاری ویسے بھی ان کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہے۔" فوری طور پر منصور، ہارون کی تجویز پر کچھ نہیں کہہ سکے۔

ہارون نے ان کی خاموشی کو فوراً محسوس کر لیا۔

"میں جانتا ہوں، یہ مشکل فیصلہ ہے مگر تمہیں اپنی زندگی کے سکون اور آرام کے لیے یہ قدم اٹھانا ہی پڑے گا، ورنہ اس طرح تمہاری زندگی کیسے گزرے گی۔" ہارون کمال کی آواز میں ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

"اور رخشی کو تو تم جانتے ہو، وہ پہلے ہی اس شادی پر تیار نہیں تھی...... اسی وجہ سے...... اب روز روز یہ تماشا ہونے لگا تو وہ تمہیں چھوڑ کر چلی جائے گی۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" منصور نے بے اختیار کہا۔

"یہ تمہارا خیال ہے، وہ کیا کرے گی، یہ تم نہیں کہہ سکتے۔ بہر حال میری تو یہی خواہش ہے کہ تمہارا معاملہ خوش اسلوبی سے نمٹ جائے اور تمہیں منیزہ بھابھی کو نہ چھوڑنا پڑے لیکن اگر صورتِ حال ایسی بن جاتی ہے کہ منیزہ بھابھی کو طلاق دینے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو پھر تمہیں اس قدم کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔" ہارون کمال نے کہا۔ "اور ویسے بھی تم طلاق سے پہلے منیزہ بھابھی کو یہ آپشن دے رہے ہو کہ وہ رخشی کو قبول کر لیں۔ اب اگر وہ قبول نہیں کرتیں اور تم انہیں طلاق دیتے ہو تو یہ سراسر ان کی حماقت ہے، کم از کم اس فیصلے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہو سکتی۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟" ہارون نے کہتے کہتے پوچھا۔

"ہاں..... ہاں..... میں بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں مگر مجھے صرف بچوں....." ہارون نے اس کی بات کاٹ دی۔

"منصور! بچوں اور اپنی زندگی میں سے ایک کا انتخاب کر لو، وہ کل کو بڑے ہوں گے، شادیاں کریں گے اور اپنی اپنی زندگی بسر کریں گے، ان میں سے کوئی تمہارے بارے میں سوچے گا بھی نہیں اور تم ان کے لیے اپنی زندگی کو خراب کرنے پر تلے ہو اور ویسے بھی ان پر جتنا اثر پڑنا تھا، وہ تمہاری اس شادی سے پڑ چکا ہے، اب طلاق دینے سے ان کو اور کچھ نہیں ہوگا۔ عام بات ہے طلاق..... آج کل کے بچے اس سے اتنا متاثر نہیں ہوتے اور تمہارے بچے تو بہت چھوٹے بھی نہیں ہیں۔"

وہ ان کی برین واشنگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

"ہاں، اگر کوئی اور راستہ نہیں نکلتا تو پھر شاید مجھے یہی قدم اٹھانا پڑے گا۔" منصور اس کی بات سنتے سنتے بڑبڑائے۔

"تم آج ہی منیزہ بھابھی کو اس بارے میں صاف صاف بتا دینا تا کہ وہ دوبارہ کبھی رخشی کے گھر نہ جا سکیں۔" ہارون کمال نے انہیں ایک اور ہدایت دی۔

منصور نے کچھ دیر اور اس سے بات کرتے رہنے کے بعد فون بند کر دیا۔

"انہوں نے اگلے چند گھنٹے اسی طرح اپنے آفس میں ٹہلتے ہوئے گزارے پھر انہوں نے اپنے گھر فون کیا۔ فون ملازم نے اٹھایا۔

"منیزہ گھر پر ہے؟" منصور علی نے پوچھا۔

"نہیں صاحب! بیگم صاحبہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ امبر بی بی ہیں، ان سے بات کرواؤں۔"

"نہیں، ان سے بات کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔" منصور علی نے فوراً کہا۔

"رحیم! جب منیزہ گھر آ جائے تو تم میرے آفس فون کر کے مجھے بتاؤ اور دیکھو، منیزہ کو اس کا پتا نہیں چلنا چاہیے۔" ملازم حیران ہوا۔

"ٹھیک ہے صاحب جی! میں آپ کو بتا دوں گا۔" اس نے حامی بھر لی۔

منصور نے فون رکھ دیا۔ انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ صرف دس منٹ کے بعد ہی آپریٹر نے انہیں ملازم کا پیغام پہنچا دیا۔ منصور علی نے سکون کا سانس لیا، اپنا کوٹ اٹھاتے ہوئے وہ اپنے آفس سے نکل گئے۔ انہیں اب رخشی کی ناراضی دور کرنا تھی اور اس نقصان کی تلافی کرنی تھی جو منیزہ کر چکی تھی۔ اپنی گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں ایک بار پھر ان جملوں کو دہرانے لگے جو وہ پچھلے کئی گھنٹوں میں تصور میں اس سے کہہ رہے تھے۔

رخشی کے گھر پہنچنے پر چوکیدار نے گیٹ کھولتے ہوئے انہیں کچھ بتانے کی کوشش کی۔ منصور ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے گاڑی اندر لے گئے۔ رخشی پہلے گھر پر موجود ہونے کی صورت میں گاڑی کی آواز پر لاؤنج کے دروازے پر ان کا استقبال کرتی تھی۔ آج وہ باہر نہیں آئی تھی۔ منصور علی ایسے ہی ردِ عمل کی توقع کر رہے تھے۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔

وہ گاڑی میں سے اتر کر پورچ میں سے ہوتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہو گئے اور کچھ دیر تک وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے۔ لاؤنج میں صوفوں اور میزوں کے علاوہ کوئی چیز سلامت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ البتہ فرش ڈیکوریشن پیسز کے ٹکڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے بھی ٹوٹے ہوئے تھے۔ ان کا دماغ گھومنے لگا۔ فوری طور پر ان کا ذہن منیزہ کی طرف گیا۔ کیا وہ اندر آئی تھی اور یہ سب کچھ اس نے کیا تھا اور اگر یہ سب کچھ اس نے کیا تھا تو پھر رخشی کے ساتھ اس نے کیا کیا ہوگا؟

وہ یک دم گھبرا گئے، انہوں نے بلند آواز میں رخشی کو آواز دی۔

"رخشی۔ رخشی۔" جواب میں مکمل خاموشی رہی اپنا کوٹ لاؤنج کے صوفہ پر پھینکتے ہوئے وہ تیزی سے کوریڈور سے ہوتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھے، کچن میں موجود ملازمہ باہر آ گئی۔ وہ شاید ان کی آواز سن کر ہی باہر آئی تھی۔

''سلام صاحب''

''رُخشی کہاں ہے؟'' منصور نے اس کے سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''بیگم صاحبہ اپنے بیڈ روم میں ہیں۔'' منصور کی بے اختیار جان میں جان آئی۔

''لاؤنج میں کیا ہوا؟'' منصور علی نے پوچھا۔

''بیگم صاحبہ غصے میں تھیں، انہوں نے چیزیں توڑ دیں۔''

''کون؟'' منصور کے ذہن میں اب بھی میزو ہی آئی۔ ''رُخشی نے؟''

''جی رُخشی بیگم صاحبہ نے'' منصور یک دم کچھ خفیف سے ہو گئے۔

''ٹھیک ہے، تم جا کر لاؤنج کو صاف کرو۔'' وہ آگے بڑھ گئے انہیں یہ توقع تھی کہ رُخشی بہت غصے میں ہو گی مگر یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی توڑ پھوڑ کرے گی۔ بیڈ روم طرف جاتے ہوئے بھی انہیں اسی قسم کے منظر کی توقع تھی مگر وہاں ایک اور منظر ان کا منتظر تھا۔

بیڈ روم کا دروازہ کھولتے ہی ان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بیڈ پر ایک سوٹ کیس کھلا ہوا تھا اور رُخشی اس میں کپڑے رکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے دروازہ کھولنے کی آواز پر بھی منصور علی کی طرف یا دروازے کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ وہ مکمل طور پر اپنے کام میں مگن تھی۔ اس کے چہرے پر تناؤ تھا اور اس کے ماتھے پر شکنیں تھیں۔ مگر وہ پھر بھی بے حد سکون اور اطمینان سے اپنا سامان پیک کرنے میں مصروف تھی۔ منصور علی نے ایک ہی نظر میں اس کے چہرے کا تفصیلی جائزہ لے لیا تھا۔ وہ کچھ دیر صم بکم کی تصویر بنے دروازے میں کھڑے رہے پھر انہوں نے جیسے اپنے اوسان بحال کرنے کی کوشش کی۔

''یہ...... یہ کیا ہو رہا ہے؟'' انہوں نے بے حد کمزور لہجے میں کمرے کے دروازے کو بند کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ رُخشی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہی۔

''یہ۔ کیا کر رہی ہو تم رُخشی؟'' منصور نے ایک بار پھر کہا۔

رُخشی نے سوٹ کیس بند کر دیا۔ اس کی پیکنگ یقیناً مکمل ہو چکی تھی، وہ اب زپ بند کرنے لگی تھی جب منصور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ جیسے کرنٹ کھا کر پیچھے پلٹی۔ بجلی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ بھی پیچھے کھینچا تھا۔

''تم گھر چھوڑ کر کیوں جا رہی ہو؟'' وہ چپ چاپ منصور علی کو گھورتی رہی پلکیں جھپکائے بغیر۔ بے حس و حرکت۔ منصور علی کو اس کی نظروں سے الجھن ہونے لگی۔ وہ اب بے چین ہو رہے تھے۔ اس کی خاموشی انہیں کھل رہی تھی۔

''رُخشی! میں جانتا ہوں۔ تم ناراض ہو۔ تم کو ناراض ہونے کا حق ہے لیکن اس طرح گھر چھوڑ کر جانا اپنا گھر چھوڑ کر جانا۔''

رُخشی نے سرد لہجے میں ان کی بات کاٹ دی۔ ''یہ گھر ہوتا تو میں کبھی چھوڑ کر نہ جاتی یہ گھر نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا ہے۔''

''آپ کو پتا ہو گا یہ کیا ہے۔'' اس نے منصور علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہ میرا اور تمہارا گھر ہے۔'' منصور علی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''میرا اور تمہارا؟ وہ زہریلے انداز میں ہنسی۔ ''میرا اور تمہارا گھر ہے اور میں اور آپ ہیں کون؟''

''کیا یہ تمہیں پوچھنے کی ضرورت ہے؟''

''ہاں، یہ مجھے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ بہت ساری باتیں خود سے پتا نہیں چلتیں۔ جب کسی دوسرے سے پتا نہ چلے کچھ بھی کنفرم نہیں ہوتا۔''

''ہم دونوں میاں بیوی ہیں۔'' وہ ایک بار پھر ہنسی اس بار اس کا انداز پہلے سے بھی زیادہ چبھتا ہوا تھا۔

"یہ میں چند گھنٹے پہلے سمجھتی تھی۔ مجھے غلط فہمی تھی۔ آپ بتائیں اسے کیا کہیں گے غلط فہمی یا خوش فہمی؟ میں سمجھتی تھی کہ ہم دونوں واقعی شادی شدہ ہیں اور یہ میرا گھر ہے۔ میں غلط تھی۔ یہ میرا گھر تھا نہ ہی آپ سے میرا کوئی تعلق تھا۔"

"رخشی! میں" منصور علی نے کچھ کہنے کی کوشش کی رخشی نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔

"تعلق ہوتا منصور صاحب تو آپ اس وقت گیٹ پر ہوتے جب آپ کی بیوی، ہر دل عزیز بیوی، میری عزت کے چیتھڑے اڑا رہی تھی۔"

"میں۔" منصور نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی رخشی نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروادیا۔

"سنئے اس وقت صرف میری سنئے۔ اس وقت کوئی وضاحت کوئی جھوٹ نہیں سنوں گی میں۔ اس وقت آپ صرف میری سنیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ منصور نے پہلی بار اسے اتنے غصے میں دیکھا تھا اور وہ خاموش ہو گئے تھے۔

"مجھے آپ کی ضرورت پڑی اور آپ۔ آپ چھپ گئے۔ گھر، میاں بیوی، شوہر کیا ہوتا ہے۔ جانتے ہیں۔" وہ اب جیسے انہیں چیلنج کر رہی تھی۔

"میں نے آپ سے صرف اس لیے شادی کی تھی کہ آپ مجھے تحفظ دیں گے ورنہ کیا تھا آپ میں؟" منصور علی دم سادھے سن رہے تھے۔

"میرے باپ کی عمر ہے آپ کی۔ میں نے سوچا، جانے دو عمر سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے دیکھیں اور اپنے آپ کو دیکھیں، شکل وصورت میں کہیں آپ میرے برابر آتے ہیں۔" منصور علی کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔

"میں نے کہا دفع کرو۔ شکل وصورت سے کیا ہوتا ہے..... میں غیر شادی شدہ تھی۔ آپ پانچ بچوں کے باپ۔" منصور علی بے حس وحرکت تھے۔

"میں نے کہا چھوڑو۔ یہ فرق بھی کیا معنی رکھتا ہے۔ کس نے نہیں روکا مجھے اس شادی سے۔ کس نے نہیں سمجھایا مجھے۔ سب نے۔ ہر ایک نے۔ میں نے کسی کی نہیں سنی۔ میں نے سوچا کہ مجھے آپ سے تحفظ ملے گا۔" وہ بول رہی تھی۔

"دیوار بن کر کھڑے ہوں گے آپ میرے آگے۔ حماقت کی انتہا دیکھیے۔ دیوار؟" وہ دم بھر کو رکی۔ "آپ کے لیے ساری دنیا کی ذلت میں نے جان بوجھ کر مول لی۔ ساری دنیا کی۔ بے وقوف تھی میں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"بڑے جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں میری عمر کا شوہر ہوتا اور مجھ سے محبت کرتا تو کسی میں ہمت نہیں ہو سکتی تھی کہ اس گیٹ پر کھڑے ہو کر میرے بارے میں کچھ کہہ دے۔" منصور علی کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ اب وہ پچھتا رہے تھے کہ وہ کیوں اس وقت وہاں نہیں آگئے۔ ان کی سمجھداری اب ان کے گلے کی ہڈی ثابت ہو رہی تھی۔

"اور آپ۔ آپ نے فون بند کر دیا۔ میری بات تک سننے سے انکار کر دیا۔ صرف اپنے آپ کو۔ اپنی عزت کو بچایا۔ میرا نہیں سوچا۔ منصور صاحب پھر بہتر ہے کہ میں ابھی اپنی خوش فہمیوں سے باہر آجاؤں۔" یہاں سے نکلوں گی تو بہت ہاتھ پکڑنے والے مل جائیں گے۔ ایسے آدمی جو میری ایک آواز پر میری مدد کو دوڑیں گے۔ آپ کی طرح نہیں کریں گے۔" منصور علی کا دل ڈوب رہا تھا۔

"آپ جائیں اپنی بیوی کے پاس۔ آپ اسی کے قابل ہیں۔" وہ سوٹ کیس اٹھانے کے لیے جھکی۔

"مجھے ایک موقع دو۔ صرف ایک موقع رخشی! تمہیں دوبارہ مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" منصور علی نے بالآخر اپنی خاموشی توڑ دی۔ ان کے لہجے میں بے حد لجاجت تھی۔

"زندگی میں کوئی کسی کو موقع بھی نہیں دیتا۔ جو دیتا ہے وہ بے وقوف ہوتا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں میں تم پر ثابت کر دوں گا۔"

"کیا کروں گی میں ایسی محبت کا جو میرے کام نہیں آسکتی۔ لفظوں کے علاوہ کچھ اور ہے آپ کے پاس؟" وہ غرائی۔

"نہیں کچھ نہیں ہے آپ کے پاس۔ کچھ بھی نہیں۔ مجھے بے وقوف بہت بنالیا آپ نے۔ مزید نہیں بنوں گی۔ کسی اور کو

بنایئے اب۔"

"رخشی پلیز۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ میں۔ میں مر جاؤں گا۔"

"کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔ آپ میرے لیے نہیں مر سکتے تو پھر میرے بغیر بھی نہیں مریں گے۔" اس نے بے رخی سے

کہا وہ اب سوٹ کیس کھینچ کر بیڈ سے نیچے اتار رہی تھی۔

"میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔" منصور علی نے سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔

"کیسے روکیں گے آپ مجھے؟ کس طرح روک سکتے ہیں؟"

"روک سکتا ہوں۔ میں تمہارا شوہر ہوں؟"

"میں یہاں سے وکیل کے پاس جاؤں گی اور یہ کاغذی رشتہ ختم ہو جائے گا۔"

"تم ایسا کیسے کر سکتی ہو، تم کو مجھ سے محبت ہے۔" منصور علی نے بے یقینی سے کہا۔

"کبھی تھی اب نہیں ہے۔" وہ پھر غرائی اور اس نے سوٹ کیس کھینچنے کی کوشش کی۔

"اگر میں ہاتھ جوڑوں تو کیا تم مجھے معاف کر دو گی؟"

"ضرورت نہیں ہے اس کی۔ آپ اپنے گھر جائیں۔ اپنی بیوی سے معافی مانگیں جس کے ساتھ آپ کو زندگی گزارنی

ہے۔ میرا اور آپ کا رشتہ تو ختم ہو گیا ہے۔"

"وہ میری بیوی نہیں ہے۔" منصور علی بے اختیار جھلائے۔ "میں نفرت کرتا ہوں اس عورت سے۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں

نہیں کرتیں۔"

"بہت اچھی طرح سمجھ چکی ہوں میں سب کو۔ نفرت کرتے ہیں آپ اس عورت سے؟" وہ چیلنج کرنے والے انداز میں

بولی۔

"ہاں نفرت کرتا ہوں اس سے؟"

"طلاق دے سکتے ہیں اسے۔ ابھی۔ اسی وقت؟" منصور علی کچھ بول نہیں سکے۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

"نہیں دے سکتے۔ نفرت کرتے ہیں۔" اس نے منصور علی سے سوٹ کیس کھینچ لیا۔

"رخشی وہ۔ وہ اگر دوبارہ ایسی حرکت کرے گی تو میں۔ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"

"نہیں۔ ایسی حرکت ایک بار ہی کافی ہے۔ آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ میں اس گھر میں رہوں تو آپ کو اس عورت کو

طلاق دینی ہوگی۔ میں اب دوسری بیوی بن کر اس گھر میں نہیں رہوں گی۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"میں اگر آپ کے ساتھ رہوں گی تو اس گھر میں۔ اس گھر میں جہاں آپ رہتے ہیں۔ جسے ساری دنیا آپ کے گھر

کے حوالے سے پہچانتی ہے۔ آپ کی واحد بیوی کے طور پر۔ دوسری یا تیسری بیوی کے طور پر نہیں۔"

"مجھے کچھ وقت دو۔ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔" منصور علی نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

"جتنا وقت چاہیں لے لیں۔ پھر جب فیصلہ کر لیں تو میرے پاس آ جائیں تب میں آپ کے پاس چلی آؤں گی۔"

"تم اس گھر میں رہو۔"

"نہیں میں یہاں نہیں رہوں گی۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"تم کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"نہیں۔ مجھے آپ پر اعتبار نہیں ہے۔ جو تھا وہ آپ نے چند گھنٹے پہلے ختم کر دیا۔"

"میں اپنی پوزیشن کلیئر کر سکتا ہوں تم مجھے وضاحت کا موقع تو دو۔"

"میں نہیں دوں گی اور مجھے اس بات میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ آپ کی پوزیشن کلیئر ہوئی ہے یا نہیں۔ میں اس گھر

سے جارہی ہوں۔"

"رخشی پلیز۔ رک جاؤ۔"

"روکنے کا طریقہ میں آپ کو بتا چکی ہوں۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ منیزہ کو طلاق دے دیں، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ رخشی آپ سے طلاق نہ لے۔"

"میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا۔ کبھی نہیں۔ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔"

"میں آپ سے طلاق لے لوں گی، یہ آپ بھی جانتے ہیں۔"

"میں نے تم سے کچھ وقت مانگا ہے۔"

"میں نے آپ کو وقت دے دیا ہے۔"

"مگر تم پھر گھر چھوڑ کر کیوں جارہی ہو؟"

"یہ میرا گھر نہیں ہے۔ بتا چکی ہوں آپ کو۔ جہاں رہنا چاہتی ہوں، اس کے بارے میں بھی بتا چکی ہوں۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"مجھے اس کا ثبوت چاہیے۔"

"تم جانتی ہو۔ یہ بات۔ آج سے پہلے تو تمہیں کبھی ثبوت کی ضرورت نہیں پڑی۔"

"آج سے پہلے منیزہ کبھی میرے دروازے پر بھی نہیں آئی۔"

"وہ دوبارہ کبھی نہیں آئے گی۔"

"آ بھی جائے تو میں اسے یہاں ملوں گی نہیں۔"

"وہ بے وقوف عورت ہے۔"

"نہیں میں، میں بے وقوف عورت ہوں۔"

"رخشی پلیز، ایک موقع۔"

"نہیں ایک موقع بھی نہیں۔ میں جارہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔"

"ابھی اور اسی وقت۔"

"ہاں ابھی اور اسی وقت۔" رخشی دروازے کے پاس جاتے ہوئے رک گئی۔ فاتحانہ نظروں سے اس نے شکست خوردہ منصور علی کو دیکھا۔

☆☆☆

پندرھواں باب

''آپ کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھا ممی!'' امبر نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

''آپ کو یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ سب کچھ کرنے سے کیا حاصل ہوا۔ صرف بے عزتی۔'' منیزہ اس کی بات پر بھڑک اٹھیں۔

''بے عزتی۔ بے عزتی تو میں اس کی کر کے آئی ہوں اور ایسی کر کے آئی ہوں کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گی۔''

''وہ سب کچھ پاپا کو بتا دے گی۔'' امبر نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

''میں منصور سے ڈرتی نہیں ہوں۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ منصور کو سب کچھ بتا دیتی ہے۔ اچھا ہے وہ منصور کو سب کچھ بتائے۔ سب کچھ۔ تاکہ اسے پتا چلے کہ اب میں اس کے ساتھ کیا کرنے والی ہوں۔ منیزہ بولتی جا رہی تھیں۔

''اسے پتہ چلنا چاہیے کہ میں اب اسے چین سے جینے نہیں دوں گی۔ نہ اس کو۔ نہ اس کی اس بیوی کو۔''

منیزہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی واپس آئی تھیں اور اب وہ امبر کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ امبر نے رخشی کے گھر جانے سے پہلے بھی منیزہ کو بہت روکنے کی کوشش کی تھی، مگر منیزہ نے اس کی ایک نہیں سنی اور اب اس کی واپسی پر بھی وہ منیزہ کی اس حرکت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی۔ جبکہ منیزہ حسب معمول اسے جھڑکنے میں مصروف تھیں کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا تھا۔

''میں ابھی کچھ دیر میں شکیل بھائی کے پاس جاؤں گی سب کچھ بتا دوں گی انہیں، پھر دیکھنا تم وہ کرتے کیا ہیں تمہارے باپ کے ساتھ۔'' منیزہ نے اپنے بھائی کا نام لیتے ہوئے کہا۔

اور تب ہی منیزہ نے منصور علی کی گاڑی کی آواز سنی۔ امبر اور اس کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا منیزہ کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔

''دیکھا کیسے دوڑا چلا آیا ہے اپنی اس چڑیل کی تکلیف پر۔ ورنہ اس وقت گھر آنے کے لیے پہلے کبھی اس کے پاس وقت ہی نہیں رہا۔''

''امبر نے منیزہ کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اس کے چہرے پر تشویش تھی۔ وہ ماں اور باپ کے درمیان ایک اور جھگڑے کی توقع کر رہی تھی۔ کیونکہ منیزہ جھگڑے کے موڈ میں تھیں اور منصور علی کا اس وقت اس طرح بے وقت آنا ظاہر کر رہا تھا کہ رخشی نے انہیں اس معاملے کی اطلاع دے دی ہوگی۔ اس نے منیزہ اور منصور علی کے درمیان زندگی میں پہلے کبھی جھگڑے ہوتے نہیں دیکھے تھے اور اب جب اچانک اس کے سامنے جھگڑے ہونے لگے تھے تو وہ شدید قسم کے ڈپریشن کا شکار ہو رہی تھی اور یہ جھگڑے اب جو نوعیت اختیار کر گئے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ بہت جلد نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو جائے گی۔

منیزہ کی بات کے جواب میں امبر نے کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف دھڑکتے دل کے ساتھ منصور علی کے اندر آنے کا انتظار کرتی رہی، اور چند لمحوں میں منصور علی کا لاؤنج میں نمودار ہونے والا چہرہ اس کی بدترین خدشات کی تصدیق کر رہا تھا۔ ان کے

چہرے اور آنکھوں میں غصے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔
امبر کو توقع تھی کہ وہ آتے ہی چیخنے چلانے لگیں گے مگر ایسا نہیں ہوا تھا وہ اندر آ کر صوفے پر بیٹھی ہوئی منیزہ کے بالمقابل کھڑے ہو گئے اور انہوں نے درشت لہجے میں امبر سے کہا۔
''یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' امبر حیرانی سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ منصور نے اسی سانس میں منیزہ سے کہا۔
''تم اپنا سامان پیک کرو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت۔'' امبر وہاں سے جاتے جاتے رک گئی۔
''یہ میرا گھر ہے۔ کوئی مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتا۔ سمجھے تم۔''
منیزہ نے بلند آواز میں کہا۔
''تمہارا گھر؟ کیسا گھر؟ کہاں سے لائی تھیں یہ گھر؟ باپ نے دیا تھا؟ بھائیوں نے دیا تھا؟ کس نے دیا تھا؟'' منصور علی یک دم چلانے لگے۔
''یہ میرا گھر ہے۔ صرف میرا۔ اور میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم ابھی اور اسی وقت اس گھر سے نکل جاؤ؟''
''میں یہاں سے نکل جاؤں، تاکہ تم اس عورت کو یہاں لا کر عیش کرو۔'' منیزہ نے بھی اسی طرح چلاتے ہوئے کہا۔
''وہ عورت میری بیوی ہے۔''
''میں بیوی ہوں تمہاری۔''
''بیوی تھیں اب نہیں ہو۔ میرا وکیل طلاق کے کاغذات تیار کر رہا ہے اور میں تمہیں زبانی طور پر ابھی اور اسی وقت تین بار طلاق دیتا ہوں۔ اب یہاں سے چلی جاؤ۔'' منیزہ کا رنگ یک دم سفید ہو گیا جبکہ امبر بے یقینی کے عالم میں منصور علی کا چہرہ دیکھنے لگی۔
''سنا نہیں تم نے۔ میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ یہاں سے چلی جاؤ'' منصور علی ایک بار پھر بلند آواز میں چلائے۔
''تم۔ تم۔ اس طرح مجھے طلاق کیسے دے سکتے ہو؟'' منیزہ کی آواز اور انداز دونوں میں لڑکھڑاہٹ تھی۔
''کیوں نہیں دے سکتا۔ دے چکا ہوں تمہیں میں طلاق۔''
''میں۔ میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی۔ کبھی نہیں جاؤں گی۔'' منیزہ یک دم ہذیانی انداز میں چلانے لگیں۔
''یہ میرا گھر ہے۔ میرا گھر ہے یہ۔ تمہارے کہنے پر نہیں جاؤں گی میں یہاں سے۔''
اس بار منصور علی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے منیزہ کو بازو سے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے انہیں وہاں سے لے جانے لگے۔ امبر یک دم جیسے ہوش میں آ گئی۔ منیزہ مزاحمت کر رہی تھیں۔
''پاپا۔ پاپا۔ ممی کو چھوڑ دیں۔ مت نکالیں انہیں گھر سے۔ آپ پاگل ہو گئے ہیں۔'' امبر بھاگتی ہوئی ان دونوں کے پیچھے آ گئی۔
''ہاں پاگل ہو گیا ہوں۔'' منصور بلند آواز میں دھاڑے۔
''پاگل کر دیا ہے تم لوگوں نے مجھے۔'' وہ اسے مسلسل باہر کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہہ رہے تھے۔
''اس پاگل پن سے ہی تو چھٹکارا چاہتا ہوں۔''
''یہ گھر ہمارا ہے۔ آپ میری ممی کو یہاں سے نہیں نکال سکتے۔ رخشی کے لیے آپ ہمارے ساتھ یہ سب کر رہے ہیں۔''
امبر نے منیزہ کے بازو کو اس سے چھڑوانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
''ہاں میں اس کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہوں، کیونکہ وہ میری واحد بیوی ہے۔ تم لوگوں سے میرا ہر رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ تمہیں اس عورت سے ہمدردی ہو رہی ہے تو تم بھی اس عورت کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ اور دوبارہ مجھے اپنی شکل دکھانے کی

کوشش مت کرنا۔ چلی جاؤ تم بھی اس عورت کے ساتھ۔"
منصور اب اس پر بھی دھاڑ رہے تھے وہ منیزہ کو کھینچتے ہوئے لاؤنج سے باہر پورچ میں لے آئے تھے۔ دن کے اجالے
میں گھر کے اندر اور باہر کام کرنے والے ملازمین گم صم یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ منیزہ اب بھی خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھیں،
مگر ان کی مزاحمت اب پہلے کی نسبت زیادہ بے سود ہو رہی تھی۔ امبر روتے ہوئے مسلسل منیزہ کے بازو کو منصور علی سے چھڑانے
کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر منصور علی کے سامنے اس کی یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہو رہی تھی۔
"پلیز۔ پاپا۔ پلیز۔ اس طرح تماشا مت بنائیں ہمارا۔" پلیز وہ روتے ہوئے منصور کی منت سماجت کرنے لگی۔
"تماشا۔ یہ عورت دوسروں کا تماشا بنانے کا فن جانتی ہے تو اسے بھی تو اس تماشے کا ایک حصہ بننا چاہیے یہ کیوں گئی تھی
رخشی کے گھر؟ کیوں گئی تھی وہاں؟"
منصور علی اس بات کی پرواہ کیے بغیر چلا رہے تھے کہ اب ان کی آواز باہر کام کرنے والے ملازمین تک بھی پہنچ رہی تھی۔
"کیوں بے عزتی کی اس نے اس کی؟ کیوں گالیاں بکیں اس نے اسے؟"
"پاپا! آپ انہیں معاف کر دیں، ان سے غلطی ہو گئی، وہ دوبارہ وہاں نہیں جائیں گی۔ وہ دوبارہ کبھی ایسا کچھ نہیں کریں
گی۔" امبر اب بری طرح رو رہی تھی۔
"آپ کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ ممی کو اور ہمیں رہنے دیں، اس گھر میں...... اس طرح باہر نہ نکالیں۔"
"میں ہزار بار جاؤں گی اس عورت کے گھر...... بار بار اس کی اسی طرح بے عزتی کروں گی...... تم کیسے روک لو گے
مجھے...... اس گھر سے نکال دو گے، تب بھی وہاں جاؤں گی۔"
منیزہ چلائیں۔ منصور نے پوری قوت سے ان کے چہرے پر تھپڑ مارا۔
"تم وہاں جاؤ گی تو میں تمہیں قتل کروا دوں گا۔"
"ساری عمر تمہاری جیل میں گزر جائے گی۔"
"گزر جائے مگر تم سے تو جان چھوٹ جائے گی میری۔"
"پاپا پلیز...... پلیز...... یہ مت کریں۔" امبر نے روتے ہوئے مداخلت کی۔
"تم اندر چلی جاؤ، میں تمہیں یہاں سے نہیں نکال رہا مگر اس عورت کو میں نہیں رکھوں گا۔"
"میں ممی کو نہیں چھوڑ سکتی۔ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتی۔"
"پھر جاؤ ماں کے ساتھ، دھکے کھاؤ، چوکیدار گیٹ کھولو۔" منصور نے زہر آلود انداز میں اس سے کہتے ہوئے چوکیدار
سے کہا۔

چوکیدار جو گھبراہٹ کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اس نے قدرے ہڑبڑاتے ہوئے گیٹ کو کھول دیا۔
امبر نے منیزہ کے پیچھے بھاگنے کی کوشش کی۔ منصور نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ گیٹ کے درمیان میں کھڑا تھا۔
"میری بات سنو امبر! اس گیٹ کو پار کر کے اس عورت کے ساتھ جاؤ گی تو دوبارہ یہ گیٹ تمہارے لیے بھی نہیں کھلے گا،
کبھی نہیں۔ اس عورت کو رہنے دو، تم واپس اندر چلی جاؤ۔" منصور علی نے بے حد سرد اور تنبیہی انداز میں امبر سے کہا۔
"اندر کیا ہے؟" امبر نے روتے ہوئے گیٹ کے اندرونی جانب اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔
"کچھ رہ گیا ہے اندر؟ میرا تو باپ تک نہیں ہو گا وہاں پھر کیا کرنا ہے مجھے وہاں رہ کر۔ آپ کو اس گیٹ کو کھولنے کے
بارے میں کبھی سوچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی...... میں اب مر کر بھی یہاں نہیں آؤں گی۔" اس نے اپنے بازو کو چھڑاتے
ہوئے کہا۔
"سب کچھ ختم کر دیا آپ نے...... سب کچھ...... سب کچھ مٹی کر کے رکھ دیا آپ نے...... اور میں نے اس مٹی میں آپ
کے ساتھ جڑنے والا ہر رشتہ دفنا دیا۔ بہت چھوٹے آدمی تھے آپ......" وہ اب الٹے قدموں گیٹ کو کراس کر رہی تھی۔

"بہت چھوٹے آدمی......"

"گیٹ بند کردو۔" منصور علی بلند آواز میں چلائے اور پلٹ کر اندر جانے لگے۔

"کھلا رہنے دیں اسے۔" چوکیدار تیز رفتاری سے گیٹ کو بند کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ امبر اسی طرح پیچھے جاتی ہوئی پھر چلائی۔

"کھلا رہنے دیں اسے...... میں اندر نہیں آؤں گی...... ممی اندر نہیں آئیں گی...... کوئی نہیں آئے گا آپ کے گھر بھی...... کوئی نہیں۔" وہ اب جیسے پاگلوں کی طرح چلا رہی تھی۔

"سنا آپ نے...... سنا آپ نے؟...... آپ سن لیں...... کان کھول کر سن لیں...... امبر کی شکل اب دوبارہ نہیں دیکھیں گے آپ! مر کر بھی نہیں۔"

منیزہ گیٹ کے سامنے اسی جگہ پر بیٹھی رو رہی تھیں۔ انہوں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گیٹ اب بند ہو رہا تھا، بہت دور تیز تیز قدموں کے ساتھ منصور علی اندر جا رہے تھے۔ بند ہوتے ہوئے گیٹ سے منیزہ نے برستی آنکھوں کے ساتھ اس شخص کی پشت کو دیکھا تھا۔ وہ شخص چند لمحے پہلے اس کا پورا جہاں تھا۔ بند ہوتے ہوئے گیٹ نے زمین پر پہلی بار کسی کے آسمان اور جہاں کو نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔

صبغہ پانچ دن کے لیے اپنے کالج کے اسٹوڈنٹس کے ساتھ مری ٹرپ پر گئی ہوئی تھی۔ وہ منصور اور منیزہ کے درمیان ہونے والی چپقلش اور تلخ کلامی سے واقف تھی اور وہ اس پر فکر مند بھی تھی مگر اس نے کبھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ منصور دوسری شادی جیسا قدم اٹھا سکتے تھے اور وہ بھی رخشی جیسی لڑکی سے۔

وہ اسی دن ٹرپ سے رات کو واپس آئی جس دن منصور نے منیزہ کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔ اس نے سہ پہر کے قریب منصور علی کو واپسی کے سفر کے دوران ایک دوست کے موبائل سے فون کیا۔ منصور کا لہجہ اور انداز اسے خلاف معمول بہت ترش اور اکھڑا ہوا لگا، وہ کچھ حیران ہوئی۔

"پاپا...... میں صبغہ بول رہی ہوں۔" اس نے ایک بار پھر اپنا نام دہرایا۔ ایک لمحے کے لیے اسے اندیشہ ہوا کہ شاید منصور نے اس کی آواز پہچانی نہیں، اس لیے وہ اس سے اتنی تلخی سے بول رہے ہیں۔

"جانتا ہوں کہ تم صبغہ بول رہی ہو۔" منصور کے لہجے میں اب ترشی کے ساتھ ساتھ جھنجلاہٹ بھی تھی۔

"میں نے آپ کو بتانا تھا، ہم نو بجے کالج پہنچ رہے ہیں۔ آپ گاڑی بھجوا دیں گے یا پھر میں اپنی فرینڈ کے ساتھ آجاؤں۔ وہ مجھے آفر کر رہی ہے کہ اس کا ڈرائیور مجھے ڈراپ کر دے گا۔" صبغہ نے منصور کے لہجے پر قدرے محتاط ہوتے ہوئے اپنی فرینڈ کی آفر دہرائی۔

"فرینڈ سے کہنا وہی تمہیں اپنی گاڑی پر ڈراپ کر دے گی۔" منصور نے کسی سلام دعا کے بغیر روکھے انداز میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

صبغہ بے یقینی کے عالم میں اپنے موبائل کو دیکھتی رہی۔ منصور علی کبھی اس طرح بات نہیں کرتے تھے جس طرح انہوں نے اب کی تھی۔ پچھلے کچھ ماہ میں اگرچہ منیزہ سے ان کے جھگڑے ہوتے رہے تھے اور وہ بچوں کو بھی نظر انداز کرتے رہے تھے مگر اس کے باوجود وہ ان سے کبھی اس طرح پیش نہیں آئے تھے جس طرح اب...... صبغہ کو بہت عجیب سا احساس ہوا۔

"ہوسکتا ہے پاپا کسی وجہ سے پریشان ہوں یا پھر مصروف ہوں اور میں نے انہیں اچانک فون کر کے پریشان کر دیا ہو، اس لیے وہ اس طرح بات کر رہے ہوں۔" اس نے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

مری جانے کے فوراً بعد اس نے دو بار گھر فون کر کے منیزہ سے بات کی تھی، تب تک منیزہ اور امبر کو منصور کی دوسری شادی کا پتا نہیں چلا تھا، ورنہ منیزہ صبغہ تک یہ خبر پہنچانے میں کوئی تامل نہ کرتیں۔ بعد میں صبغہ اور منیزہ کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں ہوا، وہ گھر میں ہونے والے واقعات سے مکمل طور پر بے خبر تھی۔

رات ساڑھے نو بجے جب لاہور پہنچنے کے بعد اس کی فرینڈ نے اسے اس کے گیٹ پر ڈراپ کیا تو تب تک اس کے ذہن سے سہ پہر منصور کے ساتھ ہونے والی گفتگو کا اثر غائب ہو چکا تھا۔ وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھی، گاڑی سے اترنے کے بعد اپنا بیگ سنبھالتی ہوئی وہ آگے بڑھی اور اس نے ایک بار پھر گیٹ پر بیل دی۔ وہ کچھ حیران تھی کہ اس کی فرینڈ کی کار کے ہارن کی آواز سن کر بھی چوکیدار نے گیٹ نہیں کھولا تھا۔

بیل دینے کے چند منٹ بعد بھی اسے انتظار کرنا پڑا۔ چوکیدار نے ہارن کی آواز پر گیٹ کے اندر سے صبغہ کو دیکھ لیا تھا مگر گیٹ کھولنے کے بجائے وہ انٹرکام پر منصور علی کو صبغہ کے بارے میں بتانے اور اس کے لیے گیٹ کھولنے کے لیے اجازت لینے میں مصروف ہو گیا۔ صبغہ تب تک بیل بجاتی رہی۔ منصور کے اجازت دینے پر چوکیدار نے اپنے کیبن سے باہر آ کر گیٹ کھول دیا۔

''اتنا انتظار..... گیٹ کیوں نہیں کھول رہے تھے آپ۔ کم از کم دیکھ تو لیتے کہ میں کھڑی ہوں باہر۔'' صبغہ نے اسے دیکھ کر کچھ ناراضی سے کہا اور پھر بیگز کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرا سامان لے آئیں۔'' وہ خود گیٹ کراس کر گئی۔ چوکیدار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس نے آگے بڑھ کر گیٹ کے باہر پڑے ہوئے بیگ اٹھا لئے۔ صبغہ تب تک تیز قدموں سے ڈرائیوے کو عبور کرتے ہوئے پورٹیکو کی طرف جا رہی تھی۔ اس کا سامان اٹھائے اس کے پیچھے اندر آتے ہوئے چند لمحوں کے لیے چوکیدار کے دل میں آیا کہ وہ صبغہ کو دوپہر ہونے والے واقعات کے بارے میں بتا دے۔ صبغہ کے انداز سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ ان تمام واقعات کے بارے میں بے خبر تھی مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کی اطلاع پر کس طرح کے ردِعمل کا اظہار کرتی۔

منصور علی اس وقت گھر پر ہی موجود تھے، وہ کچھ دیر پہلے ہی رخشی کو وہاں لے کر آئے تھے، اگرچہ وہ رخشی کو اتنی جلدی وہاں لانا نہیں چاہتے تھے مگر رخشی کی ضد اور اصرار پر وہ مجبور ہو گئے تھے۔

روشان کو اسکول سے واپس آنے پر گھر پر ہونے والے واقعات کے بارے میں پتا چلا تھا۔ منصور اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ روشان اور اس کی چھوٹی دونوں بہنیں شاکڈ تھیں۔ وہ طلاق کے بارے میں نہیں جانتی تھیں، ان کے لیے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ منیزہ کو منصور نے گھر سے نکال دیا تھا ملازموں سے یہ جان کر کہ منصور علی نے منیزہ کو طلاق دے دی ہے روشان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے فوری طور پر منیزہ کے میکے فون کر کے اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کی۔ منیزہ اور امبر وہیں پر تھیں۔ منیزہ نے اسے بھی گھر چھوڑ آنے کے لیے کہا لیکن جب روشان نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو۔ چوکیدار نے اسے گھر سے نکلنے نہیں دیا۔

''منصور صاحب کہہ گئے ہیں کہ ان کے آنے تک آپ کہیں نہیں جا سکتے۔''

چوکیدار نے روشان سے کہا تھا۔ روشان نے واپس آ کر منصور علی سے اس کے موبائل پر رابطہ کرنے کی کوشش کی، وہ ناکام رہا۔ منصور علی نے کال ریسیو نہیں کی، انہیں اندازہ تھا کہ گھر سے اس وقت آنے والی یہ کال روشان ہی کی ہو سکتی تھی اور وہ روشان سے فون کے بجائے آمنے سامنے بات کرنا چاہتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ جو کچھ وہ امبر کو نہیں سمجھا سکے، وہ روشان کو سمجھا لیں گے۔

رخشی کے ساتھ گھر پہنچنے پر انہوں نے روشان اور اس سے چھوٹی اپنی دونوں بیٹیوں کو لاؤنج میں انتظار کرتے پایا۔ روشان نے رخشی پر نظر نہیں ڈالی تھی۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ اس کی گردن مروڑ دیتا۔

''تم اندر جاؤ، میں روشان سے بات کر کے آتا ہوں۔'' منصور علی نے روشان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی رخشی کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

''یہ یہاں کیوں آئی ہے؟'' روشان نے تند و تیز لہجے میں منصور سے کہا۔

''تم اس کے بارے میں تمیز سے بات کرو، وہ میری بیوی ہے اور یہ میرا گھر ہے، میں جسے چاہوں یہاں لا سکتا ہوں۔''

منصور نے اسے جھڑکا۔

"اوکے...... آپ اگر اسے لے آئے ہیں تو پھر ہم لوگوں کو یہاں سے جانے دیں، میں یہاں نہیں رہنا چاہتا۔" روشان نے اسی انداز میں کہا۔ "جب آپ نے ممی اور امبر کو نکال دیا ہے تو ہمیں یہاں کیوں رکھ رہے ہیں۔"

"میں نے ان دونوں کو یہاں سے نہیں نکالا...... یہ ان کا اپنا انتخاب تھا۔"

"آپ نے ممی کو طلاق دے دی ہے۔"

"وہ اسی قابل تھی۔ یہ کام جو میں نے آج کیا ہے، یہ مجھے کئی سال پہلے کر لینا چاہیے تھا۔" منصور نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔ "میرے اور منیزہ کے جھگڑے میں تم لوگوں کو انوالو نہیں ہونا چاہیے۔ امبر اپنی مرضی سے منیزہ کے ساتھ گئی ہے۔"

"ہم بھی اپنی مرضی سے یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔"

"وہ عورت کیا دے سکتی ہے تمہیں، وہ خود بھی خوار ہوگی اور تمہیں بھی کرے گی۔"

"خوار کرنے کا سلسلہ تو آپ نے شروع کیا ہے پھر اب آپ کو ہماری کیوں فکر ہو رہی ہے۔ آپ چند گھنٹوں میں اپنی نئی بیوی اس گھر میں لے آئے ہیں، اس سے زیادہ کیا کریں گے۔"

"اپنا منہ بند رکھو، یہ مت بھولو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔" منصور علی کو غصہ آ گیا۔ "میں نہیں چاہتا کہ تم اس عورت کے پاس جا کر اپنی زندگی برباد کرو۔"

"وہ عورت میری ممی ہیں۔"

"وہ ایک بے وقوف عورت ہے، بے وقوف اور ضدی...... اور جس عورت میں یہ دونوں خصوصیات ہوں، وہ عورت کوئی رشتہ نہیں نبھا سکتی۔" منصور نے تنفر سے کہا۔

"آپ تو بے وقوف نہیں تھے، آپ نے رشتے نبھا لیے؟" منصور چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں کہہ سکے۔

"وہ اپنی تباہی کی خود ذمہ دار ہے۔" انہوں نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ "میں نے دوسری شادی کر کے کوئی گناہ نہیں کیا تھا کہ وہ اس پر اس طرح ہنگامہ برپا کر دیتی۔ میں ایک چھوڑ کر تین شادیاں اور کرتا، اسے کیا تکلیف تھی۔"

منصور اب روشان کو لاشعوری طور پر وضاحتیں دینے میں مصروف تھے۔

"اس عورت نے ساری زندگی مجھے استعمال کیا، گھر کو جہنم بنا کر رکھ دیا، تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ میں اس کے ساتھ کتنی مشکل زندگی گزار رہا تھا، صرف تم لوگوں کی وجہ سے۔"

روشان بے یقینی سے باپ کو جھوٹ بولتے دیکھ رہا تھا۔ چند ماہ پہلے اس نے منصور علی کو کبھی منیزہ سے ناخوش نہیں دیکھا تھا، کبھی نہیں...... اور اب یک دم وہ اسے اپنے اس ذہنی سکون کے بارے میں بتا رہے تھے جس سے وہ محروم تھے۔ منصور اب روشان کو منیزہ کے رخشی کے گھر جانے کے بارے میں بتا رہے تھے۔ روشان بے تاثر چہرے اور سرد مہری کے ساتھ منصور علی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود منیزہ کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔ اس نے دل میں اعتراف کیا مگر باپ سے یہ نہیں کہا۔

"تم اس کے پاس چلے جاؤ گے تو وہ تمہیں کہاں رکھے گی، تمہارے اخراجات کہاں سے پورے کرے گی۔ میں تو اسے کچھ نہیں دوں گا، ایک پیسہ تک نہیں۔ اگر تم امبر کی طرح یہ گھر چھوڑ کر چلے جاتے ہو تو میں تمہیں دوبارہ کبھی یہاں آنے نہیں دوں گا۔ میں تمہیں اپنی جائیداد میں سے کوئی حصہ تک نہیں دوں گا۔ جس اسکول میں تم پڑھ رہے ہو، اس کی فیس منیزہ تو افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"مجھے صرف چند ماہ اسکول میں گزارنے ہیں پھر مجھے کسی فیس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" روشان نے باپ کو یاد دہانی کروائی۔

"اولیولز کر لو گے تو کیا کرو گے......؟ دنیا سڑک پر تمہارے استقبال کے لیے کھڑی نہیں ہوگی کہ تم اس اسکول سے اولیولز کر کے نکلو اور تمہیں کسی بڑے عہدے پر فائز کر دیا جائے۔" منصور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کرلوں گا کچھ نہ کچھ، آپ کو اس کے بارے میں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔" روشان نے اکھڑے ہوئے لہجے میں ہکا۔ "آپ کو میری پرواہ ہوتی تو آپ یہ سب نہ کرتے جو آپ نے کیا ہے۔"

"جو میں نے کیا ہے، اس کا تعلق میری زندگی سے ہے، تمہاری زندگی سے نہیں۔" منصور نے کہا۔

"میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں، آپ مجھے یہاں سے جانے دیں۔" منصور کی بات کا جواب دینے کی بجائے روشان نے اصرار کیا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں، میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔" منصور علی نے اسی دوٹوک انداز میں کہا۔ "تم میرے اکلوتے بیٹے ہو، مجھے تم سے کتنی محبت ہے، تم جانتے ہو۔ تم میری تمام جائیداد کے وارث ہو، میں تمہیں سڑکوں پر دھکے کھانے یا رشتہ داروں کے گھروں پر ان کے ٹکڑوں پر پلنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔" منصور نے کہا۔

"آپ صرف اپنی فکر کریں۔" اس نے تحقیر آمیز لہجے میں کوریڈور کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا۔ "یا پھر اپنی اس نئی بیوی کی فکر کریں جسے آپ یہاں لے کر آئے ہیں۔"

منصور اس کی بات پر مشتعل ہو گئے۔

"اپنی زبان پر قابو رکھو، میری محبت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ۔ اب اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اپنے کمرے میں جاؤ، میں کل دوبارہ تم سے بات کروں گا۔"

منصور علی پاؤں پٹختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

وہ اپنے کمرے میں گئے ہی تھے جب چوکیدار نے انٹرکام پر انہیں صبغہ کی آمد کا بتایا۔ وہ ان سے پوچھ رہا تھا کہ کیا اسے صبغہ کو اندر آنے دینا چاہیے۔ منصور رخشی کے تیوروں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بار پھر ان ہی قدموں سے واپس لاؤنج میں آ گئے۔

روشان اور ان کی چھوٹی دونوں بیٹیاں ابھی بھی لاؤنج میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ منصور کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا۔

روشان انہیں دیکھ کر ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔ "ہمیں یہاں سے جانا ہے۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے اسی اکھڑ انداز میں کہا۔

"صبغہ آ رہی ہے، میں اس سے بات کرنے کے لیے آیا ہوں۔" منصور نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کے کہنے پر یہاں رہنے کے لیے تیار ہو جائے گی۔"

"ان میں سے کوئی بھی اگر یہاں رہنا نہیں چاہتا تو نہ رہے، میں زبردستی نہیں کروں گا مگر روشان تمہاری بات دوسری ہے۔ تمہیں اپنی ماں کی طرح تنگ نظری کا مظاہرہ کرنے کی بجائے میرا نقطہ نظر بھی سمجھنا چاہیے، ابھی تم چھوٹے ہو۔" منصور علی کا انداز بہت مصالحانہ تھا۔ "چند سالوں بعد جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو میری پچویشن کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکو گے۔"

روشان نے اس بار کچھ نہیں کہا، وہ نروٹھے انداز میں لاؤنج کے دروازے پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔ واضح طور پر وہ صبغہ کے اندر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"تمہارے پاس موجود ہر آسائش صرف میری وجہ سے ہے، میں نہ ہوں تو تم لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ رہے۔" منصور کے لہجے کی نرمی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ "اور تم لوگ مجھے اس کا صلہ یہ دے رہے ہو۔ منیزہ نے کیا کیا ہے تمہارے لیے، کچھ بھی نہیں۔ تم لوگوں کو میرا ذرہ برابر خیال نہیں ہے، تم لوگوں کو صرف منیزہ سے ہمدردی ہے۔"

"جو کچھ آپ نے ان کے ساتھ کیا ہے، اس کے بعد صرف ہمیں ہی نہیں، ہر ایک کو انہیں کے ساتھ ہمدردی ہوگی۔" روشان ان کی گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔

"دوسری شادی کوئی جرم نہیں ہے۔" منصور نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"میں تو کسی کے سامنے شرم سے سر بھی نہیں اٹھا سکوں گا، جب کوئی مجھ سے آپ کی اس عمر میں شادی کے بارے میں

سوال کرے گا۔"

"چھپا لینا اس بات کو، اگر تم میری شادی پر اتنے ہی شرمسار ہو۔"

"میں چھپاؤں گا اور سب کچھ چھپا رہے گا۔" روشان یکدم چلایا۔ "پوری کالونی کے سامنے آپ نے ممی کو دھکے دے کر گھر سے نکالا ہے، کوئی لحاظ کیے بغیر اور آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میں اس خبر کو چھپا لوں۔ اندھوں اور بہروں کے شہر میں رہتا ہوں میں؟"

"تمہیں اپنی ماں کی تکلیف اور بے عزتی کا احساس ہو رہا ہے، مگر اس تکلیف اور بے عزتی کا احساس نہیں ہے جس سے اس نے مجھے اور رخشی کو دوچار کیا ہے، اس نے رخشی کے گھر کے باہر اسی طرح کا ہنگامہ کیا تھا پوری کالونی کے سامنے۔"

"رخشی کی اگر بے عزتی ہوئی ہے تو آپ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ آپ نے اس سے کیوں خفیہ شادی کر رکھی تھی اور میں...... میرا تو دل چاہتا ہے کہ اسے شوٹ کر دوں۔ یہ امبر کی دوست بن کر یہاں آئی اور اس نے ہمارے گھر پر قبضہ کر لیا۔" روشان کے لہجے میں رخشی کے لیے بے پناہ نفرت تھی۔ "ممی تو صرف اس کی بے عزتی کر کے آئی تھیں، میں ہوتا تو میں وہاں اسے شوٹ کر کے آتا۔"

"یہ سارا زہر تمہاری ماں نے تم لوگوں کے اندر انڈیل رکھا ہے، میں نے بہت اچھا کیا اس عورت کو طلاق دے دی، مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ وہ اور کچھ سال یہاں اس گھر میں میرے ساتھ رہ جاتی تو پتا نہیں اور کتنا زہر تم لوگوں کے اندر بھر دیتی۔" منصور علی ایک بار پھر مشتعل ہو گئے۔

صبغہ اسی وقت لاؤنج میں داخل ہوئی۔ "السلام علیکم پاپا!" اس نے اندر داخل ہوتے ہی منصور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ منصور کے تاثرات پر اس نے بعد میں غور کیا تھا۔ منصور نے جواب دینے کے بجائے اس سے نظریں چرائی تھیں۔

اگلے لمحے صبغہ نے روشان اور اپنی چھوٹی دونوں بہنوں کو دیکھا اور پھر لاؤنج کے صوفوں کے پاس پڑے بیگز کو پھر اس نے روشان اور اپنی چھوٹی دونوں بہنوں کے چہروں کو دیکھا جو ستے ہوئے تھے، وہ کچھ حیران ہوئی۔

"کیا ہوا، آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں؟" اس نے روشان اور منصور کے چہروں پر باری باری نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ روشان چند قدم آگے بڑھ آیا۔

"پاپا نے ممی کو طلاق دے کر امبر کے ساتھ گھر سے نکال دیا ہے۔" اس نے صبغہ سے کہا۔ صبغہ کا رنگ اڑ گیا۔ چوکیدار اب اندر آ کر بیگ اس کے پاس رکھ کر باہر جا رہا تھا۔

صبغہ بے یقینی کے عالم میں روشان اور منصور کو دیکھنے لگی۔

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" اس نے بمشکل کہا۔ "ہم لوگ بھی گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں آپ بھی چلیں۔" روشان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ صبغہ اب منصور علی کو دیکھ رہی تھی۔ جو اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑے تھے۔

"آپ...... پاپا آپ...... آپ نے ممی کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے انہیں گھر سے نکال دیا ہے؟" وہ بے اختیار منصور کی طرف آئی۔

"ہاں۔ میں نے اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا ہے۔" منصور نے تلخی سے کہا۔

"کیوں؟...... کیوں......؟ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ ممی نے کیا کیا تھا؟ ان کا کیا قصور تھا......؟" صبغہ یکدم رونے لگی۔

"تم لوگ یہاں سے جانا چاہتے ہو...... دفع ہو جاؤ اور دوبارہ کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا......" منصور علی یک دم چلانے لگے۔

"اور تم......" منصور علی...... صبغہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ "تم بھی جانا چاہتی ہو چلی جاؤ۔ جو اس وقت مجھے چھوڑ کر منیزہ کے پاس جائے گا وہ پھر ہمیشہ کے لیے منیزہ کے پاس ہی رہے گا۔ میں تم لوگوں کو اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا ایک پھوٹی

کوڑی تک نہیں دوں گا۔" وہ اسی طرح چلاتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئے۔

"ہوں...... جائیداد میں سے حصہ......" روشان نے نخوت سے کہا "ہمیں ضرورت نہیں ہے ان کی جائیداد کی...... نہ ہی اس گھر کی، تم بھی اپنا بیگ تیار کرو اور چلو ہمارے ساتھ۔" روشان نے صبغہ سے کہا۔

"تم نے پاپا کی بات سنی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم یہاں سے چلے گئے تو یہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔" صبغہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں اس کو اس گھر میں اپنی ممی کے کمرے میں رہتے ہوئے تو نہیں دیکھ سکتا۔"

"میں ممی سے بات کرتی ہوں۔" صبغہ نے یک دم اٹھ کر فون کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "کیا انکل مسعود کو پتا ہے کہ پاپا نے ممی کو گھر سے نکال دیا ہے؟" صبغہ نے کال کے لیے نمبر ڈائل کرتے ہوئے روشان سے پوچھا۔

☆☆☆

"منصور نے منیزہ کو طلاق دے دی ہے۔" مسعود علی نے طلحہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت فیکٹری میں ہی تھے۔

"کیا......؟ منصور چچا نے...... مائی گاڈ......" طلحہ یک دم پریشان ہو گیا۔ مسعود علی اب کرسی پر بیٹھ رہے تھے۔

"مگر آپ کو یہ سب کس نے بتایا ہے؟"

"منیزہ کے بھائی نے مجھے فون کیا تھا۔ منیزہ امبر کے ساتھ اپنے میکے چلی گئی ہے۔ منصور نے ان دونوں کو گھر سے نکال دیا ہے۔"

"مگر کیوں؟ امبر کو کیوں؟" طلحہ بے چین ہوا۔

"منیزہ نے رخشی کے گھر جا کر اس سے جھگڑا کیا تھا اور منصور نے اسی بات پر غصے میں آ کر اسے طلاق دے دی۔ امبر بھی منیزہ کے ساتھ ہی گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ تم جانتے ہو وہ بالکل عقل سے پیدل ہے۔ اس سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے۔" مسعود علی نے تبصرہ کیا۔

"پہلے اس نے یہ رخشی والا مسئلہ کھڑا کیا اور اب......" مسعود علی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن اب ہوگا کیا؟" طلحہ بڑبڑایا۔

"منیزہ کا بھائی چاہتا ہے کہ میں منصور سے مصالحت کی بات کروں۔"

"مصالحت کی بات...... یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں کہ منصور چچا نے انہیں طلاق دے دی ہے۔"

"اس کا بھائی کہہ رہا تھا، ابھی منصور نے زبانی طلاق دی ہے، تحریری طور پر طلاق نہیں دی۔ اگر میں اسے مجبور کروں تو ہو سکتا ہے کہ وہ منیزہ کو تحریری طور پر طلاق دینے سے باز رہے۔ اس کے بھائی کو یہ فکر لاحق ہو رہی ہوگی کہ اب منیزہ کو اسے اپنے پاس رکھنا پڑے گا۔ تمہیں منیزہ کے مزاج کا تو اندازہ ہی ہے۔ وہ ہر جگہ کیسے ایڈجسٹ ہو سکتی ہے اور پھر ان حالات میں۔"

"آپ نے ان سے کیا کہا؟"

"میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ طلاق نہ ہوئی ہوتی تو میں منصور کو سمجھانے کی کوشش کرتا لیکن اب...... اب بہت دیر ہو چکی ہے، ویسے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ منصور میری ہر بات مانے۔"

"منصور چچا کے مزاج کا واقعی پتہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ سب کچھ بہت برا ہوا ہے آخر منصور چچا کو کیا ضرورت تھی اس طرح منیزہ چچی کو طلاق دینے کی۔ شادی کر لی تھی تو ٹھیک ہے۔ سب کچھ اسی طرح چلتا رہنے دیتے۔"

"اس میں منیزہ کی بھی بے وقوفی ہے۔ اسے کس نے مشورہ دیا تھا کہ وہ رخشی کے گھر پہنچ جائے۔"

"منیزہ چچی کی تو خیر آپ بات ہی نہ کریں۔ آپ جانتے ہی ہیں ان کی عادتوں کو۔ وہ اپنے آپ کو ضرورت سے زیادہ

عقل مند سمجھتی ہیں۔" طلحہ نے تبصرہ کیا۔ "مگر مجھے تو اب یہ پریشانی ہو رہی ہے کہ منصور چچا کا رویہ پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیسا ہو گا۔؟"

"کیوں ہمارے ساتھ اس کے رویے کو کیا ہو گا جب ہم کسی معاملے میں مداخلت ہی نہیں کر رہے تو وہ ہمارے ساتھ اپنا رویہ کیوں تبدیل کرے گا۔" مسعود نے کہا۔

"امبر کی اس طرح کی حمایت کو وہ کیا معنی دیں گے؟"

"یہ ان کا اپنا مسئلہ ہے۔ وہ ہمیں اس میں کیوں انوالو کریں گے۔"

"رخشی کی وجہ سے اگر وہ منیزہ چچی کو طلاق دے سکتے ہیں تو امبر کی ان کے نزدیک کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔"

"اور کچھ امبر خود بھی تو احمق ہے اگر اس کی کچھ اہمیت ہے بھی تو وہ اسے ختم کر لے گی۔" مسعود نے فکر مندی سے کہا۔

"امبر مجھ سے بھی یقیناً رابطہ کرے گی کہ میں آپ کو منصور چچا سے بات کرنے کے لیے کہوں؟" طلحہ کو اپنی فکر ہونے لگی۔

"تم اس سے صاف صاف کہہ دینا کہ میں اس معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ میں منصور کا بڑا بھائی ضرور ہوں مگر منصور ہر معاملے میں مجھ سے مشورہ کرنے کا عادی نہیں ہے اور اب تو ویسے بھی طلاق ہو چکی ہے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ تم فی الحال امبر سے گریز کرو۔ اس سے اس مسئلے کے بارے میں بات ہی نہ کرو۔"

"گریز کیسے کروں گا میں اس سے...... وہ کبھی بھی فون پر مجھ سے رابطہ کر سکتی ہے۔"

"تم اسے کسی بھی طرح ٹال دینا۔ بہتر یہ ہے کہ کچھ دن کے لیے کسی دوسرے شہر چلے جاؤ۔"

☆☆☆

"روشان سے کیا کہہ رہے تھے آپ؟" منصور علی کے بیڈ روم میں آتے ہی رخشی نے ان سے پوچھا۔ اس نے روشان اور ان کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو کو کوریڈور میں کھڑے ہو کر چھپ کر سنی تھی اور اس گفتگو نے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا میں روشان سے؟" منصور علی نے جواباً پوچھا۔ وہ اس وقت ذہنی طور پر بری طرح الجھے ہوئے تھے۔

"اگر روشان یہاں نہیں رہنا چاہتا تو آپ اسے زبردستی یہاں کیوں رکھ رہے ہیں؟"

"وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے رخشی۔" سگریٹ کا ایک کش لے کر انہوں نے رخشی سے کہا۔

"تو......؟" رخشی نے ماتھے پر چند بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں اسے اس کی ماں کے پاس نہیں بھیج سکتا۔"

"اس کی مرضی کے بغیر آپ اسے یہاں کیسے رکھ سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں رکھ سکتا...... میں اس کا باپ ہوں۔"

"اور منیزہ اس کی ماں ہے اور وہ اسی کے پاس رہنا چاہتا ہے۔"

"وہ احمق ہے۔" منصور علی نے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"جب آپ نے طلاق دے کر اس سے تمام تعلقات ختم کر لیے تو پھر بچوں کو زبردستی اپنے پاس رکھنے کا کیا مطلب ہے...... انہیں بھی اس کے پاس بھیجیں۔"

"میرا تعلق منیزہ کے ساتھ ختم ہوا ہے۔ بچوں کے ساتھ نہیں۔ میں ان کا باپ ہوں۔" منصور علی نے پتہ نہیں کس ذہنی رو میں آ کر کہا۔

"جن بچوں کو آپ کی پرواہ نہیں ہے، آپ ان کی پرواہ کیوں کر رہے ہیں؟"

"وہ ابھی بے وقوف ہیں۔ بہت سے حقائق کو نہیں سمجھتے۔ میرے پاس رہیں گے تو بہت کچھ سمجھنے لگیں گے۔"

''اور اس رویے کے ساتھ وہ یہاں رہیں گے تو میرا کیا ہوگا۔'' رخشی نے کہا۔

''کیا مطلب......؟ تمہارا کیا ہوگا؟''

''جو سلوک آپ کی بیوی نے میرے گھر کے گیٹ پر میرے ساتھ کیا، وہی سب کچھ آپ کے بچے گھر کے اندر میرے ساتھ کریں گے۔''

''وہ کچھ نہیں کریں گے۔''

''کچھ نہیں کریں گے؟ آپ نے اپنے بیٹے کی باتیں سنی ہیں۔ صرف گالیوں کی کمی تھی ورنہ اور تو سب کچھ کہہ دیا ہے اس نے میرے بارے میں۔''

''تم نے اس کی باتیں سن لیں؟''

''نہیں سنی چاہیے تھیں؟'' رخشی نے شرمندہ ہوئے بغیر جواباً پوچھا۔

''وہ ابھی غصے میں تھا اس لیے اس طرح کی باتیں کر رہا تھا ورنہ وہ اس طرح کا بچہ نہیں ہے۔'' منصور علی نے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

''منصور! میں اس طرح کے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔ یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''میں اسی لیے تو تمہیں اس گھر میں نہیں لا رہا تھا۔ تمہارے لیے وہی گھر بہتر تھا۔'' منصور نے کہا۔

رخشی اس کی بات پر مشتعل ہو گئی۔ ''کیوں بہتر تھا میرے لیے وہ گھر...... میں اس گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔ آپ اپنے بچوں کو اس گھر میں بھیج دیں۔'' اس نے تنک کر کہا۔

''وہ گھر تمہارے نام ہے۔ یہ جانتی ہو تم...... پھر انہیں وہاں کیسے بھیج سکتا ہوں اور پھر یہ اکیلے وہاں کیسے رہ سکتے ہیں۔''

''میں اکیلی رہ سکتی تھی تو یہ بھی رہ سکتے ہیں۔ چھوٹے بچے تو نہیں ہیں۔ اور اگر آپ کو ان کی اتنی ہی فکر ہے تو آپ انہیں منیزہ کے پاس بھجوا دیں۔ وہ جیسے چاہے انہیں رکھے۔ کم از کم آپ کو تو ان کی پریشانی نہیں ہوگی۔''

''میں بیٹیوں کو اس کے پاس بھجوا سکتا ہوں مگر بیٹے کو نہیں یہ بات تو طے ہے۔'' منصور نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''کیوں روشان کو کیوں نہیں بھجوا سکتے۔''

''میں ترپ کا پتا اس احمق عورت کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا...... اور تم بھی کچھ عقل سے کام لو...... روشان منیزہ کے پاس چلا گیا تو سمجھو میری جائیداد کا ایک بڑا حصہ اس کے پاس چلا جائے گا۔ آج نہیں تو کل وہ کورٹ میں اسے میرے خلاف لے جائے گی۔ تب میں کیا کروں گا؟'' منصور علی نے سگریٹ کا بچا ہوا ٹکڑا ایش ٹرے میں پھینکتے ہوئے کہا۔

''اور پھر میں اپنے اکلوتے بیٹے سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا۔ میں اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ کل کو وہ میری جگہ اس فیکٹری کو سنبھالے گا۔ وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا تو سب نکل جائے گا۔ مجھے زبردستی کرنی پڑے تب بھی میں اسے اس گھر میں سے نہیں جانے دوں گا۔''

''اور جواب آپ اسے کہہ کر آئے ہیں کہ وہ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے۔''

''چوکیدار اسے گھر سے نکلنے نہیں دے گا، وہ زیادہ سے زیادہ گیٹ تک ہی جا سکتا ہے۔'' منصور علی نے ایک اور سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ رخشی کچھ دیر خاموشی سے بیٹھی منصور علی کو دیکھتی رہی پھر اس نے منصور سے کہا۔

''آپ روشان کو گھر میں رکھنے کے بجائے کسی ہاسٹل میں داخل کروا دیں۔'' منصور نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تمہیں یہ خیال کیوں آیا ہے؟''

''وہ بہت ایگریسو ہو رہا ہے...... مجھے اس سے خوف آ رہا ہے۔'' رخشی نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''بچوں جیسی باتیں مت کرو۔'' منصور علی نے کہا۔ ''تھوڑا بہت غصہ تو اسے آنا ہی تھا۔ کچھ دن گزر جائیں گے تو وہ خود ہی نارمل ہو جائے گا۔''

''آخر اسے ہاسٹل میں داخل کروانے پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ کیا چوبیس گھنٹے اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھنا ضروری ہے آپ کے لیے؟'' رخشی بری طرح چڑ گئی۔

''یہ بعد کی بات ہے۔''

رخشی نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ ایش ٹرے میں پڑے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑے کو دیکھ رہی تھی جس میں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہ ان چیزوں اور کاموں کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اسے آئندہ کرنے تھے۔ اسے بہت سارے کام کرنے تھے۔ بہت سارے معاملات نمٹانے تھے۔ کچھ حساب وہ چکا چکی تھی۔ کچھ حساب اسے چکانے تھے۔ اس گھر میں آنے سے پہلے اس کا خیال تھا اس کے راستے کی واحد رکاوٹ امبر تھی اور امبر خود ہی اس کے راستے سے ہٹ گئی تھی۔ لیکن اس گھر میں پہنچنے کے بعد اسے پتا چلا تھا کہ منصور علی کی ایک اور رکاوٹ بھی تھی جس کا اسے سامنا تھا۔ منصور علی کا اکلوتا بیٹا روشان وہ اب بہت سے معاملات کے بارے میں نئے سرے سے سوچ رہی تھی۔ ''جائیداد کا وارث'' منصور کا جملہ اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پڑے ہوئے بلوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ منصور علی اب تیسرا سگریٹ سلگا رہے تھے۔ رخشی ''تیسرے رستے'' کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

''چلیں پھر......؟'' روشان نے صبغہ کے فون رکھتے ہوئے کہا۔ جو بہت الجھی ہوئی اور سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

''روشان! ہم فی الحال کہیں نہیں جا رہے۔'' صبغہ نے اپنے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے رگڑتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' روشان کے ماتھے پر بل آ گئے۔

''پاپا بہت ضدی ہیں۔ وہ وہی کریں گے جو انہوں نے کہا ہے۔ ہم خالی ہاتھ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ ہمارے ایگزام ہونے والے ہیں، ہم انکل کے گھر کیسے رہیں گے؟''

''تمہیں یہاں رہنا ہے رہو...... میں یہاں نہیں رہوں گا۔''

''یہ ہمارا گھر ہے روشان......''

''یہ ہمارا گھر نہیں ہے۔ یہ پاپا کا گھر ہے۔ یہ ان کی نئی بیوی کا گھر ہے۔''

''پاپا نے جو کچھ کیا ہے غلط کیا ہے مگر ہم اس گھر کو چھوڑ کر بھی غلطی کریں گے۔ رخشی تو یہی چاہے گی کہ ہم اس گھر کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس کے لیے راستہ صاف کر دیں۔ مگر ایسا کیوں کریں۔ ابھی تو پاپا ہم سے رکنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ گھر چھوڑ دیں گے تو یہاں واپس نہیں آ سکیں گے۔'' روشان نے اس بار کچھ الجھی ہوئی نظروں سے صبغہ کو دیکھا۔

''ہمیں یہیں رہنا چاہیے روشان! اس گھر کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔ ٹھیک ہے، پاپا نے ممی کو طلاق دے دی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کچھ عرصہ کے بعد ہم انہیں مجبور کر دیں کہ وہ کم از کم ممی کو اس گھر میں ہمارے پاس رہنے دیں۔ اور خود اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے گھر میں چلے جائیں۔ ہو سکتا ہے وہ ہماری بات مان جائیں۔''

وہ اب اسے سمجھا رہی تھی۔

''انکل کا گھر تو ہمارا نہیں ہو گا۔ وہاں ہم کتنے دن رہ سکیں گے۔ کون سپورٹ کرے گا ہمیں؟ یہ ساری زندگی کی بات ہے۔ ایک دو دن کا معاملہ تو نہیں ہے۔''

''تم مسعود انکل سے بات کرو...... ان سے کہو کہ وہ پاپا سے بات کریں۔'' روشان نے اس بار دھیمے لہجے میں صبغہ سے کہا۔

''وہ بات نہیں کریں گے۔ انہیں بات کرنی ہوتی تو وہ اب تک کر چکے ہوتے۔ کوئی بھی ہماری مدد نہیں کرے گا۔ کم از کم خود کو نقصان پہنچنے کی صورت میں تو کبھی نہیں۔ تمہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ ہمیں جو بھی کرنا ہے خود ہی کرنا ہے۔''

روشان کچھ جھنجلایا ہوا اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"یہ سب کچھ امبر کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے۔"

"اس کو کیا پتا تھا روشان کہ رخشی یہ سب کچھ کرے گی۔" صبغہ نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے کبھی بھی رخشی اچھی نہیں لگی۔ اس کی شکل دیکھ کر مجھے غصہ آتا تھا۔ مجھے پتا ہوتا کہ وہ کبھی یہ سب کچھ کرے گی تو میں......" روشان کا چہرہ ایک بار پھر غصے سے سرخ ہونے لگا۔

"صرف رخشی کا قصور نہیں ہے۔ پاپا کا بھی قصور ہے۔ پاپا نے بھی تو خودغرضی کی حد کردی ہے۔" صبغہ نے اپنی چھوٹی دونوں بہنوں کو دیکھتے ہوئے کہا، وہ اب وہیں صوفہ پر سوئی ہوئی تھیں۔

"یہ سب ہمارے ساتھ کیوں ہوا ہے۔ دنیا میں اتنے لوگ ہیں آخر ہمارے ساتھ ہی یہ سب کچھ کیوں ہوا ہے۔" روشان نے اس بار کچھ بے بسی سے کہا۔

"مجھے تو یقین نہیں آرہا کہ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں ٹرپ سے واپس آؤں گی تو...... رخشی نے ممی کی تمام چیزوں پر قبضہ کرلیا ہوگا۔ ان کی جیولری، ان کی تمام چیزوں پر۔"

"میں صبح ممی کے کمرے میں جا کر وہاں سے ممی کی تمام چیزیں لے آؤں گا۔" روشان کو یک دم خیال آیا۔

"رخشی ہنگامہ کھڑا کردے گی۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ وہ بھونکتی ہے تو بھونکتی رہے۔" روشان نے نفرت سے کہا۔

"پاپا اس کی سائیڈ لیں گے، تمہاری نہیں۔ تمہیں کیا ضرورت ہے ممی کی جیولری اور دوسری چیزوں کی۔" صبغہ نے اس سے کہا۔ "پاپا کو خیال ہوگا تو وہ خود یہ ساری چیزیں ہمیں دے دیں گے۔ یا پھر رخشی سے کہہ دیں گے کہ وہ انہیں ہاتھ نہ لگائے۔"

"پاپا کچھ بھی نہیں کہیں گے...... جو کچھ اب تک وہ کر رہے ہیں، رخشی کے کہنے پر ہی کر رہے ہیں اور تمہارا خیال ہے کہ وہ رخشی کو ان چیزوں کو استعمال کرنے سے روک دیں گے۔"

"روشان! ہم فی الحال رخشی سے یا کسی سے بھی کوئی جھگڑا افورڈ نہیں کر سکتے۔ ممی نے بھی ایک بار جھگڑا کرنے کی کوشش کی تھی تم نتیجہ دیکھ رہے ہو۔" وہ اب بے حد سنجیدہ تھی۔ "میں نہیں چاہتی ہمارے ساتھ بھی یہی ہو۔ پاپا ہمیں بھی اسی طرح دھکے دے کر گھر سے نکال دیں۔"

"تو نکال دیں...... مجھے تو پرواہ نہیں ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ جو میں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ وہ سمجھو۔" صبغہ نے اس بار اسے ڈانٹا۔

"تمہیں رخشی سے کس قسم کا کوئی جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو چاہتی ہی یہی ہوگی کہ تم اس سے کوئی جھگڑا کرو۔ اور اسے پاپا کے کان ہمارے خلاف بھرنے کا موقع ملے۔ وہ بے حد چالاک ہے۔ بلکہ مکار اور خودغرض کہنا چاہیے۔ تم دعا کرو کوئی تصفیہ ہو جائے۔"

"مجھے تو نہیں لگتا رخشی کبھی ممی کے ساتھ کوئی تصفیہ ہونے دے گی۔ اسے ایسا کرنا ہوتا تو وہ ممی کو گھر سے نکلوا کر اس طرح ہمارے گھر پر قبضہ کبھی نہ کرتی۔" اس کے لہجے میں بے انتہا مایوسی تھی۔

اس رات وہ دونوں وہیں لاؤنج میں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ انہوں نے ساری رات جاگتے ہوئے گزارتی تھی۔ زندگی یک دم انہیں ایک عجیب موڑ پر لے آئی تھی۔ اندھی گلی شاید اسے ہی کہتے تھے۔

صبغہ کا مزاج امبر سے بہت مختلف تھا۔ رونے دھونے کے بعد اب وہ اس صورت حال پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کر رہی تھی۔

منصور علی کو ان کی عدم موجودگی یا ان کے چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اس وقت ان کے لیے رخشی ہی کافی تھی۔ باقی کسی رشتے کی ضرورت نہیں رہی تھی انہیں۔ مگر خود وہ سب ہر لحاظ سے تب تک منصور علی کے محتاج تھے۔ روشان کو سمجھانا اس کے لیے مشکل نہیں تھا اس کی روشان سے بہت انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ باقی تمام بہنوں کی نسبت روشان

اس سے زیادہ قریب تھا اور وہ جانتی تھی کہ شدید غصے میں ہونے کے باوجود وہ صبغہ کو اکیلا منصور علی کے گھر پر چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ مگر رخشی اسے خوفزدہ کر رہی تھی جس نے منیزہ کو طلاق دلوانے کے چند گھنٹے بعد ہی اس کے گھر پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اور کیا کیا کر سکتی تھی، کم از کم صبغہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتی تھی مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ وہ ان سب کو وہاں نہیں دیکھنا چاہتی ہو گی اور اسی لیے صبغہ نے وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

☆☆☆

''تم نے یہ فیصلہ کرنے میں کچھ جلد بازی کی۔ مگر اچھا فیصلہ کیا۔'' منصور اگلے دن آفس میں ہارون کمال سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی بہادری کا مظاہرہ کرو گے۔ میں تو سمجھتا تھا، تم ابھی سوچنے میں بہت دیر لگاؤ گے اور شاید کبھی بھی اپنی بیوی کو طلاق نہ دے سکو، لیکن تم نے مجھے حیران کر دیا۔''

''صرف تمہیں ہی نہیں اس بار میں نے بہت سے لوگوں کو حیران کیا ہے۔ لوگوں کو حیران کرتے رہنا چاہیے۔'' منصور علی نے شگفتگی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ ہارون کمال جدوجہد کر کے مسکرایا۔

''ویسے تمہیں امبر کو گھر سے نکالنا نہیں چاہیے تھا۔'' ہارون نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

''میں نے اسے گھر سے نہیں نکالا، اس نے خود میرے گھر پر رہنے کے بجائے منیزہ کے ساتھ جانے کو ترجیح دی۔'' منصور علی نے وضاحت کی۔

''پھر بھی..... وہ تمہاری بیٹی تھی۔ تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ بیٹی کے ساتھ اس طرح کا رویہ مناسب نہیں تھا۔'' ہارون کمال نے ایک بار پھر ہمدردی کا اظہار کیا۔

''مناسب تھا یا نہیں..... اس نے ہر چیز کا انتخاب خود کیا۔ ورنہ باقی سارے بچے بھی تو میرے ہی گھر پر ہیں۔ وہ کیوں نہیں اس طرح اپنی ماں کے پیچھے بھاگے گئے۔'' منصور علی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ہارون کمال خاموش رہا پھر کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

''تم نے مسعود علی اور اس کے بیٹوں کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' یک دم پوچھے جانے والے اس سوال نے منصور علی کو حیران کیا۔

''مسعود بھائی اور ان کے بیٹوں کے بارے میں کیا سوچنا ہے۔ مجھے؟''

''انہیں اپنے بزنس سے الگ کر دو۔'' ہارون کمال نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''کیا.....؟'' منصور نے بے اختیار کہا۔

''ہاں..... انہیں اپنے بزنس سے الگ کر دو۔''

''لیکن کیوں..... اس کی کیا ضرورت ہے؟'' منصور نے اعتراض کیا۔

''تمہیں آستین کے سانپ نہیں پالنے چاہئیں۔ مسعود علی اور اس کے بیٹے رخشی سے تمہاری شادی کو دل سے قبول نہیں کریں گے۔''

''انہوں نے ابھی تک تو کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا اور میرا خیال ہے کہ وہ کسی ردعمل کا اظہار کریں گے بھی نہیں۔'' منصور نے کہا۔

''ہاں..... ہو سکتا ہے ظاہری طور پر وہ تم سے کچھ نہ کہیں، لیکن اندر سے ان کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ تو کبھی نہیں ہوں گی۔'' ہارون کمال نے کہا۔ ''تمہیں اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ وہ تمہارے بارے میں ہر قسم کی انفارمیشن تمہاری سابقہ بیوی کو پہنچاتے رہیں گے اور وہ اسے تمہارے خلاف استعمال کر سکتی ہے۔''

''لیکن.....'' ہارون کمال نے اس کی بات کاٹ دی۔

''مسعود علی امبر اور صبغہ سے اپنے بیٹوں کی شادی ہو جانے کے بعد یہ سوچ رہا ہو گا کہ تمہاری اس فیکٹری پر اس کا مکمل

قبضہ ہو جائے گا۔ لیکن رخشی سے دوسری شادی کر کے تم نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ وہ یہ سب کچھ آسانی سے تو نہیں بھولیں گے۔"

ہارون کمال بڑی چالاکی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "امبر اور صبغہ کی ان دونوں کے ساتھ رخصتی ہو جائے گی اور یہ دونوں اس فیکٹری کو چلاتے رہیں گے تو منیزہ اپنی بیٹیوں کے ذریعے ان دونوں کو استعمال کرتی رہے گی۔ بلکہ یہ سب مل کر تمہیں استعمال کریں گے اور آہستہ آہستہ یہ فیکٹری تم سے چھین لیں گے۔ تم اپنی بیوی سے تو اچھی طرح واقف ہی ہو، وہ کیا کر سکتی ہے۔ یہ بھی جانتے ہی ہو گے۔"

منصور علی اس کی بات پر یک دم پریشان ہو گئے۔

"تو پھر...... مجھے کیا کرنا چاہیے۔" انہوں نے ہارون سے پوچھا۔

"تمہارے پاس دو راستے ہیں۔"

"کون سے دو راستے؟"

"یا تو تم امبر اور صبغہ کی شادی طلحہ اور اسامہ سے نہ کرو۔"

"یہ تو ناممکن ہے۔ ان کے نکاح ہو چکے ہیں، اور اب...... اب میں کیا کہہ کر یہ طلاق کروا سکتا ہوں اور پھر دونوں کو......"

منصور علی نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں میں جانتا تھا...... یہ بہت مشکل ہے۔ اسی لیے میں نے پہلے اس آپشن کی بات نہیں کی۔" ہارون کمال نے سنجیدگی سے کہا "صرف دوسرے آپشن کی بات کی ہے۔"

"یعنی طلحہ اور اسامہ کو فیکٹری سے نکال دوں۔" منصور علی نے سمجھتے ہوئے کہا۔

"وہ کوئی تمہارے ملازم تو نہیں ہیں کہ تم انہیں فیکٹری سے نکالو گے۔" ہارون نے کہا۔

"تم صرف ان کے ساتھ اپنا کانٹریکٹ ختم کر دو۔ ان سے کہہ دو کہ تم ان کے ساتھ اب مزید آگے بزنس نہیں کر سکتے کیونکہ تم یہ فیکٹری مجھے بیچ رہے ہو۔"

منصور نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تمہیں بیچ رہا ہوں؟"

ہارون ہنسا..... "صرف زبانی طور پر بعد میں تم فیکٹری کو چلاتے رہنا اور یہ تو تم نے کانٹریکٹ میں بھی لکھوایا ہے کہ تم انہیں ان کے شیئرز کی قیمت دے کر کبھی بھی ان سے تعلق ختم کر سکتے ہو۔" ہارون کمال نے انہیں یاد دلایا۔ منصور علی جیسے کسی سوچ میں پڑ گئے۔

"تم زندگی میں ہمیشہ سولو فلائٹ کر کے جیتتے رہے ہو۔ اب بھی اسی طرح سے کامیاب رہو گے۔" ہارون کمال نے انہیں سوچتے دیکھ کر کہا۔

"مسعود علی یا اس کے بیٹے تمہاری فیکٹری کے لیے کوئی ایسا کام نہیں کر رہے جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔ وہ تم پر ایک بوجھ سے زیادہ کچھ نہیں۔ تمہیں ان کی ضرورت تھی کیونکہ تم باہر تھے اور اب تم یہاں ہو...... اپنی فیکٹری کو خود دیکھ سکتے ہو، بلکہ دیکھ رہے ہو۔" ہارون کمال کہہ رہا تھا۔

"لیکن مسعود بھائی اس تمام معاملے پر بہت شور کریں گے۔" انہوں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"کرنے دو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں فکر نہیں ہونی چاہیے۔"

"مجھے فکر نہیں ہے۔ لیکن اگر انہوں نے امبر اور صبغہ کو طلاق دے دی تو......؟" منصور علی نے بالآخر اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"تو یہ ان کا مسئلہ ہے۔ امبر تمہارے پاس نہیں ہے۔ تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے اور صبغہ کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہو گی۔ تمہیں اسامہ اور طلحہ سے اچھے داماد مل جائیں گے۔" ہارون کمال نے انہیں یقین دلایا۔

منصور علی کچھ کہنے کے بجائے خاموش رہے، ہارون کمال ان سے جو کچھ کہہ رہا تھا، اس کے بارے میں انہوں نے ابھی تک سوچا ہی نہیں تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے ہو؟"

"کچھ نہیں، میں تمہاری بات کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" منصور علی نے کچھ ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"بہت زیادہ سوچ و بچار کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔" ہارون کمال نے جتانے وال انداز میں کہا۔ "اور تم تو ویسے بھی فوری فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ فوری اور اچھا فیصلہ کرنے کی۔"

"لیکن ہر فیصلہ اتنی جلدی اور آسانی سے نہیں کیا جاسکتا۔" منصور علی اپنی کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے تھے۔ "کچھ فیصلے سوچ و بچار مانگتے ہیں۔"

"اس فیصلے میں ایسی کون سی چیز ہے جو تمہیں سوچنے پر مجبور کر رہی ہے؟" ہارون کمال نے اپنی بھنویں اچکا کر کہا۔ "شادی کے یا طلاق کے فیصلے سے زیادہ مشکل اور اہم تو نہیں ہے یہ فیصلہ۔"

"میں پوری دنیا کو یک دم اپنے خلاف نہیں کر سکتا۔" منصور علی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ابھی خاندان میں میری اس شادی اور منیزہ کو دی جانے والی طلاق کی وجہ سے بہت ہنگامہ برپا ہوگا۔ اب اگر اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے بھائی اور بھتیجوں کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں گا تو اس ہنگامے کو اور ہوا ملے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ منیزہ کے اپنے خاندان کے ساتھ میرا خاندان بھی ان کے ساتھ جا کھڑا ہو۔" منصور علی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو......؟" ہارون کمال کے ماتھے پر کچھ بل آئے۔

"تو یہ کہ اس وقت فوری طور پر اس طرح کا کوئی قدم اٹھانے سے بہتر ہے کہ میں کچھ دیر انتظار کروں۔" منصور علی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کچھ وقت گزرے گا تو میرے اس طرح کے کسی اقدام پر اتنا ہنگامہ برپا نہیں ہوگا جتنا اب ہو رہا ہے۔"

"اور یہ انتظار کتنا لمبا ہوگا؟" ہارون کمال میز پر قدرے آگے جھکتے ہوئے بولا۔

"میں نہیں جانتا۔" منصور علی نے کندھے اچکائے۔ "آگے چل کر حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں، یا کر سکتے ہیں اس کے بارے میں ابھی کچھ کہنا تو بہت مشکل ہے۔"

"اور اس عرصے کے دوران تمہارے بھائی اور بھتیجوں کو کھلی چھٹی ملی رہے؟" ہارون کمال نے سرد مہری سے کہا۔

"کیسی کھلی چھٹی؟"

"سب کچھ کرنے کی کھلی چھٹی...... جب تک تم انہیں نکالنے کا فیصلہ یا ارادہ کرو گے۔ وہ سب کچھ سمیٹ چکے ہوں گے۔"

منصور علی بے اختیار ہنسے۔ "کیا سمیٹ چکے ہوں گے، اتنے اختیارات نہیں ہیں ان کے پاس۔"

"جو لوگ نقصان پہنچانا چاہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے پاس اختیارات کتنے ہیں۔ وہ صرف نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے لیے وہ سو راستے نکال سکتے ہیں۔ پچاس راستے تو میں بھی ابھی بیٹھے بٹھائے تمہیں بتا سکتا ہوں۔" ہارون کمال مسلسل بول رہا تھا۔

"ہارون! وہ مجھے نقصان کیوں پہنچائیں گے؟"

"تمہاری شادی کی وجہ سے۔"

"میری شادی کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یہ صرف تمہارا خیال ہے۔" ہارون کمال نے کہا۔ "منیزہ کو طلاق دے کر اور امبر کو گھر سے نکال کر تم نے ان کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے بھائی اور بھتیجے اپنے مستقبل کے بارے میں اندیشوں کا شکار نہیں

ہو رہے ہوں گے۔"

"میں ان سے بات کر کے ان کو مطمئن کر دوں گا۔" منصور نے کہا۔

"اور وہ تمہارے کہنے سے مطمئن ہو جائیں گے؟" ہارون کمال نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ان کا تعلق مجھ سے ہے۔ منیزہ سے نہیں۔" منصور علی نے جتایا۔

"منیزہ سے نہیں...... امبر سے تو ہے۔" ہارون کمال نے کہا۔

"اور میں اس لیے بے فکر ہوں، وہ اتنے احمق تو نہیں ہیں کہ بزنس میں مجھے نقصان پہنچا کر اپنے لیے مسائل کھڑے کر لیں۔"

"ان کو کیا مسئلہ درپیش آ سکتا ہے؟" ہارون نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں ایسی صورت میں امبر اور صبغہ کا رشتہ ان کے ساتھ ختم کر دوں گا۔" منصور علی نے کہا۔

"امبر اپنی ماں کے لیے تمہیں چھوڑ گئی ہے، تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے، تمہارے نقصان کی خاطر اپنے شوہر کو چھوڑ دے گی۔"

"صبغہ تو چھوڑ دے گی۔ وہ تو میرے گھر پر ہی ہے۔"

ہارون کمال کو بے اختیار غصہ آیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اسے صبغہ کی پروا ہے نہ اس میں دلچسپی۔ اسے صرف امبر کی پروا تھی اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"ایک دفعہ وہ تمہیں مالی طور پر نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوگی کہ تمہاری بیٹیاں ان کے گھر آتی ہیں یا نہیں۔" ہارون کمال نے کہا "تمہاری دوسری شادی کے بعد انہیں ویسے بھی تمہاری بیٹیوں میں کوئی دلچسپی نہیں رہے گی اور تم نے رخشی کے نام اپنی کچھ جائیداد کر دی تو یہ دلچسپی اور بھی کم ہو جائے گی۔"

"فی الحال یہ مفروضے ہیں۔" منصور علی نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"میں مفروضوں پر یقین رکھنے والا آدمی ہوں، منصور!" ہارون کمال نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری طرح انتظار نہیں کرتا ہوں کہ پہلے کوئی مجھے پتھر مارے تو پھر میں اسے ٹھوکر ماروں۔ ایک تھپڑ کھا لینے کے بعد سو ٹھوکریں مارنے کے بعد بھی نہ نقصان پورا ہوتا ہے، نہ تکلیف، اور تم اس وقت تھپڑ کھانے کا انتظار کر رہے ہو۔ بہتر ہے کہ اس معاملے کو رخشی کے ساتھ ڈسکس کرو۔ وہ بہت سمجھدار لڑکی ہے۔ تمہیں اچھا مشورہ دے گی اور تمہیں اس کے مشورے پر عمل کرنا چاہیے۔" ہارون کمال نے جیسے انہیں راستہ دکھایا۔

"تم میرے بزنس پارٹنر ہو۔ تمہیں نقصان پہنچے گا تو مجھے بھی نقصان پہنچے گا۔ مارکیٹ میں میری ساکھ خراب ہوگی اور یہ میں برداشت نہیں کروں گا۔"

اس بار پہلی بار منصور علی نے بڑی سنجیدگی سے ہارون کے لہجے پر غور کیا۔ وہ انہیں مشورہ نہیں دے رہا تھا وہ انہیں دھمکا رہا تھا۔

"میں تمہارے رشتہ داروں کے لیے اپنے بزنس اور ساکھ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بزنس میں ویسے بھی رشتہ داریاں نہیں چلتیں۔ جہاں تم نے باقی سب کچھ سے چھٹکارا حاصل کیا ہے۔ اپنے بھائی اور اس کے بیٹوں سے بھی چھٹکارا حاصل کرو۔ جو انسان ایک اچھے فیصلے کے فوراً بعد دوسرا اچھا فیصلہ نہ کرے لوگ اسے بھی احمق کہتے ہیں۔"

منصور علی کو لگ رہا تھا، وہ اب صحیح طور پر مصیبت میں پھنسے ہیں۔

☆☆☆

"میں نے تمہیں مبارکباد دینے کے لیے فون کیا ہے۔" ہارون کمال نے ستائشی انداز میں کہا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی جلدی اس گھر میں پہنچ کر منصور علی کی بیوی کو وہاں سے نکلوا دو گی۔"

''اس میں مجھ سے زیادہ منصور کی بیوی کا اپنا قصور تھا۔'' رُخشی نے جواباً کہا۔
''جو بھی ہوا۔ بہر حال اچھا ہوا، منصور علی کے ساتھ تمہارے جیسی لڑکی ہی ہونی چاہیے۔'' ہارون نے کہا، رُخشی اس کے جملے پر مسکرائی۔
''اب تمہارے ساتھ اتنی بے تکلفی ہے کہ میں تمہیں بھابھی وغیرہ کہنے کا تو تکلف نہیں کروں گا۔''
''اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' رُخشی نے فوراً کہا۔ منصور کے ساتھ سیکریٹری کے طور پر کام کرتے ہوئے وہ ہارون کے ساتھ بھی بہت بے تکلف ہو چکی تھی۔ اگرچہ نہ تو وہ ہارون کے منصوبوں سے واقف تھی اور نہ ہی ہارون اس کے ارادوں سے۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے درمیان بڑی اچھی مطابقت تھی۔
''میری آج منصور سے بات ہو رہی تھی۔'' ہارون کمال نے شروع کے چند جملوں کے بعد اپنے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔
''کس بارے میں؟'' رُخشی کچھ حیران ہوتی۔ ہارون کمال اور منصور علی کے درمیان روز ہی بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ پھر ہارون کس بات کا خاص طور پر ذکر کر رہا تھا۔
''میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں، رُخشی۔'' اس کے اگلے جملے نے رُخشی کو کچھ اور حیران کیا۔ ''کیونکہ تم میری طرح بہت آگے کی سوچ رکھنے والی لڑکی ہو۔ چیلنج قبول کرتی ہو لیکن احمقانہ رسک نہیں لیتیں۔''
رُخشی نے اپنی آنکھیں سکیڑتے ہوئے ہارون کمال کے تعریفی الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ اتنی احمق نہیں تھی کہ یہ سمجھتی کہ ہارون واقعی اس سے یا اس کی صلاحیتوں سے بہت متاثر تھا۔
''منصور اچھا ہے۔'' ہارون کہہ رہا تھا۔ ''مگر وہ تمہارے جتنا ذہین نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہنا چاہیے کہ بعض دفعہ بڑی بزدلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔''
''میں جانتی ہوں۔'' رُخشی نے بے اختیار کہا۔ اسے کچھ یاد آ گیا تھا۔
''اور ایک کامیاب بزنس مین بزدل کبھی نہیں ہوتا، کم از کم اتنا بزدل نہیں جتنا کبھی کبھی منصور ہو جاتا ہے۔'' ہارون نے اسی سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میں چاہتا ہوں، کہ تم منصور کی صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنے میں مدد کرو۔'' اس نے رُک کر کہا۔
''میں نے آج اس سے اس کے بھائی اور بھتیجوں کی بات کی ہے۔''
رُخشی کے کان کھڑے ہو گئے۔
''اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو یہ بہتر ہے کہ وہ اب اپنے بھائی اور بھتیجوں کو اپنی فیکٹری سے بھی الگ کر دے۔''
خوشی کی ایک لہر رُخشی کے اندر اٹھی۔ ہارون کمال اور وہ دونوں ایک ہی ایک نہج پر سوچ رہے تھے۔ یہ اس دن رُخشی کے لیے سب سے اچھی خبر تھی۔
''منصور نے اس بارے میں آپ سے کیا کہا؟'' رُخشی نے بڑے محتاط انداز میں اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا۔
''اس نے کہا ہے کہ وہ ابھی اس بارے میں سوچے گا؟'' ہارون کمال نے اپنے لہجے میں مایوسی کے عنصر کو نمایاں کرتے ہوئے کہا۔ ''سوچے گا اور انتظار کرے گا۔ اور تب تک بہت دیر ہو جائے گی۔''
''میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟''
''تم بہت کچھ کر سکتی ہو۔'' ہارون نے کہا۔ ''میں نے منصور سے کہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں تم سے مشورہ کرے۔'' ہارون نے جیسے انکشاف کیا۔ ''اور میں چاہتا ہوں کہ اگر وہ تم سے مشورہ کرے تو تم اسے مجبور کرو کہ وہ اپنے بھائی اور اس کے بیٹوں کو فیکٹری سے نکال دے۔''
''ضروری تو نہیں کہ منصور اس سلسلے میں مجھ سے بات کریں۔'' رُخشی نے بڑے نپے تلے انداز میں کہا۔

''وہ تم سے بات ضرور کرے گا۔ کیونکہ میں نے آج اس بارے میں کافی صاف گوئی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اگر وہ تم سے خود بات نہیں کرتا تو تم خود اس سے بات کرو۔''

''میں خود کس طرح ان سے بات کر سکتی ہوں۔'' رُخشی نے تامل کا اظہار کیا۔

''کیوں نہیں کر سکتیں۔ تم اس کی بیوی ہو اور تمہیں اس کے فائدے یا نقصان کی پرواہ کرنی چاہیے۔'' ہارون نے فوراً کہا۔ ''اگر اسے کہیں سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو تمہیں وقت سے پہلے اسے خبردار کرنا چاہیے۔''

''میں نہیں چاہتی کہ میری ایسی کسی بات سے وہ مجھے خود غرض سمجھیں یا یہ سوچ لیں کہ میں ان کے بچوں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہوں۔'' رُخشی نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے واحد اندیشے کا اظہار کیا۔

''آپ جانتے ہیں، وہ صرف ان کے بھتیجے نہیں ہیں داماد بھی ہیں...... انہیں فیکٹری سے نکالا جائے گا تو پھر امبر اور صبغہ کے رشتوں پر اثر پڑ سکتا ہے۔''

''رُخشی! ان کے رشتوں پر جتنا اثر پڑ سکتا تھا، تمہارے ساتھ منصور کی شادی سے پہلے ہی پڑ چکا ہے۔'' ہارون کمال نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ ''منصور کے بھتیجے پہلے ہی جان چکے ہیں کہ اب منصور کی جائیداد پر پہلے کی طرح ان کا کنٹرول نہیں رہ سکے گا۔ میں اسی لیے چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ وہ منصور کو کوئی نقصان پہنچانے کا فیصلہ کریں۔ منصور انہیں بزنس سے الگ کر دے۔''

رُخشی بڑی سنجیدگی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''وہ جب تک بزنس میں رہتے ہیں تمہارے لیے خطرہ بنے رہیں گے۔''

''اگر امبر اور صبغہ کے ساتھ ان کا رشتہ ختم ہوتا ہے تو یہ کم از کم تمہارے لیے بہت اچھا رہے گا۔ ورنہ وہ فیکٹری آج نہیں تو کل منصور اور تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ امبر اور صبغہ تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گی اور وہ مسلسل اپنے شوہر کے ذریعے تمہارے اور منصور علی کے لیے پرابلمز کھڑی کرتی رہیں گی۔''

ہارون ایک لمحہ کے لیے رکا۔

''چند سالوں کے بعد جب منصور کا بیٹا جوان ہو جائے گا تو تمہاری پریشانیوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ منصور آخر کب تک ان کا مقابلہ کر سکے گا۔''

رُخشی نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ ہارون کمال اسے اب پریشان کر رہا تھا۔

''پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' وہ پوچھنے پر مجبور ہو گئی۔

''تمہیں اپنی پوزیشن کو محفوظ کرنا چاہیے۔ منصور کو مجبور کرو کہ وہ طلحہ اور اسامہ کو فیکٹری سے الگ کر دے۔ وہ ابھی تمہاری بات کو ٹال نہیں سکتا۔ لیکن کچھ وقت گزر جائے گا تو پھر اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔''

رُخشی ہارون کی بات کو بہت سنجیدگی سے سُن رہی تھی اور فون رکھنے کے بعد اسے اندازہ ہونے لگا تھا کہ ہارون کی صورت میں اس وقت اس کے پاس ایک ایسا ٹرمپ کارڈ آ گیا تھا جسے صحیح طور پر استعمال کرنے کی صورت میں وہ اپنے راستے کے بہت سے کانٹوں کو ایک جھٹکے سے نکالنے میں کامیاب ہو سکتی تھی اور وہ یہ موقع ضائع نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

روشان اسکول کے گیٹ سے باہر نکلا، ڈرائیور اس کا منتظر تھا۔ اس نے روشان کا بیگ اٹھا لیا۔ روشان چپ چاپ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ پچھلی سیٹ پر صبغہ بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی رابعہ اور زارا بھی تھیں۔ روشان فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر ڈرائیور کے برابر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور پیچھے ڈگی میں اس کا بیگ رکھ رہا تھا چاروں بہن بھائیوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔

ایک ہفتے گھر پر رہنے کے بعد وہ چاروں آج پہلے دن اسکول گئے تھے، اور یہ بھی صبغہ کی وجہ سے تھا ورنہ وہ سب اتنی بری طرح سے اپ سیٹ تھے کہ اسکول دور دور تک ان کے ذہن میں نہیں ابھر رہا تھا اور اب جب وہ اسکول سے اور صبغہ کالج

سے واپس آ گئی تھی تب بھی ان کے چہروں پر تحریر پریشانی اسی طرح برقرار تھی، پہلے کی طرح ان کے درمیان کسی گپ شپ کا تبادلہ تو ایک طرف...... سلام دعا تک نہیں ہوئی تھی۔

ڈرائیور واپس اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تو روشان نے اس سے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''صفدر انکل کے گھر چلو۔'' اس نے اپنے اکلوتے ماموں کا نام لیا۔

ڈرائیور قدرے بے بسی سے روشان کو دیکھنے لگا جب کہ صبغہ نے بھی چونک کر روشان کو دیکھا، ڈرائیور اب خاموشی سے گاڑی رش سے نکال رہا تھا۔

''صفدر انکل کے گھر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ گھر چلیں۔'' صبغہ نے مداخلت کی۔

''کیوں ضرورت نہیں ہے میں ممی کے پاس جانا چاہتا ہوں۔'' روشان نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

''اور میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ ہم ممی کے پاس نہیں جائیں گے۔'' صبغہ نے کہا۔

''میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔'' روشان نے اسی انداز میں کہا۔

''اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تم ان سے فون پر بات کرتے رہے ہو، وہی کافی ہے۔''

''تمہارے لیے کافی ہوگا، میرے لیے کافی نہیں ہے، ممی مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔'' روشان نے ناراضی سے کہا اور پھر ایک بار پھر ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

''تم صفدر انکل کی طرف چلو۔''

''میں ادھر نہیں جا سکتا جی۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''کیوں...... کیوں...... نہیں جا سکتے تم؟'' روشان یک دم مشتعل ہوا۔

''بڑے صاحب نے منع کیا ہے۔'' ڈرائیور نے اپنی مجبوری بتائی۔ ''انہوں نے کہا تھا کہ آپ کو اسکول سے سیدھا گھر لے کر آؤں۔''

''مجھے پرواہ نہیں ہے کہ انہوں نے کیا کہا ہے، میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم صفدر انکل کی طرف چلو تو تم بس چلو......'' روشان جھنجلایا۔

''میں نہیں جا سکتا۔ روشان صاحب۔'' ڈرائیور نے ایک بار پھر کہا۔

''بس ٹھیک ہے، آپ گھر چلیں۔ ہمیں گھر ہی جانا ہے۔'' صبغہ نے ایک بار پھر مداخلت کی۔

''تمہیں گھر جانا ہوگا، مگر مجھے ممی کے پاس جانا ہے۔ تم وہاں چلو جہاں میں کہہ رہا ہوں۔'' روشان نے صبغہ سے کہتے کہتے آخری جملہ ڈرائیور سے کہا۔

''وہ صفدر انکل کے ہاں تمہیں لے کر نہیں جا سکتے روشان؟''

''کیوں نہیں لے جا سکتے۔''

''پاپا نے انہیں منع کیا ہے۔ تم اپنے ساتھ ساتھ ان کے لیے بھی مصیبت کھڑی کرنے کی کوشش مت کرو۔'' صبغہ نے اس بار اسے ڈانٹا۔

''ضروری تو نہیں ہے کہ یہ گھر جا کر بتائیں۔ ہم کچھ دیر ممی کے پاس رہیں گے پھر واپس آ جائیں گے۔ پاپا کو پتا نہیں چلے گا۔''

''روشان صاحب! ان کو پتا چل گیا تو وہ مجھے ایک منٹ میں نوکری سے نکال دیں گے، وہ اب پہلے والے صاحب نہیں رہے ہیں۔ بالکل بدل گئے ہیں۔'' ڈرائیور نے منمناتے ہوئے کہا۔

''جانتا ہوں وہ بدل گئے ہیں۔ لیکن تم سے جو میں نے کہا ہے تم وہی کرو۔'' روشان نے ان ہی کڑے تیوروں کے ساتھ اس سے کہا۔

"روشان! حماقت مت کرو۔ پاپا کو پتا چل گیا تو وہ ہم سب کو گھر سے نکال دیں گے۔" صبغہ نے اسے ڈانٹا۔

"نکال دیں، مجھے ان کے نکالنے کی پرواہ نہیں ہے۔"

"بہر حال، میں تمہیں وہاں نہیں جانے دوں گی۔ تم اپنے ساتھ ساتھ ہمارا بھی نقصان کرو گے۔" صبغہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

"گاڑی روکو......" روشان نے اچانک ڈرائیور سے کہا۔ ڈرائیور گاڑی چلاتا رہا۔

"میں کہہ رہا ہوں گاڑی روکو، ورنہ میں چلتی گاڑی سے کود جاؤں گا۔" روشان نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دھمکایا۔

"پاگل ہو گئے ہو روشان......! کیوں رکوانا چاہتے ہو گاڑی۔"

پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی صبغہ نے قدرے گھبرا کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا، دوسری طرف ڈرائیور نے برق رفتاری سے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔

"میں یہاں اتر کر اکیلا ممی کے پاس جاؤں گا۔ تم لوگ گھر چلے جاؤ۔" روشان نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

صبغہ بھی اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"بچوں جیسی حرکتیں مت کرو روشان! تمہاری وجہ سے پاپا ہم سے بھی بہت برا سلوک کریں گے۔"

"میں تھوڑی دیر میں خود ہی واپس گھر آ جاؤں گا۔ ضروری تو نہیں کہ پاپا کو کچھ پتا بھی چلے۔" روشان نے کہا۔

"پاپا کو پتا چل جائے گا۔ ہو سکتا ہے، وہ اس وقت گھر پر بیٹھے ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔ یا اچانک آ جائیں۔" صبغہ نے اسے ڈرایا۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ رخشی انہیں تمہارے نہ آنے کے بارے میں بتا دے۔ یا پھر ڈرائیور ہی۔"

"صبغہ! میں ممی سے ملنا چاہتا ہوں، اگر پاپا کو پتا چلتا ہے تو چل جائے۔ مجھے پرواہ نہیں ہے۔ پاپا کے پاس رہنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہمیں ممی کو مکمل طور پر بھلا دینا ہوگا۔"

"اس وقت ممی کے پاس جانا مناسب نہیں ہے۔ کچھ دن گزر جائیں، معاملات کچھ بہتر ہو جائیں۔ پھر ہم سب ممی کے پاس جائیں گے۔" صبغہ نے اس سے کہا۔

"اور اگر حالات اس سے زیادہ خراب ہو گئے تو......؟" روشان نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

"ضروری تو نہیں ہے کہ ایسا ہی ہو جو تم کہہ رہے ہو۔ ہو سکتا ہے، پاپا کو ہم پر اور ممی پر ترس آ جائے اور وہ ہمیں اکٹھے رہنے دیں۔"

"پاپا کو ہم پر ترس نہیں آئے گا صبغہ! انہیں ترس آنا ہوتا تو اب تک آ چکا ہوتا۔ تم اس طرح کی باتیں مت سوچو۔"

"لیکن پاپا کو اس طرح مکمل طور پر ناراض کر دینے سے بھی تو ہمارے مسائل حل نہیں ہوں گے۔" صبغہ نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ممی اور امبر صفدر انکل کے گھر پر خوش نہیں ہیں۔ نہ ہی صفدر انکل خوش ہیں۔ اگر پاپا نے ہم سب کو نکال دیا تو ہمیں بھی صفدر انکل کے پاس جانا پڑے گا۔ پھر کیا ہوگا۔ تم نے سوچا ہے۔ ممی اور امبر کی پریشانی میں اور اضافہ ہوگا۔" صبغہ نے سنجیدگی سے سمجھایا۔

"میں صرف اس خوف سے تو انہیں نہیں چھوڑ سکتا کہ پاپا ہمیں نکال دیں گے۔" روشان نے تنفر بھرے انداز میں کہا۔

"روشان! صورت حال کی نزاکت کو سمجھنا چاہیے تمہیں۔ ہمارے پاس اس وقت پاپا کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔" صبغہ نے اس سے کہا "تم اس طرح کی ضد شروع کر دو گے تو رابعہ اور زارا بھی ضد کریں گی اور میرے لیے ان دونوں کو سمجھانا مشکل ہو جائے گا۔" وہ اب اسے اور نرمی سے سمجھا رہی تھی۔ "ممی کے پاس جا کر ان سے ملنے سے فی الحال ہمارا

کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ ہم ان کی اور اپنی پریشانی کو اور بڑھا دیں گے۔ کچھ وقت گزر جانے دو۔ پھر ہم لوگ ممی کے پاس زیادہ آسانی سے جاسکیں گے۔"

روشان جواب میں کچھ کہنے کے بجائے غصے میں دندناتا ہوا گاڑی کی طرف گیا اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ اس کا انداز جتنی بھی ناراضی لیے ہوئے تھا بہرحال اس نے صبغہ کی بات مان لی تھی۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے خود بھی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

"تو پھر ہم ممی کے پاس جارہے ہیں؟" اس کے اندر بیٹھتے ہی زارا نے صبغہ کا بازو تھام کر کہا۔

"نہیں۔ ہم ممی کے پاس نہیں جارہے ہیں۔ آپ گھر چلیں۔" صبغہ نے آخری جملہ ڈرائیور سے کہا تھا جو اب بڑی پھرتی سے گاڑی کو اسٹارٹ کر رہا تھا۔

☆☆☆

"منصور نے آپ سے کوئی بات کی ہے؟" شبانہ نے اس رات مسعود علی سے پوچھا جو سونے کی تیاری کر رہے تھے۔

"نہیں کوئی بات نہیں ہوئی۔" مسعود علی نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا اس کا آپ سے سامنا نہیں ہوا؟" شبانہ کو تجسس ہوا۔

"نہیں۔ سامنا تو روز ہی ہوتا ہے لیکن صرف رسمی سی سلام دعا ہی ہوتی ہے۔ یا پھر فیکٹری کے معاملات کے بارے میں بات ہوتی ہے۔" مسعود علی نے بتایا۔

"اس نے اپنی شادی یا منیزہ کی طلاق کے بارے میں آپ سے بات نہیں کی؟"

"نہیں۔ اس نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی میں نے کی ہے۔"

"آپ کو تو خیر میں منع نہ کرتی تو آپ ضرور بات کرتے۔"

"اتنا بے وقوف تو میں نہیں ہوں کہ بھڑوں کے چھتے میں خود ہاتھ دوں۔ اور پھر میں رخشی کے بارے میں اب اس سے کہہ بھی کیا لیتا۔" مسعود علی نے کہا۔

"رخشی اب بھی آفس آرہی ہے؟" شبانہ کو اب یک دم رخشی میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

"نہیں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اب آفس نہیں آرہی۔ مجھیں پتا ہے، وہ منصور کے دوسرے آفس میں بیٹھتی تھی۔ اس لیے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے واقعی آنا چھوڑ دیا ہے یا نہیں۔" مسعود علی نے کہا۔

"منصور کے رویے میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟" شبانہ نے اگلا سوال کیا۔

"اتنی جلدی کیا تبدیلی آئے گی فی الحال تو وہ پہلے جیسا ہی ہے۔" مسعود علی نے تبصرہ کیا۔ "ویسے تم کس طرح کی تبدیلی کی بات کر رہی ہو؟" مسعود کو خیال آیا۔

"میں اس کے رویے کی بات کر رہی ہوں۔ اصولی طور پر تو منیزہ کو طلاق دینے اور امبر کو گھر سے نکال دینے کے بعد اسے آپ لوگوں سے بھی کچھ کھینچ جانا چاہیے۔"

"نہیں۔ میں نے اس کے رویے میں ایسی کوئی چیز ابھی تک محسوس نہیں کی۔"

"طلحہ کے بارے میں اس نے پوچھا نہیں کہ وہ کہاں ہے؟"

"پوچھا تھا۔ میں نے بتا دیا کہ کچھ دوستوں کے ساتھ کراچی گیا ہے، ایک ڈیڑھ ہفتے میں آجائے گا۔"

"اور تب تک اس کی اور منیزہ کی مکمل طور پر علیحدگی ہو چکی ہوگی۔ کم از کم پھر منیزہ کے یا امبر کی طرف سے کسی مصالحت کے لیے دباؤ نہیں ہوگا۔" شبانہ نے کہا۔

"طلاق کے کاغذات تو اس کے وکیل نے پہلے ہی منیزہ کو بھجوا دیے ہیں۔"

"میں نے سنا ہے کہ اس نے منیزہ کو حق مہر کے نام پر کچھ بھی نہیں دیا۔"

"منیزہ کا حق مہر صرف پانچ ہزار روپے تھا۔ وہ تو اس نے دے دیا ہے۔ ہاں، اس کے علاوہ اس نے منیزہ کو کچھ نہیں دیا۔" مسعود علی نے اطلاع دی۔

"منیزہ کے نام کوئی جائیداد نہیں تھی؟"

"نہیں ...... ساری جائیداد منصور علی کے اپنے ہی نام پر ہے۔ ہوتی بھی تو منصور اسے کبھی وہ جائیداد نہ دیتا۔ اس نے تو منیزہ کا زیور تک اسے نہیں دیا۔"

"منیزہ نے جائیداد یا زیور کے لیے مقدمہ کر دیا تو؟" شبانہ نے پوچھا۔ "آخر وہ اس کے پانچ بچوں کی ماں ہے۔ خاص طور پر روشان کے حوالے سے۔"

"امبر کے علاوہ منیزہ کے پاس اور ہے کون ......؟ روشان کو تو منصور نے اپنے پاس ہی رکھا ہے اور باقی تینوں بیٹیاں بھی اسی کے پاس ہیں۔ منیزہ اکیلی کیا کر سکتی ہے۔"

"اور اگر کل کو یہ چاروں بچے بھی منیزہ کے پاس چلے آئے تو؟"

"تب بھی مقدمہ کرنے کے لیے اور اسے لڑنے کے لیے منیزہ کو بہت زیادہ پیسے کی ضرورت ہوگی۔ منصور علی کا اثر و رسوخ اتنا زیادہ ہے کہ منیزہ کے لیے یہ مقدمہ جیتنا ناممکن ہو جائے گا۔ ہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کورٹ سے بچوں کے لیے نان ونفقہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے مگر جائیداد کا حصول بہت مشکل ہے۔"

مسعود علی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ایسے کیسز میں سالوں لگ سکتے ہیں اور منیزہ کا بھائی تو مجھے ابھی سے ساری صورتِ حال سے بہت بیزار اور اکھڑا ہوا لگ رہا ہے۔ اس کے سہارے کے بغیر منیزہ مقدمہ نہیں لڑ سکتی۔ اور وہ مجھے سہارا دینے والوں میں سے نہیں لگ رہا۔"

"امبر اور صبغہ ...... ان دونوں کی رخصتی کا کیا ہوگا؟" شبانہ نے پہلی بار اصلی موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔ وہ اس بارے حد سنجیدہ تھیں۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں اس بارے میں؟" مسعود علی نے کہا۔

"میں جاننا چاہتی ہوں کہ منصور علی ان دونوں کے بارے میں اب کیا سوچ رہا ہے۔ خاص طور پر امبر کو گھر سے نکال دینے کے بعد۔"

"ہو سکتا ہے، اس نے امبر کو وقتی طور پر گھر سے نکالا ہو اور وہ بعد میں اسے اپنے گھر آنے دے۔" مسعود علی نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہ اگر امبر اور صبغہ دونوں کو اپنے پاس رکھ بھی لیتا ہے تو ان کی رخصتی کب کروائے گا اور صرف رخصتی ہی نہیں، میں یہ بھی جاننا چاہتی ہوں کہ وہ جائیداد میں سے انہیں کتنا حصہ دے گا۔" شبانہ نے کھل کر اپنی نیت کا اظہار کیا۔

"میں اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"آپ کو منصور علی سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے۔"

"یہ کہ وہ اپنی بیٹیوں کو جائیداد میں کتنا حصہ دے گا ......؟ حد کرتی ہو تم ...... میں اس وقت اس سے اس طرح کی بات کیسے کر سکتا ہوں۔" مسعود علی بڑبڑائے۔

"میں جائیداد کی بات نہیں کر رہی، میں رخصتی کی بات کر رہی ہوں۔" شبانہ نے کہا۔ "جائیداد کے بارے میں تو رخصتی کے موقع پر بھی بات کی جا سکتی ہے۔"

"ہاں۔ رخصتی کے بارے میں بات کی جا سکتی ہے۔" مسعود علی کو کچھ اطمینان ہوا۔

"تو پھر آپ اس سے اس بارے میں بات کریں۔" شبانہ نے کہا۔

''صرف امبر اور طلحہ کے بارے میں؟''

''نہیں، صبغہ اور اسامہ بارے میں بھی کریں۔'' شبانہ نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اب وہ دونوں کی اکٹھی ہی رخصتی کر دے گا۔ خاص طور پر اس طرح کے حالات میں۔''

''بہتر ہے کہ میں طلحہ اور اسامہ سے بھی اس سلسلے میں بات کرلوں۔'' مسعود کو خیال آیا۔

''وہ کیا کہیں گے، ان کو کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' شبانہ نے کہا۔

''اعتراض کی بات نہیں ہے، بات کرنا تو پھر بھی ضروری ہے۔'' مسعود علی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''کچھ دن ٹھہر جاؤ، طلحہ کراچی سے آجائے، میں اس سے بات کرلوں تو پھر منصور سے بات کرتا ہوں۔''

''آپ تب تک اسامہ سے تو بات کرلیں۔'' شبانہ نے کہا۔

''ہاں، اسامہ سے تو کسی بھی وقت بات ہوسکتی ہے۔''

''وہ کل صبغہ سے ملنے منصور کے گھر گیا تھا۔''

مسعود چونکے۔ ''تمہیں کس نے بتایا؟''

''اس نے خود بتایا۔''

''صبغہ نے اسے فون کیا ہوگا؟''

''ہوسکتا ہے لیکن مجھ سے تو یہی کہہ رہا تھا کہ خود ہی گیا تھا۔''

''تمہیں ابھی اسے وہاں جانے سے منع کرنا چاہیے۔ رخصتی اور منصور...'' شبانہ نے مسعود کی بات کاٹی۔

''آپ سے پہلے ہی منع کر چکی ہوں اسے لیکن آپ اسے جانتے ہیں، وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔''

مسعود نے اس بار کچھ نہیں کہا۔

☆☆☆

''آپ پلیز طلحہ سے میری بات کروا دیں۔'' امبر نے چوتھی بار شبانہ کے ہاں فون کیا تھا۔ طلحہ کا موبائل فون آف تھا۔ وہ اس پر رابطہ نہیں کر پا رہی تھی۔

''میں نے تمہیں بتایا ہے امبر! طلحہ یہاں نہیں ہے، وہ کراچی چلا گیا ہے۔'' شبانہ نے کہا۔

''لیکن آنٹی! کراچی کا بھی کوئی نمبر تو ہوگا۔'' امبر نے بے بسی سے کہا۔

''نہیں، اگر کوئی نمبر ہے بھی تو مجھے نہیں پتا۔'' شبانہ نے انکار کر دیا۔ ''تم اسے اس کے موبائل پر کال کرلو۔''

''اس کا موبائل آف ہے، میں اتنے دنوں سے اسے اس کے موبائل پر ہی کال کر رہی ہوں۔''

''تو پھر تم انتظار کرو، ایک ڈیڑھ ہفتے میں وہ واپس آجائے گا۔'' شبانہ نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

''ایک ڈیڑھ ہفتہ...... آپ ہماری کنڈیشن تو دیکھ رہی ہیں آنٹی! مجھے طلحہ سے بات کرنی ہے، میں اتنا لمبا انتظار نہیں کرسکتی۔''

''مجھے اس کے نمبر کا پتا ہوتا تو میں تمہیں دے دیتی، اب میرے پاس نمبر نہیں ہے تو میں کیا کروں۔''

''وہ آپ کو فون تو کرتا ہوگا...... آپ اس سے کہیں کہ اپنا موبائل آن رکھے یا مجھے فون کرے۔ آپ نے اسے ہمارے حالات کے بارے میں بتایا ہے؟''

''امبر! میں تمہیں کتنی بار بتا چکی ہوں کہ وہ پہلے ہی کراچی جا چکا تھا اور جب سے وہ کراچی گیا ہے، اس نے ایک بار بھی کال نہیں کی، کرتا تو میں اسے منیزہ کی طلاق کے بارے میں ضرور بتا دیتی۔ مجھے تو یہ حیرانی ہے کہ اس نے تمہیں اتنے دنوں سے خود کال کیوں نہیں کی، مجھ سے زیادہ تو وہ تمہیں کالز کرتا ہے۔''

امبر نے ان کے انداز کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ انکل سے کہیں کہ وہ اس کے بارے میں پتا کروائیں، آخر اس نے اپنا کوئی تو کانٹیکٹ نمبر دیا ہوگا۔ اس طرح تو غائب نہیں ہوسکتا وہ۔''

"تمہاری ماں اپنی اس زبان کی وجہ سے جس حال کو پہنچی ہے میں نہیں چاہتی کہ تمہارا بھی وہی حال ہو۔"
"اور تم اپنے کردار کی وجہ سے جہاں پہنچو گی۔ میں چاہتی ہوں تم وہیں پہنچو۔"
فون کی بیل ایک بار پھر بجنے لگی۔ صبغہ نے اس بار ریسیور سیٹ سمیت اٹھا لیا اور پاس پڑے دوسرے صوفہ پر بیٹھ گئی۔ وہ اب رخشی کی موجودگی کو مکمل طور پر نظر انداز کر چکی تھی۔ دوسری طرف اسامہ ہی تھا۔ رسمی سلام دعا تک رخشی بیٹھی اسے گھورتی رہی پھر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر پاؤں پٹختے ہوئے چلی گئی۔
"شکر ہے تم نے فون اٹھا لیا۔" اسامہ نے بے چینی سے کہا۔
"رخشی تھی یہاں پر...... وہ اٹھانے نہیں دے رہی تھی۔" صبغہ نے کہا۔
"میں جانتا ہوں بات ہوئی ہے اس سے میری۔"
"میں حیران ہوں کہ آج اسے کیا اعتراض ہونے لگا ہے۔ میں تو اس سے پہلے بھی اس کے سامنے آپ سے بات کرتی رہی ہوں۔" صبغہ نے کہا۔
"تمہارے پاس بیٹھی ہوئی ہے؟"
"نہیں، کچھ دیر پہلے تھی۔ اب چلی گئی ہے۔"
"میں جانتا ہوں اب اسے میرے فون کرنے سے کیوں تکلیف ہونے لگی ہے۔" اسامہ نے تنفر آمیز انداز میں کہا۔
صبغہ نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی۔
"تم جانتی ہو منصور چچا نے کیا کیا ہے۔" صبغہ کا دل بے اختیار کانپا۔ "کیا اب کچھ اور بھی رہ گیا تھا ہونے کو۔
"کیا کیا ہے؟"
"انہوں نے فیکٹری سے ہم لوگوں کو الگ کر دیا ہے۔"
"ہم لوگوں کو؟" صبغہ نے بمشکل کہا۔
"مجھے، طلحہ اور پاپا کو۔"
"یہ سب کب ہوا ہے؟" صبغہ کا دل بیٹھنے لگا۔
"آج......" صبغہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے کیا کہے۔
"کیوں......؟" اس نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔
"کیونکہ ان کا خیال ہے کہ وہ اب اپنی فیکٹری کو اکیلے سنبھال سکتے ہیں انہیں ہماری ضرورت نہیں ہے۔"
"اس طرح کیسے کر سکتے ہیں پاپا۔" صبغہ نے بے اختیار کہا۔ "آپ لوگوں نے انہیں سمجھانے کی کوشش نہیں کی؟"
"منصور چچا سمجھنے والوں میں سے نہیں ہیں۔"
"انکل مسعود انہیں سمجھا سکتے تھے۔"
"منصور چچا میرے پاپا کو کیا سمجھتے ہیں...... کچھ بھی نہیں۔"
"وہ ان کے بڑے بھائی ہیں۔ پاپا ان کی عزت کرتے ہیں۔"
"تمہارے پاپا عزت یا احترام نام کے کسی لفظ سے واقف نہیں ہیں۔"
"مگر مسعود انکل......"
اسامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "صبغہ! جو آدمی اپنے بیوی بچوں کی پروا نہیں کرتا اس کے نزدیک بڑے بھائی کی کیا حیثیت ہے۔"
"اب کیا ہوگا؟ آپ لوگ کیا کریں گے؟"
اسامہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ "پاپا اور [illegible] بہت ناراض ہیں۔"

"پھر کب تک آپ منیزہ کے بچوں کے پیچھے خوار ہوتے پھریں گے۔" زرشی نے کہا۔

"وہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہیں، منیزہ کی ذمہ داری ہیں۔ آپ کو اپنا اور میرا سوچنا چاہیے، ہمارے بچوں کا سوچنا چاہیے۔"

منصور علی اس کی بات پر یک دم ہنس پڑے۔ "میں اپنا سوچتا ہوں، تمہارا بھی سوچتا ہوں۔" وہ رکے۔ "لیکن ہمارے بچوں کا کیسے سوچ سکتا ہوں کیونکہ ہمارے کوئی بچے نہیں ہیں۔"

زرشی نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر کہا۔ "تو ہو جائیں گے۔"

"جب ہو جائیں گے، تب ان کا بھی سوچوں گا مگر یہ ابھی بہت دور کی بات ہے۔" منصور نے لاپروائی سے کہا۔

زرشی کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھری۔ "بہت دور کی نہیں، صرف سات ماہ دور کی۔"

منصور نے چونک کر اسے دیکھا۔

"سات ماہ دور کی؟" وہ اس کی بات نہیں سمجھے۔

"میں ماں بننے والی ہوں۔" زرشی نے بے حد اطمینان سے کہا۔ منصور علی بے حس و حرکت رہ گئے۔

☆☆☆

مسعود علی اس شام جب منصور کے بلاوے پر ان کے دفتر میں داخل ہوئے تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ انہیں وہاں کس طرح کی صورت حال کا سامنا ہونے والا تھا۔ منصور کے آفس میں وہ اکیلے نہیں تھے ان کا وکیل بھی بیٹھا ہوا تھا۔ مسعود نے اس کی موجودگی کا بھی کوئی خاص نوٹس نہیں لیا۔

"بیٹھیں آپ!" منصور علی نے مسعود علی کو دیکھتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ٹیبل کے دوسری طرف پڑی ایک کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا، جہاں ساتھ والی کرسی پر ہی وکیل بیٹھا ہوا تھا جو اس وقت اپنے سامنے ٹیبل پر کچھ کاغذ رکھے ہوئے تھا۔

"کوئی خاص بات کرنی ہے تمہیں؟" مسعود علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، صرف خاص نہیں بلکہ خاصی لمبی چوڑی بات کرنی ہے۔"

منصور علی نے ان کی مسکراہٹ کا جواب کسی مسکراہٹ سے نہیں دیا، ان کا لہجہ ابھی بھی اسی سرد مہری کا تاثر لیے ہوئے تھا۔

"میں فیکٹری کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" منصور علی نے کہا۔ "بلکہ کافی عرصے سے کرنا چاہتا تھا لیکن اپنی کچھ مصروفیات کی وجہ سے آپ کو نہیں بلوا سکا۔"

"ہاں کوئی بات نہیں۔ اب تو میں آ گیا ہوں، تم کر سکتے ہو مجھ سے بات بلکہ ہر قسم کی بات کر سکتے ہو۔" مسعود نے فوراً کہا۔

منصور چند لمحے اپنی ریوالونگ چیئر پر جھولتے رہے، یوں جیسے لفظوں کا انتخاب کر رہے ہوں اور پھر انہوں نے یک دم ٹیبل کی طرف جھک کر بات کا آغاز کیا۔

"پچھلے کئی سالوں سے آپ میرے ساتھ میری فیکٹری چلا رہے ہیں۔ شروع میں میں ملک سے باہر تھا اس لیے مجھے فیکٹری سنبھالنے میں آپ کی مدد لینی پڑی۔" منصور رکے۔ "واپس آنے کے بعد بھی میں نے آپ لوگوں کو اپنی فیکٹری سے الگ نہیں کیا لیکن اب وہ مرحلہ آ گیا ہے کہ میں اس فیکٹری کا پورا انتظام خود سنبھال لوں۔"

چند لمحے کے لیے مسعود علی ان کی بات سمجھ نہیں سکے۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے۔

"میں نے وکیل صاحب کو یہاں اسی لیے بلوایا ہے تاکہ ان کے سامنے تمام معاملات طے پا جائیں۔"

"کیسے معاملات؟" بالآخر مسعود علی کہہ سکے۔

"فیکٹری سے آپ کی اور آپ کے بیٹوں کی علیحدگی کے۔" منصور نے بڑے ہموار لہجے میں کہا۔

"کیا؟" مسعود علی نے کہا۔

"میں آپ کو بتا تو رہا ہوں کہ فیکٹری سے آپ کو الگ کر رہا ہوں۔"

"لیکن کیوں؟"

"کیونکہ میں اب اس فیکٹری کو خود چلانا چاہتا ہوں۔"

"پہلے بھی تم ہی چلا رہے ہو۔"

"میں اکیلے چلانے کی بات کر رہا ہوں۔" منصور کی سنجیدگی میں کمی نہیں آئی۔

"اکیلے چلانا......؟ اکیلے اسے چلانے کا خیال کیسے آ گیا تمہیں؟"

"کیوں نہیں آ سکتا؟ یہ میری فیکٹری ہے۔" منصور علی کے لہجے کی خشکی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

"میں نے کب کہا کہ یہ میری فیکٹری ہے۔" مسعود علی یک دم سنبھلے۔ "تمہاری ہی فیکٹری ہے، میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ"

منصور علی نے ان کی بات کاٹ دی۔ "دیکھیں مسعود صاحب!" مسعود علی اس طرز تخاطب پر ہکا بکا رہ گئے۔ اس سے پہلے منصور نے کبھی انہیں ان کے نام سے نہیں بلایا تھا۔ "میں آپ کا بڑا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتنا عرصہ فیکٹری کا انتظام چلانے میں میری مدد کی، لیکن اب میں اس پوزیشن میں آ چکا ہوں کہ اسے خود ہینڈل کر سکوں۔ اس لیے میں فیکٹری کے انتظام سے آپ کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے شیئرز کی قیمت آپ کو دے دوں گا اور یہ رقم اتنی ہے کہ آپ بہت آسانی سے اس سے اپنا الگ بزنس شروع کر سکیں گے۔" منصور علی نے بڑے عام سے انداز میں کہا۔

"منصور! جب میں نے تمہارے ساتھ اس فیکٹری کو قائم کرنے کا سوچا تھا تو یہ سب کچھ اس طرح طے نہیں ہوا تھا جس طرح تم اب کر رہے ہو۔" مسعود علی کو اب غصہ آنے لگا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ سب کچھ اسی طرح طے کیا تھا۔ آپ کو اگر اس پر کوئی اعتراض ہو تو آپ معاملے کو دیکھ لیں۔" منصور علی نے کندھے اچکائے۔

"منصور! تمہارے اس فیصلے سے دونوں خاندانوں کے درمیان تعلقات اثر انداز ہوں گے۔" مسعود علی نے کہا۔

"کون سے تعلقات؟" منصور نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"تم جانتے ہو، میں کون سے تعلقات کی بات کر رہا ہوں۔"

"نہیں، میں نہیں جانتا، آپ بتا دیں......" منصور نے رکھائی سے کہا۔

"میرے بیٹے صرف تمہارے بھتیجے نہیں، داماد بھی ہیں...... اور اس حوالے سے تمہارے ساتھ میرا ایک زیادہ رشتہ ہے۔" مسعود علی نے سنجیدگی کی گہرائی والے انداز میں کہا۔ "تم اگر اس طرح کا کوئی قدم اٹھاؤ گے تو تمہیں اندازہ کر لینا چاہیے کہ طلال اور اسامہ کے تمہاری بیٹیوں کے ساتھ تعلق پر اثر پڑے گا۔"

"دیکھیں، آپ مجھے دھمکی مت دیں۔"

"میں تمہیں دھمکی نہیں دے رہا۔" مسعود علی نے فوراً مدافعانہ انداز میں کہا۔ "میں تمہیں صرف تمہارے فیصلے کے مضمرات سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

"امبر میرا گھر چھوڑ کر جا چکی ہے۔" منصور علی نے کہا۔ "اور وہ دوبارہ کبھی میرے گھر میں نہیں آ سکے گی۔" ان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ "اس لیے مجھے طلال اور اس کے رشتے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ آپ کا دل چاہے آپ منگنی کروا دیں یا جو چاہے کروا دیں۔ یہ آپ کا اور منیزہ کا مسئلہ ہے کیونکہ امبر منیزہ کے پاس ہے۔" مسعود علی بات نہیں کر سکے۔

"جہاں تک صبغہ کا تعلق ہے...... تو ہو سکتا ہے کہ میں اسامہ کے ساتھ اس کا رشتہ خود ختم کر دوں کیونکہ آپ کا بیٹا مجھے کوئی بہت اچھی چوائس نہیں لگتا ہے۔ خاص طور پر ان حالات میں اور اگر میں یہ فیصلہ ابھی کر لیتا ہوں تو پھر تو ان تعلقات کے

رُشنی نے منصور سے فوری طور پر ہارون کمال کی تجویز پر بات نہیں کی۔ وہ منتظر رہی کہ منصور خود اس سلسلے میں اس سے بات کرے اور حیران کن طور پر منصور نے بھی اس سے اس سلسلے میں بات نہیں کی۔

چند ہفتے اسی طرح گزر گئے۔ ہارون اور وہ مسلسل اس معاملے کے بارے میں رابطے میں تھے۔ دوسری طرف گھر میں موجود ٹینشن اب پہلے کی نسبت کم ہو گئی تھی۔ ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود منصور اور رُشنی بچوں سے بالکل الگ تھلگ تھے۔ چاروں بچے ہر اس جگہ آنے سے گریز کرتے جہاں پر رُشنی یا منصور موجود ہوتے اور وہ دونوں ہر اس جگہ کو نظر انداز کر دیتے جہاں پر وہ چاروں موجود ہو سکتے تھے۔ وہ سب کھانا بھی اکٹھا نہیں کھاتے تھے۔ ڈائننگ ٹیبل پر صرف رُشنی اور منصور ہی ہوتے جبکہ صبغہ اور روشان، رابعہ اور زارا کے ساتھ اپنے کمرے یا کچن میں ہی کھانا کھا لیتے۔ روشان کا اشتعال بھی اب پہلے کی نسبت کم ہو گیا تھا۔ صبغہ اور باقی دونوں بہنوں کی طرح اس نے صورت حال کو قبول کر لیا تھا اور ان ہی کی طرح زیادہ وقت خاموش رہنے لگا تھا۔

چند ہفتے پہلے تک اگر انہیں کسی مصالحت یا منیزہ کی واپسی کوئی خوش فہمی تھی تو وہ اب ختم ہو گئی تھی۔ منیزہ کا اصرار اب بھی یہی تھا کہ وہ سب اس گھر کو چھوڑ کر اس کے پاس آ جائیں مگر دوسری طرف صبغہ ان سب کو وہیں رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔ امبر سے بات کرتے ہوئے اسے یہ اندازہ تو ہو ہی جاتا تھا کہ منصور انکل کے گھر پر بھی صورت حال ٹھیک نہیں تھی۔ منیزہ اور امبر وہاں خوش نہیں تھیں، مگر اس گھر کے علاوہ ان کے پاس اب اور کوئی جائے پناہ نہیں تھی اور صبغہ اپنے سمیت ان تینوں کو اس صورت حال سے بچانا چاہتی تھی۔ اس کا اور رُشنی کا کئی بار آمنا سامنا ہوا تھا، مگر وہ بالکل خاموشی سے اسے نظر انداز کر کے چلی جاتی تھی۔ روشان کی طرح وہ کوئی تحقیر آمیز انداز اختیار نہیں کرتی تھی کیونکہ جو کچھ ہو چکا تھا وہ ہو چکا تھا ایک بھیانک خواب سے حقیقت بن جانے والی وہ داستان رُشنی کے کردار کو ختم کر دینے سے بھی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کا گھر دوبارہ پہلے کی طرح نہیں جڑ سکتا تھا۔ ہاں اس کو مزید ٹکڑے ہونے سے بچایا جا سکتا تھا اور صبغہ اس وقت یہی کوشش کرنے میں مصروف تھی۔

رُشنی نے منصور علی سے کئی ہفتے بعد فیکٹری کے بارے میں بات کی تھی۔ منصور کی جب منیزہ سے باقاعدہ علیحدگی ہوئی تھی اور یہ رُشنی کی ضد تھی جس نے منصور کو مجبور کیا کہ وہ منیزہ کو اس کی ہر چیز سے محروم رکھیں۔ رُشنی اس کے تمام زیورات اپنی تحویل میں لے کر لاکر میں رکھوا چکی تھی اور اس نے اس گھر میں آنے کے ایک ہفتے کے اندر اندر منیزہ اور منصور کے بیڈ روم میں موجود منیزہ کی ہر چیز کو نوکروں کے حوالے کر دیا تھا۔ منصور کے بیڈ روم میں اب منیزہ کی کوئی چیز نہیں رہی تھی۔

صبغہ نوکروں کو منیزہ کی چیزیں استعمال کرتے دیکھ کر تکلیف کے احساس سے دوچار ہونے کے باوجود خاموش رہتی تھی، لیکن روشان آگ بگولا ہو جاتا تھا اور یہ اس کا اشتعال ہی تھا جس نے نوکروں کو منیزہ کے ملبوسات، جوتوں اور دوسری چیزوں کو کام پر آتے ہوئے پہننے سے روک دیا۔ ان سب کو یہ اندازہ ضرور تھا کہ دوسری بیوی آنے کے باوجود روشان منصور علی کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ اس کے غصے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے لیکن روشان ان تمام چیزوں کو ان لوگوں سے واپس نہیں لے سکتا تھا۔ ہتک اور توہین کے اس احساس نے رُشنی کے لیے اس کی نفرت کو کچھ اور بڑھا دیا اور اس کے اس رویے نے رُشنی کو کچھ اور نئے اور اہم فیصلے کرنے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆

"اب طلاق کا معاملہ ختم ہو گیا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے بھائی اور ان کے بیٹوں کو فیکٹری سے بھی الگ کر دیں۔" رُشنی نے اس رات بڑے عام سے انداز میں منصور سے وہ بات شروع کی جس کے لیے وہ کئی ہفتوں سے پلاننگ کر رہی تھی۔

منصور نے چونک کر اسے دیکھا "یہ خیال کیسے آیا تمہارے ذہن میں؟"

رُشنی یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ خیال تو بہت شروع سے ہی اس کے دماغ میں تھا، البتہ اب ہارون کمال کی صورت میں پہلی بار اسے ایک ایسا سپورٹر مل گیا تھا جس کی مدد سے وہ اس مسئلے کا اپنی مرضی کا حل ڈھونڈ سکتی تھی۔

"خیال آنے کی کیا بات ہے، خیال تو کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔" رخشی نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے دیکھا ہے آپ کے بھائی اور ان کی فیملی کا رویہ..... سب کو جیسے میری شادی پر سانپ سونگھ گیا ہے۔" رخشی خفگی سے کہہ رہی تھی۔ "اسامہ اس دن یہاں صبغہ سے ملنے آیا تھا اور اس نے مجھ سے سلام دعا تک کی تکلیف نہیں کی۔ گھر کی مالکن لگنے کے بجائے مجھے نوکرانی سمجھا ہے۔ ان سب کے ذہن میں اب بھی منیزہ ہی اٹکی ہوئی ہے اور میرا تو خیال ہے کہ اسے منیزہ نے ہی یہاں بھیجا ہوگا کہ اسامہ یہاں کے حالات کے بارے میں اسے معلومات دے سکے۔"

"تمہیں اس بات کی پروا نہیں کرنی چاہیے، تم چاہو تو میں اسے منع کر دوں گا، وہ آئندہ یہاں نہیں آئے گا۔" منصور نے کہا۔

"آپ کس کس کو منع کریں گے۔" رخشی نے کہا۔ "وہ نہیں آئے گا تو آپ کا بھائی آ جائے گا، اس کی بیوی آ جائے گی اور ہر ایک کا رویہ میرے ساتھ یہی ہوگا۔ یہ سب لوگ ابھی بھی منیزہ کے ہی وفادار اور طرف دار ہیں۔" رخشی نے کہا۔ "کیا آپ کھاتے ہیں لیکن آپ کے وفادار نہیں ہیں۔ آپ کو حیرانی نہیں ہوتی ہم لوگوں کی شادی پر ان کی مکمل خاموشی پر، کیا مطلب ہے اس خاموشی کا؟" رخشی نے منصور کو جیسے بھڑکانے کی کوشش کی۔

"ان کی خاموشی میرے لیے تو بہتر ہی ہے۔ مبارکباد تو وہ مجھے کبھی دے نہیں سکتے تھے اور بحث و تکرار یا شادی کی مخالفت میں برداشت نہ کرتا۔ اچھا ہوا، انہوں نے بات ہی نہیں کی۔" منصور نے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

"منصور! ویسے میں نے بہت کم لوگوں کو آستین کے سانپ پالنے کا شوق دیکھا ہے اور آپ ان میں سے ایک ہیں۔" وہ تلملائی۔ "آپ نے اپنی فیکٹری ان لوگوں کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے اور آپ کو کسی قسم کا کوئی خدشہ ہی نہیں ہے۔"

"میں ان کے بارے میں بہت محتاط ہوں، چیک رکھا ہوا ہے میں نے ان پر۔" منصور نے جیسے اسے یقین دلایا۔

"وہ تین ہیں اور آپ اکیلے.... آپ کو نقصان پہنچانا ان کے لیے مشکل نہیں ہے۔"

"مشکل نہیں ہے تو اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ ویسے میں انہیں کچھ عرصہ میں فیکٹری سے الگ کر دوں گا۔" منصور نے کہا۔

"کچھ عرصہ میں.... کتنے عرصے میں؟"

"ایک دو سال میں۔"

"ایک دو سال۔" رخشی نے بے یقینی سے کہا۔ "آپ ایک دو سال انہیں اپنے ساتھ مزید فیکٹری میں رکھیں گے۔"

"میں انہیں کسی وجہ کے بغیر تو فیکٹری سے نہیں نکال سکتا۔"

"کیوں نہیں نکال سکتے، یہ آپ کی فیکٹری ہے، ان کی نہیں۔"

"ان کے شیئرز ہیں اس میں۔"

"آپ انہیں خرید سکتے ہیں۔"

"ہاں خرید سکتا ہوں مگر ہر کام کا ایک وقت اور طریقہ ہوتا ہے۔"

"اور اس طریقے کو سیکھنے کے لیے آپ کتنا وقت ضائع کریں گے۔"

"میں نہیں چاہتا کہ میں انہیں ایک دم بغیر کسی وجہ کے فیکٹری سے نکالوں اور وہ لوگ خاندان میں میرے خلاف طوفان اٹھا دیں.... اور پھر مجھے امبر اور صبغہ کا بھی خیال ہے، آخر ان کو اسی گھر میں جانا ہے۔"

"جب امبر کو آپ کا خیال نہیں ہے تو آپ کو اس کا خیال کیوں ہے۔" وہ تلملائی۔ "آپ کو یاد رکھنا چاہیے، وہ کس طرح آپ کو چھوڑ گئی ہے۔"

"امبر نہ سہی.... صبغہ تو ہے.... اس کی تو پروا کرنی پڑے گی مجھے۔"

"ایک بیٹی کے لیے آپ اپنا سارا بزنس خراب کر لیں گے اور پھر بھی یہ ضروری تو نہیں ہے کہ صبغہ اسی گھر میں جا کر خوش

"بیسیوں بار، کب تک آپ منیزہ کے بچوں کے پیچھے خوار ہوتے پھریں گے۔" زرتاشی نے کہا۔
"وہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہیں، منیزہ کی ذمہ داری ہیں۔ آپ کو اپنا اور میرا سوچنا چاہیے، ہمارے بچوں کا سوچنا چاہیے۔"

منصور علی اس کی بات پر یک دم ہنس پڑے۔ "میں اپنا سوچتا ہوں، تمہارا بھی سوچتا ہوں۔" وہ رکے۔ "لیکن ہمارے بچوں کا کیسے سوچ سکتا ہوں کیونکہ ہمارے کوئی بچے نہیں ہیں۔"
زرتاشی نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر کہا۔ "تو ہو جائیں گے۔"
"جب ہو جائیں گے، تب ان کا بھی سوچوں گا مگر یہ ابھی بہت دور کی بات ہے۔" منصور نے لاپروائی سے کہا۔
زرتاشی کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھری۔ "بہت دور کی نہیں، صرف سات ماہ دور کی۔"
منصور نے چونک کر اسے دیکھا۔
"سات ماہ دور کی؟" وہ اس کی بات نہیں سمجھے۔
"میں ماں بننے والی ہوں۔" زرتاشی نے بے حد اطمینان سے کہا۔ منصور علی بے حس و حرکت رہ گئے۔

☆☆☆

مسعود علی اس شام جب منصور کے بلاوے پر ان کے دفتر میں داخل ہوئے تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ انہیں اس کس طرح کی صورت حال کا سامنا ہونے والا تھا۔ منصور کے آفس میں وہ اکیلے نہیں تھے ان کا وکیل بھی بیٹھا ہوا تھا۔ مسعود نے اس کی موجودگی کا بھی کوئی سیریس نوٹس نہیں لیا۔
"بیٹھیں آپ!" منصور علی نے مسعود علی کو دیکھتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ٹیبل کے دوسری طرف پڑی ایک کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا، جہاں ساتھ والی کرسی پر ہی وکیل بیٹھا ہوا تھا جو اس وقت اپنے سامنے ٹیبل پر کچھ کاغذ رکھے ہوئے تھا۔

"کوئی خاص بات کرنی ہے تمہیں؟" مسعود علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہاں۔ صرف خاص بلکہ خاصی لمبی چوڑی بات کرنی ہے۔"
منصور علی نے ان کی مسکراہٹ کا جواب کسی مسکراہٹ سے نہیں دیا، ان کا لہجہ ابھی بھی اسی سرد مہری کا تاثر لیے ہوئے تھا۔
"میں فیکٹری کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" منصور علی نے کہا۔ "بلکہ کافی عرصے سے کرنا چاہتا تھا لیکن اپنی مصروفیات کی وجہ سے آپ کو نہیں بلوا سکا۔"
"ارے کوئی بات نہیں۔ اب تو میں آ گیا ہوں، تم کر سکتے ہو مجھ سے بات بلکہ ہر قسم کی بات کر سکتے ہو۔" مسعود نے فوراً کہا۔

منصور چند لمحے اپنی ریوالونگ چیئر پر جھولتے رہے، یوں جیسے لفظوں کا انتخاب کر رہے ہوں اور پھر اس نے یک دم ٹیبل پر جھک کر بات کا آغاز کیا۔
"پچھلے کئی سالوں سے آپ میرے ساتھ میری فیکٹری چلا رہے ہیں۔ شروع میں میں ملک سے باہر تھا اس لیے مجھے فیکٹری سنبھالنے میں آپ کی مدد لینی پڑی۔" منصور رکے۔ "واپس آنے کے بعد بھی میں نے آپ لوگوں کو اپنی فیکٹری سے الگ نہیں کیا لیکن اب وہ مرحلہ آ گیا ہے کہ میں اس فیکٹری کا پورا انتظام خود سنبھال لوں۔"
کچھ لمحے کے لیے مسعود علی ان کی بات سمجھ نہیں سکے۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے۔
"میں نے وکیل صاحب کو یہاں اسی لیے بلوایا ہے تاکہ ان کے سامنے تمام معاملات طے پا جائیں۔"
"کیسے معاملات؟" اس بار مسعود علی کھٹکے۔
"فیکٹری سے آپ اور آپ کے بیٹوں کی علیحدگی کے۔" منصور نے بڑے ہموار لہجے میں کہا۔

''کیا؟'' مسعود علی نے کہا۔

''میں آپ کو بتا تو رہا ہوں کہ فیکٹری سے آپ کو الگ کر رہا ہوں۔''

''لیکن کیوں؟''

''کیونکہ میں اب اس فیکٹری کو خود چلانا چاہتا ہوں۔''

''پہلے بھی تم ہی چلا رہے ہو۔''

''میں اکیلے چلانے کی بات کر رہا ہوں۔'' منصور کی سنجیدگی میں کمی نہیں آئی۔

''اکیلے چلانا.....؟ اکیلے اسے چلانے کا خیال کیسے آ گیا تمہیں؟''

''کیوں نہیں آ سکتا؟ یہ میری فیکٹری ہے۔'' منصور علی کے لہجے کی خفگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

''میں نے کب کہا کہ یہ میری فیکٹری ہے۔'' مسعود علی یک دم سنبھلے۔ ''تمہاری ہی فیکٹری ہے، میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ''

منصور علی نے ان کی بات کاٹ دی۔ ''دیکھیں مسعود صاحب!'' مسعود علی اس طرز تخاطب پر ہکا بکا رہ گئے۔ اس سے پہلے منصور نے کبھی انہیں ان کے نام سے نہیں بلایا تھا۔ ''میں آپ کا بڑا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتنا عرصہ فیکٹری کا انتظام چلانے میں میری مدد کی، لیکن اب میں اس پوزیشن میں آ چکا ہوں کہ اسے خود ہینڈل کر سکوں۔ اس لیے میں فیکٹری کے انتظام سے آپ کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے شیئرز کی قیمت آپ کو دے دوں گا اور یہ رقم اتنی ہے کہ آپ بہت آسانی سے اس سے اپنا الگ بزنس شروع کر سکیں گے۔'' منصور علی نے بڑے عام سے انداز میں کہا۔

''منصور! جب میں نے تمہارے ساتھ اس فیکٹری کو قائم کرنے کا سوچا تھا تو یہ سب کچھ اس طرح طے نہیں ہوا تھا جس طرح تم اب کر رہے ہو۔'' مسعود علی کو اب غصہ آنے لگا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ سب کچھ اسی طرح طے کیا تھا۔ آپ کو اگر اس پر کوئی اعتراض ہو تو آپ معاہدے کو دیکھ لیں۔'' منصور علی نے کندھے اچکائے۔

''منصور! تمہارے اس فیصلے سے دونوں خاندانوں کے درمیان تعلقات اثر انداز ہوں گے۔'' مسعود علی نے کہا۔

''کون سے تعلقات؟'' منصور نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

''تم جانتے ہو، میں کون سے تعلقات کی بات کر رہا ہوں۔''

''نہیں، میں نہیں جانتا، آپ بتائیں.....'' منصور نے رکھائی سے کہا۔

''میرے بچے صرف تمہارے بھتیجے نہیں، داماد بھی ہیں..... اور اس حوالے سے تمہارے ساتھ میرا ایک زیادہ رشتہ ہے۔'' مسعود علی نے سنجیدگی کی طرح کے انداز میں کہا۔ ''تم اگر اس طرح کا کوئی قدم اٹھاؤ گے تو تمہیں اندازہ کر لینا چاہیے کہ علی اور اسامہ کے تمہاری بیٹیوں کے ساتھ تعلق پر اثر پڑے گا۔''

''دیکھیں، آپ مجھے دھمکی مت دیں۔''

''میں تمہیں دھمکی نہیں دے رہا۔'' مسعود علی نے فوراً معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''میں تمہیں صرف تمہارے فیصلے کے مضمرات سے آگاہ کر رہا ہوں۔''

''امبر میرا گھر چھوڑ کر جا چکی ہے۔'' منصور علی نے کہا۔ ''اور وہ دوبارہ کبھی میرے گھر میں نہیں آئے گی۔'' ان کا لہجہ دو ٹوک تھا۔ ''اس لیے مجھے علی اور اس کے رشتے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ آپ کا دل چاہے آپ رخصتی کروا دیں، نہ چاہے نہ کروائیں۔ رہا آپ کا اور منیزہ کا مسئلہ ہے کیونکہ امبر منیزہ کے پاس ہے۔'' مسعود علی بات نہیں کر سکے۔

''جہاں تک صبغہ کا تعلق ہے..... تو ہو سکتا ہے کہ میں اسامہ کے ساتھ اس کا رشتہ خود ختم کر دوں کیونکہ آپ کا بیٹا میرے لیے کوئی بہت اچھی چوائس نہیں ہے۔ تنہا میں خود بھی ان حالات میں اور اگر میں یہ فیصلہ ابھی کر لیتا ہوں تو بہتر ہے [illegible]

وہ زیادہ ہوئے کا نقصان نہیں ہوگا آپ کو۔"

منصور کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"بہرحال ایک بات آپ اچھی طرح یاد رکھیں، میں اپنے بزنس کی قیمت پر رشتوں کے معاملے میں کوئی سودا نہیں کروں گا۔ میں آپ کو کئی سال پہلے بھی بتا چکا ہوں، میں صرف کی وجہ سے بزنس میں کوئی نقصان نہیں اٹھا سکتا۔"

"منصور! جلد بازی میں فیصلے مت کرو، خاندان والے تمہارے اور تمہاری بیٹیوں کے بارے میں کیسی باتیں کریں گے۔"

منصور نے ایک بار پھر مسعود کی بات کاٹ دی۔ "مجھے خاندان کی ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ کوئی میرے منہ پر تو مجھے کچھ کہہ کر دیکھے۔۔۔ اور پیٹھ پیچھے تو لوگ ہر شخص کو برا کہہ سکتے ہیں۔۔۔ آپ کو بھی۔" منصور نے کہا۔

"میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔"

"میں اسی لیے آپ کو اتنی عزت سے کاروبار سے الگ کر رہا ہوں۔"

"منصور! ایک بار پھر سوچ لو۔"

"میں بہت اچھی طرح سوچ چکا ہوں اور ایک بار نہیں، کئی بار۔۔۔۔ ہر بار میں اسی نتیجے پر پہنچتا رہا ہوں جس پر اب پہنچا ہوں۔"

منصور علی کا لہجہ حتمی تھا، وہ اب فائل اپنے سامنے کھینچ رہے تھے۔

☆☆☆

"منصور نے آج مجھے اپنے آفس میں بلوایا تھا، ابھی کچھ دیر پہلے۔" مسعود لاؤنج میں بیٹھے کہہ رہے تھے۔ وہ آدھ گھنٹہ پہلے واپس آئے تھے اور گھر آتے ہی انہوں نے اسامہ اور طلحہ کو بلوایا تھا۔ شبانہ کو وہ پہلے ہی منصور کے فیصلے کے بارے میں بتا چکے تھے۔

"منصور ہمیں فیکٹری سے الگ کر رہا ہے۔"

"کیا ان کا دماغ ٹھیک ہے۔" طلحہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اسامہ کے ماتھے پر کچھ لکیریں آ گئیں مگر اس نے جلد ہی سے کچھ نہیں کہا۔

"اس طرح اچانک بیٹھے بٹھائے کس طرح وہ ہمیں اس بزنس سے الگ کر سکتے ہیں، جس کے لیے ہم پچھلے دس سال خوار ہو رہے ہیں۔" طلحہ نے کہا۔

"انہوں نے کوئی وجہ بتائی ہے؟" اسامہ نے مسعود علی کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

"نہیں، کوئی وجہ نہیں بتائی۔" مسعود علی نے بجھے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا۔ "وہ بس یہی کہہ رہا ہے کہ اب فیکٹری کو خود سنبھالنا چاہتا ہے۔"

"سنبھالنا چاہتے ہیں تو سنبھالیں، ہم نے انہیں منع تو نہیں کیا لیکن۔۔۔۔ لیکن ہمیں الگ کیوں کر رہے ہیں؟" طلحہ نے بلند آواز میں کہا۔ "وہ آخر ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟"

"کر سکتا ہے، اگریمنٹ میں لکھا ہوا ہے۔" مسعود علی نے کچھ دبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے شیئرز کی قیمت وہ ہمیں چند دنوں میں ادا کر دے گا۔ اس کے بعد ہم چاہیں تو اپنا بزنس الگ سے شروع کریں۔"

"کمال تماشا ہے یہ۔۔۔۔ اپنا بزنس الگ سے شروع کریں۔" طلحہ غصے میں کھڑا ہو گیا۔ "خون پسینہ لگا کر ہم نے اس فیکٹری کو چلایا ہے اور جب یہ چل نکلی ہے تو ہم اپنا بزنس دوبارہ سے شروع کریں۔ منصور چچا واقعی پاگل ہو گئے ہیں۔"

"وہ پاگل نہیں، خود غرض ہو گیا ہے۔ اسے اپنے علاوہ کوئی نظر ہی نہیں آ رہا۔" شبانہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"فکر نہیں، آج تو آ گئے لیکن میں ان سے خود بات کروں گا۔ وہ اس طرح کا قدم کیسے اٹھا سکتے ہیں۔ انہوں نے اسے مذاق سمجھ رکھا ہے۔"

طلحہ اب کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ اسامہ کے چہرے پر ناراضی نمایاں تھی، مگر طلحہ کے برعکس اس نے کچھ کہنے سے گریز کیا تھا۔

"آپ نے ان کو سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"کیا سمجھاتا، وہ اپنے وکیل کو پاس بٹھائے ہوئے تھا، سارے کاغذات تیار کروائے ہوئے تھے اس نے۔ وہ تو فیصلہ پہلے ہی کر چکا تھا... میرے سمجھانے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" مسعود علی نے کہا۔

"پھر بھی آپ کو چاہیے تھا کہ آپ انہیں سمجھاتے۔"

"میں نے اس سے بہت لمبی چوڑی بحث کی تھی، تین گھنٹے لگ گئے تھے مجھے اس کے آفس میں لیکن تمہیں بتا رہا ہوں، کہ وہ اپنا ذہن پہلے سے ہی بنائے بیٹھا تھا۔" مسعود علی نے کہا۔ "وہ تو اتنے روکھے لہجے میں مجھ سے بات کر رہا تھا کہ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ منصور ہی ہے۔ بھائی جان کے بجائے مسعود کہہ کر مجھے مخاطب کر رہا تھا۔" مسعود علی نے کہا۔ "یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آج پہلی بار مجھ سے ملا ہو۔ یہ تو میں جانتا تھا کہ وہ خود غرض شروع سے ہی تھا مگر اتنا خود غرض ہوگا، یہ میں نہیں جانتا تھا۔"

"جو بھی ہے، میں اس فیصلے کو قبول نہیں کروں گا، میں ان کے پاس جا کر دوبارہ ان سے بات کروں گا اور آپ کو بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" طلحہ نے کہا۔ "میں ان کا صرف بھتیجا ہی نہیں، داماد بھی ہوں اور انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔"

"وہ یہ بات پہلے ہی بھول چکا ہے، میں اس معاملے پر بھی اس سے بات کر چکا ہوں۔"

اس بار صحیح معنوں میں طلحہ کی سٹی گم ہوگئی۔ "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اسے امبر یا صبغہ کے رشتوں میں اب کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟" طلحہ نے بے اختیار کہا۔

"اس نے خود مجھ سے یہ بات کی ہے، میں نے اس سے کہا تھا کہ اس کے اس طرح کے فیصلے سے ہمارے دوسرے رشتوں پر بھی اثر ہوگا۔" مسعود علی کہہ رہے تھے۔

"اور اس نے بڑے آرام سے کہا کہ ہمارا دوسرا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ امبر کو میں گھر سے نکال چکا ہوں، اس لیے مجھے اس کے اور طلحہ کے رشتے کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" طلحہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ "نہ ہی اس رشتے میں آنے والی کسی تبدیلی کی مجھے پروا ہے۔" مسعود علی نے بات جاری رکھی۔

"اور جہاں تک صبغہ اور اسامہ کا تعلق ہے، میں نے اس کی رخصتی کے بارے میں بھی ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

اس بار اسامہ کے ماتھے کی شکنیں کچھ اور گہری ہوگئیں۔ "ہوسکتا ہے، میں اس رشتے کو بھی خود ہی ختم کردوں لیکن میں ان رشتوں کے لیے آپ کو اپنے کاروبار میں شامل نہیں رکھوں گا۔"

"یہ سب منصور چچا نے کہا؟" طلحہ کو جیسے یقین نہیں آیا۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے، یہ سب میری ذہنی اختراع ہے؟" مسعود علی نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"تم لوگوں کو میں نے ایک اہم فیصلے کے لیے یہاں بلوایا ہے۔" شاہدہ نے ایک لمبے وقفے کے بعد مداخلت کی، وہ بے حد مشتعل نظر آرہی تھیں۔ "میں اور تمہارے پاپا چاہتے ہیں کہ تم دونوں امبر اور صبغہ کو طلاق دے دو۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکیں۔ "اگر منصور کو اس بات کی پروا نہیں ہے کہ اس کے اس فیصلے سے اس کی بیٹیوں کا مستقبل تباہ ہوسکتا ہے تو پھر ہمیں بھی ان دونوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ ان دونوں کو اس گھر میں لے آنے کے باوجود بھی ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ وہ دونوں ہمارے لیے بے کار ہیں۔" شاہدہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"تم دونوں کے لیے ابھی بھی خاندان میں بہت اچھے رشتے ہیں۔ تمہاری پھوپھو اپنی بیٹیوں کے لیے کہہ رہی تھیں لیکن ہم لوگوں نے صرف اس لیے صبغہ اور امبر کو ترجیح دی، کیونکہ ان کے ساتھ تعلق جوڑنے سے تم لوگوں کا مستقبل زیادہ بہتر ہوسکتا تھا لیکن اب ان حالات میں ان دونوں کی رخصتی کروا کر انہیں یہاں لانا حماقت ہے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ تم دونوں انہیں طلاق

وہ اور مسعود اب طلحہ اور اسامہ کے چہروں کو دیکھ رہے تھے جو بے حد سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ طلحہ نے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

"آپ جیسا کہیں گے، میں ویسا ہی کروں گا۔ ان حالات میں یہی فیصلہ بہتر ہے۔"

اس نے بڑی آسانی اور صفائی سے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ امبر کا چہرہ ایک لمحہ کے لیے اس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا، پھر اس نے اسے جھٹک دیا۔ شاہ اور مسعود کے چہروں پر اطمینان ابھر آیا۔ انہیں اپنی اولاد سے اسی سعادت مندی کی توقع تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے، میں صبح کاغذات تیار کروا لیتا ہوں۔" مسعود علی نے کہا۔

"کاغذات تیار ہونے میں ایک دو دن لگیں گے پھر میں تم دونوں سے سائن کروا کر منصور علی کو بھجوا دوں گا۔" مسعود علی نے کہا۔ "اور اس سے پہلے ہی میں منصور علی کو بھی اس فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔"

"پاپا! آپ صرف امبر اور طلحہ کے لیے کاغذات تیار کروائیں۔" اسامہ نے بڑی سنجیدگی سے یک دم کہا۔

"کیا مطلب؟" مسعود علی اس کی بات پر چونکے۔

"میں صبغہ کو طلاق نہیں دوں گا۔" اسامہ اسی انداز میں کہا۔

شاہ اور مسعود کو جیسے شاک لگا۔ طلحہ نے بھی بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "کیا کہہ رہے ہو تم؟" مسعود علی کی آواز بلند ہوئی۔

"پاپا! میں صبغہ کو طلاق نہیں دوں گا۔" اسامہ نے ایک بار پھر اسی انداز میں اپنی بات دہرائی۔ "منصور چچا نے غلط فیصلہ کیا ہے...... بہت برا فیصلہ کیا ہے...... لیکن اس میں صبغہ کا تو کوئی قصور نہیں ہے پھر میں اسے طلاق کیوں دوں۔" اسامہ نے کہا۔

"اس کا قصور نہیں ہے تو ہمارا کیا قصور ہے کہ منصور ہمیں فیکٹری سے الگ کر رہا ہے۔" مسعود علی کو غصہ آیا۔

"پاپا! بزنس ایک الگ چیز ہے...... شادی یا ذاتی زندگی ایک دوسری چیز ہے۔" اسامہ نے سنجیدہ مگر پرسکون انداز میں کہا۔ "ٹھیک ہے، وہ فیکٹری سے ہمیں الگ کر رہے ہیں لیکن ہمارے شیئرز کے بدلے ہمیں اتنا پیسہ ضرور مل جائے گا کہ ہم اپنی ذاتی فیکٹری شروع کر سکتے ہیں اور میں تو پہلے بھی آپ سے کئی بار یہ کہہ چکا تھا کہ ہمیں اپنا بزنس الگ ہی کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح کے تعلقات میں بہت بار اونچ نیچ ہو جاتی ہے۔" وہ بڑے میچور انداز میں مسعود علی کو سمجھا رہا تھا۔ "لیکن اس سب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں صبغہ کو طلاق دے دوں۔ میری اس کے ساتھ اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے اور میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اس طرح اسے چھوڑ دوں۔" وہ بات کرتے کرتے رکا۔ "بلکہ میرا تو خیال ہے کہ طلحہ کو بھی امبر کو طلاق نہیں دینی چاہیے۔ اس سے چند چھوٹی موٹی غلطیاں ہوئی ہیں لیکن اس نے ایسا کوئی قصور نہیں کیا کہ اس طرح اسے طلاق دے دی جائے۔ بہر حال طلحہ اور امبر کا ذاتی معاملہ ہے، میں ان کے بارے میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے، میں کسی بھی قیمت پر صبغہ کو طلاق نہیں دوں گا۔"

اس نے اپنی بات ختم کی اور پھر اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے کمرے میں رہ جانے والے تینوں افراد ایک دوسرے کو ہکا بکا دیکھ رہے تھے، کیونکہ ان میں سے کسی کو بھی اسامہ سے اس ردعمل کی توقع نہیں تھی۔

☆☆☆

"مجھے صبغہ سے بات کرنی ہے۔"

اسامہ نے فون پر رخشی کی آواز پہچان لی تھی۔ رسمی سلام دعا کے بعد اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"صبغہ سے کس سلسلے میں بات کرنی ہے؟" رخشی نے پوچھا۔ اس کا لہجہ سخت تھا۔

اس کے سوال نے اسامہ کو حیران کیا۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے بھی رخشی کے اس گھر میں آ جانے کے بعد صبغہ سے فون پر بات کرتا رہا تھا۔ مگر اس سے پہلے کبھی بھی رخشی نے فون نہیں اٹھایا تھا۔ ہمیشہ ملازم ہی فون اٹھایا کرتا تھا۔ آج پہلا موقع تھا کہ

رخشی نے فون اٹھایا اور صبغہ سے اس کی بات کروانے کے بجائے سوال و جواب شروع کر دیے تھے۔ ناگواری کی ایک لہر اسامہ کے اندر اٹھی وہ اس وقت ویسے بھی پریشان تھا اور رخشی کا یہ سوال اس کی ناگواری میں اضافہ کر گیا تھا۔

"میں ایک اہم معاملے پر اس سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔

"یہی تو جاننا چاہتی ہوں کہ وہ ضروری بات کیا ہے؟" رخشی نے اسی انداز میں کہا۔

"آپ کو بتانا ضروری ہے؟" اس بار اسامہ اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو نہیں پا سکا۔ اس کی جھنجھلاہٹ نے رخشی کو قدرے محظوظ کیا۔

"میں اس کی ماں ہوں۔" اس نے بڑے جتانے والے انداز میں کہا۔

"آپ صرف منصور چچا کی بیوی ہیں۔" اسامہ اسے "تم" کہتے کہتے رک گیا۔

"صبغہ کی والدہ نہیں ہیں۔"

"ہاں! میں منصور کی بیوی ہوں اور اس رشتے سے صبغہ کی ماں ہوں۔"

"صبغہ کی ماں موجود ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ آپ کو کسی طور پر بھی اپنی ماں کی جگہ دے سکتی ہے۔" اس نے رک رک کر اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں اس گھر میں آ چکی ہوں اور میں سگی نہ سہی اس کی سوتیلی ماں تو ہوں۔"

"دیکھیں! میں آپ کے ساتھ اس موضوع اور مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔" اسامہ نے یک دم اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "آپ جو بھی ہیں یا نہیں ہیں..... اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں صبغہ سے بات کرنا چاہتا ہوں اور بس..... مہربانی فرما کر آپ اس سے میری بات کروا دیں۔"

"اور میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم کس سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہتے ہو۔" اس بار رخشی کے لہجے میں نمایاں ترشی تھی۔

"وہ میری منکوحہ ہے۔" اسامہ نے کہا۔

"تو.....؟" رخشی کا انداز آگ لگانے والا تھا۔

"تو یہ کہ مجھے حق ہے کہ میں اس سے کبھی اور کسی بھی وقت بات کروں۔"

"یہ حق تمہیں کس نے دیا ہے.....؟ منصور نے؟" رخشی نے پوچھا۔

"ہاں منصور چچا نے ہی دیا ہے۔"

"تو پھر اب منصور نے ہی مجھے منع کیا ہے کہ میں صبغہ سے تمہیں بات نہ کرنے دوں۔" رخشی نے اطمینان سے کہا۔

ایک لمحے کے لیے اسامہ چپ کا چپ رہ گیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ چند گھنٹے پہلے ہونے والا فیصلہ رخشی کے علم میں ہوگا پھر اسے یہ توقع نہیں تھی کہ منصور فیکٹری سے ان لوگوں کو الگ کرنے کے چند گھنٹے کے بعد ہی اس کے اور صبغہ کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دیں گے۔

"منصور چچا نے اس سے پہلے تو کبھی مجھے صبغہ سے بات کرنے سے نہیں روکا۔" اس نے کچھ ناراضی سے کہا۔

"نہیں روکا ہوگا مگر اب تو روک دیا ہے۔" رخشی کے لہجے میں لاپروائی تھی۔

"کیوں.....؟ کیوں روک دیا ہے؟"

"منصور تمہارا صبغہ سے بات کرنا پسند نہیں کرتے۔"

"کیوں.....؟ میں یہی تو جاننا چاہتا ہوں کہ ایک دن کے اندر ایسا کون سا انقلاب آ گیا ہے کہ منصور چچا کو میرا صبغہ کے ساتھ بات کرنا ناگوار لگنے لگا ہے۔" اسامہ بولا۔

"ایک دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔" رخشی نے جتاتے ہوئے کہا۔ "اور چوبیس گھنٹے بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے چوبیس گھنٹوں میں....."

"صرف منصور چچا اور آپ کے ساتھ ہی ایسا ہوتا ہوگا۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ تو ایسا نہیں ہوتا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"آپ کو اس سوال کی ضرورت کیسے پڑ گئی..... آپ تو لوگوں کے دلوں کے راز تک جانتی ہیں۔ مطلب تو بہت معمولی سی بات ہے۔"

"اچھا..... میرے بارے میں بہت جانتے ہو۔"

"کون نہیں جانتا ہوگا۔" اسامہ نے تیکھے انداز میں کہا۔ rags to riches کی کہانی ہے۔ ایسی کہانیاں تو لوگوں کی زبان پر ہر وقت رہتی ہیں۔" ریسیور پر رخشی کی گرفت ایک لمحہ کے لیے سخت ہو گئی۔

"میری اور منصور کی بات کر رہے ہو؟" اس نے سرد لہجے میں اسامہ سے پوچھا۔

"ہاں فی الحال آپ کی اور منصور چچا کی ہی بات کر رہا ہوں۔ بعد میں آپ کا نام کس کے ساتھ آئے گا۔ یہ تو آپ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہوگا۔"

وہ اتنا ترش کیوں ہو رہا تھا۔ خود وہ بھی نہیں جانتا تھا۔ صرف یہ تھا کہ اس وقت جب وہ صبغہ سے بات کرنا چاہتا تھا اور صبغہ کے بجائے اسے رخشی سے بات کرنی پڑ رہی تھی تو رخشی کے لیے اس کے دل میں عجیب سی نفرت اور ناپسندیدگی پیدا ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے اس نے کبھی رخشی کے ساتھ اس طرح کی طرز گفتگو نہیں کی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے رخشی نے بھی اس کے اور صبغہ کے درمیان آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن اب یک دم جب اس نے ان دونوں کے درمیان آ کر کھڑا ہونے کی کوشش کی تھی تو اسامہ کے لیے خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ رخشی کے لیے احترام تو اس کے دل میں پہلے بھی کبھی نہیں رہا تھا لیکن اس وقت وہ لحاظ اور مروت بھی غائب ہو گئی تھی جس کا مظاہرہ وہ پچھلے کچھ ماہ میں مجبوراً کرتا رہا تھا۔

اس کے جملے نے دوسری طرف ریسیور تھامے کھڑی رخشی کو بہت دیر خاموش رکھا۔ وہ بچی نہیں تھی کہ اس سیدھے اور صاف طنز کو نہ سمجھ سکتی۔ بہت دیر چپ رہنے کے بعد اس نے بے حد پرسکون لہجے میں اسامہ سے کہا۔

"میرا نام تو منصور کے علاوہ اور کسی کے ساتھ نہیں آئے گا۔ ہاں البتہ میں یہ ضرور دیکھوں گی کہ تمہارا نام صبغہ کے ساتھ اور کتنے دن رہتا ہے۔"

"میں اور صبغہ ہمیشہ ساتھ رہیں گے کیونکہ وہ رخشی نہیں ہے۔ اور میں منصور نہیں ہوں۔" اسامہ نے بڑے یقین سے کہا۔

"اچھا دیکھ لیتے ہیں پھر کون کیا ہے اب میں فون رکھوں یا تم رکھو گے؟" رخشی نے ترش انداز میں کہا۔

"میں صبغہ سے بات کیے بغیر فون نہیں رکھوں گا۔" اسامہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "بہتر ہے آپ فون پر اس سے میری بات کروا دیں ورنہ میں فون کرتا رہوں گا۔"

"اور میں فون کا تار نکال دوں گی۔"

"میں اس کے کالج چلا جاؤں گا۔" اسامہ نے جیسے دھمکی دی۔

"تم ایسا کرو گے تو وہ سب کچھ بہت جلد ہو جائے گا جسے ہونے میں ابھی کچھ دن لگیں گے۔"

"میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم خوش فہمیاں پالنے والی عورت ہو۔" وہ اب تمام لحاظ ختم کر کے تم پر اتر آیا۔

"خوش فہمیاں کون پالتا ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔" رخشی نے زہریلے انداز میں کہا۔ "میں تو ابھی تمہیں صرف یہ بتا رہی ہوں کہ میں کسی بھی صورت میں صبغہ سے تمہاری بات نہیں کرواؤں گی۔"

رخشی نے یہ جملہ کہتے ہوئے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی ورنہ وہ سیڑھیوں سے اترتی صبغہ کو ضرور دیکھ لیتی جو اپنا نام سن کر اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"اور اگر تم نے دوبارہ فون کرنے کی زحمت کی تو میں منصور کو اطلاع کر دوں گی پھر وہ خود ہی تم سے بات کر لیں گے۔"

"میں منصور چچا سے ڈرتا نہیں ہوں۔ تم انہیں فون کر کے ابھی بتا دو۔" صبغہ رخشی کی طرف بڑھی۔ اس کے قدموں کی

چاپ نے رخشی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ صبغہ کو دیکھتے ہی رخشی دوسری طرف اسامہ سے کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ دوسری طرف اسامہ نے بھی اس کی آواز سن لی۔ رخشی نے جواب میں کچھ بھی کہنے سے پہلے فون کا ریسیور رکھ دیا۔

''میرا فون ہے؟'' صبغہ نے اس کے پاس پہنچ کر بے تاثر لہجے میں کہا۔

''نہیں۔ تمہارا فون نہیں تھا۔'' اس نے بیٹھے بیٹھے صفائی سے جھوٹ بولا۔

''میرا فون تھا..... تم نے میرا نام لیا تھا۔'' صبغہ نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔'' رخشی نے اصرار کیا۔ ''تمہارا فون ہوتا تو میں تم سے بات کرواتی۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی فون رکھنے کی۔''

فون کی گھنٹی یک دم دوبارہ بجنے لگی۔ رخشی نے بے اختیار دانت کچکچائے' فون اٹھائے بغیر بھی وہ جانتی تھی دوسری طرف اسامہ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ صبغہ آگے بڑھ کر ریسیور اٹھاتی' رخشی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف اسامہ ہی تھا۔

''سوری رانگ نمبر.....'' ہیلو کی آواز سنتے ہی رخشی نے کہا اور ریسیور دوبارہ رکھ دیا۔

''اگر تمہارا فون ہوا تو میں تمہیں بلواؤں گی۔'' ریسیور رکھ کر قدرے نرم لہجے میں اس نے صبغہ کو مخاطب کیا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے' میں اس بار خود فون اٹھانا چاہتی ہوں۔'' صبغہ نے سرد لہجے میں کہا۔

''یہ رانگ نمبر ہے۔'' رخشی نے جتایا۔

''ہو سکتا ہے میرے لیے رانگ نمبر نہ ہو۔'' اس نے اسی انداز میں کہا۔ فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجنے لگی۔ رخشی کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔ وہ صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صبغہ اس کے مقابل کھڑی تھی۔ فون اس کے دائیں ہاتھ میز پر پڑا ہوا تھا۔ گھنٹی بجنے پر اس بار صبغہ نے چند قدم آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھانے کی کوشش کی۔ رخشی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور پر ہاتھ رکھ کر جیسے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''یہ اسامہ کا فون ہے۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔ ''اور منصور نہیں چاہتے کہ وہ تم سے فون پر بات کرے۔''

''میں اور اسامہ ایک دوسرے کے لیے غیر نہیں ہیں۔ وہ میرا شوہر ہے اور پاپا مجھے اس سے بات کرنے سے نہیں روک سکتے۔'' صبغہ نے ریسیور پر ہاتھ رکھے رکھے کہا۔ فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

''تم پہلے منصور سے اجازت لو۔ اس کے بعد اسامہ سے بات کرو۔'' رخشی نے اصرار کیا۔

''مجھے اسامہ سے بات کرنے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔''

صبغہ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ رخشی نے تار نکال کر لائن ڈس کنکٹ کر دی۔ صبغہ ریسیور ہاتھ میں لیے اسے دیکھنے لگی۔

''منصور نہیں چاہتے کہ تم اسامہ سے بات کرو اور اس گھر میں وہی ہو گا جو منصور چاہتے ہیں۔ میں ان کی بیوی ہوں اور میرا فرض ہے کہ میں ان کے ہر حکم پر عمل کروں۔'' رخشی نے بیٹھے بیٹھے بے حد اکھڑ انداز میں کہا۔

''تم پاپا کی بیوی نہیں ہو..... ہماری بدقسمتی ہو۔ ہم پر آیا ہوا عذاب ہو اور تم جیسی عورتیں کتنی وفا شعار اور فرمانبردار بیویاں ہوتی ہیں واقعی تم لوگوں کو ہر وقت بتاتے رہنا چاہیے اس طرح کی چھوٹی اور گھٹیا حرکتیں کر کے۔ تاکہ لوگوں کو یقین آ سکے کہ تم جیسوں میں بھی فرمانبرداری کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔''

''مجھے تمہاری باتوں پر کوئی غصہ نہیں آئے گا۔ تم جس ماں کی اولاد ہو اس سے اسی طرح کی گھٹیا باتوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔'' رخشی نے اسی طرح کہا۔

''میں صرف اس ماں کی اولاد نہیں ہوں۔ اس باپ کی بھی اولاد ہوں جس کی تم بیوی بنی بیٹھی ہو۔''

ایک لمحے کے لیے رخشی کچھ نہیں بول سکی۔ صبغہ نے مزید کچھ کہے بغیر فون کا ریسیور رکھ دیا۔

چاپ نے رخشی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ صبغہ کو دیکھتے ہی رخشی دوسری طرف اسامہ سے کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"میرا فون ہے؟" صبغہ نے اس کے پاس پہنچ کر بے تاثر لہجے میں کہا۔ دوسری طرف اسامہ نے بھی اس کی آواز سن لی۔ رخشی نے جواب میں کچھ بھی کہنے سے پہلے فون کا ریسیور رکھ دیا۔

"نہیں۔ تمہارا فون نہیں تھا۔" اس نے بیٹھے بیٹھے صفائی سے جھوٹ بولا۔

"میرا فون تھا..... تم نے میرا نام لیا تھا۔" صبغہ نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" رخشی نے اصرار کیا۔ "تمہارا فون ہوتا تو میں تم سے بات کروا دیتی۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی فون رکھنے کی۔"

فون کی گھنٹی یک دم دوبارہ بجنے لگی۔ رخشی نے بے اختیار دانت کچکچائے۔ فون اٹھائے بغیر بھی وہ جانتی تھی دوسری طرف اسامہ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ صبغہ آگے بڑھ کر ریسیور اٹھاتی، رخشی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف اسامہ ہی تھا۔

"سوری رانگ نمبر....." ہیلو کی آواز سنتے ہی رخشی نے کہا اور ریسیور دوبارہ رکھ دیا۔

"اگر تمہارا فون ہوا تو میں تمہیں بلوا لوں گی۔" ریسیور رکھ کر قدرے نرم لہجے میں اس نے صبغہ کو مخاطب کیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے، میں اس بار خود فون اٹھانا چاہتی ہوں۔" صبغہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ رانگ نمبر ہے۔" رخشی نے جتایا۔

"ہو سکتا ہے میرے لیے رانگ نمبر نہ ہو۔" اس نے اسی انداز میں کہا۔ فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجنے لگی۔

رخشی کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔ وہ صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صبغہ اس کے مقابل کھڑی تھی۔ فون اس کے دائیں ہاتھ میز پر پڑا ہوا تھا۔ گھنٹی بجنے پر اس بار صبغہ نے چند قدم آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھانے کی کوشش کی۔ رخشی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور پر ہاتھ رکھ کر جیسے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"یہ اسامہ کا فون ہے۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔ "اور منصور نہیں چاہتے کہ وہ تم سے فون پر بات کرے۔"

"میں اور اسامہ ایک دوسرے کے لیے غیر نہیں ہیں۔ وہ میرا شوہر ہے اور پاپا مجھے اس سے بات کرنے سے نہیں روک سکتے۔" صبغہ نے ریسیور پر ہاتھ رکھے رکھے کہا۔ فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

"تم پہلے منصور سے اجازت لو۔ اس کے بعد اسامہ سے بات کرو۔" رخشی نے اصرار کیا۔

"مجھے اسامہ سے بات کرنے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔"

صبغہ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ رخشی نے تار نکال کر لائن ڈس کنیکٹ کر دی۔ صبغہ ریسیور ہاتھ میں لیے اسے دیکھنے لگی۔

"منصور نہیں چاہتے کہ تم اسامہ سے بات کرو اور اس گھر میں وہی ہوگا جو منصور چاہتے ہیں۔ میں ان کی بیوی ہوں اور میرا فرض ہے کہ میں ان کے ہر حکم پر عمل کروں۔" رخشی نے بیٹھے بیٹھے بے حد اکھڑ انداز میں کہا۔

"تم پاپا کی بیوی نہیں ہو..... ہماری بدقسمتی ہو۔ ہم پر آیا ہوا عذاب ہو اور تم جیسی عورتیں کتنی وفا شعار اور فرمانبردار بیویاں ہوتی ہیں، واقعی تم لوگوں کو ہر وقت بتاتے رہنا چاہیے اس طرح کی چھوٹی اور گھٹیا حرکتیں کر کے۔ تاکہ لوگوں کو یقین آ جائے کہ تم جیسوں میں بھی فرمانبرداری کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔"

"مجھے تمہاری باتوں پر کوئی غصہ نہیں آئے گا۔ تم جس ماں کی اولاد ہو، اس سے اسی طرح کی گھٹیا باتوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔" رخشی نے اسی طرح کہا۔

"میں صرف اس ماں کی اولاد نہیں ہوں۔ اس باپ کی بھی اولاد ہوں جس کی تم بیوی بنی بیٹھی ہو۔"

ایک لمحہ کے لیے رخشی کچھ نہیں بول سکی۔ صبغہ نے مزید کچھ کہے بغیر فون کا ریسیور رکھ دیا۔

"تمہاری ماں اپنی اس زبان کی وجہ سے جس حال کو پہنچی ہے میں نہیں چاہتی کہ تمہارا بھی وہی حال ہو۔"
"اور تم اپنے کردار کی وجہ سے جہاں پہنچو گی۔ میں چاہتی ہوں تم وہیں پہنچو۔"
فون کی بیل ایک بار پھر بجنے لگی۔ صبغہ نے اس بار ریسیور سیٹ سمیت اٹھایا اور پاس پڑے دوسرے صوفہ پر بیٹھ گئی۔ وہ اب رخشی کی موجودگی کو مکمل طور پر نظر انداز کر چکی تھی۔ دوسری طرف اسامہ ہی تھا۔ رسمی سلام دعا تک رخشی بیٹھی اسے گھورتی رہی پھر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر پاؤں پٹختے ہوئے چلی گئی۔
"شکر ہے تم نے فون اٹھایا۔" اسامہ نے بے چینی سے کہا۔
"رخشی تھی یہاں پر...... وہ اٹھانے نہیں دے رہی تھی۔" صبغہ نے کہا۔
"میں جانتا ہوں بات ہوئی ہے اس سے میری۔"
"میں حیران ہوں کہ آج اسے کیا اعتراض ہونے لگا ہے۔ میں تو اس سے پہلے بھی اس کے سامنے آپ سے بات کرتی رہی ہوں۔" صبغہ نے کہا۔
"تمہارے پاس بیٹھی ہوئی ہے؟"
"نہیں' کچھ دیر پہلے تھی۔ اب چلی گئی ہے۔"
"میں جانتا ہوں' اب اسے میرے فون کرنے سے کیوں تکلیف ہونے لگی ہے۔" اسامہ نے تنفر آمیز انداز میں کہا۔
صبغہ نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی۔
"تم جانتی ہو منصور چچا نے کیا کیا ہے۔" صبغہ کا دل بے اختیار کانپا۔ "کیا اب کچھ اور بھی رہ گیا تھا ہونے کو۔"
"کیا کیا ہے؟"
"انہوں نے فیکٹری سے ہم لوگوں کو الگ کر دیا ہے۔"
"ہم لوگوں کو؟" صبغہ نے بمشکل کہا۔
"مجھے' طلحہ اور پاپا کو۔"
"یہ سب کب ہوا ہے؟" صبغہ کا دل بیٹھنے لگا۔
"آج...." صبغہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے' کیا کہے۔
"کیوں....؟" اس نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔
"کیونکہ ان کا خیال ہے کہ وہ اب اپنی فیکٹری کو اکیلے سنبھال سکتے ہیں انہیں ہماری ضرورت نہیں ہے۔"
"اس طرح کیسے کر سکتے ہیں پاپا۔" صبغہ نے بے اختیار کہا۔ "آپ لوگوں نے انہیں سمجھانے کی کوشش نہیں کی؟"
"منصور چچا سمجھنے والوں میں سے نہیں ہیں۔"
"انکل مسعود انہیں سمجھا سکتے تھے۔"
"منصور چچا میرے پاپا کو کیا سمجھتے ہیں...... کچھ بھی نہیں۔"
"وہ ان کے بڑے بھائی ہیں۔ پاپا ان کی عزت کرتے ہیں۔"
"تمہارے پاپا عزت یا احترام نام کے کسی لفظ سے واقف نہیں ہیں۔"
"مگر مسعود انکل......"
اسامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "صبغہ! جو آدمی اپنے بیوی بچوں کی پروا نہیں کرتا اس کے نزدیک بڑے بھائی کی کیا حیثیت ہے۔"
"اب کیا ہو گا؟ آپ لوگ کیا کریں گے؟"
اسامہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ "پاپا اور میں بہت ناراض ہیں۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں۔ ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا وہ ناراض ہوتا۔" صبغہ نے کہا۔
"لیکن وہ......" اسامہ کہتے کہتے رکا پھر اس نے بمشکل کہا۔ "پاپا اور ممی ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم تم دونوں کو طلاق دے دیں۔"
صبغہ کے سر پر جیسے آسمان گر پڑا تھا۔ "طلاق......؟"
"لیکن میں ایسا نہیں کروں گا...... میں نے پاپا کو بتا دیا ہے۔" اسامہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔
"اور طلحہ بھائی وہ......؟"
"طلحہ امبر کو طلاق دینے پر تیار ہو گیا ہے۔"
"کیوں......؟ اس میں امبر کا کوئی قصور نہیں ہے۔ طلحہ بھائی یہ کیسے کر سکتے ہیں۔" صبغہ بے اختیار چلائی۔
"میں نہیں جانتا کہ وہ یہ کیسے کر سکتا ہے۔ لیکن وہ یہ کرنا چاہتا ہے۔"
"صرف فیکٹری سے الگ کرنے کی وجہ سے طلحہ بھائی امبر کو چھوڑ دیں گے؟"
"صبغہ طلحہ اور پاپا کے لیے فیکٹری سے علیحدگی کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ انہوں نے پچھلے دس سال اس فیکٹری پر لگا دیے اور اب منصور چچا نے یک دم ٹشو پیپر کی طرح ہم سب کو اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے۔"
"لیکن اس میں میرا یا امبر کا کیا قصور ہے؟"
"یہ میں کہہ چکا ہوں ان سے......"
"پاپا یہ سب کچھ ہماری وجہ سے تو نہیں کر رہے۔ ہم نے تو انہیں یہ سب کچھ کرنے کے لیے نہیں کہا۔ پھر انکل اور آنٹی ہم سے کیوں ناراض ہیں۔"
"تم دونوں منصور چچا کی اولاد ہو۔"
"آپ جانتے ہیں پاپا کو اب ہماری ذرہ برابر بھی پروا نہیں رہی۔"
"اس کے باوجود تم دونوں ان کی اولاد ہو۔ اور پاپا اور ممی کی ناراضی کے لیے اتنا کافی ہے۔"
"آپ انہیں سمجھا سکتے ہیں۔"
"میں نے انہیں بہت سمجھایا ہے۔" اسامہ نے کہا۔ "وہ الٹا مجھ سے ناراض ہو رہے ہیں۔"
"آپ انہیں نہیں تو طلحہ بھائی کو تو سمجھا سکتے ہیں۔"
"طلحہ کو سمجھانا اور بھی مشکل ہے۔ وہ تو مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں بھی تمہیں طلاق دے دوں۔"
صبغہ کچھ بول نہیں سکی۔ اس کی آنکھوں سے اب آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ اچھا ہی تھا کہ رخشی اس کے پاس نہیں تھی ورنہ پتہ نہیں اس وقت کیا صورت حال ہو جاتی۔
"میں نے تمہیں اس لیے فون کیا ہے کہ تم منصور چچا سے ایک بار بات کرو۔" اسامہ کہہ رہا تھا۔ "انہیں بتاؤ کہ ان کے اس فیصلے کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے جو بات انہیں ہم نہیں سمجھا سکے وہ تم سمجھا دو۔"
"میں...... میں ان سے کیا کہوں گی۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "پاپا بچے تو نہیں ہیں کہ انہیں اپنے اس فیصلے کے نتائج کا پتا ہی نہ ہو۔ لیکن وہ شاید خود ہی یہ چاہتے ہیں۔ ممی کی زندگی تباہ کرنے کے بعد وہ ہمیں بھی تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔"
"رونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے صبغہ!" اسامہ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جو بھی ہو جائے کم از کم میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔"
"مگر امبر...... امبر کو تو طلحہ بھائی طلاق دے دیں گے......"
"میں ان دونوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں طلحہ کو پھر سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن مجھے اپنی کامیابی کی کوئی امید نہیں ہے۔"

"پاپا نے تو ہمارا نہیں سوچا۔ کم از کم آپ لوگوں کو تو ہمارا سوچنا چاہیے۔ آپ لوگوں کے ساتھ تو ہمارا خونی رشتہ ہے۔ انکل یہ کیوں نہیں سوچ رہے۔" صبغہ اب انتہائی بے بسی میں کہہ رہی تھی۔ "امبر تو طلحہ بھائی کے بغیر مر جائے گی۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے وہ ان سے کتنی محبت کرتی ہے۔ آپ لوگ امبر کو کیوں سزا دے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ امبر نے تو نہیں کروایا۔"

"صبغہ! میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ سب اپنے گھر والوں سے کہہ چکا ہوں۔۔۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا لیکن میں تمہارے لیے ایک بار پھر انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" اسامہ نے اسے بھرپور تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تم بھی منصور چچا کو سمجھانے کی کوشش کرو۔ سب کو نہیں رکھتے تو کم از کم پاپا کو ساتھ رکھ لیں۔ یا پھر طلحہ کو ہو سکتا ہے اس سے پاپا اور ممی کا غصہ کم ہو جائے۔"

"میں آج پاپا سے بات کروں گی لیکن پلیز آپ بھی انکل سے بات کریں۔ اور طلحہ بھائی سے بھی۔" اس نے ایک بار پھر اسامہ کو تاکید کی۔

اسامہ کے فون بند کرنے کے بہت دیر بعد تک بھی وہ وہیں صوفہ پر بیٹھی دونوں ہاتھوں میں اپنا سر پکڑے اسامہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں بے یقینی سے سوچتی رہی۔ "کیا پاپا اس حد تک خود غرض ہو سکتے ہیں کہ وہ اس طرح ہم دونوں کے مستقبل کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کریں۔" یہ جاننے کے باوجود کہ ایسا ہو چکا تھا۔ وہ مسلسل ایک بات کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔

"اور منصور انکل۔۔۔۔ کیا انہیں اندازہ نہیں ہے کہ ان کے اس قدم سے ہم لوگوں کو کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ وہ تو ہمیشہ ہم سے بے تحاشا محبت جتاتے رہے ہیں۔" وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی۔ اسے اب سمجھ میں آنے لگا تھا کہ رخشی نے اس دن کیوں اس کے اور اسامہ کے بات کرنے پر پابندی لگانے کی کوشش کی تھی۔ یقیناً وہ ان تمام فیصلوں سے واقف ہو گی جو منصور کر رہے تھے۔ یا پھر ہو سکتا ہے یہ تمام فیصلے کروانے میں اسی کا کردار ہو۔ اس کے سر میں اب درد ہونے لگا تھا۔ زندگی نے ان لوگوں کے گرد جو جال بننا شروع کیا تھا اس جال کے تار اب ان کے وجود کو پوری طرح جکڑ چکے تھے۔

☆☆☆

منصور علی آٹھ بجے کے قریب فیکٹری سے گھر آئے تھے۔ صبغہ ان کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ منصور علی کے کار کے ہارن کی آواز پر رخشی اپنے بیڈ روم سے باہر آ گئی۔ اس نے صبغہ کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھا مگر وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے منصور کے استقبال کے لیے لاؤنج کے دروازے سے باہر نکل گئی۔ چند منٹوں کے بعد منصور علی اس کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئے۔ صبغہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ منصور نے ایک نظر اسے دیکھا لیکن پھر اپنی نظر ہٹا لی۔

"پاپا! مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" صبغہ نے منصور کو مخاطب کیا وہ ٹھٹک گئے۔

"کیا بات کرنی ہے؟" صبغہ نے رخشی کو دیکھا جو منصور کے برابر میں کھڑی تھی۔

"مجھے آپ سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" منصور اس کا اشارہ سمجھ گئے۔

"تمہیں جو بات بھی کرنی ہے رخشی کے سامنے کرو۔ یہ کوئی غیر نہیں ہے۔"

"مگر بہت ساری باتیں ایسی ہیں جن کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔" صبغہ نے احتجاج کیا۔

"میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تمہیں جو بھی بات کرنی ہے رخشی کے سامنے کرو ورنہ میں یہاں مزید وقت ضائع نہیں کروں گا۔"

منصور علی نے ترشی سے کہا۔ رخشی کے چہرے پر ایک ستانے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ صبغہ ایک لمحہ کے لیے چپ کھڑی رہی پھر اس نے کہا۔

"آپ نے مسعود انکل کو فیکٹری سے الگ کر دیا ہے؟"

"ہاں۔۔۔" منصور نے ایک لمحہ کے توقف کے بغیر کہا۔

"کیوں......؟"

"میری مرضی' وہ میری فیکٹری ہے میں جسے چاہوں وہاں رکھوں' جسے چاہوں نکال دوں۔" منصور علی نے تندی سے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ مسعود انکل صرف آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ ان کے اور ان کے بیٹوں کے ساتھ آپ کا اور بھی رشتہ ہے۔"

"مجھے کسی رشتے کی پروا نہیں ہے۔ مجھے فیکٹری میں ان کی ضرورت تھی' میں نے انہیں رکھا۔ اب ضرورت نہیں ہے تو میں نے انہیں نکال دیا ہے۔"

"پلیز پاپا! ایسا مت کریں آپ جانتے ہیں۔ آپ کے اس فیصلے سے ہم لوگ تباہ ہو جائیں گے۔ میں اور امبر...... آپ نے ہم لوگوں کے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟"

"فیکٹری سے ان لوگوں کو نکالنے سے تمہارا یا امبر کا کیا تعلق ہے؟"

"انکل مسعود اپنے بیٹوں کو ہمیں طلاق دینے کے لیے کہہ رہے ہیں۔"

"تو طلاق ہو جانے دو...... وہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی تعلق رکھا جائے۔" منصور علی نے اس قدر سرد مہری کے ساتھ کہا کہ صبغہ بے یقینی سے ان کے چہرے کو دیکھتی رہی' وہ کسی باپ کا چہرہ نہیں تھا یا شاید...... اس کے لیے باپ کا چہرہ نہیں تھا۔

"ہماری زندگیاں برباد ہو جائے دیں؟"

"ایک طلاق سے کسی کی زندگی برباد نہیں ہوتی۔" منصور علی نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ صبغہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ منصور علی کہہ رہے تھے۔ "جو رشتہ چل نہ سکے اس کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ طلاق ہو جائے گی تو میں تمہاری شادی کی دوسری جگہ پر کر دوں گا۔ تمہیں کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے۔ منصور علی کی بیٹیوں کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔"

"اور اتنے سالوں سے جو آپ نے ہمیں اس رشتے میں باندھا ہوا تھا تو...... اس کی کوئی وقعت' کوئی حیثیت ہی نہیں تھی آپ کی نظر میں ایک فیکٹری آپ کے لیے دوسرے ہر رشتے سے بڑھ کر ہے؟"

"ہاں وہ فیکٹری میرے لیے ہر رشتے سے بڑھ کر ہے۔ آسمان سے پلیٹ میں رکھ کر کوئی فیکٹری نہیں آ جاتی۔ خون پسینہ لگا ہے اس میں۔ دن رات محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور اتنی محنت کے بعد میں صرف تم لوگوں کے لیے تو اس فیکٹری سے ہاتھ نہیں دھو سکتا۔"

"آپ نے اپنی مرضی سے اس فیکٹری میں ان لوگوں کو رکھا تھا۔ آپ کو شروع میں ہی انہیں وہاں نہیں رکھنا چاہیے تھا اگر بعد میں آپ نے انہیں اس طرح نکالنا تھا......"

"مجھے تمہارے مشوروں اور نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں اپنے بزنس کو ان رشتوں کے لیے قربان نہیں کر سکتا۔ تمہیں بھی ایسے خود غرض اور لالچی لوگوں کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ جو صرف فیکٹری کے لیے تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"اسامہ مجھے طلاق نہیں دے گا۔ مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

منصور عجیب سے انداز میں ہنسے۔ "اچھا وہ طلاق نہیں دے گا......! تو پھر تو اس تمام بحث کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ مگر تم مجھ سے کیوں یہ سب کچھ کہہ رہی ہو؟"

"پاپا طلحہ بھائی امبر کو طلاق دے رہے ہیں۔"

"تو یہ امبر کا...... اس کی ماں کا اور طلحہ کا معاملہ ہے۔ میں اس میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"یہ طلاق آپ کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ آپ انہیں اس فیکٹری سے نہ نکالتے تو وہ یہ قدم کبھی اٹھانے کا نہیں سوچتے۔"

"چلو مان لیا۔ یہ طلاق میری وجہ سے ہو رہی ہے۔ تو پھر میں کیا کروں۔"

"پاپا! امبر بیٹی ہے آپ کی۔"

"جو میرے گھر پر نہیں ہے۔ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"آپ کو یاد ہے آپ کتنی محبت کرتے تھے اس سے۔"

"میری حماقت تھی وہ۔"

"پاپا! باپ تو اولاد کے لیے بہت ساری قربانیاں دیتے ہیں۔"

"میں نے اپنی زندگی کے بیس سال تم لوگوں کے لیے قربانیاں دیتے ہی گزارے ہیں۔ اور اس کے بدلے تم لوگوں نے مجھے کیا دیا۔ گستاخی۔ حکم عدولی...... بدتمیزی۔"

"پاپا پلیز! امبر کی زندگی برباد مت کریں۔"

"اس کی زندگی اس کی اپنی وجہ سے برباد ہو رہی ہے۔ میری وجہ سے نہیں۔"

"پلیز پاپا! اس پر رحم کریں۔ ایسا مت کریں۔"

"تم مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔ اس کی بات مت کرو۔ میرے لیے وہ اسی دن مر گئی تھی جس دن وہ اس گھر کو اپنی ماں کے لیے چھوڑ کر گئی تھی۔"

"پاپا پلیز...... اپنے فیصلے پر ایک بار پھر سوچیں۔" وہ گڑگڑائی۔

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" منصور علی نے دوٹوک انداز میں کہا اور لاؤنج سے نکل گئے۔

☆☆☆

"آپ جو چاہے کہیں، میں صبغہ کو طلاق نہیں دے سکتا۔" اسامہ نے دوٹوک انداز میں شائستہ سے کہا۔ وہ دو دن کے بعد ایک بار پھر رات کو اس کے کمرے میں آ کر وہی موضوع لے بیٹھی تھیں۔

"تمہیں اپنے ماں باپ کی پروا نہیں ہے، صرف اس لڑکی کی پروا ہے جس کے باپ نے ہم لوگوں کے ساتھ بھکاریوں سے بھی بدتر سلوک کیا ہے۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ برا سلوک نہیں کیا۔" اسامہ نے جواباً کہا "انہوں نے بہت برا سلوک کیا ہے۔ لیکن آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ منصور چچا کا یا صبغہ کا۔"

"صبغہ منصور کی بیٹی ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"کیوں فرق نہیں پڑتا۔" شائستہ نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "منصور کو ہمارے بیٹوں کا احساس نہیں ہے تو پھر وہ اپنی بیٹیاں اپنے گھر رکھے۔ ہمیں بھی ان کی ضرورت نہیں ہے۔"

"منصور چچا کو آج کل کسی کا احساس نہیں ہے۔ اپنی اولاد کا بھی نہیں۔ ہوتا تو وہ یہ سب کچھ نہ کر رہے ہوتے۔" اسامہ نے کہا۔ "اور اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ ان دونوں طلاقوں سے منصور چچا کے...... کوئی ہوش ٹھکانے آ جائیں گے تو آپ غلط سوچ رہی ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہوگا۔ بلکہ منصور چچا تو خوش ہوں گے کہ ان کی ہم سے جان ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئی۔ آپ کو اندازہ ہے کہ وہ پہلے ہی صبغہ اور میرے میل جول اور گفتگو پر پابندی لگا چکے ہیں۔ اور جلد یا بدیر ان کا اگلا قدم طلاق کا مطالبہ ہی ہوگا۔"

"اسی لیے تو میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ اس سے پہلے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے تمہیں طلاق اس کے منہ پر مار دینی چاہیے۔"

"اگر منصور چچا بھی طلاق کا مطالبہ کریں گے تو بھی میں صبغہ کو طلاق نہیں دوں گا۔" اسامہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"میں اسے منصور چچا یا آپ لوگوں کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تمہیں شرم آنی چاہیے۔ تم اس باپ کی حکم عدولی کر رہے ہو۔"

"ماں باپ غلط بات کا مطالبہ کر رہے ہیں۔"
"غلط اور صحیح کا فیصلہ تم ہم پر چھوڑ دو۔"
"چھبیس سال کا ہونے کے بعد کوئی بھی اپنے فیصلے ماں باپ پر نہیں چھوڑتا۔"
"تم کس قدر خود غرض انسان ہو۔ صرف اپنی خوشی کا سوچ رہے ہو۔"
"آپ سب بھی خود غرض ہیں، صرف اپنی انا کے لیے دو زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔"
"یہ خاندان کی عزت کی بات ہے۔"
"صبغہ کو طلاق دے کر خاندان کی کون سی عزت بحال ہو جائے گی۔"
"بحث مت کرو میرے ساتھ۔"
"آپ بھی مجھ سے غلط مطالبے نہ کریں۔"
"صبغہ میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ تم اسے چھوڑ نہیں سکتے۔"
"اس میں سرخاب کے پر نہیں تھے تو آپ نے مجھ سے اس کا نکاح کیوں کیا تھا؟"
"غلطی ہو گئی تھی۔"
"میں اب ایک اور غلطی کرنا نہیں چاہتا۔"
"طلحہ بھی تو طلاق دے رہا ہے۔ وہ تو تمہاری طرح نہیں کر رہا۔"
"یہ طلحہ کی مرضی ہے وہ جو چاہے کرے، مگر میں اپنی زندگی کے فیصلے طلحہ کے نقش قدم پر چل کر نہیں کر سکتا۔"
"منصور تمہیں گھاس تک نہیں ڈالے گا۔"
"مجھے ان کی گھاس میں کوئی دلچسپی ہے بھی نہیں۔ مجھے صرف صبغہ میں دلچسپی ہے۔ میرے لیے وہ کافی ہے۔"
"تمہارا یہ فیصلہ ہمارے خاندان کو تقسیم کر دے گا۔"
"کوئی بات نہیں، کم از کم یہ میرے گھر کو بننے سے پہلے تو نہیں توڑے گا۔"
"اسامہ تم اپنے ماں باپ کے بارے میں سوچو۔ ہمیں تم پر کتنا مان تھا۔"
"اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دینے سے یہ سارا مان ختم ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر مجھے یہ کہنے دیں کہ آپ نے ایک غلط چیز پر اپنے اس مان کی بنیاد رکھی ہے۔"
"میں صبغہ کو کبھی اپنی بہو کے طور پر قبول نہیں کروں گی۔"
"وہ آپ کا فیصلہ ہو گا اور میں آپ کے فیصلے کا احترام کروں گا۔"
"ہم اسے اس گھر میں آنے نہیں دیں گے۔"
"میں ویسے بھی اسے اس گھر میں لانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"
"تمہارے پاپا تمہیں جائیداد سے عاق کر دیں گے۔"
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے پاس ڈگری ہے۔ مجھے بڑی آسانی سے کسی اچھی جگہ جاب مل سکتی ہے۔"
"ایک معمولی لڑکی کے لیے تم ہم سب کو چھوڑ دو گے؟"
"ایک معمولی لڑکی کو نہ چھوڑنے کی وجہ سے آپ مجھے جائیداد سے عاق کر دیں گے؟"
"ہم منصور سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ ہم اس کی اولاد کو بھی اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتے۔"
"آپ اسے منصور کی اولاد نہ سمجھیں آپ اسے صرف میری بیوی سمجھیں۔ شادی کے بعد وہ ویسے بھی منصور پچا کے گھر کی نہیں جائے گی۔ میں اسے وہاں جانے نہیں دوں گا۔"
"لیکن تم ہماری بات نہیں مانو گے۔"

"ممی! آپ نے اپنی مرضی سے میرا نکاح کیا۔ اب ایک معمولی بات پر اسے ختم کرنا چاہتی ہیں۔ یہ کھیل تماشا تو نہیں ہے۔"

شبانہ تھک گئیں۔ اس کے پاس ہر بات کا جواب تھا یا پھر فی الحال وہ انہیں لاجواب کر رہا تھا۔ بات جہاں سے شروع ہوئی تھی پھر وہیں پر آ کر ختم ہو رہی تھی۔

شبانہ وہ گھنٹے اس کے ساتھ مغز ماری کرنے کے بعد اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ اور اس کا یہ فیصلہ ان سب کے لیے بہت پریشانی کا باعث بن رہا تھا۔

"تم بہت پچھتاؤ گے۔ یاد رکھنا اسامہ! بہت پچھتاؤ گے۔"

اسامہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے ان کو کہتے سنا مگر اس نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتا تھا اس وقت وہ جس موڈ میں تھیں اس موڈ میں وہ ان سے اسی طرح کے جملوں کی توقع کر سکتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ان کی کہی ہوئی بہت سی باتیں دھمکی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھیں۔ اسے نہ تو کوئی عاق کرنے والا تھا نہ ہی گھر سے نکال سکتا تھا۔ ایسا کرنا اپنے ہی گھر کو تقسیم کرنے کے برابر ہوتا اور مسعود یا شبانہ ایسی حماقت نہیں کر سکتے تھے۔ مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صبغہ سے اگر اس کی شادی ہو بھی گئی اور وہ اس گھر میں آ بھی گئی تب بھی شبانہ اور دوسرے گھر والے اس کے لیے بہت سے مسائل کھڑے کرنے والے تھے۔ اس لیے ... وہ ابھی سے الگ گھر کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ اور صرف الگ گھر کے بارے میں ہی نہیں بلکہ اپنے متوقع بزنس یا جاب کے بارے میں بھی۔

صبغہ کے کہنے پر وہ ایک دن پہلے طلحہ سے بھی اس معاملے پر دوبارہ بات کر چکا تھا مگر طلحہ کے تیور دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر اپنا فیصلہ بدلنے والا نہیں تھا۔ اور فیصلہ بدلنے کے لیے اسے سمجھانا صرف وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ اس لیے اس نے اس معاملے میں بہت جلد ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اس کے لیے بہتر تھا کہ وہ صرف اپنے اور صبغہ کے معاملے کو ہی نپٹائے۔

☆☆☆

امبر نے حیرانی سے ایک لمحہ کے لیے صبغہ کا چہرہ دیکھا اور پھر یک دم قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ "طلحہ مجھے طلاق دے دے گا؟ اچھا مذاق ہے۔"

صبغہ نے اسے چند دن بعد فون کر کے اپنے کالج بلوایا تھا صرف وہی جگہ تھی جہاں وہ کسی پریشانی کے بغیر امبر سے مل سکتی تھی۔ وہ جویریہ کی طلاق کے بعد پہلی بار مل رہی تھیں۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"ممی کیسی ہیں؟" صبغہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"وہ ٹھیک ہیں..... روشان کیسا ہے؟ اور زارا اور رابعہ؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔" صبغہ نے کہا۔

"یہ منصور کی مہربانی ہی تھی کہ انہوں نے فون پر ان لوگوں کے آپس میں رابطے پر پابندی نہیں لگائی تھی۔ صبغہ تقریباً ہر روز فون پر ان لوگوں سے بات کرتی تھی۔ مگر فون کسی شخص سے ملاقات کا متبادل نہیں ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر تک وہ آپس میں بے معنی باتیں کرتی رہی تھیں۔ صبغہ نے اسے جو کچھ بتانے کے لیے بلوایا تھا وہ اب اسے بتاتے ہوئے ڈر رہی تھی اور امبر اس کے پاس پوچھنے کے لیے کچھ رہا تھا نہ بتانے کے لیے۔ احساس جرم کے علاوہ اس کے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں تھا۔

پھر بہت ہمت کر کے صبغہ نے اسے فیکٹری سے مسعود علی اور ان کے بیٹوں کی بے دخلی کے بارے میں بتا دیا۔ امبر بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی مگر جب صبغہ نے طلحہ کی طلاق کے بارے میں اسے بتایا تو وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"میرا اور طلحہ کا رشتہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ وہ اسے صرف فیکٹری کی وجہ سے توڑ دے گا۔" اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

"وہ پاپا جیسا نہیں ہے۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

صبغہ نے درد کی لہری اپنے اندر اٹھتی محسوس کی۔ امبر کی آنکھوں میں نظر آنے والی چمک کتنے دنوں تک رہنے والی تھی۔ اور اس کے بعد وہ اپنی اس بہن کو کیسے دیکھ سکے گی۔

"وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ بڑے یقین سے کہہ رہی تھی۔ "میں اس کی دنیا ہوں اور کوئی شخص اپنی دنیا نہیں چھوڑ کرتا۔"

"اب بھی اتنا اعتبار..... لوگوں پر اتنا اعتبار امبر!" صبغہ نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم رخشی کی وجہ سے کہہ رہی ہو۔ ہاں وہاں میں نے دھوکا کھایا۔ مگر یہاں میں دھوکا نہیں کھا سکتی۔ وہ دوست تھی۔ یہ محبت ہے۔ محبت کبھی جھوٹی نہیں ہوتی۔ خود غرض نہیں ہوتی۔ مادہ پرست نہیں ہوتی۔ اور پھر طلحہ سے میرا خونی رشتہ ہے۔ کزن بھی ہے وہ میرا۔ انکل مسعود کو جانتی ہو تم۔ وہ کتنا چاہتے ہیں ہمیں۔ وہ ہمارے باپ کی غلطیوں کی سزا ہمیں دیں گے کبھی نہیں؟"

اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"تمہارا رابطہ ہے طلحہ بھائی کے ساتھ؟" صبغہ نے پوچھا۔

امبر کے چہرے کا رنگ یک دم پھیکا پڑا "نہیں۔ وہ کراچی گیا ہوا ہے۔ تمہیں بتایا تو تھا میں نے۔"

"وہ کراچی سے کئی ہفتے پہلے واپس آ چکے ہیں اتنے ماہ وہ کراچی نہیں رہ سکتے تھے۔"

امبر اسے دیکھتی رہی۔ "ہو سکتا ہے وہ مصروف ہو یا اس نے ویسے ہی رابطہ کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔" اس کی آواز میں کھوکھلا پن تھا۔

"یا وہ مجھ سے کچھ ناراض ہو تمہیں بتایا تھا میں نے وہ بھی یہ کہتا ہے کہ رخشی کو پاپا کے ہاں جاب دلانا میری غلطی تھی۔"

امبر اب گراؤنڈ میں لگے ہوئے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔

"امبر! امی سے کہو کہ منصور انکل کو مسعود انکل کے پاس بھجوائیں تاکہ وہ انہیں سمجھائیں' بلکہ امی خود ان کے پاس جائیں۔ تم بھی جاؤ' طلحہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔ وہ لوگ وہی کرنے والے ہیں جو میں تمہیں بتا رہی ہوں۔"

"نہیں کریں گے صبغہ! تم خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ مجھے یقین ہے' وہ ایسا نہیں کریں گے۔ وہ اتنے خود غرض اور ظالم نہیں ہو سکتے۔"

"کوئی کیا ہو سکتا ہے۔ تم نہیں جانتیں امبر! تم لوگوں کو جاننے اور پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔"

"صرف رخشی کو۔ باقی تو میں نے کسی شخص کو جاننے یا پہچاننے میں کبھی دھوکا نہیں کھایا۔"

"پہلے نہیں کھایا تو اب کھا لو گی' جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔" صبغہ نے پُرزور لہجے میں کہا۔

"تم نے اسامہ سے بات کی ہے؟"

"ہاں اس سے میری بات ہوتی رہتی ہے' وہ مجھے طلاق نہیں دے رہا۔" صبغہ کہہ کر رکی پھر اس نے کہا۔

"لیکن میں اس پر بھی اعتبار نہیں کر رہی۔ آج وہ نہیں دے رہا' کل دے سکتا ہے۔ پرسوں دے سکتا ہے۔"

امبر پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔ "میں نے اب ہر ایک پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

"طلحہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے صبغہ!" امبر نے پتہ نہیں اسے کیا بتانے کی کوشش کی۔

"وہ دولت سے بھی بہت محبت کرتا ہے۔"

"وہ دولت اور امبر میں سے دولت کا انتخاب تو نہیں کر سکتا۔"

"اگر اس نے کر لیا تو؟" امبر بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں اب گھر جانا چاہتی ہوں۔ تمہیں بس مجھ سے یہی بات کرنا تھی؟" اس نے صبغہ کو دیکھے بغیر کہا۔

"صبغہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی" ہاں۔"

"پھر میں چلتی ہوں۔"

"ایک منٹ۔" صبغہ نے اسے روکا پھر اپنا بیگ کھول کر اس کے اندر سے ایک چھوٹا بیگ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" امبر نے ہاتھ بڑھائے بغیر کہا۔

"اس میں تمہاری جیولری ہے...... میں نے تمہارے کمرے سے نکال لی ہے تم لے جاؤ۔ ضرورت پڑ سکتی ہے اور اس میں کچھ رقم بھی ہے، تمہیں ضرورت ہوگی۔"

امبر نے کچھ کہے بغیر وہ بیگ پکڑ لیا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے صبغہ نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے جھوٹی تسلی دی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کالج کے گیٹ تک آ گئیں۔

"گھر کیسے جاؤ گی؟" صبغہ نے پوچھا۔

"رکشہ پر۔" امبر نے کہا۔ "ابھی عادت نہیں ہو پا رہی اس پر سفر کرنے کی لیکن ہو جائے گی۔ کچھ وقت گزرے گا تو ہو جائے گی۔" اس کے لہجے میں کھوکھلا پن تھا۔

"رابعہ، زارا اور روشان کو پیار کرنا۔"

صبغہ نے سر ہلایا۔

"روشان سے ایک بار میری بات کروا دو۔ اس نے ایک بار بھی مجھ سے بات نہیں کی۔ کیا وہ ابھی تک ناراض ہے مجھ سے؟"

"نہیں، وہ ناراض نہیں ہے۔ بس پریشان رہتا ہے۔ گھر میں بھی زیادہ تر نہیں ہوتا۔ میں تمہاری بات کرواؤں گی اس سے۔" صبغہ نے ایک بار پھر جھوٹ بولا۔ کچھ دیر وہ گیٹ پر کھڑی ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں پھر امبر نے کچھ کہے بغیر گیٹ سے باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ صبغہ دور کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ وہ خود اعتمادی جو اس کی چال کا خاصہ تھی وہ غائب ہو چکی تھی۔ اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ نہیں، مگر شکست خوردگی ضرور تھی۔ صبغہ کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

☆☆☆

"بیٹھو!" منصور نے خشک لہجے میں سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روشان سے کہا جسے انہوں نے کچھ دیر پہلے اسٹڈی میں بلوایا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر وہی سرد مہری تھی جو پچھلے کچھ ماہ میں مستقل طور پر منصور علی کو دیکھ کر اس کے چہرے پر رہنے لگی تھی۔

"مجھے کیوں بلوایا ہے یہاں پر؟" اس نے بیٹھتے ہی اکھڑ انداز میں کہا۔

"تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" منصور علی نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ اب اس کی اس ٹانگ کو دیکھ رہے تھے جو اس نے بالکل ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے دوسری ٹانگ پر رکھ لی تھی اور ایسا اس نے پہلی بار کیا تھا۔

"میں نے مسعود طلحہ اور اسامہ کو اپنی فیکٹری سے الگ کر دیا ہے۔"

"جانتا ہوں۔" وہ اسی سرد مہری سے بولا۔

"صبغہ نے بتایا ہوگا تمہیں۔"

روشان اس بار خاموش رہا مگر ناگواری اس کے چہرے پر جھلک رہی تھی۔ منصور نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یہ فیکٹری میں نے طلحہ یا اسامہ کے لیے نہیں بنائی تھی۔ یہ فیکٹری میں نے تمہارے لیے بنائی تھی۔ میری حماقت تھی کہ میں نے ان لوگوں کو اسے چلانے کے لیے رکھ لیا۔ حماقت سمجھ لو یا پھر مجبوری لیکن اب میں نے ان سے نجات حاصل کر لی ہے۔"

منصور اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ روشان کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"صبغہ کو میرے اس فیصلے پر اعتراض ہے۔ وہ بھی چاہیے اسامہ اس کا شوہر تھا اور ظاہر ہے وہ چاہتی ہوگی کہ فیکٹری اس کے

شوہر کے ہاتھ سے نہ نکلے۔"

"صبغہ کے بارے میں ایسی بات مت کریں۔ وہ میری بہن ہے۔" روشان نے یکدم ان کی بات کاٹی۔

"دولت بڑے سے بڑے اور گہرے سے گہرے رشتے کو ختم کر دیتی ہے۔" منصور نے اطمینان سے کہا۔

"جیسے آپ نے کر دیا۔"

"اس وقت میں اپنی بات نہیں کر رہا ہوں۔" منصور کا لہجہ کھردرا ہو گیا۔ "میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔ تمہارے مستقبل کی بات کر رہا ہوں۔ وہ فیکٹری تمہاری ہے۔ تمہارے لیے ہے۔ کسی دوسرے شخص کا اس پر کوئی حق نہیں ہے اور میں نے طلحہ اور اسامہ کو صرف تمہارے لیے وہاں سے نکالا ہے۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ نے انہیں وہاں سے اپنی بیوی کے کہنے پر نکالا ہے۔"

"نہیں۔ رخشی نے مجھ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔" منصور نے جھوٹ بولا۔

"آپ نے میرے لیے ان لوگوں کو فیکٹری سے علیحدہ کیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں واپس وہاں لے آئیں۔"

"تم بے وقوف ہو۔ اس عمر میں سب بے وقوف ہی ہوتے ہیں۔" منصور علی نے اسے جھڑکا "کروڑوں کی فیکٹری تم ان لوگوں کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہو جو تمہارے جوان ہونے تک اس کو ہڑپ کر جائیں گے۔"

"حقیقت تو یہ ہے پاپا! کہ مجھے آپ سے اور آپ کی فیکٹری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

منصور کے چہرے کا رنگ بدلا۔ "ٹھیک ہے اگر تم کو ان معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تو پھر تم ان معاملات سے دور ہی رہنا۔ اس بارے میں صبغہ کی طرف داری کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔"

"وہ میری بہن ہے۔"

"وہ اسامہ کی بیوی بھی ہے اور اسے تم سے زیادہ اسامہ کی پرواہ ہے۔"

"اسامہ بھائی آپ کے بھتیجے ہیں۔ پرواہ تو آپ کو بھی ہونی چاہیے ان کی۔"

"تم سے زیادہ پرواہ ہونی چاہیے مجھے اس کی؟"

روشان کچھ نہیں بولا۔

"روشان! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور یہ میری محبت کا ثبوت ہے کہ میں نے تمہاری تمام بدتمیزیوں کے باوجود تمہیں یہاں اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے لیکن تم میری اس محبت کو میری کمزوری مت سمجھنا۔ اولاد کا کیا ہے۔ رخشی سے مل جائے گی مجھے۔"

روشان نے چونک کر انہیں دیکھا۔ "اور تم لوگوں سے بہتر ہی ہوگی وہ اولاد..... ابھی تو میں سب کچھ تم کو پیار سے سمجھا رہا ہوں مگر کب تک؟ میں تمہارے پیچھے منتیں کرتا نہیں پھروں گا۔ تم کو انتخاب کا حق دوں گا کہ تم جب چاہو مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صرف تم کو فرق پڑے گا" تمہاری بہنوں کی شادیاں ہو جائیں گی وہ اپنے اپنے گھروں میں آرام سے رہیں گی اور تم' تم میری جائیداد سے عاق ہونے کے بعد دھکے کھاتے پھرو گے۔ ابھی تم کو فیکٹری کی پرواہ نہیں ہے۔ بہنوں کی محبت ستا رہی ہے۔ کل کو تم پچھتاتے ہوئے میرے پاس آؤ گے اور میرے گھر کے دروازے بند پاؤ گے پھر سوچو کیا کرو گے تم زندگی میں؟ منصور تمہارے' تمہاری ماں یا تمہاری بہنوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ تم کو شوق ہے تو جا کر دیکھ لو وہ آؤ اس کے پاس اور دیکھو وہ کون سی آسائش تمہارے سامنے لا رکھتا ہے۔"

منصور کچھ دیر کے لیے کہہ کر خاموش ہو گئے پھر انہوں نے ایک سگریٹ سلگایا۔

"تمہارے لیے میرے پاس صرف ایک نصیحت ہے..... صرف اپنے بارے میں سوچو۔ ماں کے بارے میں نہیں' بہنوں کے بارے میں بھی نہیں۔ صرف اپنے بارے میں جب ایسا کرنا شروع کرو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ میں تمہارا کتنا بڑا ہمدرد ہوں۔ ایسا نہیں کرو گے تو بہت جلد تم بھی اسی حال کو پہنچ جاؤ گے جس حال میں منیزہ اور امبر پہنچی ہیں۔"

روشان نے سر اٹھا کر سگریٹ کے ان مرغولوں کو دیکھا جو منصور علی کے چہرے کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔
وہ کچھ کہے بغیر ایک دم اٹھ کر اسٹڈی سے نکل گیا۔

☆☆☆

امبر ... بجے گھر پہنچی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی ایک عجیب سی خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔ اس کی کزن نفیسہ لاؤنج میں بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ امبر کو دیکھ کر اس نے میگزین ٹیبل پر رکھ دیا۔ امبر کو اس کا انداز بہت عجیب لگا۔

"تم کہاں تھیں امبر؟" اس نے امبر سے پوچھا۔

"میں صبغہ کے کالج گئی ہوئی تھی اس سے ملنے۔"

"پھوپھو کو پتا تھا؟"

"ہاں، ممی کو بتا کر گئی تھی۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" امبر نے رک کر اس سے پوچھا۔

"ایسے ہی پھوپھو کے پاس جاؤ وہ......" نفیسہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

امبر کچھ دیر اس کی بات کے مکمل ہونے کا انتظار کرتی رہی پھر تیزی سے منیزہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور بے ربط باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ صفدر اور اس کی بیوی بھی اندر تھے۔ امبر کے اندر داخل ہوتے ہی کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"کیا بات ہے؟" امبر بے اختیار نروس ہو گئی۔ منیزہ، صفدر یا اس کی بیوی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ امبر منیزہ کی طرف بڑھ گئی۔

"ممی! کیا بات ہے؟ آپ لوگ پریشان کیوں ہیں؟" وہ منیزہ کے پاس صوفہ پر بیٹھ گئی۔ منیزہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"بتائیں ناں کیا بات ہے؟ کیوں آپ لوگ اس طرح چپ ہیں۔" امبر نے منیزہ کے چہرے کی زردی کو محسوس کیا۔

"اسے بتا دیں یوں چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ نے اس کو بتانا تو ہے ہی۔" صفدر کی بیوی نے اس خاموشی کو توڑا۔

امبر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "آپ بتا دیں آنٹی! کیا بات ہے؟"

"طلحہ نے تمہیں طلاق بھجوا دی ہے۔" وہ بے یقینی سے صفدر کی بیوی کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اسے یقیناً سننے میں کوئی غلطی ہوئی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو وہ صبغہ سے بات کر رہی تھی۔ اتنی جلدی ایسا کچھ کیسے ہو سکتا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر منیزہ کو دیکھا۔

"ایک گھنٹہ پہلے رجسٹری آئی ہے۔" منیزہ کی آواز جیسے کسی کھائی سے آئی تھی۔

"نہیں، کوئی...... کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کسی اور کی رجسٹری ہو۔ میں...... ممی طلحہ۔ آپ وہ...... نہیں میرے ساتھ تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔"

اس نے بے بسی اور بے یقینی سے باری باری صفدر اور منیزہ کو دیکھا صفدر اٹھ کر باہر نکل گئے۔ ان کی بیوی نے ان کی تقلید کی۔

☆☆☆

"منصور علی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے؟" ناشتے کی ٹیبل پر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے ایک لحظہ کے لیے ہارون کمال کا ہاتھ شائستہ کے اس سوال پر رکا۔

"ہاں بہت پرانی بات ہے۔ کئی ماہ گزر گئے اس بات کو۔" ہارون نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

"تم نے مجھے نہیں بتایا۔"

"یہ کوئی اہم بات نہیں تھی کہ تمہیں بتائی جاتی۔ شہر میں روزانہ ایسی کئی طلاقیں ہوتی ہیں۔"

"میں شہر میں ہونے والی طلاقوں کی بات نہیں کر رہی۔ تمہارے بزنس پارٹنر کی بات کر رہی ہوں۔" شائستہ نے اس کے

چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"اب بزنس پارٹنر ہے تو ضروری نہیں کہ ہم اس کے ذاتی معاملات میں بھی دلچسپی لیتے پھریں۔"
"طلاق کیوں ہوئی؟" شائستہ نے جوس کا گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے ہارون کمال کے چہرے کو غور سے دیکھا۔
"کم آن شائستہ! مجھے کیا پتہ کہ کیوں ہوئی۔ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔"
"تمہاری اس بارے میں اس سے بات تو ہوئی ہوگی۔"
"نہیں، میری کوئی بات نہیں ہوئی۔"
"میں یقین نہیں کر سکتی پھر تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔" شائستہ نے گردن اچکاتے ہوئے کہا۔
"تمہاری اس بارے میں منصور سے بات ہوئی؟"
"میری کیسے بات ہو سکتی ہے؟"
"تو پھر تمہیں کیسے پتہ چلا کہ منصور نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے؟" ہارون کمال نے ترکی بہ ترکی کہا۔ شائستہ نے ایک ابرو اچکا کر اسے دیکھا پھر مسکرائی۔
"میرے کچھ ذرائع ہیں جو مجھے ہر بات کی خبر دیتے رہتے ہیں۔"
"میرے بھی کچھ ذرائع ہیں جو مجھے باخبر رکھتے ہیں۔"
"منیزہ اچھی عورت تھی۔" شائستہ نے موضوع بدلا۔
"بیوی اس کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ تو منصور ہی کر سکتا تھا۔"
"میں نے یہ بھی سنا ہے کہ منصور نے اپنی سیکرٹری کے ساتھ دوسری شادی کر لی ہے۔"
"ہاں وہ دوسری شادی کر چکا ہے۔"
"کیسا آدمی ہے یہ منصور؟" شائستہ نے یک دم پوچھا۔
"یہ کیا سوال ہے؟"
"بہت آسان سوال ہے۔ تمہاری رائے پوچھ رہی ہوں اس کے بارے میں۔"
"اچھا آدمی ہے بلکہ بہت اچھا آدمی ہے۔ تمہیں یاد نہیں جب پہلی بار تم اس سے ملی تھیں تو تمہیں بھی وہ اچھا لگا تھا۔" ہارون نے اسے یاد دلایا۔
"ہاں مگر اب میری رائے تبدیل ہو گئی ہے۔" شائستہ نے جوس کا گلاس دوبارہ اٹھایا۔
ہارون نے قہقہہ لگایا۔ "کم آن صرف اس کی شادی کی وجہ سے؟"
"صرف شادی کی وجہ سے نہیں اپنی سیکرٹری سے شادی کی وجہ سے۔"
"کیا مطلب؟"
"میں اسے جتنا سمجھدار سمجھتی تھی وہ اتنا سمجھدار یا دوراندیش نہیں ہے۔"
"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔"
"اس عمر میں بیوی کو طلاق دے کر سیکرٹری سے شادی کرنے والے آدمی کی بے وقوفی کے بارے میں کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی۔"
"منصور کو اس سے محبت ہو گئی تھی۔" ہارون نے جیسے وضاحت دی۔
"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ اس آدمی کے بارے میں میری رائے تبدیل ہو گئی ہے۔ زیادہ قابل اعتماد نہیں رہا۔"
"دوسری شادی یا سیکرٹری سے دوسری شادی کوئی عجیب یا انوکھی بات نہیں ہے۔ ہم ڈھیروں ایسے لوگوں کو جانتے ہیں۔"

تمہارے بقول یہ حماقت تو کر چکے ہیں۔"

"ان میں سے کوئی بھی تمہارا بزنس پارٹنر نہیں رہا۔ اگر بزنس پارٹنر ایسی حرکت کرے تو سوچنا پڑتا ہے اس کے بارے میں بھی اور اس کے ساتھ اپنے بزنس کے بارے میں بھی۔"

"میں فی الحال ایسی کوئی سوچ نہیں رکھتا۔ شادی منصور کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس کا بزنس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"میری خواہش ہے کہ ایسا ہی رہے اور اس کی ذاتی زندگی تم دونوں کے بزنس پر اثر انداز نہ ہونا شروع ہو جائے۔"

"میں تمہیں رمشی سے ملواؤں گا۔"

"رمشی کون؟"

"منصور کی دوسری بیوی۔"

"یعنی کہو کہ نئی بیوی اور پرانی سیکرٹری۔" شائستہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ہارون کمال محظوظ ہوا۔

"چلو ملوا دو۔ اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔" شائستہ نے کہا۔

"اور منصور کے بچے کہاں ہیں۔ اس کے پاس ہیں؟ یا بیوی کے پاس ہیں؟"

"اس کے اپنے پاس ہیں۔"

"امبر بھی؟" ہارون کمال کو شائستہ کا لہجہ یک دم بدلتا لگا۔ چائے کے کپ پر نظر مرکوز رکھتے ہوئے اس نے بظاہر بے نیازی دکھائی۔

"ظاہر ہے باقی بچے اس کے پاس ہیں تو وہ بھی اس کے پاس ہوگی۔"

"میں نے سنا ہے کہ وہ منیزہ کے پاس ہے۔"

"ہوگی میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ تمہیں بتایا نا اس سلسلے میں میری منصور سے کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"امبر کیسی لڑکی ہے؟" ہارون اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تمہارے سوال آج کچھ عجیب سے نہیں ہیں؟"

"میرے سوال؟ کیا بات عجیب ہے ان میں؟"

"تم جانتی ہو مجھے دوسروں کی ذاتی زندگیوں میں کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی۔"

"دوسروں کی ذاتی زندگی کہاں سے آ گئی ہے یہاں۔ میں تو امبر کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہ رہی ہوں۔"

"منصور علی کی بیٹی کے بارے میں میری رائے کیا ہو سکتی ہے۔ میں تو بہت عرصے سے اس سے ملا تک نہیں۔"

"نہ ملنے کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ انسان کسی شخص کے بارے میں رائے بھی نہ رکھے۔"

"تمہیں آخر اس کے بارے میں میری رائے کی اتنی فکر کیوں ہونے لگی ہے؟"

"میں نے سنا ہے اسے بھی طلاق ہو گئی ہے۔"

شائستہ کے ذرائع اطلاعات جو بھی تھے بے حد طاقتور تھے۔ ہارون کمال نے اعتراف کیا۔ "تو؟"

"تو یہ کہ مجھے وہ اچھی لگتی تھی۔"

شائستہ کے تبصرے پر وہ الجھا۔ "کیا مطلب؟"

"مجھے وہ تب ہی بہت اچھی لگی تھی جب میں پہلی بار اس سے ملی تھی۔" شائستہ نے جوس کا گلاس دوبارہ اٹھا لیا۔ "اس کے بارے میں یہ جذبات صرف میرے نہیں تھے۔"

ہارون کو لگا وہ کہہ دے گی بلکہ تمہارے بھی تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے جوس پیتی رہی پھر اس نے گلاس میز پر رکھ دیا۔

"اسد کو بھی بہت اچھی لگی تھی وہ۔"

"اسد کو؟"

"ہاں۔" شائستہ نے اطمینان سے کہا۔ "اس نے تب ہی اس کے لیے دلچسپی کا اظہار کیا تھا مگر مجھے پتہ چلا کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہاری ان ساری باتوں کا؟" ہارون کمال نے جیسے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"مطلب تو صاف واضح ہے۔ اسد شادی کرنا چاہتا تھا اس سے؟"

"واٹ؟" چائے کا کپ ہارون کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ امبر جیسی خوب صورت لڑکی ہے ایسی لڑکی کو پسند کرنا کوئی انوکھی بات تو نہیں۔"

"اسد ابھی پڑھ رہا ہے۔"

"جانتی ہوں لیکن وہ کوئی چھوٹا بچہ بھی نہیں ہے کہ اس کی شادی پر اتنی حیرانی ہو تمہیں۔"

ہارون کمال کچھ دیر کچھ بھی کہے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"اسد نے ہی مجھے امبر کی طلاق کے بارے میں بتایا تھا۔" شائستہ نے اسے خاموش دیکھ کر بتایا۔ "وہ چاہتا ہے کہ ہم لوگ اسے پرپوز کریں۔ میں نے سوچا پہلے میں تم سے بات کر لوں۔"

"اسد کتنی بار مل چکا ہے اس سے؟"

"میں نے تفصیل تو نہیں پوچھی لیکن اس نے کلب میں اسے دو چار بار دیکھا ہے۔"

"اور دو چار بار دیکھنے پر اس نے یہ طے کر لیا کہ اسے امبر کے ساتھ شادی کرنی چاہیے۔" ہارون کے لہجے میں یکدم تلخی عود کر آئی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم نے بھی تو مجھے پہلی بار دیکھنے پر ہی مجھ سے شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔" شائستہ نے بے حد عجیب انداز میں کہا۔

"تم میری کزن تھیں، تمہارے بارے میں جانتا تھا میں۔"

"وہ تمہارے بزنس پارٹنر کی بیٹی ہے جانتے تو ہم اس کے بارے میں بھی ہیں۔"

"اسد کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے کہ وہ ایک طلاق یافتہ لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔"

"وہ اسے پسند کرتا ہے۔"

"اس عمر میں ہر لڑکی اچھی لگتی ہے۔ تم اس سے کہو فی الحال اپنی تعلیم پر توجہ مرکوز رکھے۔ میں ابھی اس کی شادی نہیں کرنا چاہتا اور جب کروں گا بھی تو کم از کم امبر سے نہیں کروں گا۔" ہارون نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"کیوں امبر میں کیا خرابی ہے؟"

"اس میں کوئی خرابی نہ ہوتی تو اتنی لمبی مدت کے نکاح کے بعد اسے طلاق نہ ہوتی۔"

"ہارون! تم اس کی طلاق کی وجہ کے بارے میں جانتے ہو؟" ہارون کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہاں کہے یا نہیں۔

"نہیں۔" اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

"میں جانتی ہوں۔" شائستہ نے کہا۔ ہارون کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ عورت آخر کس حد تک معلومات رکھتی تھی۔

"منصور علی نے اپنے بھتیجے کے ساتھ اس کا نکاح کیا تھا۔ دوسری شادی کے بعد اس نے اپنے بھتیجے کو اپنی فیکٹری سے الگ کر دیا۔ اس نے جواباً امبر کو طلاق دے دی۔ اس طلاق میں ذاتیات کے بجائے بزنس انوالو ہے۔"

"تمہیں یہ کس نے بتایا ہے؟"

ہارون خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"اسد کو یہ سب کچھ کہاں سے پتہ چلا ہے؟"

"میں نے اس سے نہیں پوچھا۔ لیکن وہ تمہارا بیٹا ہے۔ اس کے ذرائع معلومات بھی تمہارے جیسے ہی ہوتے ہیں۔"

"میری طرف سے تم اسد کو صاف صاف بتا دو کہ امبر سے اس کی شادی نہیں ہوگی۔" ہارون کمال نے یک دم کہا۔

"کیوں؟"

"منصور' منیزہ کے ساتھ ساتھ امبر کو بھی گھر سے نکال چکا ہے اور امبر کو اپنی بہو بنانے کا مطلب اپنے اور منصور کے تعلقات کے درمیان دراڑ لانا ہے جو میں نہیں کروں گا۔ اسد کی شادی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہمارے جیسے کسی بڑے خاندان میں ہوگی۔ منصور علی جیسے خاندان میں نہیں' یہ تم اس کو صاف صاف بتا دو۔"

ہارون کمال اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اور اگر اسد نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا تو؟" شائستہ نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ نہیں انکار کرے گا۔ تم اسے سمجھاؤ گی تو وہ انکار نہیں کرے گا اور تم اتنی سمجھدار ضرور ہو کہ اس شادی کے فائدے اور نقصان کے بارے میں اندازہ لگا سکو۔" ہارون کمال نے کہا۔

"ہمارے اور منصور علی کے درمیان بزنس پارٹنر شپ ضرور ہو رہی ہے لیکن وہ ہمارے سامنے ایک بونے سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا' یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو۔ پارٹنر شپ کو رشتے داری میں بدلنے کا ارادہ میں نہیں رکھتا اور نہ ہی آئندہ بھی رکھوں گا ویسے بھی اسد ابھی بہت چھوٹا ہے۔ چار پانچ سال سے پہلے میں اس کی شادی نہیں کروں گا۔" ہارون نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"اگر پھر بھی اس نے شادی پر اصرار کیا تو اس سے کہنا کہ وہ اس کے بعد دوبارہ میرے گھر آنے کی زحمت نہ کرے جہاں چاہے جائے اور رہے' میں پروا نہیں کروں گا۔"

وہ کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے وہاں سے نکل گیا۔

شائستہ مکمل پر بیٹھی جوس کے گلاس کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان گھماتے ہوئے سوچوں میں گم تھی۔ اسے کوئی شبہ نہیں تھا کہ اسد کی ضد پر ہارون وہی کرے گا جس کا وہ ابھی کچھ دیر پہلے اعلان کر کے گیا تھا اور اسے اب یہ سوچنا تھا کہ وہ اسد کو کس طرح ہارون کی ناپسندیدگی کے بارے میں آگاہ کرے گی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اسد اور امبر کا آپس میں کوئی خاص تعلق یا رابطہ ہوگا کیونکہ اسد باہر تعلیم حاصل کر رہا تھا' صرف چھٹیوں میں وہ پاکستان آیا کرتا تھا اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس نے انہی چھٹیوں میں امبر کو دیکھا تھا اور دیکھنے کے فوری بعد اس نے شائستہ سے اس کے بارے میں بات کی تھی پھر یہ جاننے کے باوجود کہ اس کا نکاح ہو چکا تھا۔ وہ مسلسل اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ چھٹیاں ختم ہونے کے بعد باہر جانے پر بھی امبر کو اس نے اپنے ذہن سے نہیں نکالا اور اب جب وہ گریجویشن کرنے کے بعد واپس آیا تھا تو آنے کے کچھ دنوں کے بعد ہی اس نے ایک بار پھر شائستہ سے امبر کے بارے میں بات کی تھی۔

منصور علی اور منیزہ کی طلاق کے بارے میں بھی اسے اسد نے ہی آگاہ کیا تھا۔ اور شائستہ کو اس اطلاع پر شاک لگا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ہارون کے ایک بزنس پارٹنر کے ساتھ ہونے والے ایسے واقعے کے بارے میں اسے اس طرح بے خبر بھی رکھا جا سکتا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ منصور علی اور اس کی فیملی کو وہ پہلے کی طرح اپنے گھر پر کسی دعوت پر نہیں بلا سکی کیونکہ اس نے خود کچھ عرصہ بیرون ملک گزارا تھا۔ ہارون کمال نے بھی اسے منصور علی کی فیملی کو اپنے ہاں پہلے کی طرح بلانے کے لیے نہیں کہا تھا نہ ہی خود منصور علی کی طرف سے ان لوگوں کو کوئی بلاوا ملا تھا۔ واپس آنے کے بعد شائستہ اپنے سوشل سرکل میں اتنی مصروف رہی کہ اسے منیزہ یا منصور علی کے بارے میں ہارون سے کچھ بھی کہنے کا موقع نہیں ملا اور اب چند ماہ کے بعد جب اسد کے توسط سے یہ خبر ملی تو وہ حیران رہ گئی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ منصور علی اور منیزہ کے درمیان اس طرح طلاق ہو سکتی تھی وہ دونوں ہر ملاقات پر آپس میں بے حد خوش نظر آتے تھے۔ شائستہ کا اندازہ تھا کہ منصور علی ایک مکمل فیملی مین تھے۔ کیونکہ وہ جس

سرکل میں اٹھتی بیٹھتی تھی وہاں اس نے کبھی منصور علی کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ منصور بہت سوشل نہیں تھے۔ اگر وہ منصور کے بارے میں کچھ نہ کچھ سنتی رہتی تو شاید اسے اس طرح ان دونوں کی علیحدگی کے بارے میں کوئی حیرانی نہ ہوتی لیکن اس طرح اچانک۔

اور اب اسے اسد اور ہارون کے بارے میں پریشانی ہو رہی تھی۔ اسد ضدی تھا اور ہارون دوسروں کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھنے والا۔ اب یہ شائستہ کے ہاتھوں میں تھا کہ وہ اس معاملے کو خوش اسلوبی سے حل کرے۔ اسے ہارون کی بات میں وزن نظر آ رہا تھا۔ اس صورت حال میں امبر سے اسد کی شادی ان کے لیے کوئی زیادہ مفید سودا نہیں تھا اور اب اسے اسد کو یہی بات سمجھانی تھی۔

☆☆☆

"پاپا سے آپ کی بات ہوئی؟" اسد ہارون کے جانے کے چند منٹوں بعد ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ شائستہ ابھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسد نے اندر آتے ہی بنا کسی تمہید کے کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔

"اتنے بے صبرے کیوں ہو رہے ہو اسد؟ آرام سے بیٹھ جاؤ۔" شائستہ نے بڑے لاڈ سے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔ جواباً وہ ہنس دیا۔

"بے صبرا تو نہیں ہو رہا۔ بس جاننا چاہ رہا ہوں کہ پاپا کا کیا ردعمل تھا۔"

اس نے کپ اٹھا کر سامنے رکھا۔ شائستہ نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے اس کو دیکھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ہارون نے کیا کہا ہوگا۔"

اسد نے کندھے اچکائے۔ "پاپا کے ری ایکشن کے بارے میں کچھ بھی پیشن گوئی کرنا بہت مشکل ہے ویسے میں کہتا ہوں ناراض نہیں ہوئے ہوں گے۔"

شائستہ ہلکا سا ہنسی۔ "بالکل غلط ۔۔۔۔ ہارون کے بارے میں تمہارے اندازے واقعی غلط ہیں۔ تمہارے پاپا بہت ناراض ہوئے ہیں۔"

اسد چائے کا کپ ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک گیا۔ اس کے چہرے پر اب مسکراہٹ نہیں تھی۔ "ناراض ہوئے ہیں؟" وہ کپ واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔ "اس میں ناراضی والی کون سی بات ہے؟" اس نے شائستہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت ساری باتیں ہیں۔"

"مثلاً ۔۔۔۔؟"

"مثلاً یہ کہ ہارون کا خیال ہے تمہیں ابھی اپنی تعلیم پر توجہ دینی چاہیے۔"

اسد نے سر جھٹکا "فار گاڈ سیک ممی۔ گریجویشن کر لی ہے میں نے۔"

"ہارون کے نزدیک گریجویشن کافی نہیں ہے۔ اور میرا بھی یہی خیال ہے۔" شائستہ سنجیدہ ہو گئی۔

"اور میں نے کب کہا ہے کہ میں تعلیم ختم کر رہا ہوں۔"

"ہارون چاہتے ہیں کہ تم اپنی تعلیم جاری رکھو اور جب تمہاری تعلیم ختم ہو جائے تو اس کے بعد تم ان معاملات کے بارے میں سوچو۔"

"میں بھی فوری طور پر تو شادی نہیں کرنا چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری انگیجمنٹ کر دیں۔"

"ہارون انگیجمنٹ پر بھی تیار نہیں ہیں۔" شائستہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیوں؟"

"وہ ابھی مناسب نہیں سمجھتے۔"

"اوکے فائن ۔۔۔۔ پھر آپ ان سے کہیں کہ وہ امبر کے گھر والوں سے زبانی ہی بات کر لیں۔" اسد نے کندھے اچکائے۔

ہوئے کہا۔

"اسد! تمہاری شادی چار پانچ سال سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اور چار پانچ سال پہلے منگنی کر دینا یا نسبت ٹھہرا دینا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مگر امبر کے لیے رکھتا ہو گا۔" اسد نے کہا "میں نے آپ کو بتایا تھا اسے چند دن پہلے طلاق ہوئی ہے۔" اس نے چائے کے کپ سے پہلا گھونٹ لیا۔ "اور اب ظاہر ہے طلاق کے بعد وہ لوگ اسے چار پانچ سال تو بٹھا کر نہیں رکھیں گے۔ ویسے بھی ان کے گھر میں جس طرح کے حالات ہیں اس میں امبر کی مدر بھی جلد از جلد اس کی شادی کر دینا چاہیں گی۔ آپ ان سے بات کر لیں گی تو کم از کم انہیں یہ تو پتا چل جائے گا کہ میں اس میں انٹرسٹڈ ہوں۔"

"دیکھو ابھی اس کی طلاق ہوئی ہے۔ فوری طور پر تو وہ اس کی شادی نہیں کریں گے نہ ہی ابھی ان کے ساتھ اس موضوع پر بات کرنا مناسب ہے۔ چند ماہ گزر جانے دو پھر دیکھیں گے۔" شائستہ اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تم اس دوران اپنے ایجوکیشن کو مکمل کرو اپنی توجہ کو یہاں مرکوز رکھو۔"

"اور اگر اس دوران امبر کی کہیں نسبت طے ہو گئی تو؟"

"نہیں ہو گی ....." شائستہ نے لاپروائی سے کہا۔ "تمہیں ان کے فیملی کرائسس کا تو پتہ ہی ہے۔ اس قسم کی صورت حال میں کون ہے جو ایسے ہی پروپوزل لے کر پہنچ جائے۔"

"ممی اگر میں اس قسم کے حالات کے باوجود اس میں انٹرسٹڈ ہو سکتا ہوں تو پھر کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟" اسد نے شائستہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی اور اگر ہوتا ہے تو ہونے دو۔ ہمیں پروا نہیں ہے۔ ہمیں جب ضرورت ہو گی تو ہم اس کے بارے میں سوچیں گے۔"

اسد نے چائے کا کپ ایک بار پھر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"جب ضرورت" ہوگی تب اس کے بارے میں سوچیں گے۔ اس کا کیا مطلب ہوا آپ مجھے بتائیں گی۔؟"

شائستہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ ابھی ان سے رابطہ کریں۔" اسد کے لہجے میں ناراضی تھی۔

"آپ کہہ رہی ہیں کہ جب ضرورت ہو گی تب سوچا جائے گا۔ کبھی آپ کہہ رہی ہیں کہ میں اپنی تعلیم پر توجہ دوں۔ 'I don't get it' — میں اسکول کا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔ میں بڑا ہو چکا ہوں ممی ..... میرے معاملات کو سنجیدگی سے لینا چاہیے۔"

"اور آپ کو مجھے سنجیدگی سے لینا چاہیے۔"

اس کا انداز تنبیہی تھا۔

"اسد تم ....." شائستہ نے کچھ کہنا چاہا۔

اسد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ مجھ سے بہت صاف لفظوں میں بات کریں۔ میری ایجوکیشن کو ایک طرف رکھ دیں تو پھر اور کیا وجہ رہ جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے تم صاف صاف سننا چاہ رہے ہو تو سنو ....." شائستہ بھی اس بار کچھ ناراض ہو گئی۔ "ہارون امبر سے تمہاری شادی کرنے پر تیار نہیں ہے۔"

اسد نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ "بالکل میں یہی سننا چاہ رہا تھا۔ اصل بات ....."

"منصور ہارون کا بزنس پارٹنر ضرور ہے۔" شائستہ نے اس کے جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "لیکن

ہارون اس تعلق کو رشتہ داری میں بدلنا نہیں چاہتا۔"

"کیوں ۔۔۔؟"

"ضروری نہیں ہے کہ میں اس کی ہر بات کو ۔۔۔ ہر فیصلے کو سوالیہ نشان بناؤں۔"

"آپ نہ بتائیں ۔۔۔ میں تو بتا سکتا ہوں۔ مجھے پوچھنے کا حق ہے۔ ایک "بزنس پارٹنرشپ" رشتے میں کیوں نہیں بدل سکتی۔"

"ہارون اگر نہیں چاہتے تو یقیناً اس کی کچھ ٹھوس وجوہات ہوں گی۔" شائستہ نے کہا۔

"تو میں آپ سے وہی ٹھوس وجوہات تو جاننا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے وہ ٹھوس وجوہات بتا کر قائل کر لیں۔ میں دوبارہ اس معاملے پر بات تک نہیں کروں گا۔"

"امبر اچھی لڑکی نہیں ہے۔"

"کیا ۔۔۔؟" اسد حیرانی سے شائستہ کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "یہ آپ کہہ رہی ہیں؟"

"یہ میں نہیں ہارون نے کہا ہے۔" شائستہ نے اپنی نظر گھمائی۔

"پاپا امبر کو کس حد تک جانتے ہیں؟"

"وہ ان کے بزنس پارٹنر کی بیٹی ہے۔ وہ یقیناً اسے تم سے بہتر جانتے ہوں گے۔"

"نہیں میں نہیں سمجھتا کہ وہ اسے مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔" اسد نے دوٹوک لفظوں میں کہا۔ "میں اس کے بارے میں بہت زیادہ معلومات رکھتا ہوں اور کم از کم کسی نے اس کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ وہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔"

"تمہارا ذریعہ معلومات جان سکتی ہوں میں؟" شائستہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" اسد نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ان معلومات میں سچائی نہیں ہے۔" شائستہ نے تلخی سے کہا۔

"اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں کچھ باتیں آپ کو بتانا نہیں چاہتا۔"

شائستہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے اسد سے اسی طرح کے ردعمل کی توقع تھی۔ وہ بے حد صاف گو تھا۔ اور وہ شروع سے ہی ایسا تھا مگر آج پہلی بار اس کی صاف گوئی اسے پریشان کر رہی تھی۔

"ٹھوس وجوہات! ٹھوس وجوہات پر بات کرتی ہے ممی۔" اسد نے ایک بار پھر شائستہ کو گفتگو میں واپس کھینچا۔

"وہ ایک طلاق یافتہ ہے۔" شائستہ نے اس بار تیز آواز میں کہا۔

"کم آن ممی۔" اسد نے ہاتھ جھٹکا۔ "آپ اس طرح کہہ رہی ہیں کہ جیسے سو سال کی شادی شدہ زندگی گزار کر طلاق ہوئی ہے۔" شائستہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی رہی۔

"نکاح ہوا تھا اس کا ۔۔۔ شادی نہیں ۔۔۔ نکاح اور منگنی میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہوتا۔"

"بہت فرق ہوتا ہے نکاح اور منگنی میں۔"

"کیا فرق ہوتا ہے؟ آپ بتا دیں تاکہ مجھے بھی تو پتا چلے۔" اس نے ترشی سے کہا۔ "اور جہاں تک اس کی طلاق کا تعلق ہے تو میں جانتا ہوں اس کو کیوں ہوئی ہے۔" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "اس کے باپ نے اس کے شوہر کو نوکری سے الگ کر دیا۔ اس کے شوہر نے جواباً اس کو طلاق دے دی۔ اس قسم کے حالات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ بہت ساری چیزوں کو تم نہیں سمجھ سکتے۔" شائستہ نے کہا۔

"کم از کم میں آپ سے اس قسم کی بچگانہ بات کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ میں سال کا ہو چکا ہوں۔ بچہ نہیں ہوں۔"

"اس کے اپنے شوہر کے ساتھ کس طرح کے تعلقات رہے ہوں گے تم کو اندازہ ہے اس کا۔"

"ہاں مجھے اندازہ ہے۔" اسد نے لاپروائی سے کہا۔ "میں جانتا ہوں وہ ملتی رہی ہے اس سے۔ کیا نام ہے اس کا۔" اسد نے ایک لمحے رک کر اس کا نام یاد کیا۔ "ہاں طلحہ...... سواتی......"

"اور تمہارے لیے یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی؟" شائستہ نے بے یقینی سے کہا۔

"نہیں میرے لیے یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ظاہر ہے دونوں ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ تھے۔ رشتہ تھا ایک ان کا ملنے کا حق تھا انہیں۔"

"اور اس حق میں وہ کیا کچھ نہیں کر چکے ہوں گے تم سوچ سکتے ہو؟" شائستہ نہیں جانتی تھی یہ جملہ اس کی زبان پر کہاں سے آیا تھا، لاشعور سے۔ یا ماضی سے...... اسد ایک لمحے چپ ہو کر اس کا چہرہ دیکھتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

"اچھا...... کر لیا ہو گا انہوں نے کچھ تو......؟"

شائستہ اس بار اپنی آواز پر قابو نہیں رکھ سکی۔ اس نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔ "تو......؟ تو......؟ تمہارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ تمہیں پروا نہیں ہے کہ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا رہی ہے۔ شیم آن یو۔"

"ممی میں بھی کوئی saints' day پر پیدا نہیں ہوا۔ ہزار افیئرز تو میرے بھی رہے ہیں۔ باہر میں کیا کرتا رہا ہوں آپ کو پتا ہے؟" اسد نے بھی اتنی ہی بلند آواز کے ساتھ کہا۔

"اپنے آپ کو ایک لڑکی کے لیے اتنا نیچے مت گراؤ۔" شائستہ کی آواز اس بار بلند نہیں تھی مگر اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ اس بات پر اتنا فس کیوں کر رہی ہیں۔"

"فس تو تم نے کھڑا کر رکھا ہے۔ دفع کرو اس لڑکی کو۔ کیا رکھا ہے اس میں۔ اس جیسی لاکھوں ہیں۔"

"ہوں گی مگر مجھے وہی چاہیے۔ کل تک آپ میرے ساتھ تھیں۔ مجھے بتا رہی تھیں کہ ہاں امبر اچھی خوبصورت لڑکی ہے۔ مجھے بھی ہمیشہ بہت اٹریکٹو لگی ہے۔" اسد نے شائستہ کے جملے دہرائے۔ "اور اب پاپا کے ساتھ چند منٹ کی ایک ملاقات کیا ہوئی ہے کہ آپ کی ٹون بدل گئی ہے۔"

"میری ٹون اس لیے بدل گئی ہے کیونکہ مورلٹی کوئی چیز ہوتی ہے جس کے بغیر کوئی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اور تمہارے اندر مورلٹی نام کی کوئی چیز نہیں رہی۔ تم آنکھیں بند کر کے کیچڑ میں کودنے کی تیاری کر رہے ہو۔"

شائستہ کے اس جملے نے پہلی بار صحیح معنوں میں اسد کو بھڑکا دیا۔

"مورل ویلیوز......" اس نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔ "اب آپ مجھے بتائیں گی کہ مورلٹی کیا ہوتی ہے۔ اور کیا نہیں ---- زندگی گزارنے کے گر اب مجھے آپ سے سیکھنے پڑیں گے؟"

وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ "میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ مورلٹی کیا ہوتی ہے۔ کم از کم مجھے اس پر آپ سے لیکچر نہیں چاہیے۔"

"ایک آوارہ لڑکی کو لا کر میرے سر پر بٹھانا چاہتے ہو۔ اور کہہ رہے ہو کہ تم کو مورلٹی کا پتہ ہے۔"

"آوارگی؟ کیا آوارگی کی ہے اس نے؟"

"طلحہ کے ساتھ پھرتی رہی ہے وہ۔" شائستہ غرائی۔

"طلحہ اس کا شوہر تھا۔"

"صرف نکاح ہوا تھا اس کے ماں باپ نے اسے رخصت نہیں کیا تھا مگر۔"

"اپنے شوہر کے ساتھ پھرنا غلط ہے؟" اسد کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔

"ہاں غلط ہے۔"

"نہیں' کچھ نہیں ہوتا۔"

"اگر اس مرد کے ساتھ پھرنا غلط ہے' جس کے ساتھ صرف نکاح کا رشتہ ہو تو پھر ان مردوں کے ساتھ پھرنا بھی غلط ہوگا جن کے ساتھ کوئی تعلق سرے سے ہو ہی نا؟"

"ہاں ان مردوں کے ساتھ پھرنا بھی غلط ہے۔" شائستہ نے اسی لہجے میں کہا۔

"تو پھر آپ ان مردوں کے ساتھ کیوں پھرتی ہیں' جن کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے؟"

اس کی سرد آواز نے شائستہ کا سارا خون نچوڑ کے رکھ دیا۔

"آپ کس کس کے ساتھ پھرتی ہیں کیا پاپا نے کبھی آپ سے پوچھا۔؟" وہ انگلی اٹھا کر میز کے دوسری جانب بیٹھی شائستہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"پاپا کس کس کے ساتھ پھرتے ہیں' کیا آپ نے کبھی ان سے پوچھا۔" شائستہ دم سادھے ہوئے تھی۔

"میں کس کس کے ساتھ پھرتا ہوں.....؟ کیا آپ نے کبھی مجھ سے پوچھا۔؟" وہ ایک ایک لفظ پر زور ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ تو ہو گئیں ہمارے گھر کی مورل ویلیوز....." وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"اس مورل اسٹرکچر میں اگر امبر بھی آ جاتی ہے تو کیا فرق پڑے گا۔"

وہ ایک لمحہ کے لیے رکا۔ پھر اس نے اسی لہجے میں تیز نظروں سے شائستہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنے لیے ایک مورل اسٹینڈرڈ دوسرے کے لیے کچھ اور کیوں یہ **fairplay** تو نہیں ہے۔"

"وہ سب مرد میرے دوست ہیں۔" شائستہ نے بہت دیر بعد اپنی خاموشی توڑی۔

"ہوں گے..... یقیناً ہوں گے۔ مجھے کوئی شبہ نہیں۔" اسد نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ کو اگر اپنے دوستوں کے ساتھ پھرنے کا حق ہے تو امبر کو اپنے شوہر کے ساتھ پھرنے کا حق کیوں نہیں..... عورت اور مرد کی دوستی کو ہمارا معاشرہ نہیں مانتا..... نکاح جیسے رشتے کو تو ہر معاشرہ مانتا ہے۔"

"تم اس کے عشق میں اتنے پاگل ہو گئے ہو کہ....."

اسد نے شائستہ کی بات اطمینان بھرے لہجے میں کاٹ دی۔ "عشق میں اب کوئی پاگل نہیں ہوتا۔ نہ ہی کوئی اب عشق کرتا پھرتا ہے۔ مجھے صرف امبر میں انٹرسٹ ہے **Interest with a capital I** اور بس۔ اور یہ اسی قسم کا انٹرسٹ ہے جو پاپا نے آپ میں لیا تھا۔

اور جس کی وجہ سے آپ ان کی بیوی بنی تھیں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک چیز اگر آپ دونوں کے لیے ٹھیک ہے تو میرے لیے کیوں ٹھیک نہیں۔ اور پھر امبر کے ساتھ مجھے رہنا ہے۔ آپ دونوں کو نہیں۔"

شائستہ دم سادھے اسے بولتے ہوئے سن رہی تھی۔

"آپ کی پسند سے ہو یا پسند کے بغیر..... شادی تو مجھے اسی کے ساتھ کرنی ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "اور کروں گا..... کیونکہ آج تک میں نے تو دنیا میں ایسی کوئی لو میرج نہیں دیکھی جس پر پیرنٹس نے اعتراضات نہ کیے ہوں۔ چاہے خود پیرنٹس نے گھر سے بھاگ کر شادی کی ہو۔"

وہ نخوت سے نیپکن اپنی پلیٹ میں رکھے ہوئے سلائس پر پھینک کر ڈائننگ روم سے نکل گیا۔ شائستہ پتھر کے مجسمے کی طرح اسے وہاں سے جاتا دیکھتی رہی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا اس نے یہ سب اسد کے منہ سے سنا تھا۔ وہ پہلی بار آج اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جو ہر اولاد اپنے ماں باپ کو دکھایا کرتی ہے۔ اور ہارون کمال کے ساتھ اتنے سال گزارنے کے بعد اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اولاد کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے آئینے میں اس کا عکس اس قدر بھیانک ہو گیا تھا۔ اسد کے منہ سے نکلنے والے لفظ کسی بازگشت کی طرح اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ وہ انہیں جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی اپنی سماعتوں سے اپنے ذہن

ہے۔ اپنے اعصاب سے ...... مگر بعض آوازیں صرف گونج بننے کے لیے ہی ہوتی ہیں اور اس نے چند لمحے پہلے ایسی ہی ایک آواز سنی تھی۔

''جنریشن گیپ ...... آج کل کی نسل ......'' اس نے اپنے اندر پڑتی ہوئی دراڑوں کو تسلیوں کی مٹی سے بھرنا چاہا۔'' اسد سمجھ جائے گا۔ ابھی تو غصے میں تھا۔ غصے میں تو انسان کچھ بھی کہہ دیتا ہے۔ ورنہ وہ تو ہمیشہ مجھ پر فخر کرتا رہا ہے۔'' اس نے توجیہات کا انبار لگانا شروع کر دیا۔'' مجھے آئیڈیل مدر کہتا رہا ہے۔ اس کے دوست تک مجھے ایڈمائر کرتے ہیں۔ وہ شائستہ کمال کا نام کہیں لے تو اسے کچھ اور نہیں کہنا پڑے گا۔''

وہ کرسی کھینچ کر کھڑی ہو گئی۔

''بس یہ ایک لڑکی کا معاملہ تھا اس لیے۔ وہ اتنا ضدی ہو گیا' لیکن بہت جلد پچھتائے گا اور خود ہی آ کر مجھ سے ایکسکیوز کرے گا۔'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

''اور امبر ...... امبر کو تو میں کبھی اس گھر میں نہیں لاؤں گی ...... No way'' اس نے تنفر آمیز انداز میں اپنے سر کو ہلاتے ہوئے کہا۔'' ہارون بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ اس گھر میں آنے کے قابل ہی نہیں ہے۔''

☆☆☆

سولہواں باب

''امبر کیسی ہے؟'' صبغہ نے فون پر منیزہ سے پوچھا۔
''اس کی حالت بہتر ہوئی؟'' اس کی آواز میں تشویش تھی۔
''نہیں ...... پہلے سے زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ منیزہ کی آواز میں رنجیدگی تھی۔ ''دو دن سے بالکل چپ ہے۔ نہ کچھ کھاتی ہے۔ نہ پیتی ہے۔''
''آپ ایک بار مجھ سے اس کی بات کروائیں۔ میں کب سے آپ سے کہہ رہی ہوں۔'' صبغہ نے بے اختیار کہا۔
''میں کس طرح تم سے اس کی بات کرواؤں ...... وہ تو کمرے سے باہر نکل ہی نہیں رہی۔''
''آپ اسے کسی ڈاکٹر کو دکھائیں۔''
''میں نے صفدر بھائی سے کہا تھا' لیکن وہ نہیں مانے۔ کہہ رہے تھے کہ صدمے کی وجہ سے وہ اس طرح کر رہی ہے۔ چند دن اور گزریں گے تو ٹھیک ہو جائے گی۔'' منیزہ نے کہا۔
''چند دن اور ......؟'' دوسری طرف سے صبغہ نے بے یقینی سے کہا۔ ''اس کو ڈیڑھ ماہ ہوگیا ہے اس حالت میں۔ خود سے ٹھیک ہونا ہوتا تو اب تک ہو جاتی۔ صفدر انکل سے کہیں کہ وہ اسے کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں۔''
''میں ان سے کہہ چکی ہوں صبغہ! لیکن سب کچھ میرے کہنے سے نہیں ہو سکتا۔ ان کا اپنا ذہن اور اپنے فیصلے ہوتے ہیں۔''
''ممی! میں اس سے ملنے کے لیے آنا چاہتی ہوں۔'' صبغہ نے ہمیشہ کی طرح اپنا جملہ دہرایا۔
''خدا کے لیے صبغہ! اب تم یہاں پر مت آنا۔ تمہارے باپ کو پتا چل گیا تو وہ تم سب کو بھی گھر سے نکال دے گا۔'' منیزہ نے بے اختیار کہا۔
''تو پھر تم لوگ کہاں جاؤ گے ...... صفدر بھائی اور اس کی بیوی تو پہلے ہی میرے اور امبر کے یہاں رہنے پر خوش نہیں ہیں۔ تم لوگوں کو تو بالکل برداشت نہیں کریں گے۔''
''میں جانتی ہوں ممی ...... لیکن میرا دل چاہ رہا ہے امبر کو دیکھنے کو ...... میں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔''
''تمہارے ملنے سے کیا ہو جائے گا؟''
''ہوسکتا ہے وہ کچھ بہتر ہو جائے میں اس کو سمجھاؤں گی۔''
''میں نے اس کو نہیں سمجھایا ......؟'' منیزہ نے کہا۔ ''بہت سمجھایا ہے۔ بتایا ہے کہ میں نے بھی تو اس عمر میں طلاق کو برداشت کر لیا ہے۔ وہ تو پھر ابھی نوجوان ہے ساری زندگی پڑی ہے اس کے سامنے ...... بہت سمجھاتی رہی ہوں اسے۔ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔''
''ممی! میں اسے ایک بار دیکھنا چاہتی ہوں ...... پلیز ......''

"صبغہ! میں کوئی نئی مصیبت مول نہیں لینا چاہتی۔"
"پلیز ممی! میں پاپا سے چھپ کر آؤں گی۔"
"کیسے چھپ کر آؤ گی۔ اب تو تم کالج بھی نہیں جا رہیں۔ پھر گھر سے کیسے نکلو گی۔"
"میں کوئی نہ کوئی بہانا تلاش کر لوں گی۔"
"تمہارے باپ کو پتا چل گیا تو......؟" منیزہ نے ایک بار پھر اسے تنبیہ کرنے کی کوشش کی۔
"ان کو پتا چل گیا تو بھی کچھ فرق نہیں پڑے گا...... زیادہ سے زیادہ گھر سے نکال دیں گے...... وہ تو کبھی نہ کبھی انہوں نے نکال ہی دینا ہے۔" صبغہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"یہ سب کچھ طلحہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ اتنی خودغرضی...... اتنی بے حسی...... اتنا لالچ......" منیزہ نے نفرت بھرے انداز میں کہا۔ "فیکٹری اتنی اہم تھی اس کے لیے...... کہ اس نے فیکٹری نہ ملنے پر اس طرح کا قدم اٹھالیا۔ تم دیکھ لینا صبغہ! اسامہ بھی یہی سب کرے گا۔ وہ بھی اسی کا بھائی ہے۔ اسی ماں باپ کی اولاد ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ کچھ بھلائی کر جائے......"
"مجھے پروا نہیں ہے ممی کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں...... وہ مجھے طلاق بھی دیتا ہے تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔" صبغہ نے کہا۔ "مجھے امبر کی طرح کوئی شاک نہیں لگے گا۔"
"اس کو اگر تم سے واقعی ہمدردی ہوتی تو......" منیزہ اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہتی گئیں "تو یہ کبھی امبر کو طلاق نہ ہونے دیتا۔ طلحہ کو سمجھاتا۔ لیکن اس نے بھی دوسروں کی طرح صرف ہمارا تماشا ہی دیکھا۔" منیزہ غرا رہی تھیں۔
"جب ہم تماشا بن گئے ہیں ممی تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کون ہمارا تماشا دیکھ رہا ہے۔ اور کون نہیں۔ کس کو دیکھنا چاہیے اور کس کو نہیں۔" اس نے اس بار قدرے تحمل سے منیزہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"یہ سب کچھ تمہارے باپ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" منیزہ کو اب منصور علی یاد آ گیا۔ "تم نے دیکھ لیا کتنا سنگ دل باپ ہے تمہارا...... اولاد کو تباہ کر دیا اس نے۔ اپنی بیٹی کا گھر اپنے ہاتھوں سے اجاڑ دیا۔"
"ممی اب یہ سب کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے...... پاپا کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ان کے کس قدم سے کیا ہوتا ہے...... یا کیا ہو چکا ہے...... ہم آخر کب تک ان کو بے کار میں کوستے رہیں گے۔" صبغہ نے...... موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
"میں کل آپ کے پاس آؤں گی۔ نہیں آ سکی تو پھر آپ پرسوں میرا انتظار کریں۔" اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

امبر کی طلاق کی خبر اس کے لیے بھی ایک شاک کی طرح تھی۔ طلحہ اور اس کے گھر والے فیصلہ کرنے میں اتنی جلدی کریں گے اس کا اس کو بھی اندازہ نہیں تھا۔ اسامہ نے اسے فون کر کے معذرت کی تھی۔ اس کے نزدیک وہ معذرت بے معنی تھی۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس سارے معاملے میں اسامہ بھی بے بس تھا۔ وہ بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جو کر سکتا تھا وہ کر رہا تھا۔
منصور علی کو بھی امبر کی طلاق کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ مگر ان پر اس خبر نے رتی برابر اثر نہیں کیا۔ ان کے دل میں کوئی ملال پیدا ہوا نہ ہی پچھتاوا...... اور پچھلے کئی ماہ میں پہلی بار صبغہ نے صحیح معنوں میں ان کے لیے نفرت محسوس کی۔ بے تحاشا نفرت......

رخشی ماں بننے والی تھی۔ یہ اب گھر میں کسی سے بھی پوشیدہ نہیں رہا تھا اور منصور علی جس طرح اس کے ناز نخرے اٹھا رہے تھے وہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ مگر منصور علی کے انداز و اطوار سے لگتا تھا جیسے رخشی ان کی پہلی بیوی اور اس سے ہونے والی اولاد ان کی پہلی اولاد تھی۔ اور جو ان کی پہلی اور چہیتی اولاد تھی انہوں نے کس آسانی سے اس کی خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ اسے بہلانے میں کوئی تامل نہیں تھا کہ یہ سب کچھ منصور علی نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ وہ اپنے فیصلے کے مضمرات سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ طلحہ کو فیکٹری سے الگ کر دینے کا نتیجہ کیا ہو سکتا تھا اس کے باوجود انہوں نے یہ سب کچھ کیا۔ اس نے پوری زندگی باپ کو امبر کے ناز اٹھاتے دیکھا تھا...... امبر...... کو رات کہتی تو منصور علی کے لیے وہ رات ہی ہوتی۔ اس کے منہ سے نکلنے

والی فرمائش کو پورا کرنا منصور علی کے لیے جیسے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا تھا۔ اس نے کبھی منصور علی کی زندگی میں امبر کی اس حیثیت و اہمیت کو چیلنج کیا نہ ہی ناپسند...... اس نے اسے خاموشی سے تسلیم کر لیا تھا۔ منصور علی کو اس کے ساتھ یا روشان کے علاوہ باقی دونوں بیٹیوں کے ساتھ اس طرح کا انس نہیں تھا جس طرح کا انس انہیں امبر یا بعد میں روشان کے ساتھ تھا مگر امبر کے ساتھ ہونے والے اس امتیازی سلوک نے کبھی صبغہ کو پریشان نہیں کیا۔ اس نے اسے بڑی خندہ پیشانی اور کھلے دل کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔ لیکن اب وہ جو کچھ امبر کے ساتھ ہوتا دیکھ رہی تھی وہ اس کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ چوبیس گھنٹے امبر کے نام کی تسبیح پڑھنے والے منصور علی کبھی اس کا نام بھی اپنی زبان پر لانا گوارا نہیں کریں گے۔

مگر جو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ حقیقت تھی اور جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس کے سامنے ہو رہا تھا۔ وہ زندگی کے کچھ نئے پہلوؤں سے روشناس ہو رہی تھی۔ اور یہ سب کچھ اسے اس کا اپنا باپ سکھا رہا تھا۔ اس نے اپنی اٹھارہ انیس سالہ زندگی میں کبھی اتنے کم عرصہ میں منصور علی سے اتنا زیادہ کچھ نہیں سیکھا تھا جتنا اس نے اب سیکھا تھا...... ہر سبق میں تلخی تھی...... اور ہر سبق دائمی تھا۔ ماں باپ سے سیکھے جانے والے اسباق سے زیادہ اثر پذیر اور کچھ نہیں ہوتا...... یہ علم تو ذہن میں نہیں' کہیں اور محفوظ ہوتا چلا جاتا ہے...... اس نے امبر کی طرح ساری زندگی اپنے باپ کو آئیڈیلائز کیا تھا۔ اس کا خیال تھا اس کے باپ سے بہتر شخص کوئی نہیں تھا۔ اور پھر اس نے اپنے اس آئیڈیل کی دھجیاں اڑتے ہوئے دیکھی تھیں۔ منصور علی اس کا باپ نہیں رہا تھا۔ صرف ایک مردہ رہ گیا تھا جس کے نزدیک اپنی خوشی اپنی خواہشات کے علاوہ دوسری کسی چیز کی اہمیت نہیں تھی۔ جو اپنی خوشی کے لیے کبھی بھی کسی کو بھی قربان کر سکتا تھا۔ اپنے رشتوں کو بھی' اپنے گھر کو بھی' اپنی اولاد کو بھی...... اور اس نے قربان کر دیا تھا۔ کم از کم اس معاملے میں منصور علی کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا تھا۔

☆☆☆

وہ اگلے دن کے بجائے دو دن کے بعد دوپہر کو گھر سے نکلی تھی۔ ڈرائیور کو فورٹریس کے باہر اتار دینے کے لیے کہہ کر اس نے واپسی پر خود ہی آ جانے کا بتایا۔ ڈرائیور جب اسے فورٹریس چھوڑ کر چلا گیا تو وہ وہاں سے رکشہ لے کر صفدر انکل کے گھر آ گئی۔

لاؤنج میں صفدر کی بیوی نے اس کا استقبال کیا۔ ''تم کیسے آ گئیں...... باپ نے اجازت دے دی......؟'' رسمی علیک سلیک کے بعد انہوں نے چھوٹتے ہی صبغہ سے پوچھا۔ ان کے چہرے پر ناگواری نمایاں تھی۔

''نہیں میں چھپ کر آئی ہوں۔''

''کیوں......؟ ایسی بھی کیا بات ہے۔ فون پر گفتگو تو ہوتی رہتی ہے تمہاری اپنی ماں اور بہن سے۔''

''میں امبر کو دیکھنے آئی ہوں۔ اس کی طبیعت خراب ہے۔''

''خیر اب اتنی بھی خراب نہیں ہے کہ لوگ تیمارداری کے لیے آنا شروع ہو جائیں۔ اور خاص طور پر تم لوگ...... تمہارے باپ کو پتا چلے گا تو مسائل تمہارے لیے نہیں ہمارے لیے بڑھیں گے۔''

صبغہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔

''میں تو سمجھتی تھی کہ تم خاصی سمجھ دار ہو۔ لیکن تم بھی اپنی ماں اور بہن کی طرح بے وقوف ہی ہو۔ میری باتیں تمہیں کڑوی تو ضرور لگ رہی ہوں گی لیکن بھئی مجھے تو صاف بات کہنے کی عادت ہے......

خود سوچو...... اگر تمہارے باپ نے تمہیں اور دوسرے باقی بہن بھائیوں کو بھی نکال دیا تو کیا ہوگا...... اب میں یا صفدر ہر ایک کو تو نہیں رکھ سکتے۔ تمہیں اس بات کو سمجھنا چاہیے۔''

''پاپا کو پتا نہیں چلے گا آنٹی...... میں جھوٹ بول دوں گی۔ آپ فکر نہ کریں......'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''خیر......'' صفدر کی بیوی نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''کچھ کھانے پینے کے لیے منگواؤں......؟'' ان کے لہجے میں اچانک تبدیلی آئی۔

''نہیں...... میں گھر سے کھانا کھا کر نکلی تھی۔'' صبغہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

صفدر کی بیوی نے بھی جواباً بڑی معنی خیز اور گرم جوش مسکراہٹ پاس کی۔

"اور سناؤ کیا حال ہے تمہارے باپ کی نئی بیوی کا؟" صبغہ کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ صفدر کی بیوی کے لہجے کی تبدیلی کی وجہ سامنے آ گئی تھی۔

وہ چپ رہی۔ ہر سوال قابل جواب نہیں ہوتا یا پھر بعض سوال صرف لاجواب کرنے کے لیے پوچھے جاتے ہیں ...... وہ بھی ایک ایسا ہی سوال تھا۔ اور وہ لاجواب ہو گئی تھی۔

"تم لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک ہے اس کا؟"

"آنٹی! ہمارا ان کے ساتھ زیادہ آمنا سامنا نہیں ہوتا۔ ممی کہاں ہیں؟" اس نے جواب دیتے ہی منیزہ کے بارے میں پوچھا۔

"کیوں بھئی ...... سامنا کیوں نہیں ہوتا۔" صفدر کی بیوی نے اسے بات بدلنے نہیں دی۔ "ایک ہی گھر میں رہتے ہو اور سامنا نہیں ہوتا۔"

"ہم لوگوں کی آپس میں بات چیت نہیں ہوتی۔" اس نے بڑے تحمل سے کہا۔

"وہ نہیں بلاتی یا تم لوگ بات نہیں کرتے؟" صفدر کی بیوی کا تجسس عروج پر تھا۔

"دونوں ہی ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے۔"

وہ ہنس دیں "ہاں اچھا ہی ہے۔ خوامخواہ تو تو میں میں کرنے کا کیا فائدہ' اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ ہمیں تو ویسے اندازہ نہیں تھا کہ تمہارا باپ اتنا عاشق مزاج آدمی ہے۔ ہم تو ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ بڑا اچھا بڑا سیدھا آدمی ہے۔ لیکن بس' اب اصلیت کسی کے چہرے پر تو نہیں لکھی ہوتی۔" وہ اب اس کو ہمدردی کے چابک مار رہی تھیں۔

"میں ممی سے مل لوں۔" صبغہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ "مجھے جلدی واپس جانا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے آئی ہوں۔"

"ہاں اندر دیکھو گیسٹ روم میں ہوں گی دونوں۔"

اس بار صفدر کی بیوی نے اس کے سوال کے جواب کو گول نہیں کیا تھا۔ انہیں صبغہ سے جو کچھ کہنا' جو کچھ سنانا تھا۔ وہ جتا چکی تھیں۔ اب وہ جانے کے لیے آزاد تھی۔

☆☆☆

اور اسے دیکھنے پر اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ امبر منصور علی اپنی آنکھوں کی جس چمک سے ہر ایک کو خیرہ کر دیتی تھی۔ وہ چمک غائب ہو گئی تھی' اس کی آنکھوں میں جیسے جنگل اگ آیا تھا۔ چہرے کی سفید گلابی رنگت زرد ہو چکی تھی۔ اور اس زردی میں موجود آنکھوں کے گہرے سیاہ حلقے اس کے اندر کے انتشار کو جیسے بازار میں لے آئے تھے۔

وہ اسے دیکھ کر اتنی شاکڈ ہوئی تھی کہ بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھی چپ چاپ ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ تسلی کے جن لفظوں کو اکٹھا کر کے لائی تھی۔ وہ جیسے بھک سے اڑ گئے تھے۔

امبر خالی الذہنی کے عالم میں اسے اسی طرح دیکھ رہی تھی' جیسے صبغہ کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے شناسائی کی کوئی رمق تھی۔ نہ ہی کوئی نمی۔

بہت دیر بعد صبغہ نے ہمت کر کے اس کے گال کو چھوا۔

"کیسی ہو امبر؟" امبر نے جواب نہیں دیا وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔ صبغہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"اب طبیعت کیسی ہے؟" صبغہ نے ایک بار پھر خاموشی توڑنے کی کوشش کی خاموشی نہیں ٹوٹی۔ صبغہ نے اگلا جملہ ڈھونڈنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس کا دماغ خالی تھا۔ وہ اس سے کیا کہہ سکتی تھی۔

منیزہ کھانے کی ٹرے لے کر اندر آ گئی۔ صبغہ نے کھانے کی ٹرے اس سے لے کر بیڈ پر رکھ دی۔ منیزہ کچھ دور ایک

کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"چلو کھانا کھالو" صبغہ نے اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے کہا۔

"جو ہو چکا ہے وہ ہو چکا...... سب کچھ بھول جاؤں۔" منیزہ نے صبغہ کے جملے میں اضافہ کیا۔ امبر اسی طرح صبغہ کو دیکھتی رہی۔ اس نے کھانے کی ٹرے کی طرف ہاتھ بڑھایا نہ ہی منیزہ کے جملے پر کوئی ردعمل ظاہر کیا۔

صبغہ کچھ دیر منتظر نظروں سے اسے دیکھتی رہی' پھر اس نے چاولوں کی پلیٹ میں سے ایک چمچہ لے کر اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔ اسے توقع تھی' وہ اب بھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں کرے گی' منہ نہیں کھولے گی...... ایسا نہیں ہوا۔ امبر نے آہستگی کے ساتھ منہ کھول دیا۔ امبر آہستہ آہستہ چاول کھانے لگی۔ صبغہ نے چاولوں کا ایک اور چمچہ بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس بار امبر نے منہ نہیں کھولا۔ اس نے ہاتھ سے چمچے کو ایک طرف کر دیا اور پھر اس نے صبغہ کی گود میں منہ چھپا لیا۔ وہ اب دھاڑیں مار کر بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ صبغہ نے اسے چپ کروانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیرتی رہی۔

"Im a total failure" وہ اب روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں دنیا کی بدترین لڑکی ہوں...... سب سے بری۔" اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے صبغہ کا ہاتھ ٹھہر گیا۔ "میں کسی رشتے میں بھی اچھی نہیں ہوں۔ میرے ساتھ یہی سب کچھ ہونا چاہیے تھا جو ہوا......" وہ رکے بغیر اسی طرح بولتی جا رہی تھی۔ "میں یہ سب ڈیزرو کرتی تھی...... میں نے سب کچھ تباہ کر دیا...... میں نے سب کچھ خراب کیا...... میں نہ ہوتی تو یہ سب کچھ نہیں ہوا ہوتا۔"

"تم نے کچھ نہیں کیا امبر! یہ سب کچھ اسی طرح ہونا تھا۔ کچھ بھی تمہاری وجہ سے نہیں ہوا" صبغہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ امبر اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ وہ اسی طرح رو رہی تھی' اسی طرح بول رہی تھی۔

"وہ کہتا ہے اسے کبھی مجھ سے محبت نہیں تھی۔ یہ مجبوری کا رشتہ تھا۔ وہ کہتا ہے' اس کے ماں باپ نے مجھے زبردستی اس کے سر پر تھوپ دیا تھا۔"

صبغہ نے اس بار اس کی بات کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتی تھی' وہ یہ سب کچھ کس کے بارے میں کہہ رہی ہے۔

"آئی سویئر وہ ایسا نہیں تھا...... وہ...... وہ تو کہتا تھا' وہ میرے بغیر مر جائے گا۔ وہ میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا...... کیا وہ جھوٹ کہتا تھا......؟" صبغہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"وہ کہتا ہے' میں آوارہ لڑکی ہوں...... میں نے اپنے ماں باپ کا گھر تباہ کر دیا...... وہ میرے جیسی لڑکی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ کہتا ہے' میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس کے گھر...... اس کے خاندان کا حصہ بنوں۔" وہ اسی طرح رکے بغیر کہتی جا رہی تھی۔ "وہ کہتا ہے' مجھ میں اگر ذرہ برابر غیرت ہے تو میں دوبارہ کبھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کروں گی۔ چاہے میں مروں یا جیوں' وہ میری شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔"

صبغہ نے نظریں اٹھا کر دور صوفہ پر بیٹھی ہوئی منیزہ کو دیکھا۔ وہ اپنے دوپٹے سے آنسو صاف کر رہی تھیں۔

"وہ کہتا ہے' میں بھی اپنے باپ کی طرح آوارہ ہوں...... اسے میرے جیسی لڑکی کی ضرورت نہیں ہے...... میں بدزبان ہوں...... میں اکھڑ ہوں...... میں خودسر ہوں...... میں مغرور ہوں...... میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی اچھے آدمی کی بیوی بن سکوں......"

اس نے ہذیانی انداز میں صبغہ کی گود میں منہ چھپائے دونوں ہاتھوں سے اس کی شرٹ کو جکڑا ہوا تھا۔

"میں نے کبھی اس کی عزت نہیں کی۔ وہ کہتا ہے' میں نے ہمیشہ اسے اپنے باپ کا زرخرید غلام سمجھا ہے۔ میں نے اور میرے خاندان نے کبھی اس کے خاندان کا احترام نہیں کیا' ہمیشہ مذاق اڑایا ہے...... مجھے یقین نہیں آتا...... اس نے مجھ سے یہ سب کیسے کہا ہے۔"

صبغہ کے آنسو امبر کے بالوں میں گر کر جذب ہو رہے تھے۔ "اسے پتا نہیں کیا ہو گیا ہے' وہ پہلے کبھی ایسا نہیں تھا...... وہ پاپا کو گالیاں دے رہا تھا...... کہہ رہا تھا اسے میرے پورے گھر سے نفرت ہے' وہ ایسا کیسے ہو گیا ہے...... میں نے تو اس سے

ہمیشہ ...... ہمیشہ محبت کی ہے ہمیشہ

اس کو مجھ سے پہلے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی ...... کبھی نہیں ...... اس نے مجھ سے کبھی نہیں کہا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے' اسے چند مہینوں میں مجھ سے اتنی نفرت ہوگئی ...... اتنی نفرت ......"

"امبر ......!" صبغہ نے اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"مجھے یقین نہیں آتا ...... میرا کیا قصور ہے؟ میں نے کیا کیا ہے؟ پاپا نے کیوں اسے وہاں سے نکالا ہے ...... یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اتنے سالوں میں اسے مجھ سے محبت نہیں ہوئی اس نے ایک بار نہیں سوچا کہ امبر اس کے بغیر کیا کرے گی۔ اس نے نہیں سوچا کہ میں کہاں جاؤں گی۔ مجھے تو اس کے ساتھ ساری زندگی گزارنی تھی۔ اس کو احساس ہی نہیں ہے۔ میں تو نہیں مانتی کہ طلاق ہوگئی ہے۔ اس طرح کیسے وہ مجھے طلاق دے سکتا ہے۔ ایسے کیوں چھوڑے گا مجھے۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ میں کسی کو کیا منہ دکھاؤں گی کہ امبر کو طلاق ہوگئی ...... طلحہ نے امبر کو چھوڑ دیا۔ بُری لڑکی کو چھوڑ دیا۔ کیا میں رخشی سے زیادہ بُری ہوں۔ کیا میں دنیا میں سب سے بُری ہوں۔"

اس کی باتیں اب بالکل بے ربط ہوگئی تھیں' مگر وہ خاموش نہیں ہو رہی تھی' وہ بولتی جا رہی تھی۔

"سب کو میں ہی بُری کیوں لگتی ہوں ......؟ سب کو شکایتیں مجھ سے ہی کیوں ہوتی ہیں؟ مجھے تو طلحہ کے ساتھ ہی رہنا ہے' ہمیشہ اس کے ساتھ رہنا ہے۔ میں تو نہیں مانتی کہ طلاق ہوگئی ہے۔"

"امبر! طلحہ کو جانے دو ...... وہ خود غرض اور لالچی انسان تھا۔ اچھا ہوا تمہاری اس سے جان چھوٹ گئی۔" صبغہ نے اس بار بلند آواز میں اس کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں ...... وہ جو ساتھ رہتا ہے۔"

"تمہاری اور اس کی طلاق ہو چکی ہے۔" امبر یک دم چپ ہوگئی۔ وہ سر اٹھا کر صبغہ کو دیکھنے لگی۔ اس کا انداز بے حد ابنارمل تھا۔

"نہیں ہوئی ...... میری اور اس کی طلاق نہیں ہوئی۔ بالکل نہیں ہوئی۔ میں مانتی ہی نہیں۔ میں نہیں مانتی تو طلاق کیسے ہوئی۔

میں پھر اس کے پاس جاؤں گی۔"

وہ سر کو بار بار جھٹک رہی تھی۔

"پھر اس سے بات کروں گی۔ اس سے کہوں گی کہ وہ طلاق واپس لے لے تو وہ طلاق واپس لے لے گا اور پھر میں ...... اس کے ساتھ رہوں گی۔ مجھے یہاں اس گھر میں نہیں رہنا۔ انکل صفدر کے گھر میں نہیں رہنا۔ یہاں سب مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ یہاں سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ مجھے طلحہ کے پاس چلے جانا ہے۔ اس کے گھر رہنا ہے۔ صرف وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" اس کا چہرہ گیلا تھا مگر اس کے آنسو تھم چکے تھے۔

"اچھا تم ان سب باتوں کو چھوڑ دو ...... تم صرف کھانا کھاؤ۔" صبغہ نے بات بدل دی۔

امبر جس ذہنی حالت میں تھی وہ اسے اس وقت کچھ نہیں سمجھا سکتی تھی۔

"نہیں ...... مجھے کھانا نہیں کھانا۔ میں کیوں کچھ کھاؤں۔ جب میں اچھی ہوں ہی نہیں تو پھر میں کیوں کچھ کھاؤں۔" اس کی ذہنی رو اب کسی اور طرف جا رہی تھی۔ "میں کیوں کسی پر بوجھ بنوں۔ کھانا تو مجھے اب کھانا ہی نہیں ہے۔ کبھی بھی نہیں کھانا۔"

"امبر خدا کے لیے اس طرح مت کرو۔ چھوڑ دو اس طرح کی ضد کرنا۔ پہلے ہی بہت پریشانیاں ہیں۔ مصیبتوں کا ڈھیر لگا ہے ہمارے لیے۔ تم ان میں اضافہ مت کرو۔" منیزہ نے یک دم ان دونوں کی گفتگو کے درمیان مداخلت کی۔

"ممی پلیز ...... اسے کچھ مت کہیں ...... آپ اس طرح بات مت کریں۔ آپ دیکھ رہی ہیں۔ وہ ٹھیک نہیں ہے۔" صبغہ نے بے اختیار منیزہ کو ٹوکا۔

''میں اسی لیے یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ میں اس گھر سے چلے جانا چاہتی ہوں۔ یہ میرا گھر نہیں ہے۔ یہ میرا گھر ہے ہی نہیں۔ میں تو نہیں اور رہوں گی۔ میں طلحہ کے ساتھ رہوں گی۔ میں تو نہیں کھانا کھاؤں گی۔ تم کھانا لے جاؤ...... ورنہ میں کھانا پھینک دوں گی۔'' یکدم اس کے تیور بدل گئے۔

''ٹھیک ہے میں لے جاتی ہوں تم سو جاؤ...... آرام کرو...'' صبغہ نے ٹرے کو بیڈ سے اٹھا کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

''نہیں مجھے نہیں سونا...... مجھے آرام بھی نہیں کرنا...... میں ایسے ہی بیٹھوں گی۔ ایسے ہی رہوں گی۔'' صبغہ کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''ممی! آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ اس کی ذہنی حالت کتنی خراب ہے۔'' وہ کمرے کے باہر اب منیزہ سے کہہ رہی تھی۔

''جانتی ہوں میں مگر......'' منیزہ نے کچھ کہنا چاہا۔ ''جب طلحہ نے طلاق بھجوا دی تھی تو آپ نے اسے کیوں اس کے پاس جانے دیا۔ روکا کیوں نہیں اسے؟''

''کیسے روکتی۔ میں...... وہ بس اسی طرح اٹھ کر باہر نکل جاتی تھی۔ بتاتی ہی نہیں تھی کہ کہاں جا رہی ہے۔'' منیزہ کے لہجے میں دکھ تھا۔ ''کتنے دن وہ اسی طرح...... جاتی رہی پھر ایک دن آ کر اسی طرح رونے لگی' جس طرح آج رو رہی ہے۔ اور پھر بس...... ہر وقت یہی باتیں کرتی رہتی ہے۔ پہلے ہر روز اسی طرح روتی رہتی تھی۔ پھر بالکل چپ ہو گئی۔ آج تم آئی ہو تو پھر اس نے وہی باتیں شروع کر دیں۔''

''ممی! وہ اب نارمل ہو گئی ہے' اس کا ذہنی توازن بگڑ رہا ہے۔''

''ذہنی توازن کس کا ٹھیک رہا ہے۔'' منیزہ نے تلخی سے کہا۔

''لیکن اس کو تو فوری علاج کی ضرورت ہے۔ اس کا علاج نہ کیا گیا تو وہ مینٹل ہاسپٹل پہنچ جائے گی۔''

''میں آخر کیا کیا کروں' پہلے کم عذاب ہیں میرے لیے۔ باپ کے گھر بیٹھ کر تمہارے لیے یہ حکم صادر کرنا بڑا آسان ہے کہ اسے ڈاکٹر کو دکھاؤں۔ لیکن تمہیں میری صورت حال کا اندازہ نہیں ہے۔''

''میں خود صفدر انکل سے بات کرتی ہوں۔ میں خود اس کو کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھا دیتی ہوں۔ سارا پرابلم پیسے کا ہے تو میرے پاس کچھ پیسے ہیں' میں وہ آپ کو لا دوں گی۔''

''صفدر بھائی اس بات پر تیار نہیں ہیں۔ اور وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں' کسی ذہنی مریضوں کے کلینک اس کو لے کر گئے تو ہمیشہ کے لیے ٹھپہ لگ جائے گا پاگل پن کا۔ کل کو اسے بیاہنا ہے مجھے۔''

''اس کو کسی کلینک پر نہ لے کر گئے تو وہ ویسے ہی پاگل ہو جائے گی۔ پھر آپ کیا کر لیں گی۔ اس کو اس وقت علاج کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ سمجھتی کیوں نہیں ممی؟'' صبغہ نے بے چارگی سے کہا۔

''پھر تم خود ہی صفدر بھائی سے بات کر لو۔ میں تو اب اس سلسلے میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' منیزہ نے جیسے ہتھیار ڈال دیے۔

''تمہارے باپ نے ہمیں کسی قابل نہیں چھوڑا...... سر اٹھا کر کسی سے بات تک نہیں کر سکتی میں۔ یہی بھائی تھا جو......'' منیزہ کی آواز بھرا گئی۔ ''اور اب یہی باتیں کرتا ہے۔ بوجھ بن گئی ہوں میں اس پر۔''

صبغہ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ کوئی تبصرہ کرنے کے قابل نہیں تھی۔

''مجھے امبر کے علاج پر کوئی اعتراض نہیں ہے' تم اپنے باپ سے کہو وہ اسے لے جائے اور اس کا علاج کروائے۔'' وہ آدھ گھنٹہ سے صفدر کے پاس بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ ''میرے پاس نہ تو منصور علی کی اولاد پر خرچ کرنے کے لیے فالتو روپیہ ہے اور نہ ہی میں کروں گا۔''

وہ اپنی بھڑاس اس پر نکال رہے تھے۔ ''منیزہ میری ذمہ داری ہے۔ امبر تو میری ذمہ داری نہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے۔

"خدا کی پناہ...... کروڑ پتی ہے تمہارا باپ' اور اتنا کمینہ کہ اپنی اولاد کو پاس رکھ سکتا ہے نہ اس کے اخراجات اٹھا سکتا ہے۔"

صبغہ نے سر نہیں اٹھایا۔

"میں اگر منیزہ کو لے کر عدالت میں چلا جاتا تو عقل ٹھکانے آ جاتی' تمہارے باپ کی۔ لیکن میں نے درگزر کیا۔ ہر کوئی تمہارے باپ کی طرح گرا ہوا نہیں ہوتا۔"

صبغہ نے اب بھی سر نہیں اٹھایا۔

"اور پھر یہ سب کچھ جو امبر کے ساتھ ہوا ہے یہ تمہارے باپ کے لالچ اور خود غرضی کی وجہ سے ہوا ہے۔ تو پھر وہی بھگتے ہم سزا کیوں کاٹیں......" وہ تند و تیز آواز میں کہہ رہے تھے۔ "تمہارے باپ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہی نہیں ہے بیوی کے چونچلے اٹھانے میں لگا ہوا ہے۔ اس کو نہیں پتا کہ اس کی بیٹی کہاں پڑی ہے۔"

صفدر کی بیوی اطمینان سے اپنے ناخنوں کو فائل کرنے میں مصروف تھی یوں جیسے یہ سب کچھ اس کے سامنے ہو ہی نہ رہا ہو۔

"جا کر کہہ دو میری طرف سے اپنے باپ کو کہ وہ اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جائے۔ اپنے پاس رکھے آخر یہ اسی کی اولاد ہے۔ منیزہ کے سر پر کیوں تھوپ رہا ہے اسے؟"

منیزہ بھی صبغہ کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ ماضی کا طنطنہ سب کچھ رخصت ہو چکا تھا۔

"اور میں تم پر یہ بات واضح کر دوں کہ میں تمہیں یا تمہارے بہن بھائیوں کو اپنے پاس ہرگز نہیں رکھوں گا۔ اس لیے تم اس طرح چوری چھپے میرے پاس مت آیا کرو۔ بہن سے دلچسپی ہے تو بہن کو لے جاؤ۔" وہ منصور کا غصہ اس پر نکال رہے تھے۔ "تمہارے باپ نے جس طرح کی زبان استعمال کی ہے' وہ میری ہی ہمت ہے کہ میں برداشت کر گیا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو منصور علی کے ہوش ٹھکانے لگا دیتا کہ وہ کن ہواؤں میں اڑتا پھر رہا ہے اس قدر ذلیل اور بے ہودہ انسان' میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔"

"انکل! آپ امبر کو سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے دیں۔ آپ کو اخراجات کے بارے میں کسی بوجھ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔" صبغہ نے بہت دیر کے بعد اپنی خاموشی توڑی۔ "پاپا فوری طور پر نہیں تو جلد ہی اسے بھی لے جائیں گے پھر آپ کو ہماری طرف سے مزید کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

☆☆☆

"وہ تمہاری بڑی بہن ہے روشان......!" صبغہ کو روشان کے انداز پر افسوس ہوا۔

"ہاں بڑی بہن ہے۔ مگر یہ ساری مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے۔" وہ اسی اکھڑ انداز میں بولا۔

"اس کی لائی ہوئی ہے تو سب سے زیادہ suffer بھی تو وہی کر رہی ہے۔" "اور ہم...... ہم suffer نہیں کر رہے۔ میں تو بڑے آرام سے ہوں۔ چین کی بانسری بجاتا پھر رہا ہوں۔ میرے فرینڈز تو میرے باپ کے اس کارنامے پر مجھے خراج تحسین پیش کر رہے ہیں۔" وہ بلند اور ترش آواز میں بولا "ممی تو آرام سے اپنے گھر میں بیٹھی ہیں۔ عیش کر رہی ہیں۔ لوگ ان کی عظمت کے گن گاتے پھر رہے ہیں۔ بس صرف ایک امبر بے چاری کو ہی سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔"

"تمہیں شرم آنی چاہیے روشان...... تم جس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔"

"مجھے بہت شرم آتی ہے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ مجھے اس تمام صورت حال پر کتنی شرم آ رہی ہے۔"

"تم نے اس کی حالت نہیں دیکھی' اس لیے تم اس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔" صبغہ روہانسی ہو گئی۔ "تم اسے دیکھتے تو تمہیں احساس ہوتا۔ وہ میٹلی بہت ڈسٹربڈ ہے۔ ٹھیک سے بات تک نہیں کر پا رہی تھی۔ اور صفدر انکل اور ان کی فیملی ممی یا امبر کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہے۔ خاص طور پر امبر کے بارے میں تو صفدر انکل نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے' میں پاپا سے کہوں کہ وہ اسے لے جائیں۔"

"اور تم نے یہ کام میرے سر تھوپ دیا۔" روشان نے خفگی سے کہا۔

تمہاری بات نہیں ٹالیں گے۔"
"پاپا میری بات نہیں سنیں گے اور تمہاری بات نہیں ٹالیں گے۔"
"تمہیں خوش فہمی ہے۔"
"نہیں' میں جانتی ہوں۔ تم بس ایک بار ان سے بات تو کر کے دیکھو۔"
"میں نہیں چاہتا کہ وہ اب میری کوئی بھی بات مانیں اور مجھ پر احسان کرنے کا موقع انہیں ملے۔" روشان نے تیز آواز میں کہا۔
"پلیز روشان! اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ امبر کو کچھ ہو گیا تو پھر تم پچھتاؤ گے۔ بلکہ سب پچھتائیں گے۔"
اس بار روشان نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ مگر اس کے ماتھے پر بل بدستور موجود رہے۔
"تم پاپا سے اسے واپس لانے کے لیے کہو گے تو وہ انکار نہیں کریں گے۔ میں جانتی ہوں وہ انکار نہیں کریں گے۔ دیکھو اور کسی کے لیے نہیں تو صرف میری خاطر پاپا سے بات کر لو۔" صبغہ نے اس بار منت آمیز لہجے میں کہا۔
"اور اگر انہوں نے انکار کر دیا تو......؟"
"نہیں کریں گے۔"
"میرا دل نہیں چاہتا اس آدمی سے بات کرنے کو۔"
"تم صرف پاپا سے ایک بار بات کر لو اس کے بعد میں دوبارہ تمہیں کوئی کام نہیں کہوں گی۔"
روشان ایک بار پھر خاموش رہا۔

☆☆☆

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ کس حالت میں ہے اور کس میں نہیں۔ میرے لیے وہ مر چکی ہے۔"
روشان نے اس رات منصور علی سے امبر کی واپسی کے سلسلے میں بات کی اور منصور علی اس کے ابتدائی جملوں پر ہی چراغ پا ہو گئے۔
"وہ اپنی مرضی سے اس گھر کو چھوڑ کر گئی تھی اور اب وہ اس کا خمیازہ بھگتے۔"
"وہ بہت بیمار ہے۔"
"ہوتی رہے۔ میں کیا کروں؟"
"یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ کی وجہ سے اس کو طلاق ہوئی اور آپ کی وجہ سے اس کی ذہنی حالت خراب ہوئی۔"
"وہ ہمیشہ سے ہی پاگل تھی۔" منصور علی نے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔
"آپ کو تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔" روشان یک دم عجیب انداز میں مسکرایا۔ "اس پاگل نے آپ کو اتنی اچھی بیوی لا دی۔"
منصور کے جسم کا سارا خون یک دم چہرے میں سمٹ آیا۔ "تمہیں جرأت کیسے ہوئی مجھ سے بکواس کرنے کی؟" وہ بلند آواز میں چلائے۔
"ایک سچ بات کہی ہے' اتنا غصہ کرنے کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی۔" روشان نے اپنے ہر انداز سے لاپروائی ظاہر کی۔
"تمہیں بہن سے اتنی ہمدردی ہو رہی ہے تو تم بہن کے پاس چلے جاؤ۔"
روشان پلکیں جھپکائے بغیر انہیں دیکھتا رہا۔ "مجھے تم جیسی اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے' تم بہن بھائیوں نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ عذاب کی طرح میرے سر پر سوار ہو گئے ہو۔" منصور علی کی آواز بے حد بلند تھی۔ "کان کھول کر سن لو تم۔ یہ میرا گھر ہے...... میرا...... جسے چاہوں گا میں یہاں رکھوں گا' جسے چاہوں گا' نکال دوں گا' اور تمہیں بہن سے ہمدردی ہے تو جب کل تم اپنے پیسے سے گھر بناؤ گے' لا کر رکھ لینا اس گھر میں اس کو اور اس کی ماں کو...... مگر میں اس گھر میں اسے کبھی نہیں لاؤں گا۔"

رخشی بیں اسی وقت دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ وہ باہر روشان اور منصور کے درمیان ہونے والی پوری گفتگو سن چکی تھی۔ مگر اس نے یہی ظاہر کیا کہ جیسے اس نے کچھ نہیں سنا۔

''کیا ہو گیا منصور......؟ کیوں اس طرح بلند آواز میں بول رہے ہیں۔'' اس نے اپنی آواز میں مقدور بھر شیرینی گھولتے ہوئے کہا۔

منصور کے چہرے کے تاثرات یک دم بہتر ہو گئے۔'' دوبارہ کبھی میرے سامنے اس طرح کے مطالبے مت کرنا۔ اور خبردار اب تم نے فون کے ذریعے بھی اپنی ماں یا بہن سے رابطے کی کوشش کی۔'' انہوں نے اس بار اپنی آواز کو دھیما کر لیا تھا۔ مگر انہوں نے اپنی آواز کی ترشی یا تلخی کو نہیں چھپایا تھا۔ روشان کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔

''منصور! کیوں جھڑک رہے ہیں اسے...... بچہ ہے...... سمجھ جائے گا...... آپ خوامخواہ ہی چلا رہے ہیں۔'' رخشی نے درمیان میں مداخلت کی۔ ''میں تو باہر ڈر رہی گئی کہ پتا نہیں اندر کیا ہو رہا ہے۔ آپ اتنی بلند آواز میں بول رہے تھے۔ جاؤ روشان تم جاؤ...... منصور تو ویسے ہی ناراض ہو رہے ہیں۔''

''شٹ اپ...... تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے مجھے......'' روشان اس کے پچکارنے پر یک دم بھڑک اٹھا۔

''دفع ہو جاؤ...... تم یہاں سے۔ تمہیں...... تمہیں تمیز نہیں ہے یہ سب کچھ سکھایا ہے تمہیں تمہاری ماں نے......'' منصور علی یک دم حلق کے بل چلا کر بولے۔

''آپ رہنے دیں منصور...... پلیز میری وجہ سے کوئی جھگڑا نہ کریں' پہلے ہی مجھے بہت باتیں سننی پڑ رہی ہیں۔ آپ جانے دیں اسے......'' رخشی نے ایک بار پھر مداخلت ضروری سمجھی۔

روشان تیز قدموں سے مڑ کر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اس نے پلٹ کر رخشی اور منصور علی کو دیکھا۔

''میں جب بڑا ہوں گا تو میں گھر نہیں بناؤں گا۔ میں صرف ایک کام کروں گا۔ اس عورت کو قتل کر دوں گا یا کروا دوں گا۔''

دوسرے ہی لمحے وہ کمرے سے باہر تھا۔ رخشی کے پاؤں اپنی جگہ پر جم گئے تھے اور منصور علی...... وہ پلکیں جھپکائے بغیر دروازے کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

اسد دستک دے کر ہارون کمال کی اسٹڈی میں داخل ہوا۔ ہارون کمال نے نظر اٹھا کر بھی اسے نہیں دیکھا۔ ٹیبل کے دوسری طرف چیئر پر بیٹھے ہوئے وہ مکمل طور پر اس فائل کو دیکھتا رہا جسے وہ ہاتھوں میں لیے ہوئے تھا۔ اس نے اسد کی موجودگی کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔ اسد کچھ دیر نروس انداز میں اندر داخل ہونے کے بعد بے مقصد کھڑا رہا' لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ ہارون فی الحال اس پر توجہ دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تو اس نے ہلکا سا ایکسکیوز کر ہارون کمال کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

''پاپا! آپ نے بلوایا تھا؟'' گردن یا جسم کو کوئی حرکت دیے بغیر ہارون نے وہیں اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے تیوریاں چڑھا کر اسے دیکھا۔

''ہاں' بیٹھو۔'' اس کی آواز اور لہجہ دونوں ہی بے حد سپاٹ تھے۔ اسد کی نروس نیس میں کچھ اور اضافہ ہو گیا وہ کرسی کھینچ کر ہارون کے بالمقابل میز کے دوسری جانب بیٹھ گیا اور منتظر نگاہوں سے ہارون کو دیکھنے لگا جو ایک بار پھر اس فائل کے مطالعے میں غرق ہو چکا تھا۔ چند اعصاب شکن لمحوں کے بعد ہارون کمال نے فائل بند کر کے میز پر پھینک دی۔ ٹیبل پر پڑے سگریٹ کے پیکٹ سے اس نے ایک سگریٹ نکالا اور لائٹر کے ساتھ اسے سلگایا پھر ایک کش لے کر اس نے پہلی بار اسد کو غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے جھلکتی ناراضی اسد سے پوشیدہ نہیں رہی' مگر اسے ہارون کمال سے اس معاملے میں اسی ردعمل کی توقع تھی۔

کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر ہارون نے سگریٹ کے کش لے کر اسے انگلیوں میں دبایا اور سرد لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''صبح شائستہ سے تمہاری کچھ باتیں ہوئی ہیں' میں وہ جاننا چاہتا ہوں۔''

اسد کے ماتھے پر ہلکا سا پسینہ آ گیا۔ ''ممی نے آپ کو بتا دیا ہوگا۔'' اس نے ہلکی سی ہکلاہٹ کے ساتھ کہا۔

''ہاں اس نے تو مجھے بتا دیا ہے مگر میں تمہارے منہ سے یہ سب سننا چاہتا تھا۔ مجھے بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ تم امبر کے عشق میں کس حد تک مجنوں بنے ہوئے ہو۔''

اسد ہلکی سی کھسیانی ہنسی ہنسا۔ ''نہیں پاپا! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''اچھا' ایسی کوئی بات نہیں ہے تو پھر صبح خوامخواہ بھونکتے رہے ہو تم۔'' ہارون نے ترشی سے اس کی بات کاٹی۔ اسد کا جسم یک دم تن گیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ کچھ بول نہیں سکا۔ شاید اسے ہارون کمال سے اس قسم کے جملے کی توقع نہیں تھی۔ چند لمحوں کے بعد اس نے ہارون سے کہا۔

''میں نے صرف اپنی خواہش ان کو بتائی تھی۔'' ہارون نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔ اس بار اس کی آواز بے حد بلند اور لہجہ تند و تیز تھا۔

"And i said ''No (اور میں نے کہا نہیں۔) اور No کا مطلب تو تم جانتے ہی ہو گے۔''

اسد ہونٹ بھینچے کچھ لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''لیکن No کی کوئی وجہ بھی تو ہو گی۔''

''فرض کرو کوئی وجہ نہیں ہے پھر......؟'' ہارون نے جیسے چیلنج کرنے والے انداز میں تیسری دفعہ اس کی بات کاٹی۔

''وہ لڑکی تمہاری بیوی بن کر کبھی اس گھر میں نہیں آ سکتی۔ تمہیں اگر شوق ہے تو اس گھر کو چھوڑ کر اس سے شادی کر لو اگر کر سکتے ہو تو۔''

''پاپا! میں......'' اسد نے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

ہارون نے اسے جملہ پورا نہیں کرنے دیا۔ ''اسد کمال صاحب! آپ آخر کس برتے پر عشق فرما رہے ہیں؟ آپ ہیں کیا؟ اوقات کیا ہے آپ کی؟''

''مجھے اس طرح tease مت کریں پاپا!'' اسد نے پہلی بار ناراضی سے کہا۔ ''اپنی مرضی سے شادی میرا حق ہے۔''

''تو یہ حق تم اس وقت لینا جب اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر دو قدم چلنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ ماں باپ کی گود میں بیٹھ کر عشق فرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں سمجھتا تھا پاپا! کہ آپ بہت براڈ مائنڈڈ ہیں مگر یہ میری غلط فہمی تھی۔ آپ تو بہت rigid (کٹر) بہت narrow-minded (تنگ ذہن) ہیں۔'' اسد اپنے دلی جذبات چھپا نہیں سکا۔

''تم مجھے narrow-minded کہو یا rigid میں امبر سے تمہاری شادی نہیں کر سکتا۔''

''اس میں آخر برائی کیا ہے؟''

''وہ مجھے پسند نہیں ہے۔'' ہارون کمال نے کہا۔

''شادی مجھے کرنی ہے اس سے۔'' اسد نے جتانے والے انداز میں کہا۔

''مگر اسے میرے خاندان کا حصہ بننا ہے جو میں اسے بنانا نہیں چاہتا۔''

''اس کے فادر کے ساتھ آپ بزنس کر رہے ہیں۔''

''وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔''

''پاپا! میں آپ کی بات سمجھ نہیں پا رہا۔'' اسد کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''تمہیں کچھ بھی سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم آرام سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے جاؤ' کچھ سال بعد دیکھیں اور سوچیں گے کہ تمہاری شادی کہاں اور کس کے ساتھ کرنی ہے مگر امبر نہ آج قابل غور ہے نہ ہی آئندہ کبھی ہوگی۔ اس شہر یا ملک میں لڑکیوں کی کمی نہیں ہے کہ ہارون کمال کے بیٹے کے لیے ایک آوارہ اور طلاق یافتہ لڑکی کو ہی چنا جائے۔''

اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ہارون نے ہاتھ اٹھا کر اسے بات کرنے سے روک دیا۔
''امبر کا معاملہ آج ختم ہو گیا۔ اس کے بعد دوبارہ میں اس معاملے پر تم سے کوئی بات کروں گا' نہ ہی تم شائستہ سے اس بارے میں بات کرو گے۔''
ہارون کمال نے اپنے سامنے پڑی فائل اٹھالی۔ ''اب تم جا سکتے ہو۔''
اسد چند لمحے میز کے دوسری طرف بیٹھا الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر وہ یک دم قدرے ناراضی کے عالم میں اٹھا اور اسٹڈی کا دروازہ کھول کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اس کے دروازہ بند کر کے باہر جاتے ہی ہارون کمال نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل ایک بار پھر میز پر پھینکنے والے انداز میں رکھ دی۔ ماتھے پر بل لیے وہ کچھ سوچنے والے انداز میں بند دروازہ کو گھورتا رہا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل پر پڑا سگریٹ کا پیکٹ اٹھالیا۔ پیکٹ کے اندر سے ایک اور سگریٹ نکال کر اس نے اسے پہلے والے سگریٹ کے ساتھ سلگایا۔

☆☆☆

''آپ نے ...... آپ نے دیکھا اسے ...... اپنے بیٹے کو ...... اس کے لب و لہجے کو ...... اس کی زبان کو؟
رخشی غصے سے کانپ رہی تھی۔ اس سے بات ٹھیک سے نہیں ہو پا رہی تھی۔ دوسری طرف منصور علی خود بھی اب تک ساکت کھڑے تھے۔ روشان کے منہ سے نکلنے والے جملوں نے خود ان کے جسم میں بھی سنسنی دوڑا دی تھی۔
''یہ ...... یہ ...... جو کچھ کہہ رہا ہے ...... اس کے پیچھے کہلوانے والے ہیں ...... اس کی ماں اور بہنیں ہیں جو اسے ہر وقت میرے خلاف بھڑکاتی رہتی ہیں اور یہ ...... یہ ...... مجھے اس سے خوف آتا ہے ...... منصور! یہ واقعی مجھے مار ڈالے گا۔''
''وہ غصے میں تھا' اس لیے اس طرح کی بات کہہ کر چلا گیا۔'' منصور علی نے بالآخر اپنی خاموشی توڑتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی تسلی دینے کی کوشش کی۔
''غصے میں ...... غصے میں وہ آج اس طرح کی بات کہہ کر گیا ہے' کل کو وہ سب کچھ کر گزرے گا اور آپ پھر یہی کہیں گے کہ اس نے یہ سب کچھ غصے میں کیا ہے۔''
''نہیں' وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا' وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتا' میں اچھی طرح جانتا ہوں اس کو۔ اتنی ہمت نہیں ہے اس میں۔''
منصور علی نے اس بار آگے بڑھ کر اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔
''ہمت نہیں ہے اس میں۔'' رخشی نے اپنے کندھے پر رکھا ان کا ہاتھ جھٹکا۔ ''آپ کے سامنے وہ مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے اور آپ کو ابھی اس کی ہمت پر شبہ ہے۔ آپ کے سامنے میرے ساتھ ان کا سلوک ایسا ہے۔ آپ کے پیچھے یہ میرے ساتھ کیا کرتے ہیں' آپ کو اندازہ ہی نہیں۔''
''میں اسی لیے تمہیں اس گھر میں نہیں لانا چاہتا تھا۔ تم سے کہا تھا میں نے کہ بہتر ہے تم اپنے گھر میں ہی رہو۔''
منصور علی کے جملے نے رخشی کو اور بھڑکایا۔ ''کیوں نہ آتی میں یہاں اس گھر میں' کیا یہ میرا گھر نہیں ہے؟ آپ کے بچوں کا گھر ہے؟ اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے؟''
''رخشی ...... رخشی ...... پلیز کول ڈاؤن۔ میری بات کو سمجھو۔'' منصور علی نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔
''نہیں' مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کی بات سمجھنے کی۔ اگر آپ میری بات نہیں سمجھ سکتے تو میں بھی آپ کی بات نہیں سمجھ سکتی۔ یہاں سے بھیجنا چاہتے ہیں تو چلی جاتی ہوں میں یہاں سے۔'' منصور علی نے اس کا بازو پکڑ کر اسے کمرے سے نکلنے سے روکا۔
''خدا کے لیے رخشی! میری بات کا غلط مطلب مت لو۔ میں جو بھی کہہ رہا ہوں' تمہاری ہمدردی میں کہہ رہا ہوں۔ میں کیوں تمہیں یہاں سے بھیجنا چاہوں گا' میں روشان کی طرف سے تم سے معذرت کرتا ہوں۔''
''آپ معذرت مت کریں' وہ معذرت کرے۔''

"تمہیں پتا ہے اس کا...... اس کا دماغ خراب ہو رہا ہے آج کل۔ وہ کہاں کرے گا معذرت۔" منصور علی کو روشان کے مزاج کا بھی اچھی طرح پتا تھا۔

"تو پھر آپ بھی معذرت مت کریں' اپنے بیٹے کے لیے اس طرح کی محبت میرے سامنے مت ظاہر کریں۔"

"میں محبت کہاں ظاہر کر رہا ہوں' میں تو اس کی حرکت پر شرمندگی محسوس کر رہا ہوں' اس لیے تم سے معذرت کر رہا ہوں اور جہاں تک اس کی ماں کا تعلق ہے' میں آئندہ اسے کسی صورت میں اس سے بات نہیں کرنے دوں گا۔"

"اور وہ آپ کی بات مان لے گا؟"

"اسے ماننا پڑے گی۔"

"چوبیس گھنٹے آپ نگرانی کریں گے اس کی؟ یہاں...... کالج...... باہر...... ہر جگہ؟" منصور علی اس کے طنز پر چند لمحے کچھ نہیں کہہ سکے۔ "وہ کبھی اپنی ماں کے ساتھ رابطہ ختم نہیں کرے گا اور وہ ہمیشہ میرے اور میرے آنے والے بچے کے سر پر تلوار کی طرح لٹکتا رہے گا۔"

"میں اسے سمجھاؤں گا۔"

"منصور! آپ اپنے آپ کو اور مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کریں۔ آپ کے سمجھانے کا آپ کی اولاد پر کتنا اثر ہوتا ہے' آپ اچھی طرح جانتے ہیں پھر کیوں اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"تو پھر تم مجھے بتاؤ' میں کیا کروں۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں۔"

"میں آپ کی پچھلی بیوی جیسی خود غرض عورت ہوتی تو کہتی کہ آپ اپنے اس بیٹے کو گھر سے نکال کر اس کی ماں کے پاس بھیج دیں مگر میں جانتی ہوں' آپ کو اس سے کتنی محبت ہے' آپ اسے کبھی اپنی سابقہ بیوی کے پاس بھیجنا نہیں چاہیں گے۔"

رخشی نے یک دم اپنا لہجہ نرم کیا۔ منصور علی نے مشکور نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں اسی لیے تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں اسے سمجھاؤں گا' وہ تمہاری عزت کرے گا' اسے کرنا پڑے گی۔"

"مجھے اس سے عزت اور احترام کی توقع ہے' نہ ضرورت۔ میں صرف تحفظ چاہتی ہوں اپنا اور اپنے بچے کا۔" رخشی نے منصور علی کی بات کاٹ دی۔ "میں آپ سے یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ اسے اپنی سابقہ بیوی کے پاس بھیج دیں مگر آپ اسے ہاسٹل تو بھجوا سکتے ہیں۔"

منصور علی چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔

"وہ اس گھر میں نہیں ہوگا تو کم از کم مجھے اس سے کسی نقصان کا خطرہ بھی نہیں ہوگا اور وہ ہاسٹل میں رہے گا تو کم از کم اپنی ماں کے ساتھ اتنے لمبے چوڑے رابطے نہیں کر سکے گا' جتنے وہ اب کرتا ہے۔ اسے آپ ہاسٹل میں داخل کروائیں۔"

رخشی نے اپنے جملے کے آخری حصے پر زور دیتے ہوئے کہا۔ منصور علی عجیب شش و پنج میں تھے۔

☆☆☆

"ممی! امبر ٹھیک ہو جائے تو پھر کرائے پر گھر لے کر ہم سب لوگ اکٹھے رہیں گے۔"

منیزہ نے حیرت سے صبغہ کے چہرے کو دیکھا۔ وہ دونوں اس وقت کلینک کے لان میں لکڑی کے ایک بینچ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ امبر کو یہاں ایڈمٹ ہوئے آج دوسرا دن تھا۔ منیزہ اس کے پاس کلینک میں ہی تھیں اور صبغہ آج پھر چوری چھپے اسے دیکھ آئی تھی۔ دو دن میں امبر کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آئی تھی مگر ڈاکٹرز انہیں امید دلا رہا تھا کہ چند اور دن گزرنے پر آہستہ آہستہ بہتر ہونا شروع ہو گی۔ وہ امبر کو مسلسل سکون بخش ادویات دے رہے تھے۔

صبغہ اور منیزہ کچھ دیر پہلے امبر کے پاس اندر تھیں پھر امبر کے ڈاکٹرز کے ساتھ سیشن کے دوران وہ دونوں باہر آ کر بیٹھ گئیں۔

"تم کیا کہہ رہی ہو؟" منیزہ کو اس کی تجویز پر جیسے شاک لگا تھا۔

''حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ گھر میں بہت ٹینشن ہے۔ روشان نے رخشی سے کوئی جھگڑا کیا ہے اور پاپا روشان سمیت ہم سب سے ناراض ہیں۔ وہ روشان کو ایکسکیوز کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں اور وہ نہیں کر رہا۔''

''میں نے تم لوگوں سے پہلے بھی کہا تھا کہ تم لوگ اس گھر میں مت رہو میرے پاس آ جاؤ۔''

''آپ کے پاس آنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا ممی! آپ تو خود بہت مشکل حالات سے گزر رہی ہیں۔ انکل صفدر ہمارا آپ کے پاس آنا برداشت نہیں کریں گے۔''

''تم لوگ پہلے آ جاتے تو ایسا نہ ہوتا۔'' منیزہ نے قدرے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

''فوری طور پر نہ ہوتا لیکن بعد میں یہی سب ہونا تھا۔ چھ افراد کا بوجھ اٹھانا ان کے لیے مشکل ہے۔'' صبغہ لکڑی کے بینچ کی پشت کو اپنے ناخن سے کرید رہی تھی۔

''میں نے سوچا تھا کہ پاپا کے گھر پر رہ کر میں کم از کم آپ کا بوجھ تو کم کر سکتی ہوں مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ پاپا اس حد تک تنگ کریں گے ہمیں۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے جیسے روشان کے علاوہ انہیں ہم میں سے کسی میں دلچسپی نہیں ہے وہ ہمیں رکھنا ہی نہیں چاہتے تھے اور شاید ان کو توقع بھی نہیں تھی کہ ہم لوگ امبر کے اس طرح چلے جانے کے بعد بھی ان کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جائیں گے۔'' وہ بے حد ملول اور دل گرفتہ تھی۔

''میں نے روشان سے کہا بھی ہے کہ وہ ایکسکیوز کر لے۔ کیا فرق پڑتا ہے اتنی ذلت کے بعد ایکسکیوز کا ایک جملہ کہہ دینے سے مگر وہ میری بات سن ہی نہیں رہا اور پاپا...... وہ اب اسے ہاسٹل بھجوا رہے ہیں۔''

''ہاسٹل؟''

''ہاں رخشی کو اس کی وجہ سے گھر میں خوف محسوس ہوتا ہے۔''

''اس چڑیل کو کسی سے خوف کیسے آنے لگا؟'' منیزہ نے نفرت سے کہا۔

''یہ ڈرامہ نہیں کرے گی وہ تو اسے گھر سے کیسے نکلوائے گی اور مجھے تو لگتا ہے اس کے بعد وہ ہمیں بھی گھر سے نکلوا دے گی اس لیے ممی! میں کہہ رہی ہوں' ہم کہیں الگ گھر لے کر اکٹھے رہ لیتے ہیں۔'' اس نے اپنی بات کے اختتام پر منیزہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کیسے اکیلے رہیں گے؟ کرایہ کہاں سے دیں گے؟ گھر کا خرچ کہاں سے چلائیں گے؟ بہت مشکل ہے یہ؟''

''امبر ٹھیک ہو جائے گی ممی! تو میں اور امبر کہیں جاب کر لیں گے' ایک دو سال میں روشان بھی ہمارے ساتھ پارٹ ٹائم کہیں کام کرنے لگا۔ تھوڑی مشکل ہو گی مگر پھر سب کچھ ٹھیک ہوتا جائے گا۔'' صبغہ نے اصرار کیا۔

''تم اور امبر کیا کام کرو گی۔ امبر نے گریجویشن مکمل نہیں کی۔ تم نے صرف اے لیولز کیا ہے۔ کیا جاب مل سکتی ہے تمہیں۔ فرض کرو مل بھی جائے' تب بھی اخراجات پورے نہیں ہوں گے۔ روشان کی فیس کہاں سے جائے گی۔ زارا اور رابعہ کا اسکول کتنا مہنگا ہے' تمہیں پتا ہے پھر گھر کا کرایہ...... بل...... کم از کم پچاس ساٹھ ہزار چاہیے ہمیں ہر ماہ...... اتنے پیسے تم دونوں مل کر نہیں کما سکتیں۔'' منیزہ نے مایوسی سے کہا۔

''ممی! کوئی چھوٹا گھر لے لیں گے' ایک کمرے کا...... کسی عام سے علاقے میں...... جس کا کرایہ ہزار پندرہ سو تک ہو...... رابعہ اور زارا کو کسی گورنمنٹ اسکول میں داخل کروا دیں گے۔''

''ایک کمرے کا گھر...... کسی عام علاقے میں...... تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟'' منیزہ نے کہا۔ ''آج تک کبھی رہے ہو تم لوگ ایک کمرے کے گھر میں...... کیسے رہو گے وہاں۔''

''بہت سارے لوگ رہتے ہیں ممی!'' صبغہ نے مدھم آواز میں کہا۔

''وہ مجبور ہوتے ہوں گے۔'' منیزہ نے بے ساختہ کہا۔

''ہم کیا ہیں؟''

''ہم ابھی اتنے مجبور نہیں ہوئے ہیں۔ صفدر بھائی کے گھر میں میرا حصہ ہے۔ میرے ابا کی جائیداد ہے وہ۔ میں کیوں

اس گھر کو چھوڑ کر کہیں اور رہوں اور پھر اتنے سال میں نے اتنے احسان کیے ہیں صفدر بھائی پر۔ بزنس میں تمہارے باپ کے ذریعے کتنی مدد کروائی ہے ان کی اور آج وہ میرے اور میرے بچوں کے کام نہیں آ سکتے۔ کیوں ان کا گھر چھوڑ کر ہم کہیں اور رہیں۔ میرا حق بنتا ہے کہ وہ میری اور میرے بچوں کی ذمہ داری اٹھائیں۔'' منیزہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''حق ان پر جتایا جاتا ہے ممی! جو اپنا فرض محسوس کرتے ہیں مگر جو فرض کو بوجھ سمجھیں' ان پر حق جتانا حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔''

''تم جو چاہے کہو' میں اس گھر کو نہیں چھوڑوں گی۔''

''کل کو وہ آپ کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے' تب بھی تو آپ کو وہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔''

''اگر اس گھر کو چھوڑنے کے لیے مجھے کسی نے کہا تو میں اس پر کیس کروں گی' جائیداد میں سے اپنا حصہ لوں گی پھر گھر چھوڑ دوں گی۔''

صبغہ کو منیزہ پر ترس آیا۔ ''کیسے کیس لڑیں گی آپ؟ کورٹ میں جانے کے لیے پیسہ چاہیے۔ آپ کے پاس اتنا پیسہ ہے......؟ اور کتنے سال لگتے ہیں ایسے کیسز میں...... یہ جانتی ہیں آپ...... آپ کیس لڑ سکتیں تو پاپا کے خلاف لڑتیں۔ وہ نہیں لڑ سکیں تو اپنے بھائی کے خلاف کیسے لڑیں گی۔''

''صبغہ! تم جو چاہو کہو' بہرحال میں صفدر بھائی کا گھر نہیں چھوڑوں گی جو کچھ تم کہہ رہی ہو' یہ کہنا ہی آسان ہے' کرنا کتنا مشکل ہے' یہ تم نہیں جانتیں۔'' منیزہ درشتی سے کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''دنیا کے دھکے کھانے سے بہتر ہے' بندہ اپنوں کے جوتے کھا لے۔ کم از کم دنیا میں عزت تو رہتی ہے۔'' منیزہ کہتے ہوئے اندر چلی گئیں۔ وہیں بیٹھے انہیں دیکھتی رہی۔

منیزہ زندگی کے تلخ سبق بالآخر سیکھ رہی تھیں۔ صبغہ کا دل چاہا وہ منیزہ سے پوچھے کہ اگر جوتے ہی کھانے تھے تو کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ وہ دوسری بیوی بن کر اپنے گھر میں رہتے ہوئے جوتے کھا لیتیں۔ کم از کم اس وقت ان سب کے پاس ایک چھت ایک گھر تو ہوتا۔ وہ اکٹھے تو رہ رہے ہوتے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ مسلا۔ وہ جانتی تھی منیزہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ اپنے گھر سے بے گھر ہونے کے بعد اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ پیسے کے بغیر اپنے بل بوتے پر رہنے کا خواب دیکھنا نری حماقت تھا۔ شاید اب وہ پہلی بار پریکٹیکل ہو کر سوچ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے بھائی اور بھابھی کی تند و ترش باتیں سننے کے باوجود اسی گھر میں کسی نہ کسی طرح گزارا کرنے پر تیار تھیں۔ وہ گھر اب جیسے ان کی آخری امید' آخری سہارا بن چکا تھا اور وہ اس امید اور اس سہارے سے محروم ہونا نہیں چاہتی تھیں۔

دوسری طرف صبغہ چند سال بعد کے حالات اور زندگی کو تصور میں دیکھ رہی تھی۔ اسے اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ جلد یا بدیر منیزہ اور امبر کو صفدر انکل کا گھر چھوڑنا پڑے گا اور اسے یہ حقیقت ماننے میں بھی کوئی تامل نہیں تھا کہ خود انہیں بھی منصور علی کے گھر سے نکلنا پڑے گا۔ سوال صرف کب کا تھا۔

☆☆☆

''آپ اندر جا سکتے ہیں۔'' سیکرٹری نے اسامہ کو منصور علی کے دفتر میں جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ منصور علی نے چند گھنٹے پہلے فون پر تحکمانہ انداز میں اسے اپنے آفس میں آنے کے لیے کہا تھا۔ اسامہ کا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ آخر ایسی کیا بات تھی جو منصور علی اسے اپنے روبرو بٹھا کر کرنا چاہتے تھے۔ فون پر نہیں کر سکتے تھے اور اب وہ وہاں تھا۔

''میں چاہتا ہوں' تم صبغہ کو طلاق دے دو۔'' منصور علی نے چھوٹتے ہی کسی تکلیف یا لحاظ کے بغیر کہا۔

اسامہ کو یہ اندازہ تو تھا کہ وہ اس کے اور صبغہ کے رشتے کے حوالے سے کچھ کہیں گے مگر یہ گفتگو اتنی ڈائریکٹ ہو گی اس کی توقع نہیں تھی۔

''آپ نے صبغہ سے اس سلسلے میں بات کی ہے؟'' اسامہ نے جیسے ابتدائی شاک سے سنبھلتے ہوئے کہا۔
''میں صبغہ کا باپ ہوں۔'' منصور کے ماتھے پر بل آ گئے۔ ''مجھے اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''
''میں صبغہ کا شوہر ہوں' کم از کم میں اس بارے میں اس سے بات کیے بغیر آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔'' منصور کی آنکھیں یک دم سرخ ہو گئیں۔
''شوہر......؟ کیسا شوہر......؟ میرے نزدیک تمہارے اور صبغہ کے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔''
''آپ کے نزدیک بہت سی دوسری چیزوں کی بھی اہمیت نہیں ہے مگر میرے نزدیک ہے۔'' اسامہ نے بڑے تحمل سے کہا۔
''تمہیں میں نے یہاں بکواس کرنے کے لیے نہیں بلوایا۔ طلاق کے کاغذات پر سائن کرنے کے لیے بلوایا ہے۔'' منصور نے بلند آواز میں کہتے ہوئے اپنی دراز سے کچھ کاغذات نکال کر اس کے سامنے میز پر پھینک دیے۔ اسامہ نے ان کاغذات پر نظر ڈالنے کی زحمت نہیں کی' وہ صرف منصور کو دیکھتا رہا۔
''میں نے اور صبغہ نے گھر سے بھاگ کر اپنی مرضی سے نکاح نہیں کیا تھا۔ پورا خاندان شریک ہوا تھا اس نکاح میں۔ اب اگر طلاق ہو گی تو وہ بھی پورے خاندان کے درمیان ہو گی' اس طرح چوری چھپے آفس میں بیٹھ کر نہیں۔''
منصور کا خون اور کھولا۔ ''اپنی اوقات دکھا رہے ہو؟''
''نہیں منصور چچا! صرف ایک حقیقت بتا رہا ہوں۔''
''مجھے چچا مت کہو' تمہارا اور میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' منصور نے انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا۔
''مجھے حیرت ہے کہ یک دم آپ کو اپنے ہر خونی رشتے سے اتنی نفرت کیوں ہونے لگی ہے۔ کم از کم ہماری فیملی تو آپ کے کسی معاملے میں کسی طرح انوالو نہیں ہے پھر آپ نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کرنا کیوں ضروری سمجھا۔ پہلے ہم لوگوں کو فیکٹری سے الگ کیا' میرا اور صبغہ کا میل جول بند کروایا اور اب یہ طلاق ...... اور پھر بھی گلے آپ کو ہی ہیں ہم سے ...... آخر ایسا کیا کیا ہے ہم نے؟''
''میں ایسے کسی شخص سے تعلق نہیں رکھوں گا جو میری بیوی کی عزت نہیں کرتا اور تم ...... تم فون پر جو کچھ اسے کہہ چکے ہو' میں جان چکا ہوں۔''
''اور فون پر انہوں نے مجھ سے کیا کہا ہے' آپ نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے؟''
''مجھے یہ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے' نہ ہی ضرورت۔'' منصور نے اکھڑ لہجے میں کہا۔
''میں نے ہمیشہ آپ کی بیوی کو عزت دینے کی کوشش کی نہ چاہتے ہوئے بھی مگر وہ عزت کی خواہش مند نہیں ہیں۔''
''میرے سامنے تقریر کرنے کے بجائے ان کاغذات پر سائن کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔''
''نہیں' میں ان کاغذات پر سائن تو خیر کسی صورت نہیں کروں گا۔ یہ تو میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔'' اسامہ نے بڑے اطمینان سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ان کاغذات پر سائن کرنے کا طریقہ کار کیا ہے' یہ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ خاندان کو اکٹھا کریں اور ان پیپرز پر سائن کروا لیں۔''
''تمہیں اگر یہ امید ہے کہ صبغہ سے شادی کر کے تم کل کو کسی طرح میری پراپرٹی میں حصہ دار بن جاؤ گے تو یہ غلط فہمی اپنے دل سے نکال دو۔ میں صبغہ کو اپنی پراپرٹی میں سے ایک پھوٹی کوڑی نہیں دوں گا۔'' منصور علی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔
''میں جانتا ہوں' آپ اسے کچھ نہیں دیں گے' دعا میں تک نہیں۔''
''تم سمجھتے ہو کہ مجھے طلاق لینے کا راستہ نہیں آتا' میں تمہیں عزت سے آفس میں بٹھا کر یہ بات کر رہا ہوں تو شاید مجبور ہو کر کر رہا ہوں۔ یہ میری شرافت ہے کہ میں تمہیں یہاں اس طرح بٹھا کر تم سے بات کر رہا ہوں' ورنہ میں کورٹ میں اسے تم سے خلع دلوا سکتا ہوں اور تمہارے طلاق نہ دینے کی صورت میں' میں یہی کروں گا۔''

"پھر آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ یہی کریں۔ اس طرح کم از کم مجھے سمجھانے میں آپ کا وقت ضائع نہیں ہوگا۔"

اسامہ کھڑا ہو گیا۔ میز پر اپنے سامنے پڑے ہوئے کاغذات کو اس نے پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے اور دوبارہ میز پر رکھ دیے۔

"ایک بیٹی کو آپ طلاق دلوا چکے ہیں' دوسری بیٹی کو طلاق دلوانے کے لیے بھی آپ کو بھرپور کوشش کرنی چاہیے اور عدالتیں آپ جیسے لوگوں کے لیے ہی تو ہوتی ہیں۔ آپ وہاں جائیں' کچھ پیسہ خرچ کریں' ذرا وکیل کے آگے پیچھے بھاگیں' کاغذات کا ڈھیر لے کر پھریں تاکہ آپ کو بھی تو اندازہ ہو کہ رشتے اور تعلق توڑنے میں کچھ نہ کچھ وقت اور کوشش کرنی پڑتی ہے اور کچھ نقصان بھی اٹھانے پڑتے ہیں آپ نے ہر رشتے کو اپنا اور میزو پیچی کا رشتہ سمجھ لیا ہے کہ چٹکی بجائی اور کام ختم۔" اسامہ نے تنفر آمیز انداز میں کہا۔

"آپ بھی ذرا عدالت میں آئیں' تو پتا چلے اور لوگوں کو...... کہ ایک باپ اپنی نئی نویلی شادی کو پائیدار رکھنے کے لیے کس طرح جی توڑ کوششیں کر کے اپنی بیٹیوں کو طلاقیں دلوا رہا ہے۔ تاریخ میں آپ کا نام بھی لیلیٰ مجنوں اور ہیر رانجھا کے ساتھ لیا جائے گا...... منصور اور رخشی۔"

منصور علی نے بے اختیار گالیاں دینا شروع کر دی تھیں۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور انہیں جیسے اپنے اوپر کوئی کنٹرول نہیں رہا تھا۔ اسامہ نے ایک چڑانے والی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا۔

"کوئی بات نہیں' گالیاں دیتے رہیں۔ چچا نہ سہی' آپ میرے سسر تو ہیں اور سسر باپ کی جگہ ہوتا ہے' کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔ اتنا حق تو رکھتے ہیں آپ مجھ پر۔" وہ مڑ کر اطمینان سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ منصور علی کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا تھا۔ اس کے باہر نکل جانے کے بہت دیر بعد تک بھی وہ اسی طرح خالی کمرے میں کھڑے بلند آواز میں اسے گالیاں دیتے رہے پھر جیسے بے دم ہو کر گرنے والے انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ...... اس نے ایک بار پھر مٹھیاں بھینچ کر اسامہ کو گالی دی۔

☆☆☆

"تمہارا ٹکٹ آ گیا ہے' میرے ڈریسنگ ٹیبل پر پاسپورٹ کے ساتھ رکھا ہے' جاتے ہوئے لے لینا۔ چار دن بعد کی فلائٹ ہے' سان فرانسسکو کے لیے۔"

شائستہ نے میگزین کے صفحات کی ورق گردانی کرتے ہوئے اسد کو اطلاع دی جو کچھ دیر پہلے جم سے لوٹتے ہوئے لاؤنج سے گزر رہا تھا۔ اس دن کی چپقلش کے بعد شائستہ اور اس کے درمیان کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی اور آج اتنے دنوں کے بعد پہلی بار شائستہ نے اسے مخاطب کیا تھا۔

اسد رک گیا' اس نے مڑ کر شائستہ کو دیکھا۔

"اور سان فرانسسکو میں تین ماہ پہلے جا کر میں کیا کروں گا۔ آپ کو چاہیے تھا' یہ بھی کسی کاغذ پر لکھ کر آپ میرے پاسپورٹ کے ساتھ رکھ دیتیں۔" اس نے ترشی سے کہا۔

"اپنے لیے مصروفیات تم خود ڈھونڈ سکتے ہو' چھوٹے بچے تو نہیں ہو' بڑے ہو چکے ہو۔" شائستہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

اسد بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "چھوٹا بچہ نہیں ہوں؟ آپ کو یقین ہے کہ میں بڑا ہو گیا ہوں۔ حیرانی کی بات ہے کہ آپ مجھے بڑا سمجھنے لگی ہیں۔"

"طنز اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔ آپ کو تو اب میری ہر بات طنز ہی لگا کرے گی۔" اسد نے کہا۔

"میں اس وقت تمہارے ساتھ بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں صرف ایک اطلاع دینا تھی' وہ دے دی۔ تم اگر اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہو تو اپنے پاپا سے کہنا۔" شائستہ نے ناراضی سے کہتے ہوئے اپنی توجہ میگزین پر مرکوز کر لی۔

"ہاں...... اور آپ سمجھتی ہیں۔ میں پاپا سے بات نہیں کر سکوں گا۔" اسد نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "بالکل ٹھیک سمجھتی ہیں' میں واقعی ان کے سامنے بات نہیں کر سکتا لیکن کتنا عرصہ...... ؟ صرف چند اور سال' اس کے بعد پھر ہر بات دو بدو ہوگی۔

آپ کے سامنے اور آپ کے شوہر کے سامنے۔‘‘
اس کے لہجے میں اتنا زہر تھا کہ شائستہ برداشت نہیں کر پائی۔ ’’ایک معمولی لڑکی کے لیے .....‘‘
اسد نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔ ’’ایک معمولی لڑکی ہو یا خاص لڑکی میں اس کو پسند کرتا تھا اور آپ دونوں نے مجھے بری طرح let down کیا۔‘‘ وہ تقریباً چلایا۔
’’تم پر کتنے احسان ہیں میرے اور ہارون کے...... اور تم...... تم اتنے خود غرض ہو کہ اپنی پسند کی خاطر ماں باپ کے گلے پڑ رہے ہو۔ قربان نہیں کر سکتے اپنی ایک پسند ماں باپ کی خوشی کی خاطر۔‘‘ شائستہ کھڑے ہو کر جواباً چلائی۔
’’جب آپ کے ماں باپ پاپا سے آپ کی شادی پر تیار نہیں تھے تو آپ نے ان کی بات کیوں نہیں مانی' آپ نے اپنی مرضی کیوں کی' آپ نے پاپا کی قربانی کیوں نہیں دی؟‘‘
شائستہ کا جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔
’’کس نے کہا تم سے کہ میں نے اپنے ماں باپ کی مرضی کے خلاف شادی کی۔‘‘
’’ساری دنیا جانتی ہے۔‘‘
’’میں نے اپنے ماں باپ کی مرضی سے شادی کی۔‘‘ شائستہ نے بلند آواز میں جھوٹ بولا۔
’’اچھا...... آئیں' فون ملاتا ہوں میں نانو کے گھر...... بات کریں میرے سامنے ان سے۔‘‘ اسد کے لہجے میں آگ تھی۔ وہ اپنے موبائل پر نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ اولاد کے سامنے شائستہ کی عزت داؤ پر لگ گئی تھی۔
’’تم...... تم ایک انتہائی خود غرض انسان ہو' مجھے شرم آتی ہے تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہوئے۔‘‘ اس نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔
اسد نے نمبر ڈائل کرنا بند کر دیا۔ ’’تو پھر آپ مجھے نہ پیدا کرتے' میں نے آپ کو دعوت نہیں دی تھی کہ مجھے پیدا کریں اور پھر میرے ہونے پر شرمندگی کا اعلان کریں۔‘‘ اس نے کسی لحاظ کے بغیر بے دھڑک کہا۔
’’تم بہت پچھتاؤ گے۔‘‘
’’کیا آپ پچھتائی ہیں...... آج تک کبھی پچھتائی ہیں......؟ میں بھی نہیں پچھتاؤں گا۔‘‘
’’میں نے زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر مجھے پچھتاوا ہو۔‘‘
’’تو پھر یقین رکھیں کہ میں بھی ایسا کوئی کام نہیں کر رہا ہوں جس پر مجھے پچھتاوا ہو گا اور جہاں تک امبر اور میرا تعلق ہے میں اس کو بھولا تو نہیں ہوں' نہ ہی بھولوں گا۔‘‘ وہ کہہ رہا تھا۔ ’’چند سال کے بعد اپنی تعلیم مکمل کر کے آؤں گا اور پھر دیکھوں گا اس کے اور میرے درمیان کون رکاوٹ بنتا ہے۔‘‘
شائستہ دم سادھے اسے بولتے دیکھ رہی تھی۔
’’صرف چند سال کی بات ہے اور اگر اس دوران امبر کی کسی اور کے ساتھ شادی ہو گئی تب بھی میں آپ کو اور پاپا کو کبھی معاف نہیں کروں گا' Never۔‘‘
وہ تیز قدموں کے ساتھ لاؤنج سے نکل گیا۔ شائستہ برف کے بت کی طرح وہیں جمی رہی۔ اتنی احسان فراموشی' اتنی بے لحاظی...... اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے یہ سب باتیں اپنے بیٹے کے منہ سے سنی ہیں۔ وہاں کھڑے کئی سال بعد اسے بے اختیار رونا آیا۔ شائستہ ہارون کمال...... وہ عورت جو گفتگو میں اپنی بے ساختگی اور اپنی خوبصورتی سے اکھڑ شخص کے تیور بدل دیا کرتی تھی' وہ اپنے بیٹے کے سامنے بے بس تھی جو چند منٹوں میں اس کے سارے احسان اس کے منہ پر مار گیا تھا۔

’’جب تم یہ سب کچھ اپنی اولاد کے منہ سے سنو گی تو تمہیں ہماری تکلیف کا احساس ہو گا۔‘‘
سالوں پہلے اس کی ماں نے اس سے کہا تھا اور اس نے بڑے تنفر سے جواب دیا تھا۔

''میں کبھی وہ موقع ہی نہیں آنے دوں گی کہ میری اولاد کو اپنے ایک حق کے لئے میرے سامنے اس طرح بولنا پڑے۔''
تب اس کی ماں لاجواب ہوگئی تھی۔ شائستہ نے تب محسوس کیا تھا۔ اس کی باتوں کا اس کے ماں باپ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ آج اتنے سالوں کے بعد اسے لگ رہا تھا جیسے وہ بددعا تھی جو اسے لگ گئی تھی۔ اس کے پاس بھی اپنی اولاد کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ تب ہارون کمال کے لیے پاگل ہو رہی تھی' اس کے لیے زمین اور آسمان ایک کردینے پر تلی ہوئی تھی۔ آج اس کا بیٹا امبر کے لیے پاگل ہو رہا تھا' اسے نہ پانے پر ہر رشتے کو ختم کردینے پر تل گیا تھا۔
''یہ...... یہ سب ہارون کمال کے خون کا اثر ہے۔ سب اسی کی خود غرضی ہے باپ کی طرح خود غرض ہے یہ باپ کی طرح۔'' صوفے پر بیٹھ کر بلک بلک کر روتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے کہا۔ ماضی ایک فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگا تھا۔ ہارون کمال کی خود غرضی اب بھی اس کے ذہن پر نقش تھی اور وہاں کچھ اور بھی نقش تھا۔ تاریکی میں سے ایک چھوٹے سے بچے کا ہیولا...... وہ روتے روتے چپ ہوگئی۔
''پچھتاوا' میں تمہیں اپنے پچھتاوے کیسے بتاؤں اسد۔'' وہ بڑبڑائی۔

☆☆☆

منصور اس سہ پہر بہت طیش کے عالم میں آفس سے اٹھ کر آئے تھے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے درشتی سے ملازم کو صبغہ کو بلانے کے لیے کہا۔ صبغہ کچھ پریشانی کے عالم میں لاؤنج میں آئی اور منصور علی کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس کی پریشانی دگنی ہوگئی تھی۔
''میں نے آج اسامہ کو آفس بلایا تھا۔'' انہوں نے اسے دیکھتے ہی بلند اور تند و تیز آواز میں صبغہ سے کہا۔ ''میں نے اس سے طلاق کے کاغذات پر دستخط کرنے کے لیے کہا مگر اس نے جواباً میرے ساتھ بہت زیادہ بدتمیزی کی۔ مجھے یہ کہہ کر چلا آیا کہ میں کورٹ میں جا کر خلع لوں' کیونکہ وہ تمہیں طلاق کبھی نہیں دے گا اور میں اب تمہاری طرف سے خلع کا کیس فائل کروا رہا ہوں۔ اگر وہ تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے تو تم اس سے کہہ دینا کہ آئندہ تم سے کبھی رابطہ نہ کرے۔''
وہ دم سادھے منصور علی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے جسم میں جیسے کاٹو تو لہو نہیں تھا۔ منصور علی ہمیشہ کی طرح اپنا فیصلہ اس کے سر تھوپ رہے تھے۔ انہیں کسی کو بتانے یا کسی سے مشورہ لینے کی جیسے کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔
''میرا وکیل ایک دو دن میں گھر آ کر تم سے اس سلسلے میں کاغذات پر سائن کروائے گا۔ میں اس شخص کو مزہ چکھا دوں گا۔'' وہ اس سے بات کرتے کرتے اسامہ کی کسی بات کے یاد آنے پر ایک بار پھر غرائے۔
''لیکن...... پاپا...... آپ...... آپ یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں؟'' صبغہ نے بالآخر ہمت کر کے ان سے پوچھا۔
''کیونکہ میں اس خاندان میں تمہیں بھیجنا نہیں چاہتا۔ میں اس شخص کو کبھی داماد کے طور پر قبول نہیں کروں گا' اتنے بدتمیز اور گستاخ شخص کو میں اپنے خاندان کا حصہ نہیں بناؤں گا۔''
''آپ نے ہی اس کو میرے لیے منتخب کیا تھا' اپنی مرضی سے اس سے میرا نکاح کیا تھا پھر اب آپ یہ رشتہ ختم کرنے پر کیوں تل گئے ہیں۔ آپ کی وجہ سے امبر کو طلاق ہو چکی ہے اور......''
منصور علی اس بار بے اختیار حلق کے بل چلائے۔ ''اسے طلاق ہوگئی ہے تو وہ بھاڑ میں جائے' مجھے ذرہ بھر پروا نہیں ہے اور تم کان کھول کر سن لو تمہیں میرے گھر میں رہنا ہے تو میری مرضی کے مطابق چلنا ہے' ورنہ تم ابھی اور اسی وقت اپنی ماں اور بہن کے پاس چلی جاؤ۔ میں کسی نافرمان اولاد کو اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا' سمجھیں تم۔'' وہ سفید چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتی رہی۔
''اس کمینے نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے' وہ تمہاری ہی شہ پر کیا ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم اس سے طلاق لینا نہیں چاہتیں اور وہ تمہیں ہتھیار بنا کر مجھے بلیک میل کرے گا...... مگر یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول ہے۔ میرے نزدیک تمہاری بھی کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں ہے۔ تم میری بات نہیں مانو گی تو میں تم سب بہن بھائیوں کو دھکے مار کر اس گھر سے نکال دوں گا' اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔ نہ صرف گھر سے نکال دوں گا بلکہ جائیداد سے بھی عاق کر دوں گا پھر تم اسامہ کے پاس جا کر رہنا یا

اپنے بھائی بہنوں کو لے کر اس کے پاس جانا اور دیکھنا وہ اور اس کا خاندان تمہیں کیسے رکھتے ہیں۔''

منصور علی بلند آواز میں کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ صبغہ کا پورا جسم سرد ہو رہا تھا۔ حالات یہ کروٹ لیں گے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اوپر نہیں جا سکی' وہیں صوفہ پر بیٹھ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی اسامہ اور منصور کے درمیان کیا بات ہوئی تھی مگر جو کچھ بھی کہا اور سنا گیا تھا' اس نے اس کے لیے مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر دیا تھا۔ منصور علی دن بدن اس کی نظروں میں بونا بنتے جا رہے تھے۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ شخص کبھی ایک جان چھڑکنے والا باپ تھا اور اب بیس سال کی ایک لڑکی کے عشق میں مبتلا ایک بے ضمیر' خود غرض اور اندھا شخص ...... فون کی گھنٹی اچانک بجنے لگی۔ وہ چپ چاپ بیٹھی فون کو دیکھتی رہی۔ اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

☆☆☆

سترہواں باب

"مبارک ہو بیٹا ہوا ہے۔" ڈاکٹر نے منصور علی کو اطلاع دی۔ منصور علی یک دم کھل اٹھے۔

"اور رِشی...... وہ کیسی ہے؟"

"وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں آپ ابھی تھوڑی دیر میں ان سے مل سکتے ہیں۔"

لیڈی ڈاکٹر کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ منصور علی یک دم جیسے آسمان پر جا پہنچے تھے۔ وہ اب دو بیٹوں کے باپ تھے۔ روشان کے اکلوتا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے سامنے جس طرح گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتے تھے وہ مجبوری اب یک دم ختم ہو گئی تھی۔ منصور علی کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ رِشی ان کے اور ان کے گھر کے لیے بے حد خوش قسمت ثابت ہوئی تھی۔ وہ جب سے ان کی زندگی میں شامل ہوئی تھی سب کچھ بدل گیا تھا' ہر بازی ان ہی کے ہاتھ آ رہی تھی۔

"کون کہتا ہے دوسری شادی انسان کو راس نہیں آتی۔" کچھ دیر بعد رِشی کے پاس بیٹھے اپنے بیٹے کو گود میں لے منصور علی نے سوچا تھا۔

رِشی فخریہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ منیزہ کی گری ہوئی سلطنت کا آخری ستون بھی ہلا کر گرانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس نے منصور علی کی واحد کمزوری کو بھی ختم کر دیا تھا۔ روشان اور روشان کے ذریعے کوئی دوسرا اب منصور علی کو استحصال نہیں کر سکتا تھا۔

"تم مجھے بتاؤ' تمہیں کیا تحفہ چاہیے؟" منصور علی نے رِشی کو بڑی محبت سے مخاطب کیا۔ "میں جانتا ہوں تمہیں اپنے بیٹے کے بدلے میں اتنی قیمتی نہیں تو اس سے کچھ کم قیمتی چیز تو دوں۔"

"تحفہ تو میں ضرور لوں گی۔" رِشی نے اطمینان سے کہا۔ "آپ نے خود کہہ دیا' اچھا کیا۔ نہ بھی کہتے' تب بھی میں خود آپ سے اپنا تحفہ مانگ لیتی۔"

"کبھی اس لیے تو میں نے یہ موقع نہیں آنے دیا کہ تمہیں خود تحفہ یاد دلانا پڑے۔ آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ تمہیں مجھ سے مانگ کر تحفہ لینا پڑا ہو۔ ہمیشہ میں ہی تم سے کہتا ہوں۔" منصور علی نے کہا۔

"اپنے لیے کیوں نہیں' صرف بیٹے کے لیے کیوں۔ میں تو دونوں کو منہ مانگا تحفہ دینے کو تیار ہوں۔" منصور علی نے اعتراض کیا۔

"نہیں آپ میرے بیٹے کو میری مرضی کا تحفہ دے دیں گے تو میرے لیے آپ کی بات ماننا ہی ایک تحفہ ہو گا۔" رِشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں بیٹے کی پیدائش پر کچھ بھی نہ دوں مگر ٹھیک ہے۔ پہلے تم بتاؤ' تمہیں بیٹے کے لیے کیا چاہیے۔" منصور علی جواباً مسکرائے۔

"میری ہمت نہیں ہو رہی۔" رِشی یک دم کہتے کہتے ہچکچائی۔

"ارے یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ کچھ تو چاہیے تمہیں اپنے بیٹے کے لیے۔"

"آپ دیں گے تو؟"

"کیوں نہیں دوں گا۔ آج تک کبھی تمہاری مرضی کا تحفہ دینے سے انکار کیا ہے۔ تم نے جس چیز پر ہاتھ رکھا میں نے تمہیں وہ لا کر دی۔ جس چیز کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا میں وہ چیز بھی لے آیا تو پھر اب کیا ہو گیا۔"

"تحفے کی بات زیادہ ہے اس لیے کہہ رہی ہوں۔"

"تحفے کی بات کو چھوڑو۔ تم صرف نام لو پھر اگر میں وہ چیز تمہارے بیٹے کو نہ دوں تو پھر کہنا۔"

"سوچ لیں۔"

"منصور علی کو سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ منہ سے تب ہی کوئی بات نکالتا ہے جب وہ اس پر پہلے ہی سوچ چکا ہو۔" منصور علی نے بے حد اطمینان اور لاپرواہی کے انداز میں کہا۔ "تم صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنے بیٹے کے لیے کیا چاہیے۔"

رخشی نے ایک نظر مسکراتے ہوئے منصور علی پر ڈالی پھر ان کی گود میں موجود اپنے بیٹے کو دیکھا اور پھر ایک اطمینان بھرا سانس لے کر اس نے کہا۔

"میری خواہش ہے کہ آپ اپنی پرانی فیکٹری میرے بیٹے کے نام کر دیں۔"

منصور علی کے چہرے سے پلک جھپکتے میں مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ "پرانی فیکٹری؟"

"کیوں، مشکل میں ڈال دیا؟" رخشی عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"نہیں اتنی چھوٹی موٹی فرمائشوں سے میں مشکل میں نہیں پڑا کرتا۔" منصور علی نے جیسے اپنے حواس پر قابو پایا۔ "تم سے وعدہ کیا ہے اس لیے پورا تو کرنا ہے۔" انہوں نے گود میں لیے ہوئے بیٹے کو چوما۔ "تم چاہتی ہو یہ فیکٹری میں اس کے نام کروں، ٹھیک ہے میں کر دیتا ہوں۔ اب تم خوش ہو؟" منصور علی نے مسکراتے ہوئے رخشی سے پوچھا۔

رخشی کا چہرہ یک دم کھل اٹھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ منصور علی اتنی آسانی سے اس کی بات مان جائیں گے۔

"خوش.....؟ آپ کو اندازہ نہیں ہے میں بہت خوش ہوں۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اچھا پھر یہ بتاؤ کہ تمہیں تحفے میں کیا چاہیے؟"

"آپ نے اتنا بڑا تحفہ میرے کہنے پر میرے بیٹے کو دیا ہے کہ مجھے اب اور کسی تحفے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔" رخشی نے کہا۔

"مگر میری خواہش ہے کہ تم مجھ سے اپنے لیے کچھ مانگو۔" منصور علی نے اصرار کیا۔

"نہیں میری اب اور کوئی فرمائش نہیں ہے مجھے پہلے ہی بہت کچھ مل چکا ہے۔ آپ جیسا شوہر..... گھر..... بیٹا..... سب کچھ..... میں اور کچھ نہیں چاہیے مجھے۔" رخشی نے ایک بار پھر انکار کیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے اپنی مرضی سے تمہیں کچھ دینا پڑے گا۔" منصور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

"منصور چچا سے زیادہ خود غرض انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" اسامہ فون پر کہہ رہا تھا۔ "مجھے حیرت ہے کہ مجھے آج تک یہ احساس کیوں نہیں ہوا کہ وہ اتنے خود غرض انسان ہیں۔ یہ سب کچھ صرف رخشی کی وجہ سے نہیں ہو رہا وہ خود ہی ایک خود غرض انسان ہیں۔ رخشی نے تو صرف ان کے اندر کی چھپی ہوئی کمینگی کو ہم سب کے سامنے لا رکھا ہے۔"

فون کا ریسیور تھامے صبغہ چپ چاپ اسامہ کو اپنے دل کی بھڑاس نکالتے سن رہی تھی۔ وہ بے حد غصے اور طیش میں تھا۔ منصور سے ملاقات کے فوراً بعد اس نے کئی بار فون کر کے صبغہ سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر رخشی کی ہدایت کے مطابق وہ فون پر اسامہ کی آواز سنتے ہی صبغہ کے گھر نہ ہونے کا کہتے رہے۔ منصور علی کے رخشی کے پاس ہاسپٹل چلے جانے کے بعد صبغہ نے اسامہ کو فون کیا وہ گھر پر ہی تھا اور اب وہ اسے کچھ گھنٹے پہلے منصور علی کے ساتھ آفس میں ہونے والی گفتگو بتا رہا تھا

ہوئے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"اور تم ..... تم مجھے یہ بتا رہی ہو کہ انہوں نے تمہیں وکیل سے مل کر خلع کے کاغذات پر سائن کرنے کے لیے کہا ہے۔ اور تم نے ان کے منہ سے یہ سن کیسے لیا۔ تمہیں چاہیے تھا تم انہیں کھری کھری سناتیں۔ آخر وہ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں۔ دوسروں کی زندگیوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ خوف نہیں آتا انہیں؟ خوف نہیں آتا تو کم از کم کچھ شرم ہی کریں۔ اپنی بیٹی کو طلاق دلوا رہے ہیں' صرف اپنا گھر بسانے کے لیے۔ خاندان والے جو کچھ ان کے بارے میں کہہ رہے ہیں ان کو سننا چاہیے پھر انہیں پتا چلے کہ دولت سارے عیب نہیں ڈھانپ لیتی۔ لوگ سامنے بات نہ کریں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ پیچھے بھی خاموش رہتے ہیں۔"

اسامہ یہ جاننے کے باوجود کہ صبغہ اس معاملے میں پوری طرح بے بس ہے بولتا جا رہا تھا۔

"جب تمہارے والد بزرگوار مجھ سے گفتگو فرما رہے تھے تو میرا دل چاہا تھا۔ میں دو چار تھپڑ رسید کروں ان کے اور ان کی طبیعت صاف کر دوں مگر مجھے صرف اپنے رشتے کا لحاظ تھا جو ان کو بالکل نہیں تھا..... مگر یہ جس طرح کی حرکتیں فرما رہے ہیں یہ بہت جلد پٹیں گے ..... مجھ سے نہیں تو کسی اور سے سہی۔" اسامہ نے ہر لحاظ اور احترام بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

"تم کیوں چپ ہو بولو کچھ۔" اسامہ کو اچانک خیال آیا کہ وہ بہت دیر سے خاموش ہے۔

"میں کیا بولوں کہنے کے لیے باقی کیا رہ گیا ہے۔" صبغہ نے پھیکے لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں صاف صاف بتا رہا ہوں تم کسی قسم کے کسی کاغذ پر سائن نہیں کرو گی۔ میں منصور چچا کو بتا چکا ہوں کہ وہ مجھ سے طلاق کی توقع نہ رکھیں اور وہ مجھے تو کسی طرح بھی مجبور نہیں کر سکتے اور اب ان کے پاس واحد راستہ یہی ہے کہ وہ تمہیں مجبور کریں اور تم ..... تم کسی کاغذ پر سائن نہیں کرو گی۔ انہیں بتا دو کہ کسی بھی قیمت پر مجھ سے خلع نہیں لو گی' سنا تم نے۔" اسامہ نے تیزی سے کہا۔

"اور اگر پاپا نے مجھے گھر سے نکال دیا تو .....؟ مجھے، روشان، زارا اور رابعہ کو؟"

"تو کیا ہوگا کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسامہ نے کہا۔ "تم میرے پاس آ سکتی ہو' میری بیوی ہو تم۔"

"اور روشان' رابعہ اور زارا..... وہ کہاں جائیں گے۔"

"وہ تمہاری ممی کے پاس جا سکتے ہیں۔"

"ممی بھی انہیں کہاں رکھیں گی کوئی گھر ہے ان کا؟ وہ خود منصور انکل کے پاس رہ رہی ہیں اور جس طرح رہ رہی ہیں' صرف میں جانتی ہوں۔"

"روشان' رابعہ اور زارا تمہاری ذمہ داری نہیں ہیں۔ وہ تمہارے والدین کی ذمہ داری ہیں۔ تمہیں صرف اپنے اور میرے بارے میں سوچنا چاہیے اپنی اور میری زندگی کے بارے میں۔" اسامہ نے کہا۔

"مجھے ان کے بارے میں بھی سوچنا ہے میں ان کو فٹ پاتھ پر نہیں لا سکتی۔ آپ پاپا کو جانتے ہیں ان کے نزدیک ہماری کتنی اہمیت ہے یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ پاپا تو ہم سب لوگوں کو گھر سے نکالنے میں چند منٹ بھی نہیں لگائیں گے۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم طلاق کے بارے میں سوچ رہی ہو۔" اسامہ نے بے یقینی سے کہا۔

"نہیں میں طلاق کے بارے میں نہیں سوچ رہی ہوں۔ میں تو آپ کو اپنے خدشات بتا رہی ہوں۔ میرے آگے کنواں ہے اور پیچھے کھائی۔ میں تو کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہی ہوں۔" صبغہ نے اسامہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تم ابھی اتنی مجبور نہیں ہو صبغہ جتنا تم اپنے آپ کو سمجھ رہی ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اسامہ کے لہجے میں یک دم نرمی در آئی۔

"میں جانتی ہوں آپ میرے ساتھ ہیں مگر ....." صبغہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"مگر ــــ" اسامہ کے لہجے میں ہلکی سی حیرانی تھی۔

"میں اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کر رہی ہوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں۔ میرے لیے کیا بہتر ہے کیا نہیں۔"

"تمہارے لیے میرے ساتھ کے علاوہ کچھ بھی بہتر نہیں ہے۔ میں نے تمہارے لیے اپنے پورے خاندان کی مخالفت مول لی ہے۔ اب اگر تم پیچھے قدم ہٹاؤ گی تو میں یہ برداشت نہیں کر سکوں گا۔ تم سائن کرنے سے انکار کر دینا۔ کیا کر لیں گے منصور چچا؟ آخر کر ہی کیا سکتے ہیں۔ تمہیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ چپ چاپ فون کا ریسیور کان سے لگائے ہونٹ بھینچے سنتی رہی۔

روشان نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے سرسری نظروں سے اسے دیکھا۔ صبغہ کے چہرے کے تاثرات نے اس کے قدم روک دیے۔ وہاں سے گزر کر اپنے کمرے میں چلے جانے کی بجائے وہ صبغہ کی طرف آ گیا۔ صبغہ اور اس کی نظریں ملیں۔

"کس کا فون ہے؟" اس نے صبغہ کے قریب آتے ہوئے مدھم آواز میں پوچھا۔ صبغہ نے نفی میں سر ہلایا۔ دوسری طرف اب اسامہ خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ صبغہ نے فون رکھ دیا۔

"کس کا فون تھا؟" روشان نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے ایک بار پھر اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔

"اسامہ کا۔" صبغہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"تم پریشان ہو؟" روشان نے کہا۔ "اسامہ بھائی نے کچھ کہا؟"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"پاپا نے آج اسامہ کو آفس بلایا تھا۔" اس بار صبغہ کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔

"کس لیے؟"

"مجھے طلاق دینے کے لیے۔"

روشان دم بخود رہ گیا۔

"اسامہ بھائی نے طلاق دے دی؟" صبغہ نے نفی میں سر ہلایا۔

روشان کا رکا ہوا سانس جیسے چلنے لگا۔ "پھر؟"

"اسامہ نے طلاق دینے سے انکار کر دیا۔"

"بہت اچھا کیا انہوں نے بہت اچھا کیا۔"

صبغہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "پاپا گھر آ گئے ہیں۔" صبغہ نے اسے بتایا۔ "وہ بہت غصے میں تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ اب خلع کے لیے کیس فائل کر رہے ہیں۔ چند دنوں تک وکیل آئے گا میں کاغذات پر سائن کر دوں۔"

روشان نے بے اختیار مٹھیاں بھینچیں۔ "اور تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کچھ نہیں کہا۔"

"کیوں نہیں کہا۔" روشان غصے سے بولا۔ "تم کہہ دیتیں کہ تم خلع نہیں چاہتیں اور خلع کے کاغذات پر بھی سائن نہیں کرو گی۔ مجھے کم از کم تم سے خاموشی کی توقع نہیں تھی۔"

"میں نہیں کہہ سکتی تھی۔"

"کیوں نہیں کہہ سکتی تھیں۔ تم پاپا سے ڈرتی ہو؟"

"نہیں میں اور بہت سی چیزوں سے ڈرتی ہوں۔"

روشان نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔ "میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم خاموش کیوں رہیں۔ کیوں تم نے پیپرز پر سائن کرنے سے انکار نہیں کیا۔"

صبغہ نے روشان کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو تھے۔ "پاپا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اگر اس سے طلاق نہیں لوں گی تو وہ......"

روشان نے اس کی بات کاٹی۔

"تو وہ تمہیں گھر سے نکال دیں گے بس اور تم ڈر گئیں۔"

"نہیں انہوں نے کہا کہ وہ ہم سب کو گھر سے نکال دیں گے۔ مجھے، رابعہ، زارا کو ---- اور تمہیں۔"

روشان بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

☆☆☆

"یہ ہے روم نمبر ....۔" اس آدمی نے کہا اور واپس مڑ گیا۔ ہارون کمال نے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ بیڈ پر کوئی نہیں تھا۔ باتھ روم میں سے پانی بہنے کی آواز آ رہی تھی۔ ہارون اطمینان سے کمرے میں موجود بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بکے کو اس نے ٹیبل پر رکھ دیا۔ جب ہی باتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔

ہارون کمال برق رفتاری سے پلٹا۔ امبر ہاتھ میں تولیہ پکڑے اسے دیکھ کر ساکت نظر آ رہی تھی۔

ہارون کمال بے اختیار مسکرایا۔ "ہیلو۔"

امبر جواب دینے کے بجائے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

"میں جانتا ہوں مجھے یہاں یوں اچانک دیکھ کر آپ حیران ہو رہی ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے میں آپ کو اس حالت میں دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔" ہارون نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "کیسی ہیں آپ؟"

امبر جواب دینے کے بجائے تولیہ پکڑے اپنے بیڈ کی طرف بڑھ آئی۔ تولیے کو بیڈ کی پائنتی کی طرف اچھال کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں اب سرخ گلابوں کے اس بکے پر مرکوز تھیں۔

"یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔" ہارون نے بکے پر اس کی توجہ مرکوز ہوتے دیکھ کر کہا۔ امبر نے ایک نظر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا پھر دوبارہ بکے کو دیکھنے لگی۔ ہارون کمال چلتا ہوا کرسی کے قریب آیا اور اسے کھینچ کر بیڈ کے پاس اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

امبر نے گردن موڑ کر اسے نہیں دیکھا۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ اسی طرح بکے کو دیکھتی رہی۔ ہارون کچھ دیر خاموش بیٹھا لفظوں کا انتخاب کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کس طرح آپ سے افسوس کا اظہار کروں۔" اس نے بے حد تلے لفظوں میں اپنی بات کا آغاز کیا۔

"میں پچھلے کئی ماہ سے کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح آپ سے رابطہ کروں لیکن میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ منصور اس حد تک گر جائے گا۔"

امبر نے بکے سے نظر ہٹا کر ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھا۔

"مجھے اندازہ ہوتا کہ وہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے تو میں کبھی اس کو یہ کچھ نہ کرنے دیتا۔ میں پوری کوشش کر کے اسے روک لیتا۔" ہارون کے چہرے پر تاسف تھا۔

"مگر اس نے مجھے پوری طرح اندھیرے میں رکھا۔ مجھے کچھ بھی پتا نہیں لگنے دیا۔ مجھے تو افسوس ہوتا ہے کہ میں نے ایسے شخص کے ساتھ بزنس کیوں شروع کیا۔" ہارون ایک لمحہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں آپ مجھے پسند نہیں کرتیں لیکن امبر! یقین کریں میں آپ کے ساتھ ہمیشہ سے ہی بہت پرخلوص رہا ہوں۔ آپ چاہتیں تو مجھ سے مدد لے سکتی تھیں مگر آپ نے مجھے اپنا دوست نہیں سمجھا اور آج یہاں آپ کو دیکھ کر میں بتا نہیں سکتا مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ آپ جیسی لڑکیوں کی جگہ ذہنی امراض کے کلینک تو نہیں ہوتے۔"

اس کا انداز اب قدرے جذباتی تھا۔

"میں جانتا ہوں عمر نے جو حرکت کی ہے اس سے آپ کو شاک پہنچا ہے مگر اس طرح کے گھٹیا آدمی سے جان چھوٹ جانا آپ کی خوش قسمتی ہے۔ آخر تھا ہی کیا اس آدمی میں۔ آپ کے ٹکڑوں پر پلنے والا ایک معمولی رشتہ دار۔۔۔۔ اور آپ اس کو اتنا سیریس لے رہی ہیں۔"

امبر نے تکیے سے اپنی نظریں ہٹالیں۔ وہ اب ہارون کمال کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے امبر! یقین کریں واقعی ہمدردی ہے مگر آپ کی طلاق آپ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ اس لالچی آدمی سے آپ کی جان چھوٹ گئی جسے منصور علی نے آپ کے سر پر تھوپا تھا۔"

امبر کے چہرے اور آنکھوں میں اب بھی کوئی تاثر نہیں تھا۔

"پلیز! میری بات کا جواب دیں، کچھ تو کہیں اس طرح خاموشی اختیار مت کریں۔ چاہے مجھ سے پہلے کی طرح ناراض ہو جائیں، ڈانٹ لیں مگر کچھ بولیں۔"

ہارون کمال نے نرم لہجے میں اصرار کیا۔ "مجھے بتائیں کہ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ آپ کو میری کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیڈ پر بیٹھی اسی طرح پاؤں لٹکائے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ ہارون نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

"میں نے ڈاکٹر سے آپ کے بارے میں بات کی ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی مگر اس کے لیے آپ کو خود کوشش کرنا پڑے گی۔"

ہارون نے اس کی طرف سے کوئی جواب نہ آنے پر ایک بار پھر گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا دروازہ کھول کر تمیزہ اندر آ گئیں۔ ہارون کمال کو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ ہارون کمال انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے تمیزہ سے کہا۔ "میں امبر کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا اب کیسی ہے یہ؟"

تمیزہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہارون کمال کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کریں۔ وہ منصور علی کا دوست تھا وہ اسے اور اس کی فیملی کو منصور علی کے توسط سے ہی جانتی تھیں اور اب وہ وہاں امبر کی خیریت دریافت کرنے کے لیے موجود تھا۔

"پہلے سے کچھ بہتر ہے مگر ابھی اسے ٹھیک ہونے میں بہت وقت لگے گا۔" تمیزہ نے رسمی انداز میں کہا۔ "آپ بیٹھیے۔"

"شکریہ۔" ہارون کہتے ہوئے وہاں کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ تمیزہ وارڈ کے ساتھ پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"مجھے یہ سب کچھ جان کر بہت افسوس ہوا ہے۔" ہارون کمال نے ایک بار پھر اپنے چہرے اور لفظوں میں تاسف لاتے ہوئے کہا۔ "منصور علی اتنا گرا ہوا آدمی ہے، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کبھی۔"

"اب کیا کہوں، بس قسمت خراب ہو تو انسان کے ساتھ یہی کچھ ہوتا ہے۔" تمیزہ کے منہ سے نکلتے ہوئے جملوں نے اسے قدرے حیران کیا تھا۔

"آپ کی وجہ سے میں نے منصور کے ساتھ بہت جھگڑا کیا ہے، کھری کھری سنائی ہیں اسے۔ میں اگر ڈیل کی وجہ سے مجبور نہ ہوتا تو اسی وقت اس کے ساتھ اپنا بزنس ختم کر دیتا۔"

"نہیں ہماری وجہ سے آپ کو کوئی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تو ویسے بھی کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔" تمیزہ نے افسردگی سے کہا۔

"مجھے امبر کے بارے میں پتا چلا تو میں رہ نہیں سکا، حالانکہ میری پوزیشن بہت آکورڈ ہے۔"

ہارون کمال کی بات پر منیزہ نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

"میں آپ سے جاننا چاہتا ہوں بھابھی! کہ میں آپ کی کس طرح مدد کر سکتا ہوں؟"

ہارون کمال اپنے لہجے میں جتنا خلوص ظاہر کر سکتا تھا اس نے کیا۔

منیزہ اس کی آفر پر گڑبڑا گئیں۔ "نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگوں کو فی الحال کوئی مدد نہیں چاہیے۔"

"نہیں بھابھی! پلیز آپ تکلف مت کریں۔ آپ مجھے منصور کا دوست مت سمجھیں، منصور میرا صرف بزنس پارٹنر ہے مگر آپ لوگوں کے ساتھ تو میرے اور میری فیملی کے تعلقات تھے۔" ہارون کمال نے ان کے انکار پر کہا۔

"میں جانتا ہوں منصور مالی طور پر کسی طرح بھی آپ لوگوں کو سپورٹ نہیں کر رہا، آپ لوگ کرائسس میں ہیں، میں اسی لیے آپ لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں، چھوٹے موٹے مسائل ہیں، کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میرا بھائی بزنس مین ہے، منصور سپورٹ نہ بھی کرے تو بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" منیزہ نے پردہ پوشی کی۔

"میں اس کے باوجود آپ لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ڈاکٹر میرا دوست ہے آپ جتنے عرصے امبر کو یہاں رکھنا چاہیں اطمینان سے رکھ سکتی ہیں۔ آپ کو اخراجات کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امبر پر ہونے والے سارے اخراجات میں منصور کے اکاؤنٹس میں سے ادا کرواؤں گا۔"

منیزہ چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکیں۔ ہارون کمال نے بڑی مہارت سے پتا اچھالا تھا۔

"منصور کا ہم لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تو ہمیں نفقہ دینے پر تیار نہیں، آپ علاج کے اخراجات کی بات کر رہے ہیں۔" منیزہ نے یک دم کہا۔

"آپ دیکھیے گا وہ کس طرح یہ اخراجات ادا کرتا ہے۔ وہ میری بات نہیں مانے گا تو میں اس کے ساتھ اپنا بزنس ختم کر دوں گا۔"

ہارون دوٹوک انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ والٹ نکال کر اس نے ایک وزیٹنگ کارڈ منیزہ کی طرف بڑھایا۔

"یہ میرا کارڈ ہے آپ کو میری ضرورت پڑے یا کوئی پریشانی ہو تو آپ میرے کسی بھی نمبر کو استعمال کر کے مجھ سے رابطہ کر سکتی ہیں اور میں تو ویسے بھی روزانہ کچھ دیر کے لیے یہاں تب تک آتا رہوں گا جب تک امبر کی حالت ٹھیک نہیں ہوتی۔"

اس بار اس نے جملہ مکمل کرتے کرتے امبر کی طرف دیکھا تھا پھر وہ خدا حافظ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ منیزہ نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کارڈ اور کمرے سے نکلتے ہوئے ہارون کمال کو دیکھا۔ اسے لگا اللہ نے اس کے روپ میں ان کے لیے کوئی فرشتہ بھجوا دیا تھا۔

☆☆☆

"رخشی کا بیٹا ہوا ہے۔" صبغہ نے روشان کے کمرے میں داخل ہونے پر مدھم آواز میں اسے بتایا۔ روشان کا چہرہ یک دم زرد پڑ گیا۔ اس کا بدترین اندیشہ اور خواب درست ثابت ہو گیا تھا۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ صبغہ کے پاس بیٹھ گیا۔ بہت دیر تک دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے پھر صبغہ نے ہی اس کو مخاطب کیا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں سوچ رہا مجھے کیا سوچنا ہے۔" روشان کے لہجے میں ہلکی سی ترشی تھی۔ صبغہ نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"کچھ نہیں ہو گا روشان! پاپا کو تم سے بہت محبت ہے۔ ایک اور بیٹا ہو جانے سے تمہاری اہمیت کم نہیں ہو گی۔"

اسے اپنے لفظوں کا کھوکھلا پن خود بھی چبھا۔ روشان کو حیرت نہیں ہوئی وہ کس طرح اس کی خاموشی کو توڑنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اسے حیرت ہوتی اگر وہ اس کی خاموشی کی وجہ جان جاتی۔

دروازے پر دستک دے کر ملازم اندر داخل ہوا۔

"صاحب آپ کو نیچے بلا رہے ہیں وکیل صاحب آئے ہیں۔ منصور صاحب کہہ رہے ہیں کہ آپ جلدی نیچے آ جائیں انہیں بیگم صاحبہ کے پاس بھی جانا ہے۔" ملازم نے منصور کا پیغام صفیہ تک پہنچایا۔

"تم جاؤ میں آتی ہوں۔" صفیہ کے چہرے کا رنگ کچھ اور پھیکا پڑ گیا۔ روشان ایک بار پھر اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"وکیل آیا ہے۔" روشان بڑبڑایا۔ "تم سے سائن کروانے کے لیے؟"

صفیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم کیا کرو گی؟" روشان نے پوچھا۔ اس کے انداز میں بے چینی تھی۔

"میں سائن کر دوں گی۔" صفیہ نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

"صفیہ!" روشان نے احتجاج کیا۔

"میں اپنے لیے تم لوگوں کو سڑک پر تو نہیں لا سکتی۔ اگر اسامہ سے علیحدگی سے ہم سب کے سر پر چھت رہتی ہے تو یہ کوئی بڑا سودا نہیں ہے۔" اس نے روشان سے نظر ملائے بغیر کہا۔ روشان دم بخود اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"ہم لوگ منصور انکل کے گھر جا کر نہیں رہ سکتے اور اسامہ زیادہ سے زیادہ مجھے رکھ سکتا ہے مگر تم لوگوں کا کیا ہو گا۔ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے تم لوگوں کی زندگی خراب ہو۔"

"تم ایک بار پھر سوچ لو صفیہ!" روشان نے کہا۔

"میں نے بہت سوچا ہے۔ اس ایک رستے کے علاوہ دوسرا کوئی رستہ مجھے نظر نہیں آ رہا۔"

صفیہ نے مسکرانے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئی۔ چند لمحے کچھ کہنے کی کوشش کرتے رہنے کے بعد وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ روشان نے اپنے اندر نفرت کے ایک آتش فشاں کو پھٹتے محسوس کیا۔ اس نے زندگی میں منصور علی سے اس سے زیادہ نفرت کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

☆☆☆

"یہ لو صاحبزادے تمہیں اسی کی ضرورت تھی۔" منصور علی نے لاؤنج سے سلام کر کے گزرتے اسامہ کو روک کر ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"امید ہے اب تمہارا دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔" انہوں نے مزید تبصرہ کرنا ضروری سمجھا۔

"یہ کیا ہے؟" اسامہ نے قدرے الجھتے ہوئے اس لفافے کو دیکھا۔

"تمہاری بیوی نے خلع مانگی ہے تم سے۔" اس بار شائستہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

اسامہ کو یقین نہیں آیا۔ "کیا؟"

"ہاں کھول کر دیکھ لو۔ ہماری باتیں تو تمہارے لیے کبھی بھی قابل اعتبار نہیں رہیں۔" شائستہ نے کہا۔

اسامہ کچھ دیر پہلے ہی گھر لوٹا تھا اور رات گئے لوٹنے کی یہ روش پچھلے کئی ہفتوں سے تھی۔ وہ اپنی پوری فیملی سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیونکہ سامنا ہونے پر ایک بار پھر وہی گفتگو شروع ہو جاتی تھی جس سے وہ بچنا چاہتا تھا۔ آج بہت دنوں کے بعد منصور علی اور شائستہ سے اس کا سامنا ہوا تھا۔ وہ وہاں بیٹھے اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اور انہوں نے آتے ہی وکیل کا وہ نوٹس اس کے حوالے کر دیا تھا جو انہوں نے دن کے وقت وصول کیا تھا۔

نوٹس پر نظر ڈالتے ہی اسامہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"امپاسبل... دھوکہ ہے یہ..." اس کے منہ سے نکلا۔ "صفیہ کبھی مجھ سے خلع نہیں مانگ سکتی۔"

"دستخط ہیں اس کے پیپرز پر، تمہیں کھول کر دکھاؤں؟" منصور غرائے۔

پریشانی میں اضافہ کر رہے ہیں۔"

"پریشانی تو ابھی شروع ہوئی ہے تمہاری۔" مسعود علی نے تلخی سے کہا۔ "جب کورٹ کچہری کے چکر لگنے شروع ہوں گے تو تمہیں دانتوں سے پسینہ آ جائے گا۔" انہوں نے کہا۔

"دینی تو تمہیں طلاق ہی تھی خود دیتے تو کم از کم عزت ہوتی۔ خاندان میں کہ ہم نے چھوڑا اس کی بیٹی کو۔" ان کی آواز بلند ہو گئی۔ "اب وہ ہر ایک کو بتائے گا کہ اس نے کس طرح ہم سے جان چھڑائی۔ ہم اور ہمارا بیٹا تو اس کے پاؤں پڑ رہے تھے کہ نہیں منصور یہ طلاق مت ہونے دو۔ ہمارے بیٹے کو اپنا داماد رہنے دو۔"

"یہ رشتہ آپ کی پسند آپ کی مرضی سے ہوا تھا۔" اسامہ سے مسعود کا انداز برداشت نہیں ہوا۔ "میں نے گھر سے بھاگ کر اس سے شادی نہیں کی تھی۔" وہ بول رہا تھا۔ "نہ آپ کی منتیں کی تھیں کہ آپ اس لڑکی سے میرا نکاح کریں۔ پھر اس طرح کے طعنے کیوں کر رہے ہیں مجھ پر۔"

"ہم نے رشتہ جوڑا تھا تو ہمیں توڑنے دیتے۔ اتنی طرف داری کیوں کی تم نے اس کی۔" شبانہ نے تیز آواز میں کہا۔ "ماں باپ کو دو کوڑی کا کر دیا اس کے سامنے۔ اب دیکھ لیا صلہ پایا۔"

"تمہارے جیسے لڑکے یہ سمجھتے ہیں کہ ماں باپ تو عقل سے پیدل ہیں' تم لوگ زیادہ ذہین ہو۔ رشتوں اور زمانے کے داؤ پیچ کو ان سے زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہو۔" مسعود علی کہہ رہے تھے۔ "تمہارا تو چچا تھا میرا تو بھائی تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کس فطرت کا ہے۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" وہ بولتے جا رہے تھے۔

"جانتا تھا وہ یہی کچھ کرے گا اور اسی طرح کرے گا۔ اسی لیے کہہ رہا تھا کہ طلاق دے دو اس کی بیٹی کو۔ تمہارا رشتہ اس سے کہیں اچھے خاندان میں کر دیتا' مگر تم تو چپکے رہنا چاہتے تھے اس کے ساتھ۔" منصور علی کا دم چھلا بن کر ۔۔۔ کروڑپتی سسر کے داماد کا ٹھپہ لگوا کر۔ اب بھگتو اپنے لالچ کی سزا۔" مسعود علی نے کہا۔

"میں لعنت بھیجتا ہوں اس کروڑپتی سسر پر اور اس کی دولت پر۔" اسامہ تلملایا۔

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ اس سے چپکے رہنے کے لیے میں صبغہ کو طلاق نہیں دے رہا تھا۔ اپنے بھائی کی دولت میں آپ کو دلچسپی تھی مجھے نہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" منصور علی دھاڑے۔

"آپ نے دولت کے لیے ہی رشتے جوڑے ۔۔۔ اب وہ پیسہ ملنے کے آثار نہیں رہے تو ایک رشتہ خود توڑ دیا۔ دوسرا رشتہ مجھ سے تڑوانے کی کوشش کی۔ پھر مجھے کیوں لالچ کا طعنہ دے رہے ہیں۔" اسامہ اب اشتعال میں آ گیا۔

"میرے کون سے مربعے گھن کرنے گیا ہے آپ کا بھائی ۔۔۔ کچھ نہیں ملا تو آپ کو بھی نہیں ملا۔"

چند لمحوں کے لیے مسعود اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ پھر شبانہ نے کہا۔

"تم دونوں کو اب آپس میں لڑنے کی ضرورت نہیں ہے جو ہو گیا' سو ہو گیا۔" انہوں نے جانتے بوجھتے مصالحانہ انداز اختیار کیا۔ "اسامہ! تم ابھی طلاق لکھ کر اسے بھجوا دو تاکہ یہ معاملہ ختم ہو جائے۔ جان چھوڑو اس کی بلکہ سرے سے اتارو اس بلا کو۔"

"میں جب تک صبغہ سے بات نہیں کر لیتا' میں اسے طلاق نہیں دے سکتا۔" اسامہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"دیکھا ۔۔۔ دیکھا تم نے اپنے بیٹے کو ۔۔۔ یہ اسے نہیں چھوڑے گا۔ وہی اس کو دھتکاریں گے۔" مسعود علی کو پھر طیش آیا۔

"آخر تم سننا کیا چاہتے ہو صبغہ سے؟" شبانہ کو بھی غصہ آ گیا۔ "یہی کہ وہ تم سے خلع چاہتی ہے۔ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

"میں جانتا ہوں وہ کبھی نہیں کہے گی۔" اسامہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"خلع کا نوٹس منصور نے اس کے سائن کے بغیر بھجوا دیا ہے۔" مسعود علی تیز آواز میں بولے۔

پریشانی میں اضافہ کر رہے ہیں۔"

"پریشانی تو ابھی شروع ہوئی ہے تمہاری۔" مسعود علی نے تلخی سے کہا۔ "جب کورٹ کچہری کے چکر لگنے شروع ہوں گے تو تمہیں دانتوں سے پسینہ آ جائے گا۔" انہوں نے کہا۔

"زینی تو تمہیں طلاق ہی تھی' خود دیتے تو کم از کم عزت ہوتی۔ خاندان میں کہ ہم نے چھوڑا اس کی بیٹیوں کو۔" ان کی آواز بلند ہو گئی۔ "اب وہ ہر ایک کو بتائے گا کہ اس نے کس طرح ہم سے جان چھڑائی۔ ہم اور ہمارا بیٹا تو اس کے پاؤں پڑ رہے تھے کہ نہیں منصور یہ طلاق مت ہونے دو۔ ہمارے بیٹے کو اپنا داماد رہنے دو۔"

"یہ رشتہ آپ کی پسند' آپ کی مرضی سے ہوا تھا۔" اسامہ سے مسعود کا انداز برداشت نہیں ہوا۔ "میں نے گھر سے بھاگ کر اس سے شادی نہیں کی تھی۔" وہ بول رہا تھا۔ "نہ آپ کی منتیں کی تھیں کہ آپ اس لڑکی سے میرا نکاح کریں۔ پھر اس طرح کے طعنے کیوں کر رہے ہیں مجھ پر۔"

"ہم نے رشتہ جوڑا تھا تو ہمیں توڑنے دیتے۔ اتنی طرف داری کیوں کی تم نے اس کی۔" شبانہ نے تیز آواز میں کہا۔ "ماں باپ کو دو کوڑی کا کر دیا اس کے سامنے۔ اب دیکھ لیا صلہ پایا۔"

"تمہارے جیسے لڑکے یہ سمجھتے ہیں کہ ماں باپ تو عقل سے پیدل ہیں' تم لوگ زیادہ ذہین ہو۔ رشتوں اور زمانے کے داؤ پیچوں کو ان سے زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہو۔" مسعود علی کہہ رہے تھے۔ "تمہارا تو چچا تھا' میرا تو بھائی تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کس فطرت کا ہے۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" وہ بولتے جا رہے تھے۔

"جانتا تھا وہ یہی کچھ کرے گا اور اسی طرح کرے گا۔ اسی لیے کہہ رہا تھا کہ طلاق دے دو اس کی بیٹی کو۔ تمہارا رشتہ اس سے کہیں اچھے خاندان میں کر دیتا' مگر تم تو چپکے رہنا چاہتے تھے اس کے ساتھ۔" منصور علی کا دم چھلا بن کر..... کروڑ پتی سسر کے داماد کا ٹھپہ لگوا کر۔ اب بھگتو اپنے لالچ کی سزا۔" مسعود علی نے کہا۔

"میں لعنت بھیجتا ہوں اس کروڑ پتی سسر پر اور اس کی دولت پر۔" اسامہ تلملایا۔

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ اس سے چپکے رہنے کے لیے میں صبغہ کو طلاق نہیں دے رہا تھا۔ اپنے بھائی کی دولت میں آپ کو دلچسپی تھی مجھے نہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" منصور علی دھاڑے۔

"آپ نے دولت کے لیے ہی رشتے جوڑے..... اب وہ پیسہ ملنے کے آثار نہیں رہے تو ایک رشتہ خود توڑ دیا۔ دوسرا رشتہ مجھ سے تڑوانے کی کوشش کی۔ پھر مجھے کیوں لالچی کا خطاب دے رہے ہیں۔" اسامہ اب اشتعال میں آ گیا۔

"میرے کون سے مربعے بھیجن کرنے گیا ہے آپ کا بھائی..... مجھے تو نہیں ملا آپ کو ہی نہیں ملا۔"

چند لمحوں کے لیے مسعود اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ پھر شبانہ نے کہا۔

"تم دونوں کو اب آپس میں لڑنے کی ضرورت نہیں ہے جو ہو گیا' سو ہو گیا۔" انہوں نے جانتے بوجھتے مصالحانہ انداز اختیار کیا۔ "اسامہ! تم ابھی طلاق لکھ کر اسے بھجوا دو تاکہ یہ معاملہ ختم ہو جائے۔ جان چھوڑو اس کی منحوس بیٹی کو۔"

"میں جب تک صبغہ سے بات نہیں کر لیتا' میں اسے طلاق نہیں دے سکتا۔" اسامہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"دیکھا..... دیکھا تم نے اپنے بیٹے کو..... یہ اسے نہیں چھوڑے گا۔ وہی اس کو دھتکاریں گے۔" مسعود علی کو پھر طیش آیا۔

"آخر تم سننا کیا چاہتے ہو صبغہ سے؟" شبانہ کو بھی غصہ آ گیا۔ "یہی کہ وہ تم سے خلع چاہتی ہے۔ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

"میں جانتا ہوں وہ کبھی نہیں کہے گی۔" اسامہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"خلع کا یہ نوٹس منصور نے اس کے سائن کے بغیر بھجوا دیا ہے۔" مسعود علی تیز آواز میں بولے۔

"ہاں ایسا ہی ہوا ہوگا۔" اس بار شاذ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "کاش کہ کسی طرح تمہارے پاس بھی تھوڑی بہت عقل ہوتی۔"

"تاکہ آپ مجھے ساری زندگی ضرورت پڑنے پر کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتے ہوئے میری خرید و فروخت کا کام اپنی مرضی کی قیمت پر کر سکتے۔" اسامہ نے زہریلے انداز میں کہا اور جھپاک سے لاؤنج سے نکل گیا۔

مسعود اور شاذ اس کے جملے پر سلگ گئے۔ "دیکھ لیا تم نے اس کا۔" مسعود نے شاذ سے کہا۔

"یہ سب آپ کا قصور ہے۔ آپ کو ہی شوق تھا اپنے بھائی کے ہاں یہ رشتے کرنے کا۔" شاذ نے مسعود علی کو الزام دیا۔

"مجھے شوق تھا یا تمہیں شوق تھا۔ کس نے مجبور کیا تھا ان رشتوں کے لیے مجھے۔" مسعود علی کو اس بار شاذ پر غصہ آیا۔

"ہاں ہر کام آپ میری مرضی سے ہی کرتے ہیں۔ ساری عمر فرماں بردار ہو کر تو گزاری ہے آپ نے۔" شاذ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"ہاں میں ہی احمق تھا کہ تمہاری خواہش پر اس مصیبت میں پھنس گیا۔ نہ میں تمہاری بات مانتا نہ منصور کے ساتھ کاروبار کا سوچتا۔۔۔ ایسا کام کر رہا ہوتا تو آج میں اور میرے بیٹے اس حالت میں نہ ہوتے۔" مسعود علی نے بھی بدلہ چکایا۔ شاذ لاؤنج سے نکلتے نکلتے واپس پلٹیں۔

اگلا ایک گھنٹہ ان کے درمیان جھگڑے میں گزرا۔ جب کہ اوپر اپنے کمرے میں اسامہ مسلسل صبغہ کے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر صبغہ سے رابطہ کرنے میں ناکام ہونے پر اس نے بالآخر منیزہ کو فون کیا۔

منیزہ کو اس کال پر حیرانی ہوئی تھی۔ وہ امیر کے ساتھ کلینک پر ہی تھیں اور اسامہ نے اس سے پہلے امیر کا حال احوال دریافت کرنے کے لیے فون کیا تھا نہ ہی وہ وہاں آیا تھا۔ مگر اب اچانک اس کی کال آنے پر وہ قدرے تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ اور ان کی یہ تشویش صحیح ثابت ہوئی تھی۔ اسامہ نے کسی تمہید کے بغیر انہیں خلع کے نوٹس کے بارے میں بتا دیا۔ منیزہ دھک سے رہ گئی تھیں۔

"صبغہ دو دن پہلے میرے پاس آئی تھی۔ اس نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا۔" انہوں نے بے اختیار کہا۔

"اس سے آخری بار میری بات ایک ہفتہ پہلے ہوئی تھی۔ اس نے تب مجھ سے بھی ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔" اسامہ نے انہیں بتایا۔

"وہ مجھ سے یہی کہہ رہی تھی کہ وہ طلاق نہیں چاہتی۔" اسامہ کو اس کی گفتگو یاد آ رہی تھی۔ "وہ کچھ کنفیوزڈ اور پریشان ضرور تھی مگر اس نے کسی بھی طرح اس قسم کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ خلع چاہتی ہے۔ وہ ایسا کچھ کہتی تو میں اس کو خلع دے دیتا۔ وکیل کے نوٹس کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔" اسامہ نے کہا۔

"مجھے لگتا ہے یہ نوٹس اس کی لاعلمی میں بھجوایا گیا ہے۔ اس نے ایسا کوئی فیصلہ کیا ہوتا تو وہ مجھے نہیں تو کم از کم آپ کو تو ضرور بتاتی۔"

"دو دن پہلے وہ میرے پاس آئی تو کچھ چپ چپ اور پریشان سی لگ رہی تھی۔" منیزہ کو یاد آیا۔

"میں نے اس سے پوچھا بھی مگر وہ یہ کہہ کر ٹال گئی کہ طبیعت خراب ہے۔ اب پتا نہیں واقعی طبیعت خراب تھی یا پھر یہی بات مجھ سے چھپا رہی تھی۔"

اسامہ کو شاک لگا۔ "آپ کا مطلب ہے یہ نوٹس اس کے علم میں ہے۔ یہ اس نے بھجوایا ہے؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔ میں تو صرف تمہیں بتا رہی ہوں کہ وہ دو دن پہلے پریشان لگ رہی تھی۔" منیزہ نے کہا۔ "ضروری تو نہیں کہ اس کی پریشانی کی وجہ نوٹس ہی ہو۔ اس گھر میں میرے بچوں کے لیے اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔" منیزہ کا دل بھر آیا۔

"آپ مجھے یہ بتا دیں کہ اس وقت میں اس سے رابطہ کیسے کروں؟" اسامہ کو انہیں تسلیاں دینے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے اس وقت اپنی پڑی ہوئی تھی۔

"آپ اس کو فون کریں اور اس سے کہیں کہ وہ پایا تو مجھے فون کرے یا پھر مجھ سے گھر سے باہر آ کر کہیں ملے۔ مجھ سے وہ اس کی بات نہیں کروا رہیں۔ میں نے بہت کوشش کر کے دیکھ لی ہے۔"

"ممی اس کی بھی اب اس سے بات نہیں کر سکتی۔ صبغہ نے گھر فون کرنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ مجبور تھی اس کے پاپا بہت ناراض ہوتے ہیں۔ ملازم بھی ہر وقت فون کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ وہ اب خود فون کر سکتی ہے نہ ہی فون اٹھا سکتی ہے۔ پہلے ایک بار میں نے رومشان سے بات کرنے کے لیے فون کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر انہوں نے میری بات اس سے نہیں کروائی۔ اور فون بند کر دیا۔" منیزہ نے اسامہ کو بتایا۔

"اس نے آپ کو بتایا کہ وہ آپ سے ملنے اب کب آئے گی؟" اسامہ نے کہا۔

"نہیں ۔۔۔ ایسا تو کچھ نہیں کہا۔ مگر ہو سکتا ہے ایک دو روز میں پھر آئے۔ وہ اسی طرح دو تین دن کے بعد چکر لگاتی رہتی ہے۔" منیزہ نے اطلاع دی۔

"وہ آپ کے پاس آئے تو آپ میرا پیغام اسے دیں۔" اسامہ نے کہا۔

"کیا آپ اسی وقت مجھے فون کر کے بلا لیں۔" اسامہ نے کہا۔

"میں تمہیں بلا دوں گی۔ تم فکر مت کرو ۔۔۔۔ اور پلیز تم اسے طلاق مت دینا۔" منیزہ نے کہا۔

"منصور پاگل ہو چکا ہے اس کو نظر ہی نہیں آ رہا کہ وہ کس کس کا گھر تباہ کر رہا ہے۔ مگر تم تو سمجھدار ہو۔ صورت حال کو سمجھ سکتے ہو۔"

"میں جانتا ہوں ۔۔۔ اسی لیے تو آپ سے رابطہ کیا ہے میں نے؟" اسامہ نے مایوسی اور دل شکستگی کے عالم میں کہا۔ اسے منیزہ سے بات کر کے بھی حل نہیں ملا تھا۔ اور وہ ذہنی طور پر اور الجھ گیا تھا۔

"آپ بس خیال رکھیں کہ وہ آپ کے پاس آئے تو آپ اس سے میری بات کروائیں۔" اسامہ نے فون بند کرنے سے پہلے منیزہ کو ایک بار پھر تاکید کی۔

منیزہ نے اسے یقین دلایا کہ وہ یہی کریں گی۔ فون رکھ کر اسامہ اپنے کمرے میں پھر چکر لگانے میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

اسامہ سے بات کرنے کے بعد منیزہ خود بھی بہت پریشان ہو گئی تھیں۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ منصور علی کے گھر میں اس طرح کی صورت حال تھی اور انہیں حیرانی تھی کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود صبغہ نے انہیں کیوں کچھ نہیں بتایا۔ اس نے اسامہ سے خلع کا فیصلہ کیوں کر لیا۔ وہ جانتی تھیں خلع کا یہ فیصلہ منصور علی کے دباؤ کی وجہ سے ہوا ہو گا مگر پھر بھی صبغہ کو منصور علی کی بات نہیں ماننا چاہیے تھی یا کم از کم وہ ان سے مشورہ تو کر سکتی تھی۔

وہ اسی پریشانی میں امبر کے پاس کمرے میں لوٹ آئیں۔

"کس کا فون تھا؟" امبر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ان سے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ منیزہ جواب میں کچھ کہتیں۔ امبر نے کہا۔ "ہارون کا؟"

"نہیں۔" منیزہ نے محسوس کیا جیسے وہ کچھ مایوس ہوئی تھی۔

"آج ہارون نہیں آیا۔ پتہ نہیں کیا بات ہے؟" وہ بڑبڑائی۔ وہ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر گلدان میں لگے ہوئے ان پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو ہارون کمال پچھلی رات لے کر آیا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے سے وہ روز آ رہا تھا۔ امبر کے لیے پھول لاتا۔ کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ کرتا اور چلا جاتا۔ منیزہ کو لگ رہا تھا ہارون کمال کے آنے سے وہ بہتر محسوس کرتی ہے۔ وہ ہارون کمال کی باتوں کا جواب دینے لگی تھی۔ آج وہ ایک ہفتے کے بعد پہلی دفعہ نہیں آیا تھا اور امبر نے اس کی عدم موجودگی کو محسوس کیا تھا۔

منیزہ صوفے پر جا کر بیٹھ گئیں۔ ہارون کمال کی روزانہ آمد کو انہوں نے کوئی معنی پہنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ

انہیں اس کے انداز میں کچھ بھی قابل اعتراض محسوس نہیں ہوا تھا۔ بلکہ انہیں اس کی اس طرح آمد ایک سہارا محسوس ہوئی تھی۔ اگرچہ انہوں نے صبغہ سے ہارون کمال کی آمد کا ذکر نہیں کیا تھا۔ مگر امبر میں آنے والی تبدیلی کو صبغہ نے بھی دو دن پہلے محسوس کیا تھا۔

"امبر بہتر ہو رہی ہے۔" دو روز پہلے جاتے ہوئے اس نے تبصرہ کیا تھا۔

"ہاں بہتر ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ اگر اسی طرح بہتر ہوتی گئی تو ایک دو ہفتے تک اس کو ڈسچارج کر دیں گے۔"

منیزہ نے اسے اطلاع دی۔ مگر انہوں نے تب بھی ہارون کمال کا ذکر نہیں کیا۔ جس نے پچھلے ہفتے ڈاکٹر کے تمام بل کلیئر کر دیے تھے۔ شاید غیر شعوری طور پر انہوں نے دانستہ صبغہ سے یہ بات چھپائی تھی کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ وہ ہارون کمال کی اس امداد کو اتنے آرام سے قبول نہیں کرے گی۔ اور اب وہ سوچ رہی تھیں کہ اس ساری صورت حال کے بارے میں ہارون کمال کو آگاہ کیا جائے۔ وہ منصور علی پر دباؤ ڈال سکتا تھا کہ وہ صبغہ کی خلع کے بارے میں اس طرح کا فیصلہ نہ کرے۔ مگر یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس رات ہارون کمال نہیں آیا۔ اور اگلے دن اس کے آنے سے پہلے صبغہ آ گئی۔

منیزہ اس کو دیکھتے ہی اسے کلینک کے لان میں لے گئیں۔ وہ امبر کے سامنے اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"منصور علی نے اسامہ کو خلع کا نوٹس بھجوایا ہے؟" منیزہ نے چھوٹتے ہی صبغہ سے پوچھا۔

اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یقیناً وہ بے خبر نہیں تھی۔ منیزہ نے اندازہ لگایا۔

"آپ سے کس نے کہا ہے؟" اس نے مدھم آواز میں منیزہ سے پوچھا۔

"اسامہ نے....." صبغہ نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"وہ آیا تھا یہاں؟"

"نہیں اس نے فون کیا تھا کل رات کو۔ وہ کہہ رہا تھا تم نے اسے یہاں کا نمبر دیا تھا۔"

"ہاں میں نے ہی دیا تھا۔ چند ہفتے پہلے۔ وہ امبر کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔" صبغہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"منصور نے تم سے پیپرز پر زبردستی سائن کروائے ہوں گے؟" منیزہ نے تلخی سے پوچھا۔ "میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں اسے۔"

"نہیں ممی..... کوئی زبردستی نہیں ہوئی۔ میں نے خود سائن کیے ہیں۔"

"کیوں کیے ہیں؟" منیزہ نے غصے سے کہا۔

"اگر میں یہ نہ کرتی تو..... تو پاپا ہم سب کو گھر سے نکال دیتے۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "میرے پاس کوئی اور آپشن نہیں تھا۔"

"دیکھا..... میں نے کہا تھا اس نے زبردستی کی ہوگی۔" منیزہ نے کہا۔

"نہیں ممی انہوں نے زبردستی نہیں کی۔ انہوں نے بس چوائس مجھے ایسی دی تھی کہ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔"

"اور تم..... تم ڈر گئیں۔ تم نے فوراً سائن کر دیے۔"

"آپ کا خیال ہے کہ میں سائن نہ کرتی تو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ ہمیں گھر سے نہ نکالتے۔"

"نکال دیتے تو..... کیا ہو جاتا۔ تم میرے پاس آ جاتیں۔"

"آپ کے پاس کہاں..... آپ کے بھائی کے گھر.....؟" صبغہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"وہ صرف میرے بھائی کا گھر نہیں ہے میرا گھر بھی ہے۔ کتنی بار بتاؤں تمہیں۔"

"گھر اس کا ہوتا ہے جس کے نام ہوتا ہے اور وہ ان کے نام ہے۔ میں آپ کے لیے مزید مسائل پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی۔"

"اس لیے تم نے اپنے لیے مسائل پیدا کر لیے۔"

صبغہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "کچھ نہیں ہوگا۔ طلاق سے کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔ امبر کو بھی تو ہوئی ہے۔"
"اس کی حالت دیکھ رہی ہو تم؟"
"میرے ساتھ وہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ میں تو خود طلاق لے رہی ہوں۔"
"میرے ساتھ ---- اس بے چارے نے کتنا ساتھ دیا تمہارا۔"
"اسامہ کا کیا ہوگا تم نے سوچا ---- اس کو کیا فرق پڑے گا۔ کوئی اور مل جائے گی اسے۔"
"کچھ نہیں ہوگا ---- اس کو کیا فرق پڑے گا۔ کوئی اور مل جائے گی اسے۔"
"اور تم ---- تمہیں ----" منیزہ بات کرتے کرتے رک گئیں۔
"مجھے بھی کوئی اور مل جائے گا۔ اسامہ دنیا کا واحد آدمی تو نہیں ہے۔"
"مگر تم اور اسامہ تو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔"
"میں اپنی محبت کے لیے اپنے بھائی بہنوں کو سڑک پر لا کر نہیں بٹھا سکتی۔" صبغہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔
"تم بھی بیوقوف ہو۔ تم یہ سب کر دو گی تو منصور تمہیں گھر سے نہیں نکالے گا، بھول ہے یہ تمہاری۔ وہ تمہیں بھی گھر سے نکال دے گا۔ اس کے نزدیک کسی رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"
"ممی! جب وہ وقت آئے گا تب دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔"
"اسامہ تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"
"بات کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ آپ اسے سمجھا دیں۔"
"وہ چاہتا ہے، تم یہاں آؤ تو میں اسے بھی بلوا لوں۔"
"نہیں ممی! آپ ایسا مت کریں۔ میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔" صبغہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"صبغہ ایک بار پھر سوچ لو۔"
"ممی اب سوچنے کا وقت گزر چکا ہے۔" وہ افسردگی سے مسکرائی۔
"میں طلاق یافتہ ہوں۔ اس لیے جانتی ہوں کہ طلاق کا زخم کیا ہوتا ہے۔ یہ جو لوگ ہوتے ہیں نا، مار دیتے ہیں اپنی زبان سے۔ جینے نہیں دیتے۔"
"جینا چاہتا بھی کون ہے ---- میں ---- ؟ امبر ---- ؟ باقی سب ---- ؟ کوئی جینا نہیں چاہتا۔ بس اب جیسے گزرتی ہے اسے گزار دیں۔ زبان کے کانٹوں سے میں نہیں ڈرتی۔ آپ بھی مت ڈریں۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
"تم کتنی بدل گئی ہو صبغہ! تم ایسی تو کبھی نہیں تھیں۔ اتنی بڑی کیسے ہو گئیں؟"
منیزہ نے نم آلود آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس کا دل چاہا وہ رو دے۔
"میں بڑی نہیں، بوڑھی ہو گئی ہوں۔"
"وقت سب سکھا دیتا ہے ممی!" صبغہ کی آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔
"وہ بھی جو ہم سیکھنا چاہتے ہیں اور وہ بھی جس سے ہم بھاگتے ہیں۔ ہر چیز سکھا دیتا ہے۔ خدا حافظ۔" وہ پلٹ گئی۔
"میں اسامہ سے کیا کہوں؟" منیزہ نے اسے آواز دی۔
"اس سے کہیں وہ مجھے معاف کر دے اور طلاق بھجوا دے۔ میں نہیں چاہتی یہ معاملہ لمبا ہو۔"
اس نے پلٹے بغیر منیزہ سے کہا۔ اور پھر لان کراس کرتی کلینک کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ منیزہ اسے جاتا دیکھتی رہیں۔ آنسوؤں کی حقیقتیں بھی جو آشکار تھیں اور کیا کچھ تھا جو رہ گیا تھا۔ بے اختیار اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے انہوں نے سوچا۔
"میں نے شاید بہت غلط کام کیے ہوں گے۔ مگر میری اولاد نے تو کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔ پھر انہیں کس چیز کی سزا مل رہی ہے۔" وہ گلوگیر ہو گئیں۔
"وہ تم سے ملنا نہیں چاہتی۔" اسامہ نے شام کو ایک بار پھر فون کیا تھا۔ وہ صبغہ کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ منیزہ نے

اسے صبغہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا۔

"یہ سب اس نے آپ سے کہا؟" اسامہ کو یقین نہیں آیا۔

"ہاں۔۔۔!"

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب وہ آئے تو آپ مجھے بلائیں۔ پھر بھی آپ نے مجھے نہیں بلایا۔" اسامہ نے کہا۔

"صبغہ نے مجھے منع کیا تھا۔ وہ تم سے ملنا نہیں چاہتی۔"

"وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے یا نہیں۔۔۔ میں نہیں جانتا۔ آپ اس سے ہر قیمت پر میری ملاقات کروائیں۔" اسامہ مشتعل ہو گیا۔ "وہ آخر میرے ساتھ کرنا کیا چاہتی ہے۔ مجھ سے کچھ کہتی ہے۔ کرتی کچھ ہے۔"

"وہ چاہتی ہے تم اسے طلاق دے دو۔"

"نہیں میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔" اسامہ نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "پہلے وہ مجھ سے بات کرے۔۔۔ میرے سامنے آئے۔۔۔"

"اسامہ! میں اس سے تمہاری بات نہیں کروا سکتی۔ تم میری پوزیشن جانتے ہو۔ میں اس گھر میں نہیں رہتی۔" منیزہ نے قدرے بے بسی سے کہا۔

"جانتا ہوں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔ اس گھر کا راستہ آتا ہے مجھے۔ جا سکتا ہوں میں وہاں۔" اسامہ نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

"اسامہ صاحب آئے ہیں آپ سے ملنا چاہ رہے ہیں۔" ملازم کی اطلاع نے صبغہ کے پیروں تلے سے زمین غائب کر دی تھی۔

"اسامہ آیا ہے؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"جی۔۔۔ لیکن صبغہ بی بی! منصور صاحب نے منع کیا ہے کہ نہ تو فون پر آپ سے ان کی بات کروائی جائے۔ اور نہ ہی انہیں آپ سے ملنے دیا جائے۔" ملازم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"چوکیدار نے ان کو اندر آنے دیا اور میں انہیں باہر نہیں نکال سکا۔ کیونکہ وہ اتنے عرصے سے یہاں آ رہے ہیں۔" ملازم نے اپنی مجبوری بتاتے ہوئے کہا۔

صبغہ کچھ نہ سمجھ آنے والے انداز میں ملازم کا منہ دیکھے جا رہی تھی۔

"اور پھر وہ اتنا اصرار کر رہے تھے کہ میں آپ تک ان کا پیغام پہنچانے پر مجبور ہو گیا۔ آپ سمجھیں میں نے اپنی نوکری داؤ پر لگا دی ہے۔ اب آپ جا کر ان سے بات کریں۔ اور انہیں سمجھا دیں کہ وہ دوبارہ یہاں نہ آئیں۔"

"تم جاؤ میں آتی ہوں۔" صبغہ نے ملازم سے کہا۔ ملازم کمرے سے نکل گیا۔ صبغہ نے اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اسامہ اس طرح کچھ سوچے سمجھے بغیر وہاں آ جائے گا۔ شاید وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ گھر کے اندر آنے میں کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو گا۔ مگر جو ہوا تھا وہ اس کی امیدوں کے برعکس ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر یہ سوچنے میں مصروف رہی کہ وہ اسامہ سے جا کر کیا کہے گی۔ مگر اس کے ذہن میں آنے والی ہر آواز بے کار لگ رہی تھی۔ وہ کچھ دیر وہیں بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر نیچے چلی آئی۔

اسامہ نیچے لاؤنج میں تھا اور اس کے چہرے پر ویسے ہی تاثرات تھے جیسا وہ توقع کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"اسامہ پلیز! آپ یہاں سے چلے جائیں۔" صبغہ نے اس سے نظر ملائے بغیر کہا۔

"کیوں چلا جاؤں؟ میں تم سے ملنے آیا ہوں۔" وہ تیز آواز میں بولا۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ لیکن پاپا کو پتا چل گیا تو۔۔۔"

اسامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں تمہارے پاپا سمیت کسی سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ پتا چلتا ہے تو چلے...... میں یہی چاہتا ہوں کہ ایسا ہو۔"

"میں آپ کو فون کروں گی آپ اس وقت یہاں سے چلے جائیں۔"

اس بار صبغہ کی آواز میں لجاجت تھی۔ اسامہ کے انداز سے وہ جان گئی تھی کہ وہ آج وہاں سے نہ جانے کے لیے آیا ہے۔

"میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا صبغہ! جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے اس کے بعد تو مجھے کبھی بھی تمہاری بات پر یقین نہیں آئے گا۔" اسامہ نے اسی انداز میں کہا۔

"پلیز! آپ اس وقت یہاں سے چلے جائیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ سے فون پر بات کروں گی۔"

"نہیں میں تم سے فون پر بات نہیں کرنا چاہتا۔ تم سے جو بات بھی ہو گی آمنے سامنے ہو گی۔ اور بہتر ہے یہیں ہو۔ تمہارے باپ کے گھر پہ۔ مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔" اسامہ نے اکھڑ انداز میں کہا۔

"پلیز اسامہ! میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ یہاں سے چلے جائیں۔ پاپا آ گئے تو وہ ہم سب کو گھر سے نکال دیں گے۔ انہوں نے منع کیا ہوا ہے مجھے آپ سے ملنے سے۔"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں تمہارے پاپا سے خوفزدہ نہیں ہوں مجھے قطعاً کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کیا نہیں۔"

اسامہ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ "میں آپ سے یہاں کوئی بات نہیں کر سکتی۔ اگر آپ یہاں سے نہیں جاتے تو میں چلی جاتی ہوں۔"

وہ یکدم واپس مڑ گئی۔ اسامہ تیزی سے اس کے پیچھے آیا۔

"مجھ سے بات کیے بغیر تم یہاں سے نہیں جا سکتیں۔" اس نے صبغہ کا بازو پکڑ کر اسے روکا۔

"اور میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں یہاں آپ سے بات نہیں کر سکتی۔" صبغہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

اسامہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ "کہاں ملو گی مجھے؟" اس نے غراتے ہوئے جیسے ہتھیار ڈالے۔

"میں فون پر آپ کو بتا دوں گی۔" صبغہ نے کہا۔

"اور اگر تم نے فون نہ کیا تو میں دوبارہ یہاں آ جاؤں گا۔" اسامہ نے اسے دھمکی دی۔

"مجھے اگر ہر روز کو بھی آنا پڑا تو بھی میں آ جاؤں گا۔"

صبغہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔

"اور میں تمہارے پاپا سے کہوں گا کہ تم نے مجھے بلایا تھا۔"

"میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے تو میں آپ کو فون کروں گی۔ ملوں گی بھی آپ سے۔ پھر آپ مجھے دھمکیاں کیوں دے رہے ہیں۔" صبغہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"کیونکہ تم...... صبغہ تم میرے ساتھ جو کچھ کر رہی ہو اچھا نہیں کر رہیں۔ مجھے دھوکا دے رہی ہو۔" اسامہ اس بار قدرے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ صبغہ نے جواب دینے کے بجائے لاؤنج سے نکلنے کے لیے قدم بڑھا دیے۔ اسامہ اس بار اس کے پیچھے نہیں آیا۔

صبغہ بھوٹ بھوٹ کر رونے لگی۔ زندگی کے بڑے بڑے فیصلے خود کرنا کتنا مشکل کام تھا اور یہ بڑے فیصلے اگر بہت جلدی کرنے پڑ جائیں تو پھر ایک ایسی ذہنی کیفیت کا شکار ہونا ہے۔ جس کا شکار وہ ہو رہی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا۔ تم یہ فیصلہ مت کرو۔" اسے پتا نہیں چلا اور رومشان کب کمرے میں آ گیا تھا۔ مگر اس کی آواز سنائی دیتے ہی وہ یکدم چونک اٹھی۔ اس نے جلدی سے اپنا چہرہ رگڑ کر آنسو صاف کیے۔

"اسامہ چلا گیا؟" آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے روشان سے پوچھا۔

"چلے گئے ہیں۔" وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ "چھوڑو اس گھر کو اور ہم سب کو ۔۔۔ کسی کی پروا مت کرو۔ تم اسامہ بھائی کے ساتھ جاؤ۔" روشان نے اسے بہت سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"میں نہیں جا سکتی۔" وہ اب اپنا چہرہ صاف کر چکی تھی۔

"بے وقوفی کر رہی ہو تم۔" روشان نے کہا۔

"تم جو چاہے کہو مگر میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ میں اس سے خلع لے لوں گی۔"

"اور کل کو پاپا نے اگر تمہیں کسی ایسی ویسی جگہ شادی کرنے کے لیے کہا تو ۔۔۔؟" روشان بولا۔

"وہ بھی کر لوں گی۔"

"تم واقعی بے وقوف ہو۔" روشان بے اختیار بولا۔

"میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے روشان؟" صبغہ نے اس سے پوچھا۔

"اس وقت میری بات نہیں ہو رہی۔" روشان نے کہا۔

"ہو رہی ہے ۔۔۔ میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟" اس نے کچھ ناراضی سے پوچھا۔

"میں تمہاری جگہ نہیں ہوں صبغہ ۔۔۔ اس لیے میں تو اس بارے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔" روشان نے سنجیدگی سے کہا۔

"میری جگہ اگر تم ہوتے تو تم بھی وہی کرتے جو میں نے کیا ہے۔" صبغہ نے پورے یقین سے کہا۔

روشان اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر بولا۔ "ضروری نہیں ہے۔"

"کیا ضروری نہیں ہے؟" صبغہ نے بے یقینی سے کہا۔

"کہ میں تمہارے جیسا فیصلہ کرتا۔" اس کی آواز اس بار مدھم تھی۔

"تم صرف اپنی پروا کرتے۔ یہی نہیں؟" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"ہاں میں ایسا ہی کرتا ۔۔۔" روشان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ ناممکن ہے تم اتنے بے حس نہیں ہو سکتے۔" صبغہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"وقت وقت کی بات ہوتی ہے صبغہ!"

"تم اگر سمجھ رہے ہو روشان کہ تمہاری ایسی باتوں سے میں اپنا فیصلہ واپس لے لوں گی تو تم غلط سمجھ رہے ہو۔" اس بار روشان خاموش بیٹھا رہا۔

"تم اسامہ کو فون کرو۔ اس سے کہنا کہ وہ پرسوں امبر کے کلینک پر سہ پہر میں آ جائے۔ میں وہاں اس سے ملوں گی۔"

"تم اس سے کیا کہو گی؟" روشان نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"کہہ دوں گی کچھ نہ کچھ۔"

روشان مزید کچھ پوچھنے کے بجائے بیڈ پر لیٹ گیا۔

"بعض دفعہ مجھے لگتا ہے صبغہ! یہ سب ایک nightmare (بھیانک خواب) ہے۔" صبغہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ چھت کو گھور رہا تھا۔

"مجھے بھی یونہی لگتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہی لگتا ہے۔" صبغہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"گھر اتنی جلدی ٹوٹ سکتے ہیں؟" وہ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے چت لیٹے اس سے پوچھ رہا تھا۔ صبغہ کا دل بھر آیا۔

"ابھی بھی اس سوال کے جواب کی ضرورت ہے تمہیں؟"

"ہاں!" اس نے صبغہ کی طرف دیکھا۔ "تم کہو ۔۔۔ نہیں گھر کبھی اتنی جلدی نہیں ٹوٹ سکتے۔" روشان کے لہجے میں

رہ گئی۔

صبغہ نے منہ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ "بہت سارے لوگوں کے گھر ٹوٹ جاتے ہیں۔" روشان کے لہجے میں رنجیدگی تھی۔

"پھر—؟" روشان نے عجیب سوال کیا۔

"پھر— کچھ نہیں—" سارے لفظ یک دم جیسے اس کے ذہن سے غائب ہو گئے تھے۔ پھر کے بعد آگے کیا جواب دیا جا سکتا تھا۔ یہ کوئی بات نہیں— وقت گزرتا رہتا ہے۔ زندگی رکتی نہیں۔ خواہشیں بھی نہیں مرتیں۔ خواب بھی فنا نہیں ہوتے۔ سب کچھ ویسا ہی رہتا ہے بس گھر نہیں رہتا۔ اور اس کے ساتھ انسان بھی بدل جاتا ہے۔ جیسے وہ سب بدل گئے تھے۔ جیسے امبر بدل گئی تھی۔ یا حمزہ اور وہ—

"سب آخر ہمارے ساتھ ہی کیوں ہوا صبغہ—؟ ہمارے ساتھ کیوں— اتنے سارے لوگ ہیں دنیا میں— کسی اور کے ساتھ یہ سب کیوں نہیں ہو جاتا—" روشان بے چینی کے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہم نے ایسا کیا کیا تھا کہ یہ سب کچھ صرف ہمارے ساتھ ہوا؟" وہ ایک بار پھر وہی سوال کر رہا تھا۔ جو وہ پچھلے کئی ماہ میں درجنوں بار اس سے کر چکا تھا۔

"ابھی میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ جب جواب آئے گا تو میں تمہیں بتا دوں گی۔" اسے خود نہیں معلوم تھا اس نے روشان سے یہ کیوں کہا۔

روشان نے مزید کچھ نہیں کہا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر اس کے پاس سے چلا گیا۔ صبغہ نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ذہن میں ایک بار پھر اسامہ کا سامنا کر رہی تھی۔

☆☆☆

"منصور علی جیسے خود غرض آدمی کے لیے تم اپنی اور میری زندگی کو داؤ پر لگا رہی ہو۔" اسامہ تلخ انداز میں کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں لاؤنج میں موجود تھے۔ اسامہ اس سے بہت دیر پہلے وہاں آیا تھا۔ جب کہ وہ دس منٹ پہلے ہی وہاں پہنچی تھی۔ اور اب وہاں میں ایک بینچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پچھلے دس منٹ سے اسامہ ہی بول رہا تھا۔ وہ صرف سن رہی تھی۔

"تمہیں اس چیز پر سائن کرتے ہوئے ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا۔ میں نے کتنی بڑی قربانی دی ہے تمہارے لیے —اور تم— تم نے مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے چند منٹ بھی نہیں لگائے۔" اس نے تاسف سے کہا۔

"تمہاری نظروں میں میری یا اس رشتہ کی یہ اہمیت تھی؟ میں سمجھتا رہا کہ تم— تم— ہر قیمت پر میرا ساتھ دو گی۔ لیکن تم —تم— اس قدر کمزور اور اتنی بزدل ثابت ہوئیں۔"

وہ چپ چاپ اسامہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تمہارا باپ سمجھتا ہے کہ وہ اس طرح مجھ سے بڑی آسانی سے پیچھا چھڑا لے گا۔ نہیں— میں اس بار اس کو خرچہ دکھا دوں گا۔ آنے دو تم اس کو کورٹ میں— دیکھنا کیا حشر ہوگا اس مقدمے کا۔ کئی سال لگ جائیں گے۔ مگر میں فیصلہ نہیں ہونے دوں گا۔ بتا دینا اسے— اس مقدمے کو لٹکا دوں گا۔"

"کئی سال لگ جائیں گے—"

صبغہ نے کہا۔ "اس کے بعد کیا ہوگا— جب بھی مقدمے کا فیصلہ ہوگا پاپا جیت جائیں گے۔ یہ آپ جانتے ہیں؟"

"تم اگر میرا ساتھ دو—" صبغہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کورٹ میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گی۔ میں آپ سے وعدہ کر بھی لوں تو بھی آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گی۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں قابل اعتبار نہیں ہوں۔"

"تم نے خود اپنے آپ کو ناقابل اعتبار بنایا ہے۔"

"نہیں حالات نے مجھے ناقابل اعتبار بنا دیا ہے۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"آپ اس معاملے کو ختم کر دیں۔ مجھے طلاق دے دیں۔"

"تمہارے منہ میں منصور کی زبان ہے۔ اس آدمی نے بڑی برین واشنگ کی ہے تمہاری۔"

"آپ یہی سمجھ لیں۔۔۔۔ اسی لیے۔۔۔۔ آپ سے کہہ رہی ہوں کہ اس معاملے کو ختم کر دیں۔"

"اتنے سالوں سے میرے نکاح میں ہو۔ تمہارے دل میں ذرہ برابر میرے لیے محبت نہیں ہے؟" اسامہ کو اس کی بات پر تکلیف ہوئی۔

"مجھے دیکھو میں تمہارے لیے اپنے گھر والوں سے بے عزت ہوتا پھر رہا ہوں۔ اور تم۔۔۔۔ تمہیں پروا ہی نہیں ہے میری۔ تم سے تو امبر بہتر ہے۔ وہ ایک ایسے آدمی کے لیے پاگل ہو رہی ہے جس نے اسے چھوڑنے میں دو منٹ کا تامل نہیں کیا۔ اور تم۔۔۔۔ تمہارے اندر تو میرے لیے کوئی فیلنگز ہی نہیں ہیں صبغہ!"

"آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کلینک کے ایک کمرے میں امبر کی طرح ہوش و حواس سے عاری ہو کر آ پڑوں تاکہ آپ کو یقین آ جائے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔"

"آپ مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں؟"

اسامہ نے بات کاٹ دی۔ "دعویٰ۔۔۔؟ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"اور آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کیلئے گھر چھوڑ کر آ جاؤں۔" صبغہ نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میں آ جاتی ہوں مگر میرے ساتھ روشان، زارا اور رابعہ بھی ہوں گے۔ رکھیں گے انہیں؟"

"ان کو کیوں رکھوں میں، ان سے میرا کیا تعلق ہے۔"

"صرف میرے بہن بھائی تو نہیں ہیں وہ۔۔۔۔ آپ سے ان کا خونی رشتہ بھی ہے۔ آپ ان کے کزن ہیں۔"

"مگر وہ میری ذمہ داری نہیں ہیں، تم میری ذمہ داری ہو۔"

"وہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہیں مگر میری ذمہ داری تو ہیں۔ جیسے آپ کو مجھ سے محبت ہے، ویسے ہی مجھے ان سے محبت ہے۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ اپنی محبت کے لیے قربانی نہیں دے سکتے، میں دے سکتی ہوں۔"

"صبغہ! تم۔۔۔۔" اسامہ کا لہجہ اب کمزور تھا۔

صبغہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اسامہ! میں آپ کے سامنے چوائس رکھ رہی ہوں۔ آپ وہ چوائس کر رہے ہیں جس کا نتیجہ میری اور آپ کی علیحدگی ہی ہے پھر آپ صرف مجھے الزام کیوں دے رہے ہیں۔"

"میرے پاس ابھی کوئی وسائل نہیں کہ میں تمہاری فیملی کو سپورٹ کر سکوں۔" اسامہ نے کہا۔

"آپ کی کون سی سپورٹ چاہیے انہیں۔ ہاں۔۔۔۔؟ انہیں ہم آپ پر بوجھ تو کبھی نہیں بنیں گے۔ میں نے آپ سے یہ نہیں کہا کہ آپ میری فیملی کو "پالنا" شروع کر دیں۔ آپ کہتے ہیں میں اپنا گھر چھوڑ کر آپ کے ساتھ چلی جاؤں تو آپ مجھے کہاں رکھیں گے۔ کوئی ذاتی گھر تو ہوگا۔ اس گھر کی چھت کے نیچے کیا کچھ عرصے کے لیے میرے بھائی بہنوں کے لیے جگہ نہیں نکل سکتی۔ آپ سے اس سے زیادہ سہارا تو نہیں چاہیے۔ اس کے علاوہ اور کچھ مت دیں، صرف اتنا۔"

اسامہ خاموش رہا۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

"میں نے طلاق کی بات کر کے کوئی غلطی نہیں کی، صرف آپ کو اور اپنے آپ کو آزمائش سے بچایا ہے۔ خدا حافظ۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اسامہ نے کچھ نہیں کہا۔

کلینک کے گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس کا پورا وجود سراپا سماعت تھا۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ اب۔۔۔۔ شاید اب اسے آواز دے گا۔۔۔۔ اب۔۔۔۔ شاید اب۔۔۔۔

وہ گیٹ کی طرف ہر قدم بڑھاتے ہوئے سوچتی رہی۔

کیا ہوا ---- کوئی حرج ---- کچھ ---- مگر وہ رک گئے ---- اب ---- اب ---- اب ----
اس نے آنکھیں بند کر کے گیٹ کراس کیا پھر سڑک کی دوسری طرف پہنچ کر آنکھیں کھول دیں۔ شام ہو رہی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ ہوا سے اس کے تراشیدہ بال اڑ رہے تھے۔ کلینک کے باہر اسامہ کی گاڑی کھڑی تھی اور اس گاڑی سے ان دونوں کی بہت ساری یادیں وابستہ تھیں۔ اس نے سڑک پار کرنے سے پہلے ایک بار اس گاڑی کو دیکھا۔ بہت نرمی سے اس کے ہونٹ کو بھینچ کر مسکرائی۔ سڑک پار کرنے میں اسے چند سیکنڈز لگے تھے۔ ہر چیز میں بس سیکنڈز ہی لگتے ہیں۔

☆☆☆

وہ شام کو چھ بجے گھر پہنچی۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک گئی۔ منصور کی گاڑی پورچ میں کھڑی تھی۔ وہ اس وقت گھر نہیں ہوتے تھے مگر اس وقت موجود تھے۔ رخشی کے نام کیے ہوئے گھر میں اب صالحہ شفٹ ہو چکی تھی اور بیٹے کی پیدائش کے بعد وہ چند دنوں سے صالحہ کے پاس ہی تھی۔ منصور خود بھی وہیں رہ رہے تھے اور آج کل گھر نہیں آ رہے تھے مگر اس وقت وہ گھر پر موجود تھے۔

اپنے چہرے کے تاثرات کو نارمل رکھتے ہوئے وہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔ منصور سامنے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ صبغہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اسے ان کا چہرہ پڑھنا آ گیا تھا اور وہ اس وقت ان کے چہرے کو پڑھ رہی تھی۔ ان کی آنکھیں صبغہ پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کے ماتھے پر سلوٹیں تھیں۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے صوفے پر بیٹھے تھے اور انہوں نے صبغہ کو اندر آتے ہوئے دیکھ کر بھی اٹھنے یا کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس پر نظریں جمائے اسے اندر آتا دیکھتے رہے۔ صبغہ ان سے نظریں چرا گئی۔ کچھ اندر آنے پر اس نے منصور کو سلام کیا۔

"تم کہاں سے آ رہی ہو؟" انہوں نے اس کا جواب دینے کے بجائے اس سے پوچھا۔

وہ رک گئی۔ صوفے کی پشت پر اپنے ہاتھ رکھ کر اس نے ان کی کپکپاہٹ روکنے کی کوشش کی۔

"میں مارکیٹ گئی تھی کچھ چیزیں لینے کے لیے۔" صبغہ نے کہا پھر کہنے کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا وہ خالی ہاتھ تھی۔

"کہاں ہیں وہ چیزیں؟" ان کی آواز میں خشکی تھی۔

"میں کچھ لینے گئی تھی۔" صبغہ نے فق ہوتی ہوئی رنگت کے ساتھ کہا۔

"پسند نہیں آئے اس لیے واپس آ گئی۔"

"اور یہ کلینک ---" وہ اب اسے اس کلینک کا ایڈریس بتا رہے تھے جہاں پر امبر ایڈمٹ تھی۔ صبغہ کا حلق خشک ہو گیا۔ منصور اب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"پاپا! میری بات تو سنیں۔" اس نے منصور کو کھڑے ہوتے دیکھ کر کہا۔

"مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ تم امبر اور اس کی ماں سے ملو گی تو میں تمہیں اس گھر سے نکال دوں گا۔"

"پلیز پاپا ---" وہ گڑگڑائی۔ منصور نے بات جاری رکھی۔

"اور تم صرف ان دونوں سے نہیں بلکہ اس کمینے سے بھی مل کر آئی ہو۔" وہ چلا نہیں رہے تھے صرف بلند آواز میں بول رہے تھے۔

"میں اس سے ہمیشہ کے لیے ہر تعلق توڑ کر آئی ہوں، میں صرف اس لیے وہاں گئی تھی۔" صبغہ نے بے اختیار کہا۔

"تم جس کام کے لیے بھی گئی تھیں، کیوں گئی تھیں؟ میری آنکھوں میں دھول جھونک کر ---- نہیں ---- صبغہ تم ابھی اور اسی وقت اپنا سامان اٹھاؤ اور اس گھر سے چلی جاؤ۔"

"پاپا پلیز ---- پلیز میری بات سنیں۔" وہ ایک بار پھر گڑگڑائی۔

"میں تمہارے ساتھ وہ نہیں کرنا چاہتا جو میں نے امبر اور اس کی ماں کے ساتھ کیا۔ رودابہ جاؤ جو چاہے کرو مگر یہاں سے چلی جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت۔" منصور علی نے دوٹوک انداز میں کہا۔

وہ کپکپاتے ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹتی انہیں دیکھتی رہی۔ وہ اب اس کے بالکل سامنے کھڑے تھے۔

"ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں مگر رابعہ اور زارا کیوں ——— انہوں نے تو کچھ نہیں کیا۔" اس نے بالآخر کہا۔

"گھر میں انہیں بھی نہیں رکھوں گا۔ وہ بھی اپنا سامان پیک کر رہی ہیں، تم بھی کرو اور چلی جاؤ۔"

"اگر رابعہ اور زارا میرے ساتھ جائیں گی تو پھر روشان بھی جائے گا۔ وہ بھی یہاں نہیں رہے گا۔" اسے یقین تھا منصور علی اس کی اس بات پر چپ ہو جائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ وہ روشان کو نہیں لے جا سکتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا انہوں نے بڑے اطمینان سے ہاتھ جھٹکا اور سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "روشان کو لے جانا چاہتی ہو تو لے جاؤ۔ مجھے اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

اور پھر انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے بلند آواز میں روشان کو پکارا۔ "روشان ——— روشان ———"

وہ چند لمحوں میں سیڑھیوں میں نمودار ہوا۔

"یہ تینوں اس گھر سے جا رہی ہیں۔ تم اگر جانا چاہتے ہو تو تم بھی چلے جاؤ ——— اور دوبارہ کبھی اس گھر میں مت آنا۔"

روشان ریلنگ پکڑے گم صم سیڑھیوں پر کھڑا رہا۔ صبغہ نے منصور کو دیکھا۔

"ہم نہیں آئیں گے ——— کبھی نہیں آئیں گے۔" وہ تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف گئی اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"آؤ روشان! سامان پیک کریں۔" روشان کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

روشان نے بازو چھڑا لیا۔ صبغہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے رک گئی۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ وہیں کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ نیچے لاؤنج میں کھڑے منصور کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" صبغہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے صبغہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تو پھر آؤ ——— آ کیوں نہیں رہے؟" صبغہ نے دوبارہ اس کا بازو تھاما۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا صبغہ!" اس نے جیسے صبغہ کے کانوں میں سیسہ انڈیل دیا تھا۔ صبغہ نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑوا رہا تھا۔

"میں یہیں رہوں گا، تم لوگ چلے جاؤ۔" وہ کہتے ہوئے رکے بغیر بھاگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

صبغہ پتھر کے بت کی طرح وہیں کھڑی رہی۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا رنگ فق تھا۔ روشان غائب ہو چکا تھا۔ صبغہ نے پلٹ کر نیچے لاؤنج میں دیکھا۔ منصور کمر پر دونوں ہاتھ رکھے فاتحانہ انداز میں کھڑے تھے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ایک لمحے کے لیے زمین جیسے اسے اپنے پیروں کے نیچے سے نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ ریلنگ پر ہاتھ رکھ کر اس نے خود کو سہارا دیا۔

"تم نے دیکھ لیا۔ روشان تم لوگوں کے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔ وہ اسی گھر میں رہنا چاہتا ہے۔"

منصور علی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ صبغہ اس قدر صدمے کی حالت میں تھی کہ وہ منصور علی کی بات پر کسی رد عمل کا اظہار بھی نہیں کر سکی۔ دم سادھے صرف انہیں دیکھتی رہی۔

"ان دونوں کو ساتھ لو اور یہاں سے چلی جاؤ۔ ڈرائیور تم تینوں کو تمہاری ماں کے پاس چھوڑ آئے گا۔"

صبغہ نے سر اٹھا کر ایک بار پھر روشان کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا پھر وہ غائب دماغی کے عالم میں سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

رابعہ اور زارا کے کمرے کا دروازہ کھولنے پر اس نے انہیں بندھے سامان کے ساتھ متوحش پایا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر اس کی طرف آ گئیں۔ صبغہ نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"تم دونوں نے اپنا سامان پیک کر لیا ہے؟" اس نے اپنی آواز کی کپکپاہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"پاپا ہمیں کیوں نکال رہے ہیں؟ ہم نے کیا کیا ہے؟" زارا نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے روہانسی آواز میں پوچھا۔
"یہ سوال جواب ہم بعد میں کریں گے۔" صبغہ نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "ابھی تم لوگ اپنا سامان پیک کرو۔"
"ہم نے کر لیا ہے۔" رابعہ نے کہا۔ وہ صبغہ کے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی۔
"ہم دوبارہ یہاں کبھی نہیں آ سکیں گے نہ ہی کوئی چیز منگوا سکیں گے اس لیے اپنی تمام چیزیں ساتھ لے چلو۔" صبغہ نے انہیں ہدایت دی۔ "میں ابھی دس منٹ میں اپنا سامان پیک کر لیتی ہوں پھر تم لوگوں کے پاس آتی ہوں۔" وہ مڑ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

اپنے کمرے میں سوٹ کیس کھول کر وہ بہت دیر تک بے مقصد اس کے پاس کھڑی رہی۔ وہ اس کی زندگی کا ایک اور بھیانک دن تھا۔ کچھ چیزوں کو اس نے اپنے ہاتھ سے کھویا تھا۔ باقی چیزیں اس سے چھین لی گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے روشان کا چہرہ بار بار آ رہا تھا۔ وہ اپنے انکل کے گھر جانے پر ان کے تاثرات کو بھی کھڑے کھڑے دیکھ سکتی تھی۔ وہ بغیر کسی ایک بار بھی ابھر کر دیکھ سکتی تھی اور پھر چہروں کی ایک لمبی قطار تھی جو اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی تھی۔ اس نے زندگی میں کسی طرح گیم نہیں کھیلی تھی۔ اسے صرف آسان اور سادہ کھیل میں دلچسپی تھی اور اسے قسمت نے شطرنج کی بساط پر بٹھا دیا تھا جہاں اس کے سامنے کھڑا ہر مہرہ اسے پیٹنے کے لیے تیار تھا۔ اسے صرف قدم بڑھانا تھا۔ صرف ایک چال چلنی تھی اور ہر چال کا انجام اسے پہلے ہی نظر آ رہا تھا۔ مات ہر خانے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔
زندگی میں پہلی بار وہ مکمل شکست کے گھپ اندھیرے میں جا کھڑی ہوئی تھی اور پہلی بار اسے اپنی حالت پر رونا نہیں آ رہا تھا۔ وہ کس کس بات پر آنسو بہا سکتی تھی اور کب تک۔
کچھ دیر وارڈ روب کے پٹ پر ہاتھ رکھے وہ کچھ دیر پہلے کی کیفیت کو سر سے جھٹکنے کی کوشش کرتی رہی پھر اس نے وارڈ روب سے اپنا سامان نکالنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے پاس موجود تمام قیمتی چیزیں نکال رہی تھی۔ زیورات، نقدی، پرائز بانڈز، سرٹیفکیٹس، گھڑیاں، کپڑے۔ اس نے بہت کم کپڑے بیگ میں رکھے تھے۔ اس کا بیگ صرف ان چیزوں سے بھرا ہوا تھا جنہیں وہ ضرورت کے وقت استعمال کر سکتی تھی۔
آدھے گھنٹے کے بعد وہ رابعہ اور زارا کے کمرے میں آ گئی۔
"تم اپنے بیگ اٹھاؤ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔"
اس نے اندر آتے ہی ان دونوں سے کہا۔ رابعہ اور زارا نے اپنے سوٹ کیس کھینچنے شروع کر دیے۔ صبغہ نے ان کی مدد کرنے سے پہلے ان کی وارڈ روب اور درازوں کو اچھی طرح چیک کیا۔ ان سے مختلف چیزوں کے بارے میں پوچھا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنی ضرورت کی تمام چیزیں پیک کر چکی ہیں تو اس نے ان کے بیگز دروازے سے باہر رکھ دیے جہاں اس کا اپنا سامان پہلے ہی رکھا ہوا تھا۔ منصور اب نیچے لاؤنج میں نظر نہیں آ رہے تھے۔ روشان کے بیڈ روم کا دروازہ بند تھا۔
"روشان بھائی نے ابھی سامان پیک نہیں کیا؟" رابعہ نے روشان کے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔
صبغہ نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا۔ "روشان نہیں جا رہا۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔
"کیوں؟" رابعہ نے جیسے حیران ہو کر پوچھا۔
"وہ یہیں رہنا چاہتا ہے۔"
رابعہ کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔ "ہم سے الگ، ہمیں چھوڑ کر۔"
"ہاں۔" صبغہ نے نیچے کھڑے ملازم کو آواز دیتے ہوئے کہا۔
"آپ روشان بھائی سے کہیں وہ یہاں کیوں رہ رہے ہیں۔ ہم کو پاپا نے نکال دیا ہے تو۔۔۔" رابعہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آ

کہ وہ اپنی بات کیسے مکمل کرے۔

"پاپا نے روشان کو نہیں نکالا، صرف ہمیں نکالا ہے۔" صبغہ نے ملازم کو سامان اٹھانے کے لیے کہا۔

"اگر روشان بھائی نہیں جائیں گے تو ہم بھی نہیں جائیں گے۔ پاپا انہیں زبردستی نہیں رکھ سکتے ہیں۔" رابعہ نے ناراضی سے کہا۔

"پاپا نے اسے زبردستی نہیں رکھا۔ وہ خود اپنی مرضی سے یہاں رہنا چاہتا ہے۔"

صبغہ نے اپنا شولڈر بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ملازم بڑا سوٹ کیس پیچھے لے کر جا رہا تھا۔ زارا لپک کر روشان کے بیڈروم کے دروازے کی طرف گئی اور اس نے اسے بجانا شروع کر دیا۔

"روشان بھائی... روشان بھائی...!" اس نے بلند آواز میں کہا۔ اندر بیڈ پر بیٹھے ہوئے روشان نے اپنی شرٹ کی آستین سے اپنی گیلی آنکھوں کو رگڑا۔ وہ زارا کی آواز سن رہا تھا مگر اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ دروازے کو دیکھتے ہوئے وہیں بیٹھا رہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے زارا! آؤ چلتے ہیں۔" اس نے دروازے کے باہر صبغہ کو کہتے سنا۔

"مگر صبغہ آپا! روشان بھائی کو ساتھ جانا چاہیے ہمارے، وہ کیوں یہاں رہیں گے؟" زارا کہہ رہی تھی۔

"دیر ہو رہی ہے زارا! پاپا باہر نکل آئے تو شاید اتنا سامان لے جانے پر اعتراض کریں۔ بس آ جاؤ، وہ یہاں رہنا چاہتا ہے تو اسے رہنے دو۔"

روشان بے اختیار اٹھ کر دروازے کی طرف گیا۔ دروازے کے دوسری طرف قدموں کی چاپ اب دور جا رہی تھی۔ زارا احتجاج کر رہی تھی۔ صبغہ اسے سمجھاتے ہوئے وہاں سے لے جا رہی تھی پھر باہر آواز مکمل طور پر بند ہو گئی۔

روشان پلٹ کر کمرے میں موجود کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ وہ ڈرائیووے پر نظریں جمائے ہوئے تھا جہاں کچھ دیر بعد پورچ سے نکلتی اس گاڑی کو گزرنا تھا جس میں وہ تینوں تھیں۔ وہ گاڑی دو منٹ کے بعد پورچ سے نکل کر ڈرائیووے پر آ گئی۔ شام کے دھندلکے میں گھر کی بیرونی روشنیوں میں اس نے کھلے گیٹ سے اس گاڑی کو باہر جاتے دیکھا۔ وہ اس کے اندر بیٹھی تینوں بہنوں میں سے کسی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس گھر میں اس سے پہلے اسے ایسی تنہائی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ یہاں اس گھر میں اس کا کوئی بھی نہیں رہا تھا اور یہ انتخاب اس نے خود اپنے لیے کیا تھا۔ وہ بزدل تھا۔ اسے اس اعتراف میں عار نہیں تھا۔ وہ اپنی بہنوں اور ماں کے ساتھ اس گھر سے باہر جا کر دھکے کھانے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس لائف اسٹائل کو نہیں چھوڑ سکتا تھا جس کا وہ عادی تھا۔ اس گھر میں اس کے لیے ہر وہ آسائش تھی جو وہ چاہتا تھا۔ صفدر کے گھر جا کر وہ طفیلی کی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ اسے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ اس نے چند منٹوں میں فیصلہ کر لیا تھا اور اب جب وہ فیصلہ کر چکا تھا تو وہ کھڑکی میں کھڑا بچوں کی طرح بلک بلک کر اس گاڑی کو گیٹ سے باہر جاتے دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹین ایجر تھا، بچہ نہیں تھا۔ وہ مرد تھا، عورت نہیں تھا پھر بھی آنسو تھے کہ سیلاب کی طرح اس کو بہائے لے جا رہے تھے۔ منصور علی اور رخشی سے اس کی نفرت میں اور اضافہ ہوا تھا۔

☆☆☆

صفدر انکل گھر پر نہیں تھے مگر ان کی بیوی گھر پر موجود تھی۔ صبغہ، رابعہ اور زارا کو سامان سمیت وہاں دیکھ کر اس نے اپنے جذبات یا کیفیات چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ انہیں دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھی اور چند لمحوں میں ہی اس کی حیرانی نے ناراضی کی شکل اختیار کر لی تھی۔

"صبغہ! مجھے کم از کم تم سے یہ توقع نہیں تھی کہ تم اس طرح ان دونوں کے ساتھ گھر چھوڑ کر آ جاؤ گی۔ وہ تو پہلے ہی ہم سپورٹ کر رہے ہیں اب تم تینوں بھی---" اس کی آواز کی--- تلخی میں بدل گئی۔ "اب یہ گھر ہے کوئی ہوٹل تو ہے نہیں کہ لوگ یوں منہ اٹھا کر سامان لیے تشریف لاتے رہیں۔ ہماری اپنی فیملی ہے اور---"

صبغہ نے اس کی بات نرمی سے کاٹ دی۔

"وہ تو ہم چلے جائیں گے صرف چند دنوں کے لیے آئے ہیں۔"

"مفت کا مال اور گھر چھوڑ کر کون جاتا ہے۔" صفدر کی بیوی نے کسی لحاظ اور مروت کے بغیر کہا۔

"وہ تو ہم چلے جائیں گے اس وقت رات ہو رہی ہے اور ہم کہیں اور نہیں جا سکتے تھے اس لیے یہاں آ گئے۔" صبغہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں رہو تم ——— ہم لوگوں کا گھر تھوڑی ہے ——— یہ تم لوگوں کا ہی گھر ہے ———" صفدر کی بیوی اکھڑ انداز میں کہتے ہوئے ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

صبغہ نے مڑ کر رابعہ اور زارا کو دیکھا۔ وہ دونوں گم صم کھڑی تھیں۔

"آؤ سامان لے کر اندر چلتے ہیں۔" صبغہ نے ان سے نظریں ملائے بغیر متانت سے کہا۔

"میں ممی کے پاس جا رہی ہوں۔" منیزہ کو دیے ہوئے کمرے میں اپنا سامان لانے کے بعد صبغہ نے ان دونوں سے کہا۔

"مجھے تھوڑی دیر ہو جائے گی وہاں، تم دونوں سو جانا اور کچن میں جا کر کھانا کھا لینا۔" صبغہ نے اپنا بیگ نکالتے ہوئے انہیں ہدایات دیں۔

"صبغہ آپا! آپ ہمیں ساتھ لے جائیں۔ ہمیں بھی ممی کے پاس جانا ہے۔" رابعہ نے اصرار کیا۔

"اس وقت نہیں، کل چلیں گے۔" صبغہ نے کہا۔

"میرا دل یہاں نہیں لگ رہا۔" زارا نے اچانک رونا شروع کر دیا۔ "ہم واپس کیوں نہیں جا سکتے؟"

صبغہ اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ کر اسے تھپکنے لگی۔ "واپس تو ہم نہیں جا سکتے لیکن ہم یہاں سے ضرور چلے جائیں گے۔"

"مجھے پاپا سے نفرت ہے۔" زارا نے روتے ہوئے مٹھیاں بھینچیں۔ "وہ بہت خراب آدمی ہیں۔"

"اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔" صبغہ نے اسے بہلایا۔

"ممانی ——— آخر تائی ایسا کیوں کر رہی ہیں۔ انہیں ہماری مشکل اور پریشانی کا احساس نہیں ہے۔" رابعہ نے کہا۔

"وہ ہم سے اتنا پیار کرتی تھیں اور اب ——— اب کس طرح کر رہی ہیں۔ کوئی گھر میں آنے والے سے ایسی باتیں کرتا ہے۔"

"شکر ہے انہوں نے ہم کو گھر میں آنے سے روکا تو نہیں، نکالا بھی نہیں۔" صبغہ نے رابعہ کا کندھا تھپکا۔

"مگر انہوں نے ہماری انسلٹ تو کی ہے۔"

"کوئی انسلٹ نہیں ہوئی۔" صبغہ ہولے سے مسکرائی۔ "ابھی ہم مشکل وقت میں ہیں اور مشکل وقت میں ہر ایک سے ہر قسم کی بات سننا پڑتی ہے۔ ناراض ہونے یا دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسا ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔" وہ انہیں سمجھا رہی تھی۔

"میں تم دونوں سے آ کر بات کروں گی اس وقت مجھے جانا ہے۔" وہ شولڈر بیگ اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

منیزہ صبغہ کو اس وقت وہاں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ امبر سونے کے لیے لیٹ چکی تھی اور وہ ابھی سونا چاہتی تھیں جب انہیں صبغہ کے آنے کی اطلاع ملی تھی۔ صبغہ نے کمرے میں آنے کے بعد کسی تمہید کے بغیر انہیں سب کچھ بتا دیا۔ منیزہ کی حالت غیر ہونے لگی۔

"صفدر کو کس نے یہاں کا ایڈریس دیا اور پھر تمہارے اور طلحہ کے بارے میں بتایا؟"

"یہ میں نہیں جانتی مگر جو بھی ہوا ہمارے لیے تو برا ہی ہوا۔"

منیزہ سے اب بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ "رومان ——— وہ ——— وہ کیسے وہاں رک گیا۔ وہ تو ——— میں ——— میری سمجھ میں نہیں آ رہا ——— اب کیا ہو گا۔" وہ اپنے حواس کھو رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہو گا ——— سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

''صفدر بھائی تو پہلے ہی خوش نہیں تھے اور اب..... اب تم تینوں کو دیکھ کر.....'' منیزہ کو اب بھائی اور بھابھی کی فکر ستانے لگی۔

''ممی! ہم اب ان کے گھر پر نہیں رہیں گے۔''

''تو کہاں رہیں گے؟'' منیزہ نے الجھ کر اس کو دیکھا۔

''ہم کہیں کرائے پر گھر لے لیتے ہیں، وہاں رہ لیں گے۔ میں اور امبر کوئی جاب کر لیں گے۔''

''امبر کی حالت دیکھی ہے تم نے۔ کیا جاب کرے گی وہ۔ خدا خدا کر کے تو اس کی حالت سنبھلی ہے اور.....'' صبغہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

''تو میں جاب کر لوں گی۔ کافی رقم ہے میرے پاس۔ جیولری بھی ہے کچھ دوسری قیمتی چیزیں بھی ہیں۔ کچھ عرصے کے لیے تو ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔''

''اور اس کے بعد؟''

''اس کے بعد امبر بھی کام کرنے لگے گی۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''صبغہ! تم بچگانہ باتیں کر رہی ہو۔'' منیزہ نے اس کی تجویز کو رد کر دیا۔

''نہیں ممی!'' صبغہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ اس سارے معاملے کو سمجھ نہیں رہیں۔ صفدر انکل اور آنٹی ہمیں زیادہ عرصہ برداشت نہیں کریں گی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمیں گھر سے چلے جانے کا کہیں ہمیں خود اس بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''میں دھکے کھانے کے لیے اب کہیں نہیں جا سکتی۔ پہلے ہی خاصی رسوائی سر لے چکی ہوں۔''

''امبر کے بارے میں سوچیں ممی! وہ اس گھر میں مطمئن نہیں ہے۔'' اس بار منیزہ خاموش رہیں مگر ان کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

''ہم سب اکٹھے رہیں گے تو کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔'' صبغہ نے انہیں تسلی دی۔

''تم ابھی بہت کم عمر ہو صبغہ! تمہیں دنیا کا تجربہ نہیں ہے۔ جوان ہوتی لڑکیوں کے ساتھ کسی مرد کے بغیر رہنا مشکل ہو گا۔''

''ممی! میں کم عمر ہوں لیکن بے وقوف نہیں ہوں۔'' صبغہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کچھ عرصہ مشکل ہو گی پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے یہ حل دو دن میں نہیں نکالا بہت وقت لیا ہے۔ ہر طرح سے سوچا ہے تب ہی آپ سے بات کی ہے۔''

''نہیں، ہم اس گھر سے نہیں نکلیں گے۔ ہم وہیں رہیں گے۔'' منیزہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

صبغہ نے قدرے بے بسی سے اپنے ہونٹ کاٹے۔ منیزہ جس بات پر اڑ جاتیں، اس پر اڑی ہی رہتیں۔ کوئی دلیل بھی انہیں اپنے موقف سے ہلا نہیں سکتی تھی۔

''تم نے اسامہ کو اس سارے واقعے کے بارے میں بتایا ہے؟'' منیزہ نے موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' صبغہ نے کہا۔

''کیوں؟''

''ابھی چند گھنٹے پہلے ہی تو میں نے نہیں پر اس کی بات ماننے سے صاف انکار کیا تھا۔ اب چند گھنٹے بعد میں کس منہ سے اس سے یہ کہوں کہ چونکہ اب مجھے گھر سے نکال دیا گیا ہے اس لیے میں اس کے ساتھ رہنے پر تیار ہوں۔''

''تم اس سے بات تو کرو۔'' منیزہ نے اصرار کیا۔

''یہ بے کار ہے۔ ابھی میں نہیں جانتی کہ آگے چل کر کیا ہونے والا ہے۔ اس کا اور میرا ساتھ آگے بھی چل سکے گا یا نہیں، حالات اس پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے یہی بہتر ہے کہ جو چیز کل ختم ہونی ہے وہ آج ہی ختم ہو جائے۔ ابھی تو خود کو سمجھا چکی ہوں کل شاید نہ سمجھا سکوں۔'' صبغہ نے مدھم آواز میں کہا۔

''بیٹھے بٹھائے خود ہی اندازے لگاتی رہتی ہو۔''

"میں نے اس سے بات کی ہے گی۔"

"کیا بات کی ہے اس سے...؟"

"وہ مجھے قبول کر سکتا ہے۔ آپ میں سے کسی کو نہیں۔"

"تو وہ غلط کیا کہہ رہا ہے۔"

"میں ان حالات میں آپ لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتی۔"

"ہم لوگ تو پہلے ہی منصور بھائی کے گھر پر ہیں۔ ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے صبغہ!" منیزہ نے اسے سمجھایا۔ "تم اس کے ساتھ چلی جاؤ میں تمہیں رخصت کر رہی ہوں۔"

"اس کے بارے میں بعد میں بات کریں گے۔" صبغہ نے موضوع بدلا۔

"تم اسے فون تو کرو اس سے پہلے کہ وہ خلع کے پیپرز پر سائن کر دے۔" منیزہ نے بے چینی سے کہا۔

"میں کل فون کروں گی۔" صبغہ نے کھڑے ہوتے ہوئے جھوٹ بولا۔

"آج کیوں نہیں؟" منیزہ نے کہا۔

"ابھی بہت سے دوسرے کام نپٹانے ہیں مجھے۔" وہ پلٹ گئی۔

"میں فون کروں اسے؟" منیزہ نے کہا۔

"نہیں ممی! میں خود کروں گی۔ امبر کو ڈسچارج کب تک کر رہے ہیں؟" اس نے نکلنے سے پہلے پوچھا۔

"اسی ہفتے میں۔ جب سے ہارون نے آنا شروع کیا ہے وہ بہت بہتر ہو گئی ہے۔" منیزہ نے بے ساختگی سے کہا۔

صبغہ ٹھٹک گئی۔ "ہارون...؟"

"ہارون کمال۔" منیزہ نے کہا۔

"وہ یہاں آ رہے ہیں؟" صبغہ نے تعجب سے کہا۔

"ہاں۔"

"کب سے؟"

"کافی دن ہو گئے ہیں۔"

"آپ نے مجھے نہیں بتایا۔"

"خیال نہیں رہا ہو گا۔" منیزہ نے جھوٹ بولا۔

"روز آتے ہیں؟"

"ہاں تقریباً۔"

"مگر کیوں؟"

"امبر سے بہت ہمدردی ہے انہیں اور ہم لوگوں سے بھی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے زیادتی ہوئی ہے۔" منیزہ نے کہا۔

"وہ پاپا کے پارٹنر ہیں ممی! ان کو ہم سے ہمدردی کا کیا مطلب ہے۔"

"وہ کہہ رہے تھے کہ پارٹنر شپ ان کی مجبوری ہے مگر وہ سمجھتے ہیں کہ منصور نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور انہوں نے منصور کو بہت سمجھایا بھی تھا ابھی بھی سمجھا رہے ہیں۔"

"ان کے سمجھانے سے ہمیں تو کوئی فائدہ نہیں ہوا، پھر کیا ضرورت ہے انہیں ہمارے پاس آنے کی۔"

"اچھے آدمی ہیں۔ ہمدردی ہے اس لیے آتے ہیں۔"

"آج آئے تھے؟" صبغہ کے ذہن میں جیسے ایک کوندا لپکا۔

"ہاں۔ جب تم اسامہ کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھیں اس وقت آئے تھے۔ میں نے سوچا تم نے دیکھ لیا ہو گا انہیں

کیونکہ انہوں نے تم دونوں کو دیکھا تھا۔ مجھ سے پوچھ رہے تھے۔" منیزہ نے سادگی سے کہا۔

"آپ نے خلع کے بارے میں انہیں بتایا؟"

"ہاں!"

"اور مجھے لگتا ہے انہوں نے ہی پاپا کو میرے اور اسامہ کے بارے میں انفارم کیا ورنہ ہم دونوں کی ملاقات کے بارے میں اور کون جانتا تھا۔"

"تم یہی باتیں کرتی ہو صبغہ! ہارون کیوں ایسا کریں گے۔" منیزہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"کیونکہ وہ پاپا کے دوست اور پارٹنر ہیں۔"

"وہ ان کی مجبوری ہے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے۔ وہ پاپا سے بڑے بزنس مین ہیں۔ جب چاہیں پارٹنرشپ ختم کر سکتے ہیں۔ وہ مجبور نہیں ہیں۔"

"تم انہیں غلط سمجھ رہی ہو، وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔" منیزہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے ہی امبر کے بلز کلیئر کروائے ہیں۔"

"کیوں؟" صبغہ نے بے یقینی سے کہا۔ "ان کا اور ہمارا تعلق کیا ہے اور آپ نے ان کی مدد لی کیوں؟"

"انہوں نے خود مدد کی ہے بتائے بغیر اور وہ کہہ رہے تھے کہ منصور کو مجبور کریں گے کہ وہ ہم لوگوں کو سپورٹ کرے۔"

"مجھے حیرانی ہو رہی ہے کہ وہ اتنی مہربانیاں کیوں کر رہے ہیں۔ امبر تو سخت ناپسند کرتی تھی انہیں۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ امبر ان کی آمد کو پسند کرتی ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ اس کی حالت بھی ان ہی کی وجہ سے بہتر ہوئی ہے۔" صبغہ بے یقینی سے منیزہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ وہ امبر کی شادی جلد سے جلد کسی اچھے آدمی سے کروا دیں گے۔ مجھے تو بہت حوصلہ اور سہارا ہو گیا ہے ان کی وجہ سے۔"

صبغہ چپ چاپ منیزہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کی پریشانیوں میں ایک اور اضافہ ہو گیا تھا۔

"میں نے تمہارے اور اسامہ کے معاملے کے بارے میں بھی انہیں سب کچھ بتایا تھا۔ وہ مجھے یقین دلا کر گئے ہیں کہ منصور کو کسی بھی صورت میں یہ قدم نہیں اٹھانے دیں گے۔ وہ تمہیں طلاق سے بچانے کی پوری کوشش کریں گے۔"

"ممی! ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، کوئی رشتہ نہیں ہے۔" صبغہ نے جیسے انہیں یاد دلایا۔

"جن سے تعلق اور رشتے ہیں، وہ لوگ کہاں ہیں۔" منیزہ نے تلخی سے کہا۔ "ایک ماہ سے امبر یہاں ہے۔ کتنے لوگ آئے اسے دیکھنے کے لیے؟ ایک بھی نہیں۔ دنیا میں رشتے اور تعلق کوئی معنی نہیں رکھتے۔ یہ سب اچھے دنوں کے ڈھکوسلے ہوتے ہیں۔ برا وقت آیا اور سب کچھ غائب۔ میں تو حقیقت جان گئی ہوں۔ دیکھ لیا ہے ہر ایک کو میں نے۔"

صبغہ کچھ بول نہیں سکی۔ منیزہ کے لہجے میں تلخی زیادہ تھی یا تکلیف، وہ اندازہ نہیں لگا سکی۔

"تم اب جاؤ، بہت دیر ہو گئی ہے۔" منیزہ نے موضوع بدل دیا۔

وہ چند لمحے کھڑی انہیں دیکھتی رہی پھر ایک گہرا سانس لے کر چپ چاپ وہاں سے نکل آئی۔

☆☆☆

"میں روشان بول رہا ہوں۔" اسامہ نے اپنے موبائل پر غیر متوقع طور پر روشان کی کال ریسیو کی۔

"ہاں روشان! کیا بات ہے؟" اسامہ غیر محسوس طور پر سرد مہری سے بولا۔

"اسامہ بھائی! پاپا نے صبغہ، رابعہ اور زارا کو گھر سے نکال دیا ہے۔"

اسامہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ "کب؟" بے اختیار اس نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے۔"

"کیوں؟"

"وہ آپ سے ملی نہیں پاپا کو پتا چل گیا۔" اسامہ کچھ بول نہیں سکا۔

"اب کہاں ہے وہ؟"

"انکل صفدر کے گھر پر۔"

"اوہ۔"

"میں نے آپ کو اس لیے انفارم کیا ہے کہ آپ انہیں طلاق نہ دیں۔ وہ اس گھر میں رہنے کے لیے آپ سے خلع مانگ رہی تھیں مگر اب تو وجہ ہی ختم ہو گئی ہے۔" اسامہ نہیں جانتا کیوں مگر اسے ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ انکل صفدر کے گھر ان سے کانٹیکٹ کریں۔"

"یہ اس نے تم سے کہا ہے؟"

"نہیں، میں خود کہہ رہا ہوں۔"

"کب گئی ہے وہ یہاں سے؟"

"چھ گھنٹے پہلے۔"

"انکل صفدر کے گھر تو وہ اس چھ وقت میں پہنچ گئی ہوگی لیکن ابھی تک اس نے تو مجھ سے کانٹیکٹ نہیں کیا۔" اسامہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ بہت پریشان تھیں۔ شاید پریشانی کی وجہ سے خیال نہیں رہا ہوگا۔" روشان نے اس کی طرف سے صفائی دینے کی کوشش کی۔

"خیال تو خیر اس کو میرا پہلے بھی کبھی نہیں رہا۔"

"میں سمجھتا ہوں اسامہ بھائی! کہ آپ کیا محسوس کر رہے ہوں گے۔" روشان نے کہا۔ "میں نے انہیں منع کیا تھا کہ وہ پاپا کی بات مان کر ان پیپرز پر سائن نہ کریں مگر وہ......"

اسامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "مگر اس نے صرف تم لوگوں کے لیے اپنی اور میری زندگی اور ہمارے درمیان رشتے کو داؤ پر لگا دیا۔ تم کو مصیبت سے بچانے نہیں نکلا؟" اسامہ کو اچانک خیال آیا۔

"میں نے تو کچھ نہیں کیا۔" روشان کی آواز یک دم دھیمی پڑ گئی۔

"کیوں؟"

روشان کچھ نہیں بولا۔ اسامہ نے ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ لگایا۔ "اتنی سمجھ دار وہ ہوتی تو آج اپنے اور میرے لیے اس نے اتنے مسائل کھڑے نہ کیے ہوتے۔"

"اسامہ بھائی!" روشان نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"اس کو اگر ضرورت ہوئی تو خود مجھ سے رابطہ کرے گی اور پھر میں دیکھوں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا لیکن میں خود اس سے رابطہ نہیں کروں گا۔"

"اسامہ بھائی پلیز۔" روشان نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"خدا حافظ۔" اسامہ نے فون بند کر دیا۔

طمانیت کا ایک عجیب سا احساس تھا جو اسے ہوا تھا۔ یعنی اب اسے صبغہ کو طلاق نہیں دینی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں ٹہلنے لگا اور اب وہ خود بہت جلد اس سے رابطہ کرنے والی تھی اور پھر وہ بھی روشان کی طرح یہ درخواست کرے گی کہ میں اب اسے طلاق نہ دوں۔ وہ خلع کا نوٹس واپس لے لے گی۔ وہ کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا مگر میں اتنی آسانی سے تو اس کی بات نہیں مانوں گا۔ اسے پہلے میری ضرورت نہیں تھی تو اس نے آسانی سے مجھے چھوڑ دیا اور اب میری ضرورت آن پڑی تو وہ

میرے پیچھے بھاگے گی بلکہ بھاگنا شروع بھی کر دیا ہے اس نے۔ ورنہ روشان سے اس طرح فون کی ضد کرتی۔

"میں اس سے رابطہ کروں؟" اس نے تمسخر سے سر جھٹکا۔ "کیوں کروں میں کیوں کروں۔ پہلے بے عزتی کرواؤں پھر خود ہی اس کے پیچھے بھاگوں۔ نہیں اس بار تو محترمہ صبغہ منصور علی کو ہی رابطہ کرنا پڑے گا۔ میں تو کسی صورت اس سے رابطہ کروں گا نہ ہی بہت آسانی سے اس کی معذرت قبول کروں گا۔"

اس نے اپنے دل میں تہیہ کیا۔ چند گھنٹے پہلے صبغہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو ابھی تک اس کے ذہن میں تازہ تھی۔

☆☆☆

"تم بھی اپنی ماں کی طرح ہی بے وقوف ہو۔"

صبغہ لاؤنج میں چپ چاپ بیٹھی منصور اور اس کی بیوی کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی منیزہ کے پاس سے واپس آئی تھی اور آتے ہی اس کا سامنا منصور اور ان کی بیوی سے ہو گیا تھا۔ منصور ان تینوں کی آمد کی اطلاع پا کر بے حد برہم ہو گئے تھے۔

"باپ نے اگر گھر سے نکلنے کا کہا تھا تو اسے کہنا چاہیے تھا کہ وہ ساتھ کچھ جائیداد اور بینک بیلنس بھی دے۔ اپنے بوجھ دوسروں پر کب تک ڈالے گا۔" منصور کی بیوی نے لقمہ دیا۔

"بیٹے کو اس نے پاس رکھ لیا اور تم چاروں کو ہمارے سر منڈھ دیا۔ میں منیزہ کا بھائی ہوں تو کیا گناہ ہو گیا ہے مجھ سے کہ ہر دوسرے دن ایک نئی مصیبت آ کر میرے اوپر کھڑی ہو جاتی ہے۔"

صبغہ کی نظریں زمین سے اٹھ نہیں پا رہی تھیں۔ "اور تمہارا باپ...... تمہارا باپ...... اتنا کمینہ اور گھٹیا آدمی ہے کہ میرے پاس تو لفظ نہیں ہیں کہ میں اس شخص کی ذلالت اور خباثت کے بارے میں بات کر سکوں۔"

منصور کی آواز میں صرف غصہ نہیں بے تحاشا نفرت بھی تھی۔

"منیزہ کو میں یہاں رکھ سکتا ہوں مگر تم چاروں میری ذمہ داری نہیں ہو۔ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور اس سے کہو کہ تم لوگوں کو اپنے پاس رکھے۔ نئی بیوی کے لیے جگہ نکل سکتی ہے تو اولاد کے لیے کیوں نہیں۔ ان کے ساتھ تو خونی رشتہ ہے اس کا۔"

"انکل! ہم چند دنوں تک کوئی گھر تلاش کر لیں گے کرائے پر اور وہاں شفٹ ہو جائیں گے۔ میں نے ممی سے بات کی ہے۔ آپ صرف چند دن ہمیں برداشت کر لیں۔" صبغہ نے بالآخر سر اٹھا کر کہا۔

"اور یہ کرائے کا گھر کون لے کر دے گا؟" منصور کی بیوی کو اور اشتعال آیا۔ انہیں ایک اور خرچا نظر آنے لگا تھا۔

"آپ صرف گھر ڈھونڈنے میں ہماری مدد کر دیں ہمارے پاس کافی پیسے ہیں۔ کرایہ ہم خود دیں گے اور اپنے اخراجات بھی اٹھا لیں گے۔ ہمیں بھی اچھا نہیں لگ رہا کہ ہم آپ پر بوجھ بنیں۔ آپ نے پہلے ہی ہماری بہت مدد کی ہے اتنے دنوں ممی اور امبر کو پاس رکھ کر۔ ہم آپ کے لیے اور مسائل کھڑے نہیں کریں گے بس چند دنوں کی بات ہے۔ گھر مل جائے گا اور امبر واپس آ جائیں تو ہم لوگ چلے جائیں گے۔ ہم پہلے ہی جانے کا سوچ رہے تھے۔"

صبغہ نے متانت سے کہا۔ منصور اور اس کی بیوی کچھ دیر کے لیے بول ہی نہیں سکے۔

"تو کتنی رقم ہے تمہارے پاس؟" منصور کی بیوی نے پوچھا۔

"کافی رقم ہے۔" صبغہ نے ٹال دیا۔

"پھر بھی کچھ پتا تو چلے۔"

"اتنی ایک دو سال تک ہم آسانی سے گھر چلا سکتے ہیں۔ جب تک کوئی نہ کوئی اور انتظام ہو جائے گا۔ میں جاب کروں گی امبر بھی ٹھیک ہو رہی ہے۔ وہ بھی جاب کرے گی تو آسمہ کے اخراجات کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ چند دنوں میں ہم گھر لے لیں گے تو چلے جائیں گے۔"

"دیکھو صبغہ! تم سمجھدار ہو۔" منصور کی بیوی کے لہجے میں فوری تبدیلی آئی۔ "ہماری اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ بچوں کی

بیوی کے پاس چلا گیا تو وہ تمہارے لیے بڑے مسئلے کھڑے کر دے گی۔" ہارون نے جیسے اسے سمجھایا۔

"جانتا ہوں اس لیے اسے اب تک اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔" منصور نے کہا۔

"رشنی کیسی ہے؟" ہارون نے اچانک موضوع بدلا۔

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔" منصور مسکرایا۔

"اور سلمان؟" ہارون نے منصور کے دوسرے بیٹے کے بارے میں پوچھا۔

"وہ بھی اچھا ہے۔ تم آؤ نا کسی دن۔ رشنی پوچھ رہی تھی تمہارا۔ ایک چکر کے بعد تم نے دوبارہ چکر ہی نہیں لگایا۔" منصور کا لہجہ اب خوشگوار ہو گیا تھا۔

"ہاں میں آؤں گا۔ بس کچھ کاموں میں پھنسا ہوا ہوں۔ بہت جلدی آؤں گا۔"

ہارون کمال نے مسکراتے ہوئے نیا سگریٹ سلگایا۔

☆☆☆

"گھر دیکھیں آپ۔ چھوٹا ہے مگر بہت اچھا بنا ہوا ہے۔ کرایہ بھی زیادہ نہیں ہے۔" صبغہ دوسرے دن ایک پراپرٹی ڈیلر کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

"جو گھر آپ مجھے بتا رہے ہیں ایسے گھر دیکھنے کے لیے مجھے آپ کے پاس آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اخبار میں اشتہار دیکھ سکتی تھی۔" صبغہ نے کہا۔ "کسی بھی رئیل اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس جاتی۔ آپ کے پاس تو میں صرف اس لیے آئی تھی کہ آپ مجھے کسی متوسط طبقے کے علاقے میں گھر دکھائیں۔"

پراپرٹی ڈیلر نے اس کے چہرے مہرے انداز گفتگو اور لباس سے اندازہ لگایا تھا کہ اس کا تعلق کسی اچھے خاندان سے ہے اور اسی لیے اس نے یکے بعد دیگرے پوش علاقوں کے گھروں کے بارے میں بتانا شروع کر دیا جبکہ صبغہ جان بوجھ کر اس نسبتاً غیر معروف اور چھوٹے سے آفس میں کام کرنے والے پراپرٹی ڈیلر کے پاس آئی تھی۔

"آپ کا مطلب ہے کسی محلے میں گھر۔" پراپرٹی ڈیلر کہتے کہتے رکا۔ یوں جیسے وہ تردید کرے گی مگر جب صبغہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تو جیسے اسے قدرے مایوسی ہوئی۔ ایک بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی میں تبدیل ہو گئی تھی۔

"ہاں محلوں میں بھی بہت سے گھر ہیں میرے پاس۔ میں آپ کو دکھا دیتا ہوں۔ کس جگہ پر؟"

وہ اپنے پاس موجود ٹیبل پر پڑے ایک رجسٹر کو کھول کر اس کے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔

"کوئی مخصوص جگہ نہیں ہے۔ بس شہر کے اندر ہو اور علاقہ ٹھیک ہو۔"

"آپ فکر نہ کریں' کسی ایسے ویسے علاقے میں' میں آپ کو لے جا کر نہیں رکھوں گا۔" پراپرٹی ڈیلر چند لفظوں پر زور لگاتے ہوئے مسکرایا۔

"کتنے کمرے کا گھر چاہیے تھا؟"

"ایک دو کمرے کا۔" صبغہ نے پوری گفتگو میں پہلی دفعہ اسے بتایا۔ پراپرٹی ڈیلر نے سر ہلایا۔

"ہاں یہ ایک گھر ہے جو۔۔۔"

☆☆☆

منصور نے روشان کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ روشان اپنی اسٹڈی ٹیبل پر کتاب کھولے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور منصور کو دیکھ کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کے درمیان سلام دعا کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔

"میں آج تمہارے کالج گیا تھا۔" منصور نے کمرے میں طائرانہ نظر دوڑاتے ہوئے اسے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔

روشان چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

...منصور نے توقف کیا پھر روشان پر نظریں جماتے ہوئے بولے۔ "اسفند یار پر دھیان بہت کم

تمہارے پاپا سے ملو۔

ہو گیا ہے تمہارا گرینڈ پا بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ کیوں؟"

روشان جواب دینے کے بجائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔" منصور کی آواز اب بلند تھی۔

روشان نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر سپاٹ چہرے کے ساتھ منصور کو دیکھا۔ منصور نے جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔

"اسفند یار پر دھیان دینا چاہیے تمہیں۔ پرواہ کرنی چاہیے تمہیں اس پیسے کی جو میں تم پر اور تمہاری تعلیم پر خرچ کر رہا ہوں۔"

روشان اب بھی اسی انداز میں انہیں دیکھتا رہا۔

"میں اب آج جا رہا ہوں کل تمہارے کالج۔" انہوں نے جیسے اسے خبردار کیا۔ "اور وہاں میں نے ہاسٹل میں تمہارا ایڈمیشن کروا دیا ہے۔ پرسوں تمہیں وہاں جانا ہے۔" انہوں نے بڑے سرسری انداز میں اسے اطلاع دی۔

"تم اپنا سامان پیک کر لو۔" منصور کہتے ہوئے مڑے پھر جیسے انہیں کچھ یاد آیا۔

"اور ایک بات کان کھول کر سن لو روشان! ہاسٹل میں میں نے تمہارے لیے خاص ہدایات بھجوائی ہیں۔ کوئی تمہیں وہاں سے ویک اینڈ کے لیے بھی نکلنے دے گا نہ ہی کسی سے ملنے دے گا۔"

منصور علی اسی طرح ٹھہرے ہوئے بے تاثر انداز میں کہہ رہے تھے۔ "تم کسی کو کال بھی نہیں کر سکو گے۔"

روشان نے پہلی بار اپنی خاموشی توڑی۔ "مجھے کس سے ملنا اور کس کو کال کرنی ہے؟" اس کی آواز بے حد سرد تھی۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم کس کو کال کر سکتے ہو اور کون تم سے مل سکتا ہے۔" منصور نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں میں نہیں جانتا۔ آپ بتا دیں۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

"میں تمہاری ماں اور بہنوں کی بات کر رہا ہوں۔"

"کون ماں، کون بہنیں۔ میرا تو دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔"

اس کا انداز اتنا سپاٹ تھا کہ منصور چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکے۔

"بہت اچھا ہے اگر تم ایسا سمجھتے ہو۔" منصور نے بالآخر کہا۔ "میں چاہتا ہوں تم ایسا ہی سمجھتے رہو۔ ان سے تمہارے سارے رشتے ختم ہو گئے ہیں۔"

منصور نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم نے اس گھر میں رہ کر بھی وفاداری کا مظاہرہ کیا۔" روشان نے پلکیں جھپکائے بغیر سر ہلایا اور کہا۔

"بہت اچھا۔" اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی مگر منصور نے سن لی۔ انہوں نے قدرے خوش دلی سے سر ہلایا۔

"جو کچھ میں تمہیں دے سکتا ہوں وہ نہیں دے سکتیں اور تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔"

منصور کو روشان کی آنکھیں دیکھتے ہوئے عجیب سا احساس ہوا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا مگر اس کی آنکھوں میں بے حد خنکی تھی۔ منصور اس تاثر سے پہلی بار آشنا ہوئے تھے۔ وہ نفرت کے ہر تاثر کو پہچانتے تھے مگر روشان کی آنکھوں میں نفرت نہیں تھی۔ انہیں یقین تھا پھر وہاں کیا تھا وہ محبت نہیں ہو سکتی تھی پھر کیا تھا؟ ایک لمحے کے لیے وہ بات کرتے کرتے رک گئے پھر انہوں نے روشان کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔ وہاں جو کچھ بھی تھا انہیں پریشان کر رہا تھا۔

"تمہارا اب کوئی رشتہ ہے تو مجھ سے ہے، نرشی سے ہے، سلمان سے ہے اور میں چاہتا ہوں تم اس چیز کو محسوس کرو۔ کچھ اور اگر سب کچھ کر کے جانا ہو، وہاں رہنا چاہو تو کوئی پرابلم نہیں۔ اپنا سامان پیک کرو اور اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ۔ میں کم از کم اب تمہیں ایک بار بھی روکنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

روشان اب بھی انہیں اسی طرح پلکیں جھپکائے بغیر سرد نظروں سے دیکھتا رہا۔ منصور نے انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں کہا۔

"They are all dead" (وہ سب مر چکے ہیں۔) روشان نے انتہائی انداز میں ہلکا سا سر ہلایا۔ منصور مطمئن ہو کر

مڑ کر کمرے سے نکل گئے۔

"You too" (آپ بھی۔) ان کے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند ہوتے ہی وہ اسی انداز میں وہیں کھڑے بڑبڑایا۔

☆☆☆

"منصور کی بھی بات کی سمجھ نہیں ہے۔ مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں کہیں کرائے پر گھر لے کر وہاں منتقل ہو جاؤں اپنے بھائی کے پاس نہ رہوں۔"

منیزہ ہارون کمال سے کہہ رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی وہاں آیا تھا اور اب امبر اور منیزہ سے باتیں کر رہا تھا۔ جب منیزہ نے اس کو بتایا۔

"میں نے اسے منع بھی کیا تھا مگر اس نے منصور بھائی سے بھی یہ کہہ دیا ہے کہ ہم یہاں سے شفٹ ہونے والے ہیں۔ میری تو اولاد بھی بہت نافرمان ہے۔" منیزہ کو جیسے اپنا غصہ نکالنے کا موقع مل رہا تھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔" ہارون نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

منیزہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"آپ لوگوں کو علیحدہ ہی رہنا چاہیے آپ کو اس طرح اپنے بھائی کے گھر اپنی فیملی نہیں لے جانی چاہیے تھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "آپ لوگ تو شروع سے ہی اکیلے رہتے رہے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ اب کس طرح دوسری فیملی کے ساتھ کیسے رہ رہے ہیں۔"

"مجبوری... آپ کو پتا ہے منصور نے کس طرح خالی ہاتھ ہمیں گھر سے نکالا ہے۔" منیزہ نے تلخی سے کہا۔ "علیحدہ رہنا آسان تو نہیں ہوتا۔"

"آپ کو اس معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ لوگوں کے لیے گھر کا انتظام کر دوں گا۔ نہ صرف گھر کا بلکہ اخراجات کا بھی۔" ہارون کمال نے فراخدلانہ پیشکش کی۔

"نہیں ہارون بھائی! میں اتنی بڑی ذمہ داری آپ کو نہیں دے سکتی۔ آپ کے تو پہلے ہی ہم پر بڑے احسانات ہیں۔" منیزہ نے کہا۔

"کوئی احسان نہیں ہے۔ جو میں کر رہا ہوں میرا فرض ہے۔ آپ احسان کہیں گی تو مجھے شرمندہ کریں گی۔" ہارون کمال مسکرایا۔

"پھر بھی ہارون بھائی! میں اکیلے رہنا نہیں چاہتی۔" منیزہ نے کہا۔ "روشان ساتھ ہوتا تو اور بات تھی مگر اب چار بیٹیوں کے ساتھ کہیں اکیلے رہنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" منیزہ نے انکار کیا۔

"میں نے آپ سے کہا ہے نا کہ آپ کو گھر فراہم کرنا میری ذمہ داری ہے اور آپ کو وہاں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

ہارون کہہ رہا تھا۔ امبر چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"پھر بھی..." منیزہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

ہارون نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ تکلف کا مظاہرہ نہ کریں بھابھی! آپ لوگ میری اپنی فیملی کی طرح ہیں۔"

منیزہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئیں۔

☆☆☆

"تم گھر پہنچو گی تو تمہیں ایک سرپرائز ملے گا۔" منصور نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی رشتی سے کہا جو اپنی گود میں سامان کو لیے ہوئے تھی۔

"ہاں سرپرائز۔"

"میں صبغہ سے بات کروں گی۔" منیزہ نے کچھ الجھتے ہوئے کہا۔
"صبغہ تو خود بھی چاہتی ہے۔ وہ بھی تو گھر ڈھونڈ رہی ہے۔" امبر نے جیسے انہیں یاد دلایا۔
"ہاں وہ خود ڈھونڈ رہی ہے مگر ہارون کمال کی مدد......" وہ کچھ کہتے کہتے سوچ میں پڑ گئیں۔

☆☆☆

پراپرٹی ڈیلر نے تالا کھول کر دروازہ کو کھول دیا اور صبغہ کو اندر آنے کے لیے کہا۔ اس نے اندر قدم رکھا۔ وہ دو کمروں کا ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کے صحن میں وہ اس وقت کھڑی تھی۔ گھر کی حالت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ پراپرٹی ڈیلر چابیوں کے گچھے سے اب کوئی چابی ڈھونڈ رہا تھا۔ صبغہ صحن میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"یہ گھر تو آپ کو سمجھیں مفت ہی مل رہا ہے۔ کرایہ تو آپ کو بتایا ہے نہ ہونے کے برابر ہے۔" پراپرٹی ڈیلر مسلسل بول رہا تھا۔ "مالک مکان بڑے گھر میں شفٹ ہو گیا ہے۔ وہ کچھ عرصے سے اسے بیچنا چاہ رہا تھا مگر مناسب قیمت نہیں مل رہی پھر اس نے سوچا کہ اسے کرائے پر چڑھا دے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ جب بھی اسے اس مکان کا کوئی خریدار مل گیا ہمیں یہ خالی کرنا پڑے گا۔" صبغہ نے اعتراض کیا۔
"نہیں جی! کیسی باتیں کرتی ہیں۔ کم از کم چھ مہینے کی مہلت دلواؤں گا آپ کو اور خریدے گا اسے کون؟ جو بھی خریدے گا میرے ذریعے ہی آئے گا۔ آپ تسلی رکھیں میں ابھی کسی کو اس مکان کی طرف لے کر ہی نہیں آؤں گا۔ آپ بتائیں آپ کو کیسا لگا یہ گھر؟"

"آس پاس کے لوگ کیسے ہیں؟" صبغہ نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔
"یہ جی دائیں طرف تو ایک میاں بیوی رہتے ہیں۔ دو بچے ہیں ان کے اور بائیں طرف ایک بیوہ اور اس کے تین بچے رہتے ہیں۔ دو بیٹے ایک بیٹی۔ کسی اسکول میں پڑھاتی ہے فاطمہ نام ہے۔ بڑی اچھی عورت ہے۔ بچے بھی بہت اچھے ہیں۔ کوئی شکایت نہیں ہوگی ان سے آپ کو۔ نہ بیٹی سے نہ بیٹوں سے۔" پراپرٹی ڈیلر نے کہا۔
"میں خود اس محلے میں چار سال رہ کر گیا ہوں۔ میرے بچے پڑھتے رہے ہیں ان کے پاس۔"
"سامنے والے گھر میں اصغر صاحب ہوتے ہیں۔ دو بیٹیاں ہیں ان کی۔ بس اسی طرح کے لوگ ہیں۔ اس محلے میں زیادہ تر لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ تو پھر گھر پسند آیا آپ کو؟"
وہ اب کمروں کے دروازے کھولتے پوچھ رہا تھا۔ صبغہ اندر جھانک رہی تھی۔
"نہیں پہلے میرے انکل آ کر دیکھیں گے اور آپ صرف یہی گھر نہیں کوئی اور بھی دکھائیں۔" صبغہ نے کمرے سے باہر آتے ہوئے کہا۔
فاطمہ کے صحن میں دیوار کے ساتھ تخت پر بیٹھی علی نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سنی تھی۔ پراپرٹی ڈیلر بہت بلند آواز میں بات کر رہا تھا۔ وہ آہستہ آواز میں بھی بولتا تب بھی دونوں گھروں کا صحن ایک نیچی سی دیوار کے ساتھ منقسم تھا اور وہ دیوار آوازوں کو روکنے میں بری طرح ناکام ثابت ہوتی تھی۔
"میں تخت پر کھڑا ہو کر جھانکوں۔" ثمر جن کی طرح اس کے پاس اچانک نمودار ہوا تھا اور یقیناً وہ بھی ساتھ والے گھر سے آتی آوازیں سن چکا تھا اس لیے اس نے آتے ہی سرگوشی نما آواز میں علی سے پوچھا۔
"ہاں ضرور، تم جھانکو تاکہ وہ بھی پھر ہمارے یہاں جھانکیں۔" علی نے اسے ڈانٹا۔ وہ تخت پر بیٹھ گیا۔
"ایک تو تم مجھے کوئی منفرد قسم کا کام نہیں کرنے دیتیں۔" اس نے مصنوعی مایوسی سے کہا۔
"بے عزتی والا کام تم کو بڑا منفرد لگتا ہے۔" علی نے مدھم سی آواز میں اس سے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس کی آواز دوسری طرف سنی جائے۔
دیوار کے دوسری طرف اب خاموشی تھی کیونکہ پراپرٹی ڈیلر اور صبغہ وہاں سے جا چکے تھے۔

☆☆☆

اسامہ کو توقع تھی، صبغہ اس سے اگلے دن ضرور رابطہ کرے گی۔ کم از کم وہ سب کچھ سننے کے بعد جو اس نے روشان سے کہا تھا۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ روشان نے اس سے بات کرنے کے بعد صبغہ سے بات کی ہی نہیں تھی۔

صبغہ نے اگلے دن اسے فون نہیں کیا۔ وہ سارا دن غیر شعوری طور پر فون کا انتظار کرتا رہا۔ رات کو مایوسی کے ساتھ ساتھ اسے غصہ آنے لگا تھا۔

"میں فون نہیں کروں گا جب تک وہ خود مجھے فون نہ کرے۔"

اس نے سونے سے پہلے ایک بار پھر تہیہ کیا۔ اگلے دو دن بھی صبغہ کی طرف سے مسلسل خاموشی رہی پھر اسامہ مزید صبر نہیں کر سکا۔ اس نے صبغہ کے گھر فون کیا۔ رابعہ سے اس کی بات ہوئی جس نے اسے بتایا کہ صبغہ گھر پر نہیں تھی۔ وہ کہاں گئی تھی [illegible] گئی تھی۔

اسامہ نے وقفے وقفے سے اسے کئی بار فون کیا۔ بالآخر رات کو اس کی صبغہ کے ساتھ فون پر بات ہوئی۔

"تم ابھی گھر آئی ہو؟" اسامہ نے ہیلو کے بعد پوچھا۔

"نہیں، سہ پہر کو بھی گھر ایک چکر لگا گئی تھی۔ ابھی ممی کے پاس سے آرہی ہوں۔" صبغہ نے کہا۔

"میں نے کئی بار فون کیا تھا۔"

"ہاں مجھے پتا چلا تھا۔"

"لیکن تم نے کال کرنے کی زحمت نہیں کی۔" اسامہ سلگا۔

"اس کی ضرورت کیا تھی؟" اس کے عام سے انداز میں پوچھے گئے سوال نے اسے حیران کیا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی؟"

اسامہ نے جواباً پوچھا۔ صبغہ خاموش رہی۔ اسامہ کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اسے فوری طور پر کیا کہے۔ صبغہ بھی چپ تھی۔ چند لمحے تک دونوں کے درمیان یہ خاموشی برقرار رہی پھر صبغہ نے کہا۔ "Thanks for calling" (فون کرنے کا شکریہ)۔

"میں نے صرف تمہارا شکریہ وصول کرنے کے لیے تو کال نہیں کی۔" اسامہ نے ناراضی سے کہا۔

"تم نے اتنا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ مجھے فون کر کے اس سب کے بارے میں بتا دو۔"

صبغہ بہت مدھم آواز میں ہنسی۔ "ہمارے گھر اور زندگیوں میں اب ہر روز اتنا بہت کچھ ہوتا رہتا ہے کہ سمجھ میں ہی نہیں آتا کس دوسرے کو کیا بتایا جائے اور کیا چھپایا جائے۔"

"مجھے تو تم نے کچھ بھی نہیں بتایا۔ سب کچھ چھپایا ہی ہے مجھ سے۔" اسامہ نے شکوہ کیا۔ صبغہ خاموش رہی۔ اسامہ کا شکوہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"کس نے فون کیا تھا آپ کو؟" صبغہ کو سب سے پہلا خیال منیزہ کا ہی آیا۔

"نہیں۔"

"پھر؟"

"روشان نے فون کیا تھا۔"

صبغہ نے بے بسی سے ہونٹ بھینچے۔ "منصور چچا کے وکیل نے بھی کیس ختم کر دیا ہے۔" اسامہ نے اسے اطلاع دی۔ "اب تمہیں کسی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ منصور چچا تمہیں گھر سے نکال دیں گے۔ تم مجھ سے [illegible] چاہئے تھی۔"

"پاپا نے مجھے آپ سے ملنے کی وجہ سے گھر سے نکالا ہے۔"

"میں تو صرف ایک بہانہ ہوں۔ وہ پہلے ہی تم لوگوں کو الگ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔" اسامہ نے کہا۔

"شاید۔"

"میں کل انکل صفدر کے گھر آؤں گا۔" اسامہ نے کہا۔

"کس لیے؟" صبا کا سوال اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

"تم سے ملنے کے لیے۔"

"اسامہ! میرے اور آپ کے درمیان سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ پاپا کے وکیل نے کیس ختم کر دیا ہو گا مگر میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں۔"

اسامہ دم سادھے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ اس طرح پہلے کبھی بات نہیں کرتی تھی۔

"اسامہ! ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" وہ جھلایا۔

"وہی مطلب ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔" اس کا انداز اب بھی پرسکون تھا۔

"جو رشتے صرف اور صرف status.ofstsure کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ وہ کبھی نہ کبھی اسی طرح ختم ہو جاتے ہیں۔"

اسامہ نے کچھ برہم ہو کر اس کی بات کاٹی۔ "تمہارا خیال ہے کہ ہم دونوں کے رشتے میں ان دو چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کا حصہ ہی نہیں۔"

"نہیں اس کے علاوہ ہم دونوں کے تعلق میں کچھ بھی نہیں ہے۔ محبت کم از کم نہیں۔"

"تم غلط کہہ رہی ہو۔"

"نہیں یہ درست ہے۔ میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں اور سوچے سمجھے بغیر بھی نہیں کہہ رہی۔ میں نے اتنے ماہ اس اذیت میں گزارے ہیں۔ دوسروں کو جانچتے پرکھتے۔" وہ رکی۔ "اس کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں رہ گیا تھا میرے پاس اور میں نے آپ کو بھی جانچا۔"

"پھر؟"

"پھر... جو کچھ سامنے آیا وہ تکلیف دہ تھا اور اس تکلیف نے ہی مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا۔"

"میں کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا۔" اسامہ نے اس کی بات کاٹی۔

"مگر میں سمجھ رہی ہوں آپ بھی سمجھ جائیں گے۔" وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"آپ نے اتنے ماہ میں کسی ایک دن مجھ سے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ آپ ہم لوگوں کی تکلیف کو محسوس کر رہے ہیں یا آپ ہم سے ہمدردی رکھتے ہیں؟"

"میں نے تم سے کئی بار کہا کہ یہ جو کچھ ہوا بہت برا ہوا ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" اسامہ نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"بس... یہ کافی ہے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے مجھے اور کیا کہنا چاہیے تھا؟"

"آپ بتائیے آپ کو اور کیا کہنا چاہیے تھا؟"

اسامہ ایک لمحے کے لیے کچھ نہیں بول سکا پھر اس نے قدرے نرم آواز میں کہا۔ "شاید میں بہت تلافی نہیں کر سکتا مگر یہ سچ ہے صرف اگر مجھے تم سے ہمدردی ہے اور یہ جو کچھ ہوا اس پر بہت دکھ بھی ہے۔ صرف تمہاری فیملی ہی تو نہیں بکھری۔ پاپا اور منصور چچا کے درمیان بھی تو دراڑ آ گئی ہے۔"

دیا جس کی وہ توقع نہیں کر رہی تھی۔

اس نے ایک نظر حمیزہ پر ڈالی پھر ہارون کو دیکھا جو اب بھی منتظر نظر آ رہا تھا۔

"میں آپ کی ممی سے کہہ رہا تھا کہ ان حالات میں یہ ایک بہت دانش مندانہ قدم ہے اور یہ قدم آپ لوگوں کو منصور کے گھر سے نکل آنے کے فوری بعد اٹھا لینا چاہیے تھا۔"

صبغہ کسی رائے کا اظہار کیے بغیر ہارون کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ وہاں "ہمدردی" کا تاثر تھا۔ وہ اس "ہمدردی" کو جانچنے میں مصروف تھی۔ اس نے ایسی "ہمدردی" بہت سے لوگوں کے چہروں پر دیکھی تھی۔ اس کے لیے یہ کوئی نئی چیز نہیں تھی مگر اس کی "گہرائی" سے واقف نہیں تھی۔ ہارون کو بغور دیکھتے ہوئے وہ اسے ہی جانچ رہی تھی۔

"آپ لوگوں کی پوری فیملی ہے کسی دوسرے کے گھر پر مستقل رہنا آپ کے لیے بہت تکلیف دہ ہے اور یہ مناسب بھی نہیں ہے۔ علیحدہ رہنے کے بہت سے فوائد ہیں۔"

صبغہ سمجھ نہیں سکی وہ کس کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے......؟ وہ تو پہلے ہی علیحدہ رہنا چاہتی تھی۔ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"انسان فضول روک ٹوک سے بچ جاتا ہے۔ اپنی مرضی کی زندگی گزار سکتا ہے اپنی پرائیویسی رکھ سکتا ہے مجھے تو ممی نے بتایا کہ آپ ایسا چاہ رہی ہیں اور ممی مخالفت کر رہی ہیں تو میں نے تو ممی کو سمجھایا کہ آپ کی سوچ ٹھیک ہے۔ آپ کو یہ قدم اٹھا لینا چاہیے۔"

ہارون کمال نے صبغہ کو داد طلب نظروں سے دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ صبغہ اس کی تائید پر مشکور و ممنون ہوگی۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ ہارون نے قدرے مایوس ہو کر دوبارہ بات شروع کر دی تھی۔ وہ صبغہ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اسے صرف امبر سے دلچسپی تھی اور وہ اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ صبغہ بہت لیے دیے انداز میں رہنے والی خاموش طبع لڑکی تھی۔ ہارون کمال نے بھی اس کی طرف دھیان ہی نہ دیا تھا تاہم اس نے سوچا تھا کہ اسے کبھی صبغہ سے بھی سابقہ پڑ سکتا ہے۔ اب جب وہ صبغہ سے بات کر رہا تھا تو اسے اس کے ابتدائی تاثرات سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ جو گرم جوشی اور پذیرائی اسے حمیزہ اور امبر کی طرف سے ملتی رہی تھی وہ صبغہ میں مفقود تھی اور خود کو صبغہ کی نظر میں معتبر کرنے کے لیے اسے کوشش کرنا تھی۔ اور وہ اسی سوچ میں تھا۔

"اس سلسلے میں میری خدمات حاضر ہیں۔" ہارون کمال نے ایک موہوم سی امید کے تحت مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ صبغہ اس کے بارے میں کیسی رائے رکھتی ہے۔

صبغہ نے بغیر کسی تاثر کے اسے دیکھا۔

"کیسی خدمات؟" اس کا لہجہ بے حد پرسکون تھا۔

"میں آپ لوگوں کے لیے گھر کا انتظام کر دوں گا۔" ہارون نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ میں پہلے ہی گھر دیکھ چکی ہوں۔"

ہارون ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا پھر اس نے کچھ سنبھلتے ہوئے کہا۔

"آپ کو تو ان چیزوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ گھر ڈھونڈنا وہاں شفٹ ہونا بہت سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں آپ کے لیے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "آپ اگر مجھ پر بھروسا کریں تو آپ کے لیے کافی آسانی ہو سکتی ہے۔"

"آپ کا بہت شکریہ لیکن یہ سب کچھ اتنا مشکل نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں کسی مدد کی ضرورت ہوئی تو ہم اپنے انکل سے لیں گے۔" اس کا انداز دو ٹوک تھا۔

ہارون نے ہمت نہیں ہاری۔

"میرے اپنے کچھ فلیٹ اور گھر ہیں، میں ان میں سے کوئی آپ کو دے سکتا ہوں۔"

حیرانی ابھی بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔
”کس لیے؟“
”رہنے کے لیے۔ جب تک آپ کی رہائش کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ آپ اطمینان سے وہاں رہ سکتی ہیں۔“
”میں نے آپ کو بتایا کہ ہماری رہائش کا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ میں گھر تلاش کر چکی ہوں۔“
”کس نے؟“ ہارون نے جتانے والے انداز میں کہا۔
”میں۔“ جواب مختصر اور دوٹوک تھا۔
”آپ ادا کرنے کا انتظام کس طرح اور کہاں سے کریں گی؟“ صبغہ نے اس کی بات کاٹی۔
”کرایہ زیادہ نہیں ہے بہت ہی معمولی سا ہے۔“
”پھر گھر بھی بہت معمولی ہوگا۔“
”ہاں، مگر ہماری ضرورت کے لیے کافی ہے۔“
امبر اور منیزہ نے ابھی تک ان کی گفتگو میں مداخلت نہیں کی تھی۔
”کتنا بڑا گھر ہے؟“ ہارون اب براہ راست پر آ گیا۔ صبغہ کو اس کے سوال اب ناگوار گزر رہے تھے مگر وہ بڑے تحمل سے جواب دے رہی تھی۔
”بہت بڑا گھر نہیں ہے اور ہمیں بڑے گھر کی ابھی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہماری ضروریات کے لیے وہ کافی ہوگا۔“ وہ کہہ رہی تھی۔
”بھابھی! آپ نے دیکھا ہے گھر؟“ ہارون نے منیزہ سے پوچھا۔
”نہیں انہوں نے نہیں دیکھا۔ میں دکھا دوں گی۔“ اس سے پہلے کہ منیزہ جواب دیتیں صبغہ نے کہا۔
”جب میں آپ لوگوں کو آفر کر رہا ہوں کہ آپ میرے گھر پر رہ سکتے ہیں تو پھر آپ لوگوں کو ادھر ادھر خوار ہونے کی کیا ضرورت ہے۔“ ہارون کمال نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔
”آپ کس رشتے اور حوالے سے ہمیں اپنا گھر آفر کر رہے ہیں؟“ صبغہ نے یکدم ترش سوال کیا۔
”آپ لوگوں کے ساتھ ہمارے فیملی ٹرمز ہیں۔“ ہارون نے کہا۔
”پاپا کی وجہ سے؟“ صبغہ کا انداز پرسکون تھا۔
”ہاں منصور کی وجہ سے ہی مگر منصور کے ساتھ تعلقات ختم تو نہیں ہو جاتے۔“ ہارون اب جیسے وکالت کر رہا تھا۔ ”میں ویسے بھی دوستیاں اور تعلقات نبھانے والا آدمی ہوں۔ ایک دفعہ تعلق بن جائے تو وہ کم از کم میری طرف سے کبھی ختم نہیں ہوتا۔“
”پھر آپ نے اس سارے معاملے میں پاپا کو سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟“
اس سے پہلے کہ ہارون کوئی جواب دیتا منیزہ نے صبغہ کو جھڑکا۔
”اس میں ان کا کیا قصور ہے۔ یہ کیا کر سکتے تھے۔“
”میں نے انہیں قصور وار تو نہیں ٹھہرایا۔ میں تو صرف پوچھ رہی ہوں وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ یہ رشتے اور تعلق کی مضبوطی کی بات کر رہے ہیں۔ ان کی نظروں کے سامنے ہماری زندگی تباہ ہو گئی۔ انہوں نے ہمارے لیے کیا کیا؟“
”مجھے بہت افسوس ہے اور شاید جو میں یہاں آتا ہوں اس کی وجہ بھی یہی ہے۔“ ہارون نے اس بار اس کی بات کے جواب میں کہا۔ ”شاید آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ میں نے منصور کو کتنا سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے میری کوئی بات نہیں سنی۔“
”آپ ان کے بزنس پارٹنر ہیں ان کو بات سننے پر مجبور کر سکتے تھے۔“
”وہ پارٹنرشپ بھی ختم کرنے پر تیار تھا۔ شاید آپ نہیں جانتیں کہ رخشی کا ہولڈ اس پر بہت زیادہ ہے۔“
صبغہ کے جواب دینے سے پہلے منیزہ بول پڑیں۔
”میں اچھی طرح جانتی ہوں وہ کس طرح اس عورت کی مٹھی میں ہے۔“

"ہمیں گھر کے بارے میں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اگر ہمارے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو صرف اتنا کریں کہ پاپا کو اس بات پر رضامند کریں کہ وہ ہر ماہ ہمارے اخراجات کے لیے کچھ رقم دے دیا کریں۔" صبغہ نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"میں پہلے ہی اس سلسلے میں کوشش کر رہا ہوں اب اور زیادہ کروں گا۔" ہارون کمال نے فوری طور پر کہا۔
"مگر گھر کے سلسلے میں میری آفر ابھی بھی موجود ہے۔" وہ چائے کا خالی کپ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
"آپ اتنی جلدی جا رہے ہیں؟" امبر نے بے تابی سے کہا۔
صبغہ نے امبر کے چہرے اور انداز کو غور سے دیکھا۔
"ہاں آج مجھے کچھ کام ہے۔ میں کل آؤں گا تو زیادہ دیر بیٹھوں گا۔" اس نے بہت نرمی سے امبر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو باہر تک چھوڑ آتی ہوں۔" امبر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
"یقیناً۔" ہارون نے کہا۔ صبغہ نے تبسم کو دیکھا۔ وہ الجھی نظر آ رہی تھی۔
"آپ سے مل کر خوشی ہوئی صبغہ! آئندہ بھی ملاقات ہوتی رہے گی۔" ہارون کمال نے کہا۔ وہ جواباً صرف مسکرائی۔
ہارون اور امبر اب دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ صبغہ گردن موڑ کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہارون نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھولا۔ اس سے پہلے کہ وہ امبر کو باہر نکلنے کے لیے کہتا صبغہ کی آواز نے اس کے قدم روک دیے۔

"مجھے خوشی ہوگی اگر اگلی بار آپ آنٹی شائستہ کو بھی لائیں۔ ان سے ملاقات ہوئے کافی عرصہ ہو گیا۔"
ہارون کے چہرے کی مسکراہٹ یکدم غائب ہو گئی۔ اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ وہ امبر کے بیڈ کی پائنتی کی طرف بازو سینے پر لپیٹے پاؤں زمین پر ٹکائے بیٹھی تھی۔ ہارون نے اس کو گہری نظروں سے دیکھا اور یک دم اسے احساس ہوا کہ وہ بھی یہی کر رہی تھی۔

"شائستہ بہت مصروف رہتی ہے اس کے پاس کہیں آنے جانے کا وقت نہیں ہوتا۔" ہارون نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔
"پھر آپ کبھی ہمیں گھر پر انوائٹ کریں۔ ممی اور آنٹی شائستہ کی اچھی فرینڈ شپ تھی۔ ممی اچھا محسوس کریں گی ان کے ساتھ کچھ وقت گزار کر۔" وہ کہہ رہی تھی۔
"اور ہاں نایاب کیسی ہے؟ میری طرف سے اسے پوچھئے گا۔ آپ کے گھر پر آپ کے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر ہمارا اچھا وقت گزرا ہے۔"

وہ ہارون کمال کی اکلوتی بیٹی کا نام لے رہی تھی۔ ہارون کمال گنگ تھا۔ اس کا لہجہ اور انداز عام تھا مگر اس کے الفاظ نے ہارون کمال کو بہت کچھ جتایا تھا۔ کیا.....؟ یہ جاننا ہارون کمال کے لیے مشکل نہیں تھا۔ دروازے میں کھڑے دس فٹ دور بیٹھی اپنی بیٹی کی ہم عمر اس لڑکی کے لیے اس نے یک دم اپنے دل میں بے پناہ ناپسندیدگی محسوس کی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیے بغیر اس نے امبر کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور زیرلب کچھ کہتے ہوئے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔
"آپ صبغہ کی باتوں کی کا ذرا معذرت مانگتی ہیں۔" امبر نے باہر کوریڈور میں ہارون کمال سے کہا۔
وہ مسکرانے لگا۔ "ہم لوگ جس طرح کے حالات سے گزر رہے ہیں اس نے ہم سب کو بہت تلخ بنا دیا ہے۔" امبر کی آواز میں دل گرفتگی تھی۔

"میں سمجھتا ہوں مگر سب کو ایک ہی ترازو میں تولنا مناسب نہیں ہے۔ وہ میرے خلوص پر شک کر رہی ہے۔" ہارون نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال ہے اسے لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔" ہارون نے تبصرہ کیا۔ وہ دونوں اب باہر ڈرائیو وے پر نکل

آ رہے تھے۔

"ان کو پہچاننا بہت مشکل کام ہے ہارون!" امبر دراز ہو کے ہارون کی گاڑی سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔ "پتا نہیں لوگ کیسے پہچانتے ہیں؟"

نیلی روشنیوں کی لائٹس میں ہارون نے امبر کو گہری نظروں سے دیکھا۔ وہ پہلے سے کمزور اور زرد ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے بھی نظر آ رہے تھے مگر وہ اب بھی خوبصورت تھی۔ وہ لان میں کسی چیز پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ اس کا سفید لباس اس کے خوبصورت جسم پر ہلکا ہلکا پھڑپھڑا رہا تھا۔ اس کے کندھوں سے نیچے جاتے ہوئے سرخی مائل سیاہ بال ہوا سے اس کے چہرے سے لپٹتے پھر پیچھے ہٹ جاتے۔ وہ ان سے اور ان کی حرکت سے بالکل لاتعلق نظر آ رہی تھی۔ ہارون کو لگا روشنیوں میں وہاں یوں کھڑی وہ کوئی مجسمہ لگ رہی تھی۔ خوبصورت مجسمہ۔۔۔۔۔ کسی فنکار کے ہاتھ کا شاہکار۔ وہ اس پر سے نظریں ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ لمبی پلکوں والی اپنی سیاہ آنکھوں کو لان میں کسی چیز پر جمائے ہوئے تھی پھر ہارون نے اس کی آنکھوں میں نمی کی ہلکی سی تہہ کو نمودار ہوتے دیکھا۔ یوں جیسے پرسکون سمندر میں کوئی لہر اٹھی ہو۔

"اتنے سالوں تک میں اظہر کے ساتھ منسوب رہی۔ مجھے لگتا تھا میں اسے جانتی ہوں اور پھر ایک دن پتا چلا کہ میں تو اسے بالکل نہیں جانتی۔"

وہ بڑی دقت سے نمی کو اپنے اندر اتارتے ہوئے۔ ہارون کی آنکھوں نے اس کی لمبی گردن میں نمودار ہونے والے ابھار سے پیچھے تک کی حرکت کا تعاقب کیا۔ اس کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ اس کی گردن کو چھو لے۔ اس نے بمشکل خود کو روکا۔

"اظہر اچھا آدمی نہیں تھا۔" ہارون نے اس کی گردن سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ وہ آدمی تمہاری زندگی سے نکل گیا ہے۔"

امبر نے نظریں لان سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی بتانے کی کوشش کی تھی مگر تب تم پتا نہیں کیوں مجھ سے اتنا خار کھاتی تھیں۔ تم ٹھیک کہتی ہو تمہیں لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔"

ہارون کمال نے اپنے ٹراوزر کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب تو تم کم از کم مجھے غلط نہ سمجھیں میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ رکا۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ ہارون کمال کو خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب کھڑی تھی۔ وہ کوئی ساحرہ تھی جو اپنی خاموشی سے اس پر فسوں پھونک رہی تھی۔ ہارون کمال ہر خوبصورت عورت کو دیکھ کر پاگل ہو جاتا تھا مگر سامنے کھڑی لڑکی کے لیے جو کچھ وہ محسوس کر رہا تھا وہ صرف سفلی جذبات نہیں تھے وہ کچھ اور بھی تھا۔ وہ صرف اسے چھو لینا نہیں چاہتا تھا وہ اس کی محبت بھی چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی نمی اس کے اپنے وجود کو بے قرار کرتی جا رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی ہلکی سی مسکراہٹ اس کے اپنے اندر ہلچل پیدا کر رہی تھی۔

وہ اب بھی ساکت کھڑی پلکیں جھپکائے بغیر دیکھ رہی تھی۔ ہوا کچھ اور تیز چلنے لگی تھی۔ امبر کے بال اور زیادہ اڑ رہے تھے۔ اس کے چہرے کو چھپاتے، عیاں کرتے پھر چھپاتے پھر دکھاتے ہارون کمال کو تنگ کرنے لگے تھے۔

"تم نہیں جانتیں امبر! کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔" وہ دھیمے لہجے میں بات کرتا اپنی ٹائی پن اتار رہا تھا۔

امبر کی آنکھوں میں کوئی تاثر آیا اور چند لمحوں کے بعد پھر غائب ہو گیا۔ وہ ٹائی پن اتارتے ہوئے بھی اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے امبر کی آنکھوں میں پہلی بار سفید رات اور سیاہ چاند دیکھا تھا مگر وہ اسے بھی خوبصورت لگے جیسے سیاہ رات اور سفید چاند۔

"اور میں تم سے تب سے محبت کرتا ہوں جب سے میں نے تم کو دیکھا ہے تم سے ملا ہوں۔"

وہ اس کے چہرے سے کھیلتی لٹوں کو ہٹا رہا تھا۔ وہ پیچھے نہیں ہٹی اس نے اپنے چہرے پر ہارون کمال کی انگلیوں کو رینگتے محسوس کیا تھا۔ ماتھے سے ناک..... ناک سے گال..... گال سے کان..... وہ اس کے بالوں کو پیچھے کر کے کلپ اس کے بالوں میں لگا رہا تھا۔ اس کے بال اب اس کے چہرے پر نہیں آ رہے تھے۔

''ماضی کو بھول جاؤ'' وہ تمہاری زندگی کا تاریک باب تھا ختم ہو گیا اچھا ہوا۔ تم میرے ساتھ اب ایک نئی زندگی شروع کرو گی۔'' ہارون نے اس کے چہرے اور بالوں سے ہاتھ ہٹا لیے۔

''تم میرے لیے بنی تھیں میرے لیے ہی ہو۔ میں تمہیں اس گھر سے بڑا گھر دوں گا جہاں سے تمہیں نکالا گیا وہاں جہاں تمہیں جانا تھا تمہارے لبوں پر کوئی خواہش آنے سے پہلے وہ چیز تمہاری دسترس میں ہو گی۔ ماضی کو بھول جاؤ حال میں جیو میرے ساتھ۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''گڈ بائے۔'' اس نے اپنی انگلیوں سے اس کے گال کو چھوا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

امبر وہیں کھڑی تھی اسی طرح بے حس و حرکت۔ ایک خوبصورت سنگی مجسمے کی طرح۔ ہارون گاڑی کو ریورس کر رہا تھا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس امبر کو گرفت میں لیے دور جا رہی تھیں۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' وہ اس کے لفظوں کی بازگشت کی گرفت میں تھی۔ کسی معمول کی طرح ہاتھ بڑھا کر اس نے بالوں میں لگی ہوئی ہیئر پن کو چھوا، پھر اسے اتار لیا۔ ہتھیلی پھیلا کر اس نے اس ہیئر پن اور اس میں جگمگاتے ڈائمنڈ کو دیکھا۔ لائٹس نے ڈائمنڈ کی روشنی سے اس کی ہتھیلی کو جگمگا دیا تھا۔ اس نے اپنی مٹھی بند کر لی۔ اس کے بال اب پھر ہوا سے اڑ رہے تھے۔ اور ''سنگی مجسمے'' کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔

☆☆☆

''تمہیں ہارون سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔'' ہارون اور امبر کے باہر جاتے ہی منیزہ نے صبغہ سے کہا۔

''میں نے کوئی بدتمیزی تو نہیں کی۔'' صبغہ نے کہا۔

''ہارون کی ہم پر اتنی ہی مہربانی کافی ہے کہ وہ ہم سے ملنے آ رہا ہے۔ ڈاکٹرز کے بل اس نے ادا کر دیے۔ تمہارے باپ کو ہمیں خرچ دینے کے لیے رضامند کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اب ہمیں گھر کی پیشکش بھی کر رہا ہے اور تم..... تم اس سے کس طرح بات کر رہی تھیں۔''

''وہ اگر ڈاکٹر کے بل ادا کر دے تو میں کر دیتی۔ وہ ملنے آ رہے ہیں تو یہ میرے لیے پریشانی کا باعث ہے اور آپ کے لیے بھی ہونا چاہیے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''یہ پاپا سے ہمارے اخراجات اٹھانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ مجھے اس پر یقین نہیں ہے اور گھر کی پیشکش ان تمام باتوں سے زیادہ عجیب ہے۔''

''ہارون کو ہمارے ساتھ ہمدردی ہے۔'' منیزہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

''ہمدردی کی وجہ کیا ہے؟''

''ہمدردی کی کوئی وجہ ہوتی ہے؟ تم کیسی بے وقوفوں والی بات کرتی ہو۔'' منیزہ نے اسے جھڑکا۔

''مفت کی ہمدردی کی وجہ ہوتی ہے ممی۔'' وہ اب کچھ سوچنے میں مصروف تھی۔ ''یہ اتنے بڑے بزنس مین ہیں، ان کے پاس اتنا وقت کہاں سے آ جاتا ہے کہ ہر روز گھنٹہ دو گھنٹہ یہاں آ کر صرف ہمدردی کے نام پر برباد کریں، میں سمجھ نہیں پا رہی۔'' وہ الجھے ہوئے انداز میں ماں کو دیکھ رہی تھی۔

''اور آپ نے دیکھا امبر کا ان کے ساتھ رویہ.....'' منیزہ نے اس کی بات کاٹی۔

''میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا امبر ان سے بہت اٹیچ ہو گئی ہے۔'' اس بار صبغہ نے ان کی بات کاٹی۔

''کیوں ہو گئی ہے اور آپ نے کیوں اس طرح ہارون کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ وہ بار بار یہاں آئے۔'' منیزہ مشتعل

"کیوں' تم خلع کیوں چاہتی ہو؟۔ اسامہ بہت اچھا ہے۔"
صبغہ نے منیزہ کی بات کاٹ دی۔
"بہت اچھا ہے' مجھے شبہ نہیں مگر میں فوری طور پر رخصتی چاہتی ہوں نہ ہی آپ لوگوں سے الگ رہنا چاہتی ہوں اور وہ یہ چاہتا ہے۔"
"تمہیں ہمارے لیے کوئی قربانی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سب صفدر کے پاس ہی رہیں گے۔ میرا علیحدہ یا کہیں رہنے کا کوئی ارادہ نہیں۔" منیزہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔
"وہ آپ کو اپنے پاس نہیں رکھیں گے۔"
"تب پھر میں اپنے حصے کا مطالبہ کروں گی۔"
"اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر انہوں نے آپ کو کل نکالنا ہے تو وہ آج ہی نکال دیں گے۔ ممی! آپ ہر وقت ہر شخص کے ساتھ لڑ نہیں سکتیں اور اب ان حالات میں تو یہ اور بھی مشکل ہے۔" وہ ماں کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔
"وہ آپ کو اکیلے اپنے پاس رکھ لیں گے مگر ہم لوگوں کے ساتھ نہیں۔ وہ آپ سے کہیں گے کہ ہم لوگوں کو واپس بھجوائیں تو آپ کیا کریں گی۔ جائیداد کا مطالبہ...... اور اس کے بدلے میں کیا ہوگا۔ وہ آپ کو بھی نکال دیں گے پھر ہم لوگ کیا کریں گے۔ کیا عدالت میں جاسکتے ہیں' مقدمہ لڑ سکتے ہیں؟۔ لڑ سکتے تو پہلے پاپا کے خلاف اپنے اخراجات کے لیے لڑتے۔ جب آدمی پر مشکل وقت آتا ہے تو پھر اپنا حق بھی چھوڑنا پڑتا ہے اور بھی بہت کچھ چھوڑنا پڑتا ہے۔ ابھی ہم کمزور ہیں' ہر طرح سے دوسروں پر انحصار کر رہے ہیں اور جن پر انحصار کر رہے ہیں' ان سے جھگڑا نہیں کر سکتے۔ یہ کسی بھی طرح سے سمجھداری نہیں ہے۔ ہمیں پاپا کی فیملی سے کوئی سپورٹ نہیں مل رہی' اس لیے ہمیں آپ کی فیملی کی سپورٹ کی ضرورت ہے۔ ہم دونوں کو اپنے خلاف کر کے اپنے لئے مزید پریشانیاں پیدا کریں گے۔"
وہ رسانیت سے سمجھا رہی تھی۔
"صفدر انکل سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے گھر کے سلسلے میں ان سے بات کی ہے بلکہ جو گھر دیکھا ہے' وہ ان کو بھی دکھایا ہے۔ انہوں نے سارے معاملات طے کر لیے ہیں بلکہ ایڈوانس بھی خود دے دیا ہے۔ امبر ایک دو دن میں یہاں سے ڈسچارج ہو کر گھر آ جائے گی۔ چند دن ہم گھر پر رہیں گے پھر نئے گھر شفٹ ہو جائیں گے۔"
منیزہ نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہیں مگر ان کے ماتھے پر بہت ساری لکیریں نمودار ہو رہی تھیں۔
صبغہ اٹھ کر کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔ بلائنڈز کو ہٹاتے ہوئے اس نے باہر دیکھا۔ امبر دور ڈرائیو وے پر کھڑی اپنی ہتھیلی پھیلائے اسے دیکھ رہی تھی۔ صبغہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اتنے فاصلے پر کھڑے ہوئے بھی جان سکتی تھی' وہ اپنی ہتھیلی پر کیا دیکھ رہی تھی۔ قسمت......

☆☆☆

اٹھارواں باب

صبغہ نے گھر کی چابی پراپرٹی ڈیلر سے لے لی تھی۔ گھر میں کچھ مرمت کی ضرورت تھی اور مرمت کے ساتھ رنگ و روغن کی بھی۔ وہ اس دن گھر کا ایک بار پھر جائزہ لینے کے لیے آئی تھی۔ تقریباً آدھ گھنٹہ وہاں رہنے اور ان تمام چیزوں کو نوٹ کرنے کے بعد جو وہاں کروانا چاہتی تھی وہ باہر نکل کر گھر کو تالا لگا رہی تھی جب فاطمہ نے اپنے گھر کا تالا کھولتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ صبغہ سے نظریں ملنے پر فاطمہ مسکرائی۔ دونوں میں علیک سلیک ہوئی۔

"میری بیٹی مجھے بتا رہی تھی کہ ساتھ والے گھر میں کرایہ دار آنے والے ہیں۔" فاطمہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔ "مجھے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ بہت عرصے سے یہ گھر خالی پڑا ہوا تھا۔ کب آ رہے ہیں آپ لوگ۔۔۔؟"

صبغہ نے اس پستہ قامت' سیاہ رنگت کی ادھیڑ عمر عورت کو دیکھا جس کی آواز میں بلا کی مٹھاس تھی۔

"ہم لوگ جلدی آ جائیں گے' صرف یہاں کچھ مرمت اور پینٹ وغیرہ کروانا ہے' وہ کروا لیں تو آ جائیں گے۔" صبغہ نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔

"اندر آ جاؤ' میں پانی پلاتی ہوں۔" فاطمہ نے اسے پیشکش کی۔

"نہیں آنٹی! میں جلدی میں ہوں۔"

صبغہ نے انکار کیا مگر فاطمہ اصرار کرنے لگی۔ صبغہ کے ذہن میں پتا نہیں کیا آیا کہ اس نے ہامی بھر لی۔ وہ فاطمہ سے اس محلے کے بارے میں کچھ اور تسلی کرنا چاہتی تھی۔ فاطمہ نے دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کے لیے کہا۔ صبغہ اس کے پیچھے اندر داخل ہوئی۔

"میں اس وقت اسکول سے آتی ہوں۔" فاطمہ نے صبغہ کو اندر کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بتایا۔ صبغہ اس گھر کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ بھی دو کمروں پر بنا ہوا گھر تھا مگر ان کے گھر کی نسبت زیادہ اچھی طرح سے سنوار کر رکھا گیا تھا۔ فاطمہ نے کمرے کا دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کے لیے کہا اور لائٹ آن کر دی۔

"آپ بیٹھیں' میں ابھی آتی ہوں۔"

صبغہ کمرے میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ فاطمہ باہر جا چکی تھی۔ صبغہ کمرے میں نظریں دوڑانے لگی۔ کمرے میں دو پلنگ رکھے ہوئے تھے۔ ایک پلنگ دیوار کے ساتھ کونے میں لگا ہوا تھا اور اس کے اطراف کی دو دیواریں مختلف طرح کی چیزوں سے آراستہ تھیں۔ دیواروں سے چپکائے گئے تھے کچھ چھوٹے چھوٹے کارٹون کریکٹرز۔۔۔۔ صبغہ لاشعوری طور پر اٹھ کر اس پلنگ کے پاس آ گئی اور دیوار پر لگی کٹنگز کو پڑھنے لگی۔ وہاں ٹائم ٹیبل تھا' ایک چھوٹا کیلنڈر تھا جس پر پورے سال کے مہینوں کی تاریخوں پہ دائرہ بنا کر مختلف تحریریں اور کام لکھے گئے تھے۔ کسی نے پورے سال کو پلان کیا ہوا تھا۔ چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کے ساتھ۔ دیوار کے ساتھ ہی ایک شیلف میں کتابیں پڑی تھیں۔ شیلف کے سب سے اوپر ریک پر ایک لیمپ دھرا تھا۔

صبغہ دیوار کو دیکھنے لگی وہاں کچھ کارڈز بھی لگے تھے۔ چھوٹے بڑے ہر سائز کے کارڈز۔

"یہ میری بیٹی کا پلنگ ہے۔" صبغہ بے اختیار چونک کر پلٹی۔ فاطمہ ایک ٹرے لے کر اندر آئی تھی۔ "کافی کا..."
اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک تپائی پر ٹرے رکھ دی۔ صبغہ واپس آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔
"یہ سب کچھ وہی کرتی رہتی ہے۔"

صبغہ نے ٹرے میں سے شربت کا گلاس اٹھایا۔

"آپ کا نام تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔"

"میرا نام صبغہ ہے۔" صبغہ نے ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں...؟"

"یہیں اسی شہر سے۔" صبغہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"اسی شہر سے۔" فاطمہ نے قدرے سوالیہ انداز میں کہا۔

صبغہ ایک لمحہ کے لیے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ "ڈیفنس سے۔"

فاطمہ کے چہرے پر تعجب آیا تھا۔ صبغہ نے نظریں چرا لیں۔

"والد صاحب کیا کرتے ہیں آپ کے؟" اگلا سوال صبغہ کے لیے اور بھی مشکل تھا۔

"ہم پاپا کے ساتھ نہیں رہتے۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شربت کے گلاس پر نظریں جماتے ہوئے اس نے کہا۔

"میرے والدین میں علیحدگی ہو گئی ہے۔"

کمرے میں ایک تکلیف دہ خاموشی کا وقفہ آیا تھا۔

"آپ لوگ کتنے بہن بھائی ہو؟" فاطمہ کی آواز میں اس بار ہمدردی واضح طور پر محسوس کی جا سکتی تھی۔

"چار بہنیں اور ایک بھائی۔ بھائی پاپا کے پاس ہے۔" وہ گلاس کی بیرونی سطح پر انگلی پھیر رہی تھی۔

"آپ سب سے بڑی ہیں؟"

"بہنوں میں دوسرے نمبر پر ہوں۔ ایک بہن مجھ سے بڑی ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"آپ سب پڑھتی ہیں؟" وہ اس بار ہلکا سا مسکرائی اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"پہلے پڑھتے تھے اب تو کام کرنا پڑے گا میں نے اسے لیے لیا ہے۔"

فاطمہ نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی تین ایج لڑکی کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر جو سنجیدگی تھی وہ اس کی عمر سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ اس کا لباس اس کی شکل و صورت اس کے انداز و اطوار ایک نظر میں ہی اس کے کسی اچھے خاندان سے تعلق کو ظاہر کر رہے تھے۔ اور وہ اس محلے میں دو کمروں کے ایک گھر کو کرائے پر لینے آئی تھی۔ ڈیفنس سے اندرون شہر کا سفر...... طلاق کے بعد کیا ہوا ہو گا اس معاشرے میں رہتے ہوئے اس سوال کا جواب فاطمہ کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ پچھلے کئی سالوں سے بہت سے جاننے والوں کو اسی تکلیف سے گزرتے دیکھ چکی تھی۔

"آپ پڑھاتی ہیں؟" فاطمہ اچانک کیے جانے والے اس سوال پر حیران ہوئی۔

"میں...... ہاں......" صبغہ نے اس کی حیرانی بھانپ لی۔

"مجھے پراپرٹی ڈیلر نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔" صبغہ نے کہا تو فاطمہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس کا مطلب ہے آپ کے تعارف سے پہلے میرا تعارف آپ تک پہنچ گیا۔ ہمسائے ہیں اس لیے۔" اس نے شگفتگی سے کہا۔

صبغہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اس کی مسکراہٹ کتنی پھیکی ہو گی اسے اچھی طرح اندازہ تھا۔ فاطمہ اس کے چہرے کو کسی کتاب کی طرح پڑھ رہی تھی۔ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی ابھی اس عمر میں داخل نہیں ہوئی تھی کہ جہاں وہ اپنے چہرے پر آنے والے تاثرات کو چھپانے میں مہارت حاصل کر سکتی۔ اور پھر شاید صبغہ کے لیے سب کچھ اتنا نیا تھا کہ اسے یہ "عادت ڈالنے" میں

کی ویرانی اور وحشت جھلک رہی تھی۔

"کیا پڑھاتی ہیں آپ؟"

"Maths"۔ صبغہ نے کونے میں پڑے ہوئے اس پلنگ اور اس کے اطراف کی دیواروں کو دیکھا۔

"آپ کی بیٹی کس کلاس میں پڑھ رہی ہے؟"

"انٹرمیڈیٹ میں۔" بیٹی کے ذکر پر فاطمہ کے چہرے پر پھر مسکراہٹ آئی۔

"اس وقت وہ آج کل گھر ہی ہوتی ہے۔ آج ثمر کے ساتھ مارکیٹ گئی ہے۔ ثمر میرا بیٹا ہے۔" فاطمہ نے مزید بتایا۔

"وہ بھی انٹرمیڈیٹ میں پڑھتا ہے۔"

"آپ کے شوہر بھی ٹیچر ہیں؟"

"نہیں ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔"

"اوہ آئی ایم سوری۔۔۔" صبغہ نے تاسف سے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ان کی ڈیتھ کو بہت سال ہو چکے ہیں۔"

"پراپرٹی ڈیلر اس محلے اور یہاں کے لوگوں کی بہت تعریف کر رہا تھا۔" صبغہ نے اس موضوع پر آتے ہوئے کہا۔ جس پر وہ بات کرنا چاہتی تھی۔ "میں آپ سے پوچھنا چاہ رہی تھی۔ آپ کو اندازہ تو ہو گیا ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہو گا اور ہمیں اکیلے رہنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔" فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پراپرٹی ڈیلر نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ محلہ اور یہاں کے لوگ واقعی بہت اچھے ہیں۔ یہاں آپ لوگوں کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔" فاطمہ نے اسے اطمینان دلایا۔

"آپ یہاں کب سے رہ رہی ہیں؟"

"پندرہ سال ہونے والے ہیں۔ اور ان پندرہ سالوں میں مجھے یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔"

"آپ کی بات دوسری ہے۔ میری ممی یہاں سے ناواقف ہیں انہیں اور میری بہنوں کو یہاں ایڈجسٹمنٹ میں پہلے ہی بہت مشکلات پیش آئیں گی۔" وہ بتا رہی تھی۔

"ہم لوگ اس لائف اسٹائل کے عادی نہیں ہیں۔ یہ کسی محلے میں جا کر رہنے کا ہمارا پہلا تجربہ ہو گا اور میں اسی لیے کچھ خوفزدہ بھی ہوں۔"

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں بیٹا! یہاں آس پاس کے لوگ واقعی بہت اچھے ہیں۔ اور اگر کوئی مسئلہ ہوا تو بھی ہم لوگ بھی یہاں ہیں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ یہی سمجھ کر یہاں آئیں کہ آپ پہلے سے ہی ہمیں جانتے ہیں۔ کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو بھی بلاجھجک آپ میرے پاس آ سکتی ہیں۔" فاطمہ نے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" صبغہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔

"آپ لوگ کب آ رہے ہیں یہاں؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"ایک دو ہفتے تک۔ پہلے گھر میں کچھ مرمت اور پینٹ وغیرہ کروانا ہو گا۔"

"وہ کون کروائے گا؟"

"میں خود کروا لوں گی آج میں جا کر کچھ مزدور وغیرہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہوں۔ پھر پلمبر اور کارپینٹر کا انتظام کروں گی۔" وہ بتاتے ہوئے ساتھ ہی کچھ سوچ بھی رہی تھی۔

"اگر میں انتظام کر دوں؟"

"آپ کیسے کریں گی؟"

"اس محلے میں کچھ لوگ یہی کام کرتے ہیں۔" فاطمہ نے بتایا تو صبغہ کو ایک دم محسوس ہوا جیسے اس کے کندھوں سے کوئی

بوجھ بٹ گیا ہو۔ وہ پچھلے چند دن سے گھر کی مرمت اور اس کے انتظامات کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اسے اخراجات کی پریشانی نہیں تھی۔ اسے یہ فکر تھی کہ وہ مزدوروں کا انتظام کہاں سے اور کیسے کرے گی۔ اگر کسی نہ کسی طرح وہ مزدوروں کا انتظام کر بھی لیتی ہے تو کیا وہ قابل بھروسا ہوں گے اور اچھا کام کریں گے؟ اب فاطمہ کی آفر سے یک دم سکون اور اطمینان محسوس ہوا تھا۔ کسی کے ریفرنس سے آنے والے مزدور اپنے کام کو یقیناً بہت اچھے نہیں تو کم از کم تسلی بخش طریقے سے ضرور کریں گے۔

"آپ مجھے بتا دیں آپ کو کیا کیا کام کروانے ہیں۔ میں سب کروا دوں گی۔ اور پھر اس کے بعد باقی سب کام بھی ہو جائیں گے۔" فاطمہ نے اسے مزید مطمئن کیا۔

"میں نہیں جانتی میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔" فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اس میں شکریہ ادا کرنے والی کوئی بات نہیں۔ اب تو آپ لوگ ہمارے ہمسائے میں آ جائیں گے۔ ایک دوسرے سے کام پڑتے ہی رہیں گے۔"

صبغہ نے اپنے بیگ میں رکھا وہ کاغذ نکال لیا جس پر اس نے ان تمام کاموں کی فہرست بنائی تھی جو اسے گھر میں کروانے تھے۔ اس نے اس فہرست کو فاطمہ کی طرف بڑھا دیا۔ فاطمہ کاغذ پر نظر دوڑانے لگی۔

چند لمحوں کے بعد فاطمہ اٹھ کر ایک نوٹ بک اور پین لے آئی اور اس کے بعد ان تمام کاموں کو ترتیب دینے لگی۔ کون سا کام پہلے ہونا چاہیے۔ اور کون سا بعد میں۔

وہ بڑی تیز رفتاری سے اس لمبی چوڑی فہرست کو دوبارہ سے ترتیب دے رہی تھی۔ صبغہ نے قدرے متاثر ہو کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اس کے کام کرنے کا طریقہ بہت منظم تھا۔ صبغہ کو پلنگ کے ساتھ دیواروں پر لگی ڈیڈ لائنز اور چارٹ یاد آئے۔ فائل میں وہ سب کچھ کہاں سے آیا ہو گا اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ چپ چاپ اس کے موٹے سیاہ بھدی انگلیوں والے جھریوں زدہ ہاتھوں کو کاغذ پر لکیریں کھینچتے دیکھ رہی تھی۔

دس منٹ کے بعد فاطمہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔

"اب یہ تو طے ہو گیا کہ کل یہ کام ہوں گے اور اتنے وقت میں ہوں گے۔"

"اگر مزدوروں کا انتظام نہ ہو سکا تو۔۔۔" صبغہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

"کیا نہیں ہو گا۔۔۔ میں نے بتایا نا اس محلے میں یہ کام کرنے والے بہت لوگ ہیں۔ اگر ان میں سے ایک نہیں ملے گا تو دوسرا مل جائے گا اور کوئی بھی نہ ملا تو کہیں اور سے انتظام ہو جائے گا۔ یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے۔"

"میں کل صبح کتنے بجے آ جاؤں؟" صبغہ نے پوچھا۔

"آپ اپنی سہولت کے مطابق آ جائیں۔ صبح جلدی آ جائیں گی تو مزدور مطلوبہ سامان لا کر کام جلدی شروع کر دیں گے۔"

"میں مزدوروں کو پیسے دے دوں تو وہ خود ہی سارا سامان لے آئیں گے؟" صبغہ نے اس سے پوچھا۔

"ہاں وہ لے آئیں گے۔ اگر محلے میں سے کوئی ہوا تو پھر تو آپ اعتبار کریں کہ وہ قابل بھروسا ہیں۔ لیکن اگر کہیں باہر سے مزدور آتے ہیں تو پھر میں اپنے بیٹے سے کہوں گی وہ مزدوروں کو سامان لا دے گا۔"

"مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں نے سارا کام آپ لوگوں کے کندھوں پر ڈال دیا۔"

صبغہ کو پہلی بار کچھ شرمندگی سی محسوس ہوئی۔

"اس میں کوئی بات نہیں۔ محلے کے لوگ ایک دوسرے کے۔۔۔ کام آتے رہتے ہیں۔ آپ لوگ یہاں آ جائیں گے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔" فاطمہ نے ایک بار پھر اسے ٹوکا۔

"صبح جب آپ آئیں گی تو میں گھر نہیں ہوں گی۔ میری بیٹی اور بیٹا دونوں گھر پر ہوں گے۔ میں انہیں سب کچھ بتا

دوں گی۔ آپ گھر کی چابی مجھے دے دیں تاکہ میں آج اندر سے مزدوروں کو ایک بار گھر دکھا دوں۔ یا پھر کل صبح آپ جلدی آ جائیں مزدوروں کے آنے سے بھی پہلے۔"

صبغہ نے بیگ کھول کر چابیاں نکال لیں۔

"آپ چابیاں رکھ لیں اگر آج مزدوروں کا انتظام ہوتا ہے تو شام کو انہیں گھر دکھا دیں۔" فاطمہ نے چابیاں پکڑ لیں۔

صبغہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں اب چلتی ہوں۔"

فاطمہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میری ممی کو بھی ہو گی۔ آپ کی وجہ سے میرے بہت سے کام آسان ہو گئے ہیں۔"

صبغہ نے ایک دفعہ پھر مسکراتے ہوئے فاطمہ کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے بھی آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی ممی سے ملاقات کا انتظار رہے گا۔ آپ اگر برا نہ مانیں تو ایک بات آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔" فاطمہ نے نرم آواز میں کہا۔

"نہیں میں برا نہیں مانوں گی۔ آپ کہیں۔" صبغہ نے کہا۔

"یہاں کسی سے یہ مت کہیں کہ آپ کے والدین میں علیحدگی ہو چکی ہے۔"

صبغہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"یہ خود کو غیر محفوظ کر لینے والی بات ہے۔"

وہ چپ چاپ فاطمہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"لوگ وجہ نہیں جانتے۔ صرف رائے دینا چاہتے ہیں۔ آپ کے والدین کے درمیان جو بھی اختلافات اور ان کے جو بھی نتائج رہے ہوں گے ان سے آپ واقف ہیں یہ لوگ نہیں۔ یہ تو صرف اندازے لگائیں گے۔ اپنی سمجھ کے مطابق اپنی ذہنیت کے مطابق...... اور ہر اندازہ بے ضرر نہیں ہوتا۔"

وہ اب بھی اسی طرح کھڑی دم سادھے فاطمہ کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ مخلص ہیں' ہمدرد ہیں' مگر انسان ہیں۔ انسان کے بارے میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ آپ سب کو یہی بتائیں کہ آپ کے والد بیرون ملک میں ہیں۔ اس صورت میں کم از کم آپ کو فضول سوال و جواب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ میں بھی ہر ایک سے یہی کہوں گی۔ اور یہ بھی کہوں گی کہ آپ ہمارے ملنے والوں میں سے ہیں۔"

صبغہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"باقی سب کچھ ٹھیک ہے زندگی میں بہت کچھ ہوتا رہتا ہے۔ اچھے دن نہیں رہتے تو برے دن بھی نہیں رہتے۔" وہ صبغہ کے ساتھ اب صحن میں آتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "انسان کی زندگی جب تک ہے تنگی اور کشادگی تو آتی رہتی ہے۔"

صبغہ کا دل چاہا وہ اس سے کہے کہ یہ صرف تنگی نہیں ہے وہ کہاں سے کہاں آ گئے تھے۔ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

وہ دروازے سے کچھ فاصلے پر تھے جب دروازے پر دستک ہوئی...... فاطمہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سلام کر کے اندر آنے والے شخص نے صبغہ کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ وہ بے حد وجیہہ تھا۔ اس کا قد تقریباً چھ فٹ تھا اور فاطمہ اور وہ خود ایک دم ہی اس کے سامنے پستہ قامت لگنے لگے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا اور فاطمہ سے بات کرتے کرتے اسے دیکھ کر ٹھٹکا تو اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

"یہ میرا بیٹا شہیر ہے۔ اور شہیر یہ ہمارے ساتھ والے گھر میں آئی ہیں۔"

صبغہ کو اس جھلک سے اندازہ ہو گیا تھا۔ شہیر...... اور فاطمہ...... وہ ان دونوں کے چہروں پر بے یقینی سے نظریں دوڑانے لگی۔ شہیر ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے رسمی علیک سلیک کے بعد وہاں رکا نہیں تھا۔ وہ فاطمہ کو خدا حافظ کہتے ہوئے

دروازے سے باہر نکل آئی۔ مگر اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ شہیر جیسا وجیہہ شخص عاطف کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ مگر وہ اس کا بیٹا تھا اور اسے دیکھتے ہوئے اسے یوں بھی لگ رہا تھا جیسے وہ اسے کہیں دیکھ چکی تھی۔ کہیں مل چکی تھی۔ ایسا ہوتا تو کم از کم شہیر ہی اسے پہچان لیتا۔ وہ واپسی کے راستے میں مسلسل اس کے بارے میں سوچتی رہی اس کا یقین پختہ ہونے لگا کہ وہ پہلے بھی اس کو کہیں دیکھ چکی ہے۔ وہ شش سا تھا۔

☆☆☆

"تم آج کل شام کے وقت کہاں ہوتے ہو؟" شائستہ نے پوچھا تو گلاس میں جوس ڈالتے ہوئے ہارون کمال کا ہاتھ رک گیا اس نے شائستہ کو دیکھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ دودھ میں کارن فلیکس ڈال رہی تھی۔

"کہیں نہیں۔" وہ دوبارہ جوس گلاس میں ڈالنے لگا۔ شائستہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کہیں نہیں؟" اس نے قدرے عجیب سے انداز میں کہا۔ "کہیں نہیں کا کیا مطلب؟"

اس بار ہارون نے قدرے غور سے شائستہ کو دیکھا۔ وہ اس کے چہرے سے کچھ اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

"کہیں نہیں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟" اس نے شائستہ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے سوال کیا۔

"یہ تم کو بتانا چاہیے۔ سوال میں نے کیا تھا۔" شائستہ کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"کہیں نہیں کا مطلب یہی ہے کہ میری مصروفیات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔" ہارون نے جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے معمول کے انداز میں کہا۔ "جو میں پہلے کر رہا تھا وہی اب کر رہا ہوں۔ پہلے تو کبھی تم نے میری شام کی مصروفیات میں دلچسپی نہیں لی۔" اس نے جوس کا گھونٹ بھر کر کہا۔ "اب اچانک تم پوچھ رہی ہو تو مجھے حیرانی ہو رہی ہے۔ جان سکتا ہوں کہ تم نے میری شام کی مصروفیات کے بارے میں کیوں پوچھا؟"

وہ جیسے اپنے کسی سے اندازے کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں۔ پوچھ سکتے ہو۔" شائستہ نے کارن فلیکس کھاتے ہوئے کہا۔ "بہت عرصے سے شام کو تم سے ملاقات نہیں ہوئی تو میں نے سوچا کہ تم سے پوچھنا چاہیے کہ آخر شام کو ہر جگہ سے کہاں غائب ہو جاتے ہو۔"

"بہت عرصے سے؟" ہارون کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ "ہم تو پچھلے پانچ سال سے شام اکٹھی نہیں گزار رہے۔" اس نے جوس کا گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔ "پھر تمہیں آج خیال آیا ہے کہ میں شام کہاں گزارتا ہوں۔"

"کیا ہم اس ایشو پر بحث کریں گے؟" شائستہ کا انداز یک دم بدل گیا۔ "میں نے تم سے صرف یہ پوچھا ہے کہ تم شام کو کہاں ہوتے ہو۔ پانچ سال اگر نہیں پوچھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آج بھی نہیں پوچھ سکتی۔ میں تمہاری بیوی ہوں تم سے کبھی یہ سوال کرنے کا حق رکھتی ہوں۔"

"جانتا ہوں کہ تم میری بیوی ہو اور اسی لیے یہ سوال سن کر اس کا جواب دے رہا ہوں۔ بحث کیے بغیر بتا چکا ہوں کہ میں کسی بھی خاص جگہ پر نہیں ہوتا۔ میری مصروفیات بدلتی رہتی ہیں اور ان مصروفیات کے ساتھ میری شام کی روٹین بھی بدلتی رہتی ہے۔"

ہارون کمال نے بھی اپنا انداز یک دم تبدیل کر لیا تھا۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ شائستہ کے ان سوالات کی وجہ اتنی عام نہیں ہے جتنی وہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کیا اسے اس کی آج کل کی مصروفیات کی بھنک پڑ گئی تھی۔

شائستہ کچھ دیر اس کے جواب پر پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ہارون کمال نے اپنے تاثرات کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کی مگر یہ آسان کام نہیں تھا۔ شائستہ کی کھوجتی ہوئی نظریں جیسے اس کے آر پار دیکھ رہی تھیں۔

"کل شام کہاں تھے تم؟" بلی بالآخر تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔

ہارون نے جوس کا گلاس دوبارہ اٹھا لیا۔ اس نے کل شام کی مصروفیات پر ایک نظر دوڑائی۔ امبر کے پاس چار گھنٹے گزارنے کے علاوہ دوسری کوئی ایسی مصروفیت نہیں تھی جسے وہ شائستہ کے حوالے سے قابل اعتراض سمجھتا اور وہ اس مصروفیت کا

ذکر کرنے سے پہلے اس بات کا یقین کر لینا چاہتا تھا کہ شائستہ اس مصروفیت کے حوالے سے اسے کریدنے کی کوشش کر رہی تھی یا کوئی اور وجہ تھی۔

"کل شام میں کلب گیا تھا۔" ہارون کمال نے ذہن پر زور ڈالنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "ایک دوست سے ملا تھا۔"

شائستہ کچھ کہے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

"بزنس کے حوالے سے بھی ایک آدمی سے ملا تھا۔" وہ خاموش ہو کر شائستہ کو دیکھنے لگا۔

"میں کل شام تم نے بھی کچھ کیا تھا؟"

"نہیں چند اور کام بھی کیے تھے مگر وہ اتنے اہم نہیں تھے۔" ہارون کمال نے اس سے نظریں چراتے ہوئے جوس کا ایک اور گھونٹ لیا۔

"مگر میں سمجھتی ہوں" وہ چند کام زیادہ اہم ہیں' کم از کم میرے لیے۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"میں صرف یہ پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ تم آج کل ڈاکٹر جاوید کے کلینک کے چکر کیوں کاٹ رہے ہو؟"

ہارون ایک لمحہ کے لیے ساکت ہوا۔ وہ کب سے یہ جانتی تھی کہ وہ ڈاکٹر جاوید کے کلینک پر جا رہا ہے۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "کافی دنوں سے۔"

"میں جانتی ہوں اور اس کے بارے میں نہیں پوچھ رہی' صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم وہاں کس لیے جا رہے ہو؟" اس نے ہارون کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

"جب تم یہ جانتی ہو کہ وہاں کتنے دن سے جا رہا ہوں تو پھر یقیناً یہ بھی جانتی ہو گی کہ کس لیے جا رہا ہوں پھر اس سوال کا فائدہ کیا ہے؟" اس بار ہارون کمال کا لہجہ بھی اکھڑ تھا۔

"ہاں میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم وہاں کس لیے جا رہے ہو مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔"

شائستہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ ابھری جیسے وہ اس وقت ہارون کمال کو شائستہ کا سامنا کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ وہ پھنسا آج ذرا اچھا تھا اپنی تمام احتیاطوں کے باوجود۔

"میں وہاں منصور علی کی فیملی کے لیے جا رہا ہوں۔" اس نے بالآخر کہا۔ اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ "اور یہ تم جانتی ہی ہو گی۔"

شائستہ کے ہونٹوں پر زہر میں بجھی ہوئی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "بہت اچھی طرح۔۔۔" اس نے کارن فلیکس کا پیالہ پیچھے دھکیل دیا۔

"منصور علی کی کون سی فیملی ہے وہاں۔ امبر اور منیزہ؟" اس نے تیز آواز میں کہا۔ "سابقہ بیوی اور وہ بیٹی جسے وہ گھر سے نکال چکا ہے۔ کیا تم اسے منصور کی فیملی کہنے میں حق بجانب ہو؟"

ہارون کمال نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اور فرض کرو کسی نہ کسی طرح میں یہ مان بھی لوں کہ وہ منصور علی کی فیملی ہی ہے پھر بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم کس رشتے اور حوالے سے ان سے ملنے کے لیے جا رہے ہو؟"

"میں وہاں اپنے کسی کام کے لیے گیا تھا۔" ہارون کمال نے کمزور لہجے میں کہا۔ "یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ منیزہ مجھے وہاں مل گئی اور اس کے اصرار کرنے پر میں امبر کو دیکھنے چلا گیا۔"

"اور پھر تم نے اپنا فرض سمجھا کہ تم ہر روز وہاں جا کر امبر کی عیادت کرو۔" شائستہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میں روز وہاں صرف اس کی عیادت کے لیے نہیں جا رہا' مجھے کچھ اور کام بھی ہیں۔"

"اور وہ کام کیا ہیں' میں جان سکتی ہوں؟" شائستہ کے لب و لہجے کی تلخی میں کوئی کمی نہیں آ رہی تھی۔

"ضروری نہیں ہے کہ میں ہر بات تم کو بتاؤں۔"

"اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تم ہر بات مجھ سے چھپاؤ۔"

"میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپا رہا۔" ہارون کمال نے قدرے مدافعانہ انداز میں کہا۔ "منصور علی کی فیملی سے ملاقات اتنا اہم واقعہ نہیں ہے کہ میں اس کا ڈھنڈورا پیٹتا پھروں۔"

"تمہیں یاد ہے کہ تمہارا بیٹا اس لڑکی کے عشق میں دیوانہ ہو کر پھر رہا ہے جس کے ساتھ ملاقات کو تم اتفاق کہہ رہے ہو اور جسے تم کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں ہو۔" شائستہ نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"اور تم..... تم وہی ہو جس نے اپنے بیٹے کو اس لڑکی سے شادی کی فرمائش پر نہ صرف ملک سے باہر بھگا دیا بلکہ اسے جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی بھی دی اور اب تمہارا اصرار ہے کہ یہ ملاقاتیں "اتفاقیہ" ہیں اور اتنی اہم نہیں کہ تم مجھے ان کے بارے میں بتاتے۔"

"میں تمہیں اس کے بارے میں وقت آنے پر بتا دیتا۔"

"اور وہ وقت کب آتا؟ دس سال بعد؟"

"رائی کا پہاڑ مت بناؤ شائستہ!"

"تم بھی مجھے بے وقوف سمجھنے اور بنانے کی کوشش مت کرو۔"

"میں کیوں تمہیں بے وقوف بناؤں گا کس لیے۔" ہارون کمال نے برہم ہوتے ہوئے کہا۔ "منصور کی فیملی سے ملاقات کا مقصد اور ہے۔ میں منصور اور اس کی فیملی کے درمیان کسی نہ کسی حد تک مصالحت چاہتا ہوں اور اسی لیے ان سے مل رہا ہوں۔"

"کیسی مصالحت؟" شائستہ مزید برہم ہوئی۔

"میں چاہتا ہوں کہ منصور اچھے طریقے سے اپنی سابقہ بیوی کے ساتھ جائیداد اور بچوں کے اخراجات کے معاملے طے کر لے۔"

"وہ کرے نہ کرے اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"تعلق ہے۔" ہارون کمال نے زور دیا۔ "منصور علی کی بیوی منصور علی کے خلاف کورٹ میں کیس کرنا چاہتی ہے۔"

"تو.....؟"

"تو یہ کہ میں نہیں چاہتا منصور علی کسی قانونی جنگ میں الجھے۔ یہ اس کے ساتھ میرے بزنس کے لیے نقصان دہ ہوگا۔"

"تم نے اس کے بارے میں منصور علی کو بتایا ہے؟"

"ہاں۔"

"منصور علی کو بلکہ میں تمہاری اور چنیزہ کی کسی ملاقات کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔"

ہارون کمال کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"میں منصور سے پوچھ چکی ہوں۔"

"میں اسے بتانے ہی والا تھا۔" ہارون نے کہا۔

"وہ عجیب سے انداز میں ہنسی۔ "اور یقیناً تم مناسب وقت کا انتظار کر رہے ہو گے۔"

ہارون نے اس کا چہرہ دیکھا اور بے اختیار دل میں اسے گالی دی۔ وہ اس وقت پوری طرح اس عورت کے رحم و کرم پر تھا اور مسلسل جھوٹ بولنے پر مجبور تھا۔ وہ عورت اسے ایک بچے کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ چنیزہ منصور کے ساتھ کورٹ سے باہر ہی کوئی معاملہ طے کر لے۔"

"اور اس مقصد کے لیے تم نے وہاں روزانہ جانا ضروری سمجھا۔" شائستہ نے اس کی بات کاٹی۔ "ہائی وادے۔ مجھے یہ سمجھاؤ کہ اس مصالحت سے بزنس کے متاثر نہ ہونے کے علاوہ تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"میں یہ سب کچھ اپنے کسی فائدے کے لیے نہیں کر رہا۔"

"تو پھر کس کے فائدے کے لیے کر رہے ہو۔ منصور کے فائدے کے لیے جسے سرے سے اس کی پروا ہی نہیں ہے۔" وہ
اپنی بیوی اور اولاد کے ساتھ ایک پُر مسرت زندگی گزار رہا ہے۔"
تھی۔ ہارون کمال نے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ شائستہ نے بڑی رکھائی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "اور دوسری طرف تم ہو کہ اس کے غم میں دبلے ہو رہے ہو۔ حماقت کی حد ہے۔ سوچ سوچ کر پاگل ہوئے پھر رہے ہو۔" شائستہ نے پانی کا گلاس اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

"مجھے حیرانی ہے ہارون! کہ تم اتنے رحم دل کب سے ہو گئے ہو کہ لوگوں میں مصالحتیں کرواتے پھرو۔ تم تو اس طرح کے آدمی نہیں تھے۔ کبھی بھی نہیں تھے۔" وہ واضح طور پر اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"تم میری بات کو جانے سوچے سمجھے بغیر مجھ پر تنقید کر رہی ہو۔"

"پاگل کر رہی ہوں کیونکہ مجھے تم سے اتنی حماقت کی توقع نہیں تھی۔ خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کر تم پہلے بھی اندھے ہوتے رہے ہو مگر اس بار ایک طلاق یافتہ لڑکی کو دیکھ کر پاگل ہو رہے ہو۔" شائستہ نے گلاس میز پر پٹخا۔

"تم مجھ پر الزام لگا رہی ہو۔ میں منیزہ کے ساتھ انوالو نہیں ہوں۔" ہارون کمال نے ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دانستہ طور پر منیزہ کا نام لیا۔

"میں نے کب کہا کہ تم منیزہ کے ساتھ انوالو ہو۔ میں تمہارا ٹیسٹ اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"تو ۔۔۔؟"

"تو ۔۔۔ میں امبر کی بات کر رہی ہوں۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو۔"

"نہیں تم پاگل ہو گئے ہو۔" شائستہ نے بھی اسی تند و تیز انداز میں کہا جس میں ہارون کمال بولا تھا۔

"اسد کو اگر تمہاری ان حرکات کے بارے میں پتا چل جائے تو وہ کیسی قیامت اٹھائے گا۔ تمہیں اس کا اندازہ ہونا چاہیے۔" اس نے حقارت آمیز انداز میں ہارون کو دیکھا۔ "اور میں ۔۔۔ میں وہ پہلا شخص ہوں گی جو اسد کو اس بارے میں اطلاع فراہم کرے گی۔" اس نے واضح طور پر ہارون کو دھمکی دی تھی۔

"تم یہ سمجھتی ہو کہ میں اسد کو اس لڑکی سے شادی سے منع کرنے کے بعد اب خود اس لڑکی کے عشق میں پاگل ہو رہا ہوں، اس لیے وہاں جا رہا ہوں؟" ہارون کمال نے بے یقینی سے کہا۔

"نہیں میں نے یہ نہیں کہا کہ تم اس لڑکی کے عشق میں پاگل ہو رہے ہو۔ تم کسی سے عشق کرنے کے قابل نہیں ہو مگر جہاں تک وہاں جانے کا تعلق ہے۔ ہاں تم وہاں اسی لڑکی کے لیے جا رہے ہو۔" اس نے تضحیک آمیز انداز میں کہا۔

"اتنے سال میرے ساتھ رہنے، مجھے جاننے کے باوجود تم میرے بارے میں یہ سب کچھ کہہ رہی ہو۔"

"ہاں تمہارے ساتھ اتنے سال رہنے کے بعد ہی تو میں تمہیں اچھی طرح جان پائی ہوں۔" شائستہ دو دھاری تلوار کی طرح ہو رہی تھی۔ "اتنے سال میں نے کبھی تمہیں کسی عورت کے ساتھ تعلقات بڑھانے سے نہیں روکا۔ نہ میں نے احتجاج کیا نہ جتایا۔ میں خود تمہیں مواقع فراہم کرتی رہی مگر اس بار ایسا نہیں ہوگا۔ پہلا شخص تمہارے سامنے پڑا ہے۔ جاؤ کسی بھی عورت کے پیچھے خوار ہو مگر اس لڑکی کے پیچھے نہیں کیونکہ اس لڑکی کے ساتھ ہونے والا تمہارا تعلق مجھے اور میری فیملی کو تباہ کر دے گا اور یہ میں کبھی ہونے نہیں دوں گی۔"

شائستہ کا سانس پھول رہا تھا۔

"مجھے اس لڑکی کے وجود اور نام سے بھی نفرت ہے اور میں یہ برداشت نہیں کروں گی کہ تم اس لڑکی کے ساتھ رومانس کرتے پھرو۔ کل اس کے لیے اسد میرے سامنے کھڑا ہو گیا تھا آج یا آنے والے کل تم ہو جاؤ گے ۔۔۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو بھی میں نہیں چاہتی کہ تم اور اسد اس ایک لڑکی کی وجہ سے ایک دوسرے سے منہ چھپاتے پھرو اس لیے میں تمہیں وارن کر رہی

ہوں دوبارہ منصور علی کی فیملی سے تمہارا کوئی رابطہ نہیں ہونا چاہیے ورنہ میں کیا کروں گی یہ تمہیں جان لینا چاہیے۔"

وہ سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھی۔

ہارون کمال بالکل ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اس سے پہلے شائستہ سے کبھی اتنی نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی نفرت وہ اس وقت محسوس کر رہا تھا۔ اسے وہ عورت نہیں آکٹوپس لگ رہی تھی جس نے اس وقت اسے ہر طرف سے بے بس کر دیا تھا۔ کافی سال پہلے ایک ٹین ایجر لڑکی سے شادی کرتے ہوئے اس کے خواب و خیال میں بھی یہ نہیں آیا تھا کہ وہ کبھی ڈری شرمائی ہوئی لڑکی اتنی بے خوف اور دلیر ہو جائے گی کہ اسے اپنی مٹھی میں لینے کی کوشش کرے گی اور اب جب ایسا ہو رہا تھا تو وہ بے بسی کی ایک عجیب کیفیت کا شکار تھا۔ شائستہ اس کے اور امبر کے درمیان آ رہی تھی۔

اسے شائستہ کا کوئی خوف نہ ہوتا اگر اسد امبر کے لیے پسندیدگی کا اظہار نہ کر چکا ہوتا اور وہ اسد سے امبر کے بارے میں وہ سب کچھ نہ کہہ چکا ہوتا جو وہ کہہ چکا تھا۔ جس کا نکاس اس کے سامنے نکل پر دھرا تھا مگر وہ اسے بتا بھول چکا تھا۔ امبر پھر اسے اپنے ہاتھ سے نکلتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ ایک عجیب سی تکلیف کا شکار تھا۔

☆☆☆

شہیر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد فاطمہ کے کمرے میں آیا۔ فاطمہ کھانا لگا چکی تھی۔

"علی اور ثوبی کہاں ہیں؟" شہیر نے پوچھا۔

"وہ دونوں مارکیٹ گئے ہیں۔" فاطمہ نے بتایا۔

وہ زمین پر بچھے دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں کھانا کھاتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔ شہیر اسے دن بھر کی مصروفیات بتا رہا تھا۔ وہ اسکول میں ہونے والے واقعات سے اس کو آگاہ کر رہی تھی۔ کھانے پر روز یہی ہوتا تھا۔ علی اور ثوبی موجود ہوتے تو وہ اپنے مسائل اور جھگڑے گوش گزار کر رہے ہوتے۔ وہ نہ ہوتے تو وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنے مسائل ڈسکس کرتے۔ شہیر کے مزاج میں فطرتاً ایک جھجک تھی وہ کم گو تھا اور جب علی اور ثوبی نہ ہوتے تو وہ نسبتاً زیادہ آسانی سے فاطمہ کے ساتھ اپنے مسائل یا پھر پیش آنے والی کسی پریشانی اور دقت کے بارے میں بات کرتا مگر علی اور ثوبی کے سامنے وہ صرف ان ہی کی بات سنتا اور مشورے دیتا۔ اپنے بارے میں وہ کم ہی گفتگو کرتا۔ وہ ایم بی اے کر رہا تھا اور شام کے اوقات میں ایک ادارے میں پارٹ ٹائم جاب کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ ٹیوشنز بھی کرتا تھا۔ شروع سے اسکالرشپ پر پڑھنے کے باوجود وہ اب جس ادارے میں تعلیم حاصل کر رہا تھا وہاں بہت سے ایسے اخراجات تھے جو کام کیے بغیر پورے نہیں کر سکتا تھا نہ ہی فاطمہ کی تنخواہ اس کی ضروریات پوری کر سکتی تھی۔

وہ یونیورسٹی سے واپس آنے کے بعد کھانا کھاتا اور پھر اپنی جاب پر چلا جاتا۔ وہاں سے اس کی واپسی تقریباً دس بجے ہوتی تھی اور اس وقت وہ اتنا تھک چکا ہوتا تھا کہ اس کا کسی سے بات کرنے کا دل نہیں چاہتا تھا۔ البتہ دوپہر کے کھانے پر وہ اور فاطمہ اگر اکیلے ہوتے تو زیادہ تر وہی بول رہا ہوتا۔ فاطمہ صرف سنتی تھی۔

آج خلاف معمول فاطمہ نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ وہ اسے صبغہ اور اس کی فیملی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ شہیر بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔ اسے فاطمہ کے "سوشل ورک" پر حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ وہ بچپن سے یہی سب کچھ دیکھتا آ رہا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو بھی اپنے جوش میں دوسروں کے لیے دل آزاری اور پریشانی کا سبب بنتے نہیں دیکھا تھا نہ ہی کسی نے بھی فاطمہ کو احساس دلایا تھا۔ ماں کی "اچھی شہرت" بہت سی جگہوں پر اس کی شناخت اور تعارف بنی تھی اور بہت سے موقعوں پر اس نے اس کے لیے آسانیاں بھی پیدا کی تھیں۔

اس وقت بھی جب فاطمہ اسے صبغہ کے بارے میں بتا رہی تھی تو وہ صرف خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس کے ذہن میں صرف ایک الجھن تھی جو صبغہ سے ہونے والی ملاقات نے پیدا کی تھی۔ صبغہ جس طرح اسے دیکھ کر چونکی تھی وہ اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا تھا اور اس کے اس ردعمل نے اسے کسی حد تک الجھن کا شکار کیا تھا۔

"وہ مجھے دیکھ کر اتنی حیران کیوں ہوئی تھی؟" اس نے فاطمہ کی بات سنتے ہوئے اچانک پوچھا۔
"کون صبغہ؟" فاطمہ نے رک کر کہا۔
"ہاں، آپ نے اس سے میرا تعارف کروایا اور وہ..." شہیر اپنی بات کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ صبغہ کے ردعمل کے بارے میں اپنا تجزیہ کس طرح بتائے۔ فاطمہ اس کے ادھورے جملے پر مسکرائی۔
"ہاں، وہ حیران ہوئی تھی۔" اس نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔
"مگر کیوں؟"
"وہ سوچ رہی ہوگی کہ تم میرے بیٹے کیسے ہو سکتے ہو؟"
فاطمہ اتنے سالوں میں ان تینوں کا تعارف اپنی اولاد کے طور پر کروانے پر اس حیرت اور پھر ریمارکس کی عادی ہو چکی تھی۔ شہیر نے ماں کے تبصرے پر قدرے ناراضی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"کیوں میں آپ کا بیٹا کیوں نہیں ہو سکتا؟" اس کی آواز میں برہمی تھی۔ "ضروری تو نہیں ہے کہ اولاد کی شکل بالکل ماں باپ جیسی ہو۔ کچھ مختلف بھی ہو سکتی ہے اور بالکل مختلف بھی ہوتی ہے پھر کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ دوسروں کو منہ کھول کر دیکھا جائے۔"
فاطمہ اس کی بات پر بے اختیار ہنسی۔ شہیر واقعی برا مان گیا تھا جبکہ ایسا بہت کم ہوتا تھا۔
"کیوں کس نے منہ کھول کر دیکھا تمہیں۔ صبغہ نے؟"
"ظاہر ہے امی! میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔"
"اگلی بار نہیں دیکھے گی۔ صرف پہلی بار ہی حیرانی ہوئی اسے۔ اب تو ساتھ والے گھر میں ہوگی۔ دیکھتی رہے گی۔ کم از کم دوبارہ بھی منہ کھول کر نہیں دیکھے گی تمہیں۔" فاطمہ مزے سے کہہ رہی تھی۔
"مجھ میں اور آپ میں بہت مشابہت ہے۔" شہیر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
"اچھا... کیسے؟" فاطمہ نے دلچسپی سے پوچھا۔
"میری اور آپ کی رنگت میں فرق ہے مگر فیچرز تو ملتے ہیں۔"
"نہیں۔ فیچرز اتنے بھی نہیں ملتے۔" فاطمہ نے اس کی بات کاٹی۔
"میری آنکھیں آپ جیسی ہیں۔"
"تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں ان کی رنگت بھی مختلف ہے۔"
شہیر کھانا کھاتے کھاتے رک کر فاطمہ کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے نقوش میں واقعی ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے وہ کبھی اپنے چہرے میں پاتا۔ آنکھیں، ناک، ہونٹ، بال، رنگت... سب کچھ بالکل مختلف تھا۔ فاطمہ نے اسے اپنے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اس کی خاموشی کو بھی محسوس کیا تھا۔ اس نے نظریں چرا کر توجہ کھانے پر مرکوز کر دی۔
"میرا دل تو آپ کے جیسا ہے۔" اس نے شہیر کو مدھم آواز میں کہتے سنا۔ وہ لقمہ منہ تک لے جاتے ہوئے رک گئی۔
شہیر نے اس کی آنکھوں میں نمی کو اترتے دیکھا۔
"کھانے میں مرچ زیادہ ہے۔ کیوں شہیر!" اس نے شہیر کی طرف دیکھے بغیر پانی کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ پانی کے گھونٹ کے ساتھ وہ بہت کچھ اندر لے گئی تھی آنسوؤں کے اترتے ریلے کو بھی۔ شہیر نے ماں کو غور سے دیکھا۔ فاطمہ کو اکثر کسی نہ کسی بات پر کھانا کھاتے ہوئے مرچ زیادہ محسوس ہونے لگتی تھی وہ عادی تھا۔ اس نے ماں کے سوال پر منہ میں لیے گئے لقمے کے ذائقے پر غور کیا۔
"ہاں، شاید۔" اس نے کہا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کبھی ماں کی رائے سے متفق نہ ہوتا۔ "آئندہ کم ڈالا کریں۔" اس نے کہا۔

ایک بار پھر اسے اپنی بات یاد آئی۔

"میرا دل تو آپ کی طرح خوبصورت ہے۔" فاطمہ کی آنکھوں میں اس بار چمک اتری تھی۔ وہ مسکرادی۔ شہیر نے ایک بار پھر اس کو غور سے دیکھا۔

"یا پھر آپ اس بار یہ کہہ دیں گی کہ آپ کا دل مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے، وہ بھی میرے جیسا نہیں۔" فاطمہ اس کی اس تعریف پر ہنس پڑی۔

"اگر تمہارے بجائے شہر کو دیکھ کر یہ منہ کھول کر حیرانی کا اظہار کرتی تو شہر کے پاؤں آج زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ وہ کہتا تھا دیکھیں حسن یوسف۔ مجھے دیکھ کر لڑکیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں۔"

شہیر اس کی بات پر بے اختیار ہنسا۔ فاطمہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ شہر یقیناً یہ نہیں تو اسی سے ملتا جلتا جملہ کہتا۔ اسے شہیر کی نسبت اپنی وجاہت کا زیادہ احساس تھا۔

☆☆☆

"تم منیزہ سے ملتے رہتے ہو؟" منصور سے ہارون کی ملاقات اگلے دن ہوئی تھی اور منصور کا انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔ ہارون کو شائستہ سے ہونے والی گفتگو کے بعد ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے ابھی منصور کو بھی بہت ساری وضاحتیں دینی پڑیں گی اور وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار تھا۔

"ہاں میں منیزہ اور امبر سے مل رہا ہوں۔" ہارون نے بڑے تحمل انداز میں کہا۔

"اور تم نے اس کے بارے میں مجھے بتانے کی زحمت تک نہیں کی۔" منصور برہم ہوئے۔ "اگر شائستہ بھی مجھے نہ بتاتیں تو مجھے تو پتا بھی نہ چلتا۔"

"شائستہ بے وقوف ہے۔" ہارون نے کہا۔ "پتا نہیں اس نے تم سے کس طرح بات کی ہے۔"

منصور نے تلخی سے اس کی بات کاٹی۔ "نہیں میں نہیں سمجھتا کہ وہ بے وقوف ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ سب کچھ بتا کر بہت اچھا کیا ہے۔"

"کیا بتایا ہے اس نے تمہیں؟" ہارون یک دم محتاط ہو گیا۔

"یہی کہ تم باقاعدگی سے منیزہ اور امبر کے ساتھ مل رہے ہو۔ وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ کیا میں اس کے بارے میں جانتا ہوں مگر میرے تو فرشتوں تک کو خبر نہیں تھی۔"

"منصور! میرے ان دونوں سے ملنے کی کوئی وجہ تھی۔" ہارون کمال نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔ کم از کم شائستہ نے امبر کے ساتھ اس کے کسی افیئر کے بارے میں منصور کو نہیں بتایا تھا۔

"اور دیکھو تمہیں میرے ان سے ملنے کا کتنا فائدہ ہوتا رہا۔" اس نے کہا۔ "میں نے تمہیں اسامہ اور صبغہ کی آپس میں ہونے والی ملاقات کے بارے میں بتایا۔" منصور نے اس کی بات کاٹی۔

"مگر تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم خود وہاں منیزہ اور امبر سے ملنے جاتے رہے ہو۔"

"میں تمہیں بتانے ہی والا تھا مگر اس سے پہلے ہی تمہیں شائستہ سے پتا چل گیا۔ میری وہاں تمہاری سابقہ بیوی سے اتفاقی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ امبر کے علاج کے لیے اسے وہاں لے کر آئی ہوئی تھی اور امبر کی حالت ان دنوں خاصی خراب تھی۔ میں شروع میں تو صرف ہمدردی کے جذبے کے تحت ان سے ملنے چلا جاتا تھا۔" منصور کسی دلچسپی کے بغیر اس کی باتیں سن رہے تھے۔

"بلکہ میں تم سے بھی کہنے والا تھا کہ تم بھی امبر کی خیریت دریافت کرنے جاؤ۔"

"میری طرف سے وہ مرے یا جئے مجھے اس کی پروا نہیں۔" منصور نے یک دم بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں مجھے تم سے اسی طرح کے ردعمل کی توقع تھی اسی لیے میں نے تم سے یہ بات نہیں کی۔" ہارون نے جلدی سے کہا۔ "بعد میں مجھے اچانک پتا چلا کہ منیزہ تم پر کیس دائر کرنا چاہتی ہے۔ میں نے ضروری سمجھا کہ میں اسے سمجھاؤں۔"

"کیس داخل کر چاتی ہے تو بڑے شوق سے کرے کون ڈرتا ہے اس سے۔ میں اس کو کورٹ کے چکر لگوا کر اتنا ذلیل کروں گا کہ اس کا دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔" منصور مزید برہم ہوئے۔

"وہ صرف کیس نہیں کر چاتی تھی، وہ اخباروں میں تمہارے خلاف بیان بھی دینا چاہتی تھی۔ تم چیمبر کے ممبر ہو، بزنس کمیونٹی میں تمہاری ایک ساکھ ہے۔ اگر تمہاری سابقہ بیوی اور بچے اٹھ کر تمہارے خلاف اخباروں میں بیان دینا شروع کر دیں اور ساتھ یہ کہیں کہ اس نے دھکے دے کر ان کو گھر سے نکالا ہے اور اپنی بیٹیوں تک کا خیال نہیں کیا تو لوگوں کی ہمدردیاں کس طرف ہوں گی تمہیں پتا ہونا چاہیے۔" وہ بڑی چالاکی سے اپنے پتے استعمال کر رہا تھا۔

"تمہارے ساتھ ساتھ میرا نام بھی خراب ہو گا کیونکہ تم میرے بزنس پارٹنر ہو اور پھر سب سے بڑی بات چیمبر کے الیکشن قریب ہیں۔ تمہیں تو اس طرح کی مقدمہ بازی اور بیان بازی کے بعد کوئی اپنے گروپ کی طرف سے کھڑا نہ کرتا۔"

منصور علی اس بار قدرے سنجیدگی سے اس کی بات سن رہے تھے۔

"اور تمہارے ساتھ ساتھ میرے ووٹ بینک میں بھی کمی آتی۔ مجھے اس متوقع صورت حال سے نمٹنے کے لیے کچھ تو کرنا ہی تھا۔" وہ ان کے بہترین خیر خواہ کی طرح گفتگو کر رہا تھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ہر چیز کو پہلے سے بھانپ کر اس کے مطابق پلاننگ کرتا ہوں۔ میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی نظر انداز نہیں کرتا اور اس طرح کا جھگڑا یقیناً کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتی تھی۔" وہ چند لمحوں کے لیے رکا۔

منصور علی کے ماتھے کی شکنوں میں قدرے کمی آ گئی تھی۔

"تمہیں تو میں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ میں نے تمہاری بچی کے میڈیکل بلز کی ادائیگی کی ہے۔"

"کیوں کی ہے تم نے۔" منصور علی بگڑ گئے۔ "منیزہ اپنے بھائی کے گھر جیسی ہوئی ہے وہ کرتا۔"

"مگر وہ تمہاری اولاد پر کچھ بھی خرچ کرنے کو تیار نہیں ہے۔"

"یہ ان کا مسئلہ ہے میرا نہیں اور تمہیں بھی ان کی مدد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں کم از کم ہر ماہ انہیں اخراجات کے لیے کچھ رقم ضرور دینا چاہیے۔" ہارون کمال نے کہا۔ "وہ لوگ اگر کورٹ میں جاتے ہیں تو کورٹ بھی ان کے حق میں فیصلہ کرے گا اور تمہیں مجبور کرے گا کہ تم اپنے بچوں کے اخراجات کے لیے انہیں رقم دو۔"

"میں ان لوگوں کو ایک پیسہ نہیں دوں گا۔"

"سوچ لو میں نے صورت حال تم پر پوری طرح واضح کر دی ہے۔ منیزہ کے خیالات بھی تم تک پہنچا دیے ہیں اور ممکنہ نتائج سے بھی تمہیں آگاہ کر دیا ہے حل بھی تجویز کر دیا ہے۔ اب تم اگر پھر بھی اپنے فیصلے میں تبدیلی نہیں لاتے تو ٹھیک ہے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" وہ رکا اور اس نے ایک سگریٹ سلگایا۔

منصور اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ "جہاں تک میرا تعلق ہے میں اب منیزہ سے یا تمہاری فیملی سے رابطہ نہیں کروں گا کیونکہ شائستہ کا خیال ہے کہ مجھے تمہارے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑانی چاہیے اور تمہارے مسئلے کو حل کرنے کے لیے تم پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔"

وہ شائستہ کے ساتھ ہونے والے اختلاف کو بڑی کامیابی سے اپنے لیے استعمال کر رہا تھا۔

"تم ویسے بھی میری بیوی کی نیچر کو جانتے ہو۔ وہ دوسروں کے معاملات میں زیادہ دلچسپی لیتی ہے نہ ہی دخل اندازی کرتی ہے مگر میرا معاملہ مختلف ہے۔ میں دوستوں کو ہر ممکنہ حد تک نہ صرف بچانے کی کوشش کرتا ہوں بلکہ ان کی مدد بھی کرتا ہوں۔" اس نے سگریٹ کا کش لگایا۔

"شائستہ ویسے بھی اس طلاق کے بعد تمہارے بارے میں کچھ زیادہ اچھی رائے نہیں رکھتی اور تمہارے ساتھ میری دوستی کو چونکہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا اس لیے وہ تمہیں میرے اچھے دوستوں میں سے بھی ماننے سے انکار کر رہی ہے اور میں تمہارے

ساتھ تعلقات کی نوعیت اور گہرائی کے بارے میں اس کو سمجھانے سے قاصر ہوں۔"
منصور کے چہرے پر موجود تناؤ اب مکمل طور پر غائب ہو چکا تھا۔

"تم اپنے معاملے کو بہتر طریقے سے ہینڈل کر سکتے ہو اور تمہیں کرنا چاہیے۔ میں دوبارہ اس معاملے میں نہیں پڑوں گا کیونکہ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری نیک نیتی کو تم بھی کوئی اور رنگ دینے کی کوشش کرو۔"

"مجھے تمہاری نیک نیتی پر کوئی شبہ نہیں ہے۔" منصور علی نے بے اختیار اس کی بات کاٹی۔ "کم از کم تم یہ ذہن میں بھی مت لاؤ کہ میں تمہاری نیت کے بارے میں کسی شک کا اظہار کر رہا ہوں۔" منصور علی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"میں اس پورے معاملے کے بارے میں غور کروں گا اور بہت جلد تمہیں بتاؤں گا کہ میں کیا کرنے والا ہوں میں تمہاری تجویز پر بھی غور کروں گا۔" ہارون کمال مطمئن ہوتے ہوئے اس کے آخری جملے پر اچھلے۔

"میری تجویز؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں تم ماہانہ اخراجات کی بات کر رہے تھے۔" منصور علی نے کہا۔ "میرا خیال ہے مجھے ان لوگوں کو ہر ماہ کچھ نہ کچھ رقم دے ہی دینی چاہیے۔ اس سے کم از کم اس عورت کا منہ بند رہے گا۔"

ہارون کمال کا منہ کھلا رہ گیا۔ کسی نے اس کے پیٹ میں جیسے گھونسا مارا تھا۔ اسے اپنا سارا پلان غارت ہوتا نظر آنے لگا تھا۔ منصور علی کو جھوٹی وضاحتیں دینے کے لیے استعمال کی جانے والی ایک بات جس کے بارے میں اسے سو فیصد یقین تھا کہ منصور اس پر رضامند نہیں ہوگا اب اس کے گلے کی ہڈی ثابت ہونے والی تھی۔ منصور کی طرف سے ماہانہ اخراجات اٹھانے کا مطلب تھا کہ اب وہ امبر کی فیملی کی مالی مدد کر کے ان پر جو اثر و رسوخ قائم کر سکتا تھا وہ موقع اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ وہ منصور کا منہ دیکھ رہا تھا۔

"کورٹ میں جانے کی صورت میں بھی تو پیسہ خرچ ہوگا تو وہ خرچ ایسے ہی سہی۔"

منصور سوچتے ہوئے کہہ رہے تھے اور ہارون کمال پچھتا رہا تھا۔ اس کے ستارے آج کل پوری طرح گردش میں آئے ہوئے تھے۔

"ہاں تم سوچ لو اور پھر کوئی فیصلہ کرو۔" ہارون کمال نے اپنے دماغ کے گھوڑے کسی اور دوڑاتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔ وہ اپنے آپ کو بے تحاشا کوس رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے چند دن صبغہ ہر روز کرائے کے گھر میں آ کر وہاں ہونے والا مرمت کا کام دیکھتی رہی۔ فاطمہ نے جن مزدوروں کا انتظام کیا تھا وہ واقعی بڑی محنت اور اچھے طریقے سے کام کر رہے تھے۔ صبغہ چند گھنٹے وہاں گزارتی پھر جب فاطمہ گھر آ جاتی تو وہ اسے گھر بھیج دیتی۔

"اب ان کی نگرانی میں کروں گی تم چلی جاؤ۔" صبغہ پر ان کے احسانات کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ اگلے چند دنوں میں جنید اور ثوبی سے بھی ملی تھی۔ شہیر کی طرح ثمر نے بھی اس سے صرف رسمی علیک سلیک کی تھی مگر جنید اس کے ساتھ باتیں کرتی رہی تھی۔ دونوں کے درمیان کچھ بے تکلفی پیدا ہو گئی تھی۔

ایک ہفتے میں کام مکمل ہونے کے بعد وہ منیزہ کو وہاں لے کر آئی۔ منیزہ گھر کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھیں اور اس کا یہ ردعمل صبغہ کے خلاف توقع نہیں تھا۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ ایک بڑے گھر اور پوش علاقے سے دو کمرے کے گھر اور مڈل کلاس علاقے میں آنا کتنا دشوار تھا مگر ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ منیزہ امبر کو لے کر واپس گھر آ چکی تھیں وہ اس کے گھر آنے کے اگلے ہی دن منصور اور اس کی بیوی نے ان سے منگنی کی بات کی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی شادی کی تیاریاں بھی کر رہے تھے اور انہوں نے اس حوالے سے بھی منیزہ کو جگہ کی کمی کا عندیہ دیا تھا۔ منیزہ پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ کم از کم اس گھر میں مزید رہنا ان کی خواہش کے باوجود بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ صبغہ کے کرائے پر لیے گئے گھر کو

دیکھنے کے لیے بھی آ گئی تھیں اور یہاں آ کر اس گھر کو دیکھ کر ان کی ناخوشی اور اضطراب میں اضافہ ہوا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ وہ اسی وقت صبغہ کے ساتھ گھر دیکھنے آ گئیں جب فاطمہ گھر پر موجود نہیں تھی۔ اس کو بچا بچا کر دیکھنے کے باوجود صبغہ انہیں وہاں کے گرد کے ماحول اور بہت سی دوسری آسائشوں کے بارے میں بتاتی رہی مگر منیزہ کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہاں سے منیزہ کے ساتھ واپس صفدر کے گھر جاتے ہوئے منیزہ خاموش تھیں اور صبغہ بے حد مایوس اور بددل۔ رات کو صفدر سے ملاقات پر منیزہ نے یا قرآن سے کہہ دیا تھا۔

"مجھے وہ گھر پسند نہیں آیا کوئی اور گھر دیکھنا چاہیے۔"

"کیوں کیا خرابی ہے اس گھر میں؟" صفدر نے قدرے ناگواری سے کہا۔ "میں خود وہ گھر دیکھ چکا ہوں اور مجھے تو ٹھیک ہی لگا ہے۔"

"وہ بہت چھوٹا ہے۔" منیزہ نے دبی زبان میں کہا۔

"وہ گھر تم لوگوں کے لیے کافی ہیں۔ یہاں تو تم لوگ ایک کمرے میں رہ رہے ہو۔" اس بار منیزہ کی بھابھی نے کہا۔

"یہاں تو مجبوری ہے۔"

"تو وہاں بھی مجبوری سمجھ کر گزارہ کر لینا۔" منیزہ کی بھابھی نے کھٹاک سے کہا۔ منیزہ نے صفدر کو دیکھا جس کے ماتھے پر بل آہستہ آہستہ بڑھتے جا رہے تھے۔

"مگر اس گھر میں سہولتیں نہیں ہیں۔"

"کیا سہولتیں نہیں ہیں۔ بجلی پانی گیس سب کچھ ہے۔ ہاں ماربل نہیں لگا ہوا یا اٹیچ باتھ اور امریکن کچن نہیں ہے تو کرایہ بھی تو کم ہے۔ بجلی اور گیس کا بل بھی تو کم آئے گا اور ان حالات میں جتنے اخراجات کم ہوں تمہارے لیے اتنا ہی اچھا ہے۔" صفدر نے کسی لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔

"مگر بھائی جان! ہم کبھی محلے میں نہیں رہے۔ ہمیں تو اس طرح کے ماحول میں رہنے کی عادت ہی نہیں ہے جو ماحول وہاں کا ہے۔" منیزہ نے کہا۔

"وہاں رہنا شروع کرو گی تو عادت پڑ جائے گی۔ وہاں بھی انسان ہی رہتے ہیں۔" صفدر کی بیوی نے تکلف انداز میں کہا۔

"صبغہ نے مجھے بتایا تھا ساتھ والے گھر میں بہت اچھی خاتون رہتی ہیں اور باقی محلے کے لوگ بھی اچھے ہیں، یہ کافی ہے۔ تم نے ویسے بھی گھر کے اندر رہنا ہے باہر نہیں۔" اس بار صفدر نے کہا۔

"میں سوچ رہی تھی اگر کہیں اور گھر..... میرا مطلب ہے اسی کالونی میں۔" صفدر نے ان کی بات کاٹی۔

"یہاں پر کرائے بھی زیادہ ہیں اور ایڈوانس بھی پھر زیادہ ہوں گے۔ یہ سب کون دے گا۔ میں تو افورڈ نہیں کر سکتا۔ میں تو کہتا ہے کہ وہ چار ہزار ہر ماہ دے دوں۔ اس سے زیادہ تو میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" وہ صفدر کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

"جب تم افورڈ کر سکو گی تو پھر جس کالونی میں دل چاہے گھر لے لینا، ہمیں کیا اعتراض ہوگا۔" منیزہ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔

صفدر کے پاس سے اٹھ کر آنے کے بعد بھی منیزہ نے ہار نہیں مانی تھی۔ انہوں نے ہارون کمال کو کال کی۔ ہارون نے بڑی خوشی اور مسرت کے عالم میں کال ریسیو کی۔

"ہارون بھائی! آپ اپنے کسی گھر کی بات کر رہے تھے جہاں ہم شفٹ ہو سکیں۔" مختصری تمہید کے بعد منیزہ نے کہا۔

"ہاں مگر صبغہ نے تو گھر کا انتظام کر لیا تھا؟"

"ہاں مگر وہ گھر بہت چھوٹا اور بہت ہی گندے علاقے میں ہے۔ ہم وہاں نہیں رہ سکتے۔"

"میں جانتا تھا اسی لیے میں نے آپ کو آفر بھی کی تھی مگر اب تو ایک مسئلہ ہو گیا ہے بھابھی!"

"کیا مسئلہ ہو گیا ہے؟" منیزہ کا دل بے اختیار ڈوبا۔

"میری امی کی تو ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ میں ایکٹر اور ماڈل بنوں۔ وہ تو بہت خوش ہوں گی اور میرے بھائی تو میری کسی بات کو ٹالتے ہی نہیں۔ انہیں بتاؤں گا تو وہ فوراً آپ کے پاس آ جائیں گے۔" اس نے جھوٹ کے آگے پیچھے ربط جوڑے۔

"اچھا تو پھر تم ایسا کرو کسی اپنے بھائی کو میرے پاس بھجواؤ۔" سر یاسین کو اس کی بات پر کسی حد تک یقین آ گیا۔

"وہ آج کل شہر سے باہر ہمارے گاؤں گئے ہیں۔ وہ تین ہفتے کے بعد آئیں گے۔" ثمر نے اسی سانس میں اگلا جھوٹ بولا۔ سر یاسین نے اسے غور سے دیکھا۔

"اچھا تو پھر اپنی امی سے مجھے ملواؤ۔"

"وہ تو پردہ کرتی ہیں۔ ہاں میں فون پر بھائی یا امی سے آپ کی بات کروا دیتا ہوں۔" اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

سر یاسین نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا اور دو تین دفعہ اسے تھپتھپایا۔

"فون پر وہ تمہاری امی یا بھائی سے بات کرے جو تمہیں جانتا نہ ہو۔ ہر قسم کی آواز تم نکال لیتے ہو اور مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں فون پر بات کروں۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ گھر سے اجازت نہیں ہے اور نہ ہی ملے گی۔"

ثمر بے اختیار کھلکھلایا۔ "جب آپ کو پتا ہے تو پھر اجازت کی بات کیوں کر رہے ہیں۔" اس نے جھینپتے ہوئے کہا۔ "یہ پاکستان ہے یہاں بھلا کسی کے گھر والے اتنی خوشی سے کسی کو ایکٹر بننے کی اجازت نہیں دے سکتے گھر میں نے تو شوبز کے علاوہ اور کہیں جانا ہی نہیں۔ آپ مجھے ملوا دیں ان سے میں ماڈلنگ کروں گا۔"

سر یاسین کچھ دیر اسے گھورتے رہے پھر انہوں نے جیسے ہتھیار ڈال دیے۔ جیب سے والٹ نکالا اور ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر اسے دیا۔

"ان سے جا کر ملو میرا ریفرنس دینا اور دیکھو جہاں بھی کام کرنا شرافت سے کام کرنا۔" سر یاسین نے بات کرتے کرتے پچیس دفعہ کا دہرایا ہوا جملہ بولا۔

"سو فیصد شرافت سر۔" ثمر نے سو دفعہ دہرایا جانے والا جواب دیا۔ وہ اب کارڈ پر نظریں ڈال رہا تھا۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ سر یاسین اس کا کندھا تھپک کر اب وہاں سے جا چکے تھے۔ ثمر کو جیسے پر لگ گئے تھے۔ اس دن وہ پورے کالج میں اڑتا پھرا تھا جو چند کلاسز وہ پہلے اٹینڈ کر لیتا تھا وہ بھی اس نے نہیں کی تھیں۔ سارا دن وہ تصور میں اپنے آپ کو اسکرین پر دیکھتا رہا تھا۔

گھر آ کر بھی وہ بے حد خوش تھا اور اس کی خوشی کسی سے بھی پوشیدہ نہیں رہی تھی مگر اس نے کسی کو اس کی وجہ بتانے کی حماقت نہیں کی تھی ورنہ اس کا نتیجہ جو ہوتا وہ جانتا تھا۔

عالی نے بڑے تعجب سے اس دن اسے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں باقاعدگی اور خشوع و خضوع سے مسجد میں پڑھنے کے لیے جاتے دیکھا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ نماز باقاعدگی سے نہیں پڑھتا تھا۔ عشاء کی نماز سے واپسی پر وہ جب آیا تو وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"اللہ خیر کرے ثمر صاحب نے آج اسلام قبول کر لیا ہے اور دھڑا دھڑ عبادت ہو رہی ہے۔ کسی اور ٹیسٹ میں فیل ہو گئے ہو یا پھر کوئی ٹیسٹ ہونے والا ہے؟"

اسے یہی شک ہوا تھا کہ وہ کالج میں ہونے والے کسی ٹیسٹ کی وجہ سے اس طرح نمازیں پڑھ رہا ہے۔ وہ پہلے بھی اسی طرح کیا کرتا تھا۔

"وہ دن گئے جب لوگ ٹیسٹ دیا کرتے تھے یا ان میں فیل ہوتے تھے۔ اب لوگ کچھ اور کریں گے۔"

ثمر کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ اپنی کتاب پر جھکے اکبر کو نظر انداز کرتے ہوئے عالی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور کتاب بند کر دی۔ ثمر اپنے جملوں پر بے اختیار پچھتایا۔ عالی بلا کی ذہین اور بال کی کھال اتارنے میں ماہر تھی اور کتاب بند کرنے کا

مطلب کیا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

"نیند آ رہی ہے بڑی نیند آ رہی ہے۔" اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس نے جمائی لی اور پھر آنکھیں مسلتے ہوئے سست سے انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کوئی ایکٹنگ وغیرہ شروع کرنے والے ہو تم؟" اس نے اپنی پشت پر جلی کی سنجیدہ آواز سنی۔

"بڑا فرق۔" قمر زیر لب بڑبڑایا۔ "چل رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"اور چونکہ تم --- یا پھر کسی آڈیشن کے لیے جانے والے ہو؟"

قمر پیچھے مڑا۔ "مجھ سے کچھ کہہ رہی ہو؟" اس نے بڑے معصوم سے انداز میں کہا۔

"کمرے میں، میں اور تم دو ہی جاندار ہیں اور مجھے یقیناً خود کلامی کی عادت نہیں ہے۔" وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"تو کیا پوچھ رہی تھیں تم؟" قمر نے سوچنے کی کوشش کی۔

"دوبارہ دہراؤں؟"

"ہاں ہاں --- یاد آ گیا۔ تم ایکٹنگ کی بات کر رہی تھیں۔" وہ کہتے ہوئے دوبارہ اس کے پلنگ پر بیٹھ گیا۔

"شیکسپیئر کہتا ہے۔" اس نے بڑا فلسفیانہ انداز اختیار کیا۔ "یہ دنیا ایک اسٹیج ہے اور سارے انسان ایکٹر۔ جو اس اسٹیج پر آتے ہیں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ تو شیکسپیئر کے اس بیان کے مطابق تو ہم سب ہی ایکٹر ہیں اور ایکٹر ایکٹنگ ہی کرتے ہیں۔"

اس نے دو مطلب نظروں سے جلی کو دیکھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے میں نے بڑی خوبصورتی سے تمہارے سوال کا جواب دے دیا ہے۔" اس کے تاثرات نے قمر کو گڑبڑا دیا۔

"ہاں خوبصورتی کا تو نہیں پتہ مگر جواب مجھے مل گیا ہے۔" جلی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"اور یہ ایکٹنگ تم کہاں کرنے والے ہو۔ کالج میں یا کالج سے باہر۔ میرا خیال ہے کالج سے باہر --- اب کالج سے باہر کہاں پر؟ اس کا جواب تم پھر اسی خوبصورتی سے دے دو جس کا مظاہرہ تم نے ابھی کیا ہے۔"

وہ اس کی ہم عمر ضرور تھی مگر قمر اس سے جھجکتا رہتا تھا۔ اور اس وقت وہ بری طرح پچھتا رہا تھا کہ اس نے سیدھا اپنے کمرے میں جانے کے بجائے عادتاً اس کے پاس آنے کی کوشش کیوں کی تھی۔ اور اگر کر ہی لی تھی تو پھر زبان بند رکھنے میں کیا حرج تھا۔

"جلی! تم بے حد شکی ہو..." قمر نے بڑی ناراضی سے کہا۔

"تم کل کالج نہیں جا رہے ہو؟" جلی نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"اور ضرورت سے زیادہ تجسس کرتی ہو؟"

"کالج کے بجائے کہیں اور...؟"

"اور یہ دونوں عادتیں بہت بری ہیں۔" وہ تلملا کر کہہ رہا تھا۔

"اور یہ کوئی آڈیشن ہوگا؟"

"اور انسان کو ان دونوں عادتوں سے بچنا چاہیے۔"

"جس کا مطلب ہے کہ کل تم پھر کالج نہیں جاؤ گے۔"

"اور تمہیں تو خاص طور پر ان عادتوں سے بچنا چاہیے آخر کل کو تمہاری شادی ہونا ہے۔"

"اور پھر کہیں آوارہ گردی کر کے آؤ گے اور چند ماہ بعد تمہارے سالانہ امتحانات شروع ہونے والے ہیں۔"

"لوگ کیا کہیں گے قمر جیسے لڑکے کی بہن میں اس طرح کی عادتیں؟"

"اور تمہیں ذرا فکر نہیں ہے تم جب چاہتے ہو منہ اٹھا کر غائب ہو جاتے ہو۔"

"میں تو شرم سے مر جاؤں گا۔"

"تم ادھر ادھر کہیں ادھر ادھر گئے میں امی کو بتاتی ہوں۔"

"امی کو مت بتاؤ۔ میں کہیں جا رہا تھا۔" ثمر نے بے اختیار ہتھیار ڈالتے ہوئے معذرتانہ انداز میں اس سے کہا۔

"کہاں جا رہا تھا تمہیں؟" بچی نے بڑے مطمئن انداز میں اس سے پوچھا۔ ثمر نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔

☆☆☆

صبغہ اس دن شام کو گھر واپس آئی تو کافی تھکی ہوئی تھی۔ وہ جاب کی تلاش کے سلسلے میں اس دن مختلف لوگوں کے توسط سے بہت سی جگہوں پر گئی تھی۔ اور اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اپنی مرضی کے کام کا حصول بھی کس قدر مشکل کام ہے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی ملاقات لاؤنج میں منصور کی بیوی سے ہوئی اور اس کے چہرے کے تاثرات نے اسے چونکا دیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ گھر میں آج کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے۔ اور کوئی غیر معمولی واقعہ کیا ہو سکتا تھا۔ وہ قدرے پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے کی طرف گئی۔ وہاں موجود چاروں افراد اسے اندر آتے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے۔ منیزہ اور امبر کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ جب کہ رابعہ اور زارا عجیب سے تاثرات کے ساتھ اپنے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا؟" اس نے کسی تمہید کے بغیر منیزہ کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ منیزہ نے کچھ کہنے کے بجائے بیڈ پر پڑا ایک لفافہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لفافہ پکڑ لیا۔ وہ ایک رجسٹرڈ لفافہ تھا۔ اس کی پشت پر اسامہ مسعود علی کا نام تھا۔ لفافہ کھلا ہوا تھا۔ صبغہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اندر موجود کاغذات نکالے بغیر بھی وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اندر کیا تھا اور اسے کیا بھجوایا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔

منیزہ نے کچھ کہنے کے بجائے بیڈ پر پڑا ایک لفافہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لفافہ پکڑ لیا۔ وہ ایک رجسٹرڈ لفافہ تھا۔ اس کی پشت پر اسامہ مسعود علی کا نام تھا۔ لفافہ کھلا ہوا تھا۔ صبغہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اندر موجود کاغذات نکالے بغیر بھی وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اندر کیا تھا اور اسے کیا بھجوایا گیا تھا۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے اندر موجود کاغذات نکال لیے۔ وہ طلاق کے ہی کاغذات تھے اس نے صرف پہلے صفحے پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کاغذات کو دوبارہ لفافے کے اندر ڈال دیا۔

"میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا تھا مگر تم نے میری بات نہیں سنی۔"

منیزہ نے اسے ملامت کی۔ صبغہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی چپ چاپ اس لفافے کو ہاتھ میں لیے اس کی پشت پر تحریر اس ایک نام کو دیکھ رہی تھی جو اسامہ کی اپنی تحریر تھا اور جو کبھی اس کے نام کے ساتھ لکھا جاتا تھا۔ اس نے خود اس سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا مگر اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اور اس طرح اچانک اسے طلاق دے دے گا۔

اسامہ نے جو چپ سادھ رکھی تھی نئے گھر کے انتظامات کی مصروفیت میں اس کا دھیان ادھر گیا ہی نہیں تھا۔

"مجھے اسی دن سے خوف آتا تھا اسی دن سے۔" منیزہ نے روتے روتے کہا۔ ان کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔

"خوف ---؟" وہ لفظ اس کے ذہن میں کہیں گونجنے لگا تھا کسی بازگشت کی طرح۔ ہونٹوں کو ہلائے بغیر وہ بڑبڑائی۔

انسان کو خوف کب آتا ہے۔ تب جب دلوں کے درمیان محبت کا تعلق ختم ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ یا تب جب دنیا کے سامنے اعتماد کا تعلق ختم ہو جائے۔

"دونوں بار ---" اس نے جیسے اپنے سوال کا خود جواب دیا۔ دونوں بار --- اسے یقین تھا یا پھر امید کہ اسامہ ایک بار پھر مصالحت کی کوشش کرے گا۔ پھر کئی بار مصالحت کی کوشش کرے گا۔ اس کے درمیان موجود تعلق قائم رہے گا۔ اس کا خیال تھا وہ سوچے گا اپنے رویے پر نظرثانی کرے گا۔ اس کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ اس کا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اس نے طلاق کا وہ فیصلہ کسی دباؤ کے تحت نہیں کیا تھا۔ تو پھر کیوں کیا تھا؟ کیا صرف اس لیے کیونکہ وہ اپنے دل کو اتنا بڑا نہیں کر سکا کہ اس کے ساتھ اس کی فیملی کو سپورٹ کر سکتا۔

"یہ سب کچھ تمہاری خواہش پر ہوا ہے اور تم نے یہ مطالبہ کرتے ہوئے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ ہم لوگوں کا کیا ہو گا؟"

اس نے سر اٹھا کر پہلی بار منیزہ کو شاکی نظروں سے دیکھا۔ "کیا اب بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے اسامہ سے طلاق کا مطالبہ کرتے ہوئے ایک بار بھی یہ نہیں سوچا کہ میری فیملی کا کیا ہوگا؟" وہ سوچ رہی تھی۔

"اگر میں نے کچھ نہیں سوچا تو اپنا نہیں سوچا۔۔۔ مگر ان کا۔۔۔"

"پہلے کافی سیاہی تھی ہم لوگوں کے چہروں پر کہ تم نے اور مل دی۔" منیزہ اپنے چہرے کو دوپٹے سے رگڑتے ہوئے بولیں۔

"چپ ہو جائیں ممی! کیوں ایسی باتیں کر رہی ہیں۔" امبر نے بگڑ کر منیزہ کی بات کاٹی۔

"وہ پہلے ہی پریشان ہے آپ اسے اور پریشان کر رہی ہیں۔"

"اس نے خود مول لی ہے یہ پریشانی۔" منیزہ کو غصہ آ گیا۔ "کس نے کہا تھا اس سے کہ یہ اسامہ سے طلاق مانگے۔ پوچھو اس سے کتنی بار منع کیا تھا میں نے اسے۔۔۔ مگر تمہاری طرح یہ بھی ضدی ہے۔ جو بات اس کے دماغ میں آ جائے بس وہی کرنی ہے۔"

"جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب بس کریں۔ آپ کے اس طرح بولنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" امبر نے ایک بار پھر جھنجلا کر کہا۔

صبغہ کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی لفافے کو اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور واش روم میں چلی گئی۔ شاور لیتے ہوئے اس نے اپنے ذہن کو بیڈ روم میں پڑے اس لفافے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنے ذہن کو اسامہ مسعود علی سے ہٹا نہیں پا رہی تھی۔

اسے زندگی میں کبھی بھی اسامہ سے اپنی محبت پر شک نہیں رہا تھا' مگر اتنی محبت۔۔۔ کہ اسے لگ رہا تھا جیسے پوری دنیا یک دم کوئی hell-hole بن گئی ہے۔

گھنٹہ بھر بعد وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی' کمرے میں نائٹ بلب روشن تھا۔ رابعہ اور زارا اپنے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھیں۔ وہ جانتی تھی وہ جاگ رہی ہوں گی۔ منیزہ کمرے میں نہیں تھیں اور امبر۔۔۔ منیزہ کے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صبغہ کچھ کہے بغیر نیم اندھیرے میں دروازے کی طرف جانے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" اس نے پشت پر امبر کی آواز سنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا' وہ اب بیڈ پر نہیں تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ اندھیرے میں دونوں ایک دوسرے کا چہرہ ٹھیک دیکھ سکتی تھیں۔

"کچن میں۔۔۔" اس نے مدھم مگر مستحکم آواز میں کہا۔ "بھوک لگ رہی ہے مجھے۔"

امبر چند لمحوں کے لیے خاموش رہی' جب صبغہ نے پلٹ کر دروازہ کھول دیا تو اس نے امبر کو کہتے سنا۔ "میں بھی آ رہی ہوں۔"

وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہوئے کچن میں داخل ہوئیں۔ صبغہ نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کر دی۔ منصور علی کی فیملی بہت جلد کھانا کھانے کی عادی تھی۔ اور خود وہ لوگ بہت دیر سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس گھر میں آنے کے بعد اس عادت اور معمول میں تبدیلی آ گئی تھی۔ صرف یہ ہوا تھا کہ وہ لوگ منصور علی کی فیملی کے ساتھ ٹیبل پر کھانا نہیں کھایا کرتے تھے بلکہ اپنے کمرے میں ہی کھانا کھا لیا کرتے تھے۔ آج خلاف معمول پہلی بار وہ اتنی دیر سے کچن میں آئی تھیں کہ ملازم بھی کچن صاف کرنے کے بعد وہاں سے جا چکا تھا۔

کسی قسم کی گفتگو کے بغیر دونوں نے کھانا فریج سے نکالا اور صبغہ اسے مائیکرو ویو اوون میں گرم کرنے لگی۔ امبر نے برتن نکال کر کچن میں رکھی ہوئی چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دیے پھر وہ صبغہ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ صبغہ مائیکرو ویو سے کھانا نکال رہی تھی۔

"تم روئی ہو؟" اس نے امبر سے پوچھا۔ اس کی نظریں صبغہ کی متورم آنکھوں پر تھیں۔

"ہاں۔۔۔" صبغہ نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کہا۔ "وہ حق بنتا تھا میرا۔" امبر کو اس کے لبوں پر بجھی سی مسکراہٹ نظر آئی وہ یونہی بول گئی۔ صبغہ اب کھانا ڈائننگ ٹیبل پر رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ امبر اس کے پاس آ کر دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ صبغہ کی ساری توجہ چاولوں کی پلیٹ پر مرکوز تھی وہ ادھر ادھر سے بے نیاز بڑے اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئی۔ امبر بے یقینی سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی اس کی متورم آنکھیں اس کی دلی کیفیت کو واضح طور پر بتا رہی تھیں۔ مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ یوں کھانا کھا رہی تھی جیسے کچھ دیر پہلے کچھ بھی نہیں ہوا ہو۔

"تم کیوں نہیں کھا رہیں؟" صبغہ نے بہت دیر تک اپنے چہرے پر اس کی نظریں محسوس کرنے کے بعد یک دم سر اٹھا کر اس سے کہا۔

"میں۔۔۔؟ مجھے بھوک نہیں۔" امبر یک دم گڑبڑائی۔

"میری وجہ سے نہیں ہے؟" صبغہ نے اگلا سوال کیا۔ امبر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"مگر میں تو کھانا کھا رہی ہوں۔ دیکھو۔" صبغہ نے چمچ کو منہ میں ڈالنے سے پہلے تھوڑا سا اٹھا کر اسے دکھایا۔ "تم بھی کوئی کھانا نہ کھانے سے کیا ہو گا؟" اس نے چاول منہ میں ڈال لیے۔ "آج نہیں کھائیں گے۔ کل کھانا پڑے گا۔ بھوکا تو نہیں رہا جا سکتا۔" اس نے پانی کا گلاس اٹھا لیا۔

"تم اگر مجھے تسلی دینے کے لیے میرے پاس آ کر بیٹھی ہو۔" اس نے پانی کا گھونٹ لے کر کہا۔ "تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ سب کچھ ہونا ہی تھا۔ آج نہیں تو کل ہو جاتا۔ مگر۔۔۔"

"تم نے اسامہ سے طلاق کا مطالبہ کیوں کیا تھا۔" امبر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ "وہ اچھا تھا۔۔۔ طلحہ سے تو بہت اچھا تھا۔" امبر نے جیسے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

صبغہ نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ "ہاں اچھا تھا۔۔۔ مگر اتنا اچھا نہیں تھا جتنا اچھا اسے ہونا چاہیے تھا۔ یا جتنے اچھے انسان کی مجھے ضرورت تھی۔"

"تمہیں کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا۔۔۔ کوئی پچھتاوا کوئی تکلیف۔۔۔" امبر نے جیسے ایک بار پھر اسے بے یقینی سے دیکھا۔

"پچھتاوا۔۔۔ نہیں۔۔۔ تکلیف؟" وہ قدرے توقف سے بولی۔

"انسان ہوں' تکلیف تو محسوس کروں گی۔ مگر تکلیف سہنے کی عادت ہے مجھے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" امبر نے اس کے گیلے بالوں کو دیکھا جو چھوٹے سے جوڑے کی شکل میں گردن سے بہت اوپر لپیٹے گئے تھے۔ اس کی گردن ابھی بھی نم تھی۔ صبغہ بات کر رہی تھی اور وہ لاشعوری طور پر بار بار اس کی گردن کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کی حرکت اس کی گردن پر بھی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ہر لفظ اپنی گردن سے ادا کر رہی ہے۔

"میری زندگی اسامہ مسعود علی کے ساتھ ختم نہیں ہوئی۔۔۔ جیسے اس کی زندگی میرے ساتھ ختم نہیں ہوئی۔" اس نے غور سے امبر کا چہرہ دیکھا۔ "تعلق ختم ہو تو تکلیف ہوتی ہے مگر آدمی مر جاتا تو نہیں۔"

"تم بہت بہادر ہو۔۔۔ میری طرح نہیں ہو۔۔۔" امبر نے یک دم اعتراف کیا۔ "میں تو۔۔۔ میں تو بہت کمزور ہوں مجھے تو۔۔۔ میں کسی بھی بات کو ذہن سے نہیں نکال سکتی۔" وہ آہستہ آہستہ کہنے لگی۔ "تم ہر چیز کو مختلف طرح سے لیتی ہو۔"

"ہاں میں ہر چیز کو مختلف طرح سے لیتی ہوں۔" صبغہ نے اس کے دوبارہ بولنے سے پہلے کہا۔ "میں ممی کی طرح یہ نہیں سمجھتی کہ ایک شخص کے طلاق دے دینے سے میرے چہرے پر کوئی سیاہی پھیر دی گئی ہے۔"

"لوگ۔۔۔ تو ایسا ہی سمجھتے ہیں۔" امبر نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"ہاں لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں پھر۔۔۔؟ کیا کیا جائے۔۔۔" صبغہ ایک لمحہ کے لیے رکی۔ "اپنے منہ پر واقعی سیاہی پھیر لی جائے؟"

ثمر بھی، وہ دل فراموش تھا۔

مگر شاید آگے آنے والے تجربے اس کے لیے کچھ زیادہ ناقابل فراموش ثابت ہونے والے تھے۔ پہلی ریہرسل پر اس نے نایاب ہارون کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اور وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ثمر ہی کی طرح وہ وہاں موجود تمام لڑکیوں سے منفرد اور مختلف لگ رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے ثمر کو کوئی بہت عجیب سا احساس ہوا تھا۔ مگر وہ اس احساس کو کوئی نام دینے سے قاصر تھا۔

اور اس دن وہاں پہلی بار ہی وہ اس فرق سے آشنا ہوا تھا جو اس کے اور وہاں موجود دوسرے لڑکے لڑکیوں کے درمیان تھا۔ وہ تمام لوگ اپر کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے لیے وہ کمرشل تفریح کا ذریعہ تھا۔ وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے لیے وہ کمرشل "بقا" کا سوال تھا۔ وہ لوگ کسی نہ کسی حوالے سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ اپنے تعلیمی اداروں کی معرفت سے۔ اپنی فیملیز کے توسط سے۔ اپنے دوستوں کے ذریعے سے۔ ثمر شاہان "کچھ" وہاں odd one out تھا۔ اور وہ اپنی اس حیثیت سے واقف تھا۔ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ ریہرسل کے دوران اس کی پرفارمنس نے دوسروں کو اس سے بہت مرعوب کر دیا تھا۔ وہ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ تھا کہ وہاں کھڑے تمام لڑکے شکل و صورت کے معاملے میں ٹیلنٹ میں ---- اور وہ اس بات سے بھی آشنا تھا کہ وہ کامیابی کے تیسرے لازمے سے محروم تھا۔ اسٹیٹس اور شاید اٹھارہ انیس سال کی زندگی میں پہلی بار اس نے اس چیز پر اتنا غور کیا تھا۔ وہ جنید اور شبیر کی طرح کسی قسم کے کمپلیکس کا شکار نہیں تھا۔ مگر ان دونوں کے برعکس زندگی میں اس کی ترجیحات وہ تھیں کہ اسے بھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں ان حقیقتوں سے دوچار ہونا تھا۔ جن سے وہ اب دوچار ہو رہا تھا۔

"ہیلو! میرا نام نایاب ہارون ہے۔" وہ ریہرسل کے بعد کچھ دیر کے لیے ریلیکس کرنے کے لیے بیٹھے تھے۔ جب نایاب آ کر اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"ثمر شاہان۔" اس نے مسکرا کر اپنا نام دہرایا۔

"میں جانتی ہوں۔" وہ جواباً مسکرائی۔ "زیشان انکل کتنی دیر سے آپ کا نام لے رہے تھے۔"

"زیشان انکل! ایک اور رشتہ ----" ثمر نے دل ہی دل میں کہا۔ وہاں اس کے سوا موجود کے تو افراد زیشان اسد کو کسی نہ کسی رشتے سے پکار رہے تھے۔

"آپ بہت اچھا پرفارم کر رہے تھے۔" نایاب نے مسکرا کر ثمر کی تعریف کی۔

"آپ بھی بہت اچھا پرفارم کر رہی تھیں۔" ثمر نے جواباً تعریف کرتے ہوئے دل ہی دل میں خود سے معذرت کی۔ وہ ریہرسل میں اس کی پرفارمنس دیکھ کر خاصا مایوس ہوا تھا وہ صرف خوبصورت تھی۔ مگر ایک ماڈل کے طور پر پرفارمنس دیتے ہوئے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ ان سے مکمل طور پر محروم ہی لگ رہی تھی۔ وہ بے تحاشا نروس تھی۔ ڈائیلاگ بولتے ہوئے اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ خیر یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا کیونکہ بعد میں پیچھے ڈبنگ کے ساتھ جنگل تھا اور اسے دور کر لیا جاتا۔ مگر وہ باقی بھی تقریباً تمام چیزوں سے محروم تھی۔ اس کی مسکراہٹ واضح طور پر کھنچی نظر آ رہی تھی۔ اور اس کا فٹ ورک کسی طرح بھی ٹھیک ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ ثمر کو حیرت ہو رہی تھی کہ اسے ماڈلنگ کا مشورہ کس نے دیا تھا۔ مگر پھر یہ سوال وہاں موجود چند دوسری لڑکیوں اور لڑکوں سے بھی پوچھا جانا چاہیے تھا۔ اور اب جب وہ اس سے یہ کہہ رہا تھا کہ اس نے بھی بہت اچھا پرفارم کیا تھا تو اس کا دل کانوں کو ہاتھ لگانے کو بھی چاہ رہا تھا۔

"تھینکس ----" اس کی تعریف پر وہ بے اختیار سرخ ہوئی۔ شاید پورے دن میں یہ پہلا اچھا جملہ تھا جو اس کی پرفارمنس پر کسی نے دیا تھا۔ یا پھر اسے یہ احساس ہوا تھا کہ وہ کہیں اس کا مذاق نہ اڑا رہا ہو۔

"آپ کے سامنے تو میری پرفارمنس کچھ بھی نہیں تھی۔ آپ پہلی بار ماڈلنگ کر رہے ہیں؟" اس نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اگلا سوال کیا۔

"ہاں۔۔۔"

نایاب نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا آپ بہت اچھے ہیں۔"

"اب میں کیا کہوں۔ بس یہ کام کرنے میں مجھے مزہ آتا ہے۔"

ثمر نے مختصراً کہا۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی سے اتنی لمبی بات کر رہا تھا اور وہ بھی اس لڑکی سے جسے وہ ٹھیک سے جانتا بھی نہیں تھا۔

"آپ کیا کرتے ہیں؟" نایاب نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

"میں پڑھتا ہوں۔"

"میں بھی۔" وہ بے اختیار خوش ہوئی۔ "میں اے لیولز کر رہی ہوں۔"

"میں پری انجینئرنگ کر رہا ہوں۔۔۔ اگر ہوئی تو۔۔۔" ثمر نے آخری جملہ اپنے دل میں کہا جو اس وقت بے اختیار اسے طاہیہ یاد آئی تھی۔

"ماڈلنگ بہت مشکل کام ہے۔" وہ پھر چند لمحوں کے لیے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"ہو سکتا ہے۔" ثمر نے سیٹ میں ہونے والی تبدیلیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو تو یقیناً نہیں لگی ہوگی۔ آپ تو ہر چیز اتنے آرام سے کر رہے تھے۔ مجھے مسئلہ ہو رہا تھا۔"

"شروع شروع میں ہوتا ہے۔" ثمر نے اس کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری سمجھا۔

"ہاں ذیشان انکل بھی یہی کہہ رہے تھے۔" نایاب نے ذیشان کا حوالہ دینا ضروری سمجھا۔

"آپ بھی ذیشان انکل کے جاننے والوں میں سے ہیں؟"

"اب جاننے لگا ہوں۔"

"اوہ! میں سمجھی شاید آپ بھی فیملی فرینڈز میں سے ہیں۔" نایاب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بدقسمتی سے میں نہیں ہوں۔" ثمر نے یہ جملہ اپنے دل میں کہا۔

اگلی ریہرسل کے لیے کیوں ملنا شروع ہو گئی تھی۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" نایاب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی۔۔۔"

ثمر بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "اب تو تقریباً روز ہی ملاقات ہوا کرے گی۔" نایاب نے جانے سے پہلے کہا۔ "کب تک؟"

"ہاں ایک دو ہفتے تک۔" ثمر بھی مسکرایا۔ نایاب جواباً مسکرائی اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

"تو کیسی رہی تمہاری ریہرسل؟" ہارون کمال نے نایاب سے پوچھا۔ وہ چند منٹ پہلے ہی ڈائننگ ٹیبل پر آئی تھی۔

"گریٹ۔" نایاب نے اپنے بالوں کو بڑے انداز سے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اور کتنے دن یہ ریہرسل چلتی رہے گی؟" ہارون کمال نے کہا۔

"کتنے دن۔۔۔ کیا پاپا۔۔۔؟" اس نے میز پر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ "یہ کوئی ڈرامہ تھوڑی ہے۔ کمرشل ہے۔ ایک دو دن میں شوٹنگ شروع کر دیں گے۔ یہ تو چونکہ سارے لوگ نئے ہیں اس لیے اتنا وقت لگ رہا ہے ریہرسل میں۔۔۔ ورنہ اب تک شوٹنگ شروع ہو چکی ہوتی۔"

"اور کون ہے تمہارے ساتھ اس کمرشل میں۔۔۔؟ کوئی مشہور ماڈل؟" شائستہ نے گفتگو میں پہلی بار حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"دو چار کمرشل کر لینے سے کیا آفت ٹوٹ پڑے گی۔ اسے ویسے بھی فائن آرٹس میں دلچسپی ہے اور شوبز کو بھی تم اسی کا حصہ سمجھو۔"

"ایک آدھ کمرشل سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر میں نہیں چاہتا یہ دوسری لڑکیوں کی طرح کمرشلز کے پیچھے خوار ہوتی پھرے۔" ہارون نے شائستہ سے کہا۔

"کون خوار ہو رہا ہے کمرشلز کے پیچھے۔ بتا تو رہی ہے ذیشان خود ہی اپنے کمرشل کے لیے کہہ رہا ہے۔" شائستہ نے ایک بار پھر اس کی وکالت کی۔

"اور پھر پاپا یہ بھی تو دیکھیں۔ پیسے کتنے مل رہے ہیں۔" نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر پیسہ تمہارا مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ہی تمہیں ذہن میں یہ رکھنا ہے کہ یہ تمہارا پروفیشن ہے۔" ہارون کمال ایک بار پھر سنجیدہ ہو گیا۔

"ہابی کے طور پر ماڈلنگ کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری اکلوتی بیٹی کمرشلز یا ایڈورٹائزمنٹس کے لیے خود کو exploit کرواتی پھرے۔"

"I know it very well" نایاب نے سر کو جھٹکا۔ "میں بھی تو مذاق کے طور پر ہی ایسا کہہ رہی ہوں۔" اس نے چمچ اپنی پلیٹ میں رکھا اور نیپکن اٹھایا۔ "آپ لوگ خوامخواہ ہی سیریس ہو گئے۔ یہ پروفیشن کون بنا رہا ہے شوبز کو۔"

"بس کھانا ختم---" شائستہ نے اس کی بات کاٹی۔ اس کی نظر نایاب کی پلیٹ پر تھی۔

"ڈائٹنگ کر رہی ہوں ممی۔" نایاب نے جیسے اس کو یاد دلایا۔

"تمہاری ڈائٹنگ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سرے سے کچھ کھایا ہی نہ جائے۔"

"اور پھر تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے تمہارا وزن پہلے ہی کم ہے۔" شائستہ نے جیسے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"یہ تو آپ کہہ رہی ہیں کہ وزن کم ہے۔ میں تو کمرشل کی ریہرسل کے دوران لڑکیوں کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔" نایاب کو جیسے کچھ یاد آیا۔

"ممی---اتنی اتنی سلم لڑکیاں تھیں کہ مجھے ان پر رشک آ رہا تھا۔ مجھے تو لگ رہا تھا وہاں سب سے موٹی میں ہی ہوں۔ بلکہ مجھے تو یہ خدشہ ہو گیا تھا کہ ذیشان انکل کہیں مجھے اپنے کمرشل سے نکال ہی نہ دیں۔"

"پھر یہ تو ناممکن ہے۔ میری بیٹی کو کوئی کمرشل سے نکال سکتا ہے۔" ہارون کمال نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیوں نہیں نکال سکتے۔ مجھ سے بہتر کوئی نظر آئے گا تو وہ اسے ہی لے لیں گے۔ مجھے تو نہیں---کل کمال انکل کے بیٹے ٹونی کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔"

"کیا ہوا؟ کیا ذیشان نے اسے ایڈ سے نکال دیا؟" شائستہ نے یک دم چونک کر کہا۔

"نہیں نکالا تو نہیں مگر لیڈ میں نہیں رکھا۔" نایاب نے پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"ایک اور لڑکا آ گیا تھا۔ عمر نام ہے اس کا۔"

"اچھا---" ہارون کو کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"پاپا! میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ وہ کتنی اچھی ماڈلنگ کر رہا تھا۔" نایاب کے انداز میں ستائش تھی۔ "سیٹ پر موجود تمام لوگ کو حیران کر دیا اس نے۔ ذیشان انکل نے وہیں کوئی کی ہے اس کے بارے میں۔"

"کیا؟" شائستہ کو کچھ دلچسپی پیدا ہوئی۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ وہ ایک ٹاپ ماڈل بنے گا۔ وہ خود بھی اس سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔"

"کس کا بیٹا ہے؟" ہارون نے یونہی پوچھا۔

"یہ تو میں نے نہیں پوچھا — میری اس سے کچھ دیر بات ہوئی تھی۔ مگر میں نے اس کی فیملی کے بارے میں نہیں
پوچھا۔" مگر کوئی اچھی فیملی ہی ہوگی۔ اس کو دیکھنے سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی اچھی فیملی سے ہی تعلق رکھتا ہے۔" نایاب نے اپنی
رائے دی۔

"اور مووی — اس کا کیا رول تھا۔" شائستہ کو کچھ یاد آیا۔

"ہیرو!" نایاب بے اختیار ہنسی۔ "پہلے تو بہت ہی بری طرح ریجیکٹ کیا اس نے۔ مگر پھر بعد میں ذیشان انکل نے
اسے سمجھایا تو ٹھیک ہو گیا۔ مگر ظاہری بات ہے وہ بہت دل برداشتہ تھا۔ ذیشان انکل اس کی بھی بہت تعریف کر رہے تھے۔ مگر جو
بات گھر میں ہے وہ گھر میں ہی ہے۔ He is the best." نایاب نے جیسے فیصلہ دیا۔

"پہلے بھی ماڈلنگ کر چکا ہے؟" شائستہ نے پوچھا۔

"نہیں یہی تو بات ہے کہ وہ بھی سب کی طرح پہلی بار کمرشل کر رہا ہے۔ مگر لگتا نہیں کہ یہ اس کا پہلا کمرشل ہے۔
ذیشان انکل نے تو اپنے اگلے کمرشل کے لیے بھی اسے ہی لینے کا فیصلہ کیا ہے۔" نایاب نے بتایا۔

"پاپا سن رہے ہیں نا آپ میری بات؟" نایاب نے کھانا کھاتے ہوئے ہارون کو اچانک مخاطب کیا۔ اسے یوں لگا تھا
جیسے ہارون کی توجہ کہیں اور تھی۔

"بالکل سن رہا ہوں۔ تم بولتی رہو۔" ہارون نے چونک کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے لگا آپ میری بات سن ہی نہیں رہے۔" نایاب نے کہا۔

"ایسا ہو سکتا ہے؟ ابھی کتنی باتیں باقی ہیں تمہاری؟" ہارون کمال نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"بس ختم ہو گئی ہیں۔ اب آپ کو کل بتاؤں گی کہ کیا ہوا۔" نایاب نے ٹیبل سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ہارون کمال
مسکراتے ہوئے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

"اس کی خوبصورتی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔" اس کے کمرے سے نکل جانے کے بعد ہارون نے شائستہ سے کہا۔
شائستہ جواباً مسکرا دی۔

"یہ کمرشل کا شوق کہاں تک جائے گا؟" ہارون کو یکدم جیسے کچھ یاد آیا۔

"تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔" شائستہ نے لاپروائی سے کہا۔ "شوق ہے شوق ہی رہے گا۔ اور پھر تم ہی نے اجازت
دی ہے اسے ماڈلنگ کی۔"

"میں نے صرف ایک کمرشل کی اجازت دی تھی۔ وہ بھی اس لیے کیونکہ ذیشان کا کمرشل تھا اور نایاب کو شوق تھا مگر میں
یہ تو نہیں چاہتا تھا کہ اب اگلا کمرشل بھی وہ پوچھے بغیر ہی سائن کر لے۔" ہارون نے اعتراض کیا۔

"اگلا کمرشل بھی اگر ذیشان کا ہے تو کیا حرج ہے۔"

"مگر ہر اگلا کمرشل ذیشان کا نہیں ہوگا۔" ہارون نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ شوق کی
خاطر بھی اس طرح ادھر ادھر کمرشل کرے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اس سے بات کرنا چاہیے۔"

"میں کیوں — تم کیوں نہیں بات کر لیتے۔ ابھی تو سامنے بیٹھی تھی۔ تم منع کر دیتے۔" شائستہ نے کندھے
اچکاتے ہوئے کہا۔

"تم جانتی ہو میں اس کی کوئی بات رد نہیں کر سکتا۔" ہارون کمال نے مسکراتے ہوئے جیسے بے بسی سے اپنے کندھے
جھٹکے۔

"تو پھر یہ مشکل کام مجھے کیوں سونپ رہے ہو کہ میں اس کو زبردستی روکوں اور اس کی نظروں میں بری بنوں۔" "تم اسے
اچھے طریقے سے سمجھا سکتی ہو۔"

"میں اسے اچھے یا برے کسی بھی طریقے سے نہیں سمجھاؤں گی۔" شائستہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "اور تمہیں بھی اتنا

کنزرویٹو ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ دو چار کمرشلز میں کام کر لینے سے کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔ آج کل اچھی اچھی فیملیز کی لڑکیاں ماڈلنگ کر رہی ہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے۔"

"میں کنزرویٹو نہیں ہوں۔ میں صرف یہ نہیں چاہتا کہ کل کو اسے کوئی پریشانی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو ماڈلنگ کے ساتھ کتنے مسائل ہوتے ہیں۔"

"میں اچھی طرح جانتی ہوں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ نایاب کو اس قسم کے کسی رویے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا' وہ ہارون کمال کی بیٹی ہے۔ اس کے لیے اتنا تعارف بہت کافی ہے۔"

شائستہ نے کمال بے خوفی اور اعتماد سے کہا۔ ہارون کمال اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

انیسواں باب

گھر میں کسی کو بھی ثمر کے کمرشل کی شوٹنگ کا پتہ نہیں تھا۔ صرف ثانیہ اس بارے میں جانتی تھی اور ثمر نے بہت منتوں کے بعد اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ شبیر یا فاطمہ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائے گی۔

ثمر کے ہیئر اسٹائل میں ہونے والی تبدیلی کو شبیر نے بہت دلچسپی سے دیکھا تھا اور اس کی تعریف بھی کی تھی مگر اسے بھی پتہ نہیں ہوا تھا کہ وہ ہیئر اسٹائل کسی آنے والے کمرشل کا نتیجہ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ کمرشل کی ریہرسلز اور شوٹنگ شروع ہونے سے پہلے جتنا پُر جوش تھا' بعد میں اتنا ہی خاموش ہو گیا تھا۔ ثانی کو چند دن اس کے رویے پر حیرت ہوئی تھی کہ اس نے ہمیشہ کی طرح اس کے کان کھانے کی کوشش کیوں نہیں کی' کمرشل کے بارے میں بتاتا کے' مگر پھر اس نے اسے نظر انداز کر دیا۔ لیکن وہ زیادہ دن اسے نظر انداز نہیں کر سکی تھی۔

وہ کمرشل کی شوٹنگ کا پہلا دن تھا۔ ثمر شام کے قریب واپس آیا تھا اور ہمیشہ کی طرح سب کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد صحن کے تخت پر جا بیٹھا۔

رات کافی گزر گئی' جب کمرے کے اندر کام کرتے کرتے ثانی کو اچانک ثمر کا خیال آیا۔ فاطمہ تب تک سو چکی تھی اور دوسرے کمرے میں شبیر بھی سو چکا تھا۔ کمرے کی صحن میں کھلنے والی کھڑکی سے اسے تخت پر لیٹا ہوا ثمر نظر آیا۔ اپنی کتاب بند کر کے وہ باہر نکل آئی۔

ثمر اپنے دونوں بازو سر کے نیچے رکھے تخت پر سیدھا لیٹا آسمان کو دیکھنے میں مصروف تھا۔ ثانی اس کے پاس آ کر تخت پر بیٹھ گئی۔ ثمر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ ثانی نے سر اٹھا کر سیاہ آسمان اور اس میں نظر آنے والے ستاروں کو دیکھا پھر ثمر کو دیکھا۔

''سارے تارے گن لیے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے اسی طرح آسمان پر نظریں جمائے کہا۔

''کتنے ہیں؟''

''میری گنتی ختم ہو گئی ہے۔'' ثمر نے اسی انداز میں کہا۔

''تب تو صرف سو ہی گن سکے ہو گے تم۔'' ثانی نے پھر سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

''نہیں۔''

''پھر؟''

''ایک سو ایک ہیں۔'' اس نے اسی سنجیدگی سے کہا۔ ثانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''تو پھر اب سو جاؤ۔''

''سو جاؤں گا۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔

''تم نے مجھے اپنی شوٹنگ کے بارے میں نہیں بتایا؟'' ثانی نے پوچھا۔

وہ خاموشی سے آسمان کو دیکھتا رہا۔ ثانی کو اس کا انداز خلافِ عادت لگا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے قدرے تشویش کے عالم میں ثمر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"شوٹنگ ٹھیک نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ شوٹنگ ٹھیک ہوئی ہے۔"

"پھر کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"تو پھر اس طرح چپ کیوں ہو؟"

"چپ کب ہوں' باتیں تو کر رہا ہوں۔"

"مگر عجیب سی باتیں کر رہے ہو۔"

"تم تو ہمیشہ ہی کہتی ہو کہ میری باتیں عجیب ہیں۔"

وہ چند لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

"تم پریشان ہو؟"

اس بار ثمر نے نظریں آسمان سے ہٹا کر اسے دیکھا۔ "پریشان کیوں ہوں گا؟" اس نے جواباً سوال کیا۔

"یہ تو تم مجھے بتاؤ۔"

وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ثانی کو اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ پریشان تھا۔ اس کے برابر تخت پر بیٹھا وہ انگلی کے ناخن سے اپنے انگوٹھے کے ناخن کو کھرچنے لگا۔

"کیا بات ہے ثومی!" ثانی نے بڑی نرمی کے ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں آج کل بہت عجیب عجیب باتیں سوچتا رہتا ہوں۔" اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"کیسی باتیں؟" اس نے ثمر کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"بہت ساری باتیں۔"

"مثلاً؟" وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

"میرے جیسے فیملی بیک گراؤنڈ کے ساتھ شوبز میں آگے جانا بہت مشکل کام ہے۔" اس نے بہت مدھم آواز میں کہا۔ ثانی نے بمشکل اس کی آواز سنی۔

"لوگ بہت سے سوال کرتے ہیں۔ میرے پاس جواب ہی نہیں ہوتا۔" وہ پھر رکا۔ "یہاں کانٹیکٹس کی ضرورت ہے۔ سورسز کا استعمال آنا چاہیے۔ میرے پاس تو دونوں ہی نہیں ہیں اور فیملی بیک گراؤنڈ تو ....." وہ چپ ہو گیا۔ ثانی نے اس کی رنجیدگی کو محسوس کیا۔

"میں اسی لیے تم کو منع کرتی تھی کہ شوبز میں آنے کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔" ثانی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہمارے جیسے لوگوں کی فیلڈ نہیں ہے۔ اس کرئیر کو بھی چھوڑ دو۔"

"نہیں۔" اس نے دو ٹوک انداز میں سر ہلایا۔ "میں نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے جو کچھ کرنا ہے اسی فیلڈ میں کرنا ہے۔ یہ نہیں کر سکوں گا تو کچھ بھی نہیں کروں گا۔"

"تو پھر یہ سب کچھ کیوں سوچ رہے ہو۔ یہ سب کچھ تو ایسے ہی رہے گا۔ بیک گراؤنڈ بھی ہمارا اسٹیٹس بھی اور لوگوں کے سوال بھی۔" ثانی نے کندھے اچکائے۔

"میں ان سب چیزوں سے ڈرتا نہیں ہوں' صرف تکلیف ہوتی ہے مجھے۔"

ثمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا ان بیساکھیوں کے بغیر میں کچھ نہیں ہوں۔ میرا ٹیلنٹ کچھ بھی نہیں ہے؟" اس نے بیچے احتجاج کیا۔

"ٹیلنٹ کو آج کے دور میں پروں کی ضرورت ہوتی ہے یا پیروں کی اور یہ دونوں چیزیں اسے ہم جیسے لوگ نہیں دے سکتے۔" "ابھی تو تم نے چند دن ایک کمرشل کے لیے گزارے ہیں اور تم یہ سب کچھ سوچ رہے ہو۔ آگے تو اس سے زیادہ تکلیف دہ رستہ ہے۔"

"جو بھی ہے پتا تو مجھے اسی رستہ پر ہے۔ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا میرا ٹیلنٹ واقعی کچھ نہیں ہے۔"

"اور کتنے دن ہیں اس کمرشل کی شوٹنگ میں؟"

"چار۔"

"اس کے بعد تم اپنی اسٹڈیز پر توجہ دو۔ ایگزامز قریب آ رہے ہیں۔" جانی نے ایک بار پھر اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔

"تمہیں پتا ہے وہ مجھے کتنے پیسے دے رہے ہیں۔" ثمر کو جیسے یک دم یاد آیا۔

"مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے۔ تم نے کب بتایا ہے۔" جانی نے کہا۔

"بیس ہزار۔"

جانی بے یقینی سے کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ "بیس ہزار...... واقعی؟"

"ہاں واقعی دے رہے ہیں۔" ثمر نے اسے یقین دلایا۔

"تم کیا کرو گے اتنے پیسوں کا؟" جانی پرجوش ہوئی۔

"تمہیں دے دوں گا۔" ثمر نے شرارت سے کہا۔

"خیر مجھے تو کبھی نہیں دو گے۔ امی کو دے دینا۔" اسے فوراً فاطمہ کا خیال آیا۔

"تاکہ وہ فوراً جوتوں سے میری تواضع کریں۔" ثمر نے برا مانا۔ "پوچھیں گی نہیں کہ یہ روپے کہاں سے آئے ہیں۔"

"تم کہہ دینا کہ پرائز بانڈ نکلا ہے۔"

"اچھی طرح جانتی ہیں وہ کہ میں کبھی دس روپے جمع نہیں کر سکتا' پرائز بانڈ خریدنا تو دور کی بات ہے۔"

"پھر کیا کرو گے۔ کیا سارے خود خرچ کر لو گے؟"

"نہیں سارے خود تو نہیں کروں گا مگر کچھ تو کروں گا۔ جانی! ہوٹل میں جا کر کھانا کھائیں گے۔" ثمر کو یاد آیا۔

"کس ہوٹل میں؟"

"PC میں چلیں گے۔"

"بیس ہزار وہاں ضائع کر دیں گے؟"

"نہیں بیس ہزار نہیں کریں گے۔ دو چار ہزار۔"

"کیا فائدہ ہوگا؟" جانی کچھ متامل ہوئی۔

"یہ ہر وقت ہر چیز کا فائدہ کیوں پوچھتی رہتی ہو تم۔" ثمر بے اختیار جھلایا۔ "تمہارا دل نہیں چاہتا کہ کسی اچھی جگہ پر جاؤ' جا کر کھانا کھاؤ۔"

"کھانا بہت مہنگا ہوگا وہاں۔"

"ہم چائے پی لیں گے' آئس کریم کھا لیں گے۔ ٹھیک ہے۔"

"امی کو نہیں بتائیں گے؟" جانی کو پھر فاطمہ یاد آئی۔

"نہیں۔" ثمر نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"اور شہیر بھائی کو؟"

''انہیں بھی نہیں۔ وہ دونوں جانے بھی نہیں دیں گے اور امی تو کرشل میں کام کرنے پر بھی بہت ناراض ہوں گی۔'' ثمر کے پاس توجیہ تھی۔

''تم مجھے یہ بتاؤ' جانا چاہتی ہو یا نہیں؟'' ثمر نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''اور اگر میں نے کہا کہ نہیں تو......؟''

''تو کیا؟''

''تو کیا تم اکیلے چلے جاؤ گے؟'' جانی کو یکدم فکر ہوئی۔

''نہیں۔''

''پھر؟''

''پھر میں خود بھی نہیں جاؤں گا۔'' ثمر نے قدرے مایوسی سے سر کو جھٹکا۔ ''تم چلو نا۔''

''ٹھیک ہے چلیں گے۔'' جانی نے یک دم جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔ ''مگر تم ان روپوں کو اس طرح ضائع مت کرنا۔ بینک اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں رکھ دو۔''

''آئی پرامس' میں ایسا ہی کروں گا۔ بس اب تم یاد رکھنا کہ تمہیں میرے ساتھ جانا ہے۔'' ثمر نے جلدی سے کہا۔

''امی کو کیا کہہ کر جائیں گے؟'' جانی کو پھر فکر ہوئی۔

''ان سے کہہ دیں گے' تمہیں کوئی کتاب چاہیے۔ مارکیٹ تک جا رہے ہیں۔'' ثمر نے بے فکری سے کہا۔

''مگر وہاں سے آنے میں دو تین گھنٹے لگ جائیں گے۔'' جانی اب وقت کا حساب کتاب کر رہی تھی۔

''تو ایک اور جھوٹ بول دیں گے۔ جہاں اتنے جھوٹ بول رہے ہیں' وہاں ایک اور جھوٹ سے کیا ہوگا۔'' ثمر کو اب بھی کوئی فکر نہیں تھی۔

''لیکن اگر ہمیں کسی نے وہاں دیکھ لیا اور امی کو پتا چل گیا تو؟'' جانی کو اب طرح طرح کے خدشات ستا رہے تھے۔

''وہاں ہمیں کون دیکھے گا۔ رشتے دار ہمارے کوئی نہیں' باقی بچے محلے والے۔ تو کیا اب یہ محلے والے پی سی میں جائیں گے۔ یہ جا سکتے ہیں؟''

''فرض کرو' کسی نے دیکھ لیا اور بتا دیا تو؟'' جانی مطمئن نہیں ہوئی۔

''تو کیا...... ہم پھر جھوٹ بول دیں گے۔ کہہ دیں گے کہ ہم تو وہاں گئے ہی نہیں' انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''آخر کتنے جھوٹ بولیں گے ہم؟'' اس بار جانی جھنجلائی۔

''پی سی میں جانے کے لیے مجھے تو جتنے جھوٹ بولنے پڑے' میں بولوں گا۔''

''مگر میں نہیں بول سکتی۔''

''تم کو کچھ کہنے کے لیے کون کہہ رہا ہے؟'' ثمر نے کہا۔ ''میں بولوں گا۔ تمہارے لیے بھی میں ہی جھوٹ بولوں گا۔ تم بس خاموش رہنا۔''

جانی کچھ سوچنے لگی۔ اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

''زندگی میں رسک لینا سیکھو جانی' ضروری نہیں ہوتا کہ ہر چیز کو ہی سوچ سمجھ کر کیا جائے۔'' ثمر نے اسے سوچتے دیکھ کر کہا۔

''تم اپنے ساتھ کسی نہ کسی دن مجھے بھی مرواؤ گے۔'' جانی نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو پھر کیا ہوا میرے بغیر تم زندہ رہ کر کرو گی بھی کیا۔'' ثمر نے شرارتی انداز میں کہا۔ ''ہم دونوں رومیو جولیٹ ہیں۔ ہم دونوں کو اکٹھے جینا' اکٹھے مرنا ہے۔ کیوں جولیٹ؟''

جانی نے مکے بعد دیگرے اس کی کمر میں بہت سے مکے مارے۔

''بدتمیز اس طرح کی بکواس کرو گے تو میں پہلے ہی سب کچھ امی کو بتا دوں گی۔''

ثمر نے بے اختیار اپنی کمر سہلائی۔ ''کچھ غلط ہو گیا' کیوں جولیٹ؟'' اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے آخری دو لفظ رک رک کے کہے۔ جانی نے دوبارہ اس کی کمر میں مکا مارا۔

''دفع ہو جاؤ تم۔ میں نہیں جا رہی تمہارے ساتھ۔ امی کو سب کچھ بتا دوں گی صبح۔'' وہ ناراضی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ثمر نے بے اختیار اس کا بازو کھینچ کر اسے جھٹکے سے دوبارہ تخت پر بٹھایا۔ ''اچھا..... اچھا..... معاف کر دو' مذاق کر رہا تھا۔''

''ایسے بونگے مذاق میرے ساتھ مت کیا کرو۔'' جانی نے ناراضی سے کہا۔

''تمہیں میں نے ایک بات نہیں بتائی۔'' ثمر کو اچانک جیسے کچھ یاد آیا۔

''کیا؟'' جانی ناراض ہونے کے باوجود پھر دلچسپی لیے بغیر نہیں رہ سکی۔

''میرے ساتھ کمرشل میں ایک لڑکی کام کر رہی ہے' نایاب کمال۔'' ثمر نے کہا۔

جانی سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''تمہیں پتا ہے اس کی شکل کس سے ملتی ہے؟''

''مجھے کیسے پتا ہو گا۔''

''شبیر بھائی سے۔''

جانی پھر ناراضی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''تم پھر بکواس کرنے لگے ہو۔ کہہ رہی ہوں میرے ساتھ اس طرح کے مذاق مت کیا کرو۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ سچ کہہ رہا ہوں۔'' ثمر بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ تم دیکھو گی تو تم بھی حیران رہ جاؤ گی۔ وہ بالکل شبیر بھائی کی طرح لگتی ہے جیسے تم میری طرح لگتی ہو۔'' ثمر اب وضاحتیں دینے میں مصروف تھا۔

''اچھا فرض کرو اس کی شکل شبیر بھائی سے ملتی بھی ہے تو کیا۔ بہت سے لوگوں کی شکل آپس میں ملتی ہے۔'' جانی نے کھڑے کھڑے کہا۔

''تو میں نے کیا کہا۔ میں تو ویسے ہی تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں نے شبیر بھائی سے ملتی جلتی لڑکی دیکھی ہے۔'' جانی ناراضی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''اس کی شکل مجھ سے زیادہ شبیر بھائی سے ملتی ہے؟''

''ہاں کسی حد تک۔ میرا کمرشل آن ایئر جائے گا تو پھر تم دیکھنا۔''

''تم لڑکیوں پر دھیان کم دیا کرو۔''

''کیوں میں کوئی اندھا ہوں۔'' ثمر نے برجستگی سے کہا۔ جانی کچھ کہنے لگی مگر اس سے پہلے ہی ثمر نے اس سے کہا۔

''اب خدا کے لیے یہ مت کہنا کہ امی کو سب کچھ بتا دوں گی اور تمہارے ساتھ PC نہیں جاؤں گی اور میرے ساتھ ایسے فضول مذاق مت کیا کرو وغیرہ وغیرہ۔''

جانی کا کھلا ہوا منہ بند ہو گیا۔ اس نے پوری قوت سے ایک اور مکا اس کی کمر میں مارا اور کچھ کہے بغیر اندر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

شبیر اس سہ پہر PC میں کسی ایجوکیشن سے متعلقہ ایگزی بیشن میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی تھا۔ ایگزی بیشن میں پھرتے پھرتے شبیر کو کسی کام سے ہال سے باہر ہوٹل کی لابی میں آنا پڑا اور واپس ہال کی طرف آنے سے پہلے اسے ایک جھٹکا لگا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے ثمر اور جانی کو وہاں سے گزرتے دیکھا۔ یہ ناقابل یقین بات تھی۔ وہ دونوں اس وقت وہاں نہیں ہو سکتے تھے مگر اس کے باوجود وہ کسی لاشعوری احساس کے تحت آگے بڑھ آیا۔ چند سٹ

کاؤنٹر سے کچھ فاصلے پر کھڑے وہ آتے جاتے لوگوں کو دیکھتا رہا۔ فوری طور پر ان لوگوں میں اسے ان دونوں کے چہرے نظر نہیں آئے۔ اسے لگا اسے وہم ہوا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ مڑ کر دوبارہ امیگریشن ہال کی طرف جاتا اس کا وہم حقیقت میں تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ دونوں وہی تھے اگرچہ اس کے اور ان کے درمیان بہت فاصلہ تھا مگر وہ انہیں پہچاننے میں دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔ وہ دونوں بہت فاصلے پر ایک نوجوان لڑکی اور ایک مرد اور عورت کے ساتھ کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

شہیر بے یقینی کی کیفیت میں بے اختیار ان کی طرف آیا۔ ان دونوں کی طرف بڑھتے ہوئے تینوں افراد کی پشت اس کی طرف تھی۔ البتہ ثمر اور ہانی اسے دیکھ سکتے تھے اور یہ ثمر ہی تھا جس نے باتیں کرتے مسکراتے ہوئے شہیر کو چند قدموں کے فاصلے پر اپنی طرف آتے دیکھا تھا اور اس کے چہرے سے مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ اس کا رنگ بھی اڑ گیا تھا۔ وہ بات کرنا بھول گیا۔ اس کے چہرے پر آنے والی تبدیلی اتنی نمایاں تھی کہ ہانی سمیت باقی تمام افراد نے اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔ شہیر اب ان کے بالکل سامنے تھا۔ چند لمحوں کے لیے دونوں اطراف خاموشی چھائی رہی پھر اس خاموشی کو ہارون کمال کی آواز نے توڑا تھا۔

''آپ لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟'' وہ ثمر سے پوچھ رہا تھا۔

''یہ میرے بڑے بھائی ہیں۔'' ثمر کو ایک جملہ بولتے ہوئے پسینے آ گئے تھے جبکہ ہانی کے تو جیسے کاٹو تو لہو نہیں کی کیفیت تھی۔

''اوہ ---- Thats wonderful'' ہارون کمال نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا اور شہیر کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

''میرا نام ہارون کمال ہے۔ یہ میری مسز ہیں شائستہ اور یہ میری بیٹی نایاب۔'' ہارون اب تعارف کا مرحلہ سرانجام دے رہا تھا۔ شائستہ کی نظریں بے یقینی سے شہیر کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ پاس پاس کھڑے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی ہارون اور شہیر کے چہرے کی مشابہت کو نظر انداز کر پاتا۔

''میرا نام ہارون کمال ہے۔ یہ میری مسز ہیں شائستہ اور یہ میری بیٹی نایاب۔''

ہارون اب تعارف کا مرحلہ سرانجام دے رہا تھا۔ شائستہ کی نظریں بے یقینی سے شہیر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ پاس کھڑے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی ہارون اور شہیر کے چہرے کی مشابہت کو نظر انداز کر پاتا' وہ بھی نہیں کر پائی تھی۔

فوری طور پر شہیر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح ردعمل ظاہر کرے۔ الجھی ہوئی نظروں سے ثمر اور ہارون کو دیکھتے ہوئے اس نے ہارون سے ہاتھ ملایا۔

''آپ بھی'' شوبز سے منسلک ہیں؟''

ہارون نے اس سے پوچھا اور وہ یہ سوال کرنے میں بالکل غلط نہیں تھا۔ شہیر' ثمر سے زیادہ ہینڈسم تھا اور اس کے نقوش ثمر کی نسبت زیادہ اٹریکٹو تھے وہ اس وقت ایک عام سی ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس تھا۔ اس کے باوجود اس کے سراپے کو نظر انداز کرنا مشکل تھا۔

شہیر اس ''بھی'' کا پس منظر نہیں سمجھا' ثمر کے چہرے کی مزید پھیکی پڑتی ہوئی رنگت بھی اسے کچھ نہیں سمجھا سکی تھی اس نے آس پاس کھڑے لوگوں پر ایک نظر دوڑائی اور پھر ہارون سے کہا۔

شہیر نے ایک نظر ثمر پر ڈالی دوسری نایاب پر۔ وہ ان دونوں کے تعلق کو سمجھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

''آپ کے فادر کیا کرتے ہیں؟'' شائستہ نے سوال کیا تو شہیر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی نظروں نے اسے قدرے بے چین کیا اور اس کے سوال نے اسے حیران۔

''ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''اوہ..... اور آپ کی مدر؟'' شائستہ نے اگلے ہی جملے میں دوسرا سوال کیا۔ اس بار ہارون نے ماتھے پر ایک ہلکی سی شکن

کے ساتھ شائستہ کو دیکھا جو مکمل طور پر شہیر کی طرف متوجہ تھی۔

"وہ ٹیچر ہیں۔ ایک گورنمنٹ اسکول میں۔"

شہیر نے کہا۔ وہ اب ثمر کو گھور رہا تھا۔ کیونکہ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو بھی تھے۔ ثمر کے ہی جاننے والے تھے اور ثمر کے اس کلاس کے جاننے والے کہاں سے آئے تھے۔ یہ اگلا سوال تھا جو بھی تھے۔ ثمر کے ہی جاننے والے تھے اور ثمر کے اس کلاس کے جاننے والے کہاں سے آئے تھے۔ یہ اگلا سوال تھا جو اس کے لیے پریشان کن تھا۔

"آپ لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔" ہارون نے یک دم گفتگو اور ملاقات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک بار پھر باری باری ثمر اور شہیر سے ہاتھ ملایا۔ "ہم لوگوں کو کہیں پہنچنا ہے۔ دیر ہو رہی ہے۔"

نایاب نے بھی ثانی سے ہاتھ ملایا۔

ثمر کا ذہن تیزی سے کچھ وضاحتیں ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔ آج کا دن یقیناً اس کی زندگی کے بدترین دنوں میں سے ایک تھا۔ اسے اگر معمولی سا شبہ بھی ہوتا کہ اس کی اور ثانی کی ملاقات وہاں شہیر سے ہو سکتی تھی تو وہ کسی قیمت پر وہاں نہ آتا مگر اب خلاف توقع وہ سب کچھ ہو چکا تھا جو اس کے خوابوں اور خیالوں میں بھی نہیں آیا تھا۔

ہارون کمال، شائستہ اور نایاب کے ساتھ ہوٹل کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا اور ان کے وہاں سے جاتے ہی شہیر نے ثمر سے کہا۔

"تم دونوں ہوٹل کے دروازے کے باہر میرا انتظار کرو۔ میں دس منٹ تک آتا ہوں۔"

وہ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ ثمر اور ثانی آہستہ قدموں سے کسی روبوٹ کی طرح چلتے ہوئے ہوٹل سے باہر نکل کر دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔

"میری تو قسمت ہی خراب ہے۔" تقریباً دو منٹ کے بعد بالآخر ثمر نے کہا۔ وہ دونوں لان کے سامنے دروازے پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔ لوگ اندر اور باہر جا رہے تھے۔

"مجال ہے کبھی کوئی چیز صحیح طریقے سے ہو جائے۔ ہر جگہ بے عزتی کروانا تو فرض ہے مجھ پر" وہ بڑبڑا رہا تھا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا" ثانی چند لمحے خاموشی سے اس کی بڑبڑاہٹ سنتی رہی پھر برداشت نہیں کر سکی تو بول پڑی۔

ثمر بے یقینی سے منہ کھولے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "میری وجہ سے کیا ہوا؟"

"میں نے منع کیا تھا تمہیں۔"

"یہاں آنے سے؟" وہ حیران ہوا۔

"ماڈلنگ کرنے سے۔"

"ماڈلنگ سے اس سب کا کیا تعلق ہے؟"

"نہ تمہارے پاس پیسے آتے نہ تم مجھے یہاں لاتے۔" ثانی روہانسی ہو گئی۔

"میں لایا ہوں تمہیں یہاں۔" ثمر کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"زبردستی۔"

"میرے خدا..... ثانی! تم دوزخ میں جاؤ گی..... میں تمہیں زبردستی لایا ہوں یہاں؟"

"میں دوزخ میں جاؤں گی تو تمہیں بھی جنت میں کوئی جگہ نہیں ملے گی۔ تم بھی میرے ساتھ وہیں جاؤ گے..... وہاں زبردستی لائے ہو تم مجھے..... میں نے تو انکار کر دیا تھا۔"

ثمر نے بے اختیار اپنے سر پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔ "میں تمہیں زبردستی یہاں لایا..... تم نے ایک بار بھی انکار نہیں کیا۔"

"کیا تھا..... میں نے تو تمہیں بھی منع کیا تھا۔" وہ اپنا غصہ اب اس پر اتار رہی تھی۔ "کہا نہیں تھا تم سے کہ کسی نے دیکھ لیا تو؟"

"کہا تھا مگر یہ انکار نہیں تھا۔"

"انکار نہیں تھا تو اور کیا تھا؟" وہ غرائی۔

"تم نے مجھ سے کہا تھا کہ ہمیں نہیں جانا چاہیے؟" ثمر کو بھی اب غصہ آنے لگا۔

"اف میرے خدا...... میں نے نہیں کہا تھا؟" اس بار ثانی نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔

"نہیں کہا تھا...... ایک بار بھی نہیں کہا تھا...... تم میرے ساتھ آنے پر تیار نہ ہوتیں تو میں کبھی یہاں نہیں آتا...... بتایا تھا تمہیں میں نے۔"

"کتنے جھوٹے ہو تم......" وہ تقریباً چلائی۔ "تم خود کہہ رہے تھے کہ میں یہاں آؤں گا...... یہ جھوٹ بولوں گا...... وہ جھوٹ بولوں گا...... میں بار بار تمہیں منع کر رہی تھی کہ اگر کسی نے دیکھ لیا...... اگر امی کو پتہ چل گیا تو...... اور تم...... تم سن ہی نہیں رہے تھے۔ تم نے کہا نہیں تھا کہ میں پی سی جانے کے لیے سو جھوٹ بولوں گا۔" ثمر نے ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور تم یہ بات اسی طرح شبیر بھائی اور امی سے کہہ دو گی؟"

"ہاں بالکل ایسے ہی کہہ دوں گی......" ثانی نے تیزی سے کہا۔

"پھر میں بھی ان سے کہوں گا کہ میں تمہارے کہنے پر ہی تمہیں پی سی لے کر آیا ہوں۔"

"جھوٹ بولو گے تم؟" ثانی نے بے اختیار دانت پیسے۔

"ہاں۔ جہاں اتنے جھوٹ بولے ہیں وہاں ایک اور سہی...... تم مجھے ڈبوؤ گی تو میں بھی تمہیں ڈبو دوں گا۔"

"پھر میں ساری زندگی تم سے بات نہیں کروں گی۔"

"نہیں کرنا...... مجھے بھی ضرورت نہیں ہے تم سے کوئی بات کرنے کی۔"

ثانی نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ناراضی کے عالم میں منہ دوسری طرف پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ ثمر کچھ دیر دانتوں سے ناخن کترتا دروازے کو دیکھتا رہا پھر اس نے قدرے مصالحانہ انداز میں ثانی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اچھا معاف کر دو مجھے...... ابھی تو یہ سوچو کہ شبیر بھائی سے کیا کہنا ہے۔"

ثانی نے بے رخی سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹکا۔ "تم ہی سوچو تم نے کیا کہنا ہے۔ میں تو سب کچھ سچ بتا دوں گی۔"

"میری ماڈلنگ کے بارے میں بھی؟"

"ہاں ہر چیز کے بارے میں۔"

"ایک دفعہ سوچ لو ثانی۔"

"سوچ لیا ہے۔"

"پلیز۔"

"نہیں۔ مجھے اب کوئی جھوٹ نہیں بولنا۔"

"تم کچھ بھی مت کہنا...... میں خود سب کچھ کہہ لیتا ہوں۔" اس نے جلدی سے ثانی سے کہا۔

"اور بعد میں تم مجھے بلیک میل کرتے رہو گے۔ بالکل نہیں۔" ثانی نے قطعی انداز میں کہا۔

"میں تمہیں کبھی...... کبھی بلیک میل نہیں کروں گا...... بس ایک آخری بار میری بات مان لو۔" وہ گڑگڑایا۔

"نہیں تم ایک انتہائی جھوٹے انسان ہو۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گی۔" ثانی نے گردن نفی میں ہلائی مگر دل ہی دل میں وہ چاہ رہی تھی کہ اسے فوری طور پر اس صورت حال سے نکلنے کا کوئی راستہ سوجھ جائے۔

"دیکھو...... پلیز...... میں ہاتھ جوڑ رہا ہوں...... اب اس سے زیادہ اور کیا کروں...... پلیز ثانی۔"

ثمر نے ہوٹل کے دروازے کی طرف پشت کرتے ہوئے ثانی کے بہت قریب ہو کر آس پاس کے لوگوں سے چھپاتے

ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے باندھتے۔ ثانی نے چند لمحے ماتھے پر بل ڈال کر اسے گھورا پھر جیسے ہتھیار ڈال دیے۔

"یہ آخری بار ہے۔"

"بالکل آخری بار..... دوبارہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔"

"شبیر بھائی کو کیا کہیں گے؟"

"میں کہوں گا۔ ہم دونوں یہاں باہر سے گزر رہے تھے تو اچانک میں تمہیں ہوٹل دکھانے اندر لے آیا۔"

"اور وہ نایاب اور اس کے والدین..... اس کے بارے میں کیا کہو گے؟"

"میں کہوں گا کہ نایاب میرے دوست کی بہن ہے..... میں ان لوگوں کے گھر آتا جاتا رہتا ہوں۔ اس لیے وہ مجھے جانتے ہیں۔"

"انہوں نے دوست کا نام پوچھ لیا تو؟"

"میں کوئی بھی نام لے دوں گا۔"

"اور انہوں نے دوست سے ملنا چاہا تو؟"

"میں لے آؤں گا کسی کلاس فیلو کو دوست بنا کے۔"

"مجھے نہیں لگتا شبیر بھائی کو تمہاری باتوں پر یقین آئے گا۔" ثانی نے چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتے رہنے کے بعد قدرے مایوسی سے کہا۔

"انہوں نے شوبز کی بات کی تھی اگر شبیر بھائی نے بھی اس کے بارے میں پوچھا تو؟"

"میں کہوں گا کہ نایاب ماڈلنگ کر رہی ہے اور انہوں نے اسی حوالے سے پوچھا تھا کہ کیا آپ بھی شوبز سے منسلک ہیں؟ شراب یک دم کچھ مطمئن نظر آنے لگا۔

"اور کل کو جب انہوں نے وہ کمرشل دیکھ لیا تو؟"

"نہیں دیکھیں گے۔ وہ ٹی وی کہاں دیکھتے ہیں اور پھر وہ بھی کمرشل..... کیا پتہ چلے گا انہیں؟"

"اگر ان کو پتہ چل گیا شہر تو میں ان سے صاف کہہ دوں گی کہ مجھے کچھ پتہ نہیں اور اگر تم نے ان سے کہا کہ مجھے سب کچھ پتہ تھا تو....." ثانی نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ شہر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"قسم سے میں ان سے یہ نہیں کہوں گا کہ تمہیں سب کچھ پتہ تھا..... یہی کہوں گا کہ تمہیں کچھ پتا نہیں تھا۔"

اس سے پہلے کہ ثانی کچھ کہتی اس نے شبیر کو باہر آتے دیکھ لیا۔ "شبیر بھائی آرہے ہیں۔" اس نے یک دم شہر کو خبردار کیا۔ وہ بالکل سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ شبیر نے بھی دور سے ان لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھا ان ہی کی طرف آیا تھا۔

ان دونوں کے پاس آ کر وہ کچھ دیر تک ان دونوں کو پلکیں جھپکائے بغیر گھورتا رہا۔ شہر اور ثانی دونوں اس سے نظریں چرا رہے تھے۔ خاموشی کچھ زیادہ طویل ہوئی تو بالآخر شہر نے ہی اسے توڑنے کی ہمت کی۔

"ہم لوگ..... ایسے ہی ہوٹل دیکھنے کے لیے..... یہاں آگئے تھے..... ادھر سے گزر رہے تھے..... ثانی نے فرمائش کی تھی۔

اس کی گفتگو کا آغاز خاصی بے ربطی سے ہوا تھا اور ثانی کے ساتھ ساتھ خود اس نے بھی یہ بے ربطی محسوس کی تھی۔ شبیر کی آنکھیں اب اس پر جمی ہوئی تھیں اس نے شہر کی بات میں مداخلت نہیں کی۔ اسے بولنے دیا۔ شہر کی ہمت میں کچھ اضافہ ہو گیا۔

"ہم دونوں اندر جا رہے تھے تو ان لوگوں سے ملاقات ہو گئی یہ میرے دوست کے والدین اور اس کی بہن ہے..... ان کے گھر آنا جانا ہے میرا۔" وہ ایک لمحہ کے لیے رکا پھر اس نے کہا "یہ خود بھی ماڈلنگ کرتی ہے اور مجھے بھی آفر کر چکی ہے۔" "ہمیں ابھی اس مت ہی ہوئے ہوں گے یہاں آئے کہ آپ آگئے..... یقین کریں شبیر بھائی ادھر پہلے سے یہاں آنے کا کوئی ارادہ

نہیں تھا ورنہ شاید آپ کے ساتھ ہی آتے ..... یہ تو بس سڑک سے گزر رہے تھے تو اچانک خیال آ گیا۔"

شہیر اب بھی بالکل خاموشی کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ ثمر کو اس کی خاموشی نے کچھ پریشان کیا۔ اس کی توقع کے مطابق سوالات کرنا چاہیے تھے تاکہ وہ وضاحتیں دے سکتا۔ مگر شہیر نے کوئی سوالات نہیں کیے ثمر قدرے شرمندگی کے عالم میں خاموش ہو گیا۔

اس کے خاموش ہونے پر شہیر نے ایک نظر ثانی پر ڈالی اس کا رنگ اب بھی اڑا ہوا تھا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے شہیر بھائی۔" اس نے ثمر کی بات کی تصدیق کی۔ شہیر نے ایک بار پھر ثمر کو دیکھا اور پرسکون انداز میں کہا۔

"اپنا والٹ نکالو۔" پہلی بار صحیح معنوں میں ثمر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"جی!" اس کے حلق میں آواز یک دم پھنس گئی۔

"اپنا والٹ نکالو۔" شہیر نے اسی انداز میں اپنی بات ایک بار پھر دہرائی۔ اس کا ہاتھ اب ثمر کی طرف بڑھا ہوا تھا۔

ثمر نے اپنی جینز کی ہپ پاکٹ سے والٹ نکال کر شہیر کی طرف بڑھا دیا۔ شہیر نے اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے والٹ پکڑا اور اسے کھول کر اندر موجود کرنسی نوٹ ایک جھٹکے سے باہر نکال لیے' ثانی کی رنگت کچھ اور پھیکی پڑ گئی جبکہ ثمر کی آواز مکمل طور پر بند ہو گئی تھی۔ اس کے والٹ میں اس وقت چار پانچ ہزار روپے تھے اور شہیر ان نوٹوں کو اس کے سامنے کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ بھی دوست نے دیے ہوں گے؟" ثمر کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر شہیر نے ان نوٹوں کو گنا۔ انہیں دوبارہ والٹ میں ڈالتے ہوئے اس نے والٹ کی باقی چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک جیب میں موجود تمام وزیٹنگ کارڈز نکالتے ہوئے اس نے باری باری انہیں دیکھنا شروع کر دیا۔ چند سیکنڈز میں ذیشان اسد کا وزیٹنگ کارڈ اس کے سامنے تھا۔ تمام گفتگو میں پہلی بار اس کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے شہیر کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ قدرے بے یقینی سے اس نے ثمر کو دیکھا جو اب سر جھکائے کھڑا تھا۔ پھر کچھ کہے بغیر اس نے اس کارڈ کو بھی باقی کارڈز کے ساتھ والٹ کے اندر ڈالا اور والٹ ثمر کی طرف واپس بڑھا دیا۔

"تم گھر جاؤ..... میں اور ثانی بعد میں آ جائیں گے۔" اس نے ثمر سے کہا۔

ثمر چند لمحوں تک کچھ کہنے کی کوشش کرتا رہا پھر چپ چاپ والٹ ہپ پاکٹ میں ڈالتے ہوئے تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ ثانی کے وہاں شہیر کے ساتھ رہ جانے کا مطلب کیا تھا' وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ وہاں سے گھر واپسی تک وہ مزید کوئی جھوٹ سوچے بغیر خود کو صرف بری طرح کوستا رہا۔

☆☆☆

"پاپا! آپ کو کیسا لگا ثمر..... پی سی کے گیٹ سے باہر گاڑی نکلتے ہی نایاب نے بڑے پرجوش انداز میں ہارون کمال سے پوچھا۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر تھی جبکہ شائستہ ہارون کے ساتھ اگلی سیٹ پر تھی۔ گاڑی ہارون ڈرائیو کر رہا تھا۔

ہارون نے بیک ویو مرر سے نایاب کو دیکھا۔ "کس چیز کے بارے میں میری رائے مانگ رہی ہو؟"

نایاب اس کے سوال پر کچھ حیران ہوئی۔

"ثمر کے بارے میں..... پاپا!" وہ ہارون کے سوال کو سمجھے بغیر بولی۔

"ثمر کی کس چیز کے بارے میں؟" ہارون کمال کا انداز بے حد تیکھا تھا۔

شائستہ نے گردن موڑ کر ہارون کو دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"کس چیز کے بارے میں؟" نایاب بے اختیار ہنسی "پورے کے پورے ثمر کے بارے میں..... پاپا..... پورے ثمر کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔" ہارون کے انداز سے وہ جیسے محظوظ ہوئی تھی۔

"He is an average guy" (ایک اوسط درجے کا لڑکا ہے۔) ہارون کمال نے تبصرہ کیا۔

"پاپا! آپ انصاف سے نہیں کہہ رہے۔"

"نایاب نے بے یقینی سے بیک ویو مرر کے ہارون کمال کے چہرے کو دیکھا۔

"that is not fair papa"

"اس جیسے لاکھوں لڑکے پھرتے ہیں اس دنیا میں۔"

"پاپا! آپ نے اسے ماڈلنگ کرتے نہیں دیکھا ورنہ کبھی یہ بات نہ کہتے۔" نایاب نے شہر کا دفاع کیا وہ ہارون کے رویے سے قدرے مایوس ہوئی تھی۔ ہارون نے نایاب کی بات کاٹ دی۔

"کیا ہے بھئی وہ..... کیمرے کے سامنے ہاتھ پاؤں مار لینے سے کوئی دنیا کو اپنی انگلی پر نہیں اٹھالیتا۔ مائنڈ یو....."

نایاب نے حیرانی سے ایک بار پھر بیک ویو مرر سے ہارون کو دیکھا۔ اسے..... اس قسم کے تلخ تبصرے کی توقع نہیں تھی۔

"میں تو حیران ہوں کہ تم اس سے اس قدر متاثر کیے ہو گئیں۔" نایاب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر خاموش ہو گئی۔

"وہ..... کیا نام تھا اس کے بھائی کا.....؟ ہارون کمال نے شہیر کا نام یاد کرنے کی کوشش کی۔"

"شہیر ثوبان۔" شائستہ نے بے اختیار کہا۔

"ہاں..... شہیر ثوبان..... میں تو اس کی بات پر شاکڈ رہ گیا۔ باپ مر چکا ہے..... ماں ٹیچر ہے..... وہ بھی گورنمنٹ اسکول میں۔" ہارون کی آواز اور لہجے میں تحقیر تھی۔ "کیا سوشل اسٹیٹس ہے ان لوگوں کا..... جن سے تم متاثر ہوئی پھر رہی ہو۔"

نایاب کے ماتھے پر بل ابھر رہے تھے۔

"اور تم..... تم تو مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ اس کا تعلق کسی اچھی فیملی سے ہے؟" ہارون کمال کو اچانک جیسے یاد آیا۔

"ہاں..... میں نے کہا تھا..... مجھے لگا تھا....." نایاب اس اچانک سوال پر گڑبڑائی پھر جیسے سنبھلی۔ "آپ جس طرح آپ پہلی ہی ملاقات میں فیملی کے بارے میں سوال کرنے بیٹھ گئے تھے..... میں تو اس طرح اس سے نہیں پوچھ سکتی تھی۔" نایاب نے قدرے خفگی سے کہا۔

"پوچھنا چاہیے تھا۔" ہارون نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔ "سب سے پہلے فیملی کے بارے میں پوچھنا چاہیے..... اور وہ بھی پہلی ملاقات میں۔"

نایاب نے قدرے بے بسی سے کندھے اچکائے۔ ہارون کمال نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اور تم بار بار اس کی ماڈلنگ کی بات کر رہی ہو۔"

"مگر پاپا! مجھے اس کی فیملی سے کیا کنسرن ہے..... میں تو ماڈلنگ کی تعریف کر رہی تھی۔ اس کی ماڈلنگ امپریسو ہے۔ آپ انکل ذیشان سے اس کے بارے میں پوچھیں۔"

"جو بھی ہو..... تمہیں اس سے زیادہ بے تکلف نہیں ہونا چاہیے۔ ان فیملیز کے لڑکے اس طرح کے مواقع سے فائدہ اٹھانے میں مہارت رکھتے ہیں۔" ہارون کمال کی سنجیدگی برقرار تھی۔

نایاب نے ایک بار پھر قدرے حیرانی سے بیک ویو مرر میں سے ہارون کو دیکھا۔ "کیسے مواقع پاپا؟..... اور کیا فائدہ؟"

شائستہ کو ہارون کی بات سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی اور اس نے قدرے ناگواری سے ہارون کو دیکھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ شہر کے ساتھ تمہاری بے تکلفی میں اضافہ ہو..... اسے خود سے فاصلے پر رکھو۔" ہارون کمال نے حتمی انداز میں کہا۔

"Now you are taking it too far Papa" (پاپا! آپ حد کر رہے ہیں) اس سے کیا بے تکلفی ہے میری..... کام کر رہا ہے میرے ساتھ کرشل میں..... اور جس طرح باقی لوگوں سے بات کرتی ہوں اسی طرح اس کے ساتھ بھی کرتی ہوں..... اور آپ..... آپ بات کو کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں۔" نایاب نے اونچی آواز میں غصے سے کہا۔

"غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے نایاب......" اس کی ناراضی نے ہارون کمال کے لہجے میں تبدیلی پیدا کر دی۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے۔" نایاب اب ہارون کی بات سننے پر تیار نہیں تھی۔ "آپ خود چھوٹی سی بات کو کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں......" اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ "میں پہلے تو ثمر کے بارے میں آپ کی رائے سے بالکل اتفاق نہیں کرتی۔ وہ بہت ڈیسنٹ لڑکا ہے۔ دوسرے لڑکوں کی طرح نہیں ہے۔ اور پھر کمرشل ختم ہوا...... میری اس سے واقفیت بھی ختم ہو گئی...... دوبارہ کسی کمرشل میں اگر اکٹھے کام کیا تو میں اس کے ساتھ Rude تو نہیں ہو سکتی۔"

اس ساری گفتگو میں شائستہ نے پہلی بار مداخلت کی۔ "میرا خیال ہے اب اس بات کو یہیں ختم کر دینا چاہیے...... تم جس طرح چاہو...... ثمر سے ملو...... ہارون تم کو کچھ نہیں کہیں گے۔"

"مگر ممی! ابھی آپ کے سامنے پاپا نے کہا ہے کہ......"

شائستہ نے نایاب کے احتجاج کو نظر انداز کرتے اس کو آگے بولنے سے روک دیا۔ "جو کہا ہے اب اس کا ریفرنس دینے کی ضرورت نہیں ہے بہر حال ثمر کے ایشو کو اب ختم ہو جانا چاہیے...... اتنا اچھا وقت گزارنے کے بعد اب اتنی معمولی سی بات پر اس طرح بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

شائستہ نے جیسے بات ختم کی۔ ہارون نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ پچھلی سیٹ پر نایاب ہونٹ بھینچے غصے کے عالم میں گاڑی سے باہر دیکھتی رہی۔

☆☆☆

گھر پر پہلی نظر پڑتے ہی امبر کا چہرہ اتر گیا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت منیزہ اور اس کی باقی دونوں بیٹیوں کی تھی۔ صبغہ کے ساتھ وہ لوگ کچھ دیر پہلے ہی وہاں آئے تھے۔ ان کا ذاتی سامان صرف چند سوٹ کیسز پر مشتمل تھا جسے وہ اس دن اپنے ساتھ وہاں لے کر آئی تھیں۔ جبکہ صبغہ پچھلے کچھ دنوں سے کچھ ضروری فرنیچر اور باقی اشیاء کی خریداری میں مصروف رہی تھی۔ خریداری کے ساتھ ساتھ سامان وہاں منتقل بھی کرتی رہی تھی۔

جس دن وہ وہاں شفٹ ہوئے تھے۔ اس دن خریدا گیا تمام سامان پہلے سے ہی وہاں رکھا جا چکا تھا۔

اس محلے میں داخل ہو کر گھر تک کا فاصلہ پیدل طے کرتے ہوئے وہ سب لوگ زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہے تھے۔ اور یہ دور کتنا مشکل اور تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔ ان تنگ گلیوں میں سے گزرتے ہوئے انہیں احساس ہو رہا تھا۔ وہ لوئر مڈل کلاس اور مڈل کلاس کے علاقے کو پہلی بار اتنے قریب سے دیکھ رہی تھیں اور یہ احساس کہ اب انہیں زندگی یہیں گزارنی تھی...... انہی لوگوں کے درمیان...... ان کو ہولائے دے رہا تھا۔

گھر کو دیکھ کر مایوسی کا یہ احساس اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ صبغہ کو ان میں سے کسی کے چہرے پر خوشی کی رمق نظر نہیں آئی۔ اسے اس کی توقع بھی نہیں تھی۔ منیزہ گھر کو پہلے ہی دیکھ کر ناپسند کر چکی تھیں اور اب اسی ناپسندیدہ جگہ پر رہنا...... یہ تصور ان کے لیے سوہان روح تھا۔

دو کمروں کا وہ مکان ان سب کو تفصیلی طور پر دکھانے میں صبغہ کو صرف چند منٹ لگے تھے اور اب وہ سب اس گھر کے ایک کمرے میں موجود تھیں۔ بہت دیر تک وہ پانچوں چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے وہاں بیٹھی رہیں۔ ان سب کے پاس یک دم لفظ جیسے ختم ہو گئے تھے...... زندگی میں بہت سے مواقع پر لفظ ختم ہو جایا کرتے ہیں...... وہ سب اسی تجربے سے گزر رہی تھیں۔

صبغہ نے بالآخر اس خاموشی کو توڑا۔ وہ کہنا چاہ رہی تھی "گھر اچھا ہے" مگر ان لوگوں کے چہروں کے تاثرات نے اسے اچھا کے لفظ کو تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ "گھر ٹھیک ہے؟" سوالیہ نظروں سے ان سب کے چہروں کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ صرف وہاں بیٹھے چاروں افراد نے چند لمحوں کے لیے اس کو دیکھا تھا۔ کچھ دیر خاموشی

رہی پھر امبر نے کہا۔

"ہم کتنے دن یہاں رہیں گے؟"

صبغہ نے امبر کو دیکھا پھر مدھم آواز میں کہا۔ "دن نہیں مہینے یا سال۔" اس نے تصحیح کی۔ امبر کا چہرہ اور پھیکا پڑ گیا۔

"مگر ہمیشہ یہاں نہیں رہیں گے۔ حالات کچھ بہتر ہوں گے تو ہم کسی اچھی جگہ پر منتقل ہو جائیں گے۔"

"حالات کیا بہتر ہوں گے۔" اس بار منیزہ خفگی سے بڑبڑائیں۔

"ہو جائیں گے ممی.....! کچھ وقت لگے گا مگر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" صبغہ نے منیزہ کو دیکھتے ہوئے جیسے انہیں تسلی دی۔ "کم از کم آپ تو اس طرح کی بات نہ کریں۔"

"تو میں کس طرح کی بات کروں..... یہ کہوں کہ بس راتوں رات ہماری قسمت بدلنے والی ہے..... پوری دنیا ہی ہمارے قدموں کے نیچے ہوگی۔" منیزہ نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔

صبغہ کچھ دیر ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ "ممی! برا وقت تو راتوں رات آ سکتا ہے اچھا وقت نہیں۔ اچھے وقت کو آتے کچھ وقت لگتا ہے مگر سب کچھ بالکل پرفیکٹ نہ بھی ہو بہتر ضرور ہو جاتا ہے۔" اس نے ماں کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ وہ ان کی خفگی کو کم کرنا چاہ رہی تھی۔

"میں چھوٹی بچی نہیں ہوں صبغہ جسے تم یہ سب کچھ سمجھا رہی ہو۔" منیزہ پر اس کی تسلیوں کا الٹا اثر ہوا۔ "میں دنیا کو تم سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں..... لوگوں کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتی ہوں۔ مجھے سبز باغ مت دکھاؤ۔"

صبغہ منیزہ کی بات پر بے بسی سے مسکرائی۔ "سبز باغ؟..... ممی! میں آپ کو سبز باغ کیوں دکھاؤں گی..... مگر اتنی مایوسی بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ صبغہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

کچھ دیر کے بعد جب وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ساتھ فاطمہ تھی۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے چاروں افراد نے حیرانی سے اس عورت کو دیکھا تھا جو صبغہ کے ساتھ بے تکلفی سے باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔ اور اس کے حلیے اور سراپے نے ان سب کو بری طرح چونکایا تھا۔ وہ چاروں ان حالات میں نہ ہوتیں تو شاید اس عورت پر نظر ڈالتے ہوئے ان کے انداز میں کچھ تحقیر بھی شامل ہوتی۔

"ممی! یہ فاطمہ آئی ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ان کے بارے میں۔"

صبغہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے فاطمہ کو متعارف کروایا۔ منیزہ با دل نخواستہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ پہلی ہی نظر میں فاطمہ کو ناپسند کر چکی تھیں۔ فاطمہ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ منیزہ سے ہاتھ ملایا۔ اس نے منیزہ کے انداز کے روکھے پن کو نظر انداز کر دیا تھا۔

"یہ میری بڑی بہن ہے..... امبر۔" صبغہ اب امبر کا تعارف کروا رہی تھی۔ منیزہ کی نسبت امبر فاطمہ سے اچھے طریقے سے ملی تھی۔ وہ پچھلے چند ہفتوں میں گھر کی مرمت کے سلسلے میں اس کی مدد کا احوال صبغہ سے سن چکی تھی۔

"یہ میری چھوٹی بہنیں..... رابعہ اور زارا....."

فاطمہ نے پیار سے ان دونوں کے گال تھپتھپائے پچھلے چند ماہ میں یہ پہلا پیار بھرا لمس تھا جو ان دونوں نے کسی دوسرے فرد سے وصول کیا تھا۔

"بہت پیاری بچیاں ہیں آپ کی۔" فاطمہ نے منیزہ سے کہا۔ منیزہ نے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا وہ صرف پھیکے انداز میں مسکرائیں۔

"میں آپ لوگوں کا ہی انتظار کر رہی تھی صبغہ نے مجھے کل بتایا تھا آپ لوگوں کی شفٹنگ کے بارے میں سامان وغیرہ سیٹ کرنے میں تو آپ کو مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو پہلے ہی رکھا جا چکا ہے۔"

فاطمہ نے کمرے میں نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "مگر اس کے علاوہ آپ کو دن اور رات کے کسی بھی وقت کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو آپ لوگ مجھ سے کہہ سکتے ہیں۔" فاطمہ نے کہا۔

"تھینک یو آنٹی..... لیکن آپ ہمارے لیے پہلے ہی بہت کچھ کر رہی ہیں ہمارے لیے۔" صبغہ تشکر بھرے لہجے میں بولی۔

"کچھ نہیں کر رہی میں....." فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس قدر احسان مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے' میں آپ لوگوں کے لیے کھانا بھجواتی ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"باہر نکلتے ہوئے اس نے کہا" اور رات کو بھی بھجواؤں گی۔"

"نہیں آنٹی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کھانا لینے جا رہی ہوں۔" صبغہ نے فاطمہ کو روکا۔

"اور رات کے لیے ہم کچھ نہ کچھ پکا لیں گے۔ وہ اتنا مسئلہ نہیں ہے۔"

"اتنا تکلف مت کرو صبغہ!" فاطمہ نے نرمی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ "میں نے آپ لوگوں کی وجہ سے آج دوپہر کا کھانا زیادہ پکایا ہے۔ اور جہاں تک رات کے کھانے کا تعلق ہے تو ابھی آتے ہی کیا پکانا شروع کر دوگی..... کل سے شروع کر لینا۔ ظاہر ہے خود ہی پکائیں گے آپ لوگ۔"

فاطمہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ بیرونی دروازے تک آ گئی۔

"ابھی تو سبزی تک نہیں خریدی ہو گی تم لوگوں نے۔" فاطمہ مسکرائی۔

"ہاں میں سہ پہر کو جا کر لانا چاہتی تھی۔" صبغہ نے کہا۔

"میرے ساتھ چلنا۔ یہاں پاس ہی سبزی کی کچھ دکانیں ہیں۔ مجھے بھی سبزی خریدنی ہے۔ تمہیں بھی سبزی خریدنے کا کچھ تجربہ ہو جائے گا۔" فاطمہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

دروازہ بند کرتے ہوئے صبغہ نے ہونٹ کاٹے۔ اس کے چہرے پر ایک جانے کے لیے ایک پھیکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔ "کس کس چیز کا تجربہ ہو رہا ہے..... اور ہو گا یہ میں نہیں جانتی..... اور یہ سارے وہ تجربے ہیں جن کے بارے میں میں نے کبھی اپنے ڈراؤنے خواب میں بھی کچھ نہیں دیکھا تھا۔"

اس نے واپس اندر کمرے کی طرف جاتے ہوئے اپنے دل میں سوچا تھا۔

☆☆☆

"کیا ہوا" ہارون نے کچھ الجھی ہوئی نظروں سے شائستہ کو دیکھا۔

رات کے نو بجنے والے تھے اور وہ اسے اپنے ساتھ ایک بزنس ڈنر پر لے جانے کے لیے آیا تھا۔ مگر گھر پہنچنے پر خلاف توقع اس نے شائستہ کو تیاری کرنے کے بجائے بستر میں پایا۔

"میرے سر میں درد ہے۔" شائستہ نے اسی طرح لیٹے لیٹے کہا۔

"کوئی ٹیبلٹ لے لو..... اور چلو..... یہ کوئی اتنا سیریس مسئلہ تو نہیں ہے۔" ہارون نے کہا۔

"مگر میں جانا نہیں چاہتی..... میرا موڈ نہیں ہے۔" شائستہ نے کہا۔

"کیوں؟..... موڈ کو کیا ہوا..... کچھ گھنٹے پہلے تک تو تمہارا موڈ ٹھیک تھا۔" ہارون کمال اس کی بات پر کچھ جز بز ہوا۔

"اب ٹھیک نہیں ہے۔" شائستہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"پھر تمہیں پی سی سے واپسی پر مجھے بتا دینا چاہیے تھا۔ میں ان لوگوں کو انفارم کر دیتا..... اب تو وہاں جانا ہی پڑے گا..... میں پارٹی کو بتا چکا ہوں کہ ہم لوگ آ رہے ہیں۔" ہارون نے کچھ ٹٹولنے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم چلے جاؤ..... اور میری طرف سے ایکسکیوز کر لینا۔" شائستہ نے کہا۔ اس کے انداز اور لہجے میں ابھی بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"میں وہاں اکیلا جا کر کیا کروں گا؟" ہارون کمال اپنی بات سے ہٹنے پر تیار نہیں تھا۔

"تم بہت سی جگہوں پر اکیلے جاتے رہتے ہو۔ ہر جگہ مجھے ساتھ لے کر تو نہیں جاتے۔" شائستہ نے اسے دیکھتے ہوئے بڑے تیکھے انداز میں کہا۔
"مگر اس جگہ پر تمہیں ساتھ لے کر ہی جانا چاہتا ہوں..... اور یہ تم اچانک اتنی rude کیوں ہو رہی ہو؟" ہارون نے اس کے لہجے پر غور کرتے ہوئے کہا۔
"میں rude نہیں ہو رہی ہوں....." شائستہ نے اسی انداز میں کہا۔
"ہم لوگ وہاں سے جلدی واپس آ جائیں گے۔" ہارون کمال نے صلح جو انداز میں کہا۔ "مگر میں وہاں جانا ہی نہیں چاہتی.....تم آخر میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔"
شائستہ نے اس بار بہت تیز آواز میں کہا۔ وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گئی اور سائیڈ ٹیبل پر پڑے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر اسے سلگانے لگی۔ ہارون ماتھے پر بل لیے اسے دیکھتا رہا۔ "میں تمہارے رویے کو سمجھ نہیں پا رہا۔"
"تمہیں میرے رویے کو سمجھنے کی کوشش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ڈنر میں جانے کی تیاری کرنی چاہیے۔" شائستہ نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے تلخی سے کہا۔
"اور تم کہہ رہی ہو کہ تم rude نہیں ہو رہیں۔" ہارون کمال نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔
"اچھا لو میں ہو رہی ہوں پھر....." شائستہ نے انگلیوں میں دبے سگریٹ کو اپنے ہونٹوں سے دور کرتے ہوئے کہا۔ "انسان ہوں میں چوبیس گھنٹوں اور سال کے بارہ مہینے چہرے پر مسکراہٹ پینٹ کر کے نہیں پھر سکتی۔"
"مت پھرو.....مگر بات کرنے کا انداز ضرور بہتر کرو..... میں تمہارا شوہر ہوں.....گھر میں کام کرنے والا ملازم نہیں ہوں۔" اس بار ہارون کی آواز بھی اونچی تھی۔
"ہاں ملازم تم نہیں ہو سکتے وہ فرمانبردار اور وفادار ہوتے ہیں۔" شائستہ نے سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"اس ساری فضول بکواس کا مقصد کیا ہے؟" ہارون حسب توقع بری طرح تپا۔
"کوئی مقصد نہیں ہے.....ایک بات تم نے کی.....ایک میں نے.....بس۔"
"پچھلے کچھ سالوں میں تمہاری بحث کرنے کی عادت میں کچھ اضافہ نہیں ہو گیا؟" ہارون کمال کا لہجہ جھلسانے والا تھا "کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑھاپے کی علامت ہوتی ہے۔"
شائستہ نے تیز نظروں سے ہارون کمال کو دیکھا۔ "ہاں میں اور تم اب بوڑھے ہو رہے ہیں۔" اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"میں نہیں صرف تم....." ہارون نے اس کی بات کاٹی۔ "مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا..... سنا ہو گا تم نے؟"
"سنا تو میں نے اور بھی بہت کچھ ہے.....مگر شاید تم وہ سب کچھ اس وقت سننا پسند نہیں کرو گے.....تمہیں ڈنر سے دیر ہو رہی ہے۔" شائستہ اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔
"اور تم..... تمہیں دیر نہیں ہو رہی؟" ہارون نے اپنے انداز کو بدلتے ہوئے کہا۔
"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں ڈنر پر نہیں جا رہی۔" شائستہ نے جیسے بلند آواز میں اعلان کیا۔
"اور اس کی وجہ یقیناً سر درد نہیں ہے۔" ہارون کمال نے تلخی سے کہا۔ "کیونکہ یہ سر درد اتنا شدید ہوتا تو پچھلے دس منٹ سے تم میرے ساتھ اس جھگڑے میں مصروف نہ ہوتیں۔"
"اوکے۔ تم یہی سمجھ لو کہ میرے سر میں درد نہیں ہے۔ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔"
"اور میں یہی جاننا چاہتا ہوں کہ کیوں؟.....اب باہر کے ڈنر سے یک دم تمہیں الرجی کیوں ہونے لگی ہے؟"
"مجھے اس وقت ہر چیز سے الرجی ہو رہی ہے..... بار بار سلیم جیسے گدھوں سے۔" وہ زہریلے انداز میں کہہ رہی تھی۔ "جو اس پر ماسک چڑھا کر ان ڈنرز میں خوش گپیاں کرنے والے جانوروں کے ہجوم سے۔" وہ ایک اور کش لگانے کے لیے رکی

پھر اس نے کہا۔ "تم سے..... اس گھر سے..... ہر چیز سے۔"

ہارون کمال کے ماتھے کی شکنیں بڑھ گئیں۔ "بعض دفعہ یہ جو دورے تمہیں پڑتے ہیں۔ تمہیں اندازہ ہے کہ یہ تمہاری پرسنالٹی کو میری نظروں میں کس طرح گرا دیتے ہیں۔" ہارون کمال نے تیز آواز میں کہا۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔" شائستہ نے سر جھٹکا۔ "تمہارے ساتھ اتنے سال گزارنے کے بعد اب مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجھے کیا سمجھتے ہو یا کس نظر سے دیکھ رہے ہو۔"

"فرق پڑنا چاہیے تمہیں۔" ہارون کمال کی آواز سرد ہو گئی "تم نے ابھی زندگی کے اور بہت سے سال میرے ساتھ گزارنے ہیں۔"

"بدقسمتی سے۔" شائستہ بڑبڑائی۔

ہارون نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی۔ "میں اگر تمہیں طلاق دے کر اس گھر سے نکال دوں تو تمہیں پتا چلے گا کہ میرے ساتھ رہنا تمہاری بدقسمتی تھی یا میرے بغیر۔" ہارون کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

"پہلی بات تو یہ ہارون کمال صاحب۔" شائستہ نے سگریٹ کی راکھ سائیڈ ٹیبل پر پڑی ایش ٹرے میں جھٹکی۔ "کہ یہ گھر آپ کا نہیں ہے..... میرے نام ہے..... اس لیے یہاں سے آپ کو میں تو نکال سکتی ہوں..... آپ مجھے نہیں نکال سکتے۔"

ہارون پلکیں جھپکائے بغیر ہونٹ بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور دوسری بات یہ کہ آپ طلاق کی دھمکی کم از کم مجھے مت دیں..... میں کوئی مجبور بے بس گھریلو عورت نہیں ہوں کہ اس دھمکی پر کانپنا شروع ہو جاؤں گی۔" اس نے ایک اور کش لیا۔

"اور آپ کے پیروں میں گر کر گڑگڑاؤں گی کہ سرتاج مجھے معاف کر دیں۔"

وہ رکی۔ اس کی نظریں ہارون کمال پر جمی ہوئی تھیں۔ "تم نے مجھے دنیا کے ہر فن میں طاق کر دیا ہے۔ اب اگر تم میری زندگی سے نکل جاتے ہو تو مجھے تمہارے جیسے ہزاروں مل جائیں گے..... شائستہ تم کو بوڑھی لگتی ہوگی..... باہر دنیا کو نہیں۔"

ہارون ایک لفظ کہے بغیر تیز قدموں سے پلٹ کر ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ ڈریسنگ روم کا دروازہ اس نے پوری قوت سے بند کیا تھا۔ شائستہ کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ آئی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں اچھال دیا اور سگریٹ کیس سے ایک اور سگریٹ نکالنے لگی۔ وہ سگریٹ نکالتے ہوئے کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔

☆☆☆

فاطمہ نے دروازہ کھولا۔ ثمر سلام کر کے نظریں چراتے ہوئے اندر آ گیا۔ فاطمہ نے متلاشی نظروں سے پیچھے دیکھا۔

"اتنی دیر کر دی تم دونوں نے..... میں پریشان ہو رہی تھی..... اور یہ ثانی کہاں ہے؟" فاطمہ نے دروازہ بند کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں ثمر کو دیکھا۔ جو صحن کے تخت پر بیٹھتے ہوئے اپنے جوتے کھول رہا تھا۔

"ثانی شہیر بھائی کے ساتھ ہے۔" ثمر نے جوتے کھولتے ہوئے اسی انداز میں کہا۔

"شہیر..... یہ شہیر کہاں سے مل گیا تم دونوں کو؟" فاطمہ قدرے حیران ہوئی۔

"وہ..... وہ راستے میں مل گئے تھے۔" ثمر نے مختصر جواب دیا۔

"تو ساتھ کیوں نہیں آئے تم لوگ..... وہ دونوں کہاں رہ گئے؟" فاطمہ کو اب تشویش ہونے لگی۔

"آ رہے ہیں امی! مجھے ایک کام تھا اس لیے میں ثانی کو شہیر بھائی کے پاس چھوڑ کر آ گیا..... ابھی آ جائیں گے دونوں۔" ثمر نے جیسے اسے تسلی دی۔

فاطمہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟..... کوئی پریشانی ہے۔"

"مجھے کیا پریشانی ہوگی۔ بس کچھ تھک گیا ہوں۔" ثمر نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اچھا..... میں ٹرے میں کھانا نکال کر دے رہی ہوں۔ ساتھ والوں کے گھر دے آؤ۔" فاطمہ نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"کون سے ساتھ والوں کے گھر؟" ثمر نے فاطمہ کے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

"صبغہ کے گھر۔" فاطمہ نے کہا۔

"آ گئے ہیں یہ لوگ؟" ثمر نے کہا۔

"ہاں۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی آئے ہیں۔" فاطمہ برتنوں میں کھانا نکالتے ہوئے بولی۔

"کیا کہوں میں جا کر ان سے؟" ثمر نے ایک ہاتھ سے سر کھجاتے ہوئے ٹرے پکڑی۔

"کیا کہنا ہے۔ بس دستک دے کر جو بھی آئے۔ اسے ٹرے پکڑا دینا۔" فاطمہ نے کہا۔ "اتنی دیر میں تمہارے لیے کھانا نکالتی ہوں۔ آج بہت دیر ہو گئی ہے۔"

ثمر نے جواب نہیں دیا۔ وہ ٹرے لے کر اپنے گھر سے باہر نکلا اور اس نے صبغہ کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ چند لمحوں کے بعد کھلا۔ دروازے پر صبغہ تھی۔ ثمر کو فاطمہ کی جگہ پا کر وہ قدرے گڑبڑائی۔

"السلام علیکم..... امی نے کھانا بھجوایا ہے۔"

ثمر نے اس کے دروازہ کھولتے ہی جلدی سے کہا اور ٹرے آگے کر دی۔ صبغہ نے ٹرے اس سے لے لی۔ ثمر سے وہ پچھلے چند ہفتوں میں چند بار مل چکی تھی..... مگر اس وقت اس کے ہاتھ سے کھانا لیتے ہوئے اسے عجیب سی خجالت کا احساس ہوا تھا۔

"آپ کھانا کھانے کے بعد برتنوں کی ٹرے کو درمیان والی دیوار پر رکھ دیجئے گا۔ میں وہاں سے اٹھا لوں گا۔" ثمر نے تیز رفتاری سے کہا اور ان ہی قدموں پلٹ کر اپنے گھر میں گھس گیا۔ صبغہ دروازہ بند کرتے ہوئے ٹرے ہاتھ میں لیے کمرے کی طرف جاتے جاتے صحن کے وسط میں رکی۔ اور اس نے مڑ کر اس دیوار کو دیکھا جو چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی اور اسی وقت اس نے دوسری طرف ثمر کو فاطمہ سے بات کرتے ہوئے سنا۔

"امی! میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"کیوں؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"میں نے اور حاتی نے باہر سے برگر کھا لیا ہے۔"

"تو جانے سے پہلے کم از کم مجھے بتا تو دیتے..... میں ابھی تک انتظار میں بیٹھی تھی کہ تم لوگ آؤ تو کھانا کھاؤں۔"

کوئی بھی صحن میں کھڑے ہو کر ساتھ والے گھر کے صحن میں ہونے والی گفتگو سن سکتا تھا۔ صبغہ نے بے اختیار اپنے ہونٹ کاٹے۔ وہ پرائیویسی جس کی وہ اپنے گھر میں عادی تھی وہ ختم ہو چکی تھی۔ وہ اگر ساتھ والوں کے گھر میں ہونے والی گفتگو سن سکتی تھی تو وہ لوگ بھی ان کے ہاں ہونے والی گفتگو کو اسی آسانی کے ساتھ سن سکتے تھے سر جھٹک کر وہ ٹرے لیے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

"مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے امی۔" ثمر نے بالآخر فاطمہ کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ حاتی اور شیر کسی وقت بھی آنے والے تھے اور وہ ان دونوں کے آنے سے پہلے ہی فاطمہ سے اس بارے میں بات کر لینا چاہتا تھا۔

فاطمہ پلیٹ میں چاول ڈال کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہاں بولو۔" اس نے چاول کا چمچہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ثمر یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر فاطمہ کے پاس آ کر اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ اب فاطمہ کے گھٹنوں پر تھے۔ فاطمہ کو کھانا کھاتے کھاتے جھٹکا لگا۔ ثمر کے انداز نے اسے خوفزدہ کیا تھا۔

"پہلے وعدہ کریں! آپ ناراض نہیں ہوں گی۔" ثمر نے کہا۔

"کیا بات ہے؟..... کیا کر کے آئے ہو؟" فاطمہ کی بھوک غائب ہو گئی۔ اس نے پلیٹ چارپائی پر رکھ دی۔

''نہیں۔ آپ پہلے وعدہ کریں کہ آپ ناراض نہیں ہوں گی۔''

''تم پہلے بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟''

''نہیں۔ پہلے وعدہ کریں۔'' وہ منت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اچھا..... وعدہ..... اب بتاؤ۔ کیا ہوا ہے؟''

''مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

''کیا غلطی ہو گئی؟'' فاطمہ نے تشویش بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

وہ ہچکچاتے ہوئے آہستہ آہستہ فاطمہ کو سب کچھ بتانے لگا۔ وہ ہکا بکا اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے پلیٹ ہاتھ سے رکھ دی تھی۔

''امی! میں..... آپ کو سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا مگر میں ڈر رہا تھا کہ آپ مجھے یہ کمرشل نہیں کرنے دیں گی۔ اور میں اسے ہر صورت میں کرنا چاہتا تھا۔'' اس نے اپنی بات کے اختتام پر فاطمہ کے تاثرات پر غور کرتے ہوئے کہا۔ فاطمہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ثمر سے کیا کہے۔

''امی! روز روز تو کوئی ایسی آفر نہیں دیتا۔ آپ سوچیں میں اگر انکار کر دیتا تو میری جگہ کتنے لڑکے خوشی خوشی اس کمرشل کو کرتے۔'' وہ اب وضاحتیں دے رہا تھا۔

''اور پھر مجھے تین ہزار روپے بھی تو ملے ہیں۔ میں ٹیوشنز کر کے یا چارٹ بنا کر پورا سال اتنے پیسے نہیں کما سکتا تھا جتنے ایک ہفتے میں مل گئے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے ذیشان صاحب نے ہی مجھے دو اور کمرشلز کی آفر کی ہے..... سوچیں ذرا کتنی آسانی سے مجھے اتنے پیسے مل جائیں گے اور میں..... اپنی تعلیم پر وہ روپے خرچ کر سکتا ہوں۔ آگے این سی اے میں ایڈمیشن کے لیے روپے اکٹھے کر سکتا ہوں..... آپ جانتی ہیں وہاں ایڈمیشن لینے کے لیے کتنی رقم کی ضرورت ہے۔''

فاطمہ نے پہلی بار غصے میں اس کی بات کاٹی۔ ''وہاں ایڈمیشن تو تب ہوگا نا جب تم ایف ایس سی کرو گے..... امتحان تمہارے سر پر ہیں اور تم پڑھنے کے بجائے آوارہ گردی کرنے میں مصروف ہو۔''

''امی! آوارہ گردی تو نہیں ہے۔'' ثمر نے احتجاج کیا۔

''آوارہ گردی ہی ہے یہ بھی..... یہاں آس پاس پتہ چلے گا کہ تم اشتہاروں میں کام کر رہے ہو تو لوگ کس طرح کی باتیں کریں گے۔''

''کچھ نہیں کہیں گے امی.....'' ثمر نے لاپروائی سے کہا۔ ''پہلے میں اشتہاروں کے بورڈ پینٹ کرتا تھا۔ اب خود اشتہار میں کام کرنے لگا ہوں..... کیا فرق پڑتا ہے..... وہ لوگ تو خوش ہوں گے..... ٹی وی پر آنے کے لیے تو لوگ کیا کیا جتن کرتے ہیں اور مجھے تو بیٹھے بٹھائے آفر آ گئی ہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ثمر.....'' فاطمہ نے کہا۔

ثمر نے فاطمہ کی بات کاٹ دی۔ ''آپ نے وعدہ کیا تھا آپ ناراض نہیں ہوں گی۔''

''میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم نے اس طرح کی حرکت کی ہوگی ورنہ ایسا وعدہ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔''

''اچھا دیکھیں۔ ابھی امتحان ختم ہو جائیں گے تو باقی کے دو کمرشلز تب کروں گا..... ابھی وعدہ کرتا ہوں کہ رات دن پڑھتا رہوں گا جب تک امتحان نہیں ہو جاتے۔''

''نہیں۔ اب اور کوئی کمرشل نہیں کرو گے تم..... ایک کر لیا بس کر لیا..... انکار کر دو ان صاحب کو جنہوں نے تمہیں آفر کی ہے۔'' فاطمہ نے سختی سے کہا۔ ''اور علی کو تو آنے دو۔ میں پوچھوں گی اس سے.....'' فاطمہ نے کہا۔

''سارا قصور میرا ہے امی..... علی کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' ثمر نے کہا۔ میں نے اس کو مجبور کیا تھا کہ وہ آپ کو نہ

''لوگ تعریف تو کرتے ہیں' عزت نہیں کرتے۔''

''ایسا نہیں ہوتا امی...... آپ پرانے زمانے کی بات کر رہی ہیں...... اب لوگوں کو دیکھیں...... ہیں' آپ کو پتہ چلے گا کہ شوبزنس کے لوگوں کو کس طرح سراہا جاتا ہے۔'' وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

فاطمہ نے جواب دینے کے بجائے کھانا کھانا شروع کر دیا' ثمر کی باتیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اگرچہ وہ شروع سے ہی شوبز میں جانے کی باتیں کرتا تھا مگر گھر میں کسی نے اس کی ان باتوں کو کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا۔ اس کا خیال تھا یہ بچپن کی بے شمار خواہشات میں سے ایک ہے اور بڑا ہونے پر کچھ میچور ہو جانے پر بہت سی دوسری خواہشات کی طرح یہ خواہش بھی ختم ہو جائے گی۔ ان سب کا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ اپنی اس خواہش یا شاید اب اسے جنون کہنا بہتر تھا کو پورا کرنے کے لیے کس حد تک جا سکتا تھا۔ فاطمہ اب دیکھ رہی تھی۔

وہ بچپن سے اپنے تینوں بچوں کے لیے جو خواب دیکھ رہی تھی۔ ان میں کہیں بھی ان میں سے کسی کا شوبزنس میں جانا شامل نہیں تھا۔ اور اب ثمر کا یہ فیصلہ اس کو جیسے ایک عجیب دوراہے پر لے آیا تھا۔ شہیر اور ثانی نے کبھی اس کو کسی لحاظ سے پریشان نہیں کیا تھا مگر ثمر بچپن سے ہی اس کے لیے خاصے مسائل پیدا کرتا رہتا تھا۔

وہ بچپن میں جسمانی طور پر بہت زیادہ کمزور تھا اور سیزن کی ہر بیماری اسے اپنی لپیٹ میں ضرور لیتی۔ فاطمہ کا زیادہ تر وقت اس کی تیمارداری میں ہی گزرتا۔ وہ تینوں میں سے واحد تھا جسے اسے ہر وقت اپنے ساتھ چپکائے پھرنا پڑتا تھا۔

جب وہ کچھ بڑا ہونا شروع ہوا تو اس نے اپنی شرارتوں سے ان سب کا ناک میں دم کر دیا۔ فاطمہ کو ہر وقت اس پر نظر رکھنی پڑتی تھی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اگلے ہی لمحے کیا کر بیٹھے۔ بڑا ہونے پر اس نے سکون کا سانس لیا تھا کہ کم از کم اس کی شرارتیں ختم ہو گئی تھیں...... اور اب وہ اس کے سامنے ایک نیا مسئلہ لیے بیٹھا تھا۔

☆☆☆

بیسواں باب

برقع میں ملبوس وہ عورت اس دروازے کے سامنے کھڑی اسے کھٹکھٹا رہی تھی۔ اس نے برقع کے نقاب کے ساتھ اپنا آدھا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ چہرے کا جو حصہ نقاب سے نظر آ رہا تھا' وہ اس کی عمر ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ ادھیڑ عمر قدرے بھاری جسم کی سانولی عورت تھی جس کی آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں۔ عمر کے اس حصے میں بھی اس کی آنکھوں کو نظر انداز کرنا ناممکن تھا۔

اس کے ساتھ موجود دوسری عورت خاصی عمر رسیدہ تھی اور اس نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ دستک دینے کے بعد اگلے کئی منٹوں تک کوئی باہر نہیں آیا تو برقع والی عورت نے دوبارہ دروازے پر دستک دی۔ اس بار بہت جلد قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ اس بوسیدہ سے مکان کی حالت خاصی مخدوش تھی اور اگر اس زمانے میں بھی وہاں کال بیل نہیں تھی تو وہاں کے مکینوں کی مالی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

دروازہ یک دم کھل گیا۔ سامنے ملگجے حلیے میں ایک نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔

☆☆☆

"یہ تو اب یقیناً کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ثانی کہ تم دونوں مجھ سے جھوٹ بول رہے تھے۔" گھر سے قدم آگے بڑھاتے ہی شبیر نے ثانی سے کہا وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ "اب سچ کیا تھا میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں یہ توقع کرتے ہوئے کہ اس بار بات کا آغاز جھوٹ سے نہیں ہوگا۔"

"میں نے تو پہلے بھی کوئی جھوٹ نہیں بولا شبیر بھائی! صرف ثمر کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ جھوٹ تو وہ بول رہا تھا۔" ثانی نے بے حد ندامت سے کہا۔

"تم نے اس کے جھوٹ کی تصدیق جھوٹ سے ہی کی ہے۔ بہر حال اب اس بات کو چھوڑ کر مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں یہاں کیوں لے کر آیا ہے وہ؟" شبیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اور اس کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آتے ہیں؟"

ثانی اس بار کچھ بھی نہیں چھپا سکی۔ اس نے شبیر کو وہاں کھڑے کھڑے ثمر کی ماؤنٹ سے لے کر ایب کی فیملی اور پھر ثمر کے وہاں لانے کی وجہ تک سب کچھ بتا دیا۔ شبیر کے ماتھے پر بل آ گئے تھے۔ وہ چیخنے چلانے والا آدمی نہیں تھا۔ اس کے باوجود ثمر اور ثانی اس سے ڈرتے تھے اور اس کے ماتھے پر آنے والے بل ہی ان دونوں کو خائف کرنے کے لیے کافی ہوتے تھے اور اس وقت بھی اس کے ماتھے پر نمودار ہونے والے وہ بل ثانی کو نروس کر رہے تھے۔ شبیر نے اس تمام گفتگو کے دوران ایک بار بھی اسے ٹوکا تھا نہ ہی کوئی سوال کیا تھا۔ اس کے خاموش ہو جانے پر بھی اس نے کچھ نہیں کہا۔

"گھر چلیں دیر ہو رہی ہے۔" ثانی کی تمام بات سن لینے کے بعد اس نے بیرونی گیٹ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے ثانی سے کہا۔

☆☆☆

"مگر امی آپ اسے کس طرح شوبز میں جانے کی اجازت دے سکتی ہیں؟" شہیر نے بے حد ناراضی سے فاطمہ سے کہا۔
وہ دونوں رات کے اس پہر لان میں بیٹھے ثمر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ شہیر کے گھر پہنچنے پر فاطمہ نے اس وقت اسے ثمر کو مزید کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا۔

"میں پہلے ہی اسے بہت ڈانٹ چکی ہوں۔" اس نے شہیر سے کہا۔

"یہ دوبارہ بھی اس طرح بغیر بتائے ہائی وے کر...... کہیں نہیں جائے گا۔" شہیر فاطمہ کی بات پر دنگ رہ گیا۔ "مگر میں ہائی جانے پر تو اس سے ناراض نہیں ہو رہا ہوں۔ میں تو ماڈلنگ کرنے پر ناراض ہوں۔ اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے اس نے آپ کو بتانا یا پوچھنا تک ضروری نہیں سمجھا۔"

"وہ اس بارے میں مجھ سے پہلے ہی معذرت کر چکا ہے۔"

"امی! آپ معذرت کی بات کر رہی ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اس نے کتنی بڑی حماقت کی ہے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں اس نے حماقت کی ہے مگر میں اس بارے میں تم سے بعد میں بات کروں گی۔ ابھی تم کپڑے تبدیل کرو اور کھانے کے لیے آ جاؤ۔ میں کھانا لگا رہی ہوں۔"

فاطمہ نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ شہیر کو فاطمہ کا اس طرح موضوع تبدیل کرنا بے حد ناگوار گزرا مگر وہ بیٹھ کی طرح خاموش ہو گیا۔ ثمر اس سے نظریں چراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اور اب رات گئے جب ثمر اور عنی دونوں سونے کے لیے جا چکے تھے۔ وہ دونوں ثمر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ فاطمہ نے اسے ثمر کے فیصلے کے بارے میں بتایا شہیر کی ناراضی میں اضافہ ہو گیا۔

"اپنی تعلیم چھوڑ کر وہ بے وقوفوں کی لائن میں جا کر کھڑا ہو جائے گا۔" شہیر نے کسی لگی لپٹی کے بغیر تبصرہ کیا۔

"وہ بتا رہا ہے اسے بہت اچھے کمرشلز مل رہے ہیں۔" فاطمہ نے جیسے ثمر کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

"دو چار کمرشلز سے کسی کا کیریئر نہیں بن جاتا۔ اور پھر تعلیم بھی ضروری ہے۔ آپ نے اسے بتایا؟"

"وہ اپنی تعلیم تو نہیں چھوڑ رہا۔" فاطمہ نے فوراً کہا۔ "میں نے اس سے وعدہ لیا ہے کہ وہ تعلیم کو نہ صرف ساتھ جاری رکھے گا بلکہ بہت اچھے گریڈز میں پاس ہوتا رہے گا۔"

"امی! ایسا کبھی نہیں ہوتا۔" شہیر نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ "شوبز میں اتنے دھکے کھانے پڑتے ہیں کہ آپ کو کچھ اور نظر ہی نہیں آتا۔ اور پھر کوئی پروفیشنل ڈگری اچھے گریڈز کے ساتھ۔ یہ صرف خواب ہی ہو سکتا ہے۔"

"مگر اس نے وعدہ کیا ہے۔"

"وہ اس لیے کیونکہ ابھی...... اس کو آپ کی اجازت کی ضرورت ہے جب نہیں ہو گی تب وہ آپ کو بتائے بغیر تعلیم بھی چھوڑ دے گا۔" شہیر نے برہم لہجے میں کہا۔

"تمہیں اس کے جنون کا اندازہ ہے۔ ہم جتنا اسے سمجھانا چاہیں سمجھا لیں۔ وہ کرتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے۔ تم اس کمرشل کو دیکھ لو۔ اس کو آفر ہوئی اور اس نے ہم سب کی ناراضی کے ڈر سے ہمیں بتائے بغیر اس میں کام کرنا شروع کر دیا۔"

فاطمہ نے شہیر کا چہرہ دیکھا جس کے چہرے پر ابھی بھی ناراضی تھی۔

"اگر اسے روکیں گے تو وہ آئندہ بھی چوری چھپے اسی طرح کے کام کرتا رہے گا۔ اسے اجازت دے دیں گے تو کم از کم ہمیں پتا تو ہو گا کہ وہ کیا کام کر رہا ہے۔"

"مگر امی شوبز۔ آپ سمجھ نہیں سکتیں وہاں کا ماحول کس طرح انسان کو خراب کرتا ہے۔"

"ثمر بہت سمجھدار ہے۔ میں نہیں سمجھتی وہ ایسی کوئی حرکت کرے گا جو نامناسب یا غیر اخلاقی ہو۔ کم از کم اس معاملے میں مجھے اس کی طرف سے کوئی خدشہ نہیں ہے۔ اور پھر اب تو بہت اچھی اچھی فیملیز سے لوگ شوبز سے منسلک ہو رہے ہیں۔ ماحول تبدیل ہو رہا ہے۔" فاطمہ نے ثمر کے کہے گئے کلمات شہیر کے سامنے دہرائے۔

"ہم جس جگہ پر رہتے ہیں وہاں پر لوگ کبھی بھی شوبز میں کام کرنے والی عورت کو عزت سے نہیں دیکھیں گے۔ اگر شہیر ڈراموں میں کام کرنا شروع کرے گا تو لوگ صرف اس پر انگلیاں نہیں اٹھائیں گے۔" شبیر بے حد سنجیدہ تھا۔ "آپ کی اور بیٹی کی بات کریں گے۔ بیٹی کے حوالے سے بھی بہت باتیں ہوں گی۔ آپ نے ان کے بارے میں سوچا ہے؟ کتنے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر اگر وہ شوبز میں اپنی جگہ نہ بنا سکا تو کیا ہوگا۔" اس نے بڑی رسانیت سے فاطمہ کو سمجھایا۔

"پڑھائی چھوڑ دے اور مستقبل دونوں خراب کرے گا وہ۔ بہتر ہے کہ وہ وہی کرے جو اس کے اور ہم سب کے لیے بہتر ہے۔"

"مگر وہ..." فاطمہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن شبیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنا کیریئر بنائے۔ ماڈلنگ تو تب بھی کی جا سکتی ہے۔ آج کل تو لوگ کیریئر بنانے کے بعد بھی ماڈلنگ کرتے رہتے ہیں۔"

"مگر وہ کہتا ہے اسے ابھی چانس مل رہا ہے شاید کل چانس نہ ملے۔" فاطمہ نے ایک بار پھر شہیر کی حمایت کی۔

"اگر اس کی قسمت میں شوبز میں ہی جانا لکھا ہے تو اسے کل بھی چانس ملیں گے آپ اس سے بات تو کریں۔" اس نے رنجیدہ ہوتے ہوئے فاطمہ سے کہا۔

"اگر بات قسمت کی ہے تو پھر کل کے بجائے اسے آج قسمت آزمانے دو۔" شبیر فاطمہ کی بات پر قدرے ششدر سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

اندر سے آنے والی عورت نے دروازے پر کھڑی ان دو عورتوں کو بڑی حیرانی سے دیکھا۔ جن میں سے ایک برقعے میں ملبوس تھی۔ ان دونوں کے چہرے اس کے لیے شناسا نہیں تھے۔

"السلام علیکم۔" اس عورت نے دروازہ کھلنے پر ان میں سے ایک کو کہتے سنا۔

"وعلیکم السلام... جی..." اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے قدرے مرعوب انداز میں کہا۔ کیونکہ سامنے کھڑی دونوں عورتیں اپنے حلیے سے اس محلے کے رہنے والے لوگوں میں سے نہیں لگ رہی تھیں۔

"ہم اندر آ کر چند منٹ آپ سے بات کر سکتے ہیں؟" اسی عورت نے جس نے پہلے اسے مخاطب کیا تھا کہا۔

"اندر آ کر؟" وہ یک دم ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی۔ بالکل انجان عورتوں کو اندر بلاتے ہوئے یہ ہچکچاہٹ فطری تھی۔

"ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے صرف چند منٹ بات کرنا چاہتے ہیں۔" اس کو جھجکتے دیکھ کر اس عورت نے جلدی سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"آپ ہمیں پہچان نہیں سکتیں۔ ہم پہلے کبھی آپ سے نہیں ملے۔"

اس عورت کے تذبذب میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

"آپ کس سلسلے میں مجھ سے بات کرنا چاہتی ہیں؟"

"اگر آپ ہمیں اندر آنے کا موقع دیں تو ہم زیادہ اچھے طریقے سے آپ کو یہ بتا سکتے ہیں۔" اس بار برقعے میں ملبوس عورت مخاطب ہوئی۔ کھلے دروازے میں کھڑی عورت نے بڑے غور سے اس برقعے والی عورت کو دیکھا جس کی آواز بے حد خوبصورت تھی اور پھر جیسے یک دم کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔ ان دونوں عورتوں کے ہاتھوں اور انگلیوں میں موجود زیورات نے جیسے اسے یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہ کم از کم وہاں اس چھوٹے سے ٹوٹے پھوٹے گھر میں ڈاکے کی نیت سے نہیں آئی تھیں۔

"آ جائیں۔" دروازے سے باہر کھڑی عورتوں نے اس جملے پر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر یکے بعد دیگرے اندر داخل ہو گئیں۔ گھر سے نکلنے والی عورت نے ان کے پیچھے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور پھر انہیں اپنی رہنمائی میں اندر ایک

کمرے میں لے گئی جہاں موجود چیزیں اور فرنیچر یہ طے کرنے میں دقت کا باعث بن رہا تھا کہ وہ کمرہ سونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یا مہمانوں کو بٹھانے کے لیے۔ اگر وہاں کرسیاں اور ایک بلکہ چھوٹا سستا سا صوفہ تھا تو اس کے ساتھ ساتھ دو چارپائیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔

''بیٹھیں۔'' اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں عورتوں نے بلاتامل اس کی دعوت قبول کی اور آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ وہ عورت خود ان دونوں سے قدرے فاصلے پر چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''جی کہیے۔'' اس نے جیسے انہیں بات شروع کرنے کا اشارہ دیا۔

دونوں عورتوں نے ایک بار پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بات کا آغاز کرتیں۔ چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت نے یک دم برقع میں ملبوس عورت کو مخاطب کیا۔

''آپ بے شک نقاب ہٹا دیں۔ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔''

''جی شکریہ۔'' برقع والی عورت نے کہا مگر اس نے نقاب نہیں ہٹایا۔

''آپ اس محلے میں کب سے رہ رہی ہیں؟'' دوسری عورت نے مزید کسی تاخیر کے بغیر گفتگو کا آغاز کیا۔

چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے سوال نے جیسے اسے حیران کیا۔

''ہم تو کافی سالوں سے یہاں رہ رہے ہیں۔''

''اٹھارہ انیس سال سے؟'' اس عورت نے دوبارہ پوچھا۔

''اس سے بھی زیادہ وقت گزر گیا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

دونوں عورتوں کے درمیان ایک بار پھر نظروں کا تبادلہ ہوا۔ اس بار اگلا سوال قدرے دھیمی آواز میں آیا۔

''اٹھارہ سال پہلے اس محلے میں کسی نے کوڑے کے ڈھیر پر دو بچے پھینکے تھے۔ میں ان بچوں کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہیں۔'' چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت یک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''دو بچے؟''

''ہاں دو نوزائیدہ بچے۔'' اس عورت نے دہرایا۔

اس بار چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت کے تاثرات اور انداز میں یک دم تبدیلی آ گئی۔ اس نے باری باری ان دونوں عورتوں کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اور آدھے چہرے کو نقاب میں چھپائی ہوئی عورت کو زیادہ غور سے دیکھا۔

''آپ کون ہیں؟'' اس نے اس بار قدرے ترشی سے پوچھا۔ ''اور اس بارے میں کیوں پوچھ رہی ہیں؟''

برقع میں ملبوس عورت نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔ یعنی وہ ٹھیک جگہ آئی تھیں اور وہ عورت ان بچوں کے بارے میں جانتی تھی۔ مگر کیا؟

''آپ ان بچوں کے بارے میں جانتی ہیں؟'' اس عورت نے برقع میں ملبوس عورت کو دیکھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

''میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ پہلے آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیں۔'' چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت نے اس بار تیز آواز میں ان سے کہا۔ وہ دونوں عورتیں اس کے لیے اب بہت مشکوک ہو گئی تھیں اور ان دونوں کے ہاتھوں کے زیورات اب اسے کسی اور طرف لے جا رہے تھے۔

''آخر آپ ان بچوں کے بارے میں کیا جاننے آئی ہیں اور کیوں؟''

''اگر ہم آپ کے سوال کا جواب دے دیں تو کیا آپ ہمیں ان بچوں کے بارے میں بتائیں گی؟'' برقع میں ملبوس عورت نے اس بار چارپائی پر بیٹھی عورت کو مخاطب کیا۔

''پہلے آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیں اس کے بعد ہی میں یہ طے کروں گی کہ مجھے آپ کو کچھ بتانا چاہیے یا نہیں۔''

چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت جیسے آدھے چہرے کو ڈھانپے ہوئے اس عورت کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ برقع میں

بیٹھی عورت کچھ دیر خاموش رہی پھر اس عورت کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ برقع میں ملبوس عورت کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے ایک دم جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

”وہ دونوں میرے بچے تھے۔“

چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ لاشعوری طور پر ان دونوں میں سے کسی کے منہ سے بھی ملنے کی توقع رکھنے کے باوجود اسے یہ امید نہیں تھی کہ کسی توقف کے بغیر ایک ہی سوال پر اتنے واشگاف انداز میں وہ ان بچوں کو اپنی اولاد تسلیم کر لے گی۔ کچھ دیر تک وہ یہ بھی نہیں سوچ سکی کہ اسے کیا کہنا چاہیے یا اس کے بعد آگے کیا پوچھنا چاہیے۔

”اب تو آپ ان دونوں بچوں کے بارے میں مجھے بتا دیں گی؟“ برقع والی عورت نے کچھ دیر اس کی طرف سے کسی ردعمل کا انتظار کیا اور پھر سوال کیا۔

”وہ تمہارے بچے تھے تو تم نے انہیں کوڑے پر کیوں پھینک دیا؟“ اس سوال کا جواب جانتے ہوئے بھی چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔

”آپ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ میں نے ان کو کیوں پھینک دیا۔“ برقع والی عورت کا اگلا جواب بھی اتنا ہی صاف تھا کہ چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت ایک بار پھر جیسے لاجواب ہو کر رہ گئی۔

”ناجائز تھے؟“ اس نے کچھ دیر تک پلکیں جھپکائے بغیر برقع والی عورت کی کاجل لگی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے جیسے بے یقینی سے پوچھا۔

”ہاں!“ برقع والی عورت جیسے صاف گوئی کی انتہا پر پہنچ رہی تھی۔

”جب پھینک دیے تو پھر اب اتنے سالوں کے بعد ان کا خیال کیوں آ گیا؟“ چارپائی والی عورت کی آواز میں اب ملامت جھلک رہی تھی۔ ”وہ تو اب بھی ناجائز ہی ہوں گے۔ اب اٹھارہ انیس سال کے بعد ان کی کیا ضرورت آن پڑی۔“

برقع والی عورت کی آنکھوں کا رنگ بدلا اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی یا پھر وہ مسکرائی تھی۔ دونوں میں سے کیا تھا وہ یہ طے نہیں کر پائی۔

”جائز ہو یا ناجائز۔ اپنی اولاد کا خیال تو آتا ہی ہے۔“ برقع والی عورت مدھم آواز میں بولی۔ ”کتنا بھی وقت گزر جائے میں انہیں بھول تو نہیں سکتی۔ ماں ہوں۔“

چارپائی پر بیٹھی عورت کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا کہے۔ اسے دھتکارے، ملامت کرے، ہمدردی جتائے۔ یا پھر۔

”کسی نے انہیں گود لے لیا تھا۔ یا دارالامان بھجوا دیا تھا؟“ برقع والی عورت نے اگلا سوال کیا۔

”پہلے تمہیں یہ پوچھنا چاہیے کہ وہ دونوں زندہ بچ گئے تھے؟“

چارپائی والی عورت نے طنزیہ انداز میں کہا۔ اس بار خاموش رہنے کی باری برقع والی عورت کی تھی۔ چند لمحے بالکل چپ رہنے کے بعد اس نے بے حد مدھم آواز میں کہا۔

”زندہ بچ گئے تھے؟“ چارپائی والی عورت نے اس کی آواز سے زیادہ اس کے ہونٹوں کی حرکت سے اس کے جملے کو سمجھا۔

”ہاں بدقسمتی سے۔“ چارپائی والی عورت کا لہجہ طنزیہ تھا۔ برقع والی عورت نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ چارپائی والی عورت نے اسے قدرے حیرانی سے دیکھا۔ کیا بے تابی تھی جو وہ عورت اتنے سالوں بعد دکھا رہی تھی۔ کیا اسے ماں کہا جا سکتا تھا؟

”کس نے اٹھایا تھا انہیں؟“ اس بار اس کی آواز میں تیزی تھی۔

”جس نے بھی اٹھایا تھا۔ بڑی بری حالت میں اٹھایا تھا مرنے والے ہو رہے تھے دونوں۔ لڑکے کو تو چوہوں نے ادھیڑ ڈالا تھا۔“

برقع والی عورت کے منہ سے بے اختیار سسکی نکلی۔ ”پھر؟“

"پھر کیا؟" چارپائی والی عورت کے انداز میں اب سرد مہری آ گئی تھی۔ "زندہ تھے وہ دونوں۔ بتا تو رہی ہوں تمہیں۔"

"کس کے پاس ہیں وہ دونوں؟"

"ایک بیوہ عورت نے گود لے لیا تھا ان دونوں کو۔" چارپائی والی عورت بتاتے بتاتے رکی۔ "اسی نے جان بچائی ان لڑکوں کی بے چاری انہیں لے کر جگہ جگہ پھرتی رہی۔ پھر اس نے ان دونوں کو پالنے کا فیصلہ کر لیا۔"

چارپائی والی عورت بات کرتے کرتے ایک بار پھر رکی۔ اسے جیسے اب یاد آ رہا تھا کہ اسے اس عورت کو یہ ساری معلومات دینے کے بجائے صرف ملامت کرنا چاہیے تھی۔ "ناجائز بچے اگر میرا شوہر سن لے تو ابھی ان دونوں عورتوں کو دھکے دیتے ہوئے گھر سے نکال دے۔" اس نے چند لمحوں کے لیے سوچا۔

"اور اس کے ساتھ ساتھ میری عزت بھی کر دے کہ میں نے کس قسم کی عورتوں کو گھر میں بلا کر بٹھا رکھا ہے۔" اس کے خیال کی رو اب کسی اور سمت جانے لگی تھی۔

"اور ذرا اس عورت کو دیکھو۔ یوں برقع لپیٹے بیٹھی ہے جیسے بڑی ہی ساوتری ہو۔"

"آپ مجھے میرے بچوں کے بارے میں بتا رہی تھیں۔" برقع والی عورت نے اسے مخاطب کیا شاید وہ اس کی خاموشی سے کچھ گھبرا گئی تھی۔

"ہاں۔ بتا رہی تھی۔ بلکہ بتا چکی ہوں۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

"آپ نے مجھے اس عورت کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"بتا تو دیا ہے بیوہ عورت تھی۔"

"آپ مجھے اس عورت کا پتہ بتا دیں میں اس کے گھر جانا چاہتی ہوں۔"

"کیسے بتا دوں؟" اس کے انداز نے برقع والی عورت کو چونکایا۔

"کیا مطلب؟"

"اس کا پتہ میرے پاس ہو گا تو میں بتاؤں گی نا۔"

"تو کیا وہ اس محلے میں نہیں رہتی۔"

"پہلے رہتی تھی۔ اب نہیں رہتی۔"

"اب کہاں ہیں؟"

"وہ ان بچوں کے ملنے کے کچھ عرصے کے بعد ہی یہاں سے چلی گئی تھی۔"

"مگر کہاں؟"

"مجھے کیا پتا کہاں۔" وہ اس کے سوالوں سے بیزار ہو گئی تھی۔

"مگر آپ کو کچھ اندازہ تو ہو گا۔"

"پندرہ سولہ سال پہلے اگر کوئی محلہ چھوڑ کر چلا جائے تو اس کا کیسے پتہ رکھا جا سکتا ہے۔"

"پھر بھی آپ کچھ نہ کچھ تو مدد کر سکتی ہیں میری۔" برقع والی عورت اب گڑگڑانے لگی۔ "اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات تو مجھے دے ہی سکتی ہیں۔"

"کیسی معلومات؟"

"اس عورت کا نام وہ کیا کرتی تھی اس کے کوئی رشتے دار یا جاننے والے۔"

"اور تم یہ سب کچھ جان کر کیا کرو گی۔ اس عورت کے پاس جاؤ گی؟" چارپائی والی عورت نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔"

"اور ان بچوں کو اس سے چھین لو گی؟"

اس بار برقعے والی عورت کچھ جھجکی۔

"نہیں۔ میں بچوں کو اس سے نہیں لوں گی۔ صرف انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"دیکھ کر کیا کرو گی؟" وہ اب جیسے بال کی کھال اتارنے پر تل گئی تھی۔

"ماں بچوں کو دیکھ کر کیا کرتی ہے؟" اس نے جواباً سوال کیا۔

"دوسرے پر بچوں کو پھینک دینے والی ماں کیا کرتی ہے۔ یہ میں کیسے بتا سکتی ہوں۔" اس نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میری زندگی کی آخری خواہش ہے کہ میں ایک بار ان بچوں کو دیکھ لوں۔"

"اگر تمہاری زندگی کی یہ آخری خواہش ہے تو میں کیا کروں؟" چارپائی والی عورت متاثر ہوئے بغیر بولی۔ "مجھے جتنا پتہ ہے تمہیں بتا چکی ہوں۔ اب تم دونوں یہاں سے جاؤ۔ میرا شوہر آنے والا ہے۔ تم دونوں کو دیکھے گا تو ناراض ہو گا کہ میں کیسی کیسی عورتوں کو گھر کے اندر بلا چکی ہوں۔"

اس کے انداز میں رکھائی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔

صوفے پر بیٹھی دونوں عورتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر برقع والی عورت نے کہا۔

"اگر آپ ہمیں معلومات فراہم کریں تو ہم اس کے بدلے آپ کی مالی مدد کر سکتے ہیں۔"

چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت ایک بار پھر کچھ دیر کے لیے چپ کی چپ رہ گئی تھی۔ برقع والی عورت اب اپنے بیگ کی زپ کھول کر اندر سے کچھ بھاری مالیت کے کرنسی نوٹ نکال رہی تھی۔ چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت کے دل کی دھڑکن یک دم تیز ہو گئی۔ اس کی نظریں برقع والی عورت کے ہاتھوں کی حرکت کا تعاقب کر رہی تھیں۔ آج کا دن اس کے لیے اچھا ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں بے اختیار خیال آیا۔

"کیا جاننا چاہتی ہیں آپ؟" اب اس کی آواز میں ترشی یا تلخی کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ برقع والی عورت کے ہاتھ میں دس بارہ بھاری مالیت کے کرنسی نوٹ دبے ہوئے تھے اور چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت کی نظریں بار بار وہیں اٹکی ہوئی تھیں۔

"مجھے آپ اس عورت کے بارے میں جو کچھ بتا سکتی ہیں بتا دیں۔ اگر رابطہ کروا سکیں تو میں آپ کو اس کے علاوہ اور رقم بھی دوں گی۔"

برقع والی عورت نے بڑی خوش اخلاقی سے ان نوٹوں کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"معلومات۔ معلومات۔" اب اس کا ذہن ان ہی دو لفظوں کے گرد گردش کر رہا تھا۔ وہ کس طرح ان کو زیادہ سے زیادہ معلومات دے سکتی تھی کہ اس بھاری رقم کی اہل ٹھہرتی اس نے اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے برقع والی عورت کے ہاتھوں سے نوٹ لے لیے۔

"آپ کے لیے چائے یا شربت کچھ لاؤں؟" نوٹوں کے ساتھ ہی یک دم اس کو مہمان نوازی کے فرائض یاد آ گئے۔ برقع والی عورت اب "تم" سے "آپ" ہو گئی تھی۔

"نہیں، ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ برقع والی عورت نے جواباً کہا۔ "آپ ہمیں صرف اس عورت کے بارے میں بتا دیں۔"

"اس عورت کا نام..." چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت نے اپنے ذہن کو کئی سال پیچھے لوٹایا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے کچھ اور بھی طے کر لیا تھا۔ وہ جتنی جھوٹی معلومات ان دونوں عورتوں کو دے سکتی تھی دے گی۔ وہاں کون یہ طے کرنے والا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی تھی یا جھوٹ اور اس کا جھوٹ اس کے ہاتھوں میں موجود کرنسی نوٹوں کی تعداد میں اضافہ کرنے والا تھا۔

برقع والی عورت اب بے تابی سے وہ سب کچھ سن رہی تھی جو وہ اسے بتا رہی تھی۔

☆☆☆

اکیسواں باب

''شبیر بس کے انتظار میں بس اسٹاپ پر کھڑا تھا۔ جب ایک سیاہ نسان یک دم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ شبیر نے گاڑی کے اندر جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ گاڑی کسی اور کو دیکھ کر رکی ہے۔ بس اسٹاپ پر اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ تب ہی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود عورت نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا اور باہر جھانکتے ہوئے شبیر کو مخاطب کیا۔

''ہیلو شبیر!'' شبیر نے چونک کر اسے دیکھا۔ سیاہ چشمہ لگائے وہ عورت مسکراتے ہوئے کھڑکی سے گردن باہر نکالے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اس کا چہرہ شناسا لگا مگر وہ فوری طور پر اسے پہچان نہیں پایا۔ قدرے الجھی ہوئی نظروں سے وہ اسے دیکھنے لگا۔

''آؤ۔ کہاں جانا ہے؟ میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' شائستہ نے اس کے تاثرات پر غور کیے بغیر کہا۔

''سوری میں نے آپ کو پہچانا نہیں؟ شبیر نے جواباً وہیں کھڑے رہنے کے بجائے چند قدم آگے بڑھ کر شائستہ سے کہا۔ اس کے جملے پر شائستہ نے اپنا چشمہ اتار لیا۔

''اوہ۔ مسز ہارون کمال۔'' شبیر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ اسے پہچان گیا تھا۔ شائستہ بے ساختہ مسکرائی۔

''مجھے خوشی ہوئی تم نے مجھے پہچان لیا۔'' اس نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''آؤ بیٹھو میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' اس کی بے تکلفی نے شبیر کو دنگ کر دیا۔

''نہیں شکریہ مسز ہارون! میری بس آنے والی ہے میں چلا جاؤں گا۔''

''کم آن۔ اتنے تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ڈراپ کر دوں گی۔'' شائستہ نے اصرار کیا۔

''آپ کو زحمت ہو گی۔''

''نہیں ہو گی۔ میں اسی طرف جا رہی ہوں۔ آؤ بیٹھو۔'' شائستہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ وہ پوچھ نہیں سکا کہ کس طرف' آخر وہ کیسے جانتی تھی کہ وہ کس طرف جا رہا تھا۔

اس نے مزید کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا بس اسٹاپ پر کھڑے سارے لوگ بڑی دلچسپی سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔

وہ فٹ پاتھ سے اتر کر دوسری طرف سے ہوتے ہوئے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ مگر اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔

''کہاں جانا ہے تمہیں؟'' شائستہ نے مسکراتے ہوئے گلاسز دوبارہ آنکھوں پر چڑھائے اور گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے شبیر سے پوچھا۔ اس نے چونک کر شائستہ کی طرف دیکھا۔ کچھ دیر پہلے وہ کہہ رہی تھی کہ وہ جانتی ہے اسے کس سمت جانا ہے اور اب وہ اس سے راستہ پوچھ رہی تھی۔

شائستہ اس کے تاثرات سے جیسے اس کا سوال جان گئی۔ اس لیے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بھئی وہ تو میں نے ایسے ہی کہہ

وہ تو کہ میں بھی ای طرف جا رہی ہوں ورنہ مجھے کیا پتہ کہ تمہیں کس طرف جانا ہے۔"
"میں نے اسی لیے آپ سے کہا تھا کہ آپ کو زحمت ہوگی۔ یہاں سے میرے آفس کا فاصلہ بہت زیادہ ہے۔" شبیر نے قدرے سنجیدگی سے شائستہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔
"وہ آفس جانا ہے۔ اس وقت کس لیے اب تو شام ہو رہی ہے؟" شائستہ نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔
"میں پارٹ ٹائم کام کرتا ہوں وہاں۔"
شبیر نے اسے اپنی کمپنی کا نام بتایا۔ شائستہ کے یکے بعد دیگرے سوالات اسے اور الجھا رہے تھے۔
"اور معراج ظفر کی کمپنی میں کام کرتے ہو تم۔" شائستہ نے کمپنی کا نام سنتے ہی اس کے سی۔ ای کا نام لیا۔ شبیر کی سنجیدگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔
"میرے بہت اچھے دوست ہیں وہ۔" شائستہ نے مزید کہا۔ شبیر جواباً خاموش رہا۔
"اچھا آدمی ہے۔" شائستہ نے تبصرہ کیا۔
"ہاں۔" شبیر نے یک حرفی جواب دیا۔ گاڑی میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر شائستہ نے کہا۔
"کہاں رہتے ہو تم؟" شبیر نے اسے اپنے گھر کا پتا بتایا۔
"کب سے رہ رہے ہو وہاں؟"
"بہت عرصے سے۔"
"کتنے عرصے سے؟" شائستہ جیسے بال کی کھال اتار رہی تھی۔
"سولہ سترہ سال سے۔"
"اور اس سے پہلے کہاں رہتے تھے؟"
"پتہ نہیں۔ امی کو پتا ہوگا۔ میں نہیں جانتا۔" شبیر نے ہموار انداز میں کہا۔
"کتنی عمر ہے تمہاری؟" شبیر نے گردن موڑ کر شائستہ کو دیکھا وہ اس کے سوالوں کی نوعیت سمجھنے سے قاصر تھا۔
"بائیس سال۔" اس بار شائستہ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کرتی رہی۔ شبیر نے اس کے سوالات ختم ہو جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ مگر اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔
"تمہارے فادر کیا کرتے ہیں؟" شائستہ نے اگلے ہی لمحے سوال کیا۔
"میں نے پچھلی ملاقات میں آپ کو بتایا تھا۔" شبیر نے اسے کچھ یاد دلانے کی کوشش کی۔ شائستہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"ہاں کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ جب وہ زندہ تھے تب کیا کرتے تھے؟"
"وہ بھی ٹیچر تھے۔"
"ان کی ڈیتھ کو کتنا عرصہ ہو گیا؟"
"مجھے یاد نہیں۔"
شائستہ نے چونک کر اسے دیکھا۔
"کیوں؟"
"میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی ان کی ڈیتھ ہو چکی تھی۔" شبیر نے سنجیدگی سے کہا۔ شائستہ کے سوال اب اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہے تھے۔
"کتنے بہن بھائی ہو تم لوگ؟" شائستہ جیسے خاموش نہ رہنے کا تہیہ کیے ہوئے تھی۔
"تین۔ دو بھائی اور ایک بہن۔ آپ تینوں سے مل چکی ہے۔" شبیر نے ایک بار پھر جیسے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"ارے ہاں۔ تمہاری بہن سے بھی تو اس دن ملی تھی۔ پی سی کی لابی میں۔" شائستہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "مگر زیادہ بات نہیں ہوئی اس سے۔ کتنا چھوٹا ہے عمر میں تم سے؟"

"شہیر اور ثانی جڑواں ہیں۔"

"اوہ۔" شائستہ نے کہا۔ "مجھے اندازہ کر لینا چاہیے تھا۔ دونوں کی شکلیں آپس میں بہت ملتی ہیں۔" شائستہ نے کہا۔ شہیر کو اس کا لہجہ بہت کھوکھلا لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہاری مدر نے تم دونوں کی پرورش اکیلے ہی کی ہوگی۔ یا پھر تمہارے فادر یا مدر کی فیملی نے بھی تم لوگوں کو سپورٹ کیا؟"

اس نے ایک بار پھر بے حد عجیب سوال کیا۔ شہیر اب ان سوالوں سے مکمل طور پر بیزار ہو چکا تھا۔

"میری امی یا ابو کی فیملی سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ان دونوں کی فیملی زیادہ بڑی نہیں تھی اور جو چند لوگ ہیں بھی وہ بہت دور رہتے ہیں۔ امی نے اکیلے ہی ہماری پرورش کی ہے۔"

وہ جواب دیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور اب اسے ثمر پر بے حد تاؤ آ رہا تھا جس کی وجہ سے وہ ساتھ بیٹھی ہوئی عورت سے متعارف ہوا تھا۔

"تمہاری شکل کس سے ملتی ہے۔ اپنی ممی سے یا فادر سے؟" شہیر کو اندازہ نہیں تھا وہ اب اس طرح کے بچکانہ سوالوں پر اتر آئے گی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا ان "بچکانہ" سوالوں کے ذریعے شائستہ کیا جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں نے اپنے ابو کو نہیں دیکھا۔ میری شکل امی سے ہی ملتی ہے۔" شہیر نے اس بار الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سرد مہری سے کہا۔

"آپ مجھے یہاں اتار دیں۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے یہاں کام بھی ہے۔" اس سے پہلے کہ شائستہ اس سے مزید کچھ پوچھتی شہیر نے اس سے کہا۔

"مگر تمہیں تو آفس جانا تھا؟" شائستہ نے کہا۔

"ہاں۔ مگر اس سے پہلے مجھے یہاں ایک دوست سے ملنا ہے۔ آفس یہاں سے تو قریب ہی ہے میں پیدل چلا جاؤں گا۔" شہیر نے بہت مہذب لہجے میں کہا۔ "آپ پلیز گاڑی یہاں روک دیں۔"

اس نے ایک سائن بورڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ شائستہ نے اس بار کچھ نہیں کہا اس نے خاموشی کے ساتھ گاڑی شہیر کی بتائی ہوئی جگہ پر روک دی۔

"آپ کا بہت شکریہ۔" شہیر نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "آپ نے میرے لیے خاصی زحمت اٹھائی۔"

"کیسی زحمت؟" شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں بتایا تو تھا میں پہلے ہی اسی طرف آ رہی تھی۔"

شہیر نے قدرے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ گاڑی سے اترتا۔ شائستہ نے اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔ "تم سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔"

شہیر اس کے جملے کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے بہت حیرانی سے اپنے کندھے پر رکھے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ شائستہ اس کی نظروں میں کچھ اور نیچے آ گئی تھی۔ مزید کچھ کہے بغیر وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ اس نے مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا۔ شاید پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا تو شائستہ کے چہرے کے تاثرات اسے اور حیران کرتے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر دور جاتے ہوئے شہیر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سڑک پار کرنے کے بعد اب دوسری طرف فٹ پاتھ پر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"تم کہیں جا رہی ہو؟" منیزہ نے اس صبح امبر کو تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں!" اس نے اپنے کپڑے پریس کرتے ہوئے کہا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"مارکیٹ تک۔" امبر نے مختصر جواب دیا۔ اس کی پوری توجہ اپنے کپڑوں پر تھی۔

"کچھ خریدنا ہے تمہیں؟"

"اگر میں مارکیٹ جا رہی ہوں تو ظاہر ہے کچھ خریدنے کے لیے ہی جا رہی ہوں۔" اس نے یک دم سر اٹھا کر منیزہ کو دیکھا۔

"اب آپ پوچھیں گی کہ مجھے کیا خریدنا ہے۔" اس کے انداز میں خفگی سی نمایاں تھی۔ "اور پھر کہیں گی کیوں خریدنا ہے۔ صبغہ تو ہر روز نکل جاتی ہے آپ اس سے تو اتنے لمبے چوڑے سوال نہیں کرتیں۔" اس نے جیسے منیزہ سے شکوہ کیا۔

"صبغہ جاب کی تلاش کے لیے مختلف جگہوں پر انٹرویو دینے جاتی ہے۔" منیزہ نے جواباً کہا۔ "اور پھر گھر کے سامان کے لیے بھی اسے ہر روز کہیں نہ کہیں جانا پڑتا ہے۔"

امبر نے منیزہ کی بات کاٹ دی۔ "اور میں آوارہ گردی کے لیے جا رہی ہوں آپ یہی کہنا چاہتی ہیں؟"

"میں نے یہ کب کہا ہے۔" منیزہ کچھ گڑبڑا گئیں۔

"آپ ابھی یہی کہنے والی تھیں۔"

"میں ایسا کچھ نہیں کہنے والی تھی۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

امبر کپڑے پریس کرتے ہوئے رک گئی اور اس نے سر اٹھا کر ناراضی سے منیزہ کو دیکھا۔

"آپ صبغہ کے ساتھ ہر روز جاتی ہیں؟"

"نہیں مگر....." امبر نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"اگر آپ اس کے ساتھ نہیں جاتیں تو پھر میرے ساتھ کیوں جا رہی ہیں؟"

"تم کو اکیلے آنے جانے میں دقت ہو گی۔"

"پہلے بھی تو میں ہر جگہ اکیلے جاتی تھی۔"

"پہلے کی بات اور تھی۔ پہلے گاڑی ہوتی تھی اب تمہیں اس کے بغیر جانا ہے۔"

"میں جا سکتی ہوں اور میں اکیلے ہی جاؤں گی۔"

منیزہ کچھ دیر قدرے بے بسی سے اسے دیکھتی رہیں۔ "اور واپس کب آؤ گی؟"

امبر کچھ دیر کے لیے جیسے کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

"واپس؟ میں جلدی واپس آ جاؤں گی۔ ایک گھنٹہ۔ نہیں دو تین گھنٹے یا پھر اس سے کچھ زیادہ۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے الجھے انداز میں بار بار اپنی تصحیح کرتی رہی۔ منیزہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔

تیار ہونے کے بعد گھر سے نکلنے سے پہلے امبر نے اپنا بیگ کھول کر اندر سے والٹ نکالا اور اس میں موجود ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر کارڈ واپس والٹ میں رکھ کر اس نے بیگ میں رکھ دیا۔ تب اس کا ہاتھ بیگ کے اندر چڑی کسی چیز سے ٹکرایا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اسے باہر نکال لیا۔ وہ ایک ڈائمنڈ ہائی پن تھی۔

گھر سے باہر نکل کر محلے کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے یک دم اسے احساس ہوا کہ وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن رہی تھی۔ اس کی خوبصورتی' اس کا رکھ رکھاؤ' اس کا لباس' اس کا انداز۔ اور سب سے بڑھ کر سر کو ڈھانپنے کے بجائے گلے میں لاپروائی سے لٹکایا ہوا دوپٹہ اسے اس وقت وہاں سب سے ممتاز کر رہا تھا۔ یا پھر شاید کسی حد تک عجیب بنا رہا تھا۔ وہ کسی بھی طرح اس محلے میں رہنے والی دیگر عورتوں کی طرح نہیں لگ رہی تھی۔ اور دس منٹوں میں اس نے جن گلیوں کو پار کیا تھا۔ وہاں بیٹھے کھڑے مردوں کی زبانوں پر اس کا نام نہیں مگر تذکرہ ضرور آ گیا تھا۔ وہ وہاں سے گزرتے ہوئے ہر جگہ اپنا تعارف چھوڑتی جا رہی تھی۔

صبغہ بہت سی باتوں کے بارے میں ایک عام لڑکی کے مقابلے میں زیادہ سمجھدار اور حساس تھی۔ اس نے اس محلے میں آ کر

جانا شروع کرتے ہی نہ صرف اپنے لباس اور حلیے میں مناسب تبدیلی کر لی تھی' بلکہ وہ دوپٹے سے باقاعدہ طریقے سے سر ڈھانپنے لیتی تھی۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہاں انہیں عام طور پر اور اسے خاص طور پر کتنے مسائل کا سامنا ہو سکتا تھا۔ مگر وہ امبر کو اس بارے میں بتا نہیں سکی۔ یا پھر شاید اسے ابھی یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ امبر اس طرح ایک دن اچانک اس کی عدم موجودگی میں گھر سے نکل پڑے گی۔ اسے اندازہ ہوتا تو وہ امبر کو بھی ان تمام باتوں کے بارے میں کسی نہ کسی حد تک خبردار ضرور کر دیتی۔

اور اب امبر جب اپنے پرانے حلیے میں اسی لاپروائی کے ساتھ وہاں سے گزر رہی تھی تو وہ وہاں موجود مردوں کی نظروں کو اپنے وجود کو اندر چھیدتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اور ایسا کیوں تھا وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ اس دن ہارون کمال کو فون کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلی تھی۔ انہیں وہاں اس گھر میں منتقل ہوئے دو ہفتے ہو گئے تھے۔ اگرچہ منیزہ نے اسے ہارون کمال کی بیرون ملک روانگی اور قیام کے بارے میں بتایا تھا اس کے باوجود امبر اسے فون کرنے کے لیے چلی آئی تھی۔ اسے ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ بیرون ملک سے جلد واپس آ گیا ہو۔ ہارون کمال کی ہائی پن اس کی زندگی کا جزو لاینفک بن گئی تھی۔ وہ زیادہ تر وقت اسے دیکھتے ہوئے گزار دیتی۔ ہائی پن میں لگا ہوا ہیرا اس کی زندگی میں ایک عجیب سی روشنی لے آیا تھا۔ اس کا ذہن مستقل طور پر ہارون کمال سے ہونے والی اس ملاقات کے بارے میں سوچتا رہتا' عظیم یک دم کسی کھائی میں جا گرا تھا۔

اس علاقے سے بہت دور ایک سپر مارکیٹ میں جا کر اس نے ایک فون بوتھ سے ہارون کے موبائل پر اسے کال کیا۔ موبائل کی بیل بجنے لگی۔ امبر کا دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ یعنی اس سے بات ہو سکتی تھی۔ مگر یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے بجائے اس کی بیوی یا کسی اور سے بات ہو۔ ایک امید نے اس کا دل دھڑکایا تو ایک خدشے نے اس کا دل دہلایا۔

چند بار بیل بجنے کے بعد کسی نے کال ریسیو کی تھی۔ دوسری طرف سے ہارون کمال ہی کی آواز ابھری تھی۔

"ہیلو!" امبر کو لگا جیسے اس کا دل یک دم اچھل کر حلق سے باہر آ گیا ہو۔

"ہیلو!" ہارون نے جواب نہ ملنے پر دوبارہ کہا تھا۔ امبر نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ہیلو۔ میں امبر ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

"مائی گڈنیس۔" دوسری طرف سے ہارون کمال کی سنجیدہ آواز میں یک دم ایک عجیب سا جوش شامل ہو گیا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم مجھے کال کر رہی ہو۔"

"کیوں' کیا میں آپ کو کال نہیں کر سکتی۔" اس کے جوش نے اس کی خوشی میں اضافہ کیا۔

"یہی یقین تو خود کو دلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم بھی مجھے کال کر سکتی ہو۔" ہارون نے دوسری طرف سے کہا۔ "تم کیسی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"

"میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔"

"آپ پاکستان کب واپس آئے؟"

"چند دن ہی ہوئے ہیں۔"

"اور آپ نے ہم لوگوں سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش نہیں کی۔" امبر نے بے اختیار شکوہ کیا۔

"میں ابھی کانٹیکٹ کرنے کا سوچ ہی رہا تھا مگر تم نے پہل کر دی۔ فون کہاں سے کر رہی ہو؟" ہارون کمال کو یک دم خیال آیا۔

"ایک پی سی او سے۔"

"کیوں ... تم لوگوں نے فون نہیں لگوایا؟"

"نہیں۔"

"اس وقت کس جگہ پر ہو؟" امبر نے اسے اپنا محل وقوع بتایا۔

"تم وہیں رہو میں آدھ گھنٹہ تک وہاں پہنچتا ہوں۔" ہارون کمال نے جواباً کہا۔

☆☆☆

آدھ گھنٹے کے بعد وہ واقعی وہاں موجود تھا۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے امبر نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ آخری بار کب کسی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی اور کس کے ساتھ اسے فوری طور پر یاد نہیں آیا۔
ہارون ہمیشہ کی طرح بہت باوقار اور پرکشش لگ رہا تھا اور خلاف معمول وہ خاموش بھی نظر آ رہا تھا اس کی خوشی اس کے چہرے پر پڑھی جا سکتی تھی۔

"لونگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔" ہارون نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے گھر جلدی جانا ہے۔" امبر کو اچانک منیزہ کی ہدایات یاد آ گئیں۔

"کیوں؟" ہارون کمال یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"ممی نے مجھے جلدی آنے کے لیے کہا تھا۔" امبر نے اس سے کہا۔

"اور میری خواہش ہے کہ تم دیر سے جاؤ۔" ہارون کمال کے انداز میں بلا کا اطمینان تھا۔

امبر جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ لئے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی پھر ونڈ اسکرین سے باہر دیکھنے لگی۔

"How do you feel now? (کیسا لگ رہا ہے تمہیں؟)" ہارون کمال نے یک دم اس سے پوچھا وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"میڈیسن باقاعدگی سے لے رہی ہو؟" اس کے اگلے سوال نے امبر کی حیرانی کو دور کیا۔

"میڈیسن؟ ہاں۔" امبر کو اس کی توجہ اچھی لگی۔

گاڑی میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر امبر نے ہارون سے کہا۔

"میں نے ان دنوں آپ کو بہت مس کیا۔"

ہارون کے چہرے پر نظر آنے والی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"کیا میں یقین کر لوں کہ میں واقعی کی ہوں؟"

"آپ کو یقین کر لینا چاہیے۔ کوئی سوال پوچھے بغیر۔" امبر جواباً بولی۔

"میں نے بھی تمہیں بہت مس کیا۔" ہارون کہنے لگا۔ "مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ تم میرے لیے اتنی اہم ہو چکی ہو۔ صرف یہاں سے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میرے لیے اب تمہارے بغیر رہنا کتنا مشکل ہو گیا ہے۔"

امبر کو اس کے اظہار نے عجیب قسم کی خوشی دی۔ وہ ایسی بہت سی باتیں بہت سال طلحہ سے سنتی رہی تھی۔ وہ ان باتوں کے بعد طلحہ کا ردعمل بھی دیکھ چکی تھی۔ وہ محبت کے نام پر اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھوکا کھا چکی تھی۔ اس کے باوجود وہاں بیٹھے ہارون کمال کے منہ سے نکلنے والے پرفریب لفظ اسے صرف اس لیے اچھے لگ رہے تھے کہ وہ دھوکا تھے اور انسان کو فریب کھانا اور دینا دونوں ہی ہمیشہ سے بہت پسند رہے ہیں۔

"کیا کرتی ہو گھر میں سارا دن؟" ہارون نے یک دم موضوع بدل دیا۔

امبر ابھی اسی موضوع پر اس سے بہت کچھ سننا چاہتی تھی۔ ہارون کمال کے موضوع بدلنے پر وہ قدرے مایوس ہوئی۔

"میں کچھ نہیں کرتی۔ وہاں کرنے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔ میں سارا دن اپنے کمرے میں رہتی ہوں۔" امبر نے سوچتے ہوئے جیسے اس سے کوئی شکوہ کیا۔

"تمہیں کوئی جاب کرنی چاہیے۔" ہارون کمال نے جواباً کہا۔

"جاب؟" امبر جیسے حیران ہوئی۔ "جاب۔ مجھے جاب کون دے گا۔ میں اتنی کوالیفائیڈ نہیں ہوں۔"

ہارون نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "عورت کی سب سے بڑی کوالیفکیشن اس کی خوبصورتی ہوتی ہے اور یہی وہ کوالیفکیشن ہے جس کی اس کو ضرورت ہے جو سوسائٹی میں اس کی بقا کو ممکن بناتی ہے اور تم..... تم بہت خوبصورت ہو۔"

امبر کو اس کے جملوں نے کچھ عجیب سا احساس دیا۔ "امبر" سے "عورت" پر آ گیا تھا۔ اور وہ بھی "ہر عورت"۔ ہارون کمال کو چہرہ پڑھنے میں ملکہ حاصل تھا اس نے اس وقت بھی امبر کا چہرہ پڑھنے میں دیر نہیں کی۔

"اگر تمہیں برا لگا ہو تو میں ایکسکیوز کرتا ہوں۔ میں صرف ویسے ہی ایک بات کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم جاب کرو میرے پاس۔" اس نے ایک بار پھر پہلے کی طرح بات کو گھمایا۔

"آپ کے پاس؟" وہ چونک گئی۔

"مجھے آج کل ایک سیکرٹری کی ضرورت ہے۔" ہارون نے بڑی سہولت سے کہا۔ "اور میں چاہتا ہوں یہ جاب تمہیں دوں۔"

امبر سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

"اس لیے نہیں کہ تمہیں جاب کی ضرورت ہے صرف اس لیے' کیونکہ میں چاہتا ہوں تم اپنا وقت تعمیری انداز میں گزارو اور اس لیے بھی کہ میں زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ گزار سکوں۔"

ہارون کمال نے آخری جملہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ ادا کیا۔ امبر اب بھی چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ جو سہولیات میری سیکرٹری کو مل رہی تھیں وہ تمہیں مل سکیں' ایک اچھا گھر' گاڑی اور بہت اچھی ہے۔ میں واقعی چاہتا ہوں کہ کم از کم تم اس علاقے سے نکل آؤ جہاں تمہاری بہن تمہیں لے گئی ہے وہ جگہ تمہارے قابل نہیں ہے۔"

امبر کے چہرے پر اب بھی کوئی تاثر نہیں آ رہا تھا۔

"بہت سی لڑکیاں اکیلے Independently رہتی ہیں تم بھی رہ سکتی ہو اگر اپنے اندر کچھ حوصلہ پیدا کرو۔" ہارون اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بہت سی لڑکیاں اکیلے آزادانہ رہتی ہیں' تم بھی رہ سکتی ہو اگر اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو۔" ہارون نے امبر کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور میں جانتا ہوں۔ تم یہ کام بہت آسانی سے کر سکتی ہو۔"

"ممی اور صبغہ بھی اس پر رضامند نہیں ہوں گی۔"

امبر نے طویل خاموشی کے بعد زبان کھولی ہارون خاموشی سے اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔ وہ جیسے کچھ الجھ رہی تھی۔

"اگر انہیں آپ کے گھر میں شفٹ ہونا ہے تو وہ پہلے ہی......"

ہارون نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

"میں ان کے شفٹ ہونے کی بات نہیں کر رہا' میں تمہارے شفٹ ہونے کی بات کر رہا ہوں۔"

"اکیلے؟" اسے جیسے یقین نہیں آیا کہ یہ ہارون کا مطلب یہ ہوگا۔

"ہاں یقیناً اکیلے۔" ہارون نے اثبات میں سر ہلایا۔ امبر بمشکل مسکرائی۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں اکیلے نہیں رہ سکتی ہارون' یہ ناممکن ہے۔" "اور پھر میں ایسا سوچ بھی لوں تب بھی صبغہ اور ممی اکیلے رہنے نہیں دیں گے۔"

"کم آن امبر!" ہارون نے ٹوکا اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔ "بار بار صبغہ کی بات مت کرو..... تم اس سے بڑی ہو

اس سے کہیں زیادہ آزادانہ فیصلے کر سکتی ہو..... تمہیں اس سے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اگر اکیلے رہنے کا فیصلہ کر لو تو وہ تمہیں کیسے روک سکتی ہے۔"

"مگر ممی ..... وہ تو روک سکتی ہیں۔"

"وہ کیوں روکیں گی ..... تم ان سے صاف صاف کہو کہ تم ان سے الگ رہنا چاہتی ہو۔"

"مگر میں ان سے الگ نہیں رہنا چاہتی۔" امبر نے قدرے جھنجلا کر کہا۔ "میں الگ نہیں رہ سکتی ..... وہ میری فیملی ہیں۔"

"وہ تمہاری فیملی نہیں ہیں۔" ہارون نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"فیملی شوہر اور بچوں سے ہوتی ہے۔ تمہارا شوہر تمہیں طلاق دے چکا ہے۔ اب یہ تم پر ہے کہ تم اپنے پیرنٹس کے گھر میں رہو یا نہ رہو۔" وہ بڑی بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔ "اور چونکہ تمہارے پیرنٹس کے درمیان بھی علیحدگی ہو چکی ہے تو تمہارے لیے فیصلہ کرنا اور بھی آسان ہے۔" ہارون نے جیسے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ "تم قانونی طور پر بھی الگ رہنے کا حق رکھتی ہو اور تم خوامخواہ ڈر رہی ہو کہ تمہاری ممی تمہیں الگ نہیں رہنے دیں گی اور پھر میں ہوں نا..... تمہیں کوئی بھی دقت پیش آئے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔"

"ہارون! میں ڈر نہیں رہی ہوں..... میں صرف ان سے الگ نہیں رہنا چاہتی ..... میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"میں اکیلے نہیں رہ سکتی؟" ہارون اس بار کچھ جھنجلایا۔

"بس میں نہیں رہ سکتی ..... مجھے ان لوگوں کے بغیر رہنے کی عادت نہیں ہے۔"

"عجیب منطق ہے۔" ہارون بڑبڑایا۔ "فرض کرو ..... تمہاری شادی ہو جاتی ہے تب بھی تو تم اپنی فیملی سے الگ جا کر رہو گی۔"

"وہ اور بات ہے۔" امبر کا لہجہ تھکا ہوا تھا۔

"تب کیا اور بات ہے؟" ہارون جیسے جھلانے والے انداز میں کہا۔ "اگر طلحہ کے ساتھ تمہاری رخصتی ہو جاتی تو گھر تو چھوڑنا ہی پڑتا تمہیں۔"

"پلیز ہارون! ہم یہاں طلحہ اور میری شادی کے بارے میں بات کرنے نہیں آئے۔"

"اوکے ..... ہم ان کے بارے میں بات نہیں کرتے۔" ہارون نے یک دم مصالحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "مگر تم میری بات پر غور تو کر سکتی ہو ..... یا پھر تم ہمیشہ کے لیے ان Slums (گندی گلیوں) میں رہنا چاہتی ہو۔" ہارون کے لہجے میں حقارت تھی۔

"میں وہاں رہنا نہیں چاہتی۔" امبر نے اعتراف کرنے والے انداز میں کہا۔ "میں جانتی ہوں میں وہاں زیادہ عرصے تک نہیں رہ سکتی مگر میں جہاں بھی رہوں گی اپنی فیملی کے ساتھ رہوں گی۔ میں اکیلے کہیں جا کر نہیں رہوں گی۔" اس نے دوٹوک لہجے میں گویا بات ختم کر دی۔

ہارون نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ "اور تمہاری فیملی کبھی بھی اس علاقے سے نہیں نکلے گی۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے ..... صبغہ اور ممی کہہ رہی تھیں کہ ہم بہت جلد وہاں سے چلے جائیں گے۔" امبر نے بے ساختہ کہا۔ "ممی نے تو اسی لیے آپ سے بات بھی کی تھی مگر اس وقت آپ بیرون ملک چلے گئے۔"

"ہاں ..... لیکن جب میں نے انہیں آفر کی تھی تب تو انہوں نے میری آفر قبول نہیں کی تھی۔" ہارون نے برہمی سے کہا۔ "تب تو تمہاری بہن کی خودداری نے اسے اجازت نہیں دی تھی کہ وہ میری آفر کے بارے میں غور بھی کرتی۔ حالانکہ میں تو تم لوگوں سے ہمدردی کی وجہ سے گھر کی آفر کر رہا تھا۔" ہارون کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

"صبغہ ایسی ہی ہے ..... میں اسے سمجھاؤں گی۔" امبر نے جیسے ہارون کی ناراضی کو کم کرنے کی کوشش کی۔

"اور میں نہیں سمجھتا تمہیں اس میں کوئی کامیابی ہوگی۔ وہ تمہارے باپ کی طرح خاصی بددماغ اور بے لحاظ ہے۔"
ہارون صبغہ کے بارے میں اپنے "دلی جذبات" کو چھپا نہیں سکا۔

"نہیں..... آپ اسے پاپا کے ساتھ کمپیئر نہیں کر سکتے۔" امبر کا لہجہ بدل گیا۔

"وہ پاپا کی طرح نہیں ہے..... اس نے ہم لوگوں کے لیے اتنا بہت کچھ Sacrifice (قربان) کیا ہے۔"

"کیا Sacrifice کیا ہے؟" ہارون کے ماتھے پر بل آ گئے۔

"وہ پاپا کے گھر میں آرام سے رہ سکتی تھی۔ پاپا نے اسے تو گھر سے نہیں نکالا تھا مگر اس کو صرف ہمارے لیے..... بلکہ میری وجہ سے اس گھر سے نکلنا پڑا۔"

ہارون نے کچھ نہیں کہا مگر اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے امبر کی یہ "ہمدردی" پسند نہیں آئی تھی۔

"ہم لوگوں کی وجہ سے اس نے اسامہ سے طلاق لے لی۔"

ہارون نے اس بار مداخلت کی "Now I Disagree With You" (میں تم سے اتفاق نہیں کرتا)

امبر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"اس نے تم لوگوں کی وجہ سے اسامہ سے طلاق نہیں لی..... کوئی لڑکی بھی اس طرح کا احمقانہ فیصلہ صرف اپنے ماں باپ یا بہن بھائیوں کے لیے نہیں کرتی۔ اس نے اسامہ سے اس لیے طلاق لی کیونکہ وہ جانتی تھی وہ اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ ہو سکتا تھا کل شادی کے بعد اسامہ اسے خود طلاق دے دیتا۔" ہارون کی پوری کوشش تھی کہ امبر کو صبغہ سے بدظن کر دے۔

اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اس گھر میں جا کر تمہاری اور منصور کی وجہ سے بہت سارے پرابلمز کا شکار ہوگی..... تو اس نے بڑی عقل مندی اور سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت پہلے ہی اس پھندے سے جان چھڑا لی جو کل اس کے لیے مصیبت کا باعث بن سکتا تھا۔"

"ایسا نہیں ہے۔" امبر نے ترشی سے ہارون کی بات کاٹی۔ "وہ اسامہ سے کتنی محبت کرتی تھی آپ کو اندازہ نہیں ہے۔"

"مجھے بہت اچھی طرح اندازہ ہے۔" ہارون نے اس کی بات کاٹی۔ "وہ تمہاری طرح اس ایک رشتے کے لیے جذباتی نہیں تھی جو اس پر اس وقت مسلط کیا گیا جب وہ بہت چھوٹی تھی۔ منصور کی طرح وہ بھی بہت پریکٹیکل ہے اور اسی لیے میں تم سے کہہ رہا تھا کہ وہ بالکل تمہارے باپ کی طرح خودغرض اور بے لحاظ ہے۔"

"طلحہ نے تمہیں طلاق دی اور تمہارا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا کیونکہ تم طلحہ سے محبت کرتی تھیں۔ اب یہ ایک دوسری بات ہے کہ وہ اس قابل تھا یا نہیں..... لیکن تم صبغہ کو دیکھو اسامہ کے ساتھ تعلق ختم کرنے کے لیے اس نے پہل کی اور اس پر کسی قسم کا کوئی اثر ہوا؟ نہیں..... بالکل بھی نہیں..... ایسے لوگوں کو چالاک کہا جاتا ہے مگر تمہاری طرح کے لوگ ایسے لوگوں کو ہیرو بنا لیتے ہیں۔" وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔ امبر کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔ اسے عجیب خجالت سی محسوس ہو رہی تھی۔

اسے یہ خوف محسوس ہوا کہ میں بغیر کسی واضح تعلق کے تمہاری مدد کر رہا ہوں تو بس تمہیں طلحہ کی جگہ کوئی اور نعم البدل مل جائے..... اور اس نے اپنی پوری کوشش کی کہ وہ تمہیں مجھ سے جتنا دور لے کر جا سکتی ہے لے جائے۔"

"ہارون! ایسا نہیں ہے۔ آپ صبغہ کو بہت غلط سمجھ رہے ہیں۔" امبر نے کمزور لہجے میں صبغہ کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ "وہ میری بہن ہے میری وجہ سے بہت پریشان رہتی ہے۔ وہ کیوں مجھے ناخوش دیکھنا چاہے گی؟"

"یہ بہن بھائیوں کی محبت کا قصہ صرف کتابوں میں پایا جاتا ہے۔" ہارون نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ "تم جس طرح اپنی مدد کے لیے گھر چھوڑ کر نکل گئیں..... وہ نہیں نکلی اسے تب تم لوگوں کا خیال کیوں نہیں آیا؟ بقول تمہارے اسے تم سے محبت ہے تو پھر اس وقت اس نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ امبر کو اس کی ضرورت ہے۔" ہارون کی آواز تیز ہو گئی۔

"مگر وہ مجھ سے ملتی رہی۔" امبر نے جیسے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

"صرف ملتی رہی۔ اس نے تم لوگوں کے لیے منصور کا گھر نہیں چھوڑا..... اس کو چھوڑ دینا چاہیے تھا۔"

امبر ہونٹ کاٹنے لگی پھر اس نے ہارون سے کہا۔ ''ممی نے ہی اس کو منع کیا تھا۔ انکل منصور ہمارے ساتھ ساتھ ان کو نہیں رکھ سکتے تھے۔''

''یہ ایک اور کمزور جواز ہے۔ تمہارے انکل نے بعد میں بھی تو رکھا تھا ان سب کو..... کیا گھر سے نکال دیا؟ یا گھر میں داخل ہی نہیں ہونے دیا؟'' ہارون کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''امبر صبغہ کو تمہاری وجہ سے منصور نے نہیں نکالا۔ تم تو صرف ایک بہانہ تھیں۔ منصور نے ان سب کو وہاں سے نکال ہی دینا تھا۔ اگر میں اسے نہ روکتا رہتا تو وہ بہت پہلے نکال دیتا۔ یہ صرف میرے روکنے کی وجہ سے تھا کہ اس نے اتنا لمبا عرصہ انتظار کیا۔'' ہارون نے اپنی اہمیت ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''اور روشان' تم اسے دیکھو..... اس نے کتنی بے حسی کا مظاہرہ کیا۔ موقع ملتے ہی اس نے تم سب کو چھوڑ دیا..... تمہارا اکلوتا بھائی..... اور تم مجھے بتا رہی ہو کہ صبغہ کو تم سے محبت ہے کیونکہ تم اس کی بہن ہو۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''بہن بھائی کی محبت بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اپنے معنی اور اہمیت کھو چکی ہے..... کم از کم تم اب مزید تو اس سے دھوکا مت کھاؤ۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔'' امبر نے یک دم اپنی کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے کہا۔ ''آپ مجھے ڈراپ کر دیں۔ مجھے گھر جانا ہے۔''

ہارون کو یک دم اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ ایک دن میں امبر کے ذہن اور سوچ کو تبدیل نہیں کر سکتا تھا اور وہ اس وقت یہی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' ہارون نے اچانک اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ ''میں بھی فضول کی بحث میں الجھ گیا..... ہمیں کیا باتیں کرنا چاہیے تھیں اور ہم کیا باتیں کر رہے ہیں۔'' اس نے بڑے رومانٹک انداز میں کہتے ہوئے گاڑی کا رخ موڑ دیا تھا۔

''تم جانتی ہو میں لانگ ڈرائیو کے بعد تمہیں کہاں لے جانا چاہتا تھا؟'' اس نے امبر سے پوچھا جو الجھی ہوئی نظروں سے اس کے بدلے ہوئے انداز کو دیکھ رہی تھی۔

''کہاں؟'' امبر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''شاپنگ کے لیے۔''

''شاپنگ کے لیے؟'' امبر نے قدرے حیرانی سے دہرایا۔ ''کیسی شاپنگ؟''

''تم اپنی ممی کو یہی بتا کر آئی ہو کہ تم کچھ شاپنگ کرنے جا رہی ہو۔'' ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تو اب میری خواہش ہے کہ تمہارا یہ جھوٹ سچ میں تبدیل ہو جائے۔''

''نہیں مجھے شاپنگ نہیں کرنی..... میں نے تو ویسے ہی آنے کے لیے جھوٹ بولا تھا؟'' امبر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''لیکن میں پھر بھی چاہتا ہوں کہ تمہیں شاپنگ کروائی جائے کتنا عرصہ ہو گیا تمہیں شاپنگ کیے؟'' ہارون نے اس سے یک دم سوال کیا۔

''کتنا عرصہ؟'' امبر بڑبڑاتے ہوئے سوچ میں پڑ گئی۔

''اس کا مطلب ہے بہت دن ہو گئے ہیں تمہیں۔'' ہارون نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' امبر نے ایک گہری سانس لی۔ ''بہت دن ہوئے شاپنگ میری زندگی سے نکل ہی گئی ہے۔ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ مجھے.....'' امبر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''چلو دوبارہ سے اسے زندگی میں شامل کر کے دیکھتے ہیں کہ کیا یہ امبر پر کوئی اچھا اثر چھوڑتی ہے۔'' ہارون نے شگفتگی سے کہا۔

وہ اب دوسری سڑک پر مڑ رہا تھا اور امبر کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

☆☆☆

"آپ کو آج کل کیا ہو گیا ہے ممی؟" نایاب نے اسی صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا جس پر شائستہ بیٹھی اسموکنگ کر رہی تھی۔ شائستہ اس کے سوال پر چونک گئی۔ گردن موڑ کر اس نے نایاب کو دیکھا جو بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کچھ بھی نہیں۔" شائستہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"کچھ بھی نہیں؟ آپ ذرا اپنی حالت دیکھیں۔" نایاب نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"میری حالت کو کیا ہوا؟ بالکل ٹھیک تو ہے۔" شائستہ نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"آپ ذرا اپنے چہرے کو دیکھیں۔ کتنی خراب ہو رہی ہے آپ کی اسکن اور آنکھوں کے گرد حلقے بھی ہیں۔ آپ کیا آج کل رات کو سوتی نہیں رہیں؟" نایاب کے لہجے میں تشویش تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا صرف فیشل نہیں کروایا میں نے پچھلے دو ہفتے میں اسی لیے تمہیں میری اسکن خراب لگ رہی ہے۔" شائستہ نے اسی بے نیازی سے کہا۔

"نہیں کروایا؟ تو کیوں نہیں کروایا۔ جائیں جا کر کروائیں۔" نایاب نے ماں کے کندھے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"اب دو ہفتے کے بعد تمہیں یہ یاد آ گیا کہ تمہیں میری طبیعت کے بارے میں پوچھنا چاہیے۔" شائستہ دھیرے سے مسکرائی۔

"آئی ایم سوری ممی! میں کچھ عرصے سے اتنی بزی ہوں کہ مجھے کچھ اور تو یاد ہی نہیں رہا۔" نایاب نے معذرت کی۔ "پر تو میں آپ کو مسلسل گھر پر دیکھ رہی ہوں تو میں کچھ پریشان ہو گئی۔"

"ہاں میں گھر پر نہیں رہتی اس لیے۔" شائستہ نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"نہیں..... نہیں..... ایسی بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ آپ بہت فرسٹریٹڈ لگ رہی ہیں۔" نایاب نے جلدی سے اپنی بات کی تصحیح کی۔ "پچھلے کچھ عرصہ سے گھر پر رہنے کے دوران..... تو میں پریشان ہو گئی کہ شاید کوئی ٹینشن ہے آپ کو۔"

"بہت ساری ٹینشنز ہیں مجھے۔ تمہیں کس کس کے بارے میں بتاؤں؟" شائستہ نے نرمی سے اس کے ہاتھ کی پشت کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"تو آپ سائیکاٹرسٹ کے پاس جائیں نا..... جیسے پہلے جاتی تھیں۔" نایاب نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"وہ کچھ نہیں کر سکتا۔" شائستہ نے سر کو جھٹکا۔

"پہلے تو آپ اس کے پاس جا کر ریلیکس ہو جاتی تھیں؟" نایاب نے کہا۔

"ہاں ہو جاتی تھی۔ اب نہیں ہو سکتی۔" شائستہ کے لہجے میں ہلکی سی مایوسی تھی۔

"کیوں..... اب کیا ہو گیا؟"

"کچھ نہیں..... تمہارے پیپرز کیسے ہو رہے ہیں؟" شائستہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ہو نہیں رہے..... ہو گئے ہیں اور بہت اچھے ہوئے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے میں ان کے بارے میں زیادہ پریشان نہیں ہوتی۔" نایاب نے کہا۔

"این سی اے جوائن کرنے سے پہلے چھٹیوں میں کیا کرو گی؟" شائستہ نے پوچھا۔

"کچھ طے نہیں کیا۔"

"باہر اسد کے پاس چلی جاؤ۔ اچھا وقت گزرے گا۔" شائستہ نے اسے مشورہ دیا۔

"نہیں اسد کے پاس میں نہیں جا سکتی۔" نایاب نے فوراً کہا۔ "کم از کم پاکستان سے باہر جانے میں ابھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کیوں؟" شائستہ نے ایک اور سگریٹ سلگایا۔

"آپ کو بتایا تو تھا کچھ کمرشلز کرنے ہیں مجھے۔" نایاب نے اسے یاد دلایا۔ شائستہ کے چہرے کا رنگ کچھ تبدیل ہوا۔

"آج کل زیشان بار بار فون کر رہے ہیں مجھے۔" نایاب نے سامنے سینٹر ٹیبل پر پڑا میگزین اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تو پاکستان سے باہر جانا تو ان کمرشلز کی وجہ سے ممکن نہیں ہے..... اب اس کے ساتھ ساتھ اس عرصہ میں مجھے اور کیا کرنا ہے..... یہ ابھی مجھے طے کرنا ہے۔" اس نے میگزین کے صفحے پلٹتے ہوئے کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے مجھے بیوٹی پارلر جوائن کر لینا چاہیے؟" اس نے یک دم میگزین دیکھتے دیکھتے سر اٹھا کر شائستہ سے پوچھا۔

"کس لیے؟" وہ چونکی۔

"سدرہ نے جوائن کر لیا ہے۔ میک اپ کی کلاسز لے رہی ہے وہاں۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اگر مجھے ماڈلنگ کرنی ہے تو پھر مجھے میک اپ کے بارے میں اچھی خاصی معلومات ہونی چاہئیں اور یہ کلاسز جوائن کیے بغیر نہیں ہو سکتا۔"

"تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟" شائستہ نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھٹکتے ہوئے کہا۔ "تم پروفیشنل ماڈل بننے نہیں جا رہی ہو۔"

"پھر بھی ممی! کیا حرج ہے اگر کام کو سیکھ کر کیا جائے۔ مجھے کوئی نقصان تو نہیں ہوگا میک اپ کلاسز جوائن کرنے سے۔ بلکہ فائدہ ہی ہوگا۔ جب ماڈلنگ چھوڑ دوں گی تب بھی۔"

"تم جو کرنا چاہتی ہو کرو مجھے اعتراض نہیں ہے۔ صرف اس بات کا خیال رکھنا کہ تم ہارون کمال کی بیٹی ہو..... اور جس فیملی سے تعلق رکھتی ہو اسے پورا شہر جانتا ہے۔" شائستہ یک دم بہت سنجیدہ ہو گئی۔ "تمہارا ایک غلط قدم تمہیں کہیں کا کہیں پہنچا دے گا۔"

"کیسا غلط قدم؟" نایاب حیرت سے شائستہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ شائستہ نے ایک گہری سانس لی۔

"کوئی بھی غلط قدم ہو سکتا ہے۔ اس کی وضاحت نہیں کی جا سکتی تم صرف محتاط رہا کرو خاص طور پر لڑکوں کے معاملے میں۔"

نایاب اس کی بات پر بے اختیار ہنسی۔ "کون سے لڑکے ممی؟"

"میں سنجیدہ ہوں نایاب۔" شائستہ نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔ "میں جانتی ہوں۔" نایاب پھر ہنسی۔ "مگر کون سے لڑکے؟ پاپا کی طرح آپ بھی شرکی بات کر رہی ہیں؟"

"نہیں، میں شر کی بات نہیں کر رہی۔" شائستہ کا لہجہ یک دم دھیما ہو گیا۔ "میں تمہیں ویسے ہی سمجھا رہی ہوں۔"

"مگر کیوں.....؟ میں نے آخر کیا کیا ہے؟"

"تم نے ابھی کچھ نہیں کیا نایاب اگر پھر بھی میرا فرض ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں۔" شائستہ نے تحمل سے کہا۔

"آپ کو بھی پاپا کی طرح شاید یہ لگ رہا ہے کہ میں شر میں انوالو ہوں....." نایاب نے تلخی سے کہا۔ "حالانکہ اس ایک کمرشل کے بعد میری اس سے بات تک نہیں ہوئی اس کے گھر میں فون تک نہیں ہے..... تو میرا اس سے رابطہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"میں تم سے کوئی وضاحت نہیں مانگ رہی ہوں۔" نایاب نے شائستہ کو اپنی بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"میں جانتی ہوں آپ وضاحت نہیں مانگ رہی ہیں مگر آپ چاہتی یہی ہیں کہ میں آپ کو وضاحت دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ممی! پاپا کی طرح آپ بھی مجھ پر ٹرسٹ کیوں نہیں کرتیں؟"

"میری جان! یہ کس نے کہا تم سے کہ میں یا تمہارے پاپا تم پر ٹرسٹ نہیں کرتے۔" شائستہ یک دم کچھ گڑبڑا گئی۔

"مجھے کون کہے گا۔ میں خود سمجھ سکتی ہوں..... آفٹر آل میں اب بچی تو نہیں ہوں۔" نایاب روٹھے انداز میں بولی۔

"اس سے پہلے آج تک آپ نے یا پاپا نے کبھی مجھے اس طرح سمجھانے یا روکنے کی کوشش نہیں کی اور اب آپ یک دم مجھے وارننگ دینے لگ گئی ہیں۔ غلط قدم نہ اٹھاؤں۔ لڑکوں سے محتاط رہوں..... یہ سب کیا ہے؟ کیا مجھے کھا جائیں گے وہ۔" وہ یک دم کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم خوامخواہ ناراض ہو رہی ہو نایاب!" شائستہ نے مزید کچھ کہنے کی کوشش کی مگر نایاب نے اس کی بات ان سنی کر دی۔

"ہاں میں خوامخواہ ناراض ہو رہی ہوں۔ احمق ہوں اس لیے۔" وہ کہتے ہوئے تیز قدموں سے لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

شائستہ نے سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں اچھال دیا۔ وہ اپنی کنپٹیوں کو آہستہ آہستہ مسل رہی تھی جہاں درد کی شدت اسے یک دم بے حال کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

"ثمر! تمہیں ایک بہت اچھے پورٹ فولیو کی ضرورت ہے کسی پروفیشنل فوٹوگرافر کے ہاتھ کے بنے ہوئے پورٹ فولیو کی۔" زیشان نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تصویروں کو ٹیبل پر دوسری طرف بیٹھے ہوئے ثمر کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔ "یہ فوٹو گرافس اچھی ہیں..... تمہاری شکل اتنی اچھی ہے کہ تم ہر تصویر میں اچھے آؤ گے..... مگر ان کو ہم پورٹ فولیو کا حصہ نہیں بنا سکتے۔" اس نے ثمر کی طرف دیکھا جو بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس کی گفتگو سننے میں مصروف تھا۔

"اگر ہم ان کو انلارج کروالیں تو؟"

زیشان اس کی بات پر ہولے سے ہنسا۔ "کتنا انلارج کرواؤ گے؟ کیا دروازے جتنا..... سائز کی اہمیت نہیں ہے یہ تمہارے بیٹھنے کا انداز' تمہارا ایکسپریشن' اینگل' لائٹ' ہیر اسٹائل' کپڑے یہ ساری چیزیں ہیں جو ان Shots میں دیکھی جاتی ہیں..... کس اینگل میں تم زیادہ بہتر نظر آؤ گے تمہارے چہرے اور جسم کی خاص چیزیں جنہیں زیادہ نمایاں کر کے تمہیں اٹریکٹو بنایا جا سکتا ہے.....“

زیشان نے اسے تفصیل سے بتایا۔ "یہ گلی محلے میں فوٹوگرافی کرنے والے تمہارا کیا پورٹ فولیو بنائیں گے۔" ثمر کے چہرے پر ہلکی سی کھسیانی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن زیشان نے اسے بولنے نہیں دیا۔ "دیکھو میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اب پھر کہہ رہا ہوں تم میں ایک ٹاپ ماڈل بننے کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ تمہیں صرف ایک گاڈ فادر کی ضرورت ہے اور آج کل کے زمانے میں گاڈ فادر خود نہیں ملتا ڈھونڈنا پڑتا ہے۔"

زیشان اپنی دراز کھول کر اس میں سے کچھ تلاش کرنے لگا۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد اس نے سر اٹھایا اور ایک وزیٹنگ کارڈ ثمر کی طرف بڑھایا پھر اچانک جیسے اسے کچھ خیال آیا اور اس نے اس کارڈ کو ٹیبل پر رکھ کر اس کی پشت پر کچھ لکھا اور ثمر کی طرف کھسکا دیا۔

ثمر نے اس کارڈ کو اٹھاتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ پچھلے کچھ ماہ میں اس کا والٹ ایسے بہت سے کارڈز سے بھر گیا تھا اور ان میں سے کوئی ایک کارڈ بھی ایسا نہیں تھا جو اس کے لیے کسی کام کا ہوتا۔ زیشان کے علاوہ کسی نے اسے کام نہیں دیا تھا اور صرف زیشان سے ملنے والا کام اس کے لیے کافی نہیں تھا اس صورت میں جبکہ وہ شوبز کو ایک مستقل پروفیشن بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اور اب ایک اور کارڈ اس کے سامنے تھا اس نے کارڈ پر نظر ڈالی۔ نام شناسا سا تھا۔

"میں چاہتا ہوں تم عادل منہاس سے جا کر ملو۔ یہ وہ آدمی ہو سکتا ہے جس کی تمہیں ضرورت ہے۔"

ثمر نے سر اٹھا کر زیشان کو دیکھا۔

''ماڈلز کے حوالے سے اس شہر میں اس کا بہت نام ہے...... بلکہ صرف لاہور میں نہیں کراچی اور اسلام آباد میں بھی جس کسی کو میل ماڈلز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسی شخص کے پاس جاتا ہے تو کام کی اس کے پاس کمی نہیں ہوتی۔'' اس نے بتایا۔

''میں اس سے جا کر کیا کہوں۔'' شمر نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''کام مانگوں؟''

''ہاں بالکل کام مانگو جا کر...... تاکہ وہ اپنے ملازم سے کہے کہ تمہیں بازو سے پکڑ کر اس کے آفس سے باہر نکال دے۔''

ذیشان کچھ ناراض ہوا۔

''تو پھر؟'' شمر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ذیشان کس بات پر ناراض ہوا تھا۔

''یار جا کر اس سے اپنا پورٹ فولیو بنواؤ...... دس پندرہ ہزار روپے لگیں گے۔ تمہاری شکل اتنی اچھی ہے کہ شاید یہ اتنی زیادہ رقم نہ لے اور مفت میں یا بہت کم پیسوں پر تمہارا کام کردے۔'' ذیشان کہہ رہا تھا۔

''اس کے بعد؟'' شمر کا ذہن اب اس رقم کے بارے میں تگ و دو کرنے میں مصروف تھا جس کا انتظام کرنا تھا۔

''اس کے بعد یہ کہ اگر اسے فوری ضرورت ہوئی یا تم اسے پسند آ گئے تو یہ تمہیں کام دلا دے گا...... مگر اس سے پہلے تمہاری گرومنگ کرے گا جس کی تم کو اشد ضرورت ہے۔'' ذیشان نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ ''میں نے کارڈ پر اپنا ریفرنس دیا ہے وہ میرا دوست تو نہیں ہے مگر اچھی ہیلو ہائے ہے اس کے ساتھ۔ مجھے امید ہے تمہارے کام آئے گا۔'' شمر نے کارڈ پر نظر ڈالی۔ ذیشان نے عادل منہاس سے اس کی سفارش کی تھی۔

''وہ تم سے شروع کے کچھ عرصہ کے لیے کانٹریکٹ کرے گا اور تمہارے ایجنٹ کے طور پر کام کرے گا ہر اسائنمنٹ کے لیے تم سے کچھ رقم لیا کرے گا...... اس رقم کی پرسنٹیج خاصی زیادہ ہے۔'' ذیشان اب اسے مالی معاملات کے بارے میں مشاورت دے رہا تھا۔ ''مگر اچھی بات یہ ہے کہ وہ ہر پارٹی یا کلائنٹ سے خود ہی رقم وصول کرتا ہے سو تمہیں اپنے معاوضے کے لیے کسی کے پیچھے خوار نہیں ہونا پڑے گا۔'' ذیشان اب اپنے چائے کے کپ میں چمچ ہلا رہا تھا۔

''مگر بااخلاق آدمی نہیں ہے...... بڑا تیکھا ہے...... زبان کا کڑوا...... بے مروت وغیرہ وغیرہ اور یہ سب اس لیے ہے کیونکہ وہ جانتا ہے فی الحال وہ سب کی ضرورت ہے۔'' ذیشان مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔ ''بہت سے میل ماڈلز کا کیریئر ختم بھی کروا چکا ہے...... عادل منہاس سے جھگڑنے کا مطلب ہے کہ وہ کام نہیں دے گا اور عادل کے کام نہ دینے کا مطلب ہے کہ کوئی بھی کام نہیں دے گا...... اس لیے اس کے سامنے اپنے آپ کو جتنا نرم مزاج بنا کر پیش کر سکتے ہو کرنا۔'' ذیشان نے اسے نصیحت کی۔

''اب ان ساری برائیوں کے بعد ایک اچھائی کہ عادل منہاس کو اپنے کام کا اچھی طرح پتہ ہے۔ وہ بہت مہارت سے کام کرنے والا آدمی ہے اور کتنا اچھا کام کرتا ہے۔ یہ تمہیں اس کے ساتھ کام کر کے پتہ چل جائے گا۔ ایک بات تم اچھی طرح جان لو کہ عادل منہاس کے ساتھ کام کرنے کے بعد تمہیں کام کرنا آ جائے گا۔ پھر تم کہیں مار نہیں کھاؤ گے۔'' شمر ایک بار پھر اس کارڈ پر لکھے نام اور ایڈریس کو پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔

☆☆☆

''کہاں رہ گئی تھیں امبر...... تمہیں اندازہ ہے میں اور صبغہ کتنا پریشان ہو رہے تھے؟'' منیزہ دروازہ کھولتے ہی پریشانی سے بولیں۔ وہ شام کے وقت واپس گھر پہنچی تھی۔

''اگر تم چند منٹ اور نہ آتیں تو میں اور صبغہ تو تمہاری تلاش میں نکلنے ہی والے تھے۔''

منیزہ نے اس بار امبر کے ہاتھ میں ان گنت شاپرز کو دیکھتے ہوئے دوبارہ بولیں۔ جن کے بوجھ سے وہ تقریباً دوہری ہو رہی تھی۔

امبر اندر چلی آئی۔ منیزہ اس کے پیچھے دروازہ بند کرنے لگیں۔ صحن میں کھڑی صبغہ نے آگے بڑھ کر امبر سے شاپرز لے لیے۔

"تم حد کرتی ہو امبر! اتنی دیر؟" صبغہ کے لہجے میں ناراضی سے ساتھ ساتھ اطمینان بھی تھا ورنہ چند لمحے پہلے تک وہ مکمل طور پر حواس باختہ ہو رہی تھی۔ امبر کے بارے میں پتہ نہیں کیا کیا اندیشے اس کے دل کو دہلا رہے تھے۔ کچھ یہی حالت منیزہ کی تھی جو بری طرح پچھتا رہی تھیں کہ انہوں نے امبر کو گھر سے باہر اکیلے کیوں جانے دیا۔

"کیا ہو گیا.....؟ پہلے بھی تو میں کئی کئی گھنٹے باہر رہا کرتی تھی۔ اب دیر سے آئی ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے؟"

امبر نے صبغہ کو کچھ شاپرز دیتے ہوئے قدرے جھنجلا کر کہا اور اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"پہلے کی بات اور تھی امبر! اور....." صبغہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ امبر نے فوراً اس کی بات کاٹی۔

"اور اب کی بات اور ہے۔ کیونکہ اب آسمان ہمارے سر پر گر چکا ہے اور زمین ہمارے پیروں کے نیچے سے نکل چکی ہے۔

"فار گاڈ سیک میں تنگ آ گئی ہوں یہ بات سن سن کر....."

وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ اس کے پیچھے آتے ہوئے منیزہ اور صبغہ نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا۔

"کتنی دیر رونا روتے رہیں گے پہلے اور اب کا..... پہلے کیا کسی دوسری دنیا میں رہتے تھے؟ کہ جو تب کرتے تھے وہ اب نہیں کر سکتے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے شاپرز کو بیڈ پر پھینکا۔ "زندگی نہ ہو گئی تماشا ہو گیا۔ کیسٹ کی ایک سائیڈ ہی ریوائنڈ کر کے سنتے رہو۔ پہلے کی بات اور تھی، پہلے کی بات اور تھی۔" اس نے گلے میں پڑا ہوا دوپٹہ اتار کر بیڈ پر پھینکا۔ زارا اور رابعہ نے باری باری امبر، صبغہ اور منیزہ کے چہرے کو دیکھا، پھر دوبارہ ہوم ورک کرنے لگیں۔ یہ سب کچھ ان کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔ تُو تکار، چیخ پکار، رونا دھونا، لعنت ملامت..... ان چیزوں کی عادت ہونے لگی تھی۔

"اس ڈبے جیسے گھر سے چند گھنٹے باہر کیا گزار لیے قیامت آ گئی..... اور واپس آ گئے تو مزید مصیبت۔" وہ بیڈ پر بیٹھ کر اپنے سینڈلز اتارنے لگی۔

صبغہ نے خاموشی سے باقی شاپرز کو اس کے پاس بیڈ پر رکھ دیا۔ وہ اس وقت امبر کی کسی بات کے جواب میں کچھ بولی نہیں تھی۔ امبر نروس بریک ڈاؤن کے بعد اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہوا کرتی تھی اور صبغہ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ ان موضوعات پر اس سے بات نہ کرے جس سے امبر چڑتی تھی۔

"اتنی شاپنگ کر ڈالی..... کیا کیا خریدا ہے؟" صبغہ نے لہجے کو یک دم خوشگوار بناتے ہوئے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ اگرچہ بیڈ پر پڑے شاپرز کی تعداد اس کے لیے پریشان کن تھی۔ امبر کو شاپنگ کا کریز تھا اور اس وقت صبغہ کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی رقم ان چیزوں پر خرچ کر آئی تھی جو سامنے پڑی ہوئی تھیں۔

امبر نے الجھی ہوئی نظروں سے صبغہ کو دیکھا پھر اس نے ان شاپرز کو دیکھا اور یک دم اس کے موڈ میں تبدیلی آ گئی۔ وہ مسکرانے لگی۔

"ب..... بس ایسے ہی..... کچھ چیزیں پسند آ گئیں تو خرید لیں۔" امبر نے چیزوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ وہ سب برانڈڈ پروڈکٹس تھیں یہ صبغہ کو ان شاپرز اور بیگز کو دیکھ کر بھی اندازہ ہو گیا تھا جن میں وہ موجود تھیں۔ مگر ان کی تعداد اور نوعیت اس کو مزید پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی۔ جینز، ٹاپس، کچھ ریڈی میڈ ملبوسات، چند..... پرفیومز، جوتے، جیولری، چند بیگز، کاسمیٹکس..... چند ہی لمحوں میں پورا بیڈ ان چیزوں سے بھر گیا تھا اور صبغہ نے ان چیزوں کی قیمت کا اندازہ لگایا تھا کہ ایک لاکھ روپے سے کم کا سامان نہیں تھا۔ صبغہ کا سانس رک گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ امبر کے پاس رقم کہاں سے آئی تھی کہ وہ ان برانڈڈ آئٹمز کو خرید سکی اور اگر اس کے پاس رقم تھی تو وہ اتنی بے حسی سے ان چیزوں پر کیسے اڑا رہی تھی جن کی انہیں اس وقت ضرورت نہیں تھی۔

صبغہ بالکل ساکت بیٹھی ان چیزوں کو دیکھتی رہی جنہیں امبر بڑے شوق سے اسے دکھا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اس طرح کی خوشی اور جوش بہت عرصے کے بعد نظر آ رہا تھا۔ رابعہ اور زارا بھی اب اپنا ہوم ورک چھوڑ کر ان چیزوں کو کھول کھول کر دیکھ رہی تھیں۔ صبغہ نے سر اٹھا کر بیڈ کے پاس کھڑی منیزہ کو دیکھا۔ اس کی طرح وہ بھی بالکل سنجیدہ نظر آ رہی تھیں۔

"تمہیں پسند آئیں میری چیزیں؟" امبر نے بڑے اشتیاق سے صبغہ سے پوچھا۔

"بہت اچھی ہیں۔" صبغہ نے بمشکل اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "مگر امبر! تمہارے پاس اتنی رقم تھی کہ تم یہ سب چیزیں خرید سکو؟ کتنی رقم خرچ کی ہوگی تم نے؟" صبغہ نے بہت نرمی سے پوچھا۔

"ہاں میرے پاس پیسے ہیں۔" امبر نے گول مول انداز میں کہا۔ اس نے صبغہ کے سوال کے دوسرے حصے کا جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے سامان کو سمیٹنے لگی۔

"کتنے پیسے ہیں تمہارے پاس؟" اس بار صبغہ نے براہ راست پوچھا۔

"ہیں تھوڑے بہت۔" امبر پھر اسی گول مول انداز میں بولی۔ اس کا پورا دھیان اس وقت اپنی چیزوں پر تھا۔

"مگر اس فضول خرچی کی کیا ضرورت تھی؟" منیزہ چپ نہ رہ سکیں۔ "اگر تمہارے پاس پیسے ہیں تو انہیں رہنے دیتیں ابھی ہمیں کتنی ضرورت ہے پیسوں کی۔ تمہارے اپنے کام آتے یہ روپے۔" منیزہ خاصے ناخوشگوار انداز میں بولیں۔

"تو ابھی بھی تو میرے ہی کام آئے ہیں...... میں نے اپنے لیے چیزیں خریدی ہیں۔" امبر کا لہجہ بھی تبدیل ہو گیا۔

"مگر یہ چیزیں تمہارے کیا کام آئیں گی۔" صبغہ بولی۔ "تم اس طرح کے کپڑے اور جینز پہن کر کہاں جاؤ گی؟"

"کہاں جاؤں گی۔ جہاں دل چاہے گا جاؤں گی...... میں کوئی قیدی تو نہیں ہوں کہ ہمیشہ دو کمرے کے اسی گھر میں رہوں۔ جب باہر جاؤں گی تو استعمال کروں گی ان سب چیزوں کو۔" اسے غصہ آ گیا۔

"ہم اس علاقے میں نہیں رہتے امبر...... جہاں اس قسم کے کپڑے لائف اسٹائل ہوتے ہیں اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔" صبغہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ "ہم اس علاقے میں رہ رہے ہیں جہاں اس طرح کے کپڑے پہن کر گھر سے نکلنا مصیبت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔"

"کیسی مصیبت؟" امبر کے ماتھے پر بل آ گئے۔ "لوگ انگلیاں اٹھائیں گے آوازیں کسیں گے الزام لگائیں گے تو کون پروا کرتا ہے ان سب چیزوں کی...... یا لوگوں کی۔" امبر نے سرد آواز میں کہا۔

"پروا کرنا پڑتی ہے۔ جب کسی مرد کے بغیر زندگی گزارنا پڑ جائے تو بہت سی چیزوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور بہت سی چیزوں کی پروا بھی کرنی پڑتی ہے۔" صبغہ نے رسانیت سے کہا۔

"میں اس علاقے میں کبھی نہیں آنا چاہتی تھی۔ یہ محلہ تمہاری چوائس تھا۔" امبر نے درشتی سے کہا۔

"یہ کس کی چوائس تھا یا نہیں...... اس وقت ہم یہ ڈسکس نہیں کر رہے۔" صبغہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہم جہاں آ گئے ہیں۔ اب ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ ہمیں یہاں رہنا کیسے ہے۔"

"اگر یہ ڈسکس ہوگا کہ مجھے کیا پہننا ہے اور کیا نہیں تو پھر یہ بھی ڈسکس ہوگا کہ اس محلے میں ہم آئے کیوں جہاں پر ہم اپنی مرضی کا لباس تک نہیں پہن سکتے۔" امبر نے اسی انداز میں کہا۔

"اب تو آ گئے ہیں امبر!"

"اور جا بھی سکتے ہیں۔"

"کہاں جا سکتے ہیں؟" صبغہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"اس سے بہتر جگہ پر۔"

"بہتر جگہ کے لیے بہت زیادہ پیسوں کی ضرورت ہے۔"

"میں دے سکتی ہوں وہ پیسے۔" امبر نے اس کی بات کاٹی۔

صبغہ کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔ "تم کہاں سے پیسے دو گی؟"

"جہاں سے بھی دوں گی...... مگر دوں گی...... ہم کسی بہتر جگہ پر رہ سکتے۔"

صبغہ پلکیں جھپکائے بغیر امبر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ صبغہ اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی اور اسے دیکھتے ہوئے یک دم اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ صبغہ نے غیر محسوس انداز میں چند گہری سانسیں لے کر اس خوشبو کو شناخت کرنے کی کوشش کی جو

امبر کے پاس سے آ رہی تھی۔ وہ بہت تیز مردانہ پرفیوم تھا۔ منصور علی وہی پرفیوم استعمال کرتے تھے۔ امبر یقیناً منصور علی کے پاس سے ہو کر نہیں آئی تھی یہ صبغہ جانتی تھی...... رومشان وہی پرفیوم استعمال کرتا تھا مگر امبر رومشان کے پاس بھی نہیں گئی تھی اس کا بھی صبغہ کو یقین تھا...... طلحہ اور اسامہ دونوں میں سے کوئی اس پرفیوم کو استعمال نہیں کرتا تھا مگر ان کے علاوہ بھی اس نے کسی کو اس پرفیوم کا استعمال کرتے دیکھا تھا۔ چند لمحوں کے لیے صبغہ اپنے ذہن پر زور دیتی رہی۔ اس نے کسی کو اس پرفیوم کا استعمال کرتے دیکھا تھا......؟ کس کو دیکھا تھا؟

"میرے خدا!" وہ بے اختیار زیر لب بڑبڑائی۔ اسے یاد آ گیا تھا اس نے کس کو وہ پرفیوم استعمال کرتے دیکھا تھا۔ کچھ وقت کے لیے اسے یوں لگا تھا جیسے اسے سانس ہی نہیں آئے گا......

"تو کیا امبر ہارون کمال کے ساتھ وقت گزار کر آ رہی ہے؟" امبر اب مگن انداز میں شاپرز کو سمیٹ رہی تھی۔

☆☆☆

ان دونوں عورتوں کو اس آدمی کے دفتر میں داخل ہوئے چند منٹ ہوئے تھے۔ ادھیڑ عمر آدمی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے ان دونوں عورتوں کو سامنے کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اپنی گفتگو کے دوران وہ سامنے بیٹھی دونوں عورتوں کا جائزہ لینے میں مصروف رہا۔ اس نے فون پر پانچ منٹ گفتگو کی تھی اور پانچ منٹ میں وہ سامنے بیٹھی دونوں عورتوں کا اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا۔ اس نے چادر میں ملبوس عورت کو سرسری نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنی توجہ برقع اوڑھے اور آدھے چہرے کو نقاب سے ڈھانپے ہوئے عورت پر مرکوز کر لی۔

آدھا چہرہ...... خوبصورت گہری سیاہ آنکھیں، کمان کی طرح تنے ابرو، ماتھے اور آنکھوں کے نیچے جھریوں کا ہلکا جال، جبکہ ناک کا اوپر والا حصہ اور چہرے پر لگائی گئی فاؤنڈیشن کے ساتھ ساتھ آنکھوں پر لگایا ہوا مسکارا اور کاجل دکھا رہا تھا۔ برقع پوش عورت کے ہاتھ مجمل پر رکھے تھے اور ہاتھوں کی انگلیوں میں موجود انگوٹھیاں اور کلائی میں موجود چوڑیاں اسے اس عورت کی مالی حیثیت کے بارے میں بتا رہے تھے۔ عورت سلیولیس یا ہاف سلیوز شرٹ پہنے ہوئے تھی، کیونکہ وہ برقع کے بازوؤں میں سے لباس کا کوئی حصہ نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ ہاتھوں کے ناخنوں پر تیز سرخ رنگ کی کیوٹیکس لگی تھی اور ناخن لمبے تھے۔ ہاتھ دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ عورت اپنے ہاتھوں سے گھریلو کام کاج کرنے کی عادی نہیں تھی۔

سامنے بیٹھے آدمی نے چادر اوڑھی ہوئی عورت کو غور سے نہیں دیکھا۔ اس کی چھٹی حس اسے بتا چکی تھی کہ اس کے پاس جو کام لے کر آئی تھی وہ برقع پوش عورت تھی۔ جو زیادہ چھپاتا ہے وہ زیادہ دکھاتا ہے۔ اس نے فون کا ریسیور رکھتے ہوئے مسکرا کر ان دونوں عورتوں کو اور خاص طور پر اس برقع پوش عورت کو دیکھا اور پھر معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"معاف کیجئے گا آپ کو انتظار کرنا پڑا۔"

"نہیں، کوئی بات نہیں۔ ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔" چادر والی عورت نے فوراً کہا۔ "ہمیں جمال صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" اس عورت نے کہا۔

"جمال درانی نے؟" اس آدمی نے استفسار کیا۔

"جی......"

"آپ اسے کیسے جانتی ہیں؟" آدمی کو دلچسپی پیدا ہوئی۔

"بس ہمارے دوستوں میں سے ہیں۔" اس بار برقع پوش عورت نے کہا۔ آدمی نے اس عورت کی آواز کو غور سے سنا۔ آواز بہت خوبصورت اور لوچ دار تھی اور اس کے بات کرنے کا ایک خاص انداز تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے مخصوص انداز میں اپنے ہاتھوں کو بھی حرکت دے رہی تھی اور سامنے بیٹھا ہوا آدمی اس حرکت سے جیسے اس عورت کو شناخت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہمیں ایک مسئلہ درپیش تھا تو انہوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا۔" برقع پوش عورت بولی۔ "وہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہمارا مسئلہ حل کر دیں گے۔ وہ آپ کی بڑی تعریف کر رہے تھے۔"

"یہ عاں کی مہربانی ہے۔" وہ آدمی کہتے ہوئے مسکرایا۔ "جی تو میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"
دونوں عورتوں نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا پھر برقع پوش عورت نے اس آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمیں ایک عورت کی تلاش ہے۔"

☆☆☆

"ہاں شائستہ.....! کیسی ہو تم؟" زیشان نے شائستہ کی آواز پہچانتے ہی کہا۔
"میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟" شائستہ نے جواباً پوچھا۔
"ہم تو ویسے ہی ہیں جیسے ہمیشہ ہوتے ہیں۔ فٹ اینڈ فائن۔" زیشان نے شگفتگی سے کہا۔ "ہارون کیسا ہے؟"
"ہارون بھی ٹھیک ہے۔"
"ابھی آس پاس ہے تمہارے؟"
"نہیں' گھر پر نہیں ہے۔ کہیں باہر گیا ہوا ہے۔"
"اور تم.....تم اس کے ساتھ نہیں گئیں؟"
"نہیں۔"
"کیوں آج کل کہیں آنا جانا چھوڑ دیا ہے کیا اور بائی دا وے یہ میری یاد تمہیں کیسے آ گئی؟" زیشان کو اس سے بات کرتے ہوئے اچانک خیال آیا۔
"کیوں' تمہاری یاد نہیں آ سکتی مجھے؟" شائستہ نے جواباً پوچھا۔
"عام طور پر آتی تو نہیں تمہیں۔" زیشان نے بے تکلفی سے کہا۔
"آخری بار یاد ہے تم سے میری کب بات ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے کئی ماہ گزر گئے ہیں۔"
"ہاں' تم تو جانتے ہو میں بہت مصروف رہتی ہوں اور خود تم بھی تو ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہو۔ جب بھی گھر آنے کا کہا تم ٹال گئے۔" شائستہ نے جتایا۔
"ہاں جانتا ہوں میں اپنی اور تمہاری مصروفیت کو' اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں کہ آج فرصت کیسے مل گئی۔" زیشان نے بے تکلفی سے کہا۔
"بس میں نے سوچا تم سے گپ لگائی جائے۔"
"آج کا دن واقعی اچھا ہے کہ شائستہ کمال جیسی خاتون صرف گپ شپ لگانے کے لیے فون کر رہی ہیں۔"
شائستہ بے اختیار مسکرائی۔ "خیر اب شائستہ کمال اتنی بڑی ہستی بھی نہیں ہو گئی ہیں۔"
"ہمارے لیے تو ہمیشہ سے ہی ہیں۔"
"ہاں تمہیں تو عادت ہے ہر ایک کی خوشامد کرنے کی۔" شائستہ نے اسے جھڑکا۔ زیشان اس کا اور ہارون کا بہت پرانا دوست تھا۔
"ہر ایک کون؟"
"ہر ایک مطلب' ہر ایک۔" شائستہ نے اسے جتایا۔
"تمہارے اور ثوبی کے علاوہ کسی کی آج تک خوشامد نہیں کی میں نے۔" زیشان نے اپنی بیوی کا نام لیا۔
"ثوبی کے سامنے میرا نام لو گے تو وہ تمہیں جوتے لگائے گی۔"
"تو کھائیں گے پہلے کیا جوتے نہیں پڑے۔"
شائستہ نے اس بار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "تم کیا جوتے کھانے والے مردوں میں سے ہو۔"

"اب کیا میں تم سے یہ کہوں کہ تم جوتے مار کر دیکھ لو۔"

شائستہ پھر ہنسی۔ "نہیں' یہ کام تم اپنی بیوی کے لیے ہی رہنے دو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اب نایاب کو کس کمرشل میں لے رہے ہو۔"

"دو تین کمرشل ہیں۔"

"ضروری ہے کہ تم اسے کمرشلز میں لو۔ تمہیں پتا ہے ہارون کتنا ناراض ہو رہا ہے۔"

"اب یہ کیا بات ہوئی۔ پہلے ہارون نے خود مجھ سے کہا کہ نایاب کو کمرشل میں کام کرنے کا شوق ہے' میں اسے کسی کمرشل میں چانس دوں اور اب وہ ناراض ہو رہا ہے۔"

"مگر اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسے مزید کمرشلز کی آفر دے دینا۔ وہ تو صرف ایک کمرشل کی بات کر رہا تھا تاکہ نایاب کا شوق پورا ہو جائے۔"

"اب میں کیا کروں شائستہ! نایاب کا پہلا کمرشل اتنا اچھا بنا ہے کہ کمپنی نے اپنی دوسری پروڈکٹ کے لیے بھی اسی کو لینے کے لیے کہا ہے۔ تمہاری بیٹی ہے ہی بہت ٹیلنٹڈ۔" اس نے تعریف کی۔ "میں نے نایاب سے بات کی تو اس نے بھی ہامی بھر لی۔"

"مگر تمہیں اس سے بات کرنے سے پہلے مجھ سے یا ہارون سے بات کر لینا چاہیے تھی۔"

"چلو تم سے اب بات کر لیتا ہوں۔ ہارون سے پھر بھی کر لوں گا۔"

"اب میں اس سے کیا بات کروں گی۔ اسے کمرشلز سے نکالنے کا کہوں گی تو نایاب شور مچا دے گی۔"

"مگر یہ بیٹھے بٹھائے تمہیں کمرشلز پر اتنا اعتراض کیوں ہونے لگا ہے۔ تمہیں تو ایک زمانے میں خود اس کام میں بہت دلچسپی تھی؟" ذیشان نے حیرت کا اظہار کیا۔

"آج کل تو اچھی اچھی فیملیز کے لوگ سفارشیں لے کر آتے ہیں میرے پاس کہ ان کی بیٹی کو اپنے کمرشل میں چانس دوں اور میں نایاب کو جو موقع بیٹھے بٹھائے دے رہا ہوں' وہ تو اسے چند ہفتوں میں اسٹار بنا دے گا۔"

"اور ساتھ ہی اس کے دماغ کو بھی آسمان پر پہنچا دے گا۔" شائستہ بڑبڑائی۔ ذیشان نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی۔

"اس بارے میں تم پریشان نہ ہو' وہ پہلے ہی آسمان پر پہنچا ہوا ہے۔"

"خیر اب میں مزید کیا کہوں تم سے' بس اس کا ذرا خیال رکھنا۔"

"پریشان نہ ہو۔ ویسے تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔" ذیشان نے اسے جیسے اطمینان دلایا۔

"اچھا..... ہاں..... ایک بات اور....." شائستہ نے یوں ظاہر کیا جیسے فون بند کرتے کرتے اسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔

"یہ نایاب کے ساتھ پہلے کمرشل میں ایک لڑکے نے کام کیا تھا۔ نایاب بہت ذکر کرتی ہے اس کا۔ کیا نام تھا ہے....."

شائستہ نے فون پر یوں ظاہر کیا جیسے وہ اپنے ذہن پر زور ڈال رہی ہے۔

"اس کے ساتھ ایک لڑکا تو نہیں تھا کمرشل میں' تین چار لڑکے تھے۔" ذیشان نے کہا۔

"ہاں مگر وہ جو سب سے زیادہ گڈ لکنگ تھا جس نے بہت اچھا کام کیا؟"

"او' شہر کی بات کر رہی ہو گی وہ۔" ذیشان کو یاد آیا۔

"ہاں ہاں' یہی نام لیتی ہے وہ۔" شائستہ نے اس کی تائید کی۔ "کیا لڑکا ہے یہ؟"

"کیوں' کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں' ویسے ہی پوچھ رہی ہوں۔ نایاب اکثر اس کا ذکر کرتی رہتی ہے اس لیے۔"

"اچھا لڑکا ہے بلکہ بہت اچھا لڑکا ہے۔" ذیشان نے کہا۔

"تم اس کا ایڈریس دے سکتے ہو مجھے؟" شائستہ نے لہجے کو بہت نارمل رکھتے ہوئے کہا۔ "ایڈریس اور فون نمبر؟"

"کیوں؟ ایسا کیا ہوا ہے کہ تمہیں اس کا ایڈریس اور فون نمبر لینے کی ضرورت آن پڑی۔" ذیشان چونکا۔ "نایاب کو تنگ تو نہیں کر رہا وہ؟"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" شائستہ نے فوراً کہا۔ "بس نایاب کی کچھ دوستی ہے اس کے ساتھ اور میں ذرا چیک کروانا چاہتی ہوں اس کے بارے میں۔ نایاب کے دوستوں کے بارے میں میں ہمیشہ بہت محتاط رہتی ہوں۔" شائستہ نے وضاحتی انداز میں کہا۔

"اس سے اور اس کی فیملی سے کچھ دن پہلے میری پی سی میں نایاب نے ہی ملاقات کروائی تھی۔ میں نے سوچا کہ پھر بھی کچھ اور پتا کروانا چاہیے۔"

"میں پتا کروا دیتا ہوں۔" ذیشان نے آفر کی۔ "ویسے جتنا میں اس کے بارے میں جانتا ہوں' یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے پھر بھی تم مجھے ایڈریس دے دو۔ نایاب کے سارے دوستوں کے ایڈریسز میں اپنے پاس ضرور رکھتی ہوں' کبھی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" شائستہ نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں اس کا ایڈریس لکھوا دیتا ہوں۔ کانٹیکٹ نمبر تو نہیں ہے میرے پاس مگر اس کا ایڈریس ہے۔" ذیشان نے فون پر اسے ایڈریس لکھواتے ہوئے کہا۔

"شائستہ کاغذ پر نوٹ کرنے لگی۔

"اگلے دو کمرشلز میں بھی میں اسے ہی نایاب کے ساتھ لے رہا ہوں۔" ایڈریس لکھوانے کے بعد اس نے شائستہ کو جیسے اطلاع دی۔ "دونوں کا ایئر بہت اچھا لگا تھا پہلے کمرشل میں۔ کچھ دنوں تک آن ایئر جانے والا ہے کمرشل۔ مجھے بتانا نایاب نے کیسا کام کیا ہے۔"

"ہاں ضرور۔" کچھ دیر دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر شائستہ نے فون رکھ دیا۔ سامنے پڑے کاغذ کو اٹھا کر وہ اس پر نظر دوڑانے لگی۔ اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب سی ہو رہی تھی۔

☆☆☆

"ممی اب آپ امبر کو بھی اکیلے گھر سے باہر نہ جانے دیجئے گا۔" صبغہ نے قدرے دھیمی آواز میں کمرے کے دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا اسے خدشہ تھا کہ امبر اس گفتگو کو نہ سن لے۔

صبغہ قدرے پریشانی کے عالم میں کمرے سے باہر آ کر صحن میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ چند منٹوں بعد منیزہ بھی اٹھ کر باہر آ گئی تھیں۔ ان کے چہرے پر خفگی نمایاں تھی جبکہ صبغہ کے چہرے پر تشویش تھی۔

"امبر نے تو حد کر دی۔" منیزہ جیسے یک دم پھٹ پڑی تھیں۔ "اتنی بڑی رقم فضول خرچی میں اڑا دی۔ اسے احساس ہی نہیں ہے کہ فی الحال ہمیں پیسوں کی کتنی ضرورت ہے۔"

"ممی پلیز! آہستہ بولیں امبر سن لے گی۔" صبغہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"سنتی ہے تو سن لے۔ میں بھی چاہتی ہوں اسے پتا تو چلے کہ اس نے کتنی غلط حرکت کی ہے' ان حالات میں اسے یہ فضول خرچی نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

منیزہ اس وقت واقعی غصے میں تھیں۔ "تم نے دیکھا کس طرح بے کار چیزوں پر پیسہ ضائع کیا ہے اس نے۔" وہ بڑبڑا رہی تھیں "پرفیومز اور جیولری اس وقت ان سب چیزوں کی ضرورت ہے اسے؟"

"پلیز ممی! آہستہ بولیں۔ میں نہیں چاہتی کہ امبر سن لے اور دوبارہ کوئی ہنگامہ کھڑا ہو۔" صبغہ نے ایک بار پھر انہیں ٹوکا۔ "آپ کو اس کی ذہنی حالت کا احساس ہونا چاہیے۔ وہ ٹینشن لے گی تو......"

منیزہ نے اس کی بات کاٹ دی مگر اب ان کی آواز مدھم تھی۔ "جانتی ہوں وہ ٹینشن لے گی تو کیا ہوگا۔ مگر جو ٹینشن ہمیں

ہو رہی ہے اس کا کیا ہوگا۔ اسے ان پیسوں کو سنبھال کر رکھنا چاہیے تھا۔ کسی وقت کام آتے۔'' انہیں رہ رہ کر اسی رقم کا دکھ ہو رہا تھا۔

صبغہ نے گہرا سانس لیا۔ ''آپ کو اندازہ ہے کہ اس نے یہ شاپنگ کہاں سے کی ہے؟''

''کہاں سے کرنی ہے اس کے اکاؤنٹ میں جو پیسے تھے وہی خرچ کیے ہوں گے۔ بتایا تو ہے اس نے۔'' منیزہ نے کہا۔

''اور آپ نے یقین کر لیا؟''

''صبغہ ظاہر ہے اور کہاں سے آئی ہیں یہ چیزیں۔'' منیزہ نے تلخی سے کہا۔

''اس کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ یہ سب کچھ خرید سکتی۔'' صبغہ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''دس بیس ہزار ہوں گے اور بس اور یہ تمام چیزیں تقریباً ایک لاکھ روپے کی ہیں۔''

منیزہ کچھ بول نہ سکیں' الجھے ہوئے انداز میں اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

''اسے یہ شاپنگ کسی نے کروائی ہے۔''

''کس نے؟ اور کوئی کیوں اسے اس طرح شاپنگ کروائے گا؟''

''یہی سوال مجھے پریشان کر رہا ہے کہ کوئی کیوں اسے اس طرح شاپنگ کروائے گا۔ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟'' صبغہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی۔''

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی' مجھے یقین ہے کہ امبر ہارون کمال سے ملنے گئی تھی اور یہ تمام چیزیں اسی نے اسے خرید کر دی ہیں۔'' صبغہ نے منیزہ کی بات کاٹ دی۔

''ہارون کمال؟'' منیزہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''مگر وہ کیوں اسے یہ سب کچھ خرید کر دیگا؟''

''آپ بتائیں وہ کیوں یہ سب کچھ خرید کر امبر کو دے سکتا ہے؟'' صبغہ نے منیزہ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے جواباً ان سے پوچھا۔

''میں کیسے بتا سکتی ہوں؟'' منیزہ کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔

''آپ بتا سکتی ہیں ممی!'' صبغہ کی آواز اب بھی مدھم تھی۔ ''آپ کم از کم یہ تو ضرور بتا سکتی ہیں کہ ہارون نے امبر کے علاج پر اتنا روپیہ کیوں خرچ کیا؟''

اسے ہم لوگوں سے ہمدردی تھی اس لیے۔'' منیزہ نے بے حد کمزور لہجے میں کہا۔

''تو پھر اسی ہمدردی کے تحت اس نے امبر کو یہ شاپنگ بھی کروا دی ہے اور اس ہمدردی کی وجہ سمجھنا کم از کم اب تو آپ کے لیے مشکل نہیں ہونا چاہیے۔'' منیزہ کچھ نہیں بول سکیں۔ وہ چپ چاپ صبغہ کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ بہت دیر بعد وہ بولیں۔

''ہارون! امبر کے باپ کا دوست ہے۔ امبر کے باپ کی طرح ہے۔''

''رخشی' پاپا کی بیٹی کی دوست تھی۔ پاپا کے لیے بیٹی کی طرح تھی۔ کیا پاپا اس کے لیے باپ جیسے ثابت ہوئے؟''

''ہر مرد تمہارے باپ جیسا اور ہر لڑکی رخشی جیسی نہیں ہوتی۔'' منیزہ کو یک دم غصہ آیا۔

''کسی بھی مرد کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ پاپا کی طرح نہیں ہے اور نہ ہی کسی لڑکی کے ماتھے پر۔''

''تم امبر کا موازنہ رخشی جیسی لڑکی سے کر رہی ہو؟'' منیزہ نے تاسف و بے یقینی سے کہا۔ ''وہ رخشی کی طرح گر سکتی ہے؟''

''یہ سوال مجھ سے نہ کریں۔'' صبغہ مدھم لہجے میں بولی۔ ''اس سے پوچھیں' وہ شاید آپ کو اس کا بہتر جواب دے۔''

''مجھے یقین ہے صبغہ! امبر ایسی نہیں ہے۔ یہ شاپنگ اگر ہارون نے بھی اسے کروائی ہے تب بھی کم از کم امبر کے دل میں ویسے کوئی خیالات نہیں ہیں جیسے تم کہہ رہی ہو۔'' منیزہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"میری خواہش ہے کہ تم بھی کرو یا کرتی ہو۔ مگر یہ میل جول اگر اسی طرح جاری رہا تو میری خواہش اور آپ کا یقین دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔"

"میں امبر سے ابھی بات کرتی ہوں۔" منیزہ یک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"نہیں امی! ابھی نہیں آج بات کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس سے کل بات کریں میری عدم موجودگی میں۔"

"کیوں؟ آج کیوں نہیں؟ جو بات بھی ہو گی اب تمہارے سامنے ہو گی۔"

"آپ اس سے علیحدگی میں بات کریں تب جب وہ......"

منیزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "نہیں جو بات بھی ہو گی تمہارے سامنے ہو گی کیونکہ تمہیں ہی شک ہے کہ وہ ہارون کمال کے ساتھ گئی تھی۔" منیزہ نے الزام لگانے والے انداز میں کہا۔

"آپ میرے سامنے بات کرنا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے میرے سامنے بات کر لیں۔ مگر اس وقت بات نہ کریں۔" صبغہ اب پچھتا رہی تھی کہ اس نے اس وقت منیزہ سے بات کیوں کی۔

"ابھی بات کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"امی پلیز! کبھی تو آپ یہ بات سمجھ لیں کہ ہر موقع ہر بات کہنے کا نہیں ہوتا۔" صبغہ کے لہجے میں ہلکی سی ناراضی جھلک آئی۔ "وہ ابھی کچھ گھنٹے باہر گزار کے آئی ہے اور خوش ہے تو فی الحال اسے خوش رہنے دیں۔ ابھی اس سے کچھ کہیں گی تو وہ ہنگامہ برپا کر دے گی۔ آپ نے دیکھا وہ تھوڑی دیر پہلے کس طرح بات کر رہی تھی۔"

صبغہ نے منیزہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "آپ صرف ایک بات کا خیال رکھیں کہ دوبارہ اس کو اکیلے گھر سے نکلنے نہ دیں۔ وہ کہیں جائے تو آپ اس کے ساتھ جائیں۔"

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتی اور میں اسے زبردستی پکڑ کر تو گھر میں نہیں بٹھا سکتی۔ وہ مجھے تمہاری مثال دیتی ہے کہ تم بھی تو باہر جاتی ہو۔"

"آپ نے اس کو بتایا کہ میں جاب کی تلاش میں جا رہی ہوں؟"

"بتا چکی ہوں مگر وہ سننے پر تیار نہیں ہے۔"

اس سے پہلے کہ منیزہ کچھ اور کہتیں امبر یک دم کمرے سے باہر آ گئی۔ منیزہ اور صبغہ دونوں خاموش ہو گئیں۔ امبر کو ان کی یک دم خاموشی نے کچھ بے چین کیا مگر پھر وہ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔ صبغہ نے اس کے ہاتھ میں کافی کا جار دیکھا تھا۔

کچن کے کھلے دروازے سے وہ دونوں امبر کو کافی بناتے دیکھتی رہیں۔ وہ بڑے مگن سے انداز میں کچھ گنگناتے ہوئے کافی بنانے میں مصروف تھی۔ صبغہ اور منیزہ نے نظروں کا تبادلہ کیا۔ وہ یقیناً کافی مدت کے بعد اس طرح گنگناتے ہوئے خوشگوار موڈ میں تھی۔ منیزہ کو پہلی بار صبغہ کی باتوں میں سچائی کی کوئی رمق نظر آئی تھی۔

☆☆☆

"اس ایڈریس پر ایک عورت رہتی ہے۔ مجھے اس عورت اور اس کے بچوں کے علاوہ اس کی فیملی کے بارے میں معلومات چاہئیں۔"

اس شخص نے اس کاغذ پر نظر ڈالی جو اس کے سامنے ٹیبل پر بڑھایا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اس عورت کو دیکھا جو ٹیبل کے دوسری طرف اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس میک اپ سے مبرا چہرے ہونے کے باوجود بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں میں ایک سگریٹ دبا ہوا تھا اور وہ لاپروائی سے اس کے کش لگا رہی تھی۔

وہ کچھ دیر پہلے اس کے دفتر میں داخل ہوئی تھی اور وہاں داخل ہونے کے بعد اس شخص کو اپنا مسئلہ بتانے سے پہلے اس نے اس کا تفصیلی انٹرویو لیا تھا۔ اس شخص نے بڑے تحمل سے اس کے چھوٹے بڑے سوالات کے جواب دیے تھے۔ پچھلے کئی

سالوں سے وہ اس پروفیشن میں تھا اور اس تک آنے والا ہر کلائنٹ اسی قسم کے سوالات کرتا تھا جیسے سوالات اس کے عورت نے اس سے پوچھے تھے۔

ایک لمبے چوڑے انٹرویو کے بعد بالآخر اس نے قدرے مطمئن ہوتے ہوئے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک کاغذ نکالا اور اسے ٹیبل پر اس شخص کی طرف بڑھا دیا۔

وہ عورت نروس تھی۔ اس شخص کو یہ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی کیونکہ اس عورت کی انگلیوں پر سگریٹ پینے کی وجہ سے کوئی نشان نہیں تھے یا تو وہ سگریٹ ہولڈر استعمال کرتی تھی یا پھر وہ سگریٹ پینے کی عادی نہیں تھی۔ اگر وہ سگریٹ ہولڈر استعمال کرتی تو اسے اس وقت بھی کرنا چاہیے تھا اور اگر وہ سگریٹ پینے کی عادی نہیں تھی تو اس وقت کیوں پی رہی تھی۔ یقیناً وہ نروس تھی۔ ایک عام سے محلے میں رہنے والی اس عورت اور تین بچوں سے اس عورت کا ایسا کیا تعلق تھا جو اسے نروس کر رہا تھا کوئی رشتہ؟ کیسا رشتہ؟ کوئی تعلق؟ کیسا تعلق؟

"اس عورت کے بارے میں آپ مجھے کیا بتا سکتی ہیں؟" اس شخص نے بالآخر سوال کیا۔

"آپ کیا جاننا چاہتے ہیں؟"

"آپ جو بھی بتا سکیں۔"

"میں اس عورت کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔" وہ عورت کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "یہ جانتی ہوں کہ یہ کسی گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر ہے یہ کہ اس کا شوہر مر چکا ہے اور اس کے تین بچے ہیں۔"

"اس عورت کا نام بتا سکتی ہیں؟"

"نام؟" وہ ایک بار پھر سوچ میں پڑ گئی "نہیں۔" اس نے بالآخر کہا۔

"بچوں کے نام؟"

"ہاں وہ جانتی ہوں۔" اس بار وہ بے ساختہ بولی۔

"دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بڑے بیٹے کا نام شہیر اور چھوٹے کا ثمر ہے اور بیٹی کا نام ثانیہ۔"

"آپ کو یقین ہے کہ یہ اسی ایڈریس پر رہتے ہیں؟"

"ہاں بالکل یہ اسی ایڈریس پر رہ رہے ہیں۔"

"اگر آپ ان کا فون نمبر دے سکیں تو۔"

"نہیں۔ میرے پاس ان کا فون نمبر نہیں ہے۔ صرف ایڈریس تھا۔"

"مجھے خاص طور پر اس کے بڑے بیٹے کے بارے میں معلومات چاہئیں اس کی تاریخ پیدائش؟ کہاں پیدا ہوا؟ وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اس کی پیدائش کا ریکارڈ اگر آپ حاصل کر سکیں تو زیادہ بہتر ہے۔"

"اور یہ ساری معلومات آپ کو کب تک چاہئیں؟"

"مجھے کوئی جلدی نہیں ہے آپ جتنا وقت چاہیں لیں مگر مجھے صحیح معلومات چاہئیں اور جتنی زیادہ اکٹھی کر سکیں۔ اتنا ہی بہتر ہوگا۔" اس نے سگریٹ کے بچے ہوئے ٹکڑے کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

"کیا فیس ہے آپ کی؟" اس نے اپنے بیگ کے اندر ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کام معلومات کی نوعیت پر منحصر ہے۔ آپ کو زیادہ معلومات چاہئیں اور آپ خود مجھے کچھ نہیں بتا سکیں جس کا مطلب ہے مجھے بہت زیادہ کام کرنا پڑے گا اور زیادہ کام کرنے کا مطلب....."

اس عورت نے لاپرواہی سے اس کی بات کاٹ دی۔

اس کا مطلب ہے کہ فیس زیادہ ہوگی، مجھے پرواہ نہیں۔ آپ صرف کام کریں۔" نوٹوں کی ایک گڈی جس کو لپیٹ کر اس پر ربڑ بینڈ چڑھایا گیا تھا اس کے سامنے ٹیبل پر پھینک دی۔ "یہ تیس ہزار ہیں۔" وہ بیگ بند کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"مزید تم اس وقت لے لو گی جب مجھے کام ہوتا ہوا نظر آئے گا۔"

"مجھے آپ کا فون نمبر اور نام چاہیے۔" عورت کو کھڑے ہوئے دیکھ کر اس نے ٹیبل پر پڑا ایک رائٹنگ پیڈ اس کی طرف بڑھایا۔

"نام؟" عورت نے کچھ سوچتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "نام ضروری ہے؟"

"فون پر میں آپ کو کیا کہہ کر بلاؤں گا؟"

"میں آپ کو اپنا موبائل نمبر دے رہی ہوں۔ میرے علاوہ کوئی کال ریسیو نہیں کرتا۔ آپ آواز سے تو پہچان ہی لیں گے یا پھر ضروری ہے کہ میں آپ کو اپنا غلط نام بتاؤں۔" اس نے پیڈ پر نمبر گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"غلط یا صحیح مجھے صرف نام سے غرض ہوتی ہے۔" اس شخص نے اسی انداز میں کہا۔

"اوکے پھر آپ مجھے فریدہ کہہ لیں۔" اس نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"فریدہ؟" وہ سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔ وہ عورت اب کمرے سے نکل چکی تھی۔

اس شخص نے ٹیبل پر پڑے کاغذ کے ٹکڑے کو ایک نظر دیکھا اور پھر دراز کھول کر وہاں سے ایک لفافہ نکال کر اسے کھولنے لگا۔ اس کے ہاتھوں میں اب ایک اور کاغذ تھا جس پر اس نے دو دن پہلے کچھ نوٹ کیا تھا۔

"دو دن پہلے آنے والی ان دو عورتوں نے بھی ایک عورت کا ہی ذکر کیا تھا۔ وہ بھی اسکول ٹیچر تھی مگر کہاں؟ یہ وہ نہیں جانتی تھیں ہاں وہ نام جانتی تھیں۔ فاطمہ۔ انہیں عورت سے زیادہ اس کے بچوں میں دلچسپی تھی مگر وہ ان کے نام نہیں جانتی تھیں۔ آج آنے والی عورت نے اسے تین نام دیے تھے۔ ان عورتوں کو فاطمہ کے دونوں چھوٹے بچوں میں دلچسپی تھی۔ اس عورت کو بڑے میں۔

وہاں بیٹھے ہوئے اس آدمی کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دونوں ایک ہی معاملے کی کڑیاں تھیں اور وہ دونوں عورتیں فاطمہ نامی ایک ہی عورت کو تلاش کر رہی تھیں اور اب اسے فاطمہ نامی اس عورت کے بارے میں مزید معلومات اکٹھی کرنا تھیں۔

☆☆☆

"السلام علیکم، آنٹی گھر پر ہیں؟" دروازہ شہیر نے کھولا تھا اور صبغہ نے کسی تمہید کے بغیر فوراً فاطمہ کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"جی وہ گھر پر ہیں۔ آپ اندر آجائیں۔" شہیر نے دروازے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے کہا۔ صبغہ اندر داخل ہو گئی۔

"آپ کمرے میں چلی جائیں۔ وہ نماز پڑھ رہی ہیں۔" شہیر نے اس کے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"جی!" صبغہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اب دوسرے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ صبغہ کو ایک بار پھر اس کی شباہت نے عجیب سا احساس دیا۔ اسے یقین تھا وہ شہیر کو پہلے کہیں دیکھ چکی ہے۔

وہ کمرے میں داخل ہو گئی فاطمہ نماز تقریباً ختم کرنے والی تھی۔ صبغہ کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ فاطمہ نے چند لمحوں کے بعد سلام پھیرا۔

"السلام علیکم آنٹی!" صبغہ نے اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، کیسی ہو صبغہ؟"

"میں ٹھیک ہوں، ہماری لائٹ چلی گئی ہے۔ باقی محلے میں ہے۔ میں الیکٹریشن کو بلوانا چاہتی ہوں۔" صبغہ نے اپنا مسئلہ بتایا۔

"فیوز اڑ گیا ہوگا۔" "الیکٹریشن کی ضرورت نہیں۔ شہیر فیوز لگا دیتا ہے۔" فاطمہ نے جائے نماز سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں آنٹی! آپ انہیں ڈسٹرب نہ کریں۔ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ الیکٹریشن کا فون نمبر یا جگہ بتا دیں میں جا کر اسے لے آتی ہوں۔" صبغہ نے کہا۔

"بیٹا یہ اتنا بڑا کام نہیں ہے کہ اس کے لیے الیکٹریشن کی ضرورت پڑے۔" فاطمہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"اور پھر اندھیرا ہو چکا ہے اس وقت تم الیکٹریشن کو لینے جاؤ گی۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

"شبیر بیٹا! ذرا صبغہ کے ساتھ چلے جاؤ۔ ان کے گھر کا فیوز اڑ گیا ہے۔ اسے لگا دو۔" صبغہ نے وہاں بیٹھے ہوئے ساتھ والے کمرے میں فاطمہ کو شبیر سے کہتے سنا۔

"میں چلا جاتا ہوں، آپ نے ثمر سے ثانی کو لانے کے لیے کہہ دیا ہے؟"

"نہیں، ابھی آتا ہے تو پھر بھیجتی ہوں۔ بس آنے ہی والا ہوگا۔" فاطمہ نے کہا اور دوبارہ اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

صبغہ تب تک کھڑی ہو چکی تھی۔ "جاؤ بیٹا! میں نے شبیر سے کہہ دیا ہے، وہ دیکھ لے گا۔" فاطمہ کہتے ہوئے دوبارہ جائے نماز کی طرف بڑھ گئی۔ صبغہ اسے سلام کر کے باہر صحن میں آ گئی۔

چند منٹوں بعد ہاتھ میں تار کا ٹکڑا لیے شبیر آ گیا۔ "آئیے۔" اس نے صبغہ سے کہتے ہوئے اور اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ صبغہ کے ساتھ اس کے گھر داخل ہوا تو منیزہ صحن میں ہی کھڑی تھیں۔ منیزہ نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں صبغہ کو شبیر کے ساتھ آتے دیکھا۔ شبیر نے رکی سے انداز میں انہیں سلام کیا۔

"ممی! یہ شبیر ہیں۔ فاطمہ آنٹی کہہ رہی تھیں کہ فیوز اڑ گیا ہوگا۔ شبیر ٹھیک کر دیں گے۔" شبیر منتظر تھا کہ صبغہ بیٹری لے کر اس کے پاس آئے تو وہ اپنا کام شروع کرے۔ منیزہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور بیٹری صبغہ کو تھما کر اندر کمرے میں چلی گئیں۔

شبیر تب تک دیوار پر لگے فیوز باکس کی طرف جا چکا تھا صبغہ بیٹری لے کر اس کے پاس کھڑی ہو گئی۔ فیوز واقعی اڑا ہوا تھا۔ شبیر کو فیوز لگاتے ہوئے ایک دو چیزوں کی ضرورت پڑی۔ صبغہ بیٹری اسے تھما کر اندر آتی جاتی رہی۔ شبیر کو فیوز لگانے میں چند منٹ لگے تھے۔ ایک جھماکے کے ساتھ صحن میں لگا بلب روشن ہو گیا۔

لائٹ آتے ہی منیزہ کمرے میں آن ٹارچ بند کرتے ہوئے باہر نکل آئیں۔

"آپ بیٹھیں، میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔" صبغہ نے رسماً شبیر سے کہا۔

"نہیں شکریہ، اس کی ضرورت نہیں۔" اس نے کہا اور بیرونی دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

صبغہ مڑی تو اس نے منیزہ کو صحن میں کھڑے دیکھا۔

"آپ کو اسے بیٹھنے کے لیے کہنا چاہیے تھا۔"

"کیوں؟ اس سے ہمارا کیا رشتہ ہے جو میں اسے بیٹھنے کے لیے کہتی۔" منیزہ نے تیکھے انداز میں کہا۔ "اور تمہیں اسے چائے کی دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں نے اسے چائے کی دعوت نہیں دی تھی صرف چائے کا پوچھا تھا۔" صبغہ ہلکی سی خفگی کے ساتھ بولی۔

اپنے صحن میں قدم دھرتے شبیر کے پاؤں رک گئے۔ وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو آسانی سے سن سکتا تھا۔

"چائے کا پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔" منیزہ نے اسی انداز میں کہا۔

"ممی! اس نے گھر آ کر ہماری مدد کی۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم۔" منیزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں نے تمہیں ان کے گھر اس لیے بھیجا تھا کہ تم الیکٹریشن کا پوچھ کر آؤ، یہ نہیں کہا تھا کہ تم ان کے بیٹے کو لے آؤ۔"

"فاطمہ آنٹی نے خود بھیجا تھا اسے، وہ کہہ رہی تھیں کہ معمولی کام ہے۔ شبیر کر دے گا۔"

"تمہاری اس فاطمہ آنٹی کو ہم سے ضرورت سے زیادہ ہمدردی ہے۔ انہیں تو موقع ملنا چاہیے ہماری مدد کرنے کا۔" منیزہ نے قدرے تنفر سے کہا۔

"آپ کو ایسے نہیں کہنا چاہیے ممی! وہ اچھی خاتون ہیں۔ اگر وہ ہماری مدد نہ کرتیں تو کتنے مسائل پیدا ہو جاتے اس محلے میں ہمارے لیے۔" صبغہ نے قدرے جتانے والے انداز میں کہا۔

"ان کی وجہ سے کوئی زندگی اور قسمت بدل نہیں گئی ہماری اور تمہیں اتنا احسان مند ہونے کی ضرورت ہے نہ ہی ان سے

اپنے تعلقات بڑھانے کی۔" منیزہ نے تنبیہ کرنے والے انداز میں کہا۔

"وہ ہمارے برابر کے لوگ نہیں ہیں، اس محلے میں آ کر رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ان جیسے ہو گئے ہیں۔"

"یہاں بھی انسان رہتے ہیں ممی! اور انسانوں میں کیٹیگریز نہیں ہوتیں۔"

"خاندانوں میں تو ہوتی ہیں ہاں اور ہم کم از کم خاندانی لوگ ہیں۔"

"آپ بے کار کی بحث کر رہی ہیں ممی! میں نے آپ سے صرف یہ ریکویسٹ کی تھی کہ کوئی بھی اگر ہمارے لیے کچھ کرے تو اس کا شکریہ ادا کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہوتا۔" صبغہ نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

"آپ اگر ہارون کمال کو اس کی خدمتوں کے لیے سراہ سکتی ہیں تو پھر ہمارے آس پاس رہنے والے لوگوں کو بھی......"

"تم ہارون کمال کا مقابلہ ان لوگوں سے کر رہی ہو؟"

"میں کسی کا مقابلہ کسی سے نہیں کر رہی۔ میں صرف رویے کی بات کر رہی ہوں۔ اس بات کو ختم کریں اب۔" صبغہ نے بیزاری سے کہا اور اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ بے حد جھنجلائی ہوئی تھی۔

دیوار کے دوسری طرف صحن میں کھڑے شبیر نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی اور اسے بے حد غصہ آیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے خاندان اور برابری کی بات سنی تھی اور وہ بھی کسی ایسی عورت کے منہ سے جو اسی جیسے ایک مکان میں اسی کے محلے میں رہائش پذیر تھی۔

دو کمرے کے ایک گھر میں ساری زندگی گزارنے کے باوجود اس نے اس محلے میں اپنی ماں کی وجہ سے بے پناہ عزت پائی تھی۔ لوگ فاطمہ کے بچوں کا فاطمہ کی وجہ سے احترام کرتے تھے اور اس کے بعد ان کے اپنے کردار کی وجہ سے ان کی قدر۔ اس نے کبھی یہاں کسی سے یہ نہیں سنا تھا کہ اس کا خاندان کسی کے خاندان سے کمتر تھا جبکہ اسی محلے میں بہت صاحب حیثیت لوگ بھی رہتے تھے اور آج پہلی بار وہ اس گھر میں اپنے خاندان کے حوالے سے گفتگو سن رہا تھا جن کی فاطمہ پچھلے کئی ہفتوں سے وقتاً فوقتاً مدد کرتی آ رہی تھی اور وہ گھر اس مدد کو کس رنگ میں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت وہاں کھڑے اس کے دل میں منیزہ کے لیے میل آ گیا تھا۔

☆☆☆

"میں نے سوچا، میں دیکھ کر تو آؤں۔ اتنے ہفتے ہو گئے سب کچھ کیسا چل رہا ہے؟"

صفدر کی بیوی اس دن منیزہ کے ہاں آئی ہوئی تھیں گھر کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اب وہ منیزہ کے پاس کمرے میں بیٹھی تھیں۔

صبغہ اس وقت گھر پر موجود نہیں تھی جبکہ زارا اور رابعہ اسکول گئی ہوئی تھیں۔ صرف امبر گھر پر تھی اور وہ چائے بنا رہی تھی۔

"گھر ٹھیک ہی ہے، تم لوگوں کے لیے تو کافی ہے۔"

منیزہ نے سر ہلا دیا۔ دو کمرے ان کے سرونٹ کوارٹرز میں ہوتے تھے اور وہ انہیں اس طبقے کے لیے بھی کافی نہیں سمجھتی تھیں اور اب وہ انہیں بتا رہی تھیں کہ دو کمرے ان کے لیے بہت کافی تھے۔

"محلہ بھی مجھے ٹھیک ٹھاک ہی لگ رہا ہے۔ اتنے کم پیسوں میں اتنا اچھا مکان آج کل کہاں ملتا ہے۔" منیزہ نے اس بار بھی کچھ کہنے کی بجائے صرف سر ہلا دیا۔

"صبغہ کہاں ہے نظر نہیں آ رہی؟" انہیں یک دم صبغہ کا خیال آیا۔

"وہ کسی کام سے باہر گئی ہوئی ہے۔"

"جاب مل گئی اسے؟"

"نہیں ابھی ڈھونڈ رہی ہے۔"

"ہاں جاب ملنا بھی تو آج کل بہت مشکل ہے۔ اتنے کوالیفائیڈ لوگوں کو نہیں ملتی اس نے تو صرف اے لیولز کیا ہوا ہے۔"

منیزہ ان کے اس تبصرے پر کٹ کر رہ گئیں۔
"تم اس سے کہو کہیں ریسپشنسٹ یا سیکریٹری کی جاب کر لے آج کل صرف یہ جاب ہے جو آسانی سے مل جاتی ہے کم پڑھی لکھی لڑکیوں کو۔ بس اس جاب میں مسائل بڑے ہوتے ہیں لیکن مجبوری میں انسان کیا نہیں کرتا۔"
منیزہ نے اس بار بھی ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔
"اور سنا ہے زارا اور رابعہ کا اسکول تبدیل کر دیا تم نے؟ مجھے عائشہ نے بتایا تھا۔" انہوں نے اپنی بیٹی کا نام لیتے ہوئے کہا جو رابعہ اور زارا کی کلاس فیلو تھی۔
"ہاں، اب اتنا مہنگا اسکول افورڈ کرنا مشکل تھا پھر ہمارے گھر سے بہت فاصلے پر تھا۔" منیزہ نے بالآخر خاموشی توڑی۔
"اچھا کیا تم نے، جتنی بچت تم لوگ کر سکتے ہو تمہیں کرنا چاہیے کل کو کام آئے گی۔ چار بیٹیوں کو بیاہنا آسان کام تو نہیں۔"
"تب ہی امبر چائے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی۔ صفدر کی بیوی کی توجہ امبر کی طرف مبذول ہو گئی۔
"ارے، امبر چائے بنا رہی تھی؟ چائے بنانا آتا ہے امبر کو؟ یا ابھی سیکھی؟" انہوں نے بے حد تعجب کا اظہار کرتے ہوئے امبر سے پوچھا۔
"چائے بنانا پہلے بھی آتی تھی مجھے۔" امبر نے مدھم آواز میں ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
"لیکن پہلے کبھی میں نے تمہیں بناتے نہیں دیکھا اس لیے حیران ہو رہی تھی میں۔" صفدر کی بیوی نے بڑی معصومیت سے کہا۔
"امبر آج کل کیا کر رہی ہے؟"
"کچھ نہیں گھر پر ہی ہوتی ہے۔" منیزہ نے امبر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہا" کھانا وغیرہ بھی بنا لیتی ہو گی پھر تو؟"
"نہیں وہ میں ہی بناتی ہوں۔" منیزہ نے ایک بار پھر مداخلت کی۔ امبر خاموشی سے چائے بنانے میں مصروف رہی۔
"گھر میں بے کار بٹھائے رکھنے کا کیا فائدہ ہے۔ تمہیں اب امبر کے لیے رشتہ ڈھونڈنا چاہیے۔"
امبر نے چائے بناتے بناتے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔
"ابھی تو گھر تبدیل کیا ہے۔ کچھ سیٹ ہو جائیں پھر میں یہ کام بھی کروں گی۔" منیزہ نے جلدی سے کہا۔ امبر نے کپ ان کی طرف بڑھا دیا۔
"اب جتنی جلدی یہ کام کر سکتی ہو، کرو۔" صفدر کی بیوی نے کپ پکڑتے ہوئے کہا۔
"ارے ہاں، طلحہ کی شادی ہو رہی ہے۔ تمہیں پتہ ہے؟"
امبر کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ صفدر کی بیوی کے لہجے میں بلا کا اطمینان تھا۔ منیزہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکیں۔ انہوں نے ایک نظر امبر کو دیکھا جس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور وہ صفدر کی بیوی کی طرف دیکھ رہی تھی پھر انہوں نے صفدر کی بیوی کو دیکھا جو اب اطمینان کے ساتھ چائے کے گھونٹ لے رہی تھیں۔
"نہیں، مجھے نہیں پتا۔" منیزہ نے بمشکل کہا۔
"ہاں واقعی، تمہیں کیسے پتا ہو گا۔ تم لوگ تو یہاں آ کر سب سے کٹ کر ہی رہ گئے ہو۔" صفدر کی بیوی نے بات جاری رکھی۔
"جب ہم سے ان کا رشتہ ختم ہو گیا تو پھر وہ اس کی شادی کریں نہ کریں ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔" منیزہ نے اس بار قدرے تلخی سے کہا۔
"ہاں، میں سمجھتی ہوں۔ لیکن میں تو تمہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ اس کی شادی سعدیہ سے ہو رہی ہے۔"
"کون سعدیہ؟" منیزہ کے منہ سے بے اختیار نکلا حالانکہ یہ سوال نہیں تھا۔ وہ جانتی تھیں سعدیہ کون تھی۔
"ارے تمہاری نند کی بیٹی، امبر کی بڑی دوست تھی اس کے ساتھ کالج میں دونوں اکٹھے ہی تو پڑھتی تھیں۔" صفدر کی بیوی

نے جتانے والے انداز میں امبر کو دیکھا۔ اس بار منیزہ کچھ نہیں بول سکیں۔ امبر کا چہرہ کچھ اور سفید ہو گیا تھا۔ محمل کا سہارا لیتے ہوئے وہ اٹھی اور کسی معمول کی طرح کمرے سے نکل گئی۔

"آپ کو امبر کے سامنے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔" منیزہ نے اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد کہا۔

"اب تو سال سے بھی زیادہ ہو گیا اس کی طلاق کو اب کیا فرق پڑتا ہے۔ امبر تو بھول گئی ہوگی یہ سب کچھ۔" صفدر کی بیوی کے لہجے میں بلا کا بھولپن تھا۔

"ہاں وہ سب کچھ بھول گئی ہے پھر بھی آپ کو یہ سب کچھ اس کے سامنے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ہم اس کے سامنے طلحہ کا ذکر نہیں کرتے۔" منیزہ کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔

"اگر میں یہ سب نہ کہتی تو کوئی اور یہ سب کہہ دیتا اب ساری دنیا تو طلحہ کا ذکر کرنا بند نہیں کر سکتی۔" صفدر کی بیوی کے لہجے میں بھی ہلکی سی خفگی آ گئی۔ "ہمیں تو انہوں نے شادی میں بھی بلایا ہے۔ مگر تمہارے بھائی کو تمہارا اور اپنی بھانجیوں کا خیال تھا اس لیے ہم لوگ شادی پر نہیں جا رہے۔ ویسے میں نے سنا ہے منصور اور مسعود کی صلح ہو گئی ہے اور منصور اور رخشی اس شادی میں جا رہے ہیں۔" منیزہ کی ہمت اب جواب دے رہی تھی۔ مگر صفدر کی بیوی اطمینان سے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھی پھر چائے کا کپ رکھ کر اس نے اپنا بیگ کھولا۔

"ہاں، یہ منصور نے تمہارے اور بچوں کے لیے ایک چیک بھجوایا ہے۔ اس کا پیغام بھی تھا کہ وہ ہر ماہ بچوں کے لئے کچھ رقم بھجواتا رہے گا۔" انہوں نے ایک لفافہ نکال کر منیزہ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ چپ چاپ اس لفافے کو گھورتی رہیں۔

"تم اگر مجھے اپنا ایڈریس دے دو تو وہ یہ چیک براہ راست یہاں پہنچا دیا کرے گا۔" صفدر کی بیوی نے اپنا بیگ بند کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو خوشی ہوئی کہ اس میں ابھی بھی ضمیر نام کی کوئی چیز باقی ہے ورنہ پچھلے ایک ڈیڑھ سال میں اس نے جو کچھ کیا ہے۔۔۔" وہ بات کرتے کرتے رکیں پھر اچانک پوچھا۔ "تم نے فون لگوا لیا یا نہیں؟"

"نہیں، فون کی کیا ضرورت ہے ہمیں؟" منیزہ نے تلخی سے کہا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، جتنی بچت ہو سکے تمہیں کرنی چاہیے۔" صفدر کی بیوی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"میں اب چلتی ہوں دیر ہو رہی ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا مجھے۔ تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ ماہانہ خرچہ کی تو خیر اب تمہیں ضرورت نہیں رہی مگر پھر بھی تمہارے بھائی کہہ رہے تھے کہ تم سے پوچھ لوں۔"

صفدر کی بیوی نے جاتے جاتے منیزہ کو بتا دیا تھا کہ وہ اب انہیں ماہانہ خرچ کے نام پر چند ہزار روپے بھی نہیں بھجوائیں گے جن کا صفدر نے پہلے وعدہ کیا تھا۔

صفدر کی بیوی کے جانے کے بعد منیزہ دوسرے کمرے میں آ گئیں۔ امبر اپنے بیڈ پر چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ منیزہ اس کے پاس جا کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ اپنا ہاتھ اس کے بازو پر رکھتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مت سوچو کچھ بھی۔"

امبر نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا وہ اسی طرح چھت کو گھورتی رہی۔

"تمہاری شادی کسی بہت اچھی جگہ ہوگی۔۔۔۔ طلحہ سے بھی اچھے لڑکے کے ساتھ اچھا ہوا تمہاری جان اس گھٹیا خاندان سے چھوٹ گئی۔ دیکھو، میں نے ساری عمر اس خاندان میں گزار دی اس خاندان نے بڑھاپے میں مجھے کیا دیا، طلاق کا داغ۔ تمہیں تو اللہ نے بچا لیا۔"

"ہاں مجھے تو اللہ نے بچا لیا۔۔۔۔ مجھے تو طلاق نہیں ہوئی۔" وہ آہستگی سے بڑبڑائی۔ منیزہ کچھ بول نہیں سکیں۔ امبر نے ان کی طرف دیکھا۔

"مجھے بھی اللہ نے نہیں بچایا۔ آپ نے زندگی میں یہ سب کچھ دیکھنے سے پہلے کچھ اچھا وقت تو گزارا۔۔۔۔ میں نے زندگی

میں کیا پایا۔ ذلت اور رسوائی۔ دھوکا اور فریب بس؟ ہر رشتے سے، چاہے وہ دوست ہو یا باپ مجھ پر تو کسی نے رحم نہیں کیا۔" وہ مدھم آواز میں بولتی جارہی تھی۔ "بعض دفعہ مجھے لگتا ہے کہ یہ پوری دنیا گدھوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ کے آس پاس چاروں طرف بس گدھ ہی گدھ ہوتے ہیں۔ اور انتظار کرتے ہیں کہ وہ کس وقت آپ پر جھپٹ کر آپ کا کتنا گوشت نوچ سکتے ہیں۔"

منیزہ نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ امبر کبھی ایسی باتیں نہیں کرتی تھی۔

"زرشی تو خراب خاندان کی تھی۔ غربت تھی اس لیے وہ پاپا پر جھپٹی مگر سعدیہ وہ تو اچھے خاندان کی تھی، میری دوست تھی پھر اسے کیا ہوا؟" اس کا لہجہ تلخ ہو رہا تھا۔ "اس کو پتہ ہے طلحہ سے میں کتنی محبت کرتی تھی اور خود وہ مجھ سے کتنی محبت کرتا تھا پھر اس نے طلحہ سے شادی کرنے سے پہلے یہ کیوں نہیں سوچا کہ وہ کبھی میری دوست رہ چکی ہے۔"

"دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہوتا، سارے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" منیزہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ "لحاظ یا مروت نام کی شے کہیں نہیں پائی جاتی اور اعتبار واعتماد، اس کا تو کہنا ہی کیا۔" منیزہ کے لہجے میں تلخی تھی۔ انہیں اب اپنی زندگی یاد آرہی تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے میں سعدیہ کے پاس جاؤں اسے جاکر....."

منیزہ نے امبر کی بات کاٹ دی۔ "وہ تمہیں دیکھ کر کیا طلحہ سے شادی سے انکار کردے گی؟ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صرف کچھ اور زبانوں پر تمہارا نام آجائے گا۔ وہ سعدیہ سے شادی کرے یا کسی اور سے، ہم لوگوں کو کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں سوچنا تک نہیں چاہیے۔"

منیزہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ امبر کچھ دیر چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی پھر آہستگی سے بولی۔ "کیا آپ پاپا کو مکمل طور پر بھول چکی ہیں؟ کیا آپ ان کے بارے میں بھی سوچتی تک نہیں؟" مدھم آواز میں کیے گئے دو سوالوں نے منیزہ کو بالکل خاموش کر دیا۔ وہ کچھ دیر امبر کو دیکھتی رہیں پھر ان کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

☆☆☆

"ہیلو ثمر! کیسے ہو؟" ثمر نے مڑ کر دیکھا وہ نایاب تھی۔ ان دونوں کا سامنا کئی ماہ کے بعد ہو رہا تھا اور ثمر اس بے تکلفی پر حیران تھی جس سے وہ اسے مخاطب کر رہی تھی۔ وہ فورٹریس اسٹیڈیم کے باہر لگی ہوئی ایگزیبیشن دیکھنے کے لیے آیا تھا جب نایاب نے یک دم اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ اس دن اکیلی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟" ثمر نے جواباً کہا۔

"ویری فائن۔" نایاب نے اسی بے تکلفی سے کہا۔ "تم تو غائب ہی ہو گئے۔ اتنے ماہ سے کہاں تھے؟"

"ایگزامز میں بزی تھا۔"

"ہاں یاد آیا تم نے اس وقت بتایا تھا کہ پری انجینئرنگ کر رہے تھے۔ کیسے ہوئے پیپرز؟"

"اچھے ہو گئے۔" ثمر نے مختصراً کہا۔

"گڈ، میرے بھی اچھے ہو گئے۔"

"پری انجینئرنگ؟"

"نہیں بھئی، اے لیولز۔ میں نے بتایا تھا تمہیں۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"ہاں تمہیں کیوں یاد رہے گا، تم ایک مشہور ماڈل جو بن گئے ہو۔" اس بار ثمر ہنسا۔

"مشہور کہاں ہوں دو کمرشل کیے ہیں مشہور ہوتا تو اس وقت میں اس پبلک پلیس میں کھڑا یوں آپ سے باتیں نہ کر رہا ہوتا۔"

"کیوں؟" نایاب نے حیرت سے پوچھا۔

"کیونکہ میں لوگوں کو آٹو گراف دینے میں مصروف ہوتا اور آپ کو avoid کرتا۔ آخر میں آپ کو جانتا ہی کتنا ہوں اور

مشہور شخصیات کی یادداشت تو ویسے بھی کمزور ہوتی ہے۔" ثمر نے سنجیدگی سے کہا تو نایاب بے اختیار ہنس دی۔
"ارے تم میں تو واقعی کافی حد تک مشہور ہونے کے، اس کا مطلب ہے تم سے ذرا زیادہ واقفیت حاصل کرنا پڑے گی تاکہ تم کل کو بند کیے ہوئے کی ٹکڑی میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" ثمر مسکرادیا اسے نایاب سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا۔
"اکیلے آئے ہو؟ یا تمہارے بہن بھائی ساتھ ہیں؟" نایاب نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"آپ اکیلی آئی ہیں یا آپ کے ممی پاپا ساتھ ہیں؟"
نایاب نے ایک نظر اسے دیکھا پھر یک دم ہنسی۔ "یہ کیا بات ہوئی وہ کیا ہر وقت میرے ساتھ ہوتے ہیں؟"
"تو یہی بات میں بھی تو کرسکتا ہوں، میرے بہن بھائی کیا ہر وقت میرے ساتھ ہوں گے؟"
"یعنی اس وقت نہیں ہیں؟"
"نہیں۔"
"گڈ، اس کا مطلب ہے کچھ دیر ہم اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ دیکھو نا بعد میں تو تم مشہور ہو جاؤ گے پھر کہاں تم ایسے ویسوں کو وقت دو گے۔"
وہ اب اسے چھیڑ رہی تھی۔ ثمر نے اس بار کچھ نہیں کہا وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔
"تم کیا خریدنے آئے تھے؟" نایاب نے چلتے چلتے اس سے پوچھا۔
"کچھ خاص نہیں، میں صرف وقت ضائع کرنے آیا تھا۔" ثمر نے اطمینان سے جواب دیا۔
"پھر کتنا ضائع کیا؟"
"جب انسان وقت ضائع کر رہا ہو تو پھر اس کا بھی حساب کیوں رکھے کہ کتنا ضائع کیا۔"
نایاب مسکرائی۔ "اچھا کتنا ضائع کرو گے؟"
"آپ کتنی دیر مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہیں؟" اس بار نایاب نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔
"تم سے باتوں میں جیتنا بہت مشکل ہے۔"
"صرف باتوں میں؟" ثمر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔
"تم بتاؤ اور کس کس چیز میں جیتنا مشکل ہے؟"
"لسٹ لمبی ہے، آپ تھک جائیں گی۔" ثمر بے ساختہ بولا۔
"میں سننے کے موڈ میں ہوں۔"
"مگر میں سنانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ آپ کچھ کھائیں گی؟" اس نے یکدم پوچھا۔
"مثلاً کیا؟" نایاب نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔
"یہ تو آپ طے کریں گی کہ آپ کیا کھائیں گی؟"
"تم مینو تو بتا سکتے ہو؟"
"میں ویٹر نہیں ہوں۔"
"دوست تو ہو۔"
"وہ بھی فی الحال نہیں ہوں"
"شناسا تو ہو۔"
"ہاں وہ ہوں مگر شناسا کھانے کی فہرست نہیں بتایا کرتے۔"
"اگر شناسا کچھ کھلانے کی آفر کرسکتے ہیں تو پھر یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ وہ کیا کھلانا چاہتے ہیں۔"
اس بار ثمر نے بے اختیار سر کھجایا۔ نایاب بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

"چلیں..... آپ نے چونکہ مجھے لاجواب کر دیا ہے اس لیے میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ میرا مینو کیا ہے چاٹ، گول گپے۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا نایاب نے روک دیا۔

"چاٹ چلے گی۔"

"ٹھیک ہے، چاٹ کھاتے ہیں۔" شر نے کہا اور نایاب کو لے کر چاٹ کے اسٹال پر چلا گیا۔

انہیں وہاں تقریباً آدھا گھنٹہ لگا تھا اور آدھ گھنٹے کے دوران ان دونوں نے جی بھر کر باتیں کی تھیں۔ آپس میں گفتگو کرتے ہوئے انہیں عجیب قسم کا احساس ہو رہا تھا نایاب کی بہت سے لڑکوں کے ساتھ دوستی تھی مگر جتنی آسانی اور بے تکلفی وہ شر سے گفتگو میں محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس نے پہلے کبھی کسی اور کے ساتھ محسوس نہیں کی تھی اور شر کی بھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں رہی تھی مگر جو جھجک وہ دوسری لڑکیوں کو دیکھتے یا ان سے بات کرتے ہوئے محسوس کرتا تھا، وہ اسے نایاب سے بات کرتے ہوئے نہیں ہو رہی تھی۔

وہ اپنے پہلے کمرشل کے دوران بھی اکٹھے کام اور باتیں کرتے رہے تھے مگر وہاں سیٹ پر اور بہت سے لوگ ہوتے تھے یہاں وہ پہلی بار اکیلے تھے جو باتیں وہ یہاں ایک دوسرے کے ساتھ کر رہے تھے، وہ کہیں اور نہیں کر سکتے تھے۔

آدھا گھنٹہ چاٹ کے اسٹال پر اور ایک گھنٹہ ایگزیبیشن میں ادھر ادھر گھوم کر وہ جس وقت وہاں سے باہر نکلے تو شام ہونے والی تھی۔

"میں تمہیں ڈراپ کر دوں؟" نایاب نے شر کو آفر کی۔

"نہیں، میں خود چلا جاؤں گا۔"

"کیوں میں ڈراپ کیوں نہیں کر سکتی۔ اب تو میں تمہاری دوست ہوں۔"

"ہاں مگر پہلے ہی دن دوستوں سے اس قسم کے کام نہیں لینے چاہئیں۔"

شر نے مسکراتے ہوئے فورٹریس کی پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"پھر تم اسے ہماری دوستی کا آخری دن سمجھو۔ آخری دن تو تم دوستوں سے ایسے کام لینے کے حق میں ہو۔"

اس بار شر اس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ زندگی میں پہلی بار آج کے بعد دیگرے نایاب کی باتوں پر کئی بار لاجواب ہوا تھا اور اسے لاجواب ہونے میں مزہ بھی آیا تھا۔

"ٹھیک ہے، اگر تم واقعی دوستی کا آغاز احسانات سے کرنا چاہتی ہو تو مجھے ڈراپ کر دو۔" شر نے کہا۔

"اور تمہارا اگر یہ خیال ہے کہ میں تمہارے اس جملے سے متاثر ہو کر یہ کہوں گی کہ ٹھیک ہے اب میں تمہیں ڈراپ نہیں کرتی تو تم غلطی کر رہے ہو میں پھر بھی تمہیں ڈراپ کر کے ہی آؤں گی۔ اگر دوستوں کو ایک دوسرے پر احسان نہیں کرنا تو اور کس پر کرنا ہے۔" نایاب نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

تم نے آج آخر کتنی بار مجھے شرمندہ کرنا ہے؟ شر نے بالآخر اس سے کہا۔

"تم اس سے پہلے کتنی بار ہوئے ہو؟" نایاب نے بے ساختگی سے پوچھا۔

"میں گنتی بھول چکا ہوں البتہ یہ یاد ہے کہ میری عمر تمہیں سے زیادہ بار ہی ایسا ہوا ہے۔"

"اچھا چلو، پھر ٹھیک ہے۔ یہ آخری بار تھا۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"دیکھا، آج میں نے تمہیں وقت ضائع کرنے میں کتنی مدد دی۔" گاڑی پارکنگ سے باہر لاتے ہوئے نایاب نے شر سے کہا۔ "تمہارا ڈیڑھ گھنٹہ ضائع کیا۔"

"نہیں۔" شر نے سنجیدگی سے کہا "ایک گھنٹہ اور چالیس منٹ۔"

وہ یک دم ہنسی۔ "چلو ہمارے ساتھ رہ کر کم از کم تم میں ایک تبدیلی تو آئی۔"

"وہ کیا؟" "اب تم نے ضائع ہونے والے وقت کا حساب تو رکھنا شروع کر دیا۔" وہ بے اختیار مسکرایا۔

"تم نے کہا تھا تم اب کم از کم آج کی تاریخ میں مجھے شرمندہ نہیں کرو گی۔"
"ہاں ہاں مجھے یاد آ گیا۔ اب خیال رکھوں گی۔" نایاب نے جلدی سے کہا۔
"تم مجھے یہ بتاؤ کہ آج کل کوئی اور کمرشل کر رہے ہو؟"
"ہاں کچھ دنوں تک ایک اور کمرشل شروع ہو گا۔ وہ تمہارے ساتھ ہی ہے۔"
"نہیں اس کا مجھے پتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ کوئی اور؟"
"نہیں فی الحال تو نہیں، مجھے اپنا پورٹ فولیو بنوانا ہے مگر وہ ابھی تک نہیں بنوا سکا۔ ایگزامز کی وجہ سے بزی تھا۔ اب بنواؤں گا۔"
"کہاں سے بنواؤ گے؟" نایاب نے پوچھا۔
"ذیشان صاحب نے ایک آدمی کا نام دیا ہے۔ اس کے پاس جاؤں گا۔"
"پھر آگے کیا کرو گے؟"
"میں این سی اے جانا چاہتا ہوں۔ گرافک ڈیزائننگ میں ڈگری لینا چاہتا ہوں۔"
"وںڈر فل میں بھی NCA میں ایڈمیشن لوں گی۔ تم کو اگر اس سلسلے میں کوئی مدد کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا۔"
"نہیں، مجھے امید ہے مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"
"دیکھتے ہیں تمہیں میری ضرورت پڑتی ہے یا نہیں۔" نایاب نے دعویٰ کرنے والے انداز میں کہا۔ "ویسے میں جب NCA جوائن کروں گی تو ماڈلنگ چھوڑ دوں گی۔ اس نے شہر کو اپنے آئندہ ارادے سے آگاہ کیا۔
"کیوں؟"
"کیونکہ میں ایک وقت میں دو کام نہیں کر سکتی اور پھر ماڈلنگ تو بس شوقیہ کر رہی ہوں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟"
"میں NCA چھوڑ دوں گا ماڈلنگ نہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ یہ میرا کیریئر ہے۔"
"شوبز؟"
"ہاں شوبز، مجھے اسی میں اپنا کیریئر بنانا ہے۔"
"یعنی پروفیشنل ماڈل بننا ہے؟"
"صرف ماڈل نہیں ایکٹر بھی۔"
"تو پھر NCA میں جانے کا کیا فائدہ؟"
"کوئی فائدہ نہیں مگر میری امی چاہتی ہیں کہ میں تعلیم مکمل کروں تو مجھے بس وعدہ پورا کرنا ہے۔"
"اچھی بات ہے مگر میں تو اسے بہت جلد چھوڑ دوں گی۔ اب پھر تمہیں یہ آفر کروں گی کہ تمہیں کوئی مدد کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا۔ تو تمہیں برا لگے گا اور تم کہو گے کہ تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"
"نہیں، مجھے برا نہیں لگے گا مگر میں کہوں گا یہی کہ مجھے ضرورت نہیں پڑے گی۔"
"میں سمجھتی ہوں تم میں اتنا ٹیلنٹ ہے شہر کہ تمہیں واقعی کسی کی مدد کی زیادہ ضرورت نہیں پڑے گی۔" نایاب نے یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔
"تم بڑی آسانی سے ٹاپ ماڈل اور ایکٹر بن سکتے ہو۔"
شہر مسکرایا۔ "تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گی کہ مجھے جانا کہاں ہے؟"
"اوہ سوری۔ میں نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ تمہارا گھر کہاں ہے؟" نایاب کو یک دم خیال آیا۔

ثمر اسے اپنا ایڈریس بتانے لگا۔ ''تمہیں مشکل ہوگی نایاب! اندرون شہر تم کبھی نہیں گئی ہوگی۔ بہتر ہے تم مجھے بس اسٹاپ پر اتار دو۔ میں چلا جاؤں گا۔'' ثمر نے ایک بار پھر کہا۔

''جہاں انسان کبھی نہ گیا ہو وہاں ضرور جانا چاہیے۔ اور پھر میں نے تمہارے گھر پہ جانے کی ٹھان لی ہے۔'' نایاب نے بے تکلفی سے کہا۔

''کیا؟'' ثمر یک دم گڑبڑایا۔

نایاب بے اختیار ہنسی۔ ''سوری۔ یہ آخری بار تھا۔ مت چلانا چاہئے صرف ڈراپ کروں گی تمہیں۔''

''میں نے سوچا شاید تم آج مجھے جوتے کھلوانے کا ارادہ رکھتی ہو۔'' ثمر بھی مسکرانے لگا۔

''کیوں؟'' نایاب نے بھنویں اچکاتے ہوئے پوچھا۔

''میں جس علاقے میں رہتا ہوں وہاں اگر میں شام کے وقت جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس کوئی لڑکی اپنے ساتھ گھر لے کر جاؤں گا تو کئی لوگوں کی انگلیاں مجھ پر اٹھیں گی اور پھر ہمارے گھر کا ماحول بھی اتنا لبرل نہیں ہے کہ میں اپنی امی سے جا کر کہوں کہ ان سے ملیں یہ ہے نایاب، میری دوست۔''

''مگر تم کرشلز میں کام کر رہے ہو۔''

''کمرشلز میرے گھر پر نہیں ہوتے نایاب! ابھی کوئی میرے محلے میں یہ جانتا ہے کہ میں نے کمرشلز میں کام شروع کر دیا ہے۔''

''ہوں مجھی۔'' نایاب بھی کچھ سنجیدہ ہوگئی۔ ''تو کیا تم اسی لیے مجھے بار بار منع کر رہے ہو کہ میں تمہیں چھوڑنے نہ جاؤں؟''

ثمر نے اس بار گہرا سانس لیا۔ وہ بلاشبہ بے حد ذہین تھی۔

''ہاں میں وہاں تمہاری گاڑی سے اتروں گا تو یہ مناسب نہیں لگے گا۔'' ثمر نے کہا۔

''ٹھیک ہے، میں تمہیں تمہارے علاقے کے قریب کسی بس اسٹاپ پر اتار دوں گی۔ تم مجھے بتا دینا جہاں تمہیں مناسب لگے۔'' نایاب نے اس بار فراخدلی سے کہا۔

''تمہارا کوئی فون نمبر ہے؟''

''نہیں۔''

''اور میرا فون نمبر، وہ ہے تمہارے پاس؟''

''نہیں، وہ بھی نہیں ہے۔''

''اچھا پھر نوٹ کرو۔'' وہ اپنا موبائل نمبر ثمر کو لکھوانے لگی۔

ثمر کے کہنے پر ایک بس اسٹاپ کے پاس اس نے گاڑی روک دی۔

''ثمر! میرا بہت اچھا وقت گزرا ہے تمہارے ساتھ'' ثمر خدا حافظ کہتے ہوئے دروازہ کھولنے لگا تو نایاب نے کہا۔ ''مجھے خوشی ہے آج مجھے ایک اور اچھا دوست ملا ہے۔''

ثمر نے جواباً مسکرا کر اسے دیکھا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔

نایاب کی گاڑی چند لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ ثمر بس اسٹاپ پر کھڑے لوگوں کے ہجوم کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' صبغہ نے دروازہ کھلنے پر منیزہ کا چہرہ دیکھتے ہی بے ساختہ پوچھا۔ منیزہ جواب دیے بغیر واپس مڑ گئیں۔ صبغہ نے دروازہ بند کرتے ہوئے منیزہ کو دیکھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' منیزہ نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ ''تم منہ ہاتھ دھو لو میں کھانا لے کر آتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

"نہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ میں نے ایک بیکری سے سینڈوچ لے لیا تھا۔" منیزہ نے کچن سے ہی کہا۔
"ایک سینڈوچ سے کیا ہوتا ہے۔ کئی دنوں سے تم اسی طرح دوپہر کا کھانا چھوڑ رہی ہو۔" منیزہ نے کچن سے ہی کہا۔
"ممی اب تو ویسے بھی شام ہو رہی ہے، رات کا کھانا ہی کھاؤں گی۔ ابھی کھانا کھاؤں گی تو رات کو نہیں کھا سکوں گی۔"
صبغہ نے بلند آواز میں منیزہ سے کہا۔ اپنا بیگ رکھتے ہوئے اس کی نظر امبر پر پڑی۔ جو بیڈ پر چت لیٹی تھی اس نے آنکھوں پر بازو رکھا ہوا تھا۔ صبغہ نے کرسی پر بیٹھ کر اپنے جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے حیرانی سے امبر کو دیکھا۔ شام کے پانچ بجنے والے تھے اور امبر اس وقت سویا نہیں کرتی تھی۔ صبغہ گھر آنے پر اکثر اسے ٹی وی دیکھتے یا کوئی کتاب پڑھتے ہوئے دیکھتی تھی مگر آج وہ سو رہی تھی یا ظاہر کر رہی تھی، اس نے صبغہ کے اندر داخل ہونے یا اس کی آواز پر بھی کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

صبغہ نے گھر میں داخل ہوتے پر منیزہ کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھی تھیں اور اب وہ امبر کو اس طرح چپ چاپ لیٹا دیکھ رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے جیسے خبردار کیا۔ امی نے یقیناً امبر سے ہارون کمال اور اس شاپنگ کے بارے میں بات کی ہوگی اور امبر منیزہ سے الجھ پڑی ہوگی۔ اس نے امبر کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا۔
پاؤں میں چپل اڑس کر وہ اپنے کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی۔ نہانے کے دوران بھی وہ مسلسل امبر کے بارے میں سوچتی رہی پتا نہیں منیزہ نے کس طرح بات کی تھی اور کیا کہا تھا اور امبر نے جواباً کس ردعمل کا اظہار کیا تھا۔ اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔
وہ واش روم سے باہر نکلی تو منیزہ صحن میں تھیں نہ ہی کچن میں۔ صبغہ نے امبر کے کمرے میں جھانکا وہ وہاں بھی نہیں تھیں۔ پھر وہ دوسرے کمرے میں چلی آئی۔ منیزہ، زارا اور رابعہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں اپنا ہوم ورک کر رہی تھیں۔
"آپ نے امبر سے کوئی بات کی ہے؟" صبغہ نے منیزہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔
"کیسی بات؟" منیزہ نے قدرے چونک کر اس سے پوچھا۔
"ہارون کمال اور شاپنگ کے بارے میں؟" صبغہ نے انہیں یاد دلایا۔
"نہیں۔" منیزہ نے سر ہلایا۔
"پھر امبر کو کیا ہوا ہے؟" صبغہ کو یک دم تعجب ہوا۔
"کیا ہوا ہے؟" منیزہ نے اس کا سوال دہرایا۔ صبغہ کو ان کا لہجہ عجیب سا لگا۔
"وہ اس وقت سو رہی ہے۔ عام طور پر تو اس وقت نہیں سوتی۔"
"ہاں عام طور پر تو اس وقت نہیں سوتی۔" منیزہ نے جیسے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔
"تو پھر اس کو اٹھاؤں۔ شام ہو رہی ہے۔"
"نہیں اسے سویا رہنے دو۔"
"کیوں؟ کیا طبیعت خراب ہے اس کی؟" صبغہ کو یک دم تشویش ہوئی۔
"نہیں، طبیعت تو ٹھیک ہے۔"
"پھر؟" صبغہ نے الجھی ہوئی نظروں سے منیزہ کا چہرہ دیکھا کچھ نہ کچھ یقیناً غلط تھا۔ منیزہ نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔
"یہ کیا ہے؟" صبغہ حیران ہوئی۔
"آج بھابھی آئی تھیں۔"
"اوہ۔۔۔" صبغہ نے بے اختیار کہا۔ "کیا انہوں نے کچھ کہا ہے۔ آپ سے یا امبر سے؟" صبغہ نے لفافہ تھامتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کیا کہیں گی۔ ان کی کہی ہوئی کوئی بات تو اب ہمیں بری بھی نہیں لگتی۔" منیزہ تلخی سے مسکرائیں۔ "ان کے پاس رہ کر عادت ہو گئی ہے، ہمیں یہ سب کچھ سننے کی۔ اب اتنے دنوں بعد اگر چند اور طنز کر گئی ہیں تو کیا برا ماننا۔"

صبغہ تب تک لفافہ کھول کر اس کے اندر سے چیک نکال چکی تھی۔ وہ پچیس ہزار کا چیک تھا۔

"پاپا نے بھجوایا ہے؟ کیا وہ آئے تھے یہاں؟" صبغہ نے بے اختیار کہا۔

"نہیں۔ بھابھی دے کر گئی ہیں۔ صفدر بھائی کے ہاں بھجوایا تھا اس نے۔" منیزہ نے بتایا۔

"تو کیا اس بات پر امبر کا موڈ آف ہوا ہے؟"

"نہیں، امبر کو تو میں نے ابھی اس چیک کے بارے میں بتایا ہی نہیں۔" منیزہ نے کہا صبغہ اب چیک واپس لفافے میں ڈال رہی تھی۔

"پاپا نے کس لیے بھجوایا ہے یہ چیک؟"

"تم لوگوں کے ماہانہ اخراجات کے لیے۔ وہ اب ہر ماہ اسی طرح ہمیں چیک بھجوایا کرے گا۔ پچیس ہزار کا چیک اس کے نزدیک ہماری ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اب جب ہم دو کمرے کے اس جھونپڑی نما گھر اور اس خستہ حال علاقے میں آ کر رہنے لگے ہیں اور بچوں کا اسکول تبدیل کروا دیا ہے تو اسے یاد آ گیا ہے کہ بچوں کے نام پر ہر ماہ کچھ نہ کچھ ہمیں خیرات کرنا اس کا فرض ہے۔"

"ممی! یہ بھی بہت ہے کہ انہیں خیال آ گیا ہے۔ وہ کچھ نہیں بھجوا رہے تھے تو ہم نے ان کا کیا بگاڑ لیا۔" صبغہ نے لفافہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ "جن حالات میں ہم رہ رہے ہیں پچیس ہزار ہمارے لیے بہت کافی ہیں۔ اگر پاپا ہر ماہ اتنی رقم ہمیں بھجواتے رہیں تو ہم بہت آسانی سے زندگی گزار سکیں گے بلکہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ بچا بھی لیا کریں گے۔" صبغہ کے چہرے پر اطمینان تھا۔

"پچیس ہزار سے کیا بچائیں گے؟" منیزہ کو صبغہ کی بات پر طیش آیا۔ "کیا ساری زندگی یہاں اسی علاقے میں رہ کر ہر ماہ میں پیسے جوڑتی رہا کروں گی اور تمہارا باپ اور اس کی دوسری بیوی ساری دنیا میں عیش کرتے پھریں گے۔"

"پاپا اگر پچیس ہزار ہمیں ہر ماہ بھجواتے رہیں تو ہم کسی بہتر علاقے میں جا سکیں گے، میں کوئی جاب کر لوں گی۔ حالات بہتر ہو جائیں گے ممی! بہرحال آج کا دن اچھا ہے۔"

صبغہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے کندھوں سے یک دم جیسے کوئی بوجھ اتر گیا تھا۔ ہر ماہ ایک معقول رقم آنے کا مطلب تھا کہ اس کو فوری طور پر کسی جاب کی ضرورت نہ پڑتی وہ اپنی تعلیم دوبارہ شروع کر سکتی تھی اور ساتھ پارٹ ٹائم کوئی چھوٹا موٹا کام بھی کر لیتی تو بھی انہیں کسی مالی مشکل کا شکار نہیں ہونا پڑتا۔

"میں نے تمہیں یہ چیک یہ بتانے کے لیے نہیں دیا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ آج کا دن اچھا ہے یا برا۔" اس کی بات منیزہ کو اور بری لگی۔ "میں نے تمہیں یہ چیک اس لیے دیا ہے کہ تم جا کر اسے منصور کے منہ پر مارو اور اس سے کہو کہ یہ خیرات ہمیں نہیں چاہیے۔"

صبغہ ہکا بکا منیزہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہمیں اس کی رقم کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ نے خود ہارون کمال سے کہا تھا کہ وہ پاپا کو مجبور کرے کہ وہ ہر ماہ ہمیں اخراجات کے لیے کچھ رقم دیں۔" صبغہ نے یاد دلایا۔ "اور اب جب انہوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا ہے تو آپ کو اس رقم کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ چاہتی ہیں یہ رقم ان کے منہ پر ماری جائے؟"

"منصور کے نزدیک پانچ افراد کے ماہانہ اخراجات صرف پچیس ہزار روپے ہیں۔ بس اتنا کافی ہے؟ جب ہم اس گھر میں رہتے تھے تب ساٹھ ستر ہزار روپے خرچ کرتی تھی میں۔ گھر کے یوٹیلیٹی اور گروسری کے بلز وہ خود دیا کرتا تھا اور اب جب سب کچھ ہمیں کرنا ہے تو بس پچیس ہزار۔" منیزہ غصے میں بات مکمل نہیں کر سکیں۔

"وہ "آپ" تھا کبھی، یہ "اب" ہے۔ ہم پاپا کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ہمیں اپنے اخراجات کے لیے اتنی رقم دیں جتنی وہ پہلے دیتے تھے۔" صبغہ نے رسانیت سے کہا۔ "ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ یہ یاد رکھیں کہ ہم "ہیں" اور ان کی ذمہ داری ہیں۔" وہ تحمل سے بولی۔

"اگر وہ شخص ہمیں ایک اچھے گھر میں نہیں رکھ سکتا تو پھر ایسے گھر میں رہ کر ہمیں اس کے ٹکڑوں پر پلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" منیزہ نے جیسے صبغہ کی سب باتوں کو رد کرتے ہوئے کہا۔

"ٹکڑے؟" "یہ ہیں کیا! ہمارا حق ہے۔ ہم پاپا کی اولاد ہیں۔ ہماری کفالت ان کی ذمہ داری بنتی ہے۔" صبغہ نے ماں کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

"ایسی کفالت کہ ہم چیزوں کے لیے ترسیں؟"

"ہم نہیں ترسیں گے۔ اگر اتنے روپے آ گئے ہیں تو پھر ہو سکتا ہے کچھ عرصے کے بعد پاپا کو خیال آئے کہ انہیں ہمیں کوئی گھر بھی لے دینا چاہیے۔ یا پھر اس رقم کو بڑھا دینا چاہیے۔ پھر آپ یہ بھی سوچیں کہ روشان بڑا ہو رہا ہے جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا تو ہو سکتا ہے وہ ہمیں سپورٹ کرے۔" صبغہ نے کہا۔

"روشان، وہ ہمیں سپورٹ کرے گا؟" منیزہ کے لہجے میں اب بھی تلخی تھی مگر اب ان کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔ "اس نے باپ کے ساتھ رہنے کو ماں کے ساتھ رہنے پر ترجیح دی۔ اتنے عرصے میں ایک بار ماں کو شکل دکھانے کی زحمت نہیں کی اور تم مجھے سبز باغ دکھا رہی ہو کہ وہ ہمیں سپورٹ کرے گا۔"

"اگر ہم کبھی یہ تصور نہیں کر سکتے تھے کہ وہ ہمیں اس طرح چھوڑ سکتا ہے تو پھر یہ تصور کیوں کریں کہ وہ دوبارہ کبھی ہم سے مل نہیں سکتا۔" صبغہ کی آواز بھی دھیمی ہو گئی۔ روشان کا اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لینا ایک جھماکے کے ساتھ اسے یاد آیا تھا۔

"میں کسی قیمت پر بھی اس رقم کو پاپا کو واپس نہیں کروں گی۔" صبغہ نے ٹیبل پر پڑا لفافہ اٹھاتے ہوئے حتمی انداز میں کہا۔

"اور آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ امبر کو کیا ہوا؟" صبغہ کو یک دم یاد آیا۔ "اگر اس کا موڈ اس بات پر آف نہیں ہے تو پھر؟"

"طلحہ کی شادی ہو رہی ہے۔" منیزہ نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ صبغہ کچھ بول نہیں سکی۔

"ان لوگوں کی منصور کے ساتھ بھی صلح ہو گئی ہے۔" منیزہ نے مزید اضافہ کیا۔

"آپ کو کس نے بتایا؟" صبغہ یک دم سنجیدہ ہو گئی وہ امبر کی کیفیت کا اندازہ کر سکتی تھی۔

"بھابھی نے ان لوگوں کو انوائٹ بھی کیا ہے شادی پر۔ مگر صفدر بھائی ہماری وجہ سے نہیں جا رہے۔"

"تو چلے جائیں۔ ان کے چلے جانے سے بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ پوری دنیا ہماری وجہ سے طلحہ کی فیملی کا بائیکاٹ تو نہیں کرے گی۔" صبغہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"تمہارا باپ بھی اس شادی میں جا رہا ہے۔" منیزہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

صبغہ ایک لمحے کے لیے سن ہو گئی، اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ کم از کم اس بار وہ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ "جانے دیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" منصور کے وہاں جانے سے "فرق" پڑتا تھا۔ وہ ان کا باپ تھا اور اس آدمی کی شادی میں جا رہا تھا جس نے اس کی بیٹی کو طلاق دی تھی۔

"کسی کا خون اس سے زیادہ سفید کیا ہو گا۔" منیزہ بڑبڑا رہی تھیں۔ "اور کوئی منصور سے زیادہ بے غیرت نہیں ہو گا۔" منیزہ اب کسی لحاظ کے بغیر منصور کے لیے الفاظ استعمال کر رہی تھیں۔

صبغہ نے رابعہ اور زارا کو دیکھا۔ وہ بظاہر سکول کا کام کرنے میں مصروف تھیں۔ مگر ان کے چہرے پر جس قدر سنجیدگی تھی وہ کسی کو بھی یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ وہ دراصل ہوم ورک میں کتنا "مصروف" ہیں۔

"آپ کو آنٹی سے پاپا کے بارے میں کوئی بات کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔ نہ آپ ان سے کچھ پوچھتیں نہ وہ ایسی باتیں ہم تک پہنچاتیں۔" اس بار صبغہ کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"میں نے اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ اس نے خود مجھے سب کچھ بتایا۔ ورنہ مجھے منصور کا احوال جاننے میں اب کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" منیزہ نے ناراضی سے کہا۔ "اور اگر تمہارا باپ ایسی حرکتیں کرے گا تو لوگ تو بغیر پوچھے یا سوال کیے بھی اس کے بارے میں بات کریں گے۔"

ایک رشتہ ٹوٹ جانے سے منصور علی صرف "تمہارا باپ" ہو گیا تھا بالکل اسی طرح جیسے منصور کے لیے منیزہ "تمہاری ماں" ہو گئی تھی۔ اور ان دونوں کی ہر حرکت کے سارے اثرات اولاد پر آنے لگیں گے۔ صبغہ نے رنجیدگی سے سوچا۔

"آپ نے امبر کی تسلی کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی، اسے اکیلا کیوں چھوڑے رکھا؟" صبغہ نے باہر نکلتے ہوئے منیزہ سے کہا۔ منیزہ نے جواباً کچھ کہا تھا مگر صبغہ سن نہیں سکی۔

صبغہ دوسرے کمرے میں آ کر امبر کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔ امبر اب بھی اسی طرح چت بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی۔ صبغہ نے اس کا بازو ہٹایا۔ "مجھے پتا ہے تم سو نہیں رہی ہو۔"

"میں نے کب کہا کہ میں سو رہی ہوں۔" امبر نے اسی طرح آنکھوں پر بازو رکھے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری ساری باتیں سن چکی ہوں۔"

صبغہ جانتی تھی اس کا اشارہ کن باتوں کی طرف تھا۔

"اچھا اگر سن چکی ہو تو پھر آنکھوں سے بازو ہٹاؤ اور مجھے دیکھو، آخر میرا سامنا کرنے سے کیوں کترا رہی ہو تم؟" صبغہ نے جان بوجھ کر ایسی بات کی کہ امبر نے فوراً اپنی آنکھوں سے بازو ہٹا دیا۔

"میں تمہارا سامنا کرنے سے کترا نہیں رہی ہوں۔ آخر میں کیوں کتراؤں گی؟" اس نے صبغہ کو دیکھتے ہوئے ناراضی سے کہا۔ صبغہ اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھی جو بری طرح سرخ اور سوجی ہوئی تھیں۔

"میری بات سنو امبر!" صبغہ نے قدرے ناراضی سے اس کے بازو کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "Let that man go to hell" (اسے جہنم میں ڈالو) وہ شادی کرے، جو مرضی کرے۔ تم اس کے بارے میں سوچو تک نہیں۔"

"میں نہیں سوچتی اس آدمی کے بارے میں۔" امبر یک دم جھنجلاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تو پھر اس طرح رونے کا کیا مطلب ہے؟"

"کوئی مطلب نہیں ہے۔"

"تو پھر مت روؤ۔"

"جب اسامہ شادی کرے گا تو تم مت رونا۔" اس کی آواز میں کاٹ تھی۔ صبغہ اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔

"میں نہیں روؤں گی۔ میرے ماتھے پر ایک شکن تک نہیں آئے گی۔" صبغہ نے اسی انداز میں کہا۔ امبر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"اس لیے۔ کیونکہ تم تو کبھی اس میں انٹرسٹڈ تھیں ہی نہیں۔"

"اچھا؟" صبغہ نے بے اختیار کہا۔

"تمہیں اس سے محبت ہوتی تو تم اس سے طلاق کبھی نہ لیتیں۔" امبر کا انداز عجیب تھا۔

"امبر! میں اب سب کچھ دوبارہ شروع نہیں کروں گی۔" صبغہ نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ "میں کتنی محبت کرتی تھی اور کتنی نہیں۔ مجھے تمہیں بتانے یا تم پر ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" صبغہ نے قدرے ترشی سے کہا۔ "ہاں البتہ تم اگر یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم طلحہ سے اس سے کہیں زیادہ محبت کرتی تھیں جتنی میں اسامہ سے کرتی تھی تو ٹھیک ہے۔ میں مان لیتی ہوں پھر جھگڑا کس بات کا ہے۔" امبر کچھ دیر لاجواب سی ہو کر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر بولی۔

"میں چاہتی ہوں۔ تم کبھی میرے سامنے طلحہ کا ذکر مت کرو۔"

"ٹھیک ہے، میں نہیں کروں گی۔" صبغہ نے اسی انداز میں کہا۔ "اور میں چاہتی ہوں کہ تم طلحہ کے بارے میں سوچو تک

نہیں۔ اب تم کو میں بھی ایسا نہیں کروں گی۔"

امبر نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ "تمہیں پتا ہے اس کی شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟"

"مجھے یہ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر چونکہ تم بتانا چاہتی ہو اس لیے میں سن لوں گی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟"

"سعدیہ کے ساتھ۔"

"تو؟"

"تو کچھ نہیں۔ تمہارے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟" امبر کے انداز میں رنجیدگی تھی۔

"نہیں۔ میرے نزدیک نہیں ہے۔ جو شخص آپ کی زندگی سے نکل جائے پھر اس کی زندگی میں کوئی آئے کوئی جائے آپ کو پروا نہیں کرنی چاہیے۔"

"کہنا آسان ہے۔"

"کرنا بھی آسان ہے۔ تم کوشش کر کے دیکھو۔"

امبر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ "تم ہمیشہ اتنی لاتعلق کیوں ہوتی ہو؟"

صبغہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ کندھے جھٹکتے ہوئے جھنجلائے ہوئے انداز میں بولی۔ "پاپا نے تمہیں چھوڑ دیا۔ تمہیں پروا نہیں ہے، صفدر انکل اور ان کی بیوی نے ہمارے ساتھ برا سلوک کیا تمہیں تکلیف نہیں ہے، روشان ہمارے پاس نہیں ہے، تمہیں پریشانی نہیں ہے۔ اسامہ سے تم نے اپنی مرضی سے طلاق لے لی۔ طلحہ کے مجھے طلاق دینے پر تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ زندگی میں کچھ ہے جو تمہیں پریشان کرتا ہو؟"

صبغہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"بہت کچھ ہے جو مجھے پریشان کرتا ہے اور کر رہا ہے مگر میں تمہارے ساتھ شیئر کر کے کیا کروں۔" صبغہ آہستہ سے بولی۔

"تم کوئی حل نکال سکتی ہو نہ مدد کر سکتی ہو۔ تم گھر میں سب سے بڑی ہو جن چیزوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں ان کے بارے میں تمہیں سوچنا چاہیے یا کم از کم تم کو 'بھی' سوچنا چاہیے۔"

لاشعوری طور پر صبغہ کے لہجے میں تلخی آ گئی۔ "مگر تم۔ تم چار سال کے بچے کی طرح اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی ہو۔ طلحہ تمہارے لیے لالی پاپ تھا۔ وہ کسی نے تم سے چھین لیا۔ اب جب تک کوئی تمہیں لالی پاپ دے نہیں دے گا۔ تم اسی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر روتی رہو گی۔"

امبر پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے میں صبح اس گھر سے نکلتی ہوں سارا دن باہر رہتی ہوں تو مجھے کس کی فکر ہوتی ہے؟ ممی کی، زارا کی، رابعہ کی؟ نہیں۔ صرف تمہاری کہ تم گھر سے باہر نہ چلی جاؤ۔ یا تم نے اپنی میڈیسن ٹھیک طریقے سے نہ لی ہوں یا تم کسی بات پر کسی سے جھگڑا نہ کرو۔ مگر تم سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں بھی اپنے سے وابستہ دوسرے لوگوں کے بارے میں نہیں سوچتیں۔"

صبغہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تم ہم سب کی نظروں میں دھول جھونک کر ہارون کمال کے ساتھ چلی گئیں یہ سوچے بغیر کہ تمہاری اس حرکت کا نتیجہ کیا ہو گا۔"

"میں ہارون کمال کے ساتھ نہیں گئی۔" امبر نے بے ساختہ کہا۔

"جھوٹ نہیں بولو۔" صبغہ نے انگلی اٹھا کر سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔ "ایک غلط کام کرنے کے بعد تم میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیے کہ تم یہ مانو کہ ہاں میں نے یہ کام کیا تھا۔"

"میں اس کے ساتھ نہیں گئی۔" امبر نے اس بار تقریباً چیختے ہوئے کہا دوسرے کمرے سے منیزہ اندر آ گئیں۔

"آپ نے سنا یہ کیا کہہ رہی ہے۔ مجھ پر کیا الزام لگا رہی ہے؟" امبر نے اسی انداز میں منیزہ سے کہا۔

"بند کرو یہ سب کچھ صبغہ! وہ کہہ رہی ہے کہ وہ ہارون کے ساتھ نہیں گئی تو وہ نہیں گئی ہوگی۔" منیزہ نے جھڑکنے والے انداز میں کہا۔

"میں اس کا بینک اسٹیٹمنٹ نکلوا کر لائی ہوں۔ یہ اگر ہارون کے ساتھ نہیں گئی تو پھر کس نے اسے ہزاروں روپے کی شاپنگ کروائی ہے؟" صبغہ ناراضی سے بولی۔

"دکھاؤں تمہیں اسٹیٹمنٹ؟" صبغہ نے چیلنج کرنے والے انداز میں پوچھا۔ امبر نے اس بار کچھ نہیں کہا۔

"تمہیں یاد ہے تم ہارون کمال سے کتنی نفرت کیا کرتی تھیں؟" صبغہ نے اسے یاد دلایا اس کا لہجہ اس بار نرم تھا۔ "تمہیں اس کی نظروں سے کتنی الجھن ہوتی تھی، تم اس کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتی تھیں اور اب۔ اب یک دم تمہارے لیے اس آدمی کے ساتھ گھومنا پھرنا قابل قبول ہو گیا ہے۔ کیسے؟"

امبر اپنے ماتھے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔ "میں تب غلط تھی۔"

صبغہ گنگ ہو گئی۔

"وہ دنیا میں واحد آدمی ہے جو مجھے سمجھتا ہے۔" صبغہ نے منیزہ کو دیکھا۔

"جو مجھ سے ہمدردی رکھتا ہے۔ جو میری پروا کرتا ہے۔"

منیزہ بھی خاموش تھیں۔

"جس پر میں اعتبار اور بھروسہ کر سکتی ہوں۔ جو کسی بھی وقت میری مدد کر سکتا ہے۔"

"کیوں؟" صبغہ نے اس کی بات کاٹی۔

"کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔" امبر نے صبغہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ منیزہ کے دل کی دھڑکن جیسے رک گئی۔ صبغہ کے بدترین خدشات صحیح ثابت ہو رہے تھے۔

"اور ہم سب؟ ہمیں تمہاری پروا نہیں ہے؟"

"نہیں، تم سب لوگ مجھے الزام دیتے ہو۔" امبر نے قطعی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم بھی، تمہارے نزدیک میں برائی کی جڑ ہوں۔" امبر کے لہجے میں آگ تھی۔ "میری وجہ سے گھر ٹوٹا ہے۔ میں خود غرض ہوں۔ میں آوارہ ہوں، میں، میں....."

وہ بات کرتے کرتے رکی۔

"ہارون کمال ایسا نہیں سمجھتا۔ تم میں اور اس میں یہی فرق ہے۔ وہ مجھے Blame نہیں کرتا۔"

"وہ کیوں تمہیں کسی چیز کے لیے Blame کرے گا۔" صبغہ نے رنجیدگی سے کہا۔ "اس کا ہماری زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارا دکھ اس کا دکھ نہیں ہے۔ ہماری تکلیف اس کی تکلیف نہیں ہے۔ وہ کھوکھلی باتیں کرتا ہے تم سے۔"

صبغہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو امبر نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تم صبغہ! مجھ سے جیلس ہوتی ہو کیونکہ تمہاری زندگی میں کوئی ہارون کمال نہیں ہے۔"

"میں لعنت بھیجتی ہوں ہارون کمال اور اس کی صنف کے سارے لوگوں پر۔" صبغہ نے اس کی بات کاٹ کر سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔

"تم جیلس ہوتی ہو کہ تمہاری زندگی میں ایسا کوئی نہیں جو ہارون کمال کی طرح تمہارے لینے سے پہلے بازار کی ہر چیز اٹھا کر تمہارے سامنے رکھ دے۔"

وہ وہی سب کچھ کہہ رہی تھی جو ہارون کمال نے اس سے کہا تھا۔ صبغہ اس کی زبان سے نکلنے والے زہر کی تلخی محسوس کر رہی تھی۔

"اور تمہاری زندگی میں ایسا کوئی نہیں ہے جو تمہارے ایک اشارے پر تمہارے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو۔"

صفہ بول نہیں پا رہی تھی۔
"اور تم جیلس ہو کیونکہ تم نے سب کچھ کھو دیا ہے اور میں نے ابھی سب کچھ نہیں کھویا۔"
صفہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔
"ہاں، میں ہارون کے ساتھ گئی تھی۔" امبر نے با آواز بلند کہا۔ "ہاں اس نے مجھے شاپنگ کروائی تھی۔"
منیزہ کا چہرہ فق ہو رہا تھا۔
"اور میں آئندہ بھی اس سے ملوں گی۔" اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔
"تمہارے بقول میں سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس سے ملتی گئی۔ اب میں بغیر دھول جھونکے جاؤں گی۔"
وہ ایک لمحہ کے لیے رکی۔ اس نے صفہ کی آنکھوں میں اترتی ہوئی نمی کو دیکھا اور پھر کہا۔
"اور چونکہ تم نے مجھے یہ احساس دلا دیا ہے کہ میں گھر میں سب سے بڑی ہوں تو پھر میں تمہیں یہ مشورہ دیتی ہوں کہ تم میری جگہ لینے کی کوشش نہ کرو۔"
صفہ کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔
"تم نے اتنے عرصے چیزوں کو اپنے طریقے سے چلانے کی کوشش کی اور تم ہمیں ڈیفنس سے یہاں لے آئی ہو اب مجھے سب کچھ کرنے دو اور دیکھو کہ میں تم سب کو کہاں لے کر جاتی ہوں۔"
صفہ اٹھ کر کھڑی ہوئی پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔
"تم..." منیزہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر امبر نے ہاتھ اٹھا کر تختی سے ان کی بات کاٹ دی۔
"کافی باتیں ہو گئی ہیں۔ آج کے لیے اتنا کافی ہے۔" وہ دوبارہ اسی انداز میں بیڈ پر چت لیٹ گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ منیزہ کچھ دیر چپ چاپ اسے دیکھتی رہیں پھر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

اس شخص نے میز پر ایک لفافے سے تصویریں نکال کر اس عورت کے آگے کھسکا دیں۔
"یہ کیا ہے؟" عورت نے قدرے تعجب سے ان تصویروں پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔
"یہ اس فیملی کی تصویریں ہیں۔" وہ اب فائل کھول رہا تھا۔ عورت تصویروں پر نظر ڈالتے ہوئے قدرے بیزاری سے بولی۔
"مگر مجھے ان تصویروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان کو چہروں سے پہچانتی ہوں اور..." وہ کہتے کہتے رک گئی اس کے ہاتھ کے نیچے منیل پر فاطمہ کی تصویر تھی۔
"یہ کس کی تصویر ہے؟" عورت نے کچھ چونک کر آدمی سے پوچھا۔
"یہ اسی عورت کی تصویر ہے۔" آدمی نے کہا۔
"ان بچوں کی ماں کی؟"
"ہاں!" آدمی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس بار عورت نے فاطمہ کی تصویر کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ تمام تصویریں مختلف اوقات میں گھر سے باہر کھینچی گئی تھیں جب وہ چاروں اپنے اپنے کاموں کی غرض سے گھر سے باہر تھے۔ فاطمہ ایک بس اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ عورت کی بھویں تن گئیں۔ بلاشبہ وہ بچے کسی صورت فاطمہ کے نہیں ہو سکتے تھے۔ اسے اپنا شبہ یقین میں بدلتا محسوس ہو رہا تھا اس کے دل کی دھڑکن یک دم تیز ہو گئی۔
"آپ نے انہیں پہلے نہیں دیکھا؟" آدمی نے عورت کے چہرے کے تاثرات کا غور سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔
"نہیں۔" عورت نے تصویر منیل پر رکھ دی۔
"اس عورت کے بارے میں بڑے دلچسپ حقائق سامنے آئے ہیں۔" اس آدمی نے فائل پڑھنی شروع کی۔ "میری

اطلاعات کے مطابق یہ عورت شادی شدہ نہیں ہے۔ اس نے 20 سال پہلے اپنا گھر اختلافات کی وجہ سے چھوڑا۔ وہ اندرون شہر کے ایک محلے میں رہتی تھی اس کا بھائی اپنی فیملی کے ساتھ ابھی بھی وہیں رہ رہا ہے اس کے ماں باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ 20 سال پہلے ایک دوست کی مدد سے اس نے ایک یتیم خانے سے ایک بچہ گود لیا۔

اس بچے کا نام شبیر ثوبان مسیح رکھا گیا۔ یتیم خانے کے ریکارڈ کے مطابق یہ بچہ تقریباً بائیس سال پہلے ایک پرائیویٹ کلینک سے وہاں بھیجا گیا تھا۔ یہ کلینک غیر قانونی کاموں کے لیے خاصا مشہور ہے۔ مسز شائستہ ہارون کمال نامی ایک عورت کے ہاں اس بچے کی پیدائش ہوئی تھی۔" اس بچے کو ایک عورت کے ذریعے اس یتیم خانے میں بھجوایا گیا۔

آدمی نے رک کر ایک نظر اس عورت کو دیکھا وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ آدمی دوبارہ فائل دیکھتے ہوئے پڑھنے لگا۔

"اس بچے کو وہاں داخل کروانے کے دو سال بعد فاطمہ نامی اس عورت نے اپنی ایک دوست آسیہ اور اس کے شوہر کی مدد سے وہاں سے یہ بچہ گود لیا۔ بچہ ان دونوں میاں بیوی نے لیا تھا مگر انہوں نے اسے فاطمہ کو دیا اور خود کچھ عرصے کے لیے بیرون ملک چلے گئے۔ اس وقت وہ دونوں پاکستان میں ہی موجود ہیں۔ 2 سال کے بعد جب وہ بچہ کسی کو دے دیا گیا تو اس یتیم خانے سے ایک بار پھر کسی عورت نے اس بچے کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا اور یتیم خانہ کی انتظامیہ پر زور ڈالا کہ وہ اس بچے کے پالک والدین سے اس کا رابطہ کروائیں۔ یتیم خانہ کی انتظامیہ نے کوشش کی مگر انہیں یہ پتا چلا کہ وہ دونوں میاں بیوی بچے کے ساتھ بیرون ملک چلے گئے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ بچہ فاطمہ نامی اس عورت کی تحویل میں ہے۔ فاطمہ نامی یہ عورت کچھ عرصے کے بعد لاہور آ گئی اور اس نے ایک پسماندہ سے علاقے میں رہنا شروع کر دیا۔ وہیں اس نے پہلی دفعہ لوگوں سے ایک بیوہ کے طور پر اپنا تعارف کروایا۔ وہاں رہائش کے تقریباً ایک سال بعد اس محلے میں کوڑے کے ایک ڈھیر پر دو ناجائز جڑواں بچے فاطمہ کو ملے اور فاطمہ نے انہیں بھی گود لے لیا یہ دونوں ثمر اور ثانیہ ہیں۔ وہی دونوں جن کے نام آپ نے مجھے بتائے تھے۔"

اس نے ذرا رک کر اس عورت کو دیکھا وہ ابھی بھی اسی طرح بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی تھی مگر یہ اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں تھا کہ وہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"ایک بار پھر فاطمہ نے اس محلے کو بھی چھوڑ دیا اور پھر اس نئے محلے میں آ کر رہنا شروع کر دیا جہاں کا ایڈریس آپ نے مجھے دیا ہے۔ وہاں کچھ سالوں کے بعد اس نے اپنا گھر بنا لیا اور لوگوں کو اپنے بارے میں یہی بتایا کہ وہ ایک بیوہ ہے مگر فرق صرف یہ تھا کہ اس بار اس نے اپنے بچوں کی تعداد تین بتائی۔ کچھ عرصہ پہلے یہ گورنمنٹ سروس سے ریٹائر ہوئی اور اب یہ ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھا رہی ہے۔"

وہ شخص ایک بار پھر رکا۔ کھلے ہوئے دراز میں ہاتھ ڈالتے اور ٹٹولتے ہوئے اس نے ایک اور لفافہ نکالا اور اسے بھی ٹیبل پر رکھ دیا۔

"شبیر ثوبان نامی یہ لڑکا اس وقت بائیس سال کا ہے اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک فرم میں جاب بھی کر رہا ہے۔ ثمر آج کل ماڈلنگ کر رہا ہے۔ اور اس نے کچھ عرصہ پہلے ایف ایس سی کیا ہے۔ ثانیہ نے بھی ایف ایس سی کیا ہے۔ دونوں لڑکوں کی نسبت اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

"اس لفافے میں آپ کی مطلوبہ تمام دستاویزات ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ میری حاصل کردہ معلومات آپ کے لیے تسلی بخش ہوں۔"

اس عورت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اب لفافہ کھولتے ہوئے اس کے اندر موجود کاغذات کو نکالتے ہوئے انہیں دیکھنے میں مصروف تھی۔ کمرے میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس عورت نے ایک طویل سانس لیا اور کاغذات کو دوبارہ لفافے میں ڈال کر

ٹیبل پر رکھ دیا۔
"ہاں، کام میری مرضی کے مطابق ہوا ہے مگر ابھی ختم نہیں ہوا۔"
اس عورت نے اپنی کرسی سے ٹیک لگائے ہوئے کہا۔
اس شخص کے ماتھے پر چند شکنیں در آئیں۔ "اور کس طرح کی معلومات چاہئیں آپ کو؟"
"اب معلومات نہیں کچھ اور کروانا چاہتی ہوں میں۔" اس عورت نے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا کروانا چاہتی ہیں آپ؟" اس نے تجسس آمیز انداز میں ٹیبل پر ذرا آگے جھکتے ہوئے کہا۔
"مجھے تو اب تک جان ہی گئے ہوں گے آپ۔" اس عورت مسکراتے ہوئے کہا۔
"جی.... وہ الجھا۔ "آپ نے اپنا نام فریدہ بتایا تھا مجھے۔"
عورت کھلکھلا کر ہنسی۔ "آپ نے یقین کر لیا؟ میں نہیں سمجھتی۔"
"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" اس نے قدرے محتاط انداز میں کہا۔
"میں آپ سے صرف یہ پوچھ رہی ہوں کہ اب تک آپ یقیناً مجھے جان چکے ہوں گے۔ آپ جیسے اچھے ڈیٹیکٹو ہیں میں توقع کر سکتی ہوں کہ آپ نے میرے بارے میں بھی معلومات اکٹھی کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ کیا آپ نے نہیں کی؟"
اس عورت نے قدرے تیکھے انداز میں پوچھا اور اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا وہ بول پڑی۔ "اور اگر آپ نے ایسی کوشش کی بھی ہے تو کوئی بات نہیں۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔"
اس کا انداز اب پچکارنے والا تھا۔ اس نے گلا صاف کرتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔
"دیکھیں فریدہ جی....."
عورت نے اس کی بات کاٹ دی۔ "پلیز آپ مجھے میرے اصلی نام سے پکار سکتے ہیں۔" وہ شخص کچھ دیر پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "شائستہ ہارون کمال۔" عورت بے اختیار مسکرائی۔
"ہاں یہ بہتر ہے۔ اب ہمارے درمیان اعتماد کی فضا پیدا ہو گئی ہے۔" شائستہ اب سگریٹ سلگا رہی تھی۔
"یہاں آنے والے کلائنٹس کے بارے میں انفارمیشن حاصل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔" اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "کیونکہ ہم نہیں چاہتے ہماری حاصل کردہ معلومات کی وجہ سے کوئی جرم ہو اور بعد میں اس میں ہماری انوالومنٹ ثابت ہو۔ ہم اپنا کام بڑے پروفیشنل طریقے سے کرتے ہیں اور اگرچہ ہمیں آپ کے کوائف پتا ہیں مگر آپ یقین رکھیں کہ وہ ہمارے پاس بالکل محفوظ رہیں گے آپ کو ان کی وجہ سے کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔"
"آپ کو وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" شائستہ نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے اس آدمی کی بات کاٹی۔ "میں جانتی ہوں، اور یہ کوائف اگر عام ہو بھی جائیں تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، ہاں آپ کو اس شہر میں اپنا کام سمیٹنا پڑے گا۔"
اس کے عام سے لہجے میں چھپی دھمکی کو اس نے آسانی سے سمجھ لیا تھا۔
"آپ کسی کام کا کہہ رہی تھیں۔" اس نے یک دم بات کا موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔
"میں سمجھا نہیں؟" اس نے کچھ الجھتے ہوئے کہا۔
"میں چاہتی ہوں آپ کلینک کے ریکارڈ میں تحریر کروائیں کہ ہمارا بچہ پراسرار حالت میں وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔" شائستہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔
"اور میں جانتی ہوں یہ کام آپ کے لیے مشکل نہیں ہے۔"
"دیکھیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہم کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتے۔" وہ یک دم بولا۔
"آپ اس کام کی نوعیت دیکھیں۔ کیا چیز غیر قانونی ہے اس میں؟" شائستہ نے اس کی بات کاٹی۔

''کسی ادارے کے ریکارڈز کو تبدیل کرنا.....''

شائستہ نے پھر اس کی بات کاٹی۔ ''ایک معمولی نوعیت کا کام ہے اس سے کسی کو پھانسی کی سزا کم از کم قانون نہیں دے گا۔''

''مگر قابل سزا جرم تو ہے۔'' اس نے اعتراض کیا۔

''اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ایسی صورت میں، میں آپ کو ہر قسم کی سزا سے بچاؤں گی۔'' شائستہ نے اپنے لہجے میں تبدیلی لاتے ہوئے کہا۔

''مگر.....'' وہ ابھی بھی ہچکچا رہا تھا۔

''اور اس ''معمولی'' کام کا معاوضہ آپ کو لاکھوں میں مل سکتا ہے۔'' اس بار وہ خاموش رہا۔ ''اگر آپ تھوڑی سی ہمت کریں تو۔'' شائستہ نے جیسے اسے ترغیب دی۔

''آپ بس ریکارڈز میں اتنی تبدیلی چاہتی ہیں؟'' اس آدمی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد گھٹنے ٹیکنے والے انداز میں پوچھا۔ شائستہ بے اختیار مسکرائی۔

''نہیں، تھوڑا سا اور بھی چاہتی ہوں میں۔''

''وہ کیا؟''

''آپ یہ بھی شامل کروائیں کہ چونکہ بچہ عورت کے پاس کمرے سے غائب ہوا تھا اس لیے ہاسپٹل کی انتظامیہ نے اس گمشدگی کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔''

اس نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ ''ٹھیک ہے میں یہ ریکارڈز تبدیل کروا دوں گا۔''

''اب آپ مجھے بتائیں کہ آپ اس کام کا کتنا معاوضہ لیں گے؟''

شائستہ نے چیک بک نکالتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنا معاوضہ بتایا، شائستہ نے ایک لفظ کہے بغیر چیک کاٹ کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''میں کچھ دنوں تک دوبارہ آپ کے پاس آؤں گی۔'' شائستہ۔ اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ چیک پر نظر ڈال رہا تھا کہ اسے جیسے یک دم کچھ خیال آیا۔

''میرے پاس آپ کی دلچسپی کے لیے کچھ اور معلومات بھی ہیں۔''

شائستہ کے ماتھے پر کچھ شکنیں نمودار ہوئیں۔ ''کیسی معلومات؟''

''اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ثمر اور ثانیہ کی ماں کے بارے میں آپ کو معلومات دے سکتا ہوں۔'' اس نے ایک خوشامدانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''مگر آپ نے مجھے بتایا تھا، وہ دونوں کوڑے کے ڈھیر سے ملے تھے۔''

''وہاں چھوڑے گئے تھے۔'' آدمی نے جیسے تصحیح کی۔

''چلیں یہ کہہ لیں۔ پھر۔ اس سے ان کی فیملی یا ماں کا کیسے پتا چلتا ہے؟'' شائستہ نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

ان کی ماں ایک معروف عورت ہے۔'' شائستہ چونکی۔

''معروف عورت؟''

''جی۔''

''آپ کیسے جانتے ہیں اسے؟''

''کیوں وہ بھی آج کل اپنے بچوں کی تلاش میں ہے۔''

شائستہ ساکت ہو گئی۔

☆☆☆

دروازہ ثمر نے کھولا تھا۔ وہ سامنے کھڑی دو برقع پوش عورتوں کو دیکھ کر کچھ حیران ہوا۔
"جی۔" اس نے ان عورتوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
"یہ فاطمہ کا گھر ہے؟" ان میں سے ایک عورت نے کہا۔
"جی ہاں! یہ ان ہی کا گھر ہے۔" ثمر نے سر ہلایا۔
"تم ان کے بیٹے ہو؟" ثمر کو اس عورت کا سوال نہیں انداز عجیب لگا۔
"جی، میں ان کا بیٹا ہوں۔"
"چھوٹے یا بڑے؟"
ثمر کو سوال بے حد فضول لگا۔ "چھوٹا بیٹا ہوں۔"
عورت نے اس کے سر اور کندھے پر ہاتھ پھیرا اس کا انداز بے اختیارانہ تھا۔
"تمہاری امی گھر پر ہیں؟" دوسری عورت نے یک دم ثمر سے پوچھا جو ابھی تک اس دھچکے سے نہیں سنبھلا تھا۔
"جی وہ گھر پر ہیں۔"
"ہم ملنا چاہتے ہیں ان سے۔"
"آپ اندر آجائیں۔"
ثمر دروازے سے ہٹ گیا اس نے ان دونوں عورتوں کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ انہیں لے کر فاطمہ کے کمرے میں چلا آیا۔
"امی! یہ آپ سے ملنے آئی ہیں۔" ثمر نے فاطمہ سے کہا جو کمرے میں بیٹھی کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔
ثانیہ نے نظر اٹھا کر ان دونوں عورتوں کو دیکھا اور پھر سے ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ اس نے غور نہیں کیا تھا کہ دونوں عورتوں میں سے ایک مسلسل اس کو دیکھتی جا رہی تھی اور اپنی آنکھوں میں ابھرتی نمی پر قابو پانے کی کوشش میں مصروف تھی۔
"آپ لوگ بیٹھیں۔" فاطمہ نے سلام دعا کے بعد کہا۔ ثمر باہر جا چکا تھا۔
شام کے وقت اس طرح کسی کا اچانک گھر آجانا اس کے لیے تھوڑا عجیب ہی تھا خاص طور پر تب جب وہ ان دونوں عورتوں سے جان پہچان بھی نہیں رکھتی تھی۔ ان میں سے ایک عورت نے آگے بڑھ کر فاطمہ کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر مصافحہ کیا۔ فاطمہ نے اس کے ہاتھوں کی گرم جوشی کو محسوس کیا۔ پھر دونوں عورتیں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔
"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" فاطمہ نے کہہ ہی دیا۔ ثانیہ تب تک اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ اس عورت کی نظروں نے باہر جاتی ہوئی ثانیہ کا تعاقب کیا۔ دوسری عورت نے فاطمہ کے سوال کا جواب دیا۔
"ہم پہلی بار مل رہے ہیں۔"
"میں نے سوچا شاید ہم پہلے بھی مل چکے ہیں اور میری یادداشت خراب ہونے لگی ہے۔" فاطمہ نے شگفتگی سے کہا۔
"ہم لوگ کچھ دن پہلے ہی اس محلے سے کچھ فاصلے پر ایک محلے میں شفٹ ہوئے ہیں۔"
فاطمہ کو عجیب سا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ دونوں عورتیں گھر کے اندر آنے کے بعد بھی اپنے آدھے چہرے کو اسی طرح نقاب سے چھپائے ہوئے تھیں۔ مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔
"آپ کے بارے میں ہمیں پتا چلا کہ آپ ٹیوشن پڑھاتی ہیں۔"
"جی میں پڑھاتی ہوں۔"
"کس کلاس کے بچوں کو پڑھاتی ہیں آپ؟" اس عورت نے پوچھا۔
"میٹرک تک کے اسٹوڈنٹس کو۔"
"اور۔ اور اگر بچہ اس سے زیادہ بڑی کلاس کا ہو تو؟"

''آپ کا مطلب ہے ایف اے، ایف ایس سی کا؟''
''جی۔''
''نہیں، میں ان کلاسز کے بچوں کو نہیں پڑھاتی۔'' فاطمہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں میٹرک کے بچوں کو صرف میتھس پڑھاتی ہوں۔ البتہ چھوٹی کلاسز کے بچوں کو سارے سبجیکٹ پڑھاتی ہوں۔'' فاطمہ نے وضاحت کی۔ تب ہی ثانیہ دوبارہ کمرے میں چائے لے کر داخل ہوئی اور اس نے ان دونوں کے سامنے پڑی تپائی پر چائے رکھ دی۔
''اس کی ضرورت نہیں تھی، ہم لوگ ابھی گھر جا کر کھانا کھائیں گے۔'' دوسری عورت جلدی سے بولی۔
''کوئی بات نہیں۔ چائے سے کیا فرق پڑتا ہے۔''
دونوں عورتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فاطمہ کو ان کی آنکھوں میں تشویش نظر آئی۔ ثانیہ نے چائے بنانے کے لیے کپ سیدھے کیے۔
''کتنی چینی؟'' اس نے ان عورتوں سے پوچھا۔ ایک عورت نے چونک کر ثانیہ کو دیکھا۔
''ایک چمچ۔'' اس نے کہا اور اپنے چہرے کا نقاب اس طرح ہٹایا کہ وہ اس کی ٹھوڑی کو چھپائے ہوئے تھا۔ دوسری عورت نے بھی یہی کیا۔ ثانیہ اب پہلی عورت کو کپ تھما رہی تھی۔ فاطمہ کو اس عورت کا چہرہ شناسا سا لگا۔ وہ میک اپ کے بغیر تھی اور اس کی رنگت سانولی تھی مگر ادھیڑ عمر میں بھی اس کے نقوش بے حد پرکشش تھے۔
''یہ بیٹی ہے آپ کی؟'' دوسری عورت نے فاطمہ سے پوچھا۔
''جی۔'' فاطمہ نے مسکرا کر ثانیہ کو دیکھا۔ جواب چائے کا کپ دوسری عورت کی طرف بڑھا رہی تھی۔
''کتنے بچے ہیں آپ کے؟''
''دو بیٹے اور ایک بیٹی۔'' فاطمہ نے کہا۔
''آپ کے چھوٹے بیٹے نے دروازہ کھولا تھا؟''
''جی، میرا چھوٹا بیٹا تھا وہ۔'' فاطمہ نے کہا۔
''آپ اپنے بیٹے کی بات کر رہی تھیں۔'' فاطمہ نے دوبارہ موضوع پر آتے ہوئے کہا۔
''میرا بیٹا...... ہاں!'' وہ عورت چونکی پھر گڑبڑائی۔ ''آپ تو اسے نہیں پڑھا سکیں گی آپ تو بڑی کلاسز کے بچوں کو پڑھاتی ہی نہیں۔''
''نہیں، میں نہیں پڑھاتی۔ میرا بڑا بیٹا کچھ عرصہ پہلے تک ٹیوشنز کیا کرتا تھا مگر اب وہ بھی نہیں کرتا ورنہ میں اسے آپ کے بیٹے کو پڑھانے کے لیے کہتی۔''
ثانیہ دوبارہ ٹی وی کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔ اسے اس گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے اس نے گردن موڑ کر ان عورتوں کی طرف دیکھا۔ خوبصورت نقوش والی عورت نے چائے پیتے ہوئے اپنی نظریں چرائیں۔ دوسری عورت فاطمہ کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف تھی۔
''آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ آپ کو میرے یہاں بھیجا کس نے ہے؟'' فاطمہ کو اچانک خیال آیا۔
''آپ کے اسکول میں پڑھنے والے ایک بچے کے والدین ہمارے ساتھ والے گھر میں رہتے ہیں ان سے اپنے بیٹے کا ذکر کر رہی تھی تو انہوں نے آپ کے بارے میں بتایا۔''
''او اچھا! ہاں یہاں اس علاقے کے کافی بچے میرے والے اسکول میں ہی پڑھتے ہیں۔'' فاطمہ کہہ رہی تھی۔
ثانیہ کو ٹی وی دیکھتے ہوئے ایک بار پھر کسی کی نظروں کا احساس ہوا۔ اس دفعہ اس نے گردن موڑے بغیر صرف آنکھیں گھما کر اس عورت کی طرف دیکھا۔ اس کا اندازہ ٹھیک تھا، وہ عورت ایک بار پھر اسے ہی گھور رہی تھی۔ ثانیہ نے نظریں ہٹا لیں۔
چائے کا کپ رکھنے کے بعد خوبصورت نقوش والی عورت نے نقاب پھر ٹھوڑی سے اوپر کھینچ لیا۔ دوسری عورت بھی اب

غالب آ چکا ہوا تھا۔
"ہم لوگ چلتے ہیں اب۔ چائے کے لیے بہت شکریہ۔" وہ دونوں عورتیں کھڑی ہو گئیں۔
ثانیہ نے اس عورت کو اس بار فاطمہ سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ گلے ملتے دیکھا۔ پھر وہ عورت اس کی طرف دیکھنے لگی۔
"خدا حافظ!" ثانیہ نے مسکراتے ہوئے اس سے عورت کہا، مگر وہ عورت اس کی طرف بڑھ آئی۔ ثانیہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس عورت نے فاطمہ کی طرح ثانیہ کو بھی بڑی گرم جوشی سے گلے لگایا اور پھر اس کا گال چوما۔ ثانیہ بھکا بکا رہ گئی۔ فاطمہ نے بھی کچھ حیرت سے اس عورت کو دیکھا۔ وہ دونوں عورتیں اب کمرے کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ فاطمہ ان کے ساتھ تھی۔ ثانیہ قدرے حیرانی سے اس عورت کی پشت کو دیکھ رہی تھی پھر کندھے اچکاتے ہوئے وہ دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔
فاطمہ نے جس وقت ان عورتوں کے باہر جانے کے لیے صحن کا بیرونی دروازہ کھولا۔ اسی وقت شبیر بھی اپنے گھر کے باہر آ رکی کھڑا ہوا تھا۔ دونوں عورتوں نے شبیر کو دیکھا جواب سلام کرتے ہوئے منتظر تھا کہ وہ دونوں عورتیں چوکھٹ پار کریں اور وہ گھر کے اندر داخل ہو۔ خوبصورت نقوش والی عورت پلکیں جھپکائے بغیر شبیر کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے یک دم گردن موڑ کر فاطمہ سے کہا۔
"یہ.....؟" اس کا اشارہ شبیر کی طرف تھا۔
"یہ میرا بڑا بیٹا ہے۔" فاطمہ کو محسوس ہوا کہ اس عورت کی نقاب سے نظر آنے والی آنکھوں میں ایک دم الجھن ابھری تھی پھر اس نے مڑ کر شبیر کو دیکھا اور سلام کرتے ہوئے چوکھٹ عبور کر گئی۔
ان کے جانے کے بعد شبیر اندر آیا۔ "یہ کون تھیں؟" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے فاطمہ سے پوچھا۔
"ایسے ہی ایک بچے کی ٹیوشن کے لیے آئی تھیں۔" فاطمہ نے اندر جاتے ہوئے کہا۔
"بڑی بے حد عجیب خواتین تھیں یہ امی!" ثمر اتنی دیر میں اپنے کمرے میں سے باہر نکل آیا۔
"کیوں کیا ہوا؟" فاطمہ نے قدرے لاپروائی سے ثمر سے پوچھا۔ وہ اس کی عادت سے واقف تھی اسے ہر دوسرا شخص عجیب لگتا تھا۔
"مجھے گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔" ثمر نے فاطمہ کے پیچھے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔
"ہاں امی! یہ احساس مجھے بھی ہوا وہ مجھے بھی اسی طرح گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔" ثانیہ بھی بولی۔
"بیٹا! بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔"
ثمر نے فاطمہ کی بات کاٹی۔ "گھور گھور کر دیکھنے کی جیسے عادی ہی؟" ثمر نے بے حد معصومیت اور سنجیدگی سے پوچھا۔ ثانیہ نے ثمر کو گھورا۔ فاطمہ نے کاپی کھولتے ہوئے اپنی ہنسی ضبط کی۔
"نہیں امی! میں واقعی سیریس ہوں۔ ان کا دیکھنے کا انداز بہت عجیب تھا۔ میرے چہرے سے نظریں ہی نہیں ہٹا رہی تھیں وہ۔" ثانیہ نے سنجیدگی سے فاطمہ سے کہا۔
"پھر میں اپنا بیان واپس لیتا ہوں۔ وہ اگر صرف مجھے گھور کر دیکھتیں تو یہ ٹھیک تھا اور سمجھ میں آ سکتا تھا کیونکہ میں ایک خوبصورت نوجوان ہوں" لیکن اگر وہ ثانیہ کو بھی دیکھ رہی تھیں تو پھر انہیں یقیناً عادت ہی ہو گی۔" ثمر نے اسے ایک بار پھر اسے چھیڑا۔
ثانیہ نے کچھ کہنے کی بجائے نظریں ٹی وی کی طرف کر لیں۔
"لوگوں کی نظر دیکھیں امی! لوگ اب ثانیہ کو بھی گھورا کریں گے۔ یہ قرب قیامت کی نشانیاں ہیں۔"
ثانیہ اس بار بھی کچھ نہیں بولی۔
"منہ بند رکھو ثمر! اگر تمہیں یہاں بیٹھنا ہے تو۔" اس بار فاطمہ نے اسے ڈانٹا۔

''میں نے کیا کہا۔ میں تو صرف ایک حقیقت بیان کر رہا تھا۔'' ثمر نے کن انکھیوں سے ثانیہ کو دیکھا، اس کی خاموشی یقیناً معنی خیز تھی۔ وہ اب بھی بظاہر اسے نظر انداز کیے مکمل طور پر ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھی۔

''جب سے لوگوں نے آئی بی اے کے ایڈمیشن ٹیسٹ کی تیاری شروع کی ہے لوگ بڑے مدبر ہو گئے ہیں، چھوٹے موٹے لوگوں کی باتوں کا جواب دینا ہی چھوڑ دیا ہے۔''

ثمر نے ایک اور جملہ کسا۔

''تمہارا منہ بند نہیں ہو سکتا۔'' فاطمہ نے اسے پھر ٹوکا۔

''سارا دن تو بند رہتا ہے صرف بولنے اور کھانے کے وقت کھولتا ہوں۔ ثانیہ کی طرح میں گھنٹے تو کھلا نہیں رکھتا۔'' اس نے ایک بار پھر ثانیہ کو چھیڑا۔

''ثمر! اگر اب ایک لفظ تمہارے منہ سے نکلا تو میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گی۔'' فاطمہ نے اس بار خاصی ناراضی سے کہا۔

''یعنی آپ چاہتی ہیں کہ میں ایک لفظ بھی نہ بولوں زیادہ سے زیادہ الفاظ کا استعمال کروں۔ اچھا..... اچھا سوری..... سوری..... سمجھ گیا میں۔'' ثمر نے ایک دم فاطمہ کو اٹھتے دیکھ کر کہا۔

''میں تو پہلے ہی جا رہا تھا۔'' وہ اٹھ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ فاطمہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ وہ دروازے کے پاس جا رکا اور مڑ کر سنجیدگی سے پہلے ثانیہ کو دیکھا پھر فاطمہ اور بولا۔

''میرے ذہن میں ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے امی! ہو سکتا ہے وہ دونوں خواتین مجھے اور ثانیہ کو کسی اور مقصد کے لیے دیکھ رہی ہوں۔''

فاطمہ نے چونک کر ثمر کو دیکھا وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''کس مقصد کے لیے؟''

''ہو سکتا ہے ان کے بھی کوئی ہماری عمر کے بیٹا بیٹی ہوں اور وہ آج کل ان کے لیے رشتے کی تلاش کر رہے ہوں۔ اب میں تو ان کو دروازے پر ہی پسند آ گیا تھا۔ یہ تو مجھے یقین ہے۔ انہوں نے سوچا ہو چلو لگے ہاتھوں لڑکے کی بہن کو بھی اپنے ہی گھر لے آتے ہیں کم از کم ہماری بیٹی تو اگلے گھر جا کر سکھی رہے گی اور.....''

اس کے منہ سے اور کوئی لفظ نہیں نکل سکا۔ ثانیہ چلاتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ فاطمہ نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں اسے اندازہ تھا اب باہر کیا ہنگامہ ہونے والا تھا۔

''آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟'' منصور نے اس صبح روشان سے ناشتے کی میز پر پوچھا۔ رخشی بھی دونوں کی طرف متوجہ ہوئی اس نے باری باری روشان اور منصور کو دیکھا۔

''میں ایم بی اے کرنا چاہتا ہوں۔'' روشان نے سنجیدگی سے کہا۔

''کہاں سے؟'' منصور نے اس سے پوچھا۔

''آئی بی اے سے۔''

''پاکستان سے؟'' منصور کو جیسے دھچکا لگا۔

''ہاں!''

''پاکستان میں پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔'' رخشی نے یک دم گفتگو میں مداخلت کی ''منصور'' آپ اسے باہر کے کسی ملک میں پڑھنے کے لیے بھیجیں۔ جب آپ افورڈ کر سکتے ہیں تو اسے پاکستان میں کیوں پڑھائیں۔''

''آپ یہ پلاننگ اپنے بیٹے کے لیے کریں۔'' روشان نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''میں اپنے لیے یونیورسٹی کا انتخاب کر چکا ہوں۔''

"دیکھا آپ نے کس طرح بات کرتا ہے۔" رُشی یک دم بلبلائی۔ "میں اسے اپنی اولاد سمجھتی ہوں اور یہ..."

"آپ دوسروں کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھنے پر وقت ضائع کرنے کے بجائے صرف اپنی اولاد کو اپنی اولاد سمجھیں تو اچھے ساتھ ساتھ آپ دوسروں کے مسائل میں بھی کمی کر دیں گی۔" روشان نے ایک بار پھر اسی ترش انداز میں کہا۔

"روشان! تم تمیز سے بات کرو۔" اس بار منصور نے روشان کو جھڑکا۔

"پی اماں تو تمیز سے ہی بات کر رہا ہوں اور میں نے ایک بات بھی ایسی نہیں کی، جو بدتمیزی کے دائرے میں آتی ہو۔" روشان نے اسی انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہے ہو تم، یہ ہمیشہ مجھ سے اسی طرح بات کرتا ہے۔" رُشی نے منصور کو پھر مخاطب کیا۔

"غلط بیانی مت کریں۔ میں تو آپ سے بات ہی نہیں کرتا یہ زحمت آپ خود کرتی ہیں۔" روشان نے رُشی کی بات کاٹ کر کہا اس کا لہجہ اب بھی روکھا تھا۔

"تم نے اس کا انداز دیکھا ہے۔" رُشی بھڑکی۔

"کیا میں ناشتے کی ٹیبل سے اٹھ کر چلا جاؤں یا آپ مجھ سے مزید کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔" روشان نے رُشی کی بات کاٹتے ہوئے خشک لہجے میں منصور کو مخاطب کیا۔ منصور نے اپنے سولہ سال کے بیٹے کو دیکھا جو اب قد میں اس سے بھی لمبا ہو چکا تھا۔ بورڈنگ میں جانے کے بعد دونوں کے درمیان عجیب سی خلیج حائل ہو چکی تھی۔ پہلے والی بے تکلفی یک دم جیسے دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی۔ وہ ویک اینڈز پر گھر آنے پر بھی اپنے کمرے میں گھسا رہتا۔ اس سے سامنا ہونے پر بھی صرف خاموشی تھی جو منصور کا استقبال کرتی۔ وہ اس کے سامنے رُشی کے بیٹے کو گود میں لیتے ہوئے جھجکتا تھا اور رُشی استحقاق سے روشان کے سامنے اپنا بیٹا لا کر اسے تھما دیتی۔ منصور کو لگتا تھا ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے اور روشان کے درمیان غیریت کی یہ خلیج بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے روشان کے جیب خرچ میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ اسے آئے دن نت نئی چیزیں دلاتا رہتا۔ مگر اس کی سرد مہری میں کمی نہیں آئی تھی۔ وہ چیزیں بھی لے لیتا اور اپنی چپ بھی نہیں توڑتا تھا۔

یہ صرف تب ٹوٹتی تھی جب رُشی سامنے آتی تھی۔ رُشی کو عادت تھی کہ وہ اکیلے میں بھی روشان کو مخاطب کرتی یا نہ کرتی مگر منصور کے سامنے وہ روشان کو کچھ نہ کچھ ضرور کہتی تھی اور روشان تڑاخ تڑاخ جواب دیتا تھا۔

منصور پہلے ہر موقع پر رُشی کی سائڈ لیتے ہوئے روشان کو جھڑکتا مگر پھر یک دم اسے محسوس ہونے لگا کہ اس طرح وہ روشان کو خود سے اور دور کر رہا ہے۔ تب وہ ان دونوں کے جھگڑے میں خاموشی اختیار کرنے لگا یا پھر اگر روشان کو کچھ کہتا بھی تو سوچ سمجھ کر نرم اور محتاط لفظوں میں اور اس کی یہ نرمی رُشی کو کھلتی تھی۔

اس وقت بھی ناشتے کی ٹیبل پر یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔

"بیٹا! رُشی تمہاری سوتیلی ماں ہے۔ تم اس کی عزت کیا کرو۔"

"میں اپنی ماں کو چوستا تھا، گلے لگاتا تھا۔ کیا ان کے ساتھ بھی ایسا کیا کروں؟"

وہ کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ منصور ساکت رہ گیا۔ رُشی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"اس طرح کی عورتیں جو زبردستی دوسروں کے جوان بچوں کی مائیں بننا چاہتی ہیں انہیں عزت کی ضرورت ہوتی ہے نہ عزت دی جاتی ہے انہیں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ آپ پہلے ہی انہیں دے رہے ہیں تو پھر مجھ سے مطالبات کیوں کر رہے ہیں۔" اس نے کھڑے ہو کر رُشی کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے مزید کہا۔

"مجھ سے ایک دو سال بڑی ہے یہ اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اسے ماں سمجھوں۔"

منصور کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ روشان بول رہا ہے۔ وہ لمبے ڈگ بھرتا کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ منصور نے رُشی کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"اس لیے کہہ رہی تھی تم سے کہ اسے پاکستان سے باہر بھجوا دو پہلے میری اولاد کو اس سے خطرہ تھا، اب مجھے اس سے ڈر

لگتا ہے مجھے کچھ ہوا تو میں بتا رہی ہوں تمہیں، میں روشان کو مار دوں گی۔"
وہ یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

جوتا پوری قوت سے ثمر کی پشت میں لگا۔ وہ چند لمحوں کے لیے بلبلایا اور صحن میں تخت کے پاس رک گیا۔
"مائی گاڈ! اتنی زور سے مارا ہے۔" اس نے بے اختیار مڑ کر اپنے پیچھے آتی علی سے کہا۔
"ابھی تو ایک مارا ہے دوسرا بھی ماروں گی۔" علی نے اپنا دوسرا جوتا بھی اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ مگر اس بار ثمر کمال مہارت سے پہلو بدل کر بچ گیا۔ جوتا تخت کے دوسری طرف جا کر گرا۔
"تمہاری اتنی جرأت کہ تم میرے بارے میں ایسی بات کرو۔" علی اس کے قریب پہنچ کر دھاڑی۔
"کیسی بات؟" ثمر نے معصومیت سے کہا۔
"جیسی بات تم نے کی ہے۔"
"میں نے کیا کہا ہے؟"
"تمہیں اچھی طرح پتا ہے تم نے کیا کہا ہے؟"
"میں نے کیا کہا ہے؟" اس سے پہلے کہ علی کچھ کہتی شہیر بے حد ناراضی کے عالم میں دوسرے کمرے سے باہر نکل آیا۔
"آخر تم لوگوں کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ ہر وقت ہنگامہ کھڑا کیا ہوتا ہے تم دونوں نے" اس نے باہر نکلتے ہی دونوں کو جھڑکا۔
"علی نے مجھے جوتی ماری ہے۔" ثمر نے فوراً پلٹ کر اپنی سفید قمیص پر علی کی چپل کا نشان شہیر کو دکھایا۔
"تھوڑی تیز ہونی چاہیے تمہیں۔" شہیر نے علی کو جھڑکتے ہوئے کہا۔ "بچے تو نہیں ہو تم دونوں۔"
"شہیر بھائی! اس نے بدتمیزی کی ہے میرے ساتھ۔" علی بے اختیار روہانسی ہوئی۔
"کیا بدتمیزی کی ہے تم نے؟" شہیر نے ثمر کو آڑے ہاتھوں لیا۔
"مجھے خود پتہ نہیں شہیر بھائی! یہ میرے پیچھے بھاگی ہے اور....." علی نے اس کی بات کاٹی۔
"اس نے مجھ سے فضول بات کی۔"
"کیا فضول بات کی؟" ثمر نے فوراً کہا۔
"شہیر بھائی اس کو میری ہر بات فضول لگتی ہے۔"
"مگر آج تم نے بدتمیزی کی انتہا کر دی۔" علی نے اسے گھورا۔
"آج کیا کہا ہے اس نے؟" شہیر نے پوچھا۔
"آج اس نے" علی کچھ کہتے ہوئے رکی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ فوری طور پر ثمر کی بات کو کس طرح دہرائے۔
"میں نے صرف اتنی بات کی تھی شہیر بھائی!" ثمر نے اسے رکتے دیکھ کر بڑی تہذیب اور متانت سے کہا۔ "کہ وہ خواتین جو آئی ہیں اچھا ہے علی ان کے گھر جا کر ٹیوشن پڑھا دے انہیں سہولت ہو جائے گی۔" علی کا دل چاہا وہ ثمر کے منہ پر مکا دے مارے۔
"تم دوزخ میں جلو گے جھوٹے۔" اس نے بے اختیار دانت کچکچا کر کہا۔
"دیکھا آپ نے شہیر بھائی! پھر آپ کہتے ہیں کہ ہر بار میں بدتمیزی کرتا ہوں۔" ثمر نے سنجیدگی سے کہا۔
"یہ ہمیشہ میرے لیے اسی طرح کی زبان استعمال کرتی ہے۔"
"مگر تمہیں ضرورت کیا تھی، اس طرح کی تجویز کی۔ اب علی کسی کے گھر جا کر ٹیوشن پڑھائے گی؟" شہیر کو اس کی بات

پر غصہ آیا۔ "مگر شبیر بھائی! اس نے یہ نہیں کہا۔" ثانی نے شبیر کو ٹوکا۔

"دیکھیں اس کی بات سنیں، میں نے مذاق کیا تھا۔" ثمر نے شبیر کو ثانیہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"مگر تم نے مذاق نہیں کیا تھا۔"

"پھر؟"

"اس نے کوئی اور بات کی تھی۔" ثانی نے ثمر کو گھورا۔

"اب ختم کرو اس جھگڑے کو اور تم دونوں جا کر امی کے پاس بیٹھو اور اب دوبارہ مجھے تم دونوں کی آواز نہ آئے۔"

شبیر واقعی ان دونوں کے جھگڑے سے تنگ آ گیا۔

"لیکن شبیر بھائی! اس نے مجھے....." ثمر نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "کہہ تو رہے ہیں شبیر بھائی! کہ اب بات ختم کرو پھر دوبارہ بات کیوں شروع کر رہی ہو؟"

"میں دونوں سے کہہ رہا ہوں۔" شبیر نے ثمر کو گھورا۔

"جی!" اس نے بڑی تابعداری کے ساتھ کہا۔

شبیر پلٹ کر اپنے کمرے میں واپس چلا گیا۔ اس کے پلٹتے ہی ثمر نے مسکرا کر شرارتی انداز میں ثانی کو دیکھا، ثانی ماتھے پر بلوں کے ساتھ ہونٹ بھینچے اپنے ایک پاؤں میں چپل پہننے لگی۔

"اے حسین نازنین اگر حکم کرو تو دوسرا جوتا بدولت پیش کریں؟" ثمر نے مسکراتے ہوئے بڑے انداز سے کہا۔

"شبیر بھائی!" ثانی نے پوری قوت سے شبیر کو پکارا "یہ پھر تنگ کر رہا ہے۔"

"تم اگر دوزخ میں گئیں نا تو صرف مجھ سے بدتمیزی کی وجہ سے جاؤ گی۔" ثمر نے ناراضی کے ساتھ کہا۔

"ابھی وہ جن دوبارہ حاضر ہو جائے گا۔"

اس سے پہلے کہ ثمر کچھ اور کہتا شبیر باہر نکل آیا۔

"ثمر!" ثانی نے پلٹ کر شبیر کو دیکھا۔

"دیکھا آ گیا نا۔" ثمر بڑبڑایا۔ شبیر پر نظر ڈالتے ہی ثانی ہنس پڑی۔

"یہ دیکھیں میری شکایت کر کے خود ہنس رہی ہے۔" ثمر نے فوراً کہا۔

"یہ آپ کو جن کہہ رہا ہے۔" ثانی نے بے اختیار اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

"میرے خدا، میرے خدا۔" ثمر نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ "میں نے کہا تھا جنوں نے ہمیں منع کیا ہے وہ آ جائیں گے اور یہ آپ کو جن کہہ رہی ہے۔" ثانی نے سٹپٹا کر ثمر کو دیکھا۔

"دفع ہو جاؤ، تم دونوں اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں کچھ سمجھایا جائے۔" اس بار شبیر نے غصہ سے کہا اور اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔

ثانی نے غصہ سے ثمر کو دیکھا۔ "ثمر! تمہیں اللہ کا خوف ہے کہ نہیں؟"

"اب شبیر بھائی چلے گئے ہیں تو تم اللہ کو درمیان میں لے آؤ۔" ثمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم بے حد چالاک حیوان ہو۔" ثانی نے دانت کچکچا کر کہا۔

"شکر ہے تم نے اس بار انسان ساتھ لگا دیا۔ پہلے تو تم صرف چالاک کہتی تھیں۔" ثمر کا اطمینان قابل دید تھا۔

"تم واقعی ڈھیٹ ہو۔"

"الحمدللہ جو بھی بنایا ہے اللہ نے بنایا ہے۔" ثمر نے کندھے جھٹکے "چالاک، ڈھیٹ اور تمہارا بھائی۔"

"میرے بھائی نہیں ہو تم۔" ثانی نے تخت کے دوسری طرف جاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ساری خصوصیات میں مجھے بھی صرف اسی ایک چیز پر اعتراض ہے۔" ثمر نے مایوسی سے کہا۔ "آخر میں نے ایسا کون سا گناہ کر دیا تھا کہ اس نے مجھے تمہارا بھائی بنا کر تمہارے ساتھ پیدا کیا۔" ثمر نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"بلکہ میں اکثر۔" اس بار ثانی نے بے حد خفگی سے اس کی بات کاٹی۔

"اب اگر تم نے ایک لفظ بھی کہا تو میں۔" غصہ کی وجہ سے ثانی مزید کچھ نہ کہہ سکی۔

"تو تم میں کرو گی، ضرور کرو۔" اس بار ثانی بے اختیار سر پکڑ کر تخت پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ بے بسی تھی۔ ثمر سے باتوں میں جیتنا ناممکن تھا۔ ثمر نے اسے مسکراتا دیکھ لیا۔ وہ چند قدم آگے بڑھ کر اس کے برابر تخت پر بیٹھ گیا۔

"لوگ اکیلے ہی اکیلے بیٹھے مسکرا رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟" اس نے اس طرح کہا جیسے کچھ دیر پہلے دونوں میں اچھی دوستانہ بات چیت ہو رہی تھی۔

ثانی نے ایک گہرا سانس لے کر کندھے جھٹکے۔

"کیوں کوئی جواب نہیں آ رہا۔" ثمر نے اسے پھر چھیڑا۔

"جب عقل کا مل ہو جاتی ہے تو کلام کم ہو جاتا ہے۔" ثانی نے بالآخر ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"واقعی؟ یہ تم نے ٹھیک کہا۔" ثمر نے بے حد سنجیدگی کے ساتھ سر ہلایا۔ "میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخر آج کل میرا زیادہ بولنے کو دل کیوں نہیں چاہتا۔"

وہ واقعی اپنے نام کا ایک تھا۔ ثانی نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

"دنیا میں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے ثمر! جو تمہیں چپ کروا سکے۔" اس نے بالآخر کہا۔

"کوئی عورت تو کروا سکتی ہے نا۔" ثمر نے مسکرا کر عجیب سے انداز میں کہا۔

"وہ عورت کم از کم میں تو نہیں ہو سکتی۔" ثانی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"کوئی اور تو ہو سکتی ہے نا؟" ثانی نے یک دم چونک کر ثمر کو دیکھا۔

"کوئی اور؟ یہ کوئی اور کون ہے؟"

☆☆☆

"شیطان کا نام لو اور شیطان حاضر۔"

نایاب نے با آواز بلند کہا۔ ثمر نے بے اختیار اپنا سر گھمایا۔ نایاب کے پاس کھڑی لڑکی یک دم ثمر کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ ان کی آنکھوں میں ثمر کے لیے ستائش کے ساتھ ساتھ نایاب کے جملوں کی وجہ سے مسکراہٹ بھی تھی۔

"یہ ہیں ثمر، جن کی میں ابھی بات کر رہی تھی۔" نایاب نے مڑ کر اپنی ایک دوست سے کہا۔ ثمر قریب آ گیا اور رسمی ہیلو ہائے کا تبادلہ ہوا۔ ثمر کو توقع نہیں تھی کہ اسے این سی اے میں اس دن نایاب سے ٹکرانا پڑے گا اور وہ بھی اس کے پورے ٹولے کے ساتھ۔ نایاب ہی باری باری اپنے فرینڈز کا تعارف ثمر سے کروا رہی تھی اور ثمر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے ہر ایک کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے یہاں آتے ہی سب سے پہلے تمہیں تلاش کیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ تم بھی آج یہاں ٹیسٹ کے لیے آؤ گے۔" نایاب نے کہا۔

"اگر این سی اے میں ایڈمیشن کا تمہارا ارادہ قائم رہا ہو تو۔"

"کیوں ارادے کو کیا ہوا تھا؟" ثمر نے بے ساختہ کہا۔

"تمہارا ارادہ بدلتا رہتا ہے نا۔"

"تم سے کس نے کہا؟"

"تم نے جو بتایا تھا۔"

"ہاں ارادہ تو نہیں بدلا۔"

"اور میں بہت خوش ہوئی ہوں کہ یہ ارادہ نہیں بدلا۔ ٹیسٹ کیسا رہا؟"

ثمر نے کندھے اچکائے۔ "پتا نہیں۔"

"اچھی بات ہے، پتہ نہیں کا مطلب ہے کہ اچھا ہوا کیونکہ برا ہو تو انسان کو کم از کم پتہ ضرور ہوتا ہے۔" نایاب نے کمال بے فکری سے کہا۔

ثمر مسکرا دیا۔ "تمہارا کیسا ہوا؟"

"جیسا تمہارا ہوا ہے۔" نایاب نے بالوں کو جھٹکا۔

"یعنی پتا نہیں۔" ثمر نے بے ساختہ کہا۔

"ہاں۔" دونوں ہنس پڑے۔

"میں اب چلتا ہوں کچھ کام ہے مجھے۔" ثمر نے نایاب کی دوستوں پر نظر ڈالی۔

"اوکے میں بھی چلتی ہوں۔" نایاب نے اپنی دوستوں سے کہا اور اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔

"اب یہ مت کہنا کہ تم مجھے ڈراپ کر دو گی۔" ثمر نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"میں کیوں کہوں گی، جب تمہیں پہلے ہی پتا ہے۔" نایاب نے بے نیازی سے کہا۔

"نہیں آج نہیں، آج واقعی مجھے کہیں جانا ہے۔" ثمر نے کہا۔

"تو میں نے کب کہا ہے کہ میں تمہیں اپنے گھر لے کر جا رہی ہوں۔ میں بھی تمہیں صرف ڈراپ ہی کروں گی۔"

"تو پھر تم مجھے یہیں ڈراپ کر دو۔" ثمر نے بے اختیار کہا۔

نایاب نے اسے گھور کر دیکھا۔ "تمہیں میں اتنی بری لگتی ہوں؟"

"نہیں، ایسا نہیں ہے نایاب! اب تم ہر بات کا غلط مطلب مت لو۔" ثمر نے جلدی سے وضاحت کی۔

"مگر غلط بات کا تو غلط مطلب ہی لوں گی۔"

"ٹھیک ہے کر دو ڈراپ۔" ثمر نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہی نایاب نے پہلا سوال کیا "پیسے ہیں تمہارے پاس؟"

"کیوں؟"

"پٹرول ڈلوانا ہے۔"

"تو ڈلواؤ اپنے پیسوں سے۔"

"پرس گھر بھول گئی میں۔"

"گاڑی تمہاری ہے اور پٹرول میں ڈلواؤں گا۔"

"گاڑی میری ہے مگر ڈراپ تو تمہیں کرنے جا رہی ہوں۔"

"زبردستی۔"

"زبردستی ہی سہی۔" ثمر نے اپنا والٹ نکالا۔

"کتنے ہیں؟" نایاب نے کہا۔

"اتنے ہیں۔"

"چلو اتنے کا ہی ڈلوا لیتے ہیں۔" نایاب نے پٹرول پمپ کی طرف جاتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

"دو دفعہ مجھے ڈراپ کرنے کا اتنا کرایہ تو نہیں بنتا۔" ثمر نے ناراضی سے کہا۔

"تو پھر بھی تو دیکھو کہاں ہے تمہارا شہر کے دوسرے کنارے پر۔" نایاب نے منہ بنایا۔

"ڈیفنس میں رہ کر تو تمہیں پورا شہر ہی دوسرے کنارے پر لگے گا۔" ثمر نے بگڑ کر کہا۔

"تم لوگ تو خود شہر سے باہر رہتے ہو۔"

"اسی روپے کا پٹرول ڈال دیں۔"

نایاب نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پٹرول ڈالنے والے آدمی سے کہا۔ اس نے قدرے حیرانی سے نایاب کو دیکھا اور پھر پلٹ گیا۔ نایاب نے ہاتھ بڑھا کر ثمر کے ہاتھ میں پکڑے نوٹ لے لیے۔

"اب تم لوگ ڈیفنس میں رہتے ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم ہمیں لاہور سے باہر نکال دو۔ اور اندرون شہر میں رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمیں لاہور کے دوسرے کنارے پر پہنچا دو۔" ثمر نے اسی بگڑے انداز میں کہا۔

"ڈال دیا؟" نایاب کھڑکی کے سامنے نمودار ہونے والے آدمی سے مخاطب ہوئی۔

"جی۔"

"یہ لو۔" اس نے اسی روپے پکڑائے اور گاڑی پٹرول پمپ سے باہر نکال کر لے گئی۔

"ویسے میں نے تم سے ایڈمیشن کے لیے پیسوں کا پوچھا تھا۔" نایاب نے روڈ پر آتے ہی کہا۔

"کیا مطلب؟" ثمر چونکا۔

"میں نے پوچھا تھا کہ اگر میرٹ لسٹ پر تمہارا نام آ جائے تو ایڈمیشن کے لیے فیس ہے تمہارے پاس، یہ مطلب تھا میرا۔"

"تو یہ اسی روپے؟"

"میں نے مذاق میں کہا تھا کہ پٹرول ڈلوانا ہے تم بحث کرنے لگے تو پھر میں نے بھی سوچا، اچھا ہے ڈلوا ہی لیتی ہوں تمہیں بھی ذرا اتنی زبان چلانے پر سبق تو سکھایا جائے۔"

ثمر نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اچھا اب گھورنے کی ضرورت نہیں ہے تم پاکستانی مردوں کو ویسے ہی خوبصورت لڑکیوں کو گھورنے کی عادت ہوتی ہے۔ میرے سوال کا جواب دو۔"

"میں بدصورت لڑکیوں کو گھورتا ہوں، نہیں پیسے تو نہیں ہیں۔" ثمر نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"کم از کم آج تو تم کسی بدصورت لڑکی کو نہیں گھور رہے۔ اگر پیسے نہیں ہیں تو ایڈمیشن کے لیے کیا کرو گے؟"

"پتا نہیں کیا کروں گا۔ فی الحال تو سوچا نہیں ہے مگر امی سے بات کروں گا۔ شاید وہ کچھ مدد کر دیں۔" ثمر اس بار یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"ان کے پاس پیسے ہیں؟" نایاب بھی سنجیدہ ہو گئی۔

"ہو سکتا ہے ہوں۔"

"اگر نہیں ہوئے تو؟"

"تو پھر میں ایڈمیشن نہیں لوں گا، سمپل۔"

"مجھ سے لے لینا۔" نایاب نے آفر کی۔

"یہ دو چار سو کی بات نہیں ہے۔"

"جانتی ہوں دو چار لاکھ کی بات ہے، تو کیا ہوا۔"

"نہیں، یہ میں نہیں کر سکتا۔" ثمر نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"میں اس کیوں کا جواب بھی نہیں دوں گا۔" ثمر نے اب بھی اسی انداز میں کہا۔
"پھر تم ایک کام کرو۔"
"کیا؟"
"انکل زیشان سے ایڈوانس کی بات کرو۔"
"وہ اگر مجھے کرشل کی پوری رقم بھی دے دیں تب بھی وہ ہزاروں میں ہے لاکھوں میں نہیں۔"
"میں ان سے تمہاری سفارش کر دوں گی۔"
"کیوں بھئی، آخر مجھ پر اتنی عنایات کیوں؟" ثمر نے یک دم مسکراتے ہوئے کہا۔
"تم فلمیں نہیں دیکھتے؟"
"دیکھتا ہوں۔"
"تو تم نے شبنم اور ندیم کی فلم دل لگی دیکھی؟" نایاب نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔
"نہیں۔"
"تو جا کر دیکھو۔"
"اچھا پھر؟"
"پھر تم مجھ سے یہ سوال نہیں کرو گے۔"
"میرے پاس وی سی آر نہیں ہے۔" ثمر نے معصومیت سے کہا۔
"انسان اتنا بھی غریب نہ ہو۔" نایاب نے افسوس کا اظہار کیا۔
"تم مجھے میری غربت کے طعنے دینے کے بجائے اگر فلم کے بارے میں بتا دو تو زیادہ بہتر ہوگا۔"
"دیکھو، ہسٹری اٹھا کر دیکھ لو۔ امیر لڑکا غریب لڑکی پر اور امیر لڑکی غریب لڑکے پر ہمیشہ مہربان ہوتے ہیں۔"
"مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟" ثمر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔
"تو اس فلم میں بھی ایک امیر لڑکی، ایک غریب لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔" نایاب نے ثمر کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔
"پھر؟" ثمر نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔
"پتا نہیں میں نے آدھی ہی دیکھی تھی۔"
ثمر نے بے حد افسوس کے عالم میں نایاب کو دیکھا۔
"اور آدھی فلم دیکھ کر تم ایک غریب لڑکے پر عنایات کر رہی ہو۔"
"ہاں کیونکہ فلم ٹریجک تھی۔"
"یہ تمہیں آدھی فلم دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا۔"
"میں نے سیکنڈ ہاف دیکھا تھا۔" نایاب نے لاپروائی سے کہا۔
"مگر اس ٹریجک فلم کا غریب لڑکے سے کیا تعلق ہے۔" ثمر نے بالآخر جھلا کر کہا۔
"ہے تعلق۔" نایاب نے اپنی بات پر زور دیا۔
"وہی تو پوچھ رہا ہوں؟"
"غریب لڑکا فلم میں مر جاتا ہے۔"
ثمر چند لمحے تو اسے چپ چاپ دیکھتا رہا پھر بے ساختہ ہنس پڑا۔
"یہ بھی ہو سکتا ہے اس بار امیر لڑکی آخر میں مر جائے۔"

"ایک اور فلم میں ایسا بھی ہوا تھا۔" نایاب فوراً بولی۔ "مگر فلم فلاپ ہو گئی تھی۔"

"ویسے میرا خیال ہے کہ تم دو فلموں کی کہانی کو ایک فلم کے اندر مکس کر رہی ہو کیونکہ مجھے یقین ہے اس فلم کے آخر میں جو ہوا تھا، وہ وہ نہیں ہے جو تم مجھے بتا رہی ہو۔" ثمر نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"یعنی یہ فلم دیکھ رکھی ہے تم نے۔ مجھے بھی شک ہے کہ اتنے معصوم تو نہیں ہو تم جتنے بن رہے ہو۔" نایاب نے اسے گھورا۔ ثمر نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ وہ جانتی نہیں تھی نایاب تھی اور وہ پہلی بار زچ ہو رہا تھا مگر وہ اس گفتگو سے محظوظ بھی ہو رہا تھا۔

"ذیشان انکل کا نام ذہن میں رکھنا۔ ان سے ایڈوانس لے لینا بلکہ جتنی رقم کی ضرورت ہو لے لینا۔" نایاب نے اس اسٹاپ کے قریب گاڑی روکتے ہوئے کہا جہاں اس نے پچھلی بار ثمر کو ڈراپ کیا تھا۔ ثمر کو اس کی یادداشت پر رشک آیا۔ اس نے ایک بار بھی اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔

"اور اگر تم نے میری اس آفر کو قبول نہ کیا تو پھر میں خود زحمت کرتے ہوئے تمہاری فیس جمع کروا دوں گی۔"

جب ثمر نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے گاڑی کا دروازہ کھول لیا تو نایاب نے اپنا جملہ مکمل کیا۔ ثمر نے پلٹ کر اسے دیکھا اور گہرا سانس لیا۔ نایاب مسکرا رہی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم سے کیا کہوں؟"

"چپ رہو بس۔" نایاب نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ثمر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

☆☆☆

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

منیزہ نے اس صبح صبغہ کے گھر سے نکلنے کے کچھ دیر بعد امبر کو جینز اور ٹی شرٹ لے کر باتھ روم کی طرف جاتے دیکھ کر پوچھا۔ امبر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چپ چاپ باتھ روم میں گھس گئی۔

منیزہ پریشانی کے عالم میں کمرے کے چکر لگانے لگیں۔ وہ آدھے گھنٹے کے بعد دوبارہ کمرے میں آئی اور منیزہ کو مکمل طور پر نظرانداز کر کے اپنے بال ڈرائیر سے ڈرائی کرنے لگی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" منیزہ نے ایک بار پھر اس سے پوچھا۔ وہ اس بار بھی خاموشی سے اپنے کام میں مگن رہی۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں امبر؟" منیزہ کا صبر جواب دینے لگا۔

"آپ مجھ سے کچھ تب پوچھیں جب آپ ہر کسی سے کچھ پوچھتی ہوں۔" امبر نے یک دم پلٹ کر منیزہ کو درشتی سے جواب دیا۔

"وہ آپ کے سامنے صبح منہ اٹھا کر اسی طرح تیار ہو کر گھر سے نکل جاتی ہے۔ آپ اس سے یہ سوال نہیں کرتیں۔"

اس نے صبغہ کا نام لیے بغیر اس کا حوالہ دیا۔

"وہ جاب کی تلاش میں جاتی ہے۔"

"اور میں آوارہ گردی کرنے۔" امبر نے منیزہ کی بات کاٹ کر کہا۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔"

"تو کہہ دیں۔ میں سننے کے لیے تیار ہوں۔"

"امبر! خوامخواہ بات کو طول مت دو۔"

"تو پھر آپ سوال مت کریں۔"

"میرا فرض ہے یہ..... میں ماں ہوں تمہاری۔"

"صرف میری ماں ہیں؟ صرف مجھ سے انویسٹی گیشن کرتی ہوتی ہے آپ کو؟"

"تم کو بتایا ہے کہ صبغہ جاب ڈھونڈ رہی ہے۔" منیزہ نے اس بار قدرے بلند آواز میں کہا۔

"تو میں بھی جاب ڈھونڈنے ہی جا رہی ہوں۔"

"تم جاب کرو گی؟" منیزہ نے بے اختیار پوچھا۔

"کیوں؟ میں معذور ہوں؟"

"تم..... ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے امبر!"

"میری طبیعت کا مجھے آپ سے زیادہ پتا ہے۔" اس نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"دیکھو، تمہاری کوالیفیکیشن اتنی نہیں ہے کہ تمہیں کوئی اچھی جاب مل جائے۔" منیزہ کو احساس نہیں ہوا کہ انھوں نے اسے ایک غلط مثال دی تھی۔

"کیوں؟ میری کوالیفیکیشن کو کیا ہوا؟" امبر نے سرد مہری سے ماں کو دیکھا۔ اگر صبغہ اے لیولز کر کے جاب ڈھونڈ سکتی ہے تو پھر میں کیوں نہیں؟"

"تمہارا بی اے بھی مکمل تو نہیں ہوا۔"

"مگر اے لیولز تو میں نے بھی کیا ہوا ہے۔"

"ہاں مگر....." منیزہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ امبر نے ان کی بات مکمل کی۔

"مگر یہ کہ صبغہ قابل اعتبار ہے جبکہ میں نہیں ہوں۔"

"امبر! اپنے لفظ میرے منہ میں مت ڈالو۔" منیزہ نے اسے جھڑکا۔

"میں آپ کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں ممی! جیسے میں صبغہ کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں۔" امبر نے بے حد سرد لہجے میں کہا۔ "آپ دونوں اپنے دل میں میرے لیے کیا رکھتی ہیں میں جانتی ہوں۔"

"میں اور صبغہ دونوں تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

"اور جو لوگ مجھ سے بہت محبت کریں۔ مجھے ان سے بہت خوف آتا ہے کیونکہ وہ سانپ کی طرح مجھے ڈستے ہیں۔ پاپا..... طلحہ..... رخشی..... سب بہت محبت کرتے تھے مجھ سے۔" امبر نے اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگاتے ہوئے کہا۔

"اور ہارون..... اس کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟" منیزہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ لپ اسٹک لگاتے ہوئے امبر کے ہاتھ چند لمحوں کے لیے رکے۔

"ہارون کی بات اور ہے۔" اس نے بے حد معمول کے انداز میں کہا۔

"تم اس کے پاس جا رہی ہو؟"

"ہاں۔"

"امبر..... وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔"

"اس آدمی نے میرے علاج پر اٹھنے والے سارے اخراجات برداشت کیے تھے۔ میرے لیے وہ اچھا ہے اور تب تو آپ کے لیے بھی اچھا تھا۔"

"مجھے غلط فہمی تھی۔"

"مجھے نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ وہ میرا بہت خیال رکھتا ہے اور میرے لیے یہی کافی ہے۔"

"اس لباس میں اس محلے سے گزر کر تم جاؤ گی تو....." منیزہ نے امبر کو شولڈر بیگ اٹھاتے دیکھ کر کہا۔

"تو کیا ہوگا؟ قیامت آ جائے گی؟"

"لوگ باتیں کریں گے۔"

"پہلے کیا کر رہے ہیں؟" اس نے دوبدو کہا۔

''اس گھر میں ہم نئے آئے ہیں اور.....'' امبر نے میزہ کی بات کاٹ دی۔
''اور اس سے پہلے کہ ہم یہاں پرانے ہو جائیں میں یہاں سے چلے جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے ترش لہجے میں کہا اور بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''پاپا اندر ہیں؟'' سیکرٹری نے بڑی حیرانی کے ساتھ صبغہ کو دیکھا۔
''جی؟''
''منصور علی صاحب۔'' صبغہ نے نام لیتے ہوئے کہا۔
''وہ آپ کے فادر ہیں؟''
''ہاں!''
سیکرٹری کچھ گڑبڑائی۔ کچھ پریشان ہوئی۔
''جی وہ اندر آفس میں ہیں۔''
''میں ملنا چاہتی ہوں ان سے۔ میرا نام صبغہ ہے۔''
''آپ بیٹھیں۔'' سیکرٹری نے انٹرکام کا ریسیور اٹھانے سے پہلے کہا۔ صبغہ صوفے پر بیٹھ گئی۔
''کون آیا ہے؟'' منصور نے حیرانی سے سیکرٹری سے پوچھا۔
''آپ کی بیٹی۔''
''امبر؟'' منصور کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
''نو سر..... صبغہ.....''
''آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔'' منصور کو خاموش پا کر سیکرٹری نے کہا منصور کے ماتھے پر کچھ بل آئے پھر اس نے سیکرٹری سے کہا۔ ''اندر بھیجو۔''
''سر بلا رہے ہیں، آپ اندر جائیں۔'' سیکرٹری نے صبغہ سے کہا۔ اس بار اس کی آواز میں احترام تھا۔ صبغہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔
''السلام علیکم پاپا!'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔
منصور نے جواب دینے کے بجائے اس سے کہا ''بیٹھو۔'' اس کا لہجہ نرمی سے خالی تھا۔ صبغہ اس کے سامنے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے کہ منصور اس سے کوئی سوال کرتا صبغہ بولی۔
''میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔'' منصور کے چہرے کے تاثرات میں ایک دم تبدیلی آ گئی۔ اس کے ماتھے کے بل کم ہو گئے تھے۔
''کس لیے؟''
''آپ نے جو چیک بھیجا ہے اس کے لیے۔''
منصور چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکا پھر اس نے کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں۔''
''ممی بھی آپ کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔''
''یہ قابل یقین تو نہیں ہے۔'' منصور نے میزہ کا حوالہ سنتے ہی کہا۔ ''لیکن تم کہہ رہی ہو تو میں یقین کر لیتا ہوں۔''
صبغہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔ ''تم صرف اسی لیے آئی تھیں؟'' منصور نے صبغہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''ہاں..... میں نے آپ کو فون کرنے کی کوشش کی تھی مگر آپ کا موبائل فون مسلسل بزی یا بند ملتا تھا اس لیے پھر میں یہاں آ گئی۔'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔

"تم آج کل کیا کر رہی ہو؟" منصور نے یک دم اس سے پوچھا۔

"میں جاب تلاش کر رہی ہوں۔"

"کیوں...؟ پڑھنا چھوڑ دیا تم نے؟"

"ہاں۔ مجھے جاب کی ضرورت ہے۔"

منصور کچھ بول نہیں پایا۔

"خدا حافظ۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ بہت عرصے بعد چند لمحوں کے لیے منصور کے دل میں ہلکا سا ملال آیا تھا۔ بہت ہلکا سا... اسے دکھ ہوا تھا۔ بہت عرصے کے بعد اس نے صبغہ کو دیکھا تھا اور صبغہ کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے اسے امبر اور باقی دونوں بیٹیوں کا خیال بھی آیا تھا اور وہ ان کے بارے میں صبغہ سے پوچھنا بھی چاہتا تھا مگر ایک عجیب سی جھجک آڑے آ گئی۔ صبغہ کے باہر نکلنے کے بعد اسے خیال آیا کہ وہ اسے ڈرائیور کے ذریعے گھر ڈراپ کروا دے۔ اس نے ریسیور اٹھا کر سیکرٹری سے صبغہ کو روکنے کے لیے کہا۔

"مگر سر! وہ باہر نکل گئی ہیں۔ کیا میں آفس بوائے کو پیچھے بھیجوں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ آفس بوائے کو پیچھے بھیجنے کا مطلب کیا ہوتا منصور غور کرتا رہا، پھر یک دم وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا۔

"نہیں۔ رہنے دو۔" اس نے فون رکھ دیا۔ مگر وہ بے حد الجھ گیا تھا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور اپنے آفس کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا چند لمحوں کے بعد اس نے صبغہ کو بیرونی گیٹ کی طرف بڑھتے دیکھا۔ پھر اس نے صبغہ کو گیٹ پار کر کے مین روڈ پر بس اسٹاپ کی طرف جاتے دیکھا۔ ایک عجیب سے احساس نے منصور کو اپنی گرفت میں لیا۔ وہ دوسری منزل کی کھڑکی میں کھڑا اسے بس اسٹاپ کی طرف جاتے دیکھ کر شش و پنج اور بے چینی کا شکار تھا۔ وہ اس بس اسٹاپ پر ہر روز اپنے آفس کی طرف آتی درجنوں لڑکیوں کو کھڑے دیکھتا تھا۔ اس نے کبھی ان پر دوسری نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کی تھی اور اب اس کی اپنی بیٹی اسی ہجوم کا حصہ بننے والی تھی۔

"ڈرائیور کو باہر اسٹاپ پر بھیجو وہاں صبغہ کھڑی ہے۔ اس سے کہو کہ اسے گھر چھوڑ آئے۔" اس نے یک دم کھڑکی سے ہٹ کر انٹرکام اٹھایا اور سیکرٹری کو ہدایت دی۔

"یس سر۔"

منصور دوبارہ کھڑکی میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کچھ دیر بعد اپنی گاڑی کو گیٹ سے نکل کر اسٹاپ کی طرف جاتے دیکھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اسٹاپ پر پہنچتی۔ صبغہ اسٹاپ پر آ کر رکنے والی بس میں سوار ہو چکی تھی۔ منصور نے مایوسی سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹا پھر کھڑکی سے ہٹ گیا۔

"آج کا دن برا تھا۔" اس نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اسے یہ نہیں پتا تھا کہ آج کا دن ابھی مزید برا ہونے والا تھا۔ کیونکہ وہ بس اسٹاپ کے منظر میں اتنا محو تھا کہ اس نے رخشی کی گاڑی کو اندر آتے نہیں دیکھا تھا۔

رخشی جس وقت منصور کی سیکرٹری کے آفس میں داخل ہوئی وہ منصور کو انٹرکام پر بتا رہی تھی۔

"سر! ڈرائیور بس اسٹاپ پر صبغہ کو پک کرنے کے لیے گیا تھا مگر وہ بس میں چلی گئیں۔"

رخشی کے قدم رک گئے۔ ریسیور رکھتے ہوئے سیکرٹری نے رخشی کو دیکھا اور مسکرائی۔ "السلام علیکم میڈم۔"

"صبغہ... منصور کی بیٹی آئی تھی یہاں پر؟" رخشی کے ماتھے پر بل نمایاں تھے۔

"یس میڈم!"

"کس لیے؟"

"منصور صاحب سے ملنے۔"

"اور منصور اس سے ملا؟"

"یس میڈم!" اس کا اقرار رخشی کو تپانے کے لیے کافی تھا۔

وہ بے حد غصے میں منصور کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ منصور رخشی کو سامنے دیکھ کر بے اختیار چونک گیا۔

رخشی اکثر اس کے آفس آیا کرتی تھی اور زیادہ تر بغیر بتائے ہی آیا کرتی تھی۔ مگر وہ کمرے میں اس طرح دروازہ کھول کر ان تاثرات کے ساتھ نہیں آتی تھی۔ منصور کو پلک جھپکنے میں احساس ہو گیا تھا کہ اس نے صبغہ کو دیکھا ہے یا پھر کسی کی گفتگو سنی ہے اور وہ بے اختیار جھلا گیا۔

"آؤ رخشی..... بیٹھو" منصور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہاں بیٹھنے کے لیے تمہارے دعوت نامے کی ضرورت نہیں ہے۔" رخشی نے جیسے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"کیوں ناراض ہو رہی ہو؟"

"اتنا معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے منصور! اب تم مجھ کو بھی دھوکا دو گے۔"

"کیسا دھوکا؟ تم کیا بات کر رہی ہو؟" منصور کے تیکھے لہجے میں بولا۔

"تمہاری اولاد یہاں تم سے ملنے آتی ہے اور تم نے ایک بار بھی مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔"

منصور نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ "کوئی مجھ سے یہاں ملنے نہیں آتا۔"

رخشی نے اس کی بات کاٹی۔ "جھوٹ مت بولو منصور! ابھی تھوڑی دیر پہلے صبغہ یہاں تم سے مل کر گئی ہے اور....." منصور نے اس کی بات کاٹی۔

"میں نے کب کہا وہ نہیں آئی۔ وہ آئی تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ساری اولاد مجھ سے ملنے یہاں آتی ہے۔" منصور نے کچھ غصے سے کہا۔ "مجھے ان سے ملنا ہوتا تو میں انہیں گھر بلاتا۔"

"اور میں انہیں اس کا گیٹ تک کراس نہ کرنے دیتی۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے وہ گھر میرے اور میرے بیٹے کے نام ہے۔"

"ہم ایک فضول بحث کر رہے ہیں۔ تم سے کہہ دیا ہے کہ کوئی اور مجھ سے ملنے نہیں آتا صرف صبغہ آئی ہے۔"

"آئی ہے یا آتی ہے؟" رخشی نے اسی طرح دل جلانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں آتی ہے۔" منصور نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "صرف آج آئی ہے۔"

"کس لیے؟" منصور اس کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ وہ رخشی کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ اس نے ان لوگوں کو کوئی رقم بھجوائی ہے اور اب ماہانہ بھجوانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

"وہ روشان سے ملنا چاہتی تھی۔" منصور نے جھوٹ بولا۔

"اور روشان سے ملنے کے لیے وہ یہاں آئے گی۔" رخشی مشتعل تھی اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ منصور جھوٹ بول رہا ہے۔

"وہ مجھ سے اجازت مانگنے آئی تھی۔" منصور نے کہا۔

"اور تم نے اجازت دے دی؟"

"نہیں۔"

"اور اس نے بھی کیا صبغہ کو پہلے سے ہی پتا تھا تو پھر وہ یہاں کیوں آئی۔" رخشی نے بحث کرتے ہوئے کہا۔

"وہ سمجھ رہی تھی کہ اب کافی عرصہ گزر گیا ہے اور شاید میں اسے روشان سے ملنے کی اجازت دے دوں گا۔" منصور نے کہا۔

"تم امبر کے بارے میں یہ کہتے تو میں مان لیتی۔ اپنی دوسری بیٹیوں کے بارے میں کہتے تو بھی میں مان لیتی۔ مگر صبغہ کے بارے میں، میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ وہ تم سے اس طرح کی اجازت لینے کے لیے آئی ہوگی۔"

"تمھیں اندازہ نہیں ہے دوسرے بچوں کی نسبت صبغہ اور روشان آپس میں زیادہ قریب ہیں۔" منصور نے تحمل سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مجھے اچھی طرح اندازہ ہے اور میں صبغہ کو اس سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں۔"

منصور نے گہرا سانس لیا اس وقت رخشی کے ساتھ بحث کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف تھا۔ وہ منیزہ سے زیادہ شکی مزاج تھی اور اس سے زیادہ مکار۔ منیزہ کو بے وقوف بنانا قدرے آسان تھا۔ رخشی کو بے وقوف بنانا انتہائی مشکل۔ شادی کے شروع کا سنہری دور گزر چکا تھا۔ اب منصور کو تصویر کا دوسرا رخ نظر آنا شروع ہو گیا تھا مگر وہ ابھی بھی رخشی کی محبت میں گرفتار تھا اور اس کی تمام خامیوں کے باوجود اس کو اپنی زندگی سے نکالنے پر تیار نہیں تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ پہلے کی طرح بے چوں چرا اس کی باتیں بھی مانا کرتا تھا مگر اسے احساس ہوتا تھا کہ ہر روز رخشی کے مطالبات بڑھتے جا رہے تھے اور اس کو خوش کرنا بے حد مشکل کام تھا۔ وہ بے حد تند خو تھی۔ اور بعض دفعہ منصور کو یک دم احساس ہوتا کہ ہر قسم کی جی حضوری کے باوجود رخشی بعض اوقات اس سے بالکل بیزار نظر آنے لگتی ہے اور اس وقت منصور کو اس کی اور اپنی عمر کا فرق بہت زیادہ چبھتا وہ جتنا ہینڈسم یا اسمارٹ نظر آتا بہرحال اپنی عمر نہیں چھپا سکتا تھا۔ وہ اور رخشی ساتھ کھڑے کسی بھی طرح شوہر اور بیوی نظر نہیں آتے تھے لوگ انھیں باپ بیٹی ہی سمجھتے تھے۔ شاپنگ کے لیے جاتے ہوئے منصور کو بار بار اس ناخوشگوار صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ رخشی ایک بیٹے کی ماں ہونے کے باوجود اٹھارہ، انیس سال کی لگا کرتی تھی دوسری طرف ہر آنے والا دن منصور کے چند بال کم کر دیتا، چہرے پر نئی جھری لے آتا یا کوئی اور نیا مسئلہ۔

"کس لیے آئی تھی صبغہ؟" رخشی پھر غرائی۔

"ایسا کرو رخشی اگر تم خود جا کر صبغہ سے ہی یہ پوچھ لو کہ وہ میرے پاس کس لیے آئی تھی۔" منصور نے بالآخر جھلا کر کہا۔

"مجھے چیلنج کرو گے منصور! تو میں یہ بھی کر گزروں گی۔" وہ اور تپ گئی۔

"تمھیں بتایا ہے کہ وہ......"

رخشی نے منصور کو بات مکمل کرنے نہیں دی۔ "تم نے اسے ملنے کی اجازت نہیں دی مگر تم نے اس کے پیچھے ڈرائیور بھیجا کہ اس کو گھر چھوڑ کر آئے۔"

"وہ سڑک پر کھڑی تھی اتنے مردوں کے ساتھ۔" منصور نے جیسے احتجاج کیا۔ "مجھے اچھا نہیں لگا تھا اس لیے میں نے ڈرائیور بھیجا۔"

"سڑک پر کھڑا ہونا اس کی اپنی چوائس تھی۔ وہ خود تمہارا گھر چھوڑ کر گئی تھی۔"

"میں نے اسے گھر سے نکالا تھا۔" منصور نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"وہ کیوں اسامہ سے ملنے گئی تھی جب تم نے اسے منع کیا تھا۔"

"ہم آخر ایک ایسے مسئلے پر کیوں بحث کر رہے ہیں، جن کا ہماری زندگیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" منصور نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"وہ اس لیے، تاکہ تمھیں یاد رہے کہ تمہاری بیٹیوں نے تمھارے ساتھ کیا کیا۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے رخشی!"

"نہیں، یاد نہیں ہے، یاد ہوتا تو تم صبغہ کی شکل تک نہ دیکھتے۔"

"میں آئندہ اس سے نہیں ملوں گا۔"

"مجھے کیا پتا تم آئندہ اس سے ملتے ہو یا نہیں۔ میں چوبیس گھنٹے تو تمھارے ساتھ نہیں ہوتی۔"

"تم ایسا کرو تم چوبیس گھنٹے میرے ساتھ رہا کرو تاکہ تمھیں یہ جو ہر وقت مجھ پر شک رہتا ہے یہ ختم ہو جائے۔" منصور

نے بے حد بیزاری سے کہا۔ رمشی اس کی بات پر مزید کھول گئی تھی۔

☆☆☆

امبر نے اپنے گھر سے مین روڈ تک کا فاصلہ بے حد جھلاہٹ میں طے کیا تھا۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ اگر وہ روز صرف ایک بار بھی وہاں سے گزرتی تو راستے کے مردوں کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیتی اور اب وہ جس لباس میں وہاں سے گزر رہی تھی اس نے یک دم اس گلی کے لڑکوں میں اشتیاق اور تجسس کو جنم دیا تھا۔ اس علاقے میں کسی لڑکی کا سر سے دوپٹہ ہی اتر جانا محلے میں موضوع گفتگو بنا دیا تھا اور کہاں یہ کہ کوئی لڑکی جینز اور سلیولیس Top میں ملبوس ہو کر اس طرح بج سنور کر وہاں سے گزرے۔ گھر سے مین روڈ پر ہارون کمال کی گاڑی میں بیٹھنے تک بے شمار نظروں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

"اوہ....." امبر نے گاڑی میں بیٹھتے ہی سر جھٹک کر کہا۔

"کیا ہوا؟" ہارون نے اس کے حلیے کو پسندیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اب گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔

"یہ لوگ مجھے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے انھوں نے کسی لڑکی کو پہلی بار دیکھا ہو۔" امبر نے تنفر آمیز انداز میں کہا۔

"اتنی خوبصورت لڑکی کو تو انھوں نے پہلی بار ہی دیکھا ہوگا۔" ہارون نے گاڑی کی اسپیڈ تیز کرتے ہوئے قدرے شوخ انداز میں اس سے کہا۔

"میرا دم گھٹنے لگا ہے۔" امبر نے ہارون کے جملے پر غور کیے بغیر کہا۔ "یہ لوگ یہ محلہ میں اب....."

"میں نے تو تمھیں پہلے ہی کہا تھا۔ تم ایسے علاقوں کے لیے نہیں بنی ہو۔" ہارون نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"یہ لوگ جس طرح کی اور جیسی زندگی گزارتے ہیں، تم ویسی زندگی نہیں گزار سکتیں۔"

"میں نے ممی اور صبغہ سے کہہ دیا ہے کہ اب میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔" صبغہ نے ہارون کو اطلاع دی۔

"پھر؟"

"پھر کچھ نہیں۔ جھگڑا ہوا اور کیا؟ وہ دونوں مجھے....."

اس کی بات نامکمل رہ گئی۔ ہارون کے موبائل پر کال آنے لگی۔ ہارون نے ہاتھ کے اشارے سے امبر کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔

"ہیلو میری جان!" امبر نے اسے چونک کر دیکھا۔

"ہیلو پاپا۔" دوسری طرف نایاب تھی۔ "آپ کہاں غائب ہیں؟"

"کہیں نہیں۔ یہیں ہوں۔ غائب تو تم ہو دو دن سے۔"

"پاپا! آپ کو پتا ہے شوٹنگ کروا رہی تھی۔ رات کو جب واپس آئی تو آپ گھر ہی نہیں ہوتے تھے۔ آج بھی میں نے فون کیا ورنہ آپ کو کہاں خیال آتا تھا۔" وہ اب شکایت کر رہی تھی۔

"تم ذرا اپنا موبائل چیک کرو۔ دیکھو کتنی Missed کالز میری طرف سے ہوئی ہیں۔ تمھیں تو اتنا ہوش بھی نہیں ہوتا کہ کال ہی ریسیو کر لو۔" ہارون نے اسے پیار سے جھڑکا۔ اس کے کھلکھلا کر ہنسنے کی آواز امبر تک آئی۔ وہ عجیب سی نظروں سے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت ہارون مکمل طور پر بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"اچھا اب ڈانٹیں مت، اس لیے فون نہیں کیا آپ کو۔"

"آل رائٹ سویٹ ہارٹ پھر کس لیے فون کیا ہے؟"

"میری گاڑی لگ گئی ہے۔"

"واٹ۔" ہارون بے اختیار متفکر ہوتے ہوئے بولا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں ٹھیک ہی ہوں۔ بس گاڑی کا زیادہ نقصان ہوا ہے مجھے تو صرف کچھ خراشیں آئی ہیں۔ وہ بھی شیشہ ٹوٹنے کی وجہ سے۔"

"مائی گاڈ کہاں ہو تم؟" ہارون نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"پاپا میں مال پر ہوں مگر میں ٹھیک ہوں اور....."

"میں وہیں آ رہا ہوں۔" ہارون نے فون بند کرتے ہوئے یک دم گاڑی روکی اور امبر سے کہا۔

"امبر! پلیز تم چلی جاؤ..... میری بیٹی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ مجھے وہاں جانا ہے۔" امبر نے بے یقینی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"پلیز ذرا جلدی....." وہ امبر سے اترنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ امبر نے بے یقینی کے عالم میں دروازہ کھولا اور نیچے اتر گئی۔

"See You۔" اس نے اپنے عقب میں ہارون کی آواز سنی اور پھر اسے گاڑی دوڑاتے غائب ہوتے دیکھا۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

"کس کے بچے ہیں؟" شائستہ نے اس آدمی سے پوچھا۔

"آپ ان معلومات کے لیے ادائیگی کریں گی؟"

"آپ جانتے ہیں یہ معلومات میری ضرورت نہیں ہیں۔" شائستہ نے قدرے رکھائی سے کہا۔

"مگر ان سے آپ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" اس آدمی نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟" شائستہ نے لاپروائی سے کہا۔ "دوسرے دونوں بچوں میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔ میں نے تو صرف یہ چاہا تھا کہ آپ کے پاس اس پوری فیملی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات ہوں۔"

شائستہ دروازے کی طرف جانے لگی۔ مگر دروازہ کھول کر وہ اس کی ناب پر ہاتھ رکھ کر کچھ سوچنے لگی، پھر ایک دم واپس آئی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"اچھا بتائیں کس عورت کے بچے ہیں؟" اس نے جیسے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"اور صرف عورت ہی نہیں مرد کے بارے میں بھی بتایئے۔"

اس سے پہلے کہ وہ آدمی کچھ کہتا۔ شائستہ نے اسے ہدایات دیں۔

"کس کے بچے ہیں؟" شائستہ نے اس شخص سے پوچھا۔

"آپ ان معلومات کے لیے ادائیگی کریں گی؟"

"آپ جانتے ہیں، یہ معلومات میری ضرورت نہیں ہیں۔" شائستہ نے قدرے رکھائی سے کہا۔

"مگر ان سے آپ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟" شائستہ نے لاپروائی سے کہا۔ "دوسرے دونوں بچوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔ میں نے تو صرف یہ چاہا تھا کہ اس پوری فیملی کے بارے میں آپ کے پاس زیادہ سے زیادہ معلومات ہوں۔"

شائستہ دروازے کی طرف جانے لگی۔ مگر دروازہ کھول کر باہر جانے کے بجائے وہ دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر کچھ سوچنے لگی، پھر یک دم واپس آئی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"اچھا بتائیں، کس عورت کے بچے ہیں؟" اس نے جیسے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"اور صرف عورت ہی نہیں مرد کے بارے میں بھی بتا ئیں۔" اس سے پہلے کہ وہ شخص کچھ کہتا۔ شائستہ نے اسے ہدایات دیں۔ وہ شائستہ کو کچھ بتاتے بتاتے رک گیا۔

"مرد کے بارے میں؟" اس نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں۔ مرد کے بارے میں۔ ان بچوں کے باپ کے بارے میں۔"

شائستہ نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ان بچوں کے باپ کے بارے میں تو میں نہیں جانتا۔" اس نے قدرے بے چارگی سے کہا "کیونکہ اس عورت کا تعلق جس طرح کے بیک گراؤنڈ سے ہے وہاں باپ کے بارے میں پتا چلانا بہت مشکل ہے۔"

"کوئی طوائف ہوگی یا ایسی ہی کوئی دوسری عورت اور ایسی عورت کے "ایڈونچر" کے بارے میں جان کر میں کیا کروں گی۔"

شائستہ کے انداز میں تحقیر تھی۔

"ہاں البتہ ان بچوں کے باپ کے بارے میں جاننا چاہوں گی، وہ بھی اس صورت میں اگر وہ باپ کوئی نامور آدمی ہو تو؟"

وہ آدمی کچھ دیر خاموشی سے شائستہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"یہ عورت بھی اپنے بچوں کو تلاش کر رہی ہے۔"

"کس لیے؟ واپس لینا چاہتی ہے؟" شائستہ نے کہا۔

"پتا نہیں..... یہ تو میں نہیں جانتا..... صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ اپنے بچوں اور اس عورت کے بارے میں ساری معلومات کروا رہی ہے۔"

"تو کروانے دیں مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" شائستہ دوبارہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں ان دونوں بچوں کے باپ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے آپ کو دے سکتا ہوں اگر آپ کو دلچسپی ہو تو۔" اس نے شائستہ کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"مجھے دلچسپی ہے۔" شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے لگتا ہے مجھ سے زیادہ آپ کو دلچسپی ہے کہ آپ مجھے اس عورت اس کے بچوں اور ان بچوں کے باپ کے بارے میں بتائیں۔"

"میں نے باپ کا ذکر نہیں کیا تھا اس کا ذکر آپ نے کیا تھا۔" اس نے شائستہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اوکے مجھے دلچسپی ہے اور میں نے ہی باپ کا ذکر کیا ہے مگر مجھے صرف باپ میں دلچسپی ہے۔" شائستہ نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"آپ جب باپ کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں تب مجھے بتائیں اور میں طے کروں گی کہ ان معلومات کے لیے آپ کو کتنا معاوضہ دینا چاہیے۔"

شائستہ نے ایک بار پھر کمرے کے دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ وہ اب دروازہ کھول رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ باہر نکل جاتی اس کو ایک خیال آیا اور اس نے مڑ کر اس شخص سے کہا۔

"ہاں مگر آپ نے مجھے عورت کا نام نہیں بتایا؟"

اس آدمی نے سر اٹھا کر شائستہ کو دیکھا۔

☆☆☆

سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے دور جاتی ہوئی ہارون کمال کی گاڑی کو بے یقینی سے دیکھا۔ اسے اس کو چھوڑتے ہوئے دو منٹ بھی نہیں لگے تھے اور وہ صرف دو دن پہلے ہی تو اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔ اسے بتا رہا تھا کہ وہ اس کے لیے

وراثت کی سب سے اہم لڑکی ہے اور اب وہ اس دھول زدہ سڑک کے کنارے کھڑی آس پاس گزرتے مردوں کی نظروں کا نشانہ بنتی ہوئی اس گاڑی کو دیکھ رہی تھی جو منٹوں میں غائب ہو گئی تھی۔

اس نے زندگی میں بہت سے مقامات پر بے پناہ تحقیر محسوس کی تھی۔ تب جب منصور نے اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر کے گیٹ سے باہر نکال دیا تھا۔ تب جب وہ کوشش کے باوجود علیزہ سے رابطہ نہیں کر پا رہی تھی، تب جب اس نے علیزہ کی طرف سے بھجوایا جانے والا طلاق نامہ موصول کیا تھا۔ انکل منصور کے گھر پر گزارے جانے والے مہینے بھی تحقیر اور تذلیل سے بھرپور تھے۔ مگر اس سڑک کے کنارے اس طرح بے عزت کیا جانا اس کے لیے زندگی میں سب سے زیادہ تحقیر آمیز لمحہ تھا۔

وہاں چند منٹ پہلے درجنوں لوگوں نے اسے ہارون کمال کی گاڑی میں بیٹھے دیکھا تھا اور اسی سڑک پر کچھ آگے آ کر درجنوں لوگوں نے اسے چند منٹوں بعد ہی اسی گاڑی سے نکلتے دیکھا۔ وہ گاڑی پر سوار ہوتے ہوئے ساتویں آسمان پر تھی۔ پوری دنیا جیسے اس کے پیروں کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ آس پاس سڑک پر چلتے پھرتے لوگ اسے کیڑوں جیسے لگ رہے تھے۔ ان کی چبھتی ہوئی نظریں امبر کے دل میں ان کے لیے نفرت کو بڑھا رہی تھیں۔ وہ خوش تھی کہ وہ ان میں سے نہیں تھی۔

چند منٹوں کے بعد وہ اس سڑک پر کھڑی تھی۔ کسی نے جیسے اسے آسمان سے دھکا دیا تھا اور اس کے پیروں کے نیچے زمین بھی نہیں رہی تھی، صرف پاتال تھا اور اب سڑک پر کھڑے اسے لگ رہا تھا وہ بھی ان ہی چلتے پھرتے لوگوں کا حصہ بن گئی ہے۔

ہارون کمال نے اسے جھٹکا نہیں تھا جیسے اسے اپنے گریبان میں جھانکنے کا موقع دے دیا تھا یا پھر شاید آئینہ دکھا دیا تھا۔

وہ کسی بت کی طرح وہیں سڑک پر کھڑی اس طرف دیکھتی رہی، جہاں ہارون کی گاڑی گئی تھی یوں جیسے اسے یہ امید ہو کہ ہارون اپنی غلطی محسوس کرے گا اور بیچ راستے سے واپس آ جائے گا۔ یوں جیسے وہ امبر کو نایاب پر ترجیح دے گا۔ اس نے بھی تو ہارون کو ہر ایک پر ترجیح دی تھی۔ وہ اس کے لیے گھر میں ہر ایک سے لڑ کر آئی تھی۔ وہ اس کے لیے ہر مخالفت مول لے رہی تھی اور وہ اسے صرف چند لمحے اور "ایک رشتہ" لگا تھا بھاگ جانے میں۔

اس سڑک سے واپس گھر تک کا سفر اس کی زندگی کا سب سے مشکل ترین سفر تھا۔ گھر سے سڑک تک جاتے ہوئے اس نے ہر اس نظر کو محسوس کیا تھا جو اس پر کسی غلط انداز میں پڑی تھی۔ سڑک سے گھر تک آتے ہوئے اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ اس کے احساسات صرف ایک جگہ جم کر رہ گئے تھے۔ نایاب اور ہارون کی بات چیت بار بار اس کے دماغ میں گونج رہی تھی۔

اسے ان دونوں کے درمیان اپنا آپ بے کار اور بے مصرف لگا تھا۔

"آخر میں ہوں کون؟ ہارون سے کیا رشتہ ہے؟ اور کس رشتہ کے بغیر اسے کون آئندہ بھی اس طرح مجھے سڑک پر چھوڑ کر چلے جانے سے روکے گا؟"

☆☆☆

"ثمر صاحب یہاں رہتے ہیں؟" ثمر نے قدرے حیرانی سے اس آدمی کو دیکھا جو اس کے سامنے دروازے پر کھڑا تھا۔

"جی.... میں ثمر ہوں۔" ثمر نے اس آدمی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اس نے ثمر کے ساتھ مصافحہ کیا۔

"میرا نام کریم ہے میں پروڈکشن کی طرف سے آیا ہوں۔" اس آدمی نے ایک مشہور فلم ساز ادارے کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"ہمارے ایک ڈائریکٹر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مجھ سے؟" ثمر نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔ "کس لیے؟"

"وہ آپ کو اپنی کسی فلم میں کاسٹ کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے بڑی رسانیت سے بتایا۔

"مجھے فلم میں کاسٹ کرنا چاہتے ہیں؟" ثمر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"نہیں۔ وہ اسی سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مگر میں تو ایکٹر نہیں ہوں۔"

"وہ مجھ سے چہرے انٹرویو کروانا چاہتے ہیں۔ اس لیے آپ کو اس فلم میں لینا چاہتے ہیں۔" کریم نے جیب سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر ثمر کی طرف بڑھایا۔

"آپ یہ کارڈ رکھ لیں اور کل بارہ بجے اس ایڈریس پر ان صاحب سے مل...." ثمر نے کارڈ پکڑ لیا مگر اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔

"آپ کس کے ریفرنس سے میرے پاس آئے ہیں؟" ثمر کو اچانک ذیشان کا خیال آیا اور اپنے اس خیال کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

"ہم کسی کے ریفرنس سے آپ تک نہیں آئے۔ ہمارے ڈائریکٹر نے آپ کو ایک کمرشل میں دیکھا تھا، انھیں آپ پسند آگئے اور اپنی نئی فلم کے لیے انھوں نے آپ کو منتخب کر لیا۔"

"آڈیشن کے بغیر؟" ثمر نے کچھ حیرانی سے اس آدمی کو دیکھا۔ "آڈیشن بھی لے لیں گے مگر انھیں کمرشل دیکھ کر ہی آپ کی صلاحیتوں پر اعتماد ہے کہ آپ اچھی ایکٹنگ کر لیں گے۔"

"اور آپ نے میرا ایڈریس کہاں سے لیا؟" ثمر کو یک دم خیال آیا۔

"مجھے تو ڈائریکٹر صاحب نے ہی دیا ہے۔ اب انھوں نے کہاں سے لیا ہے، یہ تو آپ ان سے ملنے پر ان ہی سے پوچھیے گا۔ خدا حافظ۔" وہ خدا حافظ کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔ ثمر اس کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے قدرے ہکابکا انداز میں کھڑا کریم کو جاتا دیکھتا رہا۔ اسی الجھے ہوئے انداز میں کارڈ پکڑ کر وہ دروازہ بند کرتے ہوئے اندر آ گیا۔ صحن میں ہی اس کا سامنا علی سے ہو گیا۔

"کون تھا باہر؟" علی نے ایک نظر اس کے ماتھے پر پڑے بلوں کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے کارڈ پر نظر ڈالی۔

"فرشتہ۔" ثمر نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بے اختیار کہا۔

"تم کو لینے آیا ہوگا۔" علی نے بھی اسی انداز میں کہا۔

"ہاں۔ کہہ رہا تھا کہ چھوڑو اس دنیا کو جس میں تم رو رہے ہو۔ رقص و موسیقی کی دنیا میں آؤ.... آؤ تمھیں حوروں سے ملواؤں۔"

ثمر نے والٹ نکال کر کارڈ اس میں ڈالتے ہوئے کہا۔ علی نے مڑ کر اسے دیکھا پھر خاموشی سے تخت پر جا کر بیٹھ گئی۔

"ماڈلنگ کی کوئی نئی آفر آ گئی ہوگی؟" اس نے قدرے لاپروائی سے اسے دیکھتے ہوئے تخت کے پیچھے دیوار سے ٹیک لگائی اور اپنے پاؤں تخت کے اوپر کر لیے گھٹنوں پر دھری کتاب کھولتے ہوئے کہا۔ ثمر بھی دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے تخت پر گھٹنے سکیڑ کر بیٹھ گیا۔

"ماڈلنگ کی نہیں فلم کی۔" وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

علی بے اختیار چونکی۔ "فلم؟"

"ہاں فلم.... جسے Talkie اور Movie بھی کہتے ہیں۔" اس نے فلم کے ہجے کرتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"مذاق مت کرو۔" علی نے کتاب بند کر دی۔

"میں مذاق کیوں کروں گا.... یہ دیکھو۔" ثمر نے والٹ میں سے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"مجھے کل بلایا ہے ان لوگوں نے.... اپنی نئی فلم میں کاسٹ کر لیا ہے انھوں نے مجھے۔"

علی نے ایک نظر کارڈ پر ڈالی اور دوسری ثمر کے چہرے پر۔ "تم واقعی فلم میں کام کرو گے؟" اس نے بے یقینی سے ثمر کو دیکھا۔

"ہاں کیوں؟ میں نہیں کر سکتا کیا؟" ثمر نے اس کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔

"ماڈلنگ تک تو ٹھیک تھا مگر یہ فلم ....." تانی کچھ کہتے کہتے رکی۔ "امی اس کی اجازت نہیں دیں گی تمھیں اور پھر تم خود سوچو، تمہاری تعلیم کا کیا ہوگا۔"

"اور لوگ کیا کہیں گے۔" ثمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہارا اگلا جملہ یقیناً یہی ہوگا۔"

"ثمر! یہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا..... تمھیں اس ماحول کا اندازہ نہیں ہے۔" تانی نے بے حد تشویش سے کہا۔

"انسان خود اچھا ہو تو سب اچھا رہتا ہے۔" ثمر نے والٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"گٹر میں چھلانگ لگانے والا کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ باہر نکل کر وہ کیچڑ ہی اپنے جسم پر لے کر آتا ہے۔" تانی خلاف توقع بے حد سنجیدہ تھی۔

"ہم ویسے بھی مڈل کلاس محلے میں رہنے والے لوگ ہیں اور مڈل کلاس کے لوگ ان چیزوں کو پسند نہیں کرتے۔ تم چاہے مذاق اڑاؤ یا جو بھی کہو، بہر حال حقیقت یہی ہے کہ لوگ باتیں کریں گے اور بہت باتیں کریں گے۔"

"جب وہ باتیں کریں گے تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہمارے مقدر میں تو یہ نہیں لکھ دیا گیا کہ ہم ساری عمر کے لیے یہاں اسی محلے میں رہیں گے۔"

ثمر نے بھی یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ تانی کچھ دیر حیرانی سے اس کا منہ دیکھتی رہی۔ وہ پہلی بار اس طرح سنجیدہ ہو کر گھر بدلنے کی بات کر رہا تھا اور کس لیے کر رہا تھا؟

"گھر بدل کر کیا ہوگا؟ کیا کسی آسمانی کالونی میں جا کر رہنے لگیں گے جہاں آس پاس لوگ ہی نہیں ہوں گے۔" تانی نے کچھ دیر بعد قدرے ناراضی سے کہا۔

"ہم جہاں بھی رہیں گے، وہاں لوگ ہوں گے۔"

"مگر ہر جگہ رہنے والے لوگ فلم اور اس سے متعلقہ لوگوں کے بارے میں ایسی سوچ نہیں رکھتے۔ دنیا بدل رہی ہے۔"

"دنیا جتنی جلدی بھی بدلے، کم از کم میری اور تمہاری زندگی میں فلم کے متعلق لوگوں کے خیالات نہیں بدلیں گے اور پھر جو کچھ فلم انڈسٹری میں ہوتا ہے..... نہیں ثمر! تم فلموں کا خیال چھوڑ دو ماڈلنگ ٹھیک ہے اور ایکٹنگ کرنی ہو تو ڈراموں میں کر لو مگر فلم نہیں۔"

"میں نے کون سا ابھی کوئی فلم سائن کر لی ہے۔ صرف ملوں گا جا کر۔ دیکھوں گا کہ کیا آفر کر رہے ہیں۔ کیسی فلم ہے پھر ہی کام کروں گا۔" ثمر نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"مگر کام ضرور کرو گے؟" تانی نے ناراضی سے پوچھا۔

"اگر اچھی فلم ہوئی تو ہاں..... ضرور کروں گا۔"

تانی ایک جھٹکے کے ساتھ تخت سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "بھاڑ میں جاؤ پھر تم۔ بے حد خود غرض ہو۔"

ثمر نے منہ کھول کر کچھ کہنا چاہا مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ تانی کمرے میں چلی گئی تھی۔ ثمر نے ایک بار پھر اپنے والٹ سے وہ کارڈ نکال لیا۔ وہ کچھ پرسوچ نظروں سے اس کارڈ کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

منیزہ نے اتنی جلدی واپس دیکھ کر ایک طرف جہاں حیران ہوئی تھی تو دوسری طرف انھوں نے اطمینان کا سانس بھی لیا تھا۔ امبر اس سے کچھ کہے بغیر اندر کمرے میں چلی گئی تھی۔ منیزہ دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آئیں مگر امبر اپنے کمرے میں جاتے ہی بیگ ایک طرف اچھال کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس نے چادر کھینچ کر اپنے اوپر لے لی اور اپنا چہرہ بھی ڈھانپ لیا۔ منیزہ جانتی تھیں اس کا کیا مطلب ہے۔ وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی بلکہ کچھ سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اور اس کی یہ چپ اگلے کئی دن جاری رہی۔ وہ خاموش رہی تھی مگر گھر پر ہی رہتی تھی اور منیزہ اور صبغہ کے لیے یہی کافی تھا۔ ان دونوں نے اس سے یہ پوچھنے کی کوشش نہیں کی کہ اس دن کیا ہوا تھا۔ منیزہ کا اندازہ تھا کہ ہارون وقت لے کر کے اس

دن نہیں آیا ہوگا اور اس کے نہ آنے نے امبر کو اس طرح ڈسٹرب کیا ہوگا۔ وجہ جو بھی تھی یا جو بھی رہی ہوگی، صبغہ اور منیزہ کو اب یہ اطمینان تھا کہ ہارون کمال سے اس کا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ وہ مصیبت جو انھیں سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی، ایک دم غائب ہو گئی تھی۔ مگر یہ ان کی غلط فہمی تھی۔

☆☆☆

وہ پے رول سائن کرتے کرتے چونک گیا۔ اسے شبہ ہوا کہ اکاؤنٹ سے کوئی غلطی ہوئی ہے ورنہ سات ہزار کے بجائے اس کے اکاؤنٹ میں تیرہ ہزار روپے جمع نہ کروائے جاتے۔ سائن کرنے کے بجائے وہ اپنی سیلری کے تمام اندراجات کو چیک کرنے لگا اور پھر ایک جگہ پر کچھ حیرانی سے رک گیا۔ وہاں الاؤنسز کی مد میں اسے پانچ ہزار روپے کا ایک اسپیشل الاؤنس دیا گیا تھا۔ شبیر نے قدرے الجھی ہوئی نظروں سے اس الاؤنس کو دیکھا۔ اکاؤنٹنٹ سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔

"آیئے آیئے شبیر صاحب! بیٹھیں۔" آفس ٹائم ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ اکاؤنٹنٹ کے آفس میں گیا۔ اکاؤنٹنٹ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

"آپ سے تو ویسے بھی مٹھائی کا مطالبہ کرنے ہی والا تھا میں۔" وہ کرسی پر بیٹھ رہا تھا جب اکاؤنٹنٹ نے اس سے کہا۔

شبیر کچھ اور الجھا۔ "کس چیز کی مٹھائی؟"

"آپ کی پے میں پانچ ہزار روپے کا اضافہ ہوا ہے اور آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ کس چیز کی مٹھائی۔"

"مگر میں آپ سے یہی تو پوچھنے آیا ہوں کہ میری پے میں آخر یہ اضافہ کس لیے کیا گیا ہے، باقی اسٹاف کی پے تو نہیں بڑھائی گئی؟"

"آپ کو پروموشن دی جا رہی ہے۔" اکاؤنٹنٹ نے ایک اور انکشاف کیا شبیر ایک بار پھر چونکا۔

"پروموشن..... ؟ کیسا پروموشن؟"

"یہ تو سر نے مجھے نہیں بتایا۔ بس انھوں نے مجھے بلا کر آپ کی پے میں اضافہ کرنے کے لیے کہا اور میرے پوچھنے پر بتایا کہ آپ بہت اچھا کام کر رہے ہیں، اس لیے آپ کو پروموشن بھی دی جا رہی ہے۔"

"مگر پروموشن تو مجھے ایم بی اے کرنے کے بعد ملنی تھی اور ایم بی اے میں ابھی کچھ ماہ ہیں۔" شبیر اس طرح الجھا ہوا تھا۔

"آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ پروموشن ہوئی ہے۔ پے میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ کمی تو نہیں اور اکٹھا پانچ ہزار روپے کا اضافہ ہونے کا مطلب ہے کہ آپ کے تو دن ہی پھر گئے۔ آپ عیش کریں ہمیں مٹھائی کھلائیں۔ خواہ مخواہ سوال جواب کیوں کر رہے ہیں۔" اکاؤنٹنٹ نے اطمینان سے کہا۔

شبیر مسکرا دیا۔ "مٹھائی تو میں کھلا دوں گا مگر پہلے یہ تو کنفرم ہو جائے کہ واقعی پروموشن ہو گئی ہے۔"

"پے تو بڑھ گئی ہے اور ہر ماہ بڑھی ہوئی ہی ملے گی پھر آپ کو کیا پریشانی ہے۔ آپ تسلی رکھیں۔ آج کل میں سر آپ کو خود بلا کر اس کے بارے میں بتائیں گے۔" اکاؤنٹنٹ نے کہا۔

شبیر کچھ دیر اس کے پاس بیٹھا رہا پھر وہاں سے اٹھ کر اپنے آفس کی طرف چلا آیا۔ اپنے آفس جانے کے بجائے اے آر ایم کے آفس میں چلا آیا۔

باقر علی اپنے آفس میں تھے۔ وہ فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھے۔ شبیر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بھی وہ فون پر بات کرنے میں مصروف رہے۔ شبیر ان کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور ان کی فون پر ہونے والی بات ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

"ہاں کیا کام ہے شبیر؟" باقر علی نے فون رکھتے ہی اس سے پوچھا۔

شبیر کو ان کا انداز بے حد عجیب لگا۔ وہ بہت نفیس اور شائستہ آدمی تھے اور شبیر سے ہمیشہ بہت اچھی طرح بات کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شبیر نے ان کے بدلے ہوئے انداز کو فوری طور پر پہچان لیا تھا۔

"سر! میں اپنی پروموشن کے بارے میں جاننا چاہ....."

شبیر کی بات کاٹتے ہوئے انھوں نے کہا۔ "ہو تو گئی بلکہ تنخواہ بھی بڑھ گئی ہے تمہاری۔ کل سے تمہاری سیٹ اور آفس بھی بدل جائے گا۔ پھر اب کیا مسئلہ ہے؟"

باقر علی کا لہجہ کچھ اور درشت ہو گیا تھا۔ ان کے چہرے پر وہ مسکراہٹ نہیں تھی جو عام طور پر ان کی شخصیت کا ایک حصہ تھی اور پھر کسی کو پروموشن اور پے میں اضافہ کی خبر سناتے ہوئے تو کم از کم ان کے تاثرات اتنے عجیب نہیں ہونے چاہیے تھے۔

"مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے سر.....! میں تو اصل میں یہ جاننے آیا ہوں کہ مجھے پروموشن کس حوالے سے دی جا رہی ہے۔ میرا ایم بی اے تو ابھی مکمل نہیں ہوا۔"

باقر علی نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔ "یہ تو مجھے بھی نہیں پتا کہ تمھیں پروموشن کس حوالے سے دی گئی ہے مگر دے دی گئی ہے۔ اب یہ تو چیف ایگزیکٹو ہی بتا سکتے ہیں۔ میں نے تو صرف ان کے آرڈرز کی تعمیل کی ہے۔"

روشان حیرانی سے باقر علی کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چیف ایگزیکٹو نے یک دم اس کی پروموشن کیسے کر دی تھی۔ وہ بھی اس صورت میں جب وہ ذاتی طور پر اسے جانتے تھے نہ اس کے کام کو اور باقر علی کے بقول انھیں اس بارے میں کچھ بتایا نہیں تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ ایچ آر ایم کے طور پر کم از کم انھوں نے اس کی کوئی سفارش نہیں کی تھی پھر....." وہ الجھی ہوئی نظروں سے باقر علی کو دیکھتا رہا۔

"کچھ اور؟" باقر علی بالواسطہ طور پر اسے اب وہاں سے جانے کے لیے کہہ رہے تھے۔

"نہیں کچھ نہیں۔" وہ معذرت کرتے ہوئے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ مگر اس کا ذہن کچھ اور الجھ گیا تھا۔

پروموشن..... پانچ ہزار روپے..... باقر علی کا عجیب رویہ..... یہ سب چیزیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ قدرتی طور پر تنخواہ میں اس اضافے پر اسے خوش ہونا چاہیے تھا مگر وہ خوش ہونے کے بجائے کچھ الجھ گیا تھا۔

☆☆☆

صبغہ اپنی فائل پکڑے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

اسٹکش آفس نیم تاریک تھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے قدم آگے نہیں بڑھا سکی۔ اس کی آنکھوں کو اس کمرے کی نیم تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہونے میں چند لمحے لگے۔

"آ جائیں، بیٹھیں۔" اس سے پہلے کہ وہ قدم آگے بڑھاتی ایک مرد کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

دروازے کے دائیں جانب سامنے دیوار کے ساتھ ایک چھبیس ستائیس سال کا نوجوان اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ صبغہ نے قدم اس کی طرف بڑھائے اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پہلی بار اس نوجوان کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ سے صبغہ کو ایک ناخوشگوار سا احساس ہوا۔

"فرمائیں..... آپ کسی جاب کے لیے آئی ہیں؟" اس نوجوان نے اسی انداز میں صبغہ نے اس کی نظروں اور مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"جی..... آپ نے پی آر او کی ایک پوسٹ ایڈورٹائز کی تھی۔" صبغہ نے اس کی نظروں اور مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں کی تو تھی..... آپ اس کے لیے آئی ہیں؟" اس نے صبغہ پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا کوالیفکیشن ہے آپ کی؟"

"میں نے اے لیولز کیا ہے۔"

"مگر ہم نے تو کم از کم کوالیفکیشن گریجویشن مانگی ہے۔" اس نے اپنی کرسی کو دائیں بائیں گھماتے ہوئے کہا۔

"میں اس سال پرائیویٹ طور پر بی اے کا ایگزام دوں گی۔"

''انگلش بڑی اچھی ہے آپ کی..... آپ کہیں بیرون ملک سے آئی ہیں؟'' اس نے صبغہ کے لہجے کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ خود وہ اردو میں بات کر رہا تھا۔

''ہم کافی سال گلف میں رہے ہیں۔ میری اسکولنگ وہیں ہوئی برٹش اسکول میں۔'' صبغہ نے فائل اس نوجوان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اچھا!'' اس نوجوان نے عجیب سے انداز میں کہا اور کچھ آگے جھکتے ہوئے فائل پکڑنے کے لیے دائیں کے بجائے اپنا بایاں ہاتھ بڑھایا۔ اس نے صبغہ کے ہاتھ کو صرف چھوا نہیں بلکہ مکمل طور پر صبغہ کے ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھتے ہوئے اس سے فائل لی۔ صبغہ نے جیسے کرنٹ کھا کر اپنا دایاں ہاتھ پیچھے کھینچا۔ وہ ایک دم سراسیمہ ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اس نوجوان نے فائل اپنے سامنے میز پر رکھتے ہوئے اسی انداز میں مسکرا کر کہا، وہ صبغہ کی گھبراہٹ سے جیسے محظوظ ہو رہا تھا۔

''آپ ہاتھ لگنے پر اس طرح گھبرا رہی ہیں۔ پی آر او کی جاب میں تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

صبغہ کے حلق سے آواز تک نہیں نکل سکی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ گود میں رکھا ہوا تھا اور وہ ابھی تک اس ہاتھ پر اس کا لمس محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنے جسم میں لرزش محسوس کی۔ وہ پہلی بار جاب کی تلاش میں ایسے تجربے سے گزر رہی تھی۔

وہ نوجوان اب فائل کھولے اس کے سی وی پر نظر ڈال رہا تھا۔

''جاب شوقیہ کرنا چاہتی ہیں یا ضرورتاً؟'' اس نے فائل دوبارہ بند کر دی۔

''ضرورتاً۔'' صبغہ کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

''کیوں..... ضرورتاً کیوں؟ آپ تو کسی اچھی فیملی سے لگتی ہیں۔ بڑے اچھے اداروں سے پڑھی ہیں۔ یقیناً آپ کے والد صاحب امیر ہوں گے پھر پی آر او جاب.....'' وہ عجیب سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''میرے پیرنٹس میں Divorce (طلاق) ہو چکی ہے۔''

''اوہ۔'' اس کے منہ سے یک دم نکلا۔ اس کے چہرے پر اب بے حد اطمینان تھا۔ وہ ایک بار پھر اپنی ریوالونگ چیئر کے دونوں ہتھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمانے لگا۔ ''ہمیں پی آر او کے لیے کوالیفکیشن اتنی نہیں چاہیے جتنا ''Cooperation (تعاون)'' چاہیے۔ میں آپ کو یہ جاب دے سکتا ہوں آپ کے اس سی وی کو دیکھے بغیر..... کیونکہ آپ خوبصورت ہیں مگر میں آپ سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کس حد تک ''Cooperate (تعاون) کریں گی۔'' اس نے اپنی طرف سے بہت کم الفاظ میں صبغہ تک اپنا ''مفہوم'' پہنچایا۔ یہ صبغہ کی بدقسمتی تھی کہ وہ اس کی بات کو سمجھ نہیں سکی۔

''Cooperate (تعاون) سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ اگر آپ یہ پوچھ رہے ہیں کہ میں کیسا کام کروں گی تو میں بہت دیانت داری کے ساتھ کام کروں گی.....'' وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکی۔ اس نوجوان نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''اور ہمیں دیانت داری کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کوئی اکاؤنٹس سیکشن میں تو نہیں لا رہے ہیں آپ کو..... ہم تو فرنٹ ڈیسک پر بٹھائیں گے آپ کو اور اس کے ساتھ ساتھ میری سیکرٹری کے طور پر بھی کام کرنا ہوگا آپ کو۔ اور اس کے علاوہ میرے ساتھ تعلقات رکھنے پڑیں گے آپ کو اور ہماری کمپنی کے کچھ دوسرے کلائنٹس کے ساتھ بھی۔ ہم آپ کی ان خدمات کے لیے آپ کو اضافی مراعات دیں گے۔ میں اس لیے آپ کو یہ سب کچھ انٹرویو کے دوران ہی بتا رہا ہوں تاکہ آپ کو اپنے کام کی نوعیت کا اندازہ ہو جائے، بعد میں آپ ہمارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہ کر دیں کیونکہ ہم جھوٹ اور فریب کے ذریعہ تو بھرتی نہیں کریں گے آپ کو..... ویسے تو آپ سمجھ دار ہوں گی پہلے ہی.....''

وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا۔ صبغہ یک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے برق رفتاری سے جھک کر اس کے آگے پڑی ہوئی فائل کھینچی اور کچھ کہے بغیر تیز قدموں کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کا پورا جسم غم و غصہ سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اس چپڑاسی کو بھی نہیں دیکھا جو اس کے پیچھے بھاگتا ہوا آفس سے باہر آیا تھا۔

تیز لیے لیے ڈگ بھرتے ہوئے وہ اپنے ہونٹ بھینچے جیسے پلک جھپکنے میں وہاں سے غائب ہو جانا چاہتی تھی۔ باہر کی دنیا کا خوفناک چہرہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

سڑک پر ٹریفک کا شور تھا۔ وہ سوچے سمجھے بغیر بہت دیر تک بامقصد سڑک پر چلتی رہی۔ اس کے کانوں میں ابھی بھی اس شخص کی باتیں گونج رہی تھیں اور اسے اپنا ہاتھ ابھی بھی اس کی گرفت میں لگ رہا تھا۔ وہ یک دم رک گئی اور اس نے اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا ہاتھ گندا ہو گیا ہے۔ وہ ایک قریبی اسٹور کی طرف گئی۔ پانی کی ایک بوتل خرید کر وہ شاپ سے باہر نکلی اور اپنا دایاں ہاتھ اس سے دھونے لگی۔ بوتل کا سارا پانی ہاتھ کی پشت پر بہانے کے بعد بھی اسے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اسے اب بھی اپنا ہاتھ اسی طرح گندا لگ رہا تھا۔ پانی کی بوتل پھینکتے ہوئے وہ قریبی بس اسٹاپ کی طرف چلی آئی۔ اسے اس روز ایک اور جگہ بھی انٹرویو کے لیے جانا تھا مگر سب کچھ اس کے ذہن سے جیسے پلک جھپکنے میں غائب ہو گیا تھا۔

بس اسٹاپ پر کھڑے بس کے لیے انتظار کرتے ہوئے اس کا سارا غم و غصہ جیسے آنسوؤں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ صبغہ کو پتا نہیں کیوں اتنا رونا آیا تھا اور کیوں وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ شروع کے چند منٹ تو اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ رو رہی ہے ___ سڑک پر نظریں جمائے بس کا انتظار کرتے ہوئے اس کے گالوں پر مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ پھر آس پاس کے لوگوں کی نظریں اپنے اوپر محسوس کرتے ہوئے اس کو اپنے آنسوؤں کا احساس ہوا۔ اس نے دوپٹے کے ساتھ آنکھوں اور گالوں کو رگڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ اس کے دونوں ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ وہاں بس اسٹاپ پر کھڑے زندگی میں پہلی بار خود کو اتنا بے بس محسوس کیا۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

”تو اب اسے زندگی میں ایک جاب کی تلاش میں یہ سب کچھ سننا اور کرنا پڑے گا۔ چند روپوں کے لیے وہ پہلی بار انسان نما جانور سے مل کر آئی تھی۔ وہ ”چوپایہ“ جو جیب میں چند نوٹ زیادہ رکھ کر لوگوں کی زندگیوں، عزتوں اور مجبوریوں کا سودا کرتا ہے۔

وہ بے آواز رو رہی تھی اگر اس نے دوپٹے کے ساتھ اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ نہ رکھے ہوتے تو شاید وہ اس وقت بس اسٹاپ کے اس پول کے ساتھ کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہوتی۔

شہیر نے اسے بس اسٹاپ پر آتے ہی دیکھ لیا تھا۔ وہ عام حالات میں شاید اس پر ایک نظر ڈال کر اسے نظرانداز کر دیتا۔ مگر وہ اس وقت اس پر سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ وہ گرد و پیش سے مکمل بے نیاز ایک پول کے پاس کھڑی رو رہی تھی۔ اس کا چہرہ بری طرح سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر بینچ پر بیٹھا تھا مگر اتنی دور سے بھی اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کانپ رہی ہے۔ اسے خدشہ محسوس ہوا کہ وہ کسی بھی وقت گر جائے گی۔ صرف وہ اس کی طرف متوجہ ہونے والا اکیلا آدمی نہیں تھا۔ وہاں آس پاس بیٹھے اور کھڑے دوسرے مرد اور عورتیں بھی وقتاً فوقتاً اس کو دیکھ رہے تھے مگر کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔

شہیر آگے بڑھ کر اس کے پاس جانا چاہتا تھا مگر وہ بھی ہچکچاہٹ کا شکار تھا۔ صرف ہمسایہ ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اس کو کسی بھی جگہ مخاطب کرتا اور پھر اس حالت میں پتا نہیں اس کا ردعمل کیسا ہو؟ شہیر نے اس کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی۔

اگلے چند منٹوں میں بس آ گئی۔ اسٹاپ پر کھڑے لوگ بس کی طرف لپکے۔ شہیر نے بھی بس کی طرف قدم بڑھایا مگر پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ صبغہ ابھی بھی وہیں کھڑی تھی۔ وہ بس کی طرف نہیں گئی تھی۔ بس اسٹاپ یک دم خالی ہو گیا تھا اور لوگوں کی عدم موجودگی نے شہیر کی جھجک کو کچھ دیر کے لیے ختم کر دیا۔

وہ خود بس پر سوار ہونے کے بجائے اس کی طرف بڑھ آیا۔

”صبغہ.... صبغہ.... صبغہ“ وہ تیسری دفعہ اپنا نام سن کر چونکی تھی۔ گردن موڑ کر اس نے دائیں طرف کھڑے آدمی کو دیکھا اور اس کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ کیا ضروری تھا کہ کوئی جاننے والا اس حالت میں اس کو دیکھے۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“ وہ تشویش سے پوچھ رہا تھا۔ صبغہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی اور یہ کوشش ”کافی“ ثابت ہوئی۔ وہ یک دم بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شہیر حواس باختہ ہو گیا۔ صورت حال بے حد عجیب ہو گئی تھی۔ سڑک سے گزرنے والے لوگ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے

اب وہاں رکنے لگے تھے۔ وہ اپنی ہمدردی پر بے اختیار پچھتایا۔

"آپ یہاں بینچ پر بیٹھ جائیں۔ اگر رونا بھی ہے تو بھی بیٹھ کر روئیں...... میں آپ کو پانی لا کر دیتا ہوں۔"

وہ کہتے ہوئے چلا گیا۔ صبغہ نے بینچ پر بیٹھ کر اپنا چہرہ دوپٹے سے ڈھانپ لیا۔ وہ اپنی ہچکیوں اور سسکیوں کو روک نہیں پا رہی تھی مگر کم از کم اب کوئی اس کا چہرہ نہیں دیکھ پا رہا تھا اور نہ وہ خود کسی کو دیکھ سکتی تھی۔

"ان کی طبیعت خراب ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد شہیر کو کسی عورت کو بتاتے سنا۔

"ہاں ہم بس گھر جانے والے ہیں۔" صبغہ کو یک دم احساس ہوا کہ اس کی وجہ سے شہیر کو بھی پریشانی اور خفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

"یہ پی لیں۔" صبغہ نے اپنے چہرے کو دوپٹے سے رگڑا اور شہیر کی طرف دیکھے بغیر جوس کا وہ پیک پکڑ لیا جو وہ اسے پکڑا رہا تھا۔

"بیٹا! یہ رکشہ کھڑا ہے، اسے لے آؤ۔" اسی عورت نے دوبارہ شہیر سے کہا جو پہلے اسے صبغہ کو گھر لے جانے کا مشورہ دے رہی تھی۔ شہیر نے پلٹ کر ایک نظر اس رکشہ کو دیکھا پھر صبغہ کو اور پھر کچھ کہے بغیر اس رکشہ کی طرف بڑھ گیا۔

"آ جائیں!" چند منٹوں کے بعد اس نے کہا۔ صبغہ نے کوئی اعتراض یا سوال نہیں کیا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور رکشہ میں جا کر بیٹھ گئی۔ وہ بھی اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔ رکشہ کچھ دیر چلتا رہا پھر اچانک شہیر نے کہا۔

"بس یہیں پر روک دیں۔" صبغہ نے کچھ الجھ کر اسے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ اسے نیچے اترتے دیکھ کر وہ بھی نیچے اتر گئی۔

"میں نے آپ کو یہاں اس لیے اتارا ہے کیونکہ آپ اس طرح گھر جائیں گی تو صرف آپ کے گھر والے ہی پریشان نہیں ہوں گے بلکہ محلے کے لوگ بھی آپ کو عجیب نظروں سے دیکھیں گے۔"

صبغہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو آنے لگے۔ شہیر نے بے چارگی سے اسے دیکھا۔

نہر کے کنارے ایک جگہ لگے ہوئے نل سے صبغہ نے اپنا منہ دھویا پھر اس بینچ پر آ کر بیٹھ گئی جس پر شہیر بیٹھا ہوا تھا۔ شہیر نے قدرے افسوس سے اسے دیکھا۔ منہ دھونے کے باوجود چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں بری طرح سوجی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر پڑنے والی ایک نظر ہی یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔

صبغہ نے اپنے بیگ سے برش نکال کر بالوں کو برش کیا اور بالوں کو ایک بار پھر اچھی طرح سمیٹ کر باندھ لیا۔ بالوں کی لٹیں جو پہلے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ اب سمٹ چکی تھیں۔ وہ کچھ بہتر نظر آ رہی تھی۔ شہیر اس سارے عمل کے دوران نہر کے بہتے پانی کو دیکھتا رہا۔

کچھ دیر دونوں اسی طرح چپ چاپ بیٹھے رہے۔ پھر صبغہ نے جیسے میکانکی انداز میں شہیر کو اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں اس کے کسی سوال کے بغیر ہی بتا دیا تھا۔ وہ اپنے ذہن اور کندھوں سے جیسے کوئی بوجھ اتار رہی تھی۔

وہ جب خاموش ہوئی تو شہیر نے کہا۔ "یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے کہ اس پر آپ اس طرح روتیں۔"

صبغہ نے جیسے بے یقینی سے شہیر کو دیکھا۔ وہ بالکل سنجیدہ تھا۔ اس کے نزدیک یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی۔

"آپ اتنے عرصے سے جاب ڈھونڈ رہی ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا "مختلف آفسز میں جا رہی ہیں۔ اب تک تو آپ کو اس طرح کی باتوں کا عادی ہو جانا چاہیے تھا۔"

"میرے ساتھ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔" اس نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

"پھر آپ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھیں۔" شہیر نے برجستگی سے کہا۔ "سارے آفس برے ہوتے ہیں نہ سارے لوگ...... آپ کو اس سے پہلے کوئی برا تجربہ نہیں ہوا...... آج ہوا...... تو رونے کے بجائے آپ اس واقعہ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتیں۔"

صبغہ کا دل ایک بار پھر بھر آیا۔

"دیکھیں۔ میرا مقصد آپ کو ڈرانا نہیں ہے۔" شہیر نے جلدی سے کہا۔ "میں آپ کو صرف ایک بات سمجھا رہا ہوں۔ اس طرح ہر اشتہار کو دیکھ کر آفیسز میں جانے کے بجائے آپ کسی ریفرنس سے کہیں جائیں..... آپ کا تعلق اچھی فیملی سے ہے، آپ کو تو بڑی آسانی سے کوئی ریفرنس مل جائے گا۔"

"اگر یہ میرے لیے آسان ہوتا تو مجھے اب تک جاب مل چکی ہوتی۔" وہ بے حد مایوس نظر آ رہی تھی۔

"آپ چاہیں تو میں آپ کے لیے کوشش کر سکتا ہوں۔ بہت اچھی جاب کا وعدہ تو میں نہیں کرتا مگر ایک ریزن ایبل جاب آپ کو دلوا سکتا ہوں۔" شہیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

صبغہ نے ایک نظر اسے دیکھا مگر خاموش رہی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ پچھلے کچھ عرصہ سے اس کے اندر اکٹھا ہونے والی فرسٹریشن یوں اچانک باہر آ جائے گی اور وہ بھی اس طرح۔ شہیر کے سامنے شرمندگی محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ وہ وہاں بیٹھی اپنے آپ کو مطمئن بھی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے باوجود کہ شہیر سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

وہ کچھ دیر اور وہاں بیٹھے رہے تھے۔ شہیر وقفے وقفے سے اس سے سوال کرتا رہا تھا اور وہ اسے اپنے فیملی کرائسس کے بارے میں بتاتی رہی۔ وہ بہت عرصہ کے بعد کسی سے اس طرح بات کر رہی تھی اور اسے احساس ہی نہیں ہو پا رہا تھا کہ اسے کس حد تک بتانا چاہیے اور کس حد تک بتا رہی تھی۔ شہیر خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے انداز میں بردباری تھی جو اس کی عمر کے لڑکوں میں عام طور پر نہیں ہوتی۔

"یہ ہارون کمال کون ہے؟"

وہ اس کے اچانک پوچھے جانے والے سوال پر یک دم ساکت ہو گئی تھی۔ وہ ہارون کمال کو کیسے جانتا تھا اور اگر جانتا تھا تو کس حد تک..... صبغہ نے پریشان نظروں سے شہیر کو دیکھا۔ وہ جواب کا منتظر تھا۔ صبغہ کی نظروں سے جھلکنے والی پریشانی نے اسے کچھ حیران کیا۔

"اگر آپ بتانا نہیں چاہتیں تو مت بتائیں۔" شہیر نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔

مگر اس وقت ایک جھماکے کے ساتھ صبغہ کی نظروں کے سامنے ہارون کمال کا چہرہ آ گیا۔ اس نے اس مشابہت کو بالآخر شناخت کر لیا جو ہر بار شہیر کا سامنا ہوتے پر اسے پریشان کرتی تھی۔ وہ ہارون کمال سے مشابہت رکھتا تھا اور تھوڑی بہت نہیں..... بہت زیادہ مشابہت۔ اور اب وہ اس سے ہارون کمال کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ ہارون شہیر کا باپ نہیں ہے کیونکہ شہیر کا باپ مر چکا تھا مگر پھر ہارون سے شہیر کا کیا تعلق تھا؟ وہ کس حوالے سے ہارون کمال کے بارے میں پوچھ رہا تھا؟

"آپ ہارون کمال کو کیسے جانتے ہیں؟" شہیر اس کے لہجے پر چونک گیا۔

"میں نے آپ کے گھر میں کئی بار اس کا نام سنا ہے۔" شہیر نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔

"بس؟" صبغہ نے جیسے تصدیق چاہی۔

"ہاں..... چونکہ ایک ہارون کمال کو میں بھی جانتا ہوں تو میں نے اس لیے آپ سے پوچھا۔" صبغہ ایک بار پھر چونکی۔

"آپ کس ہارون کمال کو جانتے ہیں؟"

"میں ذاتی حیثیت میں تو نہیں جانتا۔" شہیر نے کہا۔ "میرا بھائی ماڈلنگ کر رہا ہے اور ہارون کمال کی بیٹی اس کے ساتھ ان کنسرٹس میں کام کر رہی ہے، اسی حوالے سے ایک بار اس کی فیملی سے ملا ہوں۔"

"نایاب..... ان کی بیٹی؟"

"ہاں۔" شہیر نے سر ہلایا۔

"اور ان کی بیوی سے بھی ملاقات ہوئی؟"

"شائستہ ہارون کمال؟" صبغہ جیسے بڑبڑائی۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ وہی ہارون کمال ہے جس کی فیملی سے آپ کا تعلق ہے۔" شبیر نے کہا۔

"تعلق۔" صبغہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہارون کا تعارف کس حوالے سے کروائے..... منصور علی کے حوالے سے یا امبر کے حوالے سے۔

"میرے فادر کے فرینڈ ہیں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔ شبیر کو احساس ہوا، اس کے انداز میں ہارون کے لیے ناپسندیدگی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ اس کے والد کے دوست تھے۔ وہ جانتا تھا کہ صبغہ کے والد اور والدہ کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے اور وہ اس ناپسندیدگی کو سمجھ سکتا تھا جو وہ اپنے باپ کے حوالے سے کسی بھی شخص کے لیے رکھ سکتی تھی۔

"ہمیں اب چلنا چاہیے، دیر ہو رہی ہے۔" شبیر نے یک دم موضوع بدلتے ہوئے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور کھڑا ہو گیا۔

"آئی ایم سوری....." صبغہ نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا۔

"کس لیے؟" وہ حیران ہوا۔

"میری وجہ سے آپ کو خوامخواہ تکلیف ہوئی..... آپ کا وقت ضائع ہوا۔" وہ مشکور لہجے میں بولی۔

"یہ معمولی بات ہے۔ آپ اس طرح نہ سوچیں۔" شبیر نے لاپروائی سے کہا۔

☆☆☆

ہارون کمال نے اس دن کے بعد اگلے کئی دن بڑی بے تابی کے ساتھ امبر کی کال کا انتظار کیا تھا مگر امبر کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا اور تب اسے خدشہ ہوا کہ کہیں اس دن اس طرح راستے میں اتار دینے کی وجہ سے امبر ناراض نہ ہو گئی ہو۔

اسے خود بھی احساس تھا کہ اس کا امبر کو اس طرح گاڑی سے اتار دینا نامناسب تھا مگر وہ اس وقت نایاب کی وجہ سے اس طرح حواس باختہ ہوا تھا کہ اس کے پاس اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں بچا تھا۔ وہ امبر کو ساتھ لے کر نایاب کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو وہ شاید اسے نایاب کے سامنے ساتھ لے ہی جاتا کیونکہ نایاب کے لیے ماں باپ کے دوست کوئی انوکھی بات نہیں تھے مگر امبر کو وہ جانتی اور پہچانتی تھی اور اسد کے حوالے سے اس کے بارے میں ہارون کے احساسات اور جذبات سے بھی واقف تھی اور اب..... ہارون کے ساتھ امبر کو دیکھ کر وہ خود تو چونکتی سو چونکتی..... شائستہ سے اس کا تذکرہ کرنے سے بھی باز نہیں رہتی اور ہارون اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

مگر اب اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ اسے یک دم امبر اپنی مٹھی سے نکلتی ہوئی نظر آ رہی تھی اور شاید یہ پریشانی ہی تھی جس نے بالآخر اسے ان گلیوں میں جانے پر مجبور کر دیا تھا جہاں وہ کبھی پاؤں رکھنا پسند نہ کرتا۔ امبر کا ایڈریس اس کے پاس تھا اور کئی دنوں تک اس کا انتظار کرنے کے بعد وہ ایک شام اس کا گھر ڈھونڈتے ہوئے ان گلیوں میں چلا ہی آیا تھا۔

امبر کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس نے ساتھ والے دروازے کے باہر شبیر کو کھڑے دیکھا۔ دونوں نے ایک لمحے میں ایک دوسرے کو پہچانا تھا۔ ہارون حواس باختہ ہو گیا۔ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ ان گلیوں میں بھی اس کا کوئی شناسا مل سکتا ہے۔ دوسری طرف شبیر اسے دیکھ کر حیران تھا۔ ہارون کمال جیسے شخص کا اس محلے کے ایک گھر کی دہلیز پر موجود ہونا..... وہ سمجھ نہیں سکا تھا۔

ہارون نے اسے دیکھ کر یک دم منہ موڑ لیا اور مکمل طور پر اسے نظر انداز کیا۔ شبیر نے بھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے گھر کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا مگر اس کا ذہن مکمل طور پر الجھا ہوا تھا۔

منیزہ نے دروازہ کھولا ہارون کو اپنے دروازے پر دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ فوری طور پر ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے وہاں دیکھ کر کس ردعمل کا اظہار کریں۔ یقیناً وہ اپنا دروازہ اس پر بند نہیں کر سکتی تھیں اور اندر بلانے کا مطلب......

"السلام علیکم بھابھی!" ہارون نے بڑے تپاک سے سلام کیا۔

منیزہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئیں۔ یہ اندر آنے کا اشارہ تھا۔ ہارون اندر داخل ہو گیا۔ سامنے کمرے سے نکلتی

ہوئی امبر نے اسے اندر آتے دیکھا اور وہ صحن میں قدم رکھتے رکھتے ٹھٹک گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ وہاں آئے گا۔

"ہیلو امبر!" ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

امبر جواب دینے کے بجائے کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر بے حد مدھم آواز میں بولی۔ "ہیلو!"

"کیسی ہو تم؟" ہارون بڑے خوشگوار لہجے میں پوچھنے لگا یوں جیسے ان کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"میں ٹھیک ہوں۔" امبر نے اس بار منیزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو صحن میں ان دونوں سے کچھ فاصلے پر کھڑی ان دونوں کے چہروں کو الجھے ہوئے انداز میں دیکھ رہی تھیں شاید وہ یہ سوچنے میں مصروف تھیں کہ اس صورت حال میں انہیں کیا کرنا چاہیے۔

امبر نے دوبارہ ہارون کو دیکھا پھر صحن میں پڑی کرسیوں پر نظر ڈالی اور پھر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہارون سے بولی۔

"بیٹھیں۔" ہارون کچھ حیران ہوا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اسے وہاں صحن میں ہی بیٹھنے کے لیے کہے گی۔

ہارون نے ایک نظر منیزہ کے چہرے پر ڈالی جہاں آج اس ممنونیت اور تشکر کا کوئی نشان نہیں تھا جو کچھ عرصہ پہلے ہارون کو دیکھ کر ان کے چہرے پر آ جاتا تھا۔ ہارون اندازہ کر سکتا تھا کہ ان کے ماتھے پر آنے والے بلوں کی وجہ کیا تھی مگر اسے کوئی ندامت تھی نہ شرمندگی۔

وہ آگے بڑھ کر صحن میں پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے یہاں آنے کا قدم تو اٹھا لیا تھا مگر اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ گھر میں موجود دوسرے لوگوں کے سامنے امبر سے کوئی بات کیسے کرے۔

امبر بھی ایک کرسی کھینچتے ہوئے اس پر بیٹھنے لگی پھر یک دم اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں چائے لاتی ہوں۔"

"نہیں، چائے کی ضرورت نہیں ہے۔" ہارون نے فوراً مداخلت کی؟ میں یہاں چائے پینے نہیں آیا۔ مجھے جلدی جانا ہے۔ کچھ ضروری کام نپٹانا ہیں۔"

منیزہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہیں۔ ہارون اب واقعی کنفیوز ہو رہا تھا۔ وہ امبر سے جو کچھ کہنا چاہتا تھا، وہ منیزہ کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کی کسی بات پر اس طرح کے ردعمل کا اظہار کرے گی۔

"آپ اگر چائے پینے نہیں آئے۔" گفتگو کا آغاز بالآخر امبر نے ہی کیا تھا۔ "اور آپ کو جلدی بھی ہے تو پھر آپ کس لیے یہاں آئے ہیں؟"

امبر کے انداز میں گرم جوشی کا وہ عنصر مفقود تھا جو اس سے پہلے ہارون کمال کو نظر آتا رہا تھا اور وہ اب بڑی آسانی سے یہ اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ ناراض تھی اور اس کی ناراضی کی وجہ سے بھی وہ واقف تھا۔

"میں آپ لوگوں کو یہ بتانے آیا تھا کہ میں نے آپ لوگوں کے لیے گھر کا انتظام کر لیا ہے۔" ہارون کمال کو وہ موضوع سوجھ گیا جس پر وہ بات کر سکتا تھا۔

"کس لیے؟" امبر کا لہجہ اسی طرح ٹھنڈا تھا۔

"میری بات ہوئی تھی اس سلسلے میں۔" ہارون نے یاددہانی کرانے والے انداز میں کہا۔

آپ سے بھی، یہاں آنے کے چند دنوں کے بعد میں نے اس بارے میں بات کی تھی۔" ہارون نے منیزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تب میں بیرون ملک جا رہا تھا اس لیے فوری طور پر اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکا مگر....." امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مگر اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

''کیوں؟'' ہارون نے بے حد تحمل سے پوچھا۔

''ہم یہاں خوش ہیں۔'' اس بار میزہ نے کہا۔ ''اور اگر ہمیں گھر تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ہم یہ کام خود کر لیں گے۔ آپ کی مدد کا شکریہ۔''

میزہ نے اسے ٹکا سا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ہارون کمال نے گردن موڑ کر امبر کو دیکھا۔ وہ اس کا ردعمل جاننا چاہتا تھا۔

''ممی ٹھیک کہتی ہیں۔ اب ہمیں کسی گھر کی ضرورت نہیں ہے۔''

''بے وقوف مت بنو امبر!'' ہارون جھنجلا کر بولا۔ ''اب جب میں تمہارے کہنے پر گھر کا انتظام کر چکا ہوں تو تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی۔

''یہ علاقہ تم لوگوں کے رہنے کے لائق نہیں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ یہاں کس طرح رہ رہے ہو۔ مجبوری کی بات اور ہے مگر اب جب میں آفر کر رہا ہوں کہ میں تم لوگوں کو ایک بہتر گھر میں شفٹ کر دیتا ہوں تو......''

امبر نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ ''مگر کیوں؟...... آخر آپ کا اور ہمارا تعلق کیا ہے کہ ہم آپ کے کہنے پر آپ کے دیے ہوئے گھر میں جا کر رہنے لگیں۔'' امبر کے لہجے میں ترشی تھی۔

''اور کوئی ہم سے آپ کے بارے میں پوچھے تو ہم آپ کو کس نام سے متعارف کروائیں۔ کیا کہیں کہ آپ ہمارے انکل ہیں، فیملی فرینڈ ہیں، کیا ہیں؟''

وہ بے حد تلخ ہو رہی تھی اور اس کے لہجے میں جھلکتی تلخی کو ہارون نے بڑی آسانی سے محسوس کر لیا تھا۔ اسے یک دم یوں لگنے لگا تھا کہ اس پر کی جانے والی اس کی ساری محنت ضائع ہو گئی۔ وہ بالکل اسی طرح بات کر رہی تھی جس طرح طلاق ہو جانے سے پہلے ہارون سے کیا کرتی تھی۔

''ہر رشتے کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' ہارون نے بے حد تحمل سے کہا۔

''ہوتی ہے...... ہر رشتے کو وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم سوسائٹی میں رہتے ہیں، جنگل میں نہیں۔'' امبر اسے بولنے نہیں دے رہی تھی۔

ہارون چند لمحوں کے لیے کچھ بول نہیں سکا بس حیرانی سے امبر کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ وہاں کھل کر کچھ کہہ نہیں سکتا تھا اور امبر کوئی لحاظ کرنے پر تیار نہیں تھی۔

''میں جو کچھ کر رہا ہوں آپ لوگوں کی ہمدردی میں کر رہا ہوں۔'' ہارون نے سنبھل کر باری باری میزہ اور امبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میرا کوئی ذاتی مفاد تو نہیں ہے اس میں...... آپ لوگوں کی فیملی کے ساتھ اتنی پرانی واقفیت ہے اسی لیے......''

امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''بس، سب کچھ ہمدردی کے لیے کر رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ ہماری فیملی کے ساتھ آپ کی پرانی واقفیت ہے اور کچھ نہیں کوئی اور جذبہ، کوئی اور احساس نہیں؟''

ہارون بری طرح پھنسا تھا اور اب وہ جذبات میں آ کر اس طرح وہاں چلے آنے پر اسے پچھتاوا ہو رہا تھا۔ بہتر تھا وہ کچھ دن اور انتظار کرتا۔ امبر کبھی نہ کبھی تو خود اس سے رابطہ کرتی تب اسے امبر اور میزہ کے سامنے اس صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔

''اگر یہ صرف ہمدردی اور تعلقات کا لحاظ ہے تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر یہ کچھ اور ہے تو پھر آپ کو یہ وضاحت کرنی پڑے گی کہ آپ کس جذبے کے تحت ہماری مدد کرنا چاہتے ہیں؟''

''امبر! ہم باہر چل کر اس موضوع پر بات نہیں کر سکتے کیا؟'' اس بار بالآخر ہارون پہلی بار اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''باہر چل کر؟'' امبر نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''کہاں چل کر؟ آپ کی گاڑی میں؟ تاکہ آپ دوبارہ مجھے پہلے کی طرح جب چاہیں اتار دیں۔''

ہارون نے ایک طویل سانس لیا۔ ''آئی ایم سوری، اب ایسا نہیں ہوگا۔ ہم باہر چل کر اس موضوع پر تفصیلی بات کریں گے، اچھے ماحول میں۔''

''نہیں، آپ کو امبر سے جو بات بھی کرنی ہے، آپ یہیں کریں۔ میرے سامنے۔'' منیزہ نے مداخلت کی۔ ''امبر آپ کے ساتھ کہیں نہیں جائے گی۔''

''صرف چند منٹ کی بات ہے۔'' ہارون نے کہا۔

''صرف چند منٹ کی بات ہے تو وہ بات یہاں کیوں نہیں ہو سکتی۔'' منیزہ کے انداز میں درشتی تھی۔

''میں امبر سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' ہارون کمال نے بالآخر تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

''اگر بات گھر کی تبدیلی کے متعلق ہے تو اس کا جواب میں آپ کو پہلے ہی دے چکی ہوں۔'' منیزہ نے کہا۔

''نہیں، مجھے صرف گھر کی تبدیلی کے بارے میں بات نہیں کرنی مجھے کچھ اور معاملات کے بارے میں بھی بات کرنی ہے۔''

''امبر سے آپ کے ایسے کون سے معاملات ہیں جن کے بارے میں آپ میرے سامنے بات نہیں کر سکتے۔'' منیزہ نے دوبدو کہا۔

''یہ امبر جانتی ہے۔'' ہارون نے بے حد دیدہ دلیری سے امبر کی طرف اشارہ کیا۔

امبر اس ساری گفتگو کے دوران خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی۔ اس نے منیزہ کو روکا تھا نہ ہی ہارون کی کسی بات کا جواب دیا۔ وہ صرف ماتھے پر کچھ بل لیے پرسوچ نظروں سے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ منیزہ کچھ اور تلخ ہوتیں اور ہارون سے کچھ کہتیں امبر نے مداخلت کی۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''

اس نے یک دم کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ہارون نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔

''امبر! تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں ان سے کسی قسم کی کوئی مدد نہیں چاہیے۔'' منیزہ نے سختی سے اسے ٹوکا۔

''میں ان سے کوئی مدد لینے ان کے ساتھ نہیں جا رہی۔ میں ان سے صرف چند باتیں کرنے کے لیے جا رہی ہوں۔'' امبر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ہارون بھی اپنی کرسی سے اٹھ چکا تھا۔

''مگر تمہیں اس کے ساتھ بات کرنے کی بھی.....''

منیزہ نے کچھ کہنا چاہا مگر امبر نے بات کاٹ دی۔ ''مجھے ان سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ فکر مت کریں میں کچھ دیر میں آ جاؤں گی۔ چلیں۔'' امبر نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور ہارون کے پیچھے اپنے گھر سے باہر نکل گئی۔

منیزہ پریشانی کے عالم میں اس کے پیچھے دروازے تک آئیں۔ انہوں نے باہر جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں گلی میں چلتے ہوئے دور ہوتے جا رہے تھے اور گلی کے موڑ سے صبغہ گھر کی طرف آ رہی تھی۔ منیزہ نے دروازہ بند کر لیا۔

☆☆☆

شہیر نے اپنے گھر کے صحن سے ساتھ والے گھر کے صحن میں امبر، ہارون اور منیزہ کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو سن لی تھی۔ اس کا ذہن کچھ اور الجھ گیا تھا۔ صبغہ، ہارون کو فیملی فرینڈ قرار دے رہی تھی اور وہاں ہونے والی گفتگو میں ہارون کسی اور ہی روپ میں نظر آ رہا تھا۔ شہیر اندازہ کر سکتا تھا کہ صبغہ اپنی بہن اور ہارون کے حوالے سے اس کو بھی سچ بتانے کی جرأت نہیں کر سکی تھی۔ مگر یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ صحن میں کھڑے چند منٹوں میں ہی اسے تصویر کا وہ رخ نظر آنے لگا تھا جسے صبغہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے جہاں صبغہ پر ترس آیا وہاں اس نے اپنے دل میں ہارون کمال کے لیے شدید ناپسندیدگی بھی محسوس کی

تھی۔

"آخر وہ شخص دوسروں کی زندگیوں میں زہر گھولنے کی کوشش کیوں کر رہا تھا۔ اور امبر..... امبر کے ساتھ اس کا تعلق کب سے اور کتنا گہرا تھا۔"

وہ پچھلے کچھ دنوں میں محلے میں امبر کی فیملی کے بارے میں ہونے والی چہ میگوئیوں سے واقف تھا۔ امبر کے دو تین بار مغربی لباس میں گھر سے باہر جانے اور وہاں کسی آدمی کی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جانے کا ذکر کیا جا رہا تھا۔

محلے کے لوگ اس فیملی میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگے تھے کیونکہ بہت عرصے کے بعد اس محلے میں ایسا کوئی خاندان رہنے آیا تھا جس کے ایک فرد کی حرکتیں قابل اعتراض تھیں اور دوسری طرف وہ اپنے چہرے مہرے اور طور طریقے سے کسی بھی طرح گلی محلے میں رہنے والے افراد کی طرح نظر نہیں آتے تھے اور اب ان کے گھر سوٹڈ بوٹڈ مرد کے آنے کا کیا مطلب نکالا جا رہا ہوگا۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنا شہیر کے لیے زیادہ مشکل نہیں تھا۔ وہ ان دشواریوں کا اندازہ لگا سکتا تھا جو آنے والے کچھ عرصے میں صبغہ اور اس کی فیملی کو پیش آنے والی تھیں۔

ہارون کے جانے کے بعد بھی وہ صحن میں بچھے تخت پر ہی بیٹھا رہا پھر فاطمہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"شہیر! اندر آؤ۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔"

ثمر اس وقت گھر پر نہیں تھا جبکہ نانی کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔

"مجھے بھی آپ سے بات کرنا ہے امی!"

شہیر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی فاطمہ سے کہا۔

فاطمہ اپنے بیڈ پر بیٹھی ایک قمیص کی ترپائی کرنے میں مصروف تھی، وہ کرسی کھینچ کر فاطمہ کے پاس بیٹھ گیا۔ فاطمہ نے قمیص کو بیڈ پر رکھ دیا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہیں کیا بات کرنا ہے؟ کرو۔"

"نہیں، پہلے آپ وہ بات کریں جس کے لیے آپ نے مجھے بلایا ہے۔" شہیر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ مجھے آپ کو کیا بتانا ہے۔"

فاطمہ نے شہیر کی طرف دیکھا..... وہ کچھ الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اسے تشویش ہوئی۔

"کوئی پریشانی والی بات ہے؟" شہیر مسکرا دیا۔

"نہیں..... نہیں کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔ ایسے ہی ایک دو باتیں کرنا ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں مجھے بتائیں، آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" شہیر نے فاطمہ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"ثمر کا نام میرٹ لسٹ پر آ گیا ہے۔" فاطمہ نے کہا۔ وہ خلاف معمول بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"زبردست..... کب..... اس نے آج بتایا ہے آپ کو؟" شہیر نے بے اختیار خوشی کا اظہار کیا۔

"ہاں!"

"اچھا ہوا۔ کم از کم ایڈمیشن کے بعد اس کا دھیان ماڈلنگ سے تو ہٹ جائے گا۔" شہیر واقعی بہت مسرور تھا۔ اسے اپنے کندھوں سے ایک بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا تھا ورنہ پچھلے کچھ عرصے سے ثمر کی ماڈلنگ سے متعلق مصروفیات دیکھ کر اسے یہی لگتا تھا کہ اس کی تعلیم کا باقاعدہ طور پر اختتام ہو چکا ہے۔

"میرٹ لسٹ پر نام تو آ گیا ہے مگر ایڈمیشن کے لیے خاصی بڑی رقم چاہیے۔" فاطمہ نے اسے اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔

"مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ آپ پیسوں کا بندوبست کر سکتی ہیں۔ اگر نہیں کر سکتیں تو پھر میں کسی اور کالج سے گریجویشن کر لیتا ہوں۔"

شہیر بھی سنجیدہ ہو گیا۔ "آپ کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، میرے پاس کچھ تو ہیں۔ جاب سے ریٹائرمنٹ کے بعد ملے تھے۔ مگر وہ میں نے اس لیے رکھے ہوئے ہیں کہ ثانی کی شادی پہ کام آ سکیں گے۔" فاطمہ نے کہا۔

"امی! ثانی کی شادی ابھی بہت دور ہے۔ اس کا آئی بی اے میں ایڈمیشن ہو گیا تو اسے وہاں بڑی آسانی سے اسکالر شپ مل جائے گا۔ چار پانچ سال تو اسے اپنی تعلیم ختم کرنے میں لگیں گے۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ تب تک مجھے بھی کوئی اچھی جاب مل جائے گی۔ ثمر بھی سیٹ ہو جائے گا۔ ثانی کی شادی کی آپ کو فکر نہیں ہونی چاہیے۔ اس وقت ثمر کو روپے کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ اسے روپے دے دیں۔"

"میں اسی بارے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتی تھی۔ ثمر این سی اے میں ایڈمیشن لے تو لے گا، مگر اسے وقتاً فوقتاً روپے کی ضرورت پڑتی رہے گی۔ بار بار ہم اسے روپیہ کہاں سے دیں گے؟" فاطمہ کی پریشانی میں اب بھی کمی نہیں آئی تھی۔

"وہ پینٹنگ سے تھوڑے بہت پیسے تو کما ہی رہا ہے۔ انہیں استعمال کیا کرے گا اور پھر میرا ایم بی اے بھی ختم ہو رہا ہے۔ میں بھی کوئی بہتر جاب ڈھونڈوں گا، یا پھر چند ٹیوشنز اور کر لوں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" شبیر نے فاطمہ کو تسلی دی۔

"مگر پریشانی یہ ہے کہ اگر ثمر نے این سی اے میں ایڈمیشن لینے کے بعد کالج چھوڑ دیا تو؟ تمہیں پتا تو ہے اس کے مزاج کا۔" فاطمہ نے اپنے خدشے سے اسے آگاہ کیا۔

"امی! وہ اتنا بھی غیر ذمہ دار نہیں ہے۔ ڈیڑھ دو لاکھ روپے اس کی فیس میں جائے گا تو پھر وہ بچہ تو نہیں ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر بیٹھ جائے گا۔"

"میں چاہتی تھی کہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم کو تم تینوں میں برابر تقسیم کروں۔ سارا ثمر پر خرچ ہو گیا تو پھر تمہیں یا ثانی....."

شبیر نے فاطمہ کی بات کاٹ دی۔ "مجھے اور ثانی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور نہ ہی ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ اس وقت اس کی ضرورت صرف ثمر کو ہے۔ آپ اس کو رقم دے دیں۔"

فاطمہ نے گہرا سانس لیا۔ اسے توقع تھی کہ شبیر یہی سب کچھ کہے گا کیونکہ ثانی بھی تقریباً ایسی ہی باتیں کر چکی تھی۔ مگر اس کے باوجود اس نے ضروری سمجھا تھا کہ وہ اتنی بڑی رقم ثمر کو دینے سے پہلے شبیر سے بات کر لے۔

"وہ کہاں ہے؟" شبیر کو اچانک اس کی عدم موجودگی کا احساس ہوا۔

"کچھ دیر پہلے باہر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔ اب تمہیں اس کی "تھوڑی دیر" کا اچھی طرح اندازہ تو ہوگا۔"

"ہاں مجھے اندازہ ہے۔ آپ کو بس یہی بات کرنا تھی؟" شبیر نے پوچھا۔

"ہاں۔ تمہیں کیا کہنا تھا؟" فاطمہ کو اچانک یاد آیا۔

"مجھے آپ کو ایک اچھی خبر دینی ہے۔" شبیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"میری پروموشن ہو گئی ہے۔"

"ارے..... واقعی؟" فاطمہ نے پرجوش انداز میں بولی۔ "ہاں، اور آپ کو پتا ہے میری پے میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟" شبیر نے پہیلی بوجھنے والے انداز میں کہا۔

"کتنا؟"

"پانچ ہزار روپے۔" شبیر اطمینان سے بولا۔

"پانچ ہزار روپے؟" فاطمہ کو یقین نہیں آیا۔

"ہاں، اب سات ہزار کے بجائے مجھے ہر ماہ بارہ ہزار روپے ملا کریں گے۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔" فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ مگر جب اکاؤنٹنٹ سے بات ہوئی تو اس نے تصدیق کر دی۔'' میں اس لیے کنفیوز ہوں کیونکہ آفس میں کسی اور کی پے میں اضافہ نہیں ہوا اور نہ ہی کسی کی پروموشن ہوئی۔ مجھے عجیب لگا کہ صرف میری ہی پروموشن کیوں کی گئی ہے۔

فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔'' اس میں عجیب لگنے والی کیا بات ہے؟ تم کام بھی تو کتنی محنت سے کرتے ہو۔''

''ہاں مگر وہاں مجھ سے بھی زیادہ محنت سے کام کرنے والے لوگ ہیں ..... اور آج تک کسی کی پے میں اتنا اضافہ نہیں کیا گیا۔

''تو تمہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس طرح مشکوک نہیں ہونا چاہیے..... آخر جنھوں نے تمہیں پروموشن دی ہے انھوں نے کچھ دیکھ کر ہی دی ہوگی۔ وہ کوئی بے وقوف تو نہیں ہیں کہ خوانخواہ تنخواہ بڑھاتے پھریں گے۔ میں تو ابھی محلے میں مٹھائی بانٹوں گی، شکرانے کے نفل پڑھ کر۔

فاطمہ نے بیڈ سے اٹھنے کی کوشش کی تو شیر نے اسے روک دیا۔

''یہ کام کرنے سے پہلے آپ میری ایک اور بات سن لیں۔'' اس بار اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

فاطمہ چونک گئی'' کیا بات ہے؟''

''مجھے ساتھ والوں کے بارے میں آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔''

''ساتھ والوں کے بارے میں، کن ساتھ والوں کے بارے میں؟'' فاطمہ حیران ہوئی۔

''صبغہ کی فیملی کے بارے میں۔''

''ان کے بارے میں کیا کہنا ہے تمہیں؟'' فاطمہ واقعی پریشان ہوگئی۔

''آپ کو پتہ ہے آج کل ان کے بارے میں محلے میں کیسی باتیں ہو رہی ہیں؟''

''ان کے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں؟'' فاطمہ کو واقعی حیرت کا جھٹکا لگا۔

''کوئی اور فیملی ہوتی تو میں پروا کرتا نہ ہی آپ سے کوئی بات کرتا مگر آپ نے ہر ایک سے یہی کہہ رکھا ہے کہ صبغہ کی فیملی ہمارے رشتہ داروں میں سے ہے اور اب ان کے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں تو مجھے خدشہ ہے کہ کل کو ہمارے بارے میں بھی باتیں ہوں گی۔'' شیر بے حد سنجیدہ تھا۔

''کیسی باتیں؟''

''محلے کے لڑکے کہہ رہے ہیں کہ اس فیملی کی لڑکیوں کا کردار اچھا نہیں ہے۔''

''بکواس کر رہے ہیں۔'' فاطمہ نے بے اختیار کہا۔ ''وہ کتنا اچھا خاندان ہے تم تو.....''

شیر نے فاطمہ کی بات کاٹ دی۔'' امی! میں اپنی بات نہیں کر رہا میں آپ کو وہ بتا رہا ہوں جو لوگ کہہ رہے ہیں۔ ابھی آپ میرے منہ سے یہ باتیں سن رہی ہیں، چند دنوں میں اور لوگوں کے منہ سے بھی سنیں گی۔''

''مگر لوگ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے کہنے لگے ہیں..... کچھ دنوں پہلے تک تو سب کچھ ٹھیک تھا۔'' فاطمہ کو پریشانی ہو رہی تھی۔

''صبغہ کی بڑی بہن جینز وغیرہ پہن کر کسی آدمی کے ساتھ جاتی رہی ہے۔''

''امبر؟'' فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

''ہاں۔''

''کس آدمی کے ساتھ؟''

''ان کا کوئی فیملی فرینڈ ہے ہارون کمال، اس کے ساتھ۔ آج وہ آدمی ان کے گھر آیا ہوا ہے اور آپ کو پتا ہے ایسی باتیں چھپی نہیں رہ سکتیں۔'' شیر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"آپ امبر کی امی سے بات کریں اور انھیں یہ سب کچھ بتائیں اور اب کسی سے بھی ان کا تعارف ہمارے رشتے داروں کے طور پر مت کروائیں۔"

فاطمہ کچھ دیر گم صم بیٹھی اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ شبیر کو اس کی پریشانی کا اندازہ تھا مگر اسے یہ سب کسی نہ کسی طرح سے صبغہ کے گھر تک پہنچانا تھا۔ صبغہ سے ملاقات کے دوران اس کا دل چاہا تھا کہ وہ یہ باتیں اس کو بتا دے مگر اس کی حالت اس وقت اتنی خراب تھی کہ وہ اسے کوئی اور شاک نہیں دے سکتا تھا۔

"اور مجھے آپ کو ایک اور بات بھی بتانی ہے۔ آج میں صبغہ سے ملا تھا۔" فاطمہ نے چونک کر شبیر کو دیکھا۔

☆☆☆

صبغہ نے گلی کا موڑ مڑتے ہی ہارون اور امبر کو دیکھ لیا تھا اور جو تھوڑی بہت ہمت اس کے اندر باقی تھی وہ بھی غائب ہو گئی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ ہارون اور امبر کو وہاں وہ اپنی گلی میں اکٹھا دیکھے گی۔ وہ دونوں یقیناً گھر سے کہیں باہر جا رہے تھے اور ان دونوں نے بھی صبغہ کو دیکھ لیا تھا۔ امبر اور ہارون دونوں نے اسے دیکھتے ہی نظریں چرائی تھیں۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کے پاس سے گزر گئے تھے۔

اگر گلی میں کچھ لڑکے کھڑے نہ ہوتے تو صبغہ ان دونوں کا راستہ روکتی اور امبر کو ہارون کے ساتھ جانے نہ دیتی مگر اس وقت وہاں ان دونوں کا راستہ روکنے کا مطلب تیخ کلامی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ گھر کا معاملہ گلی تک آ جائے۔ ہونٹ بھینچے ہوئے وہ ان کے پاس سے گزر کر اپنے گھر تک آ گئی، مگر اسے اس وقت منیزہ پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ گھر کا بیرونی دروازہ بند نہیں تھا سو اس کے ہاتھ لگاتے ہی کھل گیا۔ وہ غصے میں بھری اندر داخل ہوئی۔

منیزہ صحن میں کھڑی تھیں، صبغہ کو اکیلے اندر آتے دیکھ کر چونک گئیں۔

"تم نے امبر کو نہیں روکا؟"

منیزہ توقع کر رہی تھیں کہ وہ امبر کو واپس گھر لے آئے گی مگر اب اسے اکیلا واپس آتے دیکھ کر انھیں مایوسی ہوئی۔

"میں اسے کیسے روک سکتی تھی جب آپ نے اسے اپنی مرضی سے یہاں سے جانے دیا ہے تو میں اسے کیسے واپس لاؤں۔" وہ یک دم اپنی برداشت کھو بیٹھی۔

"میں نے اسے روکا تھا مگر وہ رکی نہیں۔ میری مرضی کے بغیر۔۔۔"

منیزہ نے وضاحت دینے کی کوشش کی تو صبغہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ کی مرضی کے خلاف کیسے چلی گئی۔ میں نہیں مانتی آپ نے اس آدمی کو گھر کے دروازے سے کیوں نہیں بھگا دیا، کیوں اسے اندر بلایا۔ کیا آپ کے لیے ایک تجربہ کافی نہیں ہے؟"

"تمھیں امبر کے مزاج کا پتہ ہے۔" صبغہ نے ایک بار پھر منیزہ کی بات کاٹی۔

"مجھے آپ کے مزاج کا بھی پتا ہے۔"

"تم اسے لے آتیں۔"

"آپ گھر کی سربراہ ہو کر اسے گھر کے اندر نہیں رکھ سکیں تو میں گلی سے اسے کیسے لے آتی۔ پورے محلے کو تماشا دکھاتی؟"

"وہ ابھی آ جائے گی، کہہ کر گئی ہے۔" منیزہ نے یکدم اپنا لہجہ بدلا۔ "آج تو اس نے بھی ہارون کمال کو کھری کھری سنائی ہیں۔"

"اور کھری کھری سنانے کے بعد ایک بار پھر اسی کے ساتھ چلی گئی؟" صبغہ کو اور غصہ آیا۔

"تم پریشان مت ہو۔ میں نے کہا نا وہ ابھی آ جائے گی نہ صرف میں نے بلکہ امبر نے بھی ہارون سے کہہ دیا ہے کہ ہمیں اس کے دیے ہوئے گھر کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں اس کی مدد نہیں چاہیے۔"

منیزہ نے بتانا شروع کیا مگر صبغہ ان کی بات سنے بغیر کمرے میں چلی گئی۔ اپنا بیگ ایک طرف اچھال کر وہ ڈھے جانے والے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" منیزہ بھی اس کے پیچھے ہی اندر آئی تھیں اور شاید پہلی بار انھوں نے صبغہ کی سوجی ہوئی آنکھوں اور ستے ہوئے چہرے پر غور کیا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔"

وہ آنکھیں بند کیے بڑبڑائی۔ گھر کے باہر جتنی پریشانیاں تھیں گھر کے اندر اس سے زیادہ پریشانیاں تھیں۔ وہ جتنا برا دن باہر گزار کر آئی تھی اتنی ہی بری شام گھر کے اندر اس کی منتظر تھی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" منیزہ کو اس کی خاموشی نے پریشان کیا۔

"میری قسمت ٹھیک نہیں ہے، باقی تو سب کچھ ٹھیک ہی ہے۔"

اس نے دل میں سوچا اور آنکھیں موندے لیٹی رہی۔

☆☆☆

بائیسواں باب

گاڑی کو مین روڈ پر لاتے ہی ہارون نے کہا "مجھے آج کا تمہارا رویہ بالکل اچھا نہیں لگا۔"
"اور مجھے آپ کا رویہ کتنا برا لگا ہے آپ کو اس کا اندازہ ہے؟" امبر نے ترکی بہ ترکی کہا۔
"تمہاری آج کی باتیں بہت بچکانہ تھیں۔"
"اور اس سے پہلے میں جو کچھ کر رہی تھی، وہ بچکانہ تھا۔"
"میں تم سے اپنے اس دن کی حرکت کے لیے ایکسکیوز کر چکا ہوں۔" ہارون نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کی۔
"تمہیں صورت حال کو سمجھنا چاہیے تھا کیا اس سے پہلے میں کبھی تمہیں اس طرح چھوڑ کر گیا ہوں؟"
"میں صورت حال کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں اور مجھے اس صورت حال سے نفرت ہے۔" امبر نے اسی انداز میں کہا۔
"آپ کے رویے سے مجھے اور کچھ نہیں صرف اپنی اوقات کا پتہ چلا۔ صرف یہ اندازہ ہوا کہ میں تو کوئی بھی نہیں ہوں۔ میں تو اتنی غیر اہم ہوں آپ کی زندگی میں کہ آپ سڑک کے کسی بھی کنارے پر مجھے کبھی اتار کر چلے جائیں۔ کبھی بھی، کہیں بھی۔"
"امبر! میں نے تم سے کہا ہے۔ آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" ہارون نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"ایسا تب نہیں ہوگا جب میرا اور آپ کا کوئی رشتہ ہوگا، جو ابھی نہیں ہے۔"
"تمہیں لگتا ہوگا کہ میرا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مجھے ایسا نہیں لگتا۔" ہارون نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔
"مجھے لگتا نہیں بلکہ ایسا ہی ہے۔"
"پھر تمہیں غلط فہمی ہے۔"
"تو کیا ساری دنیا کو غلط فہمی ہے؟"
"لوگوں کی بات مت کرو۔ ہمیں لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔"
"ہمیں لوگوں سے دلچسپی ہو یا نہ ہو لوگوں کو ہم سے بہت دلچسپی ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ دنیا یہ سوال کرنے پر حق رکھتی ہے کہ ہم دونوں کا آپس میں رشتہ کیا ہے۔"
"تم جو مرضی نام دے دو اس رشتے کو.... میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔" ہارون نے کہا۔
"رشتے کو نام عورت نہیں دیتی، مرد دیتا ہے۔ جس رشتے کو صرف عورت نام دیتی ہے۔ وہ بس نام کا ہی رشتہ ہوتا ہے۔"
امبر بے حد سنجیدہ تھی۔ ہارون کمال کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ باہر آ جانے کے بعد بھی ایسی ہی باتیں کرے گی۔

"آپ بتائیں کہ آپ میرے اور اپنے رشتے کو کیا نام دیتے ہیں؟"
"امبر! یہ فضول باتیں ہیں۔" ہارون نے ناگواری سے کہا۔
"آپ کے نزدیک یہ فضول باتیں ہیں مگر میری زندگی کا دارومدار ان ہی فضول باتوں پر ہے۔" امبر نے اس کی بات

کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

"مجھے کیا کہنا چاہیے آپ کو، انکل، فرینڈ یا کچھ اور؟"

"فرینڈ۔" ہارون نے برجستہ کہا۔ امبر کا چہرہ بجھ گیا۔

"اور مجھے دوستوں سے نفرت ہے۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ گاڑی روکیں، مجھے اترنا ہے۔" اس نے بہت درشتی سے کہا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں امبر! مگر کیا بار بار اس کا اظہار ضروری ہے؟" ہارون نے اس بار کچھ خفگی سے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"آخر میں کتنی بار تم کو یہ بتاؤں گا۔ کیا پہلے میں نے کبھی تم سے یہ نہیں کہا اور تم، تم اپنی ممی کے سامنے بھی مجھ سے یہی سوال کر رہی تھیں۔" وہ اب کچھ جھنجھلایا ہوا تھا۔ "مجھ سے اپنے لیے جذبے کا پوچھ رہی تھیں کہ کیا یہ صرف ہمدردی ہے۔ اب تمہاری ممی کے سامنے میں یہ کہہ نہیں سکتا کہ یہ محبت ہے۔ اسی لیے تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم بعض دفعہ بہت بچگانہ انداز میں سوچتی اور بولتی ہو۔ کیا یہ بار بار کہنا ضروری ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟"

"آپ بار بار زبان سے یہ مت کہیں اس محبت کا کوئی ثبوت دیں جو خود ہر وقت اس بات کا اظہار کرتا رہے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔" امبر نے رسانیت سے کہا۔

"مطلب؟" ہارون کے ماتھے پر چند بل پڑ گئے۔

"آپ مجھ سے شادی کر لیں۔"

"کم آن۔" ہارون بے اختیار کراہا۔ مین روڈ سے اس نے گاڑی ایک سروس روڈ پر موڑتے ہوئے سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔

"یہ فتور تمہارے دماغ میں کس نے بھرا ہے؟" وہ ناراضی سے بولا۔

"آپ کے نزدیک مجھ سے شادی فتور ہے؟" امبر بھی برہم نظر آنے لگی۔

"تو پھر یہ محبت کا ڈرامہ کس لیے؟"

"میں تم سے کوئی ڈرامہ نہیں کر رہا۔ واقعی محبت کرتا ہوں۔"

"مگر آپ مجھ سے وہی محبت کرتے ہیں جس میں شادی کہیں نہیں آتی، نہ ہی آئے گی۔" امبر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ شادی کا مطلب ذمہ داری ہے اور آپ میری ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتے۔"

"کیوں ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتا۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تمہیں گھر میں رکھوں گا۔ تم جو مانگو گی تمہیں دوں گا۔ میں تمہاری فیملی کے بھی اخراجات اٹھاؤں گا پھر تم کیوں اس طرح کہہ رہی ہو؟"

"میری فیملی کے اخراجات پاپا نے اٹھانا شروع کر دیا ہے۔" وہ امبر کی بات پر چونک پڑا۔

"کیا مطلب؟"

"پاپا ہمیں اخراجات کے لیے رقم بھجوا رہے ہیں اور اب ہم آپ کی مدد کے بغیر ہی بہت جلد اس علاقے سے کسی بہتر علاقے اور گھر میں منتقل ہو جائیں گے۔"

امبر نے جتانے والے انداز میں کہا۔ ہارون اپنے ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔ منصور نے کب ان لوگوں کو رقم بھجوانی شروع کی تھی اس کا اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا اور اب وہ وہاں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ شاید امبر اور اس کی فیملی کے رویے میں آنے والی تبدیلی کی وجہ انہیں ملنے والی یہی رقم تھی۔

"آپ کو اگر مجھ سے محبت ہے تو پھر آپ کو مجھ سے شادی کرنا پڑے گی۔" امبر پھر بولی۔ "تاکہ میں دنیا کے سامنے آپ کو اپنا کہہ سکوں۔ مجھے صرف دولت کی ترغیب مت دیں۔ میں نے بہت دولت دیکھی ہے۔ آپ جانتے ہیں میرا باپ کروڑ پتی

زندگی میں اس کی مداخلت بڑی تھی۔ آپ کیا میرے باپ سے زیادہ آسائشیں لا کر میرے سامنے رکھیں گے؟"

امبر کے لہجے میں عجیب سی چبھن اور کسک تھی۔

"نہیں ہارون! مجھے ان دوسری لڑکیوں کی طرح مت سمجھیں جو صرف پیسہ دیکھ کر آپ کے ساتھ چل پڑتی ہوں گی۔ میں آپ کے پاس Companionship کے لیے آئی تھی بدنامی اور رسوائی پانے نہیں۔" امبر نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ میں تم سے کبھی شادی نہیں کروں گا۔" ہارون نے یکدم پینترا بدلتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے شادی کروں گا۔ ظاہر ہے محبت کرتا ہوں تو شادی بھی کروں گا۔ مگر فوری طور پر یہ ممکن نہیں ہے۔" ہارون نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"ابھی ہمیں کچھ انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ کرنی چاہیے۔ ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے اس کے بعد..."

امبر نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ابھی بھی ہمیں انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ کرنے کی ضرورت ہے؟ ابھی بھی ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں کچھ سوچنا، کچھ جاننا، کچھ سمجھنا ہے؟" وہ بے یقینی سے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہے جو آپ میرے بارے میں نہیں جانتے اور میں آپ کے بارے میں، پھر بھی آپ کو مجھے اپنانے میں ہچکچاہٹ ہے۔"

"شادی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

امبر نے اس کی بات کاٹی۔ "تو پھر محبت کو بھی بچوں کا کھیل مت بنائیں۔ مجھ سے محبت کا اظہار کرنے کے لیے تب آئیں جب آپ مجھے اپنا نام دے سکیں۔"

"تم اتنی ضد کیوں کر رہی ہو؟" ہارون بے اختیار جھنجلایا۔ آج وہ پہلی بار اسے کچھ بھی سمجھانے یا پھر دوسرے الفاظ میں اس کی ضد سے ہٹانے میں ناکام ہو رہا تھا اور یہ ناکامی اس کی جھنجلاہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔

"کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں رہا؟"

"مجھے کسی پر بھی اعتبار نہیں ہے۔ آپ پر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں، ہوگا یا نہیں یہ میں نہیں جانتی۔" امبر نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"صبغہ نے تمہیں..." ہارون نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

امبر نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "صبغہ کے بارے میں کچھ مت کہیں۔ اس نے مجھ سے کوئی غلط بات نہیں کی۔ نہ اس نے، نہ کسی نے۔ میرے باپ نے رخشی سے محبت کی تھی تو انھوں نے کسی چیز کو خاطر میں لائے بغیر اس سے شادی کر لی تھی۔ انھوں نے تو رخشی کو یہ سارے لیکچر نہیں دیے تھے جو آپ مجھے دے رہے ہیں۔"

وہ اب ایک عجیب سا موازنہ ہارون کے سامنے پیش کر رہی تھی۔

"میں وہ غلطیاں دہرانا نہیں چاہتا جو منصور نے کی تھیں۔" ہارون نے اس کی بات کا جواب دیا۔

"یعنی آپ مجھ سے شادی کی غلطی نہیں کریں گے؟" امبر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ ہارون کچھ کہہ کر پچھتایا۔

"میں تم لوگوں کے ساتھ منصور کے سلوک کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے بروقت بات سنبھالی۔

"یعنی آپ اپنی فیملی کو کسی صورت نہیں چھوڑیں گے؟" امبر بڑبڑائی۔

"ٹھیک ہے، مت چھوڑیں۔ میں یہ چاہتی بھی نہیں کہ آپ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں۔ میں وہ سب کچھ دہرانا نہیں چاہتی جو پاپا نے ہمارے ساتھ کیا۔" وہ اب بڑبڑا رہی تھی۔

"مگر میں آج کے بعد دوبارہ آپ کی گاڑی میں تب بیٹھوں گی جب آپ مجھ سے شادی کے لیے تیار ہوں گے۔"

ہارون نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

☆☆☆

"سر! میں اندر آ سکتا ہوں؟" شہیر نے دروازہ کھول کر ہی ان سے پوچھا۔ معراج ظفر نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک ناگواری سی در آئی۔

"ہاں آؤ۔" انھوں نے اپنے سامنے پڑی ایک فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو۔" شہیر نے کہا۔

"بیٹھو۔" معراج ظفر نے اپنے آفس ٹیبل کے دوسری طرف پڑی کرسی پر اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں کہو، کس لیے آئے ہو؟"

شہیر کو ان کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا۔ ان کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری تھی۔ اس سے پہلے جب بھی وہ اس سے ملتے رہے تھے ان کا رویہ بہت اچھا ہوتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وقتاً فوقتاً شہیر کے کام کی تعریف بھی کرتے تھے اور اب یک دم ان کے لہجے میں آنے والی تبدیلی حیران کن تھی۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ ان کے کہنے پر ہی اس کی تنخواہ میں غیر معمولی اضافہ کیا گیا تھا اور پروموشن دی گئی تھی ان کے لہجے کی سرد مہری... شہیر نے اسے اپنا وہم سمجھا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آیا ہوں۔" شہیر نے بات کا آغاز کیا۔

"کس بات کے لیے؟" سرد مہری برقرار تھی۔

"آپ نے میری پروموشن..." وہ بات مکمل نہیں کر سکا معراج ظفر نے بڑی رکھائی کے ساتھ اس کی بات کاٹی۔

"ہاں ٹھیک ہے، پروموشن ہو گئی تمہاری اور کچھ؟" شہیر چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنے کسی ملازم سے بات کر رہے ہوں جسے انھوں نے ایک دن پہلے ہی پروموشن دی ہو۔

"اور میں آپ کے لیے..." شہیر نے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی گئی۔

"میں نے کہا نا ٹھیک ہے... اگر تم صرف اسی کام کے لیے آئے ہو تو جا سکتے ہو میں مصروف ہوں۔"

انھوں نے دوبارہ فائل کھولتے ہوئے کہا۔ ان کا لہجہ ہتک آمیز تھا۔ شہیر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جب سے یہاں جاب کر رہا تھا یہ پہلا اتفاق تھا کہ معراج ظفر نے اس سے اس طرح بات کی ہو۔ ان کے لہجے میں صرف رکھائی یا سرد مہری نہیں تھی درشتی اور تحقیر بھی تھی اور توہین بھی۔

شہیر الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ آفس سے باہر نکل آیا۔ اس کے پروموشن کی اطلاع پورے آفس میں پھیل چکی تھی اور وہ سارا دن مبارکباد وصول کرتا رہا مگر اس کے باوجود اس کا ذہن الجھا ہوا تھا، وہ خوش نہیں تھا۔ کہیں نہ کہیں کچھ غلط تھا اور جو کچھ غلط تھا وہ بہت دیر تک راز میں نہیں رہا تھا۔ وہ چھٹی کے بعد اپنے آفس کی بلڈنگ سے باہر نکل کر اسٹاپ کی طرف جا رہا تھا جب ایک گاڑی یک دم اس کے قریب آ کر رکی۔

"ہیلو شہیر!" ایک مانوس سی آواز نے اس کے قدم روک دیے۔ وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے جھک کر دیکھا، وہ شائستہ ہارون کمال تھی۔

ناگواری کی ایک لہر شہیر کے وجود سے گزری۔

شائستہ نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "آؤ میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔"

"نہیں، میں چلا جاؤں گا۔" اس نے شائستگی سے انکار کیا۔

"جانتی ہوں، تم چلے جاؤ گے مگر میں تمہیں خود ڈراپ کرنا چاہتی ہوں۔ آ جاؤ کم آن۔" اس کا لہجہ عجیب چبھنے والا تھا۔

شہیر کو عجیب سی ہتک کا احساس ہوا۔ اسٹاپ پر اس کے آفس کے اور لوگ بھی جمع ہو رہے تھے اور ان میں سے کچھ اس کی طرف متوجہ بھی تھے۔ شہیر کو محسوس ہوا کہ اس کے دو ٹوک انکار کے بعد بھی شائستہ شاید وہاں سے نہ جائے گی اور یہ تماشا بنانے والی بات تھی۔

تقریباً دانت پیستے ہوئے وہ گاڑی کے کھلے دروازے سے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

شائستہ نے مسکراتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ”کیسے ہو تم؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“ شہیر نے شائستہ کی طرف دیکھے بغیر ونڈ اسکرین سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

”That's good“ شائستہ نے اس کے کندھے پر اپنے بائیں ہاتھ سے ہلکی سی تھپکی دی۔ شہیر کا جسم تن گیا۔ اس کا دل چاہا تھا وہ پوری قوت سے اس کے ہاتھ کو جھٹک دے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں صبغہ کے گھر میں ہونے والی امبر، ہارون اور شہیر کی گفتگو گونج رہی تھی۔

وہ امبر اور ہارون کے ممکنہ تعلق کے بارے میں سوچ رہا تھا اور وہ شائستہ کو بھی اسی روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ اگر اس کا شوہر اپنے سے آدھی عمر کی لڑکی کے ساتھ فلرٹ کرنے میں مصروف تھا۔ اس بات کا لحاظ کیے بغیر کہ وہ لڑکی اس کے فیملی فرینڈ کی بیٹی تھی تو شائستہ کمال بھی اس کے نزدیک اسی کوشش میں مصروف تھی۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ اپنے سے آدھی عمر کے مرد کے ساتھ افیئر چلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس کی بیٹی کے دوست کا بھائی تھا اور اس کے شوہر سے بھی مل چکا تھا۔ شہیر دل ہی دل میں اس وقت بری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ شائستہ نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی دلی کیفیات کو سمجھنے کی ناکام کوشش کی۔

”ہاں، میری طبیعت ٹھیک ہے۔“ شہیر نے اسی بے رخی سے جواب دیا۔

”آپ نے خوامخواہ زحمت کی مجھے پک کرنے کی۔ آپ مجھے اگلے اسٹاپ پر اتار دیں، میں چلا جاؤں گا۔“

”خیر ایسے تو ہم آپ کو نہیں اتاریں گے۔“ شائستہ نے اس بار بھی اسی ہنسی کے ساتھ کہا۔

شہیر کو اس کی ہنسی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی مگر اس کے اشتعال میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

”جاب اور اسٹڈیز کے علاوہ کیا مشاغل ہوتے ہیں تمہارے؟“ شائستہ نے اس بار موضوع تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔

”کوئی زیادہ مشاغل نہیں ہیں۔ میں کچھ نہ کچھ پڑھتا ہوں یا پھر گھر پر ہی ہوتا ہوں۔“ شہیر نے بادل نخواستہ جواب دیتے ہوئے کہا۔

”یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ کچھ مشاغل تو ہونے چاہئیں۔ زندگی صرف کام کے لیے تو نہیں ہوتی۔“ وہ جیسے چونکی۔ ”تمہارے پاس کسی کلب کی ممبرشپ ہونی چاہیے میں کرتی ہوں کچھ۔“ شہیر نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

”مجھے کسی کلب کا ممبر بننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کیونکہ میں جس کلاس سے تعلق رکھتا ہوں وہاں ہم اس طرح کے چونچلے افورڈ نہیں کر سکتے۔“

اس بار اس نے بڑے صاف اور دوٹوک انداز میں شائستہ کو جتا رہا تھا۔

”ابھی افورڈ نہیں کر سکتے ... آنے والے وقت میں کرنے لگو گے۔“ شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آنے والے وقت میں کیا ہوگا یہ مستقبل ہی بتائے گا۔ میں حال میں بیٹھ کر مستقبل میں گھوڑے نہیں دوڑاتا۔“ اس کے لہجے میں اس بار کچھ ترشی تھی۔

شائستہ مسکرا دی۔ وہ جب بھی اسے دیکھتی تھی اس کے چہرے سے نظریں ہٹا نہیں پاتی تھی۔ وہ ہارون کمال کی کاپی تھا مگر ایک بہت بہتر کاپی۔

”حال میں جیتے ہو، اچھا کرتے ہو۔“ شائستہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ”ایم بی اے کے بعد کیا کرو گے؟“ اس نے ایک بار پھر موضوع بدل دیا۔

”وہی کروں گا جو اب کر رہا ہوں ... جاب۔“ شہیر نے جواب دیا۔

”اور جاب بھی یہیں کرو گے جہاں اب کر رہے ہو؟“ شائستہ نے سوال کیا۔

”پتا نہیں، میں نے ابھی طے نہیں کیا۔“ شہیر نے کہا۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک بہترین آفر ہے۔" شائستہ نے یک دم اس سے کہا۔ وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ گلوز کمپارٹمنٹ کھولتے ہوئے اس میں سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔

"یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے۔"

شبیر نے کارڈ پکڑتے ہوئے الجھے ہوئے انداز میں کارڈ پر ایک نظر دوڑائی۔

"ہماری فیکٹری میں کچھ نئی اسامیاں نکلنے والی ہیں تم اگر ہمارے پاس آ جاؤ تو ہم تمہیں بہت اچھا پیکج دیں گے۔"

شبیر نے سر اٹھا کر شائستہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"گاڑی، گھر، میڈیکل..... سب کچھ۔" شبیر کارڈ ہاتھ میں لیے اسے دیکھتا رہا۔

بلاشبہ ہارون کمال کی وہ فیکٹری اس شہر کی سب سے بڑی فیکٹریز میں سے ایک تھی اور وہاں جاب مل جانے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا، یہ شبیر اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ اسے یہ آفر وہ عورت کر رہی تھی جسے وہ بے حد ناپسند کرتا تھا۔

"نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ میں اتنی جلدی اپنی جاب چھوڑوں گا۔ ابھی کچھ سال میں یہیں کام کروں گا۔ آپ یہ کارڈ رکھیں۔"

شبیر کے انکار نے شائستہ کے چہرے کی مسکراہٹ بجھا دی۔

"تم کارڈ اپنے پاس ہی رکھو، میری آفر کے بارے میں بعد میں سوچنا۔" شبیر نے جواب دینے کے بجائے اپنا والٹ نکال کر کارڈ اس میں رکھ لیا۔ شائستہ کے ساتھ کارڈ کو رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں بحث بے کار تھی۔

شائستہ کچھ دیر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتی رہی۔ شبیر خاموشی سے ونڈ اسکرین سے باہر جھانکتا رہا۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچ جانے کی دعا کر رہا تھا اور وقتاً فوقتاً اپنے اوپر پڑنے والی شائستہ کی نظروں سے بھی آگاہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد شائستہ نے ایک گہرا سانس لیا اور خاموشی توڑی۔

"تمہیں پتا ہے، تمہیں دیکھ کر مجھے کوئی بہت یاد آتا ہے۔"

شبیر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے کیا سوال کرے۔ کیا یہ پوچھے کہ کون یا پھر خاموش رہے۔

شائستہ ایک بار پھر خاموش ہو کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگی۔ شبیر نے بھی خاموش رہنا بہتر سمجھا۔

"تم نے پوچھا نہیں کون؟" اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد خود ہی شبیر سے پوچھا۔

اس بار شبیر کے پاس کوئی جائے فرار نہیں تھی۔

"کون؟" اس نے بادل نخواستہ اس سے پوچھا۔

شائستہ نے اپنے گلاسز اتار دیے۔ شبیر نے دیکھا اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔ اس کا دل یک دم نرم ہوا۔ کچھ دیر پہلے کی ترشی اور تلخی منٹوں میں غائب ہو گئی۔ وہ ہمدردانہ نظروں سے شائستہ کو دیکھتے ہوئے جواب کا منتظر تھا۔ وہ ڈیش بورڈ پر پڑے ٹشو باکس سے ایک ٹشو نکالتے ہوئے اپنی آنکھیں اس سے خشک کر رہی تھی۔

"کون یاد آتا ہے آپ کو؟" شبیر نے ایک بار پھر پوچھا۔

"میرا بیٹا۔" شبیر کچھ بول نہ سکا۔

☆☆☆

"اس طرح کیوں گھور رہے ہو مجھے؟" نایاب شمر کے فون کرنے پر کچھ دیر پہلے ہی این سی اے پہنچی تھی اور اب اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نایاب! یہ ٹھیک نہیں ہے۔" شمر نے بے حد سنجیدگی سے اس سے کہا۔

"کیا ٹھیک نہیں ہے؟" وہ حیران ہوئی۔

"ثمر! اچھی طرح جانتی ہو کہ کیا ٹھیک نہیں ہے۔"

"I Swear میں نہیں جانتی تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"مجھے فیس کے لیے رقم کی ضرورت نہیں تھی۔ میری امی نے مجھے رقم دے دی ہے پھر تم نے میری فیس کیوں جمع کروائی؟" وہ بے حد ناراض تھا۔ نایاب نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"اتنا معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ثمر! میں نے تمہاری فیس جمع نہیں کروائی۔"

"جھوٹ مت بولو۔"

"میں نے کروائی ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتی۔ میں واقعی سچ کہہ رہی ہوں، میں نے تمہاری فیس جمع نہیں کروائی۔"

"نایاب! کافی مذاق ہو چکا ہے۔ اب مجھے صرف اپنا اکاؤنٹ نمبر بتاؤ تاکہ میں فیس کی رقم تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کروا دوں۔" ثمر اب بھی سنجیدہ تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ثمر! کہ تم میری بات پر یقین کیوں نہیں کر رہے۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ میں نے تمہاری فیس جمع نہیں کروائی تو پھر تم یقین کر لو کہ میں نے جمع نہیں کروائی..... البتہ میں ایسا کرنے کا سوچ ضرور رہی تھی۔" نایاب اس بار کچھ جھنجلا کر بولی تھی۔

ثمر بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔

"اگر یہ مذاق ہے تو بہت بھونڈا مذاق ہے۔" اس نے برا مان کر کہا۔

"یہ مذاق نہیں ہے۔ میں واقعی سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے خود بھی یہ جان کر حیرانی ہو رہی ہے کہ کسی نے تمہاری فیس جمع کروائی ہے۔ کہیں کسی اور لڑکی کے ساتھ بھی تو چکر نہیں چل رہا تمہارا؟"

ثمر اسی طرح الجھی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"ویسے میرا ذاتی خیال ہے کہ تمہیں خود بھی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایک بار پھر آفس سے چیک کرو۔" نایاب نے بھی سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

ثمر نے کچھ کہنے کے بجائے اس کی آنکھوں کے سامنے کچھ رسیدیں کر دیں۔

نایاب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

نایاب نے سر اٹھا کر قدرے الجھی ہوئی نظروں سے ثمر کو دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

"یقین کرو میں نے تمہاری فیس جمع نہیں کروائی۔"

"یہ رسیدیں کس نے دیں؟"

"ڈاک سے گھر آئی ہیں اور میرے گھر کے ایڈریس کا بھی تمہیں ہی پتا ہے۔" ثمر اب بھی اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"جو تمہارے لیے حاتم طائی بن سکتا ہے اور آنکھیں بند کر کے یوں روپے خرچ کر سکتا ہے، وہ ڈراک ہوم سے تمہارا ایڈریس حاصل نہیں کر سکتا؟" نایاب نے کہا۔

"میں سیریس ہوں نایاب!"

"میں بھی مذاق نہیں کر رہی۔ مجھے خود بھی حیرانی ہو رہی ہے کہ میرے علاوہ ایک دم تمہارا ایسا کون سا ہمدرد پیدا ہو گیا ہے۔ کس کو تمہارے این سی اے میں آنے سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ کسی اور لڑکی کے ساتھ بھی دوستی ہے تمہاری؟" نایاب اب اس سارے معاملے کو کسی اور رنگ میں دیکھ رہی تھی۔

ثمر نے نایاب کے تاثرات کو دیکھا اور وہ مزید الجھ گیا۔ اگر وہ نایاب کا کام نہیں تھا تو پھر کس کا کام تھا۔ کون ایسا خیر خواہ پیدا ہو گیا تھا، جو اس میں اس حد تک دلچسپی رکھتا تھا کہ اس کے تعلیمی اخراجات اٹھا رہا تھا۔

"اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" نایاب نے اسے پریشان دیکھ کر کہا۔ "بہت جلد تمہیں پتا چل ہی جائے گا یہ فیور کس نے کیا ہے۔ ظاہر ہے وہ ہمیشہ تو اپنے آپ کو چھپائے نہیں رکھے گا، اور پھر اس فیور کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہوگا۔" نایاب نے اس کے بازو کو آہستہ سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"خیر۔۔۔ میں کسی کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔" ثمر نے ان رسیدوں کو دوبارہ والٹ میں ڈال کر اسے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"کسی اور کا تو مجھے پتہ نہیں مگر میرے لیے بہت کچھ کر سکتے ہو تم۔" نایاب نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"مثلاً۔" ثمر نے ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا۔

"مثلاً مجھے کینٹین لے جا سکتے ہو۔" نایاب نے اطمینان سے کہا۔

"کس خوشی میں؟" ثمر نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

"این سی اے میں ایک روپیہ خرچ کیے بغیر داخل ہونے سے بڑی خوشی کوئی ہو سکتی ہے؟"

"اب تم پورے کالج کو بتا دینا تاکہ پہلے دن ہی میرے ماتھے پر بھکاری کا لیبل لگ جائے۔" ثمر نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

"پہلے لگا کیا؟" نایاب نے الجھتے ہوئے کہا۔

ثمر نے رک کر اسے دیکھا پھر انگلی اٹھا کر کہنے لگا۔ "تم امیر لڑکیوں کا ایک پرابلم۔۔۔"

"نایاب نے اس کی بات بڑے اطمینان سے کاٹی۔ "ہم امیر لڑکیوں کے ایک نہیں بہت سے پرابلم ہوتے ہیں غریب لڑکے۔ کسی دن فرصت میں بیٹھ کر تفصیل سے ڈسکس کریں گے۔ اب کینٹین چلیں؟"

"میں کچھ نہیں کھلاؤں گا۔" ثمر نے جیسے دھمکی دی۔

"کھا میں خود لوں گی، تم صرف پیسے ادا کر دینا۔ اب چلو۔"

نایاب نے کمال بے تکلفی سے اس کا کندھا پکڑ کر اسے تقریباً گھسیٹا، ثمر مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"میں ایک بات سوچ رہی ہوں ثمر!" اس کے ساتھ چلتے چلتے نایاب نے اچانک کہا۔

"کیا؟"

"کسی دن اپنے گھر انوائٹ کرو مجھے۔"

ثمر کے ہاتھوں کے طوطے یک دم اڑ گئے۔

☆☆☆

"آپ کا بیٹا؟" شہیر نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ اسے شائستہ کی بات پر جھٹکا لگا۔ اسے شائستہ کے منہ سے ایسی کوئی بات سننے کی توقع نہیں تھی۔ شائستہ کے بارے میں اس کی رائے میں یک دم تبدیلی آئی۔

"آخر کوئی عورت اسے بیٹا کہتے ہوئے تو اس سے قربت کی کوشش نہیں کر سکتی۔" اس نے یک دم اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا اور اب وہ شائستہ کی کہانی سننے کے لیے تیار تھا۔

"ہاں میرا بیٹا۔" شائستہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"کیا اس کا انتقال ہو چکا ہے؟" شہیر کو اندازہ نہیں ہوا اس کی زبان سے یہ سوال کیوں نکلا۔

"خدا نہ کرے۔" شائستہ نے بے اختیار کہا۔

شہیر کو شرمندگی ہوئی۔ شائستہ اب اپنے آپ پر قابو پا چکی تھی۔

"آئی ایم سوری! میں نے سوچا شاید..." شہیر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ بات کیسے مکمل کرے۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ شائستہ تب تک خود پر قابو پا چکی تھی۔ اس نے ٹشو سے ایک بار پھر اپنی آنکھوں کو تھپتھپایا اور پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ میرا بیٹا زندہ ہے۔" شہیر اس کے جملے پر ایک بار پھر الجھا۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں بات کر رہی تھی اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ زندہ ہے یا...

اسے حیرانی ہوئی تو کیا اب وہ اس سے اپنے کسی گمشدہ بیٹے کی بات کرے گی؟ شہیر نے کچھ حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کیا امیر لوگوں کے بچے گم ہو سکتے ہیں؟" اس کے ذہن نے جیسے ایک سوال کیا۔

وہ اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش میں مصروف تھا اور یہی کوشش شائستہ بھی وقتاً فوقتاً کر رہی تھی۔

"میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔ آپ کا بیٹا۔" شہیر نے بالآخر کہا۔ "آپ کو یہ علم نہیں ہے کہ آپ کا بیٹا زندہ ہے یا نہیں۔ کیا وہ آپ کے پاس نہیں رہتا؟"

اس بار شہیر نے بڑے محتاط انداز میں لفظوں کا انتخاب کیا تھا۔

"نہیں... وہ میرے پاس نہیں ہے۔" شائستہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بولی۔ "میں تو اسے دیکھنے کے لیے ترس گئی ہوں۔"

شہیر نے شائستہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو آتے ہوئے دیکھے۔

اس کا دل کچھ اور بیٹھا۔ شائستہ ایک بار پھر ٹشو... سے اپنی آنکھیں خشک کر رہی تھی۔ شہیر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس بار شائستہ سے کیا کہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک لمحے کے لیے صبغہ آئی تھی۔ وہ پہلی لڑکی تھی جسے اس نے اپنے سامنے روتے دیکھا تھا اور اب شائستہ آج دوسری عورت تھی۔

اگرچہ اس نے صبغہ کو چپ کروانے میں بھی وقت محسوس کی تھی مگر شائستہ کے لیے وہ جس طرح کے احساسات کا شکار ہو رہا تھا، وہ اسے بہت بے چین کر رہے تھے۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ بھاگ کر گاڑی سے اتر جائے۔

شائستہ اب گاڑی کو مین روڈ سے بائی روڈ پر لا رہی تھی اور بائی روڈ پر گاڑی لاتے ہی اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ پھر معذرت خواہانہ انداز میں شہیر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں اس حالت میں گاڑی ڈرائیو نہیں کر پاؤں گی۔" شائستہ نے اسٹیئرنگ سے اپنے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"آج بہت عرصے کے بعد میں کسی ایسے شخص سے اپنے بیٹے کا ذکر کر رہی ہوں، جسے میں جانتی نہیں۔ عجیب بات ہے نا؟" اس نے جیسے بڑبڑاتے ہوئے شہیر سے کہا۔ ایک بار پھر شہیر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس کے اس سوال کا کیا جواب دے۔

"مگر مجھے تم سے اتنی اپنائیت محسوس ہوتی ہے کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تم سے اس موضوع پر بات کرنا چاہتی ہوں۔"

شائستہ نے جیسے وضاحت کی۔ شہیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا، وہ اب مزید کچھ انکشافات کا منتظر تھا۔

"میں تمہارا وقت تو ضائع نہیں کر رہی؟" شائستہ نے یک دم کہا۔ شہیر کا دل چاہا کہ وہ ہاں میں جواب دے۔ آخر اسے شائستہ اور شائستہ کے بیٹے کے بارے میں جان کر کرنا کیا تھا۔ اس کا شائستہ سے کوئی تعلق نہیں تھا مگر وہ یہ کہہ نہیں سکتا تھا۔

"نہیں۔" اپنے چہرے پر بمشکل ایک مسکراہٹ لاتے ہوئے اس نے کہا۔

"آپ بات کریں، میں سن رہا ہوں۔" اس کی آواز مدھم تھی اور اس نے کوشش کی تھی کہ اس کے لہجے سے بیزاری نہ جھلکے۔

"کئی سال پہلے میرے سب سے بڑے بیٹے کو کلینک سے کسی نے اغوا کر لیا تھا۔" شائستہ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنا شروع کیا۔ وہ بے حد سنجیدہ اور ملول نظر آ رہی تھی۔

"اس وقت وہ صرف چند گھنٹے کا تھا۔"

"آپ کا مطلب ہے پیدائش کے فوراً بعد...؟" شہیر نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں۔" شائستہ نے شکست خوردہ انداز میں بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ شہیر اب پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"میں نے اور ہارون نے اسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہیں ملا۔" شائستہ نے ایک گہری سانس لی۔ ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

"آپ پولیس کی مدد لیتیں۔" شہیر نے کہا۔

"ہم نے پولیس کی مدد لی تھی مگر پولیس بھی اسے تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔" شائستہ افسردگی سے بولی۔

"وہ صرف اتنا پتا چلا سکے کہ اس رات ایک لڑکی کو رات کے پچھلے پہر ایک بچہ گیٹ سے لے جاتے دیکھا گیا۔ چوکیدار نے اسے یہ سمجھ کر نہیں روکا کہ وہاں ایڈمٹ ہے مگر اسے حیرانی ضرور ہوئی تھی کہ رات کے پچھلے پہر وہ اکیلے اپنا بچہ لے کر آخر کس طرح اپنے گھر جا رہی ہے۔" شہیر چپ چاپ اس کی بات سن رہا تھا۔

"گیٹ سے نکلتے ہوئے چوکیدار نے اس سے پوچھا تھا مگر اس لڑکی نے کہا کہ وہ یہیں ایک گھر میں رہتی ہے اور یہ بچہ اس کی بہن کا ہے جو وہاں ایڈمٹ ہے۔ وہ بچہ گھر لے جا رہی ہے۔" چوکیدار نے اس لڑکی کو دوبارہ آتے نہیں دیکھا اور تب مجھے پتا چلا کہ میرا بیٹا..."

اس بار شائستہ نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے سسکیوں کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔ اس بار شہیر کو اس کے رونے سے اتنی الجھن نہیں ہوئی جتنی پہلے ہو رہی تھی وہ شائستہ کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

"آپ لوگ اس لڑکی کا حلیہ چوکیدار سے پوچھ کر اسے تلاش کرنے کی کوشش کرواتے۔" شہیر نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"سب کچھ کروایا تھا ہم نے... مجھے تو آج تک اس کے حلیے کی تفصیلات یاد ہیں جو اس چوکیدار نے پولیس کو بتائی تھیں۔ چھوٹے سے قد کی بھدی اور موٹی سی لڑکی۔ اس کے دانت ٹیڑھے میڑھے تھے اور اس کا دایاں بازو یا ہاتھ اور بازو سے کسی معذوری کی وجہ سے مختلف لگتا تھا۔" شائستہ ایک لمحے کے لیے رکی اور اس نے بہت غور سے شہیر کو دیکھا۔

"مجھے یہ سب کچھ سن کر واقعی بہت افسوس ہوا ہے۔" شائستہ کو اس کے جملے نے مایوس کیا۔ اسے توقع تھی کہ اس عورت کے حلیے پر شہیر کا ذہن فاطمہ کی طرف جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

"میں آپ کی ذہنی کیفیت کو سمجھ سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کاش تم واقعی سمجھ سکتے۔" شائستہ نے اس کی بات سنتے ہوئے مایوسی سے سوچا۔

"اتنے سالوں میں ایک بار بھی میرا بیٹا میرے ذہن سے فراموش نہیں ہوا۔" شائستہ اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے بولی۔

"میں نے اسے بہت تھوڑی دیر کے لیے دیکھا تھا مگر وہ آج بھی میرے ذہن میں اسی طرح محفوظ ہے۔" شہیر بغور اس کی بات سن رہا تھا۔ شائستہ کے آنسو اب تھم چکے تھے۔

"تمہیں میں جب بھی دیکھتی ہوں، مجھے لگتا ہے میرا بیٹا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔" شائستہ نے کہا۔ شہیر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ وہ اسے کیا سمجھ رہی تھی اور وہ اسے کیا سمجھ رہا تھا۔

"آج وہ میرے پاس ہوتا تو تمہاری ہی عمر کا ہوتا اور تمہاری ہی شکل و صورت کا... تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ تمہاری شکل میرے شوہر سے بہت ملتی ہے۔" شہیر نے اس کے اس انکشاف پر کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ اسے خود بھی اپنے اور ہارون کے چہرے میں مماثلت محسوس ہوئی تھی مگر اس کے نزدیک یہ صرف ایک اتفاق تھا۔

"پی سی میں تمہیں دیکھتے ہی مجھے لگا، جیسے میرا بیٹا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔" شائستہ نے بات جاری رکھتے

ہوئے کہا۔ شہیر کو یاد آیا کل بار شر کے ساتھ پی سی میں جب ان لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی تو شائستہ کی نظروں میں بہت الجھن تھی۔ اسے لگا تھا جیسے وہ اسے گھور رہی ہے اور پھر اس کے ساتھ ہونے والی ہر ملاقات پر وہ اسی طرح کے احساسات سے دوچار ہوا تھا۔

"میں نے کہا نا میں آپ کے جذبات کو سمجھ سکتا ہوں۔ دنیا میں اکثر ایسے اتفاقات بھی ہوتے ہیں کہ بہت سے لوگ آپس میں کوئی رشتہ نہ رکھتے ہوئے بھی ایک جیسے نظر آتے ہیں۔" شہیر نے بے حد تحمل سے کہا۔

"ہو سکتا ہے چہرے کی یہ مماثلت محض ایک اتفاق ہو۔" شائستہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مگر پہلی بار کسی کو دیکھ کر مجھے اپنا بیٹا اتنا یاد آتا ہے اور ایسا ہر بار ہوتا ہے۔ ہر بار تم میرے سامنے آتے ہو اور مجھے لگتا ہے کہ میں تمہیں نہیں اپنے بیٹے کو دیکھ رہی ہوں۔" شائستہ نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ میں جانتی ہوں کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے۔" شہیر اس بار اس کی بات پر چونکا۔ اس کے چونکنے پر شائستہ ہلکی سی مسکرائی۔

"تم ہمیشہ مجھ سے کتراتے ہو، مجھے نظر انداز کرتے ہو۔ میں بہت آسانی سے تمہارے رویے میں یہ سب کچھ محسوس کر سکتی ہوں۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" شہیر نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔

"میں ویسے ہی ریزرو رہتا ہوں۔" شائستہ نے اپنی رائے پر اس بار زور نہیں دیا۔ اس نے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ شہیر نے جیسے خدا کا شکر ادا کیا۔

"تم نے میری آفر کے بارے میں اب کیا سوچا؟" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد یک دم شائستہ نے کہا۔

"کس آفر کے بارے میں؟" شہیر نے ایک بار پھر چونک کر کہا۔

"اس جاب کے لیے جس کے بارے میں، میں نے تمہیں بتایا ہے۔"

"آپ کی فیکٹری۔" شہیر دانستہ رکا۔

"ہاں۔"

"میں نے آپ سے کہا ہے کہ میں اپنی موجودہ جاب سے بہت خوش ہوں۔" شہیر رسانیت سے بولا۔

"میں ابھی کچھ سال یہیں کام کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اگر میں نے جاب چھوڑنے کا سوچا تو پھر میں آپ کی فیکٹری کے بارے میں سوچوں گا۔" شہیر نے بے حد مہذب انداز میں کہا۔

"میری فیکٹری تمہیں بہت اچھا پیکج آفر کرے گی۔"

"میری یہ کمپنی بھی مجھے بہت اچھا پیکج دے رہی ہے۔" شہیر نے جواباً کہا۔

"بارہ ہزار کو تم اچھا پیکج کہہ رہے ہو۔" شائستہ نے بے حد تفخر سے کہا۔ شہیر نے جیسے کرنٹ کھا کر شائستہ کو دیکھا۔ وہ اس کی تنخواہ کیسے جانتی تھی؟

"کیا ہوا؟" شائستہ نے اس کے انداز میں آنے والی تبدیلی کو نوٹ کیا۔

"شہیر کو کبھی سمجھانے میں چند سیکنڈز لگے تھے اس کی تنخواہ میں اضافہ کس نے کروایا تھا، وہ جان گیا تھا۔

☆☆☆

"ہارون سے تمہاری کیا بات ہوئی؟" اس شام امبر کی واپسی کے ساتھ ہی صبغہ نے اس سے پوچھا۔ امبر کم از کم تین یا چار گھنٹوں کے بعد واپس آئی تھی اور واپس آنے کے بعد بہت مطمئن نظر آتی تھی۔

صبغہ کچھ دیر اندر کمرے میں بیٹھی رہی تھی مگر وہ سو نہیں سکی تھی۔ اسے بار بار امبر کا خیال آ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ باہر لان میں نکل آئی اور وہاں ٹہلنے لگی۔ منیزہ کچن میں کھانا پکاتے ہوئے اسے لان میں ٹہلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ انھوں نے پہلے بھی کئی

بار صبغہ کو پریشان دیکھا تھا مگر آج اس کی پریشانی جیسے انتہا کو پہنچ رہی تھی۔

"وہ آ جائے گی۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟" منیزہ نے صبغہ کو باہر نکل کر سمجھانے کی کوشش کی مگر صبغہ اسی طرح کمرے میں ٹہلتی رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں وہ آ جائے گی۔" منیزہ نے اس کو بڑبڑاتے سنا۔

"اسے آج اس لیے زیادہ دیر ...." منیزہ کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ بیرونی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔

"دیکھا وہ آ گئی۔" منیزہ بے اختیار مسکرائیں اور اس نے جا کر دروازہ کھول دیا۔ امبر مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ نے صبغہ کا خون خشک کر دیا۔ اس کے خوشگوار موڈ کا مطلب کیا ہو سکتا تھا وہ اس کا مطلب جانتی تھی۔

"سوری، میں کچھ لیٹ ہو گئی۔" اس نے مسکراتے ہوئے باری باری دونوں کی طرف دیکھا اور اندر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ صبغہ اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلی آئی۔

"تم نے ہارون سے کیا بات کی؟" اس نے اندر آتے ہی امبر سے پوچھا۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی اپنے جوتے اتار رہی تھی۔

"کس چیز کے بارے میں؟" امبر نے سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ کس چیز کے بارے میں بات کرنے تمہیں یہاں سے لے گیا تھا؟" صبغہ جیسے زچ ہو کر بولی۔

"یہ ضروری نہیں ہے کہ میں تمہیں بھی اس کے بارے میں بتاؤں۔" امبر کا لہجہ یک دم بہت روکھا ہو گیا۔ وہ اب اپنے بیگ میں کچھ تلاش کرنے میں مصروف تھی۔

منیزہ نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کچن کے دروازے سے کمرے کے دروازے تک آتے آتے سن لی تھی۔ اس سے پہلے کہ صبغہ اپنا سوال دہراتی وہ کمرے میں داخل ہوئیں اور امبر سے بولیں۔

"ہارون کیا کہنا چاہتا تھا تم سے؟"

"وہ بہت سی باتیں کہنا چاہتا تھا۔" اس بار امبر کے لہجے میں وہ روکھائی نہیں تھی۔ اس نے بیگ میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش بھی ترک کر دی اور اسے بند کر دیا۔

"تمہیں اسے بتانا تھا کہ آج کے بعد وہ اس گھر میں نہ آئے۔" منیزہ نے خاصی روکھائی سے کہا۔

"میں نے اس سے کہہ دیا ہے۔" امبر بے حد اطمینان سے بولی۔

"پھر اس نے کیا کہا؟"

"وہ دوبارہ یہاں نہیں آئے گا۔" منیزہ نے اطمینان کا سانس لیا اور صبغہ کو دیکھا مگر صبغہ اسی طرح امبر کو گھور رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں رتی بھر تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"صبغہ کو ہر بات کا بتنگڑ بنانے کی عادت ہے۔" منیزہ نے اسے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا "جب وہ کہہ رہی ہے کہ اس نے ہارون کو منع کر دیا ہے تو یقیناً اس نے ایسا ہی کیا ہوگا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ مجھے تم سے ایسی ہی توقع تھی۔" منیزہ آگے بڑھ کر امبر کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"ہارون جیسا آدمی اس قابل ہی نہیں ہے کہ وہ اس گھر میں آتا جاتا۔ یا تم سے ملتا۔" منیزہ کہنے لگیں امبر خاموشی سے کچھ سوچتے ہوئے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے ہوں ہاں میں بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

"اگر آئندہ تمہارا کہیں اس سے آمنا سامنا ہو بھی جب بھی تم اس سے بات مت کرنا اور نہ ہی اس سے ملنے کی کوشش کرنا۔" منیزہ نے مزید ہدایت دی۔ امبر اب بھی خاموش تھی۔ صبغہ کمرے کے وسط میں کھڑی امبر کے چہرے کو بدستور دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سا اطمینان تھا۔ صبغہ نے ایسا اطمینان پہلے صرف ایک بار اس کے چہرے پر دیکھا تھا۔ تب جب ہارون نے کلینک میں آنا شروع کیا تھا اور امبر نے روز اس کا انتظار کرنا شروع کر دیا تھا۔

"میں اپنا برا بھلا جانتی ہوں ممی! میں چھوٹی بچی نہیں ہوں۔" امبر نے بہت دیر بعد پہلا فقرہ اپنی خاموشی کو توڑا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم چھوٹی بچی نہیں ہو اور اپنا برا بھلا جانتی ہو۔ مگر دنیا بہت خراب ہے امبر اور ہارون کمال جیسے لوگ۔۔۔" امبر نے منیزہ کی بات کاٹ دی۔

"آپ میرے سامنے صبغہ کی زبان میں بات نہ کیا کریں۔" اس کا لہجہ اکھڑا تھا۔

"میں بھی لوگوں کو پہچانتی ہوں۔ آنکھیں بند کر کے لوگوں سے نہیں ملتی۔"

"مگر ہارون جیسا آدمی۔۔۔" امبر نے ایک بار پھر منیزہ کی بات کاٹی۔

"ہارون اتنا برا بھی نہیں ہے جتنا آپ اسے سمجھتی ہیں۔" منیزہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکیں۔ انھیں امبر کے منہ سے کم از کم اس وقت ہارون کی حمایت میں کچھ بھی کہنے کی توقع نہیں تھی۔ بے اختیار انھوں نے صبغہ کو دیکھا وہ اسی طرح کھڑی بھیگی ہوئی نظروں سے امبر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے جملے نے کم از کم صبغہ کو حیران نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے منہ سے کسی ایسے ہی جملے کی توقع کر رہی تھی۔

"تم اب بھی اس آدمی کی حمایت کر رہی ہو، جس نے اپنی بیٹی کے لیے تمھیں چند لمحوں میں گاڑی سے اتار دیا۔" منیزہ نے قدرے غصے سے کہا۔

اس کی بات پر امبر اس بار خفا نہیں ہوئی۔

"اس نے مجھے صرف گاڑی سے اتارا تھا۔ زندگی سے نہیں نکالا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اور پھر اس نے معافی بھی مانگ لی ہے۔" اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "صرف گاڑی سے اتار دینا تو ایسا جرم نہیں ہے جسے انسان معاف ہی نہ کر سکے۔ میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔"

"اپنی بے عزتی کروا کر بھی۔۔۔" امبر نے ایک بار پھر منیزہ کی بات کاٹ دی۔

"میری بے عزتی میرا مسئلہ ہے اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"اور اگر میں نے ہارون کو معاف کر دیا ہے تو پھر آپ کو اس بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہیے۔"

منیزہ کا دل چاہا وہ اپنا سر پیٹ لیں۔ اس کے بارے میں صبغہ کے سارے قیاس اور خدشے صحیح ثابت ہو رہے تھے۔

"آخر تمھیں ہماری عزت کا کیوں خیال نہیں ہے۔" منیزہ کو یک دم اشتعال آیا۔

"تم کیوں اس آدمی سے ملنا نہیں چھوڑ سکتیں؟"

"کیونکہ میں اس آدمی سے محبت کرتی ہوں۔" اس بار امبر نے کسی لحاظ کے بغیر کہا۔

"اور صرف میں ہی نہیں وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے امبر!" منیزہ نے بے اختیار کہا۔

"اپنی اور اس کی عمر کا فرق دیکھو۔"

"یہ فرق پاپا اور رخشی کی عمر سے زیادہ تو نہیں ہوگا۔" امبر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اگر ان دونوں کو آپس میں محبت ہو سکتی ہے تو پھر مجھے ہارون سے کیوں نہیں۔"

"رخشی کو تمھارے باپ کے روپے سے محبت ہوئی تھی، اور تمھارے باپ کو رخشی کی خوبصورتی سے۔ دونوں کو ہوس تھی محبت نہیں تھی۔" منیزہ نے بے حد تلخی سے کہا۔

"جو بھی ہو مگر حقیقت تو یہی ہے کہ وہ دونوں آج اکٹھے رہ رہے ہیں۔" امبر کے لہجے میں عجیب سی کھنک تھی۔ اور پھر اس نے گود میں رکھا ہوا اپنا بایاں ہاتھ پلٹ کر دیکھا۔ صبغہ اور منیزہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

اس کے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ ہیرا آنکھوں کو خیرہ اور عقلوں کو کند کرنے میں بے مثال ہوتا ہے۔ انگوٹھی میں جگمگانے والا ہیرا ابھی یہی کر رہا تھا۔

☆☆☆

"آپ نے میرے پاس سے بات کر کے میری پریشانی کر دی ہے؟" شبیر نے بے حد خفگی انداز میں شائستہ سے پوچھا۔ کچھ دیر پہلے اس کے اندر اٹھنے والی ہمدردی یک دم غائب ہو گئی تھی۔

"میں تمہیں بتانا نہیں چاہتی تھی مگر..." شائستہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ شبیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مگر آپ کبھی نہ کبھی مجھے یہ احسان ضرور جتائیں گی۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو شبیر؟" شائستہ کو ایک عجیب سی چبھن کا احساس ہوا۔ وہ اس کا بیٹا تھا اور وہ اس کے فرض کو احسان قرار دے رہا تھا۔ اور اس کے لہجے میں اس کے لیے کھردراپن تھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" شبیر نے کہا۔ وہ اب اندازہ کر سکتا تھا کہ شائستہ نے معراج ظفر سے کس طرح اس کے اگریمنٹ اور پریشانی کی بات کی ہوگی اور کس طرح انہیں یہ کام کرنے کے لیے مجبور کیا ہوگا۔ اور وہ یہ اندازہ بھی کر سکتا تھا کہ معراج نے اس کے اور شائستہ کے حوالے سے... کیا کچھ نہیں سوچا ہوگا اور وہ کچھ میں ان کی نظروں سے گر جانے کا تمام خیالات کا احساس شبیر کو مشتعل کر رہا تھا۔

"آپ ابھی اور اسی وقت گاڑی روک دیں۔" اس نے بے حد ترشی سے کہتے ہوئے گاڑی کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔

"شبیر! میری بات سنو... میں..." شائستہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"میں نے آپ سے کہا ہے گاڑی روکیں۔" اس بار شبیر کا لہجہ پہلے سے زیادہ ترش اور اس کی آواز بہت بلند تھی۔ شائستہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ گاڑی رکنے کے باوجود شبیر دروازہ کھول کر اترنہیں سکا۔ شائستہ نے گاڑی کے دروازے کو لاک کیا ہوا تھا۔

"اسے کھولیں۔" شبیر نے اپنی طرف سے دروازہ کھولنے پر ناکام رہنے پر کہا۔ اس کا لہجہ بدستور اکھڑا ہوا تھا۔

"شبیر! میں نے یہ سب کچھ صرف اس لیے..." شبیر نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"صرف اس لیے کیا ہے کیونکہ مجھے دیکھ کر آپ کو اپنا بیٹا یاد آتا ہے۔" اس نے صاف صاف کہا۔

"اور اگر ایسا ہے تو یہ آپ کا قصور ہے میرا نہیں۔" شائستہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔

"اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ آپ مجھے پوری دنیا میں تماشا بنا کر رکھ دیں۔"

"میں تمہیں تماشا بناؤں گی؟" شائستہ نے بے یقینی سے کہا۔

"تو آپ اور کیا کر رہی ہیں؟" شبیر نے کہا۔ "آپ کو احساس ہے کہ آپ کی اس فیور نے مجھے میرے آفس میں کس قدر شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے۔"

"شبیر! تم..."

"میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔" شبیر نے شائستہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ آپ کی بیٹی میرے بھائی کی دوست ہے۔ مگر جو کچھ آپ کر رہی ہیں..."

"میری نیت پر شبہ مت کرو۔" شائستہ نے لجاجت سے کہا۔

"تو کیا کروں۔ آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھتیں کہ آپ کے ایک خیال کی بنیاد پر میں آپ کا بیٹا نہیں بن سکتا، اور نہ ہی آپ کی فیور کی وجہ سے میرے اور آپ کے درمیان موجود آشنائی کسی رشتے میں تبدیل ہو سکتی ہے۔" وہ بے حد بے رخی سے کہنے لگا۔ شائستہ نے اپنے ہونٹ کاٹے۔ اس کا دل چاہا وہ چیخ چیخ کر اس سے کہے کہ وہ اس کا بیٹا ہے، اور کسی تصدیق کے بغیر بھی ان کا یہ رشتہ ایسا ہی رہے گا۔

"میں دوبارہ آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔ اب دروازہ کھول دیں ورنہ میں کھڑکی کا شیشہ توڑ دوں گا۔" شائستہ نے بٹن دبا کر دروازہ کھول دیا۔ شبیر ایک جھٹکے سے کچھ کہے بغیر گاڑی سے نکل گیا۔ شائستہ نے اس کی پشت کی طرف دیکھا۔ ایک آگ نے سر سے پاؤں تک اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ثمر مزید بوکھلایا۔ فاطمہ عام طور پر بھی اسے قصے کو اہمیت نہیں دیتی تھی، اور اکثر اس کی باتوں پر ہنس پڑتی تھی۔ اکثر اوقات وہ ایسی ہی باتیں کر کے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا کرتا تھا۔ مگر اب وہ جس طرح کچن سے گئی تھی۔ وہ مزید پریشان ہو گیا تھا۔

ثمر اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلا آیا۔ فاطمہ بیڈ پر بیٹھی رو رہی تھی۔ وہ حواس باختہ ہو گیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں پہلی بار اپنی ماں کو روتے دیکھا تھا اور رونے کی وجہ یا صرف کسی کی طرف سے دی جانے والی وہ تکلیف تھی؟

"کیا ہوا؟ کیا ہوا؟" وہ بے حد گھبرائے ہوئے انداز میں فاطمہ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے فاطمہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ فاطمہ نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا نہیں مگر اس نے رونا بند کیا نہ ہی ثمر کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے کہ ثمر کچھ اور کہتا جالی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنے گیلے بالوں کے گرد تولیہ لپیٹا ہوا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی نہا کر غسل خانے سے باہر نکلی تھی۔

کمرے کا نظارہ دیکھ کر وہ بھی ثمر کی طرح ہی حواس باختہ ہوئی اور برق رفتاری سے فاطمہ کی طرف آئی۔

"کیا ہوا؟ تم نے کیا کہا ہے امی سے؟" فاطمہ کے جواب نہ دینے پر فکر اور پریشانی ہوتے ہوئے وہ ثمر سے بولی۔

"میں نے کچھ نہیں کہا۔ میں تو اپنی صفائی دے رہا تھا اور یہ یک دم اس طرح ہو کر کچن سے چلی آئیں۔" ثمر بھی اب روہانسا ہونے لگا تھا۔

"امی۔۔۔امی۔۔۔ پلیز چپ ہو جائیں۔" جالی نے ثمر کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے ایک بار پھر فاطمہ سے کہا، اور پھر اسے خاموش ہوتے نہ دیکھ کر خود بھی رونا شروع ہو گئی۔ ثمر کی طرح اس نے بھی زندگی میں پہلی بار فاطمہ کو روتے ہوئے دیکھا تھا اس صورت حال پر وہ دونوں بوکھلا گئے تھے۔

"اگر آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہے تو میں اس کے لیے آپ سے معافی مانگتا ہوں۔" ثمر جالی کو روتے دیکھ کر اور پریشان ہوا۔

"پلیز مجھے معاف کر دیں اور چپ ہو جائیں۔" اس نے فاطمہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"میں ایف اے میں پڑھوں گا ہی نہیں، میں کہیں اور ایڈمیشن لے لوں گا۔" اس نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔

اس کی بھرائی ہوئی آواز نے فاطمہ کو یک دم گردن موڑ کر اسے دیکھنے پر مجبور کیا۔ ثمر کی آنکھوں میں بھی نمی چمک رہی تھی۔ مگر اس نمی سے زیادہ فاطمہ کو اس کے اپنے سامنے بندھے ہوئے ہاتھوں نے پریشان کیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے اس کے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

"میں بس ایسے ہی پریشان تھی، اس لیے رونے لگی۔" اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور بات ادھوری چھوڑ دی۔ ثمر نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔

"نہیں، اس نے ضرور آپ سے کوئی بدتمیزی کی ہوگی۔ آج شبیر بھائی آئیں گے تو میں ان کو بتاؤں گی۔" جالی بھی اپنے آنسو پونچھنے لگی مگر اس کا غصہ ختم نہیں ہوا تھا۔

"شبیر سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ثمر نے مجھ سے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ میں نے کہا نا میں پریشان تھی اس لیے۔" فاطمہ نے کچھ سختی سے جالی کو ڈانٹا۔

"آپ ہمیشہ اس کی سائیڈ لیتی ہیں امی! ہمیشہ۔۔۔ اسی لیے یہ اتنا بدتمیز ہو گیا ہے۔" ثمر نے ناراضی سے جالی کی بات کاٹی۔ "تم اپنا الو کا کردار ادا کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں نے معافی مانگ لی ہے۔ حالانکہ میں نے بدتمیزی بھی نہیں کی۔"

"تم دونوں اب اس بات کو ختم کرو۔" فاطمہ نے جالی کو روکا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

"دیکھو۔۔۔ دروازے پر کون ہے؟" فاطمہ نے دوپٹے کے پلو سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"شبیر بھائی ہوں گے۔" ثمر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"اس نے واقعی بدتمیزی کی تھی یا نہیں؟"
اس کے باہر جاتے ہی جانی نے ایک بار پھر فاطمہ سے پوچھا۔
"نہیں، اس نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے ویسے ہی رونا آ گیا تھا۔" فاطمہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔
"مگر پہلے تو آپ کبھی اس طرح نہیں روئیں پھر آج کیا ہوا؟" جانی اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے کہ فاطمہ کچھ کہتی ثمر اندر داخل ہوا۔ وہ ہاتھ میں ایک لفافہ پکڑے ہوئے تھے۔
"تمہاری ڈاک ہے۔" اس نے جانی سے کہا اور لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔
"آئی بی اے سے ہے؟" جانی نے پوچھا۔
"نہیں آئی بی اے کا ایڈریس تو نہیں ہے۔" ثمر نے کہا۔ لفافے کی پچھلی طرف کسی کرم الدین کا نام تھا۔ جانی نے لفافہ کھولنا شروع کیا۔
"مجھے کھانا پکانا ہے تم دونوں اب لڑنا مت۔" فاطمہ نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ جانی تب تک لفافہ کھول چکی تھی۔ ثمر بھی اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔
جانی نے لفافہ کھول کر اندر موجود کاغذ نکالا۔
"میری پیاری بیٹی جانی کے آئی بی اے میں ایڈمیشن کے لیے۔"
ایک جملے پر مشتمل اس کاغذ کے ساتھ ہی تین لاکھ کا ایک ڈرافٹ بھی نکلا تھا۔
"میرے خدا۔" جانی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ فاطمہ نے کمرے سے باہر جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دونوں اس کاغذ پر لکھے ہوئے چھوٹا سا فقرہ پڑھ رہے تھے۔ ڈرافٹ اب ثمر کے ہاتھوں میں تھا۔
"کیا ہوا؟ کس کا خط ہے؟" فاطمہ پریشان ہو کر واپس پلٹ آئی۔ جانی نے کچھ کہے بغیر ثمر کے ہاتھ سے ڈرافٹ لے کر کاغذ کے ساتھ اس کو بھی فاطمہ کی طرف بڑھا دیا۔
فاطمہ نے کاغذ پر ایک نظر ڈالی پھر ڈرافٹ پر..... اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کے بدترین اندیشے سچ ثابت ہونے لگے تھے۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ دیا ب نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ جو بھی تھا جانی اور ثمر دونوں سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ فاطمہ نے اپنے حلق میں یک دم اگ آنے والے کانٹوں کو محسوس کیا اور وہ جو کوئی بھی تھا، وہ جانی اور ثمر کے ساتھ ساتھ فاطمہ کو بھی بہت اچھی طرح جانتا ہوگا اور کب سے؟ یہ فاطمہ نہیں جانتی تھی اور وہ جو بھی تھا وہ اب کیا ثابت کرنا چاہتا تھا؟
اپنا اخلاص، اپنی ہمدردی یا پھر اپنا رشتہ؟
"میری پیاری بیٹی جانی کے آئی بی اے میں ایڈمیشن کے لیے۔"
کاغذ پر لکھی تحریر فاطمہ کا منہ چڑا رہی تھی۔ اس کی ٹانگوں نے یک دم اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ فاطمہ نے سانس لینے کی کوشش کی۔ وہ ناکام رہی۔ اس نے پھر کوشش کی۔ مگر پھر بھی ناکام رہی اور پھر اس نے ہر چیز کو دھندلاتے ہوئے محسوس کیا۔

☆☆☆

"یہ انگیجمنٹ رنگ ہے۔ میں اور ہارون شادی کر رہے ہیں۔"
میمونہ کو لگا جیسے ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔ صدمے سے بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ آج واپسی پر ہارون سے اس طرح کے عہد و پیماں کر کے واپس آئے گی۔
"تم ہوش میں تو ہو؟" میمونہ نے تقریباً چلاتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں، میں بالکل ہوش میں ہوں۔ آپ کو میری کس بات سے یہ لگا کہ میرے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔"

امبر کے انداز میں بے نیازی تھی بلکہ ایک عجیب طرح کی سرشاری بھی۔ اس کے پاؤں جیسے اس وقت زمین پر نہیں تھے۔

"اپنے آپ کو رخشی مت بناؤ۔" منیزہ نے تلملاتے ہوئے کہا۔ امبر بغیر پلکیں جھپکائے یک ٹک منیزہ کو دیکھتی رہی۔

"مجھے رخشی کے برابر کھڑا مت کریں ممی!" اس کی آواز میں یک دم سرد مہری در آئی۔

"میں تمہیں اس کے برابر نہیں کھڑا کر رہی، تم خود اپنے آپ کو اس مقام پر لے آئی ہو۔" باپ سے بھی سبق سیکھا ہوتا تم نے... کہ اس کی طرح..."

امبر نے منیزہ کی بات کاٹ دی۔

"باپ سے کیا سیکھا ہے، یہ بار بار یاد مت دلائیں۔" وہ مشتعل ہو کر بولی۔

"باپ نے جو کیا، اپنے لیے اپنی مرضی سے کیا پھر میں اپنی زندگی میں اپنی مرضی کے فیصلے کیوں نہ کروں۔"

"تمہارے باپ کی "اپنی مرضی" نے کتنے لوگوں کی زندگی کو تباہ کیا ہے، تم انگلیوں پر گن سکتی ہو۔" منیزہ جیسے پھنکاری۔ "اس کی اپنی مرضی ہم سب کو فٹ پاتھ پر لے آئی ہے اور تم..."

امبر نے ایک بار پھر منیزہ کی بات کاٹ دی۔ "اور میری مرضی آپ کو کسی فٹ پاتھ پر نہیں لے جائے گی۔ میں آپ سب کو اس جگہ سے نکالنا چاہتی ہوں، وہاں لے کر جانا چاہتی ہوں جہاں سے ہم آئے تھے۔" اس کی آواز میں تیزی آ گئی۔ "ان ساری آسائشوں کو دوبارہ آپ سب کی زندگی میں لانا چاہتی ہوں جن کو ہم سے چھین لیا گیا تھا۔"

"اور یہ سب کچھ تمہیں اپنے سے دوگنی عمر سے بھی زیادہ بڑے اس شادی شدہ مرد سے شادی کر کے ملے گا؟" اس بار صبغہ نے امبر کی بات کاٹی تھی۔

"ہاں یہ سب کچھ ایسے ہی ملے گا۔" امبر نے اسی انداز میں کہا۔

"اگر یہ سب کچھ تم ہمارے لیے کر رہی ہو تو مت کرو۔" صبغہ نے کہا۔ "اور اگر اپنے لیے کر رہی ہو تو اپنے اوپر رحم کرو، لوگ دوسروں کو کنویں میں گرتے دیکھ کر بھی تو سبق حاصل کرتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ تم کنویں میں گرنے کے بعد ہی سبق حاصل کرو۔"

"یہ جو زندگی ہے نا، یہ ایک ایسا راستہ ہے جس پر گڑھوں کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔" امبر صبغہ کی طرف دیکھتے ہوئے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ "دل چاہے نہ چاہے، دیکھے ان دیکھے کسی نہ کسی گڑھے میں گرنا ہی پڑتا ہے اور زندگی صرف ایک گڑھے سے نکلنے سے لے کر اگلے گڑھے میں گر جانے تک کے فاصلے کا نام ہے۔"

اس کی آواز میں نمی تھی۔ صبغہ کچھ دیر تک بول نہیں سکی۔

"زندگی میں گڑھے ہی گڑھے ہیں۔" وہ اسی عالم میں بول رہی تھی۔ "اور ہر گڑھا اتنا بڑا ہے کہ کوئی اسے پھلانگ نہیں سکتا۔"

"آدمی آنکھیں بند کرے تو اسے تمہاری طرح اندھیرے کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔" صبغہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

امبر بے اختیار استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

"اور آدمی آنکھیں کھلی رکھے تو پھر اس کو دنیا سے گھن آنے لگتی ہے۔ کچھ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا، پھر بہتر ہے کہ آنکھیں بند کر لی جائیں۔"

وہ یاسیت کے اندھیرے غار میں بند تھی۔ صبغہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ وہ بے شک ذہنی امراض کے کلینک سے بظاہر صحت یاب ہو کر آ گئی تھی مگر اس کی ذہنی کیفیت اب بھی ویسی ہی تھی۔

"ہارون کمال نے تمہاری برین واشنگ کر دی ہے، تمہیں اس بات کا اندازہ ہے؟" صبغہ نے سنجیدگی سے کہا۔ امبر کے چہرے کے تاثرات یک دم بدل گئے۔

"وہ تمھیں ایکسپلائٹ کر رہا ہے۔ محبت کے نام پر وہ تمھیں استعمال کر رہا ہے۔"

"کیا خرابی ہے ایکسپلائٹ ہونے میں؟" صبغہ اکھڑ لہجے میں پوچھے جانے والے اس کے سوال پر دنگ رہ گئی۔

"دنیا میں ہر ایک یہی کرتا ہے۔ اگر ہارون کر رہا ہے تو کیا غلط کر رہا ہے۔" صبغہ اپنی بڑی بہن کو چپ چاپ تاسف بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ اس کا دل چاہا وہ اپنا سر پیٹ لے۔

"دنیا میں کون کیا کر رہا ہے، اسے رہنے دو۔ تم اس جرم کا حصہ مت بنو۔" صبغہ نے اسے سنجیدگی سے سمجھایا۔ "تم رشتی کی طرح نہیں کر سکتیں، تم پیار دیکھو۔"

"صبغہ! میں اس طرح کی زندگی نہیں گزار سکتی۔" امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم یہاں اس ماحول، اس گھر میں رہ سکتی ہو۔ تم کچھ بھی برداشت کر سکتی ہو، ان تمام چیزوں سے۔ تم چار پانچ ہزار کی جاب کے لیے بسوں اور ویگنوں کے دھکے کھا سکتی ہو، میں نہیں۔"

اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

"مجھے اس طرح کی دنیا اور اس طرح کے لوگوں کے ساتھ رہنے کی عادت کبھی نہیں ہو سکتی۔ میں لاکھ کوشش کروں تب بھی نہیں۔" صبغہ نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

"تو پھر یہ مت کہو کہ یہ سب کچھ تم ہمارے لیے کرنا چاہتی ہو۔ تم یہ سب کچھ صرف اپنے لیے کر رہی ہو۔ صرف اپنے لیے کرنا چاہتی ہو۔"

"اگر صرف اپنے لیے کرنا چاہتی تو بہت عرصہ پہلے کر چکی ہوتی، یہاں اس گھر میں کبھی نہ آتی۔" امبر نے کہا۔

"تم نے اس گھر میں کئی سال نہیں گزارے کہ تم یہاں ایڈجسٹ نہ ہو سکیں چند ماہ میں۔"

امبر نے صبغہ کی بات کاٹ دی۔ "چند ماہ.....؟ چند ماہ نہیں..... وہ صدیاں تھیں اور یہ مت کہو کہ میں یہ سب صرف اپنے لیے کر رہی ہوں۔ تم صبغہ..... تم صرف آج کو دیکھتی ہو، میں مستقبل میں جھانک رہی ہوں اور یہاں ہمارا کوئی مستقبل نہیں ہے، نہ ہو سکتا ہے۔"

"حال میں بیٹھ کر مستقبل میں جھانکنے والے پاگل ہوتے ہیں۔" صبغہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"پھر تم مجھے پاگل کہہ لو پر ایک وقت آئے گا جب تم میرے فیصلے کو ٹھیک کہو گی۔"

"میں کبھی تمھارے اس فیصلے کو ٹھیک نہیں کہوں گی۔ تم اپنے ہاتھوں سے اپنے گلے میں پھندا ڈال رہی ہو۔"

"میں اس پھندے کو اپنے گلے سے نکال رہی ہوں جسے ممی اور تم نے اپنے ساتھ ساتھ میرے گلے میں بھی ڈال دیا ہے۔" امبر کا انداز برقرار تھا۔

"کہاں شادی کرے گا وہ تم سے..... پبلک میں یا آوری میں؟" صبغہ نے اس بار بے حد تیز لہجے میں کہا۔ "پورے شہر کو بلا کر ان کے سامنے تمھیں بیوی بنائے گا یا پھر کسی فلیٹ کے ایک کمرے میں چار لوگوں کے درمیان یا کورٹ میں کوئی وکیل شادی کروائے گا تم دونوں کی؟"

امبر کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"جو بھی ہو گا بہت جلد تمھارے سامنے آ جائے گا، طریقہ کوئی بھی ہو وہ مجھ سے شادی تو بہرحال کرے گا۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر اس کے ہونٹوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

"ڈائمنڈ رنگ لوگ صرف بیوی اور منگیتر کو نہیں پہناتے اور بھی بہت سی عورتوں کو پہنا دیتے ہیں۔ صرف ایک رنگ ہاتھ میں پہننے سے رشتے نہیں بنتے امبر!" صبغہ حتی المقدور اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ رشتوں کا آغاز تو ہوتا ہے۔" امبر اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

"شائستہ کی جیسی عورت نہیں ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ وہ ہارون کو تم سے شادی کرنے دے گی؟"

"آپ سے اجازت لینا ہارون کا مسئلہ ہے، میرا نہیں اور ہو سکتا ہے ہارون اس کو اس شادی کے بارے میں بتائے ہی نہ۔"

"شائستہ گھر میں بیٹھنے والی عورت نہیں ہے کہ وہ گھر سے نکلے ہی نہ، اسے کچھ پتہ نہ چلے گا۔ اسے جب بھی پتا چلا، تو——"

امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم خفیہ شادی کریں گے، کسی کو بھی اس شادی کے بارے میں نہیں بتائیں گے۔"

"خفیہ شادی کا مطلب جانتی ہو تم؟"

"بہت اچھی طرح، اپنے باپ کو ایسی شادی کرتا دیکھ چکی ہوں۔"

"اور اس کا انجام بھی دیکھ چکی ہو۔"

"کیسا انجام؟" امبر تیکھے انداز میں ہنسی۔ "پاپا اور رخشی تو عیش کر رہے ہیں، ان کے لیے تو یہ شادی بہت اچھی ثابت ہوئی ہے۔ پریشانی تو ہمیں اٹھانا پڑی ہے۔" امبر نے کندھے جھٹکے۔

"اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہارون اور تمہاری شادی کے بعد بھی ایسی صورت حال کا سامنا شائستہ کو کرنا پڑے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شائستہ کے دباؤ پر تمہیں گھر سے نکال دے، طلاق دے دے۔" صبغہ نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"تو کیا ہوا...؟ نہ گھر سے نکالا جانا میرے لیے نئی چیز ہے نہ طلاق..." امبر نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"ایک بار پھر مینٹل ہاسپٹل پہنچنا چاہتی ہو تم؟" صبغہ نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا۔

"بس، اس بار ایسی کوئی زحمت نہیں ہوگی آپ لوگوں کو۔ ہر بار مجھے کسی کلینک میں نہیں رکھنا پڑے گا۔" وہ اب ماں سے بات کر رہی تھی۔

"تمہیں اگر ہارون سے شادی کرنا ہے تو پھر تم ابھی اور اسی وقت اس گھر سے نکل جاؤ اور دوبارہ کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔" منیزہ جو اب تک خاموشی سے صبغہ اور امبر کی گفتگو سن رہی تھیں یکدم پھٹ پڑیں۔

"آپ مجھے گھر سے نکال رہی ہیں؟" امبر نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔

"ہاں، میں تمہیں گھر سے نکال رہی ہوں، اگر بربادی ہی لے کر آنا ہے تو پھر کہیں اور جا کر رہو۔"

"ممی..." صبغہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

منیزہ نے اسے جھڑک دیا۔ "تم چپ رہو، تمہیں اس معاملے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں نے آپ کے لیے پاپا کو چھوڑ دیا تھا اور آپ مجھے ہی گھر سے نکال رہی ہیں؟" امبر کو ماں کی بات پر ابھی تک یقین نہیں آیا۔

"تم نے میرا ساتھ دے کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔" منیزہ نے تلخی سے کہا۔ "یہ سب کچھ تمہاری لائی ہوئی ہی تھی، تمہاری وجہ سے رخشی منصور کی زندگی میں آئی تھی۔ تم باپ کو اس چڑیل کے گھر لے کر گئی تھیں۔" امبر سکتے کے عالم میں انہیں بولتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"اور تم مجھ پر احسان جتا رہی ہو کہ تم نے میرا ساتھ دینے کے لیے منصور کا گھر چھوڑ دیا۔ اتنی تکلیف ہے تمہیں اس کا گھر چھوڑنے کی تو واپس چلی جاؤ وہاں، ہارون کمال کے بجائے اس کا گھر پھر بھی بہتر ہے تمہارے لیے۔ کم از کم وہاں رہ کر دنیا کو منہ دکھا سکو گی۔" منیزہ بے حد مشتعل تھیں۔ امبر کے چہرے کا رنگ بار بار بدل رہا تھا۔

"یہ سب میری وجہ سے نہیں ہوا ممی! آپ خود اس کی ذمہ دار ہیں۔" امبر نے پہلی بار زبان کھولی۔ "کوئی نہ کوئی کمی تو ہوگی آپ میں کہ پاپا نے دوسری شادی کی، ورنہ ساری دنیا کے مرد تو دوسری شادی نہیں کرتے۔" اس کی آواز منیزہ کی آواز سے بھی اونچی تھی۔

اس بار سکتے میں آنے کی باری منیزہ کی تھی۔ وہ پہلی بار کسی کے منہ سے یہ سن رہی تھیں کہ منصور کی دوسری شادی ان کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ تھی اور وہ بھی امبر کے منہ سے۔

"آپ بھی کبھی ایک اچھی بیوی ثابت نہیں ہو سکیں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "نہ اچھی بیوی، نہ اچھی ماں۔"
صبغہ نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن امبر اس وقت کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔
"آپ کو پاپا کے پیسے سے دلچسپی تھی تو آپ کو بھی پاپا کے پیسوں سے ہی دلچسپی تھی، پاپا سے نہیں۔" منیزہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "آپ کے نزدیک بھی شوہر پیسہ کمانے والی ایک مشین تھا جو آپ کے لیے پیسہ اتارتا رہتا اور آپ اسے اڑاتی رہتیں۔ آپ کے نزدیک پاپا کی کیا حیثیت تھی؟"
"اس وقت ممی کی بات نہیں ہو رہی، تمہیں گڑے مردے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" صبغہ نے اسے ٹوکا۔
"ممی کی بات بھی تو ہونی چاہیے۔ ممی کی بات کیوں نہیں ہوتی۔ ممی کو آج تک کسی نے یہ کیوں نہیں بتایا کہ ان جیسی عورتوں کے شوہر اکثر دوسری شادیاں کر لیتے ہیں۔" امبر ہذیانی انداز میں بول رہی تھی۔ "اور ان کے بچوں کے ساتھ بھی وہی ہوتا ہے جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ انہیں اب ہارون کمال برا لگ رہا ہے، تب کیوں نہیں لگتا تھا جب وہ بلڈنگ میں باقاعدگی سے آیا کرتا تھا۔ کیا تب ممی کو پتا نہیں تھا کہ یہ غلط ہے۔"
"تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔" اس سے پہلے کہ امبر کچھ اور کہتی۔ منیزہ نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔
"میں چلی جاؤں گی، مجھے یہاں رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" امبر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
"پھر جاؤ... ابھی اور اسی وقت یہاں سے جاؤ۔" منیزہ دھاڑیں۔
امبر بجلی کی سی تیزی سے کمرے میں موجود الماری کی طرف گئی اور اس میں سے اپنی چیزیں نکال کر بیڈ پر پھینکنے لگی۔
"ممی پلیز! یہ اس وقت کہاں جائے گی؟" صبغہ اس صورت حال پر گھبرا گئی۔
"جہنم میں جائے مگر یہاں سے چلی جائے۔" منیزہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"ممی! لڑنے جھگڑنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا، بیٹھ کر..."
منیزہ نے صبغہ کو بات مکمل نہیں کرنے دی۔ "مجھے اب کوئی مسئلہ حل نہیں کرنا۔ میں تنگ آ گئی ہوں اس کے مسئلے حل کرتے کرتے۔ اسے جتنا سمجھانا تھا، میں نے سمجھا لیا۔ اب اسے دھکے کھانے دو۔"
امبر اپنا سامان ایک بیگ میں ٹھونسنے میں مصروف تھی۔ منیزہ کے آخری جملے پر اس نے پیچھے تڑپ کر انہیں دیکھا۔
"میں دھکے کھاؤں گی؟ میں دھکے نہیں کھاؤں گی، آپ لوگوں سے بہتر زندگی گزاروں گی۔"
"امبر! کچھ تو ہوش سے کام لو، گھر چھوڑ کر اس وقت کہاں جاؤ گی؟"
صبغہ نے امبر کے ہاتھ سے بیگ لینے کی کوشش کی تو امبر نے ایک جھٹکے سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔
"میرے پاس جانے کے لیے بہت سی جگہیں ہیں، تم لوگوں کا کیا خیال ہے، مجھے یہاں سے نکال دو گے تو میں دھکے کھاتی پھروں گی۔"
"ممی نے جو کچھ کہا ہے، غصے میں کہا ہے..."
منیزہ صبغہ کی بات کاٹ کر چیخیں۔ "میں نے جو کچھ کہا ہے ٹھیک کہا ہے۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔"
امبر نے شدید اشتعال کے عالم میں صبغہ سے اپنا بازو چھڑایا اور اپنا بیگ اٹھا کر تیز قدموں کے ساتھ... کمرے سے باہر نکل گئی۔
"امبر رکو... پلیز۔" صبغہ اسے پکارتے ہوئے بیرونی دروازے تک اس کے پیچھے آئی مگر امبر نے ایک نہ سنی اور دہلیز پار کر گئی۔
صبغہ نے بے بسی سے گلی میں جلتی روشنیوں میں اسے تیز قدموں کے ساتھ کندھے پر بیگ ڈالے گلی کا موڑ مڑ کر اوجھل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

"آخر ہوا کیا تھا آپ کو؟" شہیر نے شاید پچاسویں بار فاطمہ سے پوچھا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے گھر واپس آیا تھا اور گھر واپس آتے ہی اسے فاطمہ کی بے ہوشی اور کچھ دیر پہلے آنے والے ڈرافٹ کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ وہ شناخت کے ساتھ ہونے والی تیج کو کوئی بھلا بیٹھا تھا اور اب بار بار بے چینی سے فاطمہ کی طبیعت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے لیے اس ڈرافٹ کی آمد سے زیادہ پریشان کن بات فاطمہ کا اس طرح بے ہوش ہونا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا تھا۔" فاطمہ حسب عادت ایک ہی جواب دے رہی تھی۔ "بس میں پریشان ہو گئی تھی۔ تم بھی سوچو اس طرح کا کوئی ڈرافٹ تمہیں ملتا اور وہ بھی ایک ایسے آدمی کی طرف سے جسے تم جانتے تک نہ ہو تو۔۔۔"

فاطمہ نے جلی اور ثمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ شہیر کی طرح وہ بھی بے حد متفکر نظر آ رہے تھے۔

"پہلے ثمر کی فیس کی ادائیگی اور اب۔۔۔ اب۔۔۔" فاطمہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہو سکتا ہے یہ ابو کی فیملی کے کسی فرد کی مہربانی ہو۔" شہیر کو اچانک خیال آیا۔ "آپ نے کبھی تفصیل سے ابو اور اپنی فیملی کے لوگوں کا ذکر نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے ابو کی فیملی کے کسی فرد۔۔۔"

فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہارے ابو کی فیملی میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو اتنا امیر ہو کہ اتنی بھاری رقم ہم لوگوں پر خرچ کرتا پھرے اور اگر ہوتا بھی تو اسے اس طرح چھپنے کی کیا ضرورت تھی، وہ سامنے آ جاتا۔"

"انہیں لگتا ہو گا کہ آپ ان سے یہ رقم لینا پسند نہیں کریں گی یا ایسی ہی کوئی اور وجہ بھی تو ہو سکتی ہے۔" ثمر نے اپنی رائے دی۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔" فاطمہ نے یک دم کہا۔ اگر وہ سب یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ ان کے والد کے کسی رشتہ دار کا کام ہے تو یہ خیال فاطمہ کو ان کے بہت سے سوالوں سے بچا سکتا تھا۔ فاطمہ کے ذہن میں فوری طور پر یہ خیال آیا تھا۔

"ابو کی فیملی اب کہاں ہوتی ہے؟" شہیر نے اچانک فاطمہ سے پوچھا۔

"وہ اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔" فاطمہ نے کئی بار کا دہرایا ہوا جھوٹ ایک بار پھر بولا۔

"مگر ان کی فیملی میں کوئی نہ کوئی تو ہو گا۔ ان کے کزنز۔۔۔ چچا وغیرہ۔۔۔ کوئی دوسرے رشتہ دار؟" شہیر نے پوچھا۔

"انہوں نے کبھی مجھے کسی سے نہیں ملوایا اس لیے میں نہیں جانتی کہ ان کے کوئی اور رشتہ دار ہیں بھی یا نہیں اور اگر ہیں تو کہاں ہیں۔"

فاطمہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے ان تینوں میں سے کسی نے اپنے باپ کی فیملی کے بارے میں اتنی تفصیل سے سوالات نہیں کیے تھے۔

شہیر نے بیڈ کے پاس پڑے ٹیبل پر رکھے ڈرافٹ کو اٹھا کر اس پر ایک نظر دوڑائی۔ "میں اس ڈرافٹ کے ذریعے پتا کروانے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ محرم الدین صاحب کون ہیں۔" اس نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ "انہوں نے جہاں سے یہ ڈرافٹ بنوایا ہے وہاں ان کے کوائف ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں ان کا بینک اکاؤنٹ بھی ہو۔" وہ بڑبڑا رہا تھا۔

"اکثر لوگ اپنے بینک اکاؤنٹ کو استعمال کرتے ہوئے ہی اس طرح کے ڈرافٹس بنواتے ہیں۔"

شہیر نے ڈرافٹ ایک بار پھر ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس کے جملے نے فاطمہ کے پیروں تلے سے ایک بار پھر زمین نکال دی۔ محرم الدین نامی اس آدمی تک پہنچنے کا کیا مطلب تھا، وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اگر وہ آدمی اپنے آپ کو چھپا رہا تھا تو بہتر یہ تھا کہ وہ بھی اس کی شناخت جاننے کی کوشش نہ کرتی، یہی اس کے لیے اور ان تینوں کے لیے بہتر تھا۔

"تمہیں کسی قسم کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" فاطمہ نے یک دم وہ ڈرافٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ان صاحب تک پہنچ کر ہم لوگوں کو کیا کرنا ہے۔"

"ہم ان سے پوچھیں گے کہ وہ ہم پر اس طرح کی مہربانیاں کیوں کر رہے ہیں۔" ثمر نے لقمہ دیا۔

"یقیناً میری فیس بھی انہوں نے ہی ادا کی ہو گی اور اس طرح کی مہربانیاں کرنے کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔"

فاطمہ ڈرافٹ لے کر کمرے میں موجود الماری کی طرف بڑھ گئی دراز کھول کر وہ ڈرافٹ اس نے اندر رکھ دیا پھر پلٹ کر ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''جو وجہ ہو گی خود ہی سامنے آ جائے گی تم لوگوں کو اپنا دماغ اس پر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ویسے امی! ہماری لائف کچھ فلمی نہیں ہوتی جا رہی؟'' ثمر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ''ایک غریب خاندان تین غریب مگر ذہین بچے۔''

شہیر گہرا سانس لیتے ہوئے اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جانتا تھا ثمر کی بکواس اب کچھ دیر جاری رہے گی۔ ''اور پھر اچانک ایک دن ایک خزانہ......''

ثانی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''امی کھانا باہر صحن یا کچن میں ہی کھا لیتے ہیں۔ اس کا منہ اب بند نہیں ہو گا۔'' ثانی نے ثمر کی بات نظر انداز کرتے ہوئے فاطمہ سے کہا۔

''اور دیکھتے دیکھتے ہی ان کے دن پھر جاتے ہیں۔''

اور فاطمہ باہر نکلتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ

''ہر خزانہ اچھے دن نہیں لاتا نہ ہر کہانی کے آخر میں ''وہ سب'' ہنسی خوشی رہنے لگتے ہیں۔ مکرم الدین کب اور کتنے دن چھپا رہتا ہے اور آگے کیا کرتا ہے مجھے یہی دیکھنا ہے۔''

''سوچیں کہ پھر کیا ہوتا ہے۔'' ثمر بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ہم لوگ بیٹھے بٹھائے کروڑ پتی بن سکتے ہیں۔ ڈیفنس میں ایک بڑا سا گھر لے کر......''

ثمر نے اپنے سے آگے چلتی ہوئی ثانی کی بڑبڑاہٹ سنی۔

''اور لوگ کہتے ہیں شیخ چلی کو مرے زمانہ ہو چکا ہے۔''

☆☆☆

تیسواں باب

منصور علی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ بلاشبہ رشتی تھی۔ چوبیس پچیس سال کے اس لمبے تڑنگے نوجوان کے ساتھ بلاشبہ وہ وہی تھی۔ وہ دونوں پی سی کی لابی میں کھلنڈرے اور بے فکرے انداز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے باتیں کرتے اور قہقہے لگاتے ہوئے ونڈو شاپنگ کر رہے تھے۔ منصور کو اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے رشتی کو اس سے پہلے کبھی کسی مرد کے ساتھ اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

وہ اس وقت عام طور پر اپنے آفس میں ہوتا تھا۔ یہ صرف ایک اتفاق تھا کہ آج وہ اپنے کسی کلائنٹ سے ملنے پی سی آیا تھا اور ملاقات کے بعد لابی سے گزرتے ہوئے رشتی اس کی نظروں میں آ گئی۔ کچھ دیر کے لیے تو وہ یہ یقین ہی نہیں کر پایا کہ وہ واقعی رشتی کو ہی وہاں دیکھ رہا ہے۔ اسے اس وقت گھر پر اس کے بچے کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ وہ اکیلی ہوتی تو وہ اس کے پاس چلا جاتا مگر سارا مسئلہ اس کے ساتھ وہاں موجود دوسرے لڑکے کا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ ہر لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے سیدھا رشتی کے پاس جائے اور اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے وہاں سے لے جائے۔ مگر پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور رشتی کو کال کرنے لگا۔ موبائل کی بیل بہت دیر تک بجتی رہی۔ رشتی اسی طرح اپنے ساتھی لڑکے کے ساتھ گپیں لگاتی رہی۔ پھر شاید اس کے ساتھی لڑکے نے ہی اس کے پرس میں بجتے فون کی طرف اس کی توجہ مبذول کروائی تھی۔

منصور نے رشتی کو چونکتے اور اپنے پرس سے موبائل نکال کر اس پر موجود نمبر دیکھتے اور پھر موبائل کو آف کرتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بے اختیار دانت کچکچائے۔ رشتی نے موبائل کو مسکراتے ہوئے دوبارہ پرس میں ڈالا اور ساتھی لڑکے سے کچھ کہتے ہوئے اگلے شوکیس کی طرف بڑھ گئی۔

منصور نے موبائل اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت کیا کرے۔ اپنا سر پھوڑے یا رشتی کا۔

رشتی اب اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کا تعاقب کرے مگر وہ جانتا تھا کہ ایسی صورت میں جلد یا بدیر وہ خود پر کنٹرول کھو دے گا۔

خود پر جبر کرتے ہوئے وہ بالآخر وہاں سے چلا آیا۔ اس نے بہتر یہی سمجھا تھا کہ وہ رشتی کے گھر آنے پر ہی اس سے بات کرے۔

اس دوپہر منصور علی نے بے شمار سگریٹ پھونک ڈالے تھے۔ وہ رشتی کے انتظار میں بیڈروم سے لاؤنج اور لاؤنج سے پورچ تک کے چکر کاٹتا رہا۔ سگریٹ کے ہر کش کے ساتھ وہ رشتی کے ساتھ گزارے ہوئے تمام لمحات یاد کرتا رہا۔ ماضی فلم کی طرح اس کے سامنے بار بار آتا اور جاتا رہا۔ اپنی آنکھوں سے رشتی کو ایک اور مرد کے ساتھ دیکھنے کے باوجود اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ رشتی اس کے ساتھ بے وفائی کر سکتی ہے۔ اسے دھوکا دے سکتی ہے۔ ان کی شادی کو دس بیس سال تو نہیں ہوئے تھے مگر

رخشی کی خاطر اس نے اپنی جانی اور پھر اس نے رخشی کے لیے بہت سی قربانیاں دی تھیں اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ دیا تھا۔ کیا رخشی کو یہ سب نظر نہیں آتا تھا وہ بار بار یہی سوال خود سے پوچھتا رہا۔

"ہو سکتا ہے کہ مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو، رخشی کا اس لڑکے کے ساتھ ایسا کوئی تعلق نہ ہو۔" منصور بھی ایک لمحے کو سوچتا۔ پھر کبھی اسے رخشی ہر طرح سے مجرم نظر آتی اور کبھی وہ اس پر شک کرنے پر خود کو ملامت کرنے لگتا۔

رخشی تقریباً روز ہی شاپنگ کے لیے باہر جایا کرتی تھی اور کئی بار باہر ہوتے ہوئے وہ منصور کا فون اٹینڈ نہیں کرتی تھی۔ منصور کو کبھی اس پر شک نہیں ہوا تھا۔ شک کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ چھوٹے موٹے اختلافات اور جھگڑوں کے باوجود وہ ابھی بھی اس کی چہیتی بیوی تھی اور اس کے خیال میں وہ اس کی وفادار بھی تھی۔ اور اب ایک دم اسے تصویر کا دوسرا رخ نظر آنے لگا تھا اور زندگی میں پہلی بار ہی اس نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھنے کی زحمت کی تھی۔

رخشی اس کے گھر پہنچنے کے تقریباً تین گھنٹے کے بعد آئی تھی اور منصور کو پہلے سے گھر پر پا کر وہ واقعی چونکی۔

"آپ آج اس وقت گھر پر کیسے؟" اس نے منصور کو باہر پورچ میں گاڑی سے اترتے ہی دیکھ لیا تھا جو اس کی گاڑی کی آواز سن کر باہر آیا تھا۔

منصور نے جواب دینے کے بجائے اس کا بازو پکڑا اور اسے تقریباً کھینچتے ہوئے اندر لے گیا۔ رخشی کے اوسان خطا ہو گئے۔

"کیا ہوا ہے آپ کو؟ کیا کر رہے ہیں؟" اس نے خود کو چھڑانے کے لیے مزاحمت کی تھی مگر وہ کامیاب نہیں ہوئی۔ منصور کچھ کہے بغیر اسے کھینچتا ہوا بیڈ روم میں لے گیا۔ بیڈ روم کا دروازہ بند ہوتے ہی رخشی نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو منصور کی گرفت سے چھڑوا لیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" اس نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔ "گھر کے نوکر..."

منصور نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ "کہاں سے آ رہی ہو تم؟"

رخشی کو اس کا سوال سمجھنے میں صرف ایک لمحہ لگا تھا۔ وہ جان گئی کہ منصور نے اسے باہر کسی کے ساتھ دیکھ لیا تھا اور پھر اسے خود پر قابو پانے میں چند سیکنڈز ہی لگے تھے۔

"شاپنگ کے لیے گئی تھی۔"

"کہاں؟"

"پی سی۔"

"کس کے ساتھ؟"

"اپنے کزن کے ساتھ۔" رخشی نے اطمینان سے کہا۔ منصور بے اختیار چلایا۔

"کزن...؟" "کون سا کزن؟ میں تمہارے کسی کزن سے واقف نہیں۔"

"آپ میری فیملی کے کتنے لوگوں سے ملے ہیں کہ میرے ہر کزن سے واقف ہوتے؟"

رخشی نے دھڑلے سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"کزن کے ساتھ اتنی بے تکلفی؟"

"آپ کے خاندان میں نہیں ہوتی ہوگی، میرے خاندان میں ہوتی ہے۔"

منصور چند لمحے پرسوچ انداز میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"آپ نے مجھے پی سی میں دیکھ لیا تھا تو اسی وقت میرے پاس آتے، میں آپ کو بھی اس سے ملواتی۔ اس طرح گھر میں آ کر تماشا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

منصور کی خاموشی سے اسے یک دم شہ ملی تھی۔ منصور اب بھی چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے اگر آپ سے اپنی مرضی سے شادی کی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھ پر شک کریں۔ میں کسی کو کسی بھی وقت، کسی سے بھی مل سکتی ہوں کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آپ..."

منصور نے یک دم اس کی بات کاٹی۔

"کیا نام ہے تمہارے اس کزن کا؟" زینی کے ذہن میں فوری طور پر کچھ نہیں آیا۔ ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

"آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"بعد میں بتاؤں گا پہلے تم نام بتاؤ۔"

"خرم۔"

"تمہارا کیا کزن ہے۔ کس رشتے سے۔ چچا کا بیٹا ہے یا ماموں کا؟" منصور سرد مہری سے پوچھنے لگا۔

"وہ..." زینی جواب دیتے ہوئے اٹک گئی۔ "سیکنڈ کزن ہے۔"

"کیا کرتا ہے؟"

"بزنس۔" زینی جھوٹ پر جھوٹ بول رہی تھی۔

"کس چیز کا بزنس؟"

"یہ تو میں نے اس سے نہیں پوچھا۔"

"کہاں رہتا ہے؟"

"آپ اتنی لمبی تفتیش کیوں کر رہے ہیں؟" اس بار وہ بے اختیار جھنجلائی۔ "کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ وہ کہاں رہتا ہے؟" منصور کا لہجہ اس بار پہلے سے زیادہ سخت تھا۔

زینی نے ایک علاقے کا نام بتا دیا۔ منصور نے مزید کوئی سوال کرنے کے بجائے اپنا موبائل نکالا اور اس پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ زینی قدرے بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

منصور کسی سے سلام دعا کے بعد پوچھ رہا تھا۔

"زینی کا کوئی کزن ہے خرم؟" زینی ایک لمحے میں جان گئی کہ منصور کس سے بات کر رہا تھا۔ دوسری طرف صالحہ تھی
پہلی بار صحیح معنوں میں اسے پیروں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی باتوں کی تصدیق کے لیے وہ صالحہ کو فون کرے گا۔

"ہاں خیریت ہے۔ بس آپ یہ بتائیں کہ اس کا کوئی کزن خرم ہے۔ اور اگر ہے تو وہ کہاں رہتا ہے؟"

منصور کی نظریں فون پر بات کرتے ہوئے زینی کے چہرے پر تھیں اور اس نے زینی کا رنگ اڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ دوسری طرف سے صالحہ کچھ کہہ رہی تھی۔ منصور نے اس کی بات سنی زینی نے اس کی آنکھوں میں دیکھ لیا تھا کہ اسے دوسری طرف سے کیا جواب ملا ہوگا۔ صالحہ کی بات سنتے سنتے اس نے اچانک فون بند کر دیا۔

"تمہاری ماں بہت چالاک ہے۔ تمہاری طرح اسے یہ تو یاد آ گیا ہے کہ تمہارا خرم نامی کوئی کزن ہے مگر یہ یاد نہیں آیا کہ وہ کہاں رہتا ہے؟" وہ آگ بگولہ ہوتے ہوئے بولا۔ "اور اگر میں اس سے یہ پوچھ لیتا کہ وہ کس رشتے سے تمہارا کزن ہے تو مجھے یقین ہے۔ اس کا جواب تمہارے جواب سے مختلف ہوتا اور اگر میں اسے اس کا حلیہ بتانے کا کہتا تو پھر تو شاید وہ بول ہی نہ پاتی۔"

اس نے ایک لمحہ کے لیے توقف کیا۔ "اب تم اس کا صحیح تعارف مجھ سے کرواؤ گی یا پھر..."

اس بار اس نے دانستہ طور پر اپنا جملہ چھوڑ دیا۔

"آپ کیا سمجھ رہے ہیں اس کا مجھ سے کیا رشتہ ہے؟" زینی نے منصور کو دیکھا۔

"یہاں بات میری سمجھ کی نہیں ہو رہی تمہارے رشتے کی ہو رہی ہے۔" منصور حلق کے بل چلایا۔ "کون ہے وہ تمہارا؟"

"دوست۔۔۔" رمشہ نے بے اختیار کہا۔ منصور کو یقین نہیں آیا۔

"ہمارے فرینڈ؟" رمشہ خاموشی سے منصور علی کو دیکھتی رہی۔ جو اسی انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہمارے فرینڈ ہے وہ تمہارا؟" منصور علی دھیرے سے بڑبڑایا۔

☆☆☆

امبر نے گلی کا موڑ مڑتے ہی اپنے سامنے ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس ایک لڑکی کو دیکھا۔ وہ اپنے کھلے بالوں کو جھٹکتے ہوئے دائیں بائیں گلی کے دروازوں پر لگے نمبر دیکھنے میں مصروف تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کسی گھر کی تلاش تھی۔

اس لڑکی نے بھی اجنبی سی ایک نظر امبر پر ڈالی پھر کچھ چونکتے ہوئے امبر کو ایک بار پھر دیکھا۔ امبر نے بھی اس لڑکی کو دوبارہ دیکھا۔ اس کا چہرہ اسے جانا پہچانا لگ رہا تھا اور جس طرح وہ اسے دیکھ کر چونکی تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ بھی امبر کو جانتی ہو۔ کچھ اور سوچ اور دوسری جگہ ہوتی تو امبر ضرور رک کر اس لڑکی سے بات کرتی مگر اس وقت وہ جس ذہنی کیفیت کا شکار تھی اس میں اسے ہارون کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اس لڑکی کے پاس سے گزر گئی۔ مگر وہ دس بارہ قدم ہی آگے گئی ہوگی جب ایک جھماکے کے ساتھ اسے یاد آیا کہ وہ لڑکی کون تھی۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔ نایاب گلی کا موڑ مڑ کر اس کی گلی میں داخل ہو گئی تھی۔ امبر نے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس نے نایاب کو بہت عرصہ پہلے ایک دو بار دیکھا تھا۔ ایک بار وہ ہارون کے ساتھ ان کے گھر آئی تھی اور دوسری بار اس نے اسے شائستہ کے ساتھ ایک مارکیٹ میں دیکھا تھا اور اب تیسری بار وہ اسے یہاں دیکھ رہی تھی۔ اور وہ وہاں کیا کر رہی تھی؟ کیا وہ اسی کا گھر ڈھونڈ رہی تھی؟ اور اگر ایسا تھا تو کس لیے؟ خوف کی ایک لہر اس کے اندر سے گزر گئی۔ کیا نایاب اس کے اور ہارون کے تعلق کے بارے میں جان چکی تھی اور کیا وہ اسی لیے اس سے ملنا چاہتی تھی۔ لیکن پھر وہ امبر کو پہچان کیوں نہیں سکی؟ کیا اس کی طرح وہ بھی بہت عرصہ کے بعد دیکھنے پر اسے پہچاننے میں ناکام رہی ہے؟

وہاں کھڑے سوالوں کے ایک ہجوم نے اسے گھیر لیا تھا۔ یک دم اس کا دل چاہا کہ وہ واپس گھر چلی جائے۔ ہو سکتا ہے اس وقت گھر میں اس کی ضرورت ہو۔ وہ نایاب کا سامنا کیسے کر رہے ہوں گے؟ مجتبیٰ اور صفیہ؟ مگر وہ خود نایاب کا سامنا کیسے کرے گی؟ شرمندگی نے پہلی بار اسے اپنی گرفت میں لیا اور نایاب آخر اس کے گھر کس لیے گئی تھی؟

کیا وہ اسی طرح کی ری ایکٹ کرنے والی تھی جس طرح حمیزہ نے رمشہ کے گھر جا کر کیا تھا؟ وہ مزید خوف زدہ ہوئی۔ رمشہ تب باہر نہیں آئی تھی اور چوکیدار نے گیٹ ہی نہیں کھولا تھا۔ مگر نایاب کے سامنے تو اس طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ وہ اگر ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر کچھ کہتی تو چند منٹوں میں پورا محلہ وہاں اکٹھا ہو جاتا اور پھر کیا ہوتا۔ وہ وہاں لوگوں کا سامنا کیسے کرتی۔ یہ کوئی پوش علاقہ نہیں تھا جہاں لوگ ایک دوسرے کی زندگیوں سے لاتعلق رہتے ہیں اور حتی المقدور ایک دوسرے کے معاملات میں ٹانگ اڑانے سے گریز کرتے ہیں۔ یہاں نایاب کے منہ سے نکلنے والے چند لفظ اس کی اور اس کی فیملی کی زندگی تباہ کر سکتے تھے۔

"میرا واپس نہ جانا ہی بہتر ہے۔" اس نے وہاں کھڑے کھڑے یک دم فیصلہ کیا۔ "میں اس سے کہہ دوں گی کہ انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ کم از کم اس طرح ان پر تو کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ مجھے واقعی اب اس گھر میں دوبارہ نہیں جانا چاہیے۔"

امبر نے پلک جھپکنے میں فیصلہ کیا تھا اور پھر تیز قدموں کے ساتھ وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

نایاب نے بھی امبر کی طرح تاخیر سے ہی مگر اسے پہچان لیا تھا کیونکہ امبر پر ایک نظر ڈالتے ہی وہ بری طرح سے چونکی تھی۔ وہ چہرہ اس کے لیے بہت شناسا تھا اور اسے یقین تھا کہ اس نے اسے کہیں ضرور دیکھا ہے۔ شرکا گھر ڈھونڈتے ہوئے بھی وہ مسلسل اسی لڑکی کے بارے میں سوچ رہی تھی اور شرکا گھر ڈھونڈنے سے چند منٹ پہلے اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ کون تھی اور اسے

حیرانی ہو رہی تھی کہ امبر اس علاقے میں کیا کر رہی تھی۔ پاس سے گزرتے ہوئے اس نے اس کے کندھے پر موجود سرخ بیگ بھی دیکھا تھا اور وہ اندازہ لگانے میں مصروف تھی کہ امبر کا اس علاقے سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔

وہ اسد کے حوالے سے امبر کے بارے میں گھر میں کچھ عرصہ پہلے ہونے والی بات چیت سے آگاہ تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ امبر کی وجہ سے اسد اور اس کے والدین کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اور اب اسے یک دم وہاں دیکھ کر وہ شدید حیرت کا شکار تھی۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ ثمر کے ساتھ یہ بات ڈسکس کر سکتی ہے۔ اگرچہ اسے یقین نہیں تھا کہ ثمر گلی سے گزرنے والی کسی لڑکی کے بارے میں زیادہ معلومات دے پائے گا۔

لیکن ہو سکتا ہے۔ امبر پہلے بھی یہاں آتی جاتی رہی ہو۔ اس صورت میں تو ثمر یقیناً اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتا ہوگا۔" اس نے سوچا اور کچھ مطمئن ہوتے ہوئے ایک بار پھر دروازے پر لگے ہوئے نمبر کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ اس کو یہ سوچ کر گدگدی ہو رہی تھی کہ ثمر اسے اس وقت اپنے گھر پر دیکھ کر کس کیفیت کا شکار ہوگا۔ شاید اسے سکتہ ہی ہو جائے۔

اس نے آج کالج میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے گھر انوائٹ کرنے کی بات کو ٹالا تھا۔ نایاب کے اصرار پر اس نے کہا تھا۔

"میرا گھر شہر کی ان بھول بھلیوں کے اندر ہے جہاں تک پہنچنے کے لیے بہت زیادہ ہائی آئی کیو لیول کی ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ تم لڑکی ہو اور لڑکیوں کا آئی کیو لیول بہت کم ہوتا ہے اس لیے تم صرف ذہن میں بھی اکر میرے گھر پہنچنے کا خیال چھوڑ دو۔"

"ثمر کو اگر یہ پتا ہوتا کہ مذاق میں کہی ہوئی ایک بات کو نایاب چیلنج کے طور پر لے گی اور اسی شام اس کے گھر پہنچ جائے گی تو وہ ایسی بات زبان سے نکالنے سے پہلے سو بار سوچتا۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ نایاب اس کے گھر پہنچنے والی تھی۔

☆☆☆

شائستہ اس دن غصے میں آگ بگولا اپنے گھر پہنچی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اپنے گھر جانے کے بجائے سیدھا طاہرہ کے گھر چلی جائے اور اسے بتائے کہ وہ اتنے سالوں سے اس کا بیٹا چھین کر وہاں بیٹھی ہے۔ اور یہ کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے۔ اس کے ماضی کے بارے میں ہر بات کی خبر رکھتی ہے اور یہ بھی کہ وہ دنیا کی آنکھوں میں اب مزید دھول نہیں جھونک سکتی۔ اور اسے بتائے کہ شہیر اس کا بیٹا ہے۔ اس کا اپنا خون۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی اصل ماں سے دور ہو جائے۔ اسے شائستہ کے چہرے اور انداز میں ممتا محسوس ہی نہ ہوتی ہو۔

شائستہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ گھر میں موجود ہر چیز کو توڑ ڈالے۔ اس کے کانوں میں شہیر کی کہی ہوئی باتیں بار بار گونج رہی تھیں اور ہر بار اس کی گونج اسے دیوانہ کر رہی تھی۔

ہارون سے بات کرنا اب بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ اس نے ہارون کے موبائل پر کال کی۔

"مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے تم فوراً گھر آ جاؤ۔"

ہارون کی آواز سنتے ہی اس نے کہا۔

"خیریت ہے؟" ہارون نے دوسری طرف سے پوچھا۔

"نہیں، خیریت نہیں ہے تم گھر آؤ۔"

"نایاب ٹھیک ہے؟" ہارون کو پہلا خیال نایاب کا آیا تھا۔

"تمہیں دنیا میں نایاب کے علاوہ بھی کچھ نظر آتا ہے؟" شائستہ اس کی بات پر بے اختیار جھنجلائی۔ "ہاں وہ ٹھیک ہے۔ بس میں ٹھیک نہیں ہوں۔ تم گھر آؤ۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔"

"وہ ضروری بات رات کو بھی ہو سکتی ہے۔" ہارون کا لہجہ یک دم تبدیل ہو گیا۔ "میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ تمہیں پھر ڈپریشن ہو رہا ہے تم میڈیسن لو اور سو جاؤ رات کو میں گھر آؤں گا تو بات کریں گے۔"

اس سے پہلے کہ شائستہ کچھ اور کہتی دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا تھا۔ شائستہ نے دوبارہ کال نہیں کی۔ اسے اندازہ تھا کہ ہارون اب اس کی کال ریسیو نہیں کرے گا۔ وہ اس سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ شائستہ اسے اس طرح بار بار فون کر کے گھر بلا رہی تھی۔

شائستہ کو شہیر کے ساتھ ساتھ ہارون پر بھی شدید غصہ آیا۔ مگر وہ اس وقت بے بس تھی وہ ہارون سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔

کچھ دیر وہ اپنے بیڈروم میں ٹہلتے ہوئے ہارون کا انتظار کرتی رہی۔ پھر دوبارہ کال ملائی مگر اس کی کال ریسیو نہیں کی گئی اور پھر ایک دم موبائل آف کر دیا گیا۔ شائستہ کی جھنجلاہٹ میں اضافہ ہو گیا مگر اس نے پھر بھی اسے کال کرنا جاری رکھا۔

شام کے بعد بھی جب اسے ہارون کا موبائل آف ملا تو اس نے باری باری اس کے مختلف آفسز میں کال کرنا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اگر مصروف تھا تو کسی نہ کسی آفس میں ہی ملے گا۔ مگر وہ کسی آفس میں نہیں ملا۔ ہر جگہ سے اسے ایک ہی جواب ملتا رہا۔

"ہارون صاحب تو آج آفس نہیں آئے۔"

صرف ایک آفس سے اسے یہ بتایا گیا کہ ہارون گیارہ بجے تقریباً دس پندرہ منٹ کے لیے آفس آئے تھے اور پھر چلے گئے۔

شائستہ نے ہارون کی سیکرٹری کو فون کیا۔ وہ اس وقت گھر پر تھی۔

"ہارون صاحب کی رات کو کچھ انگیجمنٹس تھیں مگر شام کو ان کا فون آ گیا اور انہوں نے اپنی اپائنٹمنٹس کینسل کر دیں۔" اس نے شائستہ کے استفسار پر بتایا۔

"ایسا بھی کیا کام آن پڑا ہے کہ اسے باقی تمام کام چھوڑنے پڑے ہیں۔" شائستہ بڑبڑائی۔

"تمہیں یہ بتایا ہے اس نے کہ وہ اس وقت کہاں ہو گا؟" اگرچہ اسے یقین تھا کہ سیکرٹری کو اگر اس کے کل وقتی کا پتہ بھی ہوگا تب بھی وہ شائستہ کو اس کے بارے میں کبھی نہ بتائے گی۔ شائستہ، ہارون کی سیکرٹری کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ ہارون کے اشاروں پر آنکھیں بند کر کے چلتی تھی اور ہارون، شائستہ کو ہر بات کے بارے میں بے خبر رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔

سیکرٹری نے اسے حسب توقع جواب دیا۔ "سوری میڈم! میں نہیں جانتی وہ کہاں ہیں۔ انہوں نے مجھے اس بارے میں نہیں بتایا۔"

شائستہ نے فون پٹخ دیا۔ اسے اندازہ تھا کہ ہارون اب اپنی مرضی سے گھر آئے گا۔ ہارون کئی بار اسی طرح غائب ہو جاتا تھا اور وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اس کی اس اہم مصروفیت کا تعلق اس کے کسی نئے افیئر سے ہوگا۔ مگر کس افیئر سے؟ پچھلے کچھ ماہ میں وہ ہارون کے کسی نئے افیئر سے واقف نہیں تھی۔ یہ حیران کن تھا مگر اس نے پچھلے کچھ ماہ میں ہارون کے بارے میں کوئی نئی خبر نہیں سنی تھی۔

ہارون کے لیے اس کا یہ انتظار رات ایک بجے ختم ہوا تھا۔ تب تک شہیر کے لیے شائستہ کا غصہ ختم ہو چکا تھا۔ اب اسے ہارون پر غصہ آ رہا تھا اور ہارون کے سامنے آنے پر یہ غصہ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

"ہیلو—" ہارون نے بیڈروم میں آتے ہی شائستہ کو صوفے پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس نے بڑے عام سے انداز میں اس طرح ظاہر کیا تھا جیسے وہ روزانہ اسی وقت گھر آیا کرتا ہو اور آج کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس وقت سے تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں؟" شائستہ اسے دیکھتے ہی اس پر برس پڑی۔

"تم سے کس نے کہا تھا کہ تم میرا انتظار کرو۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میں رات کو آؤں گا۔" ہارون نے سرد مہری سے کہا۔

"رات...؟" شائستہ نے کمرے میں لگے وال کلاک کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ رات ہے؟ اگلا دن آ چکا ہے۔"

"گھر آ چکا ہوں یہ کافی نہیں ہے تمہارے لیے؟" ہارون جھنجلایا ہوا ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"نہیں، یہ کافی نہیں ہے میرے لیے۔" شائستہ اس کے پیچھے آئی۔ "تم نے مجھ سے جان چھڑانے کے لیے ان مذاکر
دیا۔ تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟"

وہ غصے میں بات کرتے کرتے یک دم چونکی۔ ہارون کا دایاں ہاتھ پٹی میں لپٹا ہوا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔" ہارون نے بیزاری کے ساتھ ٹائی اتارتے ہوئے کہا۔ "معمولی چوٹ لگی ہے۔"

"کیسے؟" شائستہ نے پوچھا۔

"اب تمہیں چوٹ کی تفصیلات بھی بتاؤں؟" وہ پلٹ کر اس پر برس پڑا۔ شائستہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ ہارون کے ساتھ اتنے سال رہنے کے بعد وہ اس کے چہرے کو آرام سے پڑھ سکتی تھی۔

"تم پریشان ہو؟" شائستہ آہستگی سے بولی۔

"اگر میں ہوں بھی تو اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ تم صرف ایک زحمت کرو وہ یہ کہ اس وقت اپنا منہ بند کرو اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" ہارون تیزی سے کہتے ہوئے باتھ روم میں گھس گیا۔

شائستہ اب قدرے حیرانی سے باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ ہارون کا رویہ بے حد عجیب تھا۔ اس نے پلٹ کر ڈریسنگ روم میں پڑے اسٹول پر رکھے ہارون کے کوٹ کو اٹھایا اور کوٹ کو اٹھاتے ہوئے اس کی جیب سے کوئی چیز زمین پر گری تھی۔ شائستہ نے فرش کو دیکھا پھر جھک کر وہ چیز اٹھا لی۔ وہ ایک ڈائمنڈ رنگ تھی۔ شائستہ کے ماتھے پر بل آئے۔ اس نے رنگ کو ہتھیلی پر رکھ کر ایک بار پھر دیکھا۔ اس کا ہیرا خون آلود تھا۔

☆☆☆

"آپ کو پتا ہے میری تنخواہ میں اضافہ اور مجھے پروموشن کیوں دیا گیا؟"
اس دوپہر کھانا کھاتے ہوئے اچانک شہیر نے فاطمہ سے پوچھا۔

"انہوں نے تمہیں وجہ بتائی ہے؟" فاطمہ نے چاولوں کا ایک چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"انہوں نے وجہ نہیں بتائی کسی اور نے بتائی ہے۔" شہیر نے کہا۔ ثمر اور علی نے بھی کھانا کھاتے ہوئے رک کر شہیر کو دیکھا۔

"کس نے؟" فاطمہ نے دلچسپی لی۔ شہیر ایک نظر ثمر کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری ملاقات مسز ہارون کمال سے ہوئی تھی۔" ثمر اور علی بری طرح چونکے۔

"نایاب کی ممی سے؟" ثمر نے بے اختیار کہا۔

"ہاں۔" شہیر نے ناگواری سے سر ہلایا۔

"اور یہ مصیبت تمہاری لائی ہوئی ہے۔ نہ تمہاری نایاب سے دوستی ہوتی نہ تم مجھے ان سے متعارف کرواتے اور نہ وہ عورت میرے پیچھے پڑتی۔"

"کیا مطلب؟" ثمر چونکا۔ فاطمہ نے بھی الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔

"اس عورت نے چند بار مجھے لفٹ دی تھی۔ ہر بار اس کا رویہ بے حد عجیب تھا۔" شہیر نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ "وہ مجھ سے کرید کرید کر میری فیملی کے بارے میں پوچھتی رہی۔"

فاطمہ کھانا کھاتے ٹھٹک گئی۔ ثمر نے سر جھکایا۔

"یہ سب نایاب کی وجہ سے ہوگا۔ نایاب نے گھر جا کر ہمارے بارے میں کچھ کہا ہوگا اپنی ممی سے اور اس کی ممی نے آپ سے بات کرنا مناسب سمجھا ہوگا۔" ثمر نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "نایاب نے مجھے ایک بار بتایا تھا کہ اس کی ممی اس کے فرینڈز کے بارے میں بڑی چھان پھٹک کرتی ہیں۔"

شہیر نے الجھی ہوئی نظروں سے ثمر کو دیکھا۔ "وہ بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ انہوں نے مجھے بڑی عجیب سی کہانی

"نہیں کہاں؟" ثمر حیران ہوا۔ فاطمہ چپ چاپ شہیر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے بار بار کسی خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔

"انھوں نے مجھے بتایا کہ بچپن میں ان کا کوئی بیٹا گم ہو گیا تھا۔"

فاطمہ کے سر پر کسی نے ہتھوڑا دے مارا۔ بلی یک دم تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔ شہیر کہہ رہا تھا۔

"کسی ہاسپٹل میں وہ پیدا ہوا تھا اور ہاسپٹل کے ہی کسی عورت نے ان کے بچے کو اغوا کر لیا تھا۔" ثمر اور علی بڑی دلچسپی سے شہیر کی بات سن رہے تھے۔

"انھوں نے اور ان کے شوہر نے اس بچے کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ مجھے بتا رہی تھیں کہ مجھے ہر بار دیکھتے ہی انھیں اپنے اس بیٹے کا خیال آتا ہے۔"

فاطمہ پتھر کے بت کی طرح بیٹھی تھی۔ اس نے شہیر کو کسی ہاسپٹل سے اغوا نہیں کیا تھا۔ اس نے اسے باقاعدہ طور پر ایک یتیم خانے سے اپنی دوست اور اس کے شوہر کے ذریعے اڈاپٹ کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ شہیر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر بے جان ہو گئی تھی۔ جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی اسی طرح کی کہانی لے کر ان کے گھر آنے والا تھا اور اس کے بعد کیا ہوتا، یہ اندازہ لگانے کے لیے فاطمہ کو کسی نجومی کی ضرورت نہیں تھی۔

"میرے باس، مسز ہارون کمال کے بہت اچھے دوست ہیں۔ انھوں نے ان سے کہہ کر مجھے پروموشن دلوائی ہے، اور میں تو آج ان پر بہت بگڑا۔ میں نے انھیں خاصی کھری کھری سنائیں کہ ان کی وجہ سے میرے CEO پر کیا امپریشن پڑا ہوگا۔ وہ کیا سمجھے ہوں گے کہ مسز ہارون کمال میری سفارش کیوں کر رہی ہیں۔ میرا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے۔"

ثمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ "یہ بھی خاصی فلمی کہانی ہے۔ آج کل فلمی کہانیوں کا دور ہے۔ کھویا ہوا بیٹا۔ ویسے شہیر بھائی! اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو میں تو آج مسز ہارون کمال کو یہ یقین دلا دیتا کہ ہاں میں ہی ان کا وہ کھویا ہوا بیٹا ہوں۔"

وہ اب اس پوری کہانی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ فاطمہ نے ثمر کو دیکھا۔ اس نے عجیب سی چبھن محسوس کی۔ اس نے ساری عمر اسے پالا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ..... فاطمہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"سوچیں ذرا چند منٹوں میں قسمت ہی بدل جاتی۔ جھونپڑی سے محل تک کا سفر۔ نہیں نہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ اندرون شہر سے ڈیفنس تک کا سفر۔" ثمر جیسے چٹخارے لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کروڑوں کی جائیداد، گاڑیاں، بینک بیلنس۔" وہ مصنوعی طور پر کہیں کھویا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"اس سارے معاملے میں صرف ایک قیامت ہوتی۔" علی نے ثمر کے کان میں سرگوشی کی۔

"پھر تم اور نایاب بہن بھائی ہوتے۔"

ثمر نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔ علی اپنی مسکراہٹ دبا رہی تھی۔

"بہت انٹرسٹنگ سچویشن ہے۔" ثمر نے یک دم بات بدلی۔

"تو آپ نے انھیں یہ کہہ دیا کہ آپ ان کے بیٹے نہیں ہو سکتے؟" ثمر نے مصنوعی مایوسی سے کہا۔

"ہاں، کیونکہ میرا دماغ تمہاری طرح خراب نہیں ہے اور میں خیالی پلاؤ نہیں پکاتا۔" شہیر نے جھڑکنے والے انداز میں کہا۔

"ویسے نایاب نے کبھی اپنے کسی گمشدہ بھائی کا ذکر نہیں کیا؟" علی نے ثمر سے پوچھا۔

"نہیں، اس طرح کی بات تو اس نے کبھی نہیں کی۔ ویسے بھی اتنی پرانی بات کا وہ مجھ سے کیا ذکر کرتی۔ پوچھوں گا اس سے۔" ثمر نے کہا۔

وہ ایک بار پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ مگر اس بار وہ بے حد محظوظ نظر آ رہا تھا۔

"امی! آپ نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟" علی اچانک فاطمہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو اپنی پلیٹ ٹیبل پر رکھ رہی تھیں۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" فاطمہ نے بے دلی سے کہا۔

"کیوں، آپ کی بھوک کو کیا ہوا؟ ابھی تو کھانا کھا رہی تھیں۔" شہیر نے کہا۔

"بس ایسے ہی۔"

"کھانا تو کھائیں امی! دیکھیں شہیر بھائی آپ کے لیے کروڑوں کی جاب چھوڑ آئے ہیں اور آپ ان کی خاطر کھانا تک نہیں کھا سکتیں۔"

ثمر نے ایک بار پھر مذاق کیا۔ اس بار اسے اپنا منہ کھولنا بہت مہنگا پڑا۔ فاطمہ جیسے پھٹ پڑی۔

"تم اپنا منہ بند نہیں کر سکتے؟"

کھانا کھاتے ہوئے تینوں کے ہاتھ رک گئے۔ ثمر کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ فاطمہ یک دم اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر تک تینوں بے حس و حرکت بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر شہیر نے اس خاموشی کو توڑا۔

"تم واقعی اپنا منہ بند رکھا کرو۔ ہر بات مذاق کے لیے نہیں ہوتی اور بات کرتے ہوئے یہ دیکھ لیا کرو کہ تم کس سے مخاطب ہو۔" وہ اپنی پلیٹ چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ثمر اور علی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی کچھ کہتا۔ بیرونی دروازے پر دستک ہونے لگی۔

دروازہ شہیر نے کھولا تھا۔ دوسری طرف نایاب تھی۔ شہیر نے اسے فوری طور پر پہچان لیا۔ مگر اس وقت اس کی وہاں موجودگی اس کے لیے حیران کن تھی۔

"میں نایاب کمال ہوں ثمر کی فرینڈ... ایک بار آپ سے بھی ملاقات ہوئی تھی پی سی میں۔"

نایاب نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔ شہیر نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے نایاب کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔ مگر وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ ثمر اس کے ساتھ کرشنز میں کام کر رہا تھا اور آج وہ ان کے گھر میں کھڑی تھی۔ وہ ہارون کمال کی بیٹی نہ بھی ہوتی تب بھی شہیر کے لیے اس کی آمد قابل اعتراض ہوتی مگر ہارون اور شائستہ کی بیٹی ہونے کی حیثیت نے نایاب کو شہیر کے لیے دکھ اور تناؤ کا باعث بنا دیا تھا۔

"میں ثمر سے ملنا چاہتی ہوں۔" نایاب نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"وہ گھر پر ہی ہے۔" شہیر نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

فاطمہ نے کچن سے باہر نکلتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہونے والی جینز اور ایک سلیولیس شرٹ میں ملبوس لڑکی کو حیرانی سے دیکھا۔

فاطمہ پر نظر پڑتے ہی ایسی ہی حیرانی نایاب کے چہرے پر بھی نظر آئی مگر اس نے فوری طور پر خود پر قابو پا لیا تھا۔ وہ حیرت کے اس ابتدائی جھٹکے سے سنبھل گئی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی... میں نایاب ہوں، ثمر کی دوست اور کلاس فیلو..." اس نے فاطمہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اندرونی کمرے میں موجود ثمر اور علی دونوں نے نایاب کی آواز سنی تھی۔ ثمر بے اختیار دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

"میرے خدا یہ کہاں سے آ گئی۔" علی کو اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہنسی آئی۔

"جاؤ... اب جا کر زبان چلاؤ۔ کراچی کی بلی کا استقبال... کچھ دیر پہلے تک تو امی کے ساتھ بڑی زبان چلا رہے تھے۔ میں نایاب ہوں۔ ثمر کی دوست اور کلاس فیلو۔"

علی نے دبی آواز میں آخری جملے میں نایاب کی نقل اتاری اور کمرے کے دروازے سے باہر نکل گئی۔

ثمر کی چادر رہا تھا..... اس وقت واقعی اپنا سر پیٹ لے۔ وہ یہاں تک کیسے پہنچی تھی وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا مگر بہرحال وہ یہاں آن پہنچی تھی۔

فاطمہ نے آگے بڑھ کر نایاب کے گلے لگتے ہوئے اس کا ماتھا چوما۔

"ہاں میں جانتی ہوں ثمر اکثر تمہارا ذکر کرتا ہے۔" فاطمہ نے ثمر کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ وہ صحن کے وسط میں بیٹھے پردے کے پیچھے چھپی ہوئی نظروں سے نایاب اور فاطمہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔

"آؤ اندر آؤ..... ثمر اندر ہی ہے۔" فاطمہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے اندر والے کمرے کی طرف اس کی رہنمائی کی۔ اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتی وہ خود ہی باہر نکل آیا۔ نایاب اسے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ بھی جواباً غیر حقیقی انداز میں مسکرایا۔

"یہ میری بیٹی عالیہ ہے۔" فاطمہ نے تعارف کروایا۔

"میں جانتی ہوں۔ ان سے مل چکی ہوں۔" نایاب نے کہا اور عالی سے گلے ملی۔

"میں ثمر سے اکثر تمہارے بارے میں پوچھتی رہتی تھی۔" اس نے عالی سے کہا۔

"ہاں مجھے بتاتا تھا وہ۔ آپ اندر آئیں۔" عالی نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اس سے کہا۔ اسے اندر کھڑے ثمر کی حالت کا تصور کر کے ہنسی آ رہی تھی۔ وہ واقعی بری طرح پھنسا تھا۔ اس گھر میں آج تک اس کا کوئی دوست کرائے تک نہیں آیا تھا اور کہاں یہ ایک لڑکی اور وہ بھی وہ جس کے ساتھ وہ ڈیٹنگ کرتا رہا تھا۔

نایاب جس وقت فاطمہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ ثمر کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ ہونے کے باوجود اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ بے حد نروس اور پریشان ہے۔

"ارے تم تو سامنے کھڑے مل گئے مجھے تو لگ رہا تھا تم میری آواز سن کر بیڈ کے نیچے جا چھپے ہو گے۔" نایاب نے ثمر کو دیکھتے ہی کمال بے تکلفی سے کہا۔

"آنٹی! یہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں اس کے گھر نہیں پہنچ سکتی کیونکہ میں لڑکی ہوں اور لڑکیوں کا آئی کیو کم ہوتا ہے۔ اب دیکھیں میں اس کے بتائے بغیر یہاں پہنچ گئی ہوں۔ اس کو تو مجھے دیکھ کر پسینے آ رہے ہوں گے۔"

فاطمہ نے باری باری ثمر اور نایاب دونوں کو دیکھا پھر نایاب کی بات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیٹھنے کے لیے کہا۔

"بیٹھو بیٹا! میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"

"چائے؟" نایاب نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں اس چارپائی پر تھیں جہاں کھانے کے برتن تھے۔

"آپ لوگ تو کھانا کھا رہے ہیں۔ میں کھانے کو چائے پر ترجیح دوں گی۔" وہ اس چارپائی کی طرف بڑھ گئی۔

"ہاں کیوں نہیں۔ ضرور....." فاطمہ کچھ بڑبڑا کر دروازے کی طرف بڑھی۔ "میں تمہارے لیے پلیٹ لاتی ہوں۔"

نایاب تب تک ایک کرسی کھینچ کر اس چارپائی کے پاس بیٹھ کر وہاں پڑی چیزوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

"بیٹھو ثمر کھڑے کیوں ہو؟ کھانا کھاؤ..... کیا کھا رہے تھے تم؟" فاطمہ کے باہر نکلتے ہی نایاب نے ثمر سے کہا وہ ابھی بھی کمرے کے وسط میں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں اگر یہاں آنا ہی تھا تو کم از کم کپڑے تو ڈھنگ کے پہن کر آتیں۔" ثمر نے اس کی بات کے جواب میں تقریباً دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کیوں ان کپڑوں کو کیا ہوا ہے؟" نایاب نے قیمے کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے اطمینان سے اپنے سراپے پر ایک نظر ڈالی۔

"تمہیں اچھی طرح پتا ہے ان کپڑوں کو کیا ہوا ہے۔ میں اسی وجہ سے تمہیں یہاں نہیں لا رہا تھا۔" ثمر دوسری کرسی پر

بیٹھ گیا۔

"چلو اگلی بار تمہاری مرضی کے کپڑے پہن کر آؤں گی۔" نایاب نے آرام سے کھیرے کا ایک اور ٹکڑا اٹھا کر اپنے منہ میں رکھا۔

ثمر نے بے اختیار اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے۔

"خدا کا کچھ خوف کرو نایاب اب دوبارہ اس گھر میں آ کر کیا کرنا ہے۔ ایک بار آ کر تسلی نہیں ہوئی تمہاری؟"

"نہیں۔" نایاب نے بے ساختہ کہا۔ اس سے پہلے کہ ثمر کچھ اور کہتا فاطمہ پلیٹیں اور چمچ لے کر اندر داخل ہوئی۔

"ثمر نے اگر مجھے تمہاری آمد کے بارے میں بتایا ہوتا تو میں تمہارے لیے کوئی خاص ڈش بنا لیتی۔" فاطمہ نے برتن رکھتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"نہیں آنٹی یہ ٹھیک ہے۔ مجھے چاول پسند ہیں۔" نایاب نے اطمینان سے پلیٹ پکڑی۔

فاطمہ نے ایک نظر ثمر کو دیکھا اور خود بھی وہاں بیٹھ گئی۔

"ہانی اور شہیر بھائی نہیں آئیں گے؟ آپ لوگ میرے آنے سے پہلے کھانا کھا رہے تھے۔" نایاب نے اپنی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے کہا اس کی نظر ٹیبل پر پڑی پلیٹوں پر تھی جنہیں دیکھ کر کسی کے لیے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ انہیں استعمال کرنے والے کھانا کھاتے ہوئے اٹھ کر گئے ہیں۔

"شہیر کسی کام سے باہر گیا ہے۔ ہانی ابھی آتی ہے۔"

فاطمہ نے گلاس میں پانی ڈال کر اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اب اطمینان سے چاول کھانے میں مصروف تھی۔ ثمر نے فاطمہ کی پلیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔ فاطمہ نے قدرے خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے پلیٹ پکڑ لی۔

"ثمر اکثر آپ کا ذکر کرتا رہتا ہے۔" نایاب نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے بہت خواہش تھی آپ سے ملنے کی۔ میں نے کئی بار ثمر سے کہا کہ وہ مجھے اپنے گھر لے جائے مگر یہ اسی طرح ٹال مٹول کرتا رہا۔"

"مگر اس ٹال مٹول کا کیا فائدہ ہوا تم پھر بھی میرے گھر آن دھمکی ہو۔" ثمر اپنی پلیٹ پر چہرہ جھکائے بڑبڑایا۔ نایاب نے اس کی بڑبڑاہٹ کو بڑی سہولت سے سن لیا تھا مگر اس نے جان بوجھ کر اسے نظر انداز کیا۔

"آپ کو تو میرا اس طرح آنا برا نہیں لگا؟" نایاب فاطمہ سے مخاطب ہوئی۔

"ارے نہیں..... مجھے کیوں برا لگے گا۔" فاطمہ اس کی بات پر بے اختیار شرمندہ ہوئی۔ ثمر نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپائی۔ نایاب اس وقت واقعی حد کر رہی تھی۔ وہ اور فاطمہ دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ نایاب کی آمد نہ صرف ان سب کے لیے حیران کن تھی، بلکہ زیادہ پسندیدہ بھی نہیں تھی۔ مگر غیر متوقع بات نایاب کا اپنا ردعمل تھا۔ جو اب وہاں اپنی اچانک آمد سے پہنچنے والے شاک کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فاطمہ اور ثمر کھانا کھاتے ہوئے وقتے وقتے سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے جبکہ نایاب بڑے اطمینان اور بے تکلفی کے ساتھ پلیٹ میں ڈالے ہوئے چاول سلاد کے ساتھ یوں کھانے میں مصروف تھی جیسے وہ اسی کام کے لیے وہاں آئی ہو۔

دوسرے کمرے میں موجود ہانی اور شہیر مدھم آواز میں اپنے گھر آنے والی اس کی اچانک آمد کو ڈسکس کرنے میں مصروف تھے۔

☆☆☆

شائستہ نے ہتھیلی پر رکھی اس ڈائمنڈ کی انگوٹھی کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پکڑ لیا۔ اس کے ماتھے پر کچھ بل نمودار ہوئے تھے۔ وہ اب اس کو بغور دیکھنے میں مصروف تھی۔ ہارون کے کوٹ کی جیب سے نکلنے والی ڈائمنڈ کی انگوٹھی اسے صرف الجھا نہیں رہی تھی، بہت سے شبہات میں بھی مبتلا کر رہی تھی۔

ہارون جن عورتوں کے ساتھ افیئرز چلایا کرتا تھا انہیں تحائف بھی دیا کرتا تھا۔ شائستہ اس بات سے بخوبی واقف تھی مگر

ہارون کی عورت کو اس قدر مہنگے تحائف نہیں دیتا تھا اور پھر ایک ہیرے کی انگوٹھی دینے کا کیا مطلب تھا۔ یہ صرف وہی نہیں ہارون کو بھی اچھی طرح سمجھتی تھی۔ وہ کسی لڑکی کے ساتھ کیا کر رہا تھا؟

شائستہ نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اس انگوٹھی کو دیکھا۔ اسے اس پر لگے فون سے دلچسپی نہیں تھی۔ اسے اس ہاتھ میں دلچسپی تھی جسے یہ پہنائی گئی تھی۔

اس نے انگوٹھی کو مٹھی میں دباتے ہوئے باتھ روم کے بند دروازے کو دیکھا پھر پلٹ کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑے فون کے پاس گئی۔ ڈائری میں سے اپنے جیولر کے گھر کا نمبر ڈائل کر کے وہ ہارون کمال کے باتھ روم سے نکلنے سے پہلے یہ جان چکی تھی کہ وہ انگوٹھی اس کی شاپ سے نہیں خریدی گئی تھی۔ ہارون سے اسے ایسی حماقت کی توقع بھی نہیں تھی مگر اس کے باوجود ایک موہوم سی امید پر اس نے جیولر سے رابطہ کیا تھا۔

اس نے جس وقت فون کا ریسیور رکھا، اسی وقت ہارون باتھ روم سے باہر نکلا۔ وہ سیدھا اپنے کوٹ کی طرف گیا اور اس کی جیبوں کو ٹٹولنے لگا۔ شائستہ خاموشی سے اس کی حرکات دیکھتی رہی۔ وہ یک دم کچھ پریشان نظر آنے لگا تھا۔ ایک بار تمام جیبوں کو ٹٹول لینے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنی جیبوں میں باری باری ہاتھ ڈال رہا تھا۔ شائستہ نے اب مداخلت ضروری سمجھی۔

”کیا ڈھونڈ رہے ہو تم؟“

کہتے ہوئے اس کے پاس چلی آئی۔ اس کے سوال نے ہارون کو گڑبڑا دیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ کوٹ کی جیب سے باہر نکال لیا اور بڑے معمول کے انداز میں کوٹ کو ہینگر پر لٹکا کر وارڈروب کے اندر رکھ دیا۔ پلٹنے پر وہ ساکت رہ گیا۔ شائستہ اس کے بالمقابل وہ انگوٹھی اپنی ہتھیلی پر رکھے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی۔

”میرا خیال ہے تمہیں اس کی تلاش ہے۔“

شائستہ کا لہجہ خلاف توقع پرسکون تھا۔ مگر ہارون اس سکون کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ شائستہ کی پارہ صفت طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔

”ہاں... تمہیں یہ کہاں سے ملی؟“ ہارون نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے شائستہ کی ہتھیلی سے وہ انگوٹھی اٹھانا چاہی۔ شائستہ نے مٹھی ایک بار پھر بند کر لی۔

”پہلے یہ بتاؤ یہ انگوٹھی تم میرے لیے تو خرید کر نہیں لائے تو پھر وہ کون خوش قسمت ہے جس کے لیے یہ خریدی گئی ہے یا جس نے شاید تمہارے منہ پر دے ماری ہے۔“ شائستہ نے تقریباً دانت پیستے ہوئے کہا۔

”احمقانہ باتیں مت کرو... مجھے یہ کہیں سے گری ہوئی ملی ہے۔“

ہارون کمال کو احساس تھا کہ اس کے منہ سے نکلنے والا یہ بہانہ بذات خود بہت احمقانہ لگ رہا ہے مگر فوری طور پر اس کے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں آئی تھی۔ اگر اسے یہ اندازہ ہوتا کہ وہ انگوٹھی شائستہ کے ہاتھ لگ جائے گی اور اس سلسلے میں اسے شائستہ کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ ذہنی طور پر اس صورت حال کے لیے تیار ہوتا اور یقیناً کوئی نہ کوئی بہانہ بھی تیار رکھتا مگر شائستہ کی ہتھیلی پر انگوٹھی دیکھ کر وہ یک دم اتنا نروس ہوا تھا کہ وہ اس بہانے سے زیادہ بہتر کوئی وجہ پیش نہیں کر سکا۔

”تم کس کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو ہارون؟“ شائستہ اس کی بات پر یک دم بھڑک اٹھی۔

”مجھے؟ تم میری نظروں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہو؟ مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ ہارون کمال جیسا آدمی راستے میں گری ہوئی انگوٹھی اٹھاتا پھرتا ہے اور پھر گھر لا کر انہیں پاگلوں کی طرح ڈھونڈتا پھرتا ہے؟“

”یہ ایک اتفاق ہے شائستہ! اور زندگی میں اتفاقات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔“ ہارون نے اپنے جھوٹ پر ڈٹے رہنے کا فیصلہ لمحہ بھر میں کر لیا تھا۔

شائستہ نے تب ہی اس کے دائیں گال پر کان سے کچھ فاصلے پر لگی بینڈ ایڈ کو دیکھا۔ باتھ روم میں جانے سے پہلے اس کے چہرے پر کوئی بینڈ ایڈ نہیں تھی۔ اگر اسے وہاں کوئی چوٹ لگی ہوئی تھی تو اس کے باتھ روم میں جانے سے پہلے شائستہ نے اس

پر غور نہیں کیا تھا مگر اب ۔۔۔ ہارون نے اس کی نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا۔ اس کے ماتھے پر بل تھے اور آنکھوں میں الجھن۔

"میرا ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔" ہارون نے گال پر لگی بینڈایڈ کو چھوتے ہوئے کہا۔

"کیا ایکسیڈنٹ؟" شائستہ کا لہجہ نرم نہیں ہوا تھا۔

"تم اس وقت میری جان چھوڑ دو۔ صبح مجھ سے یہ سارے سوال کر سکتی ہو۔"

ہارون بیزاری سے کہتے ہوئے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے یک دم انگوٹھی کا ذکر کیوں کر دیا۔ شائستہ اس کی پیروی کرتے ہوئے۔ اس کے پیچھے بیڈروم میں چلی آئی۔ انگوٹھی ابھی بھی اس کی مٹھی میں دبی ہوئی تھی۔

"یہ رنگ کہاں سے ملی ہے تمہیں؟"

"جہنم سے۔" ہارون نے بے ساختہ کہا۔ "اور میں تو اب پچھتا رہا ہوں کہ میں نے اسے اٹھایا کیوں۔ وہیں پڑی رہنے دیتا، کم از کم اس وقت اس انگوٹھی کی وجہ سے تم میرا دماغ تو نہ کھا رہی ہوتیں۔"

وہ اب بھی جھنجلایا ہوا تھا۔ اسے چند لمحے لگے تھے خود پر قابو پانے میں مگر ان چند لمحوں میں وہ اس مشکل صورت حال سے باہر نکل آیا تھا، جس میں کچھ دیر پہلے وہ شائستہ کی وجہ سے پھنسا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شائستہ کے سامنے وہ بھڑک اٹھا تو اس کے لیے اس کے لیے انتہائی نقصان دہ ہو گا۔

یہ یقین ہونے کے باوجود کہ وہ انگوٹھی ہارون کو رستے میں نہیں ملی تھی شائستہ پھر بھی کچھ متذبذب ہو گئی۔ ہارون اب اپنے بیڈ پر بیٹھا سگریٹ سلگانے میں مصروف تھا۔ شائستہ نے اپنے بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی اور وہ انگوٹھی تقریباً پھینکنے کے انداز میں اندر رکھ دی۔ وہ اس کے بارے میں پھر بھی بات کر سکتی تھی۔ اس وقت ضروری تھا کہ وہ اس سے وہ بات کرتی جو وہ کرنا چاہتی تھی۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس نے بیڈ کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"اگر تمہیں ۔۔۔"

شائستہ نے ہارون کی بات کاٹ کر کہا۔ "مجھے رنگ اور تمہارے ایکسیڈنٹ کے بارے میں نہیں کسی اور ٹاپک پر بات کرنی ہے۔"

ہارون کے چہرے پر سگریٹ کا کش لیتے ہوئے بے اختیار اطمینان کا سایہ لہرایا۔ آخر کار وہ اس موضوع سے جان چھڑانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ شائستہ اس کے بیڈ کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

ہارون نے سگریٹ کا ایک اور کش لگایا۔ "کہو۔"

"مجھے اپنا بیٹا مل گیا ہے۔" ہارون کے ہاتھ سے سگریٹ نیچے گر پڑا۔ آج کی رات اس کی زندگی کی واقعی سب سے خراب ترین رات تھی۔

☆☆☆

"رائی کا پہاڑ مت بناؤ منصور!" رخشی نے تیز آواز میں اس سے کہا۔

"آپ بوائے فرینڈز کہہ رہی ہیں جسے ۔۔۔" منصور نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔

"وہ تمہارا بوائے فرینڈ ہے۔" وہ بپھر گیا۔

"آپ اصرار کر رہے ہیں تو یہی سمجھ لیں کہ وہ میرا بوائے فرینڈ ہے۔"

رخشی نے ترکی بہ ترکی کہا۔ منصور بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ اس کی بیوی تھی اور اس کے نزدیک بوائے فرینڈ جیسے ایک بہت ہی بے ضرر شے تھی۔

"آپ اگر اسے کزن ماننے پر تیار نہیں ہو تو ٹھیک ہے پھر آپ اسے میرا بوائے فرینڈ کہہ لیں۔"

رخشی کا اطمینان قابلِ رشک تھا۔

"تم اپنے شوہر کو اپنے بوائے فرینڈ کے بارے میں بتا رہی ہو؟"

"میں نے اپنے شوہر کو دعوت نہیں دی تھی کہ وہ مجھ سے میرے بوائے فرینڈ کے بارے میں پوچھے اور میں اسے بتاؤں۔" رشی نے تیز ہو کر کہا۔

"شوہر کو اگر اچانک اسے سوال کرنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے تو پھر اسے بوائے فرینڈ کے بارے میں جان کر اتنا شاک کیوں لگا ہے؟"

"تم میری بیوی ہو۔"

"اور آپ سے شادی سے پہلے میں آپ کی گرل فرینڈ تھی اور آپ میرے بوائے فرینڈ۔ اس وقت آپ کو اس رشتے یا تعلق پر اتنا شاک کیوں نہیں لگا تھا؟" رشی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

منصور کچھ بول نہیں سکا۔ رشی پہلے بھی اس سے جھگڑا کیا کرتی تھی مگر جس طرح کی باتیں وہ آج کر رہی تھی وہ اس نے پہلے نہیں کی تھیں۔

"مجھے یہ مت بتاؤ کہ شادی سے پہلے میرا اور تمہارا کیا تعلق تھا۔" منصور نے اپنے حواس پر جیسے قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اب میں تمہارا شوہر ہوں اور میرے لیے صرف یہی بات اہمیت رکھتی ہے۔"

"آپ اگر میرے شوہر ہیں تو آپ کو مجھے بیوی والی عزت دینی چاہیے۔"

"بیوی والی عزت یا آزادی؟"

"ہاں آزادی بھی۔" رشی نے اس کے طنز کا برا نہیں مانا۔ "آپ میرے پر کاٹ کر مجھے کسی پنجرے میں قید نہیں کر سکتے۔"

"اگر پنجرے میں رکھنا تھا تو پھر شیزہ آپ کے لیے زیادہ مناسب بیوی تھی۔ وہ موٹی، بھدی اور زبان دراز بیوی جس پر کوئی دوسری نظر ڈالنا پسند نہیں کرتا تھا۔" رشی کے انداز میں تضحیک تھی۔

"اور جس کے گلے میں پٹہ ڈال کر آپ اسے جہاں چاہے باندھ دیتے۔"

"تم اپنے بارے میں کیا کہو گی جو بغیر پٹے کے جگہ جگہ منہ مارتی پھر رہی ہو۔"

"میں تمہارا انتخاب ہوں منصور!" رشی کو اس کے جملے نے تپا دیا۔ "وہ یک دم آپ سے تم پر اتر آئی۔ مجھے اپنی مرضی سے اپنی زندگی میں لے کر آئے تھے تم۔۔۔ تم نے کہا تھا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔۔۔ میں نے تمہیں دعوت نہیں دی تھی کہ تم اپنا پرپوزل لے کر میرے پاس آؤ۔" وہ اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"تم نے کہا تھا کہ تم میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ مر جاؤ گے۔ اپنی بیٹی کی عمر والی لڑکی نہ ملی تو مر جاؤ گے۔"

"اپنا منہ بند رکھو" منصور بے اختیار چلایا۔ "کیوں بند کروں؟ اب کیوں بند کروں۔"

"بھونکنا بند کرو۔" منصور ایک بار پھر دھاڑا۔

"میں بھونکنا بند کر دوں تاکہ تم بھونکنا شروع کر سکو۔ ابھی تک شوق پورا نہیں ہوا تمہارا۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ کافی بھونک چکے ہو تم۔۔۔"

"میں دیکھوں گا تم دوبارہ میرے گھر سے کس طرح قدم باہر نکالتی ہو۔۔۔ میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا اور اس کو تو میں دیکھ لوں گا۔"

منصور نے رشی کے بوائے فرینڈ کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ ادب، لحاظ اور پیار محبت کا وہ پردہ جو وہ اتنے عرصے سے ایک دوسرے کے سامنے اوڑھے ہوئے تھے۔ وہ آج یک دم اتر گیا تھا اب دونوں جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔

"تمہارا گھر؟" رشی نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"کون سا گھر۔۔۔؟ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے۔ میں آج تک تمہارے گھر میں نہیں اپنے گھر میں رہتی ہوں۔"

"اس گھر کے کاغذات میرے پاس ہیں۔"

"اور ان کاغذات پر یہ گھر میرے نام ہے۔" رخشی نے جواب دیا۔

"کاغذات پر نام جس کا بھی ہو گھر اس کا ہوتا ہے جس کے پاس کاغذات ہوتے ہیں اور میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ کاغذات تم کو تھما دیتا۔ تم جیسی عورتیں گھر بسانے والی نہیں ہوتیں صرف گھر اجاڑنے کے لیے آتی ہیں۔" منصور کو اس وقت رخشی کے وجود سے گھن آ رہی تھی۔

"میرے جیسی عورتیں آسمان سے تم جیسوں کے گھر نہیں ٹپکتیں۔ ہاتھ پکڑ کر دروازے کھڑکیاں کھول کر تم لوگ اندر لاتے ہو بلکہ سر پر بٹھا کر اندر لاتے ہو۔"

"میں نے تم پر احسان کیا تھا رخشی۔۔۔ تم سے شادی کر کے۔ ورنہ کتنے مرد نام دیتے ہیں۔۔۔؟ شادی کرتے ہیں تم جیسی عورتوں سے؟" منصور اب اس پر اپنے احسان جتا رہا تھا۔

"تمہاری عمر کا ہر دوسرا مرد میری عمر کی لڑکیوں سے اسی طرح آنکھیں بند کر کے شادی کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ تم نے احسان کیا تھا مجھ پر۔۔۔؟ یا میں نے احسان کیا تھا تم پر۔۔۔ تم یاد کرو مجھ سے شادی کے لیے کس طرح منتیں کرتے پھرتے تھے تم میرے سامنے۔"

"وہ میری زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی۔" منصور نے بے اختیار کہا۔

"تمہارا اصل تو یہ ہے جو تم اب دکھا رہی ہو مجھے۔"

"اور تمہارا اصل میں بہت پہلے سے جانتی تھی۔ میرے گھر سے چلے جاؤ۔" وہ حلق کے بل چلائی۔ منصور نے بے اختیار اس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا۔

"تمہارا گھر۔۔۔؟ یہ میرا گھر ہے۔ تم جاؤ یہاں سے۔ ابھی اور اسی وقت اپنے بیٹے کو لے کر یہاں سے چلی جاؤ۔" رخشی ہاتھ گال پر رکھے سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی، پھر کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ منصور زخمی شیر کی طرح بیڈ روم میں یہاں سے وہاں پھرتا رہا۔

اس کے غصے کو اترنے میں چند گھنٹے لگے تھے اور غصہ اترتے ہی رخشی کی نفرت بھی غائب ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر اسی طرح اس کی محبت میں گرفتار تھا مگر رخشی سے کچھ شکوے اور شکایتوں کے ساتھ۔ اسے اندازہ تھا کہ رخشی اس کے بیٹے کو لے کر وہاں سے نہیں گئی۔ وہ یقیناً اپنے بیٹے کے ساتھ دوسرے کمرے میں ہی سو گئی تھی۔

منصور بالآخر کمرے میں چلتے چلتے تھک گیا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ رخشی کی طرف سے اسے کوئی فکر اور پریشانی نہیں تھی اسے یقین تھا۔ وہ اسے منا لے گا۔ وہ پہلے بھی اسے منانے میں ہمیشہ پہل کرتا رہا تھا مگر یہ اس کا بوائے فرینڈ تھا جس کا خیال آنے پر اس کا خون ایک بار پھر کھولنے لگا۔ اسے رخشی کی ڈھٹائی پر بھی حیرانی ہو رہی تھی کہ اس نے اس دیدہ دلیری کے ساتھ اس کے سامنے نہ صرف اسے اپنا بوائے فرینڈ تسلیم کیا تھا بلکہ اس کی خاطر اس سے جھگڑا بھی مول لیا تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے یقین تھا کہ ایک بار ناراضی دور ہونے کے بعد وہ رخشی کو سمجھا دے گا کہ وہ دوبارہ اس لڑکے سے کبھی نہ ملے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ رخشی خود ہی اپنی غلطی کو تسلیم کرے گی اور اس لڑکے کے ساتھ قطع تعلق کرے گی اور ایسی صورت میں وہ اس کی اس غلطی کو معاف کر دے گا۔

منصور علی یہ فیصلہ کر کے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ بلکہ اسے اپنی "اعلیٰ ظرفی" پر رشک بھی آ رہا تھا۔ آخر دنیا میں ایسے کتنے مرد ہوتے ہوں گے جو اس جیسا ظرف رکھتے ہوں گے۔ آسمان تک کے برابر۔ وہ یقیناً ایک مثالی انسان اور شوہر تھا۔ اس نے تصور ہی تصور میں جیسے اپنے کندھے کو خود ہی تھپکا۔

"کون سا گھر ـــ؟ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے۔ میں آج تک تمہارے گھر میں نہیں اپنے گھر میں رہ رہی ہوں۔"

"اس گھر کے کاغذات میرے پاس ہیں۔"

"اور ان کاغذات پر یہ گھر میرے نام ہے۔" رخشی نے جواب دیا۔

"کاغذات پر نام جس کا بھی ہو گھر اس کا ہوتا ہے جس کے پاس کاغذات ہوتے ہیں اور میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ کاغذات تم کو تھما دیتا۔ تم جیسی عورتیں گھر بسانے والی نہیں ہوتیں صرف گھر اجاڑنے کے لیے آتی ہیں۔" منصور کو اس وقت رخشی کے وجود سے گھن آ رہی تھی۔

"میرے جیسی عورتیں آسمان سے تم جیسوں کے گھر نہیں ٹپکتیں۔ ہاتھ پکڑ کر دروازے کھڑکیاں کھول کر تم لوگ اندر لاتے ہو بلکہ سر پر بٹھا کر اندر لاتے ہو۔"

"میں نے تم پر احسان کیا تھا رخشی ـــ تم سے شادی کر کے۔ ورنہ کتنے مرد نام دیتے ہیں ـــ شادی کرتے ہیں تم جیسی عورتوں سے؟" منصور اب اس پر اپنے احسان جتا رہا تھا۔

"تمہاری عمر کا ہر دوسرا مرد میری عمر کی لڑکیوں سے اسی طرح آنکھیں بند کر کے شادی کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ تم نے احسان کیا تھا مجھ پر ـــ؟ یا میں نے احسان کیا تھا تم پر ـــ تم یاد کرو مجھ سے شادی کے لیے کس طرح منتیں کرتے پھرتے تھے تم میرے سامنے۔"

"وہ میری زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی۔" منصور نے بے اختیار کہا۔

"تمہارا اصل تو یہ ہے جو تم اب دکھا رہی ہو مجھے۔"

"اور تمہارا اصل میں بہت پہلے سے جانتی تھی۔ میرے گھر سے چلے جاؤ۔" وہ حلق کے بل چلائی۔ منصور نے بے اختیار اس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا۔

"تمہارا گھر ـــ؟ یہ میرا گھر ہے۔ تم جاؤ یہاں سے۔ ابھی اور اسی وقت اپنے بیٹے کو لے کر یہاں سے چلی جاؤ۔" رخشی ہاتھ گال پر رکھے سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی، پھر کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ منصور زخمی شیر کی طرح بے دم سا یہاں سے وہاں پھرتا رہا۔

اس کے غصے کو اترنے میں چند گھنٹے لگے تھے اور غصہ اترتے ہی رخشی کی نفرت بھی غائب ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر اسی طرح اس کی محبت میں گرفتار تھا مگر رخشی سے کچھ شکوے اور شکایتوں کے ساتھ۔ اسے اندازہ تھا کہ رخشی اس کے بیٹے کو لے کر وہاں سے نہیں گئی۔ وہ یقیناً اپنے بیٹے کے ساتھ دوسرے کمرے میں ہی سو گئی تھی۔

منصور بالآخر کمرے میں چلتے چلتے تھک گیا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ رخشی کی طرف سے اسے کوئی فکر اور پریشانی نہیں تھی اسے یقین تھا۔ وہ اسے منا لے گا۔ وہ پہلے بھی اسے منانے میں ہمیشہ پہل کرتا رہا تھا مگر یہ اس کا بوائے فرینڈ تھا جس کا خیال آنے پر اس کا خون ایک بار پھر کھولنے لگا۔ اسے رخشی کی ڈھٹائی پر بھی حیرانی ہو رہی تھی کہ اس نے اس دیدہ دلیری کے ساتھ اس کے سامنے نہ صرف اسے اپنا بوائے فرینڈ تسلیم کیا تھا بلکہ اس کی خاطر اس سے جھگڑا بھی مول لیا تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے یقین تھا کہ ایک بار ناراضی دور ہونے کے بعد وہ رخشی کو سمجھا دے گا کہ وہ دوبارہ اس لڑکے سے کبھی نہ ملے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ رخشی خود ہی اپنی غلطی کو تسلیم کرے گی اور اس لڑکے کے ساتھ قطع تعلق کرے گی اور ایسی صورت میں وہ اس کی اس غلطی کو معاف کر دے گا۔

منصور علی یہ فیصلہ کر کے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ بلکہ اسے اپنی "اعلیٰ ظرفی" پر رشک بھی آ رہا تھا۔ آخر دنیا میں ایسے کتنے مرد ہوتے ہوں گے جو اس جیسا ظرف رکھتے ہوں گے۔ آٹے میں نمک کے برابر۔ وہ یقیناً ایک مثالی انسان اور شوہر تھا۔ اس نے تصور ہی تصور میں جیسے اپنے کندھے کو خود ہی تھپکا۔

پھر سونے کے لیے لیٹتے ہوئے اس نے اس تحفے کا انتخاب کیا جسے کل اسے صبح کی خوشی میں رشنی کو خرید کر دینا تھا۔ وہ
تحفے کی قیمت آج ہی زیادہ ہونا چاہیے۔ جتنا بڑا جھگڑا ہوا ہے۔ رشنی کو جیولری پسند تھی اور پہلے ہونے والے تمام
جھگڑوں کی تلافی میں بھی وہ اسے جیولری ہی پیش کرتا رہا تھا۔ آنکھیں بند کرنے سے پہلے اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ
رشنی کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کتنی مالیت کا زیور خریدنا چاہیے گا۔ وہ ناکام رہا اور اسے اس ناکامی سے دلی مسرت
ہوئی۔ اپنی پسند کی عورت پر اس کی پسند اور مرضی کے مطابق روپیہ لٹانے میں کیا حرج تھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل لیمپ آف کرتے ہوئے
وہ بہت مطمئن اور مسرور تھا۔ وہ صرف یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اس کے گھر میں اس کی آخری رات ہے۔

☆☆☆

"آپ نے اسے اس طرح گھر سے نکال کر اچھا نہیں کیا۔" صبغہ دروازہ بند کرنے کے بعد بے قراری کے عالم میں اندر
کمرے میں منیزہ کے پاس آئی تھی۔

"وہ اس وقت کہاں جائے گی؟" صبغہ اپنی انگلیاں مسلنے لگی۔ "کچھ تو سوچا ہوتا آپ نے اسے گھر سے نکالتے
ہوئے۔" وہ منیزہ سے کہہ رہی تھی جو امبر کے جانے کے باوجود ابھی تک اشتعال میں تھیں۔

"وہ جہنم میں جائے۔ مجھے پروا نہیں ہے۔" منیزہ نے ترخ کر کہا۔ "اس جیسی نافرمان اولاد کو وہیں جانا چاہیے۔ وہ
میرے نکالنے پر نہ جاتی تو ایک دن خود ہی نکل جاتی۔ اسے ہمارے ساتھ نہیں رہنا تھا۔"

"ہم اسے سمجھا سکتے تھے۔"

"بھینس کے آگے بین بجائی جا سکتی ہے۔ اسے سمجھانا ممکن ہوتا تو وہ اب تک کچھ سمجھ چکی ہوتی۔" منیزہ کو اسے گھر
سے نکالنے پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

صبغہ سر پکڑ کر کمرے میں پڑے اکلوتے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں اس کے بارے میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" منیزہ نے اس کو سر پکڑتے دیکھ کر کہا۔ "وہ
سڑکوں پر ماری ماری نہیں پھرے گی، وہ سیدھا ہارون کمال کے پاس جائے گی۔"

"اور آپ نے یہ جانتے ہوئے بھی اسے یہاں سے نکال دیا۔" صبغہ بری طرح بگڑی۔

"ہاں میں نے اسے نکال دیا۔ جو کام اسے کل کرنا ہے وہ آج کر لے، جو کالک اسے کل ہمارے چہرے پر ملنی ہے وہ
آج ہی مل دے۔"

صبغہ نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔ "آپ کو اگر اسے اس طرح ہارون کمال سے شادی کی اجازت دینا تھی تو پھر خود اس
کی شادی اس سے کر دیتیں کم از کم وہ باعزت طریقے سے اس گھر سے تو جاتی۔"

"میں اپنے ہاتھ سے اس کی شادی ہارون کمال سے کرنے کے بجائے اسے مار دینا زیادہ بہتر سمجھتی۔" منیزہ نے تیز آواز
میں کہا۔ "وہ مجھ پر تنقید کر رہی تھی۔ آج اتنے عرصے کے بعد اسے یاد آ گیا کہ اس کا باپ بڑا معصوم تھا۔ صرف میں ہی جو غلط اور
تھی جو اس قابل نہیں تھی کہ اس کے باپ کے ساتھ رہ پاتی۔ اس لیے اگر اس کے باپ نے مجھے طلاق دی تو ٹھیک کیا۔ میں اسی
قابل تھی کہ اس گھر سے نکالی جاتی۔ میرے گھر کو تباہ کر کے وہ مجھے عقل سکھانے چلی تھی۔"

صبغہ یک دم اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں بیٹھی زارا اور رابعہ
کی حالت کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ منیزہ کو سمجھانا بے کار تھا بالکل اسی طرح جس طرح امبر کو سمجھانا بے کار تھا۔

صحن میں پڑی کرسی پر بیٹھ کر اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ زندگی کی کتاب کا ہر باب پہلے سے زیادہ بھیانک
ہوتا جا رہا تھا اور صفحات تھے کہ ختم ہونے پر ہی نہیں آ رہے تھے۔ ہر نیا صفحہ... نیا ورق... نئے لفظ... نئے حرف...
تکلیف... اذیت... درد... رسوائی...

اسے کوئی شبہ نہیں تھا کہ امبر وہاں سے نکل کر سیدھا ہارون کمال کے پاس ہی گئی ہو گی۔ اور اسے یہ خیال ہی تکلیف میں

جنگ کر رہا تھا۔ وہ اتنے عرصے سے اسے ہارون کمال سے بچانے کے لیے جنگ، وہ کر رہی تھی اور یکدم ہی وہ اس جدوجہد میں ناکام ہو گئی تھی۔

چند لمحوں کے لیے اس کے اندر شدید خواہش جاگی کہ وہ کسی سے وہ سب کچھ کہہ پاتی جو وہ محسوس کر رہی تھی۔ اس نے صحن کی دیوار کو دیکھا۔ اس کا دل چاہا وہ بھاگ کر شبی کے پاس چلی جائے۔ اسے اپنے آپ سے خوف آیا۔ کیا وہ بھی امبر کی طرح بے چینی کی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی؟ کیا امبر بھی اسی لیے ہارون کمال کے پاس بھاگ کر جا رہی تھی۔ کیا وہ بھی امبر کی طرح اسی گھٹن کا شکار ہو رہی تھی۔ کیوں؟ اس گھر میں کون سا آسیب تھا جو ان سب کو اس بری طرح مشتعل کر رہا تھا؟ کیا یہ صرف حالات تھے؟ برے حالات؟ یا پھر امبر نے ٹھیک کیا تھا۔ میزہ واقعی ایک "بری ماں" تھی؟

صفہ کی کنپٹیوں میں جیسے دھماکے ہونے لگے تھے۔ اس کے دل کو کوئی مٹھی میں لے کر بری طرح مسل رہا تھا۔ اسے ایک بار پھر امبر کا خیال آ رہا تھا۔ امبر کو نہیں جانا چاہیے تھا۔ اسے اس گھر سے کہیں جانا چاہیے تھا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان پر پھیلی ہوئی تاریکی کو دیکھا۔ آسمان پر کہیں کوئی ستارہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آج بلا کی تاریکی تھی۔

☆☆☆

نایاب، ثمر کے گھر تقریباً دو گھنٹے رہی تھی۔ دو گھنٹے کے بعد جا کر اس نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ فاطمہ کے کہنے پر ثمر اسے اس کی گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا۔

تنگ گلیوں کے اندر سے گزرتے ہوئے نایاب نے ثمر سے کہا۔

"تمہارا موڈ اب تو ٹھیک ہو گیا ہو گا مجھے واپس جاتا دیکھ کر۔" اس کا انداز تیکھا تھا۔

"ہاں بہت خوش ہوں میں..... میرا دل باغ باغ ہو رہا ہے۔" ثمر نے قدرے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"آخر میری زندگی کی بھی تو سب سے بڑی خواہش تھی کہ تمہیں اپنے گھر آتا اور پھر واپس جاتا دیکھوں۔ ویسے تمہیں میرا ایڈریس کس نے دیا تھا؟" ثمر کو اچانک خیال آیا۔

"یہ سوال غیر ضروری ہے۔ خاص طور پر اب جب میں تمہارے گھر پہنچ بھی چکی ہوں۔" نایاب نے اطمینان سے کہا۔ ثمر نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے تم سے کم از کم اس حماقت کی توقع نہیں تھی۔"

"تمہارے گھر آنا حماقت ہے؟"

"ہاں۔"

"تم میرے لباس کی وجہ سے کہہ رہے ہو؟"

"میں تمہاری جنس کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔"

"تمہارے گھر والے اتنے کنزرویٹو ہیں کہ تمہاری گرل فرینڈ کا آنا انہیں برا لگے گا؟"

"اوّل تو تم میری گرل فرینڈ نہیں ہو اور....." نایاب نے اس کی بات کاٹی۔

"فرینڈ تو ہوں؟"

"نہیں، فرینڈ بھی نہیں ہو۔" ثمر نے کہا۔

نایاب چلتے چلتے اچانک رک گئی۔ ثمر کی چھٹی حس نے بے اختیار اسے خطرے کا احساس دلایا۔ وہ غلط جگہ پر غلط بات کہہ بیٹھا تھا۔

"فرینڈ نہیں ہوں تمہاری؟" نایاب نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں....." ثمر نے کچھ کہنا چاہا مگر نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں فرینڈ نہیں ہوں تمہاری اور میں تمہاری فرینڈ بننا بھی نہیں چاہوں گی۔"

وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ ثمر کی جان میں جان آئی۔ اس کے اطمینان کا مطلب تھا کہ اسے غصہ نہیں آیا۔

"چلیں؟" ثمر نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں چلو۔" نایاب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میری شکل وصورت اچھی ہے ثمر؟" ثمر ٹھوکر کھاتے کھاتے بچا۔

"اس سوال کی یہاں کیا تک بنتی ہے؟" وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

"جو بھی تک بنتی ہو تم یہ بتاؤ کہ میری شکل وصورت اچھی ہے؟"

"میں نے تمہیں کبھی اسے غور سے نہیں دیکھا۔" ثمر نے بات گول کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اب دیکھو۔" نایاب اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ ثمر نے بے اختیار گلی میں دائیں بائیں دیکھا۔ آج وہ واقعی بضد تھی۔

"ہاں اچھی ہے۔ چلو اور ایسی حرکتیں مت کرو کہ لوگ تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی پتھر مارنے لگیں۔"

نایاب پھر اس کے ساتھ اطمینان سے چلنے لگی۔

"ہاں مجھے بھی یقین تھا کہ کم از کم میری شکل وصورت کے بارے میں تم کوئی فضول بات نہیں کر سکو گے۔ تبھی بھی اچھی ہے وادی۔" وہ اطمینان سے کہنے لگی۔ "تم تو دل ہی دل میں بچپن ہی سے میرے اوپر فدا ہو۔ بھائی سے میں تمہیں آئندہ ملواؤں گی جب وہ ادھر آئے گا۔"

ثمر اس کی باتوں کا سر پیر سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ سرا اسے تب سمجھ میں آیا جب وہ مین روڈ پر کھڑی اس کی گاڑی کے قریب پہنچے اور جب ثمر کو اس کی باتوں کا سر پیر سمجھ میں آیا تب اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ نایاب واقعی نایاب تھی۔ ثمر کو اس کی بات سن کر لگا تھا جیسے آسمان اس کے سر پر گر پڑا ہو۔

☆☆☆

"تم کس بیٹے کی بات کر رہی ہو؟" ہارون نے بے یقینی سے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں کس بیٹے کی بات کر رہی ہوں۔" شائستہ نے پرسکون انداز میں کہا۔

"اسد ابھی گم نہیں ہوا۔" ہارون نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں اسد کی بات نہیں کر رہی ہوں۔"

"اسد کے علاوہ ہمارا اور کوئی بیٹا نہیں ہے۔"

"تمہاری یادداشت خراب ہو گئی ہو گی۔ میری نہیں ہوئی۔"

"میری یادداشت خراب ہوئی ہے اور تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ہارون نے جھلا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔" شائستہ کے انداز میں ابھی بھی وہی بے نیازی تھی۔ "مگر میں پھر بھی تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے میرا بیٹا مل گیا ہے۔"

"شائستہ! گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش مت کرو۔"

"میں گڑے مردے نہیں اکھاڑ رہی ہوں۔ میں صرف اس ایک غلطی کی تلافی کرنا چاہتی ہوں جو ہم دونوں سے ہوئی تھی۔"

"وہ غلطی تم سے ہوئی ہو گی۔ مجھ سے نہیں ہوئی۔ اس لیے یہ مت کہو کہ "ہماری غلطی" صرف "میری غلطی" کہو۔" ہارون گرجا۔

"ٹھیک ہے تم یہی کہہ لو لیکن میں اپنی غلطی کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔"

"اور اس غلطی کی تلافی تم اس طرح کرو گی کہ اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنی اولاد کی نظر اور دنیا کی نظروں میں تماشا بنا دو

گی۔" ہارون کمال بلند آواز میں بولا۔

"مجھے پروا نہیں ہے ہارون! کہ دنیا کیا کہتی ہے۔" شائستہ نے کہا۔

"میں نے زندگی میں کبھی دنیا کی پروا نہیں کی۔ دنیا کی پروا کی ہوتی تو میں آج تمہاری بیوی نہیں ہوتی۔ دنیا کی پروا ہوتی تو تمہاری انگلیوں کے اشارے پر ناچتے میں نے اپنی زندگی برباد نہ کی ہوتی۔" شائستہ بہت تلخ ہو رہی تھی۔

"صرف ایک بار دنیا کی پروا کی تھی میں نے، جب تمہارے کہنے پر میں نے اپنی اولاد کو چھوڑ دیا۔ اور اس پچھتاوے سے میں آج تک باہر نہیں آئی اور آج جب وہ اولاد میرے سامنے آ گئی ہے تو میں آج کسی دنیا کی خاطر اسے چھوڑ نہیں سکتی۔"

"تم جذبات میں اندھی ہو رہی ہو۔ کسی کو اتنے سالوں کے بعد اپنی اولاد مل جانا۔ کیا پتا وہ بچہ زندہ بھی نہ بچا ہو۔ زندہ ہو بھی تو پتا نہیں کہاں ہے کہاں نہیں اور تم مجھے ایک فلمی کہانی سنا رہی ہو کہ تمہیں تمہارا بیٹا مل گیا ہے۔" ہارون نے یک دم اپنے لہجے کو تبدیل کیا۔ شائستہ کا لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ اسے جھڑک کر اپنی بات نہیں منوا سکتا۔ کم از کم آج اس وقت نہیں۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں ہارون! کہ کسی کو بھی اپنی اولاد مان لوں۔ میں نے پوری تحقیق کر لی ہے۔ وہ میرا ہی بیٹا ہے۔ اسے اسی یتیم خانے سے لیا گیا تھا۔ یہ وہی بچہ ہے۔"

"کون ہے یہ؟"

"تم جانتے ہو اسے۔" شائستہ نے کہا۔ "بلکہ مل چکے ہو اس سے۔ نایاب کے دوست عمر کا بڑا بھائی ہے وہ۔ شہیر نام ہے اس کا۔"

ہارون پلکیں جھپکائے بغیر شائستہ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے امبر کے گھر کے ساتھ والے گھر کے دروازے پر کھڑے شہیر کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔ اور وہ بے اختیار حواس باختہ ہو گیا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ وہ تین بہن بھائی ہیں۔ تم..."

شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تین بہن بھائی... اس عورت نے ان تینوں کو پالا ہے۔ باقی دونوں بچوں کو کوڑے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا اس نے۔ اس عورت کی کبھی شادی نہیں ہوئی۔ اس نے جھوٹ اور فریب کا ایک پردہ ڈالا ہے دنیا کے سامنے۔"

شائستہ کے انداز میں تضحیک تھی۔

"میں نے پہلی بار شہیر کو پی سی میں دیکھا تھا اور اس کے چہرے پر پہلی نظر ڈالتے ہی میرے دل نے کہا تھا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ تمہیں اس کے چہرے میں اپنا چہرہ نظر نہیں آتا۔ نایاب تک مجھ سے کہہ چکی ہے کہ عمر کا بھائی بالکل پاپا کی طرح لگتا ہے مجھے..."

ہارون نے ناراضی کے عالم میں اس کی بات کاٹی۔ "تم کسی کے چہرے پر میرا چہرہ Paste کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں دن میں درجنوں لوگوں سے ملتا ہوں۔ ان میں سے کئی لوگوں کے چہرے مجھ سے ملتے ہیں تو میں کیا انہیں اپنا بیٹا سمجھ لوں؟ آج اس کی شکل دیکھ کر تمہیں یہ اپنا بیٹا لگ رہا ہے کل کسی اور کا چہرہ دیکھ کر تمہیں یہی غلط فہمی ہو گی۔"

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہو رہی ہے۔ میں نے اس کا بیک گراؤنڈ چیک کیا ہے۔ وہ وہی بچہ ہے جسے تم نے وہاں چھوڑا تھا۔"

شائستہ اپنی بات پر جمی ہوئی تھی۔

"اگر ایسا ہے بھی تو تم اس کا ذکر چھوڑ دو۔ تمہاری تسلی کے لیے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے اور بڑی اچھی حالت میں ہے پھر کیا ضروری ہے کہ تم اس کے گلے میں اپنی اولاد کا لیبل لٹکاؤ۔"

"وہ اچھی حالت میں ہے؟ اچھی زندگی گزار رہا ہے؟ تم نے وہ علاقہ نہیں دیکھا جہاں وہ رہ رہا ہے۔ وہ گھر نہیں دیکھا جہاں وہ زندگی گزار رہا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسے جاب کرنا پڑ رہی ہے اور تم کہہ رہے ہو وہ اچھی حالت میں ہے؟"

"تو ٹھیک ہے شائستہ!" پھر تم کیا چاہتی ہو کہ تم اسے اس گھر میں لے آؤ۔ ڈنر ٹیبل پر نایاب اور اسد سے ملواؤ۔ ان سے

کر کے اپنے دوسرے بھائی سے ملو جسے ہم نے اب دریافت کیا ہے۔ اور پھر انھیں اس کی ہسٹری بتانا۔"

"میں انھیں بتا دوں گی۔ مجھے کچھ بھی کہنے میں کوئی عار نہیں۔"

شائستہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "اور لوگوں کے سامنے کمال تجمل کی اس ناجائز اولاد کا تعارف تم کیسے کرواؤ گی؟"

"لوگوں کے سامنے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی سوال نہیں کرے گا۔"

"لوگ خاموش تب رہیں گے اگر وہ اندھے ہو جائیں یا ہم بہرے ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں لوگوں سے بھی کہہ دوں گی۔ مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔"

ہارون چند لمحے کچھ نہیں بول سکا۔ "اور وہ لڑکا...... وہ یہ سب کچھ قبول کرے گا۔ وہ ہماری غلطی کے لیے ہمیں معاف کر دے گا۔ وہ اپنی فیملی کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ رہنے پر تیار ہو جائے گا؟"

"میں سارا انتظام کر چکی ہوں۔ تم اگر میرا ساتھ دو تو ہم اپنے بیٹے کو واپس اپنے پاس لا سکتے ہیں۔ اگر تم میری مدد کرو تو ہم چند جھوٹ بول کر دنیا کے سامنے بھی اپنی عزت رکھ سکتے ہیں۔"

شائستہ کی آواز میں اب لجاجت تھی۔

"میں اپنی اولاد کے بغیر نہیں رہ سکتی ہارون! میں اب یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میرا بچہ میرے بجائے کسی دوسری عورت کو اپنی ماں سمجھے، وہ مجھ سے نفرت کرے۔"

"تم احمقوں کی جنت میں رہتی ہو شائستہ! جو کچھ تم کرنا چاہتی ہو وہ ناممکن ہے اور اگر ممکن بھی ہو تو تم یہ توقع مت کرنا کہ ہارون کمال اس کام میں تمہارا ساتھ دے گا۔"

ہارون کمال تیز آواز میں کہتے ہوئے سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

منصور علی صبح جس وقت بیدار ہوا، رخشی اس وقت بھی کمرے میں نہیں تھی۔ وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر آیا تو ملازم نے اس کا استقبال کیا۔ پہلی بار منصور کو ایک خدشے نے ستایا۔ کہیں وہ واقعی چلی تو نہیں گئی تھی۔ ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے اس نے ملازم سے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟"

"وہ سو رہی ہیں۔ میں نے انھیں ناشتے کے بارے میں بتایا تھا مگر انھوں نے کہا کہ میں انھیں ڈسٹرب نہ کروں۔"

ملازم نے بتایا تو منصور کو بے اختیار اطمینان ہوا۔ کم از کم وہ موجود تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ اطمینان سے آفس چلا گیا اور وہاں معمول کے کاموں میں مصروف رہا۔ رخشی اس کے آفس میں اسے ایک دو بار کال کیا کرتی تھی مگر آج اس نے کال نہیں کی تھی۔ منصور نے اس کے موبائل پر خود چند بار کال کی۔ اس کی کال کسی نے ریسیو نہیں کی۔ مگر یہ اتنا غیر متوقع نہیں تھا۔ ظاہر ہے رخشی ناراض تھی اور وہ ہر بار ناراض ہونے پر یہی کیا کرتی تھی۔

منصور اس دن معمول کے مطابق آفس کے کام نپٹاتا رہا مگر اس کا ذہن رخشی میں ہی الجھا ہوا تھا۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ اسے اس کو منانے کے لیے کیا کہنا پڑے گا۔ اس نے پہلی بار اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ رخشی سے یہ وعدہ کرے گا کہ وہ دوبارہ اس پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

آفس سے وہ کچھ جلدی اٹھ گیا تھا۔ رخشی کے لیے کچھ پھول خریدنے کے بعد وہ اپنے گھر روانہ ہوا۔ پھر گیٹ کے باہر گاڑی روک کر ہارن دیا۔ مگر دروازہ نہیں کھلا۔ معمول کی طرح آج پہلے ہارن پر چوکیدار گیٹ پر نمودار نہیں ہوا تھا۔ منصور نے وقفے وقفے سے کئی ہارن دیے مگر گیٹ بند ہی رہا۔ اس نے کچھ جھنجھلا کر ہارن پر ہاتھ رکھا اور بہت دیر تک ہاتھ نہیں ہٹایا۔ اس بار گیٹ کے دوسری طرف کچھ ہلچل پیدا ہوئی اور پھر بالآخر ایک [illegible] آدمی گیٹ کھول کر منصور کی طرف آیا۔ منصور اسے دیکھ کر چونک گیا وہ اس آدمی سے واقف نہیں تھا۔

ایک حصہ تھا۔ وہ بہت جلد دوبارہ اسی گھر میں داخل ہوگا۔ اسے یقین تھا کہ رخشی نے جو کچھ کہا تھا غصے میں کہا تھا۔ عارضی طور پر کیا تھا۔ مگر وہ منیزہ اور امبر کے برابر آ کر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ ان دونوں نے تو گناہ کیا تھا۔ حماقتیں اور بے وقوفیاں کی تھیں۔ زبان درازی اور گستاخی کی تھی۔ وہ اس سلوک کی مستحق تھیں مگر اس کے ساتھ...... یہ سب کچھ صرف ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے" اور جب یہ غلط فہمی دور ہوگی تو رخشی خود مجھ سے معذرت کرے گی۔"

منصور علی گاڑی سڑک پر لاتے ہوئے خود کو مسلسل فریب دینے میں مصروف تھا۔ گیٹ کے سامنے گیٹ کو بجانے والے وہ "دونوں سائے" ابھی بھی وہیں تھے۔ اس نے بے اختیار ان سے نظریں چرائیں۔ اسے نظر چرانے میں کمال حاصل تھا۔

☆☆☆

چوبیسواں باب

"تم مجھ سے شادی کرو گے؟"
نایاب نے اس طرح پوچھا جیسے کیفین جانے کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔
"ہر بات مذاق کے لیے نہیں ہوتی۔" عمر نے نایاب کے جملے سے پہنچنے والے ابتدائی شاک سے سنبھلتے ہوئے کہا۔ ایک لمحہ کو اسے یہی لگا تھا کہ ہمیشہ کی طرح نایاب اس وقت بھی ہنس رہی تھی۔
"میں جانتی ہوں مگر شادی کی بات مذاق میں کون کرتا ہے۔" نایاب اس وقت بالکل سنجیدہ نظر آ رہی تھی اور کم از کم میں تو مذاق میں ایسی بات کبھی نہیں کروں گی۔ کیا پہلے کبھی میں نے تم سے ایسا مذاق کیا؟" وہ اب براہ راست عمر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"نایاب اپنی گاڑی میں بیٹھو۔ لوگ ہمیں گھور رہے ہیں۔" عمر نے بات کا موضوع یک دم بدلتے ہوئے کہا۔
"تمہیں یہاں کوئی نہیں پہچانتا مگر میرے تو گھر تک سے واقف ہیں لوگ۔ تم گاڑی کا دروازہ کھولو۔" عمر نے نایاب سے کہا۔ "میں یہاں سے چلی جاؤں گی مگر اس سے پہلے تم اس سوال کا جواب دو جو میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔"
نایاب اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ وہ دونوں اس وقت گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کے پاس کھڑے تھے۔

"پہلے مجھے شک تھا کہ تمہارا دماغ خراب ہے مگر آج یہاں آنے اور اس طرح کے سوال کے بعد تو مجھے مکمل یقین ہو گیا ہے کہ تم واقعی پاگل ہو۔" عمر نے بے اختیار دانت پیس کر کہا۔ سڑک سے گزرنے والے لوگ اب باقاعدہ گردن موڑ موڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے اور کچھ شناسا لوگ ٹھٹک بھی رہے تھے۔
"اچھا!" نایاب دھیرے سے مسکرائی "حالانکہ مجھے پتا ہے کہ تمہیں کبھی میرے بارے میں کوئی شک نہیں رہا، تمہیں ہمیشہ ہی یہ یقین رہا ہے کہ میں پاگل ہوں اور ایسا ہی یقین میں تمہارے بارے میں رکھتی ہوں اسی لیے تو پرپوز کیا ہے میں نے تمہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔" نایاب یہ شعر سنا کر جیسے خود ہی محظوظ ہوئی۔
"میں ایسی فضول باتوں پر کوئی تبصرہ کرنا پسند نہیں کرتا۔" عمر نے اکھڑے ہوئے انداز میں کہا۔ "تم صبح کالج آنا وہاں میں تمہیں تمہارے اس بیہودہ سوال کا جواب دوں گا۔"
"اچھا... تمہیں یقین ہے تم واقعی کل صبح کالج آنے کے قابل ہو گے۔" نایاب نے جیسے اس کا مذاق اڑایا "مجھے تو لگ رہا ہے۔ آج رات تو تمہیں ہارٹ اٹیک ہو جائے گا مجھ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں سوچ سوچ کر۔"
"تم کیا واقعی گھر سے یہ طے کر کے آئی ہو کہ مجھے اپنے محلے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑو گی؟" عمر نے ایک بار پھر ناراضی سے دانت کچکچائے۔ "اسی لیے نہ کہی ہو تو میں نے کبھی تمہیں گاڑی تک چھوڑنے نہ آتا اور تم مجھے اسی ایک بات پر بلیک میل کر رہی ہو۔" عمر اس بار واقعی ناراض ہو گیا تھا۔ "تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے کہ آس پاس سے گزرنے والے لوگ تمہیں کس

فرق پڑتا ہے یا نہیں۔"
نایاب اس کی بات پر بے اختیار مسکرائی تھی۔۔۔۔ "ہم" اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی میری پروا کرتے ہو اور ان لوگوں کی نظروں سے جیلس ہو رہے ہو۔ اچھا لگا یہ، چلو پھر چلتی ہوں۔"
نایاب نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔
"ویسے میں نے سوچا تھا کہ آج تم سے جواب لے کر ہی جاؤں گی۔ مگر اب ترس آ رہا ہے مجھے تم پر۔ چلو ٹھیک ہے پھر صبح کالج میں ملنا مجھے۔۔۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔" وہ اب گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی کا دروازہ بند کر رہی تھی۔ عمر بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے گاڑی اسٹارٹ کرتے اور پھر وہاں سے نکال لے جانے میں صرف چند منٹ لگے تھے مگر عمر اگلے کئی منٹ وہیں کھڑا سڑک پر دور جاتی اس کی گاڑی کی ٹیل لائٹس کو دیکھتا رہا۔
"تم مجھ سے شادی کرو گے؟" اس کے کانوں میں نایاب کی آواز گونج رہی تھی۔

☆☆☆

اپنے گھر سے صالحہ کے گھر تک پہنچنے میں منصور کو عام طور پر آدھا گھنٹہ لگتا تھا مگر اس دن وہ پندرہ منٹ میں تقریباً اڑتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں یہی آیا تھا کہ وہ صالحہ سے اس سلسلے میں بات کرے۔
صالحہ، رشتی کے منصور کے گھر میں منتقل ہو جانے کے بعد اس گھر میں مقیم تھی جہاں رشتی منصور سے شادی ہو جانے کے بعد رہتی تھی۔ منصور اپنے گھر کے ساتھ ساتھ صالحہ کے گھر کے تمام اخراجات بھی اٹھا رہا تھا۔ اگرچہ اس کے لیے یہ کوئی پسندیدہ کام نہیں تھا مگر رشتی سے شادی کی قیمت کے طور پر اسے یہ بھی کرنا پڑ رہا تھا اور رشتی جیسی بیوی پا کر اسے کبھی یہ بوجھ نہیں لگا تھا۔
رشتی کے اس طرح کے رد عمل کے بعد فوری طور پر اس کے ذہن میں صالحہ کا خیال آیا تھا اور اسے یقین تھا کہ صالحہ اس مشکل میں اس کی مدد کرے گی اور رشتی کو سمجھائے گی۔ یقیناً وہ بھی ان تمام سہولیات سے محروم ہونا نہیں چاہے گی جو منصور اسے فراہم کر رہا تھا۔ اسے یہ سوچ کر کچھ اطمینان ہوا تھا مگر صالحہ کے گھر کے گیٹ پر ہی اس کا یہ اطمینان رخصت ہو گیا تھا۔ چوکیدار نے اسے گیٹ پر ہی بتا دیا کہ صالحہ صبح سے رشتی کے گھر پر ہے۔
"وہ کب واپس آئیں گی؟" منصور کے ہاتھوں کے طوطے ایک بار پھر اڑ گئے۔
"پتا نہیں۔۔۔ انہوں نے بتایا نہیں۔"
چوکیدار نے کھردرے لہجے میں کہا۔ اس کا انداز بھی آج پہلی بار بدلا ہوا تھا۔ پہلے جیسی گرم جوشی اور تابعداری یک دم کہیں غائب ہو گئی تھی۔
"وہ اپنا سامان ساتھ لے کر گئی ہیں۔ کہہ کر گئی تھیں کہ اب وہ کچھ دن رشتی بی بی کے گھر پر ہی رہیں گی۔"
چوکیدار نے مزید بتایا۔
"میں اندر آنا چاہتا ہوں، گیٹ کھول دو۔" منصور نے چوکیدار سے کہا۔ اس ساری صورت حال میں اس نے فوری طور پر یہی بہتر سمجھا تھا کہ وہ وہیں قیام کرے مگر اس کی بات پر چوکیدار یک دم جیسے تن کر اکڑ گیا تھا۔
"اندر کس لیے آنا چاہتے ہیں آپ؟" اس نے بالکل بدلے ہوئے انداز میں کہا۔ منصور نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ یہ اس کا رکھا ہوا چوکیدار تھا جو اب اسی سے سوال و جواب کر رہا تھا۔
"یہ میرا گھر ہے۔ اس لیے اندر آنا چاہتا ہوں اب کیا تم یہ پوچھا کرو گے مجھ سے؟" منصور نے کچھ بگڑ کر چوکیدار سے کہا۔
"یہ آپ کا نہیں رشتی اور صالحہ بی بی کا گھر ہے۔" چوکیدار نے اس بار پہلے سے بھی بلند آواز میں کہا۔
"اور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو اندر گھسنے نہ دوں۔ آپ پھر بھی میرا احسان مانیں کہ میں نے آپ سے اتنی سی بات کی ورنہ صالحہ بی بی تو کہہ کر گئی تھیں کہ میں آپ کے یہاں آنے پر گیٹ کھولوں نہ ہی آپ سے کسی قسم کی کوئی بات

کروں۔"

چوکیدار اب واپس پلٹ گیا تھا۔ منصور ساکت وہیں کھڑا رہا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس نے یہ گھر شادی کی خوشی میں رخشی کو تحفے کے طور پر دیا تھا۔ اس کے پیپرز وہ رخشی کے حوالے کر چکا تھا اور وہ یہ جانتا تھا کہ رخشی وہ پیپرز صالحہ کو دے چکی ہے مگر اسے کبھی اس پر بھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ صالحہ اس گھر میں رہائش اختیار کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکے گی مگر اسے کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ایک دن خود اسے اس گھر کے گیٹ پر یہ بتایا جائے گا کہ یہ اس کا گھر نہیں ہے اور وہ اس گھر پر کوئی حق نہیں رکھتا۔

چوکیدار گیٹ بند کر کے اب گیٹ کے دوسری طرف کھڑا تھا اور وہ منصور علی کو کڑی نظروں سے گھور رہا تھا جو اپنی گاڑی کے پاس گم صم کھڑا تھا۔ اس کا ذہن اب بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا وہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت ہوا تھا یا پھر یہ صرف رات والے واقعات کا نتیجہ تھا۔ وہ طے نہیں کر پا رہا تھا۔ مگر اب پہلی بار اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔

گاڑی کو دوبارہ سڑک پر لاتے ہوئے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسے رخشی اور صالحہ کے رویے پر حد غصہ آ رہا تھا مگر اس سے زیادہ غصہ اسے خود پر آ رہا تھا۔ آخر کیا ضرورت تھی اسے رات کو رخشی کے ساتھ اس طرح پیش آنے کی۔ وہ اس کے بجائے فریدہ کا مسئلہ اتنا شور مچائے بغیر بھی حل کر سکتا تھا۔ یا رخشی کو دوسرے طریقے سے بھی سمجھا سکتا تھا۔

وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے خود کو کوسنے میں مصروف تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرنے کے دوران اس نے وقتاً فوقتاً کئی بار رخشی کو اس کے موبائل اور گھر کے فون پر کال کرنے کی کوشش کی۔ اس بار موبائل آف نہیں ملا مگر اس کی کال ریسیو نہیں کی گئی۔

وہ رخشی کے غصے سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جب ناراض ہوتی تھی تو پھر بہت آسانی سے ختم نہیں ہوتی تھی مگر یہ اس حد تک پہنچ جائے گی اسے اندازہ نہیں تھا۔ وہ اب یہ سوچنے میں مصروف تھا کہ وہ اس وقت کس سے رابطہ کرے جو اسے اس مشکل صورت حال سے نکال سکے۔ رخشی اور اس کے بیچ مصالحت کا کام کون کر سکتا تھا۔

سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے ہوئے اس کے ذہن میں یک دم ہارون کمال کا نام آیا اور اس نے بے اختیار گاڑی روک لی۔ واقعی صرف ہارون کمال ہی اس وقت اس کے کام آ سکتا تھا۔ اس نے قدرے مسرور ہو کر سوچا۔ صرف وہی تھا جو رخشی پر اپنا اثر رکھتا تھا کہ نہ صرف اسے سمجھاتا بلکہ منصور علی کو اس مشکل صورت حال سے بھی نکال لیتا۔

اگلے کئی منٹ وہ گاڑی سڑک کے کنارے پارک کیے ہارون کمال کے موبائل پر کال کرتا رہا۔ موبائل آف تھا اور موبائل اسے اگلے تین گھنٹے آف ملا تھا اور اس تین گھنٹے میں منصور علی نے پورے شہر کی سڑکیں چھان ماری تھیں۔ وہ سڑکوں کے علاوہ یہ رات کہیں نہیں گزار سکتا تھا۔ وہ کسی رشتہ دار یا دوست کے گھر جا کر رخشی کے اس سلوک کے بارے میں نہیں بتا سکتا تھا۔ وہ کسی ہوٹل میں جا کر سکون سے رات کے باقی ماندہ گھنٹے بھی نہیں گزار سکتا تھا۔ یہ تصور کہ رخشی کا وہ بوائے فرینڈ اس وقت اس کے گھر پر موجود تھا اور خود رخشی کا شوہر اس وقت سڑکوں پر خوار ہوتا پھر رہا تھا اس کے لیے سوہان روح تھا۔

اسے اب ہارون کمال پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ آخر وہ اس وقت موبائل آف کیے کیوں بیٹھا تھا جب اسے اس کی ضرورت تھی۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ ہارون کمال کے گھر چلا جائے مگر اگلے ہی لمحے اس نے اس خیال کو اپنے دل سے جھٹک دیا۔ وہ شائستہ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اور تب ہی اسے ہارون کمال کے اس اپارٹمنٹ کا خیال آیا جہاں ہارون اکثر مختلف لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارا کرتا تھا۔ وہ اپنا موبائل اکثر تب ہی بند رکھتا تھا جب وہ اس طرح کسی لڑکی کے ساتھ ہوتا۔ منصور نے گاڑی اس کے اپارٹمنٹ کی طرف موڑ دی۔ اگرچہ رات کے اس وقت اس طرح اس اپارٹمنٹ پر جانا مناسب نہیں تھا مگر منصور اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔

وہ ہارون کے ساتھ چند ایک بار اس اپارٹمنٹ پر آ چکا تھا۔ جب ہارون نے اپنے کچھ خاص دوستوں کے لیے وہاں

کمرے کا بندوبست کیا تھا۔ منصور بھی ان خاص دوستوں میں شامل ہو گیا تھا۔ رُشنی کے ساتھ اس کی ابتدائی ملاقاتیں بھی اسی اپارٹمنٹ میں ہوا کرتی تھیں۔ ہارون کمال نے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے خود اس اپارٹمنٹ کو استعمال کرنے کی آفر کی۔ اور منصور علی نے ابتدا میں کچھ جھجکتے ہوئے مگر بعد میں خاصے دھڑلے سے اس اپارٹمنٹ کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔

رُشنی سے شادی کے بعد بھی ہارون جب بھی اس اپارٹمنٹ پر کسی طرح کی تفریح کا انتظام کرتا تو منصور اس میں شرکت کرتا تھا۔ اس لیے اپارٹمنٹ پر موجود ہارون کا خاص الخاص ملازم منصور سے اچھی طرح واقف تھا۔

بلڈنگ کی پارکنگ میں ہی گارڈ نے اسے بتا دیا تھا۔

"ہارون صاحب تو ابھی آدھا گھنٹہ ہوا یہاں سے گئے ہیں۔"

"کہاں گئے ہیں؟" وہ کچھ مایوس ہوا۔

"پتا نہیں صاحب!" گارڈ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ منصور قدرے مایوس ہوا اور دوبارہ گاڑی کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔ ہارون اسے وہاں نہیں ملا تھا۔ مگر کم از کم وہ رات وہاں آرام سے کسی قسم کے سوال جواب کا سامنا کیے بغیر گزار سکتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ہارون کے اپارٹمنٹ پر اپنی مرضی کی شراب سے بھی استفادہ کر سکتا تھا۔ اگرچہ منصور کوئی عادی شراب نوش نہیں تھا مگر ہارون اور رُشنی کی کمپنی میں اس نے وقتاً فوقتاً الکحل کا استعمال شروع کر دیا تھا اور اس پریشانی میں بھی اسے اس وقت جس چیز کی شدت سے طلب ہو رہی تھی وہ شراب ہی تھی۔ ہارون کے ملازم نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولتے ہی سلام کر کے اسے اندر آنے کا راستہ دیا مگر اس کی آنکھوں میں منصور کو وہاں اکیلا آتے دیکھ کر کچھ حیرت ضرور جھلکی تھی۔

"ہارون کے دوبارہ یہاں آنے کا کچھ پتا ہے؟" منصور نے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں صاحب آج رات تو دوبارہ نہیں آئیں گے" ملازم نے بتایا۔

"کسی لڑکی کے ساتھ آیا تھا؟" منصور نے اسے بیئر لانے کا کہتے ہوئے پتا نہیں کس خیال کے تحت پوچھا۔

"جی... لڑکی کے ساتھ آئے تھے مگر وہ لڑکی کچھ دیر کے بعد چلی گئی... صاحب یہاں سے اپنا بیگ لے کر گئے ہیں۔" ملازم نے فریج سے اسے بیئر لا کر دیتے ہوئے کہا۔

"بیگ؟... کس لیے؟" منصور بے اختیار چونکا۔ "کس لڑکی کے ساتھ آیا تھا اپنی سیکرٹری کے ساتھ؟" منصور کو یک دم خدشہ ہوا کہ کہیں ہارون کمال اپنی سیکرٹری کے ساتھ کہیں چلا نہ گیا ہو۔

"نہیں ان کی سیکرٹری نہیں تھی۔" ملازم نے کہا۔ "میں نے اس لڑکی کو پہلی بار دیکھا تھا۔"

"کہیں فلائٹ تو نہیں تھی اس کی؟" منصور نے بیئر کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔ بیگ کے ذکر نے اسے یک دم پریشان کر دیا تھا۔ اس فلیٹ میں بیگ کا کیا کام تھا۔

"پتہ نہیں۔ صاحب نے بتایا تو نہیں... رات بھر کے لیے کسی دوسرے شہر جا رہے ہوں تو مجھے پتہ نہیں۔" ملازم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مگر کہہ رہے تھے کہ کل دوبارہ فلیٹ پر آئیں گے۔ مجھ سے تو یہ بھی کہا تھا انہوں نے کہ میں ان کی عدم موجودگی میں کسی کو اس فلیٹ پر نہ آنے دوں۔" ملازم نے منصور کو بتایا۔ اس کا لہجہ اس بار دھیما تھا۔

"مگر میں آپ کو روک نہیں سکا۔ کیونکہ صاحب نے آپ کا نام نہیں لیا تھا۔ شکیل اور فاروق صاحب کے بارے میں تاکید کر رہے تھے۔"

منصور بیئر کے گھونٹ لیتے ہوئے کسی دلچسپی کے بغیر ملازم کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا ذہن اس وقت کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ "آپ کا نام نہیں لیا انہوں نے اس لیے میں نے آپ کو آنے دیا۔ اپنا بیڈروم بھی لاک کر کے گئے ہیں۔" "صاحب! آپ رات ٹھہریں گے یہاں؟" ملازم نے بات کرتے کرتے یک دم منصور کی عدم دلچسپی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں دوسرا بیڈروم میرے لیے کھول دو... میں تو پہلے بھی ہارون کا بیڈروم استعمال نہیں کرتا تھا۔" منصور نے کہتے ہوئے

اور ایک بار پھر ہارون کے موبائل پر کال کرنے لگا مگر اب اسے یہ اطمینان تھا کہ ہارون کہیں نہیں جا رہا تھا۔ وہ آج رات اس سے نہ بھی مل پاتا تو اگلی صبح تو اس سے ملاقات یقینی تھی۔

موبائل اس بار بھی آف تھا۔ وہ بے اختیار جھنجھلایا آخر وہ موبائل کو اس طرح آف کیوں رکھے ہوئے تھا۔ بیڈ روم کو وہ چند گھنٹوں میں خالی کر چکا تھا۔ ملازم اب اس کے لیے کمرہ تیار کر رہا تھا۔ منصور فریج سے بیئر کا ایک اور کین نکال کر دوسرے بیڈ روم میں چلا آیا۔

”آپ کو صبح کتنے بجے جگاؤں؟“ ملازم نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے منصور سے پوچھا۔

”اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود جاگ جاؤں گا۔“ منصور نے کہا۔ ملازم دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

یک دم منصور کے دل میں نہانے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ ڈریسنگ روم میں وارڈ روب میں لٹکے چند طولیوں میں سے ایک نکال کر وہ باتھ روم میں چلا آیا۔ باتھ روم کی لائٹ آن کرتے ہی وہ چونکا تھا۔ اس اپارٹمنٹ کا یہ باتھ روم مشترکہ تھا اور اس وقت اس باتھ روم میں نیلے رنگ کا ایک خوب صورت زنانہ کرتہ اور شلوار ٹنگا ہوا تھا۔ باتھ روم میں کوئی بہت ہی مانوس زنانہ پرفیوم کی مہک محسوس کی جا سکتی تھی۔ یقیناً پرفیوم کی مہک کی وہ لپٹیں اسی لباس سے اٹھ رہی تھیں۔ منصور نے جگہ نہ پا کر اپنا طولیہ کمبل ہول اسٹینڈ پر لٹکا دیا تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کر اس پرفیوم کو شناخت کرنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ وہ وقتی طور اس وقت رمشہ اور اس کے بوائے فرینڈ میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس پرفیوم کو بھی شناخت نہیں کر سکا جو امبر دن رات استعمال کیا کرتی تھی اور جسے وہ خود بیرون ملک سے بار بار لا کر امبر کو دیتا رہا تھا۔

اس نے سر سے اس پرفیوم کو جھٹکا اور واش بیسن کی طرف بڑھ آیا۔ وہ ایک بار پھر چونکا تھا۔ واش بیسن کے قریب سلیب پر کاسمیٹکس کی چند چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ اس کی نظریں لپ اسٹک پر ٹک گئیں۔ اسے استعمال کرنے والی نے استعمال کرنے کے بعد اس کا ڈھکن لگانا تو دور کی بات اسے بند کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ یک ٹک اس لپ اسٹک کو دیکھتا رہا اس بار ایک دھکے کے ساتھ اسے امبر یاد آئی تھی۔ اس نے لپ اسٹک ہاتھ میں اٹھائی۔ یہ امبر کی خاص عادت تھی۔ منصور کئی بار اپنی گاڑی اور اس کے بیڈ روم میں اسے لپ اسٹک کو اس طرح استعمال کے بعد چھوڑ جانے پر ٹوک چکا تھا۔ مگر امبر نے کبھی اپنی عادت نہیں چھوڑی۔

منصور نے لپ اسٹک اٹھا کر بند کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس وقت بھی اس نے لاشعوری طور پر یہی کیا تھا۔ وہ اسے بہت غلط وقت پر اور غلط جگہ پر یاد آئی تھی اس نے کسی خلش کے تحت بے اختیار ہوتے ہوئے لپ اسٹک کو دوبارہ دوسرے کاسمیٹکس کے پاس رکھ دیا۔ وہ اب واش بیسن کا نل کھولتے ہوئے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔

امبر اسے واقعی بہت غلط جگہ پر اور غلط وقت پر یاد آئی تھی۔

☆☆☆

”آپ کے سامنے اس نے کہا تھا کہ وہ مجھے تنگ کرنے کے لیے یہاں آئی ہے۔ نہ تو میں نے اسے ایڈریس دیا تھا اور نہ ہی اسے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔“

ثمر گھر آنے کے بعد اب فاطمہ اور شہیر کو صفائیاں دینے میں مصروف تھا۔

”اور امی! آپ کو اس کے آنے پر اعتراض تھا تو آپ اس کے سامنے کہہ دیتیں۔“ ثمر نے فاطمہ سے گلہ کیا۔

”اس کے سامنے تو آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ کو اس کے یہاں آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ آپ خوش ہوئی ہیں۔“ وہ جیسے اسے یاد دلا رہا تھا۔

”تو میں کیا کہتی اس سے کہ ہمیں اس کا آنا بہت برا لگا ہے اور اسے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔“ فاطمہ ناراضی سے بولی۔

"ہاں کہہ دیتیں اس سے کم از کم میں تو اس بے عزتی سے بچ جاتا۔" ثمر جھنجلا کر بولا۔
"میرے بجائے اس کی بے عزتی کرتیں تو وہ دوبارہ بھی یہاں نہ آتی اور اسے بھی پتا چلتا کہ ہم کس طرح کے لوگ ہیں۔"
"کس طرح کے لوگ ہیں ہم؟" فاطمہ اس کی بات پر بگڑی۔ "تم کیا بتانا چاہ رہے ہو مجھے؟"
"میں کچھ بتانا نہیں چاہ رہا۔ میں نے اسے منع کر دیا ہے، آئندہ وہ یہاں نہیں آئے گی۔" ثمر نے جیسے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ مگر اس وقت وہ ان دونوں کی گفتگو پر واقعی چڑ رہا تھا۔
"پھر اس کے رویے سے مجھے تو ایسا نہیں لگا کہ وہ دوبارہ یہاں نہیں آئے گی۔" شہیر کے ماتھے کے بل اب بھی کم نہ ہوئے تھے۔
"بلکہ وہ تو جتنی خوشی کے ساتھ یہاں آئی تھی اس سے زیادہ خوشی کے ساتھ یہاں سے رخصت ہوئی ہے۔ اور دوبارہ جلد آنے کا وعدہ بھی کر گئی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ دوبارہ یہاں نہیں آئے گی۔"
"میں کہتی ہوں آخر اس سے اتنی بے تکلفی پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی کہ وہ اس طرح اس حلیے میں یہاں چلی آئی۔" فاطمہ نے کہا۔
"امی! وہ خاص طور پر حلیہ بنا کر یہاں نہیں آئی۔ وہ اسی طرح کے کپڑے پہنتی ہے۔" ثمر نے اس کی صفائی دی۔
"پہنتی ہے تو پہنے مگر کسی کے گھر جاتے ہوئے تو ڈھنگ کے کپڑے پہن لے۔"
"آپ کا مطلب ہے کہ وہ شلوار قمیص میں یہاں آتی تو آپ دروازے پر ہار پھول لے کر اس کا استقبال کرتیں اور اس کی رخصتی کے بعد میری اس طرح کی عزت افزائی نہ ہوتی؟" ثمر نے جیسے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔
فاطمہ فوری طور پر ثمر کی بات کا جواب نہیں دے سکیں۔ اس وقت علی نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔
"امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کم از کم اسے اس علاقے میں آتے ہوئے اپنے لباس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔" ثمر نے کاٹ کھانے والی نظروں سے علی کو دیکھا۔ کم از کم وہ اس سے اس وقت اس طرح کی بات کی توقع نہیں کر رہا تھا۔
"اچھا تو پھر تم کوئی برقع یا چادر نکال کر اسے زبردستی پہنا دیتیں۔"
"میں کیوں پہناتی میری کیا لگتی ہے وہ؟" علی نے کچھ جھنجلائی ہوئی نظروں سے ثمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"سوال اس کے لباس کا نہیں ہے۔ سوال اس کی اور تمہاری کلاس کا ہے۔" شہیر نے کہا تو ثمر نے شہیر کو دیکھا جو بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔
"بہت سی باتیں ہیں جنہیں تم مکمل طور پر نظر انداز کیے بیٹھے ہو۔"
"جیسے؟"
"مثلاً یہ کہ وہ شائستہ اور ہارون کمال کی بیٹی ہے اور میں ان دونوں کو میاں بیوی کو اچھا نہیں سمجھتا۔" شہیر نے کہا۔
"شائستہ کے بارے میں میں خود تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ اب ضروری نہیں ہے کہ ہر بات تمہیں بتاؤں۔ تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ اس آدمی کی ریپوٹیشن اچھی نہیں ہے نہ اس کی نہ اس کی بیوی کی۔"
"شہیر بھائی! آپ اس طرح گھر بیٹھے یوں لوگوں پر الزام تراشی نہیں کر سکتے۔" ثمر اس کی بات پر معترض ہوا۔
"نایاب کی ممی نے آپ سے جو بات کی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ واقعی سچ ہو۔ واقعی آپ کو اپنا بیٹا سمجھتے ہوئے آپ کو فیور دے رہی ہوں۔ اس بات پر آپ اس طرح ان پر تہمت نہیں لگا سکتے۔" شہیر کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ زندگی میں پہلی بار اس سے اختلاف کر رہا تھا۔
"اور جہاں تک نایاب کے ڈیڈ کا تعلق ہے تو میں نے ان کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی۔ آپ نے ان کے بارے میں کس سے سنا ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ شہیر سمیت فاطمہ اور علی دونوں نے نوٹ کیا کہ وہ شائستہ اور ہارون کمال کا نام لینے کے

بجائے انہیں نایاب کے حوالے سے مخاطب کر رہا تھا۔

"تم ساتھ والے گھر میں رہنے والی فیملی سے ان کے بارے میں پوچھو۔ یہ لوگ ہارون کمال کے فیملی فرینڈز میں سے ہیں اور یہ لوگ ہارون کمال کو اچھا آدمی نہیں سمجھتے۔" شبیر نے اس بار بھی صبغہ کا نام نہیں لیا مگر اس نے جیزہ کی فیملی کا حوالہ ضرور ہی سمجھا تھا۔ ثمر نے اس بات پر کچھ نہیں کہا۔ وہ الجھی ہوئی نظروں سے شبیر کو دیکھتا رہا۔

"ہارون کی وجہ سے ان کے گھر میں بہت سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔" شبیر نے کچھ دیر خاموش رہ کر سوچنے کے بعد جیسے کچھ طے کرتے ہوئے ثمر کو مزید تفصیلات بتانے کا فیصلہ کیا۔

"ہارون ان کی بڑی بیٹی امبر کے ساتھ انوالو ہے۔ میں نے خود اسے یہاں ان کے گھر آتے دیکھا ہے۔" ثمر نے اس بار شبیر کی بات کاٹ دی۔

"شبیر بھائی! اگر ایسا کوئی معاملہ ہے بھی تو اس سے نایاب کا کیا تعلق ہے۔ اپنے ماں باپ کا اچھا یا برا کردار اس کی ذمہ داری تو نہیں ہے۔"

شبیر ایک لمحے کے لیے کچھ نہیں بول سکا۔ وہ اب بھی یہ یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ ثمر اس کی بات سننے کے بعد بھی نایاب کی حمایت کرے گا۔

"ٹھیک ہے۔ تم اس معاملے کو رہنے دو۔" شبیر نے یک دم بات بدل دی۔ "صرف اپنی اور نایاب کی کلاس دیکھو ہم لوگ اس طرح کی دوستیاں افورڈ نہیں کر سکتے۔ میں اسی لیے تمہیں ماڈلنگ سے منع کر رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ایک بار شوبز میں آنے کے بعد ہمیں تمہاری وجہ سے اسی طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔" اس سے پہلے کہ شبیر کچھ اور کہتا ثمر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ تینوں ہکا بکا ہو کر ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔ ثمر کا رویہ بے حد عجیب تھا۔ وہ صرف کمرے سے نہیں بلکہ گھر سے بھی نکل گیا تھا۔ اس نے گھر سے جاتے ہوئے دروازہ بڑے زور سے بند کیا تھا۔

"یہ ثمر کو کیا ہوا؟" کمرے میں موجود خاموشی کو سب سے پہلے فاطمہ نے توڑا تھا۔ اس کی آواز میں تشویش تھی۔

"پہلے تو کبھی اس نے اس طرح نہیں کیا۔ میں دیکھتا ہوں اسے" شبیر نے اٹھ کر اس کے پیچھے جاتے ہوئے کہا۔

اس کے کمرے سے نکلتے ہی عالی نے فاطمہ سے کہا۔

"امی! آپ کو نایاب کے بارے میں اس سے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔ نہ اس کے بارے میں نہ اس کے والدین کے بارے میں۔" فاطمہ نے حیرانی سے عالی کا چہرہ دیکھا۔

"میں نے کیا کہا؟ سب کچھ تو شبیر نے کہا۔"

"شبیر بھائی کو بھی نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

"کیوں؟ یہ اس کا فرض ہے کہ وہ اگر کوئی غلط بات دیکھتا ہے تو ثمر کو اس سے روکے۔"

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر۔" عالی کچھ کہتے کہتے جھجکی۔

"مگر کیا؟" فاطمہ نے کچھ الجھتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین تو نہیں ہے مگر" عالی نے دوبارہ بات شروع کی۔ "میرا خیال ہے کہ ثمر نایاب کو پسند کرتا ہے۔" فاطمہ اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی۔

"پسند کرتا ہے؟" اس نے بے اختیار کہا۔

عالی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ فاطمہ کو یقین نہیں آیا کیا اس کے بچے اتنے بڑے ہو گئے تھے کہ زندگی کے ان رشتوں سے آشنا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ "نہیں ابھی کہاں؟..... ابھی تو وہ بچے ہیں۔" فاطمہ نے بے اختیار سوچا۔ ہر ماں کی

لڑکی کی تصویر دیکھی۔ ہاں واقعی اس کا بیٹا اب بڑا ہو چکا تھا۔ اس نے اعتراف کیا۔
"عمر اتنا بڑا ہو کہ کسی لڑکی کو پسند کرنے لگے۔ ناممکن۔" اس کے دل نے پھر انکار کیا اور پھر اس کی نظر دیوار پر لگی شہیر کی تصویر پر گئی۔ "میرے پاس شہیر بھی تو بڑا ہو چکا ہے۔" اسے ایک اور جھٹکا لگا "اور یہ سب کس وقت کس دن ہوا؟ اس نے یہ سب کیسے اتنا وقت لگ گیا۔" اسے یقین نہیں آیا۔ "ابھی کل ہی کی تو بات تھی کہ میں نے ان تینوں کو" وہ سوچتے سوچتے تھمی اور سامنے بیٹھی جانی کو دیکھنے لگی۔

"میرے خدا..... یہ جانی بھی تو بڑی ہو گئی ہے اور مجھے..... مجھے پتہ ہی نہیں چلا تو کیا میں بوڑھی ہو گئی ہوں؟ اور اب ان بچوں کی اگلی نسل دیکھنے والی ہوں۔ ایک اور نیا رشتہ، نیا تعلق۔" اسے خوشی کا ایک عجیب سا احساس ہوا تو سارا مشکل وقت پلک جھپکتے گزر گیا۔ میرے بچے جوان ہو چکے ہیں۔ اس قابل کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں، نئے رشتے بنا سکیں۔" فاطمہ کا ذہن ہر شے سے ہٹ گیا تھا۔

جانی نے فاطمہ کے چہرے پر نمودار ہونے والی مسکراہٹ کو حیرانی سے دیکھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اس انکشاف پر فاطمہ اس طرح مسکرائے گی۔ "یعنی عمر اس دفعہ بھی بچ جائے گا۔" اس نے کچھ مایوس ہوتے ہوئے فاطمہ کو ایک بار پھر دیکھا۔ فاطمہ اب بھی اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

جانی اٹھ کر اپنا سامان پیک کرنے لگی۔ اسے اگلی شام کو کراچی جانا تھا۔ فاطمہ اپنی جگہ بیٹھے شاید اپنے سالوں میں پہلی بار جانی کے خدوخال اور اس کے دراز قد کو دیکھ رہی تھی۔ ان تینوں میں سے کسی کو بھی تو اب اس کی انگلی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ فاطمہ نے اعتراف کیا۔ وہ تینوں اپنی ابتدائی پرواز کا آغاز کر چکے تھے۔

☆☆☆

شائستہ اگلے دن ساڑھے بارہ بجے کے قریب جب اٹھی تو ہارون گھر پر نہیں تھا۔ وہ ناشتہ کرنے کے لیے ٹیبل پر آئی تو ملازم نے اسے ناشتہ سرو کرتے ہوئے بتایا۔

"صاحب دو ہفتے کے لیے دوبئی گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ آپ کو بتا دوں۔" شائستہ ملازم کی اطلاع پر چونک گئی۔ ہارون کبھی اس طرح اچانک بیرون ملک نہیں جایا کرتا تھا اور پھر اسے بتائے بغیر۔

"کب گئے؟" شائستہ نے پوچھا۔

"نو بجے۔" ملازم نے جواب دیا۔

"میرا موبائل لاؤ۔" اس نے کچھ الجھے ہوئے انداز میں جوس کا گلاس پیتے ہوئے کہا

"جی اچھا۔" ملازم کہتے ہوئے اندر چلا گیا۔ شائستہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بچے کے موضوع سے بچنے کے لیے یہاں سے غائب ہو گیا تھا۔

"اس کا کیا خیال ہے کہ چودہ دن گھر سے غائب رہنے کے بعد میں اس ایشو کو بھول جاؤں گی۔" شائستہ نے برہمی سے سوچا۔ "کبھی نہیں۔"

ملازم نے پیچھے ہی اسے موبائل لا کر دیا۔ شائستہ نے فوراً ہارون کا نمبر ڈائل کیا۔ اسے ڈر تھا کہ موبائل آف ہو گا۔ مگر موبائل آف نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہارون نے فون ریسیو کر لیا تھا۔

"تم مجھے بتائے بغیر دوبئی کیسے چلے گئے؟" شائستہ نے اس کی آواز سنتے ہی کسی سلام دعا کے بغیر پوچھا۔

"تم سو رہی تھیں۔ میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" ہارون رات کے برعکس اب پرسکون تھا۔

"تم رات کو مجھے بتا سکتے تھے۔"

"میں بتانا چاہتا تھا مگر تم نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔"

"پروگرام تھا۔ صرف تمہیں نہیں بتایا تھا۔ وہ چار دن سے تمہاری اور میری ملاقات بھی تو بڑی مختصر ہو رہی تھی۔" ہارون بڑے اطمینان سے وضاحت کر رہا تھا۔

"کام کیا ہے وہاں تمہیں؟" شائستہ اس کے اطمینان سے کچھ الجھ کر بولی۔

"کوئی ایک کام نہیں ہے --- دو تین کام ہیں۔" ہارون کہہ رہا تھا۔

"مثلاً کون سے؟"

"ایک کلائنٹ سے ملاقات کرنا ہے investment opportunities کو دیکھنا ہے۔"

"چند دن بہت زیادہ نہیں ہیں ان دو کاموں کے لیے؟" شائستہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں کچھ تھک بھی گیا ہوں چند دنوں کا بریک چاہتا تھا۔" اس بار ہارون کا لہجہ مدافعانہ تھا۔

"اور بریک چاہنے کے لیے تم اکیلے دوبئی میں بیٹھے ہو۔" شائستہ نے طنز کیا۔ "تمہیں اپنی فیملی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

"میں تمہیں ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر تمہارا موڈ رات کو بہت خراب تھا۔ اسی لیے میں اس بارے میں بات نہیں کر سکا۔" ہارون نے کہا۔

"رات کو میرا موڈ خراب تھا یا تمہارا؟" شائستہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میں اس پر اب دوبارہ تم سے بحث نہیں کر سکتا۔"

"میں بھی تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی لیکن تم ایک بات یاد رکھو۔" شائستہ نے یک دم اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے شہیر کے بارے میں تم سے آج بھی بات کرنا ہے۔ کل بھی پرسوں بھی۔ اگر تم اس موضوع سے بھاگ کر دوبئی گئے ہو تو بے کار ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا۔"

"میں تم سے یا اس سے خوفزدہ نہیں ہوں کہ صرف اس ایشو پر بات کرنے سے بچنے کے لیے پاکستان سے بھاگ آؤں گا۔ تم اپنی یہ غلط فہمی دور کر لو۔" ہارون نے خشک لہجے میں کہا۔

"جہاں تک شہیر کے بارے میں بات کرنے کا تعلق ہے تم جتنی بھی چاہو بات کر سکتی ہو اور جتنی بار چاہو کر لو مگر میں تمہاری خواہش پر یہ پھندا اپنے گلے میں نہیں ڈال سکتا۔"

اس سے پہلے کہ شائستہ کچھ اور کہتی دوسری طرف سے ہارون نے فون بند کر دیا۔ شائستہ نے جھنجھلا کر اپنا موبائل نیچے رکھا۔ اسے ہارون پر ایک بار پھر غصہ آنے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جھنجھلاہٹ دوبارہ شروع کرے اس کے موبائل پر کال آنے لگی تھی۔ شائستہ نے موبائل اٹھا کر حیرانی سے اس پر آنے والے نمبر کو دیکھا۔ وہ منصور کا نمبر تھا۔ اس کے اور منصور کے درمیان شاذ و نادر ہی کبھی فون پر بات ہوتی تھی اور اب اچانک اس کی کال ریسیو کرتے ہوئے وہ حیران ہو رہی تھی۔

رسمی سلام دعا کے فوراً بعد منصور نے کہا تھا۔

"بھابھی میں کل رات سے ہارون سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر کل ساری رات اس کا موبائل آف رہا اور آج صبح سے اس کا موبائل تو آف نہیں ہے مگر وہ میری کال ریسیو نہیں کر رہا۔"

"ہارون اصل میں اس وقت دوبئی میں ہے۔"

"دوبئی میں؟" منصور کو جیسے شاک لگا۔ "کل تک تو وہ یہاں تھا۔"

"ہاں کل وہ یہیں تھا مگر آج اچانک اسے دوبئی جانا پڑا ہے۔"

"وہ وہاں سے کب آئے گا؟" منصور نے پوچھا۔

"دو ہفتے تک۔"

"دو ہفتے تک۔"

"دو ہفتے؟" منصور نے بے اختیار کہا۔ "مجھے اس سے بہت ضروری کام تھا۔ میں دو ہفتے تک اس کا انتظار کیسے کر سکتا ہوں۔"

"آپ مجھے کہیں تو ہو سکتا ہے میں آپ کی مدد کر سکوں؟" شائستہ نے کہا۔

"نہیں شکریہ بھابھی! اگر مجھے ہارون سے ہی بات کرنا تھی۔"

"اگر آپ کچھ دیر پہلے فون کر لیتے تو میں ہارون کو آپ کے بارے میں بتا دیتی۔ وہ کچھ دیر پہلے مجھ سے فون پر بات کر رہا تھا۔"

"بھابھی! آپ اسے فون کر کے بتائیں کہ وہ فوری طور پر مجھ سے رابطہ کرے۔ مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ وہ میرا فون کیوں ریسیو نہیں کر رہا۔" منصور نے مضطرب انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس سے فون پر کہہ دیتی ہوں آپ اپنا موبائل آن رکھیں۔ وہ آپ سے خود رابطہ کرے گا۔"

شائستہ کال ختم کرتے ہی ہارون کو کال کرنے لگی مگر کال نہیں ملی۔ ہارون کا موبائل اس بار آف تھا۔ اس نے یقیناً شائستہ سے بات کرنے کے بعد دوبارہ کال کے ڈر سے موبائل آف کر دیا تھا۔ شائستہ نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی کہ ہارون منصور سے کیوں بچ رہا تھا۔

☆☆☆

"تمہیں آخر ضرورت کیا تھی اس طرح ہمارے گھر آنے کی؟" ثمر اگلے دن کالج میں نایاب کو دیکھتے ہی اس پر برس پڑا تھا۔

"میں تمہیں بتا چکا تھا کہ ہمارے گھروں میں لڑکیاں دوست نہیں بنائی جاتیں اور نہ ہی انہیں گھر پر بلایا جاتا ہے۔" وہ رات کو اگرچہ فاطمہ کے سامنے نایاب کی حمایت کرتا رہا تھا مگر اس وقت وہ نایاب پر برس رہا تھا۔ "اور اوپر سے تم اس بے ہودہ حلیے میں میرے گھر میں آ گئیں۔" ثمر نے انگلی سے اس کے لباس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ابھی بھی ایک جینز اور سلیولیس شرٹ میں ملبوس تھی۔

"تمہیں یہ خیال تک نہیں آیا کہ تمہارے وہاں آنے سے لوگوں کو میرے اور میری فیملی کے بارے میں بات کرنے کا موقع ملے گا۔"

نایاب خلاف توقع خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح ثمر کی بات کاٹنے کی کوشش کی نہ ہی بات کو مذاق میں اڑانے کی۔ اس کی خاموشی ثمر کو کھلی تھی مگر اس وقت وہ غصے کے اس موڈ میں نہیں تھا کہ اس سے اس کی اس غیر متوقع خاموشی کے بارے میں پوچھتا۔

"میں اگر اب تک تمہیں اپنے گھر نہیں لے گیا تھا تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہی تھی۔ اور تم کولمبس کی طرح میرا گھر دریافت کرنے نکل پڑیں۔" وہ مسلسل بول رہا تھا اور نایاب ہاتھ پر ہاتھ رکھے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"اور پھر تم جاتے جاتے سڑک پر کھڑے ہو کر مجھ سے بے ہودہ مذاق کرنے لگیں۔"

"وہ بے ہودہ مذاق نہیں تھا۔" نایاب کی خاموشی یک دم ٹوٹ گئی تھی۔ "میں نے تمہیں پرپوز کیا تھا اور مجھے کم از کم اس حوالے سے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔"

ثمر کو اس کی بات پر اور غصہ آیا۔

"پرپوز؟ ہمارے درمیان اس حوالے سے آج تک کبھی بات نہیں ہوئی اور تم...."

نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہاں کل تک بات نہیں ہوئی تھی مگر آج ہو رہی ہے اور کبھی نہ کبھی ہونی ہی تھی۔ ہر تعلق کا کوئی نتیجہ ہی ہوتا ہے۔" ثمر نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ یہ بات کہتے ہوئے بے حد سنجیدہ تھی۔

"تمہیں احساس ہے کہ تم کس طرح کی باتیں کر رہی ہو؟"
"تمہیں کیوں لگ رہا ہے کہ میں سوچے سمجھے بغیر یہ سب کچھ کہہ رہی ہوں؟" نایاب نے جواباً سوال کیا۔
"نایاب! مجھے اگلے دس سال شادی نہیں کرنی۔"
"تو یوں کہو نا کہ میں انکار کروں۔" نایاب نے یک دم بے حد چبھتے انداز میں کہا۔
"کم از کم یہ کون کہہ رہا ہے کہ تم انکار کرو۔ میں تم سے صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے ابھی کئی سال شادی نہیں کرنی اور بالفرض کرنا بھی پڑی تو وہ تم سے نہیں کروں گا۔"
"کیوں؟" نایاب کے چہرے سے مسکراہٹ دوبارہ غائب ہو گئی۔
"نایاب! دوستی کی بات اور ہے مگر میری اور تمہاری کلاس کے درمیان رشتہ داری نہیں ہو سکتی۔" عمر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔
"میں اگر سو سال بھی دن رات پیسہ کماتا رہوں، تب بھی تمہاری فیملی کے برابر نہیں آ سکتا۔"
"میں شادی کی بات کر رہی ہوں تم پیسے کی بات کہاں سے لے آئے ہو؟"
"شادی میں پیسہ آ ہی جاتا ہے۔"
"اگر انسان کی ذہنیت گھٹیا ہو.... میری ذہنیت ایسی نہیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہاری ذہنیت بھی ایسی نہیں ہے۔" نایاب نے کہا۔
"یہ کتابی جملے ہے اور کتابی جملے کتابوں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔ اصلی زندگی میں حقیقتوں سے نظر چرانے والا بے وقوف ہوتا ہے، اور میں کم از کم بے وقوف نہیں ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا۔
"ماڈلنگ، نایاب کمال کا شوق ہے مگر میرے لیے یہ آمدنی کا ذریعہ ہے۔ ایسی آمدنی جو مجھے زندگی کی آسائشیں فراہم نہیں کرتی صرف زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔" نایاب نے اس کو کبھی اس طرح کی باتیں کرتے نہیں سنا تھا۔
"تمہارے گھر والوں کو تمہارے اس پروپوزل کا پتہ چلا تو وہ تم سے تو بعد میں بات کریں گے میرا جینا پہلے حرام کریں گے اور میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا۔ بہتر ہے اپنے اس تعلق کو ہم دوستی تک ہی رکھیں اور وہ بھی ایسی دوستی جو کالج کی حدود تک ہی محدود ہے۔"
"کچھ اور کہنا ہے تمہیں؟" نایاب نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔
"بہت کچھ کہنا ہے.... مگر صرف آج ہی نہیں وقتاً فوقتاً کہتا رہوں گا تم سے۔"
"اس کا مطلب ہے اب کچھ کہنے کی باری میری ہے۔" نایاب نے کہا۔
"میری ممی کو جس سے پہلی نظر میں محبت ہوئی تھی، انہوں نے اسی سے شادی کر لی تھی۔" وہ عجیب سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ "میں پاپا کی بات کر رہی ہوں اور پاپا نے بھی یہی کیا تھا۔ میں بھی یہی کروں گی۔ میں جانتی ہوں، تم میرا اتفاق از لاؤ گے مگر مجھے پہلی نظر میں تم سے محبت ہو گئی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اسی لڑکے کو میرا شوہر ہونا چاہیے۔"
"تم یا تو ناول زیادہ پڑھتی ہو یا پھر فلمیں زیادہ دیکھتی ہو۔" عمر نے کچھ جھنجھلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔
"ہاں ناول میں دونوں ہی کام کرتی ہوں پھر اس کا کیا یہ مطلب ہوگا کہ میں محبت کرنے کے قابل نہیں رہی؟" نایاب نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔
"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں بیٹھے بٹھائے ہو کیا گیا ہے نایاب!" عمر نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ "تم نے پہلے تو کبھی اس طرح کی باتیں نہیں کیں۔"
"میں آئندہ بھی اس طرح کی باتیں نہیں کروں گی، صرف ایک بار میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتی تھی کہ تم مجھ میں اور یہاں پڑھنے والی دوسری لڑکیوں میں کچھ فرق رکھو۔" نایاب مستحکم آواز میں بولی۔

"مجھے وہ لڑکیاں کبھی اچھی نہیں لگتیں جو اپنی زندگی سے متعلق اتنے بڑے فیصلے اپنے ماں باپ کو بتائے بغیر خود کر لیتی ہیں۔"

ثمر اسے شرمندہ کرنا چاہتا تھا مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس نے نایاب سے یہ کہہ کر ایک پنڈورا باکس کھول لیا تھا۔ نایاب اس کی بات پر مسکرائی پھر اس نے کہا۔

"تم نے اچھا کیا مجھے یہ یاد دلا دیا کہ مجھے اس سلسلے میں اپنے ماں باپ سے بات کرنی ہے اور یقین رکھو میں تمہارے ساتھ کبھی بھی بھاگ کر شادی نہیں کروں گی۔ تم سے میری شادی میرے والدین کی مرضی سے ہی ہوگی تم بارات لے کر انہیں کے گھر آؤ گے۔"

"وہ اس صورت میں ہوگی اگر اس سے پہلے میرا جنازہ نہ اٹھ گیا۔"

"اتنا ڈرتے کیوں ہو تم؟... پاپا بہت اچھے آدمی ہیں۔ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ وقتی طور پر ناراض ہو سکتے ہیں مگر تمہیں نقصان پہنچائیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کم از کم میری زندگی میں تو کبھی نہیں۔" نایاب نے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔

"چلو اب کینٹین چلتے ہیں۔ خاصی لمبی گفتگو ہو چکی ہے اب کچھ کھایا جائے۔"

ثمر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے مزید کیا کہے۔ بلاشبہ وہ نایاب کو پسند کرتا تھا۔ بلاشبہ وہ اپنے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ رکھتا تھا مگر اس نے کبھی اس سے شادی کے بارے میں خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ اپنی اور نایاب کی سماجی حیثیت سے بہت اچھی طرح واقف تھا اور اس سے بھی بڑھ کر وہ یہ جانتا تھا کہ نایاب جن آسائشوں کی عادی ہے وہ اگلے دس سال میں بھی وہ اسے فراہم نہیں کر سکتا اور اس پر اب نایاب کی یہ اچانک سامنے آنے والی ضد... اسے یہ اندازہ تھا کہ وہ اسے بہت پسند کرتی ہے۔ ایک دوست کی حیثیت سے۔ مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے محبت کا دعویٰ کرے گی۔ ایک دن میں ان کے تعلقات کی نوعیت اس طرح بدل جائے گی۔

"چلو بھئی۔ اب اور کیا سوچ رہے ہو؟" نایاب نے اس سے کہا۔ "مزید کوئی تقریر کرنا چاہتے ہو تو بھی یہاں کھڑے ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کینٹین چل کر بات کرتے ہیں۔"

ثمر نے ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنا بیگ اٹھایا۔ اسے نایاب سے ابھی مزید بات کرنی تھی مگر آج نہیں۔

"ارے ہاں، میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔" اس کے ساتھ کالج کے برآمدے میں چلتے ہوئے نایاب نے یک دم کہا۔

ثمر اتنے برے موڈ میں تھا کہ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ "کل جب میں تمہارا گھر ڈھونڈ رہی تھی تو میں نے تمہاری گلی میں ایک لڑکی دیکھی۔" نایاب بتا رہی تھی۔ "اس کے فادر، پاپا کے بزنس پارٹنر ہیں۔ انہوں نے دوسری شادی کر کے اپنی پہلی بیوی اور بچوں کو گھر سے نکال دیا۔ میں اسے تم لوگوں کے محلے میں دیکھ کر حیران ہوئی... مجھے نہیں پتہ وہ وہاں رہ رہی ہے یا پھر وہاں کسی سے میری طرح ملنے آئی تھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ وہاں رہ رہی ہوگی کیونکہ اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا۔ امبر نام ہے اس کا۔ تم جانتے ہو ایسی کسی فیملی کو جو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تمہارے محلے..."

ثمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمارے ساتھ والے گھر میں رہتے ہیں یہ لوگ۔"

"اوہ مجھے بڑا افسوس ہوا ہے یہ جان کر... ان کے فادر کروڑپتی ہیں اور ان کی دوسری شادی کی وجہ سے ان کے بچے اب دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔" نایاب کو واقعی افسوس ہوا۔

"اور اس پر زیادتی یہ کہ انہوں نے اپنا بیٹا بھی اپنے پاس رکھ لیا صرف بیوی اور بیٹیوں کو گھر سے نکالا۔"

ثمر کو شبیر کی باتیں یک دم یاد آئی تھیں۔ وہ نایاب سے امبر اور ہارون کے تعلقات کا ذکر کرنا چاہتا تھا مگر اس وقت اسے نایاب سے یہ بات کرنا مناسب نہیں لگا۔ اسے شائستہ کے گمشدہ بیٹے کا خیال آ گیا تھا۔

"نایاب! تم لوگ کتنے بہن بھائی ہو؟" نایاب اس کی بات پر ہنس دی۔

"تمہیں یہ سوال کیوں کرنا پڑا۔ تمہیں تو پہلے ہی بتا چکی ہوں میں کہ میرا صرف ایک بھائی ہے اور وہ امریکہ میں پڑھ رہا

ہے۔"

"کوئی اور بھائی نہیں؟" ثمر نے پوچھا۔

نایاب ایک بار پھر ہنسی "نہیں بھئی، کوئی اور بھائی نہیں ہے۔"

"کوئی ایسا بھائی جو گم ہو گیا ہو، میرا مطلب ہے بچپن میں؟" اس بار نایاب اسے گھورنے لگی۔

"یہ کیسا مذاق ہے، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"نہیں، تم پہلے میرے سوال کا جواب دو۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔ میرا کوئی بھائی گم نہیں ہوا، نہ اب نہ بچپن میں، کافی ہے؟"

ثمر الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ کیا شائستہ نے اسے بے خبر رکھا تھا یا وہ ثمر سے جھوٹ بول رہی تھی یا پھر شہیر کی بات سچ تھی کہ شائستہ اس سارے معاملے میں جھوٹ بول رہی تھی۔

ثمر نے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شائستہ اور شہیر کے درمیان ہونے والی گفتگو سے نایاب کو آگاہ کرے گا۔ سچ جاننے کے لیے یہ ضروری تھا۔

"نایاب! تمہاری ممی کے مطابق تمہارے سب سے بڑے بھائی کو پیدائش کے فوراً بعد ہاسپٹل سے اغوا کر لیا گیا تھا۔" ثمر نے انکشاف کیا۔

"بکواس مت کرو۔" نایاب نے مذاق سمجھتے ہوئے اسے گھورا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا۔ انہوں نے شہیر بھائی سے خود یہ سب کہا ہے۔" اس بار نایاب ٹھٹک گئی۔

☆☆☆

منصور ساری رات سو نہیں سکا تھا۔ وہ سگریٹ اور شراب پیتا رہا اور اگلے دن صبح سویرے اپنے آفس پہنچ گیا۔ اسے کل یہ خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں اسے فیکٹری سے بھی بے دخل نہ کر دیا جائے کیونکہ وہ اپنی کل فیکٹری رخشی کے بچے کے نام کر چکا تھا۔ مگر یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ فیکٹری میں سب کچھ معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔ کسی نے کم از کم وہاں اسے اندر داخل ہونے سے نہیں روکا۔

وہ فیکٹری میں آتے ہی ایک بار پھر فون پر جت گیا تھا۔ ہارون کا موبائل اب آف نہیں تھا مگر وہ فون ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ رخشی کا موبائل آف تھا اور اس کے گھر کی لائن کل کی طرح آج بھی انگیج مل رہی تھیں۔ وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس نے فون کے ریسیور اٹھا کر رکھ دیے ہوں گے۔

دس بجے کے قریب اس نے اپنے وکیل کو بلوا کر فیکٹری کے کاغذات میں تبدیلی کی ہدایات جاری کیں۔ وہ رخشی کے نام کیے جانے والے دونوں گھر اپنے نام نہیں کروا سکتا تھا مگر کم از کم وہ فیکٹری کے حوالے سے کچھ کر سکتا تھا۔ ان معاملات سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ایک بار پھر پہلے کی طرح فون کرنے کی کوشش کی مگر وہ کسی سے بھی رابطہ کرنے میں ناکام رہا۔ پھر ایک دم اسے شائستہ کا خیال آیا تھا مگر شائستہ سے یہ سننے کے بعد کہ ہارون دو ہفتے کے لیے دوبئی گیا ہے وہ بے حد پریشان ہوا تھا۔ اگلے دو گھنٹے وہ اپنے آفس میں بیٹھا ہارون کے فون کا انتظار کرتا رہا مگر فون نہیں آیا۔ اس نے ایک بار پھر اس کے موبائل پر فون کیا۔ اس بار موبائل آف ملا تو منصور نے پھر شائستہ کو فون کیا۔

"سوری منصور! میری اس سے بات نہیں ہو سکی، اس کا موبائل تب سے آف ہے۔"

منصور کا دل چاہا وہ اپنا سر کسی دیوار کے ساتھ دے مارے۔ شام چار بجے کے قریب وہ ایک بار پھر ہارون کے اپارٹمنٹ کی طرف گیا مگر اس بار اسے گارڈ نے پہلے ہی روک لیا۔ منصور حیرت زدہ ہو گیا تھا۔ وہ ابھی کل رات وہاں آیا تھا اور صبح وہاں سے گیا تھا مگر اس گارڈ نے اس طرح کی حرکت نہیں کی تھی پھر اب کیا ہوا تھا؟

"ہارون صاحب صبح یہاں آئے تھے اور وہ مجھ سے کہہ کر گئے ہیں کہ میں آپ کو ان کے اپارٹمنٹ میں نہ جانے دوں۔"

منصور ہکا بکا رہ گیا۔

"کس وقت آیا تھا وہ یہاں؟"

"دس بجے کے قریب۔" منصور ساڑھے آٹھ بجے ہی فیکٹری جا چکا تھا۔

"اور اس نے میرا نام لے کر کہا کہ مجھے اس کے اپارٹمنٹ میں جانے نہ دیا جائے؟"

منصور کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں، انہوں نے کہا تھا کہ منصور علی جو صبح یہاں سے گیا ہے اسے دوبارہ میرے اپارٹمنٹ میں نہ جانے دیا جائے۔"

منصور بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ تو کل سے ہارون کمال اسے جان بوجھ کر اگنور کر رہا تھا۔ کس لیے؟ کیا وہ پہلے ہی یہ سب کچھ جان چکا تھا اور وشی کی حمایت میں یہ سب کچھ کر رہا تھا یا پھر یہ سب کچھ وہ اور وشی دونوں مل کر کر رہے تھے؟ منصور کو لگا اسے ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے۔ آخر اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ کیوں ہو رہا تھا؟ اس نے ایسی کیا غلطی کی تھی؟

منصور کو اپنی کوئی "غلطی" یاد نہیں آئی۔

☆☆☆

آئی بی اے میں اس کی کلاسز کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسے کراچی میں آئے چار دن ہو رہے تھے۔ ثمر اور شہیر سے دن میں ایک بار اس کی بات ہو جاتی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار فاطمہ، شہیر اور ثمر کے بغیر کہیں رہ رہی تھی اور اسے یہ بے حد مشکل لگ رہا تھا۔ خاص طور پر وہ ثمر کی کمی بہت محسوس کر رہی تھی۔

ثمر نے کراچی روانگی سے پہلے اسے ایک موبائل فون کا تحفہ دیا تھا۔ ہانی کو بے حد خوشی ہوئی تھی اور ان چار دنوں میں وہ اس موبائل کے ذریعے ثمر کو تقریباً دو سو SMS کر چکی تھی اور ان دو سو میں سے ڈیڑھ سو کے قریب وہ SMS تھے جن میں وہ ایک دوسرے سے لڑتے رہے تھے۔ ثمر کو شکایت تھی کہ اس نے نایاب کے گھر آنے پر شہیر اور فاطمہ کی طرح ناپسندیدگی کا اظہار کیوں کیا تھا اور ہانی کو شکایت تھی کہ اس نے نایاب کی وجہ سے اس کے ساتھ جھگڑا کیا اور آخر میں یہ کہا کہ وہ شکر ادا کرے گا کہ اب کراچی جانے کی وجہ سے اس کی جان ہانی سے چھوٹ گئی ہے۔ اب وہ آزادی سے گھر رہے گا۔ وہ ہر روز اسے کئی SMS کرتا اور پھر ہر روز بات ہونے پر اس سے پوچھتا کہ وہ کس ویک اینڈ پر گھر واپس آئے گی۔ یہ بھول کر کہ ابھی اسے وہاں گئے چار دن ہی ہوئے تھے۔

اپنی پہلی ہی کلاس میں ہانی کی ملاقات لاہور سے اس کے علاوہ بی بی اے میں ایڈمیشن پانے والے دوسرے امیدوار سے ہو گئی تھی۔ وہ اس کے بائیں جانب والی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہانی کو وہ بے حد عجیب لگا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اسے عجیب لگا نہیں، وہ دراصل عجیب تھا۔ اس نے اس پوری کلاس میں کسی کو اتنا کم گو، اتنا سنجیدہ اور اتنا ٹھنڈا نہیں پایا تھا۔

اس کے دائیں جانب جنید تھا جو کراچی سے ہی تھا اور وہ دونوں مسلسل ایک دوسرے سے اپنا تعارف کروانے کے بعد باتیں کر رہے تھے اور یہ جنید ہی تھا جس نے ہانی سے باتیں کرتے کرتے یک دم اس کے بائیں جانب بیٹھے ہوئے اس لڑکے کو مخاطب کیا جو چپ چاپ اپنی کرسی پر بیٹھے اسے مسلسل ہلانے میں مصروف تھا۔

"میرا نام روشان منصور علی ہے۔"

اس نے ہانی اور جنید کو وہ بتایا جو وہ پہلے ہی جانتے تھے پھر گردن موڑ کر بے نیازی سے دوسری جانب دیکھنے لگا۔ جنید اور ہانی نے اس کی اس حرکت پر ایک دوسرے کو دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیے۔

☆☆☆

پچیسواں باب

دروازے پر لگی گھنٹی کو دوبار بجایا گیا تھا۔ فاطمہ کچن میں مصروف تھی۔ گھر میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا وہ چاول دھو
رہی تھی۔ چاول دھوتے دھوتے وہ برتن رکھ کر ہاتھ پونچھتے ہوئے جب تک دروازے کے پاس آئی۔ دروازے پر لگی گھنٹی ایک
بار پھر بجنے لگی تھی۔ شبیر اور ثمر دونوں اس طرح اس وقت گھنٹی بجا کر نہیں آتے تھے اور محلے میں سے جب بھی کوئی آتا وہ عام
طور پر دروازہ ہی بجایا کرتا تھا۔

"کون؟" فاطمہ نے اندر سے ہی پوچھا۔ دروازے کے دوسری طرف کچھ کھسر پھسر ہوئی فاطمہ کو اندازہ ہو گیا کہ وہاں دو
افراد موجود تھے۔

"فاطمہ! دروازہ کھولو۔" کسی نسوانی آواز نے اس سے کہا۔

فاطمہ نے دروازہ کھول دیا۔ زمین جیسے یک دم اس کے پیروں کے نیچے سے نکل گئی تھی۔ اسے دروازے پر کھڑے لوگوں
کو پہچاننے میں وقت نہیں ہوئی تھی مگر بعض دفعہ پہچاننا اذیت ناک ہوتا ہے۔ اس وقت بھی ہو رہا تھا۔ اسے لگا اس کا گھر یک دم
کسی بھونچال کی زد میں آ گیا تھا۔

☆☆☆

"شبیر بھائی؟" نایاب نے قدرے حیرانی سے ثمر سے کہا۔

"ہاں شبیر بھائی۔" ثمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر میری امی شبیر بھائی سے کب ملیں؟" نایاب کو حیرت ہو رہی تھی۔

یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ شائستہ شبیر سے مل کر اس طرح باتیں کرتیں وہ تو خود اسے ثمر سے ملنے سے منع کر رہی تھیں۔
پھر شبیر کو اس طرح کے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

"ایک بار نہیں تمہاری امی کئی بار شبیر بھائی سے ملی ہیں۔"

ثمر نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا شائستہ کا انکشاف نایاب
کے لیے بھی انکشاف ہی تھا۔ اور نایاب کے چہرے کے تاثرات دیکھنے پر اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صرف انکشاف نہیں
تھا۔ وہ نایاب کے لیے شاک بھی تھا۔

"مگر امی تمہارے بھائی سے کیوں ملیں گی وہ تو مجھے..." نایاب بے اختیار کہتے کہتے رک گئی۔

"مجھے کیا؟" ثمر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"مجھے بالکل یقین نہیں ہے اس بات کا کہ امی تمہارے بھائی سے ملتی رہی ہیں۔" نایاب نے اس کے سوال کا جواب گول
کرتے ہوئے کہا۔ امی کا آخر تمہارے بھائی سے تعلق کیا ہے۔ وہ تو جب تک انہیں جانتی بھی نہیں تھیں جب تک میں نے انہیں تم
لوگوں سے نہیں ملوایا۔ اور امی نے کبھی گھر میں تمہارے بھائی کا ذکر نہیں کیا۔"

"اگر شہیر بھائی بار بار تمہاری ممی سے ملنے کے بعد گھر میں اس ملاقات کا احوال بتاتے تھے۔ اس لیے میں کم از کم یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہوں گے۔"

ثمر نے نایاب کی بات کاٹ کر کہا۔ اسے نایاب کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اگلے کسی جملے میں شہیر کو جھوٹا ہی کہے گی۔ وہ اسی طرح بے دھڑک کوئی بات کرنے والی تھی اور ثمر اس کے منہ سے شہیر کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں سن سکتا تھا۔

چند لمحے تک دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہے۔ اگر پچھلا دن ثمر کے لیے بدترین تھا تو آج کا دن نایاب کے لیے مگر نایاب کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ صرف ابتدا تھی۔ بدترین انکشافات ابھی باقی تھے۔

"اگر ممی تمہارے بھائی سے ملتی رہی تھیں تو تم نے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" نایاب کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"پتا تو مجھے بھی کل ہی چلا ہے۔" ثمر نے کہا۔

"تم اپنی بات کرو۔" نایاب نے کچھ ناراضی سے کہا۔

"میں نے ضروری نہیں سمجھا۔ آخر کیا کہتا تم سے؟" ثمر نے کندھے اچکائے۔

"شہیر بھائی ان ملاقاتوں کو اتفاقی سمجھتے رہے تھے اور میں بھی یہی سمجھتا رہا۔"

"تو ہو سکتا ہے وہ ملاقاتیں اتفاقی ہی ہوں۔" نایاب کو یک دم کچھ حوصلہ ہوا۔

"اتفاقی ملاقاتوں کے نتیجے میں کوئی کسی کی پرپوزل کرواتا ہے نہ بھجواتا ہے۔"

"ممی نے کس کی پرپوزل۔۔۔" نایاب نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ پلک جھپکتے میں اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ ثمر کس کی بات کر رہا ہے۔

"ہاں تمہاری ممی نے شہیر بھائی کے باس سے کہہ کر اپنی پرپوزل کروائی ہے۔"

نایاب کی آنکھیں یک دم پھٹ گئیں۔ وہ اپنے باپ اور ماں دونوں کے نت نئے افیئرز سے واقف تھی۔ اس نے باپ کی طرح ماں کو بھی اپنے سے بہت کم عمر لڑکوں کے ساتھ وقت گزاری کرتے دیکھا تھا مگر وہ سب لڑکے ان کی اپنی کلاس کے ہی ہوتے تھے۔ شائستہ انہیں ہارون کی طرح دوستی کا نام دیتی تھی اور نایاب اور اسد نہ چاہتے ہوئے بھی ان لوگوں سے نباہ کر لیتے تھے۔

نایاب کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ شائستہ اس کے دوست کے بھائی کے ساتھ اس طرح انوالو ہوگی اور خود اسے اس کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرے گی۔

"تمہیں اگر اب بھی یقین نہیں آ رہا تو تم اپنی ممی سے پوچھ لو۔" ثمر اس کی دلی کیفیات سے بے خبر کہہ رہا تھا۔

"تمہاری ممی نے شہیر بھائی سے کہا کہ وہ ان سے اس لیے بار بار مل رہی ہیں کیونکہ انہیں دیکھ کر انہیں اپنا گمشدہ بیٹا یاد آ رہا ہے۔"

نایاب نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔ اسے شائستہ سے گھن آئی تھی۔ وہ شہیر کو پھانسنے کے لیے کس سطح پر آ گئی تھی۔

"انہوں نے شہیر بھائی کو بتایا کہ وہ اپنے بیٹے کو آج تک ڈھونڈ رہی ہیں اور انہیں یقین ہے کہ کبھی نہ کبھی وہ انہیں دیکھ کر انہیں پاس آئے گا۔ اب تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں اپنے کسی بھائی کا پتا نہیں۔" ثمر نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "پھر آج جھوٹ کا فیصلہ کس طرح ہو، تم خود ہی بتاؤ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ تمہاری ممی شہیر بھائی سے اس طرح کے سوالات کر رہی تھیں جیسے انہیں شک ہو کہ وہ ان کا بیٹا ہے اور میری امی ہی وہ خاتون ہیں جو انہیں اغوا کر کے لے گئی ہوں۔"

"ثمر جہاں تک میں جانتی ہوں اسد بھائی کے علاوہ میرا اور کوئی بھائی نہیں ہے۔" نایاب نے لرزتی ہوئی آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"اور اگر ایسا کبھی کچھ ہوا بھی تھا تو میں اس کے بارے میں نہیں جانتی۔ کسی نے کبھی ہم لوگوں سے ایسی بات نہیں کی اور

کسی نے کیا، پاپا نے بھی کبھی ایسا کچھ نہیں کیا۔" نایاب بے حد پریشان نظر آ رہی تھی۔

"اور اگر اس طرح کی کوئی بات تھی اور وہ تمہارے بھائی سے مل رہی تھیں تو انہیں مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی۔ وہ مجھے تم سے ملنے سے منع کرتی رہی ہیں۔" اس بار نایاب نے یہ بات نہیں چھپائی تھی۔

"تم لوگوں کی فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں وہ مجھ سے بھی شروع میں پوچھتی رہی تھیں مگر میں یہی سمجھتی رہی کہ وہ یہ صرف احتیاطاً کر رہی ہیں کیونکہ میری تم سے دوستی ہو گئی تھی۔ اس لیے مجھے بھی یہ شبہ نہیں ہوا کہ وہ یہ پوچھ گچھ شہیر بھائی کے حوالے سے کر رہی ہیں..... میرے لیے یہ ساری باتیں ناقابل یقین ہیں۔" نایاب نے بے بسی سے کہا۔

"تمہاری جگہ کوئی اور مجھ سے یہ سب کچھ کہتا تو میں سمجھتی کہ وہ بکواس کر رہا ہے۔ میری ممی پر الزام لگا رہا ہے۔ گمشدہ بھائی..... تم خود سوچو کیا یہ قابل یقین بات ہے؟"

"نہیں..... لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور ان کو ایسے کسی حادثے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تو پھر شہیر بھائی سے ملاقاتوں کا مقصد کیا ہے اور اس طرح کی عنایات اور پھر اس طرح کی باتیں..... میں کیا کہوں اس سب کو؟"

"میں ممی سے بات کروں گی۔" نایاب نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"تمہیں پتا ہے مجھے یوں لگتا ہے میری فیس کی ادائیگی بھی تمہاری ممی نے کی ہے۔" ثمر نے یک دم جیسے کوئی خیال آنے پر کہا۔

نایاب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"اور صرف اتنا ہی نہیں تمہیں پتا ہے ہانی کے لیے کسی نے یکدم رقم آئی بی اے کے اخراجات کے لیے بھجوائی ہے..... مجھے لگتا ہے یہ عنایت بھی تمہاری ممی ہی کی ہے کیونکہ جس آدمی کا نام اس خط پر لکھا تھا اسے ہم نہیں جانتے۔ اس کا پتا بھی غلط ہے اور کوئی کیوں یک دم ہمیں لاکھوں روپے دینا شروع کر دے گا۔" ثمر کہہ رہا تھا اور نایاب بے یقینی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"یہ سب کچھ تب سے ہونا شروع ہوا ہے جب سے تمہاری ممی نے شہیر بھائی سے ملنا شروع کیا ہے۔" قیاسات کرتے ہوئے جیسے کڑی سے کڑی ملا رہا تھا۔ نایاب کا دل چاہا۔ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ آخر شائستہ کس حوالے سے ان لوگوں پر لاکھوں لٹا رہی تھی۔ کیا صرف شہیر کے چکر میں یا پھر وہ واقعی اسے اپنا بیٹا سمجھ رہی تھی۔ یہ کیا مذاق تھا؟ اس عمر میں پہلی بار ایک گمشدہ بیٹے کی کہانی سامنے آئی تھی۔ اور نایاب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس بات پر ہنسے یا روئے۔

☆☆☆

شائستہ ڈائننگ روم سے اٹھ کر تیار ہونے کے لیے اپنے بیڈ روم میں آئی مگر اس کا ذہن مسلسل ہارون اور منصور کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ آخر دونوں کے درمیان کیا ہو رہا تھا۔ اس نے فوری طور پر ان کی مشترکہ فیکٹری جانے کا فیصلہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ اگر ان کے درمیان بزنس کے حوالے سے کوئی اختلافات ہیں تو وہ فیکٹری جا کر بہت آسانی سے ان اختلافات کا سرا ڈھونڈ سکتی تھی۔ وہ یک دم منصور سے ایک ملاقات کی ضرورت محسوس کرنے لگی تھی۔

تیار ہوتے ہوئے اچانک اسے رات والی انگوٹھی یاد آئی۔ وہ رات کو اسے غور سے نہیں دیکھ سکی تھی۔ وہ اس کی مالیت کا اندازہ لگانا چاہتی تھی۔ بالوں میں برش کرتے کرتے وہ اپنے بیڈ کی طرف چلی آئی۔ برش کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے دراز کو پورا کھولا اور اندر موجود چیزوں کو ادھر ادھر کرتے ہوئے انگوٹھی تلاش کرنے لگی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا اس نے رات کو ہارون سے جھگڑے کے دوران انگوٹھی کو دراز کے اندر ہی پھینکا تھا۔ مگر اس وقت چیزوں کو ادھر ادھر کرنے پر بھی اسے وہ انگوٹھی کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ کچھ الجھتے ہوئے اس نے دراز کو باہر کھینچ لیا اور اس میں موجود چیزوں کو بیڈ پر الٹ دیا۔ دراز میں اتنی چیزیں نہیں تھیں کہ اسے ان میں کسی چھوٹی سی چیز کو ڈھونڈنے میں زیادہ وقت لگتا اور خاص طور پر اب جب سب کچھ اس کے سامنے بکھرا ہوا تھا۔ وہ ایک نظر میں ہی دیکھ سکتی تھی کہ ان چیزوں کے درمیان اس انگوٹھی کا نام و نشان بھی کہیں نہیں ہے۔

اس نے سوچا کہ شاید اس نے غلطی سے انگوٹھی کسی دوسری دراز میں ڈال دی ہوگی۔ باری باری اس نے سارے دراز نکال کر ان کی چیزوں کو باہر الٹ کر دیکھا۔ انگوٹھی ہارون کے لیے کیا اہمیت رکھتی تھی مگر اس کی یہاں عدم موجودگی کچھ اور ثابت کر رہی تھی۔ شائستہ چند لمحے ہونٹ کاٹتی وہاں کھڑی رہی پھر پلک جھپکتے میں اس نے جیسے کوئی فیصلہ کر لیا تھا۔

فون اٹھا کر اس نے ہارون کی سیکرٹری سے رابطہ کیا اور اس سے اس ہوٹل کا نام اور کمرہ نمبر پوچھا جہاں ہارون رہ رہا تھا۔ دونوں اکثر دوبئی آتے جاتے رہتے تھے اور عام طور پر وہ ایک مخصوص ہوٹل میں ہی ٹھہرتے تھے اس کے باوجود شائستہ اس کے وہاں قیام کو کنفرم کرنا چاہتی تھی۔ ہارون وہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ سیکرٹری نے تصدیق کر دی۔

"کیا آپ بھی دوبئی جانا چاہتی ہیں۔ میں سیٹ بک کروا دوں؟"

سیکرٹری نے شائستہ سے پوچھا۔ شائستہ جانتی تھی کہ ہاں میں اس کا جواب ملتے ہی سیٹ بک کروانے سے پہلے وہ دوبئی میں ہارون کو اس بارے میں اطلاع دے گی۔

"نہیں مجھے وہاں جا کر کیا کرنا ہے۔"

شائستہ نے سرسری سے انداز میں یہ جملہ کہتے ہوئے بات بدل دی۔ سیکرٹری کو آفس کے بارے میں کچھ ہدایات دیتے ہوئے وہ یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے کل وہ کسی بھی وقت آفس کا چکر لگا سکتی تھی۔

اس نے فون بند کرتے ہی اگلا فون اس ٹریول ایجنسی کو کیا تھا جہاں سے ان کی اندرون اور بیرون ملک کی ٹکٹیں بک کی جاتی تھیں۔ ہارون کی دوبئی کی سیٹ انہوں نے ہی بک کروائی تھی اور صرف ایک ہی سیٹ بک کروائی گئی تھی۔ بظاہر اس کے ساتھ کوئی اور نہیں گیا تھا۔ مگر شائستہ ہارون کی رگ رگ سے واقف تھی۔ اگر اسے کسی کو اپنے ساتھ لے کر جانا تھا تو وہ کبھی بھی اس ٹریول ایجنسی سے دوسری سیٹ بک نہ کرواتا۔ وہ جانتا تھا کہ وہاں سے شائستہ کسی وقت بھی اس بارے میں معلومات حاصل کر سکتی تھی۔

شائستہ نے انہیں پہلی دستیاب کسی بھی ملکی یا غیر ملکی فلائٹ میں دوبئی کے لیے سیٹ بک کروانے کو کہا اور کچھ دیر بعد شام کی ایک فلائٹ کی بزنس کلاس میں ملنے والی سیٹ کا اسے بتایا گیا۔ شائستہ نے سیٹ بک کرنے کے لیے کہا۔ فلائٹ کی ٹائمنگ ایسی تھی کہ اسے فوری طور پر پیکنگ کر کے نکل جانا چاہیے تھا۔ برق رفتاری سے کپڑوں کے دو جوڑے اور چند دوسری ضرورت کی چیزیں بیگ میں ڈال کر شائستہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ اسے ابھی راستے میں ٹریول ایجنسی بھی جانا تھا۔

نایاب سے اس کا سامنا اپنے پورچ میں ہوا۔ وہ ڈرائیور کو ٹریول ایجنسی کے بارے میں بتاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ رہی تھی جب نایاب کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ شائستہ کو خیال آیا کہ وہ اسے اپنے دوبئی جانے کے بارے میں بتا دے مگر پھر یک دم اس کو یاد آیا کہ نایاب اور ہارون کی اگر اس کے دوبئی پہنچنے سے پہلے آپس میں فون پر بات ہوگی تو نایاب ہارون کو شائستہ کی روانگی کے بارے میں بتا دے گی۔

دوبئی روانگی کی بات گول کرتے ہوئے وہ گاڑی سے نکل آئی۔ نایاب نے اپنی گاڑی اس کی گاڑی کے برابر میں کھڑی کی اور وہ بھی باہر نکل آئی۔ شائستہ ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالتے ہی یہ جان گئی تھی کہ وہ کسی بات پر اپ سیٹ ہے اور وہ اکثر کسی نہ کسی بات پر اپ سیٹ ہوتی رہتی تھی۔ شائستہ نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔

"میں چند دنوں کے لیے کراچی جا رہی ہوں نایاب ----" شائستہ نے اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا۔ "میں ابھی نکلنے ہی والی تھی اچھا ہوا کہ تم سے ملاقات ہو گئی ورنہ میں تمہیں فون کرتی۔"

شائستہ نے اس کے چہرے کے تاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ وہ اب دوبارہ گاڑی میں بیٹھنا چاہتی تھی۔ جب نایاب نے اسے روک دیا۔

"مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" اس کا لہجہ بے حد ترش تھا۔

"او کم آن اس وقت میں تم سے کوئی بات نہیں کر سکتی میری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔" شائستہ نے لاپروائی سے کہا۔

"جب واپس آؤں گی تو پوچھوں گی کہ تمہیں مجھ سے کیا بات کرنی ہے۔"

"مجھے شیر کے بارے میں آپ سے کچھ پوچھنا ہے؟"

وہ ایک بار پھر بولی اس بار اس کی آواز میں پہلے سے زیادہ کڑواہٹ تھی۔ فوری طور پر شائستہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سے کیا کہے کیا نہ کہے۔ اس کا ذہن فوری طور پر جیسے کسی بگولے کی زد میں آ گیا تھا۔

اسے اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ نایاب سے شیر کے بارے میں کس نے بات کی ہے... کیا ہارون نے؟ مگر ہارون اتنی جرأت نہیں کر سکتا تھا پھر اور کون تھا جس نے نایاب سے...

"مجھے آپ کو کچھ کہتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔" نایاب نے تحقیر آمیز انداز میں اگلا جملہ بولا تھا اور اس کے اس جملے نے شائستہ کی تمام مشکلات آسان کر دی تھیں۔ پلک جھپکنے میں اس کی قوت گویائی واپس آ گئی تھی۔ کبھی نہ کبھی اسے اس طرح نایاب کو شیر سے سامنا کروانا تھا اور اس وقت اپنی عزت رکھنے کے لیے اسے جھوٹ بولنا پڑتے اور اب... اب وہ اس مشکل سے نکل آئی تھی۔

"کراچی سے آنے کے بعد تم سے اس بارے میں تفصیل سے بات کروں گی۔"

اس نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے کہا۔ اس بار کرنٹ نایاب کو لگا تھا... وہاں کوئی صفائی... کوئی وضاحت نہیں تھی۔ اس کی ماں شیر کے نام پر چونکی تک نہیں تھی۔ تو کیا وہ اعتراف کر رہی تھی اس سب کا جو شیر نے کہا تھا؟ مگر یہ کیسے ممکن تھا... وہ لاشعوری طور پر جیسے توقع کر رہی تھی کہ شائستہ فوری طور پر ہر بات سے انکار کرے گی اور شاید اسے برا بھلا بھی کہے۔ مگر وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

نایاب گم صم پتھر کے مجسمے کی طرح گاڑی کو گیٹ سے باہر نکلتے اور گیٹ کو بند ہوتا دیکھتی رہی۔ کیا سچ تھا کیا جھوٹ۔ صرف چند دنوں میں اس کے سامنے آنے والا تھا صرف چند دنوں میں۔

☆☆☆

کمرے میں موجود فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی جب ہارون باتھ روم سے جسم کو تولیے سے رگڑتا ہوا باہر نکلا۔ بے حد پرسکون انداز میں اس نے ریسیور اٹھایا۔ فرنٹ ڈیسک پر موجود آدمی نے اس کی کسی خاتون ملاقاتی کے بارے میں اسے بتایا۔ ہارون جیسے ہکا بکا ہو گیا۔ اس کی یہاں موجودگی کے بارے میں دوبئی میں اس کے کسی دوست کو بھی خبر نہیں تھی پھر یہ خاتون ملاقاتی کہاں سے وارد ہو گئی تھی۔ اس نے آدمی سے اس عورت کا نام پوچھنے کے لیے کہا اور اس کا نام سن کر اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

"مسز شائستہ کمال؟" اس نے بے یقینی سے فون پر سنا جانے والا تعارف دہرایا۔ شائستہ یہاں اس وقت کیسے آ سکتی تھی۔ اس نے دوپہر کے قریب تو اس سے فون پر بات کی تھی اور شائستہ یہاں اس وقت کیسے آ سکتی تھی۔ اس نے دوپہر کے قریب تو اس سے فون پر بات کی تھی اور شائستہ کے کسی انداز سے ایسا نہیں لگا تھا کہ وہ رات کے وقت اس پر یوں چھاپہ مارنے والی تھی۔

"آپ انہیں بٹھا دیں۔" اس نے اپنے اوسان بحال کرتے ہوئے فون پر کہا اور دانت پیستے ہوئے فون رکھ دیا۔ وہ اس عورت سے بچنے کے لیے یہاں آیا تھا اور یہ عورت کسی چڑیل کی طرح اس کے پیچھے وہاں بھی آن موجود ہوئی تھی۔

تولیہ بیڈ پر پھینکتے ہوئے اس نے برق رفتاری سے شب خوابی کے لباس کی شرٹ پہنی اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر اس نے ایک نظر اپنے چہرے، کھلے گریبان اور بازوؤں کے نظر آنے والے حصے کو دیکھا۔ سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ اس نے اسی برق رفتاری سے وہ شرٹ دوبارہ اتار دی اور وارڈ روب کھول کر پوری آستینوں والی ایک دوسری شرٹ نکال لی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے پہن پاتا دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ہارون نے شرٹ اپنے جسم پر چڑھائی اور [illegible] جھپٹتے ہوئے

ہارون اب کو بند کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا پارہ اس وقت آسمان کو چھو رہا تھا۔
دروازہ کھولتے ہی وہ شائستہ سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے ساتھ بیگ اٹھائے اسٹاف کے ایک آدمی کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ شائستہ اور ہارون دونوں کے درمیان تیز چبھتی ہوئی نظروں کا تبادلہ ہوا۔ ہارون نے کچھ کہے بغیر ان دونوں کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔ شائستہ اپنا بیگ ٹٹولتے ہوئے ٹپ کے لیے کچھ رقم تلاش کرنے لگی۔

پورٹر نے شائستہ کے ہاتھ سے پکڑے نوٹ ایک ممنون مسکراہٹ اور شکریے کے ساتھ تھامے اور کمرے کا دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

"دیکھو میرے ساتھ یہاں کوئی دوسری عورت نہیں ہے۔" پورٹر کے باہر نکلتے ہی ہارون نے تندو ترش لہجے میں کہا۔

"مجھے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں فرنٹ ڈیسک سے پتہ کر چکی ہوں۔ تم اس بیڈ روم میں اکیلے ہی ٹھہرے ہو۔ البتہ یہ حیرت کی بات ہے کہ سنگل کے بجائے تم نے ڈبل بیڈ روم لیا ہے۔"

شائستہ کہتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ ہارون کا جسم بے اختیار تن گیا۔

"شاید تمہیں پتہ تھا کہ جلد یا بدیر مجھے بھی یہاں آنا ہے۔" شائستہ اب صوفے پر بیٹھ کر اپنی ٹانگیں سیدھی کر رہی تھی۔ "البتہ مجھے تمہیں یہاں اکیلے دیکھ کر خوشی اتنی نہیں ہوئی جتنی حیرت ہوئی ہے۔"

شائستہ اب کمرے میں ایک نظر چاروں طرف دوڑاتے ہوئے بولی۔ "ہارون کمال اور دوحہ میں اکیلا پھر رہا ہو۔"

"تم مجھ سے یہ بکواس کرنے آئی ہو؟" ہارون نے تندو تیز لہجے میں اس کی بات کاٹی۔

"یہ بکواس نہیں تھی ایک مذاق تھا۔" شائستہ نے کہا۔

"تم واپس کب جا رہی ہو؟" ہارون نے بلاتمہید پوچھا۔

"اس کا انحصار تم پر ہے۔ ویسے میں تمہاری جاسوسی کرنے نہیں آئی۔ تم سے کچھ بات چیت کرنے آئی ہوں" شائستہ نے بھی بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"اگر بات کا موضوع شہیر ہے تو تم اپنا منہ بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔" ہارون نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔

اسے شائستہ کی اس وقت وہاں اچانک آمد واقعی بہت بری لگی تھی۔

"تم بیٹھ جاؤ۔ ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" شائستہ یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"میں شہیر کے بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔" ہارون نے دوٹوک انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تب بھی نہیں اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ ---" شائستہ بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"میں کسی بھی صورت میں اس کے بارے میں بات نہیں ---"

ہارون اپنی بات مکمل نہیں کر سکا۔ شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"تب بھی نہیں اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ تمہارا باپ شہیر کے بارے میں جان چکا ہے۔" ہارون کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

سارے مینرز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس نے بے اختیار شائستہ کو ایک گالی دی۔

"تم --- تم جیسی عورت سے میں اس طرح کی گھٹیا حرکت کی توقع کر سکتا تھا۔" وہ دھاڑ رہا تھا "تم اپنا خاندان دکھائے بغیر کیسے رہ سکتی تھیں۔"

"میرا اور تمہارا خاندان ایک ہی ہے۔" شائستہ نے اسے جیسے یاد دلایا۔

"نہیں ایک نہیں ہے بہت فرق ہے۔ تم ذلیل کمینے دو ٹکے کے لوگ تھے جو اخلاقیات کے نام پر منافقت کا لبادہ اوڑھے بیٹھے تھے۔"

"اور تم ایک کمینے تھے جو اخلاقیات کے نام پر چند دھجیاں لٹکائے پھر رہا تھا۔" شائستہ نے بھی تڑخ کر کہا۔

"میں نے تمہیں اس کنویں میں جا پھینکا جس کا تمہارے باپ اور بھائیوں نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا ہوگا۔" وہ چلا رہا

"ہاں انہوں نے بھی ایسے خواب نہیں دیکھے تھے۔ اس گندگی میں اترنے کے خواب صرف میں ہی دیکھا کرتی تھی۔" شائستہ نے سسکتے ہوئے کہا۔

ہارون کے غصے میں مزید اضافہ ہو گیا۔ "اگر یہ گندگی ہے تو نکل جاؤ اس گندگی سے۔ چھوڑ دو مجھے طلاق لے لو مجھ سے۔" ہارون کے منہ سے صرف جھاگ نکلنے کی کمی تھی ورنہ وہ غصے کے عالم میں بالکل پاگل ہو رہا تھا۔

"میں طلاق نہیں لوں گی البتہ تم طلاق دینا چاہتے ہو تو ضرور دے دو۔ اس سے بہت سے معاملات بہت اچھے طریقے سے سلجھ جائیں گے۔"

شائستہ نے بے حد سرد آواز میں کہا۔ ہارون کمال کو یک دم جیسے بریک لگ گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کن معاملات کا ذکر کر رہی تھی۔ اسے خود طلاق دینے کا مطلب بزنس کے چکر سے الگ ہونے کے مترادف ہوتا۔

"تم نے نایاب کو کیا بتایا ہے؟" ہارون نے یک دم موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"میں نے اس سے کچھ نہیں کہا۔" شائستہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر تم نے ابھی مجھے بتایا ہے کہ نایاب کو سب کچھ پتہ چل گیا ہے۔" ہارون نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں مگر اسے میں نے کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ہارون تیکھے لہجے میں بولا۔ "تمہارے علاوہ اس سے یہ سب کچھ اور کون کہے گا؟"

"تم بھی تو کہہ سکتے ہو۔" شائستہ نے کہا۔

ہارون کے ماتھے کے بل مزید گہرے ہوئے۔ "میں خود اسے شہیر کے بارے میں بتاؤں گا؟ مجھے کسی پاگل کتے نے کاٹا ہے کیا؟"

"پھر تم اسے فون کر کے پوچھ لو کہ اسے یہ سب کس نے بتایا ہے۔"

"میں فون پر اس سے بات کروں؟ میں تو اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا اور تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ میں اس سے فون پر پوچھوں کہ یہ سب اسے کس نے بتایا ہے۔" ہارون نے بری طرح جھلاتے ہوئے کہا۔

"وہ میرا راستہ روک رہی تھی۔ مجھ سے اس بارے میں تفصیل بات کرنا چاہتی تھی۔" شائستہ اطمینان سے بولی۔ "مگر میں نے اس سے کہا کہ میں کراچی جا رہی ہوں اور وہاں سے واپس آنے کے بعد ہی اس سے بات کروں گی۔"

ہارون نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ شائستہ سے کچھ فاصلے پر صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"اب اس راز کو راز میں رکھنے کی کوشش کرنا حماقت ہے ہارون! ہمیں نایاب اور اسد سے بات کر لینی چاہیے۔ ہمیں شہیر کو اپنے گھر لے آنا چاہیے۔۔۔ ہم سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ بہت بڑی غلطی مگر اس کی تلافی کی اب ایک ہی۔۔۔"

ہارون نے کاٹ کھانے والے انداز میں اس کی بات کاٹی۔

"یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔۔۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ بار بار سمجھایا تھا کہ اس بچے کو بھول جاؤ۔۔۔ اسے جانے دو مگر تمہیں میری بات کیوں سمجھ میں آتی۔ تم تو یہ چاہتی تھیں کہ ہماری اولاد ہم پر پتھر برسائے۔"

"ہماری اولاد۔۔۔؟ کون سی اولاد۔۔۔؟ نایاب اور اسد؟ بس؟ اگر وہ اولاد ہیں اور تمہیں ان کی اتنی پروا ہے تو پھر شہیر کیوں نہیں۔ وہ بھی بیٹا ہے تمہارا۔"

"مر چکا ہے وہ میرے لیے۔" ہارون چلایا۔

"صرف کہہ دینے سے کوئی نہیں مرتا۔" شائستہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ اسے اپنے گھر لے آنے کے بعد ہم نا اپنے بچوں سے نظریں ملا سکیں گے نہ خاندان کا سامنا

رکھیں گے۔۔۔۔۔نئی دنیا کا۔" ہارون نے خون آشام نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں ان میں سے کسی کی بھی پروا نہیں کرتی اور اب تو یہ سب کچھ جان چکی ہے پھر اب کیا باقی رہا۔" شائستہ نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"منصور کو کمرے میں یاد دلا دیں اسے اپنی اولاد مانیں نہ مانیں ہم اب تو۔۔۔" ہارون نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہم اسے ملنے والی تمام معلومات جھٹلا دیں گے۔ ہم کہہ دیں گے کہ کوئی ہمارے خلاف سازش کر رہا ہے۔ وہ مجھ پر یقین کرے گی۔ وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔ میری بات مان لے گی۔"

"مگر میں اس سے کوئی جھوٹ نہیں بولوں گی۔" شائستہ نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"میں اس سے یہ نہیں کہوں گی کہ یہ سب جھوٹ تھا اور ہم دونوں جب بھی یہاں سے جائیں گے اس بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے بعد ہی جائیں گے۔"

ہارون نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ شائستہ کو شوٹ کر دے۔

☆☆☆

منصور علی نے وہ رات ایک ہوٹل میں سگریٹ پھونکتے اور ہارون کمال کے بارے میں سوچتے گزاری تھی۔ اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہارون واقعی اسے نظرانداز کر رہا تھا اور اس نے اپنے چوکیدار سے اسے یہ سب کہنے کے لیے کہا تھا۔

اس نے شائستہ کے موبائل پر وقتاً فوقتاً کئی بار کال کی تھی۔ پہلے اگر ہارون کا موبائل آف تھا تو اس بار شائستہ کا موبائل بھی آف تھا۔ اس نے ہارون کے گھر فون کیا۔ ملازم نے اسے بتایا کہ شائستہ کچھ دنوں کے لیے کراچی گئی ہے۔ منصور کو اس کی بات بھی جھوٹ لگی۔

وہ پیر کو اس سے بات کر رہی تھی۔ اس وقت اس نے کراچی جانے کے بارے میں اس سے کوئی بات نہیں کی اور اب چند گھنٹوں کے بعد وہ کراچی چلی گئی تھی۔۔۔ کیا وہ بھی اب ہارون اور رمشی کے منصوبے میں شریک ہو گئی تھی؟ کیا ساری دنیا اس کے خلاف کوئی سازش کرنے لگی تھی؟۔۔۔ منصور کا دماغ سوچ سوچ کر پھٹنے لگا تھا۔

اگلے دن صبح وہ کسلمندی کے عالم میں فیکٹری جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا تب بھی اس کا ذہن ہارون کے بارے میں ہی الجھا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ خود بھی سیدھا وہیں چلا جائے اور وہاں جا کر ہارون سے مل کر اس سارے معاملے کو کلیئر کرے مگر اسے ایک بار پھر بے عزتی کا خدشہ محسوس ہو رہا تھا۔ اگر ہارون نے وہاں بھی اس سے ملنے سے انکار کر دیا تو؟۔۔۔ اور اس تو کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ فیکٹری جانے کے لیے بھی اپنے دل کو بمشکل تیار کر رہا تھا۔ وہ اس ذہنی حالت کے ساتھ وہاں جا کر بھی کچھ نہیں کر پاتا۔ مگر وہاں نہ جانے کی صورت میں اسے یہ خدشہ ستانے لگا کہ کہیں کسی طرح اسے فیکٹری سے بھی بے دخل نہ کر دیا جائے۔

وہ اب رمشی کے خلاف پولیس کی مدد لینے کا سوچ رہا تھا۔ پولیس کی مدد سے وہ اس گھر کو اس کے بوائے فرینڈ سے خالی کروا سکتا تھا اور پھر رمشی سے بعد میں مصالحت کی جا سکتی تھی۔ آخر کب تک وہ اس کے گھر سے جانے کے بعد ہوٹلوں کے بغیر رہ سکتی تھی۔ منصور سوچ رہا تھا اور اس کے دل کو ایک ڈھارس سی بندھنے لگی تھی۔

رمشی اگر اس بوائے فرینڈ کے ساتھ اس کے گھر سے چلی بھی گئی تو کب تک وہ اس لڑکے کے ساتھ رہ سکتی تھی۔ اسے ایک دن واپس آنا ہی تھا۔ "اس چھچھورے لڑکے کے رمشی کو آخر کیا دے سکتے ہیں جو آسائش اسے میں دے سکتا ہوں وہ وہ لڑکا تو نہیں دے سکتا۔"

منصور مسلسل سوچ رہا تھا۔ روم سروس کے ذریعے اس نے ناشتہ منگوایا اور اس سے پہلے کہ وہ ناشتہ شروع کرتا اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور اس کا دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ وہ رمشی کی کال تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ تو بالآخر اسے اس کی یاد آ گئی تھی۔ آخر یہ ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ وہ اس کو اس طرح بھول جاتی۔ اس نے بے چینی

سے کال ریسیو کرتے ہوئے سوچا۔

"ہیلو!" اس نے کہا۔ "کیسی ہو رمشی؟" اس نے رمشی کی آواز سنتے ہی کہا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم اس وقت کہاں ہو؟" رمشی کے لہجے میں اب بھی خفگی تھی۔

"میں ایک ہوٹل میں ہوں...... یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے رمشی...... میں بات کو اتنا بڑھانا......" منصور نے کچھ کہنا چاہا۔

رمشی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم میرے گھر آ سکتے ہو؟" رمشی نے کہا۔ منصور نے میرے گھر پر غور کیا مگر وہ بے اختیار خوش بھی ہوا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ میں ابھی اپنے گھر آ جاتا ہوں میں وہاں سے جانا ہی کب چاہتا تھا مگر......"

رمشی نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے پھر اسی وقت یہاں آ جاؤ۔"

"I miss you رمشی!" منصور نے اس سے معذرت کے لیے تمہید باندھنا شروع کی۔

"باقی باتیں یہاں پہنچ کر ہی ہوں گی۔" رمشی نے تیسری بار اس کی بات کاٹی اور اس سے پہلے کہ منصور کچھ اور کہتا فون بند ہو چکا تھا۔ منصور نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

اس کا وجود یک دم ہلکا ہو گیا تھا۔ رمشی کو واقعی اس سے محبت تھی ورنہ وہ اس طرح صبح سویرے اسے کال کیوں کرتی۔ یقیناً وہ بھی اسے مس کر رہی ہوگی اگرچہ ناراض ہوگی مگر اسے مس کر رہی ہوگی۔ منصور ناشتہ کرتے ہوئے سوچنے لگا۔ یک دم ہی اسے شدید بھوک محسوس ہونے لگی تھی۔ پچھلے دو دنوں میں اس نے برائے نام خوراک لی تھی مگر رمشی کی ایک کال نے اسے بالکل ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

"اور میں خوامخواہ ہی ہارون پر شک کر رہا تھا۔ آخر ہارون بے چارے کا اس سارے معاملے سے کیا تعلق تھا۔ رمشی سے میری شادی تو کروائی ہی اسی نے تھی پھر وہ کیوں میرے اور رمشی کے درمیان کوئی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کرتا۔" اس نے ہارون کو چند لمحوں میں بری الذمہ قرار دیتے ہوئے سوچا۔ وہ اب ناشتہ کرتے ہوئے ہلکی سیٹی بھی بجانے لگا تھا۔ اس کے اور رمشی کے درمیان سب کچھ دوبارہ سے بالکل ٹھیک ہونے والا تھا اور وہ خوامخواہ اتنا پریشان ہو رہا تھا۔ "آخر میرے جیسے اچھے آدمی کے ساتھ کوئی برا کام کیسے ہو سکتا ہے۔" چائے کا کپ لیتے ہوئے اس نے پرسکون انداز میں سوچا تھا۔

☆☆☆

"میں کل پاپا کے پاس جاؤں گی۔" صبغہ نے یک دم کمرے میں آتے ہوئے منیزہ سے کہا۔ منیزہ سونے کے لیے ابھی بستر پر لیٹی تھیں۔

"ان کے پاس کس لیے جاؤ گی؟" انہوں نے کچھ چونک کر کہا۔

"میں انہیں امبر اور ہارون کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گی۔" صبغہ نے تھکے ہوئے انداز میں منیزہ کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

منیزہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ "وہ کیا کرے گا۔ ہارون اس کا بزنس پارٹنر ہے۔ وہ بیٹی کے لیے بزنس پارٹنر نہیں چھوڑے گا۔" منیزہ نے ترشی سے کہا۔

"اور اب تک تو ویسے بھی وہ دونوں شادی کر چکے ہوں گے۔ تمہیں اگر اپنے باپ کو کچھ بتانا تھا تو پہلے بتا دیتیں۔"

"ہاں امی یہ غلطی ہوئی۔ مجھے ہارون کے بارے میں پہلے ہی پاپا کو سب کچھ بتا دینا چاہیے تھا۔ شاید پاپا کچھ کر لیتے اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے ابھی ان دونوں نے ابھی شادی نہ کی ہو۔" صبغہ نے بجھی سی امید پر کہا۔

منیزہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔ صبغہ نے ان کی نظریں چرا لی تھیں۔ اس کے کندھے کچھ اور جھک گئے۔ اگر شادی نہیں کی تھی تو ان کے لیے یہ ایک زیادہ قابل شرم بات تھی۔ وہ شادی کے بغیر اس آدمی کے ساتھ رہ رہی تھی۔ صبغہ کا دل

ایک بار پھر گھر سے نکالا تھا۔
"ہو سکتا ہے وہ ہارون کے پاس گئی ہی نہ ہو۔" وہ بڑبڑائی۔
"اسے آپ کو دھوکا دے رہی ہو صبغہ!" منیزہ نے کہا۔
صبغہ یک دم اٹھ کر ایک بار پھر باہر لان میں آ گئی۔ رات کافی ڈھل چکی تھی۔ وہ دو دن سے امبر کا انتظار کر رہی تھی اس کی طرف سے کسی اطلاع یا کسی رابطے کا۔۔۔ مگر وہ یک دم کہیں غائب ہو گئی تھی۔ وہ دو دن سے گھر سے نہیں گئی تھی۔ پتہ نہیں کیوں اسے امید تھی کہ وہ ہارون سے شادی نہیں کرے گی۔۔۔ یا شاید اپنی حماقت پر پچھتا کر واپس آ جائے گی۔ مگر وہ دو دن سے گھر نہیں آئی تھی۔ اور وہ سارا دن بیٹھی یہ سوچتی رہی کہ وہ کیا کرے کس سے مدد لے۔
اور اب بالآخر اس نے منصور کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اسے یہ پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ منصور کے پاس پہلے کیوں نہیں گئی۔ صرف وہی تھا جو امبر کو پہلے بچا سکتا تھا صرف وہی تھا۔ جو امبر کو اب بھی بچا سکتا تھا۔

☆☆☆

"اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی؟" اس کے بھائی نے اس سے پوچھا تھا۔ فاطمہ دونوں ہاتھوں سے دروازے کے دونوں پٹوں کو تھامے راستہ روکے کھڑی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ چوکھٹ میں کھڑے اپنے بھائی اور بھابھی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں اس وقت اسے انسان نہیں بھوت لگ رہے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ پوری قوت سے دروازہ بند کرے اور بھاگ کر اندر چلی جائے۔
انہوں نے آخر اسے کیسے تلاش کیا تھا۔ وہ اتنے سالوں میں اپنے سارے سراغ ختم کر چکی تھی پھر کیسے اتنے سالوں کے بعد وہ دونوں اس کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ اتنے اطمینان اور سکون کے ساتھ۔ یوں جیسے وہ ہمیشہ سے وہاں آتے جاتے رہے تھے۔
"اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی فاطمہ! کیا یہیں دروازے پر کھڑا رکھو گی؟" اس بار یہ اس کی بھابھی کی نرم آواز اور مسکراہٹ بھرا چہرہ تھا۔ فاطمہ نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس نے یہ مسکراہٹ اور نرمی اس وقت کتنی دفعہ دیکھی تھی جب وہ خود ان کے گھر میں رہتی تھی۔۔۔ ایک دفعہ شاید ایک دفعہ بھی نہیں۔
دروازہ بند چھوڑنے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس نے دروازہ چھوڑ دیا اور پلٹ کر لڑکھڑاتے قدموں سے اندر آ گئی۔ اس کے بھائی نے دروازے کے پٹ بھیڑ دیے اور اس کی بھابھی کے ساتھ چلتے ہوئے اس کے تعاقب میں کمرے آ گیا۔ اس کی بھابھی گھر کا جائزہ لیتی ہوئی اندر آئی تھی۔
فاطمہ نے انہیں بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ وہ دونوں خود ہی کمرے میں پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ فاطمہ کچھ فاصلے پر چارپائی پر بیٹھ گئی۔ وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ ماضی کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اپنے بھائی کے گھر میں گزارے ہوئے تکلیف دہ لمحات اسے اب بھی چبھ رہے تھے۔ اسے کئی سالوں بعد اپنی ماں یاد آئی۔ کیا اس کے لیے ان کی آواز اور لہجے کی تلخی اور ترشی اسی طرح برقرار رہی تھی یا پھر اس میں اضافہ ہو گیا تھا۔۔۔ یقیناً اضافہ ہو گیا ہوگا۔ اس نے گھر چھوڑ کر ان کا سر جھکا دیا تھا۔ شادی نہ کر کے انہیں دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ بغیر ذلت کے انہیں رسوا کر دیا تھا اور اپنی دوست کے توسط سے ایک بچہ لے کر۔۔۔
اس کی سوچوں کا تسلسل یک دم ٹوٹا۔
"تم کیسی ہو؟" اس کا بھائی اس کا حال پوچھ رہا تھا۔ فاطمہ نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس کے گھر میں گزارے جانے والے سالوں میں اس نے کبھی بار اس سے اس کا حال پوچھا تھا۔ کبھی نہیں۔ اسے زیادہ سوچنا نہیں پڑا شاید اس کا بھائی جانتا تھا کہ اس کا صرف حال ہی نہیں ماضی اور مستقبل بھی خراب ہی تھے۔
"آپ یہاں کس لیے آئے ہیں؟" فاطمہ نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

اسے اپنی آواز خود اجنبی لگی۔ اس کا لہجہ اتنے سالوں سے کہیں دور کہاں رہا تھا۔ مگر اب ان دونوں کو سامنے دیکھ کر وہ بیس کئی سال پہلے واپس ان کے گھر پہنچ گئی تھی۔۔۔۔۔ وہ وہی فاطمہ بن گئی تھی جس کے لبوں سے ہر وقت الفاظ ٹکرا کرتے تھے
اسے ایک دم اپنا ماضی یاد آیا تھا۔

"تو بھلا تمہارے بھائی بھابھی ہیں۔۔۔۔ خونی رشتے ہے کبھی بھی آ سکتے ہیں۔" اس بار اس کی بھابھی نے کہا تھا۔

"تم نے اتنے سالوں میں ہم سے رابطہ نہیں رکھا ہمیں بھلا دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی تمہیں بھلا دیتے۔"

اس کی بھابھی کی آواز میں بڑی مٹھاس تھی اور اس سے بات کرتے کرتے وہ دیواروں پر لگی ہوئی اس کے بچوں کی تصویروں پر بھی نظریں دوڑا رہی تھیں۔

"میرا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ نہ ماں باپ نہ بہن بھائی۔۔۔۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔" فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

"اپنا خون ہی ہوتا ہے۔ آ" اس کے بھائی نے جیسے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بچے جنہیں تم پال کر اپنی اولاد بنائے بیٹھی ہو۔ اگر ہم نہیں تو کیا یہ تمہارا خون ہیں؟"

فاطمہ کا جسم پل بھر کے لیے سن ہو گیا۔ تو وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ تصویریں اس کے لے پالک بچوں کی ہیں۔۔۔۔ وہ یہ کیسے جانتے تھے اور اگر یہ جانتے تھے تو کیا پھر کچھ اور بھی جانتے تھے اس کے بارے میں؟ اس کے بچوں کے بارے میں؟۔۔۔۔ ان بچوں کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں؟

"میں آپ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی" اس نے اپنے بھائی کو ٹوک دیا۔ "آپ یہاں سے چلے جائیں اور دوبارہ یہاں کبھی مت آئیں۔ آپ کے گھر سے نکلتے ہوئے آپ نے مجھے کہا تھا ہمیں آپ کے لیے اور آپ میرے لیے مر گئے۔۔۔۔ میں دوبارہ کبھی زندگی میں آپ کو اپنی شکل نہ دکھاؤں پھر آپ آج میرے پاس کیوں آئے ہیں؟"

"غصے میں انسان بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔" اس کی بھابھی فوراً اس کے بھائی کی مدد کو آگئیں۔ "اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان واقعی اپنوں سے رشتہ توڑ لے۔۔۔۔ جو کچھ ہوا اسے ہم بھول چلے تم بھی بھول جاؤ۔" انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "میں سب کچھ پہلے بھول بھی ہوں مجھے کچھ یاد نہیں ہے یہاں تک کہ آپ لوگ بھی مجھے یاد نہیں ہیں۔"

"اس طرح کی باتیں جانے دو فاطمہ۔" اس کے بھائی نے پھر کہا۔ "ہم لوگ تمہیں واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں۔"

اس کے بھائی نے بڑی رسانیت سے کہا۔ فاطمہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ان کی بات پر ہنسے یا روئے۔ وہ اتنے سالوں کے بعد اس پر کتنا بڑا احسان کرنے آئے تھے کہ اسے واپس اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے۔۔۔۔ اب جب وہ اپنے گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ معاشرے میں ایک مقام ایک عزت بنا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے سہارا دینے کے لیے آگئے تھے۔

واقعی خونی رشتے خونی ہی ہوتے ہیں اور خون پانی سے واقعی گاڑھا ہوتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس زمانے میں بھائیوں کے دل پتھر کے ہو گئے ہیں جو کہتے ہیں وہ جھوٹ کہتے ہیں اس کا بڑا بھائی اور بھابھی صرف ۲۲ سال کے بعد اسے ایک بار پھر واپس گھر لے جانے کے لیے آگئے تھے۔ صرف ۲۲ سال کے بعد۔۔۔۔ ۲۲ سال مدت ہی کتنی ہوتی ہے۔ اس عرصہ میں اس کا چہرہ صرف جھریوں سے بھر گیا تھا اور اس کے سر کے صرف آدھے بال سفید ہوئے تھے۔۔۔۔ لوگ اسے آپا سے بس خالہ جی کہنے لگے تھے کچھ اور تو نہیں بدلا تھا۔۔۔۔ ۲۲ سال عرصہ ہی کتنا ہوتا ہے۔ اس کا دل چاہا وہ بے اختیار قہقہہ مار کر ہنسے اور پھر ہنستی جائے۔ وہ دونوں واقعی مذاق کر رہے تھے۔

"گھروں میں چھوٹی موٹی ناراضیاں ہوتی رہتی ہیں۔" اس کی بھابھی ایک بار پھر اسی مٹھاس کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔

"اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ گھر ہی چھوڑ دیا جائے۔"

فاطمہ کا دل چاہا وہ ان سے کہے وہ اس سے اس لہجے میں بات کرتیں تو وہ کبھی اپنے گھر سے نہ نکلتی۔ کوئی ہاتھ پکڑ کر ہی

تاکہ اب بھی وہ گھر سے نہ جاتی۔
"تم شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں نہ کرتیں۔ ہم کون سا زبردستی کر رہے تھے تمہارے ساتھ۔" وہ حق دق اپنی بھابھی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی بھابھی تھیں جنہوں نے اس بوڑھے سے شادی نہ کرنے کی صورت میں گھر سے چلے جانے کی دھمکی دی تھی۔
"میں اپنا گھر چھوڑ کر آپ کے گھر کیوں جاؤں گی؟" فاطمہ نے سرد لہجے میں کہا۔
"اچھا، گھر اپنا ہے؟" اس کی بھابھی کو جیسے جھٹکا لگا۔ "یہ تو بڑی اچھی بات ہے اتنے سالوں میں تم نے اچھا کیا کہ ذاتی گھر خرید لیا۔ کوئی بات نہیں۔ اسے بے شک اپنے پاس ہی رہنے دینا کرائے پر چڑھا دینا یا بیچ دینا جیسا تمہارا جی چاہے۔" وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہی تھیں یوں جیسے وہ وہاں اسے یہی مشورہ دینے آئی تھیں۔
"آپ کو اس گھر کا پتہ کس نے دیا ہے؟" فاطمہ نے ان کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ دونوں میاں بیوی نے بے اختیار چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر فاطمہ کو۔ کچھ دیر تک اس کا بھائی خاموشی سے فاطمہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔
"شیر کی ماں نے۔" فاطمہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔
"کون شیر کی... شیر کی ماں؟" اس نے بے اختیار لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا۔ "تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ شیر کی ماں کون ہے اور اگر تم نہیں بھی جانتیں تو کم از کم وہ بہت اچھی طرح تمہیں جانتی ہے۔" اس کا بھائی اب بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔
"بیگم شائستہ کمال۔" فاطمہ کے پورے جسم میں سوئیاں چبھنے لگیں۔ وہ عورت کہاں تک جا پہنچی تھی اور وہ اس کے اور اس کے خاندان کے بارے میں کیا کچھ جانتی تھی... پھر کیا ثمر اور علی کے بارے میں بھی... فاطمہ کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے... تو کیا وہ واقعی شیر کی ماں تھی؟... مگر میں نے شیر کو کسی ہاسپٹل کی کلینک سے نہیں اٹھایا۔ میں نے اسے ایک یتیم خانے سے لیا تھا۔ اس نے خود کو کسی موہوم امید کے طور پر تسلی دینے کی کوشش کی جو بے سود رہی۔
"ہم ان ہی کے کہنے پر یہاں آئے ہیں۔ وہ بہت اچھی عورت ہے۔ اس نے ہمیں کہا ہے کہ اس کا بیٹا واپس کرنے کی صورت میں وہ تمہیں منہ مانگی رقم دے گی۔"
بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔ ۲۲ سال بعد اس کے بھائی اور بھابھی کو اس تک کیا چیز کھینچ کر لائی تھی... خونی رشتہ؟ یا پیسہ؟... جواب مشکل نہیں تھا۔ جو عورت اسے منہ مانگی رقم کی آفر دے رہی تھی اس نے اس کے بھائی اور بھابھی کو کتنا روپیہ دیا ہوگا۔ اندازہ لگانا آسان تھا۔
"میں نے ان بچوں کو فروخت کرنے کے لیے نہیں پالا... آپ دونوں یہاں سے چلے جائیں۔" فاطمہ یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "یہ میری اولاد ہیں۔ میرا خون ہے نہ سہی مگر میری اولاد ہیں۔"
"کوڑے کے ڈھیر سے اٹھائے جانے والے بچے تمہارے بڑھاپے کی لاٹھی نہیں بن سکتے۔" اس کے بھائی نے کہا تو وہ عورت یہ بھی جانتی تھی کہ ثمر اور علی کہاں سے آئے تھے۔ فاطمہ کو اب شبہ نہیں رہا تھا کہ شائستہ واقعی شیر کی ماں تھی۔
"میں نے بڑھاپے کی لاٹھی بننے کے لیے ان کو نہیں پالا... میں نے ان کو سہارا دینے کے لیے پالا تھا۔"
"بڑی نیکی کمائی ہے... اب بس کرو... واپس اپنے گھر آ جاؤ... وہ بڑے ہو چکے ہیں۔ دوبارہ کسی کوڑے کے ڈھیر پر نہیں بیٹھیں گے۔ تم بیگم شائستہ کے..." اس نے اپنے بھائی کی بات کاٹ دی۔
"آپ برائے مہربانی یہاں سے چلے جائیں اور دوبارہ کبھی مت آئیے گا۔"
اس کے بھائی بھابھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ "اگر ہم نہیں آئے تو کوئی اور آئے گا پھر کوئی اور... تم کتنوں کو گھر سے نکالو گی؟ کتنوں کے منہ بند کرو گی۔ اس محلے کے لوگوں کو جب یہ پتہ چلے گا کہ تم لوگوں کے بچے پال کر بیچتی رہی ہو تو ذرا سوچو تمہیں وہ کیا سمجھیں گے... اور خود یہ بچے تمہاری حقیقت جان کر تمہارا کیا حال کریں گے۔ خاص طور پر شیر۔"
اس کی بھابھی نے اپنے چہرے سے ماسک اتار دیا تھا۔

''آپ یہاں سے چلے جائیں۔'' اس بار فاطمہ بے اختیار چلائی۔

''سوچ لو فاطمہ! ہم دوبارہ آئیں گے۔ ابھی تمہارے پاس وقت ہے۔''

وہ دونوں کہتے ہوئے آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے۔ فاطمہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ زندگی اس کے لیے واقعی ایک چورا ہا ثابت ہوئی تھی۔ وہ گھوم کر پچیس سال بعد پھر وہیں آن کھڑی ہوئی تھی۔ پچھلے کئی ماہ سے جن حقائق اور انکشافات واتفاقات کو وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ اب اس کے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے۔ وہ آگے نہیں جا سکتی تھی' وہ پیچھے نہیں جا سکتی تھی' وہ دائیں نہیں مڑ سکتی تھی وہ بائیں نہیں مڑ سکتی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ دنیا آخر ختم کیوں نہیں ہوتی۔ بائیس سال بعد اس نے ایک بار پھر اللہ سے شکوہ کیا تھا۔

اس نے آہٹ پر سر اٹھایا۔ آنسوؤں کی دھندلاہٹ میں پہلی نظر میں اسے کچھ نظر نہیں آیا...... پھر جو چہرہ نظر آیا تھا۔ وہ اس وقت اسے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کمرے کی چوکھٹ پر شہیر کھڑا تھا۔ وہ کس وقت گھر آیا تھا۔ فاطمہ کو اندازہ نہیں تھا۔ اندازے لگانے کا وقت گزر چکا تھا۔

☆☆☆

چھبیسواں باب

دیکھنے والوں نے اس نوجوان خوب صورت لڑکی کو شام کے دھندلکے میں نہر کے پل سے نہر میں چھلانگ مارتے دیکھا تھا۔ اس لڑکی کی خوش قسمتی یا بدقسمتی یہ تھی کہ شام کے اس پہر میں بھی وہاں نہر کے کنارے بہت سے لوگ تھے۔۔۔ ریڑھیوں والے، پھل فروش اور ایسے ہی دوسرے کام کرنے والے جو اس وقت اپنا کام سمیٹ رہے تھے اور اس پر مستزاد نہر کے پل سے گزرنے والی گاڑیوں والے جو ایک جوان لڑکی کو پل سے نیچے چھلانگ لگاتے دیکھ کر بے اختیار اپنی اپنی گاڑیاں روکنے لگے تھے۔ یک دم ہی پل پر شور و غوغا برپا ہو گیا تھا۔

گاڑیوں والے اپنی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس جلا کر خود گاڑیوں سے نیچے اتر گئے۔ نہر کا وہ حصہ وقتی طور پر یک دم روشن ہو گیا تھا۔ پانی کے تیز ریلے میں وہ لڑکی نیچے پانی میں غوطے کھاتی نظر آ رہی تھی اور اس کے پھولے ہوئے کپڑے پانی میں اس کا سراغ دے رہے تھے۔

☆☆☆

منصور علی رشنی کی کال ملنے کے چند منٹ کے اندر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔ وہ بے حد مضطرب تھا اور راستہ بھر وہ تمام جملے سوچتا رہا، جو اسے رشنی سے کہنے تھے۔

گیٹ پر پہلا ہارن دیتے ہی اس کے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج اس نے منصور کو سلام نہیں کیا، اور منصور نے اس بات کو نوٹ کیا تھا۔ وہ ویسے بھی یہ بات طے کر چکا تھا کہ اسے اپنے ان تمام ملازمین کو آنے والے چند دنوں میں فارغ کر دینا ہے۔ وہ نمک حرام تھے اور انہوں نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا تھا وہ اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ رشنی کی بات اور تھی وہ اس کی حقیقی بیٹی تھی۔ وہ اسے سو خون معاف کر سکتا تھا مگر ملازم ملازم ہی ہوتے ہیں اور وہ اگر مالک سے وفاداری کو بھول جائیں تو انہیں ٹھوکریں مارتے ہوئے گھر سے نکال دینا چاہیے۔ اس نے پورچ میں گاڑی کھڑی کرتے ہوئے بھی یہی سوچا۔

رشنی اسے پورچ میں نظر نہیں آئی۔ اسے اس کی توقع بھی نہیں تھی۔ آخر وہ اس سے ناراض تھی اور ناراضی کی حالت میں اس کے استقبال کے لیے پورچ میں کیسے آ سکتی تھی۔

منصور نے گاڑی سے اترتے ہوئے ان چند دوسری گاڑیوں پر نظر دوڑائی جو آگے پیچھے دو تین پورچ میں کھڑی تھیں۔ وہ اس کی گاڑیاں نہیں تھیں۔ اس کا جسم ایک دم تن گیا۔ ان گاڑیوں کی یہاں موجودگی کا مطلب تھا کہ اس کے گھر میں اس وقت کوئی اور بھی تھا۔ اور یہ کوئی اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ غصے کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی تھی۔ مگر اس نے اسے اندر ہی دبا دیا۔ وہ یہاں لڑنے نہیں آیا تھا۔ اس نے خود کو سمجھایا۔

اندر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ٹھٹک گیا۔ لاؤنج میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ رشنی، رشنی کی ماں شائستہ، وہ لڑکا جسے اس نے رشنی کے ساتھ دیکھا تھا۔ بھاری جسم کا ادھیڑ عمر کا ایک شخص اور ایک اور آدمی جو صوفے پر

بیٹھا اپنے سامنے والی سینٹر ٹیبل پر کچھ کاغذ پھیلائے ان پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

تمام افراد کی نظریں تقریباً ایک وقت ہی منصور علی پر پڑی تھیں۔ اور ان میں سے ہر نظر میں منصور علی نے اپنے لیے واضح تضحیک محسوس کی تھی۔ اس وقت اسے پہلی بار احساس ہوا کہ رخشی نے اسے وہاں کسی مصالحت یا سمجھوتے کے تحت نہیں بلایا تھا۔ اسے وہاں کسی اور کام کے لیے بلایا گیا تھا۔

چند قدم آگے بڑھاتے ہوئے وہ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے ان تمام لوگوں کے بالمقابل آ گیا مگر اس کی نظریں رخشی پر جمی ہوئی تھیں۔ رخشی کے چہرے پر شناسائی نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ ٹھنڈا، سرد مہری، منصور علی کو چند سال پہلے ستوانت کے اسٹیج پلے میں ملکہ کا کردار ادا کرتی رخشی یاد آئی۔ وہ اسی بے تاثر چہرے کو دیکھ کر اس کے عشق میں گرفتار ہوا تھا اور آج وہ چہرہ اسے تکلیف دے رہا تھا۔

"بیٹھو" اس لڑکے نے یک دم تحکمانہ انداز میں اس سے کہا تھا۔ منصور نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر ناگواری سے کہا۔

"یہ میرا گھر ہے اور اپنے گھر میں بیٹھنے کے لیے مجھے تمہاری ہدایات کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ رخشی کا گھر ہے اور رخشی کے گھر میں صرف بیٹھنے کے لیے ہی نہیں اندر آنے کے لیے بھی تمہیں میری اجازت کی ضرورت ہے۔" اس لڑکے نے جواباً بے حد رکھائی سے کہا۔

"رخشی میری بیوی ہے اور اپنے گھر آنے کے لیے بیٹھنے کے لیے مجھے کسی تیسرے آدمی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"رخشی تمہاری بیوی ہے۔" اس لڑکے نے مضحکہ خیز انداز میں کہتے ہوئے رخشی کو دیکھا۔ دونوں کے درمیان مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا پھر اس لڑکے نے کہا۔

"اسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے تمہیں یہاں دعوت دی گئی ہے، تشریف رکھیے۔ منصور صاحب! آپ چار جوتے کھانے کے بعد تشریف رکھیں گے۔" منصور کا چہرہ اس کے آخری جملے پر بے اختیار سرخ ہو گیا اور اس سرخی میں رخشی کے چہرے پر ابھرنے والی مسکراہٹ نے کچھ اور اضافہ کیا، مگر اس بار کچھ کہنے کے بجائے منصور ایک خالی صوفے پر بیٹھ گیا۔ اسے اس لڑکے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اسے جس چیز کی دھمکی دے رہا تھا، وہ عملی طور پر کر بھی سکتا تھا۔

"وکیل صاحب! اسے کاغذ دکھائیں اور بتائیں کہ اس نے کہاں سائن کرنے ہیں۔"

اس بار وہ لڑکا صوفے پر بیٹھے کاغذات پر کچھ تحریر کرتے ہوئے آدمی سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ آدمی جواب میں کچھ کہنے کے بجائے ان کاغذات کو سمیٹ کر منصور کے برابر صوفے پر آ بیٹھا۔ اور کاغذات اس کے سامنے ٹیبل پر پھیلانے لگا۔

"یہ کیسے کاغذات ہیں؟" منصور نے چونک کر اس لڑکے کو دیکھا۔

"وکیل صاحب! آپ اسے باری باری بتاتے جائیں کہ آپ اس سے کس کس کاغذ پر سائن کروانے والے ہیں۔"

اس لڑکے نے جواباً وکیل سے کہا۔ وکیل نے پہلے چند کاغذات منصور کی طرف بڑھائے۔

"یہ طلاق نامہ ہے۔" منصور نے بے اختیار کہا۔ "مگر میں رخشی کو طلاق نہیں دینا چاہتا۔ ایک چھوٹی سی بات پر میں اپنی بیوی کو طلاق کیسے دے دوں؟"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا، ایک مسلح آدمی اس کے عقب میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور منصور نے ایک ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر محسوس کی۔

"یہاں میں نے تمہیں کسی تقریر کے لیے نہیں بلایا۔ صرف ان کاغذات کو سائن کرنے کے لیے بلایا ہے۔ اب یہ تم طے کرو کہ تم رخشی کو طلاق دینا چاہتے ہو یا مرنا۔ جاوید! اگر یہ بات کرنے کے لیے منہ بھی کھولے تو تم اس کا بھیجا کھول دینا۔"

اس لڑکے نے آخری جملہ اس کے پیچھے کھڑے آدمی سے کہا تھا۔ منصور نے اپنی گردن پر پسینے کی دھاریاں بہتی محسوس

کیس ہو رہا تھا وہ خوف زدہ ہو گیا۔ وکیل نے کاغذات اس کے گھٹنے پر رکھتے ہوئے دوبارہ اس کو سائن کرنے کے لیے کہا۔ منصور نے بے یقینی کے انداز میں دور بیٹھی رخشی کو دیکھا۔ رخشی نے اس سے نظریں چراتے ہوئے اس لڑکے کو دیکھا۔ منصور نے اپنی کنپٹی کے قریب ریوالور کا ٹریگر گھمانے کی آواز سنی، ایک لفظ بھی منہ سے نکالے بغیر کانپتے ہاتھ کے ساتھ اس نے پین پکڑتے ہوئے ان کاغذات کو سائن کر دیا۔

وکیل نے ان کاغذات کو میز پر رکھتے ہوئے کچھ دوسرے کاغذات اس کے گھٹنے پر رکھے۔

"یہ آپ کے بیٹے کی کسٹڈی کے کاغذات ہیں جس کے مطابق آپ اپنے بیٹے سے مکمل طور پر دست بردار ہوتے ہوئے اسے رخشی کو دے رہے ہیں۔"

منصور نے کچھ کہے بغیر ان پیپرز کو سائن کیا۔ بیٹا اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا، اس کا ذہن صرف طلاق نامے میں الجھا ہوا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ گن پوائنٹ پر اس طرح زبردستی کروائی جانے والی طلاق موثر نہیں ہو سکتی ہے۔ یہاں سے سیدھا کسی مولوی کے پاس جائے گا اور اس بارے میں اس سے پوچھے گا اور اسے یقین تھا کہ وہ اس سے یہی کہیں گے کہ ایسی صورت میں طلاق نہیں ہوتی۔

"اور یہ آپ کی اس فیکٹری کے کاغذات ہیں جسے آپ اپنے بیٹے کے نام کر چکے ہیں۔ اس میں پاور آف اٹارنی ہے جو آپ رخشی کو دے رہے ہیں کہ بیٹے کے بڑے ہونے تک فیکٹری کے معاملات کو وہی چلائے گی اور آپ فیکٹری سے الگ ہو رہے ہیں۔"

منصور کو ایک دم جیسے کسی نے چابک سے مارا تھا۔ فیکٹری ہاتھ سے نکل جانے کا مطلب کیا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر بے اختیار اسے اپنی کنپٹی کے ساتھ لگا ریوالور یاد آیا۔ کچھ کہے بغیر اس نے خاموشی سے اس پر بھی دستخط کر دیے۔

وکیل نے اس سے کچھ اور پیپرز بھی سائن کروائے مگر اس بار اس نے منصور کو ان کی نوعیت کے بارے میں نہیں بتایا۔ اس تمام کارروائی میں صرف بیس منٹ لگے تھے۔ آخری پیپر کو سائن کرتے ہی اس لڑکے نے منصور کو اٹھنے کا کہا۔ منصور کھڑا ہو گیا۔

"اسے بڑی عزت کے ساتھ گیٹ سے باہر چھوڑ آؤ۔ یہ بڑا اچھا بچہ ہے۔"

اس لڑکے نے مذاق اڑانے والے انداز میں منصور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان مسلح آدمیوں سے کہا۔ لاؤنج میں بیٹھے تمام لوگ کھلکھلا کر ہنس دیے۔ منصور چیخ کر اس لڑکی اور ان تمام لوگوں کو گالیاں دینا چاہتا تھا مگر اس کا نتیجہ۔

صرف بیس منٹ کے بعد وہ ایک بار پھر گیٹ کے باہر کھڑا بے یقینی کا شکار تھا۔ صرف چند منٹ لگے تھے رخشی کو اس کی زندگی سے نکلنے میں۔۔۔ یا منصور علی کو اپنی زندگی سے نکالنے میں۔ اس کے ساتھ کتنا بڑا دھوکا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ بلند آواز میں وہیں اس گیٹ کے سامنے کھڑے ہو کر چیخے چلائے تاکہ ساری دنیا کو وہاں اکٹھا کر لے۔ اس کی بیوی کو بری طرح ورغلایا گیا تھا ورنہ رخشی اس کے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کرتی۔ اس کا ذہن اب بھی یہ بات ماننے سے انکار کر رہا تھا کہ رخشی نے اسے دھوکا دیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس پر دباؤ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ بہک گئی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ یہ سب کچھ ناراضی میں کر رہی ہو۔ اس کی "ہو سکتا ہے" کی فہرست ختم نہیں ہو رہی تھی۔ سڑک پر کھڑے پاگلوں کی طرح اپنے گھر کو دیکھتے ہوئے وہ ایک کے بعد ایک وجہ سوچ رہا تھا۔ جس نے رخشی کو اس سے دور کر دیا تھا۔

☆☆☆

"شہیر ہمارا بیٹا ہے۔ تمہارا اور اسد کا بڑا بھائی۔"

شائستہ نے بے حد پرسکون انداز میں نایاب کے سر پر جیسے بم پھوڑا تھا۔ وہ چند دن دوبئی میں گزار کر ابھی چند گھنٹے پہلے ہی پاکستان واپس آئی تھی اور یہاں آتے ہی اس نے نایاب کو گھر پر پایا تھا۔ نایاب اس دن کے بعد کالج نہیں گئی تھی۔ وہ اس

معاملے کی وضاحت شائستہ سے کروائے بغیر کہیں جانا نہیں چاہتی تھی۔ فرح کا سامنا کرنا اسے یک دم ہی بہت دشوار لگنے لگا تھا۔
اور اب شائستہ اسے وہاں اپنے کمرے میں بیٹھی وہ جھوٹ سنا رہی تھی۔ جو اس نے اور ہارون نے مل کر گھڑا تھا۔ ہارون اس کے دباؤ پر بالآخر شبیر کو اپنانے پر تیار ہو گیا تھا مگر وہ یہ چاہتا تھا کہ شائستہ نایاب کو سب کچھ سچ سچ بتانے کے بجائے وہی جھوٹ بولے جو اس نے شبیر سے بولا تھا اور شائستہ کے لیے یہ کام اتنا دشوار نہیں تھا۔ وہ اس وقت بڑی مسرت کے عالم میں نایاب کو یہ سب کچھ بتا رہی تھی۔

نایاب پلکیں جھپکائے بغیر یک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ شائستہ کو اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں تھا مگر اسے یقین تھا کہ ابتدائی شاک کے بعد نایاب بالآخر اس کی بات کو حقیقت تسلیم کر لے گی۔

"میں نے اور تمہارے پاپا نے کورٹ میرج کی تھی۔ دونوں فیملیز کی مرضی کے خلاف۔" اس لیے شروع میں دونوں فیملیز نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ ہم لوگ اکیلے ہی رہتے رہے، یہی وجہ ہے کہ جب شبیر کلینک سے اس طرح غائب ہو گیا تو ہم خود ہی اسے ڈھونڈتے رہے ہم نے فیملی میں سے کسی کو اس کی گمشدگی کے بارے میں اطلاع نہیں دی کیونکہ کوئی بھی ہماری مدد کو نہیں آتا۔ البتہ وہ سب یہ ضرور کہتے کہ ہمیں اپنی مرضی سے ضد کر کے شادی کرنے کی سزا ملی ہے۔ اسی لیے میں نے اور ہارون نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اس واقعے کے بارے میں کسی کو نہیں بتائیں گے۔"

"تم لوگوں کو بتانے کا کیا فائدہ ہوتا۔" شائستہ نے کہا۔ "ہم تم دونوں کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔"

"اور اب کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"اب شبیر مل گیا ہے۔ اب ہمیں کسی کی پروا نہیں ہے۔" شائستہ نے کہا۔

"شاید ہماری بھی نہیں۔" نایاب کے لہجے میں تلخی تھی۔

"میں تمہاری بات نہیں کر رہی تھی میں لوگوں کی بات کر رہی تھی۔" شائستہ نے یک دم سنبھل کر کہا۔

"آپ کے پاس آخر کیا ثبوت ہے کہ یہ وہی بچہ ہے جو...."

نایاب نے بات ادھوری چھوڑ دی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اس بچے کو کیا کہے اپنے ماں باپ کی اولاد؟ اپنا بھائی؟ یا صرف ایک گمشدہ بچہ؟

"میرے پاس بہت سے ثبوت ہیں۔ میں بے وقوف نہیں ہوں کہ خوامخواہ اتنے سالوں کے بعد ایک لڑکے کو دیکھ کر اسے اپنی اولاد تسلیم کر لوں۔" شائستہ نے کہا۔ "میں نے فاطمہ کا پورا بیک گراؤنڈ چیک کروا لیا ہے اسی حلیے کی ایک عورت کو جب ایک بچے کو لے کر اس کلینک سے اس رات نکلتے دیکھا گیا تھا جس رات شبیر غائب ہوا تھا۔"

"یہ کوئی ثبوت نہیں ہے۔" نایاب نے بے رخی کے ساتھ اس کی بات کاٹی۔

"فاطمہ کبھی شادی شدہ نہیں رہی۔ میں اس کے بھائی کے گھر جا چکی ہوں اس کی ماں سے مل چکی ہوں۔"

نایاب اب چونک گئی۔

"پچیس سال پہلے وہ ناراض ہو کر گھر سے چلی گئی تھی اور اس کے بعد وہ کبھی واپس نہیں آئی نہ ہی گھر والوں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی۔"

"ہو سکتا ہے انہوں نے گھر چھوڑنے کے بعد اپنی مرضی سے یہ شادی کر لی ہو؟" نایاب نے کہا۔

"نہیں ایسا بھی نہیں ہوا۔" شائستہ نے کہا۔ "میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں نے اس کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں سب کچھ چیک کروایا ہے۔ وہ گورنمنٹ ٹیچر رہی ہے اور اس کی جاب کے ریکارڈ میں کہیں بھی اس کی ازدواجی حیثیت کے بارے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ہو سکتا ہے اس نے زبانی طور پر ان اسکولز میں جہاں اس کی پوسٹنگ رہی ہے یہ بتایا ہو کہ وہ ایک بیوہ ہے مگر اس کے ڈاکومنٹس میں یہ بات کہیں بھی نہیں ہے۔"

نایاب اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ "آپ کا کیا مطلب ہے؟ اگر شبیر ان کا بیٹا نہیں ہے تو پھر شبیر اور وہ...."

شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی "ہاں ۔ وہ دونوں بھی اس کے بچے نہیں ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے انہوں نے ان دونوں کو بھی اسی طرح اغوا کیا ہے؟" نایاب نے بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔

"نہیں اس نے ان دونوں کو اغوا نہیں کیا۔" شائستہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس نے انہیں کوڑے کے ایک ڈھیر سے اٹھایا تھا۔"

نایاب کا جسم سن ہو گیا۔

"وہ دونوں کسی کی ناجائز اولاد تھے۔ کسی نے انہیں اس محلے میں کوڑے کے ایک ڈھیر پر پھینک دیا جہاں سے یہ عورت انہیں اٹھا لائی۔" شائستہ نے جیسے وضاحت کی۔

نایاب پھٹی ہوئی آنکھوں کے ساتھ شائستہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"میں اس محلے میں بھی جا چکی ہوں۔ فاطمہ نے وہاں کئی سال گزارے تھے اور پھر ایک دم وہ محلہ چھوڑ دیا۔"

نایاب کو لفظ بے معنی لگ رہے تھے۔ شائستہ کون تھی اور کتنے انکشافات کر رہی تھی اور کیا سب آج ہی کر دینے تھے۔

"ان تینوں میں سے کوئی بچہ فاطمہ کی اولاد نہیں ہے ہاں بس یہ ثمر اور ہانیہ آپس میں بہن بھائی ہیں اور شیر وہ ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رکھتا۔ وہ تم دونوں کا بھائی ہے میرا اور ہارون کا بیٹا ہے۔" شائستہ یک دم جذباتی ہو گئی "جسے میں نے اس عورت کی وجہ سے اتنے سال پہلے کھو دیا اور جوان ساری آسائشوں کے بغیر زندگی گزارتا رہا جو تمہیں اور اسد کو ملتی رہیں۔ مگر اب اب جب میں اسے ایک بار پھر تلاش کر چکی ہوں میں۔ میں اسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑوں گی۔ میں اسے وہ زندگی گزارنے نہیں دوں گی جو میرے ملازم بھی نہیں گزارتے۔"

شائستہ کہہ رہی تھی نایاب کا ذہن جھکڑوں کی زد میں تھا۔ وہ شیر کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی اسے شائستہ کی اتنی لمبی تقریر کے بعد بھی اچانک مل جانے والے اس بھائی میں کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی جس کے بارے میں اس نے زندگی میں کئی بار ان چاہوں کے اندر سنا تھا۔ وہ صرف ثمر اور اس سے متعلق انکشاف کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"کیا ثمر یہ سب کچھ پہلے ہی جانتا تھا؟ کیا اس نے دانستہ طور پر اپنے ماضی کو اس سے چھپایا تھا؟ یا پھر وہ واقعی بے خبر تھا اور اگر وہ یہ سب کچھ نہیں جانتا تھا تو اب یہ سب کچھ جان کر اس کا رد عمل کیا ہو گا؟ یہ جان کر کہ وہ کسی کی ناجائز اولاد ـــــ اور یہ انکشاف اس پر کون کرے گا؟ کم از کم میں تو نہیں۔ کسی قیمت پر نہیں۔"

نایاب نے پلک جھپکنے میں طے کیا۔ اس نے اس وقت شیر کے لیے نہیں ثمر کے لیے ہمدردی محسوس کی تھی بے تحاشا ہمدردی۔ اسے اس انکشاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ کسی کی ناجائز اولاد تھی اور اس کے اس فیصلے پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ ہاں مگر اب وہ یہ ضرور جان گئی کہ پہلے اگر ہارون اور شائستہ کو ثمر سے شادی کے لیے تیار کرنا مشکل تھا تو اب یہ جان جوکھوں کا کام بن گیا تھا اور اسے اگر کسی تکلیف اور خوف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تو وہ شیر کے حوالے سے نہیں تھا۔ وہ ثمر اور اپنی شادی کے حوالے سے تھا۔

وہ یک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم کچھ نہیں کہو گی اس ساری صورت حال کے بارے میں۔" شائستہ نے اسے ٹوکا۔

"مجھے پہلے پاپا سے بات کرنی ہے پھر اسد بھائی سے۔" نایاب نے کہا۔

"تم ہارون سے بات کرو مگر اسد سے ابھی بات مت کرنا۔" شائستہ نے کہا۔

"کیوں؟" نایاب نے اسے اچکائے۔

"مجھے شیر کو یہاں لے آنے دو اس کے بعد میں اور ہارون خود اسد سے بات کر لیں گے۔"

"کسی اس سارے معاملے میں اگر کسی کی زندگی پر اثر پڑ رہا ہے تو وہ میں ہوں یا پھر اسد بھائی اور آپ یہ چاہتی ہیں کہ انہیں اندھیرے میں رکھا جائے؟"

"شیر تمہارا بھائی ہے۔" شائستہ نے یک دم اس کی بات کاٹی۔ نایاب نے بے بسی سے کندھے جھٹکے۔

"میں اسد کے علاوہ کسی دوسرے بھائی کو نہیں جانتی۔ ہاں میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ آپ دونوں ہمارے ماں باپ ہیں اور آپ دونوں اگر ہر سال کسی نہ کسی کو پکڑ کر ہمارے سامنے لا کر یہ کہیں گے کہ یہ تمہارا بھائی ہے تو ہم مان لیں گے۔ فرماں بردار اولاد ایسا ہی کرتی ہے لیکن اگر میرا دل اور ذہن یہ نہیں مانتا تو میں انہیں ماننے پر مجبور نہیں کروں گی۔" شائستہ کو لگا جیسے اس نے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو۔

"آپ لوگ ایک پوری فیملی کو تباہ کرنے والے ہیں۔ شیر کو اور ثانیہ کو غلط کہہ کر سب کو اور آپ کو اس کا احساس بھی نہیں ہے۔"

"وہ فیملی نہیں ہے۔ وہ کبھی فیملی نہیں تھی۔" شائستہ غرائی "میں تمہیں کتنی بار بتاؤں گی وہ عورت ایک فراڈ ہے۔ جھوٹی ہے۔"

"ممی یہ سب کسی اور کو بتائیں۔ مجھے جانا ہے۔" نایاب نے تیزی سے اس کی بات کاٹی اور کمرے سے نکل گئی۔ شائستہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ وہ اولاد کے معاملے میں خوش قسمت تھی یا بدقسمت۔ یہ اسے ساری زندگی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

وہ رخشی کے گھر سے فیکٹری کی طرف جا رہا تھا جب راستے میں اس کے موبائل پر اس کے منیجر کی پہلی کال آئی۔

"فیکٹری کے اندر کچھ لوگ گھس آئے ہیں اور انہوں نے اسٹاف اور ورکرز کو فیکٹری خالی کرنے کے لیے کہہ دیا ہے۔" منصور کا دل ڈوبنے لگا۔ ابھی اور کیا کیا جانا تھا۔

وہ ہوا کی رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے فیکٹری پہنچا تھا اور دور سے ہی اس نے فیکٹری کے باہر ہجوم دیکھ لیا تھا۔ فیکٹری کے گیٹ اب بند تھے۔ گارڈز بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ باہر کھڑے تھے۔

"ہم نے پولیس کو فون کر دیا ہے، وہ کچھ دیر میں یہاں پہنچنے ہی والی ہوگی۔ یہ تو سراسر غنڈہ گردی ہے۔" منیجر نے منصور کے گاڑی سے اترتے ہی اسے جلدی جلدی سب کچھ بتانا شروع کر دیا۔ منصور پتھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فیکٹری کے بند ہوتے گیٹ کو دیکھ رہا تھا وہ اس کی عمر بھر کی کمائی تھی جو اس کے ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی۔ ڈوبتے دل کے ساتھ کچھ کیے بغیر اس نے اپنے وکیل کو فون کیا پھر باری باری ان تمام افسران اور کاروباری دوستوں کو جن کے ساتھ اس کے اچھے تعلقات تھے۔ اسے امید تھی وہ اس کا مسئلہ حل کروا دیں گے۔ رخشی کی بات اور تھی گھر کی بات بھی دوسری تھی۔ پر فیکٹری پر کوئی اس طرح کیسے شب خون مار سکتا تھا اور اس نے تو ابھی کل ہی اپنے وکیل کو بلوا کر فیکٹری کی ملکیت کے کاغذات میں تبدیلی کروا دی تھی۔

دس بجے کے قریب اس نے پولیس کی ایک گاڑی کو بالآخر وہاں آتے دیکھا۔ ان کے ساتھ ایک اور گاڑی میں کچھ دوسرے افراد بھی تھے۔ منصور بے تابی سے پولیس کی گاڑی کی طرف گیا اور اس سے پہلے کہ کچھ کہتا۔ ایک پولیس والے نے درشتی سے اسے بتایا۔

"یہ متنازعہ جائیداد ہے آپ کی بیوی نے کورٹ سے stay order لے لیا ہے۔ فیکٹری کو وقتی طور پر بند کیا جا رہا ہے۔"

دوسری گاڑی میں بیلف اور چند دوسرے لوگ تھے جو اب فیکٹری کے گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ منصور یک دم بلند آواز میں چیخنے اور چلانے لگا۔ وہ فیکٹری کے اندر جانا چاہتا تھا۔ پولیس کے ایک کانسٹیبل نے اسے روکا۔ منصور نے اسے زور سے دھکا دیا۔ دوسرے کانسٹیبل نے غصے کے عالم میں ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈنڈا منصور کی کمر پر دے مارا۔ ایک تیسرے کانسٹیبل نے منصور کو کالر سے پکڑ لیا۔ وہ [illegible] اپنے ورکرز اور اسٹاف کے سامنے بے عزت کیا جا رہا تھا۔ منصور کی زندگی میں یہ دن پہلے

بھی نہیں آیا تھا۔ منصور علی کی زندگی میں ایسے دن اب کئی بار آنے تھے۔ وہ پولیس والوں سے جھگڑ رہا تھا اور بے عزت ہو رہا تھا۔ اس کا منیجر اور دوسرے افراد اسے کھینچ کر پیچھے لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"سر..... سر..... ہمیں بھی عدالت میں جانا چاہیے' وکیل کی مدد لینی چاہیے۔ یہاں لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ سر..... پلیز آپ آجائیں۔" منیجر منصور کو کھینچ رہا تھا۔ منصور کا گریبان پھٹ چکا تھا۔ وہ پولیس والوں کو بری طرح گالیاں دے رہا تھا۔ فیکٹری کے اندر بیٹھے لوگوں کو..... اس ملک کے نظام کو..... عدالتوں کو..... سب کو..... وہ سب مل کر ملک کے ایک "معزز" اور "شریف" شہری کے ساتھ "ظلم" کر رہے تھے۔ اسے اس کی جائیداد سے محروم کر رہے تھے۔

"یہ فضول اسٹیٹ ہے' یہ ملک اس قابل نہیں کہ یہاں میرے جیسے لوگ رہیں۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اس ملک پر' یہاں کے سسٹم پر' میں تم لوگوں کو دیکھ لوں گا' تم سب کو دیکھ لوں گا۔" اس کا منیجر اسے کسی نہ کسی طرح گاڑی تک لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

پولیس والے اسے جاتا دیکھ کر اطمینان کے عالم میں خود بھی فیکٹری کے گیٹ کی طرف جانے لگے۔

"پہلے وہ دو شادیاں کرتے ہیں' دوسری بیوی کے نام جائیدادیں لگاتے ہیں پھر سڑکوں پر کھڑے ہو کر ملک کو گالیاں دیتے ہیں۔" ایک پولیس کانسٹیبل نے دوسرے سے کہا۔

"بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔" دوسرے نے مضحکہ خیز انداز میں کہا پھر دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔

☆☆☆

"منصور صاحب اس فیکٹری کے بارے میں کوئی قانونی کارروائی کرنے سے پہلے میں آپ کو دوسری فیکٹری کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔" منصور اپنے وکیل اور منیجر کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی وہاں پہنچا تھا اور اب اپنے وکیل کے ساتھ صلاح مشورہ کر رہا تھا۔ جب وکیل نے یک دم اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ منصور چونک گیا۔

"دوسری فیکٹری کے بارے میں.....؟"

"یہاں آنے سے کچھ دیر پہلے مجھے ہارون کمال صاحب کے وکیل کا فون آیا تھا وہ کہہ رہا تھا ہارون کمال آپ کے ساتھ پارٹنرشپ ختم کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ آپ کے ساتھ میری موجودگی میں ملنا چاہتے ہیں۔"

منصور کو لگا اس بار چھت نہیں پورا آسمان اس کے سر پر آن گرا تھا۔

☆☆☆

دیکھنے والوں نے اس نوجوان خوبصورت لڑکی کو شام کے دھندلکے میں نہر کے پل سے نہر میں چھلانگ مارتے دیکھا تھا۔ اس لڑکی کی خوش قسمتی یا بدقسمتی یہ تھی کہ شام کے اس پہر بھی وہاں نہر کے کنارے بہت سے لوگ تھے۔ ریڑھیوں والے پھل فروش اور ایسے ہی دوسرے کام کرنے والے جو اس وقت اپنا کام سمیٹ رہے تھے اور اس پر مستزاد نہر کے پل سے گزرنے والی گاڑیوں والے جو ایک نوجوان لڑکی کو پل سے نیچے چھلانگ لگاتے دیکھ کر بے اختیار اپنی اپنی گاڑیاں روکنے لگے تھے۔ یک دم ہی پل پر شور و غل برپا ہو گیا تھا۔ گاڑیوں والے اپنی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس جلا کر خود گاڑیوں سے نیچے اتر گئے۔ نہر کا وہ حصہ وقتی طور پر یک دم روشن ہو گیا تھا۔ پانی کے تیز ریلے میں وہ لڑکی نیچے پانی میں غوطے کھاتی نظر آ رہی تھی اور اس کے پھولے ہوئے کپڑے پانی میں اس کا سراغ دے رہے تھے۔

پھر یک دم وہ کپڑے پانی میں غائب ہونے لگے۔ وہ لڑکی اب ڈوب رہی تھی۔ پل کے اوپر اور ارد گرد شور میں اضافہ ہونے لگا پھر یکے بعد دیگرے پل کے اوپر سے بہت سے نوجوانوں نے نہر میں چھلانگیں لگا دیں۔ اسے بچانے کے لیے وہاں وہ ہیرو کے طور پر جانے جاتے اگر وہ اس لڑکی کو بچانے میں کامیاب ہو جاتے مگر اس کا امکان کم نظر آ رہا تھا۔ شام کے دھندلکے نے اور پانی کی تیز رفتار نے اس لڑکی کے بچائے جانے کے امکانات کو بہت کم کر دیا تھا۔

ہی ایک آدمی نے نہر کے کنارے پر اس جگہ بندھی ایک پرانی اور بوسیدہ کشتی کو پانی میں دھکیل کر آگے جانے کی کوشش کی۔ ایک اور آدمی ایک لمبا بانس لے کر کشتی میں سوار ہو گیا۔

ان دونوں کو بانس کی مدد سے کشتی نہر کے درمیان لے کر جانے میں چند منٹ لگے تھے پھر ان میں سے ایک آدمی نہر میں اتر گیا۔ پانی میں ڈبکیاں لگاتے ہوئے وہ ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہوئے اس لڑکی کو تلاش کرنے لگا۔ دوسرے آدمی نے اس لمبے بانس کو پانی میں ڈال دیا۔ وہ بانس کو سیدھا کرنا چاہتا تھا جب اسے محسوس ہوا کہ بانس نہر کے نیچے کسی چیز میں اٹک گیا تھا۔ اسے یقین تھا یہ لڑکی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ پانی کی رفتار کے ساتھ اسے وہاں تک آنے میں ابھی مزید چند منٹ لگتے۔ اس نے بانس کو چھڑانے کی کوشش کی وہ ناکام رہا۔ اس نے آواز دے کر دوسرے آدمی کو مدد کے لیے بلایا۔ اس کا خیال تھا بانس نہر کی تہہ میں اگی ہوئی کسی جھاڑی میں پھنس گیا تھا۔ دوسرا آدمی بانس کو پکڑے پکڑے پانی میں غوطہ کھاتے ہوئے اسے چھڑانے کے لیے نیچے پانی میں گیا۔

عین اسی وقت پہلے آدمی کو کشتی سے کچھ فاصلے پر ایک کپڑے کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ سوچے سمجھے بغیر اس نے بانس ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے پانی میں چھلانگ لگا کر اس کپڑے کے تعاقب میں ہاتھ مارا۔ کپڑا وزنی تھا وہ یقیناً اسی لڑکی کا لباس تھا۔ بے حد جوش کے عالم میں اس نے پانی میں کچھ اور نیچے جا کر ہاتھ مارے اور تب ہی اس کے ہاتھ سے ایک بازو ٹکرایا۔ اس نے برق رفتاری سے اسے پکڑ لیا۔ لڑکی کے پیچھے پل کے اوپر سے چھلانگیں لگانے والے لڑکے اب قریب آ گئے تھے۔ ان میں سے ایک دو نے اس آدمی کو کشتی سے چھلانگ لگا کر زیرِ آب جاتے دیکھا تھا اور پھر خود بھی اس کے تعاقب میں اسی جگہ پر غوطہ لگایا۔ تب تک وہ آدمی پانی سے سر باہر نکال کر شور مچانے لگا تھا۔ ایک لڑکے نے ہاتھ مارتے ہوئے اس لڑکی کے اس بازو کو اپنی گرفت میں لیا جو پہلے ہی اس آدمی کے ہاتھ میں تھا اور پھر پوری طاقت سے اسے اوپر دھکیلنے کی کوشش کی۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں وہ لڑکی پانی کی سطح پر آ گئی تھی۔ وہ بے ہوش تھی۔ پانی میں چھلانگ لگانے والے تمام لوگ اب اسی سمت آ رہے تھے۔ سوائے اس آدمی کے جو بانس کے تعاقب میں گیا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ زیرِ آب پانی کی سطح تک آتا اور پھر سانس لے کر اندر چلا جاتا اور پانی کی سطح پر خود سے دور لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکی کو نکال لیا گیا تھا۔ چنانچہ اب وہ قدرے بے فکر ہو کر بانس کو چھڑانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

آخری غوطے میں اس کا ہاتھ بالآخر اس چیز پر پڑا جو بانس میں اٹک گئی تھی۔ وہ گدلے اور میلے پانی میں شام کے اندھیرے میں یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کیا چیز تھی۔ اسے ڈوری نما کوئی چیز محسوس ہوئی جو بانس کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے کچھ اور نیچے غوطہ مارتے ہوئے بانس کو اس سے الگ کرنا چاہا اور تب ہی اس کا ہاتھ اس دوسری چیز سے ٹکرایا جو اس رسی سے منسلک تھی۔ اس چیز پر ہاتھ پھیرتے ہوئے چند لمحوں میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا تھا۔ وہ ایک بیگ تھا۔ اس آدمی نے ایک دم ہی اس بیگ کے اسٹریپ کو اپنے ہاتھ میں لے کر بیگ کو اوپر کی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔ پہلی کوشش ناکام رہی۔ بیگ بہت وزنی تھا۔ آخر اتنے وزنی بیگ میں کیا ہو سکتا تھا۔ آدمی کو تجسس ہوا۔ اس نے پانی کی سطح پر آ کر سانس لیا اور دور کشتی کو دیکھا۔ لڑکی کو اب کشتی پر منتقل کیا جا چکا تھا۔ اس کا ساتھی بھی یقیناً اس وقت اسے بھلائے ہوئے اس لڑکی کو ہوش میں لانے کی کوشش میں مصروف تھا اور شاید گھڑی دو گھڑی میں وہ بانس کا دوسرا سرا نہر میں پھینک کر کشتی کو کنارے کی طرف لے جاتا۔

آدمی کا دل چاہا کہ وہ بھی بانس کو چھڑانے کی ایک اور کوشش کرنے کے بجائے واپس کشتی کی طرف چلا جائے مگر وہ اس بیگ کو اپنے ذہن سے نکالنے میں ناکام رہا۔ پتا نہیں اس میں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی قیمتی چیز...... اسمگلنگ کا کوئی مال...... لوٹ مار کا کوئی سامان...... کسی حادثے کا شکار ہونے والی کسی گاڑی میں سے کسی مسافر کا سامان...... اس کا دماغ جیسے ایک پہیلی میں الجھا ہوا تھا...... جو بھی ہو اس بیگ میں کچھ نہ کچھ تو ہو گا...... مجھے ایک بار پھر قسمت آزمائی چاہیے۔ اس آدمی نے بالآخر طے کیا اور نہر میں دوبارہ غوطہ لگایا۔

اس بار صرف چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ بیگ کو کھینچ کر پانی کی سطح تک لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کشتی اب واقعی

نہر کے کنارے لگی ہوئی تھی اور وہاں ہجوم تھا۔ بس نہر میں غائب ہو چکا تھا۔

اس آدمی نے نہر کے اس کنارے کی طرف جانے کے بجائے جہاں ہجوم تھا نہر کے دوسرے کنارے کا رخ کیا۔ وہ بیگ کو بمشکل گھسیٹ رہا تھا۔ وہ واقعی بے حد وزنی تھا۔ اسے دوسرے کنارے تک پہنچنے میں چند منٹ لگے تھے۔ مگر اس کی ہمت بھی جواب دے چکی تھی۔ بیگ اب نہر کے کنارے پڑا تھا۔ آدمی کچھ دیر نہر کے کنارے بیٹھ کر گہرے سانس لیتے ہوئے بیگ کو دیکھتا رہا۔ وہ ایک بہت بڑے سائز کا بیگ تھا۔ بیگ کو ایک چھوٹا سا تالا لگایا گیا تھا۔ سیاہ رنگ کے اس بیگ پر ایک نظر ڈالتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ بہت قیمتی ہے۔ نہ صرف مہنگا بلکہ نیا بھی۔ استعمال کرنے والے نے ابھی تک اسٹریپس کے ساتھ لگے ٹیگز کو نہیں اتارا تھا۔ پانی نے اگرچہ ان ٹیگز کی حالت خراب کر دی تھی مگر اس کے باوجود اس پر لگی ہوئی تحریر پڑھنا مشکل نہیں تھا۔ وہ لاہور کے ایک بہت بڑے اسٹور سے خریدا گیا تھا۔ وہ آدمی انگلش جانتا ہوتا تو ان ٹیگز کو پڑھنے کی کوشش کرتا مگر اس نے ان پر نظر نہیں دوڑائی۔

کچھ دیر تک اپنا سانس بحال کرنے کے بعد اس نے بیگ کے پاس جا کر اس کی مختلف جیبوں کو کھولنا شروع کیا۔ بیگ کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے پانی میں بہت عرصہ نہیں ہوا ورنہ اس آدمی کو زپ کھولنے میں کچھ دقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ بیگ کی بیرونی کسی جیب میں کچھ نہیں تھا۔ وہ آدمی بمشکل اپنا ہاتھ ان جیبوں کے اندر ڈال سکا۔ بیگ کے اندر جو کچھ بھی بھرا ہوا تھا وہ بہت سخت تھا اور اس نے باقی جیبوں میں کچھ اور رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ آدمی نے بیگ کو کچھ تھپتھپا کر اندر موجود چیزوں کی نوعیت کے بارے میں کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی تو اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ پہلی بار اس نے اس بدبو کو محسوس کیا جو اب یک دم تیز ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ بو نہر کے کنارے جھاڑیوں میں مختلف پرندوں اور جانوروں کی لاشوں کی وجہ سے ہے مگر بیگ کے قریب کچھ دیر بیٹھے رہنے پر اسے محسوس ہونا شروع ہوا تھا جیسے بو کا منبع بیگ ہی تھا۔ اس نے بیگ پر رکھے اپنے ایک ہاتھ کو اٹھا کر سونگھا اور اس کا دل بے اختیار دھڑکا۔ اس کے ہاتھ میں سے وہی بو آ رہی تھی۔ پنجوں کے بل بیٹھے ہوئے اس نے ذرا سا جھک کر بیگ کو سونگھا اور پھر بے اختیار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پہلی بار اس نے ٹھیک طور پر بیگ سے اٹھنے والے بدبو کے بھبکوں کو محسوس کیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اس طرح کی بدبو محسوس کی تھی۔ اس کے باوجود وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کسی انسانی لاش سے آنے والی بدبو تھی۔ وہاں کھڑے کھڑے اسے چند لمحوں میں فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ بیگ کو واپس نہر میں پھینک کر خود اطمینان سے گھر چلا جائے یا پھر پولیس کو اطلاع کرے۔ اس صورت میں وہ خود پھنس سکتا تھا۔ اس نے پل بھر میں فیصلہ کر لیا تھا۔ بیگ کو اسٹریپس سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے وہ دوبارہ نہر کے پانی کی طرف لے جانے لگا۔ نہر کے کنارے تک پہنچنے کے بعد اس سے پہلے کہ وہ بیگ کو دوبارہ پانی میں دھکیل دے اس نے دور کسی مسجد سے اذان کی آواز سنی تھی۔ اس کے قدم ٹھٹکے پھر ہاتھ رکے۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا۔ بیگ میں موجود لاش اگر کسی انسان کی تھی تو کیا وہ انسان اس قابل تھا کہ اسے ایک بار پھر پانی میں پھینک دیا جاتا جہاں کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد بیگ گلتا پھر وہ گلتا سڑتا مچھلیوں اور دوسرے حشرات کی غذا بن جاتا۔ صرف ایک ڈھانچے کی شناخت کے لیے وہاں پڑا رہتا اور زمین کے اوپر اس انسان کے ورثا اسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتے رہتے۔ وہ آدمی اس لاش کو زندگی نہیں دے سکتا تھا مگر اس لاش کو اس کے ورثا تک پہنچانے کی کوشش کر کے اسے بے گور و کفن پڑے رہنے سے بچا سکتا تھا۔

"اللہ اکبر... اللہ اکبر..." مؤذن کی آواز نے ایک بار پھر اس کے دل کو عجیب سی ہیبت کی گرفت میں دیا۔ بیگ کے اسٹریپس پر اس کے ہاتھ کی گرفت کمزور ہو گئی۔ پہلی بار اسے اس لاش پر ترس آیا جو اس بیگ کے اندر ٹھونسی گئی تھی پھر اسے اپنی موت کا خیال آیا اور اس قبر کا جو اس پر اس سے بھی زیادہ تنگ کی جا سکتی تھی۔ اس نے اس بار بیگ کو پہلے کی طرح گھسیٹا نہیں بلکہ اسے زمین سے کچھ اوپر اٹھاتے ہوئے نہر کے کنارے کے پاس گزرتی کچی سڑک کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

صبغہ نے منصور کے موبائل پر فون کیا۔ چند لمحوں کے بعد منصور نے فون اٹھا لیا۔

"پاپا! میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔" صبغہ نے منصور کی آواز میں موجود سرد مہری کو نظر انداز کرتے ہوئے علیک سلیک کے فوراً بعد کہا۔

"اگر تم اس لیے مجھ سے ملنا چاہتی ہو کہ میں تمہیں پیسے دوں تو اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو۔" منصور نے اس کی بات کے جواب میں درشتی سے کہا۔ صبغہ کو جیسے شاک لگا۔ کیا ضروری تھا کہ منصور علی ہر بار یہ سوچے کہ انہیں جب بھی اس کی ضرورت پڑے گی، پیسے کے لیے پڑے گی۔

"پاپا! ہمیں پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میں پی سی او پر کھڑی نہ ہوتی تو آپ کو فون پر سب کچھ بتا دیتی مگر میں اس وقت پی سی او پر ہوں اور یہاں کھڑے ہو کر میں یہ بات آپ کو نہیں بتا سکتی۔"

"اس مسئلے کا تعلق کس سے ہے؟" منصور نے یک دم اس کی بات کاٹ کر اسی انداز میں پوچھا۔ "تم لوگوں سے یا مجھ سے؟"

"یہ صرف ہمارا مسئلہ نہیں ہے پاپا! آپ کا مسئلہ بھی ہے بلکہ یہ آپ ہی کا مسئلہ ہے۔" دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی پھر منصور نے اس ہوٹل کا نام اور کمرہ نمبر بتایا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔

"میں یہاں ہوں، تم مجھ سے ملنے آ سکتی ہو۔" صبغہ کو ایک جھٹکا لگا تھا۔ آخر منصور اس وقت گھر یا فیکٹری کے بجائے ہوٹل کے ایک کمرے میں کیا کر رہا تھا۔

"میں تھوڑی دیر میں آپ کے پاس آتی ہوں۔" دوسری طرف سے موبائل بند کر دیا گیا۔ صبغہ حیرانی سے فون کے ریسیور کو دیکھتی رہی۔

آدھ گھنٹے کے بعد اس نے ہوٹل کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"کم اِن۔" اندر سے منصور نے بلند آواز میں کہا۔ صبغہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ منصور سامنے ہی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر ایک نظر پڑتے ہی صبغہ کو جھٹکا لگا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ اسے پہچان نہیں پائی۔ بڑھی ہوئی شیو، سرخ آنکھیں، شکن زدہ کپڑے، بکھرے بال، منصور علی اس کے لیے قطعی اجنبی تھا۔

"پاپا! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" صبغہ نے بے اختیار قریب آتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں، تم بیٹھو۔" منصور نے برق رفتاری سے اس سے نظریں چراتے ہوئے اسے دوسرے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ صبغہ قدرے تشویش کے عالم میں منصور کو دیکھتے ہوئے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تم کیا کہنا چاہتی تھیں مجھ سے، میرے کس مسئلے کے بارے میں؟" منصور بلا تمہید مطلب کی بات پر آ گیا۔

صبغہ چند لمحے خاموشی سے مناسب لفظوں کا انتخاب کرتی رہی پھر اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"پاپا! امبر گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔" منصور کو جیسے جھٹکا لگا۔

"تم یہ بتانے کے لیے میرے پاس آئی ہو کہ وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔" وہ تلملایا۔ "یہ میرا مسئلہ کس طرح ہے، یہ صرف تم لوگوں کا مسئلہ ہے۔" صبغہ کو اس سے یہی توقع تھی۔ اس کے باوجود اسے ایک موہوم امید تھی کہ شاید وہ......

"میری ساری زندگی، میرا گھر یہاں تباہ ہو رہا ہے اور تم مجھے بتانے آئی ہو کہ امبر گھر سے چلی گئی ہے۔" منصور تلخی سے کہہ رہا تھا۔ "وہ چلی گئی ہے تو میں کیا کروں؟"

صبغہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ منصور کی زندگی اور گھر اب کیسے تباہ ہو رہا ہے۔ وہ تو رخشی کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہا ہے تو پھر......

"پاپا! آپ ہم لوگوں سے ناراض سہی مگر وہ آپ کی بیٹی ہے......" منصور نے درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"میرے ساتھ اس طرح کے ڈائیلاگز مت بولو۔ میرے اپنے بکھیڑے کافی ہیں میرے لیے کہ میں انہیں سمیٹوں۔ تم لوگوں کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا۔"

"آپ اس کی ذمہ داری مت لیں مگر آپ ایک بار ہارون کمال سے تو بات کر سکتے ہیں۔" منصور اس کی بات پر چونک گیا۔

"ہارون کمال۔۔۔۔ امبر کے معاملے سے ہارون کا کیا تعلق ہے؟" منصور نے قدرے حیرانی کے عالم میں کہا۔

"پاپا وہ ہارون کے ساتھ انوالو ہے اور اسی کے پاس گئی ہے۔" منصور کو جیسے کسی بچھو نے کاٹا تھا۔

"ہارون کمال کے پاس۔۔۔"

"ہاں وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ ہمارے منع کرنے پر وہ ناراض ہو کر ہمارا گھر چھوڑ گئی۔ اب تک تو اس نے ہارون سے شادی کر بھی لی ہو گی۔" منصور پلکیں جھپکائے بغیر صبغہ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن نے اس سارے معمے کو ایک دم حل کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا' کیوں ہو رہا تھا اور کس کے کہنے پر ہو رہا تھا وہ جان گیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں آپ امبر سے بات کریں۔ اسے سمجھائیں تو وہ آپ کی بات مان جائے گی۔ وہ آپ کے کہنے پر ہارون کو چھوڑ دے گی۔" صبغہ کو بات کرتے کرتے منصور کی عجیب سی نظروں کا احساس ہوا تھا۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

"یہ سب کچھ میرے ساتھ امبر ہی تو کر رہی ہے۔ وہ کیوں میرے کہنے پر ہارون کو چھوڑے گی؟" منصور بدگمانی کی انتہا پر پہنچا ہوا تھا۔ صبغہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔ "وہ مجھ سے انتقام لے رہی ہے۔ اس نے ہارون سے شادی اس لیے کی ہو گی کہ وہ مجھے میرے ہی کاروبار سے بے دخل کر دے۔ رخشی نے بھی ہارون کے دباؤ پر مجھ سے طلاق لی ہو گی۔ یہ سب کچھ امبر کر رہی ہے اسی نے کیا ہے یہ سب کچھ۔" منصور شدید طیش کے عالم میں بولتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ صبغہ اب وہاں آنے پر پچھتا رہی تھی۔ منصور کے حوالے سے اسے کوئی خاص امید پہلے بھی نہیں تھی مگر وہ یہ بھی سوچ کر وہاں نہیں آئی تھی کہ منصور ہر چیز کا الزام امبر کے سر پر رکھ دے گا۔

"پاپا میں۔۔۔" کچھ کہنا چاہا مگر منصور نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔۔۔۔ میں تمہیں اور تمہاری بہن دونوں کو دیکھ لوں گا۔ رخشی ٹھیک کہتی تھی تم سب کسی رحم کسی رعایت کے حق دار نہیں ہو۔ اولاد نہیں میرے لیے سانپ ہو۔" منصور زہر اگل رہا تھا۔ صبغہ چپ چاپ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ منصور کی باتوں سے کچھ بھی سمجھی تھی کچھ نہیں۔ اس کے ہوٹل میں موجود ہونے کا مطلب اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ رخشی اور اس کی علیحدگی ہو چکی تھی مگر وہ کاروبار کے حوالے سے اس کی باتوں کو نہیں سمجھ پائی تھی اور وہ کسی بھی طرح یہ ماننے پر تیار نہیں تھی کہ امبر نے منصور کے خلاف کوئی سازش کی ہو گی۔

منصور اب بھی بول رہا تھا۔۔۔۔ بے تحاشا۔۔۔۔ سوچے سمجھے بغیر۔۔۔۔ اس کی سوئی اب بھی رخشی پر اٹکی ہوئی تھی۔ ایک عورت نے اس کو ہر خونی رشتہ کے حوالے سے اندھا کر دیا تھا۔ صبغہ کو لگا وہ پاگل ہو گیا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کو اپنی حریف سمجھ رہا تھا۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی وجہ سے اس نے رخشی کو کھو دیا تھا۔ اس کے وجود میں غیرت یا شرم نام کی کوئی شے باقی نہیں رہی تھی۔ اسے ہارون کمال کے ساتھ امبر کی شادی کا سن کر کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی' کوئی ملال' کوئی پچھتاوا' کوئی پشیمانی' کوئی احساس جرم اس کے انداز میں کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ غلط آدمی کے پاس آئی تھی۔ وہ اس کا باپ نہیں تھا وہ کسی کا باپ نہیں تھا۔ وہ ایک خود غرض عاشق تھا جس کی زندگی رخشی کے گرد گھومتی تھی اور گھوم رہی تھی پھر وہ اس سے کیا توقع رکھتے ہوئے یہاں آ گئی تھی۔

بھیگی آنکھیں لیے وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کے عقب میں منصور کی بڑبڑاہٹ اب بھی جاری تھی۔

☆☆☆

"یہ کون لوگ تھے؟ کیا کہہ رہے تھے آپ سے؟" شہیر نے اپنے پاس سے گزرتے فاطمہ کے بھائی اور بھابھی کو دیکھا جو اس کو بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے گئے تھے۔ وہ ابھی چند لمحے پہلے ہی گھر کے کھلے دروازے سے اندر آیا تھا اور

اس نے اندر آتے ہوئے اس مرد کو کہتے سنا۔

"سوچ لو فاطمہ! ہم دوبارہ نہیں آئیں گے۔ ابھی تمہارے پاس وقت ہے۔" جواباً اس نے فاطمہ کو جاتے سنا پھر ان دونوں کو گھر سے نکلتے دیکھا۔

اور اب وہ فاطمہ کو زار و قطار روتے دیکھ رہا تھا۔

"بتائیں نا امی کیا ہوا ہے؟ یہ کون لوگ تھے؟ کیا آپ کو دھمکا رہے تھے؟" شیر اس کے بازو کو جھنجھوڑتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا اور اس کے سوالات بتا رہے تھے کہ اس نے ان کی گفتگو نہیں سنی تھی یا پھر سنی بھی تھی تو سمجھی نہیں تھی مگر یہ کوئی بچہ نہیں تھا۔ وہ اس انکشاف سے آخر کب تک اور کہاں تک بھاگتی۔

"تم میرے بیٹے نہیں ہو شیر!" شیر کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا تھا۔

فاطمہ کو مذاق کرنے کی عادت ہوتی تو شیر اسے مذاق سمجھتا۔ مگر اس نے ساری زندگی ماں کو مذاق کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان کی چھوٹی موٹی باتوں اور حرکتوں سے محظوظ ہوتی تھی مگر خود اس نے کبھی اس طرح کی بات نہیں کی تھی۔

"شاید آج اتنے سالوں بعد پہلی بار امی مذاق کر رہی ہیں۔" شیر نے خود کو چند لمحوں کے لیے بہلایا مگر مذاق کرنے والے اس طرح آنسوؤں سے رویا نہیں کرتے جس طرح فاطمہ رو رہی تھی اور پھر جو صورت حال وہ دیکھ رہا تھا۔ گھر سے نکلنے والے اجنبی جن کے چہرے کے تاثرات اور گفتگو سب عجیب تھے اور اب فاطمہ کے منہ سے نکلنے والا پہلا جملہ..... "تم میرے بیٹے نہیں ہو۔" تو کیا وہ غصہ میں اس سے یہ کہہ رہی ہے، کسی قسم کی ناراضی کی وجہ سے۔ اس نے ابھی بھی اس بات کے مطلب پر غور کرنے کے بجائے ایسا کہے جانے کی وجہ کے بارے میں سوچنا چاہا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس نے بے اختیار جیسے ماں کو جتانا چاہا کہ اس نے کوئی ایسی بات کی ہے جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھی۔ مگر فاطمہ کے ردعمل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ اب زار و قطار رو رہی تھی۔

"تم میرے بیٹے نہیں ہو شیر! تم واقعی میرے بیٹے نہیں ہو۔"

شیر کو لگا اس کا وجود یک دم جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ پتھر کا یا پھر شاید برف کا یا پھر بے جان۔ اس کی ماں کیا کہہ رہی تھی؟

"میں نے بہت سال پہلے تمہیں ایک یتیم خانے سے لیا تھا۔ اپنی ایک دوست کی مدد سے۔ تم تب ڈھائی سال کے تھے۔"

وہ ہچکیوں کے بغیر شکست خوردہ انداز میں اس سے کہے گئی۔

"تم میرے بیٹے نہیں ہو، نہ ہی ثمر اور ثانیہ میری اولاد ہیں، کیونکہ میں نے کبھی شادی نہیں کی۔ جن لوگوں کو تم نے ابھی کچھ دیر پہلے دیکھا تھا۔ وہ میرے بھائی اور بھابھی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں میں واپس ان کے پاس چلی جاؤں، وہ چاہتے ہیں میں تمہیں واپس تمہارے ماں باپ کے پاس بھیج دوں۔ لیکن میں نے تمہیں یتیم خانے سے لیا تھا۔ تب تمہارا کوئی وارث نہیں تھا پھر اب اتنے سالوں کے بعد میں کیسے تمہیں کسی دوسرے کے حوالے کر دوں۔" اس کے انداز میں بے چارگی تھی۔

"میں تمہاری ماں نہیں ہوں یہ مجھے آج احساس ہوا ہے۔ ورنہ اتنے سالوں میں میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ تم میری اولاد، میرے بیٹے نہیں ہو۔" فاطمہ نے شیر کا چہرہ اس کی آنکھیں دیکھنے کی کوشش کی وہ بے حس و حرکت کمرے کے وسط میں کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر فاطمہ کو دیکھ رہا تھا۔

فاطمہ کو اس کی آنکھوں سے زندگی میں پہلی بار خوف آیا۔ وہ اسے ان نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا جس طرح کوئی بچہ ماں کو دیکھتا ہے۔ وہ اسے ایک اجنبی کی طرح دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ کو لگا یہ اس کا واہمہ ہے۔

رشتے اور تعلق چند سیکنڈز اور چند منٹوں میں نہیں ٹوٹتے۔ انہیں چند گھنٹے تو لگتے ہی ہیں، کوئی وضاحت لیے بغیر وہ کس طرح اسے مجرم قرار دے سکتا ہے۔

"تم خود اس یتیم خانے جا سکتے ہو۔ وہاں پتہ کر سکتے ہو کہ تمہارے وارثوں میں سے کسی کا نام وہاں نہیں تھا۔" اس نے بے حد کمزور آواز اور معذرت خواہانہ انداز میں کہا یوں جیسے کوئی بچہ کسی بڑے کو صفائی دے رہا ہو۔ شیر اب بھی ساکت تھا مگر اس کی

نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

"مجھے اگر پتہ ہوتا کہ تمہارے ماں باپ ہیں تو میں تمہیں کیوں اپنے پاس لا کر رکھتی۔" فاطمہ نے بے چارگی کے عالم میں سوچنے کی کوشش کی کہ اسے اب اور کیا کہنا چاہیے۔ اسے زیادہ سوچنا نہیں پڑا شبیر نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

"کون ہیں میرے ماں باپ؟" مرد لہجے میں پوچھا گیا اس کا سوال فاطمہ کو چابک کی طرح لگا۔

"میرے ماں باپ؟" اتنے سال اس نے سامنے کھڑے جوان بانکے مرد کو ماں باپ دونوں کی طرح پالا تھا۔ ماں کی طرح اسے گود میں اٹھا کر پھرتی تھی۔ باپ کی طرح اسے کما کر کھلایا تھا اور وہ صرف چند منٹوں میں سب کچھ بھول کر اس سے پوچھ رہا تھا کہ اس کے ماں باپ کہاں ہیں۔ زندگی نے ایک بار پھر اسے گونگا کر دیا تھا۔ وہ چوراہے میں کھڑی تھی یا کٹہرے میں اس نے اپنے وجود کو کئی سالوں کے بعد ایک بار پھر صفر میں تبدیل ہوتے دیکھا۔ ایک بہت بڑے صفر میں۔

"میں۔" آواز اس کے حلق میں گھٹ گئی تھی۔

"مسز شائستہ ہارون کمال۔" اس نے ایک بار پھر کہا اس بار اس کے پاس سوال نہیں تھا جواب تھا۔ اور اس کے انداز میں بے چارگی تھی۔ فاطمہ نے خود کو بے بسی کی انتہا پر پایا۔ وہ اس سے کیا کہتی ہار گئی تھی۔

"آپ نے مجھے ہاسپٹل سے چوری کیا تھا؟ انہوں نے اس دن جو کہانی مجھے سنائی وہ سچ تھی؟ میں آپ کا نہیں ان کا بیٹا ہوں؟ میرے خدا میرے خدا۔" وہ جیسے رو دینے کو تھا۔

"نہیں میں نے تمہیں کسی ہاسپٹل سے نہیں چرایا۔ میں قسم کھاتی ہوں شبیر! میں تمہاری قسم کھاتی ہوں۔" فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

"میری کیوں؟ میں کیا لگتا ہوں آپ کا؟" وہ جیسے غرایا۔ فاطمہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ مجھے اس طرح یوں میرے ساتھ بھلا کر۔" اس سے بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ پتہ نہیں غصہ زیادہ تھا یا غم یا پھر بے بسی کہ وہ بات نہیں کر پا رہا تھا۔

"میری بات سنو شبیر!" فاطمہ نے اس کی طرف بڑھنا چاہا۔ مگر وہ ناکام رہی وہ پلک جھپکنے میں پہلے کمرے اور پھر صحن سے باہر نکل گیا۔ فاطمہ بے اختیار بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے گئی۔

وہ تیز قدموں سے گلی میں جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے جائے۔ وہ چلی جاتی اگر اسے یہ یقین ہوتا کہ وہ اس کے روکنے سے رک جائے گا۔ اس کی بات سنے گا۔ اس کی وضاحت تسلیم کرے گا اور اس کے ساتھ لوٹ آئے گا۔

چوکھٹ میں اپنے دروازے کو پکڑے اس نے اشکبار نظروں سے اپنے گھر کی پکی دیوار کو تکتی رہی جب تک وہ گلی کا موڑ مڑ کر اوجھل ہو گیا تھا۔ اپنے گھر کی چوکھٹ پر اسی طرح دروازے کا پٹ پکڑے اس نے اسی گلی میں باری باری شہر اور جانے کو بھی گلی کا موڑ مڑ کر اوجھل ہوتے دیکھا۔

☆☆☆

صبغہ نے شبیر کو بس اسٹاپ کی طرف آتے دیکھا۔ وہ خود چند لمحے پہلے بس سے اتری تھی۔ وہ اس وقت اسے ایک فرشتے کی طرح لگا۔ اسے لگا صرف وہی ہے جو اس وقت اس کی مدد کر سکتا ہے۔ وہ کسی معمول کی طرح بے اختیار اس کی طرف گئی۔ اس نے اس کے چہرے کے تاثرات پر غور نہیں کیا۔

"شبیر! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" شبیر ٹھٹک گیا اس نے صبغہ کو دیکھا پھر اس سے نظریں چرا لیں۔ کچھ دیر وہ منہ سے ایک بھی لفظ نکالے بغیر کھڑا رہا صبغہ کو اس کی خاموشی کچھ میں نہیں آئی۔ اسے یک دم خوف محسوس ہوا کہ کیا وہ اس کی مدد سے انکار کرنے والا تھا بالکل اس کے باپ کی طرح اور اگر وہ ایسا کرتا بھی تو ایسا کرنے میں حق بجانب تھا۔ آخر وہ کیا کچھ کر اس کے پاس اس طرح چلی آئی تھی وہ اس کا تھا کون؟ صرف ایک ہمسایہ ایک شناسا۔

اس سے پہلے کہ وہ شہیر سے کچھ کہتی اس نے جیب سے ایک والٹ نکالا پھر اس میں سے ایک وزٹنگ کارڈ نکالا اور اسے صبغہ کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ اس ایڈریس پر جا کر اس آدمی سے ملیں یہ میرا دوست ہے آپ کی مدد کرے گا۔" صبغہ ذہنی طور پر اپ سیٹ نہ ہوتی تو وہ یہ محسوس کر لیتی کہ شہیر کی آواز بھرائی ہوئی ہے۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بات کر رہا تھا۔ مگر وہ ذہنی طور پر اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ اس نے ایک لفظ کہے بغیر اس کے ہاتھ سے کارڈ پکڑ لیا۔ شہیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے لیے رکا نہیں۔ وہ برق رفتاری سے بس کی طرف لپکا اور اس میں سوار ہو گیا۔

صبغہ نے اس کارڈ اور اس پر لکھے نام کو حیرانی سے دیکھا۔ آخر شہیر کو کیسے پتہ چلا کہ وہ اس سے جاب کے سلسلے میں مدد چاہتی ہے اور یہ دوست آخر اس کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ اس نے کارڈ پر نظر ڈال کر الجھی ہوئی نظروں سے دور جاتی ہوئی بس کو دیکھا۔

"کیا ممی نے شہیر سے یا اس کی امی سے کوئی بات کی ہے۔" فوری طور پر اس کے ذہن میں خیال آیا۔

"ہاں وہ آنٹی پریشان ہیں کہ وہ بھی میری طرح کسی سے بھی مدد مانگ سکتی ہیں۔" صبغہ نے سوچا۔

"مگر خالہ آنٹی کے گھر جا کر شہیر سے مدد مانگنا......" وہ کچھ کنفیوز ہوئی۔ ممی اس طرح نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ وہ آج تک اپنے کسی کام کے لیے اس طرح کسی کے پاس نہیں گئی تھیں مگر کیا پتہ ممی چلی گئی ہوں۔" صبغہ نے ایک بار پھر سوچا۔ "آخر میں بھی تو کبھی اپنے کسی کام کے لیے کسی کے پاس نہیں گئی اور اب یوں ہر کام کے لیے شہیر کا سہارا لے رہی ہوں۔"

صبغہ نے ایک بار پھر کارڈ پر نظر دوڑائی۔ پھر گھر کی طرف جانے کے بجائے دوبارہ بس اسٹاپ کی طرف بڑھنے لگی۔ اسے ابھی شہیر کے اس دوست کے پاس جانا تھا۔

☆☆☆

"مجھے آپ سے شہیر کے بارے میں بات کرنا ہے۔" دوحہ سے واپس آنے کے بعد اس دن ہارون اور نایاب کا پہلا باقاعدہ آمنا سامنا ہوا تھا۔ ہارون کچھ دیر پہلے ہی باہر سے آیا تھا اور نایاب سے اس کی ملاقات لاؤنج میں ہی ہوئی تھی۔

ہارون نے ہمیشہ کی طرح پدرانہ شفقت سے مخاطب ہوتے ہوئے اسے گلے لگایا مگر نایاب نے گلے لگتے ہی اس سے شہیر کی بات کی۔ ہارون کا سارا جوش یکدم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ نایاب کو خود سے الگ کرتے ہوئے اس نے بہت غور سے اس کو دیکھا۔

"اندر چل کر بات کرتے ہیں۔" اس نے نایاب کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے اب وہ ساری باتیں یاد کر رہا تھا جو اسے نایاب سے کہنا تھیں۔ وہ اسے اپنے ساتھ اپنے بیڈروم میں لے آیا۔ شائستہ پہلے ہی وہاں موجود تھی اور نایاب کو ہارون کے ساتھ آتا دیکھ کر وہ بھی کچھ چونک گئی تھی۔

"بیٹھو بیٹا!" ہارون نے اس سے بہت نرمی سے کہا۔ نایاب بے تاثر چہرے کے ساتھ صوفہ پر بیٹھ گئی۔ شائستہ موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ اس نے بات کرتے کرتے اچانک فون بند کر دیا۔

"شہیر کے بارے میں تمہاری ممی نے تم سے بات کی ہو گی۔" ہارون نے اس کے پاس صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں کی تھی اور مجھے ممی کی کسی بات پر یقین نہیں آیا۔ میں سب کچھ آپ سے سننا چاہتی ہوں۔" اس نے بلا جھجک کہا۔

شائستہ کے ماتھے پر کچھ لکیریں ابھریں۔ ہارون نے ایک نظر شائستہ کو دیکھا اور پھر نایاب سے کہا۔

"مگر تمہاری ممی نے کچھ بھی جھوٹ نہیں کہا ہے یہ سب کچھ ایسے ہی ہوا تھا صرف ہم لوگوں نے تم دونوں سے یہ بات چھپائی۔" نایاب نے ہارون کی بات کاٹ دی۔

"پاپا میرے ساتھ ممی کی طرح absurd باتیں نہ کریں۔ میں حسن تھا کہ اس طرح اچانک کسی لڑکے کو اپنا بھائی نہیں مان سکتی نہ ہی لوگوں کو آپ کی ساری وجوہات پیش کر سکتی ہوں۔ لوگ ہنسیں گے مجھ پر اور آپ پر بھی اگر یہ سب ایسا ہے جیسے آپ

کہہ رہے ہیں تو بھی آپ شہیر کو وہیں رہنے دیں جہاں وہ ہے اس کی مالی مدد کریں۔
کسی اور طریقے سے اس کو سپورٹ کریں مگر یہ پنڈورا باکس مت کھولیں جو آپ کھولنا چاہتے ہیں۔"

وہ کسی لاوے کی طرح بول رہی تھی اور اس کے ہر لفظ پر شائستہ کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو رہے تھے۔ ہارون کمال نے چند بار شائستہ کو دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی وہ نایاب کو گھور رہی تھی جو مسلسل بول رہی تھی۔

"میں نے اسد سے بات کی ہے اور وہ چند دنوں تک پاکستان آ رہا ہے۔" نایاب نے ایک اور انکشاف کیا۔

"میری طرح اسے بھی ان میں سے کسی بات پر یقین نہیں آیا۔ اور وہ تو سرے سے یہ ماننے پر ہی تیار نہیں ہے کہ شہیر ہمارا بھائی ہو سکتا ہے یا آپ لوگوں کا کوئی بچہ بھی گم ہوا تھا اور پاپا! آپ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ میں وہی کروں گی جو اسد مجھ سے کہے گا میں اس معاملے میں اسد کے ساتھ ہوں آپ لوگ شہیر کو اس گھر میں لائے تو ہم دونوں یہ گھر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ ورنہ دوسری صورت وہی ہے جو میں نے آپ کو بتائی ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہارون یا شائستہ میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ ہارون شائستہ کو دیکھ رہا تھا۔ نایاب نے ماں باپ پر ایک آخری نظر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

ثمر نے گھر آنے پر گھر کا دروازہ کھلا ہوا پایا تھا وہ کچھ حیران سا اندر داخل ہوا۔ صحن میں داخل ہوتے ہی اس نے صحن کے وسط میں تخت پر بیٹھی فاطمہ کو دیکھ کر اس نے سر جھکا لیا۔

"امی! یہ دروازہ کیوں کھلا ہوا ہے؟" ثمر نے پلٹ کر دروازے کا بولٹ چڑھاتے ہوئے کہا

"آپ کو اندازہ نہیں ہے اس طرح کوئی بھی اندر آ سکتا ہے۔"

وہ فاطمہ کی طرف آتے ہوئے بولا اور تب قریب آنے پر اس نے پہلی بار فاطمہ کے چہرے پر غور کیا وہ اس وقت اگرچہ رو نہیں رہی تھی مگر اس کی متورم آنکھیں کسی کو بھی یہ بتا سکتی تھیں کہ وہ روتی رہی ہے۔

"کیا ہوا؟" ثمر بے اختیار پریشان ہو کر فاطمہ کے پاس آیا۔

"کچھ نہیں۔" فاطمہ کی آواز جیسے کسی کھائی سے آئی تھی۔

"آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں؟" وہ فاطمہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں میں کچھ نہیں چھپا رہی' بس طبیعت خراب ہے میری۔" فاطمہ نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا۔ ثمر نے آگے بڑھ کر فاطمہ کی کلائی تھام لی۔

"بخار تو نہیں ہے پھر کیا ہوا؟"

"میرے سر میں درد ہے۔" فاطمہ نے اس سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے کہا۔ اس کی یہ توجہ اس وقت اس کے دل کو چیر رہی تھی۔

"کیا سب کچھ جان جانے پر بھی یہ میرے لیے اسی طرح پریشان ہوگا۔" اس نے اپنے دل میں سوچا۔

"سر میں درد ہے تو ٹیبلٹ لے لیتیں اور اندر جا کر لیٹ جاتیں یہاں صحن میں بیٹھنے کی کیا تک ہے۔" اس نے ماں کو جھڑکا۔

"میں شہیر کا انتظار کر رہی ہوں۔" فاطمہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ثمر نے حیران ہو کر فاطمہ کو دیکھا۔ رات ابھی اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس طرح شہیر کے انتظار کے لیے بیٹھ جاتی اور خود وہ بھی تو ابھی چند لمحے پہلے ہی گھر آیا تھا۔ پھر صرف شہیر کا انتظار کیا معنی رکھتا تھا۔

"شہیر بھائی تو آنے والے ہی ہوں گے۔ مگر آج ان کا انتظار کرنے کی کوئی خاص وجہ ہے پہلے تو اس وقت آپ کبھی ان کے انتظار میں نہیں بیٹھیں۔" اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے فاطمہ یک دم اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔ ثمر نے حیرانی

سے اس کے اس انداز کو دیکھا۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا' بیرونی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ ثمر پلٹ کر دروازے کی طرف گیا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ باہر شہیر کھڑا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ خاموشی سے اندر آ گیا۔ فاطمہ کے تاثرات نے اگر ثمر کو چونکایا تھا تو شہیر کے تاثرات نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اس نے شہیر کو بھی اس طرح بی ہیو کرتے نہیں دیکھا تھا۔ شہیر ایک لفظ کہے بغیر برق رفتاری سے اپنے کمرے کی طرف گیا۔ ثمر نے دوسرے کمرے کے دروازے پر فاطمہ کو کھڑا دیکھا جو اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

ثمر حیرانی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ "کیا ان دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" ان دونوں کا رد عمل بتا رہا تھا کہ واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ اور اگر یہ ہوا ہے تو ثمر کے نزدیک یہ دنیا کا عجیب ترین واقعہ تھا کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی شہیر اور فاطمہ کے درمیان کوئی اختلاف ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ یا تو فاطمہ بلا چوں چرا شہیر کی بات مان لیتی تھی یا پھر شہیر اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ مگر کسی بات پر جھگڑا اور اس طرح کا جھگڑا کہ ان کے درمیان بول چال بند ہونے کی نوبت آ جائے' یہ اس نے اپنے ہوش میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اب "یہ کچھ" ہو چکا تھا۔

شہیر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ فاطمہ وہیں دوسرے کمرے میں کھڑی اس کے کمرے کے دروازے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"آپ دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" ثمر نے پاس آ کر آہستہ آواز میں فاطمہ سے پوچھا۔

"تم اس سے کھانے کا پوچھو۔" فاطمہ نے جواب دینے کے بجائے کہا۔

"آپ پہلے یہ بتائیں کہ کیا آپ دونوں کا آپس میں جھگڑا ہوا ہے؟" ثمر بضد تھا۔

"ہاں۔" فاطمہ نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"واقعی؟" ثمر کو اب بھی یقین نہیں آیا۔ فاطمہ پلٹ کر کمرے میں چلی گئی۔

ثمر نے شہیر کے کمرے کے دروازے پر دستک دی..... اس کی پہلی دستک پر ہی اندر سے شہیر نے بڑی درشتی سے کہا۔

"کیا ہے؟" ثمر کو بھائی کا یہ لب و لہجہ سن کر جیسے ایک جھٹکا لگا۔

وہ اس طرح بات کرنے کا عادی نہیں تھا' پھر اب اسے کیا ہوا تھا۔

"شہیر بھائی! کھانا لے آؤں....؟"

"مجھے بھوک نہیں ہے اور تم دوبارہ میرے دروازے پر دستک مت دینا۔" شہیر نے کرختگی سے کہا۔ ثمر چند لمحے خاموش کھڑا سوچتا رہا پھر دوسرے کمرے میں آ گیا۔

"شہیر بھائی تو کھانا نہیں کھا رہے ہیں' آپ کے لیے کھانا لے آؤں۔" اس نے اندر آ کر فاطمہ سے پوچھا۔

"نہیں' مجھے بھی بھوک نہیں ہے۔ تم کھاؤ۔" فاطمہ اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ ثمر باہر جانے کے بجائے آگے بڑھا اور فاطمہ کے بستر پر اس کے ساتھ لیٹ گیا اس نے ننھے بچوں کی طرح فاطمہ کے گرد اپنا ایک بازو حمائل کر دیا' فاطمہ کو بے اختیار رونا آیا۔ کتنے لمحے باقی رہ گئے تھے اس کے اس لاڈ پیار کو وصول کرنے کے۔

"ثمر جاؤ جا کر اپنے بستر میں سوؤ۔" فاطمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں اس کے بازو کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیسے سوؤں؟ شہیر بھائی نے کہا ہے کہ میں دوبارہ دروازے پر دستک نہ دوں اس لیے آج تو مجھے ادھر ہی سونا پڑے گا۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"پھر ثانیہ کے بستر پر جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں' میں ادھر ہی سوؤں گا آپ کے ساتھ۔" وہ جیسے ماں کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ فاطمہ کا دل چاہ رہا تھا وہ اس سے لپٹ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ کم از کم اس وقت اس کا یہ لمس اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

وہ شبیر کی طرح اسے بھی سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی' مگر وہ اسے اس حالت میں کیسے سب کچھ بتا سکتی تھی۔ جب وہ محبت سے اس کا سر اس طرح سہلا رہا تھا جیسے وہ کوئی ننھی سی بچی ہو۔

''چھوڑیں امی! اب یہ رونا دھونا بند کریں۔ صبح ہو گی تو...... شبیر بھائی کا غصہ خود ہی اتر جائے گا۔ آپ دیکھئے گا وہ کتنا شرمندہ ہوں گے۔'' وہ اب اس کے آنسو پونچھتے ہوئے لاپرواہی سے کہنے لگا۔ فاطمہ بہت دیر تک بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

وہ اس کا اپنا بیٹا ہوتا تو اسے اس پر کتنا ناز ہوتا۔ اور اب وہ اسے دیکھ رہی تھی تو اس کے انداز میں کوئی استحقاق نہیں تھا۔ وہ جن کا بھی بیٹا تھا وہ ماں باپ واقعی بدقسمت تھے' جنہوں نے اسے یوں چھوڑ دیا اگر آج اتنے سالوں بعد وہ اسے دیکھتے تو کبھی چھوڑ دینے کا نہیں سوچتے۔ اس کے دل میں عجیب چبھن سی ہوئی۔

''اگر کبھی میں تم سے یہ کہوں ثمر! کہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں تو؟'' فاطمہ کے دل میں اچانک پتا نہیں کیا آیا تھا۔ ثمر کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے اس کے بالوں پر ٹھہر گیا۔ فاطمہ نے ''اس لمحے'' کو محسوس کیا۔ اس کے دل کی کوئی دھڑکن مس ہوئی تھی۔ وہ اب بے حد سنجیدگی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

''پھر میں آپ سے کہوں گا کہ میں یہ پہلے ہی جانتا تھا۔'' فاطمہ کا دل دھڑکنا بھولا تھا' پھر اسے یاد آیا وہ کس طرح ہر بات کو مذاق میں اڑانے کا عادی ہے وہ اس وقت بھی یہی کر رہا تھا۔ اس کے بالوں پر اس کا ہاتھ پھر گردش میں تھا۔ ثمر نے اب اس کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں۔ فاطمہ اس سے جواب نہیں پا سکی تھی۔ ثمر کس طرح کا ردعمل کرے گا وہ اندازہ نہیں کر سکی۔ ایک نئے خوف نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

☆☆☆

ستائیسواں باب

منصور علی، ہارون کمال کے سامنے بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔ ہارون ابھی کچھ دیر پہلے ہی اپنے وکیل کے ساتھ بےفکری کے ساتھ آفس میں داخل ہوا تھا۔ منصور پچھلے آدھ گھنٹے سے اپنے وکیل کے ساتھ وہاں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا اور اب جب وہ آ کر اطمینان کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا تو منصور کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہارون کا گریبان پکڑ لے۔

وہ اس وقت واقعی ذہنی اور بے بسی کی سب سے اونچی سطح پر تھا۔ جہاں پر وہ صرف ایک ایسا مرد تھا جس کی اکلوتی بیٹی ایک "سازش" کے تحت اس سے جدا کر دی گئی تھی۔ جس کا بزنس اس کا پارٹنر اس کی اپنی بچی کے کہنے پر اسے تباہ کرنے پر تل گیا تھا۔ اس کے دل میں ہارون کمال کو اپنی کم عمر بیٹی کے شوہر کے طور پر دیکھ کر کوئی غصہ کوئی نفرت پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ اگر دونوں جذبات پیدا ہو بھی رہے تھے تو امبر کے خلاف ..... جو اسے تباہ کرنے پر تل گئی تھی۔ اور ہارون اسے امبر کے ہاتھ ایک ہتھیار کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ہارون کمال صاحب نے ---" ہارون کمال کے وکیل نے اپنی نشست سنبھالتے ہی رسمی علیک سلیک کے بعد کہنا شروع کیا مگر منصور نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں ہارون سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" منصور نے درشتی سے کہا۔

"تم مجھے اکیلا سمجھو۔" ہارون نے اپنے وکیل کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہا۔ منصور کو اس کا اطمینان کانٹے کی طرح چبھا۔

"میں ان دونوں وکیلوں کے ساتھ کوئی ذاتی معاملہ ڈسکس کرنا نہیں چاہتا۔ میں اپنی اور تمہاری عزت اچھالنا نہیں چاہتا۔" منصور نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"یہ اچھی بات ہے۔" ہارون نے سر ہلایا اور پرسکون انداز میں کہا۔

"میرے اور تمہارے درمیان ویسے بھی کوئی ذاتی معاملات نہیں ہیں، صرف کاروباری معاملات ہی ہیں اور میں آج ان کو ختم کر دینا چاہتا ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ کاروباری معاملات ختم کر دینے سے تمہاری یا میری عزت کو خطرہ ہوگا۔"

منصور نے اپنے اور اس کے وکیل پر ایک نظر ڈالی اور پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تمہیں اپنی عزت کی پروا نہیں ہے تو پھر مجھے بھی نہیں ہونا چاہیے۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم سب کس کے اشارے پر کر رہے ہو۔"

"کس کے اشارے پر کر رہا ہوں؟" ہارون نے اسی انداز میں پوچھا۔

"امبر کے اشارے پر۔" منصور نے جیسے بم اس کے سر پر پھوڑا۔ ہارون کا جسم ایک لمحے کے لیے تن گیا۔

"کون امبر؟" اس نے صرف ایک ساعت کا توقف کر کے کہا۔ کمرے میں بیٹھے دونوں وکیلوں کے چہروں پر حیرت کے تاثرات در آئے۔

"تمہاری دوسری بیوی۔" منصور نے زہریلے انداز میں کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ہارون نے کہا۔

"میری صرف ایک ہی بیوی ہے اور اس کا نام شائستہ ہے۔" ہارون نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔

"تم نے دوسری شادی کر لی ہے تو تم سمجھ رہے ہو پوری دنیا تمہارے نقش قدم پر چلے گی۔" "وہ لڑکی آج اپنے باپ کو چھوڑ کر رہی ہے کل تمہیں بھی چھوڑ کر دے گی ہارون!" منصور نے جیسے ہارون کی بات نہیں سنی تھی۔ "تم اگر یہ سمجھ رہے ہو کہ اس نے تمہاری محبت میں گرفتار ہو کر تم سے شادی کی ہے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ وہ مجھے تباہ کرنے کے لیے تمہاری بیوی بنی ہے۔"

"تم کیا بکواس کر رہے ہو؟" ہارون نے بلند آواز میں اس کی بات کاٹی۔ "میں نے کسی امبر کے ساتھ نہیں شادی نہیں کی ہے۔ یہ سب تمہارا اور تمہاری بیٹی کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میں اگر تمہارے ساتھ پارٹنرشپ ختم کر رہا ہوں تو میرے پاس اس کے لیے بہت ٹھوس اور ذاتی وجوہات ہیں۔"

"تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے ہارون! امبر مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔" منصور نے تیزی سے کہا۔ "میں نے خود تمہارے فلیٹ پر اس کے کپڑے اور اس کی چیزیں دیکھی ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ وہیں رہ رہی ہے۔ میں نے اس وقت ان چیزوں کو نہیں پہچانا تھا مگر اب میں جان گیا ہوں کہ وہ چیزیں مجھے کیوں مانوس لگ رہی تھیں۔ میں جانتا ہوں تم نے امبر سے شادی کر لی ہے اور وہ وہیں رہ رہی ہے۔"

ہارون کمال چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر، بالکل ساکت منصور کو دیکھ رہا تھا جو اسی انداز میں سرخ چہرے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھا۔ دونوں وکیل ہکا بکا ان دونوں کو دیکھ رہے تھے وہ کم از کم اس سب کی توقع کر کے وہاں نہیں آئے تھے۔

"تم سے بات کرنا بیکار ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہم آمنے سامنے بیٹھ کر ان معاملات کو حل کر لیں گے مگر میرا خیال ہے کہ اب میرا وکیل ہی تم سے رابطہ رکھے تو بہتر رہے گا۔" ہارون کمال یک دم اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ منصور بھی اسی برق رفتاری سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"تم اس طرح مجھ سے بات کیے بغیر نہیں جا سکتے۔"

"تم مجھے کیسے روک سکتے ہو؟" ہارون دو بدو بولا۔

"اس فیکٹری میں میرا روپیہ اور محنت لگی ہے تم اس طرح مجھے اس سے بے دخل نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے نہیں کرتا پھر تم خرید لو اسے... میرے شیئرز بھی لے لو۔" ہارون نے اسی انداز میں کہا۔ "اور مجھے پوری ادائیگی کرو۔"

"تم جانتے ہو میں فوری طور پر یہ بھی نہیں کر سکتا۔" "میرے لیے اتنی رقم کوئی معنی نہیں رکھتی۔" ہارون نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"ہارون ایک دفعہ پھر سوچو... تم امبر کی باتوں..." منصور نے اپنی آواز کو کچھ دھیما کرتے ہوئے کہا مگر ہارون نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔

"شٹ اپ... اب امبر کا نام میرے سامنے مت لینا۔ تم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہو اس لیے خواہ مخواہ اپنی بیٹی کو میرے گلے ڈال رہے ہو... اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اس طرح تم فیکٹری حاصل کر لو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔" ہارون نے تیز آواز میں کہا اور مزید کچھ کہے بغیر دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ منصور ہونٹ کاٹتے ہوئے بند دروازے کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

صباحت نے ہاتھ میں پکڑا کارڈ میز کے دوسری طرف بیٹھے نوجوان آدمی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اس وقت ایک سے وکیل کے چیمبر میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"مجھے شہیر نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" صباحت نے اس شخص سے کہا۔ جس پر اس نے کارڈ پر سرسری سی نظر

ڈالی، پھر اسے اپنی ٹیبل پر رکھتے ہوئے صبغہ سے پوچھا۔

"آپ کیا لیں گی؟ چائے یا سوفٹ ڈرنک؟"

"نہیں کچھ نہیں۔" صبغہ نے جواباً مسکرانے کی کوشش کی۔ وہاں کوئی آئینہ نہ ہونے کے باوجود اسے یقین تھا کہ وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ اس آدمی نے میز کے نیچے کسی بٹن کو دبایا تھا۔ ایک دوسرا شخص اندر داخل ہوا۔

"دو سوفٹ ڈرنک لے آؤ۔"

اس نے آنے والے شخص سے کہا۔ یہ جیسے صبغہ کے انکار کا ردعمل تھا۔ جب اندر آنے والا شخص دوبارہ باہر نکل گیا تو اس نے بات شروع کی۔

"دیکھیں، میں کوئی قانونی کارروائی کرنا نہیں چاہتی ہوں۔ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی۔" اس نے اپنے بالمقابل میز پر سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے ماتھے پر چند لکیروں کو نمودار ہوتے دیکھا۔ صبغہ نے اس کے تاثرات کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"میں صرف اپنی بہن سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں۔ اس کی خیریت جاننا چاہتی ہوں، میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی اس نے ٹیبل پر پڑا کارڈ اٹھا کر اس پر پھر سے ایک نظر ڈالی اور صبغہ سے کہا۔

"آپ کو شمیر ذوبان کمال نے ہی بھیجا ہے؟" وہ اس کا سوال نہیں سمجھ سکی۔ کچھ دیر ہونق نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"ہاں... کیوں؟"

"کچھ نہیں... مجھے لگا ہے کوئی کنفیوژن ہے۔" وہ آدمی جیسے بڑبڑایا۔

"خیر آپ کیا بتا رہی تھیں؟" اس نے پوچھا اور اپنے سامنے میز پر ایک رائٹنگ پیڈ کھول کر پین ہاتھ میں لے لیا۔

"لیکن ٹھہریں، پہلے آپ مجھے اپنی بہن کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔ کیونکہ شمیر نے مجھ سے ایسے کسی معاملے کے بارے میں بات نہیں کی تھی۔ اس نے بس یہ کہا تھا کہ آپ کو جاب کی ضرورت ہے اور میرے پاس ایک ریسپشنسٹ کی ویکنسی تھی۔"

صبغہ بے اختیار شرمندہ ہوئی۔ اس کا جی چاہا وہ پلک جھپکتے وہاں سے غائب ہو جائے۔ تو شمیر نے وہ کارڈ صرف جاب کے حوالے سے دیا تھا۔ اسے یاد آیا، اس کے ساتھ اس روز ہونے والی ملاقات میں اس نے کہا تھا کہ وہ جاب کے سلسلے میں اس کی مدد کرے گا اور یقیناً اس نے اتنے دنوں میں یہی کیا تھا اور وہ... اسے یقین نہیں آیا کہ وہ زندگی میں اتنی بڑی حماقت کر سکتی تھی۔ مگر وہ کر چکی تھی۔

مزید ایک لفظ کہے بغیر اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے حیرانی سے کہا۔

"کچھ نہیں، مجھے کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی۔" صبغہ نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"آپ پلیز بیٹھیے۔" وہ ایک لمحے میں اس کی شرمندگی بھانپ گیا۔

"ٹھیک ہے، شمیر نے آپ کی جاب کے لیے کہا تھا مگر میں اس معاملے میں بھی آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

"نہیں شکریہ۔ میں نے آپ کو زحمت دی۔"

"آپ امبر منصور علی کی بہن ہیں؟" اس کے اگلے جملے نے صبغہ کے باہر جاتے قدموں کو یک دم روک دیا۔

اس نے حیران ہو کر اس آدمی کو دیکھا۔

"آپ... آپ امبر کو کیسے جانتے ہیں؟"

"اس کا ہمارے گھر آنا جانا تھا۔ میری بہن کی دوست تھیں۔ فرح شعیب۔" اس نے اپنی بہن کا نام لیا۔

صبغہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ باہر جائے یا دوبارہ بیٹھ جائے۔ فرح، امبر کی اچھی دوستوں میں سے ایک تھی۔

"پلیز بیٹھیں۔" اس بار اس نے کھڑے ہو کر بڑے مہذب انداز میں کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

صبغہ بادل نخواستہ بیٹھ گئی۔ آج کا دن واقعی بہت برا تھا۔ ایک کے بعد ایک برے اتفاقات ہو رہے تھے۔

"مجھے آپ کا چہرہ جانا پہچانا لگ رہا تھا۔" وہ کہنے لگا۔ "امبر کو ایک دوبارہ میں فرح کے ساتھ ڈراپ کرنے گیا تھا، وہیں شاید آپ کو دیکھا ہو گا، یا پھر آپ کی امبر کے ساتھ بہت مشابہت ہے اس لیے مجھے امبر کا خیال آیا۔ آپ شہیر کی رشتے دار ہیں؟"

اس نے بات کرتے کرتے اچانک پوچھا۔

"جی؟" وہ چونکی۔

"شہیر کہہ رہا تھا کہ آپ اس کی رشتہ دار ہیں۔" اس آدمی نے کہا۔

"جی۔۔۔ دور کے۔"

"ہاں وہ بھی یہی کہہ رہا تھا۔" اس نے سرسری انداز میں کہا۔

"آپ کی فیملی پر آنے والے کرائسس سے میں واقف ہوں۔ فرح نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کے والد نے دوسری شادی کر لی اور پھر اس کے بعد آپ لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" وہ تفصیلاً بتانے لگا۔

"مجھے ذاتی طور پر بہت دکھ ہوا تھا۔ فرح نے بعد میں کئی بار امبر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ صورت حال اتنی خراب ہو گئی ہے کہ آپ کو اس طرح جاب ڈھونڈنی پڑ رہی ہے۔"

صبغہ کو یقین تھا کہ اسے واقعی افسوس ہوا ہو گا مگر اسے اس وقت اس کو امبر کے بارے میں سب کچھ بتانا اور شرم ناک تھا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ اس سے مدد لیتی۔ وہ اب واقعی بری طرح پچھتا رہی تھی کہ اس نے شہیر سے مدد لینے کا سوچا ہی کیوں۔

"میرا نام تو آپ جانتی ہی ہیں ولید شعیب... آپ یہ سمجھیں کہ آج اس وقت اپنے بھائی سے بات کر رہی ہیں۔" اس کا انداز اس بار ہمدردانہ تھا۔

"آپ بتائیں میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟" صبغہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر کمرے کے اندر سوفٹ ڈرنکس دینے والے شخص کو۔ صبغہ اپنے سامنے رکھے سوفٹ ڈرنک کو دیکھتی رہی۔ وہ بات کا آغاز کرنے کے لیے ہمت اکٹھی کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"آپ ہماری فیملی کو جانتے ہیں تو آپ ہارون کمال کی فیملی کو بھی جانتے ہوں گے۔" اس نے بالآخر اپنی ساری ہمت مجتمع کر کے پوچھا۔

"بہت اچھی طرح سے۔" ولید نے کہا۔ "نہ صرف میں بلکہ میرے فادر بھی۔" اگلا جملہ بولتے ہوئے صبغہ نے ولید سے نظریں چرا لیں۔

"امبر نے ان سے شادی کر لی ہے۔"

"ان کے بیٹے اسد سے؟"

ولید نے بڑی روانی سے پوچھا۔ صبغہ چپ کی چپ رہ گئی۔ اس کی خاموشی نے ولید کو کچھ غلط ہونے کا سگنل دیا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر جیسے اپنے لفظوں کو تولتا رہا۔ صبغہ اب بھی ٹیبل پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"ہارون کمال سے؟" صبغہ نے اس دفعہ بھی سر نہیں اٹھایا۔

ولید کو جواب کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر جیسے اپنی حیرت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔

"یہ سب کب ہوا؟"

"کچھ دن پہلے۔" صبغہ نے مدھم آواز میں کہا۔ "اور امبر نے گھر سے جانے کے بعد اتنے دنوں میں ایک بار بھی ہم سے رابطہ نہیں کیا۔ ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔"

"آپ لوگوں کی مرضی سے شادی ہوئی تھی؟"

"نہیں۔"

"تو پھر وہ کیوں آپ سے رابطہ کریں گی۔ آپ لوگ کچھ دن اور انتظار کریں۔ یا پھر خود کسی کے ذریعے اس سے رابطے کی کوشش کریں۔ مگر مجھے یہ سب سن کر بہت افسوس ہوا ہے۔ امبر اور ہارون کمال..."

وہ ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ صبغہ نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"ہمارے پاس اس سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے پاس موبائل نہیں ہے اور ہم ہارون کمال سے تو اس کے بارے میں بات نہیں کر سکتے۔" صبغہ نے قدرے بے چارگی سے کہا۔

"کیوں نہیں کر سکتے۔" ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اسے فون کر کے اپنی بہن کے بارے میں پوچھنے میں کیا حرج ہے؟" صبغہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"خیر، یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں۔" ولید نے اچانک کچھ سوچتے ہوئے کہا اور میز پر پڑے وزیٹنگ کارڈز کے ایک انبار کو تیزی سے الٹنے پلٹنے لگا۔

"میرے پاس ان کا وزیٹنگ کارڈ ہے۔" صبغہ جان گئی کہ وہ کیا ڈھونڈ رہا ہے۔

"اچھا دیں ذرا۔" ولید نے ان کارڈز سے ہاتھ ہٹا لیا۔ صبغہ نے اپنا بیگ کھول کر اندر رکھے کچھ کارڈز میں سے ایک کارڈ ولید کی طرف بڑھا دیا۔

"میں اپنا تعارف کروائے بغیر آپ کے حوالے سے ان سے بات کروں گا اور امبر کے بارے میں پوچھوں گا۔"

ولید نے ایک نمبر ڈائل کرتے ہوئے صبغہ سے کہا۔

"کیا یہ کہہ دوں کہ میں آپ کا وکیل ہوں؟"

"نہیں، آپ کے پاپا اور ہارون کمال کی تو آپس میں کوئی پارٹنرشپ ہے۔" ولید واقعی بہت کچھ جانتا تھا۔

"پھر...؟" صبغہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"میں یہ کہتا ہوں کہ میں آپ کا وکیل ہوں اور امبر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" ولید نے پلک جھپکنے میں طے کیا اور دوبارہ نمبر ڈائل کرنے لگا۔ صبغہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، چند لمحوں کے بعد دوسری طرف سے کسی نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو...!" ولید نے کہا۔

"میں مظفر حیات بول رہا ہوں۔" اس نے دانستہ طور پر اپنا نام غلط لیا۔

"میں صبغہ منصور علی اور ان کی فیملی کی طرف سے آپ کے خلاف کیے جانے والے ایک کیس کی پیروی کر رہا ہوں۔ اور اس سلسلے میں امبر منصور علی سے بات کرنا چاہتا ہوں کیونکہ..."

دوسری طرف سے کچھ کہا جا رہا تھا کیونکہ ولید یک دم بات کرتے کرتے خاموش ہو گیا۔ وہ اب دوسری طرف کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔

"آپ نے امبر منصور علی کے ساتھ زبردستی شادی کی ہے اور امبر کی فیملی نے امبر کی برآمدگی کے لیے ایف آئی آر درج کروائی ہے۔"

ولید ایک بار پھر بات کرتے کرتے رک گیا اور دوسری طرف سے آنے والی آواز سننے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"ہارون کمال نے فون بند کر دیا ہے۔ میں دوبارہ کال کروں گا بھی تو وہ... رسپانس نہیں کرے گا۔" "اس نے امبر کے بارے میں کچھ کہا؟" صبغہ نے بے تابی سے اس سے پوچھا۔

"اس نے کہا ہے کہ وہ کسی امبر منصور علی کو نہیں جانتا۔ اور آپ کی فیملی کے بارے میں یہ کہا کہ چونکہ وہ منصور علی کے ساتھ پارٹنرشپ ختم کر رہا ہے، اس لیے منصور اسے جان بوجھ کر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور ایسی ساری کوششوں کا منہ توڑ جواب دے گا۔" ولید نے ہارون کی باتوں کو صبغہ کے سامنے دہرایا۔

"امبر اس کے پاس ہے۔ نہ ہوتی تو اب تک واپس آ گئی ہوتی... وہ امبر کے ساتھ شادی کر چکا ہے۔" صبغہ نے بے چارگی سے کہا۔

"شادی کر چکا ہوگا... یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی الحال شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور امبر اس کے پاس ہو۔ مگر دونوں صورتوں میں وہ کبھی اعلانیہ تو یہ نہیں کہے گا کہ امبر سے شادی کر چکا ہے۔ مجھے یقین ہے اس کی باقی فیملی کو اس شادی کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہوگا۔ کیا وہ کچھ جانتے ہیں؟" ولید نے پوچھا۔

"پتہ نہیں... ہم لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں... ہم لوگوں نے اس کو بہت روکا تھا، پھر جب وہ نہیں مانی تو ممی نے اسے گھر سے نکال دیا۔"

"مجھے یقین ہے کہ ہارون امبر سے اس ساری گفتگو کا ذکر کرے گا اور وہ آپ لوگوں سے فوری طور پر رابطہ کرے گی، کیونکہ اگر یہ شادی خفیہ ہے تو ہارون تو افورڈ نہیں کر سکتا کہ اس کو اس قسم کے کسی کیس کا سامنا کرنا پڑے۔ میں اپنے کانٹیکٹ استعمال کر کے یہ پتا کرتا ہوں کہ اس نے امبر کو کہاں رکھا ہوگا۔ مگر مجھے امید ہے کہ امبر اس سے پہلے ہی اس سارے معاملے پر بات کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے گی۔" ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر اچھی خبر یہ ہے کہ آپ کے والد اور ہارون کی پارٹنرشپ ختم ہو گئی ہے۔ آپ امبر کے بارے میں انہیں بتائیں تو وہ ہارون سے خود اس سلسلے میں بات کر لیں گے بلکہ زیادہ اچھے طریقے سے کریں گے۔"

صبغہ اس سے کہہ نہیں سکی کہ وہ پاپا کو یہ سب کچھ بتا چکی ہے اور پاپا کا ردعمل وہ اب بھگت رہی تھی۔ اسے اب اندازہ ہو گیا تھا کہ امبر کے خلاف وہ غبار ہارون کے ساتھ پارٹنرشپ ٹوٹنے کی وجہ سے ہی نکالا گیا تھا۔ اسے تو اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ یہ پارٹنرشپ ختم کروانے والی امبر ہی تھی۔ یہ ان دونوں کی شادی کا ثبوت تھا۔

"ہاں میں پاپا سے اس سلسلے میں بات کروں گی۔" صبغہ نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

ثمر کو اس صبح جلدی جانا تھا، وہ فاطمہ کو بتا کر گھر سے چلا گیا۔ شیراز خلاف معمول آفس جانے کے لیے نہیں اٹھا۔ وہ نو بجے کے قریب اپنے کمرے سے باہر آیا۔ فاطمہ اس وقت کچن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے کپڑے لیے سیدھا باتھ روم میں چلا گیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد جب وہ نہا کر اپنے کمرے میں آیا تو فاطمہ ناشتہ تپائی پر رکھے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ شیراز کچھ کہے بغیر کرسی پر بیٹھ گیا اور تپائی اپنی طرف کھینچ کر اس نے ناشتہ کرنا شروع کر دیا۔

فاطمہ نے جیسے ایک دم اطمینان کا سانس لیا تھا۔ ثمر ٹھیک کہہ رہا تھا اس کا غصہ ختم ہو رہا تھا۔ فاطمہ نے سوچا۔ وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت وہ اس سے بات کیسے شروع کرے۔ شیراز سر جھکائے تیز رفتاری سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔ اس سے پہلے کہ فاطمہ اس سے کچھ کہتی باہر دروازے پر دستک سنائی دی۔ شیراز ناشتہ کرتے کرتے ٹھٹکا۔ فاطمہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم بیٹھو، میں دیکھتی ہوں۔" اس نے کہا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ صحن کا دروازہ کھولتے ہی اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔ وہاں ایک عورت چند پولیس والوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

☆☆☆

اس نے شبیر کے منہ سے غیر متوقع جملہ سنا تھا۔ کیا وہ جانتا تھا؟ کیا مطلب تھا اس کا؟ اسے کیسے پتہ چلا؟ کیا فاطمہ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا... شائستہ کے ذہن میں یکے بعد دیگرے سوال امنڈ رہے تھے۔

"اور اگر فاطمہ نے اسے خواب میں کچھ بتایا ہے تو کس طرح بتایا ہے؟" شائستہ کے دل کی دھڑکن یک دم تیز ہو گئی۔

"آپ پولیس کو یہاں سے واپس بھیجیں۔ ان کے تجربات ہو سکتی ہے۔" شبیر اسی سپاٹ لہجے میں بولا۔

"پولیس اس عورت کے لیے یہاں آئی ہے۔" شائستہ نے فاطمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی ہے کہ اس نے میرے بیٹے کو اغوا کر کے اتنے سال مجھ سے دور رکھا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہیں پہلی بار دیکھتے ہی مجھے لگا کہ تم میرے بیٹے ہو اور تم واقعی میرے بیٹے ہو شبیر۔"

شائستہ نے شبیر کو جیسے یقین دلانے کی کوشش کی جو بے حد خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا فاطمہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔

"میں یہ جانتی ہوں کہ شبیر میرا اپنا نہیں ہے مگر میں نے اسے اغوا نہیں کیا۔ میں نے اسے ایک یتیم خانے سے گود لیا ہے۔"

شائستہ نے تیز آواز میں اس کی بات کاٹی۔

"کس یتیم خانے سے؟"

"میں آپ کو لے کر جا سکتی ہوں وہاں۔ میں نے شبیر کو بھی بتایا ہے اس کے بارے میں کہ وہ بے شک وہاں جا کر پتہ کر لے میں نے اپنی ایک دوست اور اس کے شوہر کے ذریعے شبیر کو وہیں سے گود لیا تھا۔" فاطمہ کہہ رہی تھی۔

"چلو میرے ساتھ وہاں میں بھی دیکھنا چاہوں گی کہ تم نے میرے بیٹے کو کہاں سے لیا ہے۔" شائستہ نے بے دھڑک انداز میں کہا۔

"وہ یتیم خانہ دوسرے شہر میں ہے۔" فاطمہ ہکلائی۔

"دوسرے ملک میں تو نہیں ہے۔ میں کہیں بھی جا سکتی ہوں جھوٹ سچ کو جاننے کے لیے۔"

اس سے پہلے کہ فاطمہ جواباً کچھ کہتی شبیر نے مداخلت کی۔ "آپ مجھے لینے آئی ہیں، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ کسی یتیم خانے تک جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ میں ان کا بیٹا نہیں ہوں۔"

اس نے مستحکم لہجے میں کہا۔ "پولیس کو اس معاملے میں انوالو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ انہیں واپس بھجوا دیں۔"

"پولیس کو کیوں انوالو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اتنے سال تمہارے بغیر رہی ہوں شبیر تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں نے یہ سارے سال تمہارے بغیر کس طرح گزارے ہیں۔" شائستہ کی آواز بھرا گئی۔ شبیر نے اس سے نظریں چرا لیں، وہ عورت اس کی ماں تھی اور وہ اس کے لیے کچھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس نے محبت یا ہمدردی نام کے کسی جذبے کو اپنے اندر تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔

اس نے فاطمہ کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت قابل رحم تھی۔ پستہ قامت اس بدصورت عورت کے چہرے کی سیاہی میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ شائستہ اور وہ ایک دوسرے کے برابر میں کھڑی ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھیں۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دونوں اس کی محبت میں گرفتار تھیں۔ دونوں اس کی ماں ہونے کی دعوے دار تھیں۔ وہ دونوں سے نظریں چرا رہا تھا۔ بے تحاشا کوشش کے باوجود شائستہ کے لیے اپنے اندر سے محبت یا لگاؤ نام کا جذبہ برآمد کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اور بے تحاشا کوشش کرنے کے باوجود فاطمہ کے لیے اپنے اندر سے نفرت نام کا کوئی جذبہ پیدا کرنے میں بھی ناکام ہو رہا تھا۔ زندگی اسے عجیب دوراہے پر لے آئی تھی۔

"اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں تو پولیس بھجوا دیں۔" وہ جیسے اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"اور جو اتنے سال..." شبیر نے شائستہ کی بات کاٹ دی۔

"ان سالوں کو کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ جو کچھ یہ کر چکی ہیں۔ اس کو تو مداوا نہیں ہو سکتا۔ آپ انہیں قتل بھی کر دیں گی تب بھی میری زندگی کے وہ سارے سال واپس نہیں آئیں گے۔ ہاں البتہ میرے بہن اور بھائی کی زندگی ضرور تباہ ہو جائے گی۔ اور میں یہ نہیں چاہتا۔"

شہیر نے فاطمہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ فاطمہ کے چہرے پر جیسے کسی نے طمانچہ دے مارا تھا۔ "میرے بہن بھائی کی زندگی۔" بس شہیر کو ان ہی کا خیال آیا تھا۔ میرا انہیں دور دور تک بھی نہیں۔" فاطمہ کو بے اختیار رونا آیا۔ کھڑے کھڑے وہ کانچ کی ہوگئی تھی وہ بہن بھائی بے اولاد... اپنی اور پرائی اولاد کا فرق اسے زندگی میں پہلی بار اس لمحے سمجھ میں آیا تھا۔ اس نے اپنے وجود کو کانچ کی طرح کرچی کرچی ہوتے محسوس کیا۔ وہ ساری زندگی کس لیے جی تھی۔ صرف اس لیے کہ سامنے کھڑے مرد کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر جو کرب سے چمک آرہی تھی جب وہ تین سال کا تھا اور وہ چھبیس سال کی اور وہ اس کی ماں نہیں بنی تھی۔ مگر صرف یہی ایک رشتہ تھا جس پر وہ ہمیشہ کھری اتری تھی جس میں فاطمہ مختار نے اپنی زندگی کے اتنے سالوں میں کھوٹ نہیں پایا تھا اور اب یہ رشتہ بھی اس کی زندگی کے باقی رشتوں کی طرح مٹی بن گیا تھا۔

"تو آخر کیا پایا فاطمہ تو نے دلوں کے اس الٹ پھیر میں؟ کالک، رسوائی، مکاری، فریب اور جھوٹ کا کھیل؟"

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا مگر اسے جواب ملتا بھی کیسے۔

سامنے کھڑا یہ لاوا خون بول رہا تھا اور کیا خوب بول رہا تھا۔ فاطمہ مختار وقت کے کٹہرے میں آن کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ تمہارے بہن بھائی نہیں ہیں" شائستہ کو اس کی بات بری لگی۔ "تمہارے بہن بھائی میری اولاد ہیں وہ تمہارے بہن بھائی نہیں ان کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔"

"آپ پولیس والوں کو بھیج دیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔" شہیر نے شائستہ کی بات کاٹ کر خشک لہجے میں کہا۔

"ہم بات کر کے اس مسئلے کو حل کر لیں گے۔ آپ انہیں واپس بھیجیں۔"

شائستہ نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا پھر فاطمہ پر ایک نظر ڈال کر وہ صحن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

شہیر نے فاطمہ پر ایک نظر ڈالی اور پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فاطمہ لپک کر اس کے پیچھے آئی تھی۔

صرف چند لمحے تھے اس کے پاس اسے سمجھانے کو، اس کے دل کو بدلنے کو، پھر وہ وہاں سے چلا جاتا۔ دوبارہ وہاں کبھی نہیں آتا۔ اسے مستقبل سے خوف آرہا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اپنی چیزیں اکٹھی کر رہا تھا۔

"میری بات پر اعتبار کرو شہیر انہوں نے تمہیں اغوا نہیں کیا۔ میں نے تمہیں..."

شہیر نے اس کی بات ترشی سے کاٹ دی۔ "میں کل اس یتیم خانے سے ہو کر آیا ہوں۔ وہاں میرا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ جتنا تماشا آپ کر چکی ہیں کافی ہے مزید نہ کریں۔ میں اس معاملے کو عزت سے ختم کرنا چاہتا ہوں تو کرنے دیں۔ اپنے آپ کو جھوٹ بول کر میری نظروں میں اور نہ گرائیں۔"

وہ مدھم آواز اور ترش لہجے میں کہہ رہا تھا۔ فاطمہ گنگ سی اسے سن رہی تھی۔

"جو کچھ آپ میرے ساتھ کر چکی ہیں۔ میں اس کے لیے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ یہ نہ آتیں تب بھی میں اس گھر سے چلا جاتا۔ آپ کے ساتھ کبھی نہیں رہتا۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"شہیر! مجھ پر اعتبار کرو..." شہیر نے بات کاٹ دی۔

"یہ بات کہنی چاہیے آپ کو... اعتبار؟ آپ جانتی ہیں اس کا کیا مطلب ہوتا ہے یا صرف کتابوں میں پڑھا ہے اس کے بارے میں؟" اس کا لہجہ اس بار بہت تلخ تھا۔ "ساری زندگی ایک کے بعد ایک جھوٹ سنتا رہا ہوں آپ سے۔ اور آج جب سب کچھ کھل کر سامنے آگیا ہے تو آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں آپ پر اعتبار کروں۔ میں کیوں کروں آپ پر اعتبار؟ آخر رشتہ کیا ہے میرا آپ کے ساتھ ایک اغوا کرنے والی اور اغوا شدہ کا۔"

وہ بے حد تلخی سے کہہ رہا تھا۔ فاطمہ نے بے چارگی سے اسے دیکھا وہ کیا جتلاتی۔ سچ سچ نہیں رہا تھا اور جھوٹ جھوٹ نہیں رہا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی شائستہ اندر آ گئی تھی۔ شبیر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر شائستہ کے اندر آتے ہی وہ ایک بار پھر سے اپنا سامان پیک کرنے لگا تھا۔

"ان کپڑوں اور چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔" شائستہ نے اندر آتے ہی کہا۔ "تم صرف اپنے کاغذات لے لو۔ اس گھر سے کچھ بھی لینے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔"

شائستہ نے گویا اسے ہدایت دی۔ وہ ایک لمحہ کے لیے ٹھٹکا اور ایک بار پھر اسی طرح اپنے بیگ میں چیزیں ڈالنے لگا۔ شائستہ کے پاؤں اس وقت زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ سب کچھ اتنی آسانی سے ہو جائے گا۔ ہر چیز جیسے پہلے سے تیار پڑی تھی اسے کسی شے کو ہاتھ تک لگانا نہیں پڑا تھا۔ اس کا خاندان اتنے سال بعد بالآخر مکمل ہونے جا رہا تھا۔

شبیر بے حد برق رفتاری سے اپنی چیزیں اکٹھی کر رہا تھا۔ یوں جیسے وہ اڑ کر وہاں سے چلا جانا چاہتا ہو۔ کمرے میں موجود دونوں عورتیں خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ فاطمہ نے شائستہ کے کمرے میں آنے کے بعد اس سے کچھ نہیں کہا تھا نہ اس نے شبیر سے۔ اس کا انداز فاطمہ کے ساتھ اس قدر تحقیر آمیز تھا کہ فاطمہ کو کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ اس وقت وہاں ایک ایسے مجرم کے طور پر کھڑی تھی جو ایک ماں اور بیٹے کی جدائی کا سبب بنا ہو۔ کچھ کہنے اور کچھ سننے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ اسے اپنے تینوں بچوں سے محبت تھی مگر شبیر اس کی جان تھا اور آج وہ اپنی جان جاتے دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم!" کی آواز پر سب چونک گئے تھے۔ ثمر کس وقت اندر آیا، کسی نے غور نہیں کیا تھا۔ اور اس وقت وہ مسز ہارون کمال کو اپنے گھر پر دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔

شائستہ ایک لمحے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوئی پھر سلام کا جواب دیے بغیر دوبارہ شبیر کو دیکھنے لگی۔ شبیر کے ہاتھ سامان پیک کرتے ہوئے صرف چند لمحوں کے لیے رکے تھے اور اب وہ ایک بار پھر سے اسی طرح سامان پیک کر رہا تھا۔ ثمر نے فاطمہ پر نظر ڈالی صرف وہ تھی جو اسے دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر بے تحاشا بے چارگی اور لجاجت تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ اس کے لیے روز قیامت تھا۔

شبیر جا رہا تھا۔ ثمر جاننے کے لیے آ گیا تھا۔ شاید پہلے ہی گھر پر نہیں تھی فاطمہ مختار کے گھر میں کیا ہو گیا تھا۔

ثمر نے فاطمہ کے آنسو دیکھے، شبیر کا انداز دیکھا، اور شائستہ کے تیور کچھ غلط تھا۔ پلک جھپکنے میں اس کی چھٹی حس نے اسے احساس دلایا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے باآواز سوال کرنا ضروری سمجھا۔ مگر کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ فاطمہ بولنے کے قابل نہیں تھی۔ شبیر بول نہیں رہا تھا اور شائستہ بولنا نہیں چاہتی تھی۔ ثمر کے چہرے پر الجھن تھی۔ شائستہ نے صرف ایک لمحہ کے لیے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ ثمر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہاں اس کے لیے نفرت اور حقارت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ نفرت اور حقارت وہ زندگی میں پہلی بار ان دو چیزوں سے شناسائی حاصل کر رہا تھا۔ اس کے گھر میں اس کے کمرے میں کھڑے ہو کر وہ عورت اسے نفرت اور حقارت سے دیکھ رہی تھی۔ کیوں؟

"شبیر بھائی! آپ سامان کیوں پیک کر رہے ہیں؟"

اس نے اس بار شبیر سے پوچھا تھا۔ فاطمہ کو حیرت ہوئی کہ وہ اس کی طرف کیوں نہیں بڑھا۔ اس نے اس سے کیوں نہیں پوچھا کہ وہ کیوں رو رہی تھی؟ یہ سب کچھ کیا ہو رہا تھا؟

اس سے پہلے شبیر کچھ کہتا شائستہ نے مداخلت کی۔

"شبیر تمہارا بھائی نہیں ہے اس لیے اسے بھائی مت کہو۔"

فاطمہ کا جسم ایک بار پھر سے کپکپانے لگا تھا۔ ایک بار پھر انکشافات، حقائق، اعتراف اور پھر سامان کا ایک اور بیگ۔ ثمر نے ایک نظر فاطمہ کی طرف دیکھا، ایک اجنبی سی نظر پھر وہ دوبارہ شائستہ کو دیکھنے لگا۔ شائستہ نے اسی لہجے میں کہا۔

"شیر سامان اس لیے پیک کر رہا ہے کیونکہ وہ اس گھر سے جا رہا ہے۔ وہ میرا بیٹا ہے۔"

وہ چونکا تھا۔ نہ اس نے فاطمہ اور شیر کو دیکھا تھا۔ وہ ماتھے پر بل لیے اسی طرح شائستہ کو دیکھتا رہا۔ شیر چند لمحے کو رکا۔ وہ ثمر کو سب کچھ بتانا چاہتا تھا مگر کسی کو ثمر کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی۔

"میں جانتا ہوں شیر، امی کا بیٹا نہیں ہے مگر آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔؟"

اگر کمرے کی چھت فاطمہ اور شیر کے سر پر گر پڑتی تو انہیں اتنا شاک نہیں لگتا جتنا ثمر کے منہ سے نکلنے والے ان جملوں سے لگا تھا۔ وہ کیسے جانتا تھا؟ کیا وہ ہمیشہ کی طرح جھوٹ بول رہا تھا یا پھر وہ واقعی جانتا تھا۔ شائستہ کے ہونٹ بے اختیار بھنچ گئے۔ وہ اس سے ثبوت مانگنے والا کون تھا؟

"شیر جانتا ہے کہ وہ میرا بیٹا ہے اور میرے لیے یہ کافی ہے۔ مجھے ہر ایرے غیرے کو ثبوت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ تند و تیز لہجے میں بولی۔

"شیر کیسے جانتا ہے کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ کل تک تو وہ اس گھر میں آپ کے انکشافات کا مذاق اڑا رہا تھا اور آج اچانک اسے یقین آ گیا کہ آپ واقعی اس کی ماں ہیں۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ آپ کی اپنی بیٹی کو آپ کی کسی گمشدہ اولاد کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔ کیوں...؟"

"میں تمہارے سوالوں کے جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی نہ تمہیں کوئی ثبوت دوں گی۔ شیر کا چہرہ بتاتا ہے کہ وہ کس کی اولاد ہے۔"

"کس سے ملتا ہے اس کا چہرہ؟ آپ سے؟ یا آپ کے شوہر سے؟ آپ کے شوہر سے تو میری بھی شکل ملتی ہے تو کیا آپ کل کو مجھے بھی اپنا بیٹا ڈکلیئر کرنے جا رہی ہیں۔؟" اس کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔ شیر نے چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ہارون کمال سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتا تھا۔ شائستہ کے وجود میں اس کے جملے نے جیسے آگ لگا دی تھی۔

"یہ اپنے باپ کی جائز اولاد ہے۔" شائستہ نے شیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم کس باپ کی اولاد ہو یہ تمہاری ماں کو بھی نہیں پتہ ہوگا۔ پتہ ہوتا تو تمہیں کوڑے کے ڈھیر پر نہ پھینکتی۔ باقی تفصیلات تم اپنی اس نام نہاد ماں سے پوچھ لینا جسے لوگوں کی اولادیں پالنے کا بہت شوق ہے۔ ہاں البتہ ماں کا نام جاننا ہو تو میرے پاس آنا میں تمہیں اس طوائف کا پتہ ضرور دے دوں گی جسے تمہاری ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔"

کھولتا لاوا تھا جو شائستہ نے کمرے میں موجود لوگوں پر انڈیل دیا تھا۔ ثمر اب خاموش تھا۔ ساکت و صامت بے حس و حرکت۔

شیر بے یقینی سے شائستہ اور ثمر کو دیکھ رہا تھا۔ کیا واقعی ثمر کو کوڑے کے ڈھیر پر...؟ کیا واقعی اس کی ماں طوائف...؟ اور یہ سب کچھ شائستہ کیسے جانتی تھی؟

"مجھے اس معاملے میں آپ کی خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں مجھے کہاں سے اٹھایا گیا اور میری ماں کیسی عورت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے میں اپنی اس ماں جو آپ کے بقول نام نہاد ماں ہے، کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ اس نے مجھے کوڑے کے ڈھیر سے اٹھا کر پالا ہے۔"

فاطمہ پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت تھی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ کیا اسے واقعی پتہ تھا؟ مگر کب سے؟

"میں تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی۔" شائستہ نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ "شیر! آؤ میرے ساتھ۔"

اس نے شیر کا بازو پکڑا۔ شیر اور ثمر کی نظریں آپس میں ملیں۔ شیر کی نظروں میں الجھن تھی۔ پھر اس نے نظریں چرالیں اور شائستہ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ فاطمہ بے اختیار اس کے پیچھے لپکی لیکن ثمر نے اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

"نہیں، انہیں جانے دیں وہ نہیں رکیں گے۔ ان کے پیچھے مت جائیں۔" اس کا لہجہ بے حد تھکا ہوا تھا۔

فاطمہ روتے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔ اس نے بہت سال پہلے اسے کوڑے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا۔ اسے لگا آج وہ
اسے کوڑے کے ڈھیر سے اٹھا رہا تھا۔

☆☆☆

شائستہ اور شہیر کے درمیان گاڑی میں بہت مختصر بات چیت ہوئی۔ گاڑی شائستہ چلا رہی تھی۔ شہیر اس کے برابر میں بیٹھا
تھا۔

گاڑی میں دوبارہ بیٹھتے ہی شائستہ نے کہا۔

"تم جانتے ہو ان دونوں بچوں کو فاطمہ نے کہاں سے اٹھایا، جنہیں تم اپنا بہن بھائی کہتے رہے؟"

شہیر نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

"ایک کوڑے کے ڈھیر سے۔" اس نے تحقیر آمیز انداز میں چند لمحے پہلے کیا جانے والا انکشاف دوہرایا۔

"کوڑے کے ڈھیر سے اٹھا کر پالا جانے والا خاندان کتنے دن چلتا۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ کس دھڑلے سے کہہ رہا
تھا کہ اسے سب پتہ ہے سب جانتا تھا تو آج تک چپ کیوں بیٹھا ہوا تھا۔" وہ حقارت سے بولی۔

"آپ کو یہ سب کچھ کیسے پتہ چلا؟" شہیر نے وہ سوال کیا جو اس کے ذہن میں بڑی دیر سے کلبلا رہا تھا۔ چند لمحوں کے
لیے شائستہ خاموش رہی پھر بولی۔

"میں نے سب کچھ باقاعدہ تحقیق... کروایا ہے۔"

شہیر نے جواباً نہیں پوچھا کہ کس طرح۔ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے اپنے وجود میں عجیب سی ٹیسیں اٹھتی ہوئی محسوس
ہونے لگی تھیں۔

"میں نے جب پہلی دفعہ اس ہوٹل میں تمہیں دیکھا تھا۔ میں تب ہی جان گئی تھی کہ تم ہی میرے بیٹے ہو۔"

شائستہ اب اسے بتا رہی تھی۔ اس کے لہجے کی کھنک سے کوئی بھی اس کی خوشی کا اندازہ کر سکتا تھا۔ شہیر خاموشی سے سڑک کو
دیکھتے ہوئے اس کی بات سن رہا تھا۔

"تم مجھے ناپسند کرتے تھے۔ مجھ سے دور بھاگتے تھے۔ تم سمجھے ہو گے یہ عورت پتا نہیں کس لیے تمہارے پیچھے بھاگ رہی
ہے۔ مگر میں... میں تو جان چکی تھی کہ تم میرے بیٹے ہو۔"

"صرف اس لیے کیونکہ میری شکل و صورت ملتی ہے آپ سے اور آپ کے شوہر سے؟" شہیر نے یکدم کہا تو شائستہ کو
جیسے شاک لگا۔

"آپ کے شوہر؟ شہیر، ہارون تمہارا باپ ہے۔ تم شہیر ہارون کمال ہو۔ میرے سب سے بڑے بیٹے۔"

شائستہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "جہاں تم جا رہے ہو وہ گھر ہے تمہارا، جہاں تمہارا اصلی خاندان موجود
ہے۔ تمہیں کچھ محسوس نہیں ہو رہا؟" شائستہ نے جیسے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"آپ کے گھر میں سب یہ بات جانتے ہیں کہ آپ مجھے لینے جا رہی ہیں؟" شہیر نے شائستہ کے سوال کا جواب دینے
کے بجائے اس سے پوچھا۔

"ہاں، سب کو پتہ ہے کہ تم آ رہے ہو۔"

"آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ صرف شکل و صورت کی وجہ سے آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھ رہی ہیں؟" شہیر کو یکدم اپنا سوال یاد
آیا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم میرے بیٹے ہو۔ تمہیں کوئی شک ہے تو ہم Paternity test کروا لیں گے۔"

"ہاں میں چاہوں گا کہ آپ ایسا کریں۔" شائستہ کو اس کی بات سے دکھ ہوا۔ وہ اب بھی بدگمان تھا۔

"اس عورت نے تمہارا ذہن اس حد تک خراب کر رکھا ہے کہ تمہیں میری کسی بات پر بڑے عرصے تک یقین نہیں آئے گا۔"

ہر چیز پر شبہ کرو گے تم۔ مگر پھر تمہیں احساس ہو جائے گا کہ میں کچھ بھی غلط نہیں کہہ رہی ہوں تم اپنے گھر واپس آ گئے ہو۔ دیر سے ہی مگر تم اپنے ماں باپ کے پاس آ گئے ہو۔" شہیر خاموش رہا۔

"میں نے تمہارے باس کو بتا دیا ہے کہ تم کل سے جاب پر نہیں آ رہے۔" شائستہ نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔ "تم اب اپنے پاپا کے ساتھ اپنی فیکٹری جایا کرو گے۔"

شہیر کو اپنے پیٹ میں گرہیں سی پڑتی محسوس ہوئیں۔

"پاپا۔" یہ لفظ اس کے لیے قابل ہضم نہیں تھا۔ ڈیڑھ دن میں اس کا باپ نمودار ہو گیا تھا۔ ماں اور بہن بھائی بدل گئے تھے اور اب زندگی بدلنے والی تھی کوئی اور ہوتا تو وہ اس وقت اپنی قسمت پر رشک کر رہا ہوتا مگر شہیر ذہنی اضطراب کا شکار ہو رہا تھا اور شائستہ ہر وقت اس کا چہرہ پڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

روشان خاموشی سے پچھلے پندرہ منٹ سے فون پر باپ کی بات سن رہا تھا۔ منصور بالکل پاگلوں والے انداز میں اسے بتا رہا تھا۔ کہ امبر نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے۔ کس طرح ہارون کمال کے ذریعے رخشی کو اس سے الگ کروایا ہے۔ کس طرح اس کی فیکٹری سے اسے بے دخل کروایا ہے۔ روشان کو امبر اور ہارون کی شادی کا سن کر دھچکا لگا تھا۔

"آپ سے کس نے کہا کہ ان دونوں نے شادی کر لی ہے؟" روشان نے بے یقینی سے کہا۔

"صبغہ نے بتایا ہے مجھے۔"

روشان کچھ بول نہیں سکا۔ "اگرچہ ہارون اس بات کو نہیں مان رہا تھا مگر صبغہ نے مجھے بتایا ہے کہ امبر اس کے لیے گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ تم جانتے ہو امبر کو وہ کس قدر خودسر اور ضدی ہے۔"

"مجھ سے کیا چاہتے ہیں آپ؟" روشان نے یکدم باپ کی بات کاٹی۔ اس کا لہجہ بہت عجیب ہو گیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں تم واپس لاہور آؤ اور یہاں آ کر ماں سے بات کرو۔ امبر سے بات کرو کہ وہ یہ سب کچھ کرنا بند کرے۔ ہارون کمال سے کہے کہ وہ میری فیکٹری مجھ سے نہ چھینے، میرے ساتھ پارٹنرشپ ختم نہ کرے اور رخشی کے ساتھ میری مصالحت کروا دے۔"

روشان کو اپنا خون ابلتا ہوا محسوس ہوا منصور علی یا تو بے شرمی کی آخری حدوں تک پہنچ چکا تھا یا پھر اس کا ذہنی توازن خراب ہو چکا تھا۔ ورنہ وہ اس سے یہ سب کچھ نہ کہہ رہا ہوتا۔ روشان کا دل چاہا تھا وہ بلند آواز میں چلا چلا کر باپ کو گالیاں دے۔ بے تحاشا گالیاں۔ وہ اس وقت اسے انسان نہیں، ایک چوپایہ لگ رہا تھا جس کی ہر قسم کی ذہنی صلاحیت ایک عورت کے عشق نے مفقود کر دی تھی۔

"میں نہیں آؤں گا۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے بہت اچھا ہو رہا ہے۔ میری طرف سے تم بھاڑ میں جاؤ۔" اس نے سیل فون پر پوری قوت سے چلا کر کہا اور فون بند کر دیا۔ منصور نے بے یقینی سے فون میں سے آنے والی آواز کو سنا۔ اس نے پہلی بار اپنے بیٹے کو اوپر چلاتے سنا تھا۔ اس کی زندگی میں سب کچھ پہلی بار ہو رہا تھا۔ اور یہ سب کون کروا رہا تھا؟ اسے ایک بار پھر امبر کا خیال آیا۔ اس کا ذہنی توازن واقعی خراب ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اٹھائیسواں باب

وہ دونوں بہت دیر تک ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے تھے پھر قمر نے فاطمہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ چھوٹے سے قد کے ساتھ وہ قمر کے صرف پیٹ تک آتی تھی اور اس وقت وہ ایک ننھی بچی کی طرح اس کے ساتھ لپٹ کر رو رہی تھی۔ قمر اسے تھپک رہا تھا۔ بھیگے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ اپنی آنکھوں کو بار بار پونچھتے ہوئے اسے تھپک رہا تھا۔

فاطمہ نے سب کچھ نہیں کھویا تھا۔ اس کی مٹھیاں پوری طرح سے خالی نہیں ہوئی تھیں۔ وہ چند لمحے پہلے جس قیامت کے آنے سے ڈر رہی تھی۔ وہ قیامت نہیں آئی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا یہ سب کچھ؟" بہت دیر رونے کے بعد فاطمہ نے اس سے پوچھا۔

"کیا یہ بتانا ضروری ہے؟" وہ تھکا ہوا تھا۔ فاطمہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ قمر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"کاب نے بتایا مجھے یہ سب کچھ۔ شائستہ نے اسے ہم لوگوں کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس نے فون کر کے مجھے بلایا اور مجھے یہ بتایا کہ آج اس کی ممی شیرو کو یہاں سے لے جائیں گی۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"میں قسم کھاتی ہوں قمر! میں نے شیرو کو اغوا نہیں کیا۔ وہ..." فاطمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں اسے بتانے کی کوشش کی تو قمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے امی! مجھے یقین ہے آپ نے اس کو کہیں سے اغوا نہیں کیا مگر ہو سکتا ہے کسی اور نے اسے اغوا کیا ہو اور پھر بعد میں کسی نہ کسی وجہ سے اسے یتیم خانے میں داخل کروا دیا ہو جہاں سے آپ نے اسے لیا تھا۔" وہ تحمل سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"مگر وہ کہتا ہے وہ اس یتیم خانے میں گیا تھا۔ وہاں اس بچے کا کوئی ریکارڈ ہی نہیں ہے۔ وہ کل اسی لیے دیر سے آیا تھا کیونکہ وہ اس شہر گیا ہوا تھا۔"

قمر یکدم چونک کر سیدھا ہو گیا۔ "آپ کے پاس پیپرز تو ہوں گے جب آپ نے اس بچے کو گود لیا تھا...؟"

"ہاں میرے پاس ہیں۔ مگر وہ میرے نام پر نہیں ہیں، میری دوست اور اس کے شوہر کے نام پر ہیں۔"

"مگر پیپرز تو ہیں؟؟"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے، آپ انہیں ڈھونڈیں... میں شیر بھائی کو یہ پیپرز دکھاؤں گا۔"

قمر نے قطعیت سے کہا۔ فاطمہ نے عجیب نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ نظر چرا کر جوتے کھولنے لگا۔ وہ اپنی بات کیوں نہیں کر رہا تھا۔ اپنے بارے میں کوئی بات کوئی سوال؟ اس نے اتنے آرام سے، اس انکشاف کو کیسے لے لیا تھا کہ وہ کوڑے کے ایک ڈھیر پر پڑا ملا تھا۔

"میں نے حانی کو کراچی سے بلایا ہے۔ بہت ضروری ہو گیا ہے اس کا یہاں آ کر یہ سب کچھ جاننا۔" وہ اسی طرح

جوتے کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز میں الجھن تھی۔

''بہت تکلیف ہوگی اس کو یہ سب کچھ سن کر۔ بہت روئے گی وہ...'' وہ اب سیدھا ہو گیا تھا۔ ''سب کچھ ٹھیک تھا ہماری زندگی میں سب کچھ گڑبڑ دیا میں کسی کے گھر اس طرح نہیں ٹوٹتے جیسے ہمارا ٹوٹا ہے۔''

فاطمہ نے زندگی میں پہلی بار ثمر کو اس طرح دیکھا تھا۔ تھکا ہوا اور شکست خوردہ۔ صرف چند لمحوں میں اس نے ثمر کو بہت سی منزلیں طے کرتے دیکھ لیا تھا۔

''تمہیں مجھ سے کچھ نہیں کہنا۔'' فاطمہ نے اس سے بھیگی آنکھوں کے ساتھ پوچھا۔ نو سال اور دس ماہ کے بچے کو بتا کر رہی دنیا میں کھڑا ہوا سمجھایا تھا۔ وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ زندگی میں جو انکشاف اس کے سامنے اب ہوا ہے شاید وہ بہت سالوں سے ان چیزوں کے بارے میں شبہ کرتا آ رہا تھا۔ وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ اسے بہت بار اپنے اور اس کے رشتے کے بارے میں شبہ ہوا تھا دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح وہ اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ اسے اپنا گھر اور اپنی زندگی بہت بار ایک معمہ لگی تھی جس کے کچھ حصے اس کے لیے گمشدہ تھے اور آج سب کچھ ویسے ہی حل ہوا تھا جیسے اس کا اندازہ تھا۔ صرف یہ تھا کہ اس کے اپنے وجود کی حقیقت اتنی تلخ اور بھیانک ہوگی۔ وہ کبھی اس کو تصور میں نہیں لایا تھا۔

''کہنا ہے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ فاطمہ نے سانس روک لیا۔

''یہ کہ میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' وہ بڑی روانی سے کہہ رہا تھا۔ ''اور اگر شہیر کی طرح ثانی بھی آپ کو چھوڑ کر چلی گئی تب بھی میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اگر کبھی میری ماں میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور اس نے مجھے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ میں تب بھی میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ ہمیشہ۔''

فاطمہ کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ اس نے سوچا تھا وہ روز قیامت تھا۔ مگر وہ اس کے لیے معجزوں کا دن بھی ثابت ہو رہا تھا۔

''شہیر واپس آئے گا؟'' وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی مگر اس نے کچھ اور کہا تھا۔ ثمر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

''آپ کو ہمیشہ اسی سے محبت رہی ہے ہمیشہ شہیر۔''

فاطمہ نے بے قراری سے اس کے کندھے کو پکڑا اور وہ یک دم خاموش ہو گیا۔

''آجائے گا... کہاں جائے گا؟ چار دن رو لینے دیں اس کو وہاں پر۔ آجائے گا۔ آپ نے دیکھا نہیں اپنی ساری چیزیں لے کر نہیں گیا۔'' ثمر نے پرسکون انداز میں کہا۔

''اس کی ماں نے اس سے کہا تھا کہ وہ یہاں سے زیادہ چیزیں لے کر نہ جائے۔'' فاطمہ نے بے دلی سے کہا۔

''پھر بھی آئے گا آ کر کہے گا کہ مجھے اپنا سامان لینا ہے۔'' ثمر کے لہجے میں یقین تھا۔ فاطمہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆

کانسٹیبل فضل دین کے لیے وہ شام بے حد بری تھی۔ پہلی بری خبر اسے اپنے گھر سے ملی تھی جب اس کی بیوی نے فون پر بہت چہکتے ہوئے اس کو بتایا کہ وہ واپسی پر پھل لیتا آئے کیونکہ اس کی ساس صرف پندرہ دن کے بعد دوبارہ ایک ماہ کے لیے اس کے گھر رہنے آ گئی تھی۔ وہ نیا نیا شادی شدہ نہ ہوتا تو اپنی بیوی کو فون پر صلواتیں سناتا جو شادی کے چھ ماہ میں اپنی ماں کے ساتویں دورے کی اطلاع اسے اسی طرح پر جوش ہو کر دے رہی تھی جیسے وہ پہلی بار اس کے گھر آ رہی ہو۔ مگر چونکہ وہ نیا نیا شادی شدہ تھا اور بیوی اس کی چہیتی تھی، اس لیے اس نے اس اطلاع پر اپنی بیوی سے زیادہ جوش کا اظہار کرتے ہوئے پھلوں کے ساتھ کچھ اور لانے کو پوچھا اور پھر بری طرح پچھتایا۔ اس کی بیوی نے اگلے ہی سانس میں اسے دو تین اور چیزوں کے نام گنوا دیے۔ فون رکھتے ہوئے وہ اندازہ لگانے میں مصروف تھا کہ اس وقت اس کی جیب میں کتنے پیسے تھے صورت حال کچھ حوصلہ

اتر آئی تھی۔ خاص طور پر اس وقت جب نہر کے قریب واقع اس پولیس اسٹیشن میں وہ صرف اکیلا ہی تھا۔ ایس ایچ او چھٹی پر تھا اور دوسرا کانسٹیبل کچھ دیر پہلے کسی کام سے باہر نکلا تھا۔

یہ اس بری شام کا صرف آغاز تھا۔ اگلی بری چیز وہ لاش تھی جو ایک بیگ میں اس آدمی نے ایک رکشے پر رکھ کر اس تک پہنچائی تھی۔ کانسٹیبل فضل دین جب تک اس آدمی کے ساتھ بیگ کا جائزہ لینے باہر آیا۔ رکشے والا غائب ہو چکا تھا۔ اس کو بے حد غصہ آیا وہ اس لاش کو فوری طور پر قریبی ہاسپٹل پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے اس آدمی کو بے بھاؤ کی سنائیں جو اس بیگ کو وہاں لایا تھا۔

"تجھے کس نے کہا تھا کہ تو نہر میں بانس ڈال کر یہ بیگ نکالتا پھرے۔"

"وہ... وہ میں اس لڑکی کو بچانے کے لیے کودا تھا۔" اس آدمی نے کچھ گھبراتے ہوئے کہا۔

"کس لڑکی کو؟" کانسٹیبل فضل دین چونکا اور ایک بار پھر چیخا۔ ایک اور تانگہ تھانے کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ تانگے پر بیٹھے ہوئے افراد میں ایک لڑکی بھی شامل تھی مگر اس کی حالت بے حد خراب تھی۔ ایک دوسری عمر رسیدہ عورت اور مرد نے اسے سہارا دے کر تانگے سے نیچے اتارا مگر وہ آگے چل نہیں سکی اور وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی۔ تانگے کے اگلے حصے میں بیٹھے ہوئے مرد بھی نیچے اتر آئے۔

"یہی لڑکی ہے۔ اس نے نہر کے پل سے چھلانگ لگائی تھی نہر میں۔" اس آدمی نے کہنا شروع کیا۔

کانسٹیبل فضل دین کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان سب پر پھونک مار کر انہیں وہاں سے دفعان کر دے۔ اس لڑکی اور اس بیگ کی وہاں موجودگی کا مطلب تھا کہ وہ رات گئے اپنے گھر پہنچتا۔ اور اس صورت حال میں کہ اس کی ساس اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

لڑکی بری طرح کراہ رہی تھی اور اس کی حالت بہت خراب لگ رہی تھی۔ وہاں موجود لوگوں نے اس بیگ سے آتے ہوئے بدبو کے بھبکوں کو بری طرح محسوس کیا تھا۔

"اس کو کھول کر دیکھیں تو سہی کہ اندر لاش کس کی ہے اور کس حالت میں ہے۔" بیگ لانے والے آدمی نے کہا۔

"کیوں تو کھولے بغیر اسے کر آیا ہے یہاں۔"

کانسٹیبل فضل دین نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا مگر اس کی پوری طرح توجہ اس لڑکی پر تھی جو بے حد خوب صورت اور کم عمر تھی۔ یک دم ہی اس کی بیزاری میں کچھ کمی ہوئی تھی اور اس سے پہلے کہ یہ بیزاری مکمل طور پر غائب ہوتی۔ تھانے کی حدود میں ایک گاڑی داخل ہوئی تھی اور کانسٹیبل فضل دین کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔ وہ اس وقت ایک شلوار اور اس کے اوپر اپنی یونیفارم کی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ یہ اس نواحی علاقے میں واقع تھانے کا ان آفیشل یونیفارم تھا۔

وہ سو میٹر میں حصہ لینے والے کی طرح بھاگتا ہوا اندر تھانے میں گیا تھا۔ مگر اسے اپنی یونیفارم کی پتلون کہیں نظر نہیں آئی اور پھر اسے یاد آیا تھا کہ اس کی پتلون پہن کر دوسرا کانسٹیبل کچھ دیر پہلے قریبی تھانے میں گیا تھا۔ اسے اسی حالت میں باہر آنا تھا۔ مگر آنے سے پہلے وہ تھانے میں موجود اس چارپائی کو اٹھا کر دیوار کے ساتھ کھڑی کرنا نہیں بھولا جس پر وہ کچھ دیر پہلے لیٹا آرام کر رہا تھا۔

کانپتے ہوئے وہ اسی جھٹکے میں اندر سے باہر نکل آیا تھا۔ ایس پی کے ساتھ اس کی جیپ سے نکلتے اس علاقے کے اے ایس پی کا دل چاہا وہ ایک گھونسہ اس جیپ کو مارے اور دوسرا کانسٹیبل فضل دین کو... وہ اس کے علاقے کا تیسرا تھانہ تھا جہاں سے شرٹ اور شلوار میں ملبوس پولیس اہلکار برآمد ہوا تھا۔ کانسٹیبل فضل دین نے پاس آ کر اسی مضحکہ خیز حالت میں سلوٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔ واحد بات جو اس نے کی تھی وہ اپنے سر پر وہ ٹوپی پہننے کی تھی جو وہ اندر سے باہر آتے ہوئے ہڑبڑاہٹ میں لایا تھا۔ اے ایس پی کا دل اس ٹوپی کو دیکھ کر چاہا تھا وہ اسے بھانجھڑ رسید کرے... وہ اس کی زندگی کی بدترین شام تھی۔ وہ اپنی پہلی تعیناتی پر پہلی بار ایس ایس پی کے ساتھ اچانک وزٹ پر نکلا تھا اور ہر تھانے کے اہلکاروں نے اس کے منہ پر کالک ملنے

میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

ایس ایس پی نے تیز چبھتی ہوئی نظروں سے کانسٹیبل فضل دین کو دیکھا پھر اے ایس پی کو وہیں رکنے کا اشارہ دے کر آگے بڑھ کر ان لوگوں کے پاس چلا گیا جو وہاں کھڑے نظر آ رہے تھے۔ چند ہی قدموں میں وہ بیگ کے پاس سے گزرتے گزرتے رکا۔ اس نے بھی بدبو کے بھبکے محسوس کیے۔ بے اختیار پلٹ کر اس نے کانسٹیبل فضل دین کو دیکھا۔

"اس میں کیا ہے؟"

"لاش ہے جی۔" اس سے پہلے کہ کانسٹیبل کچھ کہتا، اسی آدمی نے کہا جو بیگ وہاں لایا تھا۔

"کس کی لاش ہے؟" ایس ایس پی نے سنجیدگی سے کہا۔

"پتا نہیں جی۔ میں نے کھول کر نہیں دیکھا۔ مجھے تو نہر سے بیگ ملا ہے مگر اس میں سے بدبو بہت آ رہی تھی تو میں اندر لے آیا۔" اس آدمی نے کہا۔

"تم نے کھولا ہے؟" ایس ایس پی نے دوبارہ فضل دین سے پوچھا۔

"نہیں سر جی... میں بس کھولنے والا تھا۔" اس نے لپک کر بیگ کے پاس آتے ہوئے کہا۔

"کھولو اسے۔" ایس ایس پی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ فضل دین نے سانس روک کر بیگ کی زپ کھول دی اور بیگ کا منہ کھول دیا۔ ایس ایس پی اور اے ایس پی نے آگے بڑھتے ہوئے اپنا سانس روکا اور جھکتے ہوئے بیگ سے اندر نظر آنے والا منظر دیکھا۔

"زیادہ پرانی لاش نہیں ہے۔" ایس ایس پی نے اے ایس پی سے کہا۔

"یس سر۔" اس نے مؤدبانہ انداز میں تائید کی

"یہ ٹیگ اتارو۔" ایس ایس پی کی نظریں فوراً اس ٹیگ پر پہنچ گئی تھیں۔ اس بار اے ایس پی نے آگے بڑھ کر وہ ٹیگ اتار لیا۔

"زپ بند کرو۔" بدبو واقعی اب اتنی شدید ہو گئی تھی کہ ایس ایس پی کو زپ بند کرنے کے لیے کہنا پڑا۔ اے ایس پی نے فضل دین کا انتظار کرنے کے بجائے خود یہ کام کیا۔

ایس ایس پی نے اس کے سیدھا ہونے پر وہ ٹیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے کہا۔

"بیگ کو خریدے بھی زیادہ دن نہیں ہوئے۔ یہ ڈفل بیگ ہے بہت زیادہ لوگ اس طرح کے بیگ نہیں خریدتے اور پھر یہ اسٹور بہت مہنگا ہے۔ نام لکھا ہوا ہے اس ٹیگ پر۔ بار کوڈ بھی ہے، تم اس اسٹور کو چیک کرو۔ اس کا بل کمپیوٹر سے نکلا ہوگا۔ پتہ چل جائے گا کہ کب خریدا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خریدار کے بارے میں بھی پتہ چل جائے۔ مجھے پتہ کر کے بتاؤ۔" ایس ایس پی نے اے ایس پی کو تیزی سے ہدایات دیں۔

"لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجواؤ۔" وہ کہتا ہوا آگے اس لڑکی تک پہنچ گیا۔

"کیا ہوا ہے اس لڑکی کو؟" اس نے بلند آواز میں اس لڑکی کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی اس نے نہر میں چھلانگ لگائی تھی، ہم نے بچا لیا ہے۔" ساتھ آتے ہوئے ایک آدمی نے مستعدی سے کہا۔

"خودکشی کا کیس ہے، کیوں بی بی! کیا مسئلہ ہے؟ کیا نام ہے تمہارا؟" ایس ایس پی نے بے حد سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔"

لڑکی کچھ دیر کراہتی رہی پھر اس نے بمشکل کہا۔

"امبر!"

"کسی کو پتہ ہے اس کے بارے میں؟" ایس ایس پی نے ان لوگوں سے پوچھا۔

"نہیں جی، پتہ ہوتا تو گھر پہنچاتے، یہاں کیوں لاتے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"اس کو گاڑی میں ڈالو۔ ہم ہاسپٹل لے جاتے ہیں اس کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

ایس ایس پی نے پلٹ کر اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اے ایس پی سے کہا۔

☆☆☆

وہ شائستہ کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہو رہا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا وہ بے اختیار پلٹ کر وہاں سے بھاگ جائے۔ اسے وہ محل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ شاید اس لیے کیونکہ اسے محلوں میں رہنے کی عادت نہیں تھی۔

ہارون کمال سے اس کا سامنا لاؤنج میں ہی ہو گیا تھا۔ شبیر سے ملتے وقت اس کے انداز میں گرم جوشی مفقود تھی۔ شبیر نے اس بات کو بری طرح محسوس کیا۔ ہارون کے بارے میں جو کچھ وہ صبغہ سے سن چکا تھا اس کے بعد وہ خود بھی ہارون کے بارے میں بہت سے تحفظات کا شکار تھا۔ اس کے باوجود وہ یہ ضرور سمجھتا تھا کہ شائستہ کی طرح ہارون بھی اس سے بہت نہیں تو تھوڑا بہت گرم جوشی کے ساتھ ضرور ملے گا۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔

مصافحہ کرنے کے بعد چند لمحوں تک وہاں کھڑے تینوں افراد کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک دوسرے سے کیا بات کی جائے۔ پھر شائستہ نے بیل بجائی۔ اس نے ملازم کو آواز دی اور اسے شبیر کا سامان گاڑی سے نکال کر کمرے میں لے جانے کے لیے کہا۔ ملازم وہاں سے چلا گیا۔

"میں نے شبیر سے کہا ہے کہ وہ کل سے تمہارے ساتھ فیکٹری جایا کرے۔"

شائستہ نے اگلا جملہ ہارون سے کہا۔ وہ اس طرح بات کر رہی تھی جیسے وہ شبیر کو پہلی بار اس گھر میں نہیں لائی تھی بلکہ وہ تعلیم مکمل کر کے اس کے پاس آیا تھا۔

"بہتر تھا، شبیر کچھ دیکھ لیتا۔" ہارون نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے موضوع بدلا۔ وہ بے حد کوشش کے باوجود اپنے لہجے کی سرد مہری کو کم نہیں کر پا رہا تھا۔

شائستہ نے بڑے غور سے ہارون کے چہرے کو دیکھا۔ اسے وہ اپ سیٹ لگا۔ شائستہ نے لاؤنج سے گزرتے ہوئے ملازم سے کہا۔

"شبیر صاحب کو کمرے میں لے جاؤ اور ان کے لیے ناشتہ لگاؤ۔" شائستہ نے ملازم سے کہا۔

"نہیں ناشتے کی ضرورت..." شائستہ نے شبیر کی بات کاٹ دی۔

"ضرورت ہے۔ تم ناشتہ کر رہے تھے جب میں تمہیں وہاں سے لے آئی ہوں۔" شبیر خاموش ہو گیا۔

"ناشتہ کر لو پھر ملتے ہیں۔" شبیر خاموشی سے ملازم کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ لاؤنج سے نکل جاتا اس نے اپنے عقب میں ہارون کو شائستہ سے کہتے سنا۔

"اسد واپس آ گیا ہے۔"

☆☆☆

اے ایس پی نے مطلوبہ کام اسی رات کر لیا تھا۔ اب یہ اس کی عزت کا معاملہ بن گیا تھا۔ تین تھانوں کے اہلکاروں کی موجودگی میں وہ کسی طرح تھوڑی بہت کارکردگی ظاہر کرتا۔

وہ اس کے بعد ضروری ہو گیا تھا کہ وہ خود ہی کسی طرح... اس لیے وہ لاش اور لڑکی کو ہاسپٹل پہنچاتے ہی وہ بیگ اور کارڈ لے کر اس اسٹور پر پہنچ گیا تھا۔ اسے یہ توقع تھی کہ بیگ کب وہاں سے خریدا گیا۔ اس طرح کم از کم اس کو یہ پتہ چل جائے گا اور وہ کوشش کرے گا کہ خریدار کے حلیے کے بارے میں دکاندار سے کچھ معلومات لینے کی کوشش کرے مگر وہاں جو کچھ ہوا تھا وہ اس کے لیے غیر متوقع تھا۔ کاؤنٹر پر بیٹھے آدمی نے ایک نظر میں ہی اس بیگ کو پہچان لیا۔ وہ وہیں سے فروخت کیا گیا تھا۔ اپنے کمپیوٹر پر اس کی خریداری کو چیک کرتے ہوئے اس نے بتایا۔

"یہ پندرہ تاریخ کو رات گیارہ بجے خریدا گیا اور بل کریڈٹ کارڈ کے ذریعے پے کیا گیا۔" اے ایس پی کا دل

ہے جو زندگی میں کبھی دوبارہ نہیں آسکتا ہے۔" اسد نے جتایا۔

"ہم سے غلطی ہوئی، ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ تم ٹھیک کہتے ہو، ہمیں اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔" شائستہ آہستگی سے بولی۔

"سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے، جتنا آپ اسے ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔" اسد نے تیزی سے کہا۔

"آپ کی شادی میری پیدائش سے تقریباً ایک سال پہلے ہوئی ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک سال میں شہیر بھی پیدا ہوا اور میں بھی۔"

اسد نے جیسے انہیں کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ شائستہ کو ہارون کی خاموشی بری طرح کھلی۔

"شادی کی تاریخ غلط ہے۔" شائستہ نے بے اختیار کہا۔

"میں آپ کی اور پاپا کی فیملی سے اس سلسلے میں امریکہ میں ہی بات کر چکا ہوں۔ دونوں فیملیز کا کہنا ہے کہ میں شادی کے ایک سال کے بعد پیدا ہوا۔" کچھ دیر کے لیے شائستہ کچھ نہ بول پائی۔

"اور دونوں فیملیز کو میرے علاوہ کسی دوسرے بچے کی پیدائش اور اغوا کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔"

اسد اب ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا تھا۔ "اب یہ کیا مسٹری (راز) ہے اسے کم از کم میں تو حل نہیں کر سکتا اور نہ ہی میں اسے حل کرنا چاہوں گا۔ میں صرف اتنا چاہوں گا کہ آپ اپنی اس نام نہاد گمشدہ اولاد کو ہماری زندگی سے باہر لے جائیں کیونکہ مجھے اور پاپا کو اس سوسائٹی میں رہنا ہے۔ اسے فیس کرنا ہے۔"

وہ جیسے کوئی حکم صادر کر رہا تھا۔ شائستہ اب چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اس وقت وہ بالکل ہارون کمال لگ رہا تھا۔ آج سے کئی سال پہلے کا ہارون کمال جو اسی طرح اسے ڈکٹیٹ کیا کرتا تھا۔

اسے یاد آیا شہیر کی پیدائش پر ہارون کمال نے اتنی ہی رعونت کے ساتھ اسے زندگی سے نکال دینے کے لیے کہا تھا اور پھر اس کی زندگی سے نکال بھی دیا تھا۔ وہ اس وقت بے حد کمزور تھی۔ ہارون کمال کے سامنے مزاحمت نہیں کر سکی۔ وہ آج اتنے سالوں کے بعد دوبارہ بے بس نہیں ہونا چاہتی تھی کہ ایک بار پھر سے شہیر کو اپنی زندگی سے باہر نکال پھینکتی۔

اسد اب خاموش کھڑا اس کے جواب کا منتظر تھا۔ شائستہ نے ایک بار ہارون کمال کو دیکھا۔ وہ بھی خاموش تھا۔ اسے آج کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کام اسد بخوبی کر رہا تھا۔

فیصلہ کرنے میں اس بار شائستہ کو زیادہ دقت نہیں ہوئی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو اسد! خاندان والے واقعی شہیر کے بارے میں نہیں جانتے۔"

شائستہ کے لہجے میں بے حد سکون تھا۔ ہارون کمال نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔

"تم نے ٹھیک کہا کہ وہ کسی بچے کے اغوا کے بارے میں بھی نہیں جانتے۔" وہ صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔

ہارون کمال کی چھٹی حس اسے خبردار کرنے لگی۔ "وہ جان گئی کہ کیسے کہتے تھے جیسے ہارون کمال کا کوئی بچہ بھی اغوا ہوا ہی نہیں۔"

اسد نے شائستہ کو بے یقینی سے دیکھا، اسے لگا شائستہ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

"شائستہ..." ہارون نے مداخلت کی۔ شائستہ اب سگریٹ سلگا رہی تھی۔ اور اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"اب مت روکو ہارون! اب وقت آ گیا ہے کہ سب کچھ بتا دیا جائے۔ آخر اسد بچہ تو نہیں ہے کہ کچھ سمجھ نہیں سکے گا۔"

"اس نے ہارون سے اس طرح کہا جیسے وہاں کوئی بڑی دوستانہ ماحول میں گفتگو ہو رہی تھی۔

"تم بک بک بند کرو۔" ہارون نے بے اختیار اسے جھڑکا۔ شائستہ کے انداز اس کو خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔

اسے یاد نہیں آیا کہ اس نے آخری بار شائستہ سے کب خوف محسوس کیا تھا۔

"بک بک...؟" شائستہ بے اختیار ہنس دی۔ "گھبراؤ مت ہارون! اسد تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ وہ سب کچھ مجھے ہی کہے گا۔ یہ سب کچھ عورت ہی کی غلطی ہوتی ہے مرد کی نہیں۔"

،، سگریٹ کا کش لگانے کے لیے رکی۔ قیامت آنے میں جیسے چند لمحے باقی رہ گئے تھے۔ ہارون کو ایسا لگا تھا

"میں نے اور ہارون نے گھر والوں کی مرضی کے بغیر نکاح کر لیا تھا۔ ایسا کرنے کے لیے ہارون نے مجھ سے کہا تھا، کہ بعد میں گھر والے ہماری شادی کرنے پر مجبور ہو جائیں۔"

"شائستہ...!" ہارون نے غراتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"شٹ اپ ہارون!" وہ ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر چلا اٹھی تھی۔

"مگر اس سے پہلے کہ میں اپنی گھر والوں کو بتا پاتی، میں پریگننٹ ہو گئی۔" شائستہ نے بات جاری رکھی۔

اسد نے بے یقینی سے شائستہ اور ہارون کی طرف باری باری دیکھا۔ ہارون ہونٹ بھینچے ہوئے تھا۔

"ہم نے گھر والوں کو مجبور کیا کہ وہ ہماری شادی کریں۔ شادی ہو بھی گئی مگر ہارون اس بچے کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔ اس نے پہلے ابارشن کروانا چاہا جب اس میں ناکامی ہوئی تو اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس بچے کو چھوڑ دوں۔ ہم دوسرے شہر گئے۔ شہیر کی پیدائش وہیں ہوئی اور اس کے بعد ہم شہیر کو ایک یتیم خانے میں داخل کروا کر خاموشی سے واپس آ گئے۔ میں ایسا نہ کرتی تو ہارون مجھے چھوڑ دیتا۔ کیوں ہارون ایسا ہی کہا تھا تم نے کہ تم مجھے طلاق دے دو گے؟"

ہارون کا دل چاہا وہ اس کا منہ توڑ دے مگر وہ چپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔ صوفے پر بیٹھی ہوئی عورت سے اب اسے کوئی رشتہ، کوئی تعلق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اسد کی نظروں کی چبھن اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔

"یہ ہے شہیر کی کہانی۔ وہ ناجائز اولاد نہیں ہے مگر میں نے اور ہارون نے اسے ناجائز اولاد ہی سمجھا۔ ہم نکاح کے بعد رخصتی کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ ملتے رہے تھے اور ہارون کو بعد میں..."

ہارون نے تلملا کر اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ کافی ہے۔ تم جتنا رسوا مجھے کرنا چاہتی ہو، کر چکی ہو۔ مزید تقریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ہارون بے حد مشتعل تھا۔ "یہ سب کچھ صرف میری وجہ سے نہیں ہوا تھا تم بھی اس میں شریک تھیں۔"

ہارون اب جیسے اسد کے سامنے صفائیاں دینے کی کوشش کر رہا تھا جو بے حد خاموشی اور سرد مہری سے ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔

"میں نے کب کہا کہ میں اس میں شریک نہیں تھی۔" شائستہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو کہ یہ سب کچھ میری مرضی سے ہوا تھا۔ میں نہ چاہتی تو تمہارے مجبور کرنے پر بھی یہ سب کچھ نہ کرتی، تمہیں تب ہی چھوڑ دیتی مگر مجھ میں تب اتنا حوصلہ نہیں تھا۔ بہت بزدل تھی میں..."

"اپنے آپ کو اتنا معصوم اور کمزور ظاہر کرنے کی کوشش مت کرو۔ تم اتنی معصوم ہوتیں تو تم اس طرح مجھے نہ پھانس لیتیں جیسے تم نے مجھے پھانسا۔"

اس سے پہلے کہ شائستہ کچھ کہتی، اسد نے مداخلت کی۔

"مجھے اس وقت یہاں کھڑے ہو کر آپ دونوں کے ماضی کے قصے سننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ دونوں نے جو کچھ کیا غلط کیا۔ مجھے شہیر سے ہمدردی ہے۔ اس کے باوجود میں اسے اپنا بھائی بنا کر اس گھر میں نہیں برداشت کر سکتا۔ آپ لوگ اسے واپس بھجوائیں اور بے شک فاصلے سے اس کی مدد کرتے رہیں۔"

"میں نے شائستہ سے یہی کہا تھا۔" ہارون نے بے اختیار کہا۔

"اور میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں ایسا کبھی نہیں کروں گی۔" شائستہ نے دوٹوک ہو کر کہا۔ "میں اسے اپنے گھر لے کر آئی ہوں، میں اسے یہاں سے واپس کبھی نہیں بھیجوں گی۔"

"پھر آپ شہیر اور ہم میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔" اسد نے اسی کے انداز میں کہا۔

"میرے سامنے اس طرح کے انتخاب مت رکھو جنہیں کرتے ہوئے ہم دونوں کو پچھتانا پڑے۔" شائستہ کے چہرے پر

سے مدد بھی کی تھی۔

"یہ سب آپ نے اور پاپا نے شروع کیا ہے۔ اگر کوئی پچھتائے گا تو وہ آپ دونوں میں سے ہی کوئی ہوگا۔ کم از کم میں نہیں ہو سکتا۔" اسعد نے تلخی سے کہا۔

"ہاں یہ سب میں نے اور ہارون نے ہی شروع کیا ہے اس لیے اسے مجھے اور ہارون کو ہی ختم کرنے دو۔"

شائستہ نے اسی سرد مہری سے جواب دیا۔

"ممی ابھی آپ کو کوئی حماقت نہیں کرنے دوں گا۔"

"حماقت۔۔۔؟ کیسی حماقت؟ غلطی کا کفارہ حماقت نہیں ہوتی۔"

"آپ کی غلطی کا کفارہ میں اور نایاب ادا نہیں کر سکتے۔" اسعد کی آواز اس بار بہت بلند تھی۔

"تمہیں اور نایاب کو اس معاملے میں کون انوالو کر رہا ہے؟ کم از کم میں تو نہیں کر رہی۔" شائستہ نے دو بدو کہا۔

"آپ اسے اس گھر میں اور ہماری زندگیوں میں لے آئی ہیں۔ کل کو جائیداد کا شریک بھی بنا دیں گی اسے۔"

"کل نہیں، آج۔" شائستہ نے اس کی بات کے درمیان میں کہا۔ "میں نے کبھی اسے اس جائیداد کے وارثوں سے الگ نہیں سمجھا اور اب جب میں اسے اس گھر میں لے آئی ہوں تو میں اسے اس جائیداد میں اتنا ہی حصہ دوں گی جتنا تمہیں ملے گا۔"

"اور یہ میں کبھی نہیں ہونے دوں گا۔" یہ ہارون کمال تھا۔

"تم نے شہیر کو اس گھر میں لانے کی ضد کی، میں نے مان لی مگر جائیداد کے ٹکڑے کر کے میں اس طرح بانٹ نہیں سکتا۔"

"کیوں نہیں بانٹ سکتے، کیا وہ تمہاری اولاد نہیں ہے؟ کیا وہ تمہاری جائز اولاد نہیں ہے؟"

"میں اس بارے میں ایک بار پھر تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کبھی ہماری زندگی میں شامل نہیں رہا۔ میرے لیے اسے اپنی اولاد تسلیم کرنا اتنا مشکل نہیں، جتنا یہ مشکل ہے کہ میں نایاب اور اسعد کے ساتھ ساتھ اسے بھی اس جائیداد کا حصہ دار بنا دوں۔ میں یہ نہیں کر سکتا۔"

"میں کر سکتی ہوں۔ تمہیں اگر اپنی جائیداد کو تقسیم کرتے ہوئے تکلیف ہو رہی ہے تو میں اپنی جائیداد اسے دے سکتی ہوں۔" شائستہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"اور یہ کام تم میرے ساتھ رہ کر نہیں کر سکتیں پھر تمہیں شہیر یا اس گھر میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔"

"میں اس بار شہیر کے لیے سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں۔" شائستہ نے اسی انداز میں کہا۔ "گھر، تمہیں، سب کچھ۔"

"مجھے اور نایاب کو بھی؟" اسعد نے چیختے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"اتنے سالوں میں کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے ساتھ محسوس کیا ہو۔" شائستہ کہہ رہی تھی۔ "تم دونوں صرف ہارون کے تھے، ہارون کے ہو۔ میرا ساتھ ہونا یا نہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے تم لوگوں کے لیے۔"

"ممی اس وقت جذباتی باتیں مت کریں۔" اسعد نے اپنی ماں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس وقت صرف اس ایشو پر بات کریں جو اہم ہے۔"

"تم کیا سننا چاہتے ہو مجھ سے اسعد؟" وہ بے حد تلخی سے بولی تھی۔

"یہ آپ طے کریں کہ آپ کو مجھے کیا سنانا ہے۔"

"میں شہیر کو نہیں چھوڑوں گی۔" شائستہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"پھر میں اور نایاب یہ گھر چھوڑ دیں گے۔" اسعد نے بھی اسی انداز میں کہا۔

"اور میں تم لوگوں کو یہ گھر چھوڑنے نہیں دوں گا۔ یہ گھر تمہارا ہے۔ شہیر کا نہیں۔" ہارون نے اسعد کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک تم مجھ سے یہ کہہ رہے ہو کہ میں شہیر کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں۔" شائستہ نے چیختے انداز میں کہا۔

"ہاں!" ہارون نے مختصر جواب دیا۔ لاؤنج میں چند لمحے خاموشی رہی۔
"میں اگر شہیر کو لے کر یہاں سے گئی تو طلاق کے بغیر نہیں جاؤں گی اور یہ طلاق تمہیں کتنی مہنگی پڑے گی تمہیں اس کا اندازہ ہے ہارون؟"
"میں نے طلاق کی بات نہیں کی، تم دوسرے گھر میں شہیر کے ساتھ رہو۔ اس کا یہاں سب کے ساتھ رہنا ضروری نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ اسد کو بھی اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔" ہارون نے آرام سے مسئلے کا حل پیش کیا۔
"شہیر کہاں رہتا ہے، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ کس حیثیت سے رہتا ہے، یہ میرا مسئلہ ہے۔" اسد بھی بول اٹھا۔
"اور اس کی حیثیت تبدیل نہیں ہوگی اسد!" شائستہ تیزی سے بولی۔ "اور ہارون! اسے شہیر کو کسی دوسرے گھر میں لے کر نہیں جاؤں گی۔ میں اگر اسے یہاں سے لے کر جاؤں گی تو پھر دوبارہ کبھی یہاں نہیں آؤں گی۔ کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گی۔ جتنی جائیداد تمہیں شہیر کو دینا پڑے گی، اس سے کہیں زیادہ جائیداد تم کو طلاق کے بعد مجھے دینا پڑے گی۔ اب یہ تم خود بیٹھ کر طے کر لو کہ تمہیں کون سا راستہ پسند ہے۔ شہیر کو قبول کر کے جائیداد میں حصہ دینا یا پھر مجھے طلاق دے کر جائیداد کی تقسیم۔ بیٹا تو تمہارا یہاں ہے ہی، بیٹی کو بھی بلوا لو تاکہ تینوں بیٹھ کر اس کے بارے میں فیصلہ کر سکو۔"
وہ کہتے ہوئے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اسد اور ہارون چپ چاپ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔
"تم دیکھ رہے ہو اسے۔ یہ ساری زندگی اسی طرح خودسری کا مظاہرہ کرتی رہی ہے۔ کیا یہ کسی کے لیے ممکن ہے کہ اس عورت سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کروانے کے لیے اسے مجبور کیا جا سکے۔"
ہارون کو اسد کے سامنے اپنی صفائی دینے کے لیے جیسے ایک موقع ہاتھ آ گیا۔
"مجھے دلچسپی نہیں ہے کہ کس نے کس کو مجبور کیا اور کیا کروایا۔" اسد نے سرد مہری کے ساتھ ہارون کی بات کاٹ دی۔
"مجھے صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ یہ سب کچھ ختم ہو جائے۔"
"تم یقین کرو اسد! یہ سب میں نے شروع نہیں کیا ہے۔"
ہارون زندگی میں پہلی بار اسد کے سامنے اس لہجے میں وضاحتیں دے رہا تھا اور اسد بے حد کھردرے لہجے میں اس کی بے عزتی کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہا تھا۔
"آپ نے انکل منصور کے ساتھ پارٹنرشپ ختم کر دی ہے؟" اسد نے یکدم موضوع بدل دیا۔ ہارون اس غیر متوقع سوال کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ کچھ لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔
"تمہیں کس نے بتایا ہے؟"
"اس بات کو چھوڑیں کہ مجھے کس نے بتایا ہے۔ آپ صرف یہ بتائیں کہ یہ خبر ٹھیک ہے یا نہیں؟" اسد نے کندھے جھٹکتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں۔"
"کیوں؟"
"بہت ساری وجوہات ہیں۔" ہارون نے گول مول انداز میں کہا۔
"اور ان وجوہات میں سب سے بڑی وجہ امبر ہے۔" ہارون جیسے کرنٹ کھا کر اچھلا۔ اسد اس کے ردعمل پر حیران ہوا۔
"کیا مطلب؟" ہارون نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ کہا۔
"مطلب صاف ہے۔ میں امبر سے شادی کی خواہش کا اظہار نہ کرتا تو یہ پارٹنرشپ جاری رہتی۔" اسد نے ہارون کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ہارون کی رنگت لمحوں میں بحال ہو گئی تھی۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں یہ بات کیے اور امبر کو گئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے پارٹنرشپ تو میں نے ابھی ختم کی ہے۔"
"ہاں، آپ نے بہت انتظار کر کے، بہت طریقے سے یہ کام کیا ہے مگر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس پارٹنرشپ کو ختم

کرنے کی وجہ صرف میں ہوں۔" وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا، میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ ایسا نہیں ہے۔"

"اگر ایسا نہیں ہے تو میں منصور انکل سے ملنا چاہوں گا تاکہ جان سکوں کہ آخر وہ کون سی وجہ ہے جس نے آپ کو اتنا بڑا فیصلہ کرنے پر مجبور کیا۔"

ہارون کو لگا وہ ایک گڑھے سے نکل کر دوسرے میں جا پھنسا ہے۔ پہلے شائستہ تھی جو اس کی گردن میں شہیر امام کی ہڈی پھنسانے پر تلی ہوئی تھی اور اب یہ اس کا اپنا بیٹا تھا جو اس کی گردن کے لیے ایک اور پھندا تیار کیے بیٹھا تھا۔ وہ منصور اور اسد کی ملاقات کے نتیجے کو بغیر کسی دقت کے تصور میں دیکھ سکتا تھا اور یہ تصور بھی اس کے رونگٹے کھڑے کرنے کے لیے کافی تھا۔

"تمہیں منصور سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ہارون نے بے حد دبنگ لہجے میں آخری کوشش کی۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے۔ میں بڑی آسانی سے یہ طے کر سکتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ اور آپ دونوں سے زیادہ بہتر طریقے سے طے کر سکتا ہوں۔" ہارون نے اسد کے انداز میں اپنے اور شائستہ کے لیے حقارت کی جو جھلک دیکھی تھی اس نے اسے ہولا دیا تھا۔

☆☆☆

"تم چند دنوں کے لیے یہاں آ جاؤ عالیہ!" عالی کو قمر کے منہ سے اپنا پورا نام سن کر جیسے ایک جھٹکا لگا تھا۔ اس کا لہجہ عجیب تھا ہی مگر اس کے بات کرنے کا انداز بھی پہلے جیسا نہیں تھا۔

اس نے چند لمحے پہلے موبائل پر اسے فون کیا تھا۔

"کیوں، کیا ہوا؟ امی ٹھیک ہیں؟ شہیر بھائی ٹھیک ہیں؟" اسے یک دم تشویش ہونے لگی۔

"سب لوگ بالکل ٹھیک ہیں۔" قمر نے اسے جیسے تسلی دی۔ "مگر تمہاری یہاں موجودگی چند معاملات کے لیے ضروری ہے۔"

"تم کہیں دادا ابا سے کوئی منگنی وغیرہ تو نہیں کر رہے؟" عالی کو یک دم خیال آیا۔ وہ ہنس دیا۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہو رہا۔ بس تم جتنی جلدی واپس آ سکو بہتر ہے۔"

"میں اس ویک اینڈ پر آنے کی کوشش کرتی ہوں۔" عالی نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم مجھے آنے کے بارے میں بتا دینا۔"

"قمر... سب کچھ واقعی ٹھیک ہے نا؟" عالی نے کچھ الجھتے ہوئے پوچھا۔

"تم یہاں آ جاؤ گی تو خود دیکھ لو گی کہ سب کچھ ٹھیک ہے یا نہیں۔" قمر نے گول مول انداز میں جواب دیا۔

"پھر تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہو؟" وہ اب مشکوک ہو رہی تھی۔

وہ اس سے کہہ نہیں سکا کہ زندگی کے جس مرحلے سے وہ گزر رہا تھا اس نے اسے چند گھنٹوں میں عمر کے بہت سے سال طے کروا دیے تھے۔ وہ ہنسنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اگرچہ وہ بے حد کوشش کر رہا تھا کہ عالی کو اس کے لہجے اور انداز میں آنے والی تبدیلی محسوس نہ ہو سکے۔

"میں ہمیشہ سے ہی سنجیدہ رہا ہوں۔ اگر تمہیں پہلے کبھی نہیں لگا تو اس میں میرا قصور نہیں ہے۔" اس نے اپنے لہجے میں کچھ بشاشت لانے کی کوشش کی۔ اسے یقین تھا عالی مطمئن نہیں ہوگی۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

"تم نے کوئی نیا کارنامہ تو نہیں کر دکھایا؟" عالی کو اب اور طرح کی تشویش ہونے لگی۔ "پھر کوئی فلم سائن کر لی ہے یا اسی طرح کی کوئی چیز؟"

"ہاں ایسی ہی کوئی بات ہے۔" قمر نے دانستہ جھوٹ بولا۔ یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اس کی تشویش کو کم کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ بتاتا ورنہ وہ اگلے کئی گھنٹے اسی طرح کے سوال کرتی رہتی۔

"دو کوڑی کا ایک شخص! مجھے اس طرح کے کسی کام کے لیے کراچی سے بلا رہا ہے؟" ثانی کو اگر ایک طرف کوفت محسوس ہوئی تو دوسری طرف غصہ بھی آیا۔

"میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ میں تمہارے لیے بھاگی بھاگی واپس آؤں اور تمہیں سپورٹ کروں۔" وہ جھنجلائی۔

"ٹھیک ہے مت آؤ۔" ثمر نے مزید کچھ کہے بغیر سیل فون آف کر دیا۔ وہ جانتا تھا، وہ آ جائے گی۔ بکتے جھکتے سہی مگر آئے گی۔

اس نے اگلی کال نایاب کو کی۔ کال کو فوراً ریسیو کیا گیا۔

"شیر بھائی کیسے ہیں؟" ثمر نے رسمی علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

"وہ ٹھیک ہیں اور گھر پر ہی ہیں۔" نایاب آہستہ سے بولی۔

"اسد بھائی کی پاپا اور ممی سے بہت طویل بات ہوئی۔ مجھے نہیں پتا کہ ابھی انہوں نے کیا طے کیا ہے۔ کیونکہ میری ابھی تک اسد بھائی سے بات نہیں ہوئی۔ جیسے ہی ان سے بات ہوتی ہے میں تمہیں بتاؤں گی کہ انہوں نے کیا طے کیا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"تم اگر شیر بھائی سے بات کرنا چاہتے ہو تو میں کروا سکتی ہوں۔" اس نے آفر کی۔

"نہیں نایاب! مجھے ان سے بات نہیں کرنی، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ کیا تم مجھ سے کہیں مل سکتی ہو؟"

"جب اور جہاں تم کہو۔" نایاب نے بے اختیار کہا۔ "تمہیں پوچھنے کی ضرورت کب سے ہونے لگی؟"

ثمر نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ پھر اس نے اسے وقت اور وہ جگہ بتائی۔ جہاں وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

اسد کچھ دیر پہلے منصور علی سے ملنے ہوٹل کے کمرہ میں آیا تھا۔ منصور نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ مگر اسد کو منصور کی حالت دیکھ کر دھچکا لگا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو اور ملگجے کپڑوں میں سرخ آنکھوں اور بکھرے بالوں کے ساتھ وہ کہیں سے وہ منصور علی نہیں لگتا تھا جسے اس نے اپنے باپ کے ساتھ کئی بار دیکھا تھا۔

منصور کو اس نے اس کے موبائل پر کال کی تھی اور یہ اس کا نمبر وہ بڑی کوشش کے باوجود بھی اپنے آفس سے حاصل نہیں کر پایا تھا۔ نتیجے کے طور پر اسے منصور کے وکیل سے رابطہ کرنا پڑا تھا۔ اور منصور کا کانٹیکٹ نمبر حاصل کرنے کی جدوجہد کے دوران اسے منصور کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ رشتی اور اس کے درمیان ہونے والی طلاق اور اس کی فیکٹری پر ہونے والا قبضہ، مگر اسے ان تمام چیزوں سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ منصور سے اس کی اور ہارون کمال کی ختم ہونے والی پارٹنر شپ کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ ہارون اور شائستہ دونوں کو اپنے سامنے بے بس پا رہا تھا اور امبر کو حاصل کرنے کا ایک سنہری موقع اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔

بات منصور نے شروع کی۔

"مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے اسد، میں جانتا تھا ہارون کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔"

"انکل! مجھے پاپا نے نہیں بھیجا۔" اسد نے فوراً اس کی غلط فہمی دور کی۔ منصور کو جیسے دھچکا لگا۔

"ہارون نے نہیں بھیجا؟"

"نہیں۔ میں اپنی مرضی سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ اور پاپا کے درمیان یہ پارٹنر شپ اس طرح ختم نہ ہو، جو بھی وجوہات ہیں، میں وہ جاننا چاہتا ہوں تاکہ معاملات کو بگڑنے سے بچا سکوں۔" اسد نے بڑی مفاہمت کے انداز میں کہا۔

"یہ سب امبر کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" منصور نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اسد امبر کا ذکر کرنا چاہتا تھا مگر اسے توقع نہیں

تھی کہ اس ذکر میں منصور خود پہل کرے گا۔ اور وہ بھی اس لہجے میں۔

''کیا مطلب؟'' اسد نے بڑے محتاط انداز میں پوچھا۔ وہ توقع کر رہا تھا کہ منصور اب اسے بتائے گا کہ ہارون نے کس طرح اسد کی امبر کے لیے پسندیدگی کی وجہ کو بنیاد بناتے ہوئے اس پارٹنرشپ کو ختم کر دیا۔ مگر جو کچھ اس نے منصور کی زبان سے سنا اس نے اسد کے پیروں کے نیچے سے زمین نکال دی۔

''ہاں یہ سب کچھ امبر کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اسی نے ہارون کمال سے کہا ہے کہ وہ یہ پارٹنرشپ ختم کرے۔ اس نے یہ سب کچھ کرنے کے لیے ہی ہارون سے شادی کی ہے۔''

''کیا...؟'' اسد کے سر پر جیسے کوئی دھماکا ہوا۔ ''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کس امبر کی بات کر رہے ہیں؟'' اسے لگا منصور شاید کسی اور لڑکی کا تذکرہ کر رہا ہے۔

''میں اپنی بیٹی کی بات کر رہا ہوں، جو میرے لیے آستین کا سانپ بن گئی ہے۔'' منصور نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

''تم تو اچھی طرح جانتے ہو اسے۔ کئی سال بچے ہو اس سے۔''

وہ چند لمحے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں منصور کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

''امبر نے پاپا سے شادی کر لی ہے...؟''

''ہاں... ہارون مانتا نہیں ہے مگر ایسا ہی ہوا ہے۔ امبر کو اس نے اپنے شکنجے پر رکھا ہوا ہے۔ اسی کے کہنے پر تو وہ مجھے اس طرح تنگ کر رہا ہے۔'' پارٹنرشپ کی بات اسد کے دماغ سے اڑن چھو ہو گئی تھی۔

''آپ کیا بات کر رہے ہیں؟ ایسا کچھ ہوتا تو مجھے پتہ ہوتا۔ اور پاپا... امبر ان کی بیٹی کے برابر ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ آپ نے بیٹی کی دوست کو بیٹی نہیں سمجھا۔ اور اس سے شادی کر لی تو ہر مرد یہی کرے۔'' منصور کو اس کی بات طمانچے کی طرح لگی۔

''میں امبر میں انٹرسٹڈ تھا۔ میں امبر سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا باپ اس لڑکی سے شادی کرے جس سے وہ میری شادی کرنے پر تیار نہیں تھا۔''

اسد کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر اپنے منہ سے نکلنے والے آخری جملے نے اسے یکدم ٹھٹکا دیا۔

''تو کیا پاپا اس لیے امبر سے میری شادی نہیں کرنا چاہتے تھے، کیونکہ وہ خود اس میں انٹرسٹڈ تھے۔''

منصور سے بات کرتے ہوئے اسے اپنی آواز بے حد کھوکھلی لگی۔ وہ ہارون کمال کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ہارون خوبصورتی پر مرتا تھا اور امبر بے تحاشا خوبصورت تھی۔ منصور کے سامنے ہارون کا دفاع کرتے ہوئے بھی اسے خیال آ رہا تھا کہ منصور جو کچھ کہہ رہا تھا وہ ممکن تھا۔ وہ بالکل ممکن تھا۔ اپنی بات مکمل کرتے کرتے اس کی آواز لڑکھڑانے لگی تھی۔

''میں آپ کی بات پر یقین نہ کرنے کے باوجود پاپا سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔''

''وہ انکار کرے گا۔ ایسی شادیوں کا اعتراف کون کرتا ہے، ہر ایک شروع میں انکار ہی کرتا ہے۔'' منصور کو کہتے ہوئے یاد آیا تھا کہ اس نے خود بھی یہی کیا تھا۔ رشنی سے اپنی شادی کو اسی طرح چھپایا تھا۔ آج وقت عجیب انداز میں آئینہ اس کے سامنے لے آیا تھا۔

اسد نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ اور پھر وہ تیز رفتاری سے اس کے کمرے سے نکل گیا۔ منصور کو آج پہلی بار رب کے سامنے ایک عجیب طرح کی ذلت کا احساس ہوا تھا۔ یا پھر یہ ذلت نہیں تھی۔ یہ کچھ اور تھا۔ اسے رشنی یاد آئی تھی اور اسے امبر یاد آئی تھی۔

☆☆☆

علی نے بے یقینی سے باری باری ثمر اور عاطف کو دیکھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پایا کہ وہ اس سے نظریں چرا رہے تھے یا پھر نظریں ملانا نہیں چاہتے تھے۔ اس نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچیں۔ مگر وہ اپنے جسم کی لرزش کو روک نہیں سکتا تھا۔ جو کچھ اسے بتایا گیا تھا۔ وہ ناقابل یقین تھا۔ ہولناک تھا، شرمناک تھا مگر

"ناقابل یقین" تھا... IBA کے انٹری ٹیسٹ میں ٹاپ کر کے ملک کے سب سے اچھے اداروں میں سے ایک میں ایڈمیشن لے رہی تھی۔ وہ جیسے آسمان پر چلی گئی تھی۔ صرف چند سالوں میں اسے سب کچھ حاصل کر لیا تھا۔ آسمان کی وسعتیں اس کی ٹھوکر میں تھیں۔ اور اب وہ کسی پر کٹے پرندے کی طرح دھڑام سے زمین پر آگری تھی۔

کوڑے کے ڈھیر پر چھوڑی جانے والی کسی کی ناجائز اولاد... اس کے منہ پر جیسے کسی نے کالک مل دی تھی۔ وہ جان سکتی تھی، ثمر کیوں اس سے آنکھیں چرا رہا ہے۔ وہ سمجھ سکتی تھی فاطمہ کیوں اس سے نظریں ملانے سے اجتناب کر رہی ہے۔ کمرے کے اندر بیٹھے تینوں افراد کی نظروں میں اس وقت آگہی کی اذیت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اور تینوں اس اذیت کو کسی دوسرے تک پہنچانے سے خائف تھے۔

"ثانیہ سکندر" کو اپنا نام کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح ہوا میں اڑتا محسوس ہوا۔ کاغذ کے ننھے ننھے ہزاروں ٹکڑوں کی طرح... بے نام... غیر اہم... بے حیثیت...... معمولی۔

اس کے اندر شدید خواہش جاگی کہ یہ سب کچھ ایک خواب ہو۔ بعض دفعہ سب کچھ خواب ہو بھی سکتا ہے۔ بھیانک خواب۔ اس نے زندگی میں کئی بھیانک خواب دیکھے تھے، اور کئی بار وہ ان سے جاگی تھی۔ مگر یہ کیا تھا؟

وہ اس سے پہلے اپنے "گھر" پر اپنے "گھر والوں" کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ اس بار بھی "گھر" ہی آئی تھی۔ مگر یہ گھر اچانک "مکان" میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اور "گھر والے" "لوگ" بن گئے تھے۔ اس کا "بڑا بھائی" اس کی زندگی سے نکل گیا تھا۔ اس کی ماں... "ماں" نہیں رہی تھی۔

خاموشی کا ایک بہت طویل وقفہ کمرے میں آیا تھا۔ اتنا طویل کہ تینوں کو لگا جیسے آج کے بعد دوبارہ ان میں سے کوئی بھی بولے گا ہی نہیں۔ پھر ثانیہ نے ہی خاموشی توڑی تھی۔

"آپ کو یہ سب کچھ ہمیں بتا دینا چاہیے تھا۔" اس نے فاطمہ سے کہا۔ اسے اپنی آواز خود بہت اجنبی لگی۔ وہ اب سمجھ سکتی تھی۔ کہ ثمر کو کیا ہوا ہوگا۔

"بلکہ آپ کو خود یہ سب کچھ ہمیں بتا دینا چاہیے تھا اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا ہمیں یہ سب بتاتا۔"

اس نے فاطمہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ اسے فاطمہ کی طرف دیکھتے ہوئے تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ ایک دم بے حد کمزور لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ اس کی رنگت اور سیاہ ہو گئی تھی۔ اس کے جسم کی ہڈیاں پہلی دفعہ نمایاں لگنے لگی تھیں۔ اور اس کی آنکھوں میں اس نے ایک عجیب سی کیفیت دیکھی تھی، جسے وہ اب نام دے سکتی تھی وہ خوف تھا۔ مزید کچھ کھو دینے کا خوف۔ اور یہ "مزید" کیا تھا؟

"ثانیہ... ثمر... کیا پھر وہ گھر اور خاندان جو فاطمہ نے اتنے سالوں میں بنایا تھا، کسی چڑیا کی طرح ایک ایک تنکا اکٹھا کر کے، اور جب گھونسلہ بن گیا تھا تو اب وہ گھونسلہ آسمان سے زمین پر آن گرا تھا اور چڑیا بے تابی اور بے بسی سے دیوانہ وار اس گھونسلے کے اوپر ہوا میں پھڑپھڑا رہی تھی۔

"انہوں نے ٹھیک کیا کہ نہیں بتایا۔" اس سے پہلے کہ فاطمہ کچھ کہتی ثمر نے کہا تھا۔ "میں بھی یہ چاہتا تھا کہ یہ سب کبھی مجھے پتا نہ چلتا۔ نہ کوئی شائستہ کمال ہماری زندگی میں آتی نہ ہمیں ہمارے ماضی کے بارے میں پتا چلتا۔ سب کچھ ویسے ہی چلتا رہتا جیسے پہلے چل رہا تھا۔"

ثمر کا انداز شکست خوردہ تھا۔ ثانی اپنے ہونٹ بھینچے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا وہ بھی یہی چاہتی تھی، فاطمہ بھی یہی چاہتی تھی۔ مگر واقعات صرف ہمارے چاہنے سے نہیں ہوتے۔

"اور مجھے آپ لوگوں کو ایک اور بات بھی بتانی ہے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ثمر نے کہا۔ فاطمہ اور ثانی نے بیک وقت سر اٹھا کر اسے دیکھا، اب اور کیا رہ گیا تھا۔

ثمر ان دونوں کی طرف پر سوچ انداز میں چند لمحے دیکھتا رہا یوں جیسے اسے لفظوں کی تلاش ہو، پھر اس نے آہستہ سے

کہا۔
"میں نے اور نایاب نے کورٹ میرج کر لی ہے۔" جانی اور فاطمہ سانس نہیں لے سکیں۔
ثمر باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ جانی کو ایک لمحہ کے لیے لگا کہ وہ مذاق کر رہا تھا۔
وہ مذاق کرتے وقت اسی طرح سنجیدہ نظر آتا تھا۔
"فضول باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔" جانی نے جیسے اس جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے قدرے ناراضی کے ساتھ کہا۔
"فضول باتیں نہیں کر رہا ہوں امی! میں نے واقعی نایاب کے ساتھ کورٹ میرج کر لی ہے۔" ثمر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟" فاطمہ نے بے حد پریشانی کے عالم میں اس کو جھڑکا۔
"امی! آپ جو بھی کہیں مگر میں اس کے ساتھ شادی کر چکا ہوں اور ان حالات میں جو ہارون کمال کی فیملی نے ہمارے لیے پیدا کیے ہیں، یہ شادی ضروری تھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔
"تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟" جانی کو ابھی بھی اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔
"میں آپ کو شادی کے کاغذات دکھا سکتا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ جانی اور فاطمہ نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ فاطمہ کو لگا۔ اس کے کندھوں پر بوجھ کچھ اور بڑھ گیا ہو۔ نایاب سے کورٹ میرج کا مطلب کیا تھا۔ اس کی فیملی کے لیے کتنے اور مسائل کھڑے ہو سکتے تھے، وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتی تھی۔
"مجھے اندازہ تو تھا کہ تم بے وقوف ہو مگر اتنے بے وقوف ہو۔ اس کا مجھے پتا نہیں تھا۔"
فاطمہ کو ثمر سے کچھ کہنا نہیں پڑا۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی جانی اس پر برس پڑی تھی۔
"نایاب ہارون کمال کی بیٹی ہے۔ ابھی اس کے ماں باپ کو اس شادی کا پتا نہیں ہوگا، پتا چلتا تو وہ صرف شبیر بھائی کو لے جانے کے لیے یہاں پولیس نہ لاتے بلکہ تمہارے لیے بھی لاتے۔"
"مجھے پولیس کا ڈر نہیں ہے۔ نایاب اور میں بالغ ہیں۔ قانوناً شادی کر سکتے تھے، پولیس کیا کر سکتی ہے؟" ثمر نے کندھے اچکا کر کہا۔
"نایاب ہمارا بیک گراؤنڈ جانتی ہے۔" جانی کا اشارہ کس بیک گراؤنڈ کی طرف تھا، ثمر کے لیے سمجھنا دشوار نہیں تھا۔
"ہاں... وہ بہت پہلے سے جانتی ہے۔" ثمر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور اسے کسی چیز پر اعتراض نہیں ہے۔ وہ ان چیزوں کو بے معنی سمجھتی ہے۔"
"اس کے بے معنی سمجھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" جانی نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ "اس کے ماں باپ شبیر بھائی کو یہاں سے لے گئے ہیں اور تمہارا خیال ہے کہ وہ تمہیں اس طرح داماد کے طور پر قبول کر لیں گے جس طرح تم نے اپنے آپ کو خود ان پر مسلط کیا ہے۔"
"مجھے اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ مجھے قبول کرتے ہیں یا نہیں۔" ثمر نے کندھے جھٹک کر کہا۔
"مجھے ان کی قبولیت کی سند نہیں چاہیے۔"
"اب مجھ سے یہ مت کہنا کہ یہ تم نے نایاب کی محبت میں کیا ہے۔" جانی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
ثمر اس کی بات پر بے اختیار مسکرایا۔ وہ واقعی اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ وہ کسی طور بھی اس سے چھپ نہیں سکتا تھا۔
"میں نایاب کو بہت پسند کرتا ہوں۔" ثمر نے محبت کا لفظ استعمال کیے بغیر اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"تم اسے کتنا پسند کرتے ہو، میں اچھی طرح جانتی ہوں اور میں یہ بھی اچھی طرح جانتی ہوں کہ یہ پسندیدگی کم از کم اتنی زیادہ نہیں تھی کہ تم اس طرح آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس سے کورٹ میرج جیسا کام کرتے۔"

وہ بڑی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

"تمہیں کچھ تو سوچنا چاہیے تھا ثمر!" فاطمہ نے بہت دیر خاموش رہنے کے بعد مداخلت کی۔ "کیوں خوامخواہ کی مصیبت کو گلے میں ڈال لیا ہے تم نے۔"

"آپ نہیں جانتیں شبیر بھائی واپس آ جائیں؟" ثمر نے فاطمہ کے مزید کچھ کہنے سے پہلے کہا۔

"تمہارے نایاب سے شادی کر لینے سے شبیر بھائی واپس آ جائیں گے؟" اس سے پہلے کہ فاطمہ مزید کچھ کہتی، علی نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

"ہاں۔ نایاب ان کو واپس آنے پر مجبور کرے گی۔"

"اور تم نے صرف اسے استعمال کرنے کے لیے اس سے شادی کر لی؟" علی کو یقین نہیں آیا۔

"میں نے تم کو بتایا ہے کہ میں اسے بہت پسند کرتا ہوں۔" ثمر نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"ثمر! اس حماقت سے باز آ جاؤ۔ اس کے ماں باپ کو پتا چل گیا تو وہ تمہارا حشر کر دیں گے۔ تمہیں ان کے اثر و رسوخ کا اندازہ نہیں ہے۔" علی نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"میں شادی کر چکا ہوں علی! اور میں اب پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ جو ہوتا ہے ہونے دو۔۔۔"

وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ علی اور فاطمہ بے بسی سے اسے وہاں سے جاتا دیکھتی رہیں۔ دونوں کو یوں لگا تھا جیسے آزمائشوں کا سلسلہ دراصل اب شروع ہوا تھا۔

☆☆☆

نایاب سے کورٹ میرج کا قدم ثمر نے کسی وقتی جذباتیت میں آ کر نہیں اٹھایا تھا۔ شبیر اس گھر سے اس طرح نہ چلا جاتا تب بھی جلد یا بدیر ثمر، نایاب کے ساتھ اپنے تعلقات کو کسی موڑ تک پہنچانے کی کوشش کرتا۔ نایاب پہلے دن سے اس سے محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ مگر یہ صرف ثمر تھا جو مسلسل اس کوشش میں تھا کہ وہ کم از کم اپنی جانب سے ایسا کوئی تاثر نہ دے جس سے نایاب کو یہ محسوس ہو کہ وہ بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ مگر اس کی ایسی ہر کوشش نایاب نے بہت بری طرح ناکام کی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ اسے اس بات میں بھی زیادہ دلچسپی نہیں تھی کہ ثمر کی طرف سے جواباً کسی مثبت ردعمل کا اظہار ہو رہا تھا یا نہیں۔ نایاب کمال پہلی نظر میں اس پر فریفتہ ہوئی تھی اور یہ صرف اس کے لیے پہلی نظر کی محبت نہیں تھی وہ اس وقت یہ بھی طے کر چکی تھی کہ اسے ثمر سے شادی کرنا تھی۔

اپنی پسندیدہ چیز کو ہر قیمت پر حاصل کر لینے کی عادت اس کو ماں اور باپ دونوں سے وراثت میں ملی تھی۔ اور ماں اور باپ کی طرح اسے چیزوں اور انسانوں میں کوئی زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ وہ ہارون کمال کے برعکس خود غرض نہیں تھی۔ اس کی کچھ صفات ایسی تھیں جو ہارون اور شائستہ دونوں کو وقتاً فوقتاً حیران کرتی رہتی تھیں۔ وہ خودسر بھی تھی اور ہٹ دھرم بھی مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ امیر اور غریب کی اس روایتی طبقاتی تفریق پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ جو اس نے ہمیشہ اپنے اردگرد موجود پائی تھی۔

کورٹ میرج کا خیال ثمر کے سامنے پہلی بار کچھ عرصہ پہلے اس نے پیش کیا تھا۔ اور جب ثمر اس کی بات پر بے حد چونکا تھا بلکہ ناراض بھی ہوا تھا۔ شائستہ نے پہلی بار جب نایاب سے شبیر کے بارے میں بات کی تھی تو ثمر اور علی کا ذکر بڑی تحقیر کے ساتھ کیا تھا اور بڑی حقارت سے ان کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ اس نے نایاب پر یہ بات بالکل واضح کر دی تھی کہ نایاب اور ہارون کسی بھی قیمت پر ثمر کے ساتھ اس کی شادی پر تیار نہیں ہوں گے۔ اس سے پہلے ان کے پاس ثمر کی غربت اور کلاس کا مسئلہ تھا۔ مگر اب ان کے پاس اتنی بڑی وجہ آ گئی تھی۔ کہ نایاب کو یہ خیال بھی محال لگتا وہ کسی طرح انہیں ثمر کے ساتھ اپنی شادی کے لیے تیار کر سکتی تھی اور یہ ساری وجوہات تھیں جنہوں نے اسے ثمر سے کورٹ میرج کا تذکرہ کرنے پر مجبور کیا۔ مگر ثمر کے شدید ردعمل نے اسے وقتی طور پر خاموش کر دیا۔

شہیر کے گھر سے چلے جانے پر جب وہ پہلی بار ثمر کے بلانے پر اس سے ملی تو ثمر کی بات پر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ اب وہ کورٹ میرج کی بات کر رہا تھا۔ ثمر کا خیال تھا۔ نایاب اس سے جو پوچھے گی اس نے نہیں سوچا تھا۔ اس نے ایک لفظ کہے بغیر اس کا پرپوزل قبول کیا تھا۔

دونوں نے یہ طے کیا تھا کہ کچھ عرصہ تک اس کورٹ میرج کو وہ دونوں خفیہ رکھیں گے اس کے بعد وہ دونوں اپنی اپنی فیملیز کو ایک دوسرے سے شادی کے لیے مجبور کریں گے اور نہ ماننے پر وہ اپنی کورٹ میرج کے بارے میں انہیں بتا دیں گے۔ مگر نایاب کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ ثمر اس سے بہت پہلے ہی اپنی فیملی کو اس بارے میں آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

شہیر والے واقعے کے باوجود نایاب کو ثمر کے بارے میں کوئی خدشات نہیں تھے۔ اسے یقین تھا کہ یہ صرف اس کی محبت تھی جس کی وجہ سے ثمر اس سے اس طرح کورٹ میرج کر رہا تھا اور اس کے لیے اتنا کافی تھا۔ دوسری طرف ثمر نے نایاب کے ساتھ کورٹ میرج کا اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے ہر طرح کے نتائج پر غور کیا تھا۔ بلاشبہ وہ نایاب کو ضرورت سے زیادہ پسند کرنے لگا تھا اور بلاشبہ اس کے لیے نایاب سے قطع تعلق کرنا ایک بے حد دشوار کام تھا مگر بہر حال وہ اس کی محبت میں اندھا ہو کر یہ قدم نہیں اٹھا رہا تھا۔

وہ نایاب سے شادی بہت سی دوسری وجوہات کی بنا پر کر رہا تھا اور ان میں سب سے بڑی وجہ شہیر شہزاد کا گھر ہی تھا۔ وہ ہر قیمت پر اس رشتہ کو جوڑنا چاہتا تھا جو شائستہ کے ایک انکشاف نے توڑ دیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ ایک بھیدی کے بغیر وہ یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ نایاب کی صورت میں اسے وہ بھیدی مل گیا تھا۔

☆☆☆

شہیر کو شائستہ کے گھر آئے ہفتہ ہو گیا تھا اور وہ ان دنوں میں گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ شائستہ نے اگرچہ اس کی آمد کے پہلے ہی دن اسے اگلے دن سے ہارون کی فیکٹری جوائن کرنے کی دعوت دی تھی مگر اگلے دن گھر کے ماحول میں ہونے والے تناؤ نے شہیر کو بے حد پریشان کر دیا تھا۔ شائستہ نے بھی دوبارہ اسے فیکٹری جوائن کرنے کے لیے نہیں کہا تھا اور خود شہیر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ شائستہ سے یہ کیسے کہے کہ وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے یوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر وہ کتنے دن رہ سکتا ہے۔ شائستہ نے اس کے پرانے آفس خود ہی اس کا اسٹنٹ بھجوا دیا تھا اور اسے اس کے بارے میں بتا دیا تھا۔ مگر وہ اس تمام صورت حال سے مطمئن نہیں تھا۔

فاطمہ، شہیر یا ہائی تینوں میں سے کسی نے اس کے یہاں آنے کے بعد اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور شہیر ابتدائی غصے اور شاک سے نکلنے کے بعد اب بری طرح ہوم سک نیس کا شکار تھا۔ وہ شائستہ کے ساتھ یہاں آ تو گیا تھا مگر پچھلے کچھ دنوں سے وہ مسلسل فاطمہ اور اپنے گھر کے بارے میں سوچنے میں مصروف تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان تینوں نے آسانی سے اسے یوں جانے دیا تھا۔ اسے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ ایک خیال آنے پر وہ ان سے برگشتہ ہوتا۔ دوسرا خیال آنے پر وہ ایک بار پھر ان کے لیے بے چین ہو جاتا۔

وہ اپنے سگے رشتوں کے لیے یہاں آیا تھا مگر اسے دنوں میں شائستہ کے علاوہ کسی اور نے اس سے اچھے طریقے سے بات نہیں کی تھی۔ ہارون بے حد سرد تھا جبکہ اسد اور نایاب اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے تھے۔ اسے نوکروں تک کا رویہ عجیب محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے صرف ایک دن سب کے ساتھ ٹیبل پر شائستہ کی ضد اور اصرار پر کھانا کھانے کی کوشش کی تھی اور وہ اپنی اس کوشش پر بری طرح پچھتایا تھا۔ ٹیبل پر موجود کسی نے اچھی طرح کھانا نہیں کھایا تھا اور ایک ایک کر کے سب وقتے وقتے سے اٹھ گئے تھے۔ اگرچہ شائستہ نے اپنے رویے اور انداز سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ سب نارمل بات تھی مگر شہیر کو یہ نارمل محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے دوبارہ کبھی ٹیبل پر آنے کی زحمت نہیں کی اپنے کمرے میں ہی کھانا اور ناشتہ منگواتا رہا۔ تمام دن وہ بے مقصد اپنے کمرے میں بیٹھا اپنے گھر کے بارے میں سوچتا رہتا۔ وہ زندگی میں پہلی بار فاطمہ سے اتنے دن جدا رہا تھا اور مرد

ہونے کے باوجود اسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ بے تحاشا یاد آئی۔
اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے اور اپنے گھر کو کس طرح چٹکی بجاتے میں اپنے ذہن سے نکال دے۔
شائستہ اپنے گھر لانے کے اگلے ہی دن اسے شاپنگ کے لیے مارکیٹ لے کر گئی تھی۔ چند گھنٹوں میں اس نے شہیر کو برانڈڈ چیزوں کی شاپنگ کرواتے ہوئے وہ تین لاکھ خرچ کر دیے تھے شہیر اپنے دل میں اس کے لیے تشکر کے جذبات پا رہا تھا مگر محبت؟ وہ ایک بار پھر شائستہ کے لیے محبت جیسا کوئی جذبہ محسوس کرنے میں بری طرح ناکام رہا تھا۔ شائستہ چاہتی تھی وہ اسے نایاب اور اسد کی طرح ممی کہنا شروع کر دے۔ شہیر کی حتی الامکان کوشش ہوتی تھی کہ وہ شائستہ کو کم سے کم مخاطب کرے تاکہ اس کی نوبت ہی نہ آنے اور وہ اگر اسے مخاطب کرتا بھی تو کسی کے بغیر آپ کہہ کر۔ شائستہ اس چیز کو بری طرح محسوس کرتی تھی لیکن وہ ہر بار خود کو یہ سوچ کر مطمئن کر لیتی کہ ابھی ابتدائی دن ہیں، کچھ وقت لگے گا پھر وہ وہاں ایڈجسٹ ہو جائے گا۔ آخر کتنے دن وہ جناب کا یہ رشتہ چلا سکتا تھا۔ مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہاں ایڈجسٹ ہونے کے بجائے شہیر روز بہ روز وہاں کی زندگی سے اب رہا تھا۔ وہ اپنا گھر چھوڑنے کے اپنے فیصلے پر بری طرح پچھتا رہا تھا۔ شائستہ اور ہارون کمال کی دنیا اور دنیا تھی۔ شہیر ذوبان کتنا اس میں مس فٹ تھا۔ وہ رشتوں کو آسائشوں کے ساتھ تبدیل کرنے کی خواہش رکھتا تھا نہ جرأت، اور یہ اسے شائستہ کے پاس آ کر احساس ہوا تھا۔

اس نے ساری عمر اس گھر میں پرورش پائی تھی جہاں ناشتے کی میز پر انتخاب نہیں کیا جاتا تھا جو بھی موجود ہوتا کھا لیا جاتا۔ وہ اس گھر میں آ گیا تھا جہاں ناشتے کی ٹیبل پر موجود آدھی سے زیادہ چیزوں کے ناموں سے وہ لاعلم تھا اور باقی کو پہچاننا اس کے لیے مشکل تھا۔

وہ اس گھر سے آیا تھا جہاں کھانا ایک ضرورت تھا۔ شائستہ کے گھر میں کھانا ایک تکلف تھا۔ اپنی وارڈروب میں لٹکے شائستہ کے خریدے ہوئے برانڈڈ کپڑوں اور جوتوں کے درمیان موجود فاطمہ کے خریدے گئے چند معمولی کپڑے بھی تنگ رہے تھے اور یہ شہیر ذوبان کی بدقسمتی تھی یا پھر اس کی کمزوری کہ وہ ہر بار وارڈروب کھول کر انہیں کپڑوں میں سے کوئی ایک چن لیتا۔ اس کی نظر شائستہ کے خریدے ہوئے کپڑوں پر نہیں جاتی تھی۔
شہیر ذوبان کتنے عذاب میں گرفتار تھا۔

☆☆☆

صبغہ کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ ”کون ہے؟“ اس نے اندر سے ایک بار پھر دروازے پر دستک دینے والے کے بارے میں پوچھا۔
”میں منصور ہوں۔ دروازہ کھولو۔“ منصور کی آواز میں درشتی تھی مگر صبغہ کو اس درشتی کی پروا نہیں تھی۔ منصور کا وہاں ان کے دروازے پر آنا ناقابل یقین تھا اور خاص طور پر اس طرح کے حالات میں۔
اس نے بڑی برق رفتاری سے دروازہ کھولا تھا۔ دہلیز کے پار منصور ہی کھڑا تھا اور اسی حلیے میں جس میں چند دن پہلے اسے صبغہ نے دیکھا تھا بلکہ شاید اس سے کچھ بدتر حالت میں۔ بکھرے بال، بڑھی ہوئی داڑھی، سرخ آنکھوں اور میلے کپڑوں میں وہ اپنی عمر سے دس سال بڑا لگ رہا تھا۔
اس نے صبغہ کے سلام کا جواب دیے بغیر اس کو ہاتھ بڑھا کر دروازے سے ایک طرف ہٹایا اور اندر آ گیا۔
”تمیزہ کہاں ہے؟“ اس نے بلند آواز میں پوچھا۔ تمیزہ تب تک اپنے کمرے سے باہر صحن میں آ گئی تھیں اور صرف وہی نہیں، رابعہ اور زارا بھی... مگر منصور کو سامنے دیکھ کر وہ تینوں ہی ہکا بکا تھیں۔ اگر منصور اپنے پہلے والے حلیے میں ہوتا مگر سامنے کھڑا ہوا شخص اس شخص سے بے حد مختلف تھا جسے دنیا منصور علی کے نام سے جانتی تھی۔
”امبر کہاں ہے؟“ منصور نے بے حد کرخت لب و لہجے میں تمیزہ سے کہا۔
”پاپا! میں نے آپ کو امبر کے بارے میں بتایا تھا۔“ اس سے پہلے کہ تمیزہ کچھ کہتیں، صبغہ نے مداخلت کی۔

"مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ماں بیٹیاں میرے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہو۔"

منصور بلند آواز میں دھاڑا تھا۔

"تم اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔" منیزہ نے جیسے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تم ایک بے حد گھٹیا عورت ہو جو تم نے مجھے تباہ کرنے کے لیے اپنی بیٹی کو استعمال کیا ہے۔" منصور نے پہلے سے زیادہ بلند آواز میں کہا۔ رابعہ اور زارا صحن کی دیوار کے ساتھ لگی یک دم رونے لگیں۔

"میری بیٹی نہیں... وہ تمہاری بیٹی تھی۔ اس نے وہ کیا جو اس نے باپ کو کرتے دیکھا۔" منیزہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تم نے ایک طوائف کی طرح اپنی بیٹی کو استعمال کیا ہے۔" منصور نے منیزہ کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ "مگر تم نے غلط آدمی کے ساتھ کر لیا ہے۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ منصور علی کو اس طرح تباہ کر دو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میں اس سے بہت پہلے تم لوگوں کو جان سے مار دوں گا۔"

محلے کے بہت سے گھروں کی چھتوں پر لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ منصور کی آواز اس قدر بلند تھی۔ چھتوں پر کھڑی عورتیں بڑی دلچسپی کے عالم میں ان کے صحن میں جھانکتے ہوئے اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھیں۔

ساتھ والے گھر میں ثمر، فاطمہ اور علی نے بھی برابر کے گھر میں ہونے والی گفتگو سن لی تھی۔ فاطمہ کو بے اختیار تشویش ہوئی۔

"ثمر! آؤ ان کے گھر چلتے ہیں۔ پتا نہیں کیا ہو رہا ہے کون آ کر اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔"

"میرا خیال ہے امی یہ صبغہ کے والد ہیں۔" علی نے مدھم آواز میں دوسری طرف سے آتی بلند آوازوں کو سنتے ہوئے کہا جہاں اب منصور بے حد بلند آواز میں پاگلوں کی طرح گالیاں بک رہا تھا۔ وہ صرف منیزہ کو گالیاں نہیں دے رہا تھا بلکہ اپنی بیٹیوں کو بھی گالیاں دے رہا تھا۔

چھتوں پر کھڑے لوگوں کے بیچ صحن میں اس طرح کی گالیاں اپنے باپ کے منہ سے سنتے ہوئے صبغہ ذلت کے نئے مفہوم سے آشنا ہو رہی تھی۔ وہ... وہ منصور علی تھا جس کے منہ سے اس نے کبھی گالی تو کیا بلند آواز تک نہیں سنی تھی اور اب وہی منصور علی تھا جو ان کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کر رہا تھا جو کوئی اپنی بیٹی کے لیے استعمال کرتے ہوئے شرم سے ڈوب مرتا۔ اسے چھتوں پر کھڑے لوگوں کی پروا تھی نہ اپنی آواز کے بے حد بلند ہونے کی۔

"مگر صبغہ کے والد تو اس کی امی کو طلاق دے کر چھوڑ چکے ہیں پھر اب یہ یہاں اس طرح کیوں آ گئے ہیں اور امبر کے بارے میں کیا جھگڑا ہو رہا ہے۔" فاطمہ بے حد حواس باختہ ہو رہی تھی۔

"ثمر... میرے ساتھ چلو... پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔" ثمر شاید انکار کرتا مگر فاطمہ اس سے پہلے ہی صحن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ ثمر کو مجبوراً ان کے پیچھے جانا پڑا۔

"مجھے ہر قیمت پر امبر کا پتا چاہیے ہر قیمت پر۔" منصور اسی طرح گالیاں بکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"پاپا... ہم خود اسے ڈھونڈ رہے ہیں، میں اس کو ڈھونڈنے کے لیے ہی تو آپ کے پاس آئی تھی۔ وہ ہارون سے شادی کرنے کے بعد اس کے ساتھ دوبئی ہے۔ اس نے ہم سے رابطہ ختم کر دیا ہے۔"

صبغہ کانپتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ اس کا وجود پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

"تم اب اپنا منہ بند کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ تم سے میرا اور میری بیٹیوں کا کوئی رشتہ نہیں ہے پھر کیا سمجھ کر تم یہاں اس طرح اندر آئے ہو۔" منیزہ نے منصور کے جواب میں کچھ کہنے سے پہلے کہا۔

"امبر کے ساتھ اگر ہمارا رابطہ ہوتا بھی تب بھی ہم تم سے اس کا رابطہ کبھی نہ کرواتے۔"

اس سے پہلے کہ حمیزہ کچھ اور کہتی، گیٹ کا بیرونی دروازہ کھول کر فاطمہ اور ثمر اندر آ گئے تھے۔ منصور نے پلٹ کر دروازے کی آواز پر انہیں دیکھا تھا پھر اس نے اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تھا۔ ثمر تب تک کچھ آگے آ چکا تھا۔

"آپ کون ہیں اور یہاں اس طرح شور کیوں کر رہے ہیں؟"

ثمر نے کچھ سخت لہجے میں منصور سے کہا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا، اس نے منصور کو اپنی جیب سے کوئی سیاہ چیز نکالتے دیکھا تھا۔ منصور، ثمر کی بات کا جواب دینے کے بجائے حمیزہ کی طرف اپنا بازو سیدھا کر رہا تھا۔ یک دم ثمر سوچے سمجھے بغیر تیز رفتاری سے آگے بڑھا اور اس نے منصور کو پوری قوت سے دھکا دیا۔

منصور کا نشانہ چوکا، فائر کی آواز کے ساتھ ہی صبغہ اور رابعہ، زارا چلانے لگی تھیں۔ گولی حمیزہ کے بالکل قریب دیوار میں لگی تھی۔ وہ بے حس و حرکت شاک کے عالم میں کھڑی رہی تھیں۔ چھتوں پر چڑھے لوگوں میں ایک دم سراسیمگی دوڑ گئی۔ منصور اوندھے منہ فرش پر گرا اور اسی طرح گالیاں بکتے ہوئے ثمر سے الجھ رہا تھا جو اس کے ہاتھ سے ریوالور چھیننے کی تگ و دو کر رہا تھا۔ چند منٹ اور لگے تھے پھر بیرونی دروازے سے چند اور لڑکے اندر آ گئے تھے ان سے پہلے علی حواس باختہ اندر آئی تھی۔

منصور سے ریوالور لینے اور اس پر قابو پانے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ باہر سے آنے والے لڑکوں میں سے چند ایک نے بڑی بے رحمی کے ساتھ منصور کو چند ہاتھ جڑے تھے۔ منصور اب بھی گالیاں بک رہا تھا۔ صبغہ، زارا اور رابعہ اب حمیزہ کے ساتھ چپکی زار و قطار رو رہی تھیں اور حمیزہ ابھی بھی اسی طرح ساکت کھڑی تھی۔ یوں جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ یہ سب کچھ ان کے سامنے ہو رہا تھا۔ ثمر اور دوسرے لڑکے منصور کو اسی طرح دھکیلتے اور کھینچتے گھر سے باہر لے گئے تھے۔ علی نے بیرونی دروازے کو اندر سے بند کیا اور پھر سراسیمہ کھڑی فاطمہ کے پاس آئی۔

"ان لوگوں کو اندر لے جاتی ہیں، یہاں سب دیکھ رہے ہیں۔" اس کا اشارہ چھتوں پر موجود لوگوں کی طرف تھا۔ علی نے فاطمہ کا کندھا تھپکا۔ یوں جیسے اسے تسلی یا دلاسا دینے کی کوشش کر رہی ہو پھر آگے بڑھ کر صبغہ کے پاس چلی آئی۔

"آپی کو اندر لے آؤ صبغہ! میں پانی لاتی ہوں۔" اس نے صبغہ کی پشت کو تھپکتے ہوئے کہا۔

"وہ لوگ پاپا کو کہاں لے کر گئے ہیں؟" صبغہ نے روتے ہوئے علی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں، شاید پولیس اسٹیشن۔" علی نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ جب تک پانی لے کر کمرے میں آئی، فاطمہ حمیزہ اور صبغہ کو اندر لے جا کر بٹھا چکی تھی۔ وہ لوگ اب اس طرح زار و قطار نہیں رو رہی تھیں مگر اب حمیزہ رو رہی تھی۔

بیرونی دروازے پر دستک کی آوازیں آنے لگیں۔ فاطمہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ علی پانی کا گلاس حمیزہ کو پکڑا کر خود صبغہ کے پاس بیٹھ گئی۔ ہر ایک اس قدر سراسیمہ تھا کہ کسی کو بھی بات شروع کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"تم لوگوں نے ہماری جان بچائی، میں اس کے لیے تم..." علی نے صبغہ کی بات کاٹ دی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم ٹھیک وقت پر تم لوگوں کے گھر آ گئے۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ یہاں اتنا زیادہ جھگڑا ہو رہا ہے۔"

بات کرتے کرتے علی کی نظر ٹیبل پر رکھے ایک فریم پر پڑی۔ وہ بات مکمل نہیں کر سکی۔ اسے لگا، وہ تصویر میں نظر آنے والے تعجب لگاتے ہوئے اس چہرے سے واقف تھی۔

"باہر محلے کی عورتیں تھیں، میں نے ان کو ابھی اندر آنے سے منع کر دیا ہے۔"

تب ہی فاطمہ اندر آ گئی تھی۔ علی ابھی بھی اسی تصویر کو گھور رہی تھی۔ وہ چہرہ پہچان چکی تھی۔

☆☆☆

شائستہ نے ڈرائنگ روم میں بیٹھی اس عورت کو دیکھا جسے وہ چند لمحوں میں پہچان گئی تھی۔ وہ عورت ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بڑے اطمینان سے بیٹھی تھی۔ یوں جیسے وہ اپنے گھر میں بیٹھی ہو۔

مگر شائستہ کو اسے دیکھ کر کچھ زیادہ خوشگوار احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ کچھ نہیں سمجھ سکی کہ وہ اس سے ملنے کیوں آئی تھی۔ اس نے ذکر کو اپنا نام نہیں بتایا تھا صرف یہ کہا تھا کہ وہ شائستہ سے کسی بہت ضروری معاملے کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہے۔ اگر وہ اپنا نام اسے بتا بھی دیتی تو شائستہ کے لیے صرف نام سے اسے پہچاننا مشکل ہوتا مگر اب جب وہ اسے دیکھ رہی تھی تو اس کے لیے اسے شناخت کرنا مشکل نہیں تھا۔ اس کے باوجود کہ اسے موسیقی میں دلچسپی نہیں تھی اور اس کے باوجود کہ وہ شوز کے متعلق سے بہت دور تھی اور اس کے باوجود کہ اس گلوکارہ کو دنیا کسی اور نام سے جانتی تھی۔

صوفے پر بیٹھی عورت اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھیں۔" شائستہ نے کہا۔ اس نے اپنے لہجے میں کسی قسم کی کوئی گرم جوشی یا مروت لانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

شائستہ نے بہت گہری نظروں سے سامنے بیٹھی ہوئی عورت کو دیکھا۔ یہی کام سامنے بیٹھی عورت کر رہی تھی۔

شائستہ کو اس کی نظریں چبھیں۔ وہ اس کے بارے میں وہ سب کچھ جانتی تھی کہ اگر منہ کھولتی تو سامنے بیٹھی ہوئی عورت وہاں سے بھاگ جاتی اور سامنے بیٹھی ہوئی عورت اس کے بارے میں جو کچھ جانتی تھی وہ شائستہ کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لینے کے لیے کافی تھا۔

"میرا نام۔" اس عورت نے بالآخر مسکراتے ہوئے اپنی خاموشی توڑی۔

"میں جانتی ہوں۔" شائستہ نے کسی مسکراہٹ کے بغیر خشک لہجے میں اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"آپ بیٹھ جائیں۔"

اس عورت نے شائستہ سے یوں کہا جیسے وہ میزبان تھی اور شائستہ وہاں مہمان بن کر آئی تھی۔ شائستہ کو اس کا انداز برا لگا اور اس کا اگلا جملہ اس کے انداز سے بھی زیادہ۔

"یہ ساری باتیں بیٹھ کر کرنے والی باتیں ہیں، یوں کھڑے کھڑے کیا کہوں گی۔" اس عورت نے یوں کہا تھا جیسے وہ اپنے کسی ماتحت سے بات کر رہی ہو۔

شائستہ نے بیٹھنے کے بجائے بڑے جتانے والے انداز میں گھڑی دیکھی۔ "مجھے اس وقت کہیں جانا ہے۔ موسیقی میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور..."

اس عورت نے بڑے اطمینان سے شائستہ کی بات کاٹی۔

"حیرت ہے، آپ کو دلچسپی نہیں ہے۔ آپ کے شوہر کو تو کسی زمانے میں بہت ہوا کرتی تھی مگر ان کو موسیقی کے جس "حصے" سے دلچسپی تھی، اس کا تعلق راگ سے نہیں تھا۔"

شائستہ نے آنکھیں سکیڑ کر اس عورت کو دیکھا۔ وہ کون سی پہیلیاں بجھوا رہی تھی۔

"آپ کو ہارون کمال نے بلوایا ہے؟" شائستہ نے بالآخر پوچھا۔

"نہیں۔ ہارون نے بلوایا ہوتا تو آپ کی جگہ یہاں ہارون ہوتا۔ آپ سے مل رہی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ ہی سے ملنا چاہتی ہوں۔" اس عورت کا اطمینان قابل دید تھا۔

"مجھے کچھ جلدی ہے۔ آپ اگر مجھے یہ بتا دیں کہ آپ یہاں کس لیے آئی ہیں تو بہتر ہوگا۔" شائستہ نے کہا۔

"زندگی میں جلدی کبھی نہیں کرنا چاہیے۔ جلد بازی بہت بری عادت ہے۔ میں نے بھی ایک بار کی تھی۔ اب تک نتیجہ بھگت رہی ہوں۔ آپ بیٹھ جائیں، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میرے منہ کھولتے ہی آپ کی ہر مصروفیت ختم ہو جائے گی۔"

اس عورت نے سامنے میز پر رکھا پانی کا گلاس یوں اٹھایا جیسے وہ پانی پینے کے لیے ہی وہاں آئی تھی۔ شائستہ نے بے اختیار دانت کچکچائے۔ وہ اب اس کے لیے ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہا وہ اس سے کہے کہ وہ بھی اس کے بارے میں جو جانتی ہے اگر اس کا انکشاف کرے تو اس کے ہاتھوں کے بھی طوطے اڑ جائیں۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ کو اگر کوئی ایسی بات کرنا ہے تو کسی اور دن تشریف لائیں اور براہ مہربانی اپنا مکمل تعارف لے

کرا گئیں۔" وہ واپس مڑتے ہوئے بولی۔ اس عورت نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میرا ایک نام وہ ہے جو آپ جانتی ہیں اور جسے بتانے سے آپ نے مجھے روک دیا۔ میرا ایک نام اور بھی ہے اور یہ نام آپ کے شوہر جانتے ہیں۔"

شائستہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ یہ دوسری بار تھا کہ وہ ہارون کا ذکر کر رہی تھی۔ کیوں؟

"آپ ہارون کو جانتی ہیں؟" شائستہ نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔

"اتنی اچھی طرح کہ کوئی دوسرا نہیں جانتا ہوگا۔ آپ بھی نہیں۔" اس عورت نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ شائستہ کا چہرہ اور زرد ہو گیا۔

"ہارون بہت سی عورتوں کو جانتے ہیں۔" شائستہ نے بڑے جتانے والے انداز میں کہا۔

"اور یہ 'جاننا' ان عورتوں کو بہت مہنگا پڑتا ہے۔" شائستہ چند لمحوں کے لیے اس جملے پر کچھ نہیں بول سکی۔

وہ اس عورت سے ایسا جملہ توقع نہیں کر رہی تھی۔

"آپ جیسی عورتوں کو بھی مہنگا پڑتا ہے؟" چند لمحوں کے بعد اس نے بے حد چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس بار وہ عورت چند لمحوں کے لیے بول نہیں سکی۔

"میرے جیسی عورتیں..." وہ بڑبڑائی پھر کھلکھلا کر ہنسی۔ "میں کیسی عورت ہوں؟" اس نے بڑے استہزائیہ انداز میں شائستہ سے پوچھا۔

"آپ میرا وقت ضائع کر رہی ہیں۔" شائستہ نے ہر لحاظ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"مگر میں ایسا نہیں سمجھتی۔" وہ عورت اب دیوار پر لگی ہارون کمال اور اس کی فیملی کی تصویر کو دیکھتے ہوئے بولی جس میں نایاب اور اسد بھی نظر آ رہے تھے۔

"یہ بچے ہوں گے آپ کے؟" اس نے کہتے ہوئے شائستہ کو دیکھا۔ اس کا انداز عجیب تھا۔ شائستہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ اب اس سے مزید کیا کہے۔ کیا یہ کہ... یہاں سے دفع ہو جاؤ... اور اس وقت یہی کہنا چاہتی تھی۔

"فیملی فوٹو ہے۔" اس عورت نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بڑی ادھوری فیملی ہے اس میں کچھ اور چہرے بھی ہونے چاہئیں۔ جیسے شہیر کا... کیا خیال ہے؟" اس نے بے حد سنجیدہ انداز میں شائستہ سے پوچھا۔ یوں جیسے رائے لے رہی ہو۔

شائستہ کے سر سے پاؤں تک کوئی چیز گزری تھی۔

تو کیا وہ اسے شہیر کے بارے میں بلیک میل کرنے کے لیے آئی تھی اور وہ شہیر کے بارے میں کیسے اور کیا جانتی تھی۔

شائستہ اسے یہ سب کچھ نہیں کہہ سکی اس عورت کے اگلے جملے نے شائستہ کے سر پر جیسے آسمان گرا دیا تھا۔

"اور اس میں دو چہرے اور بھی ہونے چاہئیں۔ ثمر اور ثانیہ۔" وہ عورت شائستہ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

وہ عورت شائستہ کو اب سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

"ثمر اور ثانیہ میری اولاد ہیں۔ میری اور ہارون کی مگر میں اپنے لیے اس تصویر میں جگہ اس لیے نہیں چاہتی کیونکہ..." اس نے تھوڑا سا توقف کیا پھر جملہ مکمل کرتے ہوئے بولی۔ "کیونکہ ہارون سے میری شادی نہیں ہوئی۔ ہارون اور دنیا بھی مجھے زرقا کے نام سے جانتے تھے۔" وہ اب شائستہ کے پسینے سے بھیگتے ہوئے چہرے کو رحم بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے اب بیٹھ کر بات کرتے ہیں کیونکہ اب نہ آپ کو جلدی ہے، نہ مجھے۔"

زرقا کو شائستہ سے بات کرتے ہوئے ہارون کے ساتھ اپنی آخری ملاقات یاد آ رہی تھی جس کے بعد اس نے ایک لمبے عرصے کے لیے دنیا کا سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ طائف نے "دھوکا" کھایا تھا وہ بھی عشق میں۔ اندازے کی غلطی ہی سہی مگر غلطی تو ہوئی تھی اس سے اور اس نے زندگی میں کبھی کسی غلطی کی اتنی بھاری قیمت نہیں چکائی تھی اور جب طائف کو کسی چیز کی قیمت ادا

کرنی چاہیے تو وہ اسے دل اور دماغ سے نہیں نکالتی۔
زرقا نے بھی نہیں نکالا تھا۔ وہ بیس سال بعد واپس آ گئی تھی۔

☆☆☆

"میں منصور انکل سے مل چکا ہوں۔" اسد تھوڑی دیر پہلے ہی ہارون کے آفس میں آیا تھا۔ اور وہاں آتے ہی بجلی کی طرح اس نے بلا تمہید بات شروع کی۔ ہارون کا جسم تن گیا تھا۔ مگر خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے بظاہر بے حد معمول کے انداز میں اسد کو دیکھا۔
"میں نے تمہیں منع کیا تھا۔" اسد نے اس کی بات پر توجہ دیے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔
"انہوں نے آپ پر الزام لگایا ہے کہ آپ اور امبر شادی کر چکے ہیں اور یہ سب کچھ آپ امبر کے کہنے پر کر رہے ہیں۔"
اسد بات ختم کر کے اب ہارون کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ یوں جیسے سچ اور جھوٹ کو پرکھنا چاہتا ہو۔
"اب تمہیں اندازہ ہوا کہ میں کیوں اس کے ساتھ پارٹنرشپ ختم کر رہا ہوں۔"
ہارون کمال نے غصے سے کہا۔ اسد کے سامنے غصہ دکھانا ضروری تھا۔ وہ اسی قسم کی بے ہودہ باتیں کرتا پھر رہا ہے جب سے میں نے اس کے ساتھ پارٹنرشپ ختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔"
"مگر سوال یہ ہے کہ وہ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ کوئی نہ کوئی تو وجہ ہو گی، ورنہ وہ خوامخواہ میں اپنی بیٹی کو آپ کے ساتھ انوالو کیوں کریں گے۔"
اسد کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ "اس کا دماغ خراب ہو گیا، ورنہ وہ واقعی ایسی باتیں نہ کرتا۔ مگر میں اس ساری صورت حال میں کیا کر سکتا ہوں۔ سوائے اس کی بکواس کے جواب میں خاموشی کے۔ مگر ساری دنیا جانتی ہے کہ میں ایک اچھی زندگی گزار رہا ہوں، شائستہ کے ساتھ..... میں کیوں اپنے سے آدھی عمر کی لڑکی کے ساتھ اس طرح کا کوئی سلسلہ شروع کروں گا۔"
ہارون بے پناہ کوشش کے باوجود اپنے لہجے کو اشتعال زدہ ہو جانے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔
"آپ جانتے ہیں نا کہ میں امبر کو بے حد پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اسد نے بے حد جتانے والے انداز میں اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ہارون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔
"اور میں انہیں ساری چیزوں کی وجہ سے تمہیں اس شادی سے روک رہا تھا۔"
"کن چیزوں کی وجہ سے؟" اسد نے بے حد عجیب لہجے میں باپ سے پوچھا۔
"کیا میں ایک بار پھر تمہیں ہر چیز کی تفصیل بتانے بیٹھوں؟" اس بار ہارون واقعی جھلا گیا۔
"نہیں، مجھے تفصیل مت بتائیں۔ مجھے صرف یہ یقین دلا دیں کہ آپ امبر کے ساتھ بھی انوالو نہیں رہے۔"
"مائنڈ یور لینگویج، تم باپ سے بات کر رہے ہو۔ مجھے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش مت کرو، کسی ایسی لڑکی کے لیے جسے تم ٹھیک سے جانتے بھی نہیں۔"
"ہاں۔ میں اسے ٹھیک سے نہیں جانتا۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "مگر میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"
"اس ذہنی فتور سے تم اپنے آپ کو دور ہی رکھو تو بہتر ہے۔"
ہارون کمال نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا۔ انٹرکام بجا۔ ہارون نے ریسیور اٹھا کر سیکرٹری کی بات سنی، وہ اسے کسی اے ایس پی کی آمد کی اطلاع دے رہی تھی جو اس سے ملنا چاہتا تھا۔ ہارون کو حیرانی ہوئی۔
"کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں وہ؟" اس نے اسد کو دیکھتے ہوئے سیکرٹری سے پوچھا۔
"یہ نہیں سر، وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ وہ آپ کو ہی بتائیں گے۔"
"ٹھیک ہے اندر بھیجو۔" ہارون نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ اس کے ماتھے پر چند بل آ گئے تھے۔
"اب اے ایس پی آیا ہے جو کسی سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے اور مجھے یقین ہے، وہ بھی امبر کے بارے میں ہی کچھ

سے بات کرنے آیا ہے۔ منصور اور اس کی فیملی واقعی پاگل ہو گئی ہے کہ مجھے اس سارے معاملے میں انوالو کر رہے ہیں۔"

اسد نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا مگر وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ یہ پولیس امبر کے بارے میں آپ سے بات کرنے آئی ہے؟" اسد نے بے یقینی سے کہا۔

"اب یہ ان کے اندر آنے پر ہی پتا چلے گا۔"

ہارون کمال نے قدرے تشویش کے عالم میں کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا، دروازہ کھول کر ایک اے ایس پی اندر داخل ہوا۔ ہارون اور اسد نے کھڑے ہو کر اس سے مصافحہ کیا اور اپنا تعارف کروایا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"آپ کیا لیں گے، چائے یا کافی؟" ہارون نے اس کے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"کچھ نہیں، میں صرف ایک قتل کے کیس میں کچھ تحقیق کرنے آیا ہوں۔" اے ایس پی نے ایک لفافہ کھولتے ہوئے کہا۔ اسد نے ہارون کے چہرے کو فق ہوتے دیکھا، وہ سمجھ نہیں سکا کہ وہ اس جملے پر اس طرح کیوں پریشان ہوا ہے۔

اے ایس پی نے چند تصویریں نکال کر ہارون کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیں۔ اسد نے ایک تصویر اٹھائی اور پھر اس کے منہ سے نکلا "امبر۔"

اے ایس پی نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔ کم از کم اب اس لاش کی شناخت مشکل نہیں رہی تھی۔

ہارون کمال کو اپنا پورا وجود پسینے میں بھیگتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ ایک نظر اسد کو دیکھتا پھر اے ایس پی کو۔ اے ایس پی بھی یہی کر رہا تھا۔ وہ بھی باری باری اسد اور ہارون کو دیکھ رہا تھا۔ صرف اسد تھا جو اس تصویر پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ یوں جیسے پہچانتے ہوئے بھی اسے پہچان نہ پا رہا ہو۔ یوں جیسے جانتے ہوئے بھی اسے نہ جانتا ہو۔

اس نے پہلی بار امبر کو اس کے گھر پر دیکھا تھا۔ وہ ہارون اور شائستہ کے ساتھ منصور علی کے گھر ایک فیملی ڈنر اٹینڈ کرنے گیا تھا اور امبر کو اس نے لاؤنج کی سیڑھیوں سے اترتے دیکھا تھا۔ وہ بلاشبہ پہلی نظر کی محبت کا شکار ہوا تھا۔

یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھی مگر یہ ضرور تھا کہ اس نے اس رنگ کو اس دن کے بعد جب جہاں بھی دیکھا، امبر کے لباس کا رنگ کہہ کر ہی اس کی شناخت کی تھی۔ اس نے اس عمر کی کسی لڑکی میں اس طرح کی خوبصورتی نہیں دیکھی تھی، جتنی اس کو امبر میں نظر آئی تھی۔ وہ کسی ملکہ کی طرح تمکنت اور بے نیازی سے سیڑھیاں اتر کر آئی تھی۔ یوں جیسے کوئی ملکہ اپنے دربار میں آتی ہے اور اسد کا دل چاہا تھا، وہ ایک درباری کی طرح اس کے استقبال کے لیے اٹھ کر کھڑا ہو جائے۔

وہ صرف پانچ منٹ وہاں ٹھہری تھی۔ ہارون کی فیملی کے ساتھ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ کسی دوست کے گھر چلی گئی تھی۔ مگر وہ پانچ منٹ اسد کی زندگی کے یادگار ترین پانچ منٹ تھے۔ وہ اس کی زندگی کا پہلا Crush نہیں تھا مگر سب سے شدید ترین ضرور تھا اور اسے یاد تھا کہ وہاں سے واپسی کے دوران گاڑی میں شائستہ نے بات کرتے ہوئے امبر کے اس کزن کا ذکر کیا تھا جس سے اس کا نکاح ہو چکا تھا اور اسد کو لگا جیسے گاڑی کی چھت کسی دھماکے کے ساتھ اڑ گئی ہو۔ کبھی ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ ایک گھنٹے میں کسی کو عشق ہوا ہو اور پھر...

اگلا پورا ہفتہ اس نے اتنے سگریٹ پیے، جتنے وہ پی سکتا تھا اور پھر وہ کچھ مایوسی اور رنجیدگی کے عالم میں اپنی چھٹیاں ختم کرنے سے پہلے ہی واپس باہر چلا گیا مگر امبر اس کے ذہن سے کبھی نہیں نکلی اور اس کی طلاق کی سب سے زیادہ خوشی اسے ہی ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا وہ بڑی آسانی کے ساتھ اب اسے پا سکتا تھا مگر ہارون اور شائستہ نے اس کو جذباتی طور پر اس طرح بلیک میل کیا تھا کہ وہ اس سے ملے بغیر ایک بار پھر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے واپس چلا گیا۔

اور اب وہ تیسری بار اس کا ذکر سن رہا تھا اور وہ ایک لاش کی صورت میں اس تصویر میں اس کے سامنے موجود تھی۔ وہاں اس خوبصورتی کی رمق بھی نہیں تھی، جو امبر کی شناخت تھی، جو امبر کو امبر کہلواتی تھی مگر وہ پھر بھی امبر تھی، وہ چہرہ جس نے اسے بھی زندگی میں سب سے زیادہ مسحور کیا تھا۔ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔

"تو آپ اسے پہچانتے ہیں؟"

اے ایس پی نے اس بار ہارون کے بجائے اسد سے پوچھا۔

اسد نے کانپتے ہاتھوں سے وہ تصویر ٹیبل پر رکھ دی۔ ہو سکتا ہے یہ اس کا وہم ہو۔ یہ امبر نہ ہو، اس سے ملتی جلتی کوئی اور لڑکی۔۔۔ اس نے اپنے آپ کو بہلانے کی کوشش کی۔ اے ایس پی نے ایک بار پھر اس کے خیالات کا تسلسل توڑا اور اپنا سوال دہرایا۔

"انہیں پہچانتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے یہ امبر ہے۔" اسد نے بمشکل کہا۔

"امبر۔۔۔؟" اے ایس پی نے سوالیہ نظروں سے باری باری ہارون اور اسد کی طرف دیکھا۔ اسد نے اس بار ہارون کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"امبر پاپا کے بزنس پارٹنر منصور علی کی بیٹی تھی۔" اسد نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان کے ساتھ کہا۔

"آئی سی۔" اے ایس پی نے بڑی دلچسپی کے ساتھ کہا۔ "اس کا مطلب ہے، ہم آپ کے ادارے ان کی فیملی کو بھی انفارم کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کا بیٹا اس لڑکی کو پہچانتا ہے تو ہارون صاحب! اچھا آپ بھی اسے پہچان چکے ہوں گے؟" اے ایس پی نے اس بار ہارون کو مخاطب کیا۔

ہارون یک ٹک اے ایس پی کو دیکھتا رہا جو اب ان تصویروں کو ہارون کے سامنے ٹیبل پر پھیلا رہا تھا۔ ہارون نے ایک لمحہ ان تصویروں پر نظر ڈالی پھر دوبارہ اے ایس پی کو دیکھنے لگا۔

"پہچانتے ہیں نا اسے؟" اے ایس پی نے دوبارہ کہا۔ ہارون کا ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ اسے حیرت تھی۔ وہ لاش اتنے دنوں کے بعد بھی قابل شناخت کیسے رہ گئی تھی اور اس سے زیادہ ناقابل یقین بات یہ تھی کہ وہ اے ایس پی اس کی تصویریں لے کر اس پورے شہر میں صرف ہارون کمال کے پاس ہی کیوں آیا تھا۔ ہارون نے سوچنے کی کوشش کی۔ اس کا سراغ کیسے نکالا گیا تھا۔ اس سے کیا غلطی ہوئی تھی۔ بھانڈا کہاں پھوٹا تھا، کیسے پھوٹا تھا۔

"ہاں یہ امبر ہے۔" اس نے بالآخر اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ میرے پرانے بزنس پارٹنر کی بیٹی ہے۔ اس کے ساتھ اب ہمارے کاروباری تعلقات ختم ہو چکے ہیں۔"

اس نے اپنی آواز کو حتی الامکان ہموار رکھتے ہوئے کہا۔

"جان سکتا ہوں آپ یہ تصویریں کیوں لائے ہیں؟"

"جی بالکل جان سکتے ہیں۔" اے ایس پی نے سامنے پڑی تصویروں کو باہم سمیٹتے ہوئے کہا۔ "پولیس آپ کی اس مرڈر میں انوالومنٹ کی تفتیش کر رہی ہے۔"

ہارون کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسد نے بے یقینی سے ہارون کو دیکھا۔

"پاپا کی انوالومنٹ۔۔۔ آپ ہوش میں تو ہیں؟" اس نے اے ایس پی سے کہا۔

"بالکل ہوش میں ہوں۔" اے ایس پی نے اسد کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ ہارون کمال کی طرف متوجہ تھا جو پلکیں جھپکائے بغیر اے ایس پی کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ لاش جس بیگ میں ڈال کر نہر میں پھینکی گئی، وہ بیگ ایک مشہور اسٹور سے خریدا گیا تھا۔ ادائیگی ایک کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ کی گئی اور وہ کریڈٹ کارڈ ہارون کمال کا تھا۔"

ہارون کا دل چاہا وہ بے اختیار اپنا سر پیٹ لے۔۔۔ وہ واقعی الو کا پٹھا تھا یا پھر بد قسمت۔

"اس سے میری اس قتل میں انوالومنٹ کیسے ثابت ہوتی ہے؟" ہارون نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اسد اب ہکا بکا ہارون کو دیکھ رہا تھا۔

"میں اپنا ہوم ورک کر کے یہاں آیا ہوں۔ آپ میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلیں۔ لاش کی شناخت نہ ہوتی تو پھر شاید

آپ کو میں اپنے ساتھ لے جاتا اور چند سوالوں کے بعد یہاں سے چلا جاتا لیکن اب جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پولیس آپ کے ایک پرانے بزنس پارٹنر کی بیٹی کی ہے تو پھر ہارون صاحب! آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔" اے ایس پی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"اس سے پہلے میں اپنے وکیل کو یہاں بلوانا پسند کروں گا۔" ہارون نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ضرور..... آپ ایک کے بجائے وکیلوں کی پوری ٹیم کو بلوا لیں، وہ آپ کا حق ہے۔" اے ایس پی نے کندھے اچکا کر کہا۔

"مجھے منصور علی کا ایڈریس اور کانٹیکٹ نمبر بھی چاہیے۔ ہمیں ان کو اس ساری صورت حال سے آگاہ کرنا ہے۔"

اے ایس پی نے اگلا جملہ اسد سے کہا کیونکہ ہارون فون پر اپنے وکیل سے بات کرنے میں مصروف تھا۔ اسد نے ایک لفظ تک نہیں نکالا۔ وہ یک ٹک ہارون کا چہرہ دیکھے جا رہا تھا جو فون پر اپنے وکیل کو ساری صورت حال بتاتے ہوئے اسے جلد از جلد وہاں پہنچنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

شائستہ پتھر کے بت کی طرح زرقا کا چہرہ دیکھ رہی تھی، اس نے چند لمحے پہلے اس کے کانوں میں جیسے پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا وہ اس سے یہ سب کہنے والی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔" شائستہ نے اس سے بمشکل کہا، مگر اسے اپنی آواز اجنبی لگی۔ اس کے سر میں دھماکے ہونے لگے۔ ثمر اور جنید کے چہرے اس کی نظروں کے سامنے آ رہے تھے۔ وہاں بلاشبہ مشابہت تھی۔

ہارون کمال کا چہرہ اسے ان دونوں کے چہروں میں نظر کیوں نہیں آیا؟ شاید اس لیے کہ اس نے کبھی ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ لیکن اب وہ زرقا کے چہرے کو دیکھ رہی تھی اس کا پورا وجود جلا رہا تھا۔ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ ثمر اور جنید کے چہروں میں زرقا کا چہرہ بھی جھلکتا تھا۔ ہارون ثمر اور جنید کے ساتھ وہاں موجود ہوتا اور زرقا کسی کو بھی اسے ان دونوں کے باپ کے طور پر متعارف کرواتی تو ہر شخص اس کی بات مان جاتا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہے۔" زرقا نے کہا۔ "جو کچھ میرے ساتھ ہوا اصولی طور پر اس کے بعد مجھے پاگل ہو جانا چاہیے تھا۔ بلکہ آپ مجھے پاگل ہی سمجھیں۔" زرقا کے لہجے کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔

شائستہ اب اس لمحے کو پچھتا رہی تھی۔ جب اس نے اس مراثن رساں سے ان دونوں بچوں کے نام جاننے میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ اور تب وہ صرف زرقا کا نام جان کر ہی آئی تھی۔ اسے یاد آیا تب اس مراثن رساں نے اصرار کیا تھا کہ اسے ان دونوں بچوں کے باپ کا نام بھی جان لینا چاہیے۔ اور وہ اب سمجھ سکتی تھی کہ وہ اصرار کس لیے تھا۔ شاید وہ ہارون کمال کے بارے میں ہی اسے معلومات پہنچانا چاہتا تھا۔

اور اب وہاں بیٹھے شائستہ کو زندگی میں پہلی بار خود پر بے تحاشا ترس آیا۔ کوئی اس سے زیادہ بے وقوف ہو سکتا تھا۔ اس سے زیادہ احمق اس سے زیادہ بے شعور..... وہ کاروباری حلقوں میں اہم ترین عورتوں میں سے ایک گنی جاتی تھی اور وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ جو پچھلے کئی سالوں سے اس کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا تھا۔ کئی عورتیں، کتنے افیئرز، کتنی دلچسپیاں، شائستہ حساب رکھتے رکھتے تھک گئی تھی۔

"مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے۔"

زرقا نے جیسے اس کا چہرہ پڑھ لیا تھا۔ شاید شائستہ کا چہرہ اب ایک کھلی کتاب بن گیا تھا جسے کوئی بھی پڑھ سکتا تھا۔ "میں جانتی ہوں، یہ سب کچھ جاننے کے بعد آپ اس وقت کس اذیت سے گزر رہی ہوں گی۔"

اس نے ایک سگریٹ سلگایا، شائستہ نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ چند لمحے پہلے اس عورت کو دھکے دے کر گھر سے نکالنا چاہتی تھی۔ وہ چند لمحے پہلے اسے جھوٹا کہہ کر اس کا منہ بند کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت اس لمحے وہ صرف خاموشی سے زرقا کا چہرہ

دیکھتی رہی۔ وہ اس وقت ہارون کمال کا دفاع کرنے کیلئے جھوٹ نہیں بول پا رہی تھی۔ وہ اس وقت ہارون کو بچانا بھی نہیں چاہتی تھی۔
اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی سگریٹ پیتی عورت اس سے آٹھ دس سال بڑی تھی اور یہ آٹھ دس سال آٹھ صدیاں بن کر اس کے چہرے پر تحریر تھے۔

زرقا وہاں میک اپ کے بغیر آئی تھی۔ اور اس کے چہرے پر جھریوں کا جال تھا اور چہرے کی ہر لکیر بتا رہی تھی کہ زندگی نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ جو کہانی چہرے کی لکیریں نہیں بتا پا رہی تھیں، وہ اس کی آنکھوں کی ویرانی اور وحشت بتا رہی تھی۔

''جب ہارون نے مجھ سے شادی سے انکار کیا تو پھر میں نے ایک سندھی وڈیرے سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی پہلے دو بیویاں تھیں اور بچے بھی۔'' زرقا بول رہی تھی۔ ''مجھ سے عمر میں پچیس سال بڑا تھا مگر میری آواز پر عاشق تھا۔ دولت اس کے پاس بھی بہت تھی۔ مگر ہارون پہ میرا دل آ گیا تھا۔ خوا مخواہ خواب دیکھنے شروع کر دیے میں نے۔'' اس نے سر جھٹکا جیسے ماضی کے بوجھ کو کندھوں سے جھٹک رہی ہو۔ شائستہ اسے یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔

''میں چاہتی تھی ہارون کی اولاد کو طوائف یا دلال بناؤں۔ پھر بھی ان کو ہارون کے پاس بھیجوں۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکی۔ وہ سندھی وڈیرا جان گیا تھا کہ میں کسی اور کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں ابارشن کرا لوں۔ جب یہ نہیں ہوا تو اس نے مجھے ایک عورت کے پاس ٹھہرا دیا تا کہ وہ پیدائش کے بعد بچوں کو ٹھکانے لگا دے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میری پہلے سے کوئی اولاد ہو جو بعد میں اس کے لیے پریشانی پیدا کرے۔ میرے ہاں جڑواں بچے ہوئے۔ جس عورت کے پاس مجھے رکھا گیا تھا اس نے بچوں کو بہت ساری افیم کھلائی اور پھر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ اس کے بعد میں اپنے شوہر کے ساتھ اس کے گوٹھ چلی گئی۔ گانا بجانا سب کچھ پیچھے ہی رہ گیا۔ شوہر سے میری کوئی اولاد نہیں ہوئی مجھے اپنے بچے یاد آتے تھے۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے مجھے ان کی بددعا لگ گئی ہے آخر اس سارے قصے میں ان کا کیا قصور تھا کہ انہیں مار دیا گیا۔ تب تک میں یہی سمجھتی تھی کہ وہ مر چکے ہیں۔ پانچ سال پہلے شوہر کی وفات کے بعد میں دوبارہ شہر آ گئی۔

''ایک بار پھر میں نے پرائیویٹ محفلوں میں گانا شروع کر دیا۔ اور پھر کسی پر ایک دن اچانک میری اس عورت سے ملاقات ہوئی جس کے گھر میرے شوہر نے مجھے رکھا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ دونوں مرے نہیں تھے۔ اس رات کوڑے کے ڈھیر سے کسی عورت نے اٹھا لیا تھا۔ اور وہ دونوں بچ گئے تھے۔

میرے لیے معجزہ تھا یہ۔ بے نام و نشان ہوتے ہوئے ایک دم جیسے نام اور نشان دونوں مل گئے تھے۔ مجھے کچھ وقت لگا، لیکن میں نے فاطمہ اور ان بچوں کو ڈھونڈ لیا۔ شمیر کے بارے میں مجھے شک ہوا تھا۔ اس کا چہرہ ہارون کمال کا چہرہ تھا۔ میں نے بھی اس آدمی سے معلومات لی تھیں جس سے آپ نے لی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ اس آدمی نے آپ کو میرے بارے میں بھی بتا دیا ہوگا اور شاید میرے اور ہارون کمال کے تعلق کے بارے میں بھی، مگر یہاں مجھ سے اندازے کی غلطی ہوئی۔

اس آدمی نے مجھے یہ بتایا تھا کہ ہارون کمال کی بیوی فاطمہ اور اس کے بچوں کے بارے میں معلومات کروا رہی ہے۔ مگر اس نے شاید آپ کو زرقا اور ہارون کمال کے تعلق کے بارے میں نہیں بتایا۔''

زرقا نے چند لمحے توقف کیا۔

''اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ ثمر اور عنبر تمہارے بچے ہیں میں نے باپ کے بارے میں نہیں پوچھا۔''
شائستہ نے مدھم آواز میں کہا۔ وہ بھی اب اپنے پرس سے ایک سگریٹ نکال کر سلگا رہی تھی۔
''تم اب چاہتی کیا ہو؟'' شائستہ نے سگریٹ کے پہلے کش کے بعد اس سے پوچھا۔ ''پیسہ؟''
''زرقا بے اختیار ہنسی۔ ''پیسہ، پیسہ، پیسہ کیا کرے گا انسان جیسے کو جب اس کے اندر باہر ویرانی ہو۔ میرے شوہر نے میرے نام کچھ جائیداد چھوڑی تھی۔ پرائیویٹ محفلوں سے میں بہت کما لیتی ہوں۔ میرا بینک بیلنس اچھا ہے۔ لیکن کیا کروں، میں اس سب کو جب میرے پاس رشتوں کے نام پر کچھ بھی نہیں اور جو تھے انہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔ نہیں شائستہ

ہارون کمال ابھی میرے لیے آپ کے پاس نہیں آئی۔ اب 50 سال کی عمر میں، میں کیا لوگوں کو بلیک میل کروں گی۔"
وہ خاموش ہو کر سگریٹ کے کش لگانے لگی۔

"پھر...؟" شائستہ نے اسے دیکھا۔ "کیا صرف مجھے یہ سب بتانے کے لیے یہاں آئی ہو؟"

"نہیں صرف اس لیے یہاں نہیں آئی۔" کچھ توقف کے بعد اس نے کہا۔ "آپ نے فاطمہ کے ساتھ بڑا ظلم کیا۔"

"فاطمہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" شائستہ کا لہجہ یک دم روکھا ہو گیا۔

"جانتی ہوں مگر میں اس عورت کی دل سے قدر کرتی ہوں۔ اس نے میرے بچوں کو کوڑے سے اٹھا کر بیٹے سے لاکر پالا ہے۔ ماں اور باپ بن کر صرف میرے نہیں آپ کے بیٹے کے لیے بھی اس نے بہت کچھ کیا ہے۔"

شائستہ کا جسم بے اختیار تن گیا۔

"تم میرے پاس فاطمہ کی وکیل بن کر آئی ہو؟"

"نہیں... وہ تو جانتی تک نہیں کہ..." زرقا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"مجھ میں آپ جیسی ہمت نہیں ہے کہ اس کے سامنے جا کر جھوٹ بولتی اور اپنے بچے واپس مانگتی۔ طوائف ضرور ہوں میں مگر احسان فراموش نہیں ہوں۔"

شائستہ کو لگا جیسے زرقا نے اس کے چہرے پر تھپڑ مار دیا ہو۔

"اولاد اس کی جس نے پال لی ہو۔"

زرقا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ایک بار پھر شائستہ کا دل چاہا کہ وہ اسے وہاں سے نکال دے۔

"میں تو ساری عمر اس کی جوتیاں سیدھی کروں تب بھی اس کا احسان نہیں اتار سکتی۔ بڑے گھرانے کی عورت اور ایک طوائف میں یہی فرق ہوتا ہے۔"

شائستہ کو لگا۔ اسے ایک اور طمانچہ پڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، زرقا نے اپنی آنکھیں دوپٹے کے پلو سے رگڑتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی بیٹی نایاب ہے نا؟" وہ ایک بار پھر دیوار پر لگی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ شائستہ کو لگا یہ سوال نہیں ہے۔

"ثمر کے ساتھ اس کی بہت دوستی ہے۔ دونوں یہ نہیں جانتے کہ یہ دونوں بہن بھائی ہیں۔ میں بھی چند ہفتے پہلے تک یہ نہیں جانتی تھی کہ نایاب آپ لوگوں کی بیٹی ہے۔ ورنہ وہ سب کچھ نہ ہوتا جو اب ہو گیا ہے۔"

زرقا کا لہجہ اس بار تھکا ہوا تھا۔ شائستہ قدرے چونک گئی۔

"ہاں میں جانتی ہوں کہ نایاب ثمر میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لیتی ہے۔ مگر اب یہ سب کچھ جاننے کے بعد میں اسے سمجھا دوں گی۔"

شائستہ نے کہا۔ زرقا کچھ دیر چپ چاپ اس کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"میں ہارون کمال کی فطرت رکھتی تو آج اس کا تماشا دیکھتی۔ دوسروں کی زندگیوں کے ساتھ کھیلنے والے کو آج قدرت نے بہت بے بس کر دیا ہے۔ مگر مجھے صرف اپنے بیٹے کی پروا ہے صرف ثمر کی۔ میں نہیں چاہتی اس کی زندگی خراب ہو۔ اس لیے آپ کو بتانے آئی ہوں کہ ہارون کمال کی بیٹی نایاب نے ہارون کمال کے بیٹے ثمر کے ساتھ کورٹ میرج کر لی ہے۔"

شائستہ کی انگلیوں سے سگریٹ اس کی گود میں گر گیا تھا۔ شیفون کی ساڑھی کو وہ کہاں سے جلا رہا تھا، شائستہ کو پروا نہیں تھی۔ اس کے گھر کو آگ لگی تھی۔ وہ اس کو بجھانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

وہ روشان منصور علی کی تصویر تھی۔ علیزے پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ یلا شبہ وہی تھا اس کی کلاس کا سب سے عجیب لڑکا۔

"یہ روشان منصور علی ہے؟" علی نے صبغہ سے پوچھا۔ وہ بے اختیار چونکی۔ علی کے منہ سے اس کا نام سن کر اسے جھٹکا لگا۔

"ہاں... یہ میرا بھائی ہے۔ مگر تم اسے کیسے جانتی ہو؟"

"بھائی؟" اس بار حیرت کا جھٹکا علی کو لگا۔

"ہاں میرا اکلوتا بھائی۔"

"یہ آئی بی اے میں میرا کلاس فیلو ہے۔" علی نے اس تصویر کو مسلسل دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کیس عجیب و غریب تھا۔ علی کے لیے۔ اب یہ راز، راز نہیں رہا تھا۔ وہ تصویر اگرچہ پرانی تھی، مگر روشان کے چہرے میں زیادہ تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"یہ پاپا کے ساتھ رہتا ہے۔" صبغہ نے رنجیدگی سے کہا۔

"مگر آپ کو اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔ اسے ان سارے حالات کا پتا ہونا چاہیے۔" علی نے کہا۔

صبغہ اس بار خاموش رہی۔ وہ علی کو وہ سب کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی جس سے وہ گزر رہی تھی۔ وہ علی کو روشان کی خود غرضی کے بارے میں بھی نہیں بتانا چاہتی تھی اور علی نے اس کی جھجک کو محسوس کر لیا تھا۔

"یہ آپ کا اکلوتا بھائی ہے صبغہ۔ آپ کو اس ساری صورت حال میں اس سے بات کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے اسے ان تمام حالات کا پتا نہیں ہوگا۔" علی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ابھی آپ کے ابو پولیس کی حراست میں ہیں۔ کچھ عرصہ میں باہر نکل آئیں گے۔ پھر اگر انہوں نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو...؟"

صبغہ کی آنکھوں میں آنسو بہ رہے تھے وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اتنی کمزور نہیں تھی جتنی وہ اس وقت ہو گئی تھی۔ علی اس کی ہم عمر تھی۔ مگر اس وقت وہ اسے بڑوں کی طرح سمجھا رہی تھی۔ اور وہ سننے پر مجبور تھی۔

"میرے پاس اس کا کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے۔" صبغہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"یہ مسئلہ نہیں ہے، میں آپ کو اس کا کانٹیکٹ نمبر لا دیتی ہوں۔"

"تمہارے پاس ہے؟" صبغہ نے چونک کر کہا۔

"نہیں ہے تو نہیں، مگر میں اپنے ایک دوسرے کلاس فیلو کو فون کر کے ابھی تھوڑی دیر میں اس کا نمبر لا سکتی ہوں۔ لے آؤں؟" وہ صبغہ سے پوچھنے لگی۔

صبغہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے شکست خوردہ انداز میں سر جھکایا۔ علی اس کا کندھا تھپکتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔

روشان کا کانٹیکٹ نمبر حاصل کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ اس نے گھر آ کر اپنے موبائل سے اپنے ایک دوست رضا کو کال کی۔ وہ اس کا کلاس فیلو تھا۔ اس کے پاس روشان کا نمبر تھا۔

پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں وہ ایک بار پھر صبغہ کے پاس تھی۔

"میں نمبر ملاتی ہوں، آپ بات کریں۔" اس نے صبغہ سے کہا۔

صبغہ کو لگا جیسے اسے ایک بار پھر سے پہاڑ پر ننگے پاؤں چڑھنا ہے۔

علی نے نمبر ملا کر فون صبغہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ کان سے موبائل لگائے دوسری طرف ہونے والی بیل کی آواز سنتی رہی۔ پھر کال ریسیو کی گئی تھی۔ وہ روشان کی ہیلو کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی۔ اس کی آواز ایک دم رندھ گئی تھی۔ یا پھر حلق میں پھنس گئی تھی۔

"ہیلو...!" روشان نے پھر کہا۔

"روشان! میں صبغہ بول رہی ہوں۔" صبغہ نے بمشکل کہا۔

دوسری طرف یک دم خاموشی چھا گئی۔ صبغہ کو لگا وہ فون بند کر دے گا۔ اس نے فون بند نہیں کیا۔ مگر وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''صبغہ...؟'' اس کی آواز میں جیسے بے یقینی تھی۔

''ہاں...'' دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی رہی۔ اس بار صبغہ نے انتظار نہیں کیا۔ ''تم کل لاہور آسکتے ہو؟''

اس کا خیال تھا دوسری طرف سے کچھ سوال ہوں گے پھر بہانے ہوں گے، پھر انکار ہوگا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔

''ہاں، میں آجاؤں گا۔'' صبغہ کو جیسے ایک جھٹکا لگا۔

''تم ایڈریس لکھواؤ۔'' صبغہ نے اٹکتے ہوئے ایڈریس لکھوایا۔

''امی کیسی ہیں؟'' روشان نے اگلا سوال کیا۔

''وہ ٹھیک ہیں۔''

''زارا اور رابعہ؟''

''وہ بھی۔''

''اور امبر؟''

''وہ بھی۔'' صبغہ نے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''اور تم؟'' وہ اب کچھ مدھم آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''میں بھی۔'' وہ فون پر رونا نہیں چاہتی تھی۔ دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بھی لفظ ڈھونڈنے کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔

''تم کیسے ہو؟'' بالآخر صبغہ نے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے کہا۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

''تم کل آجاؤ پھر بات کریں گے۔''

صبغہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اسے یاد نہیں تھا زندگی میں کبھی روشان سے بات کرنے کے لیے اسے سوچنا یا لفظ تلاش کرنے پڑے ہوں جیسا آج کرنے پڑ رہے تھے۔ اس نے عالی کی طرف فون بڑھا دیا۔

☆☆☆

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' شائستہ بلبلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''نایاب اتنا بڑا قدم مجھ سے پوچھے بغیر نہیں اٹھا سکتی۔''

''وہ یہ قدم اٹھا چکی ہے۔'' زرقہ نے اسی انداز میں جواب دیا۔ ''لیکن ابھی بات صرف میرج تک ہی ہے۔ آپ یہ ختم کروا سکتی ہیں۔ نایاب کو گھر سے اس کا رشتہ بتا دیں۔'' زرقہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ آسان نہیں ہے۔ میں کس طرح۔'' شائستہ اپنا سر پکڑے ہوئے تھی۔ ''مگر مجھے نایاب سے بات کرنا ہے۔ بلکہ ابھی کرنا چاہیے اسی وقت مگر اس سے پہلے مجھے ہارون سے بات کرنا چاہیے۔''

شائستہ کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ یہ بھول گئی تھی کہ زرقہ وہاں موجود ہے۔ زرقہ سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ایک لمحہ کا توقف کر کے شائستہ سے کچھ کہے بغیر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔

شائستہ نے اس کو روکا نہیں۔ وہ اپنے موبائل پر نایاب کا نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھی۔ نایاب کی آواز سنتے ہی اس نے کہا۔

''تم کہاں ہو؟''

''کیا ہوا ممی؟'' نایاب نے کچھ حیران ہو کر پوچھا۔

''میرے سوال کا جواب دو۔'' شائستہ نے ترشی سے کہا۔

"میں کالج میں ہوں۔"

"ثمر کے ساتھ؟" شائستہ نے بے ساختہ پوچھا۔

"ثمر کے ساتھ؟"

نایاب کی خاموشی پر شائستہ اس بار جیسے حلق کے بل چلائی۔

"نہیں۔ جی!" نایاب نے بے اختیار کہا۔ "میں اس کے ساتھ نہیں ہوں۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔؟"

"میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" "تم چند منٹوں میں فوراً گھر آؤ۔"

"کیوں کیا ہوا ہے؟"

"یہ میں تمہیں گھر پہنچنے پر بتاؤں گی۔ اس وقت میں تم سے صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ تم گھر آؤ۔ ابھی اور اسی وقت، ہارون اور میں تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

دوسری طرف خاموشی رہی پھر نایاب نے کہا۔ "کیا بات؟" اس کا انداز بے حد الجھا ہوا تھا۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ تم گھر آؤ۔ ابھی اور اسی وقت اور تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ مجھے تم سے کیا بات کرنی ہے۔" شائستہ اس بار کسی جانور کی طرح دھاڑی تھی۔ "تمہیں بیس منٹ کے اندر اندر گھر میں ہونا چاہیے۔"

دوسری طرف سے نایاب نے فون بند کر دیا۔

شائستہ نے اگلا فون ہارون کو کیا۔ ہارون کا موبائل آف تھا۔ اس نے اسد کو فون کیا۔ اسد کا موبائل بھی آف تھا۔ شائستہ نے اس بار ہارون کے آفس فون کیا۔

"ہارون صاحب ایک اہم میٹنگ میں ہیں۔ اور۔۔۔" اس کی سیکرٹری نے کہنا شروع کیا۔ شائستہ نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ "وہ چاہے جیسی بھی میٹنگ میں ہوں، ابھی اور اسی وقت ان سے کہو کہ وہ مجھ سے بات کریں۔"

شائستہ نے بے حد تحکمانہ انداز میں اس سے کہا۔ دوسری طرف چند لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد سیکرٹری نے کہا۔

"آپ ہولڈ کریں۔ میں سر سے بات کرتی ہوں۔"

چند منٹوں بعد شائستہ کو ہارون کی آواز آئی۔ وہ بے حد جھنجھلایا ہوا تھا۔ "میں تم سے بعد میں بات کروں گا اس وقت۔۔۔"

شائستہ نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ "تم اپنی بکواس بند کرو اور میری بات سنو۔ سب کچھ چھوڑ کر آدھ گھنٹے کے اندر اندر گھر پہنچو۔ کیونکہ تمہاری بیٹی کورٹ میرج کر چکی ہے اور کس کے ساتھ۔۔۔ میں تمہیں گھر آنے کے بعد بتاؤں گی۔"

"واٹ۔۔۔؟" دوسری طرف سے ہارون جیسے چلا اٹھا۔

"شٹ اپ۔۔۔" شائستہ نے تیزی سے کہا۔ اور سیل فون آف کر دیا۔ ہارون اس وقت اس کے سامنے ہوتا تو وہ یقیناً اس کا خون پی جاتی۔

☆☆☆

ثمر اور علی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی فاطمہ کے ساتھ اپنے گھر واپس آئے تھے۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کوئی باپ اپنی اولاد اور بیوی کے ساتھ یہ سب کر سکتا ہے؟" علی نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔

"وہ اس کی سابقہ بیوی ہے۔" ثمر نے لقمہ دیا۔

"پھر بھی قتل کی کوشش کرنا مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"یقین کر لو علی" ثمر نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہماری زندگی میں صرف ناقابلِ یقین چیزیں ہی ہیں حتیٰ کہ ہمارا اپنا وجود بھی ناقابلِ یقین ہے۔ کم از کم ہمیں تو یہ سب کچھ ناقابلِ یقین نہیں لگنا چاہیے۔ اگر کوئی انسان اپنی اولاد کو جیتے جی کوڑے میں پھینک سکتا ہے تو سابقہ بیوی کو مارنے کی کوشش تو بہت معمولی بات ہے۔"

ثمر کی آواز میں تلخی تھی۔

''بس کرو ثمر، ہو گئی ہے۔'' ہانی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ وہ دوبارہ ان تکلیف دہ حقیقتوں کو سننا نہیں چاہتی تھی۔

''چند گھنٹے پہلے تک میں سمجھ رہی تھی جیسے میں بھیانک خواب میں سے گزر رہی ہوں۔ بے حد بھیانک خواب سے... لیکن اب صبغہ کے گھر والوں کی حالت دیکھ کر مجھے لگ رہا ہے۔ زندگی میں ہر انسان بھیانک خواب میں سے گزر رہا ہے۔ کچھ کے لیے یہ خواب طویل ہوتا ہے۔ کچھ کے لیے مختصر مگر ایسے نہیں ہوتا کہ کوئی بھی کسی تکلیف اور اذیت کا سامنا کیے بغیر دنیا سے چلا جائے۔''

''فلاسفی مت جھاڑو ہانی۔'' ثمر نے تلخی سے اس کی بات کاٹی۔

''اس وقت میں تمہارے لیکچر ہضم نہیں کر سکتا۔''

''نہیں جھاڑتی تم یہ بتاؤ کہ منصور علی کا اب کیا ہوگا؟'' ہانی نے بات کا موضوع بدل دیا۔

''پتہ نہیں فی الحال تو وہ پولیس اسٹیشن میں ہے۔ محلے والوں نے اس پر قتل کے کی ایف آئی آر درج کروائی ہے۔ پولیس کچھ دیر میں صبغہ اور اس کی ممی کا بیان لینے بھی آئے گی۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا۔'' ثمر نے کندھے اچکا کر کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا بیرونی دروازے پر دستک ہوئی ''میں دیکھتا ہوں۔'' ثمر اٹھ کر باہر چلا آیا۔ مگر بیرونی دروازہ کھولتے ہی وہ ہکا بکا رہ گیا تھا وہاں نایاب کھڑی تھی۔

''تم یہاں؟''

''ثمر! میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔'' نایاب نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' ثمر یک دم پریشان ہو گیا۔

''مجھے لگتا ہے ممی اور پاپا کو ہماری کورٹ میرج کے بارے میں پتہ چل گیا ہے۔'' نایاب نے کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس بار ثمر بھی چونک گیا۔

''یہ تو ابھی مجھے نہیں معلوم مگر کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے اور اگر انہیں پتہ ہے تو میں چاہتی ہوں کہ تمہیں ان کے سامنے لے جاؤں۔ اگر اس بات پر بہت جھگڑا ہوا تو پھر میں گھر چھوڑ کر تمہارے ساتھ آ جاؤں گی۔'' ثمر نے پہلی بار نایاب کو اتنا سیریس دیکھا تھا۔

''اور اگر انہیں پتہ نہ چلا ہو تو؟''

''مجھے یقین ہے انہیں پتہ چل گیا ہے۔'' نایاب نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''میں ممی کی ٹون پہچان سکتی ہوں۔ کوئی بڑا مسئلہ ہوا ہے اور فی الحال تمہاری اور میری کورٹ میرج سے بڑا مسئلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''نایاب اگر تمہیں میرے ساتھ آنا پڑا تو کیا تم اس گھر میں رہ سکتی ہو....؟ کیونکہ میں فی الحال تمہیں کہیں اور نہیں رکھ سکتا۔''

''میں تمہارے ساتھ جہنم میں بھی رہ سکتی ہوں۔ یہ تو پھر گھر ہے۔ اب آ جاؤ۔'' نایاب نے بڑی عجلت کے عالم میں اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

''مجھے امی کو بتانے دو.... اور ہانی بھی کراچی سے آئی ہوئی ہے۔ تم ملو گی؟'' ثمر کو ایک دم یاد آیا۔ اس نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

''ابھی نہیں بعد میں۔ بس تم ایک منٹ میں آنٹی کو بتا کر آؤ۔'' نایاب نے اس کا بازو چھوڑتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

انتیسواں باب

"یہ قتل منصور علی نے کیا ہے۔" ہارون کمال نے پیچھے کمرے میں بم پھوڑا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اپنے وکیل سے بات کر کے فارغ ہوا تھا اور اس گفتگو کے دوران ہی برق رفتاری سے اس نے اپنے بچاؤ کا پلان تیار کر لیا تھا۔ واحد چیز جس کا اسے خوف تھا وہ اسد کا ردعمل تھا۔ مگر وہ اسد کے ردعمل کے خاطر اپنی جان داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ وکیل سے گفتگو کے دوران ہی وہ یہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ وہ بری طرح پھنس چکا ہے۔ اس کے خلاف بہت سارے ثبوت اکٹھے ہو چکے تھے اور اگر تفتیش شروع ہو جاتی تو پھندا اس کے گلے میں پوری طرح فٹ آ جاتا اس لیے اس نے امبر سے اپنے تعلقات کو ظاہر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

فون کا ریسیور نیچے رکھتے ہی اس نے اے ایس پی سے کہا۔

"یہ قتل منصور علی نے کیا ہے اور وہ مجھے اس میں ملوث کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

اسد کے ساتھ ساتھ اے ایس پی بھی اس کی بات پر چونکا۔

"آپ کا مطلب ہے، امبر کو اس کے اپنے باپ نے قتل کیا ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس لیے؟ کوئی باپ صرف اپنے بزنس پارٹنر کو پھنسانے کے لیے تو اپنی بیٹی کا قتل نہیں کر سکتا۔" اے ایس پی نے اس کی بات کو جیسے پوری طرح رد کرتے ہوئے کہا۔

"میں اور امبر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔" ہارون کمال نے کمرے میں اسد کی موجودگی کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے بڑی ڈھٹائی سے کہا "اور کچھ عرصہ تک ہم دونوں شادی کر لیتے۔ منصور کو تب تک اس ساری صورت حال کا پتہ نہیں تھا۔"

اسد پتھر کے مجسمے کی طرح ہارون کمال کو دیکھ رہا تھا۔

"امبر منصور کے ساتھ نہیں رہتی تھی۔ وہ منصور کی سابقہ بیوی کے ساتھ رہتی تھی۔ پھر ایک دن وہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے گھر چھوڑ کر میرے پاس آ گئی۔ میں نے وقتی طور پر اسے اپنے فلیٹ میں رکھا مگر اسی رات اچانک منصور بھی وہاں آ گیا۔ امبر کو وہاں میرے ساتھ دیکھ کر وہ آگ بگولا ہو گیا۔ میں کچھ پریشانی اور شرمندگی کے عالم میں وہاں سے چلا گیا۔ جب میں واپس آیا تو منصور اور امبر دونوں وہاں نہیں تھے۔ میں سمجھا کہ شاید منصور امبر کو لے گیا ہے۔ مگر اس کے اگلے دن منصور نے ہر جگہ یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس کی بیٹی میرے ساتھ شادی کر چکی ہے۔"

اس سے پہلے کہ ہارون کچھ اور کہتا، اسد ایک جھٹکے سے اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ اے ایس پی نے اسد کے بگڑے ہوئے تیوروں اور اس کے اٹھ کر جانے کے انداز کو غور سے دیکھا۔ ہارون نے ایک بار پھر بات شروع کر دی۔

"میں نے منصور کی انہی باتوں کی وجہ سے بزنس ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس نے امبر کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے اس رات واقعی ایک بیگ خریدا تھا۔ کیونکہ میں اور امبر اگلے ایک دو دنوں میں دوبئی چلے جاتے۔ امبر کو بیگ کی ضرورت تھی۔ مگر میں یہ نہیں جانتا تھا کہ منصور علی اتنا گھٹیا قدم اٹھائے گا۔"

ہارون کمال کی کہانی بالکل پرفیکٹ تھی۔ اس میں کہیں جھول نہیں تھا۔ اے ایس پی بری طرح الجھا کہانی میں ایک نیا موڑ

آگیا تھا۔ وہ ہارون کمال کو قاتل سمجھ کر وہاں آیا تھا مگر۔

"اور یہ فلیٹ کہاں ہے؟" اے ایس پی نے اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذات پر کچھ نوٹ کرتے ہوئے کہا۔ ہارون نے ایڈریس لکھوا دیا۔

"یہ آخری بار تھی جب آپ نے امبر کو دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تاریخ بتا سکتے ہیں؟" ہارون نے تاریخ بتائی۔ اے ایس پی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اس لڑکی کی موت ان ہی دنوں میں ہوئی ہے۔ میں اب منصور علی سے ملوں گا مگر اس سے پہلے اس فلیٹ کو دیکھوں گا۔ میں فی الحال آپ کو گرفتار نہیں کر رہا۔ آپ بیرون ملک جانے کی کوشش مت کیجئے گا۔ میں منصور علی سے ملنے کے بعد آپ کو بتاؤں گا کہ آپ پر شبہ برقرار ہے یا پھر ہم منصور علی کو گرفتار کر رہے ہیں۔"

اے ایس پی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ آپ کو یہ سب کچھ صاف صاف بتا دیا ہے تو آگے بھی کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ امبر کی موت کا مجھے بھی بہت افسوس ہے۔"

اس سے پہلے کہ ہارون کچھ اور کہتا، اے ایس پی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں اسی وقت اس فلیٹ پر جانا چاہتا ہوں۔"

"مگر اس وقت تو میرا وکیل یہاں پہنچنے والا ہوگا۔"

"آپ وکیل سے ملیں، مجھے کسی اور کے ساتھ وہاں بھجوا دیں یا پھر آپ مجھے صرف ایڈریس بتا دیں۔" اے ایس پی نے کہا۔

"میں آپ کو اپنے پی اے کے ساتھ وہاں بھجوا دیتا ہوں۔" ہارون نے فون اٹھا کر اپنے پی اے کو اندر بلایا اور پھر اسے ہدایات دیتے ہوئے اے ایس پی کے ساتھ رخصت کیا۔

اے ایس پی کے جاتے ہی وکیل وہاں پہنچ گیا تھا۔ اگلا ایک گھنٹہ ہارون نے وکیل کے ساتھ گزارا اور اسی میٹنگ کے دوران اس نے شائستہ کی کال اٹینڈ کی تھی۔ اور شائستہ کے منہ سے نایاب کی کورٹ میرج کا سن کر اس کے پاؤں کے نیچے سے حقیقتاً زمین نکل گئی تھی۔ وہ ابھی پہلے شاک سے باہر نہیں نکلا تھا کہ ایک اور مصیبت اس کے سر پر آن پڑی تھی۔

وکیل کے ساتھ میٹنگ ادھوری چھوڑ کر وہ گھر کی طرف روانہ ہوا۔ گھر پہنچنے تک وہ بے حد اپ سیٹ رہا تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر نایاب کی گاڑی پر پڑی تھی۔ اس کا مطلب تھا نایاب بھی اس وقت گھر پر ہی تھی۔ ہارون نے سوچنے کی کوشش کی کہ وہ آخر کس کے ساتھ کورٹ میرج جیسا بڑا قدم اٹھا سکتی ہے۔ اس کی اتنی دوستی کسی لڑکے کے ساتھ نہیں تھی سوائے ثمر کے اور بہر حال وہ اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ ان سارے حالات میں ثمر کے ساتھ اپنے ماں باپ کو بتائے بغیر کورٹ میرج کر لیتی اور پھر اچانک ہارون کو احساس ہوا کہ اگر اسے کسی کے ساتھ چھپ کر شادی کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے تو وہ ثمر ہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہی ایک شخص تھا جس کے ساتھ کبھی بھی کسی بھی حالات میں ہارون اور شائستہ شادی کے لیے تیار نہ ہوتے۔ ہارون کو غصے پر غصہ چڑھ رہا تھا اور بس چلتا تو ثمر کو مار ڈالتا۔ مگر اس وقت تو اسے اپنی بیٹی سے بات کرنا تھی۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس کے سارے اندازوں اور بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ نایاب اور ثمر ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے اور شائستہ ایک دوسرے صوفے پر بیٹھی بے حد غصے کے عالم میں ان سے کچھ کہہ رہی تھی۔

نایاب نے ہارون کو لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا اور یقیناً اس کے تاثرات سے اسے اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ اس کا باپ بے حد خراب موڈ میں ہے۔

شائستہ ہارون کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ یہی کام نایاب اور ثمر نے کیا تھا۔ ثمر یک دم ہی بے حد نروس ہو گیا تھا۔

شائستہ کو ہارون کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی۔

"اس لڑکے سے شادی کی ہے تم نے؟" ہارون نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی دھاڑتے ہوئے نایاب کو مخاطب کیا۔

ثمر کے برعکس وہ نروس نہیں تھی اگر تھی بھی تو وہ ظاہر نہیں کر رہی تھی۔

"ہاں" اس نے بڑے اعتماد سے ہارون کو جواب دیا۔ ہارون نے اس اعتماد کا جواب انگلش میں ثمر کو کچھ گالیوں سے دیا۔

"پلیز پاپا! مائنڈ یور لینگویج۔" نایاب نے بے حد ناراضی سے کہا۔ "آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ آپ میرے شوہر سے بات کر رہے ہیں۔"

"تمہارا شوہر مائی فٹ! میں اس دو ٹکے کے لڑکے کو اپنا داماد مانوں جس سے بہتر میرے ملازم ہیں جس کا نہ کوئی آگے ہے نہ پیچھے۔ یہ نہیں پتہ کس کی ناجائز اولاد ہے جسے تم پکڑ کر ہارون کمال کا داماد بنانے چلی ہو۔" ہارون کمال نے یہ کہتے ہوئے شائستہ کو نہیں دیکھا جس کی آنکھیں اس وقت ہارون کو دیکھتے ہوئے آگ برسا رہی تھیں۔ ثمر کا چہرہ ہارون کے جملوں پر سرخ ہو گیا تھا۔ اگرچہ اسے اسی قسم کے استقبال کی امید تھی۔ اس کے باوجود اسے لگا کہ اس نے یہاں آ کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔

"مجھے ثمر کے خاندان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیے صرف وہ اہم ہے۔" نایاب نے ہارون کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اس لڑکے نے تمہیں ٹریپ کیا ہے۔ تمہیں بیوقوف بنا کر ہارون کمال کی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔" ہارون نے ثمر کی طرف انگلی اٹھا کر نایاب سے کہا۔

"مجھے آپ کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں گھر داماد بننے نہیں آیا ہوں۔ میں نایاب کو یہاں سے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤں گا۔"

ثمر نے پہلی دفعہ ساری گفتگو میں مداخلت کی... اور اس کا پہلا جملہ ہی ہارون کے صبر کا پیمانہ لبریز کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ غصے میں پھنکارتے ہوئے ثمر کی طرف گیا اور اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ ثمر کچھ کرتا، ہارون نے اس کے چہرے پر تھپڑ مار دیا۔ اور پھر دوسرا تھپڑ۔ نایاب چیختی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے ہارون کو روکنے کی کوشش کی مگر ہارون غصے میں آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ ثمر کی ناک سے خون نکلنے لگا تھا۔ وہ اب اپنے چہرے کو ڈھانپ رہا تھا مگر ہارون پوری قوت سے اپنے بوٹوں کے ساتھ اس کی ٹانگوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔

شائستہ بے حس و حرکت لاؤنج میں کھڑی تھی۔ وہ یہ سب رکنا نہیں چاہتی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب کچھ کیسے بند کرے۔ نایاب ہارون اور ثمر کے بیچ میں آنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس میں ناکام ہونے پر وہ بری طرح رونے لگی۔ ثمر اپنے آپ کو بچانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اسے ہارون کمال کا لحاظ نہ ہوتا تو شاید وہ بھی جواباً ہارون کمال پر اب تک ہاتھ اٹھا چکا ہوتا۔

شہیر نے یہ سارا منظر لاؤنج کی ریلنگ کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھا تھا۔ وہ چند لمحے پہلے ہی نیچے ہونے والا شور سن کر اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا اور باہر نکلتے ہی نیچے لاؤنج میں ثمر کو ہارون کے ہاتھوں پٹتے دیکھ کر وہ ایک لمحہ کے لیے شاکڈ رہ گیا تھا۔ اس نے پہلی نظر میں ثمر کو پہچانا نہیں مگر اگلے ہی لمحے وہ پاگلوں کی طرح بھاگتے ہوئے دیوانہ وار سیڑھیاں اترتے نیچے پہنچا اور پوری قوت سے ہارون کو پیچھے دھکیلتے ہوئے ثمر کے سامنے آ گیا۔ ہارون نے سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

"سامنے سے ہٹو۔" اس نے بلند آواز میں چیختے ہوئے شہیر سے کہا۔

"میں نہیں ہٹوں گا۔ آپ میرے بھائی کو اس طرح نہیں مار سکتے۔"

"شہیر! تم یہاں سے جاؤ، یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" شائستہ نے ہارون کی بات کو نظر انداز کر... کے چند قدم آگے آتے ہوئے شہیر سے کہا۔

"تم میں یہاں سے نہیں جاؤں گی۔ آپ لوگوں کی ہمت کیسے ہوئی کہ آپ لوگ ثمر کو اس طرح ماریں۔"
شمیر اب اشتعال میں تھا۔

"ثمر کو جرأت کیسے ہوئی کہ یہ نایاب کے ساتھ شادی کرے" شائستہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

شمیر کو جھٹکا لگا "نایاب سے شادی؟" اس نے پلٹ کر ثمر کو دیکھا۔

"I can explain" ثمر نے مدھم آواز میں اپنی ناک سے نکلتا خون صاف کرتے ہوئے کہا۔ شمیر کا دل چاہا تھا، ایک ہاتھ خود بھی اسے جڑ دے۔ وہ واقعی الو کا پٹھا تھا۔

"اس سے کہو، یہ ابھی اور اسی وقت نایاب کو تحریری طور پر طلاق دے۔" شائستہ نے کہا۔ "اور دوبارہ کبھی نایاب سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔"

"میں کبھی مر کے بھی ثمر سے طلاق نہیں لوں گی۔ سن لیا آپ لوگوں نے۔" نایاب بے اختیار ہو کر چلائی۔

"شٹ اپ۔" ہارون نے اس سے کہا۔ "تم اپنے کمرے میں جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں وہیں رہنا وہاں سے باہر مت آنا۔" ہارون نے نایاب کو دھکیلا۔

"میں آپ کے گھر میں رہنا نہیں چاہتی۔ میں ثمر کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔" نایاب نے بلند آواز میں ہارون سے کہا۔

"ثمر! تم نایاب کو تحریری طور پر طلاق دے دو۔" شمیر نے تحکمانہ انداز میں ثمر سے کہا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتا I love her مجھے اس سے محبت ہے۔" ثمر نے دو ٹوک انداز میں شمیر سے کہا۔

"آپ کون ہوتے ہیں ثمر سے یہ کہنے والے کہ وہ مجھے چھوڑ دے۔" نایاب اس بار شمیر سے الجھی۔

"ہم دونوں نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے بالکل اسی طرح جس طرح آپ اپنی مرضی سے اپنا گھر چھوڑ کر ہمارے گھر رہنے کے لیے آ گئے ہیں۔" شمیر کا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا۔

"تم اپنا منہ بند کرو۔" شائستہ نے تیزی سے کہا۔

"اگر آپ کے بیٹے کے لیے کورٹ میرج ٹھیک تھی تو میرے لیے کیوں نہیں۔؟" وہ اب شائستہ سے مخاطب تھی۔

"تمہاری اس بات کا جواب میں بعد میں دوں گا۔ فی الحال تم فوری طور پر نایاب کو طلاق دو۔"

ہارون ایک بار پھر ثمر کی طرف بڑھا۔ شمیر نے اس کا راستہ روک لیا۔

"آپ اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔"

"تم اور تمہارا بھائی دونوں ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ تم لوگ کس طرح کا گیم کھیل رہے ہو۔ تم نے میرا بیٹا ہونے کا ڈھونگ رچایا اور اس گھر میں آ گئے اور یہ تمہارا بھائی، یہ میرا داماد بن کر میرے ٹکڑوں پر پلنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ باقی رہ گئی تمہاری بہن وہ کل کو میرے بیٹے کو پھانسنے کی کوشش کرے گی پھر رہ جائے گی تمہاری ماں اسے تم میری بیوی بنانے کی کوشش کرنا۔"

ہارون کمال نے آخری دو جملے بول کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی۔ سارا لحاظ منٹوں میں ختم ہو گیا۔ ثمر بجلی کی رفتار سے شمیر کے پیچھے سے نکلا اور اس نے پوری قوت سے ہارون کے پیٹ میں ٹانگ ماری تھی۔ شمیر نے اسے روکا نہیں۔ وہ خود ہارون کا گریبان پکڑے اس کے منہ پر گھونسے مار رہا تھا۔ نایاب اور شائستہ یک دم ساکت ہو کر ہارون کو ان دونوں کے ہاتھوں پٹتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور دونوں میں سے کسی کو بھی ایک لمحہ کے لیے ہارون سے ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی تھی ہارون بری طرح گالیاں بک رہا تھا اور وہ اس وقت صرف یہی کر پا رہا تھا۔

چند منٹ میں اسے ادھ موا اور لہولہان کر کے شمیر برق رفتاری سے اوپر اپنے کمرے میں گیا۔ اس نے چند منٹوں میں اپنا مختصر سامان سمیٹا اور وہ اسی تیز رفتاری سے نیچے آ گیا۔

"آپ دوبارہ ہمارے گھر آنے کی زحمت نہ کریں۔ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں اگر ہوں بھی تو بھی میں آپ کے گھر آپ

کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔ میں چڑیا گھر میں نہیں رہ سکتا۔"
شہیر کہتے ہوئے ثمر کا بازو پکڑ کر وہاں سے جانے لگا۔
نایاب بیٹھے ہوئے ان کے پیچھے گئی۔ اس بار ثمر نے پلٹ کر نایاب سے کہا۔
"تم ابھی یہیں رہو نایاب! لیکن یہ یقین رکھو کہ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا کم از کم کسی کے کہنے پر نہیں۔"
نایاب یک دم رک گئی تھی۔ شہیر نے تیز نظروں سے اسے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ دونوں لاؤنج کے دروازے سے باہر نکل گئے تھے۔
شائستہ وہیں کھڑی فرش پر اوندھے منہ پڑے ہارون کو دیکھتی رہی۔ وہ اسے اسی طرح وہاں بیٹھا چاہتی تھی۔ وہ آدمی فرش پر پڑا اس وقت اسے کیچوا لگ رہا تھا۔ وہ اب فرش سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے موبائل سے ایک نمبر ڈائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"میں ان باسٹرڈز کو بتاؤں گا میں نے ساری عمر انہیں جیل میں بند نہ رکھا تو۔" شائستہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا۔ نایاب وہاں سے چلی گئی تھی۔
"کس کو جیل میں بند رکھو گے اپنے بیٹے کو۔"
"وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔" ہارون اس کی بات کاٹ کر چلایا۔
"شہیر نہ سہی ثمر تو ہے۔" شائستہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ہارون نے چونک کر اسے دیکھا۔
"کیا مطلب؟"
"تمہاری بیٹی نے تمہارے اپنے بیٹے کے ساتھ کورٹ میرج کی ہے۔ ثمر بہرحال تمہاری جائز اولاد ہے۔"
شائستہ نے بیٹے کا انتقام اس شکل سے لیا جو ہارون دیا کرتا تھا۔ ہارون اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

"یہ سب تمہارا قصور ہے۔ تمہیں کس نے کہا تھا نایاب کے ساتھ کورٹ میرج کرنے کو؟" شہیر ہارون کے گھر سے باہر نکلتے ہی ثمر پر بری طرح برس پڑا۔
"یہ سب آپ کا قصور ہے۔ آپ سے کس نے کہا تھا کہ آپ گھر چھوڑ کر ان کے پاس آ جائیں۔" ثمر نے سڑک پر چلتے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
"میں اپنے والدین کے پاس آیا تھا۔" شہیر نے جتانے والے انداز میں کہا۔
"اب تو آپ نے اپنے والدین کو دیکھ لیا نا؟" ثمر نے بھی اسی انداز میں کہا۔
"مگر اس سے یہ حقیقت تو نہیں بدلتی کہ میرے والدین بہرحال وہی ہیں۔"
"ہو سکتا ہے یہی حقیقت ہو مگر میں اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں کہ آپ..."
شہیر نے اس کی بات کاٹ دی۔
"اب اس بحث کی گنجائش نہیں کہ وہ میرے والدین ہیں یا نہیں۔ میں ان کا گھر چھوڑ آیا ہوں۔"
"آپ کو ان کے گھر جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔"
"تو پھر وہاں رہتا جہاں مجھے اغوا کر کے رکھا گیا تھا۔" شہیر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے شہیر بھائی! نایاب کی ممی نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔ امی نے آپ کو اغوا نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آپ کو ایک یتیم خانے سے ایڈاپٹ کیا تھا۔"
"میں خود اس یتیم خانے سے ہو کر آیا ہوں وہاں میرا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔" شہیر نے بے حد برہمی سے کہا۔

"مگر میں نے امی کے پاس وہ تمام پیپرز دیکھے ہیں۔ جس میں ان کی ایک دوست نے آپ کو ایڈاپٹ کیا ہے اور مجھے نایاب نے خود بتایا ہے کہ آپ کو اغوا نہیں کیا گیا تھا۔ کچھ وجوہات کی وجہ سے ان کے والدین کو آپ کو اس یتیم خانے میں داخل کروانا پڑا۔ اس نے مجھے وجوہات نہیں بتائیں۔ میں نے جاننے پر زیادہ اصرار بھی نہیں کیا لیکن بہر حال وہ بتا چکی ہے کہ ..."

شہیر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "نایاب جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔"

"یہ بات آپ نایاب سے پوچھ لیجئے گا۔ میں نایاب سے آپ کی بات کروا دوں گا۔" ثمر نے کہا۔

شہیر کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "نایاب اور اسد مجھے پسند نہیں کرتے' وہ بھی بھی ..."

اس بار ثمر نے شہیر کی بات کاٹ دی۔ "بات پسند ناپسند کی نہیں ہے۔ مجھے اسد کا پتا نہیں مگر نایاب کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں' وہ آپ کو ناپسند نہیں کرتی۔ اسے آپ سے اور امی سے ہمدردی ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اس کی ممی نے ہمارا گھر توڑ دیا ہے۔ جہاں تک اس یتیم خانے میں آپ کا ریکارڈ نہ ہونے کا تعلق ہے تو ریکارڈ غائب بھی تو کیا جا سکتا ہے۔"

شہیر نے اس بار کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر اس نے قدرے مدھم آواز میں کہا۔

"مگر امی نے ایک بار بھی مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے مجھے جانے دیا۔" اس کی آواز میں خفگی کے ساتھ شکوہ بھی تھا۔

"یہ آپ امی سے جا کر پوچھیں۔" ثمر نے کہا۔

"اور تم... تم کو نایاب سے کورٹ میرج کی کیا سوجھی؟" شہیر کو ایک بار پھر جیسے یاد آیا۔

"بنیادی وجہ تو شاید یہی تھی کہ میں کسی نہ کسی طرح آپ سے رابطہ رکھنا چاہتا تھا مگر میں نایاب کو بہت پسند کرتا ہوں۔ آپ کہہ لیں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے۔" شہیر نے اسے بری طرح جھڑکا۔ "میں نے تمہیں پہلے ہی اس سے میل جول سے روکا تھا۔ مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا۔ ہماری اور ان کی کلاس میں بہت فرق ہے ثمر! میں نہیں چاہتا کہ ہارون کمال تمہیں کوئی نقصان پہنچائے۔"

"مگر میں اب نایاب کو نہیں چھوڑ سکتا۔" ثمر نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "خاص طور پر اب اس طرح بچے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔"

"اور تم وہ سب کچھ سننا پسند کرو گے جو اس نے آج امی اور علی کے بارے میں کہا؟"

"میں دوبارہ اس آدمی کی شکل بھی نہیں دیکھوں گا۔" ثمر نے اس بار کچھ غراتے ہوئے کہا۔ "یہ میری حماقت تھی کہ میں نایاب کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔"

"امی کو تمہاری شادی کا پتہ ہے؟" شہیر نے اچانک پوچھا۔

"ہاں۔" ثمر نے کندھے اچکا کر کہا۔

"اور انہوں نے تم سے کچھ نہیں کہا؟" شہیر بے یقینی سے بولا۔

"نہیں۔" ثمر نے جھوٹ بولا۔ "اب آپ کوئی اور بات کریں۔"

اس نے شہیر کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی موضوع بدل دیا۔

شہیر کچھ دیر اسے ناراضی سے دیکھتا رہا مگر پھر کچھ نہ بولا۔ ان تمام حالات کے باوجود پچھلے تمام دنوں میں پہلی بار ثمر کے ساتھ سڑک پر چلتے ہوئے وہ سکون محسوس کر رہا تھا۔ یوں جیسے وہ اپنی بیماری کی طرف جا رہا تھا۔

"زرقا نے جھوٹ بولا ہے۔ میرے اس سے تعلقات ضرور تھے مگر ان جیسی عورتوں کے بہت سے مردوں کے ساتھ

تعلقات ہوتے ہیں پھر کیا وہ ہر ایک کی اولاد میرے سر پر تھوپ دے گی۔"

ہارون کمال نے انتہائی تھکے سے تکلفے ہوئے ایک بار پھر جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔

"مجھے کوئی وضاحتیں مت دو ہارون! میں تم سے اس وقت کوئی وضاحت نہیں مانگ رہی ہوں اور تم ایک لفظ بار بھی مجھ سے کوئی سچ جھوٹ بول رہی ہے تب بھی میں تم پر اعتبار نہیں کروں گی نہ رجوع کروں گی۔ وہ عورت جھوٹ نہیں بول رہی تھی اور تمہیں اگر کوئی شبہ ہے تو میں تمہارا اور وانی کے ڈی این اے ٹیسٹ کروا دیتی ہوں۔ بولو کرواؤں؟" شائستہ نے چیخ کرنے والے انداز میں کہا۔

"شٹ اپ۔" ہارون چلا اٹھا۔

"یو شٹ اپ۔" شائستہ نے اس سے زیادہ بلند آواز میں کہا۔

"ساری عمر میں تمہارے جھوٹ سنتی اور ان پر یقین کرتی رہی ہوں۔ ساری عمر۔ لیکن اب نہیں کروں گی۔ اس لیے اب تم مجھ سے صرف سچ بولو۔"

"شائستہ! میں تم سے بہت محبت کرتا۔"

ہارون نے یک دم پینترا بدلنے کی کوشش کی۔ اسے چند گھنٹے پہلے اس اے ایس پی کے ساتھ اپنی ملاقات یاد آ گئی تھی۔ اسے شائستہ کی مدد کی بہت ضرورت تھی۔

"خبردار جو تم نے محبت کا لفظ میرے سامنے استعمال کیا۔ ساری زندگی تم مجھے یہی ایک لفظ استعمال کر کے ایکسپلائٹ کرتے رہے ہو۔ جب شائستہ کی ضرورت ہو تمہیں یاد آ جاتا ہے کہ تمہیں شائستہ سے محبت ہے۔"

شائستہ کے لہجے میں تلخی اور تنگی کے ساتھ نفرت بھی تھی۔ "تم اس وقت مجھے اپنی محبت کا یقین دلانے کے بجائے یہ سوچو کہ تم نے اپنی بیٹی کو اس مصیبت سے چھٹکارا کیسے دلانا ہے۔ جا کر اپنے باپ کو بتاؤ کہ اس نے اپنے بھائی کے ساتھ کورٹ میرج کر لی ہے اور یہ اس کے باپ کی نوازش ہے اور یہ بات اسے تم ہی بتاؤ گے میں نہیں۔

تمہیں بھی تو پتا چلے کہ اولاد کے سامنے... مجرموں کی طرح کھڑے ہونا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔"

ہارون کمال شکست خوردہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

☆☆☆

منصور علی کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اے ایس پی کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اسے کچھ دیر پہلے ہی لاک اپ سے نکال کر آفس کی اس کرسی پر لا کر بٹھایا گیا تھا۔

"میں وہاں کسی کو مارنے نہیں گیا تھا۔ انہوں نے مجھے مشتعل کیا اور امبر... وہ تو گھر پر ہی نہیں تھی پھر میں اسے کیسے مار سکتا ہوں۔"

وہ اس اے ایس پی کو صفائیاں دے رہا تھا جس نے اس سے چند لمحے پہلے کہا تھا کہ اس پر امبر کے قتل کا الزام ہے۔

"میں ابھی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں چند ہفتے پہلے کی بات کر رہا ہوں اس لاش کو پہچانتے ہو۔"

اے ایس پی نے وہی تصویریں اس کے سامنے ٹیبل پر پھیلا دیں۔ منصور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں چند لمحے اے ایس پی کو دیکھتا رہا پھر اس نے ان تصویروں پر ایک نظر ڈالی۔ وہ ایک لڑکی کی تصویر تھی۔ اس کے مختلف پوز تھے۔ چہرہ عجیب سے انداز میں پھولا ہوا تھا۔ چہرے پر چند زخم کے نشان بھی تھے۔ پتہ نہیں کیوں اسے چہرہ شناسا لگا مگر اس کا ذہن اس وقت اے ایس پی کی بات میں الجھا ہوا تھا۔ امبر کے قتل کا الزام...

"اور شاید اسی وجہ سے میں اس تصویر کو نہیں پہچان رہا۔" منصور نے سوچا "مگر امبر کے قتل کے الزام سے اس لڑکی کی تصویر کا کیا تعلق ہے۔" منصور مزید الجھ رہا تھا اور اس کا ذہن اس وقت اے ایس پی کی بات میں الجھا ہوا تھا۔ امبر کے قتل کا الزام...

پھر اس کے دل کی ایک دھڑکن مس ہوئی۔ اس نے بے اختیار ٹیبل پر پڑی ایک تصویر اٹھائی۔ اے ایس پی نے اس کے ہاتھ کو کپکپاتے ہوئے دیکھا پھر اس کا پورا وجود کپکپانے لگا تھا۔

"تصویر پہچانی آپ نے؟" اے ایس پی نے اس سے پوچھا۔

وہ صرف وہ کھنکے کی تھی جب منصور علی نے پہلی بار اپنی اس بچی اور اولاد کو گود میں لیا تھا اور وہ اسے دیکھتے ہی اس پر نثار ہو گیا تھا۔ تب بھی اس کی آنکھیں اسی طرح بند تھیں مگر اس کے چہرے پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ نہ اس کا چہرہ اس طرح پھولا ہوا تھا۔ وہ اس کی جان تھی، وہ واقعی اس کی جان تھی۔

منصور کو اب کچھ یاد تھا۔ اس کی پہلی مسکراہٹ، اس کا پہلا لفظ، اس کا پہلا قدم، گھر سے باہر اسکول میں اس کا پہلا دن...

یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ... وہ اس چہرے کو نہ پہچانتا۔ اسے دیر ضرور لگی تھی مگر اس نے اسے شناخت کر لیا تھا۔ اے ایس پی کو اس وقت اس کا چہرہ بہت کا چہرہ لگا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے چند لمحوں میں اس کا سارا خون نچڑ گیا ہو۔ وہ اس تصویر کو یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ چہرہ امبر کا چہرہ تھا۔

"یہ لاش 12 تاریخ کو شام کے وقت ایک بیگ میں تھی جسے نہر سے نکالا گیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اسے آٹھ تاریخ کو قتل کیا گیا۔ موت کی وجہ سر کے پچھلے حصے میں لگنے والی چوٹ تھی مگر اس کے جسم کی بہت سی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں جو اس بیگ میں لاش کو ٹھونسنے کی جدوجہد میں توڑی گئیں۔"

اے ایس پی اب چند کاغذات پڑھ رہا تھا۔

"ہارون کمال نے الزام لگایا ہے کہ وہ آپ کی بیٹی امبر کے ساتھ انوالو تھا اور وہ گھر چھوڑ کر اس کے ایک فلیٹ میں رہ رہی تھی مگر آپ نے وہاں پہنچ کر اسے مار ڈالا اور پھر اس نے امبر کو دوبارہ نہیں دیکھا۔ البتہ آپ اس پر الزام لگاتے رہے کہ اس نے امبر سے شادی کر لی ہے۔ پولیس نے اس کے فلیٹ کی تلاشی لی ہے۔ وہاں ایک کمرے میں آپ کی فنگر پرنٹس ہیں اور امبر کے فنگر پرنٹس بھی ملے ہیں اگرچہ ابھی تک وہاں امبر کے استعمال کی کوئی چیز نہیں ملی۔"

منصور علی چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ دو ہفتوں سے پاگلوں کی طرح اسے مار ڈالنے کے لیے ڈھونڈ رہا تھا اور وہ دو ہفتے پہلے مر چکی تھی۔

اسے ہارون کے فلیٹ پر گزاری وہ رات یاد آئی۔ اسے باتھ روم میں لٹکا ہوا وہ لباس اور پرفیوم اور کاسمیٹکس کی وہ چیزیں یاد آ گئیں۔ اسے یاد آیا اسے وہاں پھیلی ہوئی خوشبو کیوں شناسا لگی تھی۔ وہ امبر کا پرفیوم تھا۔ اس رات وہ وہاں تھی دوسرے بیڈروم میں۔ شاید زندہ... شاید مردہ... اور وہ بے خبر تھا... یا پھر شاید وہ تب تک وہاں نہیں رہی تھی۔ نہر کی تہہ میں ایک بیگ میں بند پڑی تھی۔

"آپ کو کچھ کہنا ہے؟" اے ایس پی اس سے پوچھ رہا تھا۔ اسے کون مار سکتا ہے؟ منصور جانتا تھا۔ اسے کس نے مارا تھا منصور کو علم تھا۔ اسے یاد آیا۔ وہ خود بھی چند گھنٹے پہلے یہی تو کرنے گیا تھا۔ بچتول لے کر امبر کو مارنے...

اس کے نہ ملنے پر جیمزو کو مارنے کی کوشش...

"سارے ثبوت آپ کے خلاف ہیں، اگر آپ اسی طرح خاموش بیٹھے رہیں گے تو پھر پولیس یہی سمجھے گی کہ آپ اس قتل کا اعتراف کر رہے ہیں۔" اے ایس پی نے ایک بار پھر کہا۔

منصور کو یاد آیا، اس نے اسے دھکے دے کر اپنے گھر سے نکالا تھا اور امبر نے اس سے کہا تھا۔ وہ دوبارہ کبھی اسے اپنی شکل نہیں دکھائے گی۔

منصور علی نے باقی تصویروں کو بھی اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ اے ایس پی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ منصور تاش کے پتوں کی طرح اب ان تصویروں کو پھینٹ رہا تھا۔ اے ایس پی اور ایس ایچ او نے آپس میں نظروں کا تبادلہ کیا۔ وہ اب ان تصویروں کو پھینٹ کر میز پر رکھ رہا تھا پھر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کو کترنے لگا۔

سب کچھ کہاں غلط ہوا تھا؟ غلطی کس کی تھی؟ کہاں ہوئی تھی؟

اس کا ایک گھر تھا جس میں اس کی ایک بیوی تھی۔ بھدی، بے سلیقہ مگر وفادار اور محبت کرنے والی۔

اس کے پانچ بچے تھے۔ چار بیٹیاں ایک بیٹا۔ لوگ کہتے تھے۔ اس کے بچے بہت خوبصورت تھے۔

اس کے پاس بے تحاشا دولت تھی۔ اس کا کاروبار دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں سے محبت کرتا تھا۔ ان پر جان چھڑکتا تھا۔ وہ جنت میں تھے پھر جنت میں سانپ کیسے آ گیا تھا اور سانپ کون تھا؟

رمشہ... اس کی بیٹی کی ہم عمر لڑکی جسے منصور نے بیٹی کی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا ہم عمر ہارون کمال جس نے امبر کو بیٹی کی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ منیزہ کا غصہ، جلد بازی اور حماقت جس نے منصور کو اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیا تھا یا پھر منصور علی کا اپنا نفس... جو رمشہ کی محبت میں ہر حد کو پار کر گیا تھا یا پھر خود امبر جس نے ہاتھ سے جانے والی آسائشوں کے پیچھے جانے کی کوشش کی تھی۔

منصور علی اب کرسی پر دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھ چکا تھا۔ وہ اب ایک ہاتھ سے سر کھجاتے ہوئے۔ دوسرے ہاتھ کے ناخن دانتوں سے کتر رہا تھا۔

"یہ اب ڈرامے کر رہا ہے سر جی!" ایس ایچ او نے بلند آواز سے اے ایس پی کو اطلاع دی۔ "اسے دو ہاتھ پڑیں گے تو یہ بالکل سیدھا ہو جائے گا۔ سارا پاگل پن بھول جائے گا۔" مگر اے ایس پی نے اس کی بات پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ صرف منصور علی کو دیکھ رہا تھا اور اس ساری کہانی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

منصور علی اب دوبارہ تصویریں اٹھا رہا تھا پھر وہ امبر کی ایک تصویر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"امبر کو پانی سے بہت خوف آتا تھا۔ آخر پانی میں اکیلے وہ کیسے رہی ہو گی؟" منصور علی اس کی تصویر کو دیکھ کر سوچ رہا تھا۔

اے ایس پی نے کرسی پر دونوں پاؤں رکھے اس آدمی کو اس تصویر کو بار بار چومتے دھاڑیں مار کر روتے دیکھا۔ وہ اب مسلسل بولتے ہوئے رو رہا تھا مگر اس کی باتوں کو سمجھنا اے ایس پی کے لیے مشکل تھا۔

☆☆☆

شہیر، ثمر کے ساتھ جب گھر پہنچا تو گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ زندگی میں پہلی بار شہیر کو اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

"امی آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔ انہیں تو توقع ہی نہیں ہے آپ کے اس طرح واپس آ جانے کی۔"

ثمر نے دہلیز سے اندر داخل ہوتے ہوئے شہیر سے کہا۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔

"پتہ نہیں یہ دروازہ کیوں کھلا چھوڑ دیا ہے۔ کہیں پھر ساتھ والوں کے گھر نہ چلی گئی ہوں۔"

ثمر کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔ سامنے کرسی پر برقعے میں ملبوس زرقا بیٹھی ہوئی تھی مگر اس بار اس کے چہرے پر نقاب نہیں تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ ثمر نے بے حد حیرت کے عالم میں علی اور فاطمہ کو دیکھا۔ اسے وہ بھی شناسا لگیں۔ ثمر نے چند لمحوں میں اس گوکلا کو پہچان لیا تھا اور اسے ساتھ ہی برقعے میں ملبوس وہ خواتین یاد آ گئیں جو چند بار اس کے گھر آئی تھیں۔ وہ گوکلا اس وقت برقعے میں ملبوس تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ان برقعہ پوش خواتین میں سے ایک وہ عورت ہی تھی مگر وہ اس وقت وہاں کس لیے موجود تھی اور اس کے چہرے کے تاثرات...

ثمر کو حیرت ہوئی اس کے عقب میں کھڑے شہیر کو دیکھ کر بھی فاطمہ کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔

خود شہیر بھی اس صورت حال سے کچھ گھبرا گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ آپ لوگ پریشان کیوں ہیں؟ یہ کون ہیں؟"

ثمر نے ایک ہی سانس میں سارے سوال کر ڈالے۔ وہ آگے بڑھ کر کمرے میں آ گیا تھا۔ فاطمہ نے اس کے عقب

میں کھڑے شیر کو دیکھا۔ شیر نے نظریں چرا لیں۔

"یہ تمہاری ماں ہے۔" فاطمہ نے مدھم آواز میں کہا تھا۔ ثمر کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اس کے حلق میں یک دم کوئی چیز پھنسنے لگی تھی۔ اس نے بے یقینی سے زرقا کو دیکھا پھر فاطمہ کو...

دونوں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں مگر ثمر ان دونوں میں سے صرف ایک عورت کو اچھی طرح جانتا تھا۔ دوسری اس کے لیے صرف ایک گنہگار تھی اور وہ بھی ایسی جسے بخشنے میں اسے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

زرقا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ثمر کے عقب میں کھڑا شیر بھی ساکت تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"گھبراؤ مت ثمر! میں تمہیں لینے نہیں آئی ہوں' کوئی دعویٰ کرنے بھی نہیں آئی۔ صرف ملنے آئی ہوں وہ بھی صرف اس لیے کہ کہیں تم کوئی غلطی نہ کر بیٹھو۔"

ثمر نے چبھتی ہوئی نظروں سے زرقا کو دیکھا۔ اسے اس عورت کی نصیحتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی جو خود "گناہ" کرنے کے بعد اسے "غلطی" سے بچانے کے لیے آئی تھی۔ کوڑے کے ڈھیر پر "پھینکے" جانے والے بچوں سے "ملنے" آئی تھی۔

"آپ یہاں سے چلی جائیں' میں آپ کے ساتھ بدتمیزی کرنا چاہتا ہوں نہ مجھے آپ سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں یہاں اس گھر میں اپنی ماں اور بہن بھائی کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ میری زندگی سے باہر رہیں۔" ثمر نے بے حد تلخ انداز میں کہا۔

زرقا نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا پھر نقاب سے اپنا چہرہ ڈھانپتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ثمر! تم نایاب کو ابھی اور اسی وقت طلاق دے دو۔"

فاطمہ نے زرقا کے کمرے سے نکلتے ہی ثمر سے کہا۔

ثمر نے بے حد ناراضی سے فاطمہ کی طرف دیکھا۔ "کیوں؟"

اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کیوں کا جواب اس کے سر پر آسمان گرا دے گا۔

"کیونکہ وہ تمہاری بہن ہے۔"

☆☆☆

"بات سنو اسد! تم کہاں جا رہے ہو؟"

شائستہ نے اسد کو پکارا' جو چند لمحے پہلے ہی لاؤنج میں داخل ہوا تھا اور اب سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بے حد عجیب سے تھے۔

"میں آپ کا اور آپ کے شوہر کا گھر چھوڑ رہا ہوں۔ اپنا سامان پیک کرنے جا رہا ہوں۔"

اسد نے سیڑھیوں پر رک کر بے حد ناراضی کے عالم میں شائستہ سے کہا۔ شائستہ سمجھ نہیں سکی کہ اسد کو ثمر اور ہانی کے بارے میں کیسے پتہ چلا تھا۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ اسد کو ثمر اور ہانی کے بارے میں پتہ چل گیا ہے اور وہ اسی کی وجہ سے ناراض ہو کر گھر چھوڑنے کا کہہ رہا ہے۔

"اسد! پلیز بات سنو۔ ابھی تمہارا یہاں سے جانا ٹھیک نہیں ہے۔" شائستہ نے منت بھرے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

اسد نے بے حد تنفر سے اس کی طرف دیکھا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ نایاب نے ثمر سے شادی کر لی ہے۔"

اسد یک دم چونکا۔ "کس سے شادی کر لی ہے؟"

"ثمر سے۔"

"مائی فٹ... اچھا کیا اس نے شادی کر لی۔ میری طرح اس کو بھی اس گھر سے چلے جانا چاہیے۔ یہ گھر اس قابل نہیں

ہے کہ یہاں رہا جائے۔"

شائستہ کو اچانک اندازہ ہوا کہ وہ شہزاد اور علی کو نہیں جانتا۔

"تم شہزاد اور علی کے بارے میں جانتے ہو؟" اس نے اپنے اندازے کی تصدیق چاہی۔

"مجھے کسی میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"تمہیں دلچسپی لینا چاہیے' اس وقت اس فیملی کو تمہاری ضرورت ہے۔" شائستہ نے نرمی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں اس وقت اس فیملی کو میری ضرورت ہے۔ آپ کے شوہر نے اپنے آپ کو جس مصیبت میں پھنسا لیا ہے۔ اس سے انہیں کوئی نہیں نکال سکتا۔ کم از کم میں تو نہیں۔ اور میں انہیں نکالنا چاہتا بھی نہیں۔ میری خواہش ہے کہ وہ اپنی باقی کی ساری عمر جیل میں گزاریں۔"

"تم کیا بات کر رہے ہو؟" شائستہ نے کچھ الجھ کر اسد سے کہا۔ "یہاں جیل کا کیا ذکر ہے؟"

"اپنے شوہر سے پوچھیں کہ میں کیا بات کر رہا ہوں۔ وہ آپ کو زیادہ اچھی طرح سمجھا سکیں گے۔"

"تم کہنا کیا چاہ رہے ہو۔ کھل کر کہو۔" شائستہ جھنجھلا اٹھی۔

"کیا بتاؤں آپ کو کھل کر؟ یہ کہ میرے باپ نے اس لڑکی کا مرڈر کروا دیا ہے۔ جس سے میں محبت کرتا تھا۔ جس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔"

شائستہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"یا پھر یہ بتاؤں کہ آپ کے شوہر کے امبر کے ساتھ تعلقات تھے اور وہ اس سے بہت جلد شادی کرنے والا تھا۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" شائستہ کو دن میں دوسری بار خفت سے پسینے آئے تھے۔

"تفصیلات اپنے شوہر سے پوچھیے گا۔ میں صرف آپ کو اتنا بتا سکتا ہوں کہ آپ کے شوہر نے امبر کو مار ڈالا ہے اور پولیس اب اس کیس کو Investigate کر رہی ہے۔ آپ کا شوہر اس قتل کا الزام منصور علی کے سر پر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر میرے لیے یہ بات اہمیت نہیں رکھتی۔ اسے منصور علی نے مارا یا ہارون کمال نے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میرا باپ اس لڑکی تک کو نہیں چھوڑ سکا۔ جس سے اس کا بیٹا محبت کرتا تھا۔"

شائستہ یک دم صوفے پر گر گئی۔

"آپ اور آپ کا شوہر دونوں جانور ہیں' جن کی کوئی ویلیوز نہیں ہوتیں۔ ورنہ انسان تو..." اس کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔

"مجھے تو آپ دونوں کے ساتھ کوئی رشتہ ظاہر کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ یہ تھی امبر کو مسترد کرنے کی وجہ۔" وہ زہریلے انداز میں ہنسا۔ "کیونکہ آپ اسے اپنے شوہر کا شکار بنانا چاہتی تھیں۔ ہارون کمال کو وہ بہو کے طور پر ناپسند تھی۔ بیوی کے طور پر قبول تھی۔ بلکہ بیوی بھی نہیں کچھ اور کہنا چاہیے۔"

بات کرتے ہوئے یکدم اسد کی نظر دور کوریڈور میں کھڑے ہارون کمال پر پڑی۔ جو کچھ دیر پہلے اپنے کمرے سے نکل کر آیا تھا۔ اور خاموشی سے کھڑا ساری باتیں سن رہا تھا۔ اسد سے نظریں ملیں تو فوراً بول اٹھا۔

"میں نے اس کا مرڈر نہیں کیا۔" وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔

"تم یقین کرو اسد! میں نے اس کا مرڈر نہیں کیا۔"

ہارون نے شاید زندگی میں پہلی بار گڑگڑا کر کہا تھا۔

"وہ تمہاری بیٹی کے برابر تھی۔" اسد دھاڑا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

ہارون کمال اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔ اس نے کبھی کسی کو خود پر چلاتے ہوئے نہ سنا تھا۔ اسد نے باپ کو دیکھ کر جیسے لاؤنج میں تھوکا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر چلا گیا۔

شائستہ پتھر کے بت کی طرح صوفے پر بیٹھی تھی۔ ہارون آگے بڑھ کر پنجوں کے بل اس کے بالکل قریب فرش پر بیٹھ گیا۔

"میں قسم کھاتا ہوں شائستہ! میں نے اسے قتل نہیں کیا۔" شائستہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میرے اس سے تعلقات تھے مگر امبر خود میرے پیچھے آئی تھی۔ اس نے مجھے ٹریپ کیا تھا۔ وہ میرے فلیٹ پر بھی ٹھہری ہوئی تھی۔ مگر میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ یہ کام منصور علی نے کیا ہے۔ وہ وہاں آیا تھا۔ وہ وہاں ٹھہرا ابھی تھا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ چلی گئی ہے۔ میں نے تو بہت دنوں سے اسے دیکھا تک نہیں تھا۔ اور اب پولیس کو یک دم اس کی لاش میرے فلیٹ سے ملی ہے۔"

شائستہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی شبہ نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک جھوٹے کا چہرہ نہیں تھا۔

"مگر میں نے پولیس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ پولیس کو منصور علی کے فنگر پرنٹس ملے ہیں میرے فلیٹ سے۔"

شائستہ کو یاد آیا بہت سال پہلے اس کے باپ نے ہارون کے بارے میں کیا کہا تھا۔

"یہ حرام پر پلنے والا آدمی ہے تم زندگی میں کبھی اس سے حلال کی توقع مت رکھنا۔"

اس وقت اسے اپنا باپ بے وقوف لگا تھا۔ اس کی آنکھوں پر ہارون کمال کی محبت کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ اس کی شکل و صورت، اس کی شخصیت، اس کے لباس، اس کے رکھ رکھاؤ، اس کے کیریئر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی چرب زبانی سے متاثر ہوئی تھی۔ وہ اس بری طرح اس کے عشق میں مبتلا ہوئی تھی کہ اس نے باقی ہر چیز کی طرف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چوبیس سال بعد ہارون مٹی کے ڈھیر کی طرح اس کے قدموں میں پڑا پھر اس سے اپنا ساتھ دینے کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اس بار بھی اس کی زبان پر جھوٹ تھے۔ اس بار بھی اس کے چہرے پر ماسک تھا۔ اس بار بھی وہ اسے فریب ہی دے رہا تھا۔

زندگی میں پہلی بار اسے محسوس ہوا جیسے اسے اپنے ماں باپ کی بددعا لگی تھی جو ہارون کمال جیسا آدمی اس کی زندگی میں آیا یا وہ اس کی زندگی میں آئی۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے صرف تم ہو جو یہ بات جانتی ہو کہ میں بے گناہ ہوں صرف تم ہو شائستہ جو زندگی کے اس مشکل مرحلے پر میرا ساتھ دے سکتی ہو۔ میں تمہارے علاوہ کسی اور پر اعتبار نہیں کر سکتا اور تم جانتی ہو میں بے گناہ ہوں۔ تمہارا ہارون کمال قتل نہیں کر سکتا۔"

اچانک شائستہ نے پوری قوت سے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا تھا۔ ہارون کو یقین نہیں آیا کہ وہ اس پر ہاتھ اٹھا سکتی ہے۔

"تو اس ڈائمنڈ رنگ پر وہ خون امبر کا تھا اس رات تم اس کو قتل کر کے آئے تھے۔"

ہارون سانس روکے بے حس و حرکت اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

اس ڈائمنڈ رنگ پر وہ خون امبر ہی کا تھا۔ اس رات ہارون کمال اسی کو قتل کر کے آیا تھا۔ شائستہ نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا مگر بہت دیر سے۔ امبر اپنا گھر چھوڑنے کے بعد سیدھا ہارون کے پاس آئی تھی۔ اور ہارون کے لیے یہ اس کی زندگی کا سب سے اچھا دن تھا۔ امبر بے حد اپ سیٹ تھی۔ وہ بار بار ہارون سے اپنے گھر والوں کے رویے کی شکایت کرتی رہی اور ہارون اس کے گھر والوں کو برا بھلا کہتا رہا۔

وہ سارا دن امبر کو اپنے ساتھ لیے گھومتا رہا۔ پھر شام کے وقت اس فلیٹ پر لے آیا جہاں امبر قید ہوئی تھی پھر وہ اسے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں لے گیا۔ اس وقت تک ہارون کمال امبر سے خفیہ شادی کا فیصلہ کر چکا تھا وہ اس سے پہلے امبر کو شادی کے نام پر صرف بہلاتا رہا تھا، مگر اب اسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اس کے دل میں امبر کے لیے ضرورت سے زیادہ نرم گوشہ ہے۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ شادی نہ کرنے کی صورت میں امبر اس کے پاس کبھی نہیں رہے گی۔ وہ تب تک منصور علی کی جائیداد پر بھی قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ اور وہ شادی کے بعد امبر کو اس کے اپنے گھر میں منتقل

کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ڈنر سے واپسی پر وہ دونوں بے حد خوش تھے۔ ہارون اس کے ساتھ فلیٹ پر واپس آیا اور بہت دیر تک وہاں بیٹھا اس سے باتیں کرتے ہوئے فلرٹنگ کرتا رہا اور پھر شراب کے نشے میں ہی اس نے امبر سے دست درازی کی کوشش کی امبر ناراضی کے عالم میں اٹھ کر بیڈ روم میں چلی گئی۔ ہارون اس کے پیچھے اندر آ گیا۔ دونوں کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوئی۔ ہارون نے زینی اور منصور کے تعلق کے حوالے سے کوئی سخت بات کی جس پر امبر بری طرح مشتعل ہو گئی۔ اس کے اشتعال نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ہارون کمال نے ایک بار پھر اس سے دست درازی کی کوشش کی۔ امبر نے پھل کاٹنے والا چاقو مدافعت کے لیے استعمال کیا اور اس کوشش میں ہارون کی پیشانی پر ہلکا سا زخم بھی آ گیا۔ امبر ہارون کا خون دیکھ کر بدحواس ہو گئی اور ہارون سے معذرت کرنے لگی مگر تب تک پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ ہارون غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ ان کے درمیان ایک بار پھر ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔ امبر بھرپور مزاحمت کر رہی تھی اور اس کی مزاحمت نے ایک طرف ہارون کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ غصے میں اس نے امبر کے سر کو پوری طاقت سے دیوار سے ٹکرایا اور اس نے یہ کام کتنی طاقت سے کیا تھا۔ اس کا اس وقت ہارون کو اندازہ نہیں ہوا۔ وہ پہلی دفعہ ہی دیوار سے سر ٹکرانے کے بعد بے حس و حرکت ہو گئی تھی۔ چند بار اس کا سر ٹکرانے کے بعد ہارون نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ فرش پر گر گئی۔

تب تک ہارون یہی سمجھا تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ وہ اپنے زخمی ماتھے کی بینڈیج کرنے کے لیے واش روم چلا گیا۔ دس پندرہ منٹ وہاں مصروف رہا۔ اس دوران اس کا اشتعال بھی کم ہو چکا تھا۔ وہ واپس کمرے میں آیا تو امبر اسی طرح پڑی تھی اور تب اسے پہلی بار تشویش ہوئی۔ اس نے امبر کے پاس جا کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی اور تب اس پر یہ ہولناک انکشاف ہوا تھا کہ وہ سانس نہیں لے رہی تھی۔

اس نے امبر کی لاش کو نہر میں پھینکنے کا فیصلہ کیا اور اسی لیے وہ اسی اسٹور سے بڑے سائز کا ڈفل بیگ خرید لے گیا۔ اور اس کے بعد اس بیگ میں امبر کی لاش کو ٹھونسنے کے لیے وہ جتنی بے دردی سے اس کے جسم کی ہڈیاں توڑتا رہا۔ پھر امبر کے کچھ کپڑے اس بیگ میں ٹھونسنے کے بعد اس بیگ کو سیڑھیوں سے گھسیٹتے ہوئے نیچے اپنی گاڑی تک لایا۔ اور شہر سے باہر لے جا کر اس نے اسے نہر میں پھینک دیا۔

وہ امبر کی لاش کو بیگ میں ٹھونسنے سے پہلے اس کے جسم سے وہ سارے زیورات اتار چکا تھا جس سے اس کی شناخت ممکن تھی اور ان میں ڈائمنڈ کی وہ رنگ بھی تھی جو اس نے بڑی جدوجہد سے امبر کی انگلی سے اتاری تھی۔ اور اس جدوجہد میں خون کے چند قطرے اس انگوٹھی پر لگ گئے تھے۔

وہ اگلے دن واپس جانے سے پہلے امبر کی جتنی چیزوں کو ضائع کر سکتا تھا اس نے انہیں اپنے فلیٹ سے اکٹھا کر کے ضائع کر دیا اس کا خیال تھا کہ اب وہ محفوظ ہو چکا ہے اور منصور کے اس کے فلیٹ پر اچانک پہنچ جانے پر اگرچہ وہ وقتی طور پر حواس باختہ ہو گیا تھا۔ مگر وہ اس وقت مطمئن ہو گیا جب منصور کو اس فلیٹ پر کچھ بھی نہیں ملا۔

☆☆☆

وہ رات فاطمہ اور اس کے بچوں کی زندگی کی بھیانک ترین راتوں میں سے ایک تھی۔ شہر نے سب کچھ سننے کے بعد کچھ کہے بغیر کورٹ میرج کے پیپرز کے ساتھ ایک کاغذ پر تحریری طور پر طلاق لکھ کے دی تھی۔ شبیر اسی خاموشی سے ان پیپرز کو کوریئر سروس کے حوالے کر آیا تھا۔

اور وہ چاروں ساری رات اپنی اپنی جگہ جاگتے رہے۔ لیکن انہوں نے ایک دوسرے سے ایک لفظ بھی نہیں کہا وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ بھنور میں پھنسے تھے۔ یا نکلے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس دوسرے کو تسلی دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ شاید تسلی بعض حالات میں بہت بے معنی بن کر رہ جاتی ہے۔

☆☆☆

فاطمہ فجر کی نماز کے بعد صحن میں بچھے تخت پر بیٹھ گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد شبیر باہر نکل آیا۔ دونوں کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا پھر شبیر کچھ فاصلے پر اس کے پاس تخت پر بیٹھ گیا۔

"یہ سب کچھ میری غلطی کی وجہ سے ہوا۔" فاطمہ جیسے بڑبڑانے لگی۔ "میں ساری زندگی تم لوگوں سے جھوٹ بولتی رہی۔ صرف تم لوگوں سے نہیں' اپنے آپ سے بھی۔ مجھے تم لوگوں کو یہ حقیقت بہت پہلے بتا دینا چاہیے تھی۔ مگر حقیقت بتانے کے لیے جتنی جرأت چاہیے ہوتی ہے، وہ مجھ میں نہیں تھی۔"

شبیر نے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی آنکھیں مضطرب' لیکن خشک تھیں۔

"آخر میں یہ کیسے کہہ دیتی کہ میں تم لوگوں کی ماں نہیں ہوں۔ یا پھر شاید میں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ یہ میری غلطی تھی۔

بہت خوف تھے میرے دل میں یہ خوف کہ تم لوگ مجھ سے محبت کرنا چھوڑ دو گے۔ یہ خوف کہ تم لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگو گے۔ یہ خوف کہ تم لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔

زندگی نے کبھی مجھے کچھ نہیں دیا۔ محبت' دولت' خوبصورتی' عزت ہر چیز کے معاملے میں میرا دامن خالی رہا۔ پھر تم تینوں میری زندگی میں آ گئے۔ فاطمہ کے لیے سب کچھ بدل گیا۔ پہلی بار میں نے دوسروں کے لیے جینا سیکھا۔

میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ میرے علاوہ تم تینوں کا کوئی ہے ہی نہیں اور تم تینوں کے علاوہ میرا بھی کوئی نہیں تھا۔ جو چند رشتے تھے وہ میں بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ مگر میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا۔ کہ ایک لمحہ ایسا آئے گا جب میں دوبارہ وہیں پہنچ جاؤں گی جہاں سے چلی تھی۔ میں تھوڑے سے آسمان کے لیے گھر سے نکلی تھی اور پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش کرتی رہی۔ تم لوگ آزاد ہو جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو۔ زرقا' ثمر اور علی کے ساتھ رابطہ رکھنا چاہتی ہے۔ تم پہلے ہی شائستہ کے پاس جا چکے ہو۔ تم سب کے لیے ٹھیک ہے۔ تم لوگوں کو بھی تھوڑا سا آسمان چاہیے ہوگا۔ اور تم لوگوں کے پاس پر بھی ہیں۔ تم لوگ جہاں بھی جاؤ گے میری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"میں ثمر اور علی کے بارے میں نہیں جانتا۔ مگر میں واپس آ چکا ہوں اور فی الحال مجھے کہیں نہیں جانا۔ اور اگر کہیں گیا بھی تو آپ میرے ساتھ ہوں گی۔ فی الحال مجھے جاب ڈھونڈنی ہے۔ اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیا پرانی جاب پر مجھے میری کمپنی رکھ سکتی ہے۔" شبیر نے بالآخر زبان کھولی۔

وہ بڑے عام سے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

فاطمہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"میری غلطی تھی کہ میں اس گھر سے یوں چلا گیا۔ لیکن مجھے آپ سے بہت شکایت ہے۔ آپ نے کتنی آسانی سے مجھے جانے دیا۔ مجھے روکا ہی نہیں۔"

"میں نے روکا تھا۔" فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

"اس طرح؟"

"پھر کس طرح؟"

"آپ میرے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارتیں اور کہتیں۔ خبردار یہاں سے باہر قدم نکالا تو۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"پھر کیا ہوتا؟" فاطمہ بے اختیار بولی۔

"میں کبھی نہ جاتا۔" شبیر نے کہا۔

چند لمحے وہ اور فاطمہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈالے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر فاطمہ نے اچانک ایک زوردار تھپڑ شبیر کے گال پر مارا تھا۔ شبیر نے بے یقینی سے اپنے گال پر ہاتھ رکھ لیا تھپڑ واقعی بہت زوردار تھا۔

"تیمور اور تم آئندہ کبھی یہاں سے گئے تو..." فاطمہ بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بولی۔

"اوکے۔" شیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ پھر وہ ننھے بچے کی طرح فاطمہ سے لپٹ گیا۔۔۔ وہ دونوں اب بے آواز رو رہے تھے۔

☆☆☆

"کیا ہوا دونوں کیسز کا؟" اے ایس پی تھوڑی دیر پہلے ہی ایس پی کے کمرے میں آیا تھا اور اس کے بیٹھتے ہی ایس پی نے اس سے پوچھا تھا۔

"سر! نہر میں چھلانگ لگانے والی لڑکی کا نام امبر تھا اور وہ اب ٹھیک ہے۔ میں نے اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس سے اس کے گھر کا پتہ لیا اور اس کے ماں باپ سے رابطہ کیا۔ وہ لڑکی کسی پسند کی شادی کرنا چاہتی تھی اور والدین کے نہ ماننے پر اس نے ناراضی میں گھر چھوڑ دیا اور خودکشی کی کوشش کی۔ میں نے اس کے والدین کو بھی سمجھایا ہے اور اسے بھی۔ پھر میں نے اسے والدین کے ساتھ گھر بھجوا دیا۔"

"گڈ... لیکن چند ماہ ان کے ساتھ رابطہ رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ دوبارہ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے۔" ایس پی نے ہدایت دی۔

"نہیں سر! رابطے میں رہوں گا۔ اس کے والدین کہہ رہے تھے کہ وہ اس کی پسند سے ہی اس کی شادی کریں گے۔"

"ٹھیک ہے... اور وہ لاش..." ایس پی نے بات ادھوری چھوڑی۔

"سر! اس لڑکی کا نام بھی امبر تھا۔ مگر آپ کی دی ہوئی Tips کے مطابق جب میں نے معاملے کی تحقیق کی تو بہت دھماکہ خیز صورت حال سامنے آئی ہے۔ اس لڑکی کا نام امبر منصور علی تھا اور وہ ایک کروڑ پتی بزنس مین کی بیٹی تھی۔"

ایس پی اپنی کرسی پر سیدھا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایک دم دلچسپی کے آثار ابھرے تھے۔

"اور جس ہارون کمال کے کریڈٹ کارڈ سے وہ بیگ خریدا گیا تھا وہ چیمبر آف کامرس کا صدر ہے۔ وہ اس معاملے میں انوالو ہے۔ اس نے اور اس کے بیٹے نے اس لاش کو پہچان لیا ہے مگر وہ یہ کہہ رہا ہے۔ کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ دوسری شادی کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ لڑکی اس کے لیے گھر چھوڑ آئی تھی۔ اس لیے اس کے باپ نے اسے قتل کر دیا۔"

ایس پی بے حد سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کیس جلد ہی اخبارات کی ہیڈ لائنز میں آنے والا ہے۔ اس کے کیریئر کے لیے ایک بہترین موقع تھا۔ اب وقت تھا کہ وہ اس اے ایس پی سے سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ کیونکہ اب پھل کھانے کا وقت آ گیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے مجھے اب اس کیس کو خود دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ معاملات بہت نازک ہیں اور جو دو بڑے خاندان اس میں انوالو ہیں..." ایس پی نے اپنے سامنے رکھی فائل پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

اے ایس پی یک دم بے حد مایوس نظر آیا۔ اس کا خیال تھا اپنے کیریئر کے آغاز میں ہی اتنا بڑا کیس مل جانا بڑی خوش قسمتی کی بات تھی اور اس کی اے سی آر بہت اچھی بن جاتی۔

"تم اس پہلی لڑکی کیا نام ہے اس کا؟" ایس پی نے پوچھا۔

"امبر فرید۔" اے ایس پی نے بجھے ہوئے لہجے میں بتایا۔

"ہاں! تم امبر فرید کے کیس کو دیکھو۔ یہ امبر منصور علی کا کیس میں خود دیکھتا ہوں، کیونکہ یہاں معاملہ خاصا سنگین اور نازک ہے۔ اوپر سے بہت سے پریشر آ سکیں گے۔ اچھا وہ جو دوسری وہ ٹکڑا لانے کا میں نے تمہیں کہا تھا وہ لائے تم؟" ایس پی نے منٹوں میں موضوع بدل دیا۔ اے ایس پی بری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا

☆☆☆

ہارون نے کسی چہرے پر چند منٹوں میں جھریوں کا جال بنتے نہیں دیکھا تھا۔ مگر وہ اس وقت دیکھ رہا تھا۔ شائستہ چند منٹوں میں بوڑھی ہو گئی تھی۔

"شائستہ تم..." ہارون نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ایک لفظ مت کہنا... کچھ مت کہنا۔"

اوپر والی منزل پر یک دم کسی کمرے کا دروازہ دھڑدھڑایا جانے لگا۔ پھر اسد کی آواز آئی۔ وہ چلا رہا تھا۔ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

"نایاب... نایاب... دروازہ کھولو۔"

ہارون بے اختیار چونکا پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسد اب پوری قوت سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ ہارون اور شائستہ چند لمحوں کے لیے سب کچھ بھول کر تقریباً بھاگتے ہوئے سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچے تھے۔ اسد نایاب کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ شائستہ نے گھر کے ملازموں کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

دس منٹ کے بعد نایاب کے کمرے کا لاک توڑ کر ملازموں نے دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

ہارون پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا باتھ روم میں گیا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور باتھ روم کا فرش خون آلود تھا۔ اور اسی خون کے تالاب میں نایاب اوندھے منہ گری ہوئی تھی۔

ہارون اندر نہیں جا سکا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دیوار کے ساتھ پڑی امبر کی لاش آ گئی تھی۔ شائستہ اب بے اختیار چیخیں مار رہی تھی۔ صرف اسد تھا جو باتھ روم کے اندر گیا تھا۔ اس نے نایاب کو سیدھا کر کے اس کے جسم میں زندگی کی کوئی رمق تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بلیڈ سے اپنی دونوں کلائیاں کاٹ لی تھیں۔ اسد اس کو پھر بھی ہاسپٹل لے کر جانا چاہتا تھا۔ ایک آخری امید کے طور پر... شاید کہیں کوئی زندگی ہوتی... ایک آخری کوشش...

مگر کچھ بھی بار آور ثابت نہیں ہوا۔

"انہیں ختم ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے۔"

ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں ڈاکٹر نے اسٹریچر پر پڑی نایاب کو دیکھتے ہی کہا تھا۔

اسد زندگی میں دوبارہ کبھی شائستہ اور ہارون کمال کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

روشان اگلے دن کی پہلی فلائٹ سے لاہور آیا تھا۔ مگر پہلے صبغہ کے پاس جانے کے بجائے اس نے منصور کے موبائل پر کال کی۔ کال کسی اجنبی آواز نے ریسیو کی۔

"آپ کون ہیں؟" دوسری طرف سے کرخت لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں ان کا بیٹا ہوں۔"

"سگا بیٹا؟"

"جی۔"

"تو پھر آپ پولیس اسٹیشن آ جائیے۔ ہم پہلے ہی منصور علی کی فیملی کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ ایڈریس نوٹ کریں۔" دوسری طرف سے ایڈریس بتا کر فون بند کر دیا گیا۔ روشان بے حد پریشانی کے عالم میں پولیس اسٹیشن پہنچا تھا۔

"منصور علی کو اپنی بیٹی کو قتل کرنے کے شبہ میں پولیس حراست میں لیا گیا ہے۔ ان پر اپنی سابقہ بیوی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا بھی الزام ہے۔"

ایس ایچ او نے روشان کو دیکھتے ہی بتایا۔ روشان کچھ بول نہیں سکا۔

"کون سی بیٹی؟ کیسا قاتلانہ حملہ؟" وہ بے حد حیران ہوا۔

"اس کی بیٹی امبر۔" کسی نے روشان کے دل پر گھونسہ مارا تھا۔

"امبر کا... امبر کا... قتل؟" وہ بمشکل بولا تھا۔

"ہاں۔" ایس ایچ او نے تفصیلات بتانا شروع کر دیں۔ روشان بے حس و حرکت اس کی باتیں سنتا رہا۔

"یہ لاش کی تصویریں ہیں۔" ایس ایچ او نے ایک لفافہ روشان کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔ روشان وحشت زدہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ دیکھنا نہیں چاہتے؟"

"نہیں۔" اس نے بمشکل کہا۔

"منصور علی سے ملنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں۔" روشان نے اسی انداز میں کہا۔

ایس ایچ او کچھ اور کہہ رہا تھا۔ روشان سنے بغیر باہر نکل گیا۔ وہ بہت دیر پاگلوں کی طرح سڑک پر چلتا رہا۔

"امبر کی لاش۔" اس کا ذہن ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا یا پھر شاید سمجھنا چاہتا ہی نہیں تھا۔ ہارون سے تعلقات منصور علی نے قتل کی کوشش کی۔ منصور علی پر قتل کا الزام۔ منصور علی کی خراب ذہنی کیفیت وہ ان میں سے کسی بھی بات کو نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

تو کیا اسے صبغہ نے اس لیے لاہور بلوایا تھا؟ مگر اس نے کہا تھا کہ امبر ٹھیک ہے۔ روشان یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا اسے یقین تھا اس نے صبغہ کے منہ سے یہی سنا تھا۔ اور پھر وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر اس ایڈریس پر چلا گیا جو صبغہ نے اسے دیا تھا۔

دروازہ صبغہ نے کھولا تھا وہ روشان سے بے اختیار لپٹ گئی۔

"تم نے مجھے امبر کی ڈیتھ کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔" روشان نے اسے خود سے الگ کر کے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔ صبغہ ساکت ہو گئی۔ اندر کمرے سے حیزہ زاہد اور زارا کے ساتھ باہر نکل آئیں۔

"موت کیسی موت...؟ امبر چند ہفتوں سے لاپتہ ہے۔ مگر وہ زندہ ہے۔" صبغہ نے بے اختیار کہا۔ "تمہیں کس نے غلط بتایا ہے۔"

حیزہ تب تک لپک کر روشان کے پاس آ چکی تھیں۔ روشان انہیں خود سے لپٹائے بے یقینی سے صبغہ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ تو کیا انہیں ابھی تک امبر کی موت کا پتہ نہیں تھا۔ صبغہ کو روشان کے تاثرات لرزا رہے تھے۔ اس نے امبر کی موت کی بات کیوں کی تھی۔

آگے بڑھ کر اس نے حیزہ کو روشان سے الگ کیا۔

"امبر کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے تم؟" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

حیزہ نے چونک کر روشان کو دیکھا وہ بے حس و حرکت کھڑا صبغہ کو دیکھتا رہا۔ صبغہ کانپنے لگی تھی۔ اسے لگا وہ گر جائے گی۔

"امبر گھر سے چند ہفتے پہلے چلی گئی تھی۔ وہ ہارون کمال سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ اور ہم اس پر تیار نہیں تھے۔ مگر میں تمہیں یہ سب کچھ یہاں کھڑے کھڑے کیوں بتا رہی ہوں۔" حیزہ نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "تم تھکے ہوئے آئے ہو گے۔ اندر آ کر بیٹھو۔ پہلے کچھ کھاؤ پیو پھر بات کریں گے۔"

حیزہ نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔ روشان نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔

"تمہیں امبر کے بارے میں کسی نے کچھ کہا ہے؟"

صبغہ کی آواز اب بری طرح کپکپا رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔

روشان اب بھی اسی طرح صبغہ کو دیکھ رہا تھا حیزہ نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا۔

"امبر ٹھیک ہے روشان؟" صبغہ یک دم پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے روشان کے پاس آئی تھی۔
"پلیز دیکھو... مجھے بتاؤ... وہ ٹھیک ہے نا؟" روشان کی آنکھوں میں نمی امڈنا شروع ہو گئی تھی۔
صبغہ نے دونوں ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ لیے۔ اس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو رہی تھی۔ روشان نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"She is dead" (وہ مر چکی ہے) روشان بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس نے ہمیشہ امبر کو موردِ الزام ٹھہرایا تھا کیونکہ وہی ان کی زندگی میں رسوائی لانے کا باعث بنی تھی۔ اور دنیا کی کوئی چیز اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی تھی۔ صبغہ بے یقینی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔
"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ روشان... امبر تو..."
"میں اس کی لاش کی تصویریں دیکھ کر آیا ہوں۔" روشان نے صبغہ سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "آپ نے اسے گھر سے کیوں جانے دیا؟"

وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اور یہ وہ سوال تھا جو ساری عمر کے لیے صبغہ کے گرد بھوت بن کر چکراتا رہتا۔

☆☆☆

ایس پی کی آنکھیں پریس فوٹوگرافرز کے کیمروں کی فلیش لائٹ سے چندھیا رہی تھیں۔ اس نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی اتنی بڑی ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب نہیں کیا تھا۔ اسے یہ اندازہ تھا کہ یہ کیس ایک بہت بڑا اسکینڈل بن کر سامنے آنے والا تھا۔ مگر اسے یہ توقع نہیں تھی کہ پریس اس سارے معاملے میں اتنی دلچسپی دکھائے گا۔
اے ایس پی اس کی برابر والی کرسی پر بیٹھا صرف یہ طے کر رہا تھا کہ آئندہ وہ اپنے پیچھے کام کرنے والے ماتحتوں پر زیادہ بہتر چیک رکھے گا۔ اور وہاں وقتاً فوقتاً وزٹ کرتا رہے گا۔ چاہے ایس پی اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔ وہ اس لمحے کو کوس رہا تھا جب اس دن اس نے اس تھانے کا وزٹ ملتوی کیا تھا جہاں سے یہ لاش ملی تھی۔ اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ ایس پی کے اچانک وزٹ پر آجانے کی وجہ سے اس کے ساتھ اس تھانے میں جا پہنچا۔ اور وہ لاش ایس پی کی نظروں میں آگئی۔ ورنہ وہ آج اس پریس کانفرنس سے خود خطاب کر رہا ہوتا۔ وہ پچھلے دو ہفتوں سے دن رات خود کو کوس رہا تھا اور اس کی تسلی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔
"ہارون کمال نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے اور اس کی اپنی بیوی اور بیٹے نے بھی اس کے خلاف گواہی دی ہے۔ اس کی وجہ سے پولیس کا کام کچھ آسان ہو گیا۔" ایس پی اپنے بیان کے آخری حصے کی چند سطروں کو دہرا رہا تھا۔
"اب اس کیس کے بارے میں آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے ایک بار پھر اپنے اے ایس پی رانا افتخار علی اور متعلقہ پولیس اسٹیشن کے کانسٹیبل..." ایس پی اس کانسٹیبل کا نام لے رہا تھا۔ جس نے زندگی میں پہلی بار کسی پریس کانفرنس کو اٹینڈ کیا تھا۔ اور اس کا رنگ مکمل طور پر فق تھا۔
لاش کو برآمد کرنے میں ہیڈ کانسٹیبل کا بہت ہاتھ ہے۔ اور ابتدائی تفتیش کا سارا کریڈٹ اے ایس پی رانا افتخار علی کو جاتا ہے۔"

اے ایس پی نے ایس پی کے تعریفی کلمات پر مسکراتے ہوئے دانت بھینچے۔
"ابتدائی تفتیش..." اس نے شروع سے آخر تک کیس حل کر کے ایس پی کو پلیٹ میں پیش کیا تھا۔
"سر ہارون کمال کی اپنی بیٹی نے خودکشی کیوں کی؟" سوالات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔
"مسز ہارون کمال اور ان کے بیٹے نے جو بیانات دیے۔ اس میں انھوں نے کہا کہ وہ یہ جاننے پر بہت اپ سیٹ ہوئی تھی کہ پولیس ہارون پر امبر کے قتل کا کیس چلانے والی ہے۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ ہو سکتا ہے ہارون نے اپنی بیوی اور بچوں کے سامنے اس قتل کے حوالے سے اعتراف جرم کیا ہو اور یہ بات اس کی بیٹی برداشت نہ کر سکی ہو۔ پولیس ابھی تحقیق کر رہی ہے۔ اگر مزید وجوہات سامنے آئیں تو انہیں بھی آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔" ایس پی نے کہا۔

"کیا منصور علی کو رہا کر دیا گیا ہے؟" ایک اور رپورٹر نے سوال کیا۔

"ہاں منصور علی کو رہا کر دیا گیا ہے کیونکہ اپنی بچی کے قتل کے الزام سے تو وہ بری ہو گئے تھے لیکن اپنی سابقہ بیوی اور بیٹوں پر قاتلانہ حملے کے مقدمے میں وہ گرفتار تھے۔ لیکن ان کی سابقہ بیوی اور بچوں نے اپنے الزامات واپس لے لیے ہیں اور میں نے جیسا کہ آپ کو بتایا کہ منصور علی کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے تو ہم نے انہیں ان کے بیٹے کے حوالے کر دیا ہے۔ ان کے بیٹے نے... ان کی دوسری بیوی رشنی کے ساتھ ہونے والی جائیداد کے تنازعہ کے سلسلے میں ہم سے مدد کی درخواست کی کیونکہ منصور علی کی دوسری بیوی نے اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے منصور علی کے خاندانی گھر اور فیکٹری پر قبضہ کر لیا تھا۔

پولیس نے مداخلت کر کے کورٹ کے ذریعے گھر تو سیل کر دیا ہے اور فیکٹری کے انتظامات کو وقتی طور پر دونوں فریقین کے وکیلوں کے سپرد کر دیا ہے۔ کورٹ بعد میں جو فیصلہ کرے گی اس کے مطابق فریقین کے درمیان جائیداد کی تقسیم ہو جائے گی۔"

"ہم نے سنا ہے کہ منصور علی نے اپنی دوسری بیوی کو بھی طلاق دے دی ہے؟" ایک اور رپورٹر نے پوچھا۔

"یہ معاملہ بھی متنازعہ ہے۔ منصور علی کے بیٹے اور وکیل کے مطابق ان کی دوسری بیوی رشنی نے منصور علی سے طلاق لے لی تھی۔ مگر رشنی اب اس بات پر اصرار کر رہی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا اور ان کے درمیان صرف اختلافات ہوئے تھے، طلاق نہیں ہوئی۔ منصور علی کی ذہنی حالت ابھی ایسی نہیں ہے کہ وہ اس بات کی تصدیق یا تردید کر سکیں۔ اس لیے شاید فریقین اس سلسلے میں بھی کورٹ میں جائیں۔"

ایس پی نے ایک اور رپورٹر کے اٹھے ہوئے ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب یہ آخری سوال ہے۔" ایس پی نے پریس کانفرنس ختم کرنے کا عندیہ دیتے ہوئے کہا

☆☆☆

فاطمہ نے دستک کی آواز پر دروازہ کھولا۔ شمیر علی کو کچھ دیر پہلے ہی کراچی جانے کے لیے ایئر پورٹ چھوڑنے گیا تھا۔

ثمر اندر کمرے میں سو رہا تھا۔

وہ دروازہ کھولنے پر چند لمحوں کے لیے ساکت ہوئی تھی۔ مگر چند ماہ پہلے کی طرح اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نہیں نکلی... البتہ اسے شائستہ کو دیکھتے ہی اس پر ترس آیا۔

وہ چند ماہ پہلے کی اس خوبصورت اور حسین عورت کا صرف سایہ ہی لگ رہی تھی۔ جسے اس شہر کی سب سے اسمارٹ عورت کہا جاتا تھا۔ سادہ شلوار قمیص میں میک اپ کے بغیر سفید ہوتے جاتے بالوں اور جھریوں زدہ چہرے کے ساتھ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں متورم، سرخ اور اس کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے، یوں جیسے وہ ایک طویل عرصے سے سوئی نہ ہو۔ اس پر فاطمہ ہی نہیں کسی کو بھی ترس آ سکتا تھا۔

فاطمہ نے راستہ چھوڑ دیا۔ شائستہ اندر آ گئی اور صحن کے وسط میں کھڑی ہو گئی۔

"آپ اندر آ جائیں... آ کر بیٹھیں۔" فاطمہ نے اس سے کہا۔

"نہیں... میں صرف چند منٹوں کے لیے آئی ہوں" اس کی آواز میں بھی کوئی طنطنہ نہیں تھا۔

صحن کے وسط میں ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑی ان دونوں عورتوں کو دیکھ کر کوئی بھی اندازہ کر سکتا تھا کہ زندگی کس پر "مہربان" رہی تھی اور کس پر نہیں۔

چھوٹے قد کی وہ بدصورت سیاہ رنگت والی عورت جس کے چہرے پر سکون اور اعتماد تھا۔ یا پھر شاید یہ اطمینان قلب تھا جو اس کے چہرے سے جھلکتا تھا۔ زندگی کی دوڑ کے اختتام کے قریب وہ جیتنے والوں میں تھی۔

دراز قد خوبصورت عورت کے چہرے پر کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں تک خالی تھیں۔ جو واحد شے اس کے چہرے پر نظر آتی تھی، وہ شکست تھی۔ کوئی بھی اسے دیکھ کر جان سکتا تھا کہ "شکست" کس کو کہتے ہیں

"مجھے نایاب کے بارے میں پتا چلا، بہت دکھ ہوا۔" فاطمہ نے بات کا آغاز کیا۔ وہ شائستہ کی آنکھوں کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھنا بہت مشکل تھا۔ کہ وہ اس کی اندرونی اذیت کو آشکار کر رہی تھیں۔

"مجھے امبر کی موت کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔" شائستہ نے اس کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا، نایاب کا باتھ روم میں پڑا بے حس و حرکت وجود اس کے ذہن کی اسکرین پر چند لمحوں کے لیے ابھرا۔

"ہم نے وہ کاٹا ہے جو بویا تھا۔"

فاطمہ نے اسے کہتے سنا۔ وہ چند لمحوں کے لیے بول نہیں سکی۔ اسے اندازہ نہیں تھا وہ شائستہ کے منہ سے اس طرح کا اعتراف سنے گی۔

شائستہ اب اپنا شولڈر بیگ کھول رہی تھی۔ اس نے اندر سے ایک بڑا لفافہ نکالا اور فاطمہ کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" فاطمہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"ہارون کی جائیداد تقسیم ہو گئی ہے۔ کیونکہ اسد جائیداد میں سے اپنا حصہ چاہتا تھا اس لیے جائیداد تقسیم کرنا پڑی۔ یہ شہیر، ثمر اور ثانیہ کا حصہ ہے۔ گو یہ اتنا تو نہیں بنتا جتنا ہونا چاہیے یا جتنا میں چاہتی تھی مگر پھر بھی یہ۔۔۔"

وہ بات کرتے کرتے رکی۔ یوں جیسے الفاظ ڈھونڈ رہی ہو۔

"اسٹاک مارکیٹ میں ہماری کمپنی کے شیئرز کریش کر گئے ہیں ہارون نے بینکوں سے بہت زیادہ رقم قرض لی ہوئی تھی۔ اس اسکینڈل کے بعد سب کچھ تباہ ہو گیا ہے۔ آنے والے چند ماہ میں صورت حال اور خراب ہو جائے گی۔ میں اس لیے پہلے ہی ان تینوں کو کچھ دے دینا چاہتی تھی۔"

فاطمہ نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے لفافے پر ڈالی پھر مستحکم آواز میں کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تینوں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو رہے ہیں اس کے بغیر بھی وہ بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ آپ یہ واپس لے جائیں۔"

فاطمہ نے اس کی آنکھوں میں اذیت کو بڑھتے دیکھا۔

"میں جانتی ہوں انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسی زندگی تم نے انہیں گزارنا سکھائی ہے۔ میں نہیں سکھا سکتی تھی۔ پھر بھی اسے دینے سے صرف اس احساس جرم میں کچھ کمی ہو جائے گی جسے میں ہر وقت اپنے سر پر اٹھائے ہوئے ہوں۔"

وہ رکی، فاطمہ کو محسوس ہوا وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے۔

"اگر کسی نے عذاب کو دیکھنا ہو فاطمہ! تو وہ مجھے دیکھے۔ شائستہ ہارون کمال کو۔" فاطمہ کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

"میں مجسم بدقسمتی ہوں۔ نہ میرا کوئی ماضی ہے، نہ میرا کوئی مستقبل، میں صرف حال میں کھڑی ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر تماشا اللہ نے کسی کو کیا بنایا ہوگا۔"

وہ اذیت ناک انداز میں ہنسی۔ فاطمہ کا دل موم کی طرح پگھلنے لگا۔

"شہیر کے ساتھ میں نے زیادتی کی تھی مگر ثمر اور ثانیہ کے بارے میں، میں نہیں جانتی تھی۔ کاش جان جاتی۔ بہت پہلے۔ پھر شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ میں بیرون ملک جا رہی ہوں۔ دوبارہ کب آؤں گی نہیں جانتی۔ بس تم سے ایک درخواست ہے میں... میں شہیر سے کبھی ملنے آؤں تو مجھے ملنے دینا۔ میں اس بار تمہاری اجازت سے اس سے ملوں گی۔"

اس کے لہجے میں لجاجت تھی۔ فاطمہ نے بے اختیار سر ہلا دیا۔ شائستہ کی حالت اس وقت قابل رحم تھی۔

شائستہ نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اس نے آگے بڑھ کر وہ لفافہ فاطمہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور پھر تیز رفتاری سے گھر کا بیرونی دروازہ پار کر گئی۔

فاطمہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

اس نے حیران ہو کر اپنے برابر کے فلیٹ سے نکلنے والی لڑکی کو دیکھا اور چند لمحوں کے لیے جامد ہو گیا۔ یہی حال اس لڑکی کا ہوا تھا مگر یہ سکتہ صرف چند لمحے ہی رہا تھا، وہ مسکرا دی۔

''آپ... یہاں کیسے؟''

''ہم لوگ یہاں کل شفٹ ہوئے ہیں۔ اور آپ...'' اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہم ایک ہفتہ پہلے۔ یہ فلیٹ ہمیں مسز ہارون کمال نے دیا ہے اپنے شوہر کی جائیداد میں سے۔''

صبغہ کے ہونٹوں سے ایک لمحہ کے لیے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ وہ ان لوگوں کے ہارون کمال سے رشتہ کے بارے میں جان چکی تھی۔

یہ سب اسے فاطمہ نے بتایا تھا۔ روشان انہیں لاہور آنے والے دن ہی اس گھر سے کسی دوست کے گھر لے گیا تھا۔ امبر کی آخری رسومات وہیں ادا ہوئی تھیں۔ اگلے کئی دن اس مقدمہ کے بارے میں سب کچھ اخبارات میں آتا رہا۔ فاطمہ اور شیر کو امبر کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں اخبارات سے پتا چلا تھا۔

صبغہ کئی دنوں بعد ایک دن فاطمہ کا شکریہ ادا کرنے اس کے پاس گئی تھی۔ اور تب فاطمہ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے آ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ دوبارہ کبھی ان لوگوں کا آمنا سامنا نہیں ہو گا۔

مگر ایک بار پھر وہ لوگ ہمسایوں کے طور پر سامنے آ گئے تھے۔

''آپ کیا کر رہی ہیں آج کل؟'' شیر نے ساتھ چلتے ہوئے صبغہ سے پوچھا۔

''میں نے پڑھائی دوبارہ شروع کر دی ہے۔ اب پہلے کی طرح کوئی فاضل کرائس نہیں ہے۔ پاپا کے کچھ بینک اکاؤنٹس استعمال کر رہے ہیں۔ رشتی اب آؤٹ آف کورٹ سیٹلمنٹ کی کوشش کر رہی ہے۔ چند ماہ تک پراپرٹی کا کیس بھی اسی طرح حل کر لیں گے۔ روشان چاہ رہا تھا کہ میں دوبارہ اپنی اعلیٰ تعلیم شروع کروں۔'' وہ بتا رہی تھی۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ دونوں اب سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

''آفس... آپ کے پاپا اب کیسے ہیں؟'' شیر نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''ڈاکٹر علاج کر رہے ہیں۔ کلینک میں ایڈمٹ ہیں۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں انہیں ٹھیک ہونے میں بہت وقت لگے گا۔'' شیر نے اس کی آواز میں ہلکی سی افسردگی کی جھلک دیکھی۔

''شیراب کیسا ہے؟'' صبغہ کو چلتے چلتے یاد آیا۔

''وہ ٹھیک ہے جلدی کالج جانے لگے گا۔ اب بھی بعض دفعہ اپ سیٹ ہو جاتا ہے۔ مگر نروس بریک ڈاؤن کے بعد تھوڑا بہت عرصہ تو اسی طرح ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کالج جانے لگے گا تو ٹھیک ہو جائے گا، وہ بہت بہادر ہے۔''

وہ نیچے پارکنگ لاٹ میں آ چکے تھے۔

''میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' صبغہ نے آفر کی۔

''میں آپ کو زحمت دینا نہیں چاہتا۔'' صبغہ نے کچھ حیرانی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ایک لمحہ کے لیے اسے ایک بار پھر ہارون کمال کی یاد آئی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے زخم پھر سے ہرے ہوئے تھے۔ پھر اس نے ذہن کو جھٹکا۔

''نہیں، مجھے کوئی زحمت نہیں ہو گی۔ مجھے اچھا لگے گا۔''

اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ شیر نے ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھا پھر مسکرا دیا۔

''ثانیہ ہماری کچھ ٹھیک، روشان ابھی واپس آئی بی اے نہیں گیا۔'' ساتھ چلتے ہوئے شیر کو خیال آیا۔

''وہ چند دنوں تک چلا جائے گا۔ یہاں بہت سارے معاملات سمیٹنے تھے۔ اسی لیے رکا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا ہے

وہ چلا جائے۔ یہ سب کچھ تو ہوتا رہے گا۔"

شبیر نے ساتھ چلتے ہوئے ایک بار پھر صبغہ کو دیکھا۔ "آپ کو اگر کسی معاملے میں میری مدد کی ضرورت پڑے تو پلیز تامل مت کریں۔"

"آپ کو یہ آفر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے مدد کے لیے کہاں جاتی رہی ہوں؟"

صبغہ نے بے اختیار کہا، دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

پارکنگ لاٹ دھوپ میں نہایا ہوا تھا۔

آس پاس لگے درخت اور پودے نئے پتے اور پھول نکال رہے تھے۔ بہار کی ٹھنڈی ہوا کو محسوس کیا جا سکتا تھا۔

زندگی ایک بار ختم ہونے کے بعد ایک بار پھر نئے سرے سے پھوٹ رہی تھی۔

سفر ختم ہو گیا تھا، سفر جاری تھا۔

☆☆☆

تیسواں باب

چہرے بدلتے ہیں، کہانی نہ بدلتی ہے نہ ختم ہوتی ہے۔

☆☆☆

"میرے لیے زندگی میں سب سے اہم چیز پیسہ ہے۔ یہ آپ کے پاس ہو تو سمجھو دنیا پاؤں کے نیچے ہے۔ یہ ہاتھ میں نہ ہو تو سمجھو آپ زمین پر نہیں پاتال میں رہتے ہیں۔ میرے لیے انسانی رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ بے کار کے بندھن اور پھندے کم از کم میرے جیسا پریکٹیکل آدمی افورڈ نہیں کر سکتا۔ میرے لیے ایسی چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور میری کامیابی کا راز بھی یہی ہے۔ تم نے بہت سے کامیاب لوگ دیکھے ہوں گے۔ بعض کہتے ہوں گے ان کی کامیابی کے پیچھے کسی کی دعا ہے، بعض کہتے ہیں، ان کی کامیابی ان کی محنت کا نتیجہ ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ پری پلاننگ کا کمال ہے مگر میں کچھ اور ہی کہتا ہوں۔ ہاں جاوید! میری کامیابی کا راز میری خود غرضی اور بڑی حد تک بے حسی ہوتا ہے۔"

وہ آج پھر اسے کامیابی کے آزمودہ نسخے بتا رہا تھا۔

"سعد! تم اگر یہ سب نہ بھی کہو تو بھی میں جانتا ہوں کہ پیسے کی تمہاری زندگی میں بہت اہمیت ہے اور صرف تمہاری زندگی میں کیوں، ہم سب کی زندگی میں اس کی اہمیت ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ دنیا میں پیسے کو اتنی اہمیت دینے والے کیا تم واحد آدمی ہو۔"

جاوید اس کی باتوں سے متاثر نہیں ہوا تھا۔ سعد ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"نہیں جاوید! پیسے کے معاملے میں میں جتنا شدید ہوں، اتنا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور مجھے پیسے سے جتنی محبت ہے، پیسے کو مجھ سے اس سے زیادہ محبت ہے۔"

اس کے لہجے میں واضح طور پر تفاخر تھا۔ جاوید نے آج کے سکندر اعظم کو دیکھا جو ہر وقت اپنی فتوحات کی کہانیاں رقم کرتا رہتا تھا۔ گالف کی ٹی کو زمین میں لگاتے ہوئے وہ رک گیا۔ اسے سعد آفاق پر بے اختیار رشک آیا۔ اس نے جو کہا تھا سچ کہا تھا۔ بہت سے لوگ اسی طرح مکمل ہوتے ہیں کہ ان کی اصلیت پر کبھی یقین نہیں آتا۔ سعد آفاق بھی ایسا ہی ایک بندہ تھا۔ جاوید پچھلے سات سال سے اسے جانتا تھا اور اس کے ساتھ ہونے والی ہر ملاقات اسے سعد آفاق کا مزید اسیر کرتی جا رہی تھی۔ اس میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ جو بھی ایک بار اس سے ملتا وہ دوسری بار ملنے کی خواہش ضرور رکھتا۔ وہ کوئی سچا اور کھرا آدمی نہیں تھا اور اس نے کبھی اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا تھا اور وہ 2+2 میں یقین رکھنے والا آدمی تھا پھر بھی اس کی ذات پرستی لوگوں کو اس سے متنفر نہیں کرتی تھی بلکہ مسحور کر دیتی تھی کہ ہر ایک کو سعد آفاق بننے کی چاہ ہونے لگتی تھی۔

اسے بہت عادت تھی اپنے بارے میں بات کرنے کی۔ اپنے وجود کے بارے میں، اپنی زندگی کے بارے میں، اپنی کامیابیوں کے بارے میں۔ اپنے منصوبوں کے بارے میں اور اپنی خواہشات کے بارے میں اس کا پورا وجود صرف "میں" میں گروی تھا اور حیرت کی بات ہے کہ لوگ پھر بھی اس "میں" سے بیزار ہوتے تھے نہ نفرت کرتے تھے۔

شاید سعد آفاق جس طبقے سے تعلق رکھتا تھا، وہاں صرف اپنا وجود ہی نظر آتا ہے۔ کسی دوسرے کی ذات اور حق کے بارے میں سوچنے کی روایت ہی نہیں ہے۔ اس نے بھی اپنی کلاس کے لوگوں کی طرح آنکھوں پر "بلائنڈز" لگوا لیے تھے جو اپنے علاوہ کسی دوسرے کے اندر جھانکنے ہی نہیں دیتے تھے۔

"میں بعض دفعہ یہ سوچتا ہوں سعد! کیا تم سے کبھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ آئی مین کوئی ایسا کام جسے کر کے تم پچھتاؤ یا جس کی وجہ سے تم کو نقصان اٹھانا پڑے۔ فوری طور پر تو کسی واقعے ہی کی نہیں پھر مجھے خیال آتا ہے کہ تم سے کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ تم ہر چیز بہت کیلکولیٹ کر کے کرتے ہو۔ تم کو اپنے ہر عمل کے آگے کے پیچھے کا بہت اچھی طرح پتا ہوتا ہے۔ اس لیے تم دوسروں سے آگے ہو۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا کہ تم کبھی، کہیں کوئی ٹھوکر کھاؤ گے۔"

سعد آفاق نے اس کی بات پر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"تو تم اس انتظار میں ہو کہ میں کوئی غلطی کروں اور منہ کے بل گروں۔ ہے نا۔" اس نے گیند کو ہٹ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں نے یہ کب کہا ہے۔ تم میری بات ہی نہیں سمجھے۔ میں تو یہ..." جاوید نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"میں تمہاری بات کو بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ دیکھو جاوید! یہ واقعی سچ ہے کہ میں غلطی بہت کم کرتا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں غلطی کی گنجائش بہت کم رکھی ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو میں تمہاری طرح اس پر پچھتانے نہیں بیٹھتا۔ میری ڈکشنری میں پچھتاوے کا لفظ نہیں ہے۔ میں اپنے گلے میں اس قسم کے پھندے ڈال کر نہیں چلتا۔ زندگی ہے تو غلطی بھی ہوگی اور غلطی ہو تو پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے۔ بس اس غلطی کو اپنے ماضی سے کاٹ کر پھینک دینا چاہیے۔ ذہن کے قبرستان میں کہیں دفن کر دینا چاہیے جس شخص کو یہ گر آ جاتا ہے، سمجھو اسے دنیا میں جینے کا طریقہ آ جاتا ہے پھر زندگی کی ریس میں اس سے کوئی بھی نہیں جیت سکتا۔"

وہ جاوید کے ساتھ گولف کورس پر چلتے ہوئے اسے اپنی زندگی کی فلاسفی بتا رہا تھا۔ جاوید چہرے پر مسکراہٹ کے لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے یار! ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ واقعی تم کبھی غلطی کرتے ہو؟ کیا زندگی میں کبھی تم نے غلطی کی ہے؟"

سعد نے اس کی بات پر ایک بار پھر قہقہہ لگایا۔ "میں نے تم سے کہا ہے نا کہ میں اپنی غلطیاں بھول جایا کرتا ہوں اور جس چیز کو انسان اپنی مرضی سے بھلا دے، اسے بھلا کیسے یاد آ سکتی ہے۔ اس لیے مجھے بھی اپنی کوئی غلطی یاد نہیں ہے۔ ویسے بھی میں اپنے سے زیادہ دوسروں کی غلطیوں کو یاد رکھتا ہوں۔ اس سے مجھے کوئی فائدہ ہوتا ہے۔"

اس کے لہجے میں وہی پرانا تفاخر تھا جو لوگوں کو مرعوب کر دیتا تھا۔ جاوید بھی بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

وہ واقعی بدصورت تھی۔ سیاہ رنگت، بھدے ہونٹ، ٹیڑھے میڑھے دانتوں اور چھوٹے قد نے اسے ایک عجیب سی مخلوق بنا دیا تھا اور جو کسر رہ گئی تھی، وہ بچپن میں تین چار بار دایاں بازو تڑوانے کی وجہ سے پوری ہو گئی۔ بار بار سیڑھیوں سے گرنے کی وجہ سے اس کا دایاں بازو ایک ہی جگہ سے دو بار ٹوٹ گیا تھا اور پھر ٹھیک طرح سے جڑ نہ سکا۔ ماں باپ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا پاتے اور نہ ہی انہیں اس مریل مخلوق میں کوئی دلچسپی تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا بازو ٹھیک طرح سیدھا ہو سکتا تھا نہ وہ اس سے کوئی وزنی چیز اٹھا سکتی تھی۔ ماں باپ کو شاید شروع ہی سے اس کی قسمت اور مستقبل کا اندازہ ہو گیا تھا، اس لیے انہوں نے شروع ہی سے اسے تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف ہنر سکھانے شروع کر دیے تھے تاکہ وہ کم از کم اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے اور صالحہ کے بارے میں ان کے سارے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔

سولہ سال سے اس کے لیے رشتے تلاش کیے جا رہے تھے۔ سولہ سال سے وہ مسترد کی جا رہی تھی جس عمر میں لڑکیوں کے دل و دماغ میں چاہت کے شگوفے کھلنا شروع ہوتے ہیں، اس عمر میں اس کے اندر کنکر کے کانٹوں بھرے درختوں نے سر ابھارا

شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی بزرگی، بدخلقی، بدصورتی سے واقف تھی اور وہ... وہ پوری دنیا کو اندھا کر دینا چاہتی تھی۔ ہر ماہ بڑے جتن کے بعد کہیں نہ کہیں سے ایک رشتہ اس کے لیے ڈھونڈ نکالا جاتا۔ ہر ماہ وہی اسٹیپ، وہی نمائش اور وہی آس کے ساتھ بن سنور کر ان لوگوں کے سامنے پیش ہوتی۔ اور ہر بار اسے مسترد کر دیا جاتا۔ پسندیدگی کی کوئی جھلک کسی کے چہرے پر چمکتی، نہ کسی کی آنکھوں میں لہراتی۔ ہر رجیکشن اس کے دل اور وجود کو اور بے مصرف اور زیادہ بے کار کر جاتی۔ 35 سال کی ہوتے ہوتے وہ سراپا زہر بن چکی تھی۔ کیکٹس کے پودے اب درخت بن چکے تھے کانٹوں سے بھرے ہوئے تنومند درخت، جن پر کہیں بھول کر بھی سبز رنگ کا کوئی پتا موجود ہوتا تھا نہ کوئی کونپل پھوٹتی تھی۔ صالحہ احسان لڑکی سے عورت کہلانے لگی تھی۔

پچھلے سولہ سال سے مسترد ہونے والا وجود اب رجیکشن کا پورٹریٹ بن چکا تھا۔ ذلت، بے عزتی، بے قدری اور بے حسی کا۔ بس فرق یہ تھا کہ یہ پورٹریٹ ایک زندہ انسان کا تھا جس پر سولہ سال سے لگائے جانے والے ہر رنگ کے اسٹروک خشک ہونے کے بعد سیاہ رنگ میں بدل جاتے تھے اور اب یہ پورٹریٹ وہی سیاہ رنگ دنیا میں انسان کے وجود پر لگا دیا جاتا تھا جو لوگ صالحہ احسان کو جانتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی سیاہ رنگت، ٹیڑھے دانت، چھوٹا قد اسے ناپسند کیے جانے کی وجہ تھے مگر بڑی وجہ اس کی زبان تھی۔ وہ کڑوی، تلخ اور زہریلی زبان تھی وہ ہمیشہ ایک خنجر کی طرح استعمال کرتی تھی۔ اسے کسی کی پروا نہیں تھی، نہ کسی کا لحاظ۔ وہ غصے میں آتی تو چیخ چلا کر گالیاں بکتی جاتی۔ اتنا چیخ کر اس کی بدصورتی کئی درجے بڑھ جاتی۔ وہ گالی سے بہتان اور بہتان سے بددعا تک ہر خنجر، ہر ہتھیار، ہر حربہ استعمال کرتی۔ زبان کے استعمال میں کوئی بھی اسے ہرا نہیں سکا۔ لوگوں نے آہستہ آہستہ اس سے دور رہنا شروع کر دیا تھا اور وہ یہی چاہتی تھی۔ لوگ پاس ہوتے تو بہت کچھ کہتے تھے۔ اس بہت کچھ میں ایک بھی ایسی چیز ایسا لفظ نہیں ہوتا تھا جو صالحہ احسان کو خدا کی بنائی ہوئی ایک چیز سمجھ کر کہا جاتا جو بھی کہا جاتا وہ اللہ کی طرف سے اسے چوک کروانے والی چیز سمجھ کر کہا جاتا۔ لوگ اس سے دور ہٹنے لگے۔ وہ اپنے خول میں سمٹتی گئی۔ ایک... دو... تین اس نے یکے بعد دیگرے اپنے وجود کے گرد بہت سی دیواریں چننا شروع کر دی تھیں۔ ہر دیوار پہلے سے زیادہ سخت، پہلے سے زیادہ بے ڈھنگی تھی مگر صالحہ احسان خوش تھی۔

لوگ کسی شخص کے پاس رہیں یا دور رہیں، وہ چپ کبھی نہیں رہتے۔ انہیں بات تو کرنی ہی ہوتی ہے۔ انہیں کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی ہوتا ہے اور صالحہ احسان جیسے وجود تبصرہ کے لیے سب سے اچھا موضوع ہوتے ہیں ان کے بارے میں ہر قسم کی بات کی جا سکتی ہے۔ چاہو تو ان کے ظاہری وجود کے بارے میں بات کرو، چاہو تو ان کے باطنی وجود کے بارے میں بات کرو، چاہو تو ان کا مذاق اڑاؤ، چاہو تو ان کا تماشا بناؤ۔ جتنی ورائٹی صالحہ احسان میں تھی، کسی اور میں نہیں تھی۔ ترس سے لے کر طنز تک لوگ اس کے لیے ہر چیز، ہر جذبہ استعمال کر سکتے تھے، ماسوائے ایک چیز کے، ماسوائے ایک جذبے کے... محبت کے۔

35 سال کی عمر تک وہ اپنے ہر رول میں ناکام رہی تھی۔ بیٹی، بہن، نند، پھوپھی، خالہ ہر رشتے میں وہ دوسروں کے لیے باعث تکلیف رہی تھی تو اتنی ہی تکلیف اور اذیت اس نے ان رشتوں سے پائی بھی تھی۔

وہ بعض دفعہ پوری پوری رات آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے وجود پر نظریں جمائے رکھتی۔ خود کو گھورتی رہتی پھر سوچتی ''کیا دنیا میں میری ضرورت تھی؟ میرے وجود کے بغیر دنیا میں کون سی کمی واقع ہو جاتی۔ ہاں شاید لوگوں کو تماشا بنانے کے لیے، مذاق اڑانے کے لیے میرے جیسی مضحکہ خیز چیز نہ ملتی۔'' وہ ایک زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ سوچتی پھر اپنے ڈربے جیسے تنگ کمرے میں پھرنے لگتی۔ ''کیا اللہ مجھے بتا سکتا ہے، اس نے دنیا میں میرے لیے سزا کے علاوہ کیا رکھا ہے؟ ذلت کے علاوہ اور کیا مخصوص کیا ہے؟ کیا خدا بتا سکتا ہے کہ اس نے میرے جیسے بے کار اور ناکارہ وجود کو دنیا میں کون سے انقلاب کے لیے پیدا کیا ہے؟ کیا خدا بتا سکتا ہے، میرے نہ ہونے سے کون سی چیز سے محروم ہو جاتا؟ کیا خدا بتا سکتا ہے، اس نے میرے جیسا عذاب دنیا پر کیوں نازل کیا؟''

وہ پاگلوں کی طرح ساری ساری رات خدا سے سوال کرتی رہتی مگر جواب... جواب نہیں ملتا۔

☆☆☆

وہ دونوں آؤٹ ڈور میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سفینہ سلور گرے سلک کی ساڑھی باندھے ہوئے تھی۔ اس کے کھلے بال جسم کی حرکت کے ساتھ اس کے سلیولیس بلاؤز سے نظر آنے والے بازوؤں پر گرتے تو وہ کبھی سر اور گردن کے جھٹکے سے انہیں پیچھے کرتی۔

شجاع علی اس پر سے نظریں نہیں ہٹا پا رہے تھے وہ سارا دن آفس میں ساتھ ہوتے تھے۔ شجاع علی سارا دن اسے دیکھتے رہتے، اس سے باتیں کرتے رہتے، اس کے باوجود جب بھی رات کو اس کے ساتھ ڈنر کے لیے کہیں جاتے، سفینہ انہیں اسی طرح مسمرائز کر دیا کرتی تھی۔

شجاع علی کے لیے ہر بار اسے یوں سنورا دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ کل زیادہ اچھی لگ رہی تھی یا آج۔ وہ ہر بار پہلے سے زیادہ پرکشش اور حسین لگتی تھی اور وہ خود کو ہر بار پہلے سے زیادہ مجبور اور بے بس پاتے تھے انہیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا تھا کہ سفینہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔

"آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو مجھ سے کوئی خاص بات کرنا ہے۔" سفینہ نے اپنے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے شجاع علی کو یاد دلایا۔

"دراصل میں تم سے بات کرنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہوں، میں بہت دنوں سے تم سے ایک بات کہنا چاہتا تھا مگر ہر بار میری ہمت جواب دے جاتی تھی۔ آج بہرحال میں نے یہ طے کر لیا کہ جو بھی ہو مجھے آج تم سے یہ بات کہہ دینا ہے۔" شجاع علی بڑی سنجیدگی سے گفتگو کر رہے تھے جبکہ سفینہ بے نیازی سے مشروب پینے میں مصروف تھی۔

"سفینہ! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

شجاع علی کا خیال تھا کہ سفینہ ایک دم حیران ہو جائے گی، نروس ہو گی۔ کہے گی کہ میں ایسی بات کی توقع ہی نہیں کر رہی تھی۔ بے یقینی سے انہیں دیکھے گی لیکن ان کی کوئی توقع پوری نہیں ہوئی۔ سفینہ کے چہرے پر حیرت آئی نہ بے یقینی۔ شاک نظر آیا نہ اس کا رنگ بدلا۔ نہ اس کے ہونٹ کپکپائے۔

اس نے ان کی بات ان کے چہرے پر نظریں جما کر سنی اور پھر ٹیبل سے مشروب کا گلاس دوبارہ اٹھاتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔ "کیوں..."

شجاع علی اس سوال کی توقع نہیں کر رہے تھے اور شاید اس ردعمل کی بھی۔

"کیوں کے بارے میں تو میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" شجاع علی نے کہا۔ سفینہ نے مشروب کا ایک اور گھونٹ لیا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے گلاس کو نیچے رکھ دیا۔

"میں جانتی ہوں، آپ کو مجھ سے محبت ہے اور یقیناً آپ کو بھی پتا ہوگا کہ مجھے تم سے محبت ہے مگر شادی..." وہ رک گئی۔

"تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟" شجاع علی کچھ بے چین ہوئے۔

"میں نے آپ سے شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔" سفینہ نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟" شجاع علی کو جیسے شاک لگا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کو کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔"

"کیسی تکلیف؟"

"آپ کے گھر والے..." سفینہ نے ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"سفینہ! میرے گھر والے میرا مسئلہ ہیں۔ تمہیں ان سے کسی قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔" شجاع علی نے فوراً کہا۔

"مجھے ان سے اپنے بارے میں کوئی خدشہ نہیں ہے، میں آپ کے بارے میں پریشان ہوں۔ میں نہیں چاہتی آپ کسی پریشانی کا شکار ہوں۔"

"تم فکر مند مت ہو، میں اس صورت حال کو ہینڈل کر لوں گا۔ میں اس سارے معاملے پر غور کر چکا ہوں اور پھر فوری طور پر تو اس شادی کے بارے میں میرے اور تمہارے علاوہ کسی اور کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ تم اسی طرح آفس آتی رہو گی۔" شجاع

علی نے کہا۔

سفینہ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ شجاع علی نے اچانک ایک انگوٹھی نکال کر میز پر سفینہ کے سامنے رکھ دی۔ سفینہ کی نظریں اس انگوٹھی پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں چند لمحوں کے لیے چمک آئی تھی۔ کچھ دیر تک انگوٹھی کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے انگوٹھی اٹھانے کے بجائے اپنا ہاتھ شجاع علی کی طرف بڑھا دیا۔ شجاع علی کے چہرے پر چمک آ گئی۔ سفینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے شجاع علی نے دوسرے ہاتھ سے انگوٹھی سفینہ کی انگلی میں پہنا دی۔

☆☆☆

گلی کے کونے پر موجود کوڑے کے ایک بہت بڑے ڈرم کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ لوگ اس ڈرم کے گرد جیسے گھیرا ڈالے کھڑے تھے مگر کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ کچھ عورتیں افسوس کرتے ہوئے واپس آ رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟" رابعہ نے ان سے پوچھا۔

"بس قرب قیامت کی علامت ہے اور کیا ہے۔" ایک عورت نے مالک مکان کی بیوی کے بولنے سے پہلے ہی کہا۔

"وہاں کوڑے کے ڈرم میں کیوں کے ایک تھیلے کے اندر دو نوزائیدہ بچے کوئی پھینک گیا ہے۔ ایک بچہ تو مر چکا ہے جبکہ دوسرے بچے کو چوہوں نے کتر دیا ہے مگر وہ ابھی زندہ ہے۔ چند سانس باقی ہیں اس کے۔" وہ عورت سب کچھ کہتی رہی۔

"تو اس کو ہسپتال لے جائیں۔" رابعہ نے بے اختیار کہا۔

"پولیس کو فون کیا ہے، پولیس کے آنے سے پہلے کوئی پاس جانا نہیں چاہتا مگر انہوں نے چوہوں کو بھگا دیا ہے۔

ویسے بھی ایسے بچوں کو بچا کر کیا کرنا ہوتا ہے۔ جنہیں پیدا کرنے والے پھینک جاتے ہیں۔ انہیں دنیا کیسے اٹھائے۔

اچھا ہے وہ بھی مر جائے۔ ذلت اور خواری کی زندگی سے بہتر ہے۔" ایک عورت نے کچھ افسردہ سے انداز میں کہا۔

رابعہ وہاں نہیں رکی۔ وہ تیز قدموں سے کوڑے کے ڈھیر کی طرف بڑھ گئی۔ لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے وہ آگے بڑھ آئی۔ باقی لوگوں کی طرح ڈرم میں صرف جھانکنے کے بجائے اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ تھیلا نکال لیا جس میں ہلکی حرکت کے ساتھ کچھ رونے کی خفیف سی آواز آ رہی تھی۔

"ارے... ارے... یہ کیا کر رہی ہو بی بی! ہاتھ مت لگاؤ۔ پولیس کو آنے دو۔" اس کے پیچھے کھڑے محلے کے ایک آدمی نے کہا۔

"اور پولیس کے آنے تک یہ مر گیا تو...؟"

"اچھا مر جائے، اس طرح کی غلاظت..." ایک بزرگ بڑبڑائے۔

وہ ان کی بات پر توجہ دیے بغیر گلی میں لگے ہوئے بلب کے نیچے اس تھیلے کو لے آئی۔ تمام لوگ اب اس کے گرد جمگھٹا لگانے لگے۔ رابعہ نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ تھیلے کے اندر سے وہ نحیف سا وجود نکالا اور وہ جیسے دھک سے رہ گئی۔ اس بچے کا ایک پورا کندھا خون سے بری طرح لت پت تھا اور وہاں سے گوشت بھی نظر آ رہا تھا۔ بچے کے جسم پر کوئی کپڑے نہیں تھے۔ صرف ایک کپڑے کے ٹکڑے سے اسے لپیٹا گیا تھا۔ رابعہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

زمین پر آلتی پالتی مارتے ہوئے اس نے اس بچے کو گود میں ڈال لیا اور ہاتھ تھیلے کے اندر ڈال کر دوسرے بچے کو بھی باہر نکالا۔ اس بچے کو بھی اسی طرح کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹا گیا تھا۔ وہ چوہوں کی دسترس سے مکمل طور پر محفوظ تھا۔ اس کا جسم سرد اور نیلا تھا۔ دیکھنے میں یوں ہی لگ رہا تھا جیسے وہ مر چکا تھا۔ رابعہ نے اس کے دل کی دھڑکن تلاش کرنے کی کوشش کی اور دل کی دھڑکن تلاش کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ بچہ بھی مرا نہیں تھا۔ اس کا سانس بہت نامحسوس انداز میں چل رہا تھا۔

چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ اس کے دل کی دھڑکن کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

تھیلا پھینکتے ہوئے وہ ان دونوں کو بازوؤں میں سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رابعہ! کیا کر رہی ہو؟" مالک مکان کی بیوی نے اس سے پوچھا۔

"میں ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہی ہوں۔ یہ دونوں ابھی زندہ ہیں۔" اس نے قدم اپنے گھر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

"میں چاہتا ہوں جب تمہارے گھر والوں کو اس کورٹ میرج کے بارے میں پتا چلے تو وہ اسے کاغذ کا صرف ایک ٹکڑا سمجھ کر تمہیں اس سے چھٹکارا دلانے کی کوشش نہ کریں۔" وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے چند گھنٹے پہلے کورٹ میرج کی تھی۔

"وہ یہ جان جائیں کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے اور بقول انکل لڑکیوں کی شادی ایک ہی بار ہوتی ہے، بار بار نہیں، اس لیے بہت سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ تم اس سوچ اور سمجھ کا اپنی مرضی سے استعمال کر چکی ہو۔ میں چاہتا ہوں وہ مجھے اپنے داماد کے طور پر قبول کریں اور یہ سب کورٹ میرج کے کاغذ کے ایک ٹکڑے سے نہیں ہوگا۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"مگر عثمان..." ماریہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن عثمان نے بایاں ہاتھ اٹھا کر مدھم مگر مستحکم آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے بحث کرتی ہوئی عورتیں اچھی نہیں لگتیں اور اپنی بیوی کو بحث کرتے تو بالکل پسند نہیں کروں گا۔ مجھے ایسی عورتیں اچھی لگتی ہیں جن میں تابعداری ہو۔"

ماریہ نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا۔ عثمان کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

"یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ عثمان کو عورتوں کی کمی نہیں تھی پھر بھی اس نے اگر تمہارا انتخاب کیا ہے تو وہ تمہیں ان تمام عورتوں سے بہتر اور برتر دیکھنا چاہتا ہے۔"

وہ کچھ بھی نہیں بول پا رہی تھی۔

"میں تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف یہاں لایا ہوں نہ تم سے کوئی زبردستی کروں گا۔ تمہیں اختیار ہے چاہو تو میری بات مانو یا مت مانو مگر یہ ضرور سوچ لو کہ میرے ساتھ تمہیں وہ زندگی گزارنی ہے جس کے بارے میں تم خواب دیکھتی آئی ہو۔ خوابوں میں نظر آنے والی چیزوں کو مٹھی میں لینے کے لیے ہاتھ کی گرفت کو بہت مضبوط ہونا چاہیے۔" وہ اب اسے دیکھنے کے بجائے ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"تم اگر آج میری بات نہیں بھی مانتیں، تب میری بیوی بہرحال تم ہی ہو گی مگر ہمارا رشتہ شاید اتنا مضبوط کبھی نہ ہو سکے، جتنا ہم دونوں کو توقع ہے۔" ماریہ نے سر جھکا لیا۔

"میرے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں قدم قدم پر ایسے بہت سے فیصلے کرنے پڑیں گے جن پر تمہارے باپ کی اخلاقیات بہت سے فتوے عائد کرے گی مگر وہ سب کچھ عثمان کی زندگی کا حصہ ہے اور میں ان چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اب اگر تم چاہو تو میں تمہیں واپس کالج چھوڑ آتا ہوں۔" اس نے گیند اس کے کورٹ میں پھینک دی۔ ماریہ کچھ بول نہیں سکی۔ عثمان اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماریہ نے کھڑکی سے باہر لان میں نظر دوڑائی۔ دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ اس نے ونڈ اسکرین سے اپنے سامنے کھڑی عمارت کو دیکھا۔

اس نے اپنے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا۔

اس نے چند لمحے آنکھیں بند کر کے کچھ سوچا۔ اس کے تین طرف پر کشش تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا، وہ ایک چوکور کا وہ چوتھا کونہ ہے جو پرفیکٹ نہیں ہے مگر پرفیکٹ ہو سکتا ہے۔ آنکھیں بند کیے ہوئے دائیں طرف بیٹھے شخص کے وجود سے اٹھتے ہوئے کولون کی مہک اسے حواس کو متاثر کرتے لگی۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے نظر آنے والی عمارت اس کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔

اس نے بائیں جانب سر گھمایا۔ دور تک پھیلا ہوا سبزہ اس کے دل و دماغ کو عجیب سا سکون پہنچانے لگا۔ وہ سحر زدہ ہونے لگی۔ اس کے تین طرف پرفیکشن تھی۔ ''Perfection begets perfection'' اس نے سرگوشی کی۔ چوکور کے تین کونے خواب زار، ایک قدم جنت ارضی۔

اس نے بایاں ہاتھ ہینڈل پر رکھا اور دروازہ کھول دیا۔ چوکور کے چوتھے کونے کو مکمل کرنے نے Perfection تلاش کر لی تھی۔

گاڑی اب خالی تھی۔ وہاں کوئی ذی نفس نہیں تھا صرف خاموشی تھی، تنہائی تھی۔

تھوڑا سا آسماں
تھوڑا سا آسماں
ایک لمبی سانس ہو
اور ایک آسماں
ایک آنچ درد کی
اور ہلکا سا دھواں
تھوڑا سا آسماں
ہوا کے دوش پر رکھ دو
یا اس کو آنچ پر رکھ دو
یہ چند اڑتے ہوئے تنکوں کا
یہ آشیاں دیکھو
میں اس کو اوڑھوں یا بچھا
یا میں اس کو بانٹ دوں
میرے حصے کا جتنا بھی ہے
میرا آسمان دے دو
تھوڑا سا آسماں
تھوڑا سا آشیاں
تھوڑا سا یہ جہاں

ختم شد

That is not the end but...

M Jawad Ali +971-50-2737867